ماہ نامہ المیزان بمبئی

مختصر تاریخی جائزہ

فروغ دو علم دین کو

دارالعلوم اہلسنت جبلپور

اکابرین خانوادۂ اشرفیہ کی رہنمائی میں
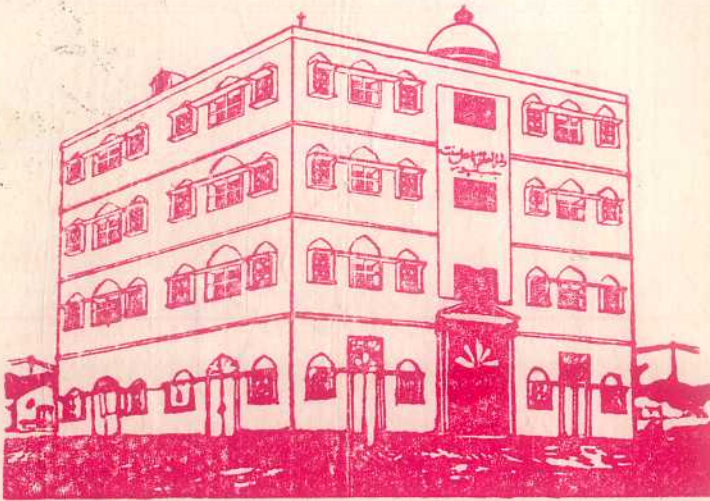
مجوزہ پلان دارالعلوم اہلسنت

دارالعلوم اہلسنت شیخ طریقت حضرت مولانا سید تنویر اشرف

کی جاندار اور بے لوث قیادت میں رواں دواں ہے

علوم اسلامیہ کے تحفظ و بقا کی خاطر آیئے ہم سب ملکر دارالعلوم کو تکمیل کی منزل پر پہنچائیں

: منجانب :

اراکین: دارالعلوم اہلسنت جبلپور

ترسیل زر کا پتہ: چودھری عبدالحمید اشرفی اسکن مرچنٹ چھوٹی مدار ٹیکری جبلپور ایم پی

اور قائم رکھو وزن کو انصاف سے اور نہ گھٹاؤ میزان کو (قرآن عظیم)

بیادگار: مخدوم الملت محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان

ماہنامہ المیزان بمبئی

سرپرست: شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں

ایڈیٹر: سید محمد جیلانی محامد

امام احمد رضا نمبر

جلد ۶ شمارہ ۷-۸-۹ ، اپریل، مئی، جون۔ تاریخ اشاعت ۲۶ مارچ ۱۹۷۶ء۔ قیمت پچیس روپے

ماھنامہ

بمبئی

کا

امام احمد رضا نمبر

زرِ سالانہ: ہندوستان سے بیس روپے — غیر ممالک سے چار پاؤنڈ

قیمت: عام شمارہ: ــــــ دو ر[illegible] — امام احمد رضا نمبر: ــــ پچیس [illegible]

مطبع:۔ اردو پریس زیرِ نگرانی اردو ٹائمز بمبئی

ایڈیٹر سے
دارالعلوم دیوان شاہ، اشرف نگر
درگاہ روڈ۔ بھیونڈی۔ تھانہ۔

منیجر سے
ماہنامہ "المیزان"
57/E سانکلی اسٹریٹ۔ جونی مسجد کمپاؤنڈ بمبئی

پیغام

پیامات

اداریہ

قرآن فہمی

فقہیات

روحانیات

تجدید و احیاء دین

علوم جدیدہ

تالیفات

سوانحیات

سیاسیات

تنقیدات

شعروادب

تاثرات

ارشادات

تجلیات حرمین

ہمارے معاونین ایک نظر میں

منتظمین

جنہوں نے امام احمد رضا نمبر کی طباعت و اشاعت میں رضاکارانہ خدمات پیش کیں۔

جناب محمد یسین انصاری، جنرل سکریٹری سنی لیگ

〃 عبدالرزاق منشی اختر سکریٹری سنی لیگ

〃 منظور احمد مالک اردو ٹائمز

〃 سعید احمد انصاری سب ایڈیٹر اردو ٹائمز

〃 منیر احمد انصاری خازن سنی لیگ

〃 ابراھیم حاجی عبد الغفار مالک پاپولر اسٹورس

〃 شفیع اللہ خان غازیپوری نائب صدر سنٹرل ریلوے مزدور سنگھ ہیڈ آفس ممبئی

〃 محمد الیاس، فیاض بائنڈنگ ورکس

〃 عبد الرحیم انصاری مالک شالیمار پرنٹرس

〃 محمد یوسف منہار منہار کنسٹرکشن کمپنی

〃 محمد ابراھیم محمد عمر مرچنٹ

مرتبین

جنہوں نے امام احمد رضا نمبر کی تدوین و ترتیب میں دن و رات وقف کر دئے

مولانا محمد احمد مصباحی مبارکپوری

مولانا سید شمس الضحیٰ غازی پوری

مولانا محمد ایوب رضوی جمداشاہی بستوی

مولانا عبید اللہ خاں رضوی اعظمی

مولانا مصطفےٰ علی خان مہتاب افتخاری

مولانا شاہد رضا ایم اے

منظور حسین بہادری

قاری جنید عالم اشرفی

وحید احمد انصاری

محمد خلیل اشرفی رامپوری

محمد ہارون انصاری

کاتبین

جنہوں نے امام احمد رضا نمبر کی ...
میں فن خوشنویسی کا شاندار ...

شمس الکاتبین قادر رقم مولانا شمس الحق ...

شمس الحق خان شمس ...

علیم اللہ ...

محمد اسد خان ...

جلال الدین خان ...

سعید احمد انصاری ...

شبیر احمد خان ...

سید مشتاق علی ...

مولانا حفظ الرحمٰن خان ...

اخلاق احمد خان ...

افتخار احمد اثر ...

تزئین کار:

ہندوستان کے مشہور آرٹسٹ

عالیجناب ظفر محمد خاں بھوپالی

حضرت سید محمد جیلانی میاں صاحب ایڈیٹر ماہنامہ المیزان بمبئی

اور جناب محمد یسین انصاری رضوی جنرل سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ
آستانہ عالیہ رضویہ پر تشریف لائے اور المیزان کی خاص اشاعت "امام احمد رضا نمبر"
کا ذکر کیا سنکر نہایت دلی مسرت ہوئی۔ بصمیم قلب دعا ہے کہ مولی تعالی بطفیل
نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس اہم تاریخی تحقیقی اور علمی کام کو کامیاب
و کامران فرمائے اور ہر مسلمان کو فاضل بریلوی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان
سے استفادہ کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی
علیہ وعلیہم و آلہ وصحبہ اجمعین۔ فقیر دعا گو ہے کہ المیزان کو مولائے کریم یوما فیوما
ترقیوں کی منزل پر گامزن فرمائے۔ میری نیک تمنائیں اور پر خلوص دعائیں
ماہنامہ المیزان اور آل انڈیا سنی لیگ و رفقاء اہلسنت کے لئے ہیں۔

فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہ
۳ ذی الحجہ ۹۵ھ

ابوالمسعود سیّد محمّد مختار اشرف الاشرفی الجیلانی
سجادہ نشین کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد

Abul Masud Syed Mohd. Mukhtar Ashraf Ashrafi-ul-Jilani

SAJJADA NASHEEN KICHHAUCHHA SHARIF, DIST. FAIZABAD. (U.P.)

Date ____________

No. ____________

۸۶
۹۲

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم

مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت یوں تو محتاج تعارف نہیں لیکن انکی فکر و نظر کے فیضان سے ملت اسلامیہ کے تحفظ و بقا اور اسلامی شعور کی صالحیت پر جو تاریخی اثرات مرتب ہوئے ہیں انکا تعارف ابھی تک نہیں ہو سکا ہے۔ مجھے بحد مسرت ہے کہ وقت کی اس اہم ترین دینی و ملّی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ماہنامہ "المیزان" بمبئی "امام احمد رضا نمبر" شائع کر رہا ہے۔

ماہنامہ المیزان" کی یہ عظیم پیشکش اور "آل انڈیا سنّی لیگ" کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی "امام احمد رضا کانفرنس" میں اسکی رسم اجراء ہماری جماعت میں بیداری کی ایک نئی لہر کا اشاریہ ہے۔ اور قومی سطح پر ہمارے جماعتی وجود کی اہمیت کے احساس و اعتراف کی بنیاد کو استوار کرنے کی ایک زبردست علامت ہے۔ میری بے شمار دعائیں اور نیک خواہشات ان تمام حضرات کیساتھ ہیں جو اس تاریخی و تحقیقی کارنامہ میں کسی بھی طرح حصہ لے رہے ہیں۔

سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین
کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد
۳ر صفر المظفر ۱۳۹۶ھ
۴ر فروری ۱۹۷۶ء

SYED MOHAMMED MADNI
ASHRAFI JILANI
Patron:- **AL MEEZAN**
P. O. Kichhochha Sharif
Dist. FAIZABAD U.P

سید محمد مدنی · اشرفی الجیلانی
سرپرست المیزان
پوسٹ کچھوچھا شریف، ضلع فیض آباد (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میری دیرینہ تمنا تھی کہ امام احمد رضا جیسی عبقری شخصیت پر ایک اہم دستاویز منظر عام پر آئے جو نئی نسل کو امام احمد رضا کی ہزار پہلو شخصیت سے حقیقی معنوں میں متعارف کرانے کا باعث ہو ——— ماہنامہ المیزان کا امام احمد رضا نمبر صرف یہی نہیں کہ میری دیرینہ تمناؤں کا مظہر ہوگا بلکہ ملت اسلامیہ کا ایک عظیم سرمایہ بھی ہوگا ——— امام احمد رضا نمبر کی اشاعت پر میری دلی مبارکباد ——— آل انڈیا سنی لیگ کی جانب سے ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۷۶ء بمبئی میں منعقد ہونے والی عظیم الشان امام احمد رضا کانفرنس امام احمد رضا کے تجدیدی، تحقیقی، علمی اور دینی کارناموں کی اشاعت کیلئے ایک اہم مستحسن اقدام ہے - میں نے امام احمد رضا کانفرنس میں شرکت کیلئے اپنے سفر برطانیہ پر روانگی کی تاریخ کو ایک ہفتہ کیلئے بڑھا دیا ہے انشاء المولیٰ تعالیٰ میں اس کانفرنس میں شرکت کی سعادت حاصل کرونگا فقط

والسلام

محمد مدنی
اشرفی جیلانی غفرلہ
یکم مارچ ۱۹۷۶ء

DO NO 1357/GO.

OVERNOR, ORISSA. اکبر علی خان گورنر اڑلیسہ

RAJ BHAVAN
BHUBANESWAR

14 February 1976

Dear Syed Mohamed Jilani Muhamid Sahib,

I have received your letter intimating to me that you propose to have a Special Number in the name of Janab Hazrat Ahmed Reza Khan Sahib (May his soul rest in peace!), depicting different aspects of his contribution to Islamic literature. I have had the privilege of meeting him in my student days when I was staying at Aligarh from 1917 to 1920. Let me confess - I do not know much about many books that he has written. I would like your Special Number to highlight the essential pieces of his work which would unite not only all sections of the Muslim community, but also all sections of Indian society and even the whole world. The great saying of our Holy Prophet that "The whole human race, ~~which~~ is a family , irrespective of different caste, creed, religion and country ~~and it~~ should be fully respected in thought and in deed. Any community will be judged not by theological processes but by the conduct of the people professing that religion in relation to their services to humanity. I join with you in paying my respects to the great personality, Janab A. Raza Sahib who has also been in the fore-front of Independence struggle, as indicated in your letter. I would end this letter with a couplet of Hazrat Maulana Rumi —

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا = بندہ ما را ز ما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی = نے برائے فصل کردن آمدی

With best wishes, and my profound respects for the great soul

Yours Sincerely,
Akbar Ali Khan
(Akbar Ali Khan)

Janab Syed Mohamed Jilani Muhamid,
Editor, The Almeezan Monthly,
57-E, Sankli Street, Juni Masjid Compound,
BOMBAY-400 008 (Maharashtra)

Press Secretary
to the Chief Minister

وزیر اعلیٰ راجستھان
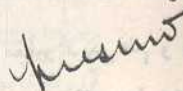
February 19, 1976

Dear Shri Muhamid,

Thank you for your circular letter of February 12, 1976, addressed to the Hon. Chief Minister, Shri Harideo Joshi.

The Hon. Chief Minister sends his good wishes to "Almeezan" on the occasion of publication of a souvenir in the memory of Imam Ahmedreza Khan Saheb.

Yours sincerely,

(L. M. Eshwar)

Syed Mohamed Jilani Muhamid,
Editor,
ALMEEZAN,
57-E, Sankli Street,
Juni Masjid Compound,
BOMBAY.

امام احمد رضا کے متعلق مودودی صاحب کی رائے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابوالاعلیٰ مودودی
اے ذیلدار پارک ۔ اچھرہ
لاہور - ۱۲ (پاکستان)

فون نمبر ۵۲۵۰۰
حوالہ ...382...
مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۷۲ء

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا ۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ آپ کا پہلا عنایت نامہ کب آیا اور میں نے کیا جواب دیا ۔ بہر کیف مجھے مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم کے بارے میں کچھ لکھنے سے گریز نہیں ہے ، بلکہ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے علالت کے باعث میرا لکھنے پڑھنے کا کام بالکل محدود ہو کر رہ گیا ہے ۔

میری نگاہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم و مغفور دینی علم و بصیرت کے حامل اور مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کے قابل احترام مقتدا تھے ۔ اگرچہ ان کے بعض فتاوی و آراء سے مجھے اختلاف ہے لیکن میں اُن کی دینی خدمت کا معترف بھی ہوں ۔

آپ نے مسلمانوں کی تمام جماعتوں کے مابین اتحاد کی جس فضا کا ذکر کیا ہے ، میں اس کا دل سے خواہاں ہوں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے مسلمہ مکاتب فکر اگر ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق سے اجتناب کریں ، باہمی اختلاف کا اظہار ضروری ہو تو اس میں دل آزاری سے پہلو بچائیں اور ہر نزاعی مسئلے کو کفر و اسلام کا مسئلہ نہ بنائیں تو اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی انشاء اللہ ہم مل جل کر دین و ملت کی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

خاکسار
[signature]

ترجمانِ اہلسنت کراچی ۔ مئی جون ۱۹۷۵ء (۱۳)

محمد صادق قصوری
حسین خان والا ہٹھاڑ براہ قصور
ضلع لاہور (پاکستان)

۱۶ دسمبر ۱۹۷۵ء

برادر عزیز ڈاکٹر محمد اسد پیلی بھیتی کے خط سے یہ معلوم کرکے از حد خوشی ہوئی ہے کہ آپ کا ماہنامہ "المیزان"، اعلحضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کی یاد میں "امام احمد رضا نمبر" کے نام سے ایک خاص اشاعت پیش کر رہا ہے۔ اس اہم اور نیک فرض کی ادائیگی کے لئے مبارکباد قبول فرمائیے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ اپنے وقت کے ولیٔ کامل فقیہ اعظم اور بہت بڑے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ فرقہائے باطلہ کی سرکوبی کے لئے آپ کے کارنامے ہمارے لئے مشعل راہ اور باعث فخر ہیں۔ میرے پیرو مرشد حضرت قبلہ عالم امیر ملت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر مولانا احمد رضا خاںؒ نہ ہوتے تو دیوبندی سارے ہندوستان کو وہابی بنا دیتے۔"

الحمد للہ! آج برصغیر میں اگر سنّی پائے جاتے ہیں تو صرف آپ کے طفیل ہی۔ ع

احمد رضا کے فیض کا در ہے کھلا ہوا
ہے سنّی فقیروں کا جھنڈا گڑا ہوا

محمد صادق قصوری
۱۶/دسمبر ۱۹۷۵ء

شیخ المشائخ حضرت دیوان سید شاہ زین العابدین علی خان

سجادہ نشین درگاہ ولی الہند خواجہ غریب نواز، اجمیر شریف

ھوالمعین

باآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

مکرمی جناب سید محمد جیلانی صاحب، ایڈیٹر ماہنامہ المیزان بمبئی

آپ کا مکتوب مرسلہ ۱۹ فروری فقیر کو ۲۸ فروری کو موصول ہوا۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ آپ اپنے موقر ماہنامہ کا امام احمد رضا نمبر عنقریب شائع کر رہے ہیں۔ شائع ہوجانے پر مذکورہ اشاعت کی ایک نقل بذریعہ وی پی ضرور بھیج دیجئے۔

بیشک حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات کا شمار چودھویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے اکابر علماء و مبلغین میں ہوتا ہے۔ اپنے نامور اسلاف کی تبلیغی مساعی کا اعتراف و اعادہ بار بار کرنا اخلاف کا مذہبی فریضہ ہے۔

فقیر دست بدعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہندوستان کے ہادئ اعظم جدِّ بزرگوار حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کے صدقہ میں آپ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

دعاگو

فقیر سید زین العابدین علی خان

۲۰ مارچ ۱۹۷۶ء

عالیجناب خلیفہ ضیاء الدین صاحب
ریٹائرڈ پرنسپل انجمن اسلام ہائی اسکول، بمبئی

عالی جناب سید محمد جیلانی صاحب
اڈیٹر ماہنامہ المیزان، بمبئی

سلام مسنون

آل انڈیا سنی لیگ کے ایک وفد سے گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ آل انڈیا سنی لیگ کے زیر اہتمام امام احمد رضا کانفرنس ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ مارچ ۱۹۷۶ء کو بمبئی میں منعقد ہوگی جس میں المیزان کے امام احمد رضا نمبر کی رسم اجرا بھی انجام پائے گی۔ مجھے بھی امام مرحوم سے ایک خاص تعلق ہے کیونکہ ان کے شاگرد رشید اور مرید و خلیفہ مولانا دیدار علی کی شاگردی کی سعادت حاصل ہے۔

مذکورہ بالا وفد سے جو باتیں مجھے معلوم ہوئیں تقریباً پچاس سال کے عرصے میں کسی اور سے نہیں سنیں۔ امام صاحب موصوف جس انداز سے پیش کئے جاتے رہے ہیں اس سے ان کی شکل ہمارے سامنے دھندلی ہو کر آئی ہے۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ نزاعی مسائل نے ان کے تبحر علمی کو بالکل دبا رکھا ہے۔ مجھے مسرت ہوئی کہ کانفرنس میں ان کے علمی، تحقیقی اور تجدیدی کارناموں کو نئے انداز سے واقف کرانے کی جانب قدم اٹھایا جا رہا ہے خدا اس خدمت کو قبول کرے۔

مجھے امید ہے کہ المیزان کا امام احمد رضا نمبر علمی و تحقیقی دنیا میں نئی راہیں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ میری نیک تمنائیں اور پرخلوص دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ والسلام

دعا گو
ضیاء الدین

عالی جناب سیّد اوصاف علی

ناظم انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز
نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی رحلت کو کم وبیش نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہوا۔ افسوس ہے اس قلیل مدّت میں ہم نے ایسے باکمال عالم اور بے مثل شخصیت کو بھلادیا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ غالباً ان کی راسخ الاعتقادی ہے جس کے آگے کسی مخالف کے افکار کا چراغ نہ جل سکا۔

بہرحال ان کے علم وفضل کے معترف ان کے موافقین اور مخالفین سبھی ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد بعض لوگوں کے نزدیک پانچ سو اور بعض کے ایک ہزار تک ہے۔ جن علوم میں انھوں نے دسترس حاصل کی ان کی تعداد پچاس بتائی جاتی ہے۔ نزھۃ الخواطر میں بھی اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ مولانا احمد رضا کو فقہ حنفی کی باریکیوں کا ایسا علم تھا کہ اس کی نظیر ان کے زمانے میں نہیں ملتی۔ اس کی شہادت ان کے فتووں کا مجموعہ ہے اور ان کی کتاب کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ہے جو انھوں نے مکہ میں ۱۳۲۳ھ میں لکھی تھی۔ ریاضیات، ہیئت ونجوم سے وہ اچھی طرح شناسا تھے اور رمل وجفر سے بھی واقف تھے۔

مولانا احمد رضا نے لمبی عمر نہ پائی۔ وہ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اس ۶۵ برس کے عرصے میں انھوں نے علم کی ایسی خدمت انجام دی جسے بھلایا نہیں جاسکتا۔

مجھے یہ معلوم کرکے بڑی خوشی ہے کہ سیّد محمد جیلانی محامد صاحب نے المیزان کا ایک خصوصی شمارہ مولانا احمد رضا خان پر نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ امید ہے یہ شمارہ باعتبار مضامین بلند پایہ اور بطور یادگار نہایت اہم ہوگا۔

سید اوصاف علی
ناظم انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز
نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

قدوۃ المشائخ حضرت خواجہ سید پیر ضامن نظامی سید بخاری

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب "المیزان" بمبئی

سلام مسنون دعائے خیر

دعا گو کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ماہنامہ المیزان بمبئی نے امام احمد رضا نمبر کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ یہ ایک نیک قدم ہے۔ اور آج کل کے دور کے لئے اشد ضروری ہے کہ ملک کی عظیم ہستیوں کی زندگی کے روشن پہلو عوام و خواص کے سامنے اجاگر کئے جائیں تاکہ ہر کس و ناکس انکی مثالی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے آپ کو اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب ہندوستان کی برگزیدہ شخصیت تھے۔ انکی ذات مجمع الصفات تھی مختلف علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک شاعر بے بدل بلند پایہ ادیب۔ مفسر قرآن اور محدث اعظم تھے۔ وہ جنگ آزادی کے مجاھد بھی تھے اور شیخ طریقت بھی تھے انھوں نے بے شمار خلق اللہ کو نیکی کے راستہ کی طرف گامزن کیا۔ ان کی عالمانہ شخصیت اور بے مثال خدمات کا اعتراف ہندوستان کی اعلیٰ شخصیتوں نے کیا ہے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نمبر کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی مدد کرے۔ مجھے امید ہے کہ ادارہ المیزان کی یہ کوشش حضرت احمد رضا خاں صاحب کی زندگی اور ان کے کارنامے اور ملک و قوم کے لئے ان کی لافانی خدمات کی مکمل تصویر عوام کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوگا۔

دعا گو

پیر ضامن نظامی سید بخاری
سجادہ نشیں درگاہ حضرت نظام الدین اولیا درگاہی مرکز
نئی دہلی

عون احمد قادری
خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف
پٹنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"داستانِ فصلِ گُل خوش می سراید عندلیب"

فاضلِ بریلوی، محقق دوراں مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی یاد و تذکار میں رسالہ المیزان ممبئی "امام احمد رضا نمبر" شائع کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں بندۂ عاجز سے کچھ عرض کرنے اور پیام بھیجنے کی خواہش ظاہر کی گئی ہے۔

بمصداق ع "نام نیک رفتگاں ضائع مکن"، عرض ہے۔

اِنے شخصیتوں کے کارنامے، ان کے محاسن و کمالات سے اِس دور کے لوگوں کو روشناس کرانا بہت مفید اور اہم کام ہے۔ بلاشبہ وہ ایک محقق فاضل اور شاعر و ادیب تھے بہت سے علمی مسائل کی تحقیق فاضلانہ انداز میں کی ہے اور شعر و ادب کے میدان میں صفِ اوّل میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں۔ اور نعت گوئی میں ان کا مخصوص رنگ ہے جس سے ذاتِ اقدس نبوی سے ان کی عقیدت اور محبت و شغف ملتا ہے۔

ادارۂ المیزان کے مساعی مشکور ہوں۔ اس میں صاحبِ تذکرہ کی حیات کے اِفادی پہلوؤں کو اُجاگر کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

ماہ ربیع الاوّل شریف کی آمد آمد ہے، اِس مناسبت سے آخر میں حضرت موصوف کا ایک مطلع عرض ہے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

عبد عاجز عون احمد قادری غفراللہ
پھلواری شریف
(پٹنہ)

شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ سید عزیز احمد صاحب قبلہ
سجادہ نشین خانقاہ حلیمیہ ابو العلائیہ الہ آباد

یکم ربیع الاول شریف ۹۶ھ
3.3-76

مکرمی اور محترمی جناب سکریٹری صاحب زاد لطفہ

امام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی عظیم روحانی شخصیت کے سلسلے میں ماہنامہ "المیزان" نے جس گراں قدر جد وجہد اور خلوص و محبت کا ثبوت پیش کیا ہے اس کی نظیر نظر نہیں آتی۔ آج امام احمد رضا نمبر کی ھر طرف دھوم مچ کر رہ گئی ہے

المیزان کے ذریعہ آپ حضرات کے پروگرام کی برابر خبر ملتی رہی ہے۔ میں رضا کانفرنس میں شریک ہونے پر فخر محسوس کروں گا۔ اگرچہ ماہ ربیع الاول کے موقع پر بے پناہ مصروفیات کا سلسلہ قائم ہو چکا ہے۔ مگر آپ کے پرخلوص دعوت نامہ کو نظر انداز نہ کیا جا سکا لہذا میں ۲۶ مارچ کو بمبئی میل سے حاضر ہو رہا ہوں۔ فقط

نیازمند

حکیم سید عزیز احمد ابو العلائی

۱۲/۷ چک نیا حجرہ
الہ آباد ۳

صاحبزادہ حضرت سیّد شاہ انوار اللہ حسینی

یکم مارچ ۱۹۷۶ء

افتخاری چشتی القادری۔ حیدر آباد

گرامی مرتبت مخدوم زادہ مولانا سیّد محمد جیلانی محامد اشرفی الجیلانی مدظلہٗ ایڈیٹر ماہنامہ المیزان بمبئی
وعلیکم السلام والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کرم نامہ نظر نواز ہوا۔ المیزان کے امام احمد رضا نمبر کی اشاعت کی اطلاع سے بیحد مسرت ہوئی۔ امام احمد رضا نمبر کے لئے پیغام ارسال کرنے کی آنمحترم نے ہدایت فرمائی ہے۔ خورد نوازی پر مشکور ہوں۔

مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ بابرکات کا چند جملوں میں احاطہ کرنا قطعی ناممکن ہے۔ مجدد دین وملت امام احمد رضا کی جامع الصّفات شخصیت سطحی نظر سے مطالعہ کی حامل نہیں۔ مجدد دین وملت کا احاطہ کرکے قلم اٹھانے کی جراءت وہی شخص کر سکے گا جو قدآور نگاہ کا مالک ہو کر اُن پچاس سے زیادہ علوم وفنون کا ماہر ہو جن علوم وفنون پر مجدد دین وملت نے اپنی پوری زندگی کی ذہنی ریاضت صرف کی ہے۔

مجدد دین وملت کے تعلق سے حضرت والد صاحب قبلہ خطیب الملت مولانا الحاج سیّد شاہ نور اللہ حسینی افتخاری چشتی القادری قدس سرہٗ و حضرت مخدوم الملّت محدّثِ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبانِ فیض ترجمان سے جو کچھ سنا اس کی ہوشربا لذّت سے آج تک سرشار ہوں۔

مجدد دین وملت امام احمد رضا کی تاریخ ساز شخصیت کے ہر پہلو سے واقفیت کے لئے ابھی تک کوئی لٹریچر سامنے نہیں آسکا۔ المیزان کا امام احمد رضا نمبر عقل ونظر کے اس درخشاں دور میں نئے دور کی پُرآشوب ذہنی کشمکش میں مبتلا نوجوانوں کو مجدد دین وملت کی عہد آفریں شخصیت کی رہنمائی میں منزل آشنا کر سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آل انڈیا سنّی لیگ امام احمد رضا کانفرنس کے ذریعہ اور ماہنامہ المیزان امام احمد رضا نمبر کے ذریعہ مجدد دین وملت کی اجتہادی فراست سے نئی نسل کو آگاہ کرنے کی تیاریوں اور تفصیلات سے عزیز القدر برادر طریقت محمد علیم الدین عارف افتخاری بی ایس سی (عثمانیہ) نے اپنے حالیہ سفر بمبئی سے واپسی پر مجھے واقف کروایا۔ تفصیلات سن کر بیحد مسرت ہوئی۔ اس عظیم خدمت کے انجام دینے والے تمام محبین اہلسنت کو اللہ عزوجل اپنے اکرام خصوصی سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

غازئ ملت علاّمہ سیّد محمد ہاشمی میاں مدظلہٗ صدر آل انڈیا سنّی لیگ وعالیجناب مجاہد سنیت محمد لبیین انصاری صاحب کی خدمت میں میری جانب سے اور حاضر الوقت برادر طریقت حضرت خواجہ فاروق گودڑشاہی وبرادر طریقت حضرت خواجہ ذاکر گودڑشاہی ومولانا الحاج غلام محمد صاحب اطہر شرفی جنرل سکریٹری آل انڈیا سنّی لیگ آندھرا پردیش کی جانب سے سلام مسنون عرض فرمالیجئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آل انڈیا سنی لیگ کے زیر اہتمام ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۷۶ء کو بمبئی میں منعقد ہونیوالی امام احمد رضا کانفرنس میں میرے علاوہ برادران طریقت وآل انڈیا سنی لیگ آندھرا پردیش کے عہدیداران واراکان وکارکنان کا ایک بڑا قافلہ شرکت کی سعادت حاصل کریگا۔ والسلام

خیر اندیش: سیّد شاہ انوار اللہ حسینی افتخاری سجادہ نشین، طریقت منزل، جلیہ پورہ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲ (آندھرا پردیش)

اداریہ

دو دو باتیں

ایڈیٹر:
سید محمد جیلانی بن سید محامد اشرف

• آج دنیا کو احمد رضا چاہیئے • تہمتوں کے انبار
• بیگانوں کا ظلم • الزامات کے ثبوت
• نرم روی کی واضح ہدایت • تکفیر مسلمین میں
بیبا کی؟ • امام احمد رضا کی احتیاط • اتمام
حجت کی منزل • امام احمد رضا دیار
قدس میں • رضا مخالف مشن • امام
احمد رضا پر تیسرا الزام • غیر خدا کیلئے سجدۂ
روا جانتے تھے؟ • اپنوں کا ظلم • یہ بھی ظلم
ہی ہے • اپنوں کا ظلم پر ظلم • بے دخل
کرنے کا منصوبہ • امام احمد رضا پر
کام کے طریقے • خیال آیا تو کیوں آیا
• بات پر بات نکل آتی ہے • بات ہے ایک
سال کی • شیخ الاسلام کی غیر معمولی دلچسپی
• شکریہ کیوں ادا کروں • خانوادۂ برکاتیہ
کا تعاون • جب ہم بریلی پہنچے • بکھرے
ذروں کو اجتماعیت • ندامت کے آنسو
• آخری بات۔

اداریہ

آج دنیا کو احمد رضا چاہیئے

امام احمد رضا کا مختصر ترین تعارف یہ ہے کہ   افغان نسل کے ایک خوشحال ا
متمول گھرانے میں بریلی کی سرزمین پر ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو ولادت ہوئی، اپنے والد سے تعلیم پائی، خ
صلاحیتوں نے چودہ سال کی عمر میں (۱۸۶۹ء) میں مسند افتاء کا ذمہ دار بنادیا۔ ۱۸۷۷ء میں خانوا
کے ارادت کیشوں میں شامل ہوئے، ۱۸۷۸ء میں حج کی سعادت حاصل کی، جہاں علماء حرمین وطیبہ
سند و اجازت سے نوازا، دوسری بار ۱۹۰۵ء میں حج و زیارت کو گئے، مکہ معظمہ میں ۸ گھنٹے ک
الدولۃ المکیہ تصنیف فرمائی۔ جسے دیکھ کر علماء حرمین نے اپنا امام تسلیم کیا۔ اسی سفر میں ہند کے
علماء سوء کی وریدہ دہنیوں پر علماء عرب سے آخری فیصلہ حاصل کیا۔ جسے "حسام الحرمین" کے نام سے جانا
۱۹۱۱ء میں قرآن عظیم کا شاندار ترجمہ (کنزالایمان) کیا۔ ۱۹۲۱ء میں وصال ہوا۔ ۱۸۵۶ء سے ۱۹۲۱ء
کی ۶۵ سالہ حیات میں امام احمد رضا نے تقریبًا ۶۵ علوم وفنون پر ایک ہزار کتب و رسائل
فرمائیں، عشق و ایمان سے بھرپور ترجمۂ قرآن دیا۔ ۱۲ ہزار صفحات پر مشتمل فقہی مسائل کا خزانہ "فتاوی
کی شکل میں عطا کیا۔ اگر ہم ان کی علمی و تحقیقی خدمات کو ان کی ۶۶ سالہ زندگی کے حساب سے ح

تو ہر ۵ گھنٹے میں امام احمد رضا ایک کتاب ہمیں دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، ایک متحرک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا جو کام تھا امام احمد رضا نے تن تنہا انجام دیکر اپنی جامع وہمہ صفت شخصیت کے زندہ نقوش چھوڑے، لیکن افسوس کہ اس جاندار حقیقت کی معرفت والے اب تک اپنا حق ادا نہ کرسکے، آج ہم سن عیسوی کے چھہترویں سال میں داخل ہوچکے ہیں اور امام احمد رضا کو پردہ فرمائے، ۵۵ برس گذر گئے۔ ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے محبوب قائد کے علمی کارناموں سے اسلامیان ہند اور عالم اسلام کو متعارف کراتے، تحقیقات و تصنیفات کے جواہر پارے بکھیر دیتے۔ افسوس کہ امام احمد رضا کی بارگاہ میں ہم ۵۵ برس کے بعد   ۵۵ کتابیں بھی نہ پیش کرسکے۔ ابتک جو کچھ لکھا وہ چند اوراق سے زیادہ نہیں، اگرچہ بعض حضرات نے جزوی کوششیں کیں، لیکن وہ تحقیقی و سوانحی معیار کیمطابق نہیں زندہ قوم کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی خدمات اور قربانیوں کو اجاگر کرے، اور ان کی شہرت کو چار چاند لگائے مگر اجاگر کرنا تو بڑی بات امام احمد رضا کو اب تک صحیح انداز میں پیش بھی نہ کرسکے۔ ابن عبدالوہاب سے لیکر ابوالاعلی مودودی تک جتنے قابل ذکر مخالفین ہیں سب کی سوانحیات پر بے شمار کتابیں ان کے اپنوں نے لکھیں اور احسان مندی کا ثبوت دیا۔ یہ تلخ حقیقت تسلیم کیجیے کہ امام احمد رضا کا علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جاسکا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو امام احمد رضا کو جانتا بھی نہیں۔ امام احمد رضا کے گیت ہمارے ہر

اسٹیج پر گائے جاتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کرنا مشکل ہوگا کہ امام تمام یونیورسٹیوں، کالجوں، دانش گاہوں اور لائبریریوں میں موجود ہیں۔ ضرورت ہے کہ امام احمد رضا کی سچی، صحیح، مستند، مدلل و مکمل اور جدید سوانح نگاری کے تقاضوں پر سوانح حیات لکھی جائے، آپ کے علمی کارناموں پر تحقیقات کی جائے غرضکہ آپ کو اپنوں سے نکالکر بیگانوں تک پہنچایا جائے، آل انڈیا سنی لیگ کی مرکزی مجلس رضا نے انہیں خطوط پر کام کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔

تہمتوں کے انبار

ایک طرف ہماری سرد مہری کا یہ عالم کہ ان پر کتابیں لکھنا تو ایک طرف خود ان کی بہت سی کتابیں ابتک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوسکیں جبکہ دوسری جانب مسلسل تقریر و تحریر کے ذریعہ امام احمد رضا کی شخصیت کو مسخ کرکے پیش کیا جاتا رہا ہے، ان کی گرانمایہ خدمات کا اعتراف تو بڑی بات ان پر تہمتوں کے انبار ہیں۔ یہ سلسلہ برس دس برس سے نہیں نصف صدی سے جاری ہے، غیر شعوری نہیں منظم طریقے پر، ہند ہی میں نہیں ایشیا و یوروپ کے تمام ممالک میں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آج کا سنجیدہ انسان اس طرف رخ کرتے جھجکتا ہے، عام طور پر امام احمد رضا کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین تھے (مسلمانوں کو کافر گردانتے والے) بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی، آج ایشیا میں جتنے بھی تحقیقاتی ادارے ہیں، وہاں امام احمد رضا پر کام تو درکنار نام بھی نہیں ملے گا، سوانح نگاری اور تاریخ نگاری تعصب و تنگ نظری کی بھٹی پر چڑھادی گئی ہے، امام احمد رضا سے اختلاف کے جذبے نے ان کے سارے کارناموں پر پانی پھیر دیا۔ امام احمد رضا اس ہیرے کے مانند ہیں جو اپنی تابناک شعاعوں سے عالم کو منور کرنا چاہ رہا ہو لیکن اس پر غلط فہمیوں، الزام تراشیوں کی خاک ڈال کر چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی ہو۔ وقت کا یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ ایک فریق کے چہروں پر تاریخ و تذکرہ کی بھرپور روشنی نچھاور کی جائے اور دوسرے فریق کا ذکر ضمناً بھی نہ آنے دیا جائے؟ کاش! ہمارے مصنفین اور اصحاب دانش فراخدلی و اعلیٰ ظرفی سے کام لیتے ہوئے امام احمد رضا کے موقف کا تجزیہ کرتے اور اساطین دیوبند سے اختلاف کی بے لاگ چھان بین کرتے تو آج بہت سی تلخیوں کا وجود بھی نہ ہوتا ——— ضرورت ہے اختلاف کی اہمیت کو ٹھیک انداز سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ موجودہ نئی نسل بلاجھجک امام احمد رضا کے قریب آئے۔

بیگانوں کا ظلم

۵۵ سال کا عرصہ کچھ کم نہیں ہے، افواہوں کو پھیلانے میں، بدگمانیوں کی اشاعت میں، اتہام و افترا کو وسیع کرنے میں دو چار سال بھی بہت ہوتے ہیں اور جبکہ مخالفت کا محور صرف ایک ذات ہو، اسوقت اور آسانی ہو جاتی ہے، ایک طرف مخالفت کا پچپن سالہ تسلسل دوسری جانب تنہا امام احمد رضا! وہ کون سے حربے ہیں جنہیں امام احمد رضا کو مجروح کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا گیا، اِس وقت میرا خطاب ان سے نہیں ہے جو پہلے ہی سے امام احمد رضا کی بارگاہ میں نذر عقیدت پیش کرنا باعث سعادت سمجھتے ہیں اُن سے ہے جو غلط فہمیوں کے شکار بنائے گئے ہیں اور جنہیں مولیٰ عز و جل نے کسی بھی حد تک شعور و آگہی عطا فرمائی ہے، ان حضرات سے مجھے امید ہے کہ امام احمد رضا کی شخصیت کے صحیح خد و خال دیکھنے کی کوشش کریں گے، امام احمد رضا کے متعلق زمانۂ دراز سے عوام و خواص میں جو بدگمانیاں پھیلائی جاتی رہی ہیں ان کا ایک سرسری جائزہ بھی لیتے چلیں۔

۱۔ وہ بہت سخت مزاج اور شدت پسند تھے،

۲۔ مسلمانوں کو کافر کہنے میں بے حد بے باک تھے۔

۳۔ رسول اللہ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر جانتے تھے،

۴۔ غیر خدا کے لئے سجدہ کو حلال جانتے تھے۔

محاسبۂ آخرت سے بے نیاز ہو کر بے بنیاد الزامات کسی پر بھی لگائے جا سکتے ہیں۔ چودہ سو سال کی تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اسلام کا کوئی ایسا محقق و رہنما نہیں ہے، جسے الزامات کی وادیوں سے نہیں گذرنا پڑا۔ لیکن عدل پسندوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ الزامات کو ثبوت کی روشنی میں پرکھتے جانچتے ہیں۔ ثابت ہونے پر ملزم کو مجرم سمجھا عدم ثبوت پر مظلوم گردانا، امام احمد رضا کو مجرم ثابت کرنے یا مظلوم ثابت کرنے کیلئے اس وقت کون سے ذرائع ہیں؟ بالکل سامنے کی بات ہے کہ ان کی خود کی تصنیفات و تالیفات ہی مخالف و موافق کے لئے ذریعہ بن سکتی ہیں۔ لہٰذا ہمارے مخالفین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ امام احمد رضا کی کتب سے اپنے الزامات کا ثبوت پیش کریں۔

الزامات کے ثبوت

(۱) امام احمد رضا بہت سخت مزاج تھے، شدت پسندی ان میں زیادہ تھی۔ یہ الزام اس لئے لگایا جاتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ امام احمد رضا ایک جذباتی اور ہیجانی کیفیت کا نام ہے جیسا تر ہوتی ہے جب ہم دیکھتے

ہیں کہ یہ بدگمانی مولانا ابوالحسن علی ندوی کے والد محترم عبدالحیٔ لکھنوی کو بھی تھی، اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں امام احمد رضا کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ

" دشمنی و خصومت میں بہت ہی سخت تھے، اپنی ذات اور اپنے علم پر گھمنڈ کرتے تھے، ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جاتے تھے"

(نزہۃ الخواطر کا مدلل اور مکمل جواب بڑے ستھرے اور معقول انداز میں عالیجناب محترم حکیم خلیل صاحب لکچر رطبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے تحریر فرمایا ہے۔ جس کی پہلی قسط امام احمد رضا نمبر میں شریک اشاعت ہے)

مولانا لکھنوی کی اس بیزاری کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۸۹۳ء میں جب ندوۃ العلماء کی تاسیس کے لئے علماء کا اجتماع ہوا تو امام احمد رضا نے بھی شرکت فرمائی تھی، بعد میں جب امام کے فکری رساذہن نے انگریزی سامراجیت کو بھانپ لیا، جو علماء ہی کے ہاتھوں رسول دشمنی کا بیج بونا چاہتی تھی تو فوری اس سے علٰحدہ ہونے کا اعلان فرمایا اور اس سلسلے میں اپنے موقف کے اظہار کے لئے ضروری و اہم رسائل تصنیف فرمائے جس نے بہت سارے علماء کی آنکھوں سے فریب کا پردہ اٹھایا۔ امام احمد رضا کے اس مومنانہ اختلاف کو دشمنی خصومت، غرور، اور سخت گیری سے تعبیر کیا جانے لگا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر امام احمد رضا سخت گیر جھگڑالو گھمنڈی ہوتے تو تاسیس ندوہ کی میٹنگ میں شرکت ہی نہ کرتے امام احمد رضا کی شرکت ان کے اخلاقی اقدار کا بیّن ثبوت ہے، اور سازشوں کی اطلاع کے بعد ندوہ کی کھلی مخالفت جرأت مومنانہ کی واضح دلیل ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ فی نفسہ مزاج میں شدت کیا مذموم ہے؟ بتایا جائے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کس کے لئے ارشاد ہے؟۔ اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ کا مخاطب کون ہے؟

بیشک امام احمد رضا کے مزاج میں شدت و حدت تھی ایک سوال کے جواب میں امام نے فرمایا کہ

حدیث میں ہے کہ میری امت کے علماء کو گرمی پیش آئے گی، قرآن کی عزت کے سبب جو ان کے دلوں میں ہے۔ (الملفوظ ۲)

نرم روی کی واضح ہدایت!

امام احمد رضا شدید تھے ان لوگوں کے لئے جو قوم و ملت کو مٹانے کا سازشی ذہن رکھتے تھے، ورنہ نرم مزاجی اور سنجیدہ ذہنی کا یہ عالم تھا کہ اپنے تو اپنے صلح کلی اور مذبذب قسم کے لوگوں کے ساتھ بھی نرم رویہ

اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے،

دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز نہیں حاصل
ہو سکتے۔ جن لوگوں کے عقاید مذبذب ہوں ان سے
نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ (الملفوظ ۱)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آگے بڑھکر امام احمد رضا کے موقف پر مزید روشنی ڈالیں۔ امام نے نہ صرف مذبذب و متزلزل عقائد والوں ہی کے تعلق سے میانہ روی کی ہدایت فرمائی بلکہ انہوں نے رسول دشمنوں سے بھی ابتداً نرمی برتی، افہام تفہیم کے ذریعہ اصلاح کی کوشش فرمائی، غلط روی سے انہیں آگاہ کیا، لیکن جب ان کے اکابرین نے ایک نہ سنی تو ان پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے شدت اختیار فرمائی، ایسی شدت جس کا حکم قرآن عظیم نے دیا، اب خود امام احمد رضا کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں۔ ان سے بھی ابتداً، بہت نرمی کی گئی مگر چونکہ ان کے دلوں میں وہابیت راسخ ہوگئی تھی اور مصداق ثم لا یعودون حق نہ مانا اس پر سختی کی گئی کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے
یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم۔

اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور مسلمانوں کو
ارشاد فرماتا ہے ولیجدوا فیکم غلظۃ لازم ہے کہ وہ (کفار و منافقین)
تم میں درشتی (سختی) پائیں۔ ________ (الملفوظ ۱)

دیانتداری سے ہمیں تسلیم کر لینا چاہئے کہ بے گانوں کے ساتھ نرم مزاجی کی واضح ہدایت فرماتے ہوئے رسول دشمنوں سے سختی امام احمد رضا کی پیداوار نہیں ہے بلکہ قرآنی مزاج ہے، اب جس کے سینے میں قرآن کی عظمت بسی ہوگی اسی کے ذہن و دماغ اور فکر و شعور میں اسلام دشمنوں کے بارے میں تصلّب فی الدین ہوگا۔ لہٰذا مولوی عبدالحئی لکھنوی اور ان کے ہمنواؤں کو امام احمد رضا پر الزام لگانے سے پہلے قرآن عظیم کے حکم پر غور کرنا چاہئے تھا۔ جس کا اعلامیہ ہے کہ دشمنوں اور منافقوں پر شدت برتی جائے، کیا امام احمد رضا کو قرآنی حکم کی بجا آوری پر مطعون کرنا ظلم نہیں ہے؟ غالباً امام احمد رضا نے اسی موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

- (نہ لوگوں کی تحسین کا لطف لیتا ہوں، نہ ان کی طعن و تشنیع سے جل اٹھتا ہوں

میرے کان مدحت سرائی کے منتظر نہیں رہتے، اور نہ ہی مجھے

مذمت سننے کا ہوش ہے)

تکفیر مسلمین میں بیباکی ؟

(۲) امام احمد رضا پر یہ الزام کہ وہ تکفیر مسلمین میں بے باک تھے آیئے اسے بھی حقائق کی کسوٹی پر پرکھیں، کیا واقعی امام احمد رضا بغیر سوچے سمجھے کسی کو بھی کافر کہہ دیا کرتے تھے؟ کیا امام احمد رضا کے سامنے شریعت کا یہ اصول نہ تھا کہ مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے، آخر امام احمد رضا کو کیا ہو گیا تھا کہ اٹھتے بیٹھتے لوگوں کو کافر و مرتد گردانا کرتے تھے، ہم جب اس الزام کو ان کے اقوال وارشادات کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ایک فیصد بھی سچائی نظر نہیں آتی۔ سچائی ہے تو یہ کہ امام احمد رضا موجودہ صدی کے ایک انتہائی محتاط اور با اخلاص وجود کا نام ہے شرعی فیصلے صادر کرنے میں امام احمد رضا جیسا محتاط فی الشریعۃ ہم کو نظر نہیں آتا، یہ میری مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ ناقابل انکار حقیقت ہے۔ ایک مرتبہ سوال ہوا کہ کسی مسلمان کو کافر کہدیا تو کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا نے کیا جواب دیا ملاحظہ کیجئے۔

بطور سب وشتم کہا تو کافر نہ ہوا گنہگار ہوا اور

اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہو گیا ــــــ (الملفوظ ۲)

سب جانتے ہیں کہ ہند میں گروہ وہابیہ کے بانی مولوی اسماعیل دہلوی پر تیرہویں صدی ہجری کے تمام علماء اسلام نے بالاتفاق کفر وارتداد کا شرعی حکم نافذ فرمایا تھا، امام احمد رضا سے پہلے جن اخیار امت نے وہابیت اور وہابی سربراہوں کے خلاف جہاد بالقلم فرمایا ان کی مختصر فہرست ذیل میں ہے۔

۱:۔ حضرت علامہ منوّر الدین دہلوی (مولانا ابو الکلام آزاد کے پرنانا)

۲: حضرت علامہ سید اشرف علی مدعو گلشن آبادی (ناسک)

۳: حضرت علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی۔ ۴:۔ حضرت علامہ مخصوص اللہ محدث دہلوی (حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے بھتیجے) ۵:۔ حضرت علامہ محمد موسیٰ دہلوی (شاہ رفیع الدین کے صاجزادے) ۶:۔ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (تحریک آزادی کے سالار) ۷:۔ حضرت علامہ خیر الدین مکی (مولانا آزاد کے والد) ۸:۔ حضرت علامہ عبد الحق خیر آبادی (علامہ فضل حق کے صاجزادے) ۹:۔ حضرت علامہ شاہ سید ابو الحسین احمد نوری مارہرہ شریف، ۱۰:۔ حضرت علامہ نقی علی خاں (امام احمد رضا کے والد) ۱۱۔ حضرت علامہ سید آل رسول مارہروی (امام احمد رضا کے مرشد) ۱۲:۔ حضرت علامہ عبد العلی رامپوری۔

۱۳:۔ حضرت علامہ نور فرنگی محلی لکھنوی ۱۴:۔ حضرت علامہ شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی ۔
۱۵:۔ حضرت علامہ محمد حسن کانپوری ۔ ۱۶:۔ حضرت علامہ محمد حسین الہ آبادی ۔ ۱۷:۔ حضرت علامہ عبدالو[illegible]
لکھنوی ۔ ۱۸:۔ حضرت علامہ قاضی شہاب الدین المہری بمبئی ۔ ۱۹:۔ حضرت علامہ سید محمد ابراہیم بغداد[illegible]
بمبئی ، ۲۰:۔ حضرت علامہ غلام محمد حیدر اسلام آبادی (بھیمڑی)

یہ وہ دینی رہنما ہیں جنہوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ امام الوہابیہ کا رد بلیغ فرمایا مولوی اسماعیل دہلوی [illegible]
کافر و مرتد ثابت کیا ، سیکڑوں کتابیں لکھکر طوفانِ وہابیت کی روک تھام کی ، مذکورہ علما میں وہ لوگ بھی
جو مولوی اسماعیل دہلوی سے خونی رشتہ رکھتے ہیں ۔ لیکن جادۂ حق پر چلنے والوں کی نظر میں قرابت داری [illegible]
اہمیت نہیں رکھتی ، اصل ایمان اور صرف ایمان ہے ۔

امام احمد رضا کی احتیاط!

آیئے ہم دیکھیں کہ مولوی اسماعیل دہلوی کے بارے میں امام احمد رضا کا کیا موقف رہا ہے
" علما محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے " (سبحن السبوح)
" ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار (کافر کہنے) سے کف لسان
ماخوذ و مختار و مناسب ہے " (الکوکبۃ الشہابیہ)

امام احمد رضا نے مولوی اسماعیل دہلوی کے بہت سے اقوال پر کفر لزوم ثابت فرمایا ہے ، لیکن تکفیر کلامی سے زبان کو بند کر لیا جس کی ایک وجہ یہ اطلاع کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اقوال کفریہ سے توبہ کر لی مگر شرعی ثبوت نہ ہونے سے انہیں مسلمان بھی نہیں کہا جائے گا ، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ زبان روک لی جائے ۔ ایک جگہ امام فرماتے ہیں کہ

لزوم و التزام میں فرق ہے ، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور
بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ۔ ہم احتیاط برتینگے
سکوت کریں گے جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے
گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے (سل السیوف الہندیہ)

کافر کہنے میں اب اس سے زیادہ اور کتنی احتیاط ہو سکتی ہے ، اتنے محتاط موقف کے باوجود ہمارے کرم فرما مخالفین امام احمد رضا کی ذات پر تکفیر مسلم کا الزام لگانے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے ۔ ملاحظہ ہو ۔

یاد رہے مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں
کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھکر

اکفر سمجھتے تھے۔

(ذکر آزاد مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی)

قارئین اندازہ لگائیں کہ امام احمد رضا کے مخالفین تعصب و تنگ نظری میں کسقدر تجاوز کر چکے ہیں، ذکر آزاد ہو یا جناب رئیس احمد ندوی کی آزادی ہند ہو، مولوی عبدالحئی لکھنوی کی نزہتہ الخواطر ہو یا المہند الشہاب الثاقب ہو یا اشد العذاب کسی جگہ بھی عدل و دیانت کا وجود دکھائی نہیں دیتا۔

اتمام حجت کی منزل!

امام احمد رضا نے کسی بھی مسلمان کو کافر نہیں کہا۔ ہاں جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں کفری عبارات کو جگہ دی۔ متنبہ کرنے اور توجہ دلانے پر بھی رجوع نہیں کیا، اور ان کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا افہام تفہیم کیلئے مراسلت کی مگر اس کا منفی جواب دیا گیا تو شریعت اسلامیہ کے ایک ذمہ دار ہونے کے ناطے امام احمد رضا کو آخری فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا جن علماء کے بارے میں امام احمد رضا نے عرب و عجم مشاہیر سے شرعی فیصلہ حاصل کیا ان کے اسماء مع کتب حسب ذیل ہیں۔

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی	اعجاز احمدی وغیرہ
(۲) مولانا رشید احمد گنگوہی	فتوی رشید احمد گنگوہی
(۳) مولانا قاسم نانوتوی	تحذیر الناس
(۴) مولانا خلیل احمد امبیٹھوی	براہین قاطعہ
(۵) مولانا اشرف علی تھانوی	حفظ الایمان

کمال احتیاط کو ملاحظہ کیجئے کہ امام احمد رضا نے مذکورہ بالا علماء خمسہ سے براہ راست مراسلت کی قابل اعتراض کفری عبارتوں پر بار بار انتباہ دیا۔ حالانکہ یہ علماء اپنے ہاتھوں کافر ہو چکے تھے، مگر امام احمد رضا شریعت کے ایک مخلص اور ذمہ دار خادم تھے۔ اتمام حجت کے تمام شرعی امور کو اختیار فرمایا، آخر میں حجت شرعیہ قائم کرتے ہوئے یہ تحریر کیا کہ

> یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمدللہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا، آئندہ کسی غوغے پر التفات نہ ہوگا، منوا دینا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے۔

(دافع الفساد حسن مرادآبادی)

امام احمد رضا دیارِ قدس میں!

حیف صد حیف مخالفین نے امام احمد رضا کی صلح جویانہ جد وجہد کا ذرا بھی پاس نہ کیا، بار بار انتباہ کے باوجود توجہ نہ دی اور معترضہ کتابیں برابر چھاپی جاتی رہیں، امام احمد رضا نے جب دیکھا کہ پندرہ بیس برس گذر جانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنی بات پر اٹل ہیں، توبہ واستغفار تو بڑی بات اُن ایمان سوز عبارتوں کی اشاعت بھی نہیں بند کر رہے ہیں تو مجبوراً حکم شرعی کا نفاذ کرنا پڑا۔ اور ۱۹۰۲ء میں المعتمد المستند عالم وجود میں آئی، پھر کیا تھا مخالف کیمپ میں آگ سی لگ گئی، اور امام احمد رضا کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی گئی، امام احمد رضا شان تجدیدی لیکر پیدا ہوئے تھے، ان کے ہاتھوں اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام کی عظمت وحرمت کا تحفظ مقدر تھا، لہٰذا حالات نے نئی کروٹ لی، امام احمد رضا کو اپنے شرعی فیصلے کی تصدیق و توثیق کے لئے اس سرزمین کو منتخب کرنا پڑا جس کی تقدیس کی گواہی قرآن وحدیث نے دی ہے ۱۹۰۵ء میں حرمین طیبین جاکر امام احمد رضا نے مذکورہ بالا پانچوں علماء کی قابل اعتراض عبارتوں کو وہاں کے اجلّہ علماء روزگار کی خدمت میں پیش کیا جن کے شرعی احکامات عالم اسلام کی عدالت عالیہ میں چیلنج نہیں کئے جا سکتے تھے، امام احمد رضا نے پورے شرح وبسط کے ساتھ ان تمام کتابوں کو علماء مکہ ومدینہ کے حضور پیش کیا، اور انہیں کئی ماہ ان عبارتوں کے سمجھنے اور شریعت کی کسوٹی پر پرکھنے کا موقع دیا، ہفتے دو ہفتے یا بیس پچیس دن کی مدت نہیں پورے چار ماہ حرمین طیبین میں امام احمد رضا کا قیام رہا۔ آخر کار اکابرین اسلام نے امام احمد رضا کے شرعی فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر کے گستاخان ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر وارتداد پر آخری کیل ٹھونک دی۔ جن میں مکہ معظمہ کے ۲۰ مدینہ طیبہ کے ۱۳ علماء وفضلا تھے۔ ان قدسی صفات حضرات نے صرف "الجواب صحیح" پر اکتفا نہیں، بلکہ امام احمد رضا کی تبحر علمی، تجدیدی قوت اور فضل وکرم کے سامنے عقیدت کے پھول برسائے، کسی نے سلطان العلماء المحققین (علماء محققین کے بادشاہ) کہا تو کسی نے ارشد العباد (بندوں کی رہنمائی کرنے والا) فرمایا کوئی کہہ رہا ہے، المجدد لہٰذہ الامۃ (امت مسلمہ کے مجدد) اور کوئی "کشاف مشکلات العلوم فی الباطن والظاہر" (علوم کی ظاہر وباطن مشکلات کھولنے والا) کوئی گویا ہوا تو یوں انہ مجدد ھذا القرن (بیشک اس صدی کے مجدد تھے) اور کوئی یوں عمدۃ الموحدین وعصام المہتدین (موحدین کا مطلع اور ہدایت یابوں کا نگراں) آخر میں ملاحظہ کیجئے، حضرت علامہ شیخ عبدالرحمٰن دھان مکی کے خیالات کا اردو ترجمہ:

وہ جسکے لئے مکہ معظمہ کے علماء کرام گواہی دے رہے ہیں کہ وہ

سرداروں میں یکتا و یگانہ ہے، امام وقت، میرے سردار، میری جائے

پناہ حضرت احمد رضا خاں بریلوی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں

کو اس کی زندگی سے بہرہ ور فرمائے اور مجھے اس کی روش نصیب

کرے کہ اس کی روش سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روش ہے۔ (حسام الحرمین)

حرمین کے اساطین کا امام احمد رضا کی بارگاہ میں خراج عقیدت دیکھنا ہے تو "حسام الحرمین" کا مطالعہ کیجیے، مخالفین کے پانچ اکابرین پر آخری اور قطعی فیصلے کا نام ہے "حسام الحرمین" جسمیں علمائے مکہ و مدینہ نے انشراح صدر کے ساتھ علمائے خمسہ کے کفر کی تصدیق و توثیق فرمائی ہے، یہاں تک تحریر فرمایا ہے کہ اب حجت شرعیہ قائم ہوجانے کے بعد اطلاع شرعی کے باوجود جو ان پانچوں کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ من شكّ في كفره وعذابه فقد كفر، جواب دیا جائے! کیا علمائے حرمین بھی مکفر المسلمین ہیں؟ کیا ان مقامات مقدسہ میں بھی کفر ساز مشین نصب تھی؟ حسام الحرمین کی روشنی میں اگر مخالفین اپنا احتساب کرتے اور حرمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے عزت نفس کا پاس و لحاظ نہ کرتے تو بات اس وقت بھی بن جاتی وقت گذرتا گیا، بات بڑھتی گئی غالباً ان حضرات نے اپنی عبارتوں کو غیر متبدل اور ناقابل تنسیخ سمجھ رکھا تھا عبارتوں میں توجیہہ بھی کی کہ بات الجھ کر رہ گئی، رجوع و توبہ نہ بن سکی۔ ان حالات کو جوں کا توں رکھکر وہ پانچوں تو دنیا سے رخصت ہوگئے مگر امت مسلمہ کو ایک نہ ختم ہونے والا فتنہ دیگر۔

رضا مخالف مشن!

چودھویں صدی کے ابتدائی دور میں مذہبی اختلاف کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک جانب عرب و عجم کی مسلمہ شخصیتیں ہیں دوسری جانب صرف پانچ علماء ہیں اور ان کے چند مؤیدین۔ اس تاریخی حقیقت کے باوجود تنہا امام احمد رضا پر عصبیت کے گولے برسانا کہاں کا عدل ہے، آج امام احمد رضا ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کے علمی شہ پاروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ "رضا مخالف مشن" نے ابتدائی دور ہی سے افواہوں، من گھڑت باتوں اور بے بنیاد الزامات کا سلسلہ جاری رکھا گیا، آئیے خود امام احمد رضا کی زبانی سنیئے!

عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہلسنت کے فتاویٰ تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہد یتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ (حسام الحرمین)

مخالفین نے ابتدا میں من گھڑت الزامات کے لئے جو راہ اپنائی تھی، ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی

اور مولوی رئیس احمد ندوی بھی اسی پر گامزن ہیں، حد تو یہ کہ مشہور صحافی مولانا عثمان فارقلیط بھی اسی راہ کے راہی نظر آتے ہیں (تفصیل کے لئے ماہ نومبر ۱۹۸۵ء کا سبستاں ڈائجسٹ دہلی اور فروری ۱۹۸۶ء کا ماہنامہ المیزان)

امام احمد رضا تکفیر مسلم کے الزام کے جواب میں آگے یوں رقم طراز ہیں۔

اسماعیل دہلوی کو کافر کہدیا، مولوی اسحاق صاحب کو کہدیا مولوی عبد الحئی صاحب کو کہدیا، پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے، وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبد العزیز کو کہدیا شاہ ولی اللہ صاحب کو کہدیا، حاجی امداد اللہ کو کہدیا اور شاہ فضل الرحمن صاحب کو کہدیا۔ یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے گذر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہدیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اسکے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہدیا۔ یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑدی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہدیا ——————— (حسام الحرمین)

امام احمد رضا کے اس وضاحتی بیان کے بعد مولوی عبد الرزاق ملیح آبادی کا یہ الزام ایک بار پھر ملاحظہ کریں کہ

یاد رہے مولانا احمد رضا خان صاحب اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھکر اکفر سمجھتے تھے ——————— (ذکر آزاد)

ہم جانتے ہیں کہ ہر مرد حق آگاہ کو مخالفت کے طوفانوں سے گذرنا پڑا ہے لیکن امام احمد رضا ایک ایسی مظلوم ذات کا نام ہے جسے اہل دانش و بینش کی بزم سے دور پھینکدینے کی منظم سازش کی جاتی رہی ہے جس کا رد عمل یہ ہے کہ تمام تر حقائق کے باوجود آج اہل دانش امام احمد رضا کی عبقری ذات کو نہ تو جانتے ہیں نہ ہی پہچانتے ہیں، ان کا اسم گرامی ایک مذہبی گالی سمجھا جاتا ہے، اس بھیانک اور افسوسناک صورتحال کی ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے تاریخ کا طالب علم جب دیکھے گا کہ مسلسل ستر سال سے "رضا مخالف مشن" کی جارحیت جاری ہے۔ لیکن امام احمد رضا زندہ باد کا فلک شگاف نعرہ لگانے والے بے حسی اور تن آسانی میں مبتلا رہے تو بیگانوں کو بے گانہ کہکر آگے بڑھ سکتا ہے مگر اپنوں کی ناکردگی کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

امام احمد رضا پر تیسرا الزام!

(۳) امام احمد رضا پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ذاتی علم مانتے ہیں، علم الٰہی کے مساوی جانتے ہیں۔ مخالفین کا یہ الزام بھی گذشتہ الزامات کی طرح اختراعی ہے، اس ضمن میں جتنے بھی اعتراضات ہیں امام احمد رضا کی روشن تحریرات اور فکر خیز تشریحات سے بے بنیاد اور خود ساختہ ثابت ہو جاتے ہیں۔ علم غیب کے مسئلے میں امام احمد رضا کا عقیدہ انہیں کے ارشادات کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے۔

علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے، اس کے غیر کے لئے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے ——— (خالص الاعتقاد)

علم الٰہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی، وہ واجب یہ ممکن وہ قدیم یہ حادث وہ نامخلوق یہ مخلوق، وہ نامقدور یہ مقدور، وہ ضروری البقاء یہ جائز الفناء وہ ممتنع الغیر یہ ممکن التبدل ——— (انباء المصطفٰے)

اگر تمام اہل علم اگلے پچھلوں، سب کے علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندر سے ——— (خالص الاعتقاد)

ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع ——— (خالص الاعتقاد)

امام احمد رضا نے علم غیب کے مسئلے پر دو ٹوک اپنا نظریہ پیش فرمایا ہے، پھر بھی مخالفین کی کور بینی پیچھا کئے ہوئے ہے، مخالف عناصر اپنے اسلاف کی ڈگر سے ایک انچ بھی ہٹنا نہیں چاہتے، آج بھی ان کے کیمپ سے جتنی کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں ان میں ان الزامات کو شاہ سرخیوں سے سجایا جاتا ہے، گویا (امام احمد رضا اور سواد اعظم) لاکھ اپنے نظریات کی وضاحت کرے ہم تو وہی کہیں گے جو ہمارے پیشروں نے کہا ہے لکھا ہے اور لکھ کر چھاپا ہے۔ جبکہ امام احمد رضا نے آج سے پچھتر سال قبل بے گانوں کی افترا پردازی پر علم الٰہی کے تعلق سے اپنے نظریے کو ظاہر کرتے ہوئے اپنا معاملہ منتقم حقیقی کے حضور یوں پیش کر دیا تھا۔

اس سے بڑھ کر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے،

مفتری کذاب ہے اور اللہ کے یہاں اس کا حساب (خالص الاعتقاد)

غیر خدا کیلئے سجدہ روا جانتے تھے؟

(۴) امام احمد رضا پر یہ بھی الزام ہے کہ وہ غیر خدا کے لئے سجدہ نہ صرف روا جانتے تھے بلکہ اس کا حکم بھی فرماتے تھے، الزام اسی وقت قابل قبول ہوتا ہے جب اس کا وجود کسی ٹھوس بنیاد پر ہو، دستاویزی ثبوت ہی الزام کے وقار کو نکھارتے ہیں. الزام لگانا آسان ہے ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے، اور پھر رزم گاہ تنقید و تحقیق جہاں کوئی بات بلا دلیل نہیں مانی جاتی کسی الزام کو بغیر ثبوت کے کسطرح مقبولیت حاصل ہو سکتی ہے۔ بال لوگوں کے نزدیک محض الزام ہی کو اہمیت دی جاتی ہو اور مخالفت برائے مخالفت ہی پسندیدہ مشغلہ ہو ان کے ذہن سے غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے امام احمد رضا کے اقوال پیش خدمت کر رہا ہوں ممکن ہے کہ انتشار ذہنی اور خلجان باطنی کیلئے یہ اقوال مسکّن کا کام دیدیں۔

"مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت عز جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں — اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین و کفر مبین۔ اور سجدۂ تحیّت حرام و گناہ کبیرہ بالیقین۔ اس کے کفر ہونے میں اختلاف علماء دین۔ ایک جماعت فقہا سے تکفیر منقول ہے ——— (الزبدہ الزکیہ)

امام احمد رضا نے غیر خدا کے لئے سجدہ تعبدی کفر و شرک سے تعبیر کر کے کتنے کھلے الفاظ میں تردید فرمادی۔

امام احمد رضا نے نہ صرف اپنے عقیدے کا اظہار کیا بلکہ عقیدے کی تائید میں چہل حدیث بھی پیش فرمائی،

"علماء نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں، ہم بتوفیقہ تعالیٰ یہاں غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی چہل حدیث لکھتے ہیں...

(تفصیل کے لئے الزبدۃ الزکیۃ کا مطالعہ کیجئے)

امام احمد رضا پر الزامات کا ایک انبار ہے، افترا پردازی کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ ہے، اتہامات کی ایک طویل فہرست ہے، میں نے اختصار کے پیش نظر محض چند بھیانک اور افسوس ناک الزامات کو امام احمد رضا کے ارشادات کی روشنی میں بے بنیاد اور ناقابل اعتبار ثابت کرنے کی سعادت حاصل کی. گذشتہ اوراق میں میں نے پوری کوشش کی ہے کہ اسلوب بیان میں جارحیت نہ آنے پائے. نہ ہی احساس کمتری شامل ہو، حقیقت پسندانہ طرز نگارش اختیار کرنے میں میرا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ امام احمد رضا کو اپنے اور بیگانے دیکھیں، پڑھیں، پرکھیں

اور سمجھیں، اپنے اپنی عقیدت کی دنیا میں اچھی طرح بسا لیں اور بیگانے قریب آئیں، آنکھوں سے بدگمانیوں کے پردے ہٹا کر امام احمد رضا کے ان تجدیدی کارناموں سے جانکاری حاصل کریں جس کے لئے انہیں موجودہ صدی کا مجدد بنا کر پروردگار عالم نے بھیجا تھا۔

اپنوں کا ظلم !

بات وہیں پر ختم ہو چکی تھی جہاں بیگانوں کے مظالم کا بیان ختم ہوا تھا، لیکن امام احمد رضا پر مظالم کا وہ صرف ایک رخ تھا ظلم کا وہ رخ سامنے نہیں آسکا جسکے ذمہ دار اپنے ہی ہیں، ہوش و حواس کی درستگی کے ساتھ مخالفین کے سارے اعتراضات کا مطالعہ کیجیے آپکو اکثر اعتراضات کی مبنیٰ وہ کتابیں ملیں گی جو امام احمد رضا کی تصنیف نہیں ہیں۔

مخالفین کے اسلاف کی کتابیں دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے الزامات کا مقصد امام احمد رضا کی شخصیت کو مجروح کرنیکے سوا کچھ نہ تھا۔

انہوں نے جب دیکھا کہ عالم اسلام کی نابغہ روزگار شخصیتیں امام احمد رضا کی سامنے سرنیاز جھکائے کھڑی ہیں تو معاصرانہ حسد میں جل بھن کر جو دل میں آیا لکھا اور شائع کیا۔ ۱۹۲۱ء سے پہلے کی اُن کتابوں کو پڑھ جائیے جو امام احمد رضا کی مخالفت میں لکھی گئی ہیں، آپ دیکھیں گے کہ اعتراضات والزامات میں ظنی، قیاسی اور اختراعی باتوں کی بھرمار ہے، وجہ یہ تھی کہ ساری کوششوں کے باوجود امام احمد رضا کی تصنیفات کے انہیں وہ مواد ہی نہ مل سکا جو ان کی سوزش فکر کے لئے مرہم ثابت ہوتا۔ لیکن امام احمد رضا کے پردہ فرمانے کے بعد چند کتابیں ایسی شائع ہوئیں، جنہیں نہ شائع کرنے سے امام احمد رضا کا کوئی نقصان نہ تھا۔ نغمۃ الروح ہرگز امام احمد رضا کی تصنیف نہیں ہے، لیکن کچھ کہا نہیں جاتا اہل عقیدت کی اس نذر عقیدت کے بارے میں اور بن کہے رہا نہیں جاتا۔ نذر عقیدت کے طور پر پیش کی جانے والی یہ چند ورقی کتاب نغمۃ الروح خدا معلوم امام احمد رضا نے قبول فرمایا کہ نہیں لیکن ان کے مخالفین نے نہ صرف اسے آنکھوں سے لگایا بلکہ امام پر جارحانہ حملے کیلئے اسے ہتھیار کی حیثیت دے رکھی ہے، مخالف کیمپ زمانہ دراز سے منتظر تھا کہ امام احمد رضا کو بانی مذہب بنانے کیلئے کچھ تو حاصل ہو، امام کی کتابوں نے انہیں ہمیشہ مایوس کیا، اگر کسی نے جرأت بھی کی تو آفتاب پر تھوکنے والوں جیسا حشر ہوا۔ نغمۃ الروح جو امام احمد رضا کی مدحت و تعریف میں ایک عقیدتمند کی جانب سے شائع کی گئی، اس سے امام احمد رضا کو نشانہ بنایا جائے؛ کہاں کا انصاف ہے۔ ہم جس سماج میں رہتے ہیں اور جس شریعت کو مانتے ہیں اس کا اصول یہ ہے کہ قائل کے قول سے اسکے عقیدے و نظریے کو پرکھا جائے گا۔ مصنف کی تصنیف سے اس کی تحریک کو سمجھا جائے گا۔ یہ کون سا سماج و دھرم ہے کہ کہے کوئی مورد الزام ٹھہرے کوئی، غلطی کرے کوئی سزا بھگتے کوئی ——————

خدارا! اپنوں پر میری اس تنقید کو مخالفین کے اعتراضات کا ردعمل ہرگز نہ سمجھا جائے، اور نہ ہی احساس کمتری میں یہ سب کچھ کہے جا رہا ہوں۔ ہمارے علماء نے نغمۃ الروح پر کئے گئے اعتراضات کے مدلل جوابات دئے ہیں۔ لیکن کیا ہی بہتر ہوتا کہ عقیدت کے یہ گل نہ کھلائے گئے ہوتے، ایسے ہی عقیدت والوں کے درمیان ایک سے ایک عبقری شخصیتیں دب کر رہ جاتی ہیں، شعوری یا غیر شعوری طور پر نذر کئے جانے والے انہیں نغموں کو ظلم و زیادتی سے تعبیر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میرا یہ ذہن ہے کہ امام احمد رضا پر کئے گئے حملوں کا ہم جم کر دفاع کریں اور مخالفین کی جارحیت سے امام احمد رضا کو محفوظ رکھنے کا فریضہ ادا کریں، چاہے اس کے لئے ہمیں اپنی جماعت کی اہم شخصیت کے بچاؤ سے معذور ہی کیوں نہ ہونا پڑے، دفاعی جنگ میں کچھ تو خسارہ برداشت ہی کرنا پڑے گا۔

یہ بھی ظلم ہی ہے!

سب جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ حدائق بخشش دو حصوں میں منقسم اور یہ دونوں حصے امام احمد رضا کی حیات مبارکہ میں ۱۳۲۵ھ میں اشاعت پذیر ہو چکے تھے، اسی دیوان نے اردو شاعری کو ایک نئی راہ دکھائی، صنف نعت کو ایک ستھرا شعور دیا، مسلمانوں کے قلوب کو مصطفیٰ رحمت کی طرف پھیر دیا، حدائق بخشش نعتوں کا ایک مجموعہ ہی نہیں ہے، سیکڑوں آیات و احادیث کا تشریحی گلدستہ ہے۔ حدائق بخشش کے دونوں حصے چھپتے رہے اور فیض رسانی کا ذریعہ بنتے رہے، لیکن ۶۶ سال کے بعد اس وقت ملت اسلامیہ کو ایک دھماکہ خیز صورت حال سے دوچار ہونا، جب ۱۳۶۶ھ میں ہماری ہی جماعت کے ایک سربراہ نے نعتیہ کلام کے ایک مجموعہ کو "حدائق بخشش" کا نام دیکر شائع کیا، طرفہ یہ کہ اسے تیسرا حصہ بھی قرار دید یا۔ اس خود ساختہ تیسرے حصے کے بارے میں مرتب نے بھی اقرار کیا ہے کہ امام احمد رضا کے وصال کے بعد انہیں کچھ کلام مختلف جگہوں سے دستیاب ہوئے ہیں جسے "حدائق بخشش حصہ سوم کی شکل وصورت میں پیش کیا جا رہا ہے کیا اب بھی اس وضاحت کی ضرورت باقی ہے کہ امام احمد رضا کا مرتب کیا ہوا یہ تیسرا حصہ نہیں ہے؟ یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ یہ تیسرا حصہ امام احمد رضا کے ایک عقیدتمند کی خوش عقیدگی کا نادر نمونہ ہے۔ جس سے صاحب حدائق بخشش کا دور دور سے واسطہ نہیں ہے۔

علم و تحقیق کی دنیا والوں کا یہ قاعدہ رہا ہے کہ جب بھی کسی ذات کے علمی شاہکار اور منتشر فکری اثاثہ کو جمع کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے براہ راست صاحب تذکرہ کی تخلیق قرار نہیں دیتے، مثلاً غالب و اقبال کے دور میں جو کچھ بھی مواد چھپے وہ انہیں کی مرضی کے مطابق تھے لیکن بعد کے آنے والوں کو ان حضرات کے جو بھی تخلیقی شاہکار

میسر ہوئے اسے "باقیات غالب" اور "باقیات اقبال" کا نام دیکر شائع کیا، تاکہ اگر اس میں کچھ رطب ویابس شامل ہوجائے تو صاحب تذکرہ کی شخصیت مضروب نہ ہو، "باقیات" کے مدوّن کو ذمہ دار قرار دیا جائے۔ افسوس کہ امام احمد رضا کے ساتھ ایسا نہ ہوسکا، اپنی مرضی اور اپنی صوابدید پر ایک ایسا قدم اٹھا دیا، جس کی ہمت خود امام احمد رضا کے صاحبزادوں میں بھی نہ تھی اگر محبوب الملت مولانا محبوب علی خاں صاحب محنت شاقہ سے حاصل ہونے والے "مجموعہ کلام" کو "باقیات رضا" کے نام سے طبع کراتے تو آج وہ صورتحال ہمارے سامنے نہ آتی، جس کے نہ آنے ہی میں امام احمد رضا اور سواد اعظم کی بھلائی تھی، مجھے محبوب الملت کے خلوص سے انکار نہیں ہے، اور نہ ہی میں یہ ماننے کے لئے تیار ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضا کی کسی قدیم رنجش کے بنا پر ایسا کیا ہے۔ لیکن میں اس حقیقت کے اظہار سے بھی اپنے کو روک نہیں پا رہا ہوں کہ محبوب الملت نے کسی سے مشورہ کئے بغیر حدائق بخشش میں تیسری جلد کا اضافہ کرکے اپنی زندگی کا سب سے بڑا تسامح کیا ہے، ایک ایسا تسامح جس کی نظیر نہیں ملتی، ایک ایسی فاش غلطی جس کی تنہا ذمہ داری محبوب الملت پر عائد ہوتے ہوئے بھی امام احمد رضا کو مخالفین کے اتہام کی زد سے بچا نہ سکی، سوچ کر بتائیے کہ اس میں امام احمد رضا کی کیا غلطی؟ غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو آنے والا مورخ اس طرح کی خوش عقیدگی کو ظلم ہی سے معنون کرے گا۔

اپنوں کا ظلم پر ظلم!

محبوب الملت کی مرتبہ حدائق بخشش کس طرح اور کہاں اشاعت پذیر ہوئی، مذہبی حلقہ بخوبی واقف ہے، لیکن پس پردہ ممبئی اور بیرون ممبئی جو کچھ فتنے اٹھائے گئے، وہ "رضا مخالف مشن" ہی کی کارفرمائی کا نتیجہ تھے حالانکہ مرتب علیہ الرحمۃ نے احساس غلطی کا اظہار کیا اور ۱۹۵۵ء میں بالاعلان توبہ واستغفار کی سعادت حاصل کی، بارگاہ خداوندی میں توبہ وندامت کا اظہار "مرد مومن" کی شان بندگی ہے۔ لیکن جب ہمیں معلوم ہوا کہ اس پردۂ زنگاری میں ایک معشوق چھپا ہے تو سر دھننے کو جی چاہتا ہے، دل کی دھڑکن اور تیز ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مخالفین کے پردہ زنگاری میں چھپا ہوا معشوق ہمارا ہی ہے، جو ملت اسلامیہ کی پاسبانی کے بجائے جاسوسی کے فرائض انجام دیتا نظر آرہا تھا، اسے پہیلی نہ سمجھئے یہ ایک سچا حادثہ ہے، جس نے "خانہ ساز تیسری جلد" کو مخالف کیمپ تک پہنچانے میں اپنا خطرناک رول ادا کیا۔ اور جس کے اس کردار نے امام احمد رضا اور سواد اعظم دونوں کو قصداً یا سہواً خسران کی منزل سے گذارا۔ اسے اپنوں کا ظلم پر ظلم نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ آج وہ وقت نہیں ہے، وقت آئے گا تو ہم امام احمد رضا کی عظمت کے لئے ایسے چہروں کو پیش کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکیں گے۔

وقت گذرتا گیا، مخالفین کا وہ زور بھی ماند پڑتا گیا جسے" اہانت صدیقہ" کا نام لیکر ابھارا گیا تھا لیکن عرض
کہ خدا کے واسطے اب کوئی بھی کام ہو تو آنکھ بند کر کے نہ ہو، حواس خمسہ کیساتھ ساتھ چھٹی حس کو بھی بیدار کر
امام احمد رضا اور دوسرے اکابرین اسلام پر کام کیا جائے، نذرِ عقیدت پیش کرتے وقت جوشِ عقیدت
کیساتھ ہوشِ شریعت کی بھی شمولیت ضروری ہے، اختصار اجازت نہیں دے رہا ہے ورنہ اس موضوع
کے دوسرے بھی کئی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا، لہذا اسے یہیں پر بس کرتا ہوں۔

بے دخل کرنے کا منصوبہ!

امام احمد رضا کی قد آور اور کثیر الحیثیات ذات کی گیرائی اور تنہائی دیکھکر ہمیں ایک خاص تشنگی
احساس ہوتا ہے کہ آج کے ترقی پسندانہ اور عقلی دور میں بھی حقائق کو حقائق کی نظر سے دیکھنے کا حوصلہ کم
لوگوں میں ملتا ہے جس نے بھی قلم اٹھایا آنکھ بند کر کے الزامات کی بوچھار کرتا رہا۔ ذکر آزاد سے لیکر اشد العذاب
اور ان جیسی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں یہ نظریہ کار فرما نظر آتا ہے کہ امام احمد رضا کو عوام
ساتھ ساتھ خواص کی بھی بزم سے دور بہت دور کر دیا جائے۔

ہم اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجک رہے ہیں کہ مدبرین و دانشوروں کی لائبریریوں سے
لیکر طلبا و ریسرچ اسکالرس کی میزوں تک اگر نظر آئیں گی تو بیگانوں کی کتب ہی نظر آئیں گی۔ نصف صدی کے طویل ترین
عرصے میں امام احمد رضا کی یہی تصویر پیش کی جاتی رہی کہ تکفیر کی تلوار لیکر ہر کسی کو قابل گردن زدنی قرار دینے
والے فرد کا نام ہے۔ امام احمد رضا — گویا امام احمد رضا اور سارے مسلمانوں کی تکفیر ایک عنصر کے دو
نام ہیں، حرکت و عمل کی اسی توانائی کے ساتھ امام احمد رضا کو علمی حلقوں سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا
جو اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا چاہتا ہے۔ جور و جفا کے اس ناروا ماحول میں مجھے یقین ہے کہ دور حاضر کے محققین و مدبرین امام
احمد رضا پر لگائے گئے الزامات کے پس منظر اور پیش منظر کا ادراک کریں گے۔ تحقیق و تنقید کے ذریعہ امام
احمد رضا کی بے داغ و بے ریا شخصیت کیخلاف محاذ آرائی میں عدل و دیانت کا ساتھ دیں گے کیونکہ ان حالات
سے پرے ہو کر سمجھنے والوں کو کشاں کشاں امام احمد رضا کے قدموں میں جاتے ہوئے ہم نے دیکھا ہے، رومی
ہو یا مصری، شامی ہو یا یمنی، افغانی ہو یا ترکی، مکی ہو مدنی، چینی ہو روسی، یوروپین ہو یا ایشین، عربی ہو یا عجمی جس نے
امام احمد رضا کی تحریرات انیقہ دیکھا امام احمد رضا کا ہو گیا۔

امام احمد رضا پر کام کے طریقے!

بات تلخ ہے مگر سچ کہ ہم نے امام احمد رضا کو "جذباتی عقیدت" کے دبیز غلاف میں لپیٹ رکھا ہے جسکے بغیر گویا امام احمد رضا کی سیرت کا حسن نکھر ہی نہیں سکتا، آہ! موجودہ صدی کا مجدد محض خوش عقیدگی کے خوبصورت پردے میں ڈھک کر رہ گیا ہے، آج ہم جس دنیا میں سانسیں لے رہے ہیں وہ سائنسی اور تحقیقی دنیا ہے۔ یہاں ہمیں باور کرانا ہوگا کہ ہمارے امام نے ملت کی حفاظت وصیانت کیساتھ قوم وملک کے فلاح وصلاح کے لئے کون سے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں، کون سے لائحۂ عمل کے ذریعہ انہوں نے قوم کی ترقی اور ملک کی تعمیر کا نشانہ متعین فرمایا ہے۔ ملک کی آزادی کے لئے بیرونی تسلط کیخلاف انہوں نے اوران کے رفقاء نے کون سی راہ عمل اختیار فرمائی ہے۔

ازبس ضروری ہے کہ امام احمد رضا کی انقلاب آفریں شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ٹوٹل ٹوٹل کر واقعات کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ علمی، تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی اصولوں کے سائے میں امام احمد رضا کے تمام فکری اثاثے کو جانچا جائے، کھلے ذہن وفکر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے بصیرت وبصارت کی رہنمائی میں امام احمد رضا کی عہدساز زندگی پر ریسرچ کیا جائے، محض جذباتیت ہی کو اوڑھنا بچھونا نہ بنایا جائے، ایثارانہ کاوش اور سعئ پیہم کے ذریعہ ان کے علم حدیث اور علم فقہ وفنون پر کئے ہوئے کام کو اس طریقے سے منظر عام پر لایا جائے جس سے امام احمد رضا کی پاکباز اور جانباز، باعمل وپُرکردار متحرک اور باوقار حیات اپنی عبقریت کا لوہا منوا سکے۔ انہیں خطوط پر چل کر ہم ایک عظیم قائد کے مشن کیساتھ صحیح وابستگی کا مظاہرہ کرسکتے ہیں۔

خیال آیا تو کیوں آیا!

زمانۂ طالب علمی سے ہی میرا دل مسوستا تھا کہ آخر امام احمد رضا پر تحقیقات کیوں نہیں کی جاتی، ہند کے کسی بھی سرکاری، نیم سرکاری یا غیر سرکاری تعلیمی اداروں، دانش گاہوں اور فلاحی تربیت گاہوں میں جاؤ تو صرف انہیں کی تخلیقات سامنے آتی ہیں جنہیں ہم " وہابی کی جگہ لہابی، مودودی کی جگہ مردودی، تبلیغی کی جگہ تبلچی کہکر مطمئن ہو جایا کرتے ہیں، کاش ہم اپنے قیمتی اوقات اور فکری صلاحیتیں اختلافی باتوں کے سوا اپنے امام کیلئے بھی صرف کرتے، تقسیم ہند کے پاؤ صدی کے بعد غیر ممالک میں امام احمد رضا پر تحقیقاتی کام شروع کیا گیا ہے، لیکن بھارت میں ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین فاضل بہاری علیہ الرحمہ کی مرتبہ "حیات اعلحضرت"، اور حضرت مفتی اعظم ہند مدظلہ العالی کی مولفہ "ملفوظات اعلحضرت" کے بعد امام احمد رضا پر کوئی قابل ذکر کام ہی نہیں کیا گیا۔ کچھ کیا گیا تو انہیں دونوں کتابوں کا چربہ بنا کر۔ آخر وہ کون سے عوامل تھے جس نے ہمیں امام احمد رضا پر کام کرنے کی جانب متوجہ کیا، آج سے دو سال قبل

"علمار اہلسنت کے نام گشتی مراسلہ پڑھکر جہاں مجھے خوشی ہوئی وہیں حیرت بھی۔ خوشی اس لئے کہ جو کام آج سے پچاس سال قبل ہونا چاہیئے تھا اسے آج سوچا جارہا ہے اور حیرت یوں کہ جو لوگ پچاس سال کے عرصے میں کچھ نہ کرسکے آپ ان سے تعاون کی آس لگائے بیٹھے ہیں؟ ممکن ہے کہ آپ میری اس بیباکی کو پسند نہ کریں لیکن یہ سچ ہی ہے کہ جن علمار کرام کے نام گشتی مراسلہ آپ نے جاری فرمایا ہے وہ یا تو آرام پسند ہوچکے ہیں یا گوشۂ تنہائی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں ـ یا ـ پھر امام احمد رضا کا نام لیکر "شکم پروری" میں مبتلا ہیں۔
امام کی عبقری ذات، تاریخ ساز اور انقلابی شخصیت پر ریسرچ کرنے کی توفیق نہ انہیں کل تھی، نہ آج ہے اور نہ کل ہوگی اِلّا ماشاء اللہ!
بارگاہ امام میں عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کرنے والوں کی کمی ہرگز نہیں ہے، لیکن کیا ان کی علمی، ادبی، قومی، ملکی اور بین الاقوامی خدمات سے اقوام عالم کو روشناس کرانے کیلئے ایک بھی قدم اٹھایا گیا؟
——— ایک عرض سماعت فرماتے چلیں کہ جس قوم کے نام محترم نے گشتی مراسلہ جاری فرمایا ہے اسکے علاوہ اہلسنت کے اس دھڑ کی جانب بھی توجہ دیں جو کالج ویونیورسٹی میں تحقیقاتی ذمہ داریوں کو نبھارہے ہیں۔ امام احمد رضا کی مسعود زندگی پر یہی عناصر وسعت مطالعہ، دقت نظر اور اصابت فکر کے ساتھ کماحقہ کام کرسکتے ہیں ——— المیزان نے امام احمد رضا نمبر نکالنے کا جو پروگرام ترتیب دیا اور سنی لیگ نے مجلس رضا کے قیام میں جو نقشہ تشکیل دیا ہے اس میں ہم انہیں ارباب فکر ونظر کو مخاطب کررہے ہیں الغرض جماعت کے تمامی صاحب زبان وبیان کی فکری وعلمی توانائی حاصل کرنے کا ایک جامع منصوبہ مرتب کیا گیا ہے۔ سات سمندر پار آپ نے بھی اس کار عظیم کا اعلان فرماکر ہمارے عزائم کو زبردست حوصلگی عطا فرمائی۔

مذکورہ بالا تاثرات المیزان اگست ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئے تھے ممکن ہے کہ میرے ان "تاثرات" کو دیوانے کی بڑ سے تعبیر کیا جائے، لیکن امام احمد رضا نمبر کے لئے اکابرین ملت کے تئیں جن حوصلہ شکن اور ہوشربا حالات سے گذرنا پڑا ہے اس کے مطالعہ کے بغیر للہ! میرے "تاثرات" پر آخری رائے قائم نہ

کی بات ہے کہ جب شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں برطانیہ کے تبلیغی دورے پر تھے تو بلجیم بھی جانا ہوا، میزبان نے جو شیخ الاسلام کا نیاز مند تھا اپنے فرزند سے کہا کہ وہ کتاب حضرت کو دکھاؤ جو تمہارے مطالعہ میں ہے۔ صاحب زادہ نے فرنچ زبان میں بہشتی زیور لاکر سامنے رکھدی، جسکے ٹائیٹل پر نام نہاد حکیم الامۃ کو امام اہلسنت لکھا تحریر تاسف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شیخ الاسلام دیر تک عالم خیال میں گم ہو گئے، آہ! جو امام اہلسنت ہے، اُسے نہ جانا جائے اور جو گستاخ رسول ہے اسے امام اہلسنت لکھکر متعارف کرایا جائے، وہ بھی ایک پردیسی زبان میں، اِس کا ذمہ دار کون، مخالفین یا ہم؟ شیخ الاسلام نے بمبئی آکر اگست [illegible] کے المیزان کا اجراء کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ طاغوتی طاقتوں اور رسول دشمنوں کی سرگرمیوں کا نقطۂ عروج یہاں تک پہنچ چکا ہے ——— اور ہم ہیں کہ اُردو زبان میں بھی کما حقہ لٹریچر سں نہ پہنچا سکے، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مختلف زبانوں میں بین الاقوامی سطح پر ہم اپنے لٹریچرس پھیلا دیں۔ ورنہ ہمارے اکابرین اور ان کی ملّی خدمات تاریخ کی بھول بھلیاں بنکر رہ جائیں گی۔ شیخ الاسلام نے زعمار اسلام پر کام کرنے کی جانب خصوصی توجہ دلائی اور اپنے ہر طرح کی تعاون کا یقین دلایا۔

یہیں سے ہم نے عزم کیا کہ اب اگر ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہ گئے تو یہ ماضی سے بھی زیادہ بھیانک غلطی ہوگی اس طرح شیخ الاسلام کی دکھائی راہ پر چلتے ہوئے سب سے پہلے "امام اہلسنت" ہی پر کام کا فیصلہ کیا گیا۔

بات پہ بات نکل آتی ہے!

امام احمد رضا پر تحقیقاتی کام کیلئے ضروری تھا کہ کوئی متحرک تنظیم آگے آئے اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھائے، میں اسے اسلامیان ہند کی فیروز بختی سمجھتا ہوں کہ آل انڈیا سنی لیگ کے حوصلہ منداراکین نے تیزی کے ساتھ ضرورت کا احساس کیا۔ الحمد للہ! یہ احساس "مرکزی مجلس رضا" کا وجود لیکر ابھرا، ۹ مارچ [illegible] کو آل انڈیا سنی لیگ کی "مجدد اعظم کانفرنس" میں ایک متفقہ ریزولیشن کے ذریعہ مجلس کی تشکیل کی گئی۔ اور پھر دوسرے دن سے "امام احمد رضا نمبر" کی تیاریوں میں ہم سب لگ گئے۔ بات پر بات نکل ہی آتی ہے۔

مجھے آج وہ گشتی مراسلہ یاد آرہا ہے، جسے ورلڈ اسلامک مشن کے دائرۃ المعادفۃ الرضویہ کی جانب سے علماء اہلسنت کی خدمات بابرکات میں ارسال کیا گیا تھا، مئی [illegible] کے اس مراسلے میں ۵ دفعات کی روشنی میں امام احمد رضا پر کام کرنے کے لئے اکابرین جماعت سے درخواست پیش کی گئی۔ ورلڈ اسلامک مشن کو بھرپور اشتراک کا یقین دلاتے ہوئے گشتی مراسلے کے جواب میں میں نے "ومِم" کے سکریٹری جنرل کو لکھا تھا۔

کی جائے۔ امام احمد رضا نمبر کے لئے ملک کے تقریباً تمام اکابرین امت اور اصحاب قلم سے رابطہ قائم
مضامین کے لئے گذارش کی گئی، کم سے کم درجے میں پیغام ہی ارسال فرمانے کی درخواست پیش کی گئی، اہم
ذمہ داری یہی تھی کہ ان حضرات کو ہم نے خطوط لکھے، یا براہ راست ملاقات کر کے معروضہ پیش کیا جن
مذکورہ ذیل حضرات نے وعدہ فرمایا۔

۱: حضرت مولانا مفتی برہان الحق صاحب جبلپوری ۲: حضرت مولانا قاضی شمس الدین جونپوری ۳ حضرت
مولانا ارشد القادری صاحب۔ ۴: حضرت مولانا ثناء اللہ مئوی۔ ۵: حضرت مولانا اسرار الحق کوٹوی، ۶: حضرت
مولانا مشتاق نظامی صاحب ۷: حضرت مولانا شمیم اشرف خاں ازہری صاحب، ۸: حضرت مولانا محمد قاسم
۹: حضرت مولانا نسیم اشرف خاں حبیبی، ۱۰: حضرت مولانا نعیم بستوی صاحب، ۱۱: حضرت مولانا محمد میاں کابلی
۱۲: حضرت مولانا اصغر امام اجھری۔

حسب ذیل علمار عظام نے علالت اور عدم فرصت کی بنا پر عذر نامے سے سرفراز فرمایا۔

۱: حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب اعظمی، ۲: حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب براؤں شریف۔
۳: حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب مبارکپوری، ۴: حضرت مولانا حبیب اشرف سنبھلی، ۵: حضرت
مولانا محمد محبوب اشرفی کانپوری۔ اور حضرت مولانا سید حسین صاحب۔

مندرجہ ذیل علمار کرام کے جواب سے ہم محروم رہے۔

۱: حضرت مولانا عبدالمصطفٰے اعظمی صاحب، ۲: حضرت مولانا ضیار المصطفٰے اعظمی ۳: حضرت مولانا محمد شفیع صاحب
اعظمی۔ ۴: حضرت مولانا تحسین رضا خاں صاحب، ۵: حضرت مولانا نور الدین نظامی بریلوی، ۶: حضرت مولانا سخاوت
علی بستوی، ۷: حضرت مولانا عبداللہ عزیزی گونڈی، ۸: حضرت مولانا افتخار احمد اعظمی، ۹: حضرت مولانا غلام ربانی
فائق اعظمی، ۱۰: حضرت مولانا بدر الدین قادری، ۱۱: حضرت مولانا محمد احمد بھیروی، ۱۲: حضرت مولانا عاشق الرحمٰن
صاحب الہ آبادی، ۱۳: حضرت مولانا مفتی مقبول حسین صاحب الہ آبادی، ۱۴: حضرت مولانا محمود احمد کانپوری
۱۵: حضرت مولانا محمد احمد اشرفی کانپوری، ۱۶: حضرت مولانا سید کلیم اشرف جائسی۔

جن حضرات نے مضامین یا پیغامات سے نوازا۔ ان کا تذکرہ زینت نمبر ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علمار کرام
اگر دل پر لے لیں تو کیا نہیں ہو سکتا۔ مجھے دل کی گہرائیوں سے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ علمار کی جماعت میں ایک
سے ایک نادر روزگار صاحب فکر و فن اور قلم کے بادشاہ موجود ہیں جن کی تحریریں اپنی مثال آپ ہیں۔ لیکن ...
..... نہ جانے کب وہ ساعت آئے گی جب ہمارے علمار "تن آسانی" کی وادیوں سے باہر آئیں گے، اور موجودہ دو

کے چیختے ہوئے تقاضوں پر کان دھریں گے۔

بات ہے ایک سال کی!

جب ۹ مارچ ۱۹۷۵ء کو بمبئی میں آل انڈیا سنی لیگ کی "مجدد اعظم کانفرنس" میں "مرکزی مجلس رضا" کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ آزادی ہند کے بعد غالباً یہ پہلی سنی کانفرنس ہے جس نے صرف ایک تجویز پاس کی اور مسلسل ۳۶۵ دنوں تک تجویز کی روشنی میں کام کرتی رہی، سنی لیگ اگر اپنی تجویز کو عملی روپ نہ دیتی تو ہم اس کا کر بھی کیا سکتے تھے، آجکل تجاویزیں پاس کرکے ردی کی ٹوکری میں پھینک دینا فیشن بن چکا ہے، سنی لیگ بھی تو اسی ماحول کی پیداوار ہے۔ جتنے ضروری امور ہیں۔ اسے بھی انجام دے دینا چاہئے تھا، مثلاً کانفرنس کرنا ضروری، کانفرنس کا انعقاد ہوا، تجویزیں پاس کرانا ضروری، تجویز بھی پاس ہوگئی، پاس شدہ تجویز کو طاق نسیاں کے سپرد کرنا ضروری؟ ...... یہی ضروری کام نہ ہوسکا؟ سارے ضروری کام انجام دیکر سنی لیگ نے آخری کام نہ کر کے دیگر تنظیموں کی موجودہ روش سے اپنے کو علاحدہ کرلیا۔ اس کی یہ علحدگی لائق مذمت ہے یا قابل تحسین اس کا فیصلہ قارئین کریں۔ لیکن میں اس بولتی حقیقت کو کیسے چھپا سکتا ہوں جو ایک کلو وزن کے ساتھ بشکل امام احمد رضا نمبر آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ آپ کا بیدار ضمیر یہ بولنے پر مجبور ہوگا کہ ایسی کانفرنس ہر ماہ منعقد کی جائے تو ہم اس کی حوصلہ افزائی کریں گے، کوئی بھی تنظیم ہو اسکے کچھ رہنما اصول ہوتے ہیں، اصولوں پر چلنا جہاں اس تنظیم کو رشتۂ حیات سے منسلک کئے رہتا ہے وہیں اصولوں سے صرف نظری پیغام موت لایا کرتی ہے، اور ہاں جو تنظیم "کام" کو عزیز رکھتی ہے، اسے آبرومندانہ مقام ملتا ہے۔ "کام" کسی تنظیم کے لئے "دو آتشہ" کی حیثیت رکھتا ہے، یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ سنی لیگ نے صحتمند قیادت کے لئے "دو آتشہ" حاصل کرلیا ہے، قوم کا سنجیدہ طبقہ اس وقت تک سنی لیگ کے ساتھ رہے گا۔ جبتک سنی لیگ عملی سرگرمیوں سے دلچسپی لے گی جس دن بے حسی اور مردنی کی کیفیت نے آگھیرا سنی لیگ بھی دوسری جماعتوں کی قطار میں نظر آئے گی۔

شیخ الاسلام کی غیر معمولی دلچسپی!

ادارۂ المیزان اور آل انڈیا سنی لیگ کی ایک سالہ بھاگ دوڑ اور تگ ودو نے ہمیں کام کرنے کا آہنی شعور بخشا ہے، کیونکہ آج ہم جس تابناک منزل میں نظر آرہے ہیں۔ یہاں آنے تک محبت و نفرت، شفقت و عداوت تساہلی و سرگرمی، فرض ناشناسی و فرض شناسی حسن ظن و بدگمانی، بغض و الفت، فراخدلی و حوصلہ شکنی، اعلیٰ ظرفی و تنگ نظری، قرار و بے چینی، خوشگوار اور ناخوشگوار حالات سے ہمیں گذرنا پڑا،

یہ حالات کچھ تو ہمارے اور کچھ بے گانوں کے پیدا کردہ ہیں، جی چاہتا ہے اس روشن حقیقت کے اظہار کا کہ امام احمد رضا نمبر کو تاریخ ساز نمبر بنانے میں اگر سب سے زیادہ کسی دینی رہنما نے دلچسپی دکھائی تو وہ ہیں شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں (جانشین حضور محدث اعظم ہند) انہیں کی متعینہ راہ پر امام احمد رضا نمبر کا کام شروع کیا گیا ان کا بے لوث تعاون ہر ہر قدم پر ملتا رہا۔ ملک کے طول وعرض کا دورہ کرتے ہوئے بھی شیخ الاسلام ہماری کارکردگیوں سے مطلع ہوتے رہے۔ تاکیدی خطوط، ضروری مشورے اور اہم ہدایتوں کا تانتا بندھا رہا۔ شیخ الاسلام کی غیر معمولی دلچسپی ایک مکتوب کے اقتباس سے واضح ہے۔

"امام احمد رضا نمبر کو ایک تاریخی اور مثالی نمبر بنانے کے لئے جس قدر جد و جہد کی ضرورت ہے اس سے دریغ نہ کیا جائے اپنے عہد کے ایک عظیم امام اور عبقری شخصیت کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ارمغانِ خلوص پیش کرنا صرف اس کی عظیم اسلامی خدمات کا اعتراف ہی نہیں ہے بلکہ اس میں دینی اور ملّی خدمت بھی ہے ——————"

شیخ الاسلام نے اہم ہدایتوں اور مالی اعانتوں سے جس طرح قوت عطا فرمائی ہے۔ اُسے المیزان کے روشن مستقبل کی ضمانت سمجھنا چاہیئے۔ سچ جانئے! شیخ الاسلام کی کھلی حمایت اور بھرپور اعانت ہمیں حاصل نہ ہوتی تو دو شامیانے تلے ہمیں میٹھی نیند آجاتی اور حرارتِ عمل ناامیدی کے سرد خانے کی زینت بن جاتی۔ خدا بھلا کرے شیخ الاسلام کا جنہوں نے المیزان اور سنی لیگ دونوں کے منصوبوں کو نئی اسپرٹ عطا کی۔

شکریہ کیوں ادا کروں؟

کوئی بھی کام ہو چاہے سماجی یا سیاسی، قومی یا مذہبی شکریہ ادا کرنا ایک رسم سی بن گئی ہے، اور یہ ایسی رسم ہے جس کی ادائیگی ہر رسم کے بعد ہی انجام پذیر ہوتی ہے، آج کل پرانی رسموں سے گلو خلاصی کی ہوا چل رہی ہے، میں بھی متاثر ہوا چاہتا تھا کہ اچانک حدیث پاک کے اِن الفاظ نے مجھے سنبھالا۔

"جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کا شکر ادا نہ کیا ——————"

شکر الٰہی کہ ناشکرا بننے سے بال بال بچ گیا، رسم شکریہ کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہوئے سب سے پہلے محب گرامی عالی جناب محمد لٰیسین انصاری کو امتنان و تشکر کا گلدستہ پیش کرتا ہوں، جن کے سینے میں چھپے مجاہد نے ہر لمحہ ہمارا ساتھ دیا۔ بمبئی میں "المیزان" کا قدم جمانے میں انصاری صاحب کی رضاکارانہ خدمات کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں۔

ان کی زندگی کا یہ کوئی نیا کام نہیں ہے، ۵۰ سالہ فعال زندگی قومی، سیاسی اور مذہبی امور کی انجام دہی سے بھری پڑی ہے، ناموری اور شہرت پسندی سے گھبرانے کا ہی نتیجہ ہے کہ آج سنی دنیا اس حقیقت سے ناآشنا ہے کہ یٰسین انصاری صاحب آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے بانیوں میں سے ہیں، بزرگ رہنما الحاج نصرت اللہ عباسی سنی جمعیۃ کے بانی اور انصاری صاحب اس کے پہلے موئید اور پھر

"لوگ ساتھ ہوتے گئے اور کارواں بنتا گیا"

دارالعلوم دیوان شاہ آل انڈیا سنی جمعیۃ، آل انڈیا سنی لیگ، امام احمد رضا نمبر اور امام احمد رضا کانفرنس میں محترم یٰسین کا خونِ جگر شامل ہے، خدائے تعالیٰ انصاری صاحب کو صحت و سلامتی کے ساتھ رکھے۔ اراکین سنی لیگ، سنی لیگ کی مجلس رضا، امام احمد رضا کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کا شکریہ جن الفاظ میں بھی ادا کروں کم ہے، مضامین کی فراہمی میں گرامی قدر محترم سید امین اشرف ایم اے علیگ، مکرمی ڈاکٹر محمد اسد غازی ملت حضرت ہاشمی میاں، حضرت العلام سید الزماں حمدوی، محب گرامی محب الحق رضوی (علیگ)، عزیزی طارق سعید بی اے (لکھنؤ) محب محترم مولانا محمد احمد مصباحی نے جس لگن سے کام کیا ہے اسے نظر انداز کرنا حکمِ تشکر کی صریح خلاف ورزی ہوگی۔ ملک کے موقر اخبار "روزنامہ اردو ٹائمز" کے اسٹاف خصوصاً محترمی منظور احمد مالک اردو ٹائمز نے پرنٹنگ اور فیاض

بائنڈنگ ورکس کے مالک محمد الیاس صاحب نے بائنڈنگ میں اپنا مکمل خلوص پیش کیا، اس خلوص کا بھرپور فائدہ محترم عبدالرزاق منشی اختر اشرفی کی قیادت میں ہم نے حاصل کیا۔

اشتہارات کو جمع کرنے میں، جناب محمد ابراہیم حاجی عبدالغفار میمن، جناب شفیع اللہ خاں غازی پوری، صاحبزادہ صوفی سید جہانگیر اشرف، جناب عبدالقدیر چودھری جبلپوری، میسرز اے حق اینڈ برادرس پٹنہ، عزیزی عارف اور جلال میاں، محترمی منیر اشرفی، قاری جنید عالم اشرفی، الحاج جسیم ستار، محبی سرفراز فقیہ، ایڈوکیٹ حیدر پٹھان، عزیزی عبدالقیوم عطر والا، محترم یوسف قریشی اشرفی، مکرم نثار احمد نثار، جناب یوسف منہار محبی محمد ابراہیم اسماعیل زری والا یا محب گرامی محمد یوسف تاثیر اور عزیز محترم مصطفےٰ علی خاں مہتاب افتخاری نے جس محنت و لگن کا مظاہرہ کیا ہے، اس کا نتیجہ نمبر کے مطالعہ کے بعد ہی نکالا جاسکتا ہے۔

قوم کاتب کی مہربانیوں سے جن کا پالا پڑا ہے، انہیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے، ایک مجلس میں کسی نے کہا تھا کہ اگر کسی کو سزا دینا ہو تو کاتب بنا دیا جائے، اس پر کسی نے برجستہ جواب دیا کہ کسی کو عبرتناک سزا دینی ہو تو کاتب کے پاس پہنچا دیا جائے، لیکن کیا آپ یقین کریں گے کہ المیزان کے کاتبوں نے ہماری راہ میں خلوص و محبت کے پھول برسائے ہیں، اتنا ضخیم نمبر اور اس قدر حسین کتابت وہ بھی انتہائی خوبصورت اور ایک جیسی پھر بھی وقت سے پہلے ہمارے

سپرد کر دینا کسی کے لئے حیرت ناکی ہو سکتی ہے لیکن میرے سامنے حقیقی روپ دھارن کئے ہوئے ہے۔ دل

نکل رہی ہے کہ امام احمد رضا نمبر کا تبوں کے چہروں کو روشن کرے اور کتابت کے تعلق سے ان کی آبر

میں چار چاند لگائے، آمین

مارہرہ، بریلی، کچھوچھا، جبلپور، علی گڑھ، کلیان، بھیمڑی اور بمبئی عظمیٰ کے ان تمام محسنین کا بھی ممنون ہوں

نے انتہائی خاموشی کے ساتھ المیزان نوازی کا ثبوت دیا ہے۔

خانوادہ برکاتیہ کا تعاون

احسن العلماء حضرت علامہ شاہ سید حسن میاں صاحب زیب سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کا

شکر گذار ہوں کہ انہوں نے بنا مانگے وہ شاہکار عطا فرمائے جسے خانوادہ برکاتیہ تقریباً ایک صدی سے

لگائے ہوئے ہے، امام احمد رضا کی عربی تحریر کا عکس، اس مقدس تخت کا فوٹو جس پر خاتم الاکابر

امام احمد رضا کو شرف بیعت سے مشرف فرمایا تھا اور دیگر ضروری عکسی تصاویر ارسال فرما کر ہمارے

حوصلے کو پذیرائی بخشی۔ حضور سید العلماء حضرت علامہ سید آل مصطفےٰ علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور

مخدوم زادہ حضرت حسنین میاں صاحب مارہروی نے بھی نمبر میں شامل ہو کر ہمارا تعاون فرمایا۔ حضرت احسن العلماء

کے صاحبزادوں (عزیزان گرامی اشرف میاں اور امین میاں) نے بھی مضامین کے ذریعہ ہمیں حوصلگی دی۔

امام احمد رضا نمبر کیلئے ضروری مواد کی حصولیابی کے لئے جب راقم الحروف اور محترم یٰسین انصاری کو بریلی جانا ہوا تو وہاں حضرت علامہ ریحان رضا صاحب زید عنایتہ نے ایک بزرگ رہنما حضرت سید فاروق احمد کو ہمارے سپرد کیا تاکہ آباؤ اجداد تمام خاندانی حالات سے آگہی حاصل کی جا سکے انہوں نے مسلسل ۴۸ گھنٹے بریلی کے اہم مقامات کی سیر کرائی اور خاندانِ رضویہ کے تاریخی حالات و واقعات سے ہمیں آگہی دی اور ہر قدم پر ہماری رہنمائی کی، محترم سید فاروق خاندان برکاتیہ کے متعلقین میں سے تھے، اور حضور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمۃ والرضوان سے شرف بیعت حاصل تھی، سید صاحب موصوف نے مجھے چند نایاب تحفے بھی دئے، جس کی حفاظت وہ برسہا برس سے کرتے چلے آرہے تھے، سید فاروق صاحب پوسٹ گریجویٹ اور بریلی میونسپلٹی کے ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ تھے، افسوس صد افسوس! محترم سید صاحب نے ۲۰ فروری ۱۹۷۶ء کو اچانک راہ بقا کو کوچ کیا، خدائے تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

جب ہم بریلی پہنچے!

بریلی شریف میں جن حضرات نے تعاون فرمایا ان کے ذکر کیساتھ ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ شہزادۂ امام

احمد رضا سرکار مفتی اعظم ہند باوجود شدید علالت کے، شرف ملاقات سے نوازا ہم نے ان کی خدمت میں آل انڈیا سنی لیگ کے منصوبوں کو پیش کیا، حوصلہ افزائی کے لئے اپنے لٹر پیڈ پر پیغام مبارکبادی اور دعائیہ کلمات تحریر کرا کے اپنا دستخط ثبت فرمایا۔ اور پھر آخر میں سنی لیگ کی ترقی و بقا اور المیزان کے فروغ و اشاعت کے لئے تین بار ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ پالنہارا! سرکار مفتی اعظم ہند کے سایۂ عاطفت کو سنیت کے لئے تادیر قائم رکھ آمین۔ نبیرۂ زادگان امام احمد رضا حضرت علامہ ریحان رضاخاں رحمانی میاں ایم ایل سی، حضرت العلام اختر رضاخاں ازہری، صاحبزادہ حضرت قمر رضاخاں ایم اے علیگ نے بھی ہمارے حوصلے کو بڑھاوا دیا، رضوی خاندان سادات کے احترام و اکرام میں اپنی مثال آپ ہے۔ ان حضرات نے بھی سادات نوازی کا مکمل ثبوت دیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان شہزادوں کو اپنے خاندانی بزرگوں کی روش پر ہمیشہ چلاتا رہے۔ آمین!

امام احمد رضا کی تحریروں کا عکس لینے میں حضرت مولانا ساجد علی خان نے بھی ہماری معاونت کی۔ ان کی ہدایت پر محب گرامی مولانا محمد اعظم صاحب نے جس دلچسپی کا ثبوت دیا ہم اسے فراموش نہ کرسکیں گے۔ امام احمد رضا نے کتب احادیث و فقہ وغیرہ پر جو حاشیہ لکھا ہے، اس کی نشاندھی کرنے، اور اس کے فوٹو لینے میں مولانا اعظم نے کافی وقت صرف کیا اور تندہی سے یہ کام انجام دیا ـــــــ بریلی شہر کا گشت لگا کر تصاویر اتارنے میں "شاہین اسٹوڈیو" کی خدمات بھی نہ بھولنے کے قابل ہیں۔ اسٹوڈیو کے جواں سال مالک جناب شکیل انصاری نے فوٹو گرافی کی اچھی مثال قائم کی۔ تجارتی انداز فکر سے الگ ہو کر انہوں نے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ کیوں کر نہ ہم ان کا بھی شکریہ ادا کریں۔

مذکورہ بالا حضرات کے لئے اظہار تشکر کسی رسم کی تکمیل کے طور پر ہرگز نہ سمجھا جائے، حق تو یہ ہے اگر یہ تمام حضرات ہوش و جوش کے حسین امتزاج کے ساتھ مدد نہ فرماتے تو " امام احمد رضا نمبر " موجودہ شکل و صورت کے ساتھ پیش کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ـــــــ

بکھرے ذروں کو اجتماعیت

سُنّی لیگ کی مرکزی مجلس رضا اور ادارۂ المیزان کی یک سالہ محنت و کاوش امام احمد رضا نمبر کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے، ایک سال قبل آل انڈیا سُنّی لیگ نے ایک جوت جلائی تھی جس کی تیز لو نے بکھرے ذروں کو اجتماعیت دی، کام کا شعور دیا، آگے بڑھنے کا ڈھنگ سکھایا، جس کی نشاندھی مجدد اعظم کانفرنس منعقدہ ۹ مارچ ۱۹۷۵ء میں جس کی صدارت جواں سال خطیب مجاہد سنیت حضرت مولانا عبید اللہ خاں اعظمی رضوی سکریٹری آل انڈیا سُنّی لیگ کر رہے تھے، صدر نشین آل انڈیا سُنّی لیگ غازی ملت حضرت مولانا سید

ہاشمی میاں شہزادہ حضور محدث اعظم ہند نے اِن الفاظ میں کی تھی، ہمارے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ

۱:- ہم مجدد اعظم کے حالات زندگی معلوم کریں۔

۲: ان کے مجاہدانہ طرز حیات سے استفادہ کریں۔

۳: ان کی مقدس فکر و نظر سے ایمان کی شمعیں جلائیں۔

۴: ان کے حالات و کوائف کو جان کر ہم نہ صرف یہ کہ ایک تاریخی تقاضہ پورا کریں بلکہ اپنی فلاح و نجات کے تمام ممکنہ وسائل بھی مہیا کریں۔

(ماخوذ امام احمد رضا ایک نظر میں) مجدد اعظم کانفرنس بمبئی

ندامت کے آنسو!

لیجئے امام احمد رضا جیسی عبقری اسلام شخصیت کے حضور ہمارا یہ پہلا نذرانۂ عقیدت ہے، کون ہے جو اپنے اس کارنامے پر فخر نہیں کریگا۔ سرور و انبساط میں مست نہیں ہوگا۔ خوشی و مسرت کے شادیانے نہیں بجے گا۔ سر اونچا کر کے نہیں چلے گا، لیکن خدا گواہ ہے، ہماری آنکھوں میں ندامت کے آنسو ہیں، ہم نے اپنے امام کی بارگاہ میں جو کچھ بھی ہدیہ کیا ہے اس کی حیثیت شیخ الاسلام کے ان الفاظ سے زیادہ نہیں کہ

"المیزان کا یہ تاریخی اور تحقیقی نذرانہ امام احمد رضا پر احسان نہیں ہے بلکہ ہم پر عائد ملی اور دینی فریضہ کی ادائیگی کا ایک حقیر سا حصہ ہے"

امام احمد رضا نے ملت اسلامیہ کی حفاظت و صیانت کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں، ان کے شان یہ نمبر ایک حقیر سا تحفہ ہے، خراج عقیدت کی ایک ہلکی سی جھلک ہے، ایسے نازک وقت جبکہ ایک طرف کاغذ کی ہوشربا گرانی طباعت و کتابت کے مشکل ترین مراحل دوسری طرف مادی وسائل کی کمیابی، پھر بھی اسے فیض رضا کا مظہر کہئے کہ امید و بیم کے ماحول سے گذر کر اطمینان بخش منزل میں پہنچ ہی گئے۔ امام احمد رضا کو اب صرف دینی مدارس اور مذہبی جلسوں تک گھیر کر نہیں رکھا جا سکے گا۔ اب کوئی بھی امام احمد رضا کو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جانے سے روک نہیں سکتا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب ریسرچ کی راہیں وا ہو کر رہیں گی۔

آخری بات!

امام احمد رضا نمبر ایک گلدستے کی شکل میں پیش خدمت ہے۔ اس گلدستے کو سجانے اور سنوارنے میں ہم کہاں تک کامیاب رہے، اس کا فیصلہ قارئین ہی کر سکتے ہیں۔ نمبر میں مختلف الخیال حضرات کے رشحات قلم شامل ہیں۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ ان سے اتفاق رکھیں، اختلاف کا جمہوری حق آپکو حاصل ہے سنجیدہ تنقید کو المیزان میں جگہ دیکر ہم صحافتی دیانتداری کا ثبوت دینگے۔ اس نمبر کی تمام خوبیاں مرکزی مجلس رضا اور حسن تدوین کے تمام محاسن محب محترم مولانا محمد احمد مصباحی مبارکپوری کو بخشتا ہوں، جو خامیاں کمزوریاں اور کوتاہیاں نظر آئیں انہیں میں اپنے سر لینے کو تیار ہوں۔

آپ کا: جمیل خانی

امام احمد رضا

ایک نظر میں

ولادت (بریلی میں)	۱۴ر جون سنہ ۱۸۵۶ء	۱۰ر شوال المکرم سنہ ۱۲۷۲ھ
ختم ناظرہ قرآن	سنہ ۱۸۶۰ء	سنہ ۱۲۷۶ھ
پہلا خطاب	سنہ ۱۸۶۲ء	ربیع الاوّل سنہ ۱۲۷۸ھ
پہلی تصنیف شرح ہدایۃ النحو	سنہ ۱۸۶۴ء	سنہ ۱۲۸۰ھ
مسلم الثبوت پر حاشیہ	سنہ ۱۸۶۶ء	سنہ ۱۲۸۲ھ
دستار فضیلت	سنہ ۱۸۶۹ء	سنہ ۱۲۸۶ھ
مسند افتاء کی ذمہ داری	سنہ ۱۸۶۹ء	۱۴ر شعبان المعظم سنہ ۱۲۸۶ھ
ازدواجی زندگی کا آغاز	سنہ ۱۸۷۴ء	سنہ ۱۲۹۱ھ
پہلے صاحبزادے کی ولادت (حجۃ الاسلام)	سنہ ۱۸۷۵ء	ربیع الاوّل سنہ ۱۲۹۲ھ
شرف بیعت	سنہ ۱۸۷۷ء	جمادی الاوّل سنہ ۱۲۹۴ھ
پہلا حج	سنہ ۱۸۷۸ء	سنہ ۱۲۹۶ھ
ضیاء الدین احمد کا لقب (مکہ معظمہ میں)	سنہ ۱۸۷۸ء	سنہ ۱۲۹۶ھ
نزول فرنگی محل (لکھنؤ)	سنہ ۱۸۹۱ء	سنہ ۱۳۰۹ھ
دوسرے صاحبزادے کی ولادت (مفتیٔ اعظم ہند)	سنہ ۱۸۹۲ء	۲۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۰ھ

واقعہ	عیسوی	ہجری
جلسۂ تاسیس ندوہ میں شرکت	۱۸۹۳ء	۱۳۱۱ھ
تحریکِ ندوہ سے علحدگی	۱۸۹۷ء	۱۳۱۵ھ
المعتمد المستند کی تصنیف	۱۹۰۲ء	۱۳۲۰ھ
فتوٰی رضویہ	۱۹۰۴ء	۱۳۲۲ھ
دار العلوم منظر اسلام کی بناء	۱۹۰۴ء	۱۳۲۲ھ
دوسرا حج	۱۹۰۵ء	ذی القعدہ ۱۳۲۳ھ
تصنیف الدولۃ المکیہ (مکہ معظمہ میں)	۱۹۰۶ء	صفر المظفر ۱۳۲۴ھ
حسام الحرمین	۱۹۰۶ء	۱۳۲۴ھ
نزول بمبئی (واپسیٔ حج پر)	۱۹۰۶ء	ربیع الاوّل ۱۳۲۴ھ
نزول احمد آباد	۱۹۰۶ء	ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ
پوتے کی ولادت (مفسر اعظم ہند)	۱۹۰۷ء	۱۳۲۵ھ
ترجمہ قرآن کنز الایمان	۱۹۱۱ء	۱۳۳۰ھ
نزول جبلپور	۱۹۱۸ء	جمادی الآخر ۱۳۳۷ھ
قیام کوہ بھوالی (نینی تال)	جون ۱۹۲۱ء	رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ
وصال	نومبر ۱۹۲۱ء	۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ

نوٹ:۔ واضح رہے کہ امام احمد رضا کی عمر باعتبار سن عیسوی ۶۵ سال اور باعتبار سن ہجری ۶۸ سال ہوتی ہے۔ (ایڈیٹر)

امام احمد رضا کا شجرۂ نسب

ایک نظر میں

ذیل میں امام احمد رضا کا شجرۂ نسب پیش کیا جا رہا ہے، جس کی ابتداء حضرت سعید اللہ خان صاحب سے کی جا رہی ہے۔ جو عالیجاہ شجاعت جنگ بہادر کے لقب سے مشہور تھے اور قندھار سے سلطان شاہ محمد شاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے، اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے حکومت وقت نے انہیں "شش ہزار" کے منصب جلیلہ سے سرفراز کیا تھا، لاہور کا "شیش محل" انہیں کا تھا، حضرت سعید اللہ کے صاحبزادے حضرت سعادت یار خاں، سلطان وقت کی حکومت کے "وزیر مالیات" تھے، ان کی امانتداری اور دیانتداری کا یہ عالم تھا کہ سلطان محمد شاہ نے ضلع بدایوں کے کئی مواضعات انہیں عطا کئے۔ جو آج بھی اس خاندان کے حصے میں ہیں۔ ان کے صاجزادے حضرت محمد اعظم خاں صاحب بھی وزارت اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھے۔ مگر کچھ برسوں کے بعد سلطنت کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کی، اور زہد و اتقا ریاضت و روحانیت کی جانب مکمل طور پر مائل ہو گئے، حضرت محمد اعظم ہی کی ذات والاتبار سے قندھار کے دس خانوادے میں علم و فضل، ورد و وظائف زہد و تقویٰ کا بول بالا شروع ہوا۔ ان سے حضرت حافظ کاظم علی خاں تولد ہوئے، ان سے امام العلماء حضرت رضا علی خاں، ان سے رئیس الاتقیاء حضرت نقی علی خاں صاحب، حضرت نقی علی خاں سے مجدد مأتہ حاضرہ امام احمد رضا تولد ہوئے، مذکورہ ذیل شجرہ کے لئے "حیات اعلیٰحضرت" مولفہ ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ سے مدد لی گئی ہے، آخر میں جو اضافہ کیا گیا ہے اسے ہم نے بریلی شریف جا کر حضرت علامہ ریحان رضا خاں صاحب کی مدد سے حاصل کیا ہے، جس کے بموجب "خاندان رضویہ" کے اولاد ذکور کا کوئی ایسا بچہ نہیں رہ گیا ہے جسے شامل شجرہ نہ کر لیا گیا ہو۔

(ایڈیٹر)

سعید اللہ خان (شجاعت جنگ بہادر)
سعادت یار خان (وزیر مالیات)
محمد معظم خان
محمد اعظم خان
محمد مکرم خان
چار صاحبزادیاں
حافظ کاظم علی خان
تین صاحبزادیاں
امام العلماء رضا علی خان
حکیم نقی علی خان
جعفر علی خان
رئیس الاتقیاء نقی علی خان
تین صاحبزادیاں
محمد رضا خان
امام احمد رضا
حسن رضا خان
دو صاحبزادیاں
ایک صاحبزادی (اہلیہ حضور مفتی اعظم ہند)
حسنین رضا خان
حسین رضا خان
سبطین رضا خان
تحسین رضا خان
حبیب رضا خان
دو صاحبزادیاں

امام احمد رضا

مفتی اعظم ہند مصطفےٰ رضا خان — حجۃ الاسلام حامد رضا خان — پانچ صاحبزادیاں

انوار رضا خان
دو سال کی عمر میں انتقال ہوگیا
— چھ صاحبزادیاں

چار صاحبزادیاں — ابراہیم رضا خان عرف جیلانی میاں — حماد رضا خان عرف نعمانی میاں
(جن کا خاندان پاکستان میں ہے)

یزدانی میاں — رضوانی میاں — نورانی میاں — تین صاحبزادیاں

ریحان رضا خان — تنویر رضا خان
(مفقود الخبر)
— اختر رضا خان — قمر رضا خان — منان رضا خان — تین صاحبزادیاں

اسجد رضا خان

فیضان رضا خان — عثمان رضا خان — توقیر رضا خان — توصیف رضا خان — تسلیم رضا خان — دو صاحبزادیاں

شجرۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
مولائے کائنات
سیدنا امام حسین
سیدنا امام زین العابدین
سیدنا امام باقر
سیدنا امام جعفر
سیدنا امام موسیٰ کاظم
سیدنا امام علی رضا
سیدنا شیخ معروف کرخی
سیدنا شیخ سری سقطی
سیدنا جنید بغدادی
سیدنا ابو بکر شبلی
سیدنا عبد الواحد تمیمی
سیدنا ابو الفرح طرطوسی
سیدنا ابو الحسن علی ہنکاری
سیدنا ابو سعید مخزومی
سیدنا غوث اعظم جیلانی بغدادی
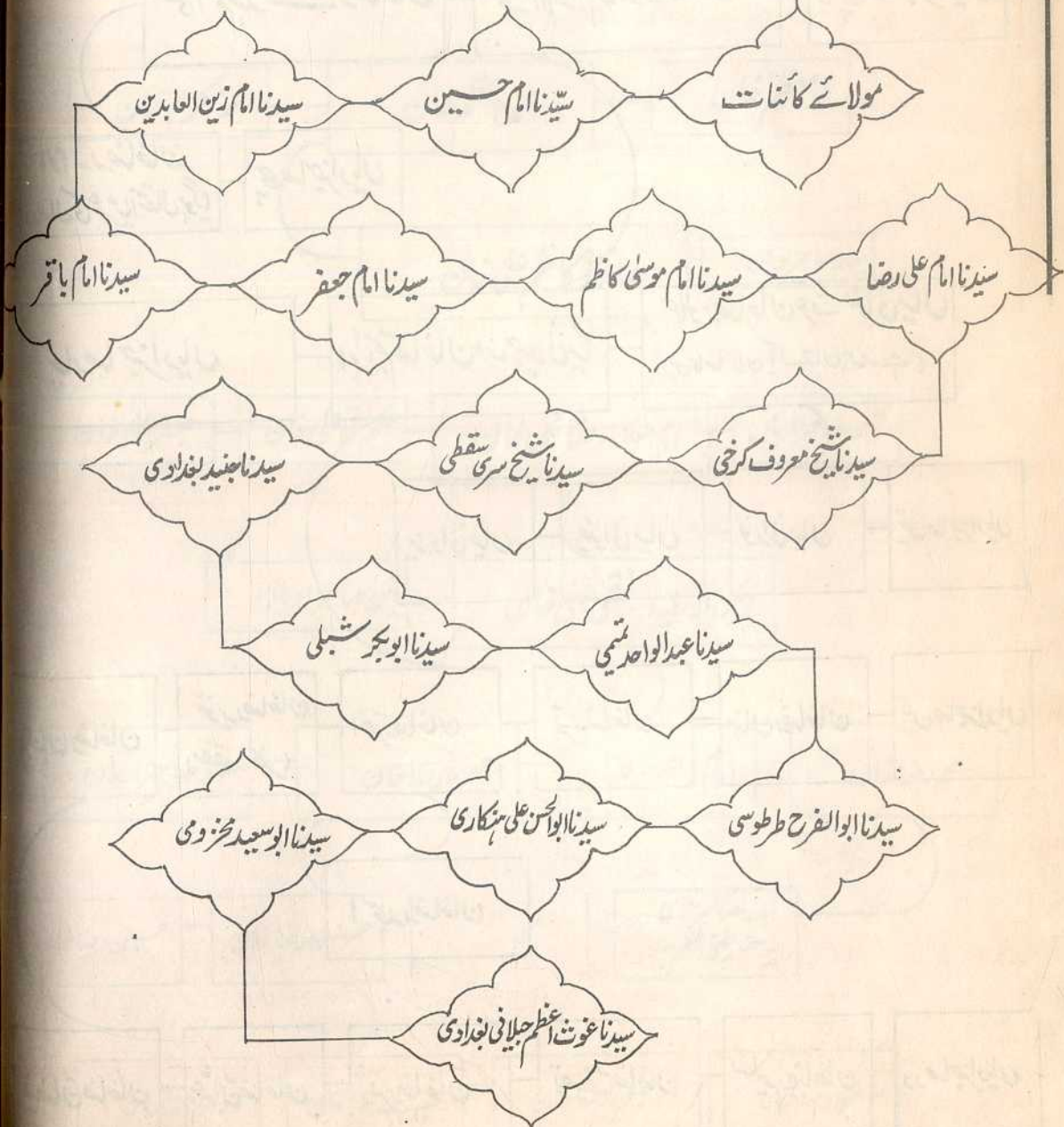
سیّدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیّدنا عبدالرزاق

سیّدنا ابو صالح نصر

سیّدنا محی الدین ابو نصر

سیّدنا سیّد علی

سیّدنا سیّد موسیٰ

سیّدنا سیّد حسن

سیّدنا سیّد احمد جیلانی

سیّدنا بہاء الدین

سیّدنا ابراہیم ایرجی

سیّدنا محمد بھکاری بادشاہ

سیّدنا قاضی ضیاء الدین

سیّدنا شیخ جمال الاولیاء

سیّدنا سیّد محمد

سیّدنا سیّد احمد

سیّدنا فضل اللہ

سیّدنا شاہ برکت اللہ

سیّدنا شاہ آل محمد

سیّدنا شاہ حمزہ

سیّدنا شاہ آل احمد اچھے میاں

سیّدنا شاہ آل رسول

مجدد اعظم امام احمد رضا

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

فوٹو اسٹیٹ شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف جسے امام احمد رضا نے اپنے مرشد کی فرمائش پر بصیغہ درود شریف قلم برداشتہ تحریر فرمایا

فقیر برکاتی: سید مصطفٰے حیدر حسن برکاتی سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ (ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی سیدنا ومولٰنا
محمد المصطفٰی رفیع المکان المرتضٰی
علی الشان الذی رجل من امتہ
خیر من رجال من السالفین وحسین
من ذریتہ احسن من کذا وکذا احسانا من
السابقین السید السجاد زین العابدین
باقر علوم الانبیاء والمرسلین ساقی
الکوثر مالک تسنیم وجعفر الذی
یطلب موسٰی الکلیم رضا ربہ
بالصلاۃ علیہ ویذھب ابرٰھیم الخلیل
لطلب معروف جودہ الیہ

السری[١١] الساری سرہ فی ذرات الاکوان

الغالب جنید[١٢] من جنودہ علی جیوش

الجور والعدوان اصل المراد من عالم

الایجاد الذی لہ ان یقول لآدم ومن

دونہ تجلی ولکل اسد من اسد اللہ

شبلی[١٣] الاحد الماجد عبد الواحد[١٤]

اخو الاحزان فی عشقہ ابو الفرح

من لطفہ ورفقہ الایمان حسن

وھو ابو الحسن[١٥] اذ منہ نشا وبہ

ظھر[١٦] والمؤمن سعید وھو ابو سعید

اذ ھو الذی ربی وھداہ فبر وافر

الایدی ودر الایدین عبد القادر[١٧]

عہ السری سردار ۱۲
عہ النحل الولد ۱۲
عہ الشبل بچہ شیر ۱۲
عہ سب اسد ۱۲
عہ خیر ۱۲
عہ الایدی النعم
عہ نکوکار رشد آن مسلمان ۱۲

غوثُ الثقلین، عبدُ الرزّاق
قاسمُ الارزاق، ابو صالح
المؤمنین، نصرُ الاسلام، محی الدین[20]
علی[21] المرتقی والمدارج، موسیٰ[22]
طورِ المعارج، حسن[23] الخلق، احمد
الخلق، بہاؤ[25] الدین الکریم، سنا
شریعۃ ابراہیم الامیّ القاری[27]
نظام دین الباری، العرب والفرس
والہند کلہم لہ سائل وگدا و بھکاری
ضیاء الانبیاء جمال الاولیاء محمد
الذات احمد الصفات، فضل اللہ
وبرکۃ اللہ، وعلی آلِ محمد الاعاظم

العارفين نص الشرع المطهر ورمزه الضياغم المتحملين شدة الجهاد الاكبر وحمزة هم آل احمد العظيم الكريم آل الرسول الرؤف الرحيم اللهم وعلى اصحابه العظام ومشائخنا الكرام وعلينا معهم يا ذا الجلال والاكرام مارهرة اقمار اليقين في همهمه صمد العارفين آمين آمين يا ارحم الراحمين اللهم ومن انشأ هذه الصيغة المباركة فاغفرله يا عظيم وارض عنه حبيبك احمد رضا المولى العفو الكريم آمين

كتبه الفقير احمد رضا القادري غفرله في مارهرة المطهرة ۲۱ محرم يوم الجمعة ۱۳۰۶

صحرائے راجستھان میں

امام احمد رضا

کا علمبردار

دارالعلوم اسحاقیہ

قائم شدہ: ۱۳۳۲ھ
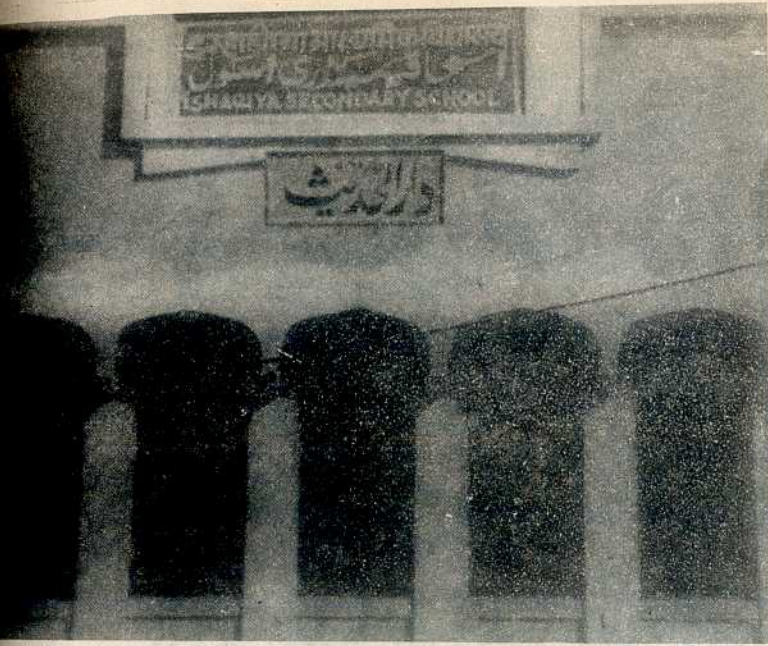
بانی: شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق علیہ الرحمہ

معمار:-

حضرت علامہ اشفاق حسین نعیمی

مفتی اعظم راجستھان

اساتذہ ۲۳ طلبا ۱۰۰۰

کورس ۱۰ سالہ - برانچیں ۸

سالانہ خرچ تقریباً پونے دو لاکھ

اسحاقیہ سکنڈری اسکول

ہم سے رابطہ قائم کیجئے

دارالعلوم اسحاقیہ

خرادان - جودھپور (راجستھان)

(اشتہار)

امام احمد رضا

کی کہانی تصویروں کی زبانی

(۱)
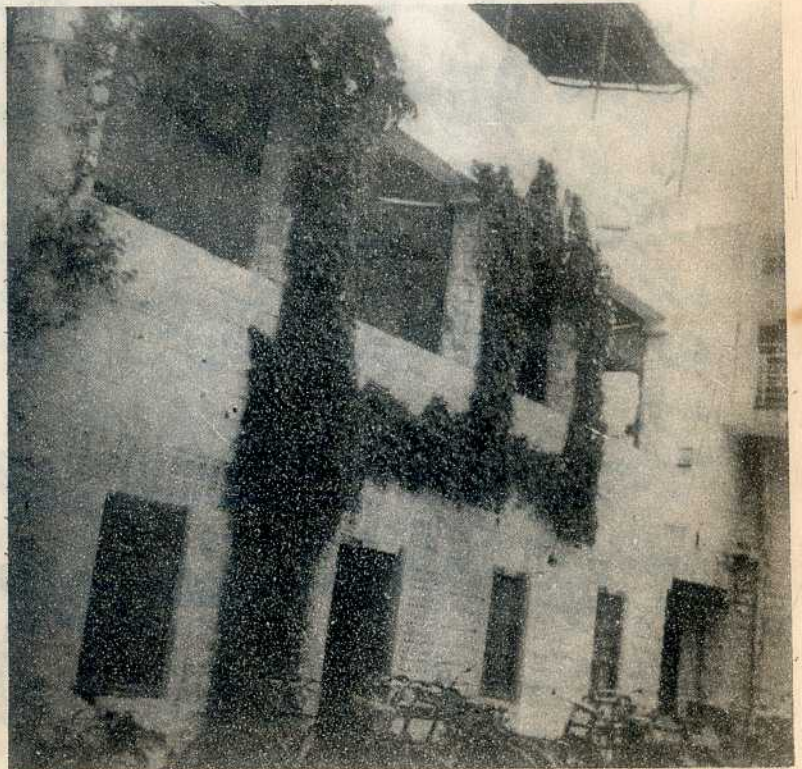
◄ محلہ جسولی میں

امام احمد رضا

کی جائے پیدائش، جو اس وقت بریلی کے ایڈوکیٹ ازور حسین کی ملکیت میں ہے۔
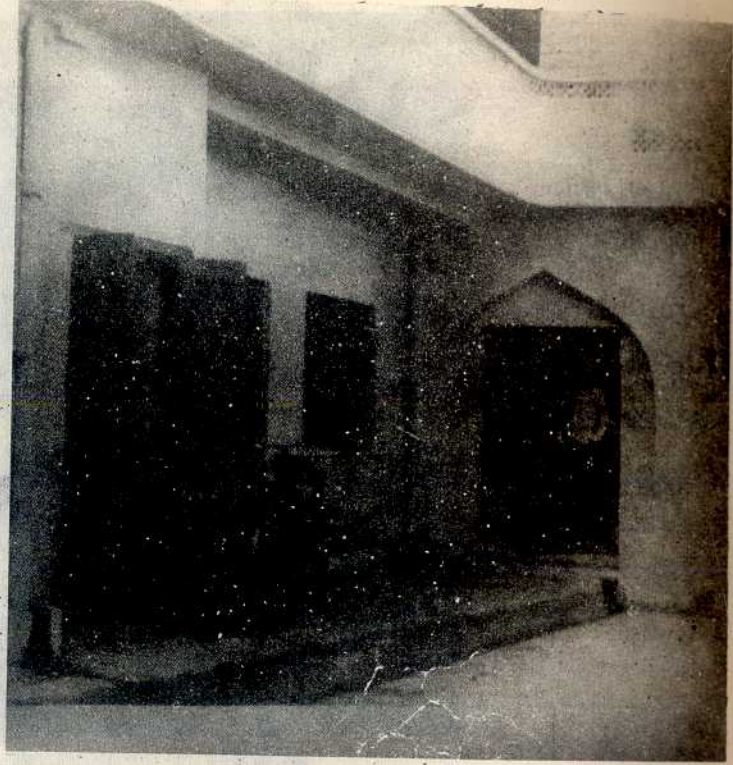
(۲)

محلہ سوداگران بریلی کا وہ مکان جہاں سے امام احمد رضا نے علوم و فنون کے دریا بہائے۔ آجکل یہ مکان ایک غیر مسلم کے قبضے میں ہے۔ وہ جگہ آج بھی احترام کے ساتھ محفوظ ہے۔

(۳)
دار الافتاء جہاں سے فتویٰ نویسی کا کام کیا جاتا تھا۔ الماری میں وہ کتابیں نظر آرہی ہیں جن پر امام احمد رضا نے حاشیے لکھے ہیں

(۴)
مسجد رضا
سامنے وہ ممبر بھی ہے جس پر امام احمد رضا خطبہ دیا کرتے تھے
یہ مسجد روضۂ امام کے سامنے ہے
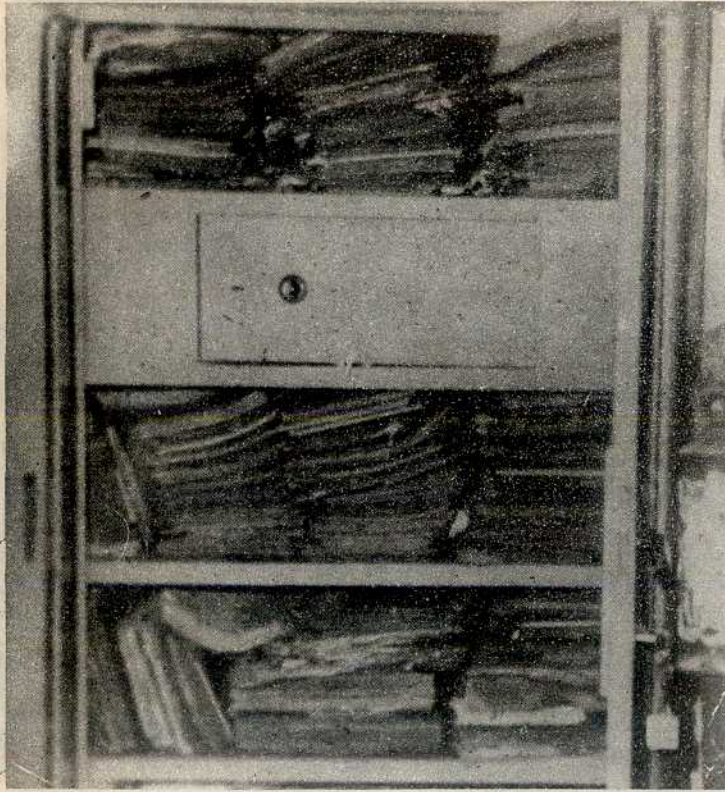
(۵)
امام احمد رضا
کی غیر مطبوعہ کتابیں۔ جسے اس الماری میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے وہ وقت آئے کہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر زینت بزمِ کائنات بنیں۔
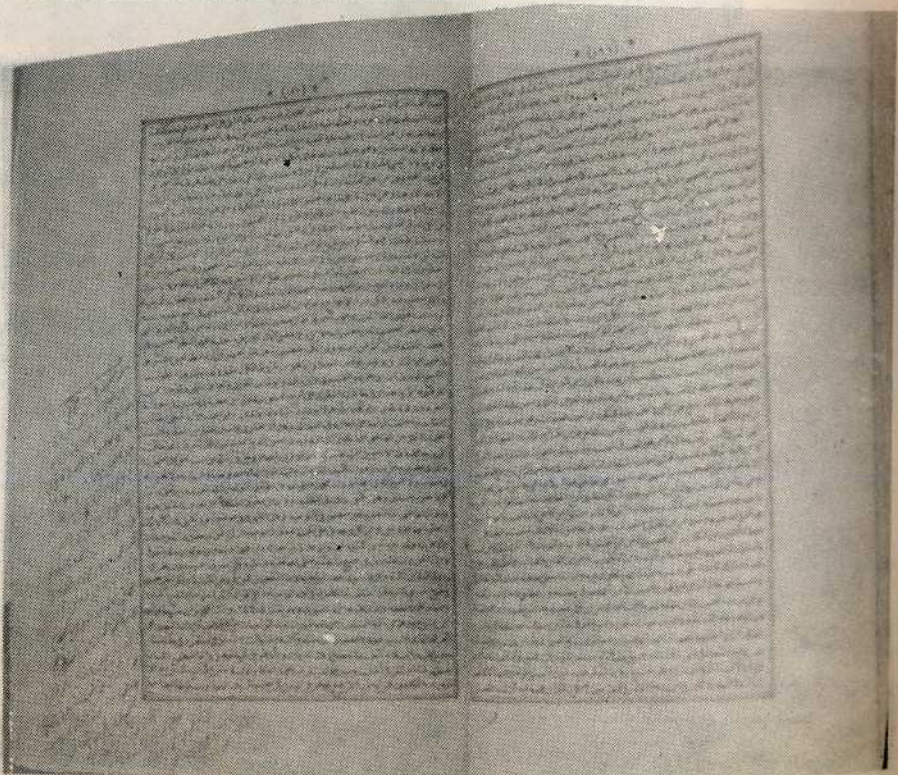
۶
حاشیہ الحدیقۃ النّدیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ جزء اوّل موضوع بحث ایمان

(۷)
شان غوث الاعظم پر
برجستہ ایک رسالہ
تحریر فرمایا۔
موضوع!
قدمی ہذہ علی رقبۃ
شامی جلد دوم کے
آخر میں یہ رسالہ تحریر
ہے۔
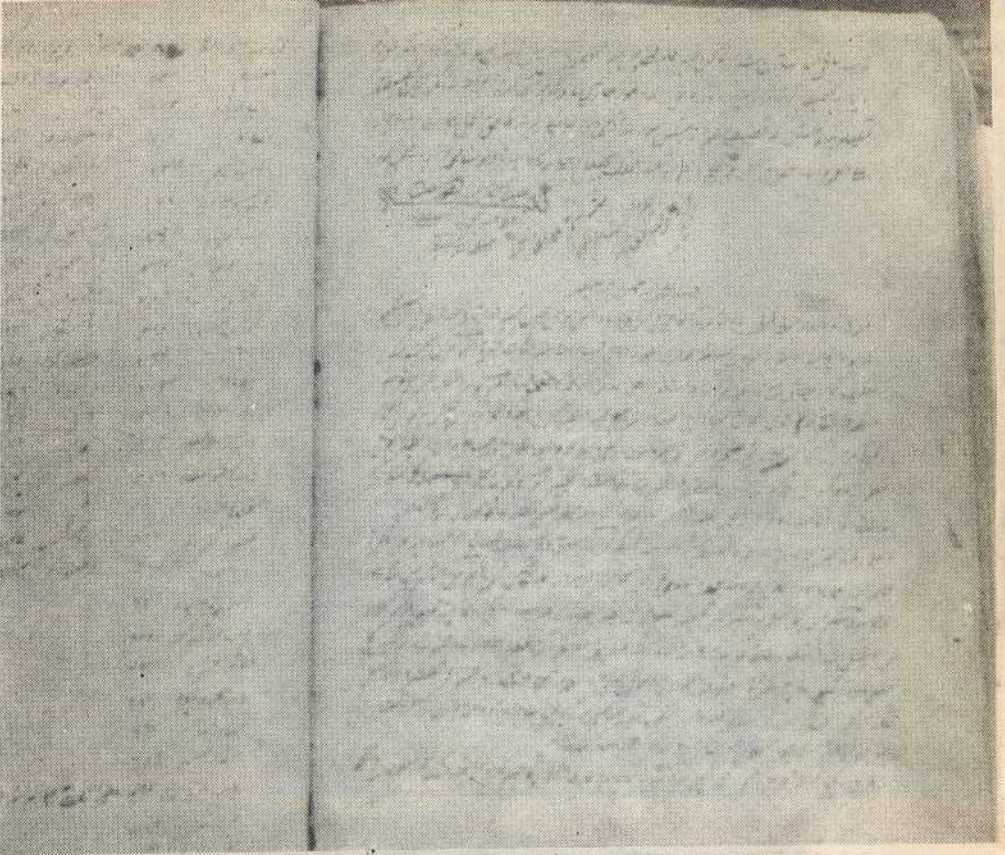
(۸)
مذکورہ بالا موضوع
پر یہ رسالہ
بھی ہے۔
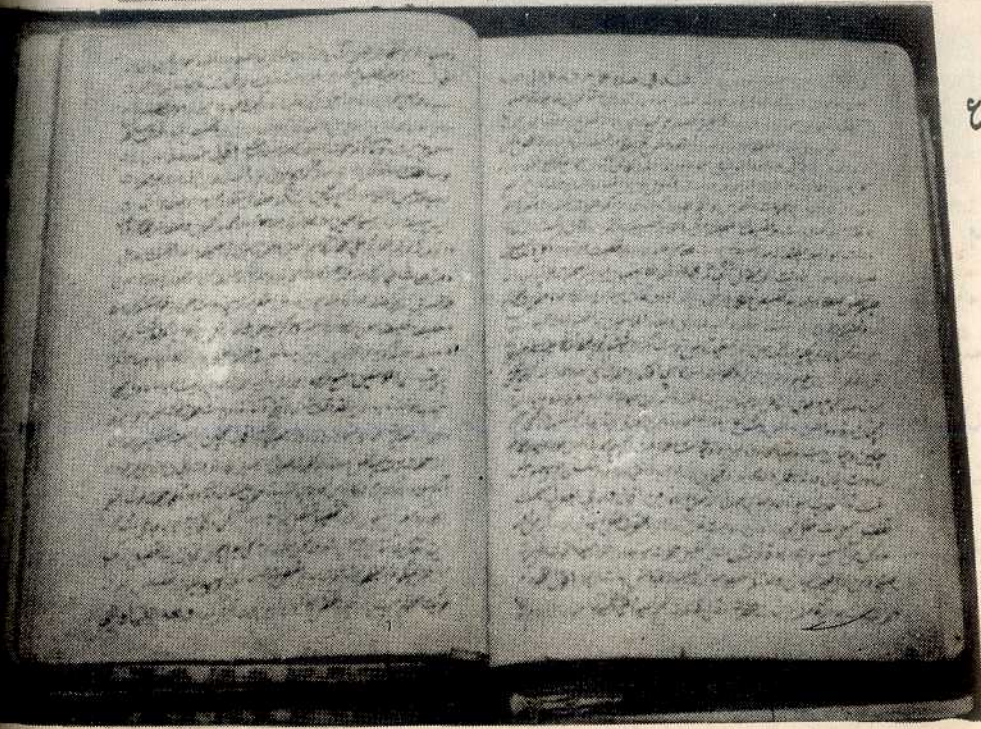
(۹)
شامی کی پانچ جلدوں پر امام احمد رضا نے جو حاشیہ لکھا ہے اس کا نام جد الممتار ہے، یہ حاشیہ شامی جلد پنجم کا ہے۔ موضوع: وراثت برائے اولاد
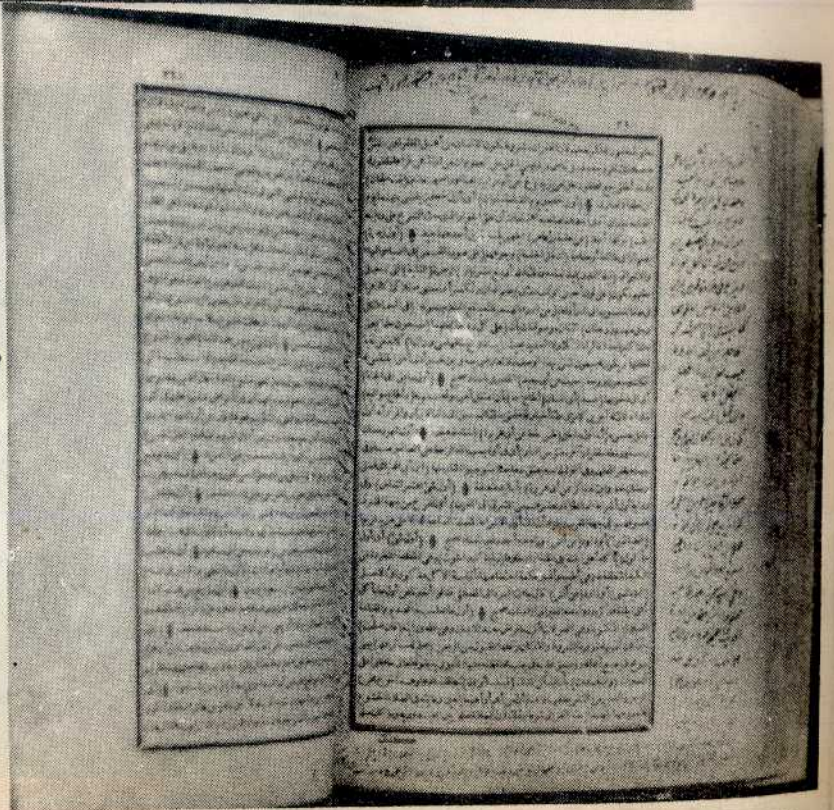
(۱۰)
تیسیر شرح جامع صغیر پر حاشیہ
موضوع: حدیث مغفرت برائے یزید۔ امام احمد رضا نے ٹھوس دلائل سے اس کا رد فرمایا۔

(۱۱)

فتاویٰ عالمگیری پر حاشیہ

موضوع!

مسلم اور غیر مسلم میت جب مخلوط ہو جائے تو کیا کیا جائے۔

(۱۲)

تیسیر شرح جامع صغیر لامام محمد پر حاشیہ

موضوع!

حدیث منکر پر افادہ فرمایا ہے اور شاندار تحقیق فرمائی ہے

(۱۳)
دار العلوم
منظر اسلام
(بریلی)
جسے امام احمد
رضا نے اپنی
حیات میں قائم
فرمایا تھا۔
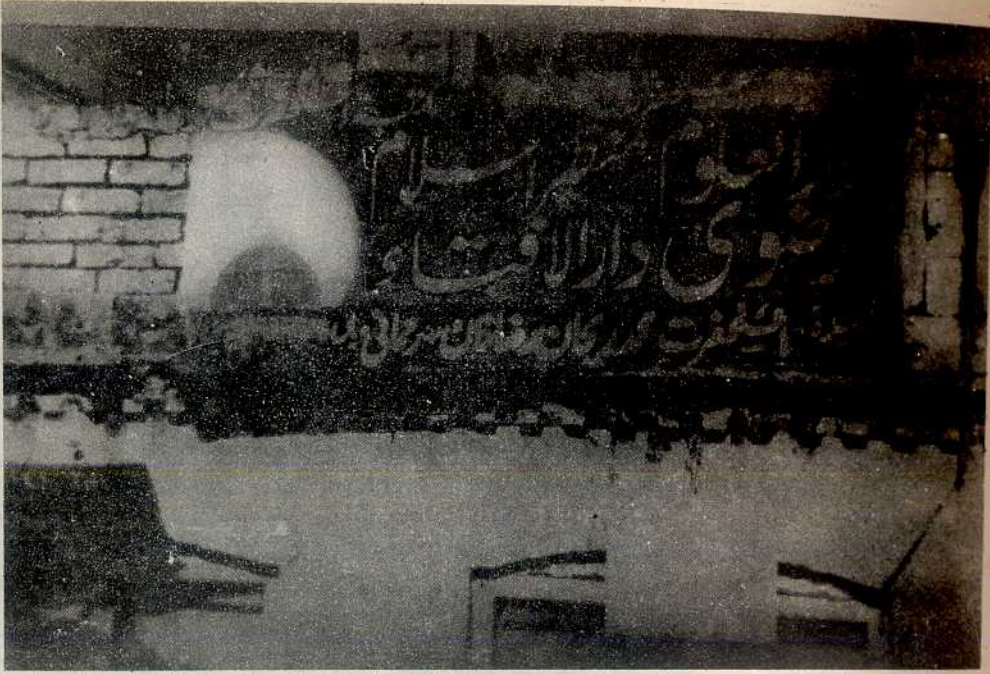
(۱۴)
دار العلوم
منظر اسلام
کا
رضوی دار الافتار

(۱۵)
شاہی اکبری مسجد
المشہور بہ مرزائی مسجد
محلہ گھیر جعفر خان
بریلی
امام احمد رضا سالہا سال
دو بار اسمین و عظ فرمایا
کرتے تھے۔
شہنشاہ اکبر کے حکم سے
یہ مسجد ۹۸۶ھ میں
بنائی گئی۔
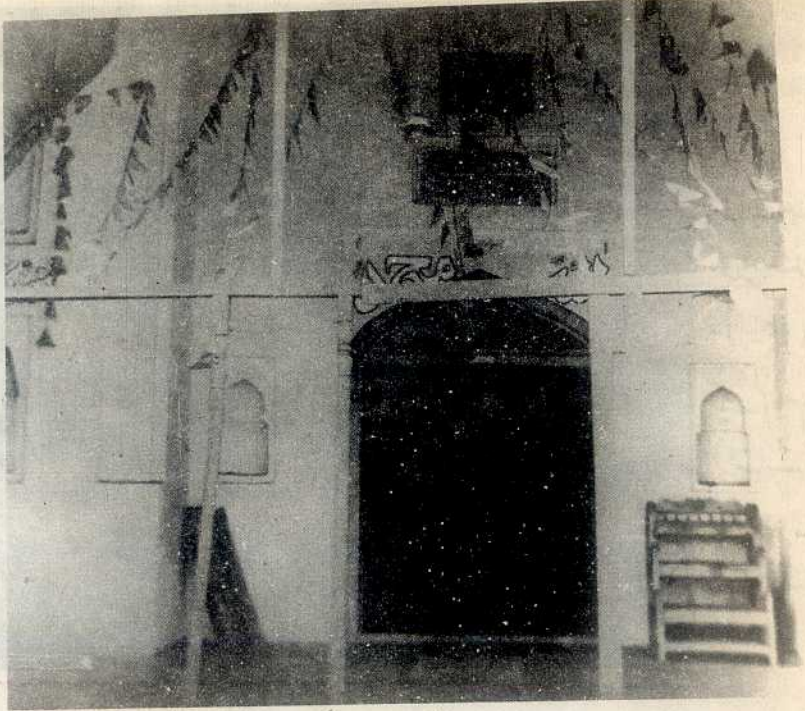
(۱۶)
مزار حضرت شاہ قلندر بخش یہیں پر خانوادۂ
اشرفیہ کے شہزادے قیام کرتے تھے۔
امام احمد رضا بہ نفس نفیس مزار پر
حاضری دیا کرتے تھے۔

(١٧)
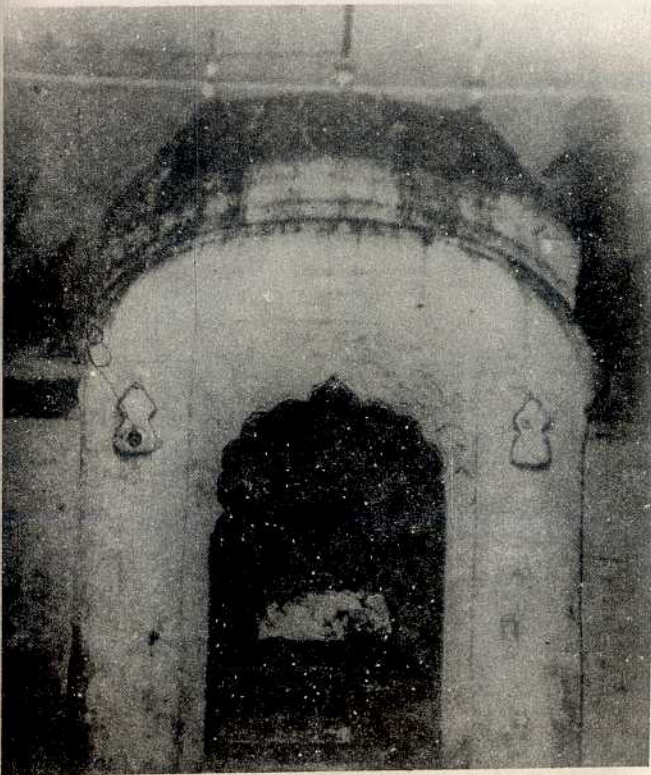
خانقاہ اشرفیہ (محلہ ذخیرے (بریلی) جہاں امام احمد رضا تشریف لایا کرتے اور اکابرین اشرفیہ کو اپنے دولت کدے پر لے جاتے تھے۔

(١٨)
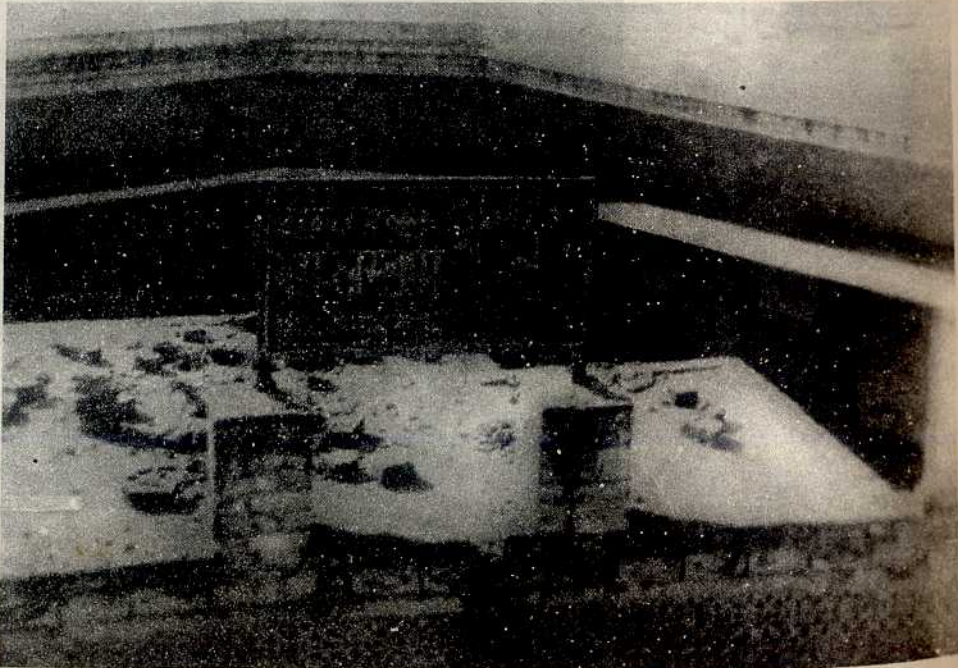
دارالعلوم منظہر اسلام جو مسجد بی بی جی (محلہ بہاری پور) جسے حضور مفتی اعظم ہند نے قائم فرمایا ہے۔

(۲۵)

روضۂ امام احمد رضا کا دلکش نظارہ
جس کی تصویر رضوی مہمان خانے کی
چھت سے لی گئی ہے۔
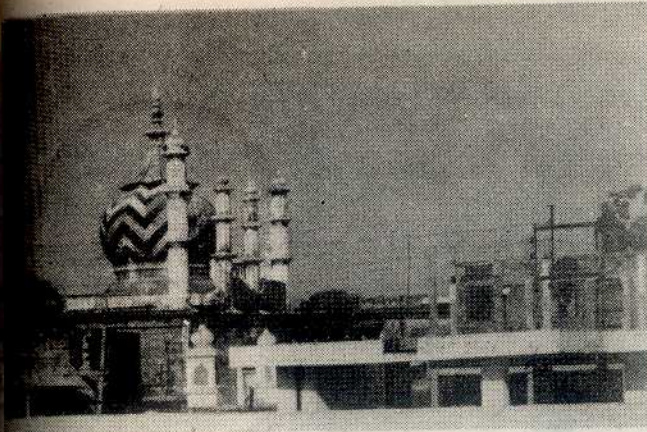
(۲۶)

روضے کے اندر
امام احمد رضا
کا
مزار مبارک
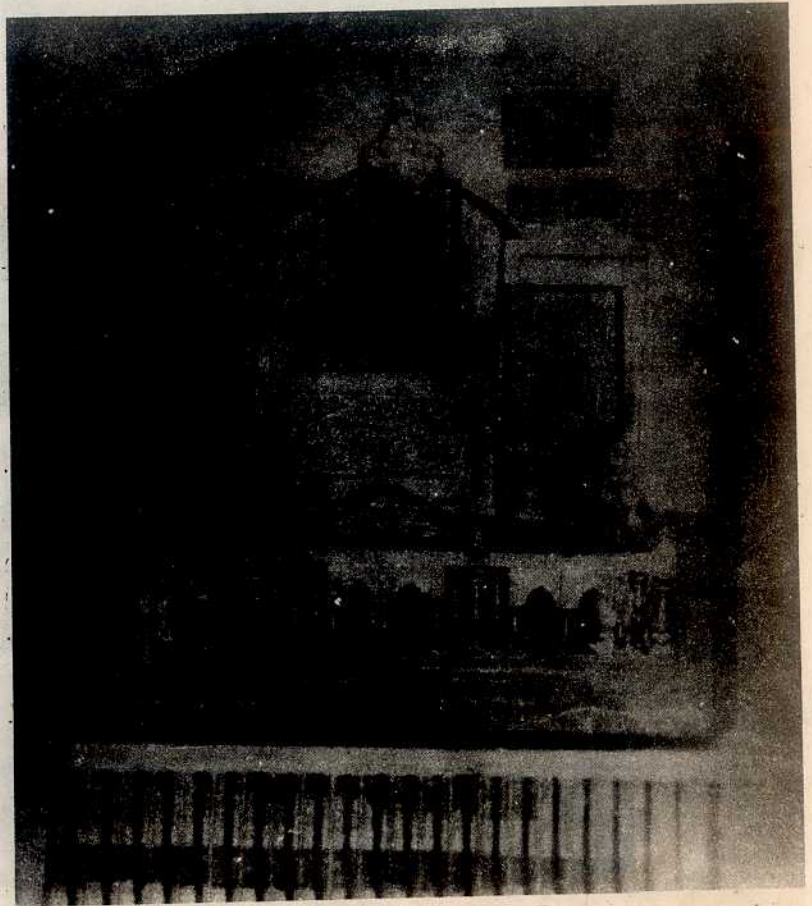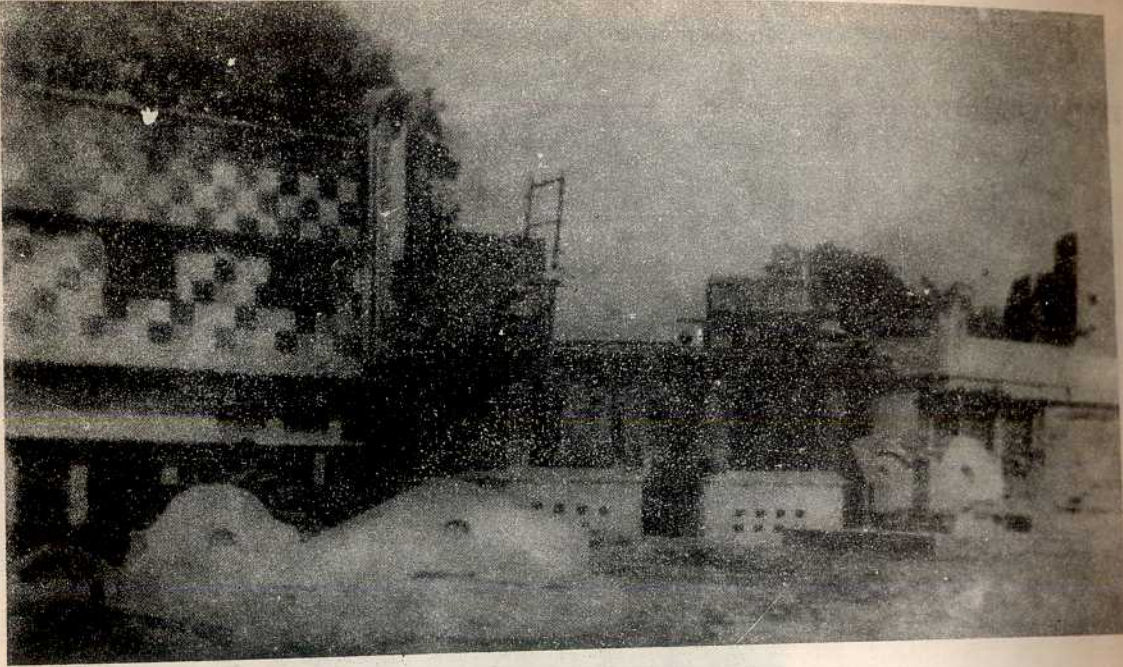
(۲۱)

امام احمد رضا کی والدۂ محترمہ اور اہلیہ محترمہ کے مزارات واقع سٹی قبرستان بریلی

(۲۲)

مسجد نوری جس کی زمین امام احمد رضا کے چچا محترم نے انگریزوں سے لڑ کر خریدا۔ اور خطیر رقم لگا کر خود تعمیر کرائی۔ یہ مسجد بریلی اسٹیشن کے سامنے آج بھی شوکتِ اسلامی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔

(۲۳)

امام احمد رضا کی آخری آرامگاہ

روضہ کا بیرونی حصہ
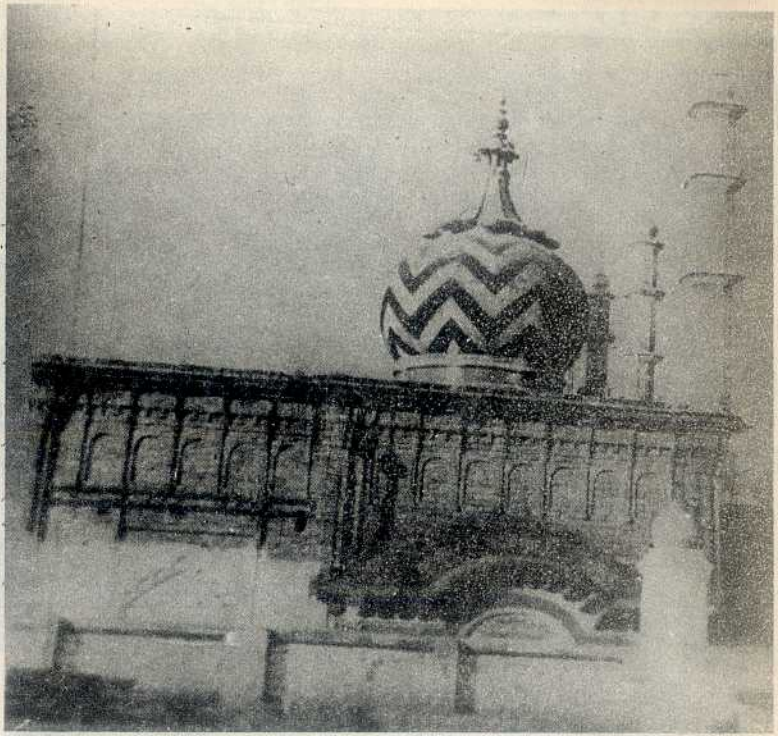
(۲۴)

روضہ امام احمد رضا

کے سامنے کا حصّہ

(۱۹)
امام احمد رضا کے دادا مولانا
رضا علی خان اور والد مولانا
نقی علی خان کے مزارات
اسی چہار دیواری میں ہیں۔
واقع سٹی قبرستان
بریلی
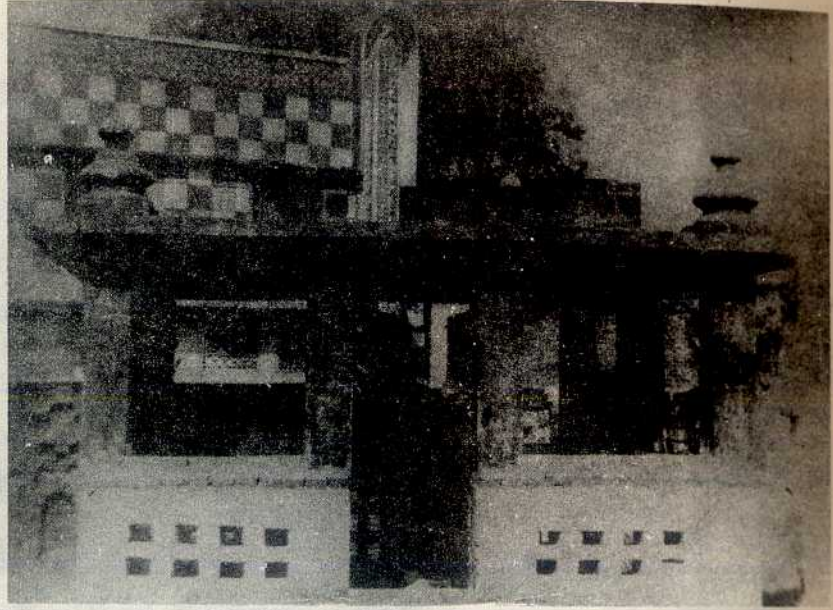
(۲۰)
امام احمد رضا کے
بھائی مولانا
محمد رضا اور
مولانا حسن رضا
کے مزارات۔
واقع سٹی قبرستان
بریلی

(۲۷)

امام احمد رضا کے صاحبزاد
حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا
خاں علیہ الرحمہ کی آخری آرامگاہ
روضہ
امام احمد رضا میں

(۲۸)

امام احمد رضا کے
پوتے مفسر اعظم علامہ
ابراہیم رضا خاں کی آخری
آرامگاہ
روضۂ امام احمد رضا
میں
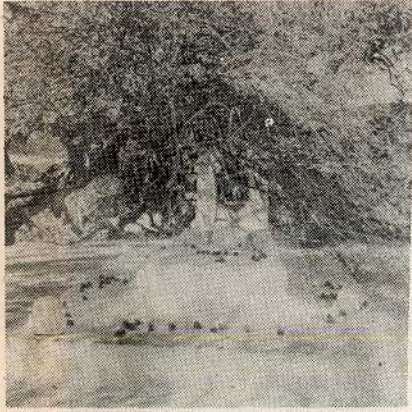
(۲۹)
سادات مارہرہ کے مورث اعلیٰ
حضرت سیّد شاہ عبد الجلیل قدس سرہٗ
کا مزار مبارک

(۳۰)
امام السلسلۂ برکاتیہ
مخدوم شاہ برکت اللہ رضی اللہ عنہ
کا مزار پاک
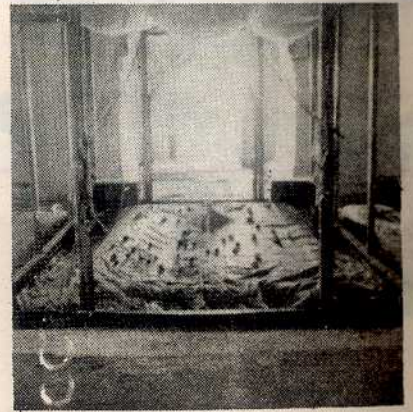
(۳۱)
مسجد برکاتی۔ خانقاہ برکاتیہ
مارہرہ مطہرہ
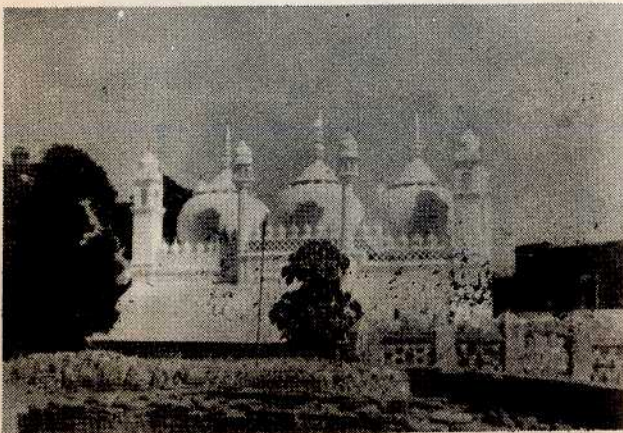
(۳۲)
مسند پاک سیدنا شاہ آل احمد اچھے میاں رضی اللہ
حضور خاتم الاکابر نے اسی مسند پر بیٹھکر
امام احمد رضا کو مرید کیا اور خلافت سے نوازا

(۳۳)
درگاہ برکاتیہ مارہرہ
مقدسہ کا صدر دروازہ

(۳۴)
درگاہ برکاتیہ مارہرہ
شریف کا روح پرور منظر

حق سمجھایا حق فرمایا حق کے علاوہ سب ٹھکرایا
حق کی عزت حق کی رفعت حق کی نصرت اعلیٰ حضرت

۱

امام احمد رضا اور اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ

۲

امام احمد رضا اور محاسن کنز الایمان

۳

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن حقائق کی روشنی میں

۴

امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن کی خصوصیات

5

کنز الایمان اور معارف القرآن

امام احمد رضا اور

اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ

شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی
جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی ہمہ گیر اصلاحی اور تبلیغی مصروفیات کے باوجود عام فہم اور آسان اسلوب بیان کے ساتھ قرآن عظیم کا ترجمہ فرما کر اردو خوان افراد ملت پر عظیم احسان فرمایا ہے جو اردو کے جملہ قرآنی تراجم میں زبردست افادیت و اہمیت سے بھرپور منفرد اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے

اس بیش بہا ترجمہ پر ماہنامہ دار العلوم دیوبند سہارنپور نے بشکل پروپگنڈہ مسلکی عصبیت سے مملو چھ قسطوں پر مشتمل ایک تنقیدی مضمون شائع کیا تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد مدنی میاں قبلہ شہزادہ و جانشین مخدوم الملۃ علیہ الرحمہ نے ہماری گزارش پر اسی شش قسطی مضمون کا حقائق و معلومات کے اجالے میں تحلیل و تجزیہ فرمایا ہے۔ حضرت کے شکریہ کے ساتھ ہم یہ طویل و بسیط مضمون شامل امام احمد رضا نمبر کر رہے ہیں ــــــــــــ ایڈیٹر

دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور سے ایک ماہنامہ نکلتا ہے اسکا نام بھی "دار العلوم" ہی ہے اس کے چند شمارے اسوقت میرے پیش نظر ہیں اِن شماروں کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں چھ قسطوں پر مشتمل ایک مضمون ہے جسکا عنوان ہے ــــــــ "مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ترجمۂ قرآن کا تقابلی مطالعہ" ــــــــ مقالہ نگار دار العلوم دیوبند کے شعبۂ علوم قرآنی سے تعلق رکھنے والے مولوی محمد محفوظ الرحمٰن قاسمی ہیں ــــــــ مقالہ نگار نے پوری فنی چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عام قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ

(۱) امام احمد رضا کی ذہنی ساخت اُن گمراہ فرقوں کی ذہنی بناوٹ سے مختلف نہیں جو اپنے مخصوص نظریات و عقائد کی تائید میں اور چیزوں کے ساتھ قرآن حکیم کو بھی بطور دلیل استعمال کرتے رہے ہیں۔ اور اُن الفاظ قرآنی کو جو ان کے مفروضہ عقائد و نظریات کے خلاف تھے اپنے رجحان و افکار کا ایسا جامہ پہنانے کی سعی کرتے رہے ہیں جو اسلامی حقائق کے نہ صرف معائر تھے بلکہ قرآن پاک ہم کو جو علم دینا چاہتا تھا اس سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

(۲) ممکن تلاش و جستجو کے بعد بھی اس حقیقت کا سراغ نہیں لگایا جا سکا جس نے امام احمد رضا کے دل میں ترجمۂ قرآن کا داعیہ پیدا کیا سوائے اس کے کہ انھوں نے قرآن حکیم کو اپنے عقیدہ کے اظہار کا ذریعہ بنانا چاہا تاکہ اس طرح زمرۂ عقیدتمنداں میں اپنی فکری قیادت و امامت کیلئے ایک دلیل فراہم ہو جائے۔

(۳) امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن میں نہ انداز بیان کی شگفتگی ہے نہ مطالب قرآن کی عمدہ وضاحت اور نہ کسی طرح کی کوئی فنی خوبی۔

(۴) امام احمد رضا کو اپنا "نیا ترجمہ" پیش کرنے کی اسلئے ضرورت پڑی تاکہ لوگ اپنے صفحۂ دل سے عقیدت کا وہ نقش مٹنے نہ دیں جسے بڑی مشکل سے انھوں نے ان کے دلوں کی سادہ تختیوں پر مرتسم کیا ہے۔

(۵) انکا یہ نیا ترجمہ آیات قرآنی کے نظم و اسلوب اور منشاء خداوندی کو نظر انداز کر کے ان آیتوں میں تاویل و تحریف معنوی کا دروازہ کھولنے میں مدد و معاون ثابت ہوگا جو ان کے مخصوص فکر و عقیدہ کے خلاف ہیں۔

یہ پانچ نکات وہ ہیں جو مقالہ نگار کی تمہیدی گفتگو کا خلاصہ ہیں جنکا حاصل یہ ہے کہ امام احمد رضا فرقہائے باطلہ میں سے ایک باطل فرقہ کے امام اور چند نئے نظریات و خیالات اور باطل عقائد کے بانی و موجد ہیں لہٰذا انھوں نے اپنے ترجمۂ قرآن میں اپنے انہی غیر اسلامی عقائد کی پیش کش کی ہے ــــــــ مقالہ نگار کا مذکورہ بالا خیال اُس عظیم شخصیت سے متعلق ہے اجلۂ علماء کے بیان کی روشنی میں گذشتہ دو صدی سنہ ۱۲۰۰ھ و سنہ ۱۳۰۰ھ کے اندر جیسی کوئی متبحر جامع عالم ہستی نظر نہیں آئی چنانچہ تفسیر حدیث، عقائد و کلام، فقہ، سلوک، تصوف، اذکار، اوفاق، تاریخ، سیر، مناقب، جفر، تکسیر، ادب، نحو، لغت، عروض، زیجات، علم مثلث، جبر و مقابلہ، لوگارثم، ارثماطیقی، ہئیت، ہندسہ، ریاضی، توقیت، نجوم منطق، فلسفہ اور حساب وغیرہ علوم و فنون میں آپ کی بے مثل تصانیف و حواشی آپ کے کمال تبحر و جامعیت پر شاہد عدل ہیں ــــــــ مقالہ نگار کو فکر و شعور کا اگر چالیسواں حصہ بھی ملا ہوتا تو اُس کیلئے اتنا سمجھ لینا دشوار نہ ہوتا کہ گروہی عصبیت کے نشے میں چور ہو کر جو تحریر

صفحۂ قرطاس پر منتقل کی جائے گی وہ دین ودیانت اور علم وتحقیق کے تقاضے نہیں پوری کر سکتی اگر مقالہ نگار منصف مزاج ہوتا تو اُس حقیقت کو سمجھنے میں اسے دشواری پیش نہ آتی جس نے فاضل بریلوی کو اردو تراجم قرآن کی موجودگی میں نیا ترجمہ کرنے پر آمادہ کیا ——— میں سوچتا ہوں کہ بات پہلے یہیں سے شروع کی جائے کہ آخر وہ کون سی ضرورت تھی جس نے فاضل بریلوی کو مجبور کیا کہ جہاں انھوں نے تقریباً پچاس فنوں میں کم وبیش ایک ہزار کتابیں تحریر کر ڈالی ہیں وہیں اردو میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی فرمادیں ——— امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن اردو کا کوئی پہلا ترجمہ نہ تھا اس کے منظر عام پر آنے سے پہلے ہی بہت سے تراجم قرآن مسلمانوں کے گھر گھر پہونچائے جاچکے تھے اور اس کے بعد بھی ترجمہ نگاری کا کام ہوتا رہا۔ بعض نے مکمل قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور بعض نے اس کے بعض کلمات وآیات کی تشریح پیش کی ——— اس مقام پر ان حضرات کے چند ترجمے بطور نمونہ نقل کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں تاکہ ناظرین بخوبی اندازہ کرلیں کہ یہ معروف ومشہور مترجمین مطالب قرآن کی وضاحت اور ارشاد ہدایت کو ادا کرنے والی برجستہ وبرمحل تعبیر پیش کرنے میں کس درجہ ناکام رہے ہیں۔

(۱) ارشاد قرآنی ہے اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ اس آیت کا ترجمہ مختلف مترجمین یہ کرتے ہیں۔

"اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے" (سرسید)

"اللہ ان کو بناتا ہے" (ڈپٹی نذیر احمد)

"ان منافقوں سے خدا ہنسی کرتا ہے" (فتح محمد جالندھری)

"اللہ ہنسی اڑاتا ہے اُن کی" (مرزا حیرت)

"اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے (شیخ دیوبند محمود حسن)

"اللہ جل شانہ ان سے دل لگی کرتا ہے" (نواب وحید الزماں)

دیکھئے اگر ان مترجمین کو تائید ربانی حاصل ہوتی اور ان کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کا سچا تصور ہوتا تو وہ اس سبوح وقدوس کے حق میں دل لگی کرنا، ٹھٹھا کرنا، بنانا، ہنسی اڑانا وغیرہ بازاری محاورے ہرگز استعمال نہ کرتے ——— یہ جاننا کہ رب العزۃ جل جلالہ کی بارگاہ عظمت ٹھٹھا کرنے، ہنسی اڑانے وغیرہ عیوب سے پاک ہے صرف مردِ مومن مؤید من اللہ ہی کا کام ہے ——— ان ترجموں کو دیکھنے کے بعد کیا کسی ایسے کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو معارف قرآن کا راز داں ہو؟ عظمت و جلال الٰہی کے آگے سر جھکانے والو جواب دو۔

(۲) ——— ارشاد قرآنی ہے وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَۃَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْھَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ ط ——— اس کے ترجمے یہ کئے گئے ہیں

"اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس کے لئے تھا کہ ہم کو (یعنی اللہ کو) معلوم ہوجائے کہ کون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے۔" (مولوی اشرف علی تھانوی)

آیت مذکورہ بالا میں لِنَعْلَمَ کا ترجمہ دیگر مترجمین نے یہ کیا ہے

"ہم جان لیں" (سرسید علیگڑھی) ——— (اخلاق حسین قاسمی ماہنامہ دار العلوم فروری ۱۹۸۱ء)

"ہم معلوم کرلیں" (ڈپٹی نذیر احمد)

"ہمیں معلوم ہوجائے" (مرزا حیرت)

دیکھئے ان مترجمین نے عربی اردو ڈکشنری میں العلم کا ترجمہ جاننا پڑھا تھا اس کے مطابق آیت میں لِنَعْلَمَ کا ترجمہ "ہم کو یعنی اللہ کو معلوم ہوجائے"، لکھ دیا لیکن بصیرت ایمانی سے محرومی کے باعث اتنا نہ سوچ سکے کہ "معلوم ہوجائے" کا محاورہ اس کے لئے استعمال کیا جائے گا جس کو پہلے سے معلوم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا ازلی وابدی طور پر عالم ہے تو پھر اس کے حق میں معلوم ہوجائے کا کیا معنی؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ ترجمۂ قرآن کیلئے صرف عربی دانی کافی نہیں دے سکتی بلکہ اس کے ساتھ خود قرآن کے مخصوص انداز ومحاورے کو پہچاننا، آیات محکمات ومتشابہات میں امتیاز کرنا انتہائی ضروری ہے ——— ان ترجموں کو دیکھ کر کیا کسی ایسے مؤید من اللہ کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی خدائی نوازشیں بطور خاص جس پر سایہ گستر ہوں؟ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب والشہادہ ماننے والو جواب دو۔

(۳) ——— ارشاد ربانی ہے وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اس آیت کا ترجمہ شیخ دیوبند مولوی محمود حسن نے یہ کیا ہے

"اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو"

فتح محمد جالندھری نے یوں لکھا ہے

"حالانکہ ابھی خدا نے تم میں جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور یہ بھی کہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے"

دیکھئے تائید ربانی سے محرومی کے باعث یہ نادار مترجمین کتنی بری طرح ہچکولے کھا رہے ہیں ——— مسلمانوں کے ایمان کو غارت کر دینے والے ترجموں کو دیکھ کر کیا ایسے ترجمے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جو ایمان کو روشنی بخشے؟ دین ودیانت والو بولو۔

(۴) ارشاد قرآنی ہے اَفَاَمِنُوْا مَکْرَ اللّٰہِ ج فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ٥ اسکا ترجمہ ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیمات حصہ اوّل میں اس طرح کیا ہے

"اور کیا وہ اللہ کی چال سے بے خوف ہوگئے سو اللہ کی چال سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جنکو برباد ہونا ہے"

اللہ رب العزۃ جل مجدہ کی شان پاک میں "چال" کا لفظ استعمال کرنا بتا رہا ہے کہ مترجم بالکل غیر مہذب اور بارگاہ خداوندی کے آداب سے ناواقف ہے۔

ان حالات میں کیا ایسے ترجمے کی تلاش نہ ہوگی جو ایسے کے قلم سے نکلا ہو جو خدا کی بارگاہ عظمت کے آداب سے بے بہرہ نہ ہو۔

(۵) ارشاد ربانی ہے وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی۔ اسکا ترجمہ مولوی

دیوبندی نے اس طرح لکھا ہے

"اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی بس گمراہ ہوئے"

اس ترجمے میں مترجم نے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گمراہ ٹھہرایا حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ایک معصوم نبی ہیں ان کی بارگاہ گمراہی سے پاک ہے۔ ایسے گمراہ مترجمین کے ترجموں کو دیکھکر کیا کسی ایسے کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو ہدایت یافتہ اور موید من اللہ ہو؟

(۶) ارشاد قرآنی ہے فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے۔

"پھر (یونس نے) سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اسکو" (محمود حسن)

"اور (یونس نے) خیال کیا ہم اُن پر قابو نہیں پاسکیں گے" (فتح محمد جالندھری)

"ان کو (یونس کو) ایسا واہمہ گزرا کہ ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے" (ڈپٹی نذیر احمد)

ان نادار مترجمین نے باطل ترجمہ کرکے حضرت سیدنا یونس علیہ السلام پر یہ بہتان لگایا کہ ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر قابو نہیں پاسکتا اور نہ میری پکڑ کی طاقت رکھتا ہے۔ گویا ان مترجمین کے نزدیک حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہ رکھتے تھے۔ معاذ اللہ۔ ان ناداروں نے سمجھا کہ آیت میں نقدر القدرۃ سے مشتق ہے بس بے سوچ سمجھے اسکی اردو بنا دی حالانکہ یہ نقدر القدر سے مشتق ہے۔ (دیکھو مفردات امام راغب) ــــــ بولئے تقدیس نبوت کو مجروح کرنے والوں کا ترجمہ دیکھنے کے بعد کیا کسی بارگاہ نبوت کے سچے شیدائی کے ترجمے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

(۷) ارشاد ربانی ہے لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۝ اس آیت کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی نے یوں لکھا ہے۔

"میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی"

مقام عبرت ہے کہ مولوی تھانوی جو دیوبندی مکتب فکر میں ذمہ دار صاحب قلم مشہور کئے جاتے ہیں انھوں نے بھی اللہ سبحانہ تعالیٰ کے حق میں "قسم کھاتا ہوں" کا نازیبا محاورہ استعمال کر دیا تو دوسرے آزاد دیوبندی قرآن کے ترجمے میں جو کچھ لکھ جائیں وہ تھوڑا ہے۔ غور کیجئے ایسے مطلق العنان مترجمین کے ترجموں کو دیکھ کر کیا کسی ایسے کے ترجمے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی جو ایمان افروز پاکیزہ محاورہ پیش کر رہا ہو

(۸) ــ قل یا ایھا الکافرون کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی نے یہ لکھا ہے

"آپ کہدیجئے کہ اے کافرو!"

یہ ترجمہ ایسا ہے کہ نہ تو اللہ رب العزۃ کی حضور علیہ السلام پر برتری ظاہر ہوتی ہے اور نہ حضور کے مخاطبین پر حضور کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ غالباً تھانوی صاحب نے غور نہیں کیا کہ کلام الٰہی کا ترجمہ کرنا اور ہے اور عربی کلمات کو اردو کا روپ دے دینا اور ہے۔ المختصر صرف تبدیلیٔ زبان اور ہے اور ترجمۂ قرآن اور ــــ اس ترجمہ کو دیکھنے کے بعد کیا آپ اُس ترجمے کو آنکھوں سے نہ لگائیں گے جس میں صرف زبان کو تبدیل نہیں کیا گیا ہے بلکہ صحیح معنوں میں قرآن کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(۹) اھدنا الصراط المستقیم کا ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی نے یہ کیا ہے

"بتلا دیجئے ہمکو رستہ سیدھا"

یہ ترجمہ وہی تو کرے گا جسے ابھی تک سیدھا راستہ معلوم نہ ہوسکا لہذا ضرورت ہے ایک ایسے کے ترجمے کی جو سیدھا راستہ پاچکا ہو

(۱۰) ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں خاتم النبیین کا کیا معنی ہے؟ اس سلسلے میں مولوی قاسم نانوتوی رقم طراز ہیں۔

"بعد حمد وصلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں" (تحذیر الناس ص۳)

تحذیر الناس کی مفصل عبارت اور اس پر مدلل نقد و نظر ملاحظہ کرنے کیلئے "ماہنامہ المیزان کا ختم نبوت نمبر" ضرور ملاحظہ فرمائیے یہ مقام تفصیلات کا متحمل نہیں ــــ تحذیر الناس کے ذریعہ نانوتوی صاحب نے یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ آیت کریمہ میں خاتم النبیین کا یہ معنی سمجھنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں یہ تو ناسمجھ لوگوں کا خیال ہے۔ سمجھدار لوگوں کے نزدیک یہ معنی غلط ہیں کیونکہ زمانہ کے لحاظ سے سب سے پہلے یا سب سے پیچھے ہونا اپنے اندر بالذات کوئی فضیلت نہیں رکھتا ــــ اب تک تمام اگلے پچھلے اولیاء، علماء اور عوام اہل اسلام کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ آیت کریمہ میں خاتم النبیین کے صرف یہی معنی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی ہیں یہی معنی تمام ائمہ اسلام، صوفیاء عظام متکلمین فخام، فقہائے اعلام اور مفسرین عالی مقام نے بتائے یہی معنی صحابہ کرام نے تابعین کو سمجھائے بلکہ یہی معنی سیکڑوں حدیثوں سے ثابت ہے الغرض خاتم النبیین کا یہی معنی مراد لینا ضروریات دین میں سے ہے لہذا جو شخص اس معنی کے علاوہ کوئی دوسرا معنی بتائے وہ شرعی اصطلاح میں کافر و مرتد ہے ــــــ نانوتوی صاحب نے اسی اجماعی اتفاقی معنی کا انکار کرتے ہوئے قرآن مجید، حدیث شریف اور لغت عربی کے خلاف خاتم النبیین میں خاتم کا ایک نیا معنی خاتم ذاتی گڑھا ہے اس اعتراف کے ساتھ کہ یہ معنی آفرینی خود انہی کی اپنی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اسی نئے معنی کو ثابت کرنے کیلئے تحذیر الناس میں پورا زور لگا دیا ہے ــــــ ناظرین کرام ان حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ جب اسلام و ایمان کا ادعا کرنے والوں کی بے حیائی و بے شرمی اسقدر بڑھ جائے کہ وہ علانیہ کلام الٰہی کے

کلمات کے اجماعی، ایقانی، ایمانی معنی سے انکار کرنے لگیں اور کفر و ارتداد کا دروازہ کھول دیں تو کیا ایسے مرد مومن کی ضرورت نہ محسوس کی جائے گی جو قرآنی نظریات، اسلامی عقائد اور ارشادات ربانی کے مفاہیم و معانی کی حفاظت اپنے ترجمۂ قرآن کے ذریعہ کرے ______

مذکورہ بالا دس مثالیں ایک مختصر ترین انتخاب ہیں اگر فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن کو اور اردو کے دیگر شائع شدہ ترجموں کو سامنے رکھ کر انصاف و دیانت اور فکر و نظر کی گہرائی کے ساتھ ان سب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو انصاف پسند کیلئے اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ دور حاضر میں اردو کے شائع شدہ ترجموں میں صرف ایک ترجمہ کنز الایمان ہے جو قرآن کریم کا صحیح ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے، اہل تفویض کے مسلک اسلم کا عکاس ہے، اصحاب تاویل کے مذہب سالم کا موید ہے، زبان کی روانی و سلاست میں بے مثل ہے، عوامی لغات اور بازاری بولی سے یکسر پاک ہے، قرآن کریم کے اصل منشاء و مراد کو بتاتا ہے، آیات ربانی کے انداز خطاب کو پہچنواتا ہے، قرآن کے مخصوص محاوروں کی نشاندہی کرتا ہے قادر مطلق کی ردائے عزت و جلال میں نقص و عیب کا دھبہ لگانے والوں کیلئے شمشیر براں ہے، حضرات انبیاء کی عظمت و حرمت کا محافظ و نگہبان ہے، عامہ مسلمین کیلئے حقائق و معرفت کا امنڈتا سمندر ہے۔ بس اتنا سمجھ لیجئے کہ قرآن حکیم قادر مطلق جل جلالہ کا مقدس کلام ہے اور کنز الایمان اس کا مہذب ترجمان ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ یہ ترجمہ اس کا پیش کردہ ہے جو عظمت مصطفیٰ کا علم بردار، تائید رحمانی کا سرمایہ دار انوار ربانی کا حامل، حقائق قرآن کا ماہر اور دقائق آیات کا عارف تھا ______ میں نے بطور نمونہ جو مثالیں پیش کی ہیں مقالہ نگار نے اگر انہی پر غور و فکر کر لیا تو اُسے بآسانی اس حقیقت کا سراغ لگ جائے گا جس نے فاضل بریلوی کے دل میں ترجمۂ قرآن کا داعیہ پیدا کیا ______ ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد بھی اگر مقالہ نگار کو فاضل بریلوی کے ترجمہ قرآن میں کوئی خوبی نظر نہ آتی ہو نیز موجودہ رائج الوقت ترجموں کے بعد اس کی ضرورت نہ محسوس ہوتی ہو تو پھر اس کو چاہئے کہ وہ اعلان کر دے کہ جو ترجمۂ قرآن ہمارے مکتبۂ فکر کے مترجمین کی اباطیل سے نقاب کشائی کرے اور ان کی زبان و بیان کی شناعت و قباحت سے روشناس کرائے نیز قرآن کریم میں ان کی پیش کردہ معنوی تحریفات سے آگاہ کرے اُس ترجمۂ قرآن کا خوبیوں سے خالی ہونا لازمی اور ضروری ہے ______

اس اعلان و تشہیر کے بعد اس کو لمبی چوڑی مقالہ نگاری کے ذریعہ غایت جہل کی اس منزل کا تعارف نہ کرانا پڑے گا جہاں سے وہ بول رہا ہے ______ میں نے جو مختصر ترین انتخاب پیش کیا ہے اسمیں تو بعض ترجمے وہ ہیں جو براہ راست اسلامی نظریات و عقائد سے واضح طور پر متصادم ہیں اور بعض وہ ہیں جو مترجمین کی زبان و بیان کی نادار ی و بیچارگی کی نشان دہی کرتے ہیں ______ "ترجمے میں عقیدہ کی پیشکش" کی سرخی لگا کر مقالہ نگار نے دو دعوے کئے ہیں۔

۱/ امام احمد رضا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حدود بشریت سے بالاتر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲/ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات پر "عالم الغیب" کا اطلاق کیا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیلئے جمیع ما کان و ما یکون کے علوم کا اثبات کیا ہے۔ پہلا دعویٰ کہ امام احمد رضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حدود بشریت سے بالاتر ثابت کرنا چاہتے ہیں فاضل بریلوی کی ذات پر ایک عظیم بہتان ہے اس بے بنیاد دعوے کو دیکھ کر یہ خیال غیر فطری نہیں کہ "دار العلوم دیوبند" میں افترا پردازی کی خاص ٹریننگ دی جاتی ہے۔ فاضل بریلوی کا ترجمۂ قرآن ہی نہیں بلکہ ان کی تمام تصانیف اور جملہ تحریرات میں سے ایک فقرہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جس میں رسول کریم کی بشریت کا انکار ملتا ہو ______ فاضل بریلوی رسول کریم کی بشریت کے بارے میں کسی جدید خیال کے بانی نہیں بلکہ اس سلسلے میں انکا عقیدہ وہی ہے جو تمام محققین علماء اسلام کا ہے اور جو آیات قرآنیہ اور ارشادات نبویہ سے ثابت ہے ______ وہ یہ کہ ______ انبیاء کرام سب بشر تھے اور سب اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اور اللہ تعالیٰ کی جو سنت ذوی البشر کے لئے ٹھہر چکی ہے وہ ہمیشہ اُن پر جاری ہوتی چلی آئی ہے۔ بہت سارے بشری احوال و کوائف کا ظہور ان پر ہوتا رہا ہے تاکہ ہر بشر کو اس کے ہر شعبۂ حیات میں ان کی پاک زندگی سے روشنی ملتی رہے ______ مگر ______ اس کا مطلب یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ بالکل ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے کہ عام بشر ہوا کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے اتنے ممتاز بھی ہوا کرتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علیحدہ علیحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں۔ متنبی مشہور شاعر نے ایک ہی صنف میں اشتراک کے باوجود ان کے افراد میں امتیاز کی معقولیت کو کیا خوب انداز سے ادا کیا ہے وہ کہتا ہے۔

وان تفق الانام وانت منهم فان المسك بعض دم الغزال

اے ممدوح اگر تو مخلوق میں شامل ہو کر ان سب پر فوقیت رکھتا ہے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے آخر مشک بھی تو اُسی ہرن کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے لیکن پھر ان دونوں میں کیا نسبت وہ متعفن اور یہ معطر وہ ناپاک اور یہ پاک پس اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی بشریت میں گو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن پھر ان سے مشک کی طرح ممتاز بھی ہوتے ہیں صرف اپنی سیرت میں نہیں بلکہ اپنے جسم و جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی۔ الغرض اگر ایک طرف انبیاء علیہم السلام میں بشریت کی وہ عام صفات موجود ہوتی ہیں جو ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ہیں تو اسی کے ساتھ دوسری طرف ان میں وہ صفات بھی موجود ہوتی ہیں جو عام بشریت سے ان کی فوقیت کا اس سے زیادہ بدیہی ثبوت ہوتی ہیں ______ مگر ایک طبقہ عجیب و غریب ہے کہ جب وہ بشریت کا قائل ہوا تو اس نے رسولوں کو ٹھیک عام انسانوں کی صف میں اس طرح سمجھ لیا کہ پھر ان کے حق میں کسی امتیاز کا قائل ہونا اُس کے نزدیک گویا ان کی بشریت ہی کے انکار کے مرادف بن گیا ______ مقالہ نگار شاید اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے جبھی اس کے نزدیک امام احمد رضا بشریت انبیاء کے منکرین میں نظر آتے ہیں ______ امام احمد رضا نے آیت کریمہ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد کا جو ترجمہ ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی
ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے"

مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ امام احمد رضا نے اس ترجمہ میں آیت کریمہ کے مفہوم و منشا کو خبط کر دیا ہے نیز نظم قرآن کی ترتیب کے اعتبار سے یہ ترجمہ صحیح نہیں اس لئے کہ مقالہ نگار کے خیال میں اس ارشاد قرآنی کا منشا یہ ہے کہ اس خیال کی تردید کر دی جائے کہ جو نبی ہو گا وہ بشر نہیں ہو سکتا ـــــــ مقالہ نگار نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اگر ارشاد قرآنی کا منشا صرف اتنا ہوتا کہ نبی کی بشریت واضح کر دی جائے تو پھر اس کیلئے "انما انا بشر" فرمانا کافی تھا "مثلکم" کے اضافے کی ضرورت نہ تھی ـــــــ قرآن مجید کا اصل منشا، اپنی طبیعت سے گڑھنا اور پھر اس پر احکام مرتب کرنا اگر انصاف ہے تو یہ وہ انصاف ہے جو دار العلوم دیوبند کی چہار دیواری ہی کو مبارک ہو ـــــــ اچھا آئیے مقالہ نگار کے پسندیدہ و معتمد ترجموں میں سے مولوی عبد الحق حقانی (جو مقالہ نگار کے نزدیک جید عالم تھے اور جنکا ترجمہ اس کے نزدیک تمام معنوی خوبیوں کا حامل ہے) انہی کے ترجمہ پر گفتگو کی بنیاد رکھی جائے۔ ان کے ترجمے کی عبارت یہ ہے۔

"اے نبی کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں
یہی ہے کہ میری طرف وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود
ایک ہی معبود ہے"

اس ترجمے کی خامیوں پر غور نہ کیجئے بلکہ مقالہ نگار سے دریافت کیجئے کہ اچھا چلو کرلو "بشر مثلکم" کا ترجمہ "تمہاری طرح بشر" مگر اب واضح کرو کس بات میں رسول مخاطبین کی طرح ہیں؟ ـــــــ ذہن نشین رہے کہ آیت کریمہ میں مخاطب کفار و مشرکین ہیں نہ کہ مومنین و مطیعین (دیکھو ابن کثیر و ابن جریر وغیرہا) تو ظاہر ہے کہ آیت میں مذکور ضمیر "کم" کا جو اپنے کو مخاطب سمجھے گا تو وہ دانستہ و نادانستہ اپنے کو اُسی زمرے میں شامل کر رہا ہے جو اس ضمیر خطاب کے مخاطبین کا زمرہ ہے۔ ایسی صورت میں کوئی ایمان والا ہوش و حواس کی سلامتی کے ساتھ اپنے کو اس ضمیر خطاب کا مخاطب قرار ہی نہیں دے سکتا۔ ـــــــ کفار و مشرکین کیا اگر رسول کو مومنین صالحین کیطرح کہا جائے جب بھی وجہ تشبیہ کی تلاش میں عقل حیران ہو جاتی ہے کہ اگر رسول ہمارے مثل ہیں تو کس بات میں۔ مماثلت کلیہ کا دعویٰ تو پاگل بھی نہیں کر سکتا۔ خود مقالہ نگار بھی نبی و غیر نبی کی بالکلیہ مماثلت کا قائل نہیں تو اب صرف بعض امور میں مماثلت کا مسئلہ زیر بحث رہ گیا تو آخر وہ امور کون سے ہیں؟ ایمان، اعمال، احکام اور معاملات کسی میں بھی ہم کو ان سے مماثلت و مشابہت نہیں ـــــــ غور کیجئے رسول کریم کا کلمہ ہے لا الٰہ الا اللہ انی رسول اللہ نہیں ہے کوئی معبود برحق اللہ کے سوا اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر یہی کلمہ ہم پڑھیں تو کافر ہو جائیں ـــــــ ہم پر پانچ وقت کی نمازیں فرض اور حضور پر چھ وقت کی نمازیں فرض تہجد بھی آپ پر فرض ہے ـــــــ ہمارے لئے ارکان اسلام پانچ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد۔ اور آپ کے لئے چار اس لئے کہ زکوٰۃ آپ پر فرض نہیں۔ ہم کو صرف چار بیویوں کی اجازت ہے اور آپ جس قدر چاہیں۔ ہماری بیویاں ہمارے مرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں لیکن آپ کی ازواج پاک مسلمانوں کی مائیں ہیں کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ ہمارے بعد ہماری میراث تقسیم ہوگی اور آپ کی میراث نہ بٹے گی۔ ہمارا ایمان ایمان بالغیب آپ کا ایمان ایمان بالشہادۃ۔ ہم بیٹھ کر نفل پڑھیں تو ثواب نصف ہو جائے اور آپ بیٹھ کر بھی پڑھیں جب بھی اجر میں کمی نہیں ہوتی۔ ابتداء میں صحابہ نے یہی سمجھ رکھا تھا کہ وہ شرعی احکام جو نبی و غیر نبی کے لئے عام ہیں اس میں نبی ہماری طرح ہیں لیکن رسول کریم نے ایک موقعہ پر لست کاحد منکم فرما کر ان کے خیال کی اصلاح فرما دی ـــــــ ہم اسلامی قانون پر عمل کرنے والے ہیں اور رسول کریم اسلامی قوانین کو نافذ کرنے والے ہیں اس منصب رفیع کے ساتھ کہ جس کو چاہیں اور جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرما دیں یہ اختیار کسی امتی کو تا قیامت حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ایک موقعہ پر حضرت ابو بردہ کیلئے ششماہہ بکری کی قربانی جائز فرما دی، ایک بار حضرت عقبہ ابن عامر کو بھی ششماہہ بکری کی قربانی کی اجازت عطا فرما دی ایک بار حضرت ام عطیہ کو نوحہ کرنے کی رخصت بخشدی، ایک مرتبہ حضرت اسماء بنت عمیس کو عدت وفات کا سوگ معاف فرما دیا، ایک صاحب کو مہر کی جگہ صرف سورت قرآن سکھانا کافی کر دیا، حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی تنہا گواہی کو شہادت کا نصاب کامل کر دیا ایک صحابی کے لئے روزے کا کفارہ خود ہی کھا لینا جائز فرما دیا، ایک صاحب کو جوانی میں ایک بی بی کا دودھ پینے کی اجازت دی اور اس سے حرمت رضاعت ثابت فرما دی، دو صاحب کو ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دیدی، مولیٰ علی کو بحالت جنابت مسجد اقدس میں رہنا مباح فرما دیا، مخدرات اہلبیت کو بحالت عارضہ ماہانہ مسجد مبارک میں آنا جائز فرما دیا، حضرت براء ابن عازب کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرما دی، حضرت سراقہ کو سونے کے کنگن حضور کی اجازت سے پہنائے گئے، حضرت عثمان غنی کو بے حاضری جہاد سہم غنیمت کا مستحق فرما دیا اور عطا کیا، حضرت معاذ بن جبل کو اپنی رعیت سے تحائف لینا حلال فرما دیا، ام المومنین حضرت عائشہ کو عصر کے بعد دو رکعت نفل جائز فرما دی، ایک شخص سے اس شرط پر اسلام قبول فرما لیا کہ وہ دو نماز سے زیادہ نہ پڑھے گا ـــــــ وغیرہا وغیرہا ـــــــ صفحات کتب احادیث پر پھیلے ہوئے یہ سارے واقعات و حقائق واضح کرتے ہیں کہ رسول کریم کی ذات گرامی ایمان و احکام معاملات و عبادات میں بھی بے مثل و بے نظیر ہے ہم جیسی نہیں ـــــــ یہی نہیں بلکہ آپ کا سر سے لیکر پیر تک ہر ہر عضو بدن بے مثل و بے نظیر ہے اللہ عز و جل نے آپ کو اپنی ذات و صفات کا مظہر اتم حقیقت و معرفت کے تمام ظاہری و باطنی کمالات کا مخزن اور روحانیت کے تمام محاسن و اوصاف کا معدن بنایا تھا۔ آپ کے حسن و جمال کا عالم یہ تھا کہ نگاہیں دیکھ کر خیرہ ہو گئیں جس کا مشاہدہ کر کے زبان کو عالم حیرت میں کہنا پڑا لم ار قبلہ و بعدہ مثلہ ایسا حسین و جمیل نہ آپ کے قبل دیکھا نہ آپ کے بعد خود حضرت علی نے آپ کے سر سے پاؤں تک کے

اوصاف جمیلہ بیان کرنے کے بعد فرمایا یقول ناعتہ لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جو حضور کی نعت بیان کرے گا وہ ضرور کہے گا کہ میں نے حضور کے مثل نہیں دیکھا۔ حضرت مولائے کائنات نے فیصلہ فرما دیا کہ یہ ممکن نہیں کہ حضور کی مدح و ثنا کرنے والا حضور کو بے مثل نہ کہے اسلئے کہ جب تک وہ حضور کو بے مثل نہ کہے گا اور "لا یمکن الثناء کما کان حقہ" کا اقرار نہ کرے گا اس کی مدح و ثنا مکمل نہیں ہو سکتی۔ حضرت علی کا ارشاد اس بات کی طرف بھی اشارا کر رہا ہے کہ حضور سے مثلیت کا دعویٰ کرے گا جو حضور کا ناعت (ثنا خوان) نہ ہوگا بلکہ حضور کی توہین و تنقیص کا قصد رکھتا ہوگا ——— حضرت حسان فرماتے ہیں۔

خلقت مبرأ من کل عیب	(اے میرے محبوب) آپ ہر عیب سے پاک صاف پیدا کئے گئے
کانک قد خلقت کما تشاء	گویا آپ کی تخلیق آپ کی مرضی سے کی گئی
واجمل منک لم ترقط عینی	آپ سے زیادہ حسین و جمیل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا
واکمل منک لم تلد النساء	آپ سے زیادہ باکمال کسی عورت نے جنا ہی نہیں

صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے ما رایت شیئا احسن من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم نے حضور سے زیادہ خوبصورت کسی انسان ہی نہیں بلکہ (کائنات) کی کسی چیز کو بھی نہیں دیکھا ——— حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ چہرۂ نبوی کے حسن کا یہ عالم تھا "کان الشمس تجری فی وجھہ" گویا سورج آپ کے چہرے میں رقصاں ہے۔ عارض پاک کا عالم یہ تھا "کان ماء الذھب یجری فی صفحۃ خدہ" گویا صفحۂ رخسار پر سونے کا پانی جھلک رہا ہے دندان مبارک موتیوں کی طرح سفید و چمکدار تھے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں "اذا ضحک یتلالا فی الجدر" جب آپ تبسم فرماتے تو دندان مبارک کے نور سے دیواروں پر روشنی چھا جاتی۔ لب مبارک کے بارے میں مواہب شریف میں ہے "احسن عباد اللہ شفتین" اللہ کے تمام بندوں سے اچھے تھے ——— اللہ اللہ کیا اعجاز تھا آپ کے لبہائے مبارک کا کہ ایک بار حضرت علی شدید بیمار ہوئے آپ نے دیکھ کر فرمایا "اللھم عافہ او اشفہ" الٰہی اسے عافیت دے یا شفا دے۔ لب جاں بخش کے ہلاتے ہی شفا ہو گئی اور پھر اس کے بعد تا حیات اس مرض میں گرفتار نہ ہوئے ——— زبان مبارک کا یہ عالم کہ خود ارشاد فرماتے ہیں "انا افصح العرب" میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہوں ——— ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر کے اس استفسار پر کہ حضور میں نے عرب کا دورہ کیا بڑے بڑے فصحاء سے ملاقات کی مگر آپ جیسی فصاحت کسی میں نہ پائی آپ نے ارشاد فرمایا ادبنی ربی مجھے میرے رب نے ادب سکھایا ——— ایک غزوہ میں حضور علیہ السلام نے نزول اجلال فرمایا ایک چشمے کے متعلق صحابہ نے عرض کیا کہ حضور اس چشمہ کا نام بیسان ہے اسکا پانی کھارا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا "بل ھو نعمان وھو الطیب" نہیں اس کا نام نعمان ہے اس کا پانی میٹھا ہے صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور نے چشمہ کا نام بدل دیا تو اللہ نے اس کا ذائقہ بدل دیا ——— حضور علیہ السلام کی زبان کی عظمت کا اندازہ اس طرح بھی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ

وہی زبان مبارک ہے جو حریم خلوت گاہ قدس میں پہونچ کر رب العالمین سے شرف کلامی حاصل کرتی ہے۔ ایک بار آپ اپنی زبان مبارک کی طرف اشارا کر کے فرماتے ہیں "فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منہ الا حقا" مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق ہی نکلتا ہے۔ قرآن نے اعلان فرمایا "ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" یہ اپنی طرف سے نہیں بولتے ان کا بولنا وحی الٰہی ہے ——— ایک مرتبہ شدت تشنگی میں حضرت امام حسن کے منہ میں آپ نے اپنی زبان رکھ دی انھوں نے چوسی اور سیراب ہو گئے ——— آپ کی مقدس آنکھوں کے لئے اندھیرا بھی حجاب نہ تھا حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور رات کے اندھیرے میں بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح دن کے اجالے میں" حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضور نے خود ہی فرمایا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تم کو اپنی پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے سامنے کی جانب سے ——— بلکہ حضور کا یہ بھی ارشاد ہے کہ خدا کی قسم تمہارے رکوع اور خشوع مجھ پر پوشیدہ نہیں خشوع دل کی کیفیت نیاز کا نام ہے مگر نگاہ احمدی کے قربان جو نمازی کے خشوع کا بھی ادراک رکھتی ہے ——— مدینہ میں رہ کر غزوہ موتہ کے حالات کو ملاحظہ فرمانا اور پھر مجاہدین کی واپسی پر خود ہی تمام حالات کو من و عن بیان کر دینا حدیثوں میں مذکور ہے۔ معلوم ہوا کہ چشم نبوت اندھیرے، اجالے دور و نزدیک کے قانون سے علیٰحدہ ہے یہ قانون، دوسروں کی آنکھوں کیلئے ہے ——— آپ کے موئے مبارک بھی ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں اسلام کے مشہور جرنیل حضرت خالد کو میدان کارزار میں فتح و نصرت الٰہی انھیں موئے مبارک بالوں کی برکت سے حاصل ہوتی تھی۔ امام بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت خالد کی ٹوپی میں حضور کے چند بال تھے اور انھیں بالوں کی برکت سے انھیں ہر معرکہ میں فتح ہوتی تھی ———
حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ایک بال ہمیں دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا ہے ——— حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حلاق حضور کے بال اتار رہا تھا اور صحابہ کرام پروانہ وار موئے مبارک حاصل کرنے کیلئے حضور کا طواف کر رہے تھے تاکہ ایک بال بھی زمین پر نہ گرے اور ان کے ہاتھوں میں آ جائے ——— حضرت علی کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے دست مبارک میں اپنا ایک بال لئے ہوئے فرما رہے تھے جس نے میری ایک بال کی توہین کی اس پر جنت حرام ہے ——— آپ کی قوت سامعہ بے نظیر ہے حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا "میں وہ دیکھتا ہوں جو کوئی نہیں دیکھتا اور وہ سنتا ہوں جو کوئی نہیں سنتا" ——— خود حضور نے فرما دیا کہ میری قوت سامعہ و باصرہ عام انسانوں کی طرح نہیں ——— آسمان کی چرچراہٹ ملاحظہ فرمانا۔ عذاب قبر کو سننا وغیرہ وغیرہ آپ کی سماعت کی بے مثلی کی نشاندہی کر رہے ہیں ——— آپ کا بچپن بھی ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور آپ کا زمانہ طفولیت عام بچوں کی طرح نہ تھا۔ حضرت امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ آپ نے صحن عالم پر قدم رکھا تو پہلا کلام یہ فرمایا "اللہ اکبر کبیرا الحمد للہ کثیرا"، معلوم ہوا کہ حضور کو

کمسنی میں بھی ادراک و شعور اور علم و فہم حاصل تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمام اخلاق حمیدہ اور آداب شرعیہ آپ میں جمع فرمادئے تھے ——— امام ابن سبع فرماتے ہیں کہ حضرت حلیمہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف آپ کے دائیں طرف کا دودھ نوش فرماتے اور بائیں طرف کا وہ پلانا بھی چاہتیں تو نہ نوش فرماتے علماء فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ یہ تھی "وذالک من عدلہ لانہ یعلم ان لہ شریکا فی الرضاعۃ" یہ آپکا عدل تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ میرا ایک "رضاعی شریک" بھی ہے یعنی حضرت حلیمہ ایک اور بچے کو دودھ پلاتی تھیں جس کے لئے آپ نے بائیں طرف کا حصہ مخصوص فرمادیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایام شیرخوارگی کے عالم میں عدل و مساوات کا یہ اہتمام فرمانا آپ کی بے مثلی کو ظاہر فرما رہا ہے اسلئے کہ اس عمر میں یہ دیانت و شعور کس میں ہوتا ہے؟ ——— آئیے دست رسول کے بھی جلوے ملاحظہ فرمائیے۔ جنگ احد میں حضرت عبداللہ ابن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انھیں ایک کھجور کی ٹہنی دی جو ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی ——— لکڑی کو لوہا بنا دیا اور حقیقت کو بدلدیا اسی کو قلب اعیان کہتے ہیں۔

——— حضرت سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا حضور کا ادھر سے گزر ہوا آپ نے فرمایا کون میں نے عرض کیا سائب ابن یزید ہوں پھر آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اللہ برکت دے جس کا اثر یہ ہوا کہ میرے بال ہمیشہ سیاہ رہے ———

انگشتان مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، ایک اشارے پر چاند کے دو ٹکڑے ہوجانا، ایک اشارہ سے مدینہ طیبہ سے چھٹ کر بادلوں کا اطراف کا رخ کرلینا، دست مبارک میں شفاء کی سی خاصیت ہونا ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا دست مبارک بے مثل و بے نظیر تھا ———

آپ کی قوت ذائقہ کا عالم یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ صحابہ کے ساتھ ایک میت کی تدفین کے بعد واپس ہورہے تھے کہ ایک خاتون نے آپ سب کو کھانے پر مدعو کیا۔ صحابہ نے آپ کے بعد کھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کردیا مگر آپ کے دہن مبارک میں جیسے ہی لقمہ پہونچا آپ نے فرمادیا کہ یہ گوشت کسی ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے چنانچہ آپ نے اس لقمے کو نوش نہیں فرمایا ——— بات بھی صحیح تھی اسلئے کہ وہ بکری اصل مالک کے بجائے اس کی بیوی کی اجازت سے حاصل کی گئی تھی ———

خیال کیجئے کہ تلخ و شیریں کا احساس تو عام بشر کی زبانیں بھی کرلیتی ہیں مگر نبی و رسول کی زبان حلال و حرام کا بھی احساس فرمالیتی ہے ——— آپ کی مبارک آواز کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب آپ منبر پر خطبہ کیلئے بیٹھے تو لوگوں سے فرمایا بیٹھ جاؤ آپ کی یہ آواز حضرت عبداللہ ابن رواحہ کے کان میں بھی پہونچی وہ اسوقت بکریوں میں تھے آپ کی آواز سنکر فوراً وہیں بیٹھ گئے ——— حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ کی روایت ہے کہ رسول کریم نے منیٰ میں ہمارے سامنے خطبہ دیا تو اللہ نے ہمارے کان اس طرح کھول دئے تھے کہ ہم تمام حجاج جہاں جہاں تھے وہیں بیٹھے ہوئے آپ کی آواز سن رہے تھے ——— منیٰ کی سرزمین شاہد ہے کہ نبی کریم کے بعد اس فضل سے کسی کو نوازا نہیں گیا تاکہ اس خاص موقع کا یہ واقعہ آپ کے خصائص میں شمار ہو۔ ہاں آپ اس رفیع الصوتی کا پرتو ایک عاشق رسول پر پڑا تھا جس نے مدینہ طیبہ میں آواز بلند کی؛ وہ آواز نہاوند کی فوج میں سنی گئی۔ المختصر۔ منیٰ والا واقعہ اپنے جائے وقوع اور کیفیات کے لحاظ سے جداگانہ ہے ——— آپ کے لعاب دہن کا یہ حال کہ کھارے پانی میں پڑے تو پانی کو میٹھا کردے، پائے صدیق میں لگے تو تریاق بن جائے، چشم علی میں لگے تو کحل الجواہر کا کام دے، عبداللہ ابن عتیک کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں لگ جائے تو ہڈیوں کو جوڑ دے ——— آپ کی نیند کا یہ عالم کہ خود فرمائیں "اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ" میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا ——— نیز ——— ارشاد فرمایا کہ ——— ہم انبیاء کی صرف آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے ———.

انبیاء کرام کو وفات سے پہلے یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو دنیا ہی میں رہیں اور چاہیں تو آخرت کو پسند فرمالیں۔ نیز۔ کسی نبی پر وفات طاری نہیں کیجاتی جب تک جنت میں اسکا مقام اُسے دکھا نہیں دیا جاتا اور اُسے دنیا و آخرت میں ایک کو پسند کرلینے کا اختیار نہیں دیدیا جاتا ——— احادیث سے یہ حقائق ثابت ہیں۔ ان امور کے علاوہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ہی کے کپڑوں میں غسل دینے کی غیبی ہدایت، غسل دینے میں فرشتوں کی بھی غائبانہ شرکت، حضور کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے اوّلاً حضرت جبرائیل پھر حضرت میکائیل پھر حضرت اسرافیل پھر حضرت عزرائیل کا بہت سارے فرشتوں کے ساتھ حاضر ہونا۔ پھر اہلبیت اطہار کا نماز کیلئے حاضر ہونا ان سب کے بعد دوسرے لوگوں کا تنہا تنہا بغیر امام کے نماز پڑھنا۔ قبر میں اتارتے وقت ملائکہ کا بھی شریک کار ہونا۔ آپ کی وفات کے بعد ملائکہ کا اہلبیت کے پاس آکر تعزیتی کلمات غائبانہ طور پر پیش کرنا اس طرح کہ وہ نظر نہیں آرہے تھے مگر اُن کی آواز سنی جارہی تھی، عام بشر کی تعزیت عام بشر کرلیتے ہیں مگر رسول وہ ہیں جن کے گھر والوں کی تعزیت میں خدا کے مقدس فرشتے بھی شریک رہتے ہیں۔ یوں ہی ہر ہر نبی کا اسی جگہ پر وفات پانا جہاں اُسے دفن ہونا محبوب ہو، دفن کے بعد زمین کے تخریبی اثرات سے انکا محفوظ رہنا اور قبروں میں نمازیں پڑھنا حقیقت بیں نگاہوں میں مدینے میں آپ کے آنے سے روشنی اور وفات سے تاریکی پھیل جانا، اور حضور سے جدا ہو جانے کے نتیجے میں صحابہ کا اپنے قلوب کی حالت دگرگوں پانا، حیات طیبہ میں رسول کی صحبت سے الگ ہوتے ہی صحابہ کا اپنی قلبی کیفیت میں تبدیلی کا احساس ہونا، فرشتوں سے ہمکلام ہونا فرشتوں کا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر شرف صحبت سے مستفیض ہونا، آپ کے نماز پڑھنے سے میت کے قبر کا روشن و منور ہوجانا، جنت، دوزخ کا حالت نماز میں آپ کے سامنے متمثل ہوکر حاضر ہونا، اس حیات دنیوی میں رہتے ہوئے بارہا بنفس نفیس جنت میں تشریف لیجانا، یہ سارے حقائق وہ ہیں جو احادیث نبویہ سے ثابت ہیں۔ طوالت تحریر کا اندیشہ کلمات احادیث کو نقل کرنے سے مانع ہے ——— یہی وہ حقائق ہیں جن کے پیش نظر امام رازی نے صاف صاف فرمادیا کہ انبیاء کرام جس طرح عام بشر سے اپنی روحانی قوتوں میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح جسمانی طاقتوں میں بھی ممتاز ہوتے ہیں یعنی اپنی سامعہ، باصرہ، شامہ اور ذائقہ سے ہی

طاقتوں میں ــــــ امام رازی کا یہ قول مولوی بدر عالم میرٹھی نے ترجمان السنۃ جلد سوم ص۲۵۱ پر نقل کیا ہے ــــــ علامہ زرقانی نے تو یہاں تک فرما دیا کہ حضور پر ایمان لانے کی تکمیل یہ ہے کہ آدمی اس پر ایمان لائے، بان اللّٰہ تعالیٰ جل خلق بدنہ الشریف علی وجہ اى حال وھیئۃ لم یظہر قبلہ ولا بعدہ خلق آدمی مثلہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے جسد شریف کو اس شان کا پیدا فرمایا کہ کوئی انسان آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسا نہ ہوا حکیم ترمذی حضرت ذکوان سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ چاند کی چاندنی میں دکھائی دیتا تھا نہ سورج کی روشنی میں، حضرت ابن سبع فرماتے ہیں کہ جسم اطہر پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ حضرت حارث ابن اسامہ حضرت مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چالیس جنتی جوانوں سے زیادہ توانائی رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کے چہرہ اقدس پر پسینہ موتی کی طرح نظر آتا تھا اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ تھی، آپ کا قد مبارک نہ بہت دراز تھا نہ بہت کوتاہ جس سے یہ معجزہ ظاہر ہوتا تھا کہ جب آپ قوم کے درمیان تشریف رکھتے تو آپ کے مونڈھے سب سے بلند رہتے۔ عقل و دانائی کا عالم کہ امام ابونعیم فرماتے ہیں کہ حضور تمام دنیا کے انسانوں میں عقل ورائے کے لحاظ سے برتری رکھتے تھے۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مطالعہ کیا سب میں یہی لکھا پایا کہ ابتدائے آفرینش سے لیکر انتہائے عالم تک سارے عقلاء کی عقلیں حضور سید عالم کی عقل کے مقابل ریت کا ایک ذرہ نظر آتی ہیں۔ قدموں کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن بریدہ فرماتے ہیں کہ آپ کے قدم مبارک تمام انسانوں کے قدموں سے زیادہ حسین تھے۔ قدموں کی ٹھوکر سے پانی کا چشمہ جاری کر دینا اور پھر ٹھوکر مار کر اس چشمے کو بند کر دینا اور اپنی ٹھوکروں سے عصائے موسوی کا کام لینا حدیث سے ثابت ہے ــــــ

انتہا یہ ہے کہ آپ کے تمام فضلات مبارکہ امت کے حق میں طیب و طاہر باعث برکت و رحمت ہیں لیکن خود آپ کے حق میں آپ کی عظمت شان کے سبب حکم اصلی باقی ہے۔ فتاوی اسعدیہ میں ان کی طہارت کی صراحت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضور علیہ السلام کے پچھنے لگائے۔ جسم اقدس سے جو خون نکلا وہ انھوں نے پی لیا اسپر حضور نے ارشاد فرمایا جا تو نے اپنے نفس پر آتش دوزخ حرام کر لی حضرت ابن زبیر نے خون مبارک بطور تبرک پیا کسی نے پوچھا خون کا ذائقہ کیا تھا فرمایا ذائقہ شہد کیطرح تھا اور خوشبو مشک و عنبر جیسی تھی ــــــ حضرت ام ایمن نے ایک مرتبہ آپ کا بول مبارک پی لیا اور پھر جب آپ سے عرض کیا تو آپ مسکرائے اور ارشاد فرمایا کہ آج سے تجھے کبھی پیٹ کی بیماری نہ ہوگی ــــــ روحانی کمالات کو الگ رکھئے یہ جسمانی محیر العقول کمالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ نبی کریم کی طرح مومنین صالحین تک نہیں نہ روحانی درجات میں نہ جسمانی کمالات اور ظاہری عضو کے کسی حصے میں ــــــ پھر کفار و مشرکین کا آپ کی طرح ہونا یا آپ کا ان کی طرح ہونا کس قدر بعید از قیاس ہے ــــــ اب رہ گیا ــــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا کھانے، پینے، سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے اپنا کام اپنے ہاتھوں [illegible] دینے، زخمی ہونے، بیمار پڑنے وغیرہ وغیرہ میں ہمارا شریک نظر آنا تو اس سے بھی آپ [illegible] طرح نہیں ہوتے اسلئے کہ نبی کے افعال امت کی تعلیم کیلئے ہوتے ہیں اُن کی ہر ادا [illegible] رکھتی ہے پھر ان کے افعال کی حقیقت کو امتی کے افعال کی حقیقت سے کیا نسبت ــــــ غور کیجئے ابیت عند ربی یطعمنی ربی ویسقینی میں رب کے یہاں شب گزارتا ہوں مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے ــــــ بلفظ دیگر ــــــ انی لست [illegible] انی اُطعم و اُسقی میں تمہاری ہیت و ماہیت کے مثل نہیں میں کھلایا جاتا [illegible] اور پلایا جاتا ہوں ــــــ بروایت دیگر ــــــ انی لست مثلکم میں تمہارے مثل نہیں ــــــ تیسری روایت میں ہے ــــــ ایکم مثلی [illegible] کون میرے مثل ہے۔ ان ظاہر المراد کلمات کے ذریعہ اپنی بے مثلی و بے نظیری کا اعلان فرمانے والا رسول اگر بھوکا، پیاسا، زخم خوردہ و مجروح، بطن اقدس پر پتھر باندھے وغیرہ وغیرہ نظر آئے تو کیا اس کے ان افعال کی وہی حقیقت ہوگی جو مجبوروں اور بیکسوں کے افعال کی ہوتی ہے؟ یا عائشۃ لو شئت لسارت معی جبال الذہب اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں ارشاد فرمانے والے [illegible] دولت کدے سے دھواں نہ اٹھے تو کیا اسے اسکی بے کسی و مجبوری پر محمول کیا جائے گا؟ کیا انبیاء پر بشری احوال و کوائف کا ظہور اسلئے ہوتا ہے کہ غیر نبی کو انھیں اپنا جیسا [illegible] جواز مل جائے ــــــ یا یہ کہ ــــــ انبیاء کے یہ سارے اعمال امت کی تعلیم اور انھیں فقر و زہد، صبر و شکر، توکل و استغناء، عجز و انکسار نیز اللہ کی رضا پر راضی رہ کر ہر شعبہ حیات میں پاکیزہ زندگی گزارنے کا سبق سکھانے کے لئے ہیں۔ قرآن و حدیث سے تو یہاں تک ثابت ہے کہ نبی کریم کی شان تو نرالی ہے آپ کی طرف جس کی نسبت ہو گئی وہ بے مثل ہو گیا ــــــ جبھی تو ــــــ نبی کی ازواج عورتوں میں بے مثل، نبی کے امتی دیگر امتیوں میں بے مثل، نبی کا شہر شہروں میں بے مثل، نبی کے قبر انور کی زمین زمینوں میں بے مثل، نبی پر نازل شدہ کتاب آسمانی کتابوں میں بے مثل، نبی کا لایا ہوا دین ادیان میں سب بے مثل، نبی کا قبیلہ قبیلوں میں بے مثل، نبی کا خاندان خاندانوں میں بے مثل، نبی کا گھرانا گھرانوں میں بے مثل وغیرہ وغیرہ تو جب آثار و منسوبات کا یہ حال ہے تو پھر منسوب الیہ کی بے مثلی و بے نظیری سمجھانے کے لئے کسی دلیل کی کیا ضرورت ــــــ شیخ محقق نے لمعات شرح مشکواۃ میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے صاف صاف فرما دیا کہ ــــــ ولکنی لست کاحد منکم لیکن میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ حضور کا اپنے اس کلام سے مقصد یہ ہے کہ بیٹھکر نماز پڑھنا اور پورا پورا ثواب ملنا میرے خصائص سے ہے فلا تقیسونی علی احد ولا تقیسوا علیّ احداً لہذا مجکو کسی پر قیاس نہ کرو اور نہ مجھ پر کسی کو قیاس کرو ــــــ یہاں تک میں نے احادیث کریمہ اور ارشادات علماء کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بخوبی واضح ہو گیا کہ ہر نبی اپنی ذات و صفات، اعضاء

جوارح میں غیر نبی ممتاز ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب حقیقت وماہیت میں مماثلت نہ رہ گئی تو اب ذات وصفات اور اعمال وافعال نیز اعضاء وجوارح کی جو ظاہری صورت ہے اُسی میں مماثلت ہوسکتی ہے ——— امام احمد رضا کی بصیرت اور ان کی بے پناہ فہم وفراست پر قربان جائیے کہ انھوں نے قل انما بشر مثلکم کے ترجمے میں لفظ کے نیچے لفظ رکھ دینا پسند نہیں فرمایا بلکہ اُسی وجہ تشبیہ کو ترجمے کی صورت دیدی جس کے سوا کوئی اور مماثلت کی وجہ نہ بن سکے۔ تاکہ عام ذہن وجہ تشبیہ کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان نہ ہو نیز غفلت ولاعلمی کے سبب کسی ایسی چیز کو وجہ تشبیہ نہ ٹھہرالے جس سے وہ خارج از اسلام ہی ہوجائے ——— مقالہ نگار اگر ذرا بھی منصف مزاج ہوتا تو امام احمد رضا کے ترجموں کو آنکھوں سے لگاتا اور ان کی فراست ایمانی کے حضور سرنیاز جھکا دیتا۔ ایک فقرہ میں طویل وعریض تحقیقات کا عطر پیش کردینا اور بے غبار لفظوں میں اسلامی عقیدے کی وضاحت کردینا تائید ربانی ہی پر موقوف ہے ——— یہاں اس نکتے کو بھی ذہن میں رکھ لیجئے کہ "انا بشر مثلکم" (میں تمھاری طرح بشر ہوں) کی ترجمانی کی دو صورتیں ہیں

۱۔ میں تمھاری طرح انسان ہوں یعنی جیسے تم انسان ہو (فرشتہ وجن نہیں) اسی طرح میں بھی انسان ہوں (فرشتہ وجن نہیں) اس ترجمانی میں وجہ مماثلت انسانیت اور بشریت ہے یعنی انسان وبشر ہونے میں تمھاری طرح ہوں۔

۲۔ میں تمھاری طرح انسان ہوں یعنی جس طرح کے انسان تم ہو اسی طرح کا انسان میں بھی ہوں یعنی تم میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔

ظاہر ہے کہ پہلی ترجمانی ہی اسلامی عقائد ونظریات کے مطابق ہے جس سے واضح ہے کہ مماثلت صرف "آدمی ہونے" میں ہے نہ کہ دوسرے صفات وغیرہا کی حقیقت وماہیت میں۔ خود مقالہ نگار نے فتح القدیر، بحر المحیط اور روح المعانی سے جو عبارتیں نقل کی ہیں اُن سے بھی یہی ثابت ہے کہ وجہ مماثلت صرف بشریت (یعنی آدمی ہونا) ہے۔ فتح القدیر کی عبارت مقالہ نگار نے نقل کی ہے اُس نے تو یہاں تک واضح کردیا کہ اپنے لئے بشریت ثابت فرما کر رسول کریم اپنی ذات سے ملکیت کی نفی فرمارہے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ میں بشر ہوں ملک نہیں ہوں جیسے تم بشر ہو ملک نہیں ہو ——— یہی یہ بھی سمجھ لیجئے کہ بشریت کا ترجمہ بحر المحیط کی عبارت منقولہ کا ترجمہ کرتے ہوئے خود مقالہ نگار نے "آدمی ہونا" ہی کیا ہے ——— اسی وجہ مماثلت کو امام احمد رضا نے جب سورہ سجدہ کے رکوع ۱۰ کی آیت قل انما انا بشر مثلکم کی ترجمانی کرتے ہوئے رکھدیا اور یہ ترجمانی فرمائی

"تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمھیں جیسا ہوں"

اس پر مقالہ نگار بول پڑا کہ بشر کا معنیٰ "آدمی ہونا" کہاں ہے میں پوچھتا ہوں کہ بشر کا معنیٰ آدمی ہونا نہیں لیکن بشریت کا معنیٰ تو آدمی ہونا ہے اور پھر جب بشر مثلکم سے "مماثلت فی البشریۃ" مقصود ہونے پر ساری تفسیریں متفق ہیں تو پھر اسی وجہ مماثلت کو قرآن کی ترجمانی میں اگر رکھدیا جائے اور ذہنوں کو اِدھر اُدھر بھٹکنے سے بچالیا جائے تو اسمیں کونسا جرم ہے؟ مقصود قرآن کو ترجمۂ قرآن کی صورت دیدینا کیوں غلط ہے؟ ——— امام احمد رضا نے اسی وجہ مماثلت کو کہیں "ظاہر صورت بشری" اور کہیں "آدمی ہونے" کے لفظوں سے ظاہر کیا ہے دونوں فقروں کا حاصل ومآل ایک ہے ——— مقالہ نگار کے چیں بجبیں ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس کا جس مکتب فکر سے تعلق ہے اس میں نبی کی حیثیت ایک "معمولی انسان" کی ہے چنانچہ اپنے عہد میں خارجیت اور وہابیت کے مسلمہ امام مولوی عبد الشکور کاکوروی ایڈیٹر النجم آیت زیر بحث کا ترجمہ کرتے ہوئے ماہنامہ النجم مورخہ ۱۱ رجون ۱۹۳۷ء ص۵ کالم ۳ میں لکھتے ہیں

"نبی کریم نے فرمایا انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ میں تمھاری طرح ایک معمولی انسان ہوں اگر تم میں اور مجھ میں کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ میں تمھارے پاس خدائے تعالیٰ کا پیام لایا ہوں"

آج تک دیوبند کے کسی پوت وسپوت کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ بارگاہ نبوت کے اس گستاخ سے سوال کرتا کہ "معمولی انسان" آیت کریمہ کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ مقالہ نگار نے اگر گروہی عصبیت سے ہٹ کر اس گمراہ کن ترجمے پر اعتراض کیا ہوتو میں اُسے ضرور جاننا چاہونگا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ نہ مقالہ نگار نے ایسا کیا ہوگا اور نہ کبھی ایسا کرسکے گا اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ وہ جس مکتبہ فکر سے وابستہ ہے وہاں بڑے بڑے سورما پیدا ہوچکے ہیں۔ جو نبی کریم کی ذات کیلئے معمولی بشر، بڑا بھائی، گاؤں کا چودھری، فقط ایک ایلچی کا لفظ استعمال کرنے والے، نبی کیلئے اپنی آخرت سے بے خبر اور مرکر مٹی میں مل جانے کا خیال ظاہر کرنے والے علم نبوی کو جانوروں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دینے والے۔ علم نبوی کو شیطان کے علم سے کم سمجھنے والے۔ نبی کریم کو اردو سکھانے کا دعویٰ رکھنے والے۔ نبی کریم کیلئے ذرہ بے مقدار اور چمار سے زیادہ ذلیل کا لفظ استعمال کرنے والے۔ نبی کے فضل وکمال، جاہ وجلال، حسن وجمال، جود ونوال کی احادیث کو ضعیف، کمزور ناقابل پذیرائی قرار دینے والے۔ اور جس کلام میں بظاہر کچھ شان اقدس کی منقصت نظر آئے اسپر رنگ وروغن چڑھا کر قریہ قریہ بستی بستی اسے بیان کرنے والے المختصر تقدیس رسالت کی نفی کو توحید الٰہی سمجھنے والے ہیں بھلا ایسوں سے کیا امید کیجائے کہ وہ بھی دین ودیانت کے تقاضوں کو کبھی پورا کرسکیں گے ——— مقالہ نگار کی علمی خیانت تو ملاحظہ فرمائیے اس نے امام احمد رضا کے ترجمے کی نقل مطابق اصل نہیں کی۔ نہ تو سورہ کہف والی آیت کا ترجمہ مطابق اصل نقل کیا اور نہ ہی سورہ سجدہ والی آیت کا ترجمہ من وعن نقل کیا دونوں مقامات کی آیات کے ترجموں کو اصل کے مطابق ملاحظہ فرمائیے۔

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود ایک معبود ہے" (سورہ کہف)

تو میں کا لفظ مقالہ نگار نے نقل ہی نہیں کیا تاکہ اردو کے محاورے میں وہ حصر نہ آسکے جو
قرآنی آیت سے مستفاد ہے

تم فرماؤ کہ آدمی ہونے میں تو میں تمھیں جیسا ہوں"

(سورہ سجدہ)

یہاں "تمھیں" کو مقالہ نگار نے "تم" کر دیا تاکہ یہ بھی اپنے اندر کوئی حصر کا مفہوم نہ رکھے مقالہ نگار نے یہ سب کچھ اسلئے کیا ہے تاکہ اُسے یہ کہنے کا موقعہ مل جائے کہ دونوں میں انما کے معنی تخصیص و حصر کو چھوڑ دینے کی زبردست کمی پائی جاتی ہے ــــــ مقالہ نگار کو یہ شکایت ہے کہ امام احمد رضا نے بشر مثلکم کا ترجمہ وہ کیا ہے جو انا مثلکم فی البشریۃ کا ترجمہ ہے ــــــ میں پوچھتا ہوں کہ جب خود مقالہ نگار نے بحر المحیط کے حوالے سے یہ واضح کر دیا ہے کہ بشر مثلکم میں مماثلت فی البشریۃ مراد ہے یعنی بشر مثلکم کا مطلب انا مثلکم فی البشریۃ ہی ہے تو پھر بشر مثلکم کے ترجمہ میں اسی معنی مراد کو رکھ دینا اصول ترجمانی سے کیسے باہر ہو گیا؟ بشر بول کر انسان اور آدمی ضرور مراد لیا جاتا ہے مگر سوچنا یہ ہے کہ انسان کو بشر کیوں کہتے ہیں۔ مفردات امام راغب میں ہے کہ بَشَر "بشرۃ" سے ماخوذ ہے اور بشرۃ انسان کی جلد کی اوپری سطح کو کہتے ہیں چونکہ انسان کی جلد بالوں سے صاف ہوتی ہے (اس کے برعکس دیگر حیوانات کی کھال پر اون، بال اور پشم ہوتی ہے) اسی لئے اسکو بشر کہتے ہیں ــــــ اس صورت میں بشر کا لفظی معنی "صاحب بشرۃ" ہوا یعنی چہرہ، مہرہ اور صاف جلدوں والا اور ظاہر ہے کہ چہرے مہرے اور اوپری جلدوں کا تعلق ظاہر صورت ہی سے ہے۔ اس تحقیق نے امام احمد رضا کے فطری گہرائی کو اور بھی روشن کر دیا ہے۔ یقیناً انھوں نے اپنے ترجمے میں لفظ بشر کے ماخذ کے بنیادی معنی کی خاص رعایت رکھی ہے ــــــ مقالہ نگار نے لغوی تحقیق کے نام پر لفظ بشر کی جو تشریح کی ہے وہ ناقص ہے اور غیر ضروری بھی۔ یوں ہی لفظ انما کے تعلق سے تشریحی عبارتیں بلا ضرورت اظہار لیاقت کی ایک کوشش ہے۔ حصر کے تعلق سے آگے کچھ تحقیقی مباحث آرہے ہیں ــــــ

مقالہ نگار کی یہ کوشش بھی غیر ضروری تھی کہ وہ نبی و رسول کے اصطلاحی معنی کی تشریح میں وقت صرف کرے ـــ نیز ـــ بشریت انبیاء کو ثابت کرنے کیلئے اپنے قلم کی روشنائی ضائع کرے اسلئے کہ امام احمد رضا نہ تو بشریت انبیاء کے منکر تھے اور نہ نبی و رسول کی معروف تعریف پر معترض اور نہ ہی ان کے ترجموں سے ان میں سے کسی امر کا انکار ملتا ہے۔ خود امام احمد رضا کے ترجموں پر غور کیجئے ایک جگہ "ظاہر صورت بشری" میں اور دوسری جگہ "آدمی ہونے" میں حضور کو مخاطبین کے مماثل قرار دے رہے ہیں اور صاف لفظوں میں آپ کو صاحب صورت بشری اور آدمی ظاہر کر رہے ہیں ـــ کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر صورت بشری کے بشر ہو جائے ـــ یا ـــ صورت بشری ہو اور بشر نہ ہو یا ـــ کوئی کسی سے ظاہر صورت بشری میں مماثل ہو لیکن خود بشر نہ ہو ـــ یا بلفظ دیگر کوئی کسی سے "آدمی ہونے" میں مماثل ہو لیکن خود آدمی نہ ہو؟ ــــــ آخر امام احمد رضا کے ترجموں کے کس گوشے سے بشریت کا انکار ملتا ہے؟ مقالہ نگار جب امام احمد رضا کے اردو ترجموں کو نہ سمجھ سکا تو پھر قرآن و حدیث سے براہ راست اکتساب فیض کی اس کیا صلاحیت ہوگی۔ مقالہ نگار رقم طراز ہے کہ

"مترجم (امام احمد رضا) یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ آپ کا یہ اعلان
فقط ظاہری صورت میں تھا اظہار حقیقت کے طور پر نہیں تھا"

مقالہ نگار کو جب فہم و فراست کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا تو "تقابلی مطالعہ" کیوں پڑ گیا۔ ذرا مقالہ نگار اپنی خود ساختہ اس وضاحت کو دیکھے اور بتائے کہ کیا تعلق اس کا فاضل بریلوی کے بے داغ ترجمے سے ہے؟ ــــــ فاضل بریلوی نے ترجمہ "ظاہر صورت بشری" میں رسول کو جو مخاطبین کا مماثل قرار دیا ہے یہی تو عین حقیقت ہے فاضل بریلوی کے ترجمے کو مقالہ نگار نہ سمجھ سکا تو پھر اس پر یہ کب لازم تھا کہ وہ خواہ مخواہ عقل کے لئے فاضل بریلوی پر ایک عظیم بہتان جڑ دے ــــــ امام احمد رضا نہ تو رسول کی بشریت کے منکر ہیں اور نہ قرآن میں ذکر کردہ مماثلت سے ــــــ بلکہ ـــ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم بشر بھی ہیں اور مخاطبین کے مماثل بھی مگر وجہ مماثلت وہ نہیں ہے جو شاتمان رسول کی تحریروں سے ظاہر ہے بلکہ وجہ مماثلت صرف وہی ہے جو خود امام احمد رضا کے ترجمے سے ظاہر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول کریم بشر ہیں مگر آپ کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت سے جوہری اور حقیقی فرق رکھتی ہے۔ بالکل یہی امام احمد رضا سے پہلے علامہ امام واسطی ید اللّٰہ فوق ایدیھم کی تفسیر میں فرما چکے ہیں کہ

اخبر اللّٰہ بھذا الآیۃ ان البشریۃ فی نبیہ عاریۃ واضافیۃ لاحقیقۃ
اس آیت سے اللّٰہ نے یہ خبر دی ہے کہ نبی کی بشریت عارضی اور اضافی ہے حقیقی نہیں

ذہن نشیں رہے کہ بشریت کی ابتداء حضرت آدم سے ہوئی آپ سب سے پہلے بشر ہیں سارے بشر آپ ہی کی اولاد ہیں اسلئے آپ ابو البشر کہلائے ــــــ معلوم ہوا کہ حضرت آدم پہلے بشر ہیں پھر نبی اور اللہ کے خلیفہ وغیرہ ایسے ہی ہر ہر نبی اور ہر ہر انسان پہلے بشر ہے پھر دوسری صفات والا ــــــ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے نبی ہیں پھر بشر جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں کنت نبیا وآدم بین الروح والجسد یعنی ابھی آدم کی تخلیق بھی نہ کی گئی لیکن میں نبی تھا ــــــ بلفظ دیگر ــــــ کنت نبیا وآدم بین الماء والطین ــــــ یا ــــــ کنت نبیا وآدم منجدل فی طینتہ میں نبی تھا درانحالیکہ حضرت آدم آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے ــــــ حضور سے دریافت کیا گیا "متی وجبت لک النبوۃ" آپ کو نبوت کب ملی ارشاد فرمایا وآدم بین الروح والجسد ابھی آدم روح و جسد کی منزلیں طے کر رہے تھے یعنی پیدا نہیں کئے گئے تھے ــــــ جنکی بشریت مقدم ہے اُن کے جملہ صفات پر بشریت ہی انکی حقیقت و ماہیت ہے جسے نکال دیا جائے تو اُن کے پاس کچھ نہ بچے ــــــ مگر ــــــ جنکی نبوت مقدم ہے بشریت پر، بشریت اس کے لئے ایک عارضی و اضافی چیز ہے جسے اگر اس سے

جائے جب بھی اس کی نبوت پر آنچ نہ آئے ـــــــ امام واسطی نے اپنے ارشاد میں اسی بات کی طرف اشارا کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی گوشہ ذہن میں رکھی جائے کہ نبی کریم کے سوا ہر نبی کی بشریت دوسرے انسانوں کی بشریت کیطرح اپنے اپنے باقی صفات پر مقدم ہے مگر باین ہمہ کسی نبی کی بشریت کی حقیقت غیر نبی کی بشریت کی حقیقت کی طرح نہیں بس صرف صورت میں مماثلت ہے ـــــــ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے نبی کا جامۂ بشری میں یعنی بشر بنکر آنا ضروری ہے مگر ان کی بشریت کا دوسروں کی بشریت کی حقیقت میں مماثل ہونا ضروری نہیں ـــــــ

یہ بھی خیال رہے کہ مفسرین کرام کا آیت زیر بحث کی تشریح میں ہر ہر نبی و رسول کا غیر نبی سے شرف نبوت و رسالت میں ممتاز قرار دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے نزدیک نبوت و رسالت کے امتیاز کے سوا نبی و غیر نبی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کہ ارشاد قرآنی تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض خود انبیاء کرام کے مابین بعض پر بعض کی فضیلت کی نشان دہی کر رہا ہے اور ارشاد ربانی رفع بعضهم درجات رسول کریم کو تمام انبیاء و مرسلین پر درجوں بلند ظاہر فرما کر بے شمار امتیازات کا پتہ دے رہا ہے ـــــــ لہذا ـــــــ نبی کریم اور آیت کے مخاطبین میں صرف شرف وحی کے امتیاز کو مخصوص کر دینا جیسا کہ مقالہ نگار کے بعض پسندیدہ مترجمین نے کیا ہے بالکل باطل ہے اور بے شمار نصوص کی تکذیب بھی۔ الغرض یہ مترجمین قرآن شریف کے الفاظ کی اردو زبان میں موزوں جیسے قاصر رہے اور زبردستی اپنے خاص نظریے کو قرآن کے ترجمے کی شکل میں پیش کر دیا۔ مترجمین اپنی ذہنیت اور قائم کردہ رجحان فکر کے سانچے میں قرآنی الفاظ کو ڈھال کر ان کے معانی بیان کرنے اور اُسے ترجمہ قرآن قرار دینے میں بڑے ہی چابکدست نظر آئے۔

ـــــــ کاش کہ مقالہ نگار اپنی آنکھوں کی ان شہتیروں کو دیکھ سکتا ـــــــ مقالہ نگار اپنے فن میں استاد نظر آ رہا ہے اس لئے کہ اس نے تفسیر ابن جریر کی ایک عبارت نقل کر کے لکھ دیا کہ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں بھی یہی ہے حالانکہ تفسیر ابن کثیر میں یہ عبارت موجود نہیں ـــــــ یوں ہی ـــــــ اُس میں امام رازی کی تفسیر کبیر کی ایک عبارت نقل کی ہے مگر اُسی منقولہ عبارت کے اوپر متصلاً جو عبارت ہے اُسے کاٹ دیا اور وہ یہ ہے۔ واعلم انہ تعالیٰ لما بین کمال کلام اللہ امر محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بان یسلک طریقۃ التواضع فقال قل انما انا بشر مثلکم الخ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے کمال کو ظاہر فرما دیا تو نبی کریم کو حکم دیا کہ وہ تواضع کی شاہراہ پر چلیں چنانچہ فرمایا کہ فرما دو میں آدمی ہونے میں تمہاری طرح ہوں الخ ـــــــ مقالہ نگار کو اس بددیانتی کی ضرورت اسی لئے پیش آئی تاکہ یہ ظاہر نہ ہو کہ یہ کلام سید المتواضعین کی زبان سے بطور تواضع ادا کرایا گیا ہے

ـــــــ حضرت عبداللہ ابن عباس سے بھی یہی روایت ہے کہ یہ کلام تواضعاً ارشاد فرمایا گیا ہے۔ تفسیر نیشاپوری میں بھی یہی ہے کہ رسول کریم کی زبان سے بطور تواضع یہ کلام ادا کرایا گیا ہے۔ تفسیر خازن و تفسیر بغوی میں بھی حضرت ابن عباس کا قول منقول ہے۔ جلیل القدر مفسرین اس قول پر اعتماد کر کے اس کو نقل فرما رہے ہیں مگر مقالہ نگار کے نزدیک یہ روایت ناقابل پذیرائی ہے۔ شاید اسلئے کہ اسمیں نبی کریم کو اپنا جیسا کہنے کی راہ نہیں ملتی ـــــــ مقالہ نگار نے انکساری و فروتنی کو حقیقت و واقعیت سے متصادم قرار دیا ہے اور تواضع کی یہ تعریف کی ہے کہ خلاف واقعہ اور نفس الامر کے غیر مطابق بات کا اظہار تواضع ہے ـــــــ حالانکہ تواضع کا خلاف واقعہ بات کے اظہار سے کوئی تعلق نہیں اسلئے کہ تواضع کی دو صورت ہے ایک فعل سے دوسرے قول سے۔ فعل کے ذریعہ فروتنی و انکساری کا اظہار فعلی تواضع ہے۔ اور اپنی بڑائی نیز اپنے کمالات و خصوصیات کے ذکر کو چھوڑ کر اپنی اُن صفات کو بیان کرنا جو بادی النظر میں کوئی انفرادیت نہ رکھتی ہوں بلکہ اس میں عام لوگوں سے بظاہر مماثلت نظر آتی ہو خواہ یہ صفات اس شخص میں فی الواقع موجود ہوں ـــــــ یا ـــــــ موجود تو نہ ہوں مگر وہ اسے علم و یقین کی روشنی میں انھیں اپنی ذات میں موجود سمجھتا ہو ـــــــ یہ قولی تواضع ہوئی ـــــــ لہذا ـــــــ تواضع کے تعلق سے مقالہ نگار کی ساری گفتگو اس کے غایت جہل کی دلیل ہے ـــــــ یہ بھی خیال رہے کہ جو شخص تواضعاً کوئی کلام نکالتا ہے تو اس کلام کے نکالنے کا حق صرف اسی فرد کو رہتا ہے جس نے تواضعاً اُسے ادا کیا ہے اب اگر کوئی دوسرا شخص اُسی لفظ کو اس کیلئے استعمال کر دے تو اسے کھلی ہوئی بے ادبی اور بدتمیزی سے تعبیر کیا جائے گا ـــــــ مثلاً ـــــــ مولوی حسین احمد ٹانڈوی زندگی بھر اپنے کو "ننگ اسلاف" کہتے رہے اب خواہ وہ واقعی "ننگ اسلاف" ہوں یا صرف اپنے علم و یقین سے اپنے کو ایسا سمجھ رہے ہوں دونوں صورتوں میں اگر یہی لفظ کوئی دوسرا ان کے لئے استعمال کر دے تو امت دیوبندیہ اُسے بے ادبی پر محمول کئے بغیر نہ رہے گی ـــــــ المختصر ـــــــ مفسرین کرام کا یہ فرمانا کہ حضور نے یہ تواضعاً فرمایا ہے اسلئے نہیں ہے کہ اس فرمان کی واقعیت میں شک کیا جائے بلکہ اس لئے ہے کہ رسول کریم کو "صاحب بشرۃ" اور آدمی ہونے میں مخاطبین کے مماثل جاننے اور ماننے کے باوجود کسی غیر رسول کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ آپ کو مخاطبین کی طرح کہے اسلئے کہ اس کا ایسا کہنا یقیناً بارگاہ رسالت میں بہت بڑی بے ادبی ہے ـــــــ بیان عقیدہ اور دریافت مسائل کے احکام اور ہیں ان کے سوا عام گفتگو میں نبی کریم کو بشر یا انسان کہہ کر پکارنا یا ـــــــ دوسرے برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اور اگر اہانت کی نیت ہو تو کفر ہے ـــــــ قرآن نے واضح لفظوں میں ارشاد فرما دیا ہے کہ رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ـــــــ خیال رہے کہ نبی کریم کو بشر ماننا اور ہے اور آپ کو کہنا اور ہے دونوں کے احکام الگ الگ ہیں ـــــــ اسلئے کہ بے شمار حقائق ایسے ہیں جو مانے جاتے ہیں مگر کہے نہیں جاتے ـــــــ مثلاً ـــــــ

رب تبارک وتعالیٰ مالک السموات والارض اور خالق کل شئ ہے ـــــــ ہے کوئی کائنات میں ایسی چیز جس کا وہ خالق و مالک نہ ہو؟ رب تعالیٰ کو ذرہ ذرہ پتہ پتہ قطرہ قطرہ دریا دریا صحرا صحرا گوشہ گوشہ محفل محفل الغرض ہر ہر چیز کا خالق و مالک ماننا ضروری ہے ـــــــ بایں ہمہ ـــــــ اس کی مخلوقات و مملوکات میں بعض چیزیں ایسی ہیں اگر صراحۃً خدا کو ان کا خالق و مالک کہا جائے تو کفر ہو جائے ـــــــ خالق و مالک نہ مانو تو کافر اور مان کر کہدو تو کافر گو دونوں کے کفر کی وجہ الگ الگ ہے ـــــــ مثلاً ـــــــ اگر کوئی نادان بک دے کہ "خدا میرے سنڈاس کا مالک ہے" ـــــــ یا ـــــــ "خدا خنزیر کا خالق ہے" تو وہ کافر ہو جائے گا ـــــــ دیکھا آپ نے نفس الامر میں ان باتوں کی صحت کا کوئی بھی مقام ہو مگر ایک ذلیل مملوک و مخلوق کی طرف نسبت میں جو شناعت وقباحت ہے اس نے اس قول کو کفریہ اور قائل کو کافر بنا دیا ـــــــ معلوم ہوا ماننا اور ہے کہنا اور ہے ـــــــ یوں ہی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان قطرۂ ناپاک سے پیدا ہوا ـــــــ مگر ـــــــ ہو جرأت تو کہدیجئے کسی انسان کو "اے قطرۂ ناپاک سے پیدا ہونے والے" پھر آپ خود ہی دیکھ لیں گے کہ ماننا اور ہے کہنا اور ہے ـــــــ اختلاف رسول کریم کو بشر ماننے میں نہیں ہے بلکہ آپ کو بشر کہنے اور آپ کی بشریت کو بالکل اپنی بشریت کی طرح سمجھنے میں ہے ـــــــ مقالہ نگار قرآن وحدیث سے نکال کر کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا جسمیں رسول کریم نے یا کسی نبی نے اپنے ماننے والوں سے کہا ہو کہ میں تمھاری طرح بشر ہوں ـــــــ یا ـــــــ کسی ماننے والے نے اپنے نبی سے کہا ہو کہ آپ میری طرح یا میں آپ کی طرح بشر ہوں ـــــــ ہاں اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ انبیاء نے کفار سے کہا کہ آدمی ہونے میں ہم تمھاری طرح ہیں اور کفار نے انبیاء سے کہا آپ ہماری ہی طرح بشر ہیں ـــــــ اس کے برعکس نبی کریم نے جب مومنین کو مخاطب فرمایا تو "ایّکم مثلی" تم میں ہم جیسا کون ہے۔ "لستُ کاحدٍ منکم" ہم تمھاری طرح نہیں فرما کر اپنی بے مثلیت ہی کا اظہار فرمایا اور صحابہ کرام بہت سے موقعوں پر اینا مثلہ ہم میں حضور کیطرح کون ہے کہکر حضور کی بے مثلی کا خطبہ پڑھتے رہے اور کبھی آیت زیر بحث کو بہانہ بنا کر رسول کو کسی بات میں بھی اپنی طرح ـــــــ یا ـــــــ اپنے کو رسول کی طرح کہنا گوارا نہ کیا۔ امت دیابنہ کو صحابہ کرام کے اس طرز عمل سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

ـــــــ لطف کی بات تو یہ ہے کہ اب خود بعض دیوبندی مولوی بھی حضرات علماء اہلسنت کے موقف کی صحت کو تسلیم کر چکے ہیں چنانچہ مولوی مفتی محمد شفیع سرگودھوی اپنی کتاب کلمۃ الایمان کے صفحہ ۲۲ پر رقم طراز ہیں۔

" انبیاء علیہم السلام کو خصوصاً سرور انبیاء کو صرف لفظ بشر سے یاد نہ کیا جائے بلکہ خیر البشر یا افضل البشر سے ذکر کرے زیادہ بہتر یہی ہے کہ سنت اللہ کے مطابق حضور علیہ السلام کو القاب عالیہ سے یاد کرے "

ارشاد قرآنی "انّما انا بشر مثلکم" میں مذکور لفظ انّما سے جو حصر مستفاد ہوتا ہے مقالہ نگار نے اسے حصر حقیقی سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اس بات کی وضاحت کے لئے یہ تفصیل پیش نظر ہے۔ حصر کی دو قسمیں ہیں ایک حصر حقیقی اور دوسرا حصر اضا[فی] ان دونوں حصروں کی دو۔ دو صورتیں ہیں ایک حصر الموصوف علی الصفۃ [اور] دوسری حصر الصفۃ علی الموصوف۔ اب اگر ہم ارشاد قرآنی کے حصر کو حقیقی مان کر حصر الموصوف علی الصفۃ کا گوشہ اختیار کریں تو آیت کا معنی یہ ہو[گا] "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم صرف بشر ہیں" حالانکہ یہ بات غلط ہے اسلئے کہ آپ [نبی] بھی ہیں رحمۃ اللعالمین بھی ہیں اور خاتم النبیین وغیرہ بھی ـــــــ اور ا[گر] حصر حقیقی مانتے ہوئے حصر الصفۃ علی الموصوف کی صورت اختیار کریں تو حاص[ل] ارشاد یہ ہوگا کہ

نہیں ہے کوئی بشر مگر رسول

یہ بھی باطل ہے۔ الغرض بشریت کو ذات رسول کریم میں بطور حصر حقیقی مقصور [و محصور] کرو تو یہ بھی غلط اور اسی حصر حقیقی کے بنیاد پر ذات رسول کریم کو بشریت میں [محصور] و مقصور کرو یہ بھی باطل ـــــــ لہٰذا متعین ہو گیا کہ یہاں حصر سے حصر اضافی [یعنی] صرف کسی غیر کی نسبت سے حصر کرنا مراد ہے اور چونکہ کلمہ حصر کے قریب موصوف ہے صفت نہیں ہے۔ لہٰذا حصر اضافی کی حصر الموصوف علی الصفۃ والی صورت ہی [مراد] ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں حاصل ارشاد یہ ہوگا

" بہ نسبت الوہیت وملکیت کے نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مگر صرف بشر والے مخاطبین کی طرح یعنی جس طرح مخاطبین خدا یا فرشتہ نہیں یوں ہی آنحضرت بھی خدا یا فرشتہ نہیں ہیں۔"

تفسیر فتح القدیر کی یہ عبارت کہ "حالی مقصور علی البشریۃ لا یتخطاھا الی الملکیۃ" یعنی میرا حال تو صرف بشریت میں منحصر ہے بشریت کو عبور کرکے ملکیت میں داخل نہیں ـــــــ نیز ـــــــ تفسیر نیشاپوری کا یہ جملہ کہ حالہ مقصور علی البشریۃ لا یتخطاھا الی الملکیۃ یعنی آپ کا حال بشریت میں منحصر ہے اسے عبور کرکے ملکیت میں داخل نہیں۔ اس بات پر نص صریح ہے کہ یہاں حصر بالنسبۃ الی الملکیۃ ہے یعنی حصر اضافی ہے اور اگر آیۃ "یوحی الیّ" کو پیش نظر رکھکر حصر بالنسبۃ الی الالوھیۃ ہو ـــــــ یا ـــــــ الوہیت وملکیت دونوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں

قل انما انا بشر مثلکم کا مطلب روح البیان میں حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی نے یہ فرمایا ہے

قل یا محمد ما انا الا آدمی مثلکم فی الصورۃ ومساویکم فی بعض الصفات البشریۃ

اے محمد فرما دو میں نہیں ہوں مگر تم جیسا آدمی صورت میں (نہ کہ حقیقت و ماہیت میں) اور بعض صفات بشری[ہ] (نہ کہ کل صفات بشری) کے ظہور میں تم جیسا ہو[ں]

—— یعنی تم جن جن صفات بشریہ کے حامل ہو اُن میں سے بعض کا ظہور میری ذات سے بھی ہوتا ہے گو دونوں کی حقیقت و ماہیت میں فرق ہے مگر بظاہر دیکھنے میں دونوں ایک طرح ہیں —— صاحب تفسیر روح البیان سورۃ مریم میں کھیعص کے تحت صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں صورت بشری، صورت ملکی اور صورت حقی۔ صورت بشری کا ذکر انما انا بشر میں ہے اور صورت ملکی کا ذکر لی مع اللہ وقت لایسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل میں ہے یعنی بعض وقت ہمکو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ اسمیں نہ مقرب فرشتے کی گنجائش ہے اور نہ نبی مرسل کی۔ رہ گئی صورت حقی تو اسکا ذکر من رأنی فقد رأی الحق میں ہے یعنی جس نے ہمکو دیکھا حق کو دیکھا —— اس وضاحت کی روشنی میں پتہ چلا کہ آیت زیر بحث میں رسول کریم کی صرف ایک صورت کا ذکر ہے —— رہ گئی آپ کی مخاطبین سے مماثلت تو وہ تو اسی صورت بشری کے ظاہر میں ہے نہ کہ حقیقت و ماہیت میں اسلئے کہ رسول کریم کی بشریت وہ ہے جو ہزار ہا جبریلی حیثیت سے اعلیٰ ہے

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر ۔ بہر حق سوئے غریباں یک نظر

معراج میں سدرہ کے اوپر جانے سے سید الملائکہ کو اپنا بازو جل جانے کا اندیشہ ہوا لیکن رسول کی بشریت مقام قاب قوسین او ادنیٰ تک پہونچ گئی اور اسکی پلک بھی نہ جھپکی —— غور کرو سدرہ کے اوپر جانے سے سید الملائکہ، حامل وحی الٰہی، معصوم فرشتہ، نوری مخلوق کے بازو جل جائیں اور مکہ کی سرزمین پر چلنے والے جامۂ بشری میں ملبوس رسول کے دامن پر داغ نہ لگے کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ میرے رسول کی بشریت کی وہ حقیقت نہیں جو عام انسانوں کی بشریت کی ہے ——

مولانا روم نے اس سلسلے میں خوب فیصلہ فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ "کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر ایک جیسے بشر ہیں ہم اور وہ دونوں کھانے اور سونے سے وابستہ ہیں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت فرق ہے۔ زنبور اور شہد کی مکھی ایک ہی پھل چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دو طرح کے ہرن ایک ہی دانہ و پانی کھاتے ہیں ایک سے غلاظت اور دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے۔ نبی کے کھانے سے نور خدا بنتا ہے" —— قل انما انا بشر مثلکم کے مفہوم و معنی کی وضاحت کے سلسلے میں اب تک جو کچھ کہا گیا ہے نیز امام احمد رضا نے جو اس کا ترجمہ فرمایا ہے اس میں اصحاب تاویل کے مسلک سالم کی رعایت ہے —— رہ گیا اہل تفویض کا مسلک اسلم تو اگر اس پر گفتگو کی بنیاد رکھی جائے پھر تو اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ چونکہ آیت زیر بحث متشابہات میں سے ہے اسلئے جو ظاہر ہے وہ مراد نہیں اور جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں خدا یا اس کے بتانے سے رسول ہی اسکی مراد کو جانیں۔ جس طرح کہ ید اللہ فوق ایدیھم اور مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح سے جو ظاہر ہے وہ مراد نہیں اور جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں —— جب کسی ارشاد کا ظاہر مراد لینے سے شان والے کی شان گھٹ رہی ہو تو اسکا متشابہات سے ہونا متعین ہو جاتا ہے —— شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ جلد اوّل باب سوم وصل ازالہ شبہات میں واضح طور پر قل انما انا بشر مثلکم کو متشابہات میں شمار کرایا ہے —— اب مقالہ نگار کا اس آیت کریمہ کے ظاہر سے دلیل پکڑنا اصولاً غلط اور اس کے کمال جہالت کی دلیل ہے —— اس آیت کو متشابہات میں شمار کرنے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ بقول جمہور مفسرین و سیاق کلام الٰہی "مثلکم" کا خطاب کفار سے ہے پھر تو کوئی ناپاک انسان بھی حضور کو کفار کیطرح کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کے ظاہر کا مراد نہ ہونا اور مراد کا ظاہر نہ ہونا ہی صحیح و درست ہے —— مگر جو زائغین ہیں اور اپنے دل میں کجی رکھتے ہیں وہ کیوں مسلک سالم یا راہ اسلم کو اپنانے لگے انھیں تو وہی کہنا ہے مقالہ نگار جسے ثابت کرنے کے درپے ہے۔ مقالہ نگار کے طرز استدلال کو اگر بہ نظر استحسان دیکھا گیا تو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آگے بڑھ کر یہ دعویٰ نہ کر دے کہ "اللہ ہماری طرح موجود ہے —— یا یہ کہ —— "اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے" اسلئے کہ کلمۂ موجود یوں ہی لفظ سمیع و بصیر ہر جگہ بولا جاتا ہے —— حالانکہ —— ہماری موجودیت و سماعت و بصارت اور رب کی موجودیت وغیرہا میں کوئی نسبت ہی نہیں —— اسی طرح یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ بول پڑے "میری کتاب قرآن کی طرح ہے" کیوں کہ دونوں ایک ہی روشنائی سے ایک ہی طرح کے کاغذ پر ایک ہی قسم کے حروف تہجی سے تیار ہوئیں ایک ہی پریس میں چھپیں، دونوں کے اوراق و صفحات کی تعداد بھی ایک ہی ہے اگر ترازو پر وزن کیا جائے تو وزن بھی ایک ہی ہے۔ طول و عرض و عمق سب میں برابر ہیں دونوں کا کاتب بھی ایک ہی ہے۔ ایک ہی جلد ساز نے اور ایک ہی طرح کی جلد باندھی ہے اور اسوقت ایک ہی طرح کے جزدان میں ایک ہی الماری کے ایک ہی خانہ میں رکھی ہوئی ہیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے؟ —— حالانکہ —— یہ حقیقت اپنی جگہ ثابت ہے کہ ان ظاہری باتوں کو دیکھ کر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ہماری کتاب قرآن کی طرح ہو گئی۔ پھر غور کرو کہ ہم صاحب قرآن کے مثل کس طرح ہو سکتے ہیں ——

اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن شریف ہی میں ہے "وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم" نہیں ہے کوئی جانور زمین میں اور نہ کوئی پرندہ جو کہ اپنے بازوؤں سے اڑتا ہو مگر تمھاری طرح امتیں ہیں۔ دیکھئے یہاں بھی لفظ "امثالکم" موجود ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر انسان گدھے اور اُلّو کی طرح ہے؟ —— کیا مقالہ نگار اسبات کی اجازت دیگا کہ "اُھم امثالکم" کے پیش نظر اسکو اور اسکی پوری جماعت دیوبندیہ کو جماعتی اعتبار سے گدھوں اور اُلوؤں کی طرح کہا جائے؟ اور اگر نہیں اجازت دیگا تو جواب دے کہ کیا اسکی اور اس کی جماعت کی ناموس و عزت اللہ کے محبوب، خلیفۃ اللہ الاعظم کی ناموس و عزت سے بھی بڑھ گئی کہ "بشر مثلکم" کا لفظ دیکھا اور رسول کو اپنی طرح کہنا شروع کر دیا —— ارے نادان انسان اور دیگر حیوان میں صرف ایک درجے کا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ناطق ہے اور دوسرے حیوان ناطق نہیں اس کے سوا جوہریت، جسمیت، قوت نمو، احساس، حیوانی ضروریات تمام باتوں میں انسان دوسرے حیوانوں کا شریک ہے

مگر صرف ناطق ہونے نے اسمیں اور دیگر حیوان میں جوہری اور ذاتی فرق ڈال دیا ـــــــ اور ایسا فرق ـــــ کہ اس قدر وجوہ مماثلت کے باوجود نہ کوئی حیوان اپنے کو انسان کی طرح کہہ سکتاہے اور نہ کوئی انسان اپنے کو حیوان کی طرح کہنا گوارا کر سکتاہے۔ اس حقیقت کا اندازہ لگانا ہو تو مقالہ نگار اپنے دار العلوم کے کسی ادنی چپراسی کو بھی گدھے اور الو، کتا اور خنزیر کی طرح کہہ کر دیکھ لے۔ جب ادنیٰ انسان ان تشبیہات کا متحمل نہ ہوگا پھر تو دار العلوم کے مہتمم صاحب کی شان تو بڑی ہے وہ بھلا کیسے گوارا کریں گے کہ انھیں جانوروں کیطرح کہا جائے ـــــ جب معاملہ یہ ہے کہ صرف ایک درجہ کے فرق کا بھی لحاظ کیا جاتاہے پھر تو نبی کو امتی کیطرح یا عام بشر کیطرح کہنے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتاہے اسلئے کہ نبی و امتی کے مابین بے شمار مراتب کا فرق ہے پھر عام بشر اور مصطفی علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کہ کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے ـــــ المختصر ـــــ جس طرح لفظ موجود خدا کیلئے بھی استعمال کیا جاتاہے اور ہمارے لئے بھی حالانکہ دونوں کی موجودیت کی حقیقت جداگانہ ہے ـــــ یوں ہی ـــــ لفظ بشر نبی کے لئے بھی استعمال کیا جاتاہے اور ہمارے لئے بھی مگر دونوں کی بشریت کی ماہیت علیحدہ ہے ـــــــ میں تو مقالہ نگار کو اس کی جماعت میں اس وقت سورما سمجھوں جبکہ وہ نفس بشریت کے لحاظ سے اپنے کو ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید ابن مغیرہ اور فرعون و نمرود کی طرح قرار دے۔ اور اُسے ایسا کرنا ہی چاہئے اس لئے کہ اس کے خیال میں جو وجہ مماثلت رسول کو اپنی طرح کہنے کیلئے ہے بالکل وہی وجہ مماثلت اس کو فرعون و نمرود اور ابوجہل وغیرہ کی طرح بناتی ہے ـــــ اب اگر اس کو ابوجہل کی طرح آدمی کہنا اسکی توہین ہے تو پھر سید المرسلین کو اس کی طرح بشر کہنے میں آپ کی توہین کیوں نہیں؟ امت دیابنہ جس بنیاد پر رسول کو ببانگ دہل اپنی طرح بشر کہنے کی عادی ہے اسی بنیاد کے موجود رہتے کے باوجود اس کا اپنے کو ابوجہل کی طرح نہ کہنا بتا رہاہے ان کا سارا جھگڑا رسول کریم ہی کی عزت و ناموس سے ہے اور تقدیس رسالت کو مسلسل مجروح کرنے کی جد و جہد کرنا ان کا مشن ہے۔ کیا ان نادانوں کو یہ نہیں معلوم کہ ان کی خفیف الحرکاتیاں تقدیس رسالت کے دامن کو داغدار نہ کر سکیں گی اسلئے کہ ناموس رسالت کا محافظ خدائے عز و جل ہے ـــــــ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا خالی از فائدہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے بعض وقت حضرت جبرائیل کو بھی بشری صورت اختیار کرنے کا حکم دیاہے۔

چنانچہ حضرت جبرائیل جب حضرت مریم کے پاس آئے تھے تو بشر ہی کی صورت میں تھے قرآن نے ان کے لئے "بشرًا سویًا" کا لفظ بھی استعمال فرمایا ـــــ یوں ہی ـــــ حدیث جبرائیل سے پتہ چلتاہے کہ صحابہ کی موجودگی میں بارگاہ رسول میں حضرت جبریل آدمی کی صورت میں آئے حضرت عمر نے لفظ رجل کا انھیں مصداق قرار دیتے ہوئے فرمایا "طلع علینا رجل"۔ اور جب جب آپ نے بشری صورت اختیار کی تو آپ کی ذات سے بعض بشری آداب و خصائل اور بشری انداز و ادا کا ظہور بھی ہوا اور آپ کو بشر و رجل کے لفظ کا مصداق بھی ٹھہرایا گیا اور بالفرض اگر حضرت جبریل لاکھ برس اُسی صورت بشری میں رہتے تو لاکھ برس تک بشر ہی کہا جاتا ـــ اس کے باوجود انکی بشریت کی حقیقت وہ نہ ہوتی جو ہم انسانوں کی بشریت کی حقیقت ہے۔ شیطان کو بھی اللہ نے ... میں آنیکی قوت عطا فرمائی ہے اور وہ بسا اوقات جامہ بشری میں آیا بھی مگر جب جب آیا اس کے لئے لازم ہو گیا کہ جب ... صورت میں رہے بشریت کے بعض تقاضوں کو اپنائے رہے چنانچہ وہ اس پر ہمیشہ مجبور ... شیطان کو خوب معلوم ہے کہ جب بشر کی ہدایت کے لئے بشری لباس ہی میں ہادیوں کا آنا ... ہوا تو پھر ان کو گمراہ کرنے کے لئے بھی اسی لباس کو اختیار کرنا زیادہ سود مند ہے ـــــ اس کے لباس بشری میں آنے کا ایک واقعہ بہت ہی مشہور ہے جبکہ اس نے اپنی پسند کے مطابق شیخ نجدی کا روپ دھارن کیا تھا۔ یہ وہ موقع تھا جب مکہ کے دار الندوہ میں سارے بڑے بڑے ندوی جمع ہو کر باہمی مشورے کر رہے تھے۔ چونکہ شیطان نے انسان کی صورت اختیار کر لی تھی اسلئے اب وہ وہاں اس طرح نہیں جا سکتا تھا جس طرح وہ ہر جگہ پہونچا کرتاہے بلکہ اُسے انسانیت کے تقاضے کو اپناتے ہوئے انسانوں ہی کی طرح جانا ہے، دروازہ کھٹکھٹانا ہے اور جب دروازہ کھل جائے جب ہی اندر داخل ہوناہے اور چونکہ اس نے بوڑھے کی صورت اختیار کی تھی تو اُسے لاٹھی بھی ٹیکنا پڑ گیا اور اگر بالفرض وہ اسی لباس کو ہزار برس تک اپنائے رہتا تو اس کو ہزار برس تک شیخ نجدی ہی کہا جاتا اور اُسے بعض انسانی تقاضوں اور انسانی آداب و اطوار کو اپنائے رکھنا ضروری ہوتا ـــــ بایں ہمہ ـــــ ہزار برس تک بھی اسکی بشریت کی وہ حقیقت نہ ہوتی جو دوسرے انسانوں کی بشریت کی ہے ـــــ پھر خدا کا حبیب جو خلقت میں اوّل ہے بعثت میں آخر ہے نبوت میں ظاہر ہے اور حقیقت میں باطن جس کا نور اصل کائنات ہے۔ جو نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا اور جو نہ ہوگا تو کچھ نہ ہوگا جس نے خود فرمایا "یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی" اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ اگر صرف تریسٹھ برس تک بشری صورت میں ہمارے سامنے چلے پھرے کھائے پئے بعض بشری آداب و اطوار کو اپنائے وغیرہ وغیرہ تو اس کی بشریت کی حقیقت دوسرے ہم جیسے انسانوں کی بشریت کی حقیقت کی طرح کیسے ہو گئی؟

ـــــ ان تمام مباحث کو بغور دیکھ لینے کے بعد امام احمد رضا کے ترجمے کی اہمیت کا اندازہ لگتاہے کہ اس قدر طویل بحث و تمحیص کے بعد جو حقیقت سامنے آئی اس کو امام احمد رضا نے اپنے ترجموں کے مختصر سے فقروں میں سمو دیاہے اور اس احتیاط سے یہ کام انجام دیا کہ نہ اسلامی عقیدے پر آنچ آئی، نہ بارگاہ رسالت کے آداب میں کوئی فرق ہوا، نہ ... کی پیشانی پر کوئی شکن پڑی، نہ اصحاب تاویل کی روش پر ارشاد ربانی کے مقصود کا دامن ہاتھ سے چھوٹا نہ اصولی اور لغوی حقائق سے روگردانی کی اور نہ ہی اولیاء کاملین اور ... متقدمین کے راستے سے ہٹے۔ بے شک ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ۔ "ترجمے میں عقیدے کی پیشکش" کی سرخی لگا کر کالم نگار نے جو دو دعوے کئے اسمیں ایک دعوے کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اب آئیے دوسرے دعوے کی طرف توجہ کیجئے دوسرے دعوے کا حاصل یہ ہے

"فاضل بریلوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر عالم الغیب کا اطلاق کیاہے اور آپ کیلئے جمیع ما کان و ما یکون کے علوم کا اثبات

کیا ہے "

یہ دعویٰ دو شقوں میں بٹ جاتا ہے ایک کا تعلق لفظ عالم الغیب کے اطلاق سے ہے اور دوسرے کا تعلق جمیع ماکان و مایکون کے علوم کے اثبات سے ہے ـــــ پہلی شق کا جواب تو بہت مختصر ہے اور وہ یہ کہ یہ امام احمد رضا پر بہتان عظیم اور افتراء مبین ہے کہ انھوں نے آنحضرت کی ذات پر مطلقاً عالم الغیب کے لفظ کا اطلاق کیا ہے یا اس اطلاق کو جائز قرار دیا ہے۔ خود فاضل بریلوی اپنی بے نظیر تصنیف الامن والعلی مطبوعہ اقبال الیکٹرک پریس بریلی کے صفحہ ۱۶۵ پر ارشاد فرماتے ہیں

" وجہ ممانعت علم غیب کی اسناد مطلق بے ذکر تعلیم الٰہی عزوجل ہے شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے لمعات میں اس طرف ایما فرمایا"

اسی صفحہ پر آگے چل کر فرماتے ہیں۔

علم غیب بالذات اللہ عزوجل کیلئے خاص ہے کفار اپنے معبودان باطل وغیرہم کیلئے مانتے تھے لہذا مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے سے امور غیب پر انھیں اطلاع ہے "

مذکورہ بالا دونوں تحریروں سے واضح ہو گیا کہ غیر خدا کی طرف علم غیب کی اسناد مطلق نیز اُن پر عالم الغیب کے لفظ کا اطلاق ممنوع و مکروہ ہے۔ ایسی صورت میں امام احمد رضا کی طرف اس اطلاق کرنے کی نسبت کرنا مقالہ نگار کی بد دیانتی کی نشان دہی کر رہا ہے

اب آئیے دوسرے شق (یعنی اثبات علوم ماکان ومایکون) پر غور فرمائیے اس سلسلے میں مقالہ نگار سے دو غلطیاں ہوئی ہیں

پہلی غلطی یہ کہ وہ خدا کے لئے صرف جمیع ماکان و مایکون کا علم مانتا ہے اسی لئے کسی غیر خدا کے لئے جمیع ماکان ومایکون کے علوم کے اثبات میں اُسے اُس غیر خدا کی خدا سے مساوات و ہمسری نظر آتی ہے ـــــ حالانکہ ـــــ جمیع ماکان ومایکون کے علوم علم الٰہی کے سامنے وہ حیثیت بھی نہیں رکھتے جو سات سمندر کے سامنے ایک قطرے کو حاصل ہے علم الٰہی کو گھٹا کر ماکان ومایکون کے حدود میں محدود کر دینا اتنی بڑی جسارت ہے دین و ایمان کی سلامتی کے ساتھ جس کا امکان نہیں ـــــ مقالہ نگار اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ کائنات میں جو ہو چکا وہ بھی محدود اور جو کچھ ہوتا رہے گا وہ بھی محدود اور جو ہو چکا اور جو ہوگا ان سب کا کل بھی محدود ـــــ تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان میں واحصی کل شئ عددا کے تحت واضح لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ "کل شئ" غیر متناہی نہیں ہے بلکہ متناہی ہے۔ لفظ جمیع بھی کل ہی کے معنی میں ہے۔ لہذا خدا کیلئے صرف "کل شئ" کا علم ماننا اس کے لامحدود اور غیر متناہی علوم کو محدود و متناہی قرار دینا ہے ـــــ تو پھر اگر کوئی کسی غیر خدا کیلئے صرف کل شئ بلفظ دیگر جمیع ماکان ومایکون کا علم مان لے تو اس سے غیر خدا کی خدا سے ہمسری کہاں لازم آتی ہے ؟ ـــــ دوسری غلطی ـــ یا ـــ

دانستہ طور پر بد دیانتی مقالہ نگار سے یہ ہوئی ہے کہ اُس نے علوم ماکان ومایکون کو ذات رسالت مآب کے لئے اثبات کو خود فاضل بریلوی کا اپنا ذاتی اختراع قرار دیا ہے حالانکہ اس سلسلے میں فاضل بریلوی نے جو کچھ کہا ہے وہ آیات قرآنیہ کی کھلی تصریحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور محققین علماء اسلام کی تحقیقات کے عین مطابق ہے بلکہ انھیں کی توضیح وتشریح ہے ـــــ مقالہ نگار نے امام احمد رضا کی عظیم المرتبت تصنیف الدولۃ المکیۃ کی ایک عبارت نقل کر دی اور اس کے سارے مباحث سے آنکھیں چرالی۔ الدولۃ المکیۃ کو اگر وہ سمجھ کے پڑھ لیتا تو علم غیب نبوی، علم ماکان ومایکون، علوم لوح محفوظ، علم قرآنی اور علوم خمسہ کے تعلق سے اس پر بہر ہر گوشہ واضح ہو جاتا ـــــ امام احمد رضا کی دوسری تصنیف "ابناء المصطفیٰ" سے بھی اُس نے جو عبارتیں نقل کی ہیں وہ تو محض دعویٰ ہیں ان دعووں کی دلیل میں قرآن وحدیث اور ارشادات علماء سے جو کچھ پیش کیا گیا ہے مقالہ نگار نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا اور خاموشی سے سب سے چشم پوشی کر لی اور اپنی ہی راگ الاپنے لگا ہے "بے حیا باش ہر چہ خواہی کن" مختلف ترجموں کے مابین تقابلی مطالعے کیلئے صرف تراجم وتفاسیر کے اُن حصوں کو سامنے رکھنا کافی تھا جن کا براہ راست ترجمہ قرآن کی صحت و عدم صحت سے تعلق ہو ـــــ مگر مقالہ نگار نے سوچا کہ قرآن کریم کی تفاسیر کی روشنی میں ہم امام احمد رضا کے ترجمے کو غلط نہ ثابت کر سکیں گے تو اس نے بطور تمہید ایک غیر ضروری بحث چھیڑ دی اور اس کو کافی طول دیا مسئلہ علم غیب مصطفیٰ میں دیوبندی اور وہابی مکتبہ فکر سے علماء اہلسنت وجماعت کی تحریری وتقریری معرکہ آرائیاں ہوتی رہی ہیں۔ دیابنہ ہر ہر معرکے میں ذلت و رسوائی سے دوچار ہوتے رہے ہیں مگر جن جن سوالات کے جوابات بار بار تحریراً اور تقریراً دئے گئے اور جن جن شبہات کو بار بار دفع کیا انھیں سوالات وشبہات کو بار بار مقالہ نگار کے مکتبہ فکر کے علماء دہراتے رہتے ہیں اور اسی کو اپنے علم وفضل کا نشان تصور کرتے ہیں ـــــ الدولۃ المکیہ اور ابناء المصطفیٰ کے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے ان کتابوں کو ضرور دیکھا ہے پھر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جن کتابوں میں اس کے تمام سوالات وشبہات کے واضح جوابات موجود ہوں ان کا مطالعہ کر لینے کے بعد بھی اس نے اپنے ذہن وفکر کی اصلاح نہیں کر لی بلکہ انھیں سوالات و شبہات کو اس طرح بیان کرنے لگا گویا اس کو اب تک اس کا جواب ہی نہیں ملا۔ اس کا یہ طرز عمل ہو سکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی چہار دیواری میں داد کے قابل ہو مگر ارباب علم اور اصحاب دیانت اس کو بہ نظر استحسان نہیں دیکھ سکتے ـــــ جو علم غیب مصطفیٰ کے تعلق سے تمام ماله وماعلیہ کو جاننا چاہے اس سے میری گزارش ہے کہ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم مندرجہ ذیل کتابوں کا ضرور مطالعہ کرے ۱۔ الدولۃ المکیہ (عربی) مصنفہ امام احمد رضا ۲۔ ابناء المصطفیٰ مصنفہ امام احمد رضا (اردو) ۳۔ خالص الاعتقاد (اردو) مصنفہ امام احمد رضا ۴۔ الکلمۃ العلیا (اردو) مصنفہ صدر الافاضل مراد آبادی ۵۔ جاء الحق حصہ اول (اردو) مصنفہ مفتی احمد یار خاں صاحب ـــــ اس سلسلے میں علمائے اہلسنت کی اور بھی کتابیں ہیں مگر تحقیق حق کے لئے اسی قدر کافی ہیں ـــ بلکہ ـــ ان میں کا ہر ایک کافی ہے ـــ الکلمۃ العلیا اور جاء الحق کا طرز بیان نہایت آسان ہے۔ عام قارئین بھی اُسے

بخوبی سمجھ سکتے ہیں ـــــ علم غیب کے سلسلے میں مقالہ نگار نے جو تحریری کاوش کی ہے اس پر تنقید و نظر کے بجائے میں سوچتا ہوں کہ چند اصولی باتیں عرض کر دوں تاکہ علم غیب کے سلسلے میں اسلامی موقف واضح طور پر سامنے آجائے ـــــ علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علحٰدہ علحٰدہ احکام ہیں۔

(۱) ۔ (ا) اللہ عزوجل عالم بالذات ہے اُس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔

(ب) حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(ج) حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم حضرت خلیل، حضرت ملک الموت علیہم السلام اور شیطان بھی خلقت میں ـــــ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں انکا انکار کفر ہے۔

(۲) ۔ (ا) اولیاء کرام کو بھی بواسطہ انبیاء کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے بہت سے جزئیات کا علم دیا ـــ

جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بد مذہب ہے کہ صدہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔

(۳) ۔ (ا) حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی۔

(ب) تمام گذشتہ اور آئندہ واقعات جو کہ لوح محفوظ میں ہیں ان کا بھی بلکہ اُن سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔

(ج) حضور علیہ السلام کو حقیقت روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔ اس تیسری قسم میں علماء اہلسنت کا اختلاف رہا ہے اس کے منکر کو کافر تو کیا گمراہ بھی نہیں کہہ سکتے ـــ ہاں ـــ جو تحقیقاً نہیں بلکہ عناداً انکار کرے وہ یقیناً گمراہ و بے دین ہے ـــــ جس طرح اس تیسری قسم کے منکر کو کافر و گمراہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح اس کے قائلین کو بھی کافر و گمراہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے تو اُسے چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۱) ـــ وہ آیت قطعی الدلالۃ ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں نیز وہ منسوخ نہ ہو۔ اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔

(۲) ـــ اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کہ ہم نے نہیں دیا ـــ یا ـــ حضور علیہ السلام فرمادیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

(۳) ـــ صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں کہ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو ـــــ اسی طرح ـــــ حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ خدا ہی جانے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانت[ا] یا ـــ مجھے کیا معلوم ـــ یا یہ کہ ـــ اگر مجھے معلو[م ہوتا] تو میں یہ کام انجام دیتا وغیرہ کافی نہیں اسلئے کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی [نفی] اور مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے بھی ہوتے ہیں۔

(۴) ـــ جس کے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو ورنہ صفات الٰہ[یہ] اور بعد قیامت کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعویٰ نہیں کرتے۔

اس مقام پر چند باتیں اور ذہن نشین کرلی جائیں

(۱) ـــ رب تبارک و تعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی، مستقل، ازلی، ابدی ہیں۔ جو خدا کی کسی صف[ت] کو ذاتی نہ مانے وہ کافر ہے ـــــ لہٰذا اب جس صفت کو خدا کے لئے ثابت کریں گے اس کا ذاتی ہونا ضروری ہے۔ ذاتی کی قید لفظوں میں بیان کی جائے [یا] نہ کی جائے مگر معنوی طور پر اُسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے ـــــ مثال کے طور پر علم کو لے لیجئے چونکہ خدا کا علم ذاتی ہے اس لئے اب جہاں جہاں خدا کے لئے [علم] ثابت یا مخصوص کیا جائے گا وہ یہی ذاتی علم ہوگا بس اسی علم ذاتی ہی کی نسبت [خدا] کی طرف کیجا سکتی ہے۔

(۲) ـــ غیر خدا سے اگر کسی شے کے علم کی نفی کی جائے اور پھر اُس علم کو خدا کے لئے ثابت [کر] کیا جائے تو پھر وہ [illegible] علم ہوگا جو خدا کے لئے ثابت ہوسکے یعنی علم ذاتی چنانچہ غیر خدا سے اسی علم ذاتی کی نفی [ہوگی] اور خدا کیلئے اسی کا ثبوت ہوگا ـــــ ایسا نہیں ـــــ کہ غیر خدا سے [علم] عطائی کی نفی کی جائے اور اُسی علم عطائی کو خدا کے لئے ثابت کر دیا جائے اس[لئے] کہ علم ہی کیا خدا کی کسی صفت کو بھی عطائی قرار دینا کفر ہے ـــــ جس طرح کہ غیر خدا کی کسی صفت کو ذاتی سمجھنا کفر ہے۔

(۳) ـــ غیر خدا سے علم ذاتی کی نفی سے ـــ یا ـــ خدا کے لئے علم ذا[تی] کے اثبات و تخصیص سے غیر خدا کے علم عطائی کی نفی نہیں ہوتی۔

(۴) ـــ کسی چیز کا نفس علم برا نہیں ـــ ہاں ـــ بری باتوں کو کرنا ـــ یا ـــ ان کو کرنے کے لئے سیکھنا برا ہے ـــ ہاں۔ بعض علوم بعض دوسرے علوم [سے] افضل ہیں مگر فی نفسہ کوئی علم برا نہیں ـــــ اگر بری چیزوں کا علم برا ہوتا [اور] اس علم سے کوئی عیب دار ہوجاتا پھر تو خدا کو بھی ان باتوں کا علم نہ ہوتا اس[لئے] کہ خدا کی تقدیس و تنزیہ تو وحدہ لاشریک ہے۔

(۵) رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور بو ناک سے سونگھی جاتی ہے اور لذت زبان [سے] معلوم کی جاتی ہے اور آواز کان سے محسوس ہوتی ہے تو رنگت زبان و کان کے [لئے] غیب ہے اور بو آنکھ کے لئے مغیب تو اگر کوئی اللہ کا بندہ بُو اور لذت کو [ان] کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے تو وہ بھی علم غیب ہے جیسے کہ قیامت میں [ان] شکلوں میں اعمال نظر آئیں گے اگر کوئی اُن شکلوں میں یہاں دیکھ لے تو یہ

غیب ہے ـــــــ اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے کی وجہ سے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب ہے ـــــــ اسی طرح اگر کوئی ہندوستان کے کسی شہر میں رہ کر مکہ معظمہ یا دور دراز ملکوں کو مثل کف دست دیکھے یہ سب علم غیب میں داخل ہیں۔

(۶) ـ علم غیب کی ذکر کردہ تین صورتوں میں چونکہ ہر صورت کے احکام الگ الگ ہیں لہذا ہر صورت کے ثابت کرنے والے دلائل کا معیار بھی الگ الگ رہے گا مثلاً ـــــــ وہ عقیدہ جو پہلی صورت کے ضمن میں آتا ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نصوص کی ضرورت ہے ـــــــ اس کے برعکس وہ عقائد جو دوسری صورت کے ضمن میں ہیں۔ ان کو ثابت کرنے کے لئے اتنے قوی دلائل کی ضرورت نہیں بلکہ دلائل ظنیہ اور احادیث صحیحہ سے وہ ثابت ہوجائیں گے۔ رہ گئے تیسری صورت کے ضمن میں ذکر کردہ عقائد ان کا تعلق سراسر فضائل سے ہے جن کو ثابت کرنے کے لئے ضعیف حدیثیں بھی کافی ہیں ـــــــ مثلاً رسول کریم کے علم قیامت، علم حقیقت روح اور قرآنی متشابہات نیز لوح محفوظ کے تمام مندرجات کے علوم کا تعلق آپ کے فضائل سے ہے لہذا ان کے ثبوت کے لئے ایسے دلائل کا مطالبہ جو پہلی صورت یا دوسری صورت کے ضمن میں آنے والے عقائد کے لئے ضروری ہیں غایت جہل کی دلیل ہوگی ـــــــ اور چونکہ اس تیسری قسم کے بعض عقائد میں خود علمائے حق کے مابین اپنی اپنی تحقیقات کی روشنی میں اختلاف ہوسکتا ہے لہذا اس پر بحث کرتے وقت صرف منکرین کے اقوال کو چھانٹ چھانٹ کے پیش کردینا اور قائلین کے ارشادات سے چشم پوشی کرلینا دیانت تحقیق کے خلاف ہے ـــــــ مقالہ نگار نے جس کا بڑا ہی شاندار مظاہرہ کیا ہے ـــــــ مذکورہ بالا تمام اصولی باتوں کو سامنے رکھ کر جو کتب تفاسیر و احادیث نیز ارشادات علماء کی چھان بین کرے گا وہ انشاء المولیٰ تعالیٰ شاہراہ اعتدال ہی پر رہے گا اور مقالہ نگار جیسے شاطروں کی شاطرانہ اداؤں کا شکار نہ ہوگا۔

مقالہ نگار نے رسول کریم کے لئے بے مثال بشریت اور علم ما کان و ما یکون ماننے کو آپ کو آپ کی قدر و منزلت سے بڑھادینا سمجھ لیا ہے اور اس عقیدے کی تعبیر رسول کریم کو حد اعتدال سے بڑھا دینے سے کی ہے ـــــــ اور اس سلسلے میں چند ارشادات رسول بھی پیش کئے ہیں ـــــــ جن کا حاصل یہ ہے کہ "میری تعریف میں اتنا مبالغہ نہ کرو جتنا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں کیا نیز مجھے میرے حقیقی مرتبے سے اونچا مت اٹھاؤ مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی رسول بنانے سے پہلے عبد بنایا ہے۔" ـــــــ اگر مقالہ نگار غور کرتا تو ارشاد مذکور کا مطلب بہت واضح طور پر یہ سمجھ لیتا کہ سرکار رسالت امت کو اس مبالغہ آرائی سے منع فرمارہے ہیں جو عبد کو معبود کا شریک بنادے بلفظ دیگر عبد اللہ کو اللہ یا ابن اللہ بنادے یہی وہ مبالغہ آرائی اور حد اعتدال سے تجاوز تھا جو عیسائیوں نے کیا اور اسی سے سرکار عربی اپنے ماننے والوں کو روک رہے ہیں ـــــــ رسول کریم کا اپنی عبدیت پر اصرار ابنیت ہی کی نفی کے لئے ہے کہ جو عبد اللہ ہوگا وہ ابن اللہ نہیں ہوسکتا اور چونکہ صرف لفظ عبد اللہ کے ذکر سے بظاہر دوسرے عام بندوں سے اشتراک و مساوات کا واہمہ ہوسکتا تھا اسلئے عبد اللہ کے ساتھ رسول اللہ کی بھی قید لگادی تاکہ جہاں آپ کو عبد اللہ کہنے والا آپ کو ابن اللہ نہ کہہ سکے وہیں رسول اللہ کہنے والا اپنا جیسا بھی نہ سمجھ سکے ـــــــ کاش کہ مقالہ نگار میرے رسول کی شان عبدیت کو سمجھ سکتا اس سلسلے میں مولوی بدر عالم میرٹھی نے ترجمان السنۃ جلد سوم ص۲۳۵ میں امام العارفین شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ

"مقام عبدیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام ہے ایک مرتبہ مجھ پر سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لاسکا اور قریب تھا کہ جل گیا ہوتا"

اللہ اکبر کیا شان عبدیت ہے۔ بھلا کیا نسبت ہے اس رفیع المنزلت عبدیت کاملہ سے ہم جیسوں کی عبدیت کو ـــــــ مقالہ نگار نے اس سلسلے میں جو حدیثیں نقل کی ہیں اس پر غور نہیں کیا وہ حدیثیں خود سرکار عربی کی شان عبدیت کے امتیاز کو نمایاں کررہی ہیں۔ چنانچہ انھیں منقولہ روایات میں سے ایک روایت یہ ہے۔

فان اللہ قد اتخذنی عبدًا قبل ان یتخذنی نبیًّا — کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا ہے۔

حدیث نے واضح کردیا کہ عبدیت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی نبوت پر مقدم تھی اور بشریت کی بحث میں یہ میں ثابت کرچکا ہوں کہ آپ کی نبوت آپ کی بشریت پر مقدم تھی اس لئے کہ اس کا وجود ابوالبشر کے وجود سے پہلے ہی ہوچکا تھا۔ چنانچہ جب حضور سے دریافت کیا گیا متی وجبت لک النبوۃ حضور کے لئے نبوت کس وقت ثابت ہوئی آپ نے فرمایا وآدم بین الروح والجسد جب آدم روح و جسم کے درمیان تھے۔ اس حدیث کو حاکم، بیہقی، ابونعیم، اور ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔ الفاظ روایت ترمذی کے ہیں جنھوں نے افادۂ تحسین کے ساتھ اسے روایت کیا ہے ـــــــ نیز اسی حدیث کو امام احمد نے مسند میں امام بخاری نے تاریخ میں، ابن سعد و حاکم اور بیہقی و ابونعیم نے حضرت میسرہ سے اور طبرانی و بزاز و ابونعیم نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے اور ابو نعیم نے حضرت فاروق اعظم سے نیز ابن سعد نے حضرت ابن ابی الجدعاء و حضرت مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر اور حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بآسانید متباینہ و الفاظ متقاربہ روایت کیا ہے۔ امام عسقلانی نے کتاب الاصابۃ میں حدیث میسرہ کی نسبت فرمایا ہے "سندہ قوی" اس کی سند قوی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی مدارج النبوۃ ص۲ میں محل استناد میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ کنت نبیا و آدم

لمنجدل فی طینتہ میں اسی وقت نبی تھا جب آدم آب وگل کی منزلیں طے کر رہے تھے اس حدیث کی نقل سے پہلے متصلاً حضرت شیخ فرماتے ہیں "اوست در نبوت" یعنی حضور نبوت میں اوّل ہیں۔ خود مولوی قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس ص۷ پر مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے اور اُسے مقام استشہاد اور محل استناد میں رکھاہے کنت نبیا و آدم بین الماء والطین میں نبی تھا درانحالیکہ آدم آب وگل میں تھے ـــــــ ان نصوص نے یہ بھی واضح کر دیا کہ رسول کریم کے آخری نبی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو نبوت سب کے آخر میں دی گئی اس لئے کہ نبوت میں تو آپ اوّل ہیں ہاں آپ کا ظہور سب کے آخر میں ہوا اور اب آپ کے عہد میں نیز آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ـــــــ الحاصل ـــــــ نبی کریم کی عبدیت آپ کی نبوت پر مقدم ہے اور آپ کی نبوت آپ کی بشریت پر مقدم ہے ـــ نیز آپکی بشریت آپکی بعثت و رسالت پر مقدم ہے لہذا ـــ پہلے آپ عبد ہوئے پھر نبی پھر بشر پھر رسول ـــــ بعض اولیاء کاملین نے غیر مبہم لفظوں میں رسول عربی کی عبدیت کو آپ کی رسالت پر افضل قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو تفسیر روح البیان اور الحقیقۃ المحمدیہ مصنفہ شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی)

ـــــــ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ اگر ساری کائنات کے غیر نبی افراد مل جائیں پھر بھی وہ اپنی ذات و صفات اور جملہ کمالات کے ساتھ رسول کریم کے مقام رسالت تک نہیں پہونچ سکتے یعنی کسی غیر نبی کی ذات یا اس کی کوئی صفت کمال رسالت کی طرح نہیں ہو سکتی ـــــــ پھر کسی غیر نبی کی عبدیت اس نبی کی اس عبدیت کی طرح کیسے ہو سکتی ہے جو عبدیت خود اس کی رسالت پر افضل ہے ـــــــ تو اب ہمارا اپنے کو عبد کہنا اور رسول کریم کو عبد کہنا ایسا ہی ہے کہ جیسے ہم اپنے کو بھی موجود کہتے ہیں اور خدا کو بھی موجود کہتے ہیں۔ جس طرح ہماری موجودیت کو خدا کی موجودیت سے کوئی نسبت نہیں ـــــــ اس مختصر سی وضاحت نے ظاہر کر دیا کہ رسول کریم رفعت و عظمت کے جس مقام پر جلوہ افروز ہیں اس مقام سے آپ کو اوپر اٹھانے کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ کو الہیت والوہیت والا قرار دے دیا جائے اس لئے کہ الہیت والوہیت سے نیچے رکھ کر آپ کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا میں جو کچھ کہا جائے گا اس میں ذرّہ برابر نہ تو مبالغہ ہوگا اور نہ حد اعتدال سے تجاوز بلکہ وہ تو یا تو بالکل آپ کی شان کریم کے عین مطابق ہوگا یا کچھ کم ہی ہوگا بڑھنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں

ـــــــ اس بحث کو یہیں پر ختم کر کے آئیے اور دیکھئے کہ مقالہ نگار ایک عجیب و غریب دعویٰ کر رہا ہے اس دعویٰ کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ قرآن و حدیث کے ارشادات سے ہٹ کر خود اس کی عقل بے مایہ کا فیصلہ ہے ـــــــ چنانچہ پہلے وہ یہ سرخی قائم کرتا ہے

"آنحضور کو کس طرح کے علوم دئے گئے"

اس سرخی کے تحت وہ رقم طراز ہے

"آپ کو صرف وہ علوم دیئے گئے جن سے آپ کی رفعت شان،
بلندی جاہ، اور پیغمبرانہ عظمت متعلق تھی"

پھر فوراً ہی رفعت شان اور بلندی جاہ کو نظر انداز کر کے اس نے آپ کے لئے صرف اتنے ہی علوم کو تسلیم کیا جو آپ کے منصب نبوت اور مقصد بعثت و رسالت سے مناسبت رکھتے ہیں اگر ان کے سوا دوسرے علوم رسول کو دئے جاتے تو آپ تبلیغ و احکام اور دعوتِ دین کے فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہتے اس طرح آپ کی بعثت کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا ـــــــ اب مقالہ نگار سے سوال کیجئے کہ "علوم متعلقہ نبوت" کے سوا خدا تعالیٰ نے دیگر علوم اپنے محبوب کو نہیں عطا فرمایا اسکو نصوص شرعیہ سے منصوص کرو ـــــــ نیز ـــــــ اگر خدا نے نہیں دیا تو اس نہ دینے کی حکمت بھی خدا ہی جانے اب تم نے جو حکمت بتائی ہے وہی خدائی حکمت ہے اسکو بھی مدلل و مبرہن کرو ـــــــ یہ دونوں باتیں مقالہ نگار ہی کیا اس کی پوری جمعیت کے بس سے باہر ہے لہذا اس کے لئے زیادہ آسان یہی ہے کہ وہ اپنے مفتری ہونے کا اقرار کر لے ـــــــ اس لئے کہ جس چیز کو وہ عقل و فہم کا تقاضہ کہہ رہا ہے وہ اس کی جہالت و لاعلمی کی پیداوار ہے ـــــــ کیا مقالہ نگار یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہر نبی کو صرف انہی صفات سے نوازا جاتا ہے جن کا تعلق مقصد نبوت سے ہوتا ہے؟ انبیاء و مرسلین کے درمیان بعض پر بعض کی فضیلت اور ہر ہر نبی مرسل کی اپنی اپنی خصوصیات اور اپنے اپنے امتیازات نصوص قرآنیہ سے ثابت ہیں جو مقالہ نگار کی عقل کے تقاضے کی تکذیب کرتے ہیں۔ انبیاء کو وہی چیز نہیں دی گئی ہے جس کا تعلق مقصد بعثت سے تھا بلکہ انھیں بے شمار ایسے کمالات سے بھی نوازا گیا جن کا تعلق ان کی شان بندگی اور خدا کی بندہ نوازی سے ہے اور جو ان کی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت اور خدائے عزوجل کی بے پایاں نوازشات کا نتیجہ ہیں ـــــــ خود نبی کریم کو بے شمار ایسی نوازشات کا مرکز بنایا گیا جن کا تعلق و رابطہ آپ کی رفعت شان و بلندی جاہ اور خدا کی بے پایاں نوازشات کے ساتھ رہا ـــــــ علوم ماکان و مایکون حاصل ہونے کی صورت میں تبلیغ احکام اور دعوت دین کے فرائض کی انجام دہی سے قاصر رہنا اور مقصد بعثت پورا نہ کر سکنا نیز وفور علم کو نبی کریم کے لئے الجھن کا باعث قرار دینا اور [illegible] بھی دار العلوم دیوبند کی چہار دیواری میں رہ کر؟ مجھے کہنے دیجئے۔

"زدیوبند ..... این چہ بوالعجبی ست"

مقالہ نگار بتلائے کہ کیا تعلق تھا علم سیدنا آدم کو ان کے مقصد بعثت سے اور کیا رابطہ تھا ملکوت السموات والارض کے مشاہدہ کو حضرت خلیل کے مقصد رسالت سے؟ ـــــــ نیز ـــــــ یہ بھی بتائے کہ اتنے وسیع العلم ہونے کے بعد یہ حضرات دعوت دین کے فرائض کی انجام دہی میں کہاں قاصر رہے ہے؟ اور اپنے مقصد بعثت کے حصول میں کہاں نامراد رہے ہے؟ ـــــــ

ـــــــ مقالہ نگار یہ بھی نہ سوچ سکا کہ سرکار عربی صرف نبی و رسول ہی نہ تھے بلکہ رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین اور شاہد کائنات وغیرہ بھی تھے اور ظاہر ہے کہ جو بلا تخصیص ساری کائنات کیلئے اور ہر ہر ساعت کیلئے رحمت ہو کائنات کے ذرہ ذرہ سے اُسے باخبر رہنا ہی چاہئے تاکہ اس کی رحمت و نوازش سے کوئی کسی وقت محروم نہ رہے ـــــــ المختصر ـــــــ سرکار رسالت کو رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین اور شاہد کائنات

بنانے والے نے آپکو صرف وہی علوم نہیں عطا فرمائے جن کا تعلق آپ کے مقصد بعثت ورسالت سے ہے بلکہ ایسے علوم بھی دئے جن کا تعلق آپ کی شان رحمت، مرتبہ شفاعت اور رتبہ شہادت وغیرہ سے ہے ــــــ اس مقام پر پہونچ کر مقالہ نگار کی ایک خیانت اور ملاحظہ کیجئے وہ ایک تفسیر کی کتاب سے ایک مفصل حوالہ نقل کرتا ہے اسی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول بھی موجود ہے

وقال ابن مسعود اوتی نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم کل شئ الامفاتیح الغیب

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مفاتیح غیب کے علاوہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا۔

مقالہ نگار نے مذکورہ بالا عبارت کا ترجمہ یہ کیا ہے

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے نبی صلعم کو نبوت کے شایان شان ہر چیز کا علم مفاتیح غیب کے علاوہ دیا گیا"

ذرا کوئی مقالہ نگار سے پوچھے کہ یہ "نبوت کے شایان شان" کس لفظ کا ترجمہ ہے حضرت ابن مسعود کے کلام میں معنوی تحریف کرتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ کل قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں اپنے کرتوتوں کا جواب دینا ہے۔

ـــــ مقالہ نگار نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیئے جانے کا عقیدہ امام احمد رضا کا اپنا ذاتی اختراع ہے۔ مقالہ نگار کی تحریر کے اس طلسم کو توڑنے کے لئے ضروری ہے کہ میں بعض اکابرین ملت اور اولیاء امت کے نام پیش کردوں جو رسول کریم کے لئے جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے بخوبی وضاحت ہوجائے گی امام احمد رضا اس عقیدہ کو اپنانے میں متبع ہیں نہ کہ مبتدع۔ اور یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ جمیع علوم لوح محفوظ رسول کریم کے لئے ماننا نہ کفر وشرک ہے نہ ضلالت وگمراہی اس لئے کہ اگر بالفرض یہ کفر وشرک یا ضلالت وگمراہی ہوتا تو اس کو صحیح ماننے والے کافر ومشرک اور ضال وگمراہ ہوتے اور انھیں لوگ اولیائے ملت اور بزرگان امت کے نام سے نہ یاد کرتے۔ انتخاب میں کوشش کروں گا کہ ایسے حضرات کے اسماء سامنے آئیں جن کو کافر ومشرک یا ضال وگمراہ کہتے ہوئے مقالہ نگار کو بھی ہزار بار سوچنا پڑے۔

(۱) ـــ قصیدہ بردہ شریف میں سلطان العارفین علامہ بوصیری فرماتے ہیں

فان من جودک الدنیا وضرتھا

ومن علومک علم اللوح والقلم

دنیا وآخرت آپ ہی کے کرم سے ہے اور لوح وقلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے۔

(۲) ـــ علامہ ابراہیم بیجوری شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں

فان قیل اذا کان علم اللوح والقلم بعض علومہ علیہ السلام فما البعض الاٰخر اجیب بان البعض الاٰخر ھو ما اخبرہ اللہ تعالیٰ من احوال الاٰخرۃ لان القلم انما کتب فی اللوح ما ھو کائن الی یوم القیمہ

اگر کہا جائے کہ جب لوح وقلم کا علم حضور علیہ السلام کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے ہیں جواب دیا جائے گا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جسکی اللہ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

(۳) ـــ ملا علی قاری حل العقدہ شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وکون علومھما من علومہ علیہ السلام ان علومہ تتنوع الی الکلیات والجزئیات وحقائق ومعارف وعوارف تتعلق بالذات والصفات وعلمھما یکون نھرا من بحور علمہ وحرفا من سطور علمہ

لوح وقلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات، حقائق اور معرفت اور ان معرفتوں کی طرف جن کا تعلق ذات وصفات سے ہے لہذا لوح وقلم کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور کے علم کی سطروں کا ایک حرف ہے

(۴) ـــ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر عزیزی سورہ جن میں فرماتے ہیں۔

اطلاع بر لوح محفوظ و دیدن نقوش از بعضے اولیاء بتواتر منقول است

لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بطریق تواتر منقول ہے

(۵) ـــ شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

قال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابطال یا اطفال ھلموا وخذوا عن ھذا البحر الذی لاساحل لہ وعزۃ ربی ان السعداء ع والاشقیاء یعرضون علی وان بؤبؤۃ عینی فی اللوح المحفوظ وانا غائص فی بحار علم اللہ

اے بہادرو! اے فرزندو! آؤ اور اس دریا سے کچھ لے لو جسکا کنارہ ہی نہیں قسم ہے اپنے رب کی کہ بے شک نیک بخت اور بد بخت لوگ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں اور ہمارا گوشۂ چشم لوح محفوظ میں رہتا ہے اور میں اللہ کے علوم کے سمندر میں غوطہ لگا رہا ہوں۔

(۶) ـــ بحرالعلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی حاشیہ رسالہ میر زاہد کے خطبہ میں فرماتے ہیں۔

علمہ علوما ما احتوی علیہ العلم الاعلی وما استطاع علی احاطتھا اللوح الاوفی لم یلد الدھر مثلہ من الازل ولم یولد الی الابد فلیس لہ من فی السموات والارض کفوا احد ـــ

یعنی حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ بھی مشتمل نہیں اور جس کے گھیرنے پر لوح محفوظ قادر نہیں نہ تو ازل سے آپ کے مثل پیدا ہوا اور نہ ابد تک ہوگا

بس آسمانوں اور زمین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔

اس مختصر سے انتخاب نے ظاہر کر دیا کہ نبی کریم کی تو بڑی شان ہے آپ کے سچے غلاموں یعنی آپ کی امت کے بعض اولیاء کی نگاہیں لوح محفوظ سے لگی ہوئی ہیں ——— اب مقالہ نگار جواب دے کہ وہ آیات و احادیث جس میں وہ غیر خدا کے لئے علم غیب کی مطلقا نفی سمجھ رہا ہے نیز اس کی روشنی میں غیر خدا کے لئے جمیع مندرجات لوح محفوظ کے علوم تسلیم کرنے کو باطل قرار دے رہا کیا وہ ان اکابرین ملت کے سامنے نہ تھیں؟ کیا یہ حضرات اس کے مطالب و مقاصد کو سمجھنے سے قاصر رہے؟ کیا انھوں نے مندرجات لوح محفوظ کا علوم نبی کریم بلکہ بعض اولیاء امت کے لئے ثابت کر کے ان کو خدا کے برابر کر دیا؟ جلدی فیصلہ کرو مذکورہ بالا عقائد کی وجہ سے یہ حضرات کافر و مشرک ہوئے یا ضال و گمراہ؟ ——— مقالہ نگار اب امام احمد رضا کے متعلق کچھ کہنے سے پہلے کم از کم ان افراد کے بارے میں اپنی رائے ضرور ظاہر کرے ——— مقالہ نگار نے چلتے چلتے ایک بڑی ہی عامیانہ بات کہہ دی ہے وہ یہ کہ روافض اپنے امام کو عالم ما کان و مایکون مانتے ہیں تو نبی کریم کو عالم ما کان و مایکون ماننا روافض کے اسی خیال کی باز گشت ہے۔ اسی کو کہتے ہیں کہ

گا رے گھٹنا پھوٹے آنکھ

مقالہ نگار کا اگر یہی طرز فکر رہا تو ہو سکتا ہے کہ وہ نبی کریم کی عصمت کا منکر ہو جائے اور قائلین عصمت سے بحث کرے کہ روافض اپنے ائمہ کو معصوم مانتے ہیں تو تم جو نبی کو معصوم قرار دیتے ہو یہ انہی کے باطل خیال کی باز گشت ہے ———

——— آگے چل کر مقالہ نگار نے "اظہار عقیدہ کی دوسری مثال" کی سرخی لگا کر ایک مختصر سی تمہیدی گفتگو کی ہے اور امام احمد رضا نے سورہ رحمٰن کی ابتدائی آیت کا جو ترجمہ کیا ہے اس پر اعتراض کیا۔ اولاً مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کے ترجمے کو تفاسیر و ارشادات علماء حق کی روشنی میں دیکھا جائے۔

الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان اس کا ترجمہ امام احمد رضا نے یہ کیا ہے۔

"رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا ما کان و مایکون کا بیان انھیں سکھایا"

مقالہ نگار نے جو ترجمہ نقل کیا ہے وہ مطابق اصل نہیں اس لئے کہ اس نے اپنی نقل میں اصل ترجمہ کے "کا بیان" کا لفظ اڑا دیا ہے ——— اس آیت کے شان نزول سے متعلق دو باتیں منقول ہیں

۱۔ جب آیت اسجدوا للرحمٰن نازل ہوئی تو کفار مکہ نے کہا رحمٰن کیا ہے ہم نہیں جانتے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن نازل فرمائی کہ رحمٰن جس کا تم انکار کرتے ہو وہ وہی ہے جس نے قرآن نازل فرمایا۔

۲۔ اہل مکہ نے جب کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی بشر سکھاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن نے قرآن اپنے حبیب کو سکھایا۔ (خازن)

تفسیر معالم و حسینی میں ہے۔

خلق الانسان ای محمد علیہ السلام علمہ البیان یعنی بیان ما کان و ما یکون	اللہ نے انسان یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور ان کو ما کان و مایکون کا بیان سکھایا

نیز تفسیر معالم التنزیل ہی میں ہے وقیل الانسان ھھنا محمد علیہ السلام و بیانہ علمک مالم تکن تعلم ۔ کہا گیا ہے کہ اس آیت سے انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ تمام باتیں سکھائیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ نیز تفسیر حسینی میں ہے ——— یا وجود محمد را بیا موز ایند و ے را آنچہ بود ہست و باشد ——— یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کو اور انکو سکھایا جو ہو چکا ہے یا ہے یا ہوگا۔

تفسیر خازن میں ہے

قیل اراد بالانسان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم علمہ البیان یعنی بیان ما کان و مایکون لانہ علیہ السلام نبیئ عن خبر الاولین والآخرین وعن یوم الدین	ایک قول کے مطابق انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کو ما کان و مایکون کا بیان سکھا دیا گیا کیوں کہ حضور علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں اور قیامت کے دن کی خبر دے دی گئی۔

روح البیان میں ہے

(علم) محمدا صلی اللہ علیہ وسلم (القرآن) بواسطۃ جبریل علیہ السلام و بواسطۃ محمد علیہ السلام غیرہ من الامۃ .... وعلم نبینا علیہ السلام القرآن واسرار الالوھیۃ کما قال وعلمک مالم تکن تعلم	رحمٰن نے حضور علیہ السلام کو بواسطہ حضرت جبریل اور امت محمدیہ کو بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سکھایا..... .... اور ہمارے نبی علیہ السلام کو قرآن اور اپنی ربوبیت کے بھید سکھا دیئے جیسا کہ خود آپ نے فرمایا کہ آپ کو سکھا دیں وہ باتیں جو کہ آپ نہ جانتے تھے۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

(الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان) ای الجنس اوادم او محمد علیھما السلام	(رحمٰن نے قرآن سکھایا انسان کو پیدا کیا) انسان سے مراد جنس انسان ہے یا حضرت آدم ہیں یا حضور علیہ السلام ہیں۔

تفسیر صاوی میں ہے

وقیل ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لانہ	ایک قول ہے کہ انسان سے مراد حضور علیہ السلام

الانسان الکامل والمراد بالبیان علمہ ما کان وما یکون وما ھو کائن

ہیں اسلئے کہ آپ انسان کامل ہیں اور بیان سے مراد جو ہو چکا جو ہوگا اور جو ہے ان سب کا علم ہے۔

تفسیر جمل میں ہے۔

قیل اراد الانسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم علمہ البیان یعنی بیان ما کان وما یکون لانہ صلی اللہ علیہ وسلم ینبئ عن خبر الاولین والآخرین وعن یوم الدین

ایک قول کے مطابق انسان سے حضور علیہ السلام مراد ہیں آپ کو بیان سکھایا یعنی ماکان و مایکون کا علم دیا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین و آخرین اور یوم قیامت سے باخبر کر دیا گیا ہے۔

تفسیر جمل ہی میں ہے

(علم القرآن) ..... فقیل تقدیرہ علم جبریل القرآن وقیل علم محمداً وقیل علم الانسان وھذا اولیٰ لعمومہ ولان قولہ خلق الانسان دال علیہ

(قرآن سکھایا) .... کہا گیا کہ حضرت جبریل کو سکھایا ایک قول کے مطابق حضور علیہ السلام کو سکھایا اور ایک قول کے مطابق انسان کو سکھایا اپنے عموم کے لحاظ سے یہ زیادہ بہتر ہے اور یہ اس لئے بھی اولیٰ ہے خلق الانسان سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے

(علم القرآن) ای علمہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اداہ الی جمیع الناس .... (خلق الانسان) .... وعن ابن عباس ایضا وابن کیسان الانسان ھھنا یراد بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم والبیان بیان الحلال والحرام والھدیٰ من الضلال وقیل ما کان وما یکون لانہ بین عن الاولین والآخرین ویوم الدین

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھایا یہاں تک کہ آپ نے تمام انسانوں تک پہونچا دیا .... (انسان کو پیدا کیا) ..... ابن کیسان نیز حضرت ابن عباس کا بھی ایک قول یہ ہے کہ آیت میں انسان سے مراد حضور علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد حلال و حرام ہدایت و ضلالت کا بیان ہے اور ایک قول کے مطابق بیان سے مراد ماکان و مایکون کا بیان ہے اس لئے کہ حضور علیہ السلام کو اولین و آخرین اور یوم قیامت سے باخبر فرما دیا گیا ہے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے۔

قال ابن کیسان الانسان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم .... ولعل ابن کیسان یقدر مفعول علم الانسان مراداً بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایضاً

ابن کیسان نے کہا کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ...... ہو سکتا ہے کہ ابن کیسان کے نزدیک الانسان علّم کا مفعول مقدر ہو اور اس سے بھی وہ نبی کریم ہی کی ذات کریم مراد لیتے ہوں۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے

(علم القرآن) ...... وقیل ھو جبرائیل ای علم جبرائیل القرآن حتی نزل بہ علی محمد وقیل علم محمداً او الانسان القرآن کما یلیق بفھمھم علی حسب استعدادھم .... وقد نقل عن ابن عباس ان الانسان آدم علمہ الاسماء کلھا او محمد صلی اللہ علیہ وسلم والبیان القرآن فیہ بیان ما کان وما سیکون الی یوم القیامۃ

(قرآن سکھایا) .... ایک قول کے مطابق معنی یہ ہوا کہ حضرت جبریل کو قرآن سکھایا یہاں تک کہ وہ اسے لیکر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے دوسرا قول یہ ہے کہ حضور کو قرآن سکھایا یا یہ کہ انسانوں کو ان کے فہم و استعداد کے مطابق قرآن سکھایا ..... حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ انسان کے مراد حضرت آدم ہیں جنکو تمام اسماء سکھائے گئے حضرت ابن عباس ہی سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ اس سے حضور علیہ السلام مراد ہیں اور بیان سے مراد قرآن ہے جس میں جو ہوا اور جو قیامت تک ہوگا سب کا بیان ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔

ما المراد من الانسان نقول ھو الجنس وقیل المراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقیل المراد آدم

انسان سے کیا مراد؟ میں کہتا ہوں جنس انسان اور ایک قول کے مطابق حضور علیہ السلام مراد ہیں اور ایک قول کے مطابق حضرت آدم۔

تفاسیر کے مذکورہ بالا حوالوں نے اتنا تو ثابت ہی کر دیا کہ علم القرآن کا مفعول مقدر حضور علیہ السلام کو ٹھہرانا اور خلق الانسان میں انسان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا نیز البیان سے ماکان و مایکون کا بیان مراد لینا فاضل بریلوی کا اپنا ذہنی اختراع نہیں ان تفسیری اقوال کا وجود تو اُسی وقت ہو چکا تھا جبکہ امام احمد رضا پیدا بھی نہیں ہوئے تھے

ــــــ لہذا ـــــ آیت زیر بحث کے ترجمے کی روشنی میں امام احمد رضا کو کسی نئے عقیدے کی پیش کش کرنے والا قرار دینا مقالہ نگار جیسے فن کاروں ہی سے ممکن ہے۔

ــــــ کتب تفاسیر کا تفصیلی جائزہ لینے کی صورت میں آیت زیر بحث سے متعلق تین سوال سامنے آتے ہیں۔

۱۔ علم القرآن قرآن سکھایا۔ کس کو سکھایا؟

۲۔ خلق الانسان انسان کو پیدا کیا۔ انسان سے مراد کیا ہے؟

۳۔ علمہ البیان اسے بیان سکھایا۔ بیان سے مراد کیا ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں چار قول ملتے ہیں

اوّل جبرائیل علیہ السلام دوم حضور علیہ السلام سوم امت محمدیہ چہارم جنس انسان تفسیر جمل میں جنس انسان مراد لینے کو اولیٰ کہا ہے ـــــــ تفسیر قرطبی اور تفسیر روح البیان نے علم القرآن کا معنی یہ کیا ہے کہ رحمٰن نے نبی کریم کو قرآن سکھایا۔ صاحب روح المعانی نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے علامہ ابن کیسان نے بھی علم القرآن کا مفعول انسان کو قرار دیکر اس سے نبی کریم کی ذات مراد لی ہو ـــــــ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے جو تفسیر منقول ہے اس میں امت محمدیہ کو قرآن سکھایا جانا مراد ظاہر کیا گیا ہے اور ارشاد کا حاصل یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو قرآن دیکر حضور علیہ السلام کی طرف بھیجا اور آپ کو اپنی امت کی طرف مبعوث کیا ـــــــ

دوسرے سوال کے جواب میں تین قول ملتے ہیں

۱ انسان سے مراد حضرت آدم ہیں یہ حضرت ابن عباس وقتادہ اور حسن سے منقول ہے (قرطبی، روح البیان ناقلاعن بحرالعلوم)

۲ انسان سے مراد نبی کریم ہیں یہ علامہ ابن کیسان سے نیز حضرت ابن عباس سے بھی منقول ہے (قرطبی، روح المعانی، نیشاپوری)

۳ انسان سے مراد جنس انسان ہے۔ جلالین، تفسیر طبری، تفسیر کبیر روح المعانی وغیرہ میں اسی معنی کو ترجیح دی گئی ہے ـــــــ تفسیر صادی، تفسیر قرطبی، تفسیر مدارک تفسیر معالم التنزیل، تفسیر حسینی، تفسیر خازن وغیرہ نے صرف نقل اقوال کیا ہے اور کسی کو راجح و مرجوح نہیں قرار دیا ہے ـــــــ اور اگر ذکر میں تقدیم کو راجح قرار دینا تسلیم کیا جائے۔ تو خازن، قرطبی کے نزدیک انسان سے حضرت آدم مراد لینا راجح ہوگا ـــــــ حالانکہ ـــــــ تفسیر جمل میں علم القرآن کے مفعول سے متعلق جن تین اقوال کا ذکر ہے اس میں از روئے ذکر جس قول کو آخر میں رکھا ہے اُسی کو اولیٰ قرار دیا ہے ـــــــ اور اگر یہ کہا جائے کہ جس قول کو لفظ "قیل" کہہ کر بیان کیا جائے وہ مرجوح ہے تو پھر تفسیر خازن اور تفسیر قرطبی کی روشنی میں راجح صرف پہلا قول ہے باقی دونوں قول یعنی نبی کریم ـــــــ یا ـــــــ جنس انسان مراد لینا مرجوح ہے یہ اصول بھی اسلئے غلط ہے کہ تفسیر جمل میں جس قول کا ذکر لفظ قیل کے ذریعہ کیا ہے اُسے خود ہی راجح بھی قرار دیا ہے ـــــــ الغرض ـــــــ ہر جگہ لفظ قیل کو مرجوحیت ہی کے اظہار کے لئے نہیں استعمال کیا جاتا لہٰذا لفظ قیل کسی قول کی مرجوحیت کی دلیل نہیں اس کی بہت سی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں بہت سے اقوال ملتے ہیں ـــــــ اگر انسان سے مراد جنس انسان ہے تو۔

۱ بیان سے مراد قوت گویائی ہے جس سے انسان دیگر حیوانوں سے ممتاز ہوتا ہے (طبری، خازن، جمل، ابن کثیر، قرطبی، روح المعانی وغیرہ)

۲ بیان سے مراد کتابت اور سمجھنے سمجھانے کی قوت ہے (جمل، قرطبی)

۳ بیان سے مراد ہر قوم کی زبان ہے جس میں وہ کلام کرتی ہے۔ (لقول سدی)

۴ بیان سے مراد حلال وحرام اور ہدایت وگمراہی ہے۔ (طبری)

۵ بیان سے مراد دنیا وآخرت ہے۔ (طبری)

۶ بیان سے مراد نفع بخش اور نقصان دہ امور (قتادہ وربیع ابن انس)

۷ بیان سے مراد خیر وشر ہے (ضحاک وقتادہ)

۸ بیان سے مراد کسی چیز کو واضح کر دینا یہ نطق سے عام ہے۔ (امام راغب)

۹ بیان سے مراد دین ودنیا کے وہ جملہ امور ہیں جن کی انسان کو حاجت ہو۔ یعنی حلال وحرام، زندگی کے سامان خورد ونوش اور گویائی وغیرہ (طبری)

البیان کی تشریح کرنے والے جملہ اقوال میں سے امام طبری نے قول ۹ کو ترجیح دی ہے بلکہ اسی کو درست قرار دیا ہے اور وہ بھی ان لفظوں میں۔

والصواب من القول فی ذالک	اور ان تمام اقوال میں درست بات یہ ہے
ان یقال ان اللہ علم الانسان	کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو
مابہ الحاجۃ الیہ الخ	اس کی ضرورت کی چیزیں سکھادیں الخ

اپنے مذکورہ خیال کے درست ہونے اور دوسرے اقوال کے نادرست ہونے کی وجہ ـــ یا ـــ کم سے کم درجے میں اپنے قول کے راجح ہونے کا سبب امام طبری نے یہ بتایا ہے۔

لان اللہ عزوجل لم یخصص	اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام میں تخصیص
فی خبرہ ذالک انہ علمہ	پیدا کرکے یہ نہیں فرمایا کہ اس نے بیان سے
من البیان بعضادون بعض	متعلق بعض باتیں سکھادی ہیں اور بعض نہیں
بل عمّ فقال علمہ البیان	بلکہ اُسے عام رکھا ہے پھر علمہ البیان
فھو کما عمّ	فرمایا ہے پس بیان ایسا ہی عام رہے گا جیسا کہ اللہ نے عام رکھا۔

مذکورہ وجہ صواب ـــ یا ـــ وجہ ترجیح منقولی نہیں بلکہ معقولی ہے مقالہ نگار نے بھی طبری کی مذکورہ عبارتوں کو نقل کیا ہے اور اس پر یہ ریمارک دیا ہے

"امام طبری کی مذکورہ تحریر سے ثابت ہوا کہ بیان کے معنی میں تخصیص پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عموم کو ختم کرنا ہے"

امام طبری کی تحریر اور مقالہ نگار کے تبصرہ دونوں نے قول ۹ کے سوا باقی اقوال کو مرجوح بلکہ نادرست قرار دیدیا ہے اور ان کے قائلین پر یہ الزام لگادیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عموم کو ختم کرنے والے ہیں ـــــــ اب اور آگے آیئے اور ایک دوسرا تماشہ ملاحظہ کیجئے۔ حضرت حسن نے بیان کی تشریح نطق سے کی ہے۔ ذکر کردہ اقوال میں میں نے اسے پہلے نمبر میں رکھا ہے اسی قول ۱ کے بارے میں ابن کثیر میں ہے۔

وقول الحسن ھھنا احسن	حضرت حسن کا قول اس جگہ زیادہ عمدہ
واقوی	اور قوی تر ہے۔

قول حسن کے حسن وقوی تر ہونے کی انھوں نے وجہ یہ بتائی ہے کہ "سیاق کلام

کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قرآن کی تعلیم دے رہا ہے اور ظاہر ہے کہ تعلیم تلاوت کی ادائیگی کا نام ہے اور یہ جبھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نطق یعنی گویائی کو مخلوق پر آسان فرما دے اور اس کے تمام مخارج حلق، زبان، ہونٹ وغیرہ جگہوں سے حروف کے نکلنے کو آسان کر دے کہ وہ اپنے مخارج سے حسب قاعدہ نکلتے رہیں" ـــــ مقالہ نگار نے قول حسن یعنی ہماری ذکر کردہ ترتیب کے مطابق قول ۱ کی تائید کرنے والے بہت سارے مفسرین کی فہرست پیش کی ہے اور پھر آگے چل کر الجواہر الحسان اور بحر المحیط کے حوالے سے یہ واضح کر دیا کہ جمہور مفسرین و محققین کا مسلک یہ ہے کہ البیان سے مراد "النطق" ہے ـــــ لہٰذا ـــــ امام طبری کے ارشاد کی روشنی میں نیز خود مقالہ نگار کے اس تبصرے کے رو سے جو اس نے امام طبری کے ارشاد کو نقل کرنے کے بعد کیا ہے۔ حضرت حسن (جو جلیل القدر تابعی اور بے مثال محدث و مفسر ہیں) نیز ان کی اتباع کرنے والے جمہور مفسرین راہ صواب سے ہٹے ہوئے ہیں اور بقول مقالہ نگار یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ عموم کو ختم کرنے والے ہیں اور ان جمہور مفسرین کے خیال کی روشنی میں علامہ طبری کا اپنے قول کے بارے میں ادعاء صواب کوئی وزن نہیں رکھتا ـــــ اب مقالہ نگار فیصلہ کرے کہ کون راہ صواب پر ہے اور کون جادۂ خطاء پر؟ کس کا قول راجح ہے اور کس کا مرجوح؟

اس مقام پر پہونچ کر مقالہ نگار کو بھی کہنا پڑے گا کہ کسی مفسر کا اپنے قول کے لئے صواب، اقرب الی الصواب، اصح، اقوی، اولیٰ کا لفظ استعمال کرنا دوسرے مفسر کے قول کو لازمی طور پر فی نفسہ نادرست، صواب سے دور، غیر صحیح کمزور اور خلاف اولیٰ نہیں قرار دیتا ـــــ اس لئے کہ ـــــ ممکن ہے کہ ہر ہر قول مختلف اعتبار و حیثیت سے اپنی اپنی ترجیح کی الگ الگ وجہیں رکھتے ہوں ـــــ اب اگر ایک مفسر کسی قول کو راجح سمجھتا ہے اور اس کے سوا دوسرے قول کو راجح نہیں قرار دیتا تو اس سے فی نفسہ دوسرا قول مرجوح نہیں ہو جاتا اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس دوسرے قول کے قائل کے نزدیک یہی دوسرا قول ہی لائق ترجیح ہو ـــــ المختصر ـــــ اپنے علم و یقین کی روشنی ہر عالم ربانی کو اپنے اپنے قول کو اصح، اولیٰ، اقوی وغیرہ کہنے کا پورا حق ہے۔ اسی حق کو امام طبری نے استعمال کیا جبھی تنہا جمہور مفسرین کی رائے کے خلاف پورے گھن گرج کے ساتھ اپنا نظریہ پیش کر دیا ـــــ جمہور مفسرین کی رائے کے خلاف ہونے کے باوجود مقالہ نگار نے امام طبری کے ارشاد کو نہ مرجوح کہا اور نہ قابل رد۔ اور نہ اُسے سمندر کے گھونگے اور سیپ سے تشبیہہ دی ـــــ مقالہ نگار کا سارا ابخار تو امام احمد رضا ہی پر اُتارنے کے لئے ہے اور اس کی ساری دلچسپی اُن اقوال کو مرجوح، قابل رد بتانے اور انھیں سمندر کے گھونگے اور سیپ سے تشبیہہ دینے سے وابستہ ہے جن سے عظمت مصطفیٰ اور رفعت محمدیہ کا پتہ چلے ـــــ غور کیجئے امام احمد رضا نے اپنے علم و یقین کی روشنی میں جن اقوال کو لائق ترجیح سمجھا وہ کچھ ان کے اپنے ذہن کے پیداوار نہ تھے بلکہ معتبر تفسیروں میں موجود تھے نیز حضرت ابن کیسان اور ایک قول کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عباس جیسے جلیل القدر صحابی رسول، فقیہ امت اور سید المفسرین سے منقول بھی تھے ـــــ امام طبری نے تو جس معنی کو ترجیح دی بلکہ درست ٹھہرایا وہ تو ان کی اپنی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے ؏

آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے

پھر ورق الٹ کر دیکھئے اس صفحے کو جس میں بیان سے متعلق ۹ اقوال پیش کئے گئے ہیں یہ سب اس وقت مراد ہیں جب انسان سے مراد جنس انسان ہو اور اگر انسان سے مراد حضرت آدم ہوں تو بیان سے مراد مندرجہ ذیل امور منقول ہیں۔

۱۔ تمام اشیاء اور زمین پر چلنے پھرنے والے جانوروں کے نام۔ (ابن عباس)

۲۔ دنیا بھر کی زبانیں۔ (قرطبی، خازن، روح البیان وغیرہ)

اور اگر انسان سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں تو بیان سے مراد یہ بتائی گئی ہے

۱۔ ماکان ومایکون کا بیان (تفسیر معالم، تفسیر خازن، تفسیر حسینی، تفسیر صاوی، تفسیر جمل، تفسیر قرطبی)

۲۔ کتاب منزّل کی مراد کو واضح کر دینا (روح المعانی)

۳۔ قرآنی مجملات و مبہمات کی شرح کر دینے والا کلام (روح المعانی)

۴۔ قرآن (روح المعانی، تفسیر نیشاپوری)

۵۔ جنس انسان مراد ہونے کی صورت میں بیان سے جو جو مراد ظاہر کی گئی ہے ان میں سے وہ سارے معانی جو سرکار رسالت کی شان اقدس کے مناسب ہوں (روح المعانی)

مذکورہ بالا تمام اقوال میں سے کسی قول کو بھی کسی مفسر نے بھی مردود نہیں قرار دیا۔ نیز ان اقوال میں سے کسی بھی قول کے قائل کو کسی مفسر نے نہ کافر و مشرک قرار دیا نہ ضال و گمراہ اور نہ ہی جادۂ حق و صواب سے ہٹا ہوا ـــــ اور نہ ایسا ہی ہوا کہ ان میں سے کسی قول کے قائل دوسرے قول کے قائلین قرآن کے اسلوب بیان، فطری انداز تربیت اور قرآن فہمی کے لئے ضروری علوم و فنون، ادب، لغت، نحو، صرف، معانی و بلاغت عقائد و کلام اور حدیث و فقہ سے تہی دامن و بے بہرہ ظاہر کر دیتے اور ان کی دینی اور قرآنی خدمات کا انکار کر بیٹھتے ـــــ ناظرین کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ جو کام سارے مفسرین نہ کر سکے مقالہ نگار نے اس کے لئے اپنے کو تیار کر لیا اور صرف تیار ہی نہیں کر لیا بلکہ عمل کر کے دکھا دیا اور اپنے قلم کو ایک لازوال رسوائی کا شکار بنا دیا ـــــ خدا کی شان دیکھو مقالہ نگار اپنے گھر کے سارے الزامات دین رسول کے ان سچے وفاداروں کے سر ڈالنا چاہتا ہے جنھوں نے ناموس رسالت کی حفاظت میں اپنی متاع حیات قربان کر دی اور زندگی کے ایک ایک لمحے کو جہاد بالقلم کے لئے وقف کر دیا تاکہ اسلام کے نام پر اسلام کی صورت بدل دینے کی کوشش کرنے والے منافقین کی ریشہ دوانیوں سے اہل اسلام باخبر رہیں ـــــ میں نے دیوبندی تراجم کا مختصر سا اقتباس شروع میں پیش کر دیا ہے کیا اس سے اندازہ نہیں لگتا کہ قرآن کریم کو اپنے عقائد و نظریات کا شکار کس نے بنایا ہے؟ اسے اپنے ذہنی سانچے میں ڈھال کر منظر عام پر لانے کی جرائت و جسارت کس نے

کی ہے؟ انسانی ہدایت کا یہ آسمانی صحیفہ جس چیز کا مستحق تھا کیا علمائے دیوبند نے اُسے پیش کیا؟ بانی دارالعلوم دیوبند نے جب قرآنی لفظ خاتم النبیین کے اجماعی معنی کو جہلا کا خیال بتا کر سارے صحابہ و تابعین اور تمام علمائے متقدمین و متاخرین حتی کہ ذات رسالت مآب تک کو عوام کے زمرے میں شامل کر دیا تھا تو اس وقت قرآن کی خیر خواہی کا دم بھرنے والی مقالہ نگار کی جمعیت کہاں تھی؟ اور آج بھی تحذیر الناس کی اشاعت ہو رہی ہے آج بھی تقویت الایمان، حفظ الایمان براہین قاطعہ اور بہشتی زیور کی ضلالت بستی بستی صحرا صحرا گوشہ گوشہ محفل محفل اپنی تاریکیاں پھیلا رہی ہے۔ اے اسلام کا ادعاء کرنے والو کیا بانی اسلام کی توہین ہی سے تمہاری توحید چمکتی ہے؟ کیا بانی اسلام کی عزت و ناموس سے کھیلنے ہی کا نام اسلام کی وفاداری ہے؟

______ اس مقام پر امام احمد رضا کے ترجمے کی وجہ ترجیح ظاہر کرنے سے پہلے مناسب لگتا ہے کہ ذات رسول کریم کے لئے ماکان و مایکون کے علوم کے اثبات کرنے والے چند علمائے ملت اسلامیہ اور عارفین کرام نیز شارحین احادیث نبویہ کے ارشادات سے تعارف کرا دوں تا کہ ذات نبوی کے لئے علم ماکان و مایکون کے اثبات کو امام احمد رضا کا خودساختہ عقیدہ نہ کہا جا سکے۔

(۱) — مرقات شرح مشکوٰۃ، شرح شفا ملا علی قاری، زرقانی شرح مواہب اور نسیم الریاض شرح شفا میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے ارشاد ہے

وحاصله انه طوی له الارض وجعلها مجموعة کهیئة کف فیه مرأة ینظر الی جمعها وطراها بتقریب بعیدها الی قریبها حتی اطلعت علی مافیها

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے لئے زمین سمیٹ دی گئی اور اس کو ایسا جمع فرما دیا گیا جیسے کہ ایک ہاتھ میں آئینہ ہو اور وہ شخص اُس پورے آئینہ کو دیکھتا ہو اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اس کے قریب کی طرف یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔

(۲) — مرقات شرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے ہے۔

فعلمت بسبب وصول ذالك الفیض ما فی السموات والارض یعنی ما اعلمه الله تعالیٰ مما فیهما من الملائکة والاشجار وغیرها وهو عبارة عن سعة علمه الذی فتح الله علیه وقال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السموات بل وما فوقها .... وجمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتها

اس فیض کے پہونچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان لیں جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور درخت وغیرہ یہ آپ کے اُس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ نے آپ پر ظاہر فرمایا ابن حجر نے فرمایا کہ حضور نے ان تمام چیزوں کو جان لیا جو آسمانوں بلکہ اس کے اوپر ہے ...... اور اُن تمام چیزوں کو بھی جان لیا جو ساتوں زمینوں بلکہ اس کے نیچے ہے۔

(۳) — اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے

پس ظاہر شد مرا ہر چیز از علوم وشناختم ہمہ را

(حضور فرماتے ہیں کہ) ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہو گیا اور ہم نے سب کو پہچان لیا

(۴) — اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ہی میں ہے۔

عبارت است از حصول تمام علوم جزوی وکلی واحاطہ آں

(یہ حدیث) تمام جزئی وکلی علوم کے حصول اور اس کے احاطہ کی نشان کرتی ہے

(۵) علامہ زرقانی شرح مواہب میں ہے

ای اظهر وکشف لی الدنیا بحیث احطت بجمیع مافیها فانا انظر الیها والی ما هو کائن فیها الی یوم القیمة کانما انظر الی کفی هذه اشارة الی انه نظر حقیقة دفع به انه ارید بالنظر العلم

(یعنی حضور فرماتے ہیں کہ) ہمارے سا ظاہر کر دی گئی اور منکشف کی گئی تو ہم نے اس کا احاطہ کر لیا پس ہم اُس دنیا کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کہ اپنے اس ہاتھ کو۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور نے حقیقۃً ملاحظہ فرمایا تو یہ احتمال دفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔

(۶) — امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں فرماتے ہیں

ولاشك ان الله قد اطلعه علی ازید من ذالك والقی علیه علم الاولین والآخرین

اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور علیہ السلام کو اس سے یادہ پر مطلع فرمایا اور آپ کو ے اگلے اور پچھلے حضرات کا علم دے دیا۔

(۷) — ملا علی قاری ایک حدیث کی شرح فرماتے ہوئے مرقات میں فرماتے ہیں۔

فیه مع کونه من المعجزات دلالة علی ان علمه علیه السلام محیط بالکلیات والجزئیات من الکائنات وغیرها

اس حدیث میں معجزہ ہونے کے ساتھ ساتھ بھی دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کا کے کلیات وجزئیات وغیرہ کو گھیرے ہوئے ہے۔

(۸) — شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں

وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داناست بہمہ چیز از شیونات واحکام الہی

حضور علیہ السلام تمام چیزوں کو جانتے اور انہوں نے خدائے پاک کی شانوں

واحکام وصفات حق واسماء وافعال — احکام اور حق تعالیٰ کے صفات وافعال
وآثار وبجمیع علوم ظاہر و باطن — اور سارے ظاہر و باطن اول وآخر
واول وآخر احاطہ نمودہ نوق کل ذی علم علیم شد — کے علوم کا احاطہ فرمالیا اور پھر ہر ذی علم کے اوپر علیم کے مصداق ہوگئے۔

(۹) — اسی مدارج میں ہے
از زمان آدم تا نفخہ اولیٰ بروے علیہ السلام — حضرت آدم سے صور پھونکنے تک
منکشف ساختند تاہمہ احوال او را از — تمام کو حضور علیہ السلام پر ظاہر فرمایا
اول وآخر معلوم گردد و یاران خود را — تاکہ اول سے آخر تک کے سارے
نیز از بعضے احوال خبر داد — حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

(۱۰) — شفا شریف میں قاضی عیاض فرماتے ہیں
خص اللہ تعالیٰ بہ علیہ السلام — اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو
بالاطلاع علیٰ جمیع مصالح الدنیا — دینی اور دنیاوی مصلحتوں اپنی
والدین ومصالح امتہ وما کان — امت کے مصالح، گذشتہ امتوں
فی الامم وما سیکون فی امتہ من — کے واقعات اور اپنی امت کے
النقیر والقطمیر وعلیٰ جمیع فنون — ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرماکر
المعارف کاحوال القلب والفرائض — نیز تمامی معرفت کے فنون مثلاً
والعبادۃ والحساب (ماخوذ از خرپوتی شرح قصیدہ بردہ) — دل کے حالات اور فرائض وعبادات وعلم حساب پر مطلع فرماکر ممتاز ومخصوص فرمادیا۔

(۱۱) — امام بوصیری صاحب قصیدہ بردہ اپنے دوسرے قصیدہ ام القریٰ میں فرماتے ہیں
وسع العالمین علما وحلما — حضور علیہ السلام نے اپنے علم واخلاق سے
فھو بحر لم تعیھا الاعباء — جہانوں کو گھیر لیا پس آپ ایسے سمندر ہیں جسے گھیرنے والے نہ گھیر سکے

اسی شعر کی شرح میں شیخ سلیمان جمل فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔
ای وسع علمہ علوم العٰلمین — یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و
الانس والجن والملائکۃ لان — انسان اور فرشتوں کے علوم کو گھیرے
اللہ تعالیٰ اطلعہ علی العالم کلہ — ہوئے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ
فعلم علم الاولین والآخرین — کو تمام عالم پر خبردار فرمادیا اور اولین
وما کان وما یکون — وآخرین اور ما کان وما یکون کا علم عطا فرمادیا۔

(۱۲) — امام ابن حجر مکی اسی شعر کی شرح میں فرماتے ہیں۔
لان اللہ اطلعہ علی العالم فعلم — کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام
الاولین والآخرین — جہاں پر خبردار فرمادیا پس آپ نے اولین و
وما کان وما یکون — آخرین اور ما کان وما یکون کو جان لیا۔

(۱۳) — حافظ سلیمان ابریز شریف میں فرماتے ہیں
یعلم علیہ السلام من العرش الی — حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک اور
الفرش ویطلع علی جمیع مافیھا — ان میں جو کچھ ہے سب کو جانتے ہیں۔

(۱۴) — امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں
وکلھم من رسول اللہ ملتمس — تمام رسول علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں سمندر
غرفا من البحر او رشفا من الدیم — سے ایک چلو یا تیز بارش سے چھینٹا

علامہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں
ان جمیع الانبیاء کل واحد — ہر نبی نے حضور علیہ السلام کے اُس علم سے
منھم طلبوا واخذوا العلم من — مانگا اور لیا جو کہ وسعت میں سمندر کی طرح ہے
علمہ علیہ السلام الذی کالبحر — اور سب نے کرم حضور علیہ السلام کے اُس کرم
فی السعۃ والکرم من کرمہ — سے حاصل کیا جو کہ تیز بارش کی طرح ہے
علیہ السلام الذی ھو کالدیم — کیونکہ حضور علیہ السلام فیض دینے والے
لانہ علیہ السلام مفیض وھم — ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے ہیں کیونکہ
مستفاضون لانہ تعالیٰ خلق — رب تعالیٰ نے اولاً حضور علیہ السلام کی روح
ابتداءً روحہ علیہ السلام — پیدا فرمائی اور پھر اُس روح میں نبیوں
ووضع علوم الانبیاء وعلم ما کان — کے اور ما کان وما یکون کے علوم رکھے پھر
وما یکون ثم خلقھم فاخذوا — اُن رسولوں کو پیدا فرمایا پس اُن سب
علومھم منہ علیہ السلام — نے اپنے علوم کو حضور علیہ السلام سے حاصل فرمائے۔

(۱۵) — امام بوصیری قصیدہ بردہ ہی میں فرماتے ہیں
وکل ای اتی الرسل الکرام بھا — انبیاء کرام جو معجزات امم سابقہ پر لائے
فانما اتصلت من نورہ بھم — وہ سب حضور پاک کی لطایت و تابانیت سے انھیں حاصل ہوئے۔

چنانچہ حضرت امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں
فجمیع ماظھر علی ایدی الرسل علیھم السلام — انبیاء کرام ورسل عظام سے جو معجزات ظاہر
من الانوار فانما ھی من نورہ الفائض — ہوئے وہ سب حضور کے فیض کا ظہور تھا۔

(۱۶) — تفسیر روح البیان میں سورہ فتح میں انا ارسلناک شاھدًا کے تحت ہے۔
فانہ لما کان اول مخلوق خلقہ اللہ — چونکہ حضور علیہ السلام ہی اللہ کی پہلی مخلوق
کان شاھدًا بوحدانیۃ الحق و — ہیں اس لئے اس کی وحدانیت کے چشم دید
شاھدا بما اخرج من العدم — گواہ ہیں اور ان تمام چیزوں کا مشاہدہ
الی الوجود من الارواح والنفوس — فرمانے والے ہیں جو کہ عدم سے وجود

والاجرام والارکان والاجساد والمعادن والنبات والحیوان والملک والجن والشیطان والانسان وغیر ذلک لئلا یشذ عنہ ما یمکن للمخلوق من اسرار افعالہ و عجائبہ۔	میں آئے مثلاً ارواح، نفوس، اجرام، ارکان، اجسام، معدنیات، نباتات، حیوانات، فرشتے، جن، شیطان اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب کے وہ اسرار وعجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہیں۔

اسی مختصر سے انتخاب پر اکتفاء کرتا ہوں اسلئے کہ اہل انصاف کے لئے اتناہی کافی ہے۔ میں نے کسی بھی ارشاد پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کیا اس لئے کہ سب اپنے مفہوم ومعنی کے لحاظ سے بالکل واضح ہیں ـــــ باطل مکتبہ ہائے فکر نے زبردستی اپنے عقائد ونظریات کو منوانے کے لئے آیات واحادیث میں بے جا تاویلات کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ صریح لفظوں کو اس کے معنی سے پھیرنے کی جدوجہد ان کا عام مذاق بن گئی ہے چنانچہ مقالہ نگار نے بھی اس کا جگہ جگہ مظاہرہ کیا ہے اور اپنے اس باطل خیال کو منوانے کے لئے کہ ہر نبی کو وہی چیز عطا کی جاتی ہے جس کی اُسے ضرورت ہو اور جو اس کے مقصد بعثت سے رابطہ رکھتی ہو بڑی نئی چابکدستی دکھائی ہے۔ اس کی دو ایک مثال میں دے چکا ہوں ایک مثال اور بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ پہلے اُس نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا

الھمہ اللہ بیان کل شئ واسماء کل دابۃ تکون علی وجہ الارض	اللہ نے حضرت آدم کو ہر شئے کا بیان عطا فرما دیا اور انھیں تمام جانوروں کے نام بتا دیئے۔

مقالہ نگار قوسین کے درمیان ایک فقرہ اپنی طرف سے بڑھا کر حضرت ابن عباس کی عبارت کے عموم کو یوں باطل کر دیتا ہے۔

"اور ان کو تمام چیزوں (جن کی انھیں ضرورت تھی)
اور زمین پر چلنے پھرنے والے جانوروں کے نام
بتادیئے"

"جنکی انھیں ضرورت تھی" یہ فقرہ کس لفظ کا ترجمہ ہے مقالہ نگار صبح قیامت تک نہ بتا سکے گا ـــــ ان حالات میں میں نے مناسب سمجھا کہ صرف مستند ومعتمد علماء وائمہ کے ارشادات کو پیش کر دوں اس لئے کہ آیات واحادیث کے معانی ومفاہیم پر ان کی گہری نظر ہے یہ کسی بھی ایسی بات کو اپنے خیالات ونظریات میں جگہ نہ دیں گے جن کا ماننا کفر وشرک ـــــ یا ـــــ ضلالت وگمراہی ہو ـــــ یا ـــــ جس کو مان کر لوگ شاہراہ اعتدال سے باہر ہو جائیں ـــــ لہٰذا ـــــ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان کے بعض خیال سے کوئی علمی وتحقیقی بنیاد پر اختلاف کرے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے اس خیال کو کفر وشرک یا ضلالت وگمراہی قرار دیکر انھیں کافر ومشرک اور ضال

وگمراہ قرار دے ـــــ علماء کرام کے منقولہ ارشادات اس قدر واضح ہیں
اُن کو دیکھ کر ہی رسول کریم کے بارے میں ان کے نظریات کا اندازہ لگایا جا سکتا
ـــــ خاص کر کے جس لفظ ما کان وما یکون سے مقالہ نگار وحشت
ہے اس کے علوم کا ذات رسول کے لئے اثبات بہت سارے ارشادات میں
پڑھتا ہے ـــــ لہٰذا ـــــ علم ما کان وما یکون کو رسول کے لئے ماننا اگر کفر
ضلالت وگمراہی ہے تو پھر کفار ومشرکین یا ضالین یا مضلین کے فہرست میں
کو اُن علماء وائمہ کو بھی رکھنا ہو گا جن کا وجود امام احمد رضا کے وجود پر بہت
مقدم ہے ـــــ الغرض ـــــ مذکورہ نظریہ کو امام احمد رضا کا
قرار دینا مقالہ نگار کی جہالت وفاترالعقلی کی نشان دہی کرتا ہے ـــــ
مباحث کو سامنے رکھ کر اب آیئے اور امام احمد رضا کے ترجمے کی وجہ ترجیح پر غور
ـــــ پہلے اتنا سمجھ لیے کہ بے شمار احادیث وارشادات علماء وعرفا
بصراحت اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے ـــــ نیز ـــــ بعض قرآنی آیات
بھی اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کی سب
پہلی مخلوق ہیں اور یہ حصر بھی حقیقی ہے نہ کہ اضافی اور چونکہ اول ممکنات ہیں
صلاحیت واستعداد میں ساری مخلوقات سے قوی واقوی ٹھہرے اور اپنے
فضائل وکمالات میں سب سے منفرد ہوئے ـــــ چنانچہ رب تبارک وتعالیٰ سے
بغیر واسطہ فیض لینے کی اگر صلاحیت وقوت ہے تو صرف آپ ہی میں ہے۔ رب تبارک
تعالیٰ نے اپنی تجلیات وفوازشات کا مرکز صرف آپ کی ذات کو بنایا ہے باقی مخلوق
وہ کسی عالم کی مخلوق کیوں نہ ہو آپ کے واسطے سے فیض حاصل کرتی ہے ـــــ رب
قادر مطلق ہے وہ سب کو براہ راست اپنے فیضان کا مرکز بنا سکتا ہے مگر براہ راست
خدا سے فیض لینے کی صلاحیت حقیقت محمدیہ کے سوا کسی میں بھی نہیں تو نقص جانب
نہ رہا بلکہ نقص کا رخ مخلوقات کی عدم صلاحیت کی طرف ہے ـــــ اللہ
محبوب کی ذات کو یہ چونکہ ایک برزخ کبریٰ کی حیثیت رکھتی ہے جو اللہ سے بھی
اور مخلوق میں بھی شامل ہے لہٰذا رب العالمین اور عالمین کے درمیان رحمۃ للعالمین
کے فرائض انجام دینے کی اسی میں صلاحیت تھی ـــــ الغرض ـــــ
سے جس کو جو ملا، جو مل رہا ہے اور جو ملتا رہے گا وہ اسی خلیفۃ اللہ الاعظم کی بارگاہ
سے ملا، مل رہا ہے اور ملتا رہے گا اسمیں نبی وغیر نبی اور ملک اور غیر ملک کی
تخصیص نہیں سبھی آپ کی بارگاہ فیض سے مستفیض ومستنیر ہیں
ـــــ اور جب آپ کی ذات رب تبارک وتعالیٰ سے براہ راست
بلا واسطہ فیض حاصل کرتی ہے تو آپ کو جتنے علوم ملے وہ رب تعالیٰ کی براہ راست
عطا ہیں جب خدا کے بارگاہ فیض سے رسول کریم بلا واسطہ فیض لے سکنے کی صلاحیت
کاملہ رکھتے ہوں تو پھر خدا اور رسول کے مابین کسی واسطہ کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ واسطہ
آپ کی عدم صلاحیت کا ابہام پیدا کرتا ہے ـــــ الحاصل ـــــ

نے ذات نبوی کو جو علوم عطا فرمائے ہیں وہ سب کے سب بلاواسطہ عطا فرمائے ہیں۔ اور آپ کے سوا کو جو علوم عطا فرمائے ہیں وہ اسی برزخ کبری صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ـــــ اتنی بات تو سبھی پر واضح ہے کہ انسانوں کو علوم انبیاء و مرسلین کے ذریعہ عطا کئے گئے اور میرے نقل کردہ اقتباسات میں سے اقتباس ۱۴ اور اقتباس ۱۵ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انبیاء و مرسلین کو امام الانبیاء اور سید المرسلین کی بارگاہ فیض سے علوم ملے پھر اسباب کی صداقت میں کیا استحالہ ہو سکتا ہے کہ نور محمدی بلفظ دیگر حقیقت محمدیہ ہی سارے کائنات کے لئے واسطۂ فیضان الہی ہے ـــــ اب جب یہ کہا جائے کہ "اللہ نے رسول کو سکھایا" تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ بلاواسطہ سکھایا اور جب یہ کہا کہ اللہ نے آدم کو یا جبرائیل وغیرہ کو سکھایا" تو اس کا مطلب یہ ہوگا حقیقت محمدیہ کے ذریعہ اپنے علم کا فیض پہونچایا ـــــ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کوئی استاد یہ کہتا ہو کہ "میں نے فلاں کتاب سکھادی" ـــــ تو اس سوال کے جواب میں کہ "کس کو سکھائی؟" عقل کا یہی فیصلہ اور عرف کا یہ کہنا ہے کہ اُسی کا نام لیا جائے جس نے اُس استاد سے براہ راست سیکھا ـــــ ہمارا عرف ہے کہ جب ہم اپنے اساتذہ کی فہرست مرتب کرتے ہیں تو استاد کے استاد کا نام نہیں لکھتے بلکہ اسی کا نام لکھتے ہیں جس سے براہ راست بلاواسطہ علم حاصل کیا ہو اسی طرح جب کوئی استاذ اپنے شاگردوں کی لسٹ مرتب کرتا ہے تو انھیں کا نام لکھتا ہے جن کو بغیر واسطہ پڑھایا ہو۔ شاگردوں کے شاگرد کا ذکر نہیں کرتا ـــــ گو استاد کے استاد کو بھی بالواسطہ اپنا استاد اور شاگرد کے شاگرد کو بھی بالواسطہ اپنا شاگرد سمجھا جاسکتا ہے ـــــ مگر ـــــ یہاں تو عرف و اطلاق اور تبادر ذہنی کی بات ہے ـــــ تو اب جن مفسرین کرام نے علّم القرآن کا مطلب یہ لیا ہے کہ "اللہ نے اپنے نبی کو قرآن سکھایا" یہ زیادہ قرین قیاس اور اولیٰ ہے اسلئے کہ نبی کریم ہی نے بغیر واسطہ قرآن خدا سے سیکھا ـــــ مقالہ نگار کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حضرت جبریل حضور علیہ السلام کے استاد تھے اور حضرت جبریل نے حضور کو قرآن سکھایا خدا نے براہ راست (بلاواسطہ) نہیں سکھایا ـــــ وعلمک مالم تکن تعلم کی صراحت بتا رہی ہے کہ آپ کو تعلیم دینے والا خدا ہے اور جہاں بلاواسطہ علوم دینے کا مفہوم نکل سکے وہاں بالواسطہ علوم دینے کا معنی نکالنا عرف و تبادر کے خلاف ہے ـــــ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو سکھایا تو اس کا یہ مطلب لینا عرف و تبادر کے بالکل خلاف ہے کہ اُسے بالواسطہ سکھایا ـــــ اسی لئے بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ "علمہ شدید القویٰ" میں اگر شدید القویٰ سے حضرت جبرئیل مراد ہیں تو تعلیم سے مراد تبلیغ ہے یعنی حضرت جبرئیل پہونچانے آتے تھے نہ کہ پڑھانے۔ پہونچانا اور ہے پڑھانا اور ہے۔ معلم پڑھانے والا اور سکھلانے والا ہوتا ہے نہ کہ پیغام پہونچانے والا ـــــ حضرت جبرائیل کا پہونچانا تو محض ایک سنت الہیہ و ضابطۂ خداوندی کے تحت تھا۔

غور کیجئے سدرہ پر ٹھہر جانے والا خلوت گاہ قدس اور مقام قاب قوسین او ادنی تک پہونچ جانے والے کا معلم ہو یہ کس قدر مستبعد ہے۔ بعض علماء نے شدید القوی کو صفت باری تعالیٰ قرار دیا ہے ـــــ کسی کلام کے رخ کو اس کے متبادر مفہوم سے اسی وقت پھیرا جاتا ہے جب اس مفہوم کو مراد لینے میں کوئی شرعی یا عقلی استحالہ پیش آجائے اور اگر شرعی یا عقلی استحالہ پیش نہ آئے تو پھر متبادر معنی مراد نہ لینا یقیناً خلاف اولیٰ ہے ـــــ الحاصل ـــــ علّم القرآن کا یہ ترجمہ کہ "رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا" اقرب الی الصواب، اولیٰ اور راجح ترین ہے۔ یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ قرآن کریم تبیاناً لکل شئ ہر شے کا واضح بیان ہے اور بقول حضرت مجاہد "ما من شئ فی العالم الا ھو فی کتاب اللہ" عالم میں کوئی شے ایسی نہیں جو کہ قرآن میں نہ ہو ـــــ اور یہ ظاہر ہے کہ آیہ کریمہ نزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شئ ہم نے تم پر قرآن اتارا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے دلیل ہے کہ قرآن کریم صرف اس کے لئے ہر چیز کا روشن بیان ہے جس پر وہ براہ راست نازل کیا گیا ہے اور وہ ہیں حضور آیہ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو اب قرآنی مقطعات، متشابہات، مبہمات، محکمات اور جمیع ما فی القرآن کو واضح طور پر جاننے والے صرف رب تعالیٰ سے براہ راست قرآن سیکھنے والے مہبط آیات قرآنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ باقی کو حضور علیہ السلام نے اس کی صلاحیت و استعداد کے مطابق جو دیا اُسے وہی ملا۔ خود سید الملائکہ حضرت جبریل بھی قرآنی مقطعات، متشابہات وغیرہا کے رموز و اسرار کو سمجھنے سے قاصر ہیں معلوم ہوا کہ پیغام کا پہونچانا اور ہے اور اسکا سمجھنا اور ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو پورے طور پر قرآن کا عالم ہوگا وہ یقیناً عالم ما کان و ما یکون ہوگا تو اب اولیٰ اور اقرب الی الصواب یہی ہے علّم القرآن میں مفعول ثانی اسی کو قرار دیا جائے جو قرآن کا حقیقی معنوں میں پورے طور پر عالم ہو اور وہ ہیں اللہ کے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ مقالہ نگار نے علّم القرآن کا مفعول ثانی جبرائیل کو قرار دینا اقرب الی الصواب قرار دیا ہے جبکہ تفسیر جمل میں الانسان کو مفعول ثانی قرار دینا اولیٰ کہا ہے ـــــ تو اب اگر کوئی اپنے علم و یقین کی روشنی میں نبی کریم کو مفعول ثانی قرار دے اور اسی کو اقرب الی الصواب اور اولیٰ قرار دے تو وہ مجرم کیسے ہو گیا؟ ـــــ اب ارشاد کے دوسرے حصے پر غور کیجئے خلق الانسان وعلمہ البیان ـــــ چونکہ اس آیت میں بھی سکھانے کی نسبت رب تبارک و تعالیٰ کی طرف ہے لہٰذا سیکھنے والا بھی اُسی کو قرار دینا چاہئے جس سے براہ راست رب تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی ہو اور وہ حضور علیہ السلام ہیں تو پھر الانسان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینا راجح و اولیٰ ہے ـــــ ویسے بھی یہ اصول اپنی جگہ مسلم ہے کہ "المطلق اذا اطلق فیراد بہ الفرد الکامل" اطلاق کی صورت میں مطلق سے اس کا فرد کامل مراد لیا جاتا ہے ـــــ اور ظاہر ہے کہ انسانوں میں فرد کامل ہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے انسان کامل ہونے میں کیا شک ہے تفسیر صاوی نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ چونکہ حضور علیہ السلام

انسان کامل ہیں لہذا الانسان سے (جو مطلق واقع ہوا ہے) آپ کی ذات ہی مراد ہے اُسی اصول کی روشنی میں جس کا ذکر ابھی ابھی کر چکا ہوں ــــــــ الغرض ــــــــ یہ ضابطہ بھی (الانسان) سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینے کو اولیٰ قرار دیرہا ہے ــــــــ اور الانسان سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لینے کی صورت میں "البیان" سے ما کان وما یکون کا بیان مراد لینا ہی راجح ہے اس لئے کہ جب کہ ارشادات علماء سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اولین وآخرین بلفظ دیگر ما کان وما یکون کا علم عطا فرما دیا ہے تو پھر ان سب کا مراد لینا زیادہ راجح ہے ــــــــ غالباً البیان سے ما کان وما یکون کا بیان مراد لینے والوں کے نزدیک اس سے نطق وگویائی اور قوت فہم وافہام (جو تمام انسانوں میں مشترک ہے) مراد لینا اس لئے بھی اولیٰ نہیں کہ نطق وفہم وغیرہ کا تعلق تخلیق سے ہے نہ کہ تعلیم سے اور علمہ البیان میں تعلیم کا ذکر ہے نہ کہ تخلیق کا تو اب نطق وغیرہ مراد لینے کی صورت میں تعلیم کو مجازاً اس کے حقیقی معنی سے ہٹانا ہوگا اور جب حقیقت بن سکے تو پھر مجاز کی طرف عدول کس طرح بہ نظر استحسان دیکھا جا سکتا ہے ــــــــ قرآن کریم نے وعلمک مالم تکن تعلم سے اللہ کو رسول کا تعلیم دینے والا اور یعلمھم الکتب والحکمۃ سے رسول کریم کو ساری کائنات کو کتاب وحکمت سکھانے والا قرار دیا ہے بلفظ دیگر سارے عالم کو رسول کا شاگرد اور رسول کریم کو رب تعالیٰ کا شاگرد واضح کیا ہے تو اولاً خدا نے رسول کو سکھایا اور رسول نے حسب ضرورت دوسرے تمام انسانوں کو درس دیا۔ قرطبی نے اسی مفہوم کو ان لفظوں میں ادا کیا ہے

علم القرآن ای علمہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اداہ الی جمیع الناس

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن سکھایا تاکہ وہ اسے (خلائق ہدایت عامہ) کو تمام انسانوں تک پہونچا دیں

لہذا امام احمد رضا کے ترجمے پر مقالہ نگار کا یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ انھوں نے انسان سے رسول مراد لیکر کے رب العزت کی رحمت ورافت کو محدود کر دیا ہے اسلئے کہ محدود تو اسوقت ہو جبکہ تعلیم کا سلسلہ ذات رسول تک پہونچکر منتہی ہو جائے لیکن جب حضور علیہ السلام کو اسی لئے سکھایا جائے کہ وہ دوسروں کو سکھائیں کیونکہ دوسرے براہ راست لینے کے اہل نہیں تو پھر رحمت ورافت کے محدود ہونے کا کیا سوال ہے بلکہ یہ تو کمال رحمت ورافت کی بات ہے کہ جب ہم بلاواسطہ سیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے تو ہمیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ اپنے رسول کے واسطے سے ہماری استعداد کے مطابق ہمیں بھی علوم سے نواز دیا گیا ــــــــ

ــــــــ مقالہ نگار نے سوچا ہوتا کہ جس خدا نے اپنی تمام تجلیات و نوازشات کا مرکز ذات رسول کو بنایا ہے اس نے اُس رسول کو رحمۃ للعالمین بھی بنا دیا ہے تو پھر بارگاہ رسول سے بٹنے والی خدائی نعمتیں نوع انسان کے کسی ایک فرد کے ساتھ کیسے مخصوص ہو سکتی ہیں بے شک رحمۃ للعالمین کی رحمت مسلم وکا[فر] عالم وجاہل حتی کہ نبی اور غیر نبی سب پر عام ہے ــــــــ یہ بات نہ سمجھ سکا تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے ــــــــ مقالہ نگار نے ایک عجیب وغریب دعویٰ کیا ہے وہ رقم طراز ہے

"آپ خود سوچئے اللہ رب العالمین ہے
اس نے خود کو کہیں بھی "رب محمد" نہیں کہا"

معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگار کا قرآنی مطالعہ بہت ناقص ہے۔ قرآن میں ساٹھ سے زیادہ مقامات پر حضور علیہ السلام کو مخاطب فرما کر "ربک" موجود ہے اور اس کا معنی "رب محمد" کے سوا ہو کیا سکتا ہے ــــــــ مقالہ نگار کو کیا سورۂ کوثر بھی یاد نہ رہی جس میں فصل لربک موجود ہے ساٹھ سے زیادہ مقامات پر "ربک" فرمانے سے رب العالمین کی ربوبیت محدود ومخصوص ہو گئی سچ ہے ؎

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہوں ظن وتخمیں تو زبوں کار حیات

بفضلہ تعالیٰ ان تمام تحقیقات وتشریحات نے واضح کر دیا کہ امام احمد رضا نے سورہ کی آیت زیر بحث کا جن مفسرین کرام کے اقوال کی روشنی میں ترجمہ کیا ہے تمام مفسرین میں انہی کا اختیار کرنا اولیٰ، ارجح، اصح اور اقرب الی الصواب تھا ــــــــ اور امام احمد رضا کے ترجمے کو مرجوح قرار دینے میں مقالہ نگار کی ساری کوشش بجائے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس کے اس عناد کو ظاہر کرتی اس کے اکابرین سے حاصل شدہ اس کا موروثی سرمایہ ہے ــــــــ چلو امام احمد رضا کے ترجمے کو مرجوح ہی مان لو مگر بہر حال وہ منقول تو ہے مردود نہیں ــــــــ خلاف اولیٰ کو مان لینا خلاف اولیٰ ہی تو ہوگا اُسے کفر گمراہی وضلالت تو نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ماننے والے کو نئے نظریات کا بانی اور غیر اسلامی عقائد کا موجد تو نہیں قرار دیا جا سکتا ــــــــ مقالہ نگار اگر فرصت ہو تو اپنے گھر کا جائزہ لے جہاں "رسول دشمنی" کے جذبۂ فراواں سے "مردود" قول کو بھی حجت ودلیل کے طور پر پیش کر دیا ــــــــ عبد الحق محدث دہلوی کے حوالے سے ایک روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ــــــــ حالانکہ اشعۃ اللمعات میں شیخ نے جہاں یہ روایت نقل کی ہے وہیں یہ بھی وضاحت فرما دی ہے کہ

این سخن اصلے نہ دارد و روایت
براں صحیح نشدہ"

یعنی یہ روایت بالکل بے اصل اور غیر صحیح ہے۔ تو جس روایت کو حضرت شیخ نے بے اصل فرما کر مردود قرار دیا حضرت شیخ کے ریمارک کو نظر انداز کر کے اسی

روایت کو حضرت شیخ ہی کے حوالے سے بیان کر کے حجت قرار دینا کسی گرگ باراں دیدہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ آخر یہ کس نے ایسا کیا؟ میرے خیال میں مقالہ نگار کو اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں ——— یہ اشارہ میں نے صرف اس لئے کر دیا ہے تاکہ مقالہ نگار کچھ تو عبرت حاصل کرے کہ رسول کریم کی تنقیص و تقلیل شان کے لئے مردود روایت بھی حجت اور اگر عظمت مصطفیٰ کا اظہار ہو رہا ہو تو بگمان خویش مرجوح قول بھی حلق کے نیچے نہ اترے ——— آخر میں مقالہ نگار یہ بھی سمجھ لے کہ جن مفسرین کے اقوال کی روشنی میں امام احمد رضا کا ترجمہ مرجوح اقوال پر مشتمل ہے انھوں نے صرف اس ترجمے کو مرجوح قرار دیا ہے اُس عقیدے کو مرجوح نہیں قرار دیا ہے جو ترجمہ کی عبارت سے ظاہر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ وہ عقیدہ آیت زیر بحث سے ثابت نہ ہوگا ——— اور اس سے نقصان ہی کیا جبکہ آیات و احادیث اور ارشادات علماء ملت سے یہ نظریہ فاضل بریلوی کے وجود کے پہلے ہی سے مدلل و مبرہن چلا آرہا ہے ——— مقالہ نگار کی پیش کردہ تفسیروں میں کوئی تفسیر ایسی نہیں جس نے اپنے مرجوح کردہ اقوال کو اس لئے مرجوح قرار دیا ہو کہ وہ غیر اسلامی نظریات کے حامل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اقوال مردود ہوتے نہ کہ صرف مرجوح و خلاف اولیٰ ——— بلکہ صرف مرجوح قرار دیکر مرجوح قرار دینے والے مفسرین نے بھی مقالہ نگار کے اس خیال کی تردید کر دی کہ رسول کریم کو ماکان و مایکون کا عالم ماننا غیر اسلامی عقیدہ ہے ——— الغرض ——— اپنے جس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مقالہ نگار نے خواہ مخواہ کیلئے "تقابلی مطالعہ" کا بہانہ نکالا تھا اسمیں وہ بہر حال ناکام رہا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

امام احمد رضا اور

محاسنِ کنز الایمان

عالیجناب ملک شیر محمد خان اعوان آف کالا باغ
(پاکستان)

اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز قرآن حکیم ہے باقی تمام عقائد و اعمال اسی اصل سے ماخوذ ہیں اور جتنے اخلاقی احکام اور معاشی و معاشرتی ضوابط ہیں سب اسی مرکز سے ہدایات حاصل کرتے ہیں، یہ وحی، کتاب کی شکل میں آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں مسلمانوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

قرآنِ حکیم کا فیضان زمان و مکان کے اندر محدود نہیں اس سے ہر شخص خواہ وہ کرۂ ارض کے کسی حصہ پر آباد ہو، کسی دور میں زندگی بسر کرے یکساں طور پر ہدایت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے اور حقائق و معارف سے مستفیض ہو سکتا ہے اس لئے قرآن کا سمجھنا اور سمجھ کر اس سے اپنی زندگی کے ہر مرحلہ میں رہنمائی حاصل کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔

قرآن نے اپنے نزول کی غرض و غایت یہ بتلائی ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۲)

"یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری، برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت مانیں۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝

(پارہ ۲۶ رکوع ۷)

"تو کیا وہ قرآن کو، سوچتے نہیں یا بعضے دلوں پر ان کے قفل لگے ہیں۔"

اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں جو قرآن میں تدبر و تفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک مسلمان کا فرضِ اولین ہے کہ قرآنِ کریم کو خود پڑھے اور دوں کو پڑھائے، خود سمجھے دوسروں کو سمجھائے، خود عمل کرے دوسروں سے عمل کرنے کی جدوجہد کرے۔ قرآنِ حکیم چونکہ عربی مبین میں ہے اور ہر آدمی عربی کا فاضل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ کرنا ناگزیر ہے اور پھر ترجمہ کی مشکلات کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔ جناب ملا واحدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"سلطنت حیدر آباد دکن کے آخری سلطان نظام الملک ہفتم میر عثمان علی خاں کے پاس ایک صاحب تھے جنہیں آج سے چالیس پچاس برس پہلے دو ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ ان کا کام فقط یہ تھا کہ جسے میر عثمان علی خاں زبانی پیغام بھیجنا چاہیں اسے وہ اس طرح پہنچا دیں جس طرح میر عثمان علی خاں نے پیغام دیا ہے۔ پیغام سناتے وقت پیغام پہنچانے والے صاحب پر ان کیفیات کا طاری ہونا ضروری تھا جو پیغام بھیجتے وقت میر عثمان علی خاں پر طاری ہوتی تھیں۔ میر عثمان علی خاں خوش ہو کر کوئی بات کہتے تو وہ بھی خوش ہو کر اسے نقل کرتے۔ میر عثمان علی خاں بگڑ کر، تیوری چڑھا کر بات کرتے تو وہ بھی بگڑتے اور تیوری چڑھاتے۔ الفاظ کا بدلنا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ لہجہ اور طرزِ کلام بھی میر عثمان علی خاں کا رہتا تھا۔ مخاطب جان جاتا تھا کہ مجھ پر عنائت ہوئی ہے یا عتاب ہوا ہے۔"

ایک انسان کی بات دوسرے انسان کو من و عن پہنچانی کس قدر مشکل تھی۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے اپنا پیغام اپنے الفاظ اور اپنے لہجے میں محفوظ کرا دیا اور اس کی دائمی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ جو لوگ قرآن مجید کو قرآن مجید کی اصل زبان عربی میں سمجھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ قرآن مجید کے ترجمے اصل زبان عربی کا بدل نہیں ہیں۔ قرآن مجید کی عربی کی عربی میں بھی تفہیم کی جائے یعنی قرآن مجید کی کسی آیت کا مطلب کوئی اپنی زبان میں بھی بیان کرے تو وہ کیفیت باقی نہیں رہے گی جو قرآن مجید کی عربی میں ہے۔ دوسری زبان میں ترجمہ تو اصل کیفیت کو بالکل کھو دیتا ہے۔ لیکن چارہ ہی کیا ہے۔

جب ہمارے ہاں ہندوستان میں عربی جاننے والے ختم ہو گئے تو مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو قرآن مجید کا ترجمہ فارسی میں کرنا پڑا۔ ہندوستان کے دیگر علماء ترجمہ کرنے کے خلاف تھے مگر مولانا شاہ ولی اللہ دُور اندیش تھے انہوں نے اچھا کیا کہ قرآن مجید کے سمجھنے کا کچھ تو سامان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ خدمت انجام دلادی۔ ان کے بیٹوں شاہ رفیع الدین اور مولانا شاہ عبد القادر نے دیکھا کہ فارسی بھی ہندوستان میں چند دن کی مہمان ہے۔ لہذا مولانا شاہ رفیع الدین نے قرآن مجید کا اردو میں لفظی ترجمہ کر ڈالا۔ (لفظ کے نیچے لفظ) اور مولانا شاہ عبد القادر نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ دو سو برس قبل کی بامحاورہ اردو میں، لیکن زبان و بیان کی قدامت کے باعث ان ترجموں

اردو خواں طبقہ کے لئے استفادہ ممکن نہیں تھا۔ علاوہ ازیں "تقویت الایمان" کے مکتبۂ فکر کے علماء نے اپنے عقائد کے مطابق ان ترجموں میں کہیں کہیں تصرف بھی کر دیا تھا۔

ان ترجموں کے بعد ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا ترجمہ قرآن مجید شائع ہوا۔ لیکن انہوں نے ترجمہ میں جا بجا محاورات گھسیٹ کر قرآن حکیم کے مطالب کو ہی گم کر دیا اور اکثر مقامات پر اپنے نیچری خیالات کو بھی داخل کر دیا۔ ان دنوں حالات ملت اسلامیہ کے لئے قرآن مجید کے ایک صحیح، سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کی اشد ضرورت تھی۔ آخر اس ضرورت کو احسن طور پر پورا کرنے کی سعادت امام احمد رضا کو نصیب ہوئی۔ امام احمد رضا نے ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں قرآن مجید کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا۔ مولانا محمود الحسن کا ترجمہ ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں مکمل ہوا۔ اور ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں منظر عام پر آیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم (مع تفسیر قرآن) تو بہت بعد کی چیزیں ہیں۔

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن کس طرح عالم وجود میں آیا۔ اس کی تفصیل امام احمد رضا کے سوانح نگار مولانا بدر الدین احمد رضوی کی زبان سے سنئے:

"صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرما لیا۔ لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو امام احمد رضا نے فرمایا چونکہ ترجمہ کیلئے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لئے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ، قلم اور دوات لے کر امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ امام احمد رضا زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانگی سے پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین امام احمد رضا کے ترجمے کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ امام احمد رضا کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرت صدر الشریعہ نے امام احمد رضا سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کرا لیا اور آپ کی کوشش بلیغ کی بدولت دنیائے سنیت کو کنز الایمان کی دولت عظمیٰ نصیب ہوئی۔"

(سوانح اعلیٰحضرت امام احمد رضا صفحہ ۲۷۴/۲۷۵)

تعارف صاحب کنز الایمان

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

زمین سیکڑوں مرتبہ آفتاب عالمتاب کے گرد چکر لگاتی ہے۔ چاند لاکھوں بار کرۂ ارض کا طواف کرتا ہے اور سورج کروڑوں مرتبہ حجلۂ مشرق سے جھانکتا اور خلوت کدۂ مغرب کی کاجلی تاریکیوں میں اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے۔ تب کہیں تاریخ کے صفحات میں کوئی ایسی شخصیت ابھرتی ہے جس پر کائنات کے پردۂ زنگاری میں بیٹھا ہوا محبوب اپنی اعجاز آگیں نوازشیں بکھیر دیتا ہے اور اس محبوب دلنواز کے ساحر تبسم کے فدائی اس شخصیت کے قدموں پر عقیدتوں کے نذرانے بچھا دیتے ہیں۔ بلاشبہ تاریخ ایسی شخصیتوں کو پیش کرنے میں بالکل تہی دامن اور مفلس نہیں رہی لیکن یہ بھی ایک برہنہ حقیقت ہے کہ اس کے پاس ایسا سرمایہ نادر و نایاب کی حد تک قلیل ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی پوری تاریخ چھان ڈالئے۔ آپ کو صرف ایک ہی شخصیت نظر آئے گی جس نے فقہی فضیلت اور علمی کمال کے ساتھ ساتھ دینی و ملی خدمات کی سرانجام دہی میں مؤثر ترین کردار ادا کیا اور یہ شخصیت امام احمد رضا کی تھی۔ سلف صالحین کا دور تو آفتاب و ماہتاب کا دور تھا لیکن متاخرین کا دور بھی مولانا احمد رضا کے علمی کارہائے نمایاں پیش کر کے اپنے ماتھے سے کم مائیگی کا داغ دھو سکتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانان ہند صرف میدان جنگ میں ہی نہیں بلکہ میدان علم و حکمت میں بھی انگریزی علوم سے شکست کھا چکے تھے اس وقت مغربی علوم سے مرعوب ذہنیتیں جنم لے رہی تھیں مغربی علوم کا سیل بلا حصار اسلام کی بنیادوں سے ٹکرا رہا تھا اور ادھر صورت حال یہ تھی کہ جن لوگوں کا فریضہ مدافعت تھی وہ خود بے بس تنکوں کی طرح اس سیلاب کے تند ریلوں کے ساتھ بہہ رہے تھے اور دوسروں کو بھی یہ تلقین کر رہے تھے کہ:-

"دُر مَعَ الدَّهرِ کَیفَ یَدُور"
"چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی"

اس وقت امام احمد رضا کے علم و دانش نے زبان و قلم کے ہتھیاروں سے تجدد کی فتنہ انگیز تحریک کے خلاف صف آرائی کی اور تاریخ آج تک شہادت دے رہی ہے کہ اس منہ زور تحریک نے علم کے اسی بحر ذخار کے سامنے دم توڑ دیا۔ وہ معارف قلب و روح کے ساتھ علوم عقلی و نقلی میں بے مثال مہارت کے حامل تھے مسلمانان پاک و ہند کے سواد اعظم کو ۱۸۵۷ء میں مولانا فضل حق خیرآبادی اور دیگر علمائے اہل سنت کے فتویٰ جہاد کے بعد آپ ہی کی تحریک عرفان رسالت نے مجتمع کیا تھا۔ ہئیت اجتماعیہ اسلامیہ کی از سر نو تنظیم کا صلہ وہ تاج عظمت و کرامت ہے جو امام احمد رضا کے لقب کی صورت میں آپ کے فرق مبارک پر زینت افروز ہوا۔

منعم حقیقی نے انتہائی فیاضی سے انہیں بے مثال قابلیت، فہم و ذکا، بے نظیر حافظہ،

فصاحت و بلاغت اور سرورئ قلم و بیان کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ دینی علوم میں آپ کی مسلمہ مہارت تو خیر ایک حقیقت ثابتہ شمار کی جاتی ہے، لیکن ریاضی، تکسیر اور نجوم وغیرہ علوم دنیوی میں بھی آپ کو وہ تبحر حاصل تھا کہ ان علوم کے ماہرین اپنے اشکالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے اس منبع علم و حکمت کی بارگاہِ دانش کے محتاج رہتے تھے۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے معروف و مسلّم ماہر شمار کئے جاتے تھے۔ وہ بعض مسائل ریاضیہ کے سلسلہ میں بہت سی الجھنوں میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مولانا سید سلیمان اشرف کے توسط سے امام احمد رضا کے حضور میں شرف باریابی حاصل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد سلسلۂ گفتگو کی ابتدا ہوئی۔ آپ نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث اور دائرے کی مختلف اشکال کے ادق مسائل تحریر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو دکھایا۔ وہ انگشت بدنداں ہو کر کہنے لگے کہ میں نے ان چیزوں کے حصول کے لئے بارہا مشرق و مغرب کے ماہرین ریاضی سے ملاقاتیں کیں مگر یہ چیزیں کہیں بھی حاصل نہ ہو سکیں۔ آخر آپ نے یہ سب کچھ کس استاد سے پڑھا آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے والد صاحب سے (محض) جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے قواعد محض اس لئے سیکھے تھے کہ علم میراث میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ والد مکرم نے منع کر دیا اور کہا کہ ان میں کیوں وقت صرف کرتے ہو۔ یہ تمام علوم بارگاہِ رسالت میں تمہیں خود بخود سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ سب کچھ جو آپ دیکھ رہے ہیں اسی بارگاہِ اقدس و اعظم کا فیضان ہے۔ میں اپنے مکان کی چار دیواری میں بیٹھا خود ہی یہ اشکال بناتا اور مسائل حل کرتا رہتا ہوں۔

یہ گوناگوں صلاحیتیں اور بے مثال قابلیت منعم حقیقی نے ایک مخصوص مقصد کی تکمیل کے لئے آپ کو ودیعت فرمائی تھیں۔ فہم و فراست کا یہ اعجاز نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ نے پونے چودہ سال کی عمر میں علوم متداولہ میں مکمل دستگاہ حاصل کر لی اور پھر درس و تدریس، وعظ و ارشاد اور عبادات و ریاضات کو اپنا معمول بنا لیا اور آخری سانس تک زبان و قلم سے حقیقی اسلام کی اشاعت اور سیل الحاد و تجدد کی مخالفت اور اسلام کی مدافعت میں مصروف رہے۔ بارگاہِ رسالت کو نشانہ بنا کر جو تیر بھی چلایا گیا اس دیوانۂ رسالت نے سینہ سپر کر دیا۔ توہین رسالت کے لئے کہیں کوئی زبان حرکت میں آئی اس فدائے مصطفیٰ کا قلم برقِ خاطف بن کر اس پر گرا اور اسے بھسم کر کے رکھ دیا مخالفت کے تند ریلے آئے۔ الزام تراشیوں کے طوفان اٹھتے رہے۔ عداوت کی بلاخیز موجیں ٹکراتی رہیں مگر رسالت کا یہ عاشق پہاڑ کی طرح ان کے سامنے ڈٹا رہا اور زمانے کے کان سنتے رہے کہ وہ کہہ رہا تھا ؎

اگر ایک ذرہ کم گردد ز انگیزِ وجودِ من
بایں قیمت نمی گیرم حیاتِ جاودانی را

آج اگر عصمتِ انبیاء کا چراغ روشن ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ احمد رضا کا دامن اس کا فانوس بنا ہوا ہے۔ آج سوادِ اعظم کے جتنے بھی علمائے کرام ہیں انہیں اس بات پر فخر حاصل ہے کہ وہ امام احمد رضا کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد اور عقیدت کیش ہیں

بجتا ہے آج علم کا جو ساز دوستو
یہ بھی اسی جرس کی ہے آواز دوستو

انگریزی علوم کے مقابلہ میں آپ نے ایک ایسے علم کلام کی بنیاد ڈالی جس نے شکوک اذنیاب کی تاریک وادیوں میں بھٹکتے ہوئے اذہان کو مینارِ نور بن کر راہِ ہدایت دکھائی آپ نے ہندوستان میں نیچریت وغیرہ کی سی اعتزالی تحریکوں کو غیر اسلامی ثابت کر کے مسلمان پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ امکان نظیر رسالت یا امکان کذب باری تعالیٰ کی ملعون تحریکیں علمی بحثیں نہیں بلکہ فرنگی کی فتنہ پرور ذہنیت کی اڑائی ہوئی ایسی چنگاریاں ہیں جو مسلمانوں کے قلوب سے روح جہاد فنا کرنے کے لئے کسی وقت بھی آتش بار شعلوں میں بدل سکتی ہیں۔

تقدیس رسالت کی جو تحریک آپ نے سنہ ۱۸۷۵ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک جاری رکھی محافل میلاد کے انعقاد کی جو مشعلیں آپ نے روشن رکھیں وہ آج سلگتے ہوئے ستاروں میں تبدیل ہو کر ظلمت کدۂ دہریت و الحاد میں ضیاء بکھیر رہی ہیں۔ آپ نے مختصر جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ آپ کا وجود آیات خداوندی میں سے ایک محکم آیت کا درجہ رکھتا تھا۔

احمد رضا خاں کسی فرد واحد کا نام نہیں۔ تقدیس رسالت کی تحریک کا نام عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام تھا۔ عشق مصطفیٰ میں ڈوب کر دھڑکنے والے پاک، بابرکت اور پرسوز دل کا نام تھا اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ احمد رضا کا نام زندہ رہے گا۔ اس نام کو خدائے قدوس نے سورج کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ کے لئے ثبت کر دیا ہے اور اب حیات کا کوئی بیداد جھونکا اور زمانے کی کوئی سنگ دل ٹھوکر اسے مٹا نہیں

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

آپ نے عشق کو نئی زندگی عطا کر دی۔ جنونِ محبت کو دوام عطا کر دیا اور قلب و روح میں محبت کی وہ سرمدی مستی اور لافانی سرور و خمار بھر دیا جسے فنا تو کجا اس کی حدت کا کم ہونا بھی ابد تک ممکن نہیں۔

امام احمد رضا کے مخالفین ان کے اپنے دور میں بھی بیشمار تھے اور آج بھی لاتعداد مگر کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ نہ وہ اس وقت اس کا کچھ بگاڑ سکتے تھے اور نہ آج تک منور نام کی درخشندگی کم کر سکے ہیں۔ وہ حُبِ رسالت کا قاسم تھا۔ اس نے تقدیس رسالت کا درس دیا۔ محبوب اقدس و اعظم کی شان محبوبیت سمجھائی۔ انہوں نے موضوع پر لکھا اور ہر موضوع پر دادِ تحقیق دی۔ لیکن اگر وہ اتنی پُرعظمت کتابیں نہ بھی تب بھی صرف ان کا نعتیہ کلام ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے کافی تھا۔ ان کا

اور سوز و مستی میں ڈوبا ہوا کلام اقبال کے اس شعر کی حسین تفسیر ہے ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اور آپ کے کلام کا اس سے زیادہ اور کیا اعجاز ہوگا کہ آج تک آپ کے نغماتِ نعت بے مثال سمجھے جاتے ہیں اور آپ ہی کے لکھے ہوئے درود و سلام سے منبر و محراب گونج رہے ہیں۔ آپ نے بے مثل و بے مثال کی مدح سرائی میں زبان کھولی تھی اس لئے خدائے قدوس نے آپکے کلام کو بھی یکتا و بے نظیر کر دیا۔ احمد رضا خاں کی شاعری عشق و مستی کے نئے نئے جہانوں کی نوید بن رہی ہے اور ان نو رسیدہ جہانوں کے افق پر محبت کے ایسے آفتاب و ماہتاب روشن ہیں جو پیچ در پیچ صدیوں کی تاریکیوں میں ہمیشہ ضوبار رہیں گے۔

امام احمد رضا کا ایک عظیم ترین کارنامہ اور علمی شاہکار قرآنِ حکیم کا اردو ترجمہ ہے جو کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے موسوم ہے۔ تمام اردو تراجم قرآن سامنے رکھ لیجئے۔ اور امام احمد رضا کے ترجمہ کے ساتھ ان کا تقابلی مطالعہ کیجئے آپ واضح ترین فرق و امتیاز محسوس کریں گے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ لغوی، معنوی، ادبی اور علمی کمالات کا جامع ترین مرقع ہے۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو عربیت اور قرآن فہمی کا کس قدر ملکہ حاصل تھا۔

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے محاسن

امام احمد رضا برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم ترین مترجم ہیں جنہوں نے انتہائی کد و کاوش سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ پیش کیا ہے جس میں روح قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ مقام حیرت و استعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور بامحاورہ بھی اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمہ کی بہت بڑی خوبی ہے۔ پھر انہوں نے ترجمہ کے سلسلہ میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق و سباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار و معارف منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے۔ یہ ترجمہ سلیس، شگفتہ اور رواں ہونے کے ساتھ ساتھ روح قرآن اور عربیت کے بہت قریب ہے۔ ان کے ترجمہ کی ایک نمایاں ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر مقام پر انبیاء علیہم السلام کے ادب و احترام اور عزت و عصمت کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا ہے۔ ان کے ترجمۂ قرآن کے جملہ محاسن بیان کرنے کے لئے تو ایک ضخیم تصنیف کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس طرح ان تمام مقامات کو زیر بحث لانا پڑے گا جنہیں دوسرے تراجم کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے بخوفِ طوالت "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر صرف چند مقامات کے ترجمہ کا دوسرے تراجم سے موازنہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اہل بصیرت پر اس ترجمہ کی اہمیت و افادیت واضح ہو جائے۔

میں یہاں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا مقصد متقدمین کی مساعی کی عیب جوئی نہیں۔ اس موازنہ کا مقصد صرف امام احمد رضا کے فہم قرآن کی حقیقت پسندانہ اعتراف ہے اور بس۔ مجھے یقین ہے کہ قارئین میرے اسی جذبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مضمون کا مطالعہ کریں گے۔ آیئے اب ذرا وہ چند مقامات دیکھیں جہاں امام احمد رضا کے ترجمہ کو میں نے نمایاں حیثیت کا حامل پایا ہے:

آیت نمبر ایک: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (پارہ ۱)

ترجمہ محمود الحسن: "اس کتاب میں کچھ شک نہیں"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی:

"یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔"

عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنس ریب کی نفی ہے اور لفظ فی کا مدخول ظرف ہوتا ہے۔ کبھی زمان اور کبھی مکان تو اب معنی یہ ہوگا کہ قرآن مجید جنس ریب کا محل نہیں بنا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں کسی نے شک نہیں کیا، حالانکہ دوسرے مقام پر ہے "وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا" اور اس سے واضح ہے کہ قرآن محل ریب بنا اور لوگوں نے اس میں ریب کیا ہے یہی وہ اشکال تھا جسے رفع کرنے کے لئے علامہ تفتازانی نے مطول میں اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں طویل عبارات لکھی ہیں لیکن امام احمد رضا خاں نے ترجمہ کے چند الفاظ میں اشکال رفع کر دیا۔ ذرا ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں"

ذرا "ذٰلِكَ" کے ترجمہ کا تقابلی مطالعہ بھی کیجئے۔ معمولی عربی داں بھی یہ جانتا ہے کہ "ذٰلِكَ" اشارہ قریب نہیں اشارہ بعید ہے مگر افسوس ہے کہ اکثر مترجمین اس کا ترجمہ "یہ" کرتے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے اسے اپنے اصل معنوں میں لے کر اس کا ترجمہ "وہ" کیا ہے اور عبارت کا حسن بھی قائم رکھا ہے۔

آیت نمبر دو: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(پارہ ۱ رکوع ۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ــــــ "اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

سب مترجمین اس طرف گئے ہیں کہ لفظ "لَعَلَّ" بمعنی کَی ہے یعنی تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ لیکن علامہ بیضاوی نے اس کے متعلق فرمایا:۔

"لم يثبت في اللغة مثله"

"یعنی لغت میں اس کی مثال ثابت نہیں"

پھر علامہ ممدوح نے فرمایا کہ یہ حال ہے ضمیر اعبدوا سے مطلب یہ ہوا کہ:

"اعبدوا راجين ان ينخرطوا في سلك المتقين"

"یعنی عبادت کرو، یہ امید کرتے ہوئے کہ تم متقیوں کی صف میں شامل ہو جاؤ"

امام احمد رضا نے اسی استدلال کو اختیار فرما کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

ترجمہ امام احمد رضا :۔

" اے لوگو اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے"۔

آیت نمبر ۳ : ـــــــ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ؕ (پارہ ۲ رکوع ۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :۔" اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائیگا الٹے پاؤں "۔

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ـــــــ " اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہوجاوے کہ کون رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے"۔

دونوں مترجمین نے "لِنَعْلَمَ" کے لغوی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ "معلوم کریں" اور "ہم کو معلوم ہوجائے"۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لفظی ترجمہ اپنی جگہ درست ہے۔ مگر اس سے یہ عجیب تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ ایک چیز خدائے علیم و خبیر کو معلوم نہ تھی اور اس آزمائش میں ڈال کر وہ اسے معلوم کرنا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ "معلوم ہوجائے" کی نسبت خدا سے کسی طرح درست نہیں ہوسکتی۔ قرآن کے منشاء اور اندازِ بیان کی تفہیم کے لئے لفظی ترجمہ کی بجائے کہیں کہیں ترجمانی کا رنگ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اب دیکھئے کہ امام احمد رضا مترجم کے اس اہم فرض سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں۔

امام احمد رضا نے متذکرہ آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :۔

" اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے"۔

آیت نمبر ۴ : ـــــــ "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ

(پارہ ۲ رکوع ۵)

آیہ زیر نظر میں "اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ" کے الفاظ برصغیر پاک و ہند کے دو مکاتیب فکر (بریلی اور دیوبند) کے درمیان مابہ النزاع بن کر رہ گئے ہیں اس سے دیوبندی مکتبۂ فکر یہ مطلب اخذ کرتا ہے کہ جس جانور کو بھی غیر اللہ کے نام سے منسوب کردیا جائے پھر چاہے ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام بھی پڑھا جائے وہ جانور حرام ہوجائے گا۔

یہ مکتبۂ فکر اس معاملہ میں انتہائی متشدد ہوگیا ہے۔ بریلوی مکتبۂ فکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آیت صرف اسی مذبوحہ جانور کو حرام کہتی ہے جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کی بجائے غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ اصل میں سارا نزاع لفظ "اُهِلَّ" سے پیدا ہوا۔

بریلوی حضرات کے نزدیک اھلال کے معنی ہیں "رفع الصوت عند الذبح" جب کہ دیوبندی حضرات اسے مطلق منسوب کرنے کے معنوں میں لیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ نزاع مولانا اشرف علی تھانوی کی جدت سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے آیت زیر نظر کا ترجمہ یوں کیا ہے :۔

" اللہ تعالیٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار کو اور خون کو (جو بہتا ہو) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی) اور ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کردیا گیا ہو"۔

اس "اھلال" کے لیے صاف نامزد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ لغت جس کی تائید نہیں کرسکتی۔ مولانا تھانوی کے بعد ان کے گروہ فکر کے تمام مترجمین حتیٰ کہ مولانا عبد الماجد دریا بادی بھی "اھلال" کے لئے یہی نامزد کا لفظ ایسے استعمال کرتے ہیں جیسے یہ لغت کا مستند ترجمہ ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ترجمہ دیکھا آپ جانتے ہیں کہ قرآن کا دوسری زبانوں میں ترجمہ پیش کرنے والوں میں حضرت شاہ ولی اللہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے آپ بھی زیر بحث آیت میں ان کا ترجمہ دیکھئے اور پھر خود ہی اندازہ کیجئے کہ ان کے اور مولانا تھانوی کے تراجم میں کتنا واضح اختلاف ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

"جز ایں نیست کہ حرام کردہ است برشما مردار را و خون را و گوشتِ خوک را و آنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ شاہ صاحب نے "اھلال" کا ترجمہ نامزد وغیرہ نہیں کیا بلکہ صاف الفاظ میں "آواز بلند کردہ شود در ذبح وے" لکھا ہے اور یہ ترجمہ بالکل وہی ہے جو اعلیحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے پیش کیا ہے ان کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

" اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا"۔

آیت نمبر ۵ : ـــــــ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ

(پارہ ۳ ۔ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــــ " اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے"۔

مکر کے لغوی معنیٰ خفیہ تدبیر کرنے کے ہیں مگر اردو میں یہ لفظ دھوکہ اور فریب جیسے مبتذل صفات کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ سوچئے کہ خدا کی ذات سے "مکر" اور "داؤ" جیسے الفاظ کا استعمال کس قدر سوءِ ادبی کا متحمل ہے۔ اب ذرا اعلیحضرت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :۔

" اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور

"اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔"

آیت نمبر۶: ـــــ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (پارہ ۴ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت رہنے والوں کو۔"

ترجمہ سے یوں ظاہر ہوتا ہے جیسے خدا کو پہلے کسی بات کا علم نہیں تھا اور یہ چیز خدا کے عالم الغیب ہونے کے سراسر منافی ہے۔ اسلئے امام احمد رضا نے ایسا انداز بیان اختیار کیا ہے کہ کسی ذہن میں کسی قسم کا اعتراض پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ امام احمد رضا مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :۔

"اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔"

آیت نمبر۷: ـــــ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ج (پارہ ۵ رکوع ۱۸)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا۔"

"دغا" کا لفظ کس قدر رکیک لفظ ہے؟ اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں اور جب اس لفظ کو خدا کی ذات اقدس و اعظم سے منسوب کیا جائے تو اعدائے دین کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ امام احمد رضا نے کس احتیاط سے یہاں ترجمانی کے فرائض نبھائے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے :۔

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کرکے مارے گا۔"

آیت نمبر۸: ـــــ "اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ج فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (پارہ ۹ رکوع ۲)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ کیا بے ڈر ہوگئے اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔"

اس آیت کے ترجمہ میں بھی مکر کو داؤ سے تعبیر کیا گیا ہے جو نہ صرف اس کے لغوی مفہوم کے خلاف ہے بلکہ اس سے شکوک و شبہات اور اعتراضات کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔ امام احمد رضا کا محتاط اور متکلمانہ ترجمہ ملاحظہ کیجئے :۔

"کیا اللہ کی خفی تدبیر سے بے خبر ہیں تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔"

آیت نمبر۹: ـــــ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ (پارہ ۹ رکوع ۱۸)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اور وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔"

مولانا محمود الحسن نے یہاں بھی "مکر" کو "داؤ" کے معنوں میں استعمال کیا ہے مگر امام احمد رضا نے صحیح لغوی مفہوم کو ترجمہ میں شامل کرکے سارے شکوک و شبہات دور کردیئے امام احمد رضا کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر۔"

آیت نمبر۱۰: ـــــ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ط (پارہ ۱۰ رکوع ۱۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو۔"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــ "انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا۔ پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا۔"

"نسی" کے معنی بالارادہ اور بے ارادہ بھول جانے کے بھی ہیں اور نظر انداز کرنے اور چھوڑ دینے کے بھی۔ مترجم کا بھی فرض ہے کہ وہ ترجمہ کرتے ہوئے خدا کی شان اور عظمت کو ضرور پیش نظر رکھے۔ مولانا محمود الحسن ـــــ نے "بھول جانے" کے الفاظ خدا سے منسوب کئے ہیں۔ جن سے یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ معاذ اللہ خدا کو بھی نسیان لاحق ہوسکتا ہے اس کے برعکس امام احمد رضا کا ترجمہ زیادہ واضح ہے انہوں نے لغت سے ایسا مفہوم لیا ہے جو شان خداوندی کے خلاف نہیں۔

امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :۔

"وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا"

آیت نمبر۱۱ ـــــ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ط (پارہ ۱۱ رکوع ۸)

ترجمہ مولانا محمود الحسن :۔ "کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے"

آیت زیر نظر میں مولانا محمود الحسن نے مکر کے معنی "حیلہ" کئے ہیں جس کی خدا سے نسبت کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ان کے برعکس امام احمد رضا نے صحیح لغوی مفہوم استعمال کیا ہے اور معترض ذہنوں کے اشکالات رفع کردیئے ہیں۔ ان کا ترجمہ درج ذیل ہے :۔

"تم فرمادو، اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے جلد ہوجاتی ہے۔"

آیت نمبر۱۲ ـــــ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ج وَهَمَّ بِهَا (پارہ ۱۲ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ـــــ اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہوچلا تھا"

ترجمہ مولانا محمود الحسن : ـــــ اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا"

زیر نظر آیت کے تراجم پر غور کیجئے ایک تو تھانوی صاحب کا ترجمہ ترجمہ نہیں ترجمانی کا رنگ اختیار کرگیا ہے دوسرے تھانوی صاحب اور محمود الحسن صاحب کے تراجم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا تو بدکاری پر آمادہ تھی ہی معاذ اللہ یوسف علیہ السلام بھی آمادہ

ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ اجتماعی عقیدہ عصمت انبیاء کی صریح مخالفت ہے ان حضرات نے ترجمہ کرتے ہوئے "ھَمَّ بِھَا" کے بعد آنے والے "لَوْ" کے حرفِ شرط کو منقطع کر دیا ہے حالانکہ یہ متصل ہے۔ اعلیحضرت بریلوی کے ترجمہ میں یہی خوبی ہے کہ انہوں نے حرفِ شرط کو متصل کر کے عصمتِ انبیاء کے اجتماعی عقیدہ کی تائید بھی کر دی ہے۔ ترجمہ لفظی بھی ہے اور کوئی لفظ زائد استعمال نہیں ہوا مگر دشمنانِ اسلام کو اعتراض کا موقعہ بھی نہیں ملا۔

امام احمد رضا کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔"

آیت نمبر ۱۳ ——— كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ (پارہ ۱۳ رکوع ۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ——— "یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسف کو"

ترجمہ امام احمد رضا: ——— "ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی"

"کید" کا لفظ عربی زبان میں خفیہ تدبیر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اسے داؤ اور فریب کے معنوں میں بھی لیا جاتا ہے مگر جب اس کی نسبت خدائے قدوس کی طرف ہو تو اس کا ترجمہ داؤ یا فریب کرنا سراسر توہین باری تعالیٰ ہے۔ اب دیکھئے کہ اول الذکر ترجمہ سے کتنے دریدہ دہنوں کو قرآنِ کریم پر زبانِ اعتراض دراز کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور ثانی الذکر ترجمہ ایسا حسین ہے کہ کسی قسم کے اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آیت نمبر ۱۴ ——— قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ○

(پارہ ۱۳ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ——— "لوگ بولے قسم اللہ کی تو تو اپنی اسی قدیم غلطی میں ہے"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ——— "وہ (پاس والے) کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ——— "بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں"

حضرت یعقوب علیہ السلام جب کہتے ہیں کہ انہیں پیراہن یوسف کی خوشبو آ رہی ہے تو جواب میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کے سلسلۂ کلام سے پوری صراحت ہو جاتی ہے کہ "قَالُوْا" کا اشارہ ان کے بیٹوں کی طرف ہے اور یہ الفاظ ان کے بیٹوں نے ہی کہے تھے سیاق میں کہیں کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ اس وقت بیٹوں کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے لیکن مولانا محمود الحسن نے نہ معلوم کس خیال کے تحت اس قول کو دوسرے لوگوں سے منسوب کر دیا۔ ان کی اتباع میں تھانوی صاحب نے بھی "وہ (پاس والے) کہنے لگے" لکھ کر اس قول کو بیٹوں کے بجائے دوسرے لوگوں سے منسوب کر دیا (پاس والے) کا اضافہ معلوم نہیں کیوں ضروری سمجھا گیا۔ ان حضرات کے برعکس امام احمد رضا نے قرآن کے سیاق و سباق کے عین مطابق "قَالُوْا" کا ترجمہ "بیٹے بولے" کیا ہے۔

علاوہ ازیں آیت زیر نظر میں "ضَلٰلِكَ" کا لفظ آیا ہے۔ جس کے ترجمہ میں واضح اختلاف ہے۔ مولانا محمود الحسن نے اس کا ترجمہ "غلطی" کیا ہے۔ تھانوی صاحب نے اسے "غلط خیال" لکھ دیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ "ضلالت" کو "غلطی" کے معنوں میں استعمال کرنے کی کوئی نظیر بھی ملتی ہے یہ ٹھیک ہے کہ ان حضرات نے "گمراہی" کی بجائے "غلطی" کا لفظ محض اس لئے لگایا ہے کہ پیغمبر کو گمراہ کہنا اس کی شان کے شایاں نہیں۔ مگر ترجمہ کی [illegible] لغت کی تائید بھی تو ضروری ہے۔ ان کے مقابلہ میں امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھئے انہوں نے اس کا ترجمہ "خود رفتگی" کیا ہے۔ لفظ "خود رفتگی" ایک طرف تو ادبی محاسن کا مرقع ہے۔ دوسری طرف اس سے محبت و شیفتگی کے تمام جذبات کا اظہار ہو جاتا ہے اور بیٹے یہ لفظ اگر یعقوب علیہ السلام کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو نازیبا بھی نہیں پھر لغت بھی اس کی مکمل تائید کرتی ہے خود قرآن حکیم میں اس کی نظیر موجود ہے۔ خدائے قدوس نے حضور سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اس آیت میں حضور کو "ضَآلًّا" کہا گیا ہے جو حضرات آیت زیر بحث میں "ضلالت" کے معنی غلطی کرتے ہیں۔ اس طرح اس جگہ بھی ان کے یہاں اسی قسم کا ترجمہ ہوگا آپ جانتے ہیں کہ نبی معصوم کے حق میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال کتنی بڑی سوءِ ادبی ہے مگر اس چیز کی پروا کئے بغیر مولانا محمود الحسن نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی"

گویا معاذ اللہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھٹکے ہوئے تھے حالانکہ یہ امت کے اجتماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ امام احمد رضا نے یہاں بھی وہی ترجمہ کیا ہے جو شان نبوت کے شایاں ہے اور آپ نے لکھا ہے کہ:۔

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

چونکہ مذکورہ بالا دونوں آیات میں "ضلالت" کی نسبت انبیاء کی طرف تھی اس لئے آپ نے اس کا ترجمہ خود رفتگی کیا ہے جو محبت کے انتہائی مقام کو ظاہر کرتا ہے۔ اس آیت .... (وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى) سے متعلق مستقل بحث اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں:۔

آیت نمبر ۱۵: ——— حَتّٰۤى اِذَا اسْتَایْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (پارہ ۱۳ رکوع ۲)

ترجمہ مولانا اشرف علی: ——— "یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی"

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ——— "یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا"

زیرِ نظر تراجم پر نظر ڈالیئے سب سے پہلے جو چیز ابھر کر سامنے آتی ہے وہ اِذَا اسْتَایْــَٔسَ الرُّسُلُ" کا ترجمہ مولانا تھانوی صاحب نے صاف لکھ دیا کہ پیغمبر تائید ربانی سے مایوس ہو گئے حالانکہ انبیاء کرام کا تائید خداوندی سے مایوس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا پورا یقین ہوتا ہے اور یہ یقین ایسا پختہ ہوتا ہے کہ کوئی قوت اسے متزلزل نہیں کر سکتی۔ مولانا محمود الحسن نے "مایوس ہو گئے" کی متذکرہ بالا صورت سے بچنے کے لئے "ناامید ہونے لگے" لکھا ہے گویا ناامیدی [illegible]

صدمہ تو نہ ہوا لیکن ناامید ہونے والے ضرور تھے اس میں بھی پیغمبروں کی تائید ربانی سے مایوس ہونے کا امکان بڑا واضح ہے۔

اب ذرا امام احمد رضا خاں کے ترجمہ کو دیکھئے انہوں نے لکھا ہے:-

"یہاں تک جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔"

ترجمہ کتنا قریب حقیقت ہے۔ عربیت بھی برقرار رہی اور منشائے خداوندی کا بھی اظہار ہو گیا کہ اس کی تائید ایسے وقت نمودار ہو جاتی ہے جب ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں۔ مولانا تھانوی اور مولانا محمود الحسن کے تراجم سے اعدائے اسلام کو یہ بیچ نکالنے کا موقع ملتا ہے کہ جب انبیاء کو بھی تائید خداوندی پر یقین نہیں تھا تو عام مسلمان کیسے اس پر یقین رکھ سکتے ہیں لیکن امام احمد رضا کے ترجمہ نے یہ اشکال پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔

اس آیت کے ترجمہ میں دوسری قابل غور بات "ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا" کا ترجمہ ہے۔ مولانا محمود الحسن اور مولانا تھانوی کے تراجم سے صاف عیاں ہے کہ انبیاء مایوسی کے عالم میں یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے خدا نے تائید و نصرت کے جو وعدے فرمائے تھے وہ معاذ اللہ سب جھوٹے تھے۔ اور یہ چیز شان نبوت کے صریحاً خلاف ہے انبیاء کو اگر وعدۂ خداوندی کی صداقت پر یقین نہیں تھا تو پھر اور کسے ہوگا۔ یہاں بھی امام احمد رضا کا ترجمہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے انہوں نے "ظَنُّوْٓا" کی ضمیر جمع غائب کا مرجع انبیاء کو نہیں بلکہ "لوگوں" کو ٹھہرایا ہے۔ اس طرح ہر قسم کے اشکالات ترجمہ میں ہی رفع ہو گئے۔

آیت نمبر ۱۶: ——— وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ط

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ——— "اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے سو اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب"

اس آیت میں مکر کو فریب کے معنی میں لے کر "سارا فریب" خدا کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے۔ اس طرح عام لوگ یہ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں کہ العیاذ باللہ سب سے بڑا فریب کار خود خدائے قدوس ہے لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ہر شبہ کا مسکت جواب ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:-

"اور ان سے اگلے فریب کر چکے ہیں تو ساری خفیہ تدبیر کا مالک تو اللہ ہی ہے۔"

آیت نمبر ۱۷: ——— قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ط

(پارہ ۱۴ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ——— "بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ——— "لوط نے فرمایا کہ یہ میری (بہو) بیٹیاں موجود ہیں اگر تم (میرا کہنا) کرو۔"

ترجمہ امام احمد رضا: ——— "کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔"

آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور کفار اپنے شوق لواطت میں ان کے پیچھے دوڑے آتے ہیں اور ان کے حصول کا تقاضا کرتے ہیں تو حضرت لوط علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں "هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ہ" اب ذرا اس آیت مقدسہ کے ان تراجم پر غور کیجئے۔ پہلے دونوں تراجم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جناب لوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کو بچانے کے لئے اپنی بیٹیاں پیش کر دی تھیں حالانکہ یہ بات ایک اولوالعزم پیغمبر تو کجا کسی بھی شریف آدمی کو زیب نہیں دیتی۔ مہمانوں کو بچانے کے لئے جان تو قربان کر دی جا سکتی ہے لیکن عزت اور غیرت کی قربانی گوارا نہیں کی جا سکتی۔ ان تراجم کے برعکس ذرا امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھئے آپ نے کس حسن ادا سے تمام اعتراضات صرف ترجمہ میں ہی ختم کر دیئے ہیں۔ قوم کا سردار قوم کے تمام افراد کا باپ ہوتا ہے اس طرح انہیں شرم دلانے کے لئے یہ فرما رہے ہیں کہ تمہاری اپنی بیویاں موجود ہیں جو جنسی خواہش کی تسکین کا جائز ذریعہ ہیں۔ ان کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر کلام میں انتہائی زور پیدا کیا گیا تھا لیکن مترجمین نے نزاکت الفاظ اور بلاغت بیان کو نظر انداز کرتے ہوئے ایسا ترجمہ کیا کہ خود دامن نبوت پر اعتراضات کے چھینٹے پڑ گئے۔

آیت نمبر ۱۸: ——— وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ص

(پارہ ۱۶ رکوع ۱۶)

ترجمہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: ——— "اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے)"

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کے ترجمہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے دو باتیں منسوب ہو گئی ہیں (۱) نافرمانی (۲) گمراہی۔ اور یہ دونوں افعال عصمت انبیاء کے نقیض ہیں۔ اس کے مقابلہ میں امام احمد رضا نے قرآن کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ لغت کے خلاف بھی نہیں گئے اور عصمت انبیاء پر بھی حرف نہیں آنے دیا۔ امام احمد رضا کا ترجمہ پڑھئے:-

"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔"

آیت نمبر ۱۹: ——— فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (پارہ ۱۷ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ——— "پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو۔"

اس آیت میں مولانا محمود الحسن نے "نہ پکڑ سکیں گے اس کو" کے جو الفاظ لکھ دیئے ہیں اُن سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ غالباً یونس علیہ السلام کا خیال تھا کہ خدا کی ذات ان پر قابو نہ پا سکے گی۔ ان جیسے جلیل القدر پیغمبر کے متعلق تو کجا کسی عام مسلمان

کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے مقابلہ میں خدا کی گرفت کو عاجز اور درماندہ خیال کرے مگر امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"تو گمان کیا (یونس علیہ السلام) نے کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔" امام احمد رضا کے الفاظ دیکھئے۔ "ہم اس پر تنگی نہ کریں گے"۔ کتنے حسین الفاظ میں حقیقی مفہوم ادا کیا ہے ایک محب اپنی محبت کے زعم میں یقیناً یہ خیال کر سکتا ہے کہ محبوب ازل اسے کسی تنگی میں مبتلا نہیں کریگا پھر یہ خیال کیجئے کہ امام احمد رضا نے اپنی زبان قرآن کے منہ میں رکھ کر یہ ترجمہ کر دیا ہے کہ خود قرآن ان کے ترجمہ کی صحت کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ج

(پارہ ۲۰ رکوع ۱۱)

"اللہ رزق وسیع کرتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لئے چاہے اور تنگی فرماتا ہے"

آیت نمبر ۲۰: ـــــــ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ؕ

(پارہ ۱۹ رکوع ۶)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــــ موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی تھی"

"ضلالت" کے ایک معنی راہ سے بے خبر ہونے کے بھی ہیں۔ آیت زیر نظر میں "ضالین" کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے "بڑی غلطی" کا مفہوم دے دیا۔ اس طرح موسیٰ علیہ السّلام کی عصمت پر حرف آگیا۔ اب امام احمد رضا کا ترجمہ پڑھیئے:۔

"موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔"

آیت نمبر ۲۱ ـــــــ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا (پارہ ۱۹ رکوع ۱۹)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــــ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب۔"

آیت زیر نظر میں بھی مولانا محمود الحسن نے "مکر" کو فریب کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور پھر اسے اللہ کی ذات سے نسبت دی ہے ان کے مقابلہ میں امام احمد رضا نے مکر کو خفیہ تدبیر کے معنوں میں لے کر خدا کی تنزیہہ کو برقرار رکھا۔ امام احمد رضا کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی"

آیت نمبر ۲۲: ـــــــ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــــ اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں اور عورتوں کے لئے۔"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــــ "اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیئے اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے بھی۔"

مولانا محمود الحسن اور مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے ترجموں میں ایسے الفاظ استعمال کئے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ خطا کار بنا د[...] ذرا غور کیجئے ان غیر محتاط تراجم کے مطالعہ سے ایک عام مسلمان یا ایک غیر مسلم کیا [...] لے سکتا ہے یہی کہ معاذ اللہ خود حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن بھی خطاؤں [...] پاک نہ تھا۔ کیا یہ تراجم دشمنان اسلام کے ہاتھ میں اسلام اور اہل اسلام کے خلا[ف] ایک مضبوط ہتھیار تھما دینے کے موجب نہیں ہوں گے۔ کیا ان تراجم سے عصمت ا[...] کا مسلّمہ عقیدہ مجروح نہیں ہوتا۔ ان تراجم کے مقابلہ میں امام احمد رضا کا ترجمہ ایمان[...] عرفان اور علم و تحقیق کا ایک حسین مرقع ہے۔ انہوں نے خدائے قدوس کے کلام پاک [...] شایانِ شان ترجمہ کر کے حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محبوبیت اور عظمت[...] مصطفویت کو کتنے عمدہ پیرایہ میں اجاگر کیا ہے اور کسی طویل تفسیر کے بغیر ترجمہ میں یہ [...] بات واضح کر دی ہے کہ "مومنین و مومنات" سے عام مسلمان مرد و زن مراد ہیں اور ذنبک [...] میں امتِ مسلمہ کے خواص کی طرف اشارہ ہے۔ جن کے لئے حضور کو شفاعت و مغفرت [...] کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں معاذ اللہ حضور کی خطاؤں کا ذکر نہیں کیونکہ آپ کی ذات مع[...] اور پاک ہے جن کی زبان وحی ترجمان اور جن کا سینہ الم نشرح کا گنجینہ ہو جو شفیع المذنبین [...] جن کے معاملہ کو خدا اپنا معاملہ اور جن کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمائے ان کے متعلق گناہ و خط[ا کی] نسبت کا تصور بھی گناہ اور خطا ہے:۔

ع یہ سوءِ ظن ہے ساقیٔ کوثر کے باب میں

اب امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو"

آیت نمبر ۲۳: ـــــــ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (پارہ ۲۶ رکو[ع ...])

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــــ بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ [...] آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے۔"

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــــ "ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ [...] کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔"

یہاں بھی مترجمین نے خطاؤں کو حضور کی ذات سے منسوب کر دیا۔ ان غیر محتاط تر[اجم] کے تراجم سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حضور سے پہلے بھی گناہ سرزد ہوتے رہے او[ر ...] میں بھی اور خدا نے اس آیت میں ان کی بخشش کا وعدہ فرمایا ہے لیکن امام احمد رضا کے [...] قلم نے عصمتِ انبیاء کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا ایمان افروز ترجمہ کیا ہے جو ان کے عدیم الم[ثال ...] قرآن پر دلالت کرتا ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔"

اس آیت کے تفسیری حاشیہ میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی، تفسیر خازن اور تف[سیر ...]

روح البیان کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :-

"یعنی تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے"

آیت نمبر۲۴ :—— وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ (پارہ ۲۷ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : —— "قسم ہے تارے کی جب گرے"

مولانا محمود الحسن کے ترجمہ میں ستارے گرنے کا بیان ہے جس کی کنہ اور حقیقت تک پہنچنا عام قاری کے لئے ناممکن کی حد تک مشکل ہے

نیز اس ترجمہ سے کلام خداوندی کی جامعیت و بلاغت اور مقام مصطفیٰ کی رفعت وعظمت بھی واضح نہیں ہوتی لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ایسا جامع، واضح اور بلیغ ہے کہ کوئی انصاف پسند اہل ذوق اس کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ترجمہ انتہا درجہ کی عقیدت و محبت کا مرقع نظر آتا ہے "نجم" کے مطلب کے ساتھ اس کی مراد بھی واضح کر دی گئی ہے چونکہ سورہ النجم میں حضور کی سیر آسمانی (معراج جسمانی) کا ذکر ہے۔ اس لئے (متذکرہ ترجمہ کے مطابق) ذکر معراج سے ہی ابتدا کی گئی ہے اس طرح حضور کی جلالت و عظمت نمایاں ہو جاتی ہے جسے ایک عام قاری بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے اور یہی تفسیر حضرت امام جعفر سے منقول ہے (کمافی المظہری والمعالم وغیرہما) متذکرہ آیت کا ترجمہ امام احمد رضا بریلوی نے اس طرح کیا ہے :-

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے"

آیت نمبر ۲۵ :—— وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (پارہ ۲۸ رکوع ۲۰)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : —— "اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو"

ترجمہ امام احمد رضا : —— "اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی"

یہ آیت حضرت مریم کی عصمت و تقدیس کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔ اب دونوں تراجم پر نظر ڈالئے۔ مولانا محمود الحسن کا ترجمہ بلاشبہ درست لفظی ترجمہ ہے لیکن ہر زبان کا اپنا اپنا انداز و اسلوب بیان ہوتا ہے۔ مترجم کا فرض یہ ہے کہ وہ اصل زبان کا صحیح مفہوم سمجھ کر اسے اس زبان کے اسلوب بیان میں ڈھالے جس میں وہ عبارت کو منتقل کر رہا ہے۔ عربی زبان میں "حصن" کا لفظ محفوظ کرنے، روکنے اور قلعہ کے معنوں میں آتا ہے لیکن یہ تمام معانی اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کے بنیادی معنی حفاظت کے ہیں۔ امام احمد رضا نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے "فرج" کے لفظی معنی بلاشبہ جائے شہوت ہیں لیکن اردو میں یہ لفظی ترجمہ کچھ زیب نہیں دیتا۔ امام احمد رضا نے جو مرادی ترجمہ کیا ہے اس میں عربی کی اصل روح بھی برقرار ہے اور اردو زبان کا احترام پسندانہ اسلوب بھی قائم ہے۔

آیت نمبر ۲۶ :—— وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (پارہ ۳۰ سورہ الضحیٰ)

ترجمہ مولانا محمود الحسن : —— "اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی"

مولانا محمود الحسن کے ترجمہ میں لفظ "بھٹکتا" قابل غور ہے۔ اردو زبان کی سب سے بڑی لغت "جامع اللغات" میں اس لفظ کے یہ معنی لکھے ہیں "گمراہ ہونا۔ آوارہ پھرنا"۔ ایک طرف خدا کا ارشاد ہے۔ "مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (پارہ ۲۷ رکوع ۵) (تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے) پھر انکے متعلق یہ فرمانا کہ "ہم نے تجھے بھٹکتا پایا" مترجم نے ایک لفظی معنی کے پیچھے پڑ کر یہ نہ سوچا کہ ان کے قلم سے کس عظیم القدر ہستی کا دامن عصمت چاک ہو رہا ہے۔ ایک لفظ کے ہر جگہ ایک ہی معنی نہیں ہوتے۔ اسی آیت میں "ضال" کے معنی بے پناہ محبت کرنے اور محبت میں محو یا خود رفتہ ہونیکے ہیں قرآن حکیم میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے متعلق "ضال" کا لفظ آیا ہے "اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ" (پارہ ۱۳ رکوع ۵) اس کا بھی دراصل یہی مفہوم ہے کہ آپ بڑے عرصہ سے یوسف علیہ السلام کی محبت میں برگشتہ اور خود رفتہ رہے حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا نے آیت زیر بحث کے ترجمہ میں اپنی بے مثال لغت دانی اور حب رسول کا عظیم ترین ثبوت دیا ہے۔ امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :-

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

کنز الایمان کے ادبی کمالات

پچھلے صفحات میں انتہائی اختصار سے تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں چند آیات کے تراجم بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام احمد رضا کا ترجمہ علمی، لغوی اور اعتقادی لحاظ سے باقی تراجم پر فوقیت رکھتا ہے۔ اب ذرا امام احمد رضا کے ترجمہ کے ادبی کمالات پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے اور یہ ذہن میں رکھیئے کہ جن حضرات کے تراجم تقابل کے طور پر پیش کئے گئے ہیں، امام احمد رضا نے ان سے بہت پہلے یہ ترجمہ تحریر کیا ہے۔ اس دور میں اردو اس قدر ترقی یافتہ زبان نہیں تھی جتنی آج ہے مگر انہوں نے جو کچھ برسوں پیشتر لکھا ہے اسے پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی آج کا ادیب ترجمہ تحریر کر رہا ہے۔

بخوف طوالت صرف چند آیات کے تراجم پیش کئے جاتے ہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے کہ امام احمد رضا کے ترجمہ میں کتنے ادبی اوصاف موجود ہیں اور انہوں نے اپنے کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے قلم سے کتنا پاکیزہ ترجمۂ قرآن اردو کے حوالے کر کے اس کے احساس تہی مائیگی کو ختم کر دیا ہے اور اس طرح مشہور صوفی شاعر اور عارف باللہ جناب خواجہ میر درد دہلوی علیہ الرحمۃ کی درج ذیل پیشگوئی کا صحیح مصداق ثابت ہوئے :-

"اے اردو گھبرانا نہیں تو فقیروں کا لگایا ہوا پودا ہے
خوب پھلے پھولے گی تو پروان چڑھے گی۔ ایک زمانہ
ایسا آئے گا کہ قرآن و حدیث تیری آغوش میں آکر آرام
کریں گے۔"

(میخانۂ درد صفحہ ۱۵۳ مولفہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی)

تراجم قرآن کے تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں ذیل میں چند آیات کے ترجمے ملاحظہ فرمائیے :۔

آیت نمبر ۱ :۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط
(پارہ ۱ رکوع ۴)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی : ـــــ "اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ بحمد اللہ اور تقدیس کرتے رہتے ہیں"۔

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں"

آیت نمبر ۲ : ـــــ یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ
(پارہ ۱۲ رکوع ۱۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا"۔

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا"۔

آیت نمبر ۳ : ـــــ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِیْهَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ
(پارہ ۱۸ رکوع ۷)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ذمہ پر لازم کی اور اتاریں اس میں باتیں صاف"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کئے اور ہم نے اس میں روشن آیتیں نازل فرمائیں"۔

آیت نمبر ۴: ـــــ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا
(پارہ ۱۹ رکوع ۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "اور رسول نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرالیا"

آیت نمبر ۵ : ـــــ فَسَوْفَ یَكُوْنُ لِزَامًا (پارہ ۱۹ رکوع ۴)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اب آگے کو ہوتی ہے مٹھ بھیڑ"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "تو اب ہوگا وہ عذاب کہ لپٹ رہے گا"

آیت نمبر ۶ : ـــــ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ
(پارہ ۲۳ رکوع ۱۳)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں والے اور آنکھوں والے"

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ـــــ "اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو"

آیت نمبر ۷ : "اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ (پارہ ۲۹ رکوع ...)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "بے شک آدمی بنا ہے جی کا کچا"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "بے شک آدمی بنایا گیا ہے بڑا بے صبرا حریص"

آیت نمبر ۸ : ـــــ وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ (پارہ ۳۰ رکوع ۵)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اور گھن کے باغ"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "اور گھنے باغیچے"

آیت نمبر ۹ : ـــــ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۙ (پارہ ۳۰ رکوع ۱)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اور جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑ جائے"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "اور جب وحشی جانور جمع کئے جائیں"

آیت نمبر ۱۰ : ـــــ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۙ (پارہ ۳۰ رکوع ۲۲)

ترجمہ مولانا محمود الحسن: ـــــ "اس میں لکھی ہیں کتابیں مضبوط"

ترجمہ امام احمد رضا: ـــــ "ان میں سیدھی باتیں لکھی ہیں"

جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا ہے یہ ایک وسیع موضوع ہے جس پر تفصیلی بحث کسی آئندہ فرصت میں ہو سکتی ہے ؎

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانہ نے
میرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

بہرحال ان چند مثالوں سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ امام احمد رضا قرآن میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے۔ امام احمد رضا کا شمار عالم اسلامی کے ان خواص علما میں ہوتا ہے جن کی قامت پر "راسخ فی العلم" کی قبا راست آتی ہے۔ قرآن کریم سے ان کو غیر معمولی شغف تھا۔ انہوں نے اللہ کے کلام میں برسوں تدبر کیا۔ اسی مسلسل تدبر و تفکر کا نتیجہ تھا کہ امام احمد رضا کو قرآن پاک سے خاص مناسبت ہو گئی۔

ان کا ترجمۂ قرآن ان کے برسوں کے فکر و تدبر کا نچوڑ ہے۔ جس کی چند جھلکیاں پچھلے صفحات میں پیش کی گئی ہیں۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام احمد رضا کا

ترجمۂ قرآن حقائق کی روشنی میں

نبیرۂ زادہ امام احمد رضا حضرت مولانا اختر رضا خاں ازہری
ایم اے ازہر یونیورسٹی متحدہ عرب جمہوریہ (مصر)

رضوی گلستاں کے ایک شاداب پھول کا نام ہے اختر رضا خاں، جو مفسر اعظم حضرت العلام ابراہیم رضا خاں عرف جیلانی میاں علیہ الرحمہ کے صاحبزادے ہیں۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء میں بغرض حصول علم جامعہ ازہر مصر گئے۔ مسلسل تین سال وہاں قیام پذیر رہ کر علوم احادیث و تفاسیر میں مہارت پیدا کی۔ اور "الاجازۃ العالیہ" کی سند حاصل کی۔ جسے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ایم اے کے مساوی تسلیم کرتی ہے۔ نومبر ۱۹۶۶ء میں مصر سے واپس ہوئے اور دارالعلوم منظر اسلام میں تدریسی خدمات پر مامور ہو گئے ——— ادھر جب انھوں نے دیکھا کہ دیابنہ کی نگاہیں امام احمد رضا کے ترجمہ پر اٹھ رہی ہیں جس کا مقصد عوام الناس میں "کنزالایمان" سے سوءظنی پھیلانے کے سوا کچھ نہیں تو حضرت اختر رضا سے نہ رہا گیا اور اپنے پردادا کی مدافعت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ دراصل اس مدافعت میں اسلام کے جلیل القدر مفسرین و محدثین کی ذوات قدسیہ بھی شامل ہیں ——— یہ مدافعت اُس حملے کا نتیجہ ہے جسے مولوی امام علی قاسمی رائے پوری فاضل دیوبند وغیرہ کی گمراہ ذہنیت نے انجام دیا ہے، مدرسہ رئیس العلوم رائے پور ضلع لکھیم پور یوپی سے "قرآن پر ظلم" نامی کتاب شائع کر کے جس فتنے کا دروازہ فرزندان دیوبند نے کھولنا چاہا تھا حضرت علامہ اختر رضا ازہری کے دلائل و براہین نے اسے اکھیڑ پھینکا ——— ذیل کے معرکۃ الآراء تحقیقی سطور اس حقیقت کے بیّن ثبوت ہیں ——— امام احمد رضا نمبر کیلئے اس مضمون کو عنایت فرما کر حضرت ازہری نے ہماری جو حوصلہ افزائی کی ہے۔ ہم ان کے شکر گذار ہیں۔ (ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس مختصر سی تمہید کے بعد کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں سکون و راحت اور آخرت میں نجات و مغفرت حاصل کرنے کا ذریعہ اس دین کی پیروی ہے جسے اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا قاسمی صاحب یوں شعلہ افشانی کرتے ہیں" اس کے ساتھ یہ ایک تکلیف دہ اور افسوس ناک حقیقت ہے کہ ہر زمانے میں اپنے کو مسلمان کہنے والوں میں ایسے گمراہ لوگ بھی پیدا ہوتے رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو زبان سے کتاب و سنت کی اتباع کا دعوی کرتے ہیں مگر اپنی طرف سے کچھ عقیدے اور احکام نکال لیتے ہیں پھر انہیں ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی غلط تفسیر اور حدیثوں کی مہمل تاویل کرتے ہیں ایسے ہی گمراہ لوگوں میں نام نہاد بریلوی مکتب فکر کے لوگ ہیں" الخ فاقول آپ نے دوسروں کو تو دل کھول کر گمراہ کہا قرآن و حدیث کی غلط تفسیر و مہمل تاویل کرنے اپنی طرف سے عقیدے اور احکام نکالنے کا الزام دیا قطع نظر اس کے کہ یہ الزام ہرگز صحیح نہیں یہاں آپ سے آپ ہی کے امام کی عبارتیں پیش کر کے پوچھنا یہ ہے کہ کیا آپ اور آپ کے امام الطائفہ پر یہ الزام عاید نہیں ہوتے۔ اب ہم وہ عبارتیں ذکر کرتے ہیں جن سے بعونہ تعالٰی یہ ثابت ہو کہ یہ الزام انہیں پر عاید ہیں اور بزور زبان انہوں نے ہمارے اوپر تھوپے ہیں۔ امام الطائفہ اپنی کتاب تقویت الایمان میں رقمطراز ہیں :۔

"جس کا نام محمد یا علی ہے کسی چیز کا مختار نہیں" ص۳۷" نیز کہتے ہیں" اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی" ص۱۰ اور اسے آیت سے ثابت بتایا ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ امام الطائفہ کا یہ دعوی اس آیت مذکورہ سے کسطرح ثابت ہو جبکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے فالمدبرات امراً یعنی قسم ان کی جو کاموں کی تدبیر کریں جمہور مفسرین کے نزدیک اس جگہ قسم سے مراد ملائکہ ہیں اور علامہ بیضاوی نے بطور احتمال فرمایا کہ اس قسم سے مراد کاملین کی روحیں ہیں جو شدت کے ساتھ جسموں سے جدا ہوتی ہیں اور جلد عالم ملکوت میں پہنچتی اور خطائر قدس کی طرف بڑھ کر تدبیر امور کرتی ہیں۔ ان کی عبارت زیر کریمۂ والنازعات یہ ہے۔ أو صفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فانها تنزع عن الأبدان غرقاً أى نزعاً شديداً من اغراق النازع فى القوس فتنشط إلى عالم الملكوت وتسبح فيه

فتسبق إلى خطاير القدس فتصير بشر فها وقوتها من المد برات اھ ملتقطاً۔ أقول دونوں توجیہوں پر (خواہ ملئکہ مراد ہوں خواہ ارواح کاملین) تصرف غیر اللہ ثابت اور امام الطائفہ کا دعوی باطل وللہ الحمد نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکایت فرماتا ہے کہ انھوں نے فرمایا أنی أخلق لکم من الطین کھئیة الطیر فأنفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ ج وأبرئ الأکمہ والأبرص وأحیی الموتی باذن اللہ الآیة یعنی میں تمہارے لئے مٹی سے پرندکی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہوجاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ اب بتاؤ غلط تفسیر کا الزام کس کے سر ہے؟ امام الطایفہ کے اس قول سے ان آیات واحادیث کی جن میں انبیاء واولیاء کے تصرف کی تصریح ہے تعطیل لازم آتی ہے کہ نہیں۔ قرآن وسنت کا نام لیں اور قرآن وسنت کو جھٹلائیں۔ سچ کہا "زبان سے کتاب وسنت کی اتباع کا دعوی کرتے ہیں" اگر کسی کے لئے تصرف کی قدرت ثابت کرنا شرک ہے جیسا کہ اس کی مذکورہ عبارتوں کا مفاد ہے کما لا یخفی بلکہ خود اس نے تصریح کی ہے کہ جو کوئی کسی مخلوق کا عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل سمجھ کر اس کو مانے سو اب اس پر شرک ثابت ہوجاتا ہے گوکہ اللہ کے برابر نہ سمجھے اور اس کے مقابلے کی طاقت اس کو نہ ثابت کرے۔ تو بتائیے ان ائمۂ اعلام اساطین دین و فقہاء ومحدثین کے لئے کیا حکم ہوگا جو تصرف ثابت کر گئے اگر وہ مشرک ہیں (تمہارے زعم پر) تو مشرک کی خبر دیانات میں نامعتبر تو قرآن وسنت (جو دین کی اصل ہیں اور یہیں انہیں سے پہنچے ہیں) کا اعتبار کیوں کر ہوگا اور جب یہ نامعتبر ٹھہرے تو دین کس چیز کا نام رہ گیا ولا حول ولا قوة إلا باللہ العلی العظیم۔ جانے دو اپنے مستند ابن تیمیہ کو کیا کہوگے جو یہ تصریح کر گئے "ولأن الأمة لا یصلون ما بینھم وبین ربھم إلا بواسطة الرسول لیس لاحد طریق غیرہ ولا سبب سواہ وقد اقامہ اللہ مقام نفسہ فی امرہ ونہیہ واخبارہ وبیانہ فلا یجوز أن یفرق بین اللہ ورسولہ فی شئ من ھذہ الأمور" اھ الصارم المسلول۔ کتنا عظیم تصرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ثابت کیا کہ ساری امت کا واسطۂ عظمیٰ خدا کے دربار میں انہیں قرار دیا بلکہ خدا کے امر ونہی وخبر وبیان میں خدا کا نائب ٹھہرایا۔ بولو کتنا بڑا شرک اسنے کیا۔ رہا حدیثوں کی مہمل تاویل کا الزام تو سنو۔ امام الوہابیہ نے شفاعت کی تین قسمیں کیں اور تیسری کو جائز مانا کہتا ہے تیسری صورت یہ ہے کہ چور پر چوری ثابت ہوگئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اسنے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہوگیا سو اسپر شرمندہ ہے آگے کہتا ہے "سو اس کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے دل میں اس پر ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کے بے سبب درگذر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کے دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے

آگے لکھا "سو اللہ کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت ہوسکتی ہے اور جس نبی وولی [illegible] کا قرآن وحدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں" صـ۲۸ وصـ۲۹ أقول [illegible] کے زعم پر اس قسم کی شفاعت کیوں کر ہوسکتی ہے۔ وہ تو کہہ چکا "سو جو کوئی کسی [illegible] معاملہ کرے گوکہ اس کو اللہ کا بندہ ومخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر [illegible] صـ۷ ملتقطاً ثانیا اس کا یہ کہنا" اور جس نبی وولی کی شفاعت کا قرآن [illegible] میں مذکور ہے الخ اپنے منہ آپ قرآن وسنت کو جھٹلانے کا اقرار ہے کہ نہیں [illegible] سچ ہے "اپنی طرف سے عقیدے واحکام نکال لیتے ہیں" الخ شفاعت بالوجاہت [illegible] معنی اپنی طرف سے گڑھ کر اس کا انکار کرتے اور بے لگام گھوڑے کی طرح دوڑتے [illegible] ہوئے خود کہا "اس کے تو محض ارادے ہی سے ہر چیز ہوجاتی ہے کسی کام کے لئے [illegible] سامان اور اسباب جمع کرنے کی کچھ حاجت نہیں" للہ انصاف تو یہاں کیوں [illegible] کی حاجت ہوگئی ما قدروا اللہ حق قدرہ اللہ کی قدر ہی نہ جانی۔ امام الوہابیہ [illegible] الوہابیہ کے کلام سے ظاہر ہے کہ جس نے چوری کو اپنا پیشہ بنالیا اللہ اس سے درگذر [illegible] فرمائیگا تو نصوص شفاعت کی طرح نصوص عفو ودرگذر بھی مخصوص ہوگئیں [illegible] بھی اسمعیلی وحی باطنی میں اتری ہے یا اس پر کوئی دلیل ہے؟ جب گناہ کے پیشہ [illegible] سے درگذر نہیں تو لا جرم وہ بھی مثل شفاعت اس کے زعم اسکے لئے [illegible] جس نے گناہ کو اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہوگیا [illegible] دنیا ہی میں ہوگی اسلئے کہ شرمساری گناہ پر توبہ ہے اور توبہ دنیا ہی میں [illegible] لا یخفی۔ احادیث شاہد کہ اللہ کی رحمت بڑے بڑے گنہ گاروں کو برزخ میں [illegible] اور قیامت میں بھی وہ غفور ورحیم جسے چاہے طفیل نبی رحیم وکریم صلی اللہ علیہ [illegible] بے حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ شرح الصدور میں وہ احادیث بکثرت [illegible] ایک طویل حدیث کا کچھ حصہ ذکر کریں أخرج الطبرانی فی الکبیر والحکیم الترمذی فی نوادر الأصول والأصبھانی فی الترغیب [illegible] عبد الرحمن بن سمرة قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم قال انی رأیت البارحة عجباً رأیت [illegible] من أمتی جاءہ ملک الموت لیقبض روحہ فجاء برہ [illegible] فردہ عنہ ورأیت رجلاً من امتی بسط علیہ عذاب [illegible] فجاء وضوءہ۔ فاستنقذہ من ذلک ورایت رجلاً من [illegible] قد احتوشتہ ملائکة العذاب فجاءتہ صلاتہ [illegible] من أیدیھم ورایت رجلاً من أمتی یلھث عطشا [illegible] حوضا منع منہ فجاءہ صیامہ فسقاہ وأرواہ ورایت [illegible] من امتی یتقی وہج النار وشررھا بیدہ عن وجھہ [illegible] صدقتہ فصارت ستراً علی وجھہ وظلاً علی رأسہ [illegible] ورأیت رجلاً من امتی قد ھوت بہ صحیفتہ من قبل [illegible]

فجاءه خوف من الله فاخذ صحيفته فجعلها فى يمينه ورايت رجلا
من امتى قائما على شفير جهنم فجاءه وجله من الله فاستنقذه
من ذلك ومضى ورأيت رجلا من امتى على الصراط يزحف
احيانا و يحبو احيانا فجاءته صلاته على فاخذت بيده
فاقامته ومضى على الصراط ورايت رجلا من امتى انتهى
الى ابواب الجنة فغلقت الابواب دونه فجاءته شهادة
ان لا اله الا الله ففتحت له الابواب وادخلته الجنة الخ
ملخصاً یعنی طبرانی کبیر اور حکیم ترمذی نوادر الاصول میں اور اصبہانی ترغیب میں عبدالرحمٰن بن سَمُرہ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور فرمایا آج رات میں نے عجیب منظر دیکھا میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا کہ اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح کھینچنے کو آیا ہے تو اس کے والدین کے ساتھ اس کے حسن سلوک نے اسے روک دیا (یعنی علم الٰہی میں اس کی موت معلق تھی بعض ملائکہ میں معلق نہ تھی) اور میں نے اپنے ایک امتی کو دیکھا جس پر عذاب قبر بچھادیا گیا تو اس کے وضو نے آکر اسے بچالیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ پیاس سے ہانپ رہاہے جب کسی حوض پر جاتاہے روکا جاتاہے تو اس کا روزہ آیا اور اسے اس نے سیراب کیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ آگ کی گرمی اور لپٹ کو اپنے چہرے سے ہاتھ کے ذریعہ بچانا چاہتاہے تو اس کا صدقہ آیا جو اس کے چہرے کی آڑ اور سر کا سایہ بن گیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ اس کے نامۂ اعمال نے اسے بائیں جانب گرادیا ہے تو اس کا خوف خدا آیا اور اس نے اپنے نامۂ اعمال کو دائیں ہاتھ میں لے لیا اور ایک امتی کو دیکھا کہ جہنم کے کنارے پر کھڑا ہے تو اس کے پاس اس کا اللہ سے لرزنا آیا جس نے اسے بچالیا اور میں نے ایک امتی کو دیکھا کہ پل صراط پر کبھی گھٹنوں کے بل اور کبھی کولھوں کے بل چل رہاہے تو اس کا میرے اوپر بھیجا ہوا درود آیا جس نے اس کی دستگیری کی اور اسے کھڑا کر دیا تو وہ پل پر گذر گیا اور میں نے ایک امتی کو دیکھا کہ جنت کے دروازوں پر پہنچاہے تو دروازے اس پر بند ہوگئے ہیں تو کلمۂ طیبہ آیا اور اس کے لئے دروازے کھول کر اسے جنت میں لے گیا
یہ حدیث ذکر کرکے علامہ سیوطی نے فرمایا قال القرطبی هذا حديث عظيم ذكر فيه اعمالا خاصة تنجى من اهوال خاصة یعنی یہ حدیث عظیم ہے جس میں خاص اعمال کا ذکر ہے جو خاص مصیبتوں سے بچاتے ہیں۔ الحمد للہ یہ حدیث برزخ وقیامت میں عفو و درگذر کی جامع ہے ان احادیث کا کیا جواب ہوگا؟ ایک سوال اور پوچھ لوں آگے چل کر خود کہا "وہ خود بڑا غفور ورحیم ہے۔ سب مشکلیں اپنے ہی فضل سے کھولدیگا اور سب گناہ اپنی ہی رحمت سے بخشدیگا" یہ کھلا اقرار ہے کہ اللہ ہر گنہ گار کو بخشنے پر قادر ہے خواہ وہ ہمیشہ کا گنا ہگار رہا ہو یا نہ ہو تو بھلا یہ گنا ہگاروں کی تفصیل اور یہ تین صورتیں پھر شفاعت کا تیسری صورت میں حصر یہ سب پاپڑ کیوں بیلے۔ اپنے منہ پر خود طمانچہ مار لیا کہ بے دلیل تخصیص کی تھی وللہ الحمد کفی اللہ المؤمنین القتال اسی پر بس کروں۔ ورنہ امام الطایفہ کے کلام میں معارضۂ تناقض بہت ہے۔ اور اسی طرح اس کے پیروان امام کے کلام ہیں۔ ناظر منصف اسی کو دیکھ کر یہ سمجھ لیگا کہ واقعی یہ لوگ اپنی طرف سے کچھ عقیدے اور احکام نکال لیتے ہیں پھر انہیں ثابت کرنے کے لئے قرآن کی غلط تفسیر اور حدیثوں کی مہمل تاویل کرتے ہیں۔ آخر میں عامر عثمانی مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند کی بھی سنتے چلئے۔ مولینا ارشد القادری صاحب کی کتاب "زلزلہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کتاب کی ترتیب یوں ہے کہ مصنف ایک طرف تو حضرت اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان اور بعض اور علمائے دیوبند کی کتابوں سے یہ دکھلاتے جاتے ہیں کہ انبیاء و اولیا کے حق میں علم غیب اور تصرف وغیرہ کے عقیدے کو علمائے دیوبند نے شرک وبدعت اور خلاف توحید کہاہے اور دوسری طرف یہ دکھلاتے ہیں کہ خود اپنے بزرگوں کے حق میں یہ سارے عقاید علمائے دیوبند کے یہاں موجود ہیں" آگے لکھا "ہم اگرچہ حلقۂ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ ہم دفاع کریں تو کیسے۔ دفاع کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کرسکتا" آگے چل کر کہا "ہم اپنا دیانتداری فرض سمجھتے ہیں کہ حق کو حق کہیں اور حق یہی ہے کہ متعدد علماء دیوبند پر تضاد پسندی کا جو الزام دلیل وشہادت کے ساتھ اس کتاب میں عاید کیا گیاہے وہ اٹل ہے" عامر عثمانی کا یہ مشورہ بھی ملاحظہ ہو کہ ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو تقویۃ الایمان اور فتاوی رشیدیہ اور فتاوی امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ دیدی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن وسنت کے خلاف ہیں" الخ آگے چل کر قاسمی رقمطراز ہیں کہ "قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہے جنہیں تفسیر لکھنے والے علماء نے بیان فرمایاہے الخ

بعد میں ان علوم کا ذکر کیاہے جو قرآن فہمی میں شرط ہیں پھر قرآن مجید سمجھنے کا غلط طریقہ بیان کیاہے وہ یہ کہ آدمی میں شرطیں موجود نہوں اور محض ترجمہ کی مدد سے مفسر بن جائے یا ہوں مگر وہ غلط عقیدہ ونظریہ کیلئے شرطوں کی مخالفت کرے ایسے کو تفسیر بالرائے کا مرتکب بتایاہے اور اس پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کا ذکر کیاہے

اقول آپ تو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے بہت سے علوم کی ضرورت ہے مگر کچھ خبر بھی ہے امام الطائفۃ الوہابیہ کیا کہتاہے سنئے وہ صاف کہتا ہے کہ "اللہ ورسول کے کلام کو سمجھنے کیلئے بہت علم نہیں چاہیئے" الخ

الحمد للہ آپ نے اپنے امام کے کلام کو خود ہی رد کر دیا اور اپنے کلام سے اسے ان سب وعیدوں کا مستحق بھی بتادیا کہ یہ وعید جس پر تفسیر بالرائے کے مرتکب پر ہے بدرجۂ ادنیٰ اس پر بھی ہے جو اسے جائز بتلائے۔ ہمیں تو خوشی ہے کہ چاہ کن راچاہ درپیش کی مثل صادق آئی رہا یہ کہ کون سچاہے آپ یا آپ کا امام

اس کا فیصلہ کسی وہابی سے کرائیے۔ رہا آپ کا امام احمد رضا و مولینا نعیم الدین علیہما الرحمۃ والرضوان کے بارے میں یہ کہنا "مگران کے ترجمہ کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے ذاتی اعتقاد و نظریہ کو اصل قرار دیکر ترجمہ کیا ہے اور جو کچھ کمی رہ گئی تھی اسے ان کے معتقد مولوی نعیم الدین مراد آبادی نے حاشیہ چڑھا کر پوری کر دی ہے" صریح افترا و بہتان ہے یہاں بھی آپ نے اپنے الزام کو دوسروں کے سر تھوپا ہے۔ ابھی ابھی خوب مبرہن ہو چکا ہے کہ امام الطائفہ نے اپنے دل سے کیسے کیسے عقاید گڑھے ہیں اور انبیاء اولیاء اور اپنے پیروں کے ساتھ کیسی دورنگی چلا ہے اور غلط تفسیر و مہمل تاویل کے نمونے بھی گذر چکے ہیں اور آیات و احادیث کی تکذیب کی مثالیں بھی دی جا چکی ہیں۔ آگے چل کر معترض ترجمہ رضویہ و تفسیر نعیمی کی خامی بیان کرنے چلا ہے۔ کہتا ہے کہ اس ترجمہ و تفسیر کی بنیادی خامی یہی ہے کہ مولوی احمد رضا خاں اور مولوی نعیم الدین نے قرآن مجید کے اس ترجمہ و مفہوم کو نظر انداز کر دیا ہے جسے مستند مفسرین لکھتے آئے ہیں" چلئے ابھی کھلا جاتا ہے کہ اس دعوے میں کتنی صداقت ہے۔ اب ہم بعونہ تعالےٰ معترض کے پہلے اعتراض کا جواب دیں جو اسنے شاہداً کا ترجمہ "حاضر و ناظر" کرنے پر کیا ہے۔ فنقول و باللہ التوفیق مناسب ہے کہ پہلے شہادۃ و شاھد وغیرہ کے جو معانی لغت میں بیان ہوئے ذکر کئے جائیں کہ شاھد کی حقیقت آشکار ہو جائے۔ قاموس میں ہے

الشہادۃ خبر قاطع وقد شہد کعلم وکرم وقد تسکن هاءه وشهده کسمعه شهوداً حضره فهو شاهد وشهد لزيد بكذا أدى ما عنده من الشهادة فهو شاهد واستشهده سأله أن يشهد والشهيد وتكسر شينه الشاهد والأمين فى شهادة والذى لا يغيب عن علمه شئ والقتيل فى سبيل الله لأن ملئكة الرحمة تشهده اولأن الله تعالىٰ وملئكته شهود له بالجنة أو لأنه ممن يستشهد يوم القيامة على الأمم الخالية أو لسقوطه على الشاهدة أى الارض أو لأنه حى عند ربه حاضر أو لأنه يشهد ملكوت الله وملكه وأشهد بكذا أى أحلف وشاهده عاينه وامرأة مشهد حضر زوجها والتشهد فى الصلاة م والشاهد من أسماء النبى صلى الله عليه وسلم واللسان والملك ويوم الجمعة والنجم وما يشهد على جودة الفرس من جريه ومن الأمور السريع وصلاة الشاهد صلوة المغرب والمشهود يوم الجمعة او يوم القيامة أو يوم عرفة وشهد الله أنه لا إله إلا الله أى علم الله اور قال الله او كتب الله واشهد ان لا اله الا الله اى اعلم وأبين وأشهده أحضره والجارية حاضت وادركت وأُشهد مجهولاً قتل فى سبيل الله كاستشهد والمشهدة والمشهُدة محضر الناس وشهود الناقة أثار موضع منتجها من دم أو سلى [illegible] ملتقطاً من القاموس۔ ناظر دیکھے۔ شہادت، شہود، شاہد، شہید کے [illegible] میں حضور غالب ہے۔ ہم ان معانی کو ذیل میں درج کریں شَہِدَ وشَہِدَ [illegible] حاضر ہوا۔ شاھد حاضر شہد لزید بکذا زید کے لئے گواہی دی [illegible] شہادت کیلئے حضور ضروری۔ فقہاء کرام کی عبارتیں اس پر شاہد ہیں۔ تنویر [illegible] مختار کی عبارتیں عنقریب آتی ہیں۔ شہید شاہد۔ شہادت میں امانت والا جس کے علم سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔ اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا (اسے شہید اس لئے کہتے) ہیں کہ ملئکۂ رحمت اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں یا اس لئے کہ اللہ اور اسکے فرشتے اس کیلئے جنتی ہونے کے گواہ ہیں یا اسلئے کہ وہ اگلی امتوں پر قیامت کے دن گواہ [illegible] اس لئے کہ وہ شاہدہ (زمین) پر گرتا ہے (زمین کو شاہدہ کہا گیا اسلئے کہ وہ قیامت کے دن گواہی دے گی قال تعالےٰ یومئذٍ تحدث أخبارھا اس کی [illegible] تفسیر عزیزی میں ہے آں روز باوجود شدت زلزلہ وکمال بے تابی و بیقراری سخن گزار [illegible] از خبرہائے خود یعنی اعمال بنی آدم را اظہار کند وبگوید کہ فلاں کس برمن نماز گذارد [illegible] وکارہائے نیک کرد وفلاں کس خون ناحق کرد و زنا بعمل آورد و دزدی نمود الخ یا اس لئے کہ وہ اللہ کی ملکوت وملک کا مشاہدہ کرتا ہے شاھدہ عاینہ کسی چیز کا مشاہدہ و معاینہ کرنا اِمرأۃ مشھد وہ عورت جس کا شوہر حاضر ہو شاھد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام (اسی میں تمہیں نزاع ہے) نیز فرشتہ یوم جمعہ ستارہ۔ گھوڑے کی جودت کی علامت جسے مجازاً شاہد کہا گیا۔ جلد ہونے والا کام اسے بھی مجازاً شاہد بمعنی حاضر سے تعبیر کیا گیا گویا وہ جلد ہونے کی وجہ سے حاضر ہی ہے۔ صلوۃ الشاہد مغرب کی نماز۔ المشھود۔ جمعہ یا عرفہ یا قیامت کا دن وَأشھدہ۔ کسی کو حاضر کرنا۔ أشھدت الجاریۃ لڑکی کا بلوغ کو پہنچنا۔ المشھُدۃ۔ لوگوں کے [illegible] ہونے کی جگہ۔ دیکھو ان تمام معانی میں حضور ملحوظ ہے اور یہ معانی لغت میں فالبا [illegible] تو لامحالہ شہود کا حقیقی معنی حضور ٹھہرا اس لئے کہ یہی معنی عند الاطلاق متبادر ہوتے ہیں اور تبادر امارات حقیقت سے ہے جیساکہ فتح القدیر اور رد المحتار سے مستفاد ہے اور نسمات الأسحار حاشیہ منار للشامی میں ہے۔ التبادر من امارات الحقیقۃ ملتقطاً لہذا کہنے دو کہ شاہداً کا ترجمہ حاضر و ناظر [illegible] لغوی معنی کے مطابق ہے بلکہ شرعاً بھی یہ اس کا حقیقی معنی ہے۔ اسی لئے قرآن عظیم میں شہود کے مشتقات بمعنی حضور وارد ہیں۔ فمن شَہِدَ (حَضَر) منکم الشہر [illegible] جو رمضان کو پائے تو اس مہینے کے روزے رکھے وَلیشھَدُ عذابھما الآیۃ [illegible] زانی مرد و عورت کے کوڑے مارے جانے کو مسلمانوں کی ایک جماعت آکر دیکھے۔ [illegible] کنتم شھداء إذ حَضَر یعقوب الموت۔ کیا تم اس وقت حاضر [illegible] جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی وکنت شھیداً علیھم الآیۃ (رقیباً أمنعھم [illegible] یقولون) جلالین میں یعنی عیسیٰ علیہ السلام انپر نگہبان تھا جب تک ان میں تھا۔ للہ [illegible]

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوگیا کہ شہود بمعنی حضور حقیقت لغویہ ہی نہیں بلکہ شرعیہ بھی ہے بلکہ پچھلی آیت نے تو خاص شاھداً کا فیصلہ کردیا کہ جب شہیداً بمعنی نگہبان ٹھہرا اور اس کیلئے حضور ضروری اور وہ اسم فاعل کے معنی میں ہے کما لا یخفی تو شاھداً بھی بمعنی نگہبان وحاضر ہے۔ یہیں سے ظاہر کہ حاضر شاہد کا اسلامی معنی ہے اور عبارات علمائے کرام سے عنقریب مزید ظاہر ہو جائیگا۔ اب ذرا یہ بتائیے کہ آپ کا اسے امام احمد رضا کا ذاتی نظریہ قرار دے کر ان پر کھلی خیانت کا الزام لگانا اور اس کے اسلامی معنی ہونے سے انکار کرنا کس درجہ کی بدترین خیانت ہے جسے آپنے اس کے سر دھرا ہے جس کا دامن بحمدہ ہر خیانت سے پاک ہے یہ تو تمہیں اور تمہارے امام ہی کو مبارک ہو جس نے اپنے گڑھے ہوئے عقاید کے لئے کتنی آیات واحادیث کو جھٹلایا اور اپنے مہا خائن ہونے کا ثبوت دیا۔ آگے آپ یوں گویا ہوئے ہیں "اس ترجمے میں لفظ شاہد کا ترجمہ حاضر وناظر لکھا ہے جبکہ یہ تمام مفسرین کی تفسیر کے خلاف ہے" یہ آپ نے کیسے کہہ دیا کیا جناب نے تمام تفاسیر دیکھ لی ہیں اگر ایسا ہے تو ڈبل خیانت مبارک ہو کہ جناب نے ان تفسیروں کی عبارتوں کو نظر انداز کر دیا جن سے آپ کا مطلب نہیں نکلتا اور پھر منہ بھر کے یہ جھوٹ بول دیا کہ "یہ تمام مفسرین کی تفسیر کے خلاف ہے" تمام مفسرین تو تمام مفسرین کسی ایک مستند سنی صحیح العقیدہ مفسر کی تفسیر کیخلاف ثابت کر دکھاؤ اور اگر نہیں دیکھیں تو یہ قرآنی فتوے مبارک ہو اَلا لعنۃ اللہ علی الکاذبین

پھر یہ امر کس قدر دلچسپ ہے کہ آپ نے اپنے دعوی کے ثبوت میں دو ترجمے ترجمہ شاہ رفیع الدین و ترجمہ شاہ عبد القادر پیش کیے ہیں کیا جناب کے نزدیک ترجمہ وتفسیر کا مفہوم ایک ہی ہے اور اس سے زیادہ پر لطف آپ کا یہ کہنا کہ "شاہ صاحب نے بھی شاہد کا ترجمہ حاضر وناظر نہیں کیا ہے بلکہ گواہ کے مرادف بتانیوالا کر کے یہ سمجھایا ہے کہ نبی اکرم اس معنی میں گواہ ہیں کہ آپ سیدھا راستہ بتاتے ہیں" اَوّلاً بتانے والا گواہ کے مرادف ہرگز نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بتانے والا عام ہے گواہ وغیر گواہ دونوں کو شامل ہے اور گواہ خاص ہے تو یہاں وحدت معنی بکل وجہ متحقق نہیں اور مترادفین میں وحدت معنی من کل وجہ کا اعتبار ہے۔ علامہ عبد الحق خیر آبادی علیہ الرحمہ شرح مرقات میں فرماتے ہیں المعتبر فیھما وحدۃ المعنی من کل وجہ فالمتحدان لا من کل وجہ کالناطق والفصیح لیسا مترادفین مگر شاہ صاحب علیہ الرحمہ چونکہ امام الطایفہ کے بزرگوں میں ہیں اس لئے ان کی بات بنانے کے لئے اپنے مبلغ علم کے مطابق کچھ کہنا ضرور تھا ثانیاً بتانے والا گواہ کے مرادف ہے اس پر کسی مستند کی شہادت اگر نہ لاسکو اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ان شاء اللہ ہرگز نہ لاسکو گے تو یہ سنتے چلو کہ تم تو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو مستند تفسیروں کی مخالفت کا الزام دیتے تھے اپنے گھر کی تو خبر لو کہ تمہارے زعم پر تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا دامن بھی اس سے داغدار رہے

ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم

ثالثاً یہ ایک ہی رہی کہ "نبی اکرم اس معنی میں گواہ ہیں کہ آپ سیدھا راستہ بتلاتے ہیں" کیوں صاحب گواہ بایں معنی کس لغت میں آپ نے دیکھا۔ آیا کسی عالم کا یہ قول ہے یا بات یہ ہے کہ آپ خود ہی چلتی پھرتی لغت ہیں یا بات یہ ہے کہ گواہ میں جناب نے حضور ضروری سمجھا تو اندھیرے میں یہ دور کی سوجھی کہ کسی طرح سرکار کے حاضر ہونے کا انکار ہو جائے مگر یہ تو بتلائیے کہ جس نے راستہ دیکھا ہی نہ ہو وہ کیا راستہ بتلائے گا۔ ایمان والے تو یہی سمجھتے ہیں کہ سرکار راہ دیدہ منزل شناس ہیں۔ ہاں کوئی کسی اندھے کے پیچھے ہولے کل حزب بما لدیھم فرحون۔ پھر آپ نے بیضاوی وخازن وابن کثیر ونسفی کے ارشادات کو ذکر کر کے یوں منہ کھولا ہے "مسلمانو سوچو بلند پایہ مفسرین شاہد کے معنی گواہ لے رہے ہیں دوسری آیتوں سے مطابقت بھی اسی معنی کے مراد لینے میں ہے مگر فاضل بریلوی سب کے خلاف محض اپنے غلط عقیدے کو ثابت کرنے کے لئے شاھد کا ترجمہ حاضر وناظر کر رہے ہیں" الخ ھذیانہ۔ اقول۔ یہ سارا واویلا بیکار ہے اَولاً اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ شاھداً سے محض گواہ بلا لحاظ معنی دیگر مراد ہے تو تمہیں کیا مفید اور ہمیں کیا مضر۔ اجی گواہ کے لئے بھی تو حضور ضروری۔ فقہاء کرام کے ارشادات دیکھنے کی فرصت نہ ملی ہو تو ہم سے سنو۔ تنویر الابصار ودر مختار میں ہے وشرائط التحمل ثلثۃ۔ العقل الکامل وقت التحمل والبصر ومعاینۃ المشھود بہ اسی میں ہے ورکنھا لفظ اشھد لاغیر لتضمنہ معنی مشاہدہ۔ رد المحتار میں اس کے تحت ہے وھی الاطلاع علی الشئ عیاناً۔ نیز آگے اسی میں ہے ولا یشھد احد بما لم یعاینہ بالاجماع الخ

دیکھو یہ عبارتیں تصریح فرما رہی ہیں کہ شہادت میں بینائی اور امر مشہود بہ کو آنکھوں دیکھنا شرط ہے اور صاف بتا رہی ہیں کہ معاینہ مشہود بہ اصل ہے اور اصل سے عدول بے دلیل جائز نہیں۔ اسی لئے اس کا رکن لفظ اشہد ٹھہرا کہ وہ مشاہدہ ومعاینہ کو متضمن ہے لاجرم ثابت کہ شاہد وحاضر میں منافات نہیں تو جو شاہد ملنے گا وہ ضرور حاضر مانے گا اور تم نہیں مانتے تو بولو کہ شاھداً کے منکر ہوئے کہ نہیں ضرور ہوئے تو پھر کس منہ سے بے گناہوں پر مخالفت کی تہمت دھرتے ہو۔ کیا قرآن کو ماننا اسی کا نام رہ گیا ہے کہ نام کو لفظ بولے جاؤ اور معنی کا انکار کیے جاؤ۔ یہیں سے ثابت ہوگیا کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ پر مفسرین کی مخالفت کا الزام محض بہتان ہے وللہ الحمد۔ ثانیاً تمہاری ہی منقولہ عبارتوں سے ظاہر کہ یہاں شاہداً علی الناس۔ علی من بعثت الیھم محض گواہ کے معنی میں نہیں اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن وکافر دونوں کے اعمال کے گواہ ہیں تو باعتبار مومنین شاھداً کا صلہ لھم اور باعتبار کفار کے علیھم ہونا چاہیئے اور یہاں علی من بعثت الیھم مطلق فرمایا لاجرم یہاں رقیباً کے معنی کی تضمین ماننا پڑے گی کہ جس کے لحاظ سے شاھداً کا علی کے ذریعہ متعدی ہونا صحیح ہو جائے۔ تمہاری ہی مبلغ علم تفسیر بیضاوی

میں ہے۔ وھذہ الشھادۃ وان کانت لھم لکن لما کان الرّسول علیہ السَّلام کالرّقیب المھیمن علیھم عدی بعلیٰ اور تفسیر نسفی میں ہے لما کان الشھید کالرّقیب جیٔ بکلمۃ الاستعلاء کقولہ تعالیٰ کنت انت الرّقیب علیھم۔ دیکھو یہ دونوں علماء صاف بتا رہے ہیں کہ اگرچہ شہادت مؤمنین کے لئے ہے تو صلہ لام ہونا چاہئے تھا مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر رقیب و نگہبان ہیں اسلئے علیٰ سے متعدی کیا گیا لہٰذا کہنے دو کہ اسی لئے مفسرین کرام نے نگہبانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مطلقاً علیٰ من بعثت الیھم فرما دیا لاَجرَمُ علامۂ ابو السعود نے اسی لئے فرمایا ترجمہ :۔ یعنی ہم نے بھیجا گواہ ان لوگوں پر جن کے لئے تجھے نبی بنایا گیا کہ تو ان کی حالتوں پر نگاہ رکھتا اور ان کے اعمال کا مشاہدہ کرتا ہے اور ان کی تصدیق و تکذیب و ہدایت و گمراہی کی شہادت کا حامل ہے اور قیامت کے دن تو اس شہادت کو ادا فرمائے گا بحمدہ تعالیٰ یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں اور اپنی امت پر نگہبان و رقیب بھی ہیں اور دونوں وجوہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ظاہر و باہر وللہ الحمد اسی لئے تفسیر کبیر میں فرمایا ثالثھا أنہ شاھد فی الدنیا باحوال الأخرۃ من الجنہ والنار والصراط والمیزان وشاھد فی الآخرۃ بأحوال الدنیا من الطاعۃ والمعصیتہ والصّلاح والفساد یعنی تیسری توجیہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم دنیا میں آخرت کے احوال پر یعنی (جنت و دوزخ و پل صراط و میزان) حاضر ہیں اور آخرت میں دنیا کے احوال طاعت و معصیت و صلاح و فساد پر حاضر ہیں۔ دیکھو کیسی صریح عبارتیں ہیں کہ سرکار حاضر و ناظر ہیں یہیں سے ظاہر کہ جسے تم اپنی دلیل سمجھے تھے وہ تو ہماری دلیل ہے وللہ المنۃ اب بتائیے جن نصوص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا اثبات ہوا نہیں اس کی نفی کی دلیل بنانا خصم کا مال ہتھیانا ہے نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ پھر اسی کے سر خیانت کا الزام چوری اور سینہ زوری ہی تو ہے۔ کہنے کو تو کہہ دیا مگر یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کسے کسے لپیٹے گا اور سنو علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں أنا فرطکم فأنا شھید کی توجیہ میں فرماتے ہیں۔ أی أشھد علیکم بأعمالکم فکانی باق مّعکُمْ یعنی میں تمہارے اعمال کی گواہی دوں گا تو میں تمہارے ساتھ باقی ہوں۔ نیز اسی میں ہے۔ میں ان شہیدوں کے لئے کل گواہی دوں گا یعنی ان کی شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا کہ انہوں نے اپنی جانیں اللہ کے لئے دیں مطلب یہ ہے کہ میں ان کا نگہبان ہوں کہ ان کے احوال پر نظر رکھتا ہوں اور انہیں معاصی سے بچاتا ہوں۔ نیز اسی میں ہے۔ والشاھد من أسماء صلے اللہ علیہ وسلم لأنہ یشھد للأنبیاء بالتبلیغ ویشھد علیٰ اُمتہ ویزکیھم أو ھو بمعنی الشاھد للحال کأنہ الناظر الیھا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام شاہد ہے اس لئے کہ وہ قیامت میں انبیاء کے لئے تبلیغ کی گواہی دیں گے اور اپنی امت کے لئے گواہی دیں گے اور انہیں عدل (صالح شہادت) فرمائیں گے یا اس معنی کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ دیکھو کیسا صاف ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں۔ بولو کس کس کا عقیدہ غلط بتاؤ گے اور اگر یہ خیانت ہے تو بولو کسے کسے خائن بتاؤ گے اور سنو علامہ اسمٰعیل حقی رومی تفسیر روح البیان میں ویکون الرسول علیکم شھیداً کے تحت فرماتے ہیں" ومعنی شھادۃ الرّسول علیکم اطلاعہ علیٰ رتبۃ کل متدین بدینہ وحقیقتہ التی ھو علیھا من دینہ وحجابہ الذی ھو محجوب عن کمال دینہ فھو یعرف ذنوبھم وحقیقۃ ایمانھم وأعمالھم وحسناتھم وسیٔاتھم واخلاصھم ونفاقھم وغیر ذلک بنور الحق"۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فتح العزیز میں بعینہ یہی فرما رہے ہیں ترجمہ یعنی قیامت میں تمہارے رسول تم پر گواہ ہوں گے اسلئے کہ مطلع ہیں نور نبوت سے اپنے دین سے ہر متدین کے رتبہ پر کہ وہ میرے دین میں کس درجہ پر پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ حجاب جس کی بدولت وہ ترقی سے محجوب رہا کیا ہے تو وہ جانتے ہیں تمہارے گناہوں کو اور تمہارے درجات ایمان کو اور تمہارے اچھے برے اعمال کو اور تمہارے اخلاص و نفاق کو لہٰذا ان کی شہادت امت کے حق میں دنیا و آخرت میں بحکم شرع مقبول و واجب العمل ہے۔ اب بتاؤ شاہ صاحب کے عقیدہ و دیانت کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ بحمدہ تعالےٰ عبارات علماء کرام سے مسئلہ خوب روشن ہو گیا اور اذا انجا کہ کسی عبارت میں خلاف کی حکایت نہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے درمیان اجتماعی ہے ہم نے جو عبارتیں لکھیں وہ معترض کی عبارتوں کے علاوہ ہیں۔ بحمدہ تعالےٰ ہم نے ثابت کیا کہ وہ تمام عبارتیں ہمارے مدعی کی واضح دلیل ہیں ناظرین کرام دیکھیں کہ معترض ایسے مسئلہ میں خلاف کرتا ہے اور بے گناہ پر خیانت اور جمہور کے عقیدہ کی مخالفت کا الزام دھرتا ہے اور خود ہی فیصلہ کر لیں کہ یہ الزام کس کے سر ہے رہی یہ بات کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے اگر اس میں اب بھی معترض کو شک باقی ہے تو شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی یہ شہادت بھی سنتا چلے۔ وہ اقرب السبل میں فرماتے ہیں وباچندیں اختلافات وکثرت مذاہب کہ در علماء امت است یک کس دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبۂ مجاز و توہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مر طالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی است۔ اب آنکھوں کی پٹی اتار کر بغور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو کہ یہ شیخ محقق کیسا صاف تحریر فرما رہے ہیں کہ اس میں کسی کو خلاف نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات حقیقی کے ساتھ جس میں نہ مجاز کا شائبہ نہ تاویل کا وہم دائم باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں کہ ان کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور طالبان حقیقت اور متوجہان درگاہ کیلئے فیض رساں و مربی ہیں۔ مگر تم سے لے

نہیں کہ تم یہ سب دیکھ کر بھی اندھے ہو جاؤ کہ آخر تمہارا امام الطائفہ تقویت الایمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ جھوٹ دھر چکا "یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" ص ۵۵ خیانت اسے کہتے ہیں کہ احادیث وارشادات علماء کو ہضم کر کے یہ کہا اور اسے جان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا، ولاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔ اچھا۔ اگر حاضر وناظر تمہاری چڑ ہے تو یہی سہی۔ تمہاری ہی منقولہ عبارت اخیرہ میں یہ فقرہ وارد ہے وقیل شاھد علی الخلق اور کہا گیا کہ خلق پر حاضر ہیں۔ اس فقرہ کے بارے میں کچھ اور سہی۔ دل اعداء کو رضا تیز نمک کی دھن ہے اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا۔ سگ رضا انہیں سے اکتساب فیض کر کے کہتا ہے۔

أولاً۔ فقرہ جناب کے نزدیک لائق استناد ہے کہ نہیں ثانیاً مستند ہے تو سبحان اللہ چشم ماروشن ودل ماشاد اور مستند نہیں ہے تو کیوں جبکہ آپ یہ تمام عبارتیں اس دعویٰ پر لائے ہیں کہ آیت میں شاھداً بمعنی گواہ وارد ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنی لیاقت علمی سے جناب نے گواہ کو حاضر کے منافی سمجھ لیا اور آیتوں میں منطقاً کا جملہ اس معنی پر کر دیا ثالثاً مستند ہونے کی تقدیر پر یہ بتاتے چلو کہ مخلوق پر سرکار کے شاہد ہونے کے کیا معنی ہیں رابعاً حاضر تو چڑ ہے تو لامحالہ گواہ کہو گے اور مخلوق پر گواہ ہونے کے کیا معنی یہی نا کہ سرکار گواہ ہیں کہ ہر شے سرکار کی رسالت کا اقرار کرتی ہے جیساکہ احادیث سے ثابت اور گواہ میں حضور اصل اور اصل سے بے دلیل عدول ناجائز تو اب مخلوق پر گواہ ماننے لامحالہ حاضر علی الخلق ماننا لازم۔ اب بتائیے کہ جس سے بھاگے وہیں پلٹے کہ نہیں۔ اسی کو کہتے ہیں القرار علی مامنہ الفرار وللہ الحمد والمنۃ علی اتمام الحجۃ واکمال النعمۃ۔ خامساً عجب نہیں کہ اصل سے عدول کر جائیں اور یوں منہ کھولیں کہ حضور کوئی ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سرکار دور ہی سے سن لیں یا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے آپ شاہد ہوں۔ میں کہوں گا کہ دور ہی سے سن لینے کی ٹھہرائیں گے تو وہ دیکھو سر پر تقویت الایمانی شرک سوار ہوتا ہے "جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے پھر یوں سمجھتے ہیں کہ ہم نے کچھ شرک نہیں کیا اس واسطے کہ ان سے کوئی حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی ہے سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ گو اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی راہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دور سے نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں جبھی ان کو اس طرح سے پکارا" اور حضور کی نفی جب بھی نہ ہو گی کہ دور سے سننے کے لئے لامحالہ روح کا اتصال ضروری اور یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت اور روحانیت سے ہر جگہ حاضر وناظر ہیں رہی دوسری شق یعنی اعلام الٰہی سے شاہد ہونا أقول حاضر کر دینا بھی تو اعلام الٰہی کی ایک شکل ہے تو اعلام الٰہی کو اس حضور کے ماسوا میں حصر کرنا کیا معنی حالانکہ شاہد ہونے کے لئے حاضر ہونا اصل ہے

سادساً کوئی دور نہیں کہ کہہ بیٹھو کہ یہ قول ہمارا مستند کیوں ہو کہ اسے (قیل) سے تعبیر کیا گیا ہے اور جس قول کو قیل سے تعبیر کیا جائے وہ ضعیف ہوتا ہے أقول۔ یہ کوئی کلیہ نہیں کہ جس قول کو قیل سے تعبیر کیا جائے وہ ضعیف ہی ہو بعض مرتبہ عدم شہرت کی بنا پر قیل کہہ دیتے ہیں حالانکہ قول ضعیف نہیں ہوتا جلالین آیت کریمہ مَنْ کان یظن أن لن ینصرہ اللہ فلیمدد بسبب إلی السماء ثم لیقطع الآیۃ کے معنی یہ بتائے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہرگز نہ فرمائے گا تو وہ اپنے گھر کی چھت میں رسی لٹکائے اور اسے اپنی گردن میں باندھ کر خود کو پھانسی دے لے اس پر صاوی نے فرمایا ترجمہ: یعنی پہلا طریقہ آیت کی تفسیر میں مشہور ہے اسی لئے مفسر اسی پر چلے اور کہا گیا ہے کہ جسے گمان ہو کہ اللہ ہرگز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ فرمائے گا تو کوئی تدبیر کرے کہ آسمان تک پہنچ جائے پھر ان سے نصرت کو بند کر دے اور دیکھے کیا اس کی تدبیر اس کے غیظ کو دور کر دے گی۔ کسی عاقل کے نزدیک یہ تفسیر ضعیف نہیں بلکہ بہت مناسب ہے اسی لئے علامہ صاوی نے صرف یہی اشارہ کیا کہ یہ معنی مشہور نہیں ہیں اور اسے ضعیف نہیں بتایا اور کبھی قول احسن کو بھی قیل سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ اسی صاوی میں ہے۔ قولہ (زائدۃ) الحاصل أن من الأولی ابتدائیۃ والثانیۃ فیھا ثلثۃ أوجہ قیل زائدۃ وقیل ابتدائیۃ وقیل تبعیضیۃ وھو الأحسن۔ دیکھو یہاں اقوال مختلفہ کو قیل سے تعبیر کیا اور قول آخر کو احسن بتایا جس سے صاف ظاہر کہ اس کا مقابل قول ضعیف نہیں اس لئے کہ أحسن کا مقابل حَسَن ہوتا ہے نہ کہ ضعیف۔ معلوم ہوا کہ یہ کلیہ نہیں کہ جس قول کو قیل سے تعبیر کیا جائے وہ ضعیف ہو۔ تو محض بلا دلیل قیل سے تمسک کر کے اس قول کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا۔ اور وہ کیوں کر ضعیف ہو گا جب کہ اجلۂ علماء یہ فرما رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت سے ہر شے میں جلوہ گر اور اپنی روحانیت مقدسہ سے ہر جگہ حاضر وناظر ہیں۔ علامہ صاوی وَسراجاً منیراً کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ یحتمل أن المراد بالسراج الشمس وھو ظاھر ویحتمل أن المراد بہ المصباح وحینئذ یقال انما شبہ بالسراج ولم یشبہ بالشمس مع ان نورھا اتم لان السراج یسھل اقتباس الأنوار منہ وھو صلی اللہ علیہ وسلم یقتبس منہ الأنوار الحسیۃ والمعنویۃ۔ یعنی احتمال ہے کہ سراج سے مراد آفتاب ہو اور یہ ظاہر ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد چراغ ہو۔ اس وقت یہ کہا جائے گا کہ سراج سے تشبیہ دی اور آفتاب سے نہ دی حالانکہ اس کا نور اتم ہے اس لئے کہ چراغ سے انوار لینا آسان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انوار حسی ومعنوی لئے جاتے ہیں، علامہ علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں۔ ترجمہ:۔ یعنی چمکتا آفتاب اسمیں یہ عظیم تنبیہ ہے کہ سورج انوار حسیہ میں سب سے بلند ہے اور تمام اس سے مستفیض ہیں اسی طرح نبی علیہ السلام سب انوار معنویہ سے افضل

ہیں اور باقی انسے مستفید ہیں اس وجہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل کا واسطہ اور دائرۂ کائنات کے مرکز ہونے کا حکم رکھتے ہیں جیسا کہ حدیث اول ما خلق اللّٰہ نوری (اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) سے مستفاد ہے۔ شفا و مطالع المسرات میں کعب احبار و سعید بن جبیر و سہل بن عبداللہ تستری سے مروی کہ مثل نورہ الخ میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں واللفظ للمطالع قال کعب وابن جبیر وسهل بن عبد الله المراد بالنور الثانی هو محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقوله تعالیٰ مثل نوره أی نور محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وحقیقة النور هو الظاهر بنفسه المظهر لغيره۔ یعنی اللہ کے قول مثل نورہ کا معنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی مثال الخ اور نور کی حقیقت یہ ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے۔ اسی مطالع المسرات میں ہے ترجمہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہی سے تمام انوار خواہ آپ کی صورت ظاہری سے سابق ہوں یا اس سے لاحق ہوں لئے گئے بغیر مانع و بے حجاب و بے کلفت اور حضور کے نور سے اقتباس کیا جائے استمداد ناپید نہوگی بلکہ وہ تو ہر سابق ولاحق میں وہ فضل کے چراغ ہیں تو ہر ضیا ان کی ضیا سے صادر ہوتی ہے۔ نیز شرح شفا ملا علی قاری میں ہے وَقد انکشف به الحقایق الالٰهیة والأسرار الأحدیة والأسرار الصمدیة وبه اشرقت الکائنات، وخرجت عن حیّز الظلمات۔ یعنی حضور کے دم سے حقایق الٰہیہ و اسرار ربانیہ و رموز صمدانیہ ظاہر ہوئے اور انہیں کے نور سے کائنات روشن ہوئی اور عدم کی ظلمتوں سے نکلی۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ یہ عبارات علماء کرام صاف صاف کہہ رہی ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہ ہے۔ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذرے ذرے میں ساری وجاری ہے اور اس کی ادنی مثال محسوسات میں آفتاب ہے کہ وہ تمام اجرام نیرہ میں اعلی ہے اور چاند ستارے سب اسی سے روشن ہوتے ہیں سب میں اسی کا نور جاری ہے اور اسی کی روشنی متعدد جگہ بیک وقت حاضر ہو جاتی ہے۔ پھر اس ذات مقدسہ کے حاضر و ناظر ہونے میں کسے شک ہو سکتا ہے جس کے نور معنوی سے نہ صرف سورج بلکہ کائنات ظاہر ہوئی کیا ان بصیرت کے اندھوں کے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج سے بھی کم ہیں یا سورج ان کے نزدیک خدا ہے۔ والعیاذ باللّٰه العلی العظیم بھلا جس کے نور سے کائنات پیدا ہو اور جس کا نور سارے جہاں میں جلوہ گر ہو اسے روح کائنات کے سوا اور کیا کہا جائے اسی لئے تو اس کے اسماء طیبہ میں روح الحق وارد ہوا۔ اس پر امام علام محمد بن مہدی بن احمد بن علی بن یوسف فاسی کا کلام سننے کے قابل ہے۔ وروحه صلی اللّٰه علیه وسلم هو انسان عین الأرواح وأبوها واس وجودها وأول صادر عن اللّٰه عز وجل وایضاً هو صلی اللّٰه علیه وسلم روح اللّٰه الموضوع فی الوجود الذی بوبه قوامه و تبانة ولولاه لاضمحل وذهب۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تمام روحوں کی آنکھ کی پتلی اور ان کی اصل اور ان کے وجود کی بنیاد اور اللہ کی پہلی [illegible] ہے اور نیز حضور علیہ السلام اللہ کی روح ہیں جو وجود میں وضع کی گئی ہے جس سے اس کی بقا ہے اگر حضور نہ ہوں تو عالم فنا ہو جائے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

بھلا جب وہ کائنات کی روح ٹھہرے اور قالب کی زندگی کے لئے روح کا تن میں [illegible] ہونا ضروری تو لامحالہ وہ ضرور حاضر و ناظر ہیں بلکہ افراد ممکنات میں ان کی حقیقت جاری ساری ہے جیسا کہ عنقریب شیخ محقق کی شہادت اس پر گذریگی تو اب کوئی پاگل [illegible] کہ مرے جسم میں میری جان نہیں۔ علماء کرام شارع علیہ السلام کے امین ہیں۔ میزان شعرانی میں ہے۔ العلماء أمناء الشارع اور پر ظاہر کہ ان ارشادات میں رائے کو دخل نہیں لاجرم یہ ارشادات اقوال صحابہ کا مفاد ہوئے۔ اور اصول حدیث میں مقرر ہوا کہ صحابی کا وہ قول جس میں رائے کو دخل نہ ہو وہ حدیث مرفوع (حدیث رسول) کے حکم میں ہے اب ایک صحابی جلیل کی تصریح بھی سنتے چلئے۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب عم رسول اللہ علیہ السلام نے حضور کی مدح میں آپ کے سامنے یہ اشعار پڑھے۔

مِنْ قبلها طبت في الظلال	وَفی مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر	أنت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد	ألجم نسراً وأهله الغرق
تنقل من صالب إلی رحم	إذا مضی عالم بدا طبق
وَ أنت لما ولدت أشرقت	الأرض ونارت بنورك الأفق
فنحن في ذلك الضياء	وفی النور وفی سبل الرشاد نخترق

یعنی حضور آپ دنیا سے پہلے جنت کے سایوں میں اور صلب آدم میں طیب وطاہر تھے پھر حضور دنیا میں آئے۔ اسوقت حضور نہ بشر تھے نہ مضغۂ گوشت نہ جما ہوا خون بلکہ صلب نوح علیہ السلام میں نطفہ تھے جو کشتی میں ان کے ساتھ سوار ہوا جبکہ نسر صنم اور اس کے پجاریوں کو طوفان نے گھیر لیا تھا۔ حضور آپ منتقل ہوتے رہے صلب سے رحم میں۔ جب ایک نسل گذرتی دوسری ظاہر ہوتی اور جب آپ پیدا ہوئے زمین آپ کے نور سے جگمگا اٹھی اور آسمان منور ہو گئے اور ہم اسی ضیا اور اسی نور اور رشد و ہدایت کے رستے میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ ارشاد دو وجہ سے حدیث مرفوع کا حکم رکھتا ہے۔ ایک تو یہی کہ اس میں رائے کو دخل نہیں اور صحابی کا ایسا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ اشعار حضور کے سامنے حضور کی اجازت سے پڑھے گئے۔ شرح شفا میں ہے ترجمہ یعنی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالی عنہ سے ان شعروں کو ابوبکر شافعی اور طبرانی نے روایت کیا۔ خُریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ تو میں ان کے حضور میں آیا جب حضور علیہ السلام تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ میں اسلام لایا اور میں نے حضرت عباس رضی اللہ [illegible]

کو کہتے سنا یا رسول اللہ میں حضور کی مدح سرائی کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کہو اللہ تمہارے منہ کو سلامت رکھے۔ معلوم ہوا کہ یہ اشعار حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھے گئے اور جو قول و فعل حضور کے عہد مبارک میں ہو پھر حضور اسے مقرر رکھیں وہ محدثین کے نزدیک حضور علیہ السلام کی حدیث قرار پاتا ہے کما صرحوا بہ فی اصول الحدیث تو لاجرم یہ ارشاد عباسی حدیث نبوی ہوا جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہی نور دنیا سے پہلے جنت میں تھا پھر اسی نور کا لمعہ اپنے آبار کرام و امہات عظام کے اصلاب وارحام میں چمکا اور اسی نور کے جلووں نے آسمان و زمین کو جگمگایا بحمدہ تعالےٰ اب تو حضور علیہ السلام کی حدیث تقریری سے ثابت ہوگیا کہ سرکار اپنی روحانیت سے حاضر و ناظر اور اپنی نورانیت سے ہر شے میں جلوہ گر ہیں۔ تم تو امام احمد رضا کو خیانت کا الزام دیتے تھے اب بتاؤ یہ دریدہ دہنی کہاں تک پہنچی۔ مگر کوئی عجب نہیں کہ تمہارے امام کا شرک بھی تمہارے الزام کی طرح خدا و رسول کو بھی نہیں چھوڑتا چنانچہ ہم اس کی مثالیں دے چکے اجی آپ کہاں ہیں۔ حضور کی روحانیت مقدسہ تو اس مقام کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہے جسے شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر ائمۂ اعلام مرتبہ جمع و فرق سے تعبیر کرتے ہیں۔ شیخ محقق مدارج النبوۃ میں فرمایا۔ "وانشراح صدر مقامیست عالی کہ تمام و کمال جز در ذات بابرکات آنحضرت سید السادات علیہ افضل الصلوات و اکمل التحیات وجود و ثبوت ندارد و کمل اولیاء نیز از ارباب تمکیں بقدر ادراک بہ شرف متابعت وے نصیبہ ازاں حاصل است و ازینجا گفتہ اند کہ الصوفی کائن بائن نہ از فرق در جمع ایشاں خللے چنانکہ محجوبانرا باشد و نہ جمع را برفرق غلبہ چنانکہ مجذوبانرا بود اھ یعنی شرح صدر وہ مقام عالی ہے کہ یہ تمام و کمال حضور ہی کی ذات میں موجود ہے اور اولیاء کاملین ارباب تمکین کو بھی حضور کے شرف پیروی سے اس مرتبہ سے بہرہ حاصل ہے اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ صوفی شامل بہ خلق واصل بہ خالق ہوتا ہے نہ ان کے شمول سے ان کے وصول میں خلل ہو جیسا کہ محروموں کے لئے ہوتا ہے نہ وصول کو شمول پر غلبہ جیسا کہ مجذوبوں کے لئے ہوتا ہے۔ دیکھو کیسا صاف ارشاد ہے کہ سرکار بوجہ اتم و اکمل بارگاہ الٰہی میں حضور سے موصوف ہیں اور حضور کی روح پاک مخلوق میں بھی حاضر ہے۔ ہم اس قول کی تائید میں شفا سے حدیث ذکر کریں وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کانت روحہ نورًا بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق اٰدم بالفی عام یسبح ذلک النور و تسبح الملئکۃ بتسبیحہٖ الخ یعنی حضرت ابن عباس سے مروی کہ حضور علیہ السلام کی روح اللہ کے حضرت قربت میں نور تھی آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے یہ نور تسبیح کرتا اور ملٰئکہ اس کے ساتھ تسبیح کرتے۔ اسی لئے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو امام حضرۃ اللہ کہا گیا۔ عارف جزولی نے دلائل الخیرات میں فرمایا و امام حضرتک یعنی درود بھیج اے اللہ اپنی بارگاہ کے امام پر۔ اس پر علامہ فاسی مطالع المسرات میں فرماتے ہیں (و امام حضرتک) الذی

ھو المقتدی بہ والمتمسک بہ باسبابہ فی الوصول الی محل قربک و مشاھدتک والحضرۃ ماخوذۃ من الحضور والاضافۃ علےٰ معنی فی کامام المسجد الخ "یعنی جو تیرے محل قرب و شاہدہ تک پہنچنے کے لئے مقتدا ہیں اور جن کا دامن پکڑا جاتا ہے اور حضرت ماخوذ ہے حضور سے اور اضافت بمعنی "فی" ہے جیسے امام المسجد میں" نیز علامۂ نسفی فرماتے ہیں و سراجًا وجہۃ ظاھرۃ لحضرتنا۔ یعنی ہم نے تجھے اپنی بارگاہ کا چراغ چمکتا اور رہنما بنا کر بھیجا۔ بحمداللہ اب تو علامۂ نسفی کی ارشاد فرمائی ہوئی اس وجہ پر آیت مبارکہ سے بھی ثابت ہوا کہ وہ روح پرفتوح حاضر بارگاہ الٰہی ہے اور اس بارگاہ میں حاضر ہونے والوں کی امام و پیشوا ہے۔ حدیث ابن عباس میں گذرا کہ حضور کی روح حضرت الٰہی میں نور تھی جو نور تسبیح کرتا اور ملٰئکہ اس کی تسبیح پر تسبیح کرتے اور ملا علی قاری کے کلام میں حدیث گذری اَوّل ما خلق اللہ نوری اللہ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا تو لاجرم حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس وجہ پر "امام حضرۃ اللہ" ہوئے اور قرآن اپنی جمیع وجوہ پر حجت ہے۔ تو جب سرکار سب کے حق میں سراج حضرۃ اللہ و امام حضرۃ اللہ باذن اللہ ٹھہرے تو ضرور عالم ارواح کے شاہد و رقیب و مربی و نقیب ہوئے اور جب عالم ارواح کے مربی ہوئے تو بالضرورۃ عالم اجساد و اشباح کے بھی مربی قرار پائے۔ اسی لئے تو ان کے حق میں فرمایا گیا وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین ہم نے تمہیں سب جہانوں کی رحمت بنا کر بھیجا۔ اس معنی پر سرکار کے معجزات شاہد ہیں۔ لاجرم اسی لئے شیخ محقق جو معترض کے بھی مستند ہیں فرماتے ہیں۔ "ہمچنانکہ احادیث در تکثیر آب قلیل کثیر آمدہ در تکثیر طعام یسیر نیز کثیر است و ایں ہر دو اثر تربیت و ولی نعمی آں سید کائنات است کہ ہمچنانکہ بحسب روحانیت مربی و مکمل قلوب و ارواح است در عالم جسمانیت نیز پرورندہ و خورش دہندہ ابدان و اشباح است اھ مدارج النبوۃ۔ یعنی جس طرح کہ تھوڑے سے پانی کی افزائش کے بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں اسی طرح تھوڑے کھانے کو بڑھانے کی حدیثیں بہت ہیں اور یہ دونوں اس سید کائنات کی تربیت کا اثر ہیں کہ جو روحانیت کے اعتبار سے قلوب و ارواح کے مربی ہیں اور عالم جسمانیت میں اجساد و اشباح کے پالنے بڑھانے والے بھی ہیں۔ اور جو عالم ارواح و اشباح کا مربی ہو بھلا وہ شاھد علے الخلق کیوں نہ ہوگا۔ کہئے اب بھی اس قول کے ضعف پر جمئے گا اور جب شاھدًا سے اور سراجًا منیرًا سے بحمداللہ سرکار عالی مدار علیہ التحیۃ والثناء کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہولیا تو اب بتایئے کہ خدا کو معاذاللہ کیا کیا الزام نہ دیجئے گا، نے فرو عت محکم آمد نے اصول شرم بادت از خدا و از رسول۔ اجی یہ تو کہو کہ محمود حسن دیوبندی کو کیا کہو گے جو گنگوہی کے بارے میں کہہ گئے ؎ خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے۔ حدیث میں آیا إن اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ اللہ تعالےٰ اس دین کی تائید فاجر مرد سے بھی فرماتا ہے۔ یہ مرے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ جسے تم شرک کہتے ہو

تمھارے اکابر کے منہ سے انہوں کے حق میں وہی کہلوا کے ظاہر فرمادیا کہ حق وہی ہے جسے یہ چھپا رہے ہیں اور باطل وہی ہے جسے یہ گا رہے ہیں بلکہ خود تم سے شاھدٌ علے الخلق لکھوالیا۔ اب تم اپنے ہی لکھے کو رد کرکے اپنے آپ کو جھٹلاؤ تو جھٹلاؤ۔ کذلک العذاب وَلعذاب الاٰخرۃ اکبر لَوْ کانو ایعلمون۔ اب ہم سرکار کے حاضر بارگاہ ہونے پر نیز ان کی حقیقت کے جاری وساری ہونے پر میزان ومدارج النبوۃ اشعۃ اللمعات کی عبارتیں مزید وضاحت کے لئے لکھیں وبہ التوفیق۔ میزان میں سیدی علی خواص سے افادہ فرمایا کہ التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم اس لئے ہوا کہ غافلوں کو اللہ متنبہ فرمادے کہ ان کا نبی حضرت الٰہی میں حاضر ہے وہ حضرت الٰہیہ سے کبھی جدا نہیں ہوتا تو وہ بالمشافہ اسے سلام سے مخاطب کریں۔ میزان کی عبارت یہ ہے۔ وسمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ یقول انما اُمر الشارع المصلی بالصلاۃ والسلام علےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لینبہ الغافلین علیٰ شھود بینھم فے تلک الحضرۃ فانہ لَا یفارق حضرۃ اللہ تعالیٰ ابداً فیخاطبونہ بالسلام مشافھۃ اھ مدارج النبوۃ میں فرمایا ودر بعضی کلام بعضی عرفا واقع شدہ کہ خطاب از مصلی بلاحظ روح مقدس وسریان وے در ذراری موجودات خصوصاً در ارواح مصلین است وبالجملہ درین حالت از شہود وجود وحضور از آنحضرت غافل وذاہل نہ باید بود بامید ورود فیوض از روح پرفتوح وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اھ اشعۃ اللمعات میں قدرے تفصیل کے ساتھ فرمایا۔ ونیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومنان وقرۃ العین عابدان است در جمیع احوال واوقات خصوصاً درحالت عبادت وآخر آں کہ وجود نورانیت وانکشاف دریں احوال بیشتر وقوی تر است وبعضی از عرفا گفتہ اندکہ این خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود وحاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب واسرار معرفت متنور وفائز گردد اھ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مؤمنوں کے نصب العین اور عابدوں کے قرۃ العین ہیں تمام احوال واوقات خصوصاً حالت نماز میں اور اس کے آخر میں کہ نورانیت وانکشاف ان احوال میں بیشتر وقوی تر ہوتے ہیں اور بعض عرفاء نے کہا ہے کہ یہ خطاب یعنی (السلام علیک الخ) حقیقت محمدیہ کے ذرات موجودات وافراد ممکنات میں ساری ہونے کی وجہ سے ہے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں حاضر ہیں تو مصلی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس کے مشاہدے سے کبھی غافل نہ ہو تاکہ اسرار قرب وانوار معرفت سے متنور وفائز ہو۔ نیز شیخ محقق نے تحصیل البرکات میں یہی مضمون افادہ فرمایا ہے، فلیر اجع۔ یہی وجہ ہے کہ درمختار وعالمگیری ومراقی الفلاح میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ نمازی الفاظ تشہد سے ان کے معانی کا قصد کرے گویا کہ وہ اللہ کو تحیت کررہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کررہا ہے اور خود پر اور اولیاء پر سلام بھیج رہا ہے ترجمہ! یعنی الفاظ تشہد سے ان کے معانی کا قصد کرے کہ بطور انشاء وہی اس کی مراد ہوں گویا کہ وہ اللہ کو تحیت کرتا ہے اور اپنے نبی پر خود پر اور اولیاء اللہ پر سلام بھیج رہا ہے نہ کہ اس کی خبر دینے کا قصد کرے (یعنی اس واقعہ کی خبر وحکایت کا قصد نہ کرے جو معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اور ملائکہ کی طرف سے واقع ہوا ردالمحتار) اسے ذکر کیا مجتبیٰ میں اور ظاہر اس کا یہ ہے (علینا) کی ضمیر حاضرین کے لئے ہے اور اللہ تعالےٰ کے سلام کی حکایت نہیں ہے اھ ترجمہ درمختار۔ نیز مسلک متوسط علامہ رحمۃ اللہ سندی ومنسک متقسط ملاعلی قاری میں ہے ترجمہ! یعنی زائر مدینہ پاک میں داخل ہونے کے بعد سے روضۂ پاک میں پہنچنے تک اپنے ظاہر وباطن سے متواضع رہے اور اس شہر کی حرمت کی تعظیم کرے اور اس میں جلوہ گر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وہیبت سے مملو ہو اور ان کی عظمت کا لحاظ رکھے گویا کہ وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے مقام مراقبہ ومرتبۂ مشاہدہ میں دیکھ رہے ہیں نیز اسی میں ہے (متمثلا صورتہ الکریمۃ فے خیالک مستشعراً بأنہ علیہ الصلاۃ والسلام عالم بحضورک وقیامک وسلامک) أی بل بجمیع افعالک وأحوالک ومقامک وارتحالک وکأنہ حاضر جالس بازائک یعنی اے زائر حضور کی بارگاہ میں یوں کھڑا ہو کہ ان کی صورت کریمہ تیرے خیال میں ہو اور تو یہ سمجھ رہا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے سلام وقیام دیکھ رہے ہیں سن رہے ہیں بلکہ وہ تیرے تمام افعال واحوال واقامت ورحلت کو دیکھ رہے ہیں اور وہ تیرے سامنے جلوہ افروز ہیں۔ ہم نے عالم کا ترجمہ دیکھ رہے ہیں" کیا اسلئے کہ علم یہاں علم مشاہدہ ہے اور اس پر قرینہ فقرۂ سابقہ ہے کأنہ یراہ کہ وہ اسے دیکھ رہے ہیں اور کأنہ حاضر الخ ہے کما لاَ یخفی اب کلام اس طرف منجر ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رویت بیداری میں جائز ہے کہ نہیں فاقول بے شک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رویت جسطرح خواب میں ہوتی ہے اسی طرح بیداری میں ممکن بلکہ واقع ہے اور علماء کی ایک جماعت کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جاگتے میں دیکھنا اور بعض مشکلات کے بارے میں ان سے سوال اور ان کی کشود کے طریقے دریافت کرنا اور احادیث کی تصحیح کرنا ثابت ہے۔ بلکہ عرفاء کی ایک جماعت تو فرماتی ہے کہ اگر ایک لحہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رویت ہم سے محجوب ہو جائے ہم اپنے کو مسلمانوں میں نہ گنیں۔ المعتقد علامۂ فضل رسول میں شرح منظومۂ بحرے نقل کیا ترجمہ! یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رؤیت بیداری میں بالاتفاق ممکن ہے اور واقع ہے۔ اسلئے کہ ابن ابی جمرہ نے ایک جماعت سے ذکر کیا کہ انہوں نے اسی پر محمول کیا ہے اس روایت کو جنے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے بیداری میں دیکھیگا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا پھر جاگتے میں دیکھا اور انہوں نے بعض اشیاء سے اپنی تشویش کے بارے میں حضور سے عرض کیا تو حضور نے انہیں ان کی کشود کے طریقے بتائے تو دیسا

نہ کم نہ زیادہ۔ شارح بحر نے کہا کہ اس امر کا منکر اگر کرامات اولیاء کو جھٹلانے والا ہے تو اس سے بحث نہیں اسلئے کہ وہ اسے جھٹلاتا ہے جسے سنت نے ثابت فرمایا اور اگر کرامات اولیاء کو مانتا ہے تو یہ رویت بھی اسی سے ہے۔ اس لئے کہ ان کے لئے خلاف عادت عالم علوی و سفلی میں بہت سی اشیاء سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ مدارج النبوۃ میں شیخ محقق نے من رآنی فی المنام فسیرانی فی الیقظۃ کی توجیہات میں ایک توجیہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ بشارت بعض مقربان درگاہ و سالکان راہ کے لئے ہو جو گاہ و بیگاہ نعمت دیدار سے مشرف ہوتے ہیں حالت یہ ہو جاتی ہے کہ جاگتے میں بھی اس سعادت سے بھی بہرہ مند ہوتے ہیں وَ ھذا الفتۃُ " و تواند کہ ایں بشارت باشد بعضے مستعدان و مقربان درگاہ و سالکان راہ را کہ گاہ و بیگاہ بایں نعمت مشرف شدہ اند حال بجائے رسد کہ در یقظہ نیز بایں سعادت مشرف شوند" پھر آخر میں اس بحث کا (کہ آیا یہ رؤیت غیبت حس و غلبۂ حال و بیخودی میں ہوتی ہے اور دیکھنے والے اس کو بیداری گمان کرتے ہیں (یا حقیقۃً بیداری میں ہوتی ہے) تصفیہ فرماتے ہوئے فرمادیا و بالجملہ دیدن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد از موت مثال است چنانکہ در نوم مرئی می شود در یقظہ نیز می نماید و آں شخص شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ وحی است ہماں متمثل می گردد در یک آن متصور بصور متعددہ عوام را در منام و خواص را در یقظہ الخ یعنی بالجملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بعد وصال مثالی ہے جس طرح سوتے میں نظر آتی ہے جاگتے میں بھی جلوہ فرما ہوتی ہے اور وہ شخص شریف جو مدینے میں قبر میں زندہ و آسودہ ہے وہی ایک آن میں متعدد صورتوں کے ساتھ متمثل ہو جاتا ہے عوام کے لئے سوتے میں اور خواص کے لئے جاگتے میں۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ شیخ محقق نے کتنا صاف فرمایا کہ وہ روح پاک آن واحد میں عوام و خواص سب کے لئے خواب و بیداری میں حاضر ہو جاتی ہے۔ بحمدہ تعالے شیخ نے جو معترض کے بھی مستند ہیں ہمارے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ نیز اسی مدارج النبوۃ میں فرمایا "و بسیارے از محدثین تصحیح احادیث کہ مروی است از حضرت وے نمودہ و عرض کردہ یا رسول اللہ فلاں ایں حدیث از حضرت تو روایت کردہ است پس فرمود آنحضرت نعم أو لا در رویت کہ در یقظہ است بعضے مشایخ نیز ہم چنیں استفادۂ علوم نمودہ اند واللہ اعلم یعنی بہت سے محدثین نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ان احادیث کی تصحیح کی جو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں اور عرض کیا یا رسول اللہ فلاں نے آپ سے یہ حدیث روایت کی ہے تو حضور نے ہاں یا نہ فرمایا یہ سب کچھ اس رؤیت میں جو جاگتے میں انہیں نصیب ہوئی۔ بعض مشایخ نے بھی اسی طرح حضور سے علوم کا استفادہ فرمایا ہے۔ نیز میزان شعرانی میں ہے۔ وقد بلغنا عن الشیخ أبی الحسن الشاذلی و تلمیذہ الشیخ أبی العباس المرسی وغیرھما أنھم کانوا یقولون لو حجبت عنا رؤیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرفۃ عین ما عددنا أنفسنا من جملۃ المسلمین ء الخ۔

یعنی ہمیں شیخ ابو الحسن شاذلی اور ان کے شاگرد شیخ ابو العباس مرسی وغیرہما سے خبر پہنچی کہ وہ کہتے تھے کہ اگر ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت پلک جھپکنے بھر کو محجوب ہو جائے ہم خود کو مسلمانوں میں نہ شمار کریں۔ دیکھو کیسی تصریح ہے کہ بعض اللہ والے انہیں ہر جگہ حاضر و ناظر دیکھتے ہیں۔ وللہ الحجۃ الزاھرۃ۔ اس مقام پر اگر اسمعیل دہلوی کی صراط مستقیم کی شہادت نہ دوں تو مزہ ہی کیا۔ الفضل ما شھدت بہ الأعداء۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ پھر سنو۔ وہ اپنے پیروں کیلئے کیا گا رہی ہے۔ "بالجملہ ائمۂ ایں طریق و اکابر ایں فریق در زمرۂ ملائکۂ مدبرات الامر کہ در تدبیر امور از جانب ملاء اعلی ملہم شدہ در اجرائے آں می کوشند پس احوال ایں کرام بر احوال ملائکۂ عظام قیاس باید کرد۔ دیکھو کیسا صاف کہہ رہی ہے اور بیک دست میاں اسمٰعیل اور تمام وہابیہ کے منہ پر طمانچہ مار رہی ہے کہ میاں تم کیسے رسول اللہ کو حاضر و ناظر نہیں مانتے جب کہ تمہارے پیروں کی یہ حالت ہے کہ وہ ملائکہ کی طرح مدبر عالم ہیں۔ ارے جب وہ مثل ملائکہ ٹھہرے اور ملائکہ اپنے امور کی تدبیر کے لئے متعدد جگہ حاضر ہو جاتے ہیں تو وہ بھی ضرور ان کی طرح حاضر ٹھہرے۔ پھر یہ کیسا دھرم ہے کہ امتی کے لئے یہ فضیلت مانو اور نبی کے لئے شرک گاؤ وَلاحَولَ ولاقوۃ إلّا باللہ العلی العظیم۔

فقیر عاجز صراط مستقیم کی عبارت لکھنے کے بعد یہ قصد ہی کر رہا تھا کہ اب معترض کی باقی موشگافیوں کی خبر لی جائے کہ اچانک حاشیۂ نور الایضاح مصنفہ اعزاز علی مدرس دار العلوم دیوبند کی ورق گردانی کرتے ہوئے ان کی اس عبارت پر نظر پڑ گئی۔ لکھتے ہیں قولہ (حجب) فمثلہ صلے اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ کمثل شمع فی حجرۃ أغلق بابھا فھو مستور عمن ھو خارج الحجرۃ ولکن نورہ کما کان بل أزید ولھذا حرم نکاح أزواجہ بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یجری احکام المیراث فیھا ترکہ لأنھما من احکام الموت اھ حاشیۂ نور الایضاح ص۱۷۱ یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مثال بعد وصال ایک شمع کی ہے جو کمرہ میں ہو اور اس کا دروازہ بند کر دیا گیا ہو تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے مستور ہیں جو حجرہ شریفہ کے باہر ہیں لیکن ان کا نور ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا بلکہ زیادہ ہے اسی لئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے نکاح حضور کے بعد حرام ہوا اور آپ کے مال میں میراث کے احکام جاری نہ ہوئے اسلئے کہ یہ دونوں تو احکام موت سے ہیں۔ دیکھو کیسی کھلی تصریح ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرقد انور میں جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کا نور ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا بلکہ زیادہ ہے۔ یہی تو ہمارا دعوی ہے کہ اس نور کا ظہور جیسے کل تھا ویسے آج بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت سے ہر شے میں جلوہ گر ہیں وللہ الحجۃ السامیۃ۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔ الفضل ما شھدت بہ الأعداء۔ کوئی دور نہیں کہ معترض کو یہ شبہ گذرے کہ اعزاز علی کی عبارت سے

ہمارا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مثال ایک شمع سے دی جو حجرہ میں بند ہے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نور ہر جگہ ظاہر کیوں ہوگا بلکہ وہ تو اسی حجرۂ شریفہ میں بند ہوگیا۔ یہ شبہ معترض ہی کی عقل کے لائق وشایان أقول أولاً یہ ظاہر کہ لکن دفع وہم واستدراک کے لئے آتا ہے چونکہ محشی کی تمثیل سے یہ وہم ہوتا تھا کہ وہ نور اظہر اب مستور ہوگیا جیسا کہ حجرہ میں بند شمع کا نور پوشیدہ ہو جاتا ہے اس لئے محشی نے الکن نورہ کما کان (الخ) لیکن حضور کا نور ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا بلکہ زیادہ ہے کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا اور صاف بتا دیا کہ وہ نور ایسا نہیں کہ حجابات کثیفہ سے رک جائے۔ ثانیاً اگر یہ نہ مانو تو مستدرک بہ اور مستدرک علیہ میں فرق نہ ہوگا نیز محشی پر یہ الزام آئے گا کہ صاحب نور الایضاح نے فرمایا تھا کہ (غیر انہ حجب عن القاصرین الخ) یعنی حضور قبر شریف میں تمام نعمتوں اور عبادتوں سے لطف اندوز ہیں مگر قاصروں کی نظر سے پوشیدہ ہیں اس قول پر محشی کی وہ تمثیل صحیح نہ ہوگی کہ جب تمہارے طور پر وہ نور حجرۂ شریفہ میں بند ہے اور ظاہر نہیں ہے۔ تو اب قاصر نظروں کی کیا تخصیص رہی۔ ومن هنا ظهر أن التشبيه في قوله ولكن نوره كما كان الخ في الظهور والبقاء معا لا البقاء فحسب فسقط ما أورده البعض عن المعترض ولله الحمد۔ ثالثاً محشی کا قول ابل (ازید) اس شبہ کا کافی رد ہے۔ کہ وہ نور جب قبر شریف میں محصور ہوگیا تو ازید کب رہا بلکہ انقص ہوگیا هذا خلف۔ یہ تو محشی کے مفروضے کے خلاف ہے۔ بحمدہ مانعین کے مستند کی عبارت سے استدلال تام ہوا ولله الحجة القاهرة اب معترض صاحب کی بقیہ موشگافیوں کی خبر لیں والله المستعان وعليه التكلان۔ لکھتے ہیں "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ فتح سورۂ مزمل سورۂ احزاب میں شاہد اور سورۂ بقرہ سورۂ نساء میں شہید کہا گیا ہے اصول تفسیر کا تقاضا ہے کہ تمام مقامات پر شاہد اور شہید کے ایسے معنی بیان کئے جائیں جو ایک دوسرے کے خلاف نہ ہوں کیوں کہ اللہ کا کلام تضاد سے پاک ہے مگر ترجمہ رضویہ میں سورۂ احزاب اور سورۂ فتح میں شاهد کا ترجمہ حاضر وناظر لکھا ہے اور سورۂ بقرہ میں شہید کا ترجمہ نگہبان وگواہ لکھا ہے" أقول۔ ہم پہلے ثابت کر آئے کہ شاہد وحاضر میں منافات نہیں اور جو شاہد مانے گا وہ ضرور حاضر مانے گا اس لئے کہ شہادت میں حضور شرط ہے اور وہی اصل ہے اور اصل سے عدول بے دلیل جائز نہیں۔ نیز ہم یہ دکھا آئے کہ شهيداً میں نگہبان وگواہ معترض کی مبلغ علم تفسیر بیضاوی وتفسیر نسفی میں فرمایا گیا ہے اور یہ بھی گذر چکا کہ اسی طرح شاہداً میں رقيبا کی تضمین ضروری ہے جس طرح شہیداً میں مانی گئی۔ اس پر تفسیر ابو السعود وجمل کی عبارتیں گذریں۔ اب اگر یہی لیاقت علمی ہے کہ حاضر وگواہ کو ایک دوسرے کے خلاف سمجھ لیا جائے تو قرآن میں تضاد کا الزام محض امام احمد رضا کے سر نہ رہے گا بلکہ نسفی وبیضاوی ودیگر مفسرین کے سر بھی جائے گا۔ معترض صاحب بتائیں کہ ان مفسرین کرام کو کیسے کیسے الزاموں سے خراج تحسین پیش کریں گے

پھر اس میں کون سی آفت ہے کہ ایک شخص شاہد بھی ہو حاضر بھی ہو نگہبان بھی ہو کہ شاہد ونگہبان کے لئے حضور ضروری ہے ارے صاحب آپ جیسے گستاخان رسول کے حق میں قرآن فرماتا ہے صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ الآية گونگے بہرے اندھے۔ کہئے یہاں بھی تضاد گائیے گا۔ آگے آپ نے آیۂ کریمہ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا کا ترجمہ رضویہ لکھا ہے جو یہ ہے "اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں کے گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان وگواہ" پھر لکھتے ہیں "یہاں شہید کا ترجمہ نگہبان وگواہ لکھا ہے اور "شہداء" کا ترجمہ صرف گواہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نگہبان کا لفظ محض اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے بڑھایا ہے۔ ورنہ جب شہید کا ترجمہ گواہ ہوگیا تو پھر نگہبان کس کا ترجمہ ہے" جی ہاں بیضاوی ونسفی سے بھی پوچھئے کہ آپ نے رقیباً کی تضمین کیوں مانی ہے اور انہیں بھی یہی الزام دیجئے کہ انہوں نے ایسا محض اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے کیا ہے ورنہ جب شہید کا معنی صرف گواہ ہوگیا تو رقیب ونگہبان کس کا معنی ہے۔ بلکہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز سے رونا روئیے کہ حضرت آپ تو ہمارے امام الطایفہ کے بزرگوں میں ہیں۔ آپ نے ہمارے امام الطایفہ کی ایک نہ رکھی ہائے آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ "بلکہ می تواں گفت کہ شہادت دریں جا بمعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع ونگہبانی است تا از حق بیروں نہ روید چنانچہ والله على كل شيء شهيدا ودر مقولۂ حضرت عیسیٰ کہ كنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت أنت الرقيب عليهم وانت على كل شيء شهيد وچوں ایں نگہبانی واطلاع طریق تحمل شہادت است وتحمل شہادت برائے ادائے شہادت می باشد در احادیث ایں شہادت را بگواہی روز قیامت تفسیر فرمودہ اند بیانا لحاصل المعنى لا تفسيرا للفظ یعنی کہا جا سکتا ہے کہ شہادت یہاں بمعنی گواہی نہیں بلکہ بمعنی اطلاع ونگہبانی ہے تاکہ راہ حق سے باہر نہ جاؤ جیسا کہ والله على كل شيء شهيد (اللہ ہر شئے پر نگہبان ہے) میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقولہ كنت عليهم شهيداً میں (یعنی میں ان پر نگہبان تھا) اور جبکہ اطلاع ونگہبانی تحمل شہادت کا وسیلہ ہے اس لئے احادیث میں شہادت کو گواہی سے تفسیر فرما دیا حاصل معنی کے بیان کے لئے نہ کہ لفظ کی تفسیر کے لئے۔ آگے چل کر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں ذکر کرنے کے بعد یوں منہ کھولیں گے "جب حدیث سے شہید کے معنی گواہ متعین ہو گئے تو پھر کسی دوسرے معنی کو مراد لینا رسول دشمنی نہیں تو کیا ہے" شاہ صاحب کی عبارت سے خصوصاً فقرہ مذکورہ بیانا لحاصل المعنى لا تفسيرا للفظ سے اپنی ساری تقریر کا جواب پیشگی لیجئے اور یہ بتاتے چلئے کہ جب حدیث سے شہید کے معنی گواہ متعین ہو گئے تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے کیونکر فرما دیا "بلکہ می تواں گفت الخ" کیوں جی اپنے ہی منہ سے شاہ صاحب کو رسول دشمن کہنے سے پہلے کہیں کلیجہ تو منہ کو نہ آئے گا۔ آگے تحریر کرتے ہیں "پھر شہداء میں نگہبان اس لئے نہ بڑھایا کہ پوری امت کو حاضر وناظر ماننا

پڑتا اقول اَوّلاً یہ اعتراض بھی حسب سابق بیضاوی ونسفی و دیگر مفسرین بلکہ خود شاہ صاحب پر لگا کہ انہوں نے بھی شہداء میں نگہبان کی تضمین نہ مانی ثانیاً اس کا جواب اپنی مبلغ علم بیضاوی ونسفی ہی سے لیجئے۔ بیضاوی میں ہے ترجمہ! یعنی تاکہ تم ان دلائل سمعیہ میں جو تمہارے لئے نصب کی گئیں اور اس کتاب میں غور کرکے جو تمہارے اوپر اتری جان لو کہ اللہ نے کسی کے حق میں نہ بخل کیا نہ ظلم فرمایا بلکہ راہیں آشکار فرمادیں اور رسول بھیجے تو انہیں تبلیغ فرمائی اور نصیحت کی۔ نسفی میں ہے والشھادۃ قد تکون بلا مشاھدۃ کالشھادۃ بالتسامع فی الأشیاء المعروفۃ الخ اور شہادت کبھی بغیر مشاہدہ کے ہوتی ہے جیسے سن کر شہادت دینا جانی پہچانی ہوئی باتوں میں۔ خود شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں۔ "و ہذا چوں امم دیگر در مقام رد شہادت ایشاں خواہند گفت کہ شما ازچہ رد شہادت می دہید حالانکہ در وقت ما نبود دید و حاضر واقعہ نہ شدید ایشاں جواب خواہند گفت کہ ما را خبر خدا بوساطت پیغمبر خود رسید ونزد ما بہتر از دیدن وحاضر شدن گردید و در شہادت علم یقینی بہ مشہود علیہ می باید بھر طریق کہ حاصل شود۔ دیکھو علامہ بیضاوی وعلامہ نسفی وشاہ صاحب سب کس قدر صاف فرمارہے ہیں کہ امت کی شہادت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے ہے۔ ان کی اخبار واحادیث سن کر یہ شاہد ہوں گے اور شاہ صاحب نے تو یہ بھی فرمادیا کہ یہاں حضور سے سن لینا مشاہدہ ومعاینہ سے امت کے حق میں بہتر قرار پایا بلکہ خود حدیث میں اس امر پر دلالت موجود کہ امت کی شہادت شہادت بالتسامع ہے۔ افسوس کہ پھر بھی معترض کو حضور کی شہادت اور امت کی شہادت میں فرق نہ سوجھا نیز آپ تحریر کرتے ہیں "سورۂ نساء کی آیت وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا میں بھی۔ یہی حرکت کی ہے" اقول یہ اگر نازیبا حرکت ہے تو آپ کے زعم پر بیضاوی ونسفی اور خود شاہ صاحب نے بھی سورۂ بقرہ میں یہی حرکت کی ہے کہ گواہ کے معنی میں نگہبان کی تضمین کردی ہے بلکہ شاہ صاحب نے تو یوں فرمایا ہے "بلکہ می تواں گفت کہ شہادت دریں جا بمعنی گواہی نیست بلکہ بمعنی اطلاع ونگہبانی است"۔ تو تمہارے زعم پر تو شاہ صاحب کی بات اور زیادہ سخت ہوگی کہ انہوں نے شہادت کو بمعنی گواہی نہ رکھا بلکہ بمعنی نگہبانی متعین فرمادیا تو پھر کسی دوسرے معنی کو مراد لینا رسول دشمنی نہیں تو کیا ہے تو آپ کے زعم پر شاہ صاحب علیہ الرحمۃ معاذ اللہ زیادہ مجرم ہوئے کہ انہوں نے اس معنی کا انکار فرمادیا جو آپکے زعم پر حدیث سے متعین ہوگئے بخلاف دوسروں کے کہ انہوں نے اس معنی کو مقرر کہا ہاں نگہبان کی تضمین اس میں کردی جو آپ کو ناگوار ہے۔ اب اگر آپ واقعی منصف مزاج ہیں تو بیضاوی ونسفی اور خصوصاً شاہ صاحب پر بھی نفرین کیجئے۔ فقرۂ سابقہ کے متصل ہی آپ یوں منہ کھولتے ہیں جبکہ دوسرے مفسرین ومترجمین صرف گواہ مراد لے رہے ہیں" مفسرین کرام نے کیا مراد لیا وہ تو پہلے ہی کھل گیا۔ شیخ محقق کی شہادت اور سنتے چلو۔ فرماتے ہیں "و آں حضرت را نیز شاہد و شہید خوانده و ما ارسلناك الشاھدا" یعنی عالم وحاضر بحال امت الخ مدارج النبوۃ۔ ہم کہیں اور سب کہیں۔ "جھوٹوں پہ خدا کی لعنت" اور سنئے لکھتے ہیں "لغت میں شاہد کا ترجمہ حاضر بھی لکھا گیا ہے اس لئے آیت میں اگر شاہد کا ترجمہ حاضر لکھدیا گیا تو لغت کے اعتبار سے صحیح ہونا چاہئے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جب لفظ دو معنوں میں مشترک ہو" الخ اقول ہم ثابت کرآئے کہ شاہد کا معنی حقیقت لغویہ بلکہ شرعیہ ہے تو "حاضر وگواہ" میں شاہد کے مشترک ہونے کا دعوی باطل اور فقہاء کرام کی عبارتوں سے ثابت ہوا کہ شہادت میں حضور شرط واصل ہے تو شاہد بمعنی گواہ حاضر کا ایک فرد ہوا نہ کہ شاہد وحاضر منافی ہوئے غرضیکہ آپ کی اگلی اور پچھلی دونوں راہیں بند ہیں۔

قولہ "اسلئے شاہد کا ترجمہ حاضر وناظر کرکے اللہ کی صفت خاص میں پیغمبر کو شریک ماننا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا"،

أقول جس طرح اللہ کی صفت میں کسی کو شریک ماننا شرک ہے اسی طرح مخلوق کی صفت میں اللہ کی شرکت ماننا کفر ہے بحمدہ تعالےٰ ہم نے ثابت کردیا کہ حاضر وناظر کے معانی حقیقیہ اللہ کے شایان شان نہیں اسلئے کہ وہ تمام معانی لوازم اجسام ہیں تو وہ اس کیلئے ہوسکتے ہیں جو جسم ہو تو اسے ہر جگہ حاضر وناظر ماننا اسے جسم کہنا ہے تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً یہاں سے ظاہر کہ اہلسنت پر اللہ کی صفت خاص میں پیغمبر کو شریک ماننے کا الزام محض بہتان ہے بلکہ درحقیقت آپ نے خود اللہ کے لئے مخلوق کی صفت ثابت کی ہے اور یہ آپ کی کوئی نئی نہیں بلکہ آپ کے امام الطایفہ نے بھی خدا کو ہر جگہ حاضر وناظر کہہ کر اس کی توہین کی ہے پھر اسی منہ سے توحید پرست بنتے ہو اور دوسروں کو مشرک بتاتے ہو۔ ع شرم تمکو مگر نہیں آتی اور اگر تمہارے نزدیک یہ اللہ کی صفت خاصہ ہی ہے تو ان سے پوچھو جنھیں تم بھی امام ومقتدا مانتے ہو جو تمہارے امام الطایفہ کے بزرگوں میں ہیں کہ یا حضرت آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام امت کے مراتب پر مطلع مان کر اور انہیں تمام امت پر نگہبان بتا کر شرک کیوں کیا اور ہمیں بتاؤ کہ جب تمہارے اور تمہارے امام الطایفہ کے فتوے سے وہ مشرک ہوئے تو تم انہیں امام ومقتدا مانکر کافر ہوئے کہ نہیں۔ قولہ "یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین شاہد کے معنی گواہ لے رہے ہیں" پھر وہی رٹ۔ ہم پھر کہیں گے کہ مفسرین صرف گواہ مراد نہیں لے رہے ہیں بلکہ رقیب کی تضمین مان رہے ہیں جیساکہ گذرا اور اگر وہ صرف گواہ ہی مراد لے رہے ہیں تو تمہیں کیا مفید ہے ہم نے بحمدہ ثابت کیا کہ دونوں طرح ہمارا مدعی ثابت ہے گواہ کہو یا نگہبان وللہ الحجۃ البارعۃ

قولہ "اور قرآن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد وشہید کہا گیا ہے اور امت محمدیہ کو شہداء کہا گیا ہے جو شاھد کی جمع ہے تو اگر شاہد کے معنی حاضر وناظر ہوں تو تمام امت کو حاضر وناظر ماننا پڑتا ہے جو عقل ونقل کیخلاف ہے" ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور امت کی شہادت میں فرق بتا آئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت میں حضور ومشاہدہ ملحوظ ہے تو حضور کی شہادت بہ معاینہ ہے اور امت کی شہادت بہ معاینہ نہیں بلکہ حضور کی شہادت پر شہادت بالتسامع ہے اسی لئے مفسرین کرام نے شہید میں

رقیب کی تضمین مانی اور شاہد کی تفسیر مراقبہ و مشاہدہ سے کی ہے جیسا کہ تفسیر ابوالسعود و جمل سے گذرا علامہ صاوی کا فرمان اور سنتے چلو کہ باذن اللہ ہمارا دعوی مزید مؤکد ہو اور ذہن معترض میں ابھرنے والے سوال کا پیشگی جواب بھی ہو جائے۔ آیت کریمہ وَمَاکُنتَ بجانب الغربی اذ قضینا إلی موسیٰ الأمر و ماکنت من الشاھدین (یعنی جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی رسالت فرمائی تو آپ سینا کی جانب غربی میں نہ تھے اور آپ شاہدین میں سے نہ تھے) کے تحت فرماتے ہیں۔ وَھذا بالنظر إلی العالم الجسمانی لاقامة الحجة للخصم وَأما بالنظر إلی العالم الروحانی فھو حاضر رسالة کُل مُرسَلٍ وَمَا وَقع لہ من لدن اٰدم إلی أن ظھر بجسمہ الشریف وَلکن لَا یخاطب بہ أھل العناد۔ خلاصہ یہ کہ ارسال رسل اور ان کے زمانوں کے واقعات پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاضر و موجود نہ ہونا عالم جسمانی کے اعتبار سے ہے یعنی ان واقعات پر نبی کریم کا جسمانی حضور نہ تھا اور عالم روحانی کے اعتبار سے نظر کیجئے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام آدم علیہ السلام کے زمانے سے لیکر اپنے زمانے تک ہر رسول کی رسالت اور تمام واقعات پر حاضر ہیں یہاں تک کہ حضور نے اپنی جسمانیت مطہرہ کے ساتھ ظہور فرمایا لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ اہل عناد کو خطاب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بھی اگر اپنے دعوی پر جمو تو میں کہوں گا کہ تمام امت کی شہادت اگرچہ بالتسامع ہے مگر فضل الہی سے اولیاء کے لئے شہادت بالمعاینہ کچھ دور نہیں اور ان کیلئے اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں حضور مَعَ المشاھدہ مانا جائے تو یہ ہمارے دعوی کا عین مؤید ہوگا کہ ان کا یہ کمال کمال مصطفے صلے اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی دلیل ہے بلکہ عین کمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم ہے علماء فرماتے ہیں الکرامة من جنس المعجزة کرامت معجزہ ہی کی جنس سے ہے۔ اور بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے طفیل بہت سے اولیاء کو حضور مَعَ المشاھدہ کی فضیلت حاصل ہے۔ صاوی میں علامہ شعرانی کی القواعد الکشفیة سے حضرت علی مرتضی اور حضرت سہل تستری رضی اللہ عنہما کی بابت نقل فرمایا۔ وَکان علی کَرَّم اللہ وَجھہ یقول إنی لأعرف العھد الذی عھد إلی رَبی وَکان سَھلُ التستری یقول إنی لأعرف تلامذتی من ذلک الیَوْم وَلَم ازل اربیھم فے الأصلاب حتی وصلوا إلی یعنی حضرت علے مرتضی کرم اللہ وجہہ فرماتے کہ مجھے وہ عہد یاد ہے جو اللہ نے مجھ سے عالم ارواح میں فرمایا تھا اور حضرت سہل تستری فرماتے کہ اس دن سے اپنے شاگردوں کو پہچانتا ہوں اور ان کی تربیت اصلاب آباء میں کرتا رہا یہاں تک کہ وہ مجھ تک پہنچے

روح البیان میں ہے قال الغزالی رحمہ اللہ تعالے والرسول لہ الخیار فی طواف العالم مع أرواح الصحابة رضی اللہ عنہم لقد راٰہ کثیر من الأولیاء یعنی غزالی نے فرمایا رسول کو صحابہ کی روحوں کے ساتھ عالم کے طواف کا اختیار ہے بہت سے اولیاء نے حضور کو صحابہ کیساتھ دیکھا ہے۔ بھجة الأسرار شریف میں سرکار غوث اعظم سے نقل کیا کہ آپ فرماتے ہیں پروردگار تعالے وتقدس کی قسم نیک بخت و بدبخت سب مجھ پر پیش ہوتے ہیں اور میری نظر لوح محفوظ میں ہے۔ میں دریائے علم و مشاہدۂ الہی کا غوطہ خور ہوں۔ میں تم سب پر اللہ کی حجت و نائب رسول اللہ اور ان کا وارث ہوں۔

ان السعداء والأشقیاء لیعرضون علی عینی فے اللوح المحفوظ انا غائص فے البحر علم اللہ وَمشاھدتہ انا حجة اللہ علیکم جمیعکم انا نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسَلم وَوَارثہ فی الأرض۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں اس عبارت کا فارسی ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔ بعزت پروردگار کہ نیک بختان و بدبختان ہمہ عرض می شوند بر من و نظر من در لوح محفوظ است منم غواص دریائے علم و مشاہدۂ الہی من حجت خدا بر تمامہ شما و نائب رسول اللہ و وارث اویم اھ۔ شیخ محقق کی عبارت اگرچہ بعینہ بھجة الأسرار کی عبارت کا ترجمہ ہے مگر ہمنے پھر بھی اسے پیش کیا اسلئے کہ شیخ محقق معترض کے بھی مستند ہیں اور یہی شیخ محقق بھجة الأسرار سے اخذ و استناد فرماتے ہیں جیسا کہ مدارج النبوۃ میں تذکرے سے ظاہر ہے۔

ہر چند کہ ہمیں امت کے حضور مَعَ المشاھدہ ثابت کرنیکی چنداں ضرورت نہ تھی اسلئے کہ خود معترض کی منقولہ روایات سے اور اقوال علماء سے حضور صلی اللہ علیہ وَسَلم اور امت کی شہادت میں فرق خود روشن ہو گیا تاہم ہمنے معترض صاحب کی یہ بالک ہٹ بھی پوری کر دی وللہ الحمد۔ اب معترض صاحب نے یہ جو لکھا کہ تمام امت کو حاضر و ناظر ماننا پڑتا ہے جو عقل ونقل کیخلاف ہے" اولاً اس دعوی کے متعلق یہ بتاتے چلیں کہ انہوں نے اس دعوی پر قرآن وحدیث واقوال علماء سے دلیل کیوں قائم نہ کی نیز وہ کونسی دلیل عقلی ہے جس سے یہ دعوی ثابت ہے؟ کیوں نہ بتایا۔ ثانیاً جبکہ یہ دعوی مسلمات سے نہیں تو اس دعوی پر دلیل نہ قائم کرنا اور خصم کو یہ وہم دلانا کہ یہ امر مسلمہ ہے جبھی تو دلیل نہ قائم کی بدترین جہالت صریح فریب اور امانت علمی میں خیانت ہے کہ نہیں؟۔ ثالثاً اپنا چاک گریباں تو دیکھئے صراط مستقیم میاں اسمعیل دہلوی کے پیروں کیلئے کیا کہہ چکی۔ وہ تو انہیں ملائکہ مدبرات الامر کے زمرہ میں گنا چکی اور تدبیر امور کیلئے ملائکہ بیک وقت ہر جگہ حاضر ہو جاتے ہیں اور دیلیا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کیلئے خاص بتا چکے اور اسطرح اپنی توحید مزعوم میں روافض سے مل چکے جو حضرت علی کی نسبت حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ مشرکین کے بھی مشابہ ہو گئے جو رام کو ہر شئے میں رما ہوا جانتے ہیں والعیاذ باللہ العلی العظیم دیکھو تقویۃ الایمان صـ۱ کَلاَجَرَم اپنے مشائخ طریقت اور ملائکہ کو خود ہی معاذ اللہ خدا کے برابر کر دیا۔ کیا معترض صاحب یہ تو عقل ونقل کے خلاف نہیں بلکہ عین اسلام ہوگا۔ اسی منہ سے مسلمانوں کو مشرک گردانتے ہو۔

نے فروعت محکم آمد نے اصول

شرم بادت از خدا واز رسول

قولہ اور حدیث میں بھی رسول اکرم اور ان کی امت کو گواہ کہا گیا ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اس لئے شاہد کا ترجمہ گواہ متعین ہو گیا أقول جی ہاں اور شاہ صاحب بلکہ می تواں گفت کہ شہادت درینجا بمعنی گواہی نیست کہہ کر آپ کے اس متعین کا انکار

انصاف کے پکے شاہ صاحب کو اپنے زعم پر کافر و گمراہ کہیں تو ہم جانیں۔ قولہ شاھد کا ترجمہ حاضر و ناظر کرنے میں قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی مخالفت لازم ہوتی ہے جس سے بچنا فرض ہے۔ اقول۔ شاھد کا ترجمہ حاضر و ناظر نہ کرنے میں صراط مستقیم کی زبردست نفرین کا سامنا ہے کہ مشائخ طریقت کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھادیا اور کرنے میں تم سب پر تقویت الایمان کا شرک سوار ہوتا ہے جس سے بچنا فرض ہے۔ بچ نکلو تو جانیں ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم

بحمدہ تعالے شاھد آگے ترجمہ تمام اعتراضات معترض کا جواب شافی ہوگیا۔

قل انما انا بشر مثلکم کے ترجمہ پر اعتراض

معترض صاحب نے قل انما انا بشر مثلکم کے ترجمہ رضویہ پر بھی اعتراض کا منہ کھولا ہے۔ ترجمۂ رضویہ درج ذیل ہے

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں"

معترض صاحب کو لفظ "ظاہر صورت بشری" پر اعتراض ہے۔ ان کی معترضانہ تحریر عنقریب آئے گی۔ سردست ہمیں ان کلمات سے کام ہے جو معترض نے بطور تمہید کہے ہیں معترض نے کہا "بریلوی فرقے کی طرف سے علماء اہل سنت کے بارے میں یہ بار بار کہا جاتا رہا ہے کہ وہ پیغمبروں کی بشر اور بھائی کہہ کر توہین کرتے ہیں" اقول وباللہ التوفیق چہ خوش۔ اپنی پردہ پوشی کا کیا خوب انداز ہے۔ عبارت ایسی اختیار کی جو ناظر کو خواہ مخواہ یہ وہم دلائے کہ یہ بچارے علمائے دیوبند اس الزام سے بری ہیں۔ جی ہاں بے شک توہین رسول تمہارا اور تمہارے اکابر کا شیوہ ہے۔ منجملہ تنقیص شان رسالت کے یہ بھی ہے کہ تمہارے امام الطایفہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صاف صاف بھائی کہا ہے اور جگہ جگہ محبوبان خدا کو تمام انسانوں کیساتھ عجز و نادانی میں شریک بناکر اپنا جیسا بشر قرار دیا ہے تقویت الایمان میں کہا "ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم چھوٹے" صد۱۸ سو بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے" ص نیز کہا "جو بشر کی سی تعریف ہے سو وہی کرو اس میں بھی اختصار ہی کرو" ص۸۵ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قوم کے چودھری اور گاؤں کے زمیندار سے تشبیہہ دی اس کی عبارت یہ ہے "جیسا ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار اسی طرح سے ہمارے پیغمبر سارے جہان کے سردار ہیں" ص۵۸ وص۸۶ نیز اسی تقویت الایمان میں ہے "ان باتوں میں سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بے خبر ہیں اور نادان" نیز سب انبیاء کے لئے لکھو مارا "سب انبیاء اس کے روبرو ذرۂ ناچیز سے کمتر ہیں" بحمدہ تعالیٰ معترض نے جیسے یہ کہہ کر کر بریلوی فرقہ کی طرف سے الخ چھپانا چاہا تھا ہم نے اسے بے نقاب کردیا۔ خود معترض کی پردہ پوشی ان عبارتوں کی قباحت کی کھلی دلیل ہے ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ لہذا ہمیں ان کے رد کی چنداں حاجت نہیں وللہ الحمد۔ ابھی منہ سے اپنے کو علمائے اہل سنت کہتے ہو۔ یہ منہ اور مسور کی دال قولہ لیکن جب بریلویوں کے مجدد ترجمہ کرتے کرتے ان آیتوں پر پہنچے جن میں پیغمبروں کو بشر اور بھائی کہا گیا ہے

تو عجیب کش مکش اور الجھن میں پڑ گئے کہ اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہل علم کو کیا منہ دکھائیں گے اسی لئے درمیانی چال چلی کہ ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھادئے ء الخ ھذیانات۔ اقول اولاً معترض صاحب کی یہ عادت بن گئی ہے کہ دعوی کردیتے ہیں اور دلیل نہیں دیتے جیسے ان کا دعوی مسلمات میں سے ہو۔ یہاں بھی یہی کیا ہے کہ دعوی کردیا کہ "الزام الٹ کر اپنی طرف آتا ہے" اور وجہ نہ بتائی۔ ہم بتائیں معترض صاحب کی یہ لیاقت علمی ہے کہ انہوں نے آیۂ کریمہ قل انما انا بشر مثلکم کو اپنے دعوے کی دلیل سمجھ لیا ہے۔ جبھی تو چیک کے کہا کہ اگر صحیح ترجمہ کرتے ہیں تو الزام الخ حالانکہ آیۂ کریمہ میں حضور سے فرمایا گیا کہ تم تواضعاً فرمادو میں تم جیسا ہوں نہ کہ ہمیں حکم ہوا کہ ہم کہیں کہ حضور ہم جیسے بشر ہیں اور ہمیں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ ہم یہ کہیں جبکہ اللہ عزوجل حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے بارے میں فرماتا ہے یانساء النبی لستن کاحد من النساء اے نبی کی بیبیو تم عورتوں میں کسی کی طرح نہیں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے فرماتے ہیں تم میں کون مجھ جیسا ہے لست کاحد منکم میں تم میں کسی کی طرح نہیں تو یہ خوش فہمی معترض صاحب پر الزام کی جنتری کررہی ہے وللہ الحمد ثانیاً معترض نے کہا "اور اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہل علم کو کیا منہ دکھائیں گے"۔ بحمدہ تعالے معترض نے خود اپنے منہ قبول دیا کہ یہ ترجمہ رضویہ غلط نہیں بلکہ صحیح ہے اس لئے کہ ناظرین کرام پر یہ روشن کہ یہ کہنا کہ "اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں" اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ترجمہ غلط نہ ہو اور ہر سمجھ والے پر ظاہر کہ غلط اور صحیح کے درمیان واسطہ نہیں تو جو غلط نہ ہوگا ضرور صحیح ہوگا تو اب ناظرین کرام خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ معترض نے یہ کہہ کر کہ اسلئے درمیانی چال چلی الخ اپنا راز خود ہی کھول دیا اور اپنی سمجھ دانی سب کو کھول کر دکھادی ع عذاب دین لیتا ہے خرد بھی چھین لیتا ہے

کذلک العذاب ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون

اب معترض صاحب بہادر ترجمہ رضویہ لکھنے کے بعد یوں منہ کھولتے ہیں "اس ترجمہ پر کئی اعتراض واقع ہوتے ہیں اول یہ کہ قرآن مجید میں انما انا بشر مثلکم اصل عبارت ہے۔ معمولی عربی جاننے والا سمجھتا ہے کہ انما حصر کے لئے ہے اور بشر کے معنی آدمی اور مثل کے معنی جیسے اور کم کے معنی تم ہیں اسلئے صحیح ترجمہ یہ ہوا بس میں تمہارے جیسا آدمی ہوں اسی لئے شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں مانند تمہارے اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے "میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم" ان حضرات کے علاوہ اردو ترجمہ کرنے والوں نے اسی جیسا ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے فاضل بریلوی کا ظاہر صورت کی عبارت لانا اور وہ بھی بریکٹ کے بغیر بہرحال غلط ہے

اقول اولاً آپ کا یہ زعم کہ "فاضل بریلوی کا ظاہر صورت کی عبارت لانا بہرحال غلط ہے" بالکل غلط اور مہمل ہے آپ پہلے یہ کہہ کر کہ "اگر غلط ترجمہ کرتے ہیں تو اہل علم کو کیا منہ دکھائیں گے" اپنے منہ آپ قبول چکے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط نہیں ہے۔ ہاں اپنی لیاقت علمی سے اسے درمیانی بتارہے ہیں تو آپ کو یوں کہنا چاہئے تھا کہ یہ ترجمہ نہ غلط ہے نہ صحیح ہے بلکہ درمیانی ہے۔ یہیں سے آپ کے اعتراض کی حقیقت ظاہر کہ خود ہی کچھ

کہتے ہیں اور خود ہی اسے جھٹلا دیتے ہیں۔ ثانیاً۔ جناب کا تراجم کو ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے پر دلیل بنانا صحیح نہیں یوں کہئے کہ ترجمۂ رضویہ ان دو مشہور تراجم کیخلاف ہے تو ایک بات بھی ہوتی مگر صاحب بہادر ہر غیر مشہور کا غلط ہونا ضروری نہیں۔ ہم صاوی سے اس کی مثال دے چکے فتذکو ثمہ۔ ثالثاً ترجمۂ رضویہ کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھا دئے اور اسی کی دلیل آیت کریمہ کے مفردات کے معانی بیان کر کے دی ہے۔ سبحٰن اللہ آپ عربی بھی پڑھانے لگے۔ یہ منہ اور مسور کی دال پھر اس عربی پڑھانے میں کیسی صریح غلطی کی کہ کُمْ کے معنی تم۔ جی اگر کم کا معنی تم ہے تو (تمہارے) کس کا ترجمہ ہے۔ یہیں سے ظاہر کہ جناب کو معمولی عربی بھی نہیں آتی کہ سمجھ لیتے کہ کُمْ یہاں محل جر میں مضاف الیہ ہے تو اس کا ترجمہ تمہارے ہوا نہ کہ تم اقول و باللہ التوفیق۔ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ظاہر صورت بشری" کلام پر زائد ہے اسلئے کہ پر ظاہر کہ إنما انا بشر مثلكم (میں تم جیسا بشر ہوں" میں تشبیہ ہے اور تشبیہ کے ارکان چار ہیں۔ مشبہ۔ مشبہ بہ۔ اداۃ تشبیۃ اور وجہ تشبیہ۔ اب میں تم جیسا بشر ہوں" میں بشریت حضور مشبہ اور لوگوں کی بشریت مشبہ بہ اور جیسا اداۃ تشبیہ ہے۔ رہی وجہ تشبیہ تو وہ لفظ میں موجود نہیں بلکہ محذوف ہے اور محذوف میں حقیقت میں لفظ ہے۔ شرح جامی میں ہے۔ والمحذوف لفظ حقیقة الخ اور محذوف حقیقة" لفظ ہے۔ معترض صاحب اب بتائیں کہ یہ ترجمہ میں زیادتی ہوئی۔ یا اس محذوف وجہ تشبیہ کا اظہار ہوا جو جزو تشبیہ ہے اور جسکے بغیر کلام صحیح نہیں۔ اسی منہ سے عربی پڑھانے چلے تھے، پھر یہ کہ آیت کریمہ میں بشر مثلکم خود اس وجہ تشبیہ کے محذوف ہونے پر قرینہ ہے جو یہ سمجھا رہا ہے کہ تشبیہ ظاہر بشریت میں ہے نہ کہ باطن و روح میں مگر سمجھنے کا قرینہ تو چاہئے۔ معترض صاحب اب بتائیں کہ جبکہ وجہ تشبیہ یہاں ضروری اور اس پر خود قرینۂ لفظیہ موجود تو شاہ رفیع الدین و شاہ عبد القادر علیہما الرحمۃ کے ترجمے میں اور ترجمۂ رضویہ میں سوائے اس خصوصیت کے کہ ترجمۂ رضویہ میں وجہ تشبیہ صراحۃً مذکور ہے اور ان دو میں نہیں کیا فرق ہوا ولكن الوهابية قوم يجهلون۔

یہ تو اس صورت پر تھا جب بشریت حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشبہ بنائیں اب اگر کہو کہ بشر خود معنی وجہ تشبیہ ہے تو اس صورت میں ظاہر صورت بشری اس وجہ تشبیہ کی تفسیر ہوگی کہ یہاں بشریت میں تشبیہ محض باعتبار ظواہر اور اعراض بشری کے ہے نہ کہ باعتبار کل وجوہ کے بلکہ ذہین و فطین پر روشن کہ یہ بشر کے وجہ تشبیہ ہونے کی طرف اشارہ کیساتھ اس کے معنی کا بطرز لطیف بیان بھی ہے اس لئے کہ بشر میں ظہور ملحوظ ہے۔ شرح شفاء میں ہے وسموا بشراً لظهور جلودهم لأن البشرة ظاهر الجلد۔ یعنی انسان کو بشر اس کے جلد کے ظاہر ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں اس لئے کہ بشرہ ظاہر جلد ہے تو اسے زیادتی کہنا زیادتی ہے۔ کوئی معقول آدمی ہوتا تو امام احمد رضا کا شکر گذار ہوتا کہ ایسا ترجمہ فرمایا کہ جسنے شبہات کا ازالہ کر دیا اور اس خصوصیت کو سمجھتا کہ ان کا ترجمہ ترجمہ ہی نہیں بلکہ مختصر اور جامع تفسیر بھی ہے جو اس کے دیکھنے والوں کو بڑی بڑی کتابوں میں دیدہ ریزی کی مشقت سے بچا لیتی ہے مگر معترض سے اس کی کیا امید ع دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے۔ اب چلو میں تمہاری رکھنے کو تسلیم کر لوں کہ تمہارے بقول ترجمہ میں زائد الفاظ بڑھا دئے مگر اے عقلمند ہر زیادتی ناجائز نہیں ہوتی۔ زیادتی وہ ناجائز ہوتی ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس پر صحت کلام موقوف ہو وہ حقیقت میں زیادتی ہی نہیں چہ جائیکہ ناجائز ہو۔ اور یہاں تم جسے زیادتی سمجھے ہو وہ زیادتی ضروری ہے اور خود اس کی ضرورت اس کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضور سے فرماتا ہے قل انما انا بشر مثلكم یعنی تم فرما دو میں تم جیسا بشر ہوں اور حضور کی ازواج مطہرات سے فرمایا يا نساء النبي لستن كاحد من النساء۔ اے نبی کی بیویو تم عورتوں میں کسی کی طرح نہیں ہو بھلا کوئی ایمان والا کہہ سکتا ہے کہ نبی تو ہم جیسے بشر ہوں اور نساء نبی جنہیں ساری فضیلت و برتری نساء نبی ہو کر ملی وہ کسی کی طرح نہوں اور خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لست كهيئتكم۔ میں تمہاری ہیئت پر نہیں۔ لست كاحد منكم۔ میں کسی جیسا نہیں۔ أيكم مثلي۔ تم میں کون مجھ جیسا ہے۔ تو کیا کوئی یہ کہے گا کہ حضور نے بشریت کا انکار فرما دیا والعیاذ باللہ۔ ہرگز نہیں۔ تو پھر اس تعارض کا کیا تدارک ہوگا ظاہر کہ یہاں ترجیح کی طرف راہ نہیں تو لامحالہ تطبیق ضروری اور وہ اسی طرح ہوگی کہ مثلیت کا اقرار باعتبار ظاہر جسمیت و اعراض کے ہو اور مثلیت کا انکار باعتبار باطن و روح محمدی کے ہو۔ دور کیوں جاؤ اسی آیت کو لیلو جسے تم لوگ بشر کہنے کی دلیل بنائے ہوئے ہو خود اس میں اس پر دلیل موجود ہے ہم سے سنو۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے متصل ہی فرمایا گیا۔ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ۔ میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ یہ ارشاد خود فرق کی روشن دلیل ہے۔ اور اس وجہ تطبیق کی طرف راہ نما ہے جو امام احمد رضا نے "ظاہر صورت بشری فرما کر افادہ فرمائی اسلئے کہ پر ظاہر کہ وحی ایسا باطنی امر ہے کہ اس کی خبر یا دشنا کو تو کیا ہوتی صحابۂ کرام نے بھی اس کے نزول کو نہ دیکھا بلکہ منزل دنی میں جو وحی ہوئی اس سے تو خود وحی لانے والے جبریل امین بھی بے خبر ہیں قال تعالٰی فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ۔ تو اللہ نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ آیت کریمہ میں عَبْدِهِ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور أَوْحَىٰ کی ضمیر اسم جلالت کی طرف راجع ہے کما افادہ فی الشفاء عن جماعة من المفسرين وايده تو جب وحی ایسا باطنی امر ہے تو لامحالہ اس باطن کیلئے اسی جیسا باطن سرکار کیلئے ضروری جو تمام بشر کے بواطن سے اعلی ہو اور جب وہ باطن سرکار کیلئے ثابت تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے اس باطن و روح کے اعتبار سے بشر سے جدا ہونا ضروری امر ہوا اور تشبیہ محض باعتبار ظاہر کے رہ گئی اسی کو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا يا أبا بكر لم يعرفني حقيقة غير ربي كذا في مطالع المسرات۔ یعنی اے ابوبکر میری حقیقت کو سوائے میرے رب کے کسی نے نہ جانا اور یہی مراد ہے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فرمان سے جو ارشاد ہوا کہ لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب ولا نبي مرسل اللہ کیساتھ میرا ایک وہ وقت ہے جسمیں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش نہ کسی نبی مرسل کی مجال اس پر شرح شفا میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کا فرمان واجب الاذعان سننے کے قابل ہے

فرمایا: "والتحقیق أن المراد بالنبی المرسل ذاته الأکمل فانه فی مقام جمع الجمع یفنی عن ذاته ومقاماته ویستغرق فی مشاهدۃ ذات اللہ وصفاته اھ۔ یعنی تحقیق یہ ہے کہ مراد نبی مرسل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کاملہ ہے اسلئے کہ حضور مقام جمع الجمع میں اپنی ذات ومقامات سے فنا ہوکر اللہ کی ذات وصفات کے مشاہدہ میں مستغرق ہوجاتے ہیں۔ علامہ علی قاری کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ سرکار ابد قرار علیہ افضل الصلاۃ واکمل السلام کیلئے ایک ایسا مقام بھی ہے جہاں خود انہیں کی بشریت حاضر نہیں ہوتی بھلا جس کا باطن ایسا ارفع واعلی ہو اسمیں سوائے مشابہت ظاہری کے اور کیا متصور ہو سـ لاجرم اسی لئے علماء کرام نے مشابہت صرف حضور علیہ السلام کے ظاہر میں رکھی وہ بھی بایں معنی کہ حضور پر بعض اعراض وامراض بشری طاری ہوتے ہیں نہ کہ حسن وصورت میں کہ وہ تو سب سے اعلی ہے اور جس طرح ان کا باطن سب سے ارفع ہے اسی طرح تمام انبیاء کے بواطن تمام بشر سے اعلی ہیں، شفا میں ہے فظواهرهم واجسادهم وبنيتهم متصفة باوصاف البشر طارئ علیها ما یطرأ علی البشر من الأعراض والاسقام والموت والفناء ونعوت الانسانية وأرواحهم وبواطنهم متصفة باعلی من اوصاف البشر متعلقة بالملأ الأعلی متشبهة بصفات الملئكة سليمة من التغير والآفات لا يلحقها غالباً عجز البشرية ولا ضعف الانسانية الخ یعنی انبیاء کے ظواہر اور ان کے اجسام اوصاف بشری سے متصف ہیں ان پر وہ طاری ہوتا ہے جو بشر پر طاری ہوتا ہے یعنی اعراض وامراض وموت اور انسانی احوال اور ان کی ارواح وبواطن ان اوصاف سے متصف ہیں جو بشر کے اوصاف سے اعلی ہیں اور صفات ملئکہ کے مشابہ ہیں تغیر وآفات سے محفوظ ہیں کہ انہیں عجز بشریت اور ضعف انسانیت نہیں لاحق ہوتا۔ نسیم الریاض شرح شفا میں ہے۔ (فجعلوا من جهة الاجسام والظواهر مع البشر) أی موافقین لهم فی صورتها (ومن جهة الارواح والبواطن مع الملائكة) أی متصفین بصفاتهم وهذا دليل علی أن ظاهره صلی الله عليه وسلم بشری وباطنه ملكی ولذا قالوا ان نومه عليه الصلاة والسلام لا ينقض وضوءه كما صرحوا به ولا يقاس عليه غيره من الأمة كما توهم وتوضؤه صلی الله عليه وسلم استحباباً أو تعليماً لامته أو لعروض ما يقتضيه

نیز اسی میں ہے لانه صلی الله عليه وسلم بشری الظاهر ملكوتی لا يتحلی باحوال البشر الا اذا أمره الله تعالی بها لتتأسی به أمته وتتشوف بما رضيه له فعده صلی الله عليه وسلم من البشر كعد الياقوت من الاحجار۔ یعنی انبیاء کرام اپنے ظواہر واجسام کی جہت سے بشر کے ساتھ کئے گئے یعنی ظاہر صورت بشری میں بشر کے مشابہ ہوئے اور اپنی ارواح و بواطن کی جہت سے ملئکہ کیساتھ رکھے گئے یعنی ان کی صفات سے متصف ہوئے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر بشری ہے اور باطن ملکوتی ہے اسی لئے علماء نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند ناقض وضو نہیں اور آپ پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ کسی کو وہم ہوا اور نیند سے حضور کا وضو فرمانا استحبابی امر ہے یا امت کو تعلیم کے لئے ہے یا کسی ایسے امر کا عارض ہوتا ہے جو وضو کا مقتضی ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر میں بشری ہیں باطن میں ملکوتی ہیں اور آپ بشری احوال سے اسی وقت متصف ہوتے ہیں جب اللہ تعالی انہیں حکم دیتا ہے تاکہ امت ان کی ریت پکڑے اور ان خصال حمیدہ سے مشرف ہو جو اللہ نے حضور کیلئے پسند فرمائے تو حضور کو بشر میں شمار کرنا ایسا ہے جیسا کہ یاقوت کو پتھر میں گننا۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ ان عبارتوں سے کیسا روشن کہ تشبیہ محض ظاہر کے اعتبار سے ہوسکتی ہے اور باطن کے اعتبار سے نہیں ہوسکتی۔ معترض بہادر یہ سنئے جلیبی کہ امام احمد رضا کا وہ ترجمہ جسے انہوں نے اردو کے ترجموں کی بنا پر غلط بتایا تھا وہ علماء کے نزدیک نہ صرف یہ کہ صحیح ہے بلکہ ایسا مشہور ہے کہ محتاج بیان نہیں تو وہ جو ہم نے کہا تھا کہ ہر غیر مشہور غلط نہیں ہوتا محض تنزل تھا اور اردو کے ترجموں کی ہی حد تک تھا نیز ان ارشادات کے پیش نظر ترجمۂ رضویہ کو دیگر تراجم پر فوقیت ظاہر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے تو اس کے مقابل دیگر تراجم کو لانا جہل ہے ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی العظیم۔ معترض میں ہمت ہے تو اب ان علماء کو وہ الزام دے جو سرکار امام احمد رضا کو دئے۔ کوئی بعید نہیں کہ انہیں بھی کہنے کی جرأت کر بھاگو۔ مگر پہلے اپنوں کی تو خبر لو۔ سنو یہ شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمہ کیا فرما رہے ہیں وللآخرة خیر لك من الأولی کے تحت تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں "یعنی البتہ ہر حالت آخر بہتر باشد ترا از معاملت اول تا آنکہ بشریت ترا اصلاً وجود نہ ماند وغلبۂ نور حق بر تو علی السبیل الدوام حاصل شود" اھ یعنی ہر آئندہ حالت تیرے لئے معاملۂ گذشتہ سے بہتر ہوگی یہانتک کہ تیری بشریت کا اصلاً وجود نہ رہے اور ہمیشہ کے لئے تیرے اوپر نور حق کا غلبہ ہو۔ معترض صاحب یہ تو بہت اونچی ہوگئی۔ آپ نے تو امام احمد رضا کو محض اتنی سی بات پر کہ انھوں نے "ظاہر صورت بشری" فرمادیا یہ الزام دے دیا کہ معاذ اللہ سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثناء امام احمد رضا کے نزدیک خدا ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں" دوسرے ظاہر صورت بشری میں تو پیارے پیغمبر دوسرے انسانوں کی مانند انسان ہیں حقیقت میں کیا ہیں یہ نہیں بتلایا اگر انسان کے علاوہ فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق مانا جائے تو توہین ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان تمام مخلوقات سے درجہ میں بلند ہے اس لئے سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم (صلے اللہ علیہ وسلم) ظاہر میں بشر ہیں حقیقت میں خدا ہیں الخ

ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے۔ کافر سب کو کافر ہی سمجھتا ہے۔ مگر شاہ صاحب تو معترض کے طور پر بشریت حضور ہی سے منکر ہوگئے۔ اب انہیں بھی یہی الزام دے ورنہ ان کے بچاؤ کی کیا تدبیر ہے بتائے۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر — اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر۔ ابھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اور سنئے۔ یہ مولوی ذو الفقار علی دیوبند کی قصیدہ بردۃ کی شرح عطر الوردۃ میں

رقمطراز ہیں

(منزہ عن شریک فی محاسنہ ۔ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

(ترجمہ) جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم اس عیب سے پاک ہیں کہ ان کی خوبیوں میں بالذات اور کوئی ان کا شریک ہو بلکہ تمام خوبیوں کے آپ مستقل مالک ہیں اوروں میں جو خوبیاں ہیں آپ کی خوبیوں کا ظل ہے کیونکہ وہ آپ ہی سے مستفاد ہیں" الخ معترض صاحب یہ تو تمہیں اور کڑوی لگنی چاہئے کہ اسمیں تو سرے سے تشبیہ ہی کی نفی ہے مگر دیوبندی کی شرم رکھنے کو کچھ فتوی صادر نہ کروگے یہی ذوالفقار علی اس کتاب کے آخر میں اپنے قصیدۂ نعتیہ میں کہتے ہیں ع ما مثل أحمد فی الوجود کریما حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مثل وجود میں کوئی کریم نہیں۔ ظاہر ہے کہ کرم ایک باطنی وصف ہے جسمیں حضور کے مثل کی نفی کی ہے۔ للہ انصاف رجب حضور کے وصف باطنی میں کوئی آپ کا مثل نہیں تو اب مثلیت سوائے ظاہر کے کہاں رہ گئی کیوں معترض بہادر اب کیا یہی ٹھہرائی ہے کہ ہم کہیں تم نہ کہو ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آگے میلاد گوہر کے اشعار نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ "ان شعروں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا اوتار ظاہر کیا گیا ہے اگر امام احمد رضا اس کو تسلیم نہیں کرتے تو انہوں نے ترجمہ میں "ظاہر صورت" کے الفاظ کیوں بڑھائے"، بحمدہ تعالے ہمنے ثابت کیا کہ "ظاہر صورت" کی قید ضروری جس پر صحت کلام موقوف اور اسی سے آیات واحادیث کے درمیان تطبیق حاصل اور اپنے مفید مطلب عبارات خصوصًا شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا فرمان واجب الاذعان اور آخر میں ذوالفقار علی دیوبندی کی عبارت پیش کی۔ کسی کے خلاف شرع شعر سے امام احمد رضا پر کیا الزام۔ نہ اس "ظاہر صورت" سے اس شعر کو تسلیم کرنا لازم اور اگر معترض کے نزدیک یہی ہے "ظاہر صورت" کی قید سے مذکورہ اشعار کا تسلیم کرنا لازم ہے تو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اور اس دیوبندی سے بھی پوچھے کہ اے شاہ صاحب اگر تم ان کو تسلیم نہیں کرتے تو تم نے کیوں کہا کہ تیری بشریت کا اصلاً وجود نہ ہے اور اے دیوبندی صاحب تم نے حضور کے مثل کی نفی کیوں کی۔ معترض بہادر پھر بے دیکھے تیر چلا گئے۔ تنبیہ۔ میلاد گوہر سے معترض نے یہ شعر بھی نقل کیا

ادب سے زباں تھام کر رہ گیا میں۔ حبیب خدا کو خدا کہتے کہتے اس شعر میں کوئی حرج نہیں اسکے معترض کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا تو اسے ذکر کرنا طرفہ جہالت ہے۔ نیز اس شعر کو بھی معترض نے جائے اعتراض میں لکھا ہے جو یہ ہے

ندا تھی کہ سرکار تشریف لاؤ۔ دو عالم کے مختار تشریف لاؤ۔ یہ شعر ہمارے نزدیک صحیح ہے اسمیں کوئی حرج نہیں۔ وہابیہ نہ مانیں تو ہماری بلا سے جہنم میں جائیں۔ پھر لکھتے ہیں "اگر کوئی صاحب کہدیں کہ "ظاہر صورت" اس لئے بڑھایا گیا ہے تاکہ کوئی دھوکہ نہ کھا جائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی پناہ بالکل دوسرے انسانوں کی مانند کمالات سے خالی ہیں یہ کہنا جہالت ہے کیونکہ جن کا قرآن مجید پر ایمان ہے وہ آپ کے فضائل پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جن کا ایمان نہیں ان کیلئے یہ وضاحت بیکار ہے" اقول اولاً۔ ہرگز بیکار نہیں اسلئے کہ ایمان والوں میں زیرک و نادان سبھی ہیں اور نادان کے لئے یہ وضاحت ضروری اگرچہ زیرک کیلئے ضروری نہیں اور بے ایمان کے لئے یہ قید اس کے منہ میں لگام لگانے کے لئے ہے۔ ثانیاً معترض نے خود ہی صاف کہدیا کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے وہی ہیں جن کا فضائل حضور پر ایمان ہے۔ معترض بہادر اسمعیل دہلوی تو سب بندوں کو بڑے یا چھوٹے عجز و نادانی میں برابر کہہ چکے اور یہ کہہ کر فضائل نبی سے مکر چکے اور تم خود قبول کر چکے جس کا قرآن مجید پر ایمان ہے الخ تو بولو تم اور تمہارا امام بے ایمان ہوئے کہ نہیں پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ جن کا قرآن مجید پر ایمان ہے الخ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم آگے کہتے ہیں کہ "سوال ہوتا ہے کہ اگر ترجمہ میں صرف بشر لے آتے تو حرج کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنا کافروں کا طریقہ بتلا چکے ہیں الخ أقول جب کافروں کا طریقہ نہیں تو آپ کے نزدیک مومنوں کا طریقہ ہوگا۔ ذرا بتایئے کون سی آیت کون سی حدیث میں آیا ہے کہ مسلمانوں نے سرکار کو اپنا جیسا بشر کہا قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین پھر لکھا "رسول اکرم کو صفات خداوندی کا مظہر اور کائنات وجنت ودوزخ رزق وغیرہ کا مالک وقاسم بتا چکے ہیں اور حضور کو اپنا مجازی رب اور اپنے کو ان کا بندہ کہہ چکے ہیں" الخ قول "اور رسول اکرم کو صفات خداوندی کا مظہر" اللہ اللہ بقلم خود توحید پرستوں کو حضور کے مظہر الٰہی ہونے پر بھی اعتراض ہے جن کی یہ شان ہے کہ من رآنی فقد رأی الحق جنے مجھے دیکھا اس نے اپنے اللہ کا جلوہ دیکھا۔ معترض بہادر اگر بندے کا مظہر صفات الٰہی ہونا ناجائز ہے تو تخلقوا باخلاق اللہ ۔ اللہ کے اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہوجاؤ کا کیا مطلب ہوگا اور مشکوۃ کی اس مشہور حدیث کا کیا معنی بیان کیجئیگا جس میں وارد ہوا ولا یزال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتی أحبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها۔ یعنی بندہ مجھ سے نوافل کے ذریعہ نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک میں اسے چاہتا ہوں اور جب میں اسے چاہتا ہوں تو اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے اور پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اللہ کے کان آنکھ ہاتھ پیر نہیں تو پھر حدیث کا کیا مطلب ہے معترض صاحب بتائیں۔ معترض بہادر جب اللہ کے کان آنکھ ہاتھ پیر نہیں تو سوائے اس کے کیا کہئے گا کہ بندہ اللہ کے صفات سمع وبصر وقدرت کا مظہر ہوجاتا ہے۔ اچھا معترض بہادر ہماری نہ مانو تو اپنے امام کی سنو۔ وہ صراط مستقیم میں رقم طراز ہیں کہ "پس صفات اگرچہ فی حد ذاتہا مستغنی از مظاہر است لیکن بنا بر اقتضائے حکمت الٰہیہ باوجود استغنا در مظاہر مختلفہ کہ عبارت از مخلوقات است ظہور نمودہ الخ" ملتقطًا لو تم تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے صفات کا مظہر کہنے پر معترض ہو امام الطایفہ نے تو ساری مخلوق کو مظاہر صفات کہہ دیا۔ ہماری تائید ہوئی۔ وللہ الحمد۔ معترض بہادر اب امام الطایفہ کو کیا کہتے ہیں۔ کذلک العذاب ولعذاب الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون آگے "اور کائنات وجنت ودوزخ رزق وخیر کا مالک وقاسم بتا چکے ہیں" الخ بیشک حضور صلے اللہ علیہ وسلم مالک وقاسم ہیں۔ ان کے رب نے انہیں مالک بنایا قال تعالے إنا

اُعطینالک الکوثر۔ بے شک اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تمہیں خیر کثیر عطا فرمائی۔ مدارج النبوۃ میں فرمایا۔ مراد بداں خیر کثیر است در دنیا و آخرت الخ۔ مراد اس سے دنیا و آخرت کی کثیر نعمتیں ہیں

رہی یہ بات کہ امام احمد رضا اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ لکھ چکے ہیں تو یہ بے شک صحیح ہے۔ یقیناً ہر اہل ایمان کے لئے بندۂ سرکار مدینہ ہونا فخر ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ خود کو ان کا بندہ کہنا معاذ اللہ انہیں خدا کہنا ہے یہ معترض اور اس کی جماعت کی عقل کے شایاں ہے قرآن میں ہمارے غلاموں کو ہمارا بندہ فرمایا گیا۔ وانکحو الأیامی امنکم والصالحین من عبادکم واماءکم یعنی تم میں جو عورتیں بے شوہر ہیں ان کو بیاہ دو اور تمہارے بندوں اور باندیوں میں جو لائق ہیں ان کا نکاح کر دو معترض بہادر اب یہی الزام خدا کو دو۔ ولاحول ولاقوۃ إلا باللہ العلی العظیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لیس علے المسلم فی عبدہ ولا فرسہ صدقۃ مسلمان پر اس کے بندے اور اس کے گھوڑے پر زکوۃ نہیں یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم اور باقی سب صحاح میں ہے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ نے مجمع صحابہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰے عنھم کو جمع فرما کر علانیہ برسر منبر فرمایا کنت مَعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکنت عبدہ و خادمہ۔ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میں حضور کا بندہ تھا اور حضور کا خدمت گار تھا۔ یہ حدیث وہابیہ کے امام الطایفہ اسمعیل دہلوی کے دادا اور زعم طریقت میں پردادا جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دھلوی نے ازالۃ الخفا میں بحوالہ ابو حنیفہ و کتاب الریاض النضرۃ لکھی اور اس سے سند لی اور مقبول رکھی۔ مثنوی شریف میں قصۂ خریداری بلال رضی اللہ تعالٰے عنہ میں ہے۔ سیدنا صدیق اکبر نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا عرض کی شعر گفت ما دو بندگان کوئے تو۔ کردمش آزاد ہم بر روئے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ قُل یعبادی الذین أسرفوا علےٰ أنفسھم لا تقنطو من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا۔ إنّہ ھو الغفور الرحیم اے محبوب تم اپنی تمام امت سے یوں خطاب فرماؤ کہ اے میرے بندوں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔ حضرت مولوی معنوی قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں شعر

بندۂ خود خواند احمد در رشاد۔ جملہ عالم را بخواں قُل یعباد

طرفہ یہ کہ وہابیہ کے حکیم الامت اشرفعلی تھانوی حاشیۂ شمائم امدادیہ میں قرآن کریم کا یہی مطلب ہونیکی تائید کر گئے کہ تمام جہان رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا بندہ ہے معترض بہادر حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق اعظم اور مولینا روم علیہ الرحمۃ کو بھی کیا شرک کا الزام دینگے۔ نیز شاہ ولی اللہ صاحب کو کیا کہیں گے۔ اور اپنے حکیم الامت تھانوی صاحب کیلئے کیا کہیں گے۔ اور سنیں محمود حسن دیوبندی رشید احمد گنگوہی کیلئے کہہ رہے ہیں ع۔ عبید سود کا انکے لقب تھا یوسف ثانی) مرثیہ گنگوہی یعنی رشید احمد گنگوہی کے کالے غلام بھی یوسف ثانی ہیں۔ ان کیلئے بھی جواب سوچ رکھیں۔ آگے معترض صاحب بہادر منہ کھولتے ہیں۔ اور بعض معتقد تو کھلے طور پر بشریت سے انکار کر چکے ہیں۔ اسی گروہ کے ہمنوا راز الہ آبادی کہتے ہیں "شعر

تجھے کہہ سکوں بشر میں یہ کہاں مری حقیقت ۔ میں زمیں پہ مر رہا ہوں تری عرش تک رسائی

بہت برے ہیں وہ لوگ جو حضور کی بشریت سے منکر ہیں۔ خارج از اسلام ہیں۔ وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں۔ ہم اہلسنت نہ بشریت مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم کے منکر اور تمہاری طرح نہ انہیں ایسا بشر کہنے کے قائل جو عجز و نادانی میں دوسروں کے برابر ہو۔ ہمارے نزدیک دونوں مردود جو ان کی بشریت کا منکر ہو وہ بھی اور جو انہیں اپنا جیسا کہے وہ بھی۔ لیکن معترض بہادر آپ نے دعوی پر بطور سند جو شعر پیش کیا ہے اس کے بارے میں صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر یہ انکار بشریت ہے تو شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ تیری بشریت کا اصلا وجود نہ رہے بدرجۂ اولیٰ انکار ہوگا۔ حالانکہ می گویند علماء ملت دیوبندیہ۔ آگے پھر جناب نے ماہر القادری کے دو شعر نقل کیے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

محمد مصطفٰے کی شان رفعت اور ہی کچھ ہے ۔ بظاہر تو بشر ہیں اور حقیقت اور ہی کچھ ہے

پردۂ میم ہٹ گیا وصل حبیب ہوگیا ۔ نور سے نور جا ملا صل علی محمدٍ

پہلا شعر ہمارے نزدیک بالکل درست ہے اور اقوال علماء کا جو ابھی گذرے عین مفاد ہے۔ ہاں دوسرا شعر البتہ ابہام سے خالی نہیں ضرور خلاف احتیاط ہے جس سے بچنا ضروری واللہ سبحٰنہ وتعالٰے اعلم۔ پھر لکھتے ہیں" ان لوگوں نے ذاتی وعطائی کی منطق کے ذریعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو صفات خداوندی کے درجہ تک پہنچا دیا ہے" الخ

معترض بہادر شروع سے آخر تک یہی الزام طرح طرح سے دہرائے جا رہے ہیں کہ معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک خدا ہیں اور ہر مرتبہ ناکام ہوئے اور وہ الزام خود اپنوں کے سر لاد چکے ہیں۔ اب کہ نئی صورت میں یہ الزام دیا ہے اور اس مرتبہ بھی عقل کو ہاتھ سے دیا ہے۔ صاحب بہادر۔ اللہ کی کوئی صفت عطائی نہیں کہ کسی کی دین ہو اس کی ہر صفت ذاتی ہے تو عطائی کو بھی اللہ کی صفت کہنا یہ وہ شرک ہے جس سے تم اپنے زعم میں بھاگے تھے یہ دیکھو وہ تمہارے سر پر آرہا کیونکہ جب اللہ کی صفت بھی عطائی ٹھہری اور عطائی غیر کی دین ہوتا ہے تو لازم ہوا کہ اللہ سے اوپر بھی کوئی ہو جسنے اسے صفات بخشیں والعیاذ باللہ العلی العظیم اور یہ عین شرک اور قاطع توحید ہے۔ اپنے ہی دام میں صیاد آگیا وَلاحَول وَلا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔ ذاتی اور عطائی کی تقسیم تو بے شک صحیح ہے اور اس کا اعتبار اجلہ علماء نے کیا ہے بلکہ خود معترض صاحب بہادر سے ہم قبولوا دیں گے کہ یہ تقسیم صحیح ہے انشاء الکریم۔

ناظرین کرام انتظار کریں۔

اخ کے ترجمہ پر اعتراض

اب معترض صاحب بہادر آیۂ کریمہ کذبت قوم نوح المرسلین إذ قال لهم أخوهم نوح ألا تتقون کا ترجمۂ رضویہ جو یہ ہے ("نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان سے ان کے ہم قوم نوح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں") لکھ کر یوں منہ کھولتے ہیں "أخ کا ترجمہ بھائی ہے جسے تمام ترجمہ کرنے والوں نے لکھا ہے" الخ أقول شاید معترض بیچارے کی نظر اردو کے ترجموں کی حد تک ہے جن میں أخ کا ترجمہ بھائی کر دیا گیا ہے۔ انہیں کیا خبر کہ أخ اور معانی کیلئے بھی آتا ہے۔ مثلاً صدیق دوست اور صاحب کے معنی میں بھی آتا ہے کما فی القاموس والصّراح۔ عالم کو أخو العلم کہتے ہیں قال الشاعر ع أخو العلم حی خالد بعد موته۔ یعنی علم والا ہمیشہ زندہ رہتا ہے اپنی موت کے بعد۔ کیوں معترض صاحب أخ کا ترجمہ بھائی ہے تو یہ ترجمہ تو آپ کے نزدیک صحیح ہوگا کہ علم کا بھائی کہا جائے۔ کبھی کسی شے پر أخ یا أخت کا اطلاق اس شے کے شئے دیگر کیساتھ کسی امر میں مشارکت کیوجہ سے بھی کرتے ہیں۔ علمی کتابوں میں اس قسم کے اطلاقات بکثرت ہیں۔ کما لا یخفی۔ اور اسی قبیل سے عرب کا محاورہ ہے کہ وہ عربی کو أخو العرب کہتے ہیں جس کا بامحاورہ ترجمہ عربوں کا ہم قوم ہی ہے یہاں لازم نہیں کہ أخو العرب تمام عرب کا بھائی ہو معلوم ہوا کہ ہر جگہ أخ کا ترجمہ بھائی نہیں ہوتا مگر ہمارے پنساری کے پاس سوائے ہلدی کی ایک گرہ کے اور ہے ہی کیا۔ وہ ہلدی کی گرہ یہ ہے کہ أخ کا ترجمہ بھائی ہے الخ مگر انہیں کون سمجھائے کہ أخوهم یہاں بھائی کے معنی میں نہیں۔ اس لئے کہ یہ امر ہر شخص پر ظاہر ہے کہ حضرت نوح اپنی قوم میں ہر شخص کے بھائی نہ تھے اور یہاں آیت کریمہ میں أخوهم فرمایا گیا جو بمعنی بھائی تمام قوم کی نسبت صحیح نہیں تو لاجرم أخوهم أخو العرب کا أخ اور اس کی نظیر ٹھہرا اور اس لفظ سے الواحد منهم ان میں کا ایک مراد ہوا۔ عام ازیں کہ قوم میں وہ فرد کسی کا نسبی بھائی ہو یا نہ ہو۔ مگر معترض بہادر خواہ مخواہ نوح علیہ السلام کو سب کا بھائی بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر ان کے امام الطایفہ کے دھرم پر بڑے بھائی جو ٹھہرے۔ معترض صاحب میری نہ مانیں۔ اپنی مبلغ علم بیضاوی کی تو مانیں۔ اسی بیضاوی میں وَالی عادٍ اخاهم هودًا کے تحت ہے۔ (هودًا) عطف بیان لاخاهم والمراد به الواحد منهم کقولهم یا أخا العرب للواحد منهم إلخ یعنی أخاهم سے مراد ان میں کا ایک ہے جیسے عرب کہتے ہیں اے برادر عرب اپنے میں سے ایک کے لئے معترض بہادر نصوص کا اپنے حقیقی معنی پر چھوڑنا واجب ہے کما قد عرفت فی محلة تاہم علامہ بیضاوی یہ کیا کہہ رہے ہیں کہ مراد اس سے ان میں کا ایک ہے آخر یہ کہنے کی کیا ضرورت درپیش ہوئی۔ یہی نا کہ یہاں أخ بمعنی بھائی سب کی نسبت صحیح نہیں معترض بہادر اب اپنا اعتراض قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ پر بھی جڑ دیجئے کہ أخ کا معنی تو بھائی ہے آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ المراد به الواحد منهم الخ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اب معترض صاحب آگے لکھتے ہیں "مگر بریلوی کے مجدد پیغمبروں کو بھائی کہنا توہین قرار دے چکے ہیں" الخ بے شک پیغمبروں کو بھائی کہنا توہین ہے۔ یہ بات ہر ذوق ایمانی والا جانتا سمجھتا ہے۔ امام احمد رضا کوئی بات اپنے دل سے گڑھ کر نہیں فرماتے۔ وہ جو کچھ فرما رہے ہیں ان سے پہلے ان کے بیشتر علماء دین فرما چکے ہیں۔ اس مسئلہ میں بھی ان کے سلف موجود ہیں سنو یہ علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الأنوار میں فرما رہے ہیں وَح اعبد واللہ ربکم وَاکرموا أخاکم اراد نفسه صلی اللہ علیه وسلم هضما لنفسه أی أکرموا من هُوَ بشر مثلکم لما اکرمه اللہ تعالٰی بالوحی یعنی اللہ کو پوجو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود کو تواضعاً مراد لیا یعنی اس کی تعظیم کرو جو بشریت میں تم جیسا ہے اسلئے کہ اللہ نے اس کو وحی سے عظمت بخشی ہے۔ دیکھو کیسا صاف بیان ہے کہ حضور نے تواضعاً خود کو بھائی فرمایا اور ہر ایمان والا جانتا ہے کہ آقا اپنے لئے جو چاہے تواضع کے بطور فرمائے۔ غلام کو کیا اس میں دخل کرنے کی کیا مجال۔ لاجرم مدارج النبوۃ میں فرمایا ترجمہ یہاں ادب کا ایک اصول ہے جسے بعض اصفیا و اہل تحقیق نے ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اگر جناب ربوبیت سے نبی کی شان میں کوئی خطاب یا عتاب یا سطوت و سلطنت و استغنا و تعلی کا اظہار ہو یا جانب نبوت سے عبودیت و انکسار و مسکینی و افتقار کا مظاہرہ ہو تو ہمیں نہ چاہئے کہ اس میں دخل کریں اور اشتراک ڈھونڈیں بلکہ حد ادب پر دم بخود ٹھہریں۔ آقا کو پہنچتا ہے کہ بندے سے جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے اور استعلا و استیلا فرمائے

اور بندہ بھی آقا کے حضور فروتنی و بندگی کرتا ہے دوسرے کی کیا مجال کہ اس مقام میں دخل کرے اور حد ادب سے باہر جائے اور یہ مقام بہت سے ضعیف العقل اور جاہلوں کی لغزش اور ان کے ضرر کا سبب ہے اور اللہ ہی سے حفاظت و اعانت ہے۔ معترض بہادر یہ لیجئے ہم نے علامہ طاہر فتنی کی مجمع بحار الانوار سے دکھا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو صحابہ کا بھائی کہنا تواضع تھا اور مدارج النبوۃ سے ثابت کیا کہ انبیاء جو کچھ تواضعاً فرمائیں اسمیں ہمیں دخل جائز نہیں۔ بحمدہ تعالٰے حدیث سے آپکے استدلال کی راہ مسدود ہوئی اب معترض صاحب بہادر کسی معتبر کتاب سے علامہ طاہر فتنی کیخلاف ایک عبارت ہی لاکر دکھائیں اور اگر نہ لاسکیں تو اپنا عجز مان کر اس مسئلہ کا اجماعی ہونا تسلیم کریں اور یہ بتاتے چلیں کہ خارق اجماع کا حکم کیا ہے؟۔ اب سابقہ عبارت کے متصل ہی لکھتے ہیں "اس لئے قرآن مجید میں أخ کا ترجمہ ہم قوم کیا ہے جو محض جاہلوں اور کم علموں کو دینا ہے ورنہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ اگر پیغمبر کو بھائی کہنا توہین ہے تو ہم قوم یعنی اپنی قوم بتلانا بھی توہین ہونا چاہئے" الخ ہم نے ثابت کیا کہ نبی کو بھائی کہنا صرف امام احمد رضا ہی کے نزدیک نہیں بلکہ متقدمین کے نزدیک بھی توہین ہے اب قاضی بیضاوی پر جنہوں نے أخوهم سے ہم قوم مراد لیا ہے اور ان علماء پر جنہوں نے بیضاوی کے قول کو مقرر کیا یہی اعتراض جڑئے اور انہیں بھی دھوکہ بازی کا الزام دیجئے۔ نہیں بلکہ خدا سے بھی کہئے کہ اسنے نبی کو کافروں کا ہم قوم بتا کر نبی کی توہین کیوں کی وَلاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔ معترض بہادر کو ابھی یہی

نہیں کہ بعض بات خود توہین ہوتی ہے اور اس کا اطلاق جائز نہیں ہوتا اور پیغمبر کو بھائی کہنا ایسا ہی ہے کہ اس کا اطلاق ہی نبی پر جائز نہیں جیسا کہ مجمع بحار الانوار سے مستفاد ہوا اور بعض بات خود توہین نہیں ہوتی بلکہ اگر معرض توہین میں کہی جائے تو توہین ہوتی ہے اور یہاں اُخوھم جس سے قطعاً ہم قوم مراد ہے جیسا کہ ہم نے ثابت کیا اور قاضی بیضاوی کی شہادت اس پر دی معرض توہین میں نہیں کہا گیا بلکہ اس سے کافروں پر ہی طعن مقصود کہ انہوں نے اپنے ہی قوم کے ایک جانے پہچانے ہوئے کی جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا تکذیب کی۔ معترض بہادر کی یہ ابلہ فریبی دیدنی ہے کہ انہوں نے ایسی بات کو جو توہین نہیں ہے اپنی بات بنانے کے لئے اسے بھی توہین بنالیا۔

ذنب کے ترجمہ پر اعتراض

معترض بہادر اب سورۂ فتح کی آیت کریمہ اِنا فتحنالكَ فتحا مبیناہ لیغفر لک اللّٰہ ماتقدم من ذنبک وما تاخرو یتم نعمتہ علیكَ الخ کا ترجمۂ رضویہ جو یہ ہے (بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے" الخ ملخصاً بقدر الحاجۃ لکھ کر یوں منہ کھولتے ہیں" اس ترجمہ میں لام کو سببیہ مان کر تمہارے سبب سے کہنا درست ہوسکتا ہے مگر ماتقدم من ذنبكَ وما تاخر میں گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے اور مفہوم بھی نہیں ہوسکتا" جی ہاں الفاظ اتنے ہی ہیں جتنے آپ کو سوجھیں اور مفہوم وہی ہے جو آپ کی سمجھ دانی میں سما جائے اور جو اس میں نہ آئے وہ مفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔ معترض بہادر امام احمد رضا کی دشمنی سلف کی دشمنی ہے۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سلف کا ارشاد ہوتا ہے علامہ ہبۃ ابن سلامۃ الناسخ والمنسوخ میں فرماتے ہیں۔ وقد اختلف المفسرون فی قولہ تعالیٰ لیغفر اللّٰہ ماتقدّم من ذنبک وما تاخّر۔ قال جماعت ماتقدّم من ذنبک قبل الرّسالۃ وما تاخر بعدھا وقال الاخرون ماتقدم من ذنبكَ وما تاخر من ذنوب امتكَ لانہ یتب بہ علی اٰدم وھو الشافع لِامتہ فیمتن بذلكَ علیہ وقال اٰخرون ماتقدم من ذَنبِ ابیكَ ابراھیم وما تاخر من ذنوب النبیین فیہ یتبہ ایضاً علیھم الخ یعنی مفسرین کرام کا آئیہ کریمہ لیغفر اللّٰہ الخ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا کہ رسالت سے پہلے اور اس کے بعد کے خلافِ اولیٰ امور مراد ہیں۔ اور دوسروں نے کہا کہ خدا آپکے اگلوں اور آپ کے پچھلوں کے گناہ بخشدے۔ اس لئے کہ آپ کے سبب آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اور آپ اپنی امت کے شفیع ہیں تو اللہ اس فضیلت سے آپ پر احسان فرما رہا ہے اور دوسروں نے کہا کہ آپ کے باپ ابراہیم اور ان کے بعد کے نبیوں کے خلافِ اولیٰ امور بخشدے۔ اس لئے کہ حضور کے طفیل ان کی توبہ قبول ہوئی۔ شفاء و شرح شفاء ملّا علی قاری میں ہے ترجمہ یعنی کہا گیا کہ مراد اس سے خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ہے اس بنیاد پر کہ مضاف محذوف ہے اور کچھ نے کہا کہ مراد اس سے آدم علیہ السلام کی سابقہ لغزشیں اور آپ کی اُمت کے گناہ ہیں اس بنیاد پر کہ اضافت ادنی مناسبت کی وجہ سے ہی ولكَ بمعنی لاَجلكَ ہے (یعنی تمہارے سبب سے الخ) اس قول کی حکایت فقیہ امام ابواللیث سمرقندی جو اکابر حنفیہ میں سے ہیں اور امام عبدالرحمٰن سلمی صوفی صاحب طبقات الصوفیہ اور تصوف میں تفسیر کے مؤلف نے ابن عطا سے کی۔ امام مکی نے فرمایا کہ یہاں جو خطاب نبی علیہ السلام سے ہے وہ درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے ہے اضافت میں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے یا مضاف کے محذوف ہونے کی وجہ سے۔ معترض صاحب بہادر یہ دیکھئے علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سمرقندی سلمی ابن عطاء اور مکی سے کیا نقل فرماتے ہیں۔ اور یہ علماء مذکورین کس طرح اسے وجوہ قرآن میں سے ایک وجہ بتا رہے ہیں۔ اور علامہ قاضی عیاض اور علی قاری دیگر وجوہ کی طرح کیوں کر اس وجہ کو بھی مقرر رکھ رہے ہیں۔ اور اپنے اس صنیع جمیل سے بتا رہے ہیں کہ قرآن اپنی جمیع وجوہ پہ حجت ہے۔ کما فی التفسیر الکبیر والزرقانی علی المواھب وغیرھما۔ معترض صاحب بہادر اب تو کھل گیا کہ جسے آپ نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ الفاظ کا ترجمہ بھی نہیں ہوسکتا وہ وجوہ قرآن میں سے ایک وجہ ہے جسے ایسے جلیل القدر علماء نے افادہ فرمایا ہے۔ معترض صاحب بہادر اب کہیے یہ اعتراض تو امام احمد رضا پر نہیں علماء پر نہیں بلکہ خود قرآن پر ہوگیا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اور آپ کی قرآن فہمی اور پیروی سلف کا بھرم کھل گیا۔ مگر یہ کہ ع بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔ اب معترض بہادر اپنے دعوائے مذکورہ کی دلیل دے رہے ہیں کیوں کہ جب سب اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف ہی ہوگئے تو سب جنتی ہوگئے، کسی کی تخصیص بھی مترجم نے نہیں کی ہے۔ پھر جہنمی کوئی نہ ہوگا۔ اس لئے صحیح ترجمہ و مفہوم وہی ہے جو دوسرے مترجمین و مفسرین نے اختیار کیا ہے" اھ اقول بحمدہٖ تعالیٰ ہم نے دکھا دیا کہ قول مفسرین کرام کی ایک جماعت کا ہے جسے امام علام ابوالقاسم ھبۃ اللّٰہ بن سلامۃ اور امام قاضی عیاض اور علامہ علی قاری نے منجملہ دیگر اقوال کے مقرر کہا۔ معترض بہادر ان پر بھی اعتراض جڑ دو اور انھیں بھی پڑھاؤ کہ صحیح مفہوم وہی ہے جو دوسرے مفسرین نے اختیار کیا ہے"۔ معترض بہادر آپ سے یہ کون کہہ گیا کہ یہ حکم سب اگلوں اور پچھلوں کے لئے ہے خواہ مومن و موحّد ہوں یا کافر و ملحد ہوں۔ اجی یہ حکم انہیں کے لئے ہے جو کفر و شرک سے دور ہوں بیشک ان کا مآل کار مغفرت ہے جیسا کہ تمام علماء اہلسنت نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور وہ مغفرت سرکار کے طفیل میں ہے آگے معترض بہادر اپنی پرانی عادت کیمطابق شاہ رفیع الدین علیہ الرحمۃ کا ترجمہ لکھکر کہتے ہیں" دیکھئے شاہ صاحب نہ تو لام کو سببیہ مان رہے ہیں اور نہ اگلوں اور پچھلوں کے گناہ مراد لے رہے ہیں جی ہاں ابن عطاء سمرقندی سلمی مکی ابن سلامۃ قاضی عیاض مُلّا علی قاری ایک ایک کو شاہ صاحب کا ترجمہ دکھائیے اور کہیے۔ دیکھئے شاہ صاحب نہ تو لام کو سببیۃ مان رہے ہیں اور نہ الخ پھر شاہ عبدالقادر علیہ الرحمۃ کا ترجمہ لکھکر کہتے ہیں کہ" اس جیسا ترجمہ اور دوسرے حضرات نے بھی کیا ہے"، ہاں ان سب علماء کو ان حضرات کے ترجمے دکھائیے اور ان سے کہیے کہ آپ سب

یہ ہمارے حضرات کی پیروی لازم ہے، یہ منہ اور پیروی سلف کا دعویٰ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی۔ آگے کہتے ہیں "اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں پھر تمام پیغمبروں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے یہ فرمایا کہ آپکے اگلے پچھلے گناہ بخشدیئے گئے کس لئے ہے اس کا جواب دینے کے لئے وہ طریقہ غلط ہے جو طریقہ امام احمد رضا نے اختیار کیا ہے، ترجمہ میں تبدیلی کر دی" الخ ملتقطا ان مفسرین کرام سے بھی فرمائیے کہ اس اعتراض کا جواب دینے کیلئے وہ طریقہ غلط ہے جو تم نے اختیار کیا۔ قرآن میں حذف مضاف مان کر الفاظ بڑھائے اور تحریف کا الزام انھیں بھی دیجئے جو امام احمد رضا کو دے چکے آگے معترض بہادر نے تفسیر بیضاوی سے آیت کریمہ کی دوسری توجیہہ نقل کی ہے جو ہماری مذکورہ توجیہہ کے منافی نہیں ہے۔

نبی کے ترجمہ پر اعتراض!

اب باذنہ تعالیٰ معترض بہادر کے دوسرے اعتراض کی خبر لیں جو انھوں نے لفظ نبی کے ترجمہ رضویہ پہ کیا ہے۔ علم غیب کی بحث چھیڑی ہے۔ کہتے ہیں۔ نبی کا ترجمہ خانصاحب نے "ہر جگہ غیب کی خبر دینے والے ہی کیا ہے" ہو سکتا ہے کہ کسی لغت میں نبی کے معنی غیب کی خبر دینے والا لکھے ہوں"۔ معترض بہادر کسی لغت میں لکھا ہو کیا مطلب لغت کی کتابوں میں یہی لکھا ہے مگر آپ کو لغات دیکھنے کی فرصت کہاں ہے۔ ہم سے سنئے۔ قاموس میں ہے النَّبِیُّ المخبر عن اللہ تعالیٰ وترکُ الھمز المختار صراح میں ہے نَبِیٌّ "پیغامبر" الخ قاموس اور صراح کی عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ نبی اللہ کی طرف سے خبر دینے والے اسکے پیغامبر کو کہتے ہیں نیز المعجم الوسیط میں ہے النَّبِیُّ المخبر عن اللہ عزّوجلّ سو ہی یہ بات کہ نبی اللہ کی طرف سے کیسی خبر دیتا ہے۔ معترض بہادر سوچو تو نبی جو کچھ فرماتا ہے وہ شرک ہو تو نبی کے آنے اور اس کے بتانے کی حاجت ہے۔ بھلا بتاؤ تو صحیح نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ جنت ودوزخ تمام امور دین اگر غیب نہیں تو غیب پھر کس چیز کا نام ہے۔ بے شک یہ غیب ہے اور بے شک نبی اللہ کیطرف سے غیب ہی لاتا ہے۔ لاجرم المنجد میں اسی لئے کہا (النُّبُوَّۃُ والنُّبوۃ) الاخبار عن الغیب او المستقبل بالھام من اللہ۔ الاخبار عن اللہ وما یتعلق بہ تعالیٰ (النبئ والنبي) المخبر عن الغیب او المستقبل بالھام من اللہ۔ المخبر عن اللہ وما یتعلق عن اللہ تعالیٰ۔ اس کا ترجمہ اپنے ہی مستند عبد الحفیظ بلیاوی سے سنئے وہ مصباح اللّغات میں رقم طراز ہیں۔ (النبوۃ والنبوۃ) اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی باتیں بتانا۔ پیشین گوئی کرنا۔ خدا کی طرف سے پیغامبری۔ معترض بہادر کاش اپنے بلیاوی صاحب کی مصباح اللغات ہی دیکھ لیتے۔ معترض صاحب اب اسکا ثبوت لئے چلئے کہ وہ معنی جو لغت میں بیان ہوئے شرعاً بھی معتبر ہیں۔ سنئے علّامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں ھو بمعنی فاعل من النبأ الخبر لانہ انبأ عن اللہ۔ یعنی بمعنی فاعل کے بناء بمعنی خبر سے ہے۔ اس لئے نبی اللہ سے غیب کی خبر دیتا ہے۔ اور سنئے علامہ

ابن حجر عسقلانی مقدمۂ فتح الباری میں فرماتے ہیں والنبئ بالھمزۃ المخبر عن اللہ [illegible] بمعنی مفعول ای اخبرہ اللہ تعالیٰ بأمرہ وقیل اشتق من النبی لرفعۃ منازلھم وقیل النبیّ الطریق سُمّی بذلک لانہ الطریق الی اللہ تعالیٰ الخ ملتقطاً یعنی نبی بالہمزہ اللہ سے خبر دینے والا اور کہا گیا کہ مفعول کے معنی میں ہو۔ یعنی اللہ نے اسے اپنے راز کی خبر دی اور کہا گیا کہ نبیٌ بمعنی نبۂ سے مشتق ہے انبیاء کے بلند منازل ومراتب کی وجہ سے اور کہا گیا کہ نبی راستہ ہے۔ نبی کا نبی نام اس لئے رکھا گیا کہ وہ اللہ کا راستہ ہے۔ کیوں معترض بہادر تمہارے نزدیک تو نبی موٹی موٹی باتیں بتاتا ہوگا جو سب کو معلوم ہوں۔ اللہ نے اسے ایسی ہی باتیں بتائی ہوں گی جبھی تو وہ اور سب عجز و نادانی میں شریک ہو گئے اور انھیں معمولی باتوں کی بناء پر اللہ کے یہاں نبی کی منزل بلند ہو گئی اور معاذ اللہ وہ بایں نادانی اللہ کا راستہ ہو گیا۔ ما قدروا اللّٰہ حق قدرہ۔ اور سنئے شفاء شریف شفاء میں ہے۔ فالنبوۃ فی لغۃ من ھمز مأخوذۃ من النبأ وھو الخبر وقد لا تھمز علی ھذا التأویل والمعنی انّ اللہ اطّلعہ علی غیبہ ای بعض مغیباتہ وغیبہ المختص بہ من عند ربہ الخ ملتقطاً۔ یعنی نبوۃ بمعنی خبر ہے اس کی لغت میں جو اسے مہموز پڑھے۔ اور کبھی ہمزہ کے ساتھ نہیں پڑھی جاتی اسی معنی میں اور معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو غیب پر مطلع فرمایا یا بعض غیب پر مطلع فرمایا یا ان غیوب پر مطلع فرمایا جو نبی کا اسکے رب کیطرف سے خاصہ ہے۔ [illegible] میں ہے۔ النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب۔ نبوت غیب پر اطلاع ہے۔ آگے لکھتے ہیں" مگر شریعت کی اصطلاح میں نبی اللہ کے ایسے بندے کو کہتے ہیں جس پر وحی اتری ہو" الخ اس کا جواب اب لئے چلئے کہ نبی بمعنی غیب کی خبر دینے والا غیب جاننے والا یہ معنی بھی شرعی ہے جیسا کہ عبارت علماء بلکہ خود قرآن سے روشن ہوا، ثانیاً آپکے کلام سے صاف ظاہر ہوا کہ آپ معنی مذکور کے شرعی ہونے کے منکر ہیں حالانکہ علماء فرما رہے ہیں بلکہ خود قرآن اس معنی کا اثبات فرما رہا ہے۔ معترض بہادر اپنے بیرد م کیجئے۔ الا لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ثالثاً۔ ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیکَ الایۃ سے روشن ہے کہ وحی غیب کی ہوئی اور وحی خود غیب ہے جسے حاضران بارگاہ رسالت نے بھی اترتے نہ دیکھا۔ تو وہ تعریف جو نبی کی آپ نے بے سوچے سمجھے لکھ دی ہے۔ وہ نبی کے معنی مذکور کے کیا منافی ہوئی بلکہ نبی اور رسول کی دونوں تعریفوں سے صاف ظاہر کہ غیب جاننا دونوں کا مفہوم و ماہیت ہے کہ نبی اور رسول وہ ہو ہی نہیں سکتا جو غیب نہ جانے یہ خود ظاہر ہے مگر آپ کی سمجھ کہاں (شعر) ولیس یصح فی الاعیان شیئٌ اذا احتاج النھار الی دلیل۔ آگے لکھتے ہیں "اب خانصاحب کو شرعی اصطلاح سے ضد تھی تو ترجمہ نبی ہی کر دیتے"۔ الخ۔ مذکورہ بالا بیان سے خوب روشن ہو گیا کہ شریعت سے ضد کس کو ہے۔ اپنا الزام دوسرے کے سر دھرتے ہوئے ذرا بھی تو شرمائیے یوں کہئے کہ امام احمد رضا کو آپ کی گڑھی ہوئی شرعی اصطلاح جس سے نبی کی

ہی نہیں رہتی۔ ایسی اصطلاح سے ضرور ضد ہے، پھر لکھتے ہیں "جب نبی کا ترجمہ غیب کی خبر دینے والا ہے پھر اصل لفظ کی کیا ضرورت باقی رہی" اقول۔ نبی کے مقدمہ فتح الباری میں یہ معنی بیان ہوئے۔ اللہ کیطرف سے غیب کی خبر دینے والا۔ اللہ نے جسے اپنے راز کی خبر دی بلند رتبے والا۔ اللہ کا راستہ اور ان معانی میں باہم منافاۃ نہیں تو یہ سب نبی سے مراد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا امام احمد رضا نے آپ کے بقول آپ کی شرعی اصطلاح سے ضد کی بناء پر ایک معنی کی تصریح فرما دی اور باقی معانی مراد لئے۔ امام احمد رضا کے کلام کو سمجھنے کی قابلیت بھی نہیں اور چلتے ہیں اعتراض کرنے "ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آگے لکھا مگر یہاں بھی اپنا مصنوعی عقیدہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہر ذرہ ہر ایک کے پیش نظر رہتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم ماکان ومایکون ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ہر نبی کو علم ماکان ومایکون عطا ہوا اور بحمد اللہ ہمارا جو عقیدہ ہے وہی قرآن وحدیث کا ارشاد ہے۔ وہی ائمہ اعلام فرمان واجب الانقیاد ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیٔ وھدی ورحمۃ وبشری للمؤمنین۔ ترجمہ۔ اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے یہاں اور مسلمانوں کیلئے ہدایت ورحمت وبشارت وقال اللہ تعالیٰ ماکان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل لکل شیٔ۔ قرآن وہ بات نہیں جو بنالی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شیٔ کا صاف صاف جدا جدا بیان وقال تعالیٰ ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ اقول وباللہ التوفیق۔ جب قرآن مجید ہر شیٔ کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا روشن اور روشن بھی کس درجہ کا مفصل اور اہلسنت کے مذہب میں شیئ ہر موجود کو کہتے ہیں۔ تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے اور منجملہ موجودات کتابت لوح محفوظ بھی ہے تو بالضرورۃ یہ بیانات محیطہ اس کے مکتوبات کو بھی بالتفصیل شامل ہوئے اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھئے دیکھئے کہ لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وکل صغیر وکبیر مستطر، چھوٹی بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ احصیناہ فی امام مبین۔ ہر شیٔ ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرما دی وقال اللہ تعالیٰ ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیروں میں اور نہ کوئی تر نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے۔ اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گے بے دلیل شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے۔ تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون اور جمیع مندرجات لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب وسماء وارض اور عرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ وللہ الحجۃ السامیہ اور جبکہ یہ علم قرآن عظیم کے تبیاناً لکل شیئ ہونے نے دیا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ وصف تمام قرآن مجید کا ہے نہ ہر آیت نہ ہر سورۃ کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو لم نقصص علیک یا منافقین کے بارے میں فرمایا جائے لا تعلمھم ہرگز ان آیات کے منافی اور احاطۂ علم مصطفوی کا نافی نہیں۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم کی احادیث صریحہ صحیحہ کثیرۃ شہیرۃ اس عموم واطلاق کی اور تاکید وتائید فرما رہے ہیں۔ صحیحین بخاری ومسلم حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما ما ترک شیئا یکون فی مقامہ ذلک الی قیام الساعۃ الا حدث بہ حفظہ من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ہم میں کھڑے ہو کر جب سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرما دیا کوئی چیز چھوڑ نہ دی یاد رہا جسے یاد رہا بھول گیا جو بھول گیا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے قام فینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذلک من حفظہ ونسیہ من نسیہ۔ ایک بار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں ابتداء آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کا حال ہم سے بیان فرمایا۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا۔ بھول گیا جو بھول گیا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد غروب آفتاب تک خطبہ فرمایا۔ بیچ میں ظہر وعصر کی نمازوں کے سوا کچھ کام نہ کیا۔ فاخبرنا بما کائن الی یوم القیامۃ فاعلمنا احفظنا۔ اس میں سب کچھ ہم سے بیان فرما دیا جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا۔ ہم میں زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ یاد رہا۔ جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب کثیرۃ ائمہ حدیث میں باسانید عدیدۃ وطرق متنوعہ دس صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم سے ہے۔ اور حدیث ترمذی معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ فرأیتہ عزوجل وضع کفہ بین کتفی فوجدت بردانا ملہ بین ثدی فتجلی لی کل شیئ وعرفت۔ میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اس نے اپنا دست قدرت مری پشت پر رکھا کہ مرے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اس وقت ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔ ھذا حدیث حسن صحیح، سألت محمد ابن اسمٰعیل عن ھذا الحدیث فقال صحیح، یہ حدیث حسن صحیح ہے میں نے امام بخاری سے اس کا حال پوچھا فرمایا صحیح ہے۔ اسی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اسی معراج منامی کے

بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فعلمت ما فی السمٰوٰت والأرض۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کچھ مرے علم میں آگیا۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں "پس دانستم ہرچہ در آسمانہا و ہرچہ در زمینہا بود عبارت است از حصول عامۂ علوم جزوی و کلی و احاطہ آن" امام احمد مسند اور ابن سعد طبقات اور طبرانی معجم میں بسند صحیح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو یعلیٰ و ابن منیع و طبرانی ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی لقد ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرک طائر جناحیہ فی السماء إلا ذکر لنا منہ علماً۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرما دیا ہو۔ طبرانی معجم کبیر اور نعیم بن حماد کتاب الفتن اور ابو نعیم حلیہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ھو کائن فیہا الی القیامۃ کانی انظر الی کفی ھذہ جلیانا من اللہ جلاہ لنبیہ کما جلاہ للنبیین من قبلہ۔ بے شک اللہ عزّ وجلّ نے مرے سامنے دنیا اٹھائی تو میں اسے اور جو کچھ اُن میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کچھ ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنے اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں اس روشنی کے سبب جو اللہ نے اپنے نبی کے لئے روشن فرمائی جیسے مجھ سے پہلے انبیاء کیلئے روشن کی تھی

اس حدیث سے روشن کہ جو کچھ زمین میں اور سمٰوٰت و ارض میں ہے اور جو قیامت تک ہوگا ان سب کا علم اگلے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی عطا کیا گیا۔ اور حضرت عز وجل نے اس عالم ما کان و ما یکون کو اپنے محبوبوں کے پیش نظر فرما دیا مثلاً شرق سے غرب تک، ارض سے فلک تک اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے خلیل اللہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ہزارہا برس پہلے ان سب کو ایسا دیکھ رہے ہیں گویا اس وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ ایمانی نگاہ میں نہ یہ قدرت الٰہی کے اوپر دشوار نہ عزت و وجاہت انبیاء کے مقابل بسیار مگر وہابی بیچارے جن کے یہاں خدائی کی حقیقت اتنی ہو کہ وہ ایک پیڑ کے پتے گن دے وہ آپ ہی ان حدیثوں کو شرک اکبر کہنا چاہیں اور علماء اعلام اور ائمہ کرام ان سے سندیں لائیں انہیں مقبول و مسلّم کہتے آئیں جیسے امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین علامہ سیوطی مصنف خصائص کبریٰ و امام شہاب الدین محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ و امام ابو الفضل شہاب الدین بن حجر ہیثمی مکی شارح و علامہ شہاب احمد محمد مصری خفاجی صاحب نسیم الریاض، شرح شفاء قاضی عیاض و علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی صاحب شرح مواہب وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ انہیں مشرک نہ کہیں تو اپنی جبر توحید کیونکر نباہیں الخ یہ کلام امام احمد رضا کی کتاب کامل النصاب انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفیٰ سے اقتباس کر لایا کہ امام احمد رضا اعتراض معترض کا خود جواب دیں اور سنّیوں کا منہ اُجالا اور دشمنوں کا منہ کالا ہو معترض صاحب بہادر بتائیں کہ کس کس

کا عقیدہ مصنوعی بتائیں گے۔ ذرا قرآن و حدیث کے ارشادات آنکھوں کے سامنے رکھ کر کہئے خدا اور رسول کو کیا کیا نہ سنائیں گے۔ اور سنئے جلیس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں۔ فاض علیّ من جنابہ المقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کیفیۃ ترقی العبد من حیّزہ الی حیّز القدس یتجلّی لہ کل شیٔ کما أخبر عن ھٰذا المشھد فی قصّۃ المعراج المنامی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مرے اوپر اس حالت کا علم فائض ہوا کہ بندہ اپنے مقام سے مقام قدس تک کیوں کر ترقی کرتا ہے کہ اس کیلئے ہر شئی روشن ہو جاتی جیسا کہ حضور نے اس مقام کی معراج خواب کے قصے میں خبر دی۔ شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلوی کا ارشاد گزرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت سے ہر دیندار کے درجہ پر مطلع ہیں کہ وہ مرے دین میں کس درجہ پر پہونچا اور وہ حجاب کیا ہے جس سے وہ ترقی سے محجوب رہا۔ معترض بہادر ان بزرگوں کے لئے کیا فتویٰ ہے۔ اور سنیں امام الطائفہ وہابیہ کی خبر لیں۔ وہ صراط مستقیم میں اپنے پیر کے لئے رقم طراز ہے۔ پارۂ از مضامین ہدایت آگیں از زبان غیب ترجمان حضرت ایشان شنیدہ الخ ملتقطاً۔ للّٰہ انصاف! پیر کی زبان تو زبان غیب ترجمان ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبر دینے والا کہہ دیا جائے تو شرک شرک پکارا نیز اسی نام نہاد صراط مستقیم میں اپنے پیر کی نسبت لکھا۔ "تا اینکہ روزے حضرت جل وعلا دست راست ایشان را بدست قدرت خاص خود گرفتہ چیزے را از امور قدسیہ کہ بس رفیع و بدیع بود پیش روئے حضرت ایشان کردہ فرمود کہ ترا این چنیں دادہ ام چیزے دیگر خواہم داد"۔ یعنی ایکدن اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل کے پیر کا داہنہ ہاتھ اپنے دست قدرت میں لیا اور امور قدسیہ کی کوئی شیٔ جو نہایت رفیع و بدیع تھی انکے روبرو کی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں اتنا دیا اور بھی کچھ دوں گا۔ معاذ اللہ رب العٰلمین! کیوں معترض بہادر معاً اپنے پیر کیلئے اللہ سے حقیقی مکالمہ ثابت کرنا تو عین ایمان ہے۔ پیر کا عالم قدس کی اشیاء غیبیہ کا اپنی آنکھوں سے دیکھنا یہ تو تمہارے امام کے نزدیک شرک نہیں ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا غیب کی خبر جاننا بھی شرک ہے۔ عہ اللہ رے خود ساختہ قانون کا نیرنگ۔ جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ۔

پیر کا یہ مرتبہ کیوں نہ بتائیں کہ آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سے منکر کے اوپر انہیں ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر گردان کے انکی نبوت سے منکر ہو چکے ہیں۔ اور اسی نام نہاد صراط مستقیم میں پیر کی نبوت کی تمہید جما چکے اور اسپر ایمان لا چکے لکھتے ہیں۔ اللہ افضل آں معاملات اینست کہ حضرت ایشاں جناب رسالت مآب صلوات اللہ علیہ وسلام در منام دیدند و آنجناب سہ خرما بدست مبارک خود حضرت ایشاں را خورانید بوضیکہ یک یک خرما بدست مبارک خود گرفتہ در دہن حضرت ایشاں می نہادند و بعد ازاں کہ بیدار شدند در نفس خود اثری ازاں رویائے حقہ ظاہر و باہر یافتند و ہمیں واقعہ ابتداء سلوک طریق نبوت حاصل شد بعد ازاں روزی جناب ولایت مآب علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ و جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا را بخواب دیدند پس جناب علی مرتضیٰ

حضرت ایشاں را بدست مبارک خود غسل دادند و خوب شست و شو کردند مثل شست و شو کردن آباء مر اطفال خود را جناب حضرت فاطمۃ الزہراء لباسے نفیس فاخرہ بدست مبارک خود ایشاں را پوشانیدند پس بسبب ہمیں واقعہ کمالات طریق نبوت نہایت جلوہ گر گردید الی قولہ و عنایت رحمانی و تربیت یزدانی بلا واسطہ احدی متکفل حال ایشاں شد۔

ناظرین کرام دیکھیں یہ وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہی علی مرتضیٰ ہیں جنکے تقویۃ الایمان میں کہا تھا" جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں" لیکن جب اپنے پیر کی بات آئی تو وہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تصرف والے ہوگئے کہ خواب میں تشریف لاکر کھجوریں بھی کھلائیں اور اسمٰعیل کے پیر کو راہ نبوت کا سالک بھی بنائیں اور علی مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء ایسی مختار ہوگئیں کہ پیر جی کو نہلا گئے اور لباس فاخرہ پہنا گئے تو انکے اوپر طریق نبوت کے کمالات نہایت جلوہ گر ہوگئے۔ اور براہ راست عنایت رحمانی ان کی کفیل حال ہوگئی۔ اور نبوت کس چیز کا نام ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ معترض بہادر، ایسے امام کا دم بھرو اور پھر دوسروں کا عقیدہ مصنوعی بتاؤ، شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

رہا آپ کا ہماری نسبت یہ کہنا کہ حضور عالم الغیب ہیں بالکل افتراء ہے۔ عالم غیب مثل رحمٰن و قیوم و قدوس وغیرہ اسماء خاصہ بذات باری میں سے ہے اس کا اطلاق غیر خدا کے لئے ہم اہلسنت کے نزدیک حرام و ناجائز ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء و اولیاء کے لئے علم غیب کا حکم ہی ثابت نہ ہو، بیشک وہ بعطاء الٰہی انبیاء کرام کے لئے اور ان کے فیض متابعت سے اولیاء کرام کے لئے ثابت ہے بحمد اللہ ہم نے اس کا ثبوت حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے کلمات سے دیا بلکہ خود امام الطائفہ کے اپنے پیر کے حق اس قول بدتر از بول سے بھی دیا۔ معترض بہادر ابھی اگر کچھ چاہتے ہیں تو ٹھہریں۔ معترض کا یہ کہنا کہ" بس فرق یہ ہے کہ اللہ کا علم غیب ذاتی ہے اور حضور کا علم غیب عطائی ہے"۔ اقول و بحول اللہ احول۔ بس یہی فرق ہرگز نہیں بلکہ بہت سارے فرق ہیں میں باذن اللہ انھیں امام احمد رضا کی کتاب مستطاب إنباء المصطفیٰ سے نقل کروں۔ فرماتے ہیں

افسوس ان شرک فروش اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علم الٰہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی وہ واجب یہ ممکن وہ قدیم یہ حادث وہ نامخلوق یہ مخلوق وہ نامقدور یہ مقدور وہ ضروری البقاء یہ جائز الفناء وہ ممتنع التغیر یہ ممکن التبدل ان عظیم تفرقوں کے باوجود احتمال شرک نہ ہوگا مگر کسی مجنوں کو اھ معترض صاحب بہادر یہ پورے چودہ فرق ہوئے منجملہ ان کے ایک فرق یہ بھی ہے مگر آپ یہی گا رہے ہیں کہ بس یہی فرق ہے کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور حضور کا علم غیب عطائی ہے اولاً مونھ بھر کے جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی۔ ثانیاً یہی فرق قاطع شرک ہے اور ساری مذکورہ تفرقوں کا جامع ہے اس لئے علم الٰہی عطائے غیر سے نہیں اور غیر کا علم اس کی عطا سے جیسا کہ ظاہر ہے تو علم الٰہی نہ ہوگا مگر ذاتی اور ذاتی نہ ہوگا مگر واجب قدیم نامخلوق الخ اور غیر کا علم نہ ہوگا مگر عطائی اور عطائی نہ ہوگا مگر حادث تو اس تفرقہ کو جناب نہ ماننا اور اس کے متعلق یہ کہنا کہ" اس سے شرک کے دروازے کھلتے ہیں" اس کے متعلق سوا اس کے کیا کہوں کہ اس تقسیم نے تو شرک کے دروازے نہیں کھولے بلکہ توڑ دیئے۔ ہاں معترض بہادر آپ حضرات نے علم عطائی ماننے پر آنکھیں میچکر شرک کا مستانہ گیت گاکر کفر و ضلالت کے لئے سب رستے کھول دیئے۔ والعیاذ باللہ العلی العظیم۔ معترض صاحب بہادر ذرا قرآن تو اٹھاکر دیکھئے اللہ عزوجل کی عطا کے جلوے نظر آئیں گے۔ وقال تعالیٰ وعلمک ما لم تکن تعلم تمہیں وہ سب سکھادیا جو تم نہ جانتے تھے۔ وقال عزوجل الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان رحمٰن نے قرآن سکھایا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا انہیں گزشتہ و آئندہ کا بیان بتایا۔ وعلم آدم الاسماء کلھا۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے نام سکھادئے۔ نیز فرماتا ہے عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من الرسول۔ غیب جاننے والا تو اپنے غیب پر سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے کسی کو قابو نہیں دیتا۔ ان آیتوں سے اللہ کے بندوں کے لئے علم عطائی ثابت اور علم الٰہی کا کسی کی عطا سے نہ ہونا نص قطعی و دلیل عقلی سے ظاہر۔ تو بحمد اللہ عطائی و ذاتی کی تقسیم خود قرآن پاک سے مستفاد ہوئی۔ معترض صاحب آپ کے شرک کی نبضیں کدھر ہیں۔

لاجرم اسی لئے علامہ نووی و ابن حجر ہیثمی مکی نے فرمایا واللفظ للاخیر معناہ لا یعلم ذلک استقلالا و علم احاطۃ بکل المعلومات الا اللہ اما المعجزات والکرامات فباعلام اللہ لھم علمت وکذلک ما علم باجراء العادۃ۔

یعنی آیت سے غیر خدا سے نفی علم غیب کے یہ معنی ہیں کہ غیب اپنی ذات سے بے کسی کے بتائے جاننا اور ایسا علم کہ جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہو جائے یہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں رہتے انبیاء کے معجزات و اولیاء کے کرامات یہاں تو اللہ کے بتائے سے علم ہوا ہے یونہی وہ باتیں کہ عادات کی مطابقت سے جن کا علم ہوتا ہے۔ معترض صاحب اب اپنے شرک کا الزام ان جلیل القدر علماء کو بھی دے دیجئے۔ آگے لکھتے ہیں" کوئی ان سرپھروں سے پوچھے کہ ذاتی علم غیب تو غیر خدا کو ہو ہی نہیں سکتا پھر قرآن مجید میں جگہ جگہ یہ مضمون کیوں بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی علم غیب نہیں رکھتا" جی ہاں مذکورۃ الصدر علماء کرام کو بھی سرپھرا کہئے اور ان سے بھی پوچھئے کہ ذاتی علم غیب تو غیر خدا کو ہو ہی نہیں سکتا الخ اور ذرا آپ عقلمند اپنی قرآن فہمی کا بھرم رکھتے ہوئے ہمیں یہ بتادیجئے کہ علم عطائی پر آپ جیسے توحید پرست مشرک گانے ہیں تو مذکورہ بالا آیتوں پر آپ حضرات کا ایمان رہا۔

آگے لکھتے ہیں کہ" اصل حقیقت یہ کہ عالم الغیب اللہ کی صفت ہے۔ سبحان اللہ یہ لیاقت علمی ملاحظہ ہو کہ عالم الغیب اللہ کی صفت ہے۔ اجی صاحب بہادر عالم الغیب صفت محضہ نہیں ذات موصوف بعلم کا نام ہے۔ پھر لکھتے ہیں" کسی دوسرے کے لئے اس صفت کا استعمال درست نہیں" صفت کے استعمال کا کیا مطلب ہاں یوں کہئے کہ کسی دوسرے کے لئے اس اسم صفت کا استعمال درست نہیں"

بے شک عالم الغیب

کا استعمال غیر اللہ کیلئے روا نہیں مگر علم غیب بعطاء الٰہی اللہ کے بندوں کے لئے ثابت اور اشرف علی نے تو حفظ الایمان میں حضور جیسا علم ہر صبی و مجنون و تمام حیوانات و بہائم کے لئے مانا۔ اور رشید و خلیل نے براہین قاطعہ میں شیطان و ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتایا والعیاذ باللہ۔ معترض صاحب اپنے ان بزرگوں کو کیا کہئے گا۔ آگے لکھتے ہیں "اور غیبی خبروں کا دینا یہ ایک الگ مسئلہ ہے"۔ جی اس مسئلہ کا کیا نام ہے کیا۔ یہ علم عطائی نہیں۔ ناظرین کرام دیکھیں کہ اب تو معترض صاحب بھی ان کہی بولتے نظر آرہے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر بطور معجزہ غیبی خبریں اللہ کے حکم و اجازت سے بتلاتے ہیں اور معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے الخ۔ ناظرین کرام اس فقرہ پر غور فرمائیں کہ اللہ کے پیغمبر بطور معجزہ غیبی خبریں اللہ کے حکم سے الخ آیا یہ علم عطائی کا اقرار نہیں ضرور ہے کہ بتلانا علم کو مستلزم ہے۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر اللہ کی عطا سے غیب جانتے غیب بتاتے ہیں۔ اور یہ غیب جاننا بتانا ان کا معجزہ ہوتا ہے۔ حق وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے۔ معترض نے علم عطائی کو خود قبول دیا وللہ الحمد۔ رہا معترض کا یہ کہنا کہ "معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا" میں کہتا ہوں کہ ایک معجزہ ہی پر کیا موقوف کوئی فعل کسی کا اپنا فعل نہیں ہوتا۔ سب کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے خلقکم و ما تعملون۔ اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور تمہارے کاموں کو۔ پھر جناب نے خود ہی کہا کہ غیبی خبریں اللہ کے حکم و اجازت سے بتلاتے ہیں۔ آپ ہی بتائیں جب معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ غیبی خبریں بتلاتے ہیں اس فعل کی ان کی طرف نسبت کس معنی کی ہے۔ نیز اللہ عزوجل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے فرماتا ہے ﷻ ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ رسول انہیں کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو تعلیم کو نبی کا فعل بتایا آپ فرما رہے ہیں کہ معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا کہئے جناب نے قرآن عظیم کو جھٹلایا کہ نہیں اب بتائیے اپنے حق میں کیا فتویٰ ہے جناب کا اور سنتے چلئے قاسم نانوتوی تحذیر الناس میں رقم طراز ہے "معجزہ خاص جوہر نبی کو مثل پروانۂ تقرری بطور سند نبوت ملتا ہے اور بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے" مثل عنایات خاصہ گہ و بیگاہ کا قبضہ نہیں ہوتا۔ پتہ یہ بیجئے آپ تو فرماتے ہیں کہ معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ اور آپ کے قاسم العلوم والخیرات معجزہ کی نسبت یہ لکھ رہے ہیں کہ وہ بنظر ضرورت ہر وقت قبضہ میں رہتا ہے، تو آپ کے طور پر قاسم نانوتوی نے اللہ کے فعل کو نبی کے قبضہ میں بتایا۔ کہئے حالا چہ می گویند علماء ملت دیوبندیہ۔ "اس لئے معجزہ کی وجہ سے کسی پیغمبر میں خدائی صفت ماننا صحیح نہیں ہو سکتا"، علم عطائی کو خدائی صفت پاگل ہی کہے گا۔ پھر فرماتے ہیں۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے بطور معجزہ مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محی الموتی یعنی مردوں کو زندہ کرنے والا نہیں کہیں گے"۔ جی نہ کہنے کی کیا دلیل! آپ نے ابھی خود کہا کہ "مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف احیاء (زندہ کرنے) کی طرف نسبت کی جب مبداء اشتقاق ثابت تو اس مشتق کے اطلاق سے کون سی چیز مانع ہو گئی۔ اب اگر آپ اس اسم کے خاص بذات باری ہونے کا دعویٰ کیجئے تو اولاً اسمیں نظر کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں محی وارد ہوا ہے، کمافی دلائل الخیرات وشرح مطالع المسرات للقاضی عیاض اور اگر خصوصیت مان لی جائے تو حاصل یہی ہوگا کہ محی الموتی کا اطلاق خدا کے غیر کیلئے نہ کیا جائے نہ یہ کہ حکم احیاء بعطائے الٰہی کسی کے لئے ثابت نہ ہو خود آپ بھی تو کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے حکم سے بطور معجزہ مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے پھر یہ کیسی جہالت بے خرد کہ نفی اطلاق کو نفی حکم کی دلیل بنایا چاہتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر لکھتے ہیں کہ "مردوں کو زندہ کرنا اللہ کا کام" جی ہاں بیشک اور اس کے حکم سے انبیاء و اولیا بھی مردے زندہ فرمایا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے فرمایا واذ تبرئ الاکمہ والابرص وتحیی الموتی باذنی تم میرے اذن سے اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے ہو اور مرے ارادے سے دوسروں کو زندہ کر دیتے ہو مگر آپ نے یہی ٹھہرائی ہے کہ معجزہ کسی پیغمبر کا اپنا فعل نہیں ہوتا"۔ قرآن عظیم کو جھٹلاتے کہاں شرمائیں کہ آخر تو تمہارے نزدیک جھوٹے معبود کا کلام ہے۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ لیکن محمود حسن دیوبندی کی تو سنئے۔ وہ گنگوہی جی کو رو رہے ہیں اور اپنے دل سے ایمان کو دھو رہے ہیں۔ مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا۔ اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پھر لکھتے ہیں کہ "علم غیب بھی بطور معجزہ کسی وقت کسی پیغمبر کو جزوی طور پر دے دیا جاتا ہے"۔ جی اس وقت آپ اپنی پوتھی کھولے بیٹھے رہتے ہوں گے اور اسمیں وقت درج کرتے رہتے ہونگے جبھی تو یہ غیب کی خبر لا رہے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پھر لکھتے ہیں "اس سے علم غیب کلی دائمی ہمہ وقتی کا مستقل دعویٰ کرنا عقل و نقل کے صریح خلاف ہے"۔ اولاً کلی سے مراد اگر علم محیط حقیقی تفصیلی غیر متناہی بالفعل ہے تو یہ ہم پر صریح افتراء ہے۔ ہم بعطائے الٰہی حضور علیہ السلام اور انبیاء و اولیاء کے لئے بعض علم غیب ہی ثابت کرتے ہیں مگر ایسا بعض نہیں کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تخصیص نہ ہو بلکہ معاذ اللہ حضور جیسا علم ہر صبی و مجنون کو بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہو جیسا کہ اشرف علی نے کہا نہ ایسا بعض حضور علیہ السلام کے لئے جانیں جو شیطان و ملک الموت کے علم سے کم ہو جیسا کہ رشید احمد گنگوہی نے مانا نہ ایسا جیسا تم نے لکھ مارا کہ کسی وقت کسی پیغمبر کو جزوی طور پر دے دیا جاتا ہے" یعنی ہر پیغمبر کو نہیں ملتا کسی کو دیا جاتا ہے کسی کو نہیں وہ بھی کسی وقت وہ بھی جزوی طور پر۔ ہاں ہاں معترض بہادر سن ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض علوم غیبیہ ہی مانتے ہیں مگر وہ بعض ایسا وسیع ہے کہ روز اول سے روز آخر تک۔ شرق سے لیکر غرب تک فرش سے لیکر عرش تک سب کو شامل ہے اور تمام مخلوق کے علوم اس وسیع سمندر سے گویا ایک قطرہ ہیں

ع فان من جودک الدنیا وضرتھا
ومن علومک علم اللوح والقلم۔

اب اس شعر کا ترجمہ آپ کے ذہن دوزی کیلئے ذوالفقار علی دیوبندی کی عطر الوردة سے پیش کروں۔ وہ لکھتے ہیں "مجھ سے محتاج کی شفاعت آپ کو اس لئے دشوار نہیں ہے کہ بے شک دنیا اور اس کا سوت جس کا دنیا کے ساتھ جمع ہونا محال ہے منجملہ آپ کی عطا کے ہے۔ نہ آپ ہوتے نہ دنیا و آخرت پیدا ہوتی۔ قال اللہ تعالیٰ لولاک لما اظہرت الربوبیۃ ولولاک لما خلقت الافلاک اور منجملہ آپ کے علوم و معلومات کے علم لوح و قلم ہے۔ جب آپ کی وسعت جاہ کا یہ حال ہے تو مجھ جیسے بے قدر کی شفاعت آپ کو کیا دشوار ہے" اہ

باایں ہمہ علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام خلق کے علوم کو علم الٰہی سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے کہ علوم خلق متناہی اور علم الٰہی غیر متناہی اور متناہی کو غیر متناہی سے کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔ بالجملہ ہم علم ذاتی محیط حقیقی تفصیلی غیر متناہی بالفعل کو اللہ کے ساتھ خاص جانتے ہیں اور علم عطائی و اجمالی انبیاء و اولیاء کے لئے ثابت مانتے ہیں۔ اس کی تصریح إنباء المصطفیٰ وخالص الاعتقاد والدولۃ المکیۃ وغیرھا رسائل امام احمد رضا و دیگر کتب اہل سنت میں ہے، انہی بعض علم پر وہابیہ کو کل علوم غیبیہ کا دھوکہ ہوتا ہے اور شور مچاتے ہیں کہ اللہ سے مساوات کردی۔ بس ان کے نزدیک کل علم الٰہی علم ما کان وما یکون ہی ہے کیوں نہ ہو کہ وہاں تو پیڑ کے پتے گن دینے کا نام خدائی ہے۔ ما قدروا اللہ حق قدرہ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ثانیاً۔ دائمی ہمہ وقتی سے کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد قدیم ہے تو حاشا للہ، ہم انبیاء کے علم کو قدیم نہیں کہتے اور اس الزام سے برأت کو یہی کافی ہے کہ ہم انبیاء کیلئے علم عطائی مانتے ہیں اور جو عطائی ہوگا حادث ہوگا۔ ہاں یہ علوم انکے قبضہ میں رہتے ہیں۔ ان سے سلب نہیں کئے جاتے۔ اس پر خود قاسم نانوتوی کی گواہی گزر چکی وللہ الحمد۔ آگے لکھتے ہیں "اس لئے ایسا دعویٰ کرنے والوں کے دعووں میں تضاد پایا جاتا ہے" ناظرین کرام آپ نے معترض کے کلام میں اب تک جتنے تضاد دیکھے ہوں گے وہ محتاج بیان نہیں۔ اب خود ہی غور فرمایئے پھر بھی معترض کو آنکھ میں دھول جھونکتے شرم نہیں آتی۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ مثال کے طور پر لکھتے ہیں "سورۃ والضحیٰ کے ترجمۂ رضویہ صفحہ ۷۰۹ مولوی نعیم الدین کے حاشیہ ۲ پر لکھا ہے" اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے یہ سورۃ مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی جب اس کی تفسیر میں بیان کیا کہ علوم غیب آپ کو دے دیئے گئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ آپ مکہ معظمہ ہی میں عالم الغیب ہو چکے تھے مگر ارشد القادری رضوی کا بیان ہے" آپ کو ۲۳ سال کی مدت میں بتدریج علم غیب کلی حاصل ہوا۔ معترض صاحب بہادر آپ کیا سمجھے۔ ہم سے سنئے۔ عطر تفسیر تو وہ ہے جو امام احمد رضا نے بطور ترجمہ لکھا کہ "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" یہ توجیہ منجملہ ان دس توجیہوں کے ہے جنہیں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے مفسرین کرام سے نقل فرمایا ہے۔ یوں ہی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اسے منجملہ توجیہات دیگر سے نقل کیا ہے۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے اس پر بطور نتیجہ جو مرتب ہوا اسے بیان فرما دیا ہے۔ اسمیں کون سا ایسا لفظ ہے جس سے معلوم ہوا کہ معاً سارے علوم آپ کو عطا ہو گئے کہ آپ تضاد گانے لگے۔ اپنے اور اپنے اکابر کے اوپر سے تضاد اٹھا لیجئے پھر دوسروں کی فکر کیجئے۔ امام احمد رضا الدولۃ المکیۃ میں فرماتے ہیں۔ أحاطۃ احد من الخلق معلومات اللہ تعالیٰ علی جھۃ التفصیل التام محال شرعاً وعقلاً بل لو جمع علوم جمیع العٰلمین اولا و اخرا لما کانت لہ نسبۃ ما اصلاً الی علوم اللہ سبحانہ وتعالیٰ حتی کنسبۃ حصۃ من الف الف حصص قطرۃ إلی الف الف بحر۔ الخ کسی مخلوق کا معلومات الٰہیہ کو بتفصیل تام محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے اور عقل سے بھی بلکہ اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلے سب کے جملہ علوم جمع کر دیئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت بھی نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصہ کو دس لاکھ سمندروں سے۔

معترض بہادر اب "دلچسپ لطیفہ" کے عنوان سے پھر لطیفے چھوڑ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں "بریلوی حلقہ کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ما کان وما یکون اور عالم الغیب کلی عطائی ماننے کو تعریف سمجھتے ہیں اور دوسروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ خدا کی صفت عالم الغیب رسول اکرم کیلئے استعمال نہ کر کے توہین رسالت کر رہے ہیں" الخ بے شک ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ما کان وما یکون جانتے ہیں اور اس پر قرآن و حدیث کے روشن دلائل اور علماء کرام کے اقوال بینات رکھتے ہیں۔ ان میں چند بطور نمونہ گزرے اور انہیں کے ساتھ ساتھ مستندان معترض کے اور خود امام معترض کے اقوال گزرے۔ فتذکر۔ رہی یہ بات کہ عالم الغیب کلی عطائی الخ اوّلاً معترض بہادر اپنی اردو ملاحظہ کیجئے۔ اجی جناب یہ جملہ غلط ہے۔ آپ کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ حضور علیہ السلام کیلئے علم غیب کلی عطائی، الخ۔ اسی پر آپ حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اردو پڑھانے کا اور ان کا استاد بننے کا خواب سوجھا کہ ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی۔ آپ تو عربی ہیں فرمایا جب سے علماء مدرسہ دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہم کو یہ زبان آگئی، سبحٰن اللہ اس سے مرتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔ ملاحظہ ہو براہین قاطعہ ص ۲۶۔ ناظرین کرام اس خباثت بھرے خواب کو سنکر انصاف کریں کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلم الخلق نے دیوبندیوں سے اردو سیکھی اور ذرا خط کشیدہ جملہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی کو بھی بغور دیکھیں کتنی اچھی اردو ہے۔ اسی منہ سے یہ مسلمان بنتے ہیں لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ ثانیاً بالکل جھوٹ۔ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق نہیں کرتے۔ ہاں بعطائے الٰہی علم غیب جمیع ما کان وما یکون کا ثابت کرتے ہیں اور جمیع ما کان وما یکون کو علوم

الہیہ غیر متناہیہ بالفعل سے کوئی نسبت نہیں جیسا کہ گذرا مگر تمہارے امام کے نزدیک خدائی تو یہ ہے کہ ایک پیڑ کے پتے گن دے تو تم آپ ہی سارا علم الہی اتنا سمجھو اور دوسروں کو الزام دو کہ "عالم الغیب کلی ماننے کو تعریف سمجھتے ہیں" ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ثالثاً معترض بہادر رہا تمہارا یہ کہنا کہ اور دوسروں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ "رسول اکرم کے لئے خدائی صفت عالم الغیب الخ جی ہم لوگوں نے کون سی کتاب میں یہ الزام لگایا ہے۔ آپ نے کس مصلحت سے کتاب کا ذکر نہ کیا خیر اب سہی۔ ہماری کسی کتاب سے اسکا ثبوت دیجئے اور اگر نہ دے سکیں اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ دے سکیں گے تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار نامہ لکھ کر داد انصاف دیجئے أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن۔ معترض بہادر ہم بتائیں کہ خدا کی صفت غیر کیلئے کس نے ثابت کی۔ سنو براہین قاطعہ مصدقہ رشید احمد گنگوہی میں خلیل احمد انبیٹھوی نے لکھا۔ "الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط روئے زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ معترض بہادر یہ دیکھو قطب عالم جناب رشید احمد گنگوہی شیطان و ملک الموت کیلئے وسعت علمی جسے تم شرک کہتے ہو اور کلی سمجھے ہو نص سے ثابت مان رہے ہیں اور اسی منہ سے سرکار کے لئے اسی وسعت علم ماننے کو شرک بتا رہے ہیں، کیوں جناب دنیا جہان میں کہیں ایسا شرک دیکھا ہے جو ایک کے لئے شرک ہو اور دوسرے کے لئے ایمان ہو۔ ہاں ہاں وہ شرک گنگوہ و دیوبند کے بازاروں میں ملتا ہے۔ اب ذرا بتلائیے جتنی وسعت علم سرکار کے لئے سرکار کے لئے شرک بتائی بالضرورۃ وہ خدا کے لئے خاص ہوئی کہ نہیں۔ ضرور ہوئی۔ اور اسی منہ سے وہ شیطان اور ملک الموت کے لئے ثابت کی تو لَاجَرَم شیطان و ملک الموت کے لئے خود ہی خدا کی صفت مانی والعیاذ باللہ العلی العظیم۔ معترض بہادر۔ اپنا عیب دوسرے کو لگاتے شرم نہیں آتی ع بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن۔ آگے خود ہی کہتے ہیں مگر خود ہی ان کے مولوی نعیم الدین صاحب ہر مؤمن کے لئے علم غیب مانتے ہیں۔ ترجمۂ رضویہ کے حاشیہ ص ۵ سطر ۳ پر لکھتے ہیں

> "غیب وہ ہے جو حواس وعقل سے بدیہی طور پر معلوم نہ ہو سکے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ یہ علم غیب ذاتی ہے اور یہی مراد ہے آیت عندہ مفاتح الغیب الخ میں اور ان تمام آیات میں جن میں علم غیب کی غیر خدا سے نفی کی گئی ہے اس قسم کا علم غیب یعنی ذاتی جس پر کوئی دلیل نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل ہو جیسے صانع عالم اور اس کے صفات اور نبوات اور اس کے متعلقات احکام و شرائع اور روز آخر اور اس کے احوال۔ بعث نشر حساب جزا وغیرہ کا علم جس پر دلیلیں قائم ہوں اور جو تعلیم الہی سے حاصل ہوتا ہے یہاں بھی مراد ہے اس دوسری قسم کے غیوب سے جو ایمان سے علاقہ رکھتے ہیں ان کا علم و یقین ہر مؤمن کو حاصل ہے اگر نہ ہو آدمی مؤمن نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں اولیا انبیاء پر جو غیوب کے دروازے کھولتا ہے وہ اسی قسم کا غیب ہے"

اس عبارت میں جس قسم کے علم غیب کو انبیاء اولیاء کیلئے مانا گیا ہے اسے ہر مؤمن کیلئے عام کہا گیا ہے جو کہ ایک امر واقعہ ہے اس کا انکار کون کرتا ہے۔ اگر ایسا ہی علم غیب عالم الغیب کہہ کر ثابت کیا جاتا ہے پھر تو نزاع محض لفظی ہی رہ جاتا ہے الخ الھذیان۔ أَوَّلًا۔ معترض بہادر۔ صدر الافاضل مولینا نعیم الدین صاحب علیہ الرحمۃ۔ ہر مؤمن کیلئے علم غیب مان رہے ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے۔ اگر اس میں آپ کے نزدیک کچھ قباحت شرک ہے تو خدائے تعالیٰ پر اعتراض کیجئے۔ وہ فرماتا ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ الخ۔ پر ظاہر کہ ایمان بے علم کے ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ ایمان تصدیق رسول صلی اللہ علیہ وسلم مع التسلیم کا نام ہے اور تصدیق خبر کے اذعان و یقین کو کہتے ہیں اور خبر کا یقین بے علم خبر نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یؤمنون بالغیب فرما کر مؤمنوں کے لئے بطفیل مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم غیبی خبروں کا علم عطا فرما دیا اور بتا دیا کہ بے علم غیب عطائی ایمان متحقق ہی نہیں ہوگا مگر معترض بہادر عطائی تو تمہاری جڑ ہے تو بتاؤ تمہارا ایمان کہاں رہا۔ ثانیاً۔ آپ کا کہنا کہ اس عبارت میں جس قسم کے علم غیب کو انبیاء و اولیاء کے لئے مانا گیا ہے اسے ہر مؤمن کے لئے عام کہا گیا ہے جو کہ ایک امر واقعہ ہے اسکا کون انکار کرتا ہے الخ الحمد للہ حق وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے۔ اب تو آپ نے بھی علم عطائی کو تسلیم کر لیا اور انبیاء و اولیاء کیلئے اس کے عموم کو مان لیا اب ذرا یہ بتائیے کہ وہ جو آپ نے کہا تھا کہ اس ذاتی و عطائی کے طلسم نے کیا ہی دروازے کھولے ہیں" اس کے پیش نظر جناب کا کیا فتوی ہے۔ آپ بقول خود اپنے طلسم کو تسلیم کر کے مشرک ہوئے کہ نہیں۔ رہا یہ کہنا کہ اسکا کون انکار کرتا ہے اس کا جواب آپ ہی کے مقولہ سے ظاہر کہ اس کا انکار وہ کرتا ہے جو ذاتی و عطائی کے فرق کو نہیں مانتا عطائی کو بھی شرک کہتا ہے اور وہ آپ حضرات ہیں اور آپ کا امام الطائفہ ہے جو جگہ جگہ اپنی تقویت الایمان میں عطائی پر بھی حکم شرک جڑتا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ پھر یہ کہ ابھی ابھی ہر مؤمن کیلئے علم غیب ماننے پر آپ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ پر اعتراض کر چکے ہیں اور اسی کو آگے چل کر امر واقعہ بتا چکے ہیں۔ چہ خوش۔ جس بات کا اقرار کیجئے اسی پر اعتراض جڑئیے۔ کیا اب بھی نہ سوجھا اسکا انکار کون کرتا ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ آگے معترض

صاحب لکھتے ہیں "اگر ایسا ہی علم غیب عالم الغیب کہہ کر ثابت کیا جاتا ہے پھر تو نزاع محض لفظی و رسمی رہ جاتا ہے اُقول۔ بالکل سفید جھوٹ اور صریح فریب ہے اولاً تم تو ذاتی و عطائی کے فرق ہی کے منکر ہو اور اسے شرک کہتے ہو پھر تمہارا علم عطائی تسلیم کرنا کیا معنی۔ ثانیاً تمہیں علم ما کان و ما یکون پر جو معلومات الہیہ غیر متناہیہ بالفعل کا قطعاً بعض ہے علم کلی کا دعویٰ ہے ابھی ابھی کہہ چکے کہ عالم الغیب کلی الخ اور اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہو اور یہی سارا طائفہ مانتا ہے اور اسی پر خدا سے مساوات کا الزام دیتا ہے۔ ثالثاً علم ثابت بھی کرتے ہو تو ایسا جس میں حضور علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہیں "ایسا علم تو ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے" جیسا کہ حفظ الایمان میں اشرف علی نے کہا اور جو شیطان و ملک الموت کے علم سے کم ہو جیسا کہ براہین قاطعہ میں لکھ مارا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم بایں ہمہ کیونکر آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو اور کہتے ہو کہ پھر تو نزاع محض الخ اِنَّ اللّٰہَ لا یھدی کید الخائنین اللہ خائنوں کے مکر کو راہ نہیں دیتا بحمد اللہ نبی کے ترجمۂ رضویہ اور مسئلۂ علم غیب میں معترض کی تمام واہیات کا جواب شافی تمام ہوا وللہ الحمد وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی آلہ وصحبہ وبارک وکرم

آیت ووجدک ضالا فہدی کے ترجمہ پر اعتراض

معترض بہادر اب پھر لطیفہ چھوڑتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کہتے ہیں "مولوی احمد رضا خاں بریلوی سورۃ والضحیٰ کی آیت وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَہَدٰی کا ترجمہ کرتے ہیں "اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی" اور سورۂ شعراء رکوع ۲ کی آیت ۱۹ و ۲۰ کا ترجمہ کرتے ہیں "موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جبکہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی" ضلالت کے دونوں معنی صحیح ہیں محبت کی وارفتگی اور راہ سے بےخبری ہمیں یہاں دکھانا یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضالًّا کا ترجمہ محبت کی وارفتگی کرکے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے ضالین کا ترجمہ راہ سے بےخبری کرکے دو رخی کیوں اختیار کی ہے۔ ملاحظہ ہو مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سورۂ شعراء کی اسی آیت کی تفسیر یوں فرماتے ہیں آیت مع تفسیر نقل ہوتی ہے۔ (فعلتہا اذا وانا من الضالین) من الجاہلین بنعمتک علی۔ یعنی میں نے وہ کام کیا جبکہ مجھے تیرے احسان کی خبر نہ تھی۔ اور یہی ابن عباس والضحیٰ کی آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ (ووجدک یا محمد ضالا) بین قوم ضلال (فھدیٰ) فھداک بالنبوۃ الخ کذا فی تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو گمراہوں میں پایا تو نبوت سے ہدایت دی۔ معترض بہادر دیکھو یہاں بین قوم ضلال فرمایا اور وہاں یوں نہ فرمایا۔ اور سنو علامہ قاضی عیاض شفاء میں آیت کریمہ ووجدک ضالا میں مفسرین کرام سے متعدد وجوہ نقل فرماتے ہیں ترجمہ۔ یعنی کہا گیا (ضالًّا) کی تفسیر میں کہ آپکو نبوت سے بےخبر پایا تو نبوت کی طرف راہ دی یہ طبری کا قول ہے۔ اور کہا گیا کہ اللہ نے آپکو گمراہوں میں پایا تو ان کی گمراہی سے محفوظ رکھا اور امت کے ایمان اور ان کے رشد و ہدایت کی راہ دکھائی یہ سدی سے اور بہت ساروں سے منقول ہوا۔ اور کہا گیا کہ آپ اپنی شریعت سے بےخبر تھے تو اللہ نے آپکو آپکی شریعت بتائی اور ضلال یہاں بمعنی حیرت ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلوت گزیں ہوا کرتے اس طریقے کی طلب میں جس پر وہ اپنے رب کی عبادت کریں۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اسلام کی طرف ہدایت دی۔ یہ قشیری کے قول کا مفہوم ہے۔ اور کہا گیا کہ آپ حق کو اجمالاً جانتے تھے تو اللہ نے آپ کو اس کی تفصیل بتائی۔ یہ قول علی بن عیسیٰ کا ہے اور کہا گیا کہ اللہ نے آپ کے امر نبوت کو آشکارا کیا قطعی دلیلوں سے۔ اور کہا گیا کہ آپ کو مکہ میں اقامت اور مدینہ کو ہجرت کے بارے میں متردد پایا تو آپ کو مدینہ کو ہجرت کا حکم فرمایا اور کہا گیا کہ اللہ نے آپ کو ہادی پایا تو آپ کے ذریعہ گمراہوں کو ہدایت دی۔ اور حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ میں نے اے محبوب تمہیں اپنی محبت ازلی سے بےخبر پایا تو تمہارے اوپر اپنی معرفت کی منت رکھی تاکہ تم میری محبت کو جانو اور ابن عطاء نے فرمایا کہ میں (اللہ) نے تجھے اپنی معرفت کا محب وطلب گار پایا تو اپنی طرف راہ دی (یہ وہ توجیہ ہے جو امام احمد رضا نے ترجمہ میں اختیار فرمائی) اور ضال محب کو کہتے ہیں جیسا کہ اللہ کے قول انک لفی ضلالک القدیم میں یعنی آپ یوسف کی پرانی محبت میں مبتلا ہیں اور اس بات میں برادران یوسف نے دین کی گمراہی مراد نہ لی اسلئے کہ اگر یہ بات اللہ کے نبی کے لئے کہتے کافر ہو جاتے اور ایسا ہی ہے ان کے (ابن عطاء کے) نزدیک اللہ کے قول انا لنراھا فی ضلال مبین میں یعنی ہم زلیخا کو یوسف کی کھلی محبت میں گرفتار دیکھتے ہیں اور جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کو اس قرآن کے بیان میں متحیر پایا جو آپ پر اترا تو آپ سے بیان فرما دیا اور کہا گیا کہ آپ کو اللہ نے کنز مخفی پایا کہ آپ کی نبوت کو کوئی نہ جانتا تھا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو ظاہر فرمایا تو نیک بختوں کو آپ کی معرفت بخشی اور اسیطرح اللہ تعالیٰ کا قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مشکل ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں نے وہ کام بغیر قصد کے کیا (یعنی قبطی کو گھونسہ مار کر قتل کرنے کا قصد نہ تھا) یہ قول ہے ابن عرفہ کا اور ازہری نے فرمایا کہ معنی یہ ہے کہ میں بےخبروں میں سے تھا۔ معترض بہادر یہ دیکھئے ضالًّا میں امام علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے دس توجیہات نقل فرمائیں منجملہ ان کے وہ توجیہ بھی ہے جو امام احمد رضا نے اختیار فرمائی اور سورۂ شعراء کی آیت کریمہ فعلتھا اذاً وانا من الضالین میں صرف دو توجیہیں نقل فرمائیں جس سے ظاہر کہ وہ رائے جو آپ نے دی ہے کہ یہی توجیہ سورۂ شعراء میں کیوں نہ کی اور دو رخی کیوں اختیار کی وہ رائے کسی کی نہیں ورنہ امام قاضی عیاض جیسے کثیر الاطلاع ضرور اسے نقل فرماتے۔ مزید اطمینان کیلئے مدارک۔ جلالین۔ صاوی کی شہادت دیتا ہوں۔ مدارک میں فرمایا (فعلتھا اذاً)

أی إذذاك (وأنا من الضالين) أی الجاهلين بأنها تبلغ القتل والضال عن الشئ هو الذاهب عن معرفته أو الناسين من قوله أن تضل احديهما فتذكر احديهما الأخرى فدفع وصف الكفر عن نفسه ووضع الضالين موضع الكافرين جلالين میں فرمایا (فعلتها اذًا) أی حينئذٍ (وأنا من الضالين) عما اتانی الله بعدها من العلم والرسالة ۔ صاوی میں فرمایا أی فليس علی فيما فعلته فی تلك الحالة لوم لانتفاء التكليف حينئذٍ أو المعنی من المخطئين لا من المتعمدين ۔ یہ دیکھو مدارک پھر جلالین وصاوی میں اس آیت میں انہیں دو وجوہ کا پتہ چلتا ہے جو شفاء میں ابن عرفہ اور ازہری سے نقل ہوئی البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک وجہ اور مستفاد ہوئی ۔ اسی لئے مدارج النبوۃ تفسیر عزیزی میں منجملہ دیگر توجیہات کے وہی ابن عطاء والی توجیہ جسے امام احمد رضا نے اختیار فرمایا ہے جب ذکر فرمائی تو اسکی نظیر میں آیہ کریمہ إنك لفی ضلالك القديم اور آیۂ کریمہ انا لنراها فی ضلال مبين انہیں دو آیتوں کا ذکر فرمایا (تفسیر عزیزی میں آیہ اول الذکر پر اکتفا فرمایا ہے) جیسا کہ شفاء میں انہیں دو آیتوں سے نظیر پیش کی بھلا سورۂ شعراء کی آیت میں وہ توجیہ منقول ہوتی تو کوئی تو اس کو نظیر میں پیش کرتا معترض بہادر اب یہی اعتراض حضرت ابن عباس حضرت جعفر صادق ابن عطاء وغیرہم ائمۂ کرام پر کر بھاگو کہ جو توجیہات ضالًا میں ان ائمہ نے فرمائیں ان میں سے اکثر شعراء کی آیت میں انسے منقول نہیں ۔ یہاں بس وہی دو تین وجوہ منقول ہیں بلکہ شفا و مدارج النبوۃ وتفسیر عزیزی کے مصنفین پر بھی اعتراض کرو کہ انہوں نے اس توجیہ کو برقرار رکھا جس سے تمہاری مزعومہ دورخی لازم آئی ۔ آگے لکھتے ہیں ۔ "تمام پیغمبروں کی محبت وعظمت فرض ہے اور اہانت کفر ہے ۔ درجوں کا فرق الگ چیز ہے ۔ مگر ایسا نہیں کہا جا سکتا کہ ایک جملہ ایک پیغمبر کے حق میں توہین ہو ۔ دوسرے کے حق میں تعریف ہو ۔ محبت وایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ دونوں جگہ یکسانیت اختیار کرتے" الخ اقول ۔ آپ امام احمد رضا پر موسیٰ علیہ السلام کی توہین کا الزام رکھنا چاہتے ہیں ۔ اجی جناب امام احمد رضا نے جو کچھ فرمایا وہی مفسرین کرام کا ارشاد ہے ان کے فرمان کی روشنی میں اپنی بات تولئے كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا ۔ بڑی ہے وہ بات جو ان کے منہ سے نکلتی ہے ۔ یہ نرا جھوٹ بولتے ہیں ۔ رشید وخلیل واشرف علی وقاسم نانوتوی کی عبارتیں تو توہین نہ ہوں اور امام احمد رضا کا قول جو مفسرین کرام کے ارشاد کا عین مفاد ہے وہ تمہارے نزدیک توہین قرار پائے ۔ ع شرم تم کو مگر نہیں آتی ۔ منہ بھر کے امام امام احمد رضا کو توہین کا الزام دیدیا مگر حسب سابق یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کس کس کے سر گیا ۔ اور کچھ نہ سہی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بچاؤ کی تدبیر بھی نہ سوجھی ۔

شعر :۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر ۔ اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر ۔ لیجئے ثبوت پیش ہے شاہ صاحب نے بھی دورخی اختیار کی ہے ۔ تفسیر عزیزی میں سورۂ والنازعات کی تفسیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا تتمہ یوں بیان کرتے ہیں

"ودرینجا تتمۂ قصہ محذوف است یعنی پس حضرت موسیٰ بسوئے فرعون رفتند واو را فرمان الٰہی رسانیدند وفرعون در جواب ایشاں اول چنیں گفت کہ آیا تو ہماں شخصی نیستی کہ در حالت بچگی ما ترا پرورش کردہ بودیم وعمر بادہ گذرانیدی یاد آں کار خود کردہ رفتی کہ میدانی وناسپاس نعمتہائے ما شدی ترا ایں مرتبہ از کجا حاصل شد کہ خود را ہادی ومرشد من قرار دادہ آمدی ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام در جواب فرمودند آرے من ہماں کسم وکاریکہ کردہ بودم در آں وقت نادان وجاہل بودم الخ" معترض بہادر ذرا اس خط کشیدہ فقرہ کو آنکھیں کھول کر خوب غور سے دیکھو اور سنو سورۂ والضحیٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں" وبعض گفتہ اند کہ مراد از ضلال محبت مرتبۂ عشق است چنانکہ پسران حضرت یعقوب علیہ السلام فرط عشق ایشاں را با حضرت یوسف علیہ السلام بایں لفظ تعبیر کردہ اند إنك لفی ضلالك القديم ومراد از ہدایت آنست کہ طریق وصول محبوب را بتو نشان دادیم" اھ یہ دیکھئے شاہ صاحب ضالًا میں یہی وجہ نقل فرما رہے ہیں اور اسے مقرر کر رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ قرآن اپنی جمیع وجوہ پر محبت ہے کما فی الزرقانی علی المواہب وغیرہ ۔ معترض بہادر شاید آپ کو اب تک امام الطائفہ کے بزرگوار خاندان کی تفسیر دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا اب شاید دیکھیں تو یوں چلائیں کہ انھوں نے کب اس وجہ کو مقرر رکھا ہے وہ تو یوں فرما رہے ہیں ۔" وارباب تفسیر کہ ایں معنی را کما ینبغی ندانستہ اند در تفسیر ایں گمراہی دور دور رفتہ اند" اولًا ۔ یہ کہہ کر شاہ صاحب نے کم دبیش ۸ توجیہات علاوہ توجیہ مذکور ذکر کی ہیں ۔ کیا یہ سب غلط ونامقرر ہیں؟ ثانیًا جب شاہ صاحب نے یوں فرمایا ہے کہ ارباب تفسیر کہ ایں معنی را کما ینبغی ندانستہ اند الخ اور یہ توجیہ مذکور معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عطا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان فرمودہ ہے کیا انکے بارے میں یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ایں معنی را کما ینبغی ندانستہ اند"؟ یا یوں کہا جائیگا کہ شاہ صاحب نے جو معنی بیان فرمائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بت پرستی اور رسوم جاہلیت سے بیزار اور رب ابراہیم علیہ السلام کی طرف متوجہ تھے اور ملت ابراہیمی کی تلاش میں بیتاب تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو ملت ابراہیمی کے اصول سے آگاہ کیا وہ حضرت ابن عطا رضی اللہ عنہ کو ضرور معلوم تھے مگر پسند اپنی اپنی ۔ انھیں یہ توجیہ پسند آئی ع وللناس فيما يعشقون مذاهب ثالثًا وہ کہتے ہیں در تفسیر ایں گمراہی دور دور رفتہ اند جس کا صاف مطلب ہے کہ ہماری مختار توجیہ وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی باقی وجوہ دور کی ہیں وہ بھی مراد ہو سکتی ہیں کیوں معترض بہادر تمہارے طور پر شاہ صاحب نے دورخی اختیار کرنے کی اجازت دی کہ نہیں ۔

(بقیہ ص ۱۵۶ پر)

امام احمد رضا اور

ترجمۂ قرآن کی خصوصیات

از :- مولانا حکیم خلیل الرحمٰن صاحب رضوی ایبٹ آباد۔ پاکستان

امام احمد رضا اپنے وقت کے جیّد عالم تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بیک وقت بہت سی خصوصیات کو جمع فرما دیا تھا، ایک طرف آپ بہترین فقیہ تھے۔ تو ساتھ ہی آپ اعلیٰ درجہ کے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ آپ کی نظر علم تفسیر وتاویل اور احادیث نبوی پر بہت گہری تھی۔ اور آپ کی علمیت اور اصابت رائے کے اپنے ہی نہیں بلکہ بیگانے بھی قائل تھے۔ آپ کی سب سے بڑی اور امتیازی خصوصیت "عشق رسول" (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے ساری زندگی آپ نے "مدح رسول" میں صرف کی اور اس کا زندہ ثبوت آپ کا وہ نعتیہ کلام ہے جو حدائق بخشش" کے نام سے کتابی شکل میں طبع ہوا ہے۔ آپ مدحِ رسول کو اپنی زندگی کا حاصلِ قرار دیتے ہیں اور اصحابِ ثروت کی مدح سرائی کو فضول فرماتے ہیں ؂

کروں مدح اہلِ دوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا

مَیں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

آپ کی ساری زندگی جہاد بالقلم میں صرف ہوئی اور جس مسئلہ پر قلم اٹھایا۔ اس کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا۔ اور بغیر کسی کی پروا کئے جس بات کو حق سمجھا اسکو برملا کہا۔ متحدہ ہندوستان میں دو ہی مکتب فکر علماء رکھتے۔ دیوبندی یا اہلسنت۔ آپ علماء اہلسنت کے قائد تھے۔ چونکہ جانبین سے تنقید ہوتی تھی۔ اس واسطے امام احمد رضا کا قلم بھی اس میدان میں خوب چلتا تھا۔ آپ نے دیوبندیوں کے جواب میں کثیر تعداد میں رسائل لکھے اور خوب لکھے۔

آپ کی تصانیف میں بعض کتابیں عربی میں ہیں اور ان میں "دولت مکیّہ" بہترین کتاب ہے اور اکثر اُردو میں ہیں۔ فقہ میں "فتاویٰ رضویہ" اپنا جواب آپ ہے اور اسکے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کی نظر فقہی جزئیات پر کتنی وسیع تھی۔ اسی طرح جب کسی اختلافی مسئلہ پر بحث کی ہے۔ تو خوب دل کھول کر دلائل دیئے ہیں۔ "سبحٰن السبوح"، "الامن والعلیٰ" "خالص الاعتقاد" وغیرہ قابلِ قدر کتابیں ہیں۔ اور حضرت کی علمیت پر بہترین شاہدِ عدل ہیں۔

ترجمۂ قرآن

حضرت کا سب سے بڑا کارنامہ "ترجمہ قرآن" ہے کاش ایسا ہوتا کہ آپ نے جس عمدگی کے ساتھ ترجمہ فرمایا اس پر حواشی بھی لکھتے لیکن قدرت کو یہی منظور تھا۔ اب میں آپ کے ترجمہ قرآن سے چند خصوصیات کا ذکر کروں گا۔ جن کو ترجمۂ قرآن بین السطور میں ادا کرنا حضرت کا ہی حق ہے اور حق یہ ہے کہ آپ نے ترجمہ قرآن کا حق ادا کر دیا ہے۔ جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ امام احمد رضا کو سرور کائنات علیہ التحیہ والتسلیمات کی ذات پاک سے والہانہ عقیدت ومحبت تھی۔ آپ نے محبّت نبوی کو ترجمہ قرآن میں بھی پورا پورا ملحوظ رکھا ہے۔ اور جہاں کہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہوا ہے۔ ترجمہ میں ادب ومحبت کو سمو دیا ہے مثلاً اَلَمْ تَرَ سورۂ فیل کے پہلے الفاظ کا ترجمہ عام طور پر مترجمین حضرات نے کیا ہے "کیا تُو نے نہ دیکھا" لیکن امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے۔ "اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا" اسی طرح قرآن مقدس میں لفظ "قل" کا ترجمہ عام طور پر "کہو" سے کیا گیا ہے مگر امام احمد رضا نے شان فصاحت وبلاغتِ قرآن کا پورا خیال رکھ کر ادب نبوی کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔ ترجمہ کرتے ہیں "تم فرماؤ" پارۂ چوتھا سورہ آل عمران کے ان الفاظ۔ "اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ" کا ترجمہ کتنا صحیح اور دلکش ہے "جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے" یہ اور اس طرح کی بیشمار آیات کے ترجمہ کو پیش کیا جا سکتا ہے کہ حضرتِ مرحوم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت وتوقیر کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ اور ہر مسلمان پر آنحضرت کی توقیر کا خیال رکھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز روزہ فرض ہے۔ بلکہ یہ فرض تمام فرائض سے زیادہ اہم ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" جو کسی نے کہا ہے تو اس کا مفہوم صرف کسی ایک وصف میں ہی نہیں بلکہ جمیع اوصاف عالیہ میں آنحضرت کا مقام یہی ہے مثلاً علم میں "بعد از خدا"، اگر کسی کا علم جامع اور کامل ہے۔ تو وہ حضور کا علم ہے۔ خدا کے بعد اگر کوئی سب سے زیادہ قابل تعظیم ہے تو وہ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ خدا کے کلام کے بعد اگر کسی کے کلام کا مرتبہ ہے تو وہ آپ

کا کلام ہے کتابِ الٰہی کے بعد اگر کوئی چیز حجت اور سند دین میں ہو تو وہ صرف آپ کی سنتِ مطہرہ ہے۔ الغرض اللہ تعالےٰ نے آنحضرت کو صرف شریک فی الالوہیت نہیں ٹھہرایا۔ باقی کمالاتِ عطائیہ جتنے تھے۔ وہ سب آپ کو دے گئے۔

امام احمد رضا نے "عشقِ رسول" (صلے اللہ علیہ وسلم) کو کسی مقام پر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور آپ کی جمیع تصانیف خاص کر ترجمۂ قرآن کا مطالعہ ہی بنظرِ غائر کافی ہے۔ اور اس دعوے کے ثبوت کے لئے سب سے بڑا شاہد ہے۔ سورۂ النجم کی پہلی آیت "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى" کا ترجمہ کیا ہے۔ "اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترا" حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے حاشیہ میں ان احتمالات کو بیان کر دیا۔ جو النجم کے لفظ سے نکلتے تھے مثلاً بعض نے ثریا بعض نے نجوم اور بعض مفسرین نے قرآن مراد لیا ہے۔ لیکن امام احمد رضا نے ان مفسرین کی تاویل کو اختیار فرمایا۔ جنہوں نے نجم سے مراد سرورِ انبیاء (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو لیا ہے۔ سورۂ الرحمٰن کی پہلی آیات کے معانی پر غور کیجئے۔ دیگر مترجمین نے عام ترجمہ کیا ہے لیکن امام احمد رضا کی بصیرت علمی کہاں پہنچی اور دریائے علم سے کیسے موتی نکال لائی۔ آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ"۔ رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا بیان انہیں سکھایا ہے۔ کس خوش اسلوبی سے ترجمہ کیا ہے۔ چونکہ عام ترجموں سے یہ ترجمہ ذرا اپنے رنگ میں ادا کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کسی کو شک ہو۔ اس لئے میں چند اشارات کئے دیتا ہوں "خلق الانسان" میں الف لام عہد خارجی ہے اور اس سے فردِ کامل مراد ہوتا ہے اور نوع انسانی میں فردِ کامل چونکہ سرورِ انبیاء ہیں اسلئے انسان سے مراد آنحضرت کی ذات کو لینا عین اصول گرامر کے مطابق ہے۔ اسی البیان پر الف لام استغراقی ہے اور استغراق کا عموم "بیان" کی جمیع اقسام کو حاوی ہوگا۔ اور اسی اصولی وجہ کو سامنے رکھکر امام احمد رضا نے ترجمہ میں ما کان وما یکون کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے میں آئندہ کسی دوسرے مضمون میں انشاء اللہ مزید روشنی ڈالوں گا۔ لیکن ان مختصر گزارشات سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ امام احمد رضا بہترین مفسر اور اعلیٰ درجہ کے محدث اور فقیہ تھے۔ اور ان کا سینہ "عشقِ رسول" سے منور تھا۔ اور اگر یہ عربی مقولہ سچ ہے۔ اور بظاہر کوئی وجہ بھی اس کے غلط ہونے کی نظر نہیں آتی کہ "یترشح من الاناء ما فیہ" یعنی برتن سے وہی کچھ نکلتا ہے۔ جو اس میں ہو۔ تو پھر مجھے یہ کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ امام احمد رضا کی جمیع تصانیف "محبت رسول" کی آئینہ دار ہیں۔ اور جو شخص بھی امام احمد رضا کی تصنیفات کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر کرے گا۔ میرے اس دعوے کی انشاء اللہ تائید کرے گا۔

(حقائق کی روشنی میں ۔ کا بقیہ)

رابعاً سوچو تو سمجھ میں آجائے کہ اس توجیہ میں اور شاہ صاحب کی توجیہ میں علت و معلول کا ارتباط ہے اور محبت نہ ہوتی تو طریقۂ عبادت کی طلب کہاں ہوتی۔ اب ہم ترقی کر کے کہتے ہیں کہ یہ توجیہہ دور کی ہرگز نہیں۔ و للہ الحجۃ السامیۃ۔ خامساً وجوہ دیگر سے پہلے جو توجیہہ خود انھوں نے بیان فرمائی اور جس کا مختصر ترجمہ ابھی گزرا اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو اس طریقہ کا طلبگار پایا جس پر آپ ایک عبادت کریں یہاں تو یہ معنی تبلاتے اور وہاں قصۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں یوں فرما کہ دراں وقت نادان و جاہل بودم اب کہو کہ محبت و ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ دونوں جگہ یکسانیت اختیار کرتے ورنہ الخ۔ آگے معترض بہادر لکھتے ہیں کہ ترجمہ رضویہ ہر قسم کی تلبیسات سے بھرا پڑا ہے الخ اور اس کا فیصلہ معترض نے پڑھنے والوں پر چھوڑا ہے ہم بھی اُنھیں پر چھوڑتے ہیں ناظرین کرام خود فیصلہ کرلیں کہ جس شخص کو اعتراض کی ہوس میں ائمۂ کرام اساطین دین اور خود اپنے بزرگوں کا کلام نظر نہ آئے اور آنکھیں میچکر منہ کھول سب پر اعتراض کر بیٹھے اس کا کیا ٹھکانہ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

کنز الایمان اور معارف القرآن

(مجدد اعظم) (محدث اعظم)

المیزان میں ہر ماہ ترجمہ محدث اعظم ہند "معارف القرآن" شائع ہوتا ہے، امام احمد رضا نمبر میں "معارف القرآن" کیساتھ ساتھ فاضل بریلوی کا ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔ معارف القرآن کو دیکھ کر امام احمد رضا نے فرمایا تھا کہ "شہزادے! تم نے اردو میں قرآن لکھا ہے۔ فاضل بریلوی کا یہ جملہ محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کے ترجمۂ قرآن کی اعلیٰ خصوصیات کی گواہی دے رہا ہے، کاش وہ وقت جلد آئے جب معارف القرآن بھی تفسیر سے مزین ومکمل نظر آئے۔ ذیل میں سورۂ آل عمران پارہ لن تنالوا کے ابتدائی پانچ رکوع کے دونوں تراجم پیش کرنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں

(ایڈیٹر)

لن تنالوا ۴ — آل عمران ۳	مجدد اعظم	محدث اعظم
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ	تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو	ہرگز نہ پاؤ گے نیکی کو یہانتک کہ خرچ کرو اس سے جسکو پسند کرتے ہو
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝	اور تم جو کچھ خرچ کرو گے۔ اللہ کو معلوم ہے۔	اور جو خرچ کرو تم کچھ تو بے شک اللہ اس کا جاننے والا ہے
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ	سب کھانے بنی اسرائیل کو حلال تھے۔	سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لئے۔
اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ	مگر وہ جو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔	مگر وہ جس کو حرام کرلیا تھا خود یعقوب نے اپنے اوپر
مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ	توریت اترنے سے پہلے۔	قبل اسکے کہ اوتاری جائے توریت۔
قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ	تم فرماؤ۔ توریت لاکر پڑھو	کھدو کہ لاؤ توریت پھر اس کو پڑھو۔
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝	اگر سچے ہو۔	اگر سچے ہو۔
فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔	تو جس نے جھوٹ افترا کیا اللہ پر
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝	تو وہی ظالم ہیں	اس کے بعد تو وہی ظالم لوگ ہیں۔
قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ قف فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ	تم فرماؤ اللہ سچا ہے۔ تو ابراہیم کے دین پر چلو جو ہر باطل سے جدا تھے	کھدو کہ سچ فرمایا اللہ نے تو پیروی کرو دین ابراہیم کی حق پرست باطل شکن کی
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ	اور شرک والوں میں نہ تھے۔ بیشک سب میں پہلا	وہ مشرک نہ تھے۔ بیشک سب سے پہلا
وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝	جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ جو مکہ میں برکت والا اور	گھر جو بنایا گیا لوگوں کو عبادت کرنے کے لئے ضرور وہ ہے جو
فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ	سارے جہان کا راہنما اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ	مکہ میں ہے برکتوں سے بھرا اور دنیا بھر کیلئے مرکز ہدایت۔ اسمیں روشن نشانیاں ہیں مقام ابراہیم
وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ	اور جو اس میں آئے امان میں ہو۔	اور جو اس میں داخل ہوا امان میں ہوگیا۔
وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ	اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے	اور اللہ کی پرستش کیلئے لوگوں پر اس بیت اللہ کا حج کرنا ہے
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ	جو اس تک چل سکے۔	جو سکت رکھے اس تک راہ پانے کی
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝	اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے	اور جس نے انکار کیا تو اللہ بے پرواہ ہے دنیا بھر سے

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝
قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ط
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا
مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝
وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ
وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ط وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ
فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ع
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ
وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا
وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ
فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا
وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ
فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا
وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝
يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ج

تم فرماؤ اے کتابیو اللہ کی آیتیں کیوں نہیں مانتے
اور تمہارے کام اللہ کے سامنے ہیں
تم فرماؤ اے کتابیو کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو
اسے جو ایمان لائے اسے ٹیڑھا کیا چاہتے ہو اور تم خود اس
پر گواہ ہو۔
اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔
اے ایمان والو اگر تم کچھ کتابیوں
کے کہے پر چلے۔
تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں کافر چھوڑیں گے۔
اور تم کیونکر کفر کروگے تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔
اور تم میں اس کا رسول تشریف لایا اور جس نے اللہ کا سہارا لیا
تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے
اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان
اور اللہ کی رسی مضبوط تھام او رسب مل کر اور آپس میں
پھٹ نہ جانا
اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو
جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کردیا
تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہوگئے۔
اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے
تو اس نے تمہیں اس سے بچادیا
اللہ تم سے یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم
ہدایت پاؤ
اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں
اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں۔
اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔
اور ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے
اور ان میں پھوٹ پڑگئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں
انھیں آچکی تھیں۔
اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔
جس دن کچھ منہ اونجالے ہونگے اور کچھ منہ کالے۔

کہدو کہ اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا
حالانکہ اللہ شاہد جو تم کررہے ہو۔
کھو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے
اسکو جو ایمان لاچکا تم راہ خدا کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو
حالانکہ تم خود گواہ ہو
اور نہیں ہے اللہ بے خبر تمہارے کرتوتوں سے
اے ایمان والو اگر کہنے پر چلے تم کسی کے
جس کو کتاب دی گئی ہے
پھر کردیں گے تمکو تمہارے ایمان کے بعد کافر۔
تم کیسے کفر کروگے حالانکہ تم ہو کہ تلاوت کیجاتی ہیں تم پر
اور تم میں اللہ کا رسول ہے اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو
تو بے شک اس کو سیدھی راہ کی ہدایت دی گئی ہے
اے ایمان والو اللہ کو ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے
اور مت مرو مگر اس حال میں کہ تم لوگ مسلمان ہو۔
اور مضبوط پکڑلو اللہ کی رسی سب کے سب اور الگ
الگ نہ ہو
اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو
جبکہ تم باہم دشمن تھے تو الفت پیدا کی تمہارے دلوں
تو ہوگئے تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی۔
اور تھے تم کنارے پر ایک غار جہنم کے
تو نکالا تمکو اس سے
اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں
کہ اب تو ہدایت پاجاؤ۔
اور تمہاری ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بلائیں
بھلائی کی طرف
اور حکم دیں نیکی کا اور روکیں برائی سے
اور وہی کامیاب لوگ ہیں۔
اور مت ہو ان کی طرح جو الگ الگ ہوگئے۔
اور جھگڑ پڑے بعد اس کے کہ آچکی تھیں ان کے پاس
کھلی نشانیاں
اور وہی ہیں جنکے لئے بڑا عذاب ہے۔
جس دن کہ گورے ہوں گے کچھ چہرے اور کالے
ہوں گے کچھ منہ

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ قف اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ٥ وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِیْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ط هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ٥	تو وہ جنکے منہ کالے ہوئے۔ کیا تم ایمان لاکر کافر ہوئے۔ تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ۔ اور وہ جن کے منہ اونجالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔	تو جنکے منہ کالے ہیں کیا تم نے کفر کیا تھا ایمان لانے کے بعد توچکھو عذاب بدلہ اس کا جو کفر کرتے تھے۔ اور وہ جنکے چہرے گورے ہو گئے۔ وہ اللہ کی رحمت میں ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں
تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ط وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ٥ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ٥ ع ۲	یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم ٹھیک ٹھیک تم پر پڑھتے ہیں۔ اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کی رجوع ہے	یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم جسکو پڑھتے ہیں تم پر بالکل ٹھیک اور اللہ نہیں چاہتا ظلم اہل دنیا پر اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرائے جاتے ہیں سارے کام
كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ط مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥	تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا۔ ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر	تم ان ساری امتوں میں بہتر ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر ہوئیں کر بھلائی کا تو تم حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ پر یقین رکھو اور اگر ایمان لے آتے اہل کتاب تو ضرور ان کے لئے بہتر تھا۔ ان میں کچھ ایمان لانے والے ہوئے اور ان کے زیادہ لوگ سب نافرمان ہیں
لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًی ط	وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا	یہ لوگ تم لوگوں کا کوئی نقصان نہ کر سکیں گے مگر بس ستانا
وَاِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ	اور اگر تم سے لڑیں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر جائیں گے	اور اگر لڑیں تم سے تو پھیر لیں گے تم سے پیٹھ
ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ٥	پھر ان کی مدد نہ ہوگی	پھر کوئی مدد نہ دیئے جائیں گے۔
ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ٥	ان پہ جمادی گئی خواری جہاں ہوں امان نہ پائیں۔ مگر اللہ کی ڈور اور آدمیوں کی ڈور سے اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے اور ان پر جمادی گئی محتاجی یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے یہ اس لئے کہ نافرمانبردار اور سرکش تھے	سوار کر دی گئی ان پر ذلّت غلامی جہاں بھی رہیں۔ مگر یہ کہ تھام لیں رسی اللہ کی اور لوگوں کی رسی اور لوٹ گئے وہ اللہ کے غضب میں اور چھاپ دیگئی ان پر لے مسکنی یہ اس لئے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور شہید کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق یہ سزا ہے اسکی جو نافرمانی کی اور سرکشی کرتے تھے
لَیْسُوْا سَوَآءً ط مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ	سب ایک سے نہیں کتابیوں میں کچھ وہ ہیں کہ حق پر قائم ہیں	سب برابر نہیں ہیں کہ اہل کتاب ہی میں ایک وہ کمربستہ جماعت ہے
یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَهُمْ یَسْجُدُوْنَ ٥ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں رات کی گھڑیوں میں اور سجدہ کرتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں۔	جو تلاوت کریں اللہ کی آیتوں کا رات کی گھڑیوں میں اور وہ سجدہ کریں مانیں اللہ کو اور پچھلے دن کو

وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ	اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں	اور حکم دیں نیکی کا اور روکیں برائی سے
وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ط	اور نیک کاموں پہ دوڑتے ہیں	اور تیزی کریں نیک کاموں میں
وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ٥	اور یہ لوگ لائق ہیں۔	اور وہی لوگ نیکوکار ہیں
وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ط	اور وہ جو بھلائی کریں ان کا حق نہ مارا جائے گا	یہ لوگ جو بھلائی کریں تو ہرگز اس سے محروم نہ کئے جائیں
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ٥	اور اللہ کو معلوم ہیں ڈر والے	اور اللہ پرہیزگاروں کو جاننے والا ہے
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ	اور وہ جو کافر ہوئے ان کے مال اور	بے شک جنھوں نے کفر کیا تو نہ بے پرواہ کرے گا انکو ان کا مال
وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ط	اولاد ان کو اللہ سے کچھ نہ بچالیں گے۔	اور نہ انکی اولاد اللہ سے کچھ بھی۔
وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ج هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥	اور وہ جہنمی ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا	اور وہی جہنم والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے
مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	کہاوت اس کی جو اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں	مثال اس کی جو خرچ کریں دنیاوی زندگی کے بارے میں
كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ	اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو ایک ایسی قوم کی کھیتی پر پڑی	جیسے ہوا جس میں پالا ہے وہ پہنچی ایک قوم کی کھیتی پر
ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ط	جو اپنا ہی برا کرتے تھے تو اسے بالکل مار گئی	جنھوں نے خود اپنا بگاڑ رکھا تھا تو اس کی کھیتی کو تباہ کر دیا اس ہوا نے۔
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ٥	اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔	ان پر اللہ نے ظلم نہیں فرمایا لیکن وہ خود اپنے اوپر ظالم ہیں۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا	اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔	اے ایمان والو نہ بناؤ
بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا	وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے	راز دار کسی غیر کو وہ نہ چھوڑ رکھیں گے کچھ بدخواہی میں
وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ	ان کی آرزو ہے جتنی ایذا تمہیں پہنچے	ان کی تو آرزو ہے جتنی دشواری تمہیں ہو
قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ	بیر انکی باتوں سے جھلک اٹھا۔	ان کے منہ سے انکا بغض ظاہر ہو چکا
وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ط	اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے	اور وہ جو انکے سینے میں چھپائے ہیں بہت بڑا ہے
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ٥	ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو۔	ہم نے ساری نشانیاں تمہارے لئے بیان کر دیں اگر تم عقل سے کام لو
هَا أَنْتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ	سنتے ہو یہ جو تم ہو تم تو انھیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے۔	سنو کہ ایک تو تم ہو تو تم ان کی دوستی رکھتے ہو اور وہ تمکو دوست نہیں رکھتے۔
وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ	اور حال یہ ہے کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو	اور تم کل کتاب کو مانتے ہو
وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا	اور وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔	اور وہ جب تم سے ملے تو کہدیا کہ ہم بھی مان چکے
وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ط	اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے	اور جب الگ ہوئے تو چبا ڈالا تم پر انگلیوں کو غصہ سے
قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ	تم فرما دو کہ مر جاؤ اپنی گھٹن میں	کہدو کہ مر جاؤ اپنی جلن میں
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ٥	اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات	بیشک اللہ جانتا ہے سینوں والی باتوں کو
إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ	تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انھیں برا لگے	اگر تمکو فائدہ ہو تو برا لگے انکو۔
وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا	اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں	اور اگر تمکو کوئی نقصان پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوں

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا	اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا	اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری سے کام لیتے رہو تو نہ بگاڑ سکے گا تمہارا ان کا مکر کچھ۔
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ ۳	بیشک انکے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں۔	بے شک اللہ انکے کرتوتوں کو گھیرنے والا ہے
وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ	اور یاد کرو اے محبوب جب تم صبح کو اپنے دولت خانہ سے برآمد ہوئے۔	اور یاد کرو جب تم صبح کو نکلے اپنے گھر سے
تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ	مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کرتے	کہ بٹھا دو مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں پر
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝	اور اللہ سنتا جانتا ہے	اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔
اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا	جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوکہ نامردی کرجائیں	جبکہ قصد کرلیا تھا تمہارے دو گروہوں نے کہ بزدلی کرجائیں
وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ	اور اللہ ان کا سنبھالنے والا ہے	جبکہ اللہ ان دونوں کا مددگار ہے
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝	اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے۔	اور اللہ ہی پہ ایمان والے بھروسہ رکھیں
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ	اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔	اور بے شک مدد دی تم کو اللہ نے بدر میں جبکہ تم بے سروسامان ہو
فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝	تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکرگزار ہو۔	تو ڈرو اللہ کو کہ اب شکرگذار ہوجاؤ
اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ	جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں	جب تم کہہ رہے تھے مسلمانوں کو کہ کیا تمہیں کافی نہیں
اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝	کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار فرشتہ اتار کر	کہ مدد فرمائے تمہاری تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہوں
بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا	ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر کرو وتقویٰ کرو	ہاں ہاں اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو
وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ	اور کافر اسی دم تم پہ آپڑیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا	اور سب دشمن آپڑیں تم پر اسی دم تو مدد کریگا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار نشانی والے فرشتوں سے
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ	اور یہ فتح اللہ نے نہ کی مگر تمہاری خوشی کے لئے	اور نہیں کیا اس کو اللہ نے مگر خوش کرنیکو تمہیں۔
وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ	اور اسی لئے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے۔	اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوجائیں۔
وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝	اور مدد نہیں مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے	اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کے پاس سے غلبہ والا حکمت والا
لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا	اس لئے کہ کافروں کا ایک حصہ کاٹ دے	تاکہ کاٹ دے ایک کنارہ ان کا جنھوں نے کفر کیا۔
اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝	یا انہیں ذلیل کردے کہ نامراد پھر جائیں۔	یا ان کو ذلیل وخوار کردے تو وہ لوٹیں نامراد ہوکر
لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ	یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں۔	نہیں ہے تمہاری ذمہ داری اس بارے میں کچھ
اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ	یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے	کہ یا اللہ توبہ کرائے ان سے یا عذاب دے انکو
فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝	کہ وہ ظالم ہیں۔	کیونکہ وہ سب ظالم ہیں۔
وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ	اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے	اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

يَغْفِرُ مَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے	بخشے جسے چاہے اور عذاب دے جس کو چاہے
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع ۴	اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے	اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا	اے ایمان والو سود دونا دون نہ	اے ایمان والو مت کھاؤ سود
اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	کھاؤ۔ اور اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے۔	دونا دون اور اللہ کو ڈرو کہ اب مراد کو پا جاؤ
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝	اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار رکھی ہے	اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝	اور اللہ و رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کئے جاؤ	اور فرمانبرداری کرو اللہ اور رسول کی کہ اب تم رحم کئے جاؤ
وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ	اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی طرف	اور تیزی کرو بخشش کی طرف اپنے رب کی
وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ	اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان و زمین آجائیں	اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی ہے سارے آسمان او[ر] زمین کی
اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝	پرہیز گاروں کے لئے تیار رکھی ہے۔	تیار رکھی گئی ہے پرہیز گاروں کے لئے
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ	وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں	جو خرچ کریں خوشحالی میں اور تنگدستی میں
وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ	اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے	اور پی جانے والے غصہ کو اور معافی دینے والے لوگوں [کو]
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝	اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں	اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً	اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی	اور وہ جو کر گذرے کوئی بیحیائی
اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ	یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے	یا ظلم کر بیٹھے اپنے اوپر تو یاد کیا اللہ کو
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ	اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔	پھر بخشش چاہی اپنے گناہوں کی
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ	اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے	اور کون بخشے گناہ سوا اللہ کے۔
وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝	اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں۔	اور اصرار نہ کیا اس پر جو کر گذرے دیدہ و دانستہ
اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ	ایسوں کو بدلہ انکے رب کی بخشش	وہ ہیں کہ بدلہ انکا بخشش ہے انکے پروردگار کی
وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	اور جنتیں ہیں۔ جنکے نیچے نہریں رواں	اور جنتیں ہیں۔ بہتی ہیں جنکے نیچے نہریں۔
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝	ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیوں کا کیا اچھا نیگ ہے	اسمیں ہمیشہ رہنے والے اور کیا خوب اجر ملے گ[ا] کارگذاروں کا
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ لا	تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آچکے ہیں	ہو چکے ہیں تم سے پہلے بھی کچھ طریقے
فسیروفی الارض فانظروا	تو زمین میں چل کر دیکھو۔	تو زمین کی سیر کرو پھر دیکھو۔
کیف کان عاقبۃ المکذبین ۝	کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا	کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا
ھذا بیان للناس وھدی	یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا	یہ صاف بات ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت
وموعظۃ للمتقین ۝ ولا تھنوا	اور پرہیز گاروں کو نصیحت ہے اور نہ سستی کرو	اور نصیحت ہے پرہیز گاروں کے لئے اور نہ س[ست]...
ولاتحزنوا وانتم الاعلون	اور نہ غم کھاؤ تمہیں غالب آؤ گے	اور نہ رنج کرو تمہیں بلند اور غالب ہو۔
ان کنتم مومنین ع ان یمسسکم قرح	اگر ایمان رکھتے ہو اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی	اگر ہو تم ایمان والے۔ اگر لگے تم کو زخم
فقد مس القوم قرح مثلہ ط	تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں۔	تو بے شک لگ چکا ہے تو م دشمن کو بھی اسیطرح کا ز[خم]
وتلک الایام نداولھا بین الناس	اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں	اور یہ ایام ہم باری باری پھیرتے انکو لوگوں میں

ولیعلم اللہ الذین اٰمنوا	اور اس لئے کہ اللہ پہچان کرادے ایمان والوں کی	تاکہ معلوم کرادے اللہ انکو جو ایمان لائے
ویتخذ منکم شھداء	اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے	اور بنائے تم میں سے کچھ شہادت والے
واللہ لا یحب الظلمین ۵	اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو	اور اللہ نہیں پسند فرماتا ظالموں کو
ولیمحص اللہ الذین اٰمنوا	اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کا نکھار کردے	اور تاکہ خالص کھرا کردے اللہ انکو جو ایمان لائے
ویمحق الکفرین ۵ ام حسبتم	اور کافروں کو مٹا دے۔ کیا اس گمان میں ہو کہ	اور مٹا ڈالے کافروں کو۔ کیا تم نے خیال کر رکھا ہے
ان تدخلوا الجنۃ۔	جنت میں چلے جاؤگے۔	کہ جنت میں جاؤگے۔
ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا	اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا	اور ابھی معلوم کرائے گا اللہ انھیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا
منکم ویعلم الصٰبرین ۵	اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔	اور ابھی معلوم کرائیگا صبر کرنے والوں کو
ولقد کنتم تمنون الموت	اور تم تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔	اور تم بڑی آرزو رکھتے تھے مرنے کی
من قبل ان تلقوہ ص	اس کے ملنے سے پہلے	قبل اسکے کہ موت سے ملو
فقد رأیتموہ وانتم تنظرون ۵	تو اب وہ تمہیں نظر آئی آنکھوں کے سامنے	تو اب تو تم نے اسکو دیکھ لیا اپنی نظر سے

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

امام احمد رضا

امام احمد رضا علیہ الرحمہ
کے اس شعر پر ہمارا کامل یقین ہے ۔ اور اسی
یقین کو سینے میں دبائے ہم وابستگان سلسلۂ
اشرفیہ آگے بڑھ رہے ہیں ۔

فقیہ اعظم ہندوستان احمد رضا تم ہو
مقام فقہ میں عرش آستاں احمد رضا تم ہو

امام احمد رضا کی پیاری پیاری باتیں [1]

امام احمد رضا اور سراج الفقہا [2]

امام احمد رضا اور صدر الافاضل [3]

امام احمد رضا کی فقاہت [4]

امام احمد رضا کا فقہی مقام [5]

امام احمد رضا اور سہولیات شرعیہ [6]

امام احمد رضا فقیہ ہندوستان [7]

امام احمد رضا کی
پیاری پیاری باتیں

از افادات عالیہ امام احمد رضا فاضل بریلوی

سوال۔ کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے۔

ارشاد۔ غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے

سوال۔ سفر کے لئے کون کون دن مخصوص ہیں۔

ارشاد۔ پنجشنبہ، شنبہ، دوشنبہ۔ حدیث شریف میں ہے بروز شنبہ قبل طلوع آفتاب جو کسی حاجت کی طلب میں نکلے اس کا ضامن میں ہوں۔ اسی سلسلہ تقریر میں فرمایا بحمد اللہ دو کر بار کی حاضری حرمین طیبین یہاں سے جانے اور وہاں سے واپس آنے میں انھیں تین دنوں میں سے ایک دن میں روانگی ہوئی تھی۔ اور بفضلہ تعالےٰ فقیر کا یوم ولادت بھی شنبہ ہے۔

سوال:۔ حضور میرے بھتیجہ پیدا ہوا ہے۔ اس کا کوئی تاریخی نام تجویز فرمائیں۔

ارشاد۔ تاریخی نام سے کیا فائدہ نام وہ ہوں جن کے احادیث میں فضائل آئے ہیں۔ میرے اور میرے بھائیوں کے جتنے لڑکے پیدا ہوئے میں نے سب کا نام محمد رکھا یہ اور بات ہے کہ یہی نام تاریخی بھی ہو جائے۔ حامد رضا خاں کا نام محمد ہے اور ان کی ولادت سنہ ۱۲۹۲ھ میں ہوئی۔ اور اس نام مبارک کے عدد بھی بانوے ہیں۔ ایک دقت تاریخی نام میں یہ ہے کہ اسمائے حسنیٰ سے ایک یا دو جن کے اعداد موافق عدد نام قادری ہوں عدد نام دو چند کر کے پڑھے جاتے ہیں وہ قادری کو اسم اعظم کا فائدہ دیتے ہیں۔ تاریخی نام سے مقدار بہت زیادہ ہو جائے گی۔

مثلاً اگر کسی کی ولادت اس سنہ ۱۳۲۹ھ میں ہوئی تو اس کے مطابق عدد کے اسماء حسنیٰ ۲۶۵۸ بار پڑھے جائیں گے اور محمد نام ہوتا تو ایک سو چوراسی بار دونوں میں کس قدر فرق ہوا۔ (پھر اس نام اقدس کے فضائل میں یہ چند حدیثیں ذکر فرمائیں)

ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو میری محبت کی وجہ سے اپنے لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ باپ اور بیٹے دونوں کو بخشے گا۔ ایک روایت میں ہے قیامت کے دن ملائکہ کہیں گے کہ جن کا نام محمد یا احمد ہے جنت میں چلے جاؤ۔ ایک روایت میں ملائکہ اس گھر کی زیارت کو آتے ہیں جس میں کسی کا نام محمد یا احمد ہے۔ ایک روایت میں ہے جس مشورے میں اس نام کا آدمی شریک ہو اس میں برکت رکھی جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے تمہارا کیا نقصان ہے کہ تمہارے گھروں میں دو یا تین محمد ہوں۔

سوال:۔ عورتوں کی نماز باریک کپڑوں سے ہوتی ہے یا نہیں۔

ارشاد:۔ آزاد عورتوں کو سر سے پاؤں تک تمام بدن کا چھپانا فرض ہے مگر چہرہ یعنی پیشانی سے تھوڑی اور ایک کنپٹی سے دوسری کنپٹی تک (جس میں سر کے بالوں یا کان کا کوئی حصہ داخل نہیں نہ تھوڑی کے نیچے کا) یہ تو بالاتفاق نماز میں چھپانا فرض ہے اور گٹوں تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں تک دونوں پاؤں ان میں اختلاف روایت ہے ان کے سوا اگر کسی عضو کا چوتھائی حصہ نماز میں قصداً کھولے اگرچہ ایک آن کو یا بلا قصد بقدر ادائے رکن یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی دیر تک کھلا رہے تو نماز نہ ہوگی۔ اور باریک کپڑے جن سے بدن نظر آئے یا رنگت دکھائی دے یا سر کے بالوں کی سیاہی چمکے نماز نہ ہوگی۔

سوال۔ اس وقت وہ حافظ صاحب حاضر ہیں جنھوں نے اس وہابی خیال کا شخص کو پیش کیا تھا۔ علم غیب میں کچھ دریافت کیا تھا۔ حضور وہ شخص جب یہاں سے گیا تو راستہ ہی میں کہنے لگا کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم کی باتیں میرے دل نے قبول کیں اور اب میں انشاء اللہ تعالےٰ ان کا مرید ہوں گا۔

ارشاد۔ دیکھو نرمی میں جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے اگر اس شخص پر سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہیں ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔ یہ جو وہابیہ میں بڑے

بارے میں ان سے بھی ابتداً بہت نرمی کی گئی ہے مگر چونکہ ان کے دلوں میں خباثت راسخ ہوگئی تھی۔ اور مصداق ثم لا یعودون ہو چکے تھے اس لئے حق نہ مانا اس وقت سختی کی گئی کہ رب عزوجل فرماتا ہے۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیھم۔ اے نبی جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے۔ ولیجدوا فیکم غلظۃ لازم ہے کہ وہ تم میں درشتی پائیں۔ ایک شخص خدمت اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ میرے لئے زنا حلال فرما دیجئے۔ صحابہ کرام نے انھیں قتل کرنا چاہا کہ خدمت اقدس میں سخت گستاخی کے الفاظ کہے۔ حضور نے منع فرمایا اور ان سے فرمایا قریب آؤ۔ وہ قریب حاضر ہوئے اور قریب فرمایا۔ یہاں تک کہ ان کے زانو زانوئے اقدس سے مل گئے۔ اس وقت ارشاد فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے زنا کرے عرض کی نہ فرمایا تیری بیٹی سے عرض کی نہ فرمایا تیری بہن سے عرض کی نہ فرمایا تیری پھوپھی سے عرض کی نہ فرمایا تیری خالہ سے عرض کی نہ۔ فرمایا جس سے تو زنا کرے گا آخر وہ بھی کسی کی ماں یا بیٹی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ ہوگی یعنی جو بات اپنے لئے نہیں پسند کرتا دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے۔

دست اقدس ان کے سینے پر مار کر دعا فرمائی کہ الٰہی زنا کی محبت اس کے دل سے نکال دے۔ وہ صاحب کہتے ہیں جب میں حاضر ہوا تھا تو زنا سے زیادہ محبوب میرے نزدیک کوئی چیز نہ تھی اور اب اس سے زیادہ کوئی چیز مجھے مبغوض نہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمھاری مثال ایسی ہے جیسے کسی کا اونٹ بھاگ گیا۔ لوگ اس کو پکڑنے کو اس کے پیچھے دوڑتے ہیں جتنا دوڑتے ہیں وہ زیادہ بھاگتا ہے۔ اس کے مالک نے کہا کہ تم لوگ ٹھہر جاؤ۔ اس کی راہ میں جانتا ہوں۔ سبز گھاس کا ایک مٹھا لے کر چمکارتا ہوا اونٹ کے قریب گیا اور اسے پکڑ لیا اور بٹھا کر اس پر سوار ہولیا۔

فرمایا اگر اس وقت تم اس کو قتل کر دیتے تو جہنم میں جاتا۔

سوال۔ حضور میرے کچھ روپے ایک صاحب پر ہیں وہ نہیں دیتے۔

ارشاد۔ اس زمانہ میں قرض دینا اور یہ خیال کرنا کہ وصول ہو جائے گا۔ ایک مشکل خیال ہے۔ میرے پندرہ سو روپے لوگوں پر قرض ہیں۔ جب قرض دیا یہ خیال کر لیا کہ دیدیئے تو خیر ورنہ طلب نہ کروں گا۔ جن صاحبوں نے قرض لیا دینے کا نام نہ لیا (پھر خود ہی فرمایا) جب یوں قرض دیتا ہوں تو ہبہ کیوں نہیں کر دیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا۔ جب کسی کا دوسرے پر دین ہو اور اس کی میعاد گذر جائے تو ہر روز اسی قدر روپیہ کی خیرات کا ثواب ملتا ہے۔ جتنا دین ہے۔ اس ثواب عظیم کے لئے میں نے قرض دیئے ہبہ نہ کئے کہ پندرہ سو روپے روز میں کہاں سے خیرات کرتا۔

سوال۔ حضور حافظ کتنوں کی شفاعت کرے گا سنا گیا ہے کہ اپنے اعزا میں [illegible] شخصوں کی۔

ارشاد۔ ہاں اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس [illegible] مشرق سے مغرب تک روشن ہو جائے۔ اور شہید پچاس شخصوں کی، حاجی [illegible] اور علماء بے گنتی لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ حتیٰ کہ عالم کے ساتھ جن لوگوں کو کچھ بھی تعلق ہوگا اس کی شفاعت کریں گے۔ کوئی کہے گا میں نے وضو کو پانی دیا تھا۔ کوئی کہے گا میں نے فلاں کام کیا تھا۔ لوگوں کا حساب ہوتا جائے گا اور وہ جنت میں بھیجے جائیں گے۔

علماء کا حساب کب کا ہو چکا ہوگا۔ اور وہ روکے جائیں گے عرض کریں گے [illegible] لوگ جا رہے ہیں ہم کیوں روکے گئے ہیں۔ فرمایا جائے گا۔ تم آج میرے [illegible] فرشتوں کی مانند ہو۔ شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت سے لوگ بخشے جائیں گے۔ ہر سنی عالم سے فرمایا جائے گا اپنے شاگردوں کی شفاعت کر اگرچہ آسمان کے ستاروں کے برابر ہوں۔

سوال۔ عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں، باپ، نانا، نانی، دادی، دادا، ماموں، چچا [illegible] کھائیں یا نہیں

ارشاد۔ سب کھا سکتے ہیں کلوا وتصدقوا وادخروا العقود الدریۃ میں [illegible] احکامھا احکام الاضحیۃ

سوال۔ کیا عدت کے اندر بھی نکاح ہو سکتا ہے

ارشاد۔ عدت میں نکاح تو نکاح نکاح کا پیام بھی دینا حرام ہے

سوال۔ حضور نوشہ کا وقت نکاح سہرا باندھنا نیز باجے گاجے سے جلوس کے ساتھ نکاح کو جانا شرعاً کیا رکھتا ہے۔

ارشاد۔ خالی پھولوں کا سہرا جائز ہے اور یہ باجے جو شادی میں رائج و معمول ہیں سب حرام و ناجائز ہیں

سوال۔ حضور ولیمہ کا کھانا شریعت کے کس حکم میں داخل ہے اور اس کا تارک [illegible]

ارشاد۔ ولیمہ بعد زفاف سنت اور اس میں صیغۂ امر بھی وارد ہے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ ولیمہ کرو اگرچہ ایک ہی دنبہ یا اگرچہ ایک دنبہ دونوں معنی محتمل ہیں اور اول اظہر

سوال۔ جس شہر کے لوگوں میں سے ایک بھی ولیمہ نہ کرتا ہو بلکہ نکاح سے پہلے [illegible] روز جیسا رواج ہے کھلا دیتا ہے تو ان سب کیلئے کیا حکم ہے

ارشاد۔ تارکان سنت ہیں مگر یہ سنن مستحبہ سے ہے۔ تارک گنہ گار نہ ہوگا۔ اگر [illegible] حق نہ جانے۔

سوال۔ کیا حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں ایک ہزار برس قیام فرمایا

ارشاد۔ نہیں بلکہ تقریباً سولہ سو برس تک تشریف فرما ہے۔

سوال۔ اس شخص پر جو قصاص میں قتل کیا گیا نماز پڑھی جائے

ارشاد۔ ہاں! خودکشی کرنے والے اور اپنے ماں باپ کو قتل کرنے والے اور باغی ڈاکو کہ ڈاکہ میں مارا گیا ان کے جنازہ کی نماز نہیں۔

سوال۔ کھانا کھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے۔

ارشاد۔ داہنا پاؤں کھڑا ہوا اور بایاں بچھا ہوا اور روٹی بائیں ہاتھ میں لیکر داہنے ہاتھ سے توڑنا چاہئے۔ ایک ہاتھ سے توڑ کر کھانا اور دوسرا ہاتھ نہ لگانا عادت متکبرین ہے۔

سوال۔ قیامت کب ہوگی اور ظہور امام مہدی کب

ارشاد۔ قیامت کب ہوگی اسے اللہ تعالی جانتا ہے اور اس کے بتائے سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت ہی کا ذکر کرکے ارشاد فرماتا ہے
عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ اللہ غیب کا جاننے والا ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے امام قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی کہ اس غیب سے مراد قیامت ہے جس کا اوپر کی متصل آیت میں ذکر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے بعض علماء کرام نے بملاحظہ احادیث حساب لگایا کہ یہ امت سن ہزار ہجری سے آگے نہ بڑھے گی۔ امام سیوطی نے اس کے انکار میں رسالہ لکھا الکشف عن تجاوز ھذہ الامۃ الالف اس سے ثابت کیا کہ یہ امت ایکہزار سنہ ھ سے آگے ضرور بڑھے گی امام جلال الدین کی وفات سنہ ۹۱۱ھ میں ہے۔ آپ نے حساب سے خیال فرمایا کہ سنہ ۱۳۰۰ھ میں خاتمہ ہوگا بحمد اللہ تعالی اسے بھی ۲۶ برس گذر گئے اور ہنوز قیامت تو قیامت اشراط کبری میں سے کچھ نہ آیا امام مہدی کے بارے میں احادیث بکثرت اور متواتر ہیں مگر ان میں کسی وقت کا تعیین نہیں اور بعض علوم کے ذریعہ سے مجھے ایسا خیال گذرتا ہے کہ شاید سنہ ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے اور سنہ ۱۹۰۰ھ میں حضرت امام مہدی ظہور فرمائیں

سوال۔ میلاد شریف میں جھاڑ فانوس فروش وغیرہ سے زیب وزینت اسراف ہے یا نہیں

ارشاد۔ علماء فرماتے ہیں لا خیر فی الاسراف ولا اسراف فی الخیر جس شے سے تعظیم ذکر شریف مقصود ہو ہرگز ممنوع نہیں ہو سکتی۔ امام غزالی نے احیاء العلوم شریف میں سید ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ ایک بندۂ صالح نے مجلس ذکر شریف ترتیب دی اور اس میں ایک ہزار شمعیں روشن کیں ایک شخص ظاہر بیں پہونچے اور یہ کیفیت دیکھ کر واپس جانے لگے۔ بانی مجلس نے ہاتھ پکڑا اور اندر لیجا کر فرمایا کہ جو شمع میں نے غیر خدا کیلئے روشن کیں۔ بجھا دیجئے۔ کوششیں کی جاتی تھیں اور کوئی شمع ٹھنڈی نہ ہوئی۔

سوال۔ تحیۃ الوضوء کی کیا فضیلت ہے۔

ارشاد۔ ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ سے ارشاد فرمایا۔ اے بلال کیا سبب ہے کہ میں جنت میں تشریف لے گیا تو تم کو آگے آگے جاتے دیکھا۔ عرض کی یا رسول اللہ جب میں وضو کرتا ہوں دو رکعت نماز نفل پڑھ لیتا ہوں فرمایا یہی سبب ہے۔

سوال۔ حضور ایک بی بی تنہا حج کرنا چاہتی ہیں اور سفر خرچ قلیل اور خود علیل اس صورت میں کیا حکم ہے۔

ارشاد۔ عورت کو بغیر محرم حج کو جانا جائز نہیں

سوال۔ حضور طلب اور بیعت میں کیا فرق ہے

ارشاد۔ طالب ہونے میں صرف طلب فیض ہے اور بیعت کے معنی پورے طور سے بکنا۔ بیعت اس شخص سے کرنا چاہئے جس میں یہ چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔

اولاً سنی صحیح العقیدہ ہو ثانیاً کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔ ثالثاً اس کو سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔ کہیں منقطع نہ ہو۔ رابعاً فاسق معلن نہ ہو۔ (اسی سلسلہ بیان میں ارشاد ہوا کہ) لوگ بیعت بطور رسم ہوتے ہیں بیعت کے معنی نہیں جانتے بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحیٰی منیری کے ایک مرید دریا میں ڈوب رہے تھے حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے۔ اور فرمایا اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں۔ ان مرید نے عرض کی یہ ہاتھ حضرت یحیی منیری کے ہاتھ میں دے چکا ہوں اب دوسرے کو نہ دوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام غائب ہوگئے اور حضرت یحیی منیری ظاہر ہوئے۔ اور ان کو نکال لیا۔

سوال۔ آمدنی کی قلت اور اہل وعیال کی کثرت سخت کلفت ہے

ارشاد۔ یا مسبب الاسباب۔۔ ۵۰۰ بار اول وآخر ۱۱ بار درود شریف بعد نماز عشاء قبلہ رو باوضو، ننگے سر ایسی جگہ کہ جہاں سر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو یہاں تک کہ سر پر ٹوپی بھی نہ ہو پڑھا کرو

سوال۔ قبرستان میں جوتہ پہن کر جانے کا کیا حکم ہے

ارشاد۔ حدیث میں فرمایا تلوار کی دھار پر پاؤں رکھنا مجھے اس سے آسان ہے کہ مسلمان کی قبر پہ پاؤں رکھوں۔ دوسری حدیث میں فرمایا اگر میں انگارے پہ پاؤں رکھوں یہاں تک کہ وہ جوتے کا تلا توڑ کر میرے تلوے تک پہونچ جائے تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پہ پاؤں رکھوں۔ یہ وہ

فرماتے ہیں کہ واللہ اگر مسلمان کے سر اور سینے اور آنکھ پر قدم اقدس رکھ دیں تو اسے دونوں جہان کا چین بخش دیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح القدیر اور طحطاوی اور رد المحتار میں ہے المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام۔

قبرستان میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے کہ وہ ضرور قبروں پر ہوگا۔ بخلاف راہ قدیم کے کہ قبریں اسے چھوڑ کر بنائی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک صاحب قبرستان میں جوتا پہن کر نکلے فرمایا یا صاحب السبتیتین الق سبتیتیک لا تؤذ صاحب القبر ولا یوذیک۔ اے بال صاف کئے ہوئے جوتے والے اپنے جوتے پھینک نہ تو صاحب قبر کو ستا نہ وہ تجھے ستائے ایک شخص کو لوگ دفن کر کے چلے گئے منکر نکیر نے سوال شروع کیا

ایک شخص جوتا پہنے اس طرف سے نکلا اس کے جوتے کی آواز سن کر مردہ اس طرف متوجہ ہوا اور قریب تھا کہ جو سوال منکر نکیر کر رہے تھے اس کے جواب سے قاصر رہتا۔ مرنے کے بعد زندگی سے کہیں زاید ادراک ہو جاتا ہے

غزوۂ بدر شریف میں مسلمانوں نے کفار کی نعشیں جمع کر کے ایک کنوئیں میں پاٹ دیں، حضور کی عادت کریمہ تھی جب کسی مقام کو فتح فرماتے تو وہاں تین دن قیام فرماتے تھے۔ یہاں سے تشریف لیجاتے وقت اس کنوئیں پر تشریف لے گئے جس میں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں اور انھیں نام بنام آواز دے کر فرمایا۔ ہمنے تو پالیا جو ہم سے ہمارے رب نے سچا وعدہ (یعنی نصرت کا) فرمایا تھا کیوں تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ (یعنی نار کا) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ احیاً والاہ واح فیھا یا رسول اللہ کیا حضور بے جان جثوں سے کلام فرماتے ہیں فرمایا ما انتم باسمع منھم تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں تو کافر تک سنتے ہیں مومن تو مومن ہے اور پھر اولیاء کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے (پھر فرمایا) روح ایک پرندہ ہے اور جسم پنجرہ۔ پرند جس وقت تک پنجرہ میں ہے اس کی پرواز اسی قدر ہے رجب پنجرہ سے نکل جائے اس وقت اس کی قوت پرواز دیکھئے (فرمایا) اپنے مردوں کو بزرگوں کے پاس دفن کرو کہ ان کی برکت کے سبب ان پر عذاب نہیں کیا جاتا ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سبب ان کا ہم نشیں بھی بد بخت نہیں ہوتا۔ ولہذا حدیث میں فرمایا ادفنوا موتاکم وسط قوم صالحین اپنے مردوں کو نیکوں کے درمیان دفن کرو۔ میں نے حضرت میاں صاحب قبلہ قدس سرہ کو فرماتے سنا

ایک جگہ کوئی قبر کھل گئی اور مردہ نظر آنے لگا۔ دیکھا کہ گلاب کی دو شاخیں اس کے بدن سے لپٹی ہیں اور گلاب کے دو پھول اس کے نتھنوں پر رکھے ہیں اس کے عزیزوں نے اس خیال سے کہ یہاں قبر پانی کے صدمے سے کھل گئی۔ دوسری جگہ قبر کھود کر اس میں رکھیں۔ اب جو دیکھیں تو دو اژدہے اس کے بدن سے لپٹے اپنے پھنوں سے اس کا منہ بھنبھوڑ رہے ہیں۔ حیران ہوئے کسی صاحب دل سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا وہاں بھی یہ اژدھا ہی تھے مگر ایک ولی اللہ کے مزار کا قرب تھا۔ اس کی برکت سے وہ عذاب رحمت ہو گیا تھا۔ اژدھے درخت گل کی شکل ہوئے تھے اور ان کے پھن گلاب کے پھول۔ اس کی خیریت چاہو تو وہیں لے جا کر دفن کر دو۔ وہیں لیجا کر رکھا پھر وہی گلاب کے پھول۔

ایک بار حضرت سیدی اسماعیل حضرمی قدس سرہ العزیز کہ اجلۂ اولیاء کرام سے ہیں ایک قبرستان میں گزرے امام محب الدین طبری کہ اکابر محدثین سے ہیں ہمراہ رکاب تھے۔ حضرت سیدی اسماعیل نے ان سے فرمایا اتؤمن بکلام الموتیٰ کیا اس پر آپ ایمان لاتے ہو کہ مردے زندوں سے کلام کرتے ہیں عرض کی ہاں فرمایا اس قبر والا مجھ سے کہہ رہا ہے انا من حشو الجنۃ میں جنت کی بھرتی میں سے ہوں آگے چلے وہاں چالیس قبریں تھیں، آپ بہت دیر تک روتے رہے۔ یہاں تک کہ دھوپ چڑھ گئی۔ اس کے بعد آپ ہنسے اور فرمایا تو بھی انھیں میں سے ہے لوگوں نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کی۔ حضرت یہ کیا راز ہے ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ فرمایا ان قبور پر عذاب ہو رہا تھا جسے دیکھ کر میں روتا رہا اور حضرت عزت میں میں نے ان کی شفاعت کی۔ مولیٰ تعالیٰ نے میری شفاعت قبول فرمائی۔ اور ان سے عذاب اٹھا لیا ایک قبر گوشے میں تھی جس کی طرف میرا خیال نہ گیا تھا اسمیں سے آواز آئی یا سیدی انا منھم انا فلانۃ المغنیہ اے میرے آقا میں بھی انھیں میں سے ہوں میں فلاں ڈومنی ہوں مجھے اس کے کہنے پہ ہنسی آگئی۔ اور میں نے کہا انت منھم تو بھی انھیں میں ہے اس پر سے عذاب اٹھا لیا گیا تو یہ حضرات سراپا رحمت ہیں جس طرح گذر ہو رحمت ساتھ ہے۔

سوال۔ یہ صحیح ہے کہ شب معراج مبارک جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر پہونچے۔ نعلین پاک اتارنا چاہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادیٔ ایمن میں نعلین شریف اتارنے کا حکم ہوا تھا۔ فوراً غیب سے ندا آئی اے حبیب تمہارے مع نعلین شریف رونق افروز ہونے سے عرش کی زینت و عزت زیادہ ہوگی۔

ارشاد۔ یہ روایت محض باطل و موضوع ہے۔

سوال۔ شب معراج جب براق حاضر کیا گیا۔ حضور آبدیدہ ہوئے حضرت جبریل نے سبب پوچھا۔ فرمایا آج میں براق پر جا رہا ہوں کل قیامت کے دن میری امت برہنہ پل صراط کی راہ طے کرے گی یہ تقاضائے محبت و شفقت امت کے موافق نہیں ارشاد باری ہوا۔ یوہیں ایک ایک براق بروز حشر تمہارے ہر امتی کی قبر پہ بھیجیں گے یہ روایت صحیح ہے یا نہیں۔

ارشاد۔ بالکل بے اصل ہے ایسی ہی اور بھی بہت سی روایات بالکل بے اصل و بے ہودہ ہیں کیا کہا جائے۔

سوال۔ حضور اگر ادویات پی کر بال سیاہ ہوجائیں تو یہ بھی خضاب کے حکم میں ہے
ارشاد۔ اس میں کچھ حرج نہیں دوا کھانے سے سپید بال سیاہ نہ ہوجائینگے بلکہ وہ قوت پیدا ہوگی کہ آئندہ سیاہ نکلیں گے تو کوئی دھوکا نہ دیا گیا نہ خلق اللہ کی تبدیل کی گئی۔

سوال۔ حضور تانبے یا لوہے کی انگوٹھی کا کیا حکم ہے۔
ارشاد۔ مرد و عورت دونوں کے لئے مکروہ ہے
سوال۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ چاندی کی انگوٹھی جائز رکھی جائے جو اس سے بیش بہا ہے اور تانبے وغیرہ کی مکروہ۔
ارشاد۔ چاندی کی انگوٹھی تذکیر آخرت کے لئے جائز رکھی گئی ہے کہ سونا چاندی جنتیوں کا زیور ہے۔ تانبے وغیرہ کا وہاں کیا کام (پھر فرمایا) ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں پیتل کی انگوٹھی تھی۔ ارشاد فرمایا مالی اری فی یدك حلیۃ الاصنام کیا ہوا کہ میں تمہارے ہاتھ میں بتوں کا زیور دیکھتا ہوں۔ انہوں نے اتار کر پھینک دی۔ دوسرے دن لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوئے ارشاد فرمایا مالی اری فی یدك حلیۃ اھل النار کیا ہوا کہ تمہارے ہاتھ میں دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں۔ انھوں نے اتار کر پھینک دی اور عرض کیا یا رسول اللہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں ارشاد فرمایا اتخذہ من الورق ولا تتمہ مثقالا چاندی کی بناؤ اور ایک مثقال پوری نہ کرو۔
سوال۔ انگوٹھی کو کس ہاتھ میں پہننا چاہئے
ارشاد۔ بائیں ہاتھ میں آیا ہے اور داہنے میں بھی لیکن بہتر یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی خنصر (وہ انگلی جو چھنگلیا کے پاس ہے) میں پہنے
سوال۔ کیا خطبۂ نکاح بھی کھڑے ہو کر قبلہ رو پڑھنا چاہئے
ارشاد۔ ہاں کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور قبلہ رو ہونا کچھ ضرور نہیں سامعین کی طرف منہ ہونا چاہئے۔ خطبۂ جمعہ بھی تو قبلہ کی جانب پشت کر کے پڑھا جانا مشروع ہے۔
سوال۔ نوشہ کے اپٹن ملنا جائز ہے یا نہیں
ارشاد۔ خوشبو ہے جائز ہے۔
سوال۔ نکاح کے بعد چھوارے لٹانے کا جو رواج ہے یہ کہیں ثابت ہے یا نہیں
ارشاد۔ حدیث شریف میں لوٹنے کا حکم ہے اور لٹانے میں بھی کوئی حرج نہیں اور یہ حدیث دار قطنی و بیہقی و طحاوی سے مروی ہے
سوال۔ اگر جوان عورت سے مرد ضعیف نکاح کرنا چاہے تو خضاب سے بال سیاہ کر سکتا ہے یا نہیں
ارشاد۔ بوڑھا بیل سینگ کاٹنے سے بچھڑا نہیں ہوسکتا۔
سوال۔ حضور کی قسم کھا کر خلاف کرنے سے کفارہ لازم آئے گا یا نہیں
ارشاد۔ نہیں
سوال۔ قسم حضور کی کھانا جائز ہے
ارشاد۔ نہیں
سوال۔ کیا بے ادبی ہے
ارشاد۔ ہاں
سوال۔ جوان غیر محرم عورت کے سلام کا جواب دینا چاہئے یا نہیں
ارشاد۔ دل میں جواب دے
سوال۔ وضو کی حالت میں جھوٹ بولا یا غیبت کی یا فحش بکا تو وضو میں کوئی خرابی تو نہیں ہے
ارشاد۔ مستحب یہ ہے کہ پھر وضو کر لے اگر نماز اسی وضو سے پڑھ لی خلاف مستحب کیا۔
سوال۔ حضور یہ مشہور ہے الولایۃ افضل من النبوۃ
ارشاد۔ یوں نہیں بلکہ یوں ہے ولایۃ النبی افضل من نبوتہ نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے کہ ولایت کی توجہ الی اللہ ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق
سوال۔ حضور قرب قیامت کی علامات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں
ارشاد۔ ان کے بارے میں صحیح حدیثیں بھی آئی ہیں اور حسن وضعیف وموضوع بھی مگر دجال کا خروج امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور، حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول، آفتاب کا مغرب سے طلوع یہ سب احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ جس روز آفتاب مغرب سے نکلے گا وہی وقت در توبہ بند ہونے کا ہوگا۔ انھیں ایام میں دابۃ الارض کعبہ معظمہ کے قرب میں زمین سے نکلے گا اور گھوڑے کی طرح پھریری لیکر غائب ہوجائے گا تیسری مرتبہ جب نکلے گا تو دہنے ہاتھ میں حضرت موسی علیہ السلام کا عصا ہوگا اور بائیں ہاتھ میں سیدنا سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی جو علم الہی میں مسلمان ہوگا۔ اس کی پیشانی پر عصا سے نورانی نشان کردے گا اور جو کافر ہوگا انگشتری سے کالا داغ لگا دے گا۔
حدیث شریف میں آیا ہے ایک دسترخوان پر چند آدمی بیٹھے ہوئے کھانا کھاتے ہوں گے یہ کہے گا کہ وہ کافر ہے وہ کہے گا کہ یہ مسلمان پھر نہ کوئی مسلمان کافر ہوسکے گا اور نہ کافر مسلمان (پھر فرمایا) قیامت تین قسم ہے۔ قیامت صغری یہ موت ہے۔ مَنْ مَاتَ فقد قامت قیامتہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ دوسری قیامت وسطی وہ یہ کہ ایک قرن کے تمام لوگ فنا ہوجائیں گے اور دوسرے قرن کے نئے لوگ پیدا ہوجائیں۔ تیسری قیامت کبری وہ یہ کہ آسمان و زمین سب فنا ہوجائیں گے۔

سوال۔ سید کے لڑکے کو اس کا استاد تادیباً مار سکتا ہے یا نہیں

ارشاد۔ قاضی جو حدود الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا۔ لیکن حکم ہے سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں نیت یہ رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اس کو تو یہ حکم ہے تا بہ معلم چہ رسد۔

سوال۔ شعبان میں نکاح کرنا کیسا ہے۔

ارشاد۔ کوئی حرج نہیں ہاں یہ آیا ہے لا نکاح بین العیدین دو عیدوں کے درمیان نکاح نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جمعہ کے دن اگر عید پڑے تو ظاہر ہے کہ جمعہ و عیدین کے درمیان فرصت کہاں ہو سکتی ہے۔

سوال۔ جانوروں کو کھلانے پلانے سے ثواب ملتا ہے یا نہیں۔

ارشاد۔ ہاں حدیث میں ارشاد ہوا۔ فی کل ذات کبد رطبۃ اجر ہر تر جگر میں اجر ہے۔ ہر جاندار کو آرام پہونچانے میں ثواب ہے۔

سوال۔ حضور ایک روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص دو سو برس تک فسق و فجور میں مبتلا رہا اور بعد انتقال اس کی مغفرت فرما دی گئی اس وجہ سے کہ اس نے توریت شریف میں نام پاک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھ کر چوم لیا تھا۔

ارشاد۔ ہاں صحیح ہے ان کا نام مطیع تھا۔ پھر فرمایا اس کے کرم کی کوئی انتہا نہیں اس کی رحمت چاہے تو کروروں برس کے گناہ دھو دے۔ غلامی ہونا چاہئے۔ سرکار کی ایک نیکی سے معاف فرما دے بلکہ ان گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے اور اگر عدل فرمائے تو کروروں برس کی نیکیاں ایک صغیرہ کے عوض رد فرما دے۔ حدیث میں ارشاد ہوا کہ کوئی بغیر اللہ کی رحمت کے اپنے اعمال سے جنت میں نہیں جا سکتا صحابہ نے عرض کیا ولا انت یا رسول اللہ۔ آپ بھی نہیں یا رسول اللہ ارشاد فرمایا ولا انا ان یتغمدنی رحمتہ اور میں بھی جب تک میرا رب رحمت نہ فرمائے گناہ نہ سہی۔ استحقاق کس بات کا ہے۔ دنیا ہی کا قاعدہ دیکھئے اگر اجیر ہے مزدوری کر دے گا۔ اجرت پائیگا اور اگر عبد ہے مملوک ہے کتنی ہی خدمت کرے کچھ نہ پائیگا۔ ہم سب تو اسی کی مخلوق و مملوک ہیں۔ اسکی رحمت ہی رحمت ہے۔ آپ ہی بندوں کو توفیق دی۔ آپ ہی ان کو اسباب دئے آپ ہی آسان فرمایا اور فرماتا ہے بدلہ ہے ان کے نیک عملوں کا نیک العبد کیا۔ اچھا بندہ ہے۔ ایوب علیہ السلام کتنے عرصہ تک بلا میں مبتلا رہے اور صبر بھی کیسا جمیل فرمایا جب اس سے نجات ملی عرض کیا الٰہی میں نے کیسا صبر کیا ارشاد ہوا اور توفیق کس کے گھر سے لایا ایوب علیہ السلام نے اپنے سر پر خاک اڑائی عرض کیا بے شک اگر تو نہ عطا فرماتا تو میں صبر کہاں سے کرتا۔

سوال۔ فاسق اگر مصافحہ کرنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں

ارشاد۔ اگر وہ کرنا چاہے تو جائز ہے ابتداء نہ چاہئے

سوال۔ زمزم شریف بھی تین سانسوں میں پینا چاہئے

ارشاد۔ ہاں ہر چیز کا یہی حکم ہے حدیث میں ارشاد ہوا مصوہ مصا ولا تعبوہ عبا فان منہ الکباد۔ چوس چوس کر پیو غٹ غٹ کر کے بڑے بڑے گھونٹ نہ لگاؤ۔

سوال۔ حضور میں آجکل بہت پریشان ہوں گزر اوقات مشکل سے ہوتی ہے قرضدار بہت ہو گیا ہوں

ارشاد۔ اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک ہر نماز کے بعد ۱۱ بار اور صبح و شام سو سو بار روزانہ اول آخر درود شریف اسی دعا کی نسبت مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اگر تجھ پر مثل پہاڑ کے بھی قرض ہوگا تو اسے ادا کر دے گا۔

سوال۔ حضور رجال الغیب ملائکہ سے ہیں

ارشاد۔ نہیں جنوں یا انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔ آپ نے رجال پر خیال نہیں کیا ملائکہ پاک ہیں رجال اور نساء ہونے سے

سوال۔ رجال الغیب کیوں کہلاتے ہیں

ارشاد۔ غائب رہتے ہیں اس وجہ سے

سوال۔ عربی زبان مرنے کے وقت سے ہو جاتی ہے

ارشاد۔ اس کی بابت تو کچھ حدیث میں ارشاد نہیں ہوا۔ حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ تعالی عنہ صاحب کتاب ابریز کے شیخ فرماتے ہیں منکر نکیر کا سوال سریانی میں ہوگا اور کچھ لفظ بھی بتائے

سوال۔ عبرانی اور سریانی ایک ہی ہیں

ارشاد۔ عبرانی اور ہے سریانی اور ہے۔ عبرانی میں انجیل نازل ہوئی اور سریانی میں توریت ہے۔

سوال۔ کھانا کھاتے وقت بولنا کیسا ہے

ارشاد۔ کھانا کھاتے وقت التزام کر لینا نہ بولنے کا یہ عادت ہے مجوس کی اور مکروہ ہے اور لغو باتیں کرنا یہ ہر وقت مکروہ اور ذکر خیر کرنا یہ جائز ہے

سوال۔ نوکر نماز نہ پڑھے تو آقا پر مواخذہ ہے یا نہیں

ارشاد۔ جتنی تاکید کر سکتا ہے اتنی نہ کرے تو مواخذہ ورنہ نہیں

سوال۔ اگر لڑکی نابالغ ہو تو اس کا ولی نکاح میں کون ہو سکتا ہے

ارشاد۔ باپ اور باپ کے بعد دادا اور دادا نہ ہو تو بھائی بھائی نہ ہو تو بھتیجی بھتیجا نہ ہو تو چچا پھر چچا کا بیٹا الخ

سوال۔ نابالغ لڑکے کا باپ طلاق دے تو ہوگی یا نہیں

ارشاد۔ نہیں ہو سکتی۔

سوال۔ حضور جب اس کا نکاح کا اختیار ہے تو طلاق کا بھی ہونا چاہئے۔

ارشاد۔ نکاح کرا دینے کا مالک ہے کہ وہ نفع ہے طلاق کا نہیں کہ وہ مضر ہے۔

سوال۔ فتاوی عالمگیریہ کس کی تصنیف ہے۔

ارشاد۔ مولانا نظام الدین صاحب کی جو سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے علماء کو جمع کر کے تصنیف کرائی اور اس میں کئی لاکھ روپیہ صرف کیا کثیر کتب خانہ جمع کیا تمام کتابوں میں دیکھ دیکھ کر یہ فتاوی تصنیف ہوا۔

سوال۔ قیامت اور حشر کا فرق۔ قیامت وہ ہے جس میں سب موجودات فنا کئے جائیں گے۔ اور حشر میں پھر از سرِ نو پیدا کئے جائیں گے اگر برزخ کا زمانہ قیامت حشر تک کے زمانہ کا کوئی نام ہے یا نہیں اور قیامت کے کتنے عرصہ بعد حشر ہوگا۔

ارشاد۔ وہ ساعت ہے کبھی اسے بھی قیامت کہتے ہیں ورنہ قیامت و حشر ایک ہیں ساعت و حشر کے درمیان جو زمانہ ہے اسے ما بین النفختین کہتے ہیں حشر چالیس برس بعد ہوگا۔

سوال۔ درجات فقر ترتیب وار ارشاد ہوں کہ جب طالب سلوک کی راہ چلتا ہے تو اول کون سا درجہ حاصل ہوتا ہے پھر کون سا۔

ارشاد۔ صلحاء۔ سالکین۔ قانتین واصلین اب ان واصلوں کے مراتب ہیں نجباء۔ نقباء۔ ابدال بدلا۔ اوتاد۔ امامین۔ غوث۔ صدیق۔ نبی رسول۔ تین پہلے سیر الی اللہ کے ہیں۔ باقی سیر فی اللہ کے اور ولی ان سب کو شامل ہے

سوال۔ تفریحاً جھولا جھولنا کیسا ہے

ارشاد۔ شارع عام پر نہ ہو مکان میں ہو کچھ حرج نہیں یہ تو بدن کی ریاضت ہے بعض امراض میں اطباء مفید بتلاتے ہیں

سوال۔ حضور عورتوں کو بھی جائز ہے

ارشاد۔ کوئی نامحرم نہ ہو اور گھر کے اندر ہوں اور گانا نہ گائیں تو ان کے واسطے بھی جائز۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ مجھے اپنے نکاح کی کوئی خبر نہ تھی۔ میں اپنے مکان میں جھولا جھول رہی تھی کہ میری ماں مجھ کو اٹھا کر لے گئیں۔

سوال۔ حضور والا یہ صحیح ہے کہ کعبہ معظمہ جنت میں جائیگا

ارشاد۔ ہاں کعبہ معظمہ اور تمام مساجد

سوال۔ اور حضور روضۂ اقدس

ارشاد۔ روضۂ اقدس افضل ہے یا کعبہ

سوال۔ روضۂ اقدس

ارشاد۔ پھر جب مفضول ہو جائیگا تو افضل کے جانے میں کیا شبہ صرف روضۂ اقدس ہی نہیں بلکہ تربتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی۔

سوال۔ حضور قبرستان میں باآواز بلند قرآن عظیم پڑھنا کیسا ہے

ارشاد۔ ایسی آواز سے پڑھنا مستحسن ہے کہ اموات سنیں اور ان کا دل بہلے نہ اتنی کریہہ آواز سے کہ مردے کو بھی پریشان کرے۔

سوال۔ وقت دفن اذان کیوں کہی جاتی ہے

ارشاد۔ دفع شیطان کے لئے حدیث میں ہے۔ اذان جب ہوتی ہے۔ شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے۔ الفاظ حدیث میں یہ ہے کہ روحا تک بھاگتا ہے اور روحا مدینہ طیبہ سے ۳۶ میل ہے اور وہ وقت ہوتا ہے دخل شیطان کا جس وقت منکر نکیر سوال کرتے ہیں من ربک تیرا رب کون ہے۔ یہ لعین دور سے اشارہ کرتا ہے اپنی طرف کہ مجھ کو کہہ دے جب اذان ہوتی ہے بھاگ جاتا ہے وسوسہ نہیں ہوتا۔ پھر سوال کرتے ہیں ما دینک تیرا دین کیا ہے۔ اس کے بعد سوال کرتے ہیں ما تقول فی ھذا الرجل ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اب نہ معلوم سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی اور چونکہ امتحان کا وقت ہے۔ اس لئے ھذا النبی نہ کہیں گے ھذا الرجل کہیں گے۔

سوال۔ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں

ارشاد۔ جمہور کا مذہب یہی ہے اور صحیح بھی یہی ہے کہ وہ نبی ہیں۔ زندہ ہیں خدمت بحر انہیں سے متعلق ہے اور الیاس علیہ السلام بر (خشکی) میں ہیں (پھر فرمایا) چار نبی زندہ ہیں کہ ان کو وعدۂ الٰہی ابھی آیا نہیں۔ یوں تو ہر نبی زندہ ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ۔ بے شک اللہ نے حرام کیا زمین پر کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسموں کو خراب کرے تو اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر ایک آن کو محض تصدیق وعدۂ الٰہیہ کے لئے موت طاری ہوتی ہے۔ بعد اس کے پھر ان کو حیات حقیقی حسی دنیوی عطا ہوتی ہے۔ خیر ان چاروں میں سے دو آسمان پر ہیں اور دو زمین پر خضر و الیاس علیہما السلام زمین پر ہیں اور ادریس و عیسیٰ علیہما السلام آسمان پر۔

سوال۔ حضور ان پر بھی موت طاری ہوگی

ارشاد۔ ضرور کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ (پھر فرمایا) جب یہ آیت نازل ہوئی کُلُّ مَنْ

عَلَیْھَا فَانٍ ۝ جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہوں گے فرشتے خوش ہوئے کہ ہم بچے کہ ہم زمین پر نہیں۔ جب دوسری آیت نازل ہوئی کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ۔ ملٰئکہ نے کہا اب ہم بھی گئے۔

سوال۔ حضور بسم اللہ کرانے کی کوئی عمر شرعاً مقرر ہے

ارشاد۔ شرعاً کچھ مقرر نہیں۔ ہاں مشائخ کرام کے یہاں چار برس چار مہینے چار دن مقرر ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الحق والدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کی عمر جس دن چار برس چار مہینے چار دن کی ہوئی تقریب بسم اللہ مقرر ہوئی۔ لوگ بلائے گئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما ہوئے۔ بسم اللہ پڑھانا چاہی۔ مگر الہام ہوا کہ ٹھہرو حمید الدین ناگوری آتا ہے وہ پڑھائے گا۔ ادھر ناگور میں قاضی حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ جلد جا میرے ایک بندے کو بسم اللہ پڑھا۔ قاضی صاحب فوراً تشریف لائے اور آپ سے فرمایا صاحبزادے پڑھئے بسم اللہ الرحمن الرحیم آپ نے پڑھا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم اور شروع سے لیکر پندرہ پارے تک حفظ سنادئے۔ حضرت قاضی صاحب اور حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا میں نے اپنی ماں کے شکم میں اتنے ہی سنے تھے اور اسی قدر ان کو یاد تھے وہ مجھے بھی یاد ہوگئے

سوال۔ مسمریزم کیا ہے۔

ارشاد۔ اصل اسکی تصحیح تصور ہے۔ روح کی قوتوں کو ظاہر کرنا روح کی بہت قوتیں ہیں۔ پہلے سنابل شریف میں ہے تین صاحب جارہے تھے دور سے ایک جنگل میں دیکھا کہ بہت آدمیوں کا مجمع ہے۔ ایک راجہ گدی پر بیٹھا ہے جواری حاضر ہیں ایک فاحشہ ناچ رہی ہے۔ شمع روشن ہے۔ یہ صاحب تیراندازی میں مشاق تھے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس مجلس فسق وفجور کو درہم برہم کرنا چاہئے کیا تدبیر کی جائے۔ ایک نے کہا کہ راجہ کو قتل کردو کہ سب کچھ اسی نے کیا ہے دوسرے نے کہا اس ناچنے والی عورت کو قتل کردو تیسرے صاحب نے کہا اسے بھی قتل نہ کرو کہ وہ خود نہیں آئی۔ راجہ کے حکم سے آئی ہے۔ اپنی غرض تو مجلس کا درہم برہم کرنا ہے۔ اس شمع کو گل کردو۔ یہ رائے پسند ہوئی۔ انھوں نے تاک کر شمع کی لو پر تیر مارا شمع گل ہوگئی اب نہ وہ راجہ رہا اور نہ وہ فاحشہ نہ مجمع نہایت تعجب ہوا۔ بقیہ رات وہیں گزاری جب صبح ہوئی تو دیکھا ایک الو مرا پڑا ہے اور اس کی چونچ میں وہی تیر لگا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ سب اسی الو کی روح کر رہی تھی۔ (پھر فرمایا) نمرود کے دروازے پر ایک درخت تھا جس کا سایہ بالکل نہ تھا جب ایک شخص اس کے نیچے آتا اس کے لائق سایہ ہوجاتا۔ دوسرا آتا تو دو کے لائق ہوجاتا غرض ایک لاکھ تک آدمی اس کے سایہ میں رہ سکتے اور جہاں ایک لاکھ سے ایک بھی زیادہ ہوا سب دھوپ میں

اسی کا ایک حوض تھا صبح کو لوگ آتے کوئی اس میں پیالہ بھر دودھ ڈالتا کوئی شربت کوئی شہد جس کو جو پسند آتا یہاں تک کہ وہ بھر جاتا۔ اور سب چیزیں علیحدہ ہوجاتیں۔ اب جس کو حاجت ہوتی پیالہ ڈالتا جو شے جس نے ڈالی ہوتی وہی اس کے جام میں آجاتی۔

یہ کافر وہ بھی کیسے بڑے کافر کا استدراج تھا۔ اسی واسطے اولیاء کرام فرماتے ہیں کشف وکرامت نہ دیکھو استقامت دیکھو کہ شریعت کیساتھ کیسا ہے۔ حضرت خواجہ شیخ بہاء الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے امام ہیں آپ سے کسی نے عرض کی کہ حضرت تمام اولیاء سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ حضور سے بھی کوئی کرامت دیکھیں فرمایا اس سے بڑی اور کیا کرامت ہیکہ اتنا بڑا بھاری بوجھ گناہوں کا سر پر ہے اور زمین میں دھنس نہیں جاتا۔

سوال۔ اگر عورت حج کو جانا چاہتی ہے اور شوہر اس کا اسکو منع کرے کسی عذر سے تو جاسکتی ہے بغیر اجازت شوہر کے یا نہیں

ارشاد۔ اگر محرم ساتھ ہے اور حج اس پر فرض ہے تو جائیگی ورنہ نہیں

سوال۔ شوہر کسی کام کو کرنے کا حکم کرے اور وقت نماز اتنا ہیکہ اگر اس کے حکم کی تعمیل کرے پھر نماز کا وقت باقی نہیں رہے گا تو اس صورت میں عورت نماز پڑھے یا حکم شوہر بجالائے۔

ارشاد۔ نماز پڑھے ایسا حکم ماننا حرام ہے

سوال۔ ایام حمل میں طلاق دینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو عدت اسکی کیا ہے؟

ارشاد۔ حمل میں طلاق نہ دی جائے اگر دیگا ہوجائے گی۔ عدت وضع حمل ہے۔

سوال۔ صفر کے آخر چہار شنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہیکہ اس روز حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مرض سے صحت پائی تھی بنا بر اس کے اس روز کھانا و شیرینی تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں علی ھذا القیاس مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں کہیں اس دن کو نامبارک جان کر گھر کے پرانے برتن توڑ ڈالتے ہیں اور تعویذ وچھلہ چاندی کا اس روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غریبوں کو استعمال کراتے ہیں۔ یہ جملہ امور بربنائے صحت پانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لائے جاتے ہیں لہٰذا اصل اسکی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں اور فاعل عامل اسکا بربنائے ثبوت یا عدم ثبوت گرفتار معصیت ہوگا یا قابل ملامت وتادیب۔

ارشاد۔ آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحت یابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت بلکہ مرض اقدس جسمیں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتدا اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے آخر اربعاء من الشہر یوم نحس مستمر اور مروی ہوا ابتدائے ابتلائے سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

اسی دن تھی اور اسے نحس سمجھکر مٹی کے برتن توڑ دینا گناہ و اضاعت مال ہے بہرحال یہ سب باتیں بے اصل و بے معنی ہیں

سوال۔ سنت جمعہ اگر خطبہ شروع ہونے کی وجہ سے چھوٹ جائیں تو بعد نماز جمعہ پڑھے یا نہیں

ارشاد۔ پڑھے اور ضرور پڑھے۔

سوال۔ عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں

ارشاد۔ مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو اور ٹھیک ذبح کرے۔

سوال۔ عورت کو فاتحہ دینا جائز ہے یا نہیں ارشاد۔ جائز ہے۔

سوال۔ لڑکے کے عقیقہ کا گوشت لڑکے کے والدین اور دادا دادی و نانا نانی کو کھانا چاہئے یا نہیں۔

ارشاد۔ سب کو درست ہے۔

سوال۔ عیدالاضحی کے روز عقیقہ جائز ہے یا نہیں

ارشاد۔ جائز ہے

سوال۔ مچھلی اور ٹڈی ذبح کیوں نہیں کی جاتی

ارشاد۔ ذبح کرنے سے خون نکالنا مقصود ہوتا ہے اور مچھلی و ٹڈی میں خون نہیں

سوال۔ دفع وبا کیلئے اذان درست ہے یا نہیں

ارشاد۔ درست ہے فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ نسیم الصباء فی ان الاذان یحول الوبا لکھا ہے۔

سوال۔ اذان دینی واسطے بارش کے درست ہے یا نہیں

ارشاد۔ درست ہے اذ لا حظر من الشرع اذان ذکر الٰہی ہے اور بارش رحمت الٰہی اور ذکر الٰہی باعث نزول رحمت الٰہی

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں (۱) ایک شخص نے چالیس یا پچاس ہزار کے مکانات اپنی حاجت سے زیادہ صرف کرایہ کی غرض سے خرید کئے آیا اس صورت میں حاجت سے زیادہ مکانات میں انکی قیمت کے اوپر زکوۃ فرض ہے یا جو کرایہ آتا ہو اس کے اوپر (۲) جو مکانات کی زینت کیلئے تانبے، پیتل، چینی وغیرہ کے برتن خرید کر کے مکان سجاتا ہے اور کبھی وہ برتن استعمال میں بھی آتے ہیں اس صورت میں کیا حکم ہے

ارشاد۔ مکانات پر زکوۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں کرایہ پر جو سال تمام پر پس انداز ہوں اس پر زکوۃ آئے گی اگر خود یا اور سے ملکر قدر نصاب ہو (۲) برتن وغیرہ اسباب خانہ داری میں زکوۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپے کے ہوں۔ زکوۃ صرف تین چیزوں پر ہے سونا چاندی کیسے ہی ہوں پہننے کے ہوں یا برتنے کے یا رکھنے کے سکہ ہو یا پتر یا ورق دوسرے چرائی پر چھوڑے جانور تیسرے تجارت کا مال باقی کسی چیز پر زکوۃ نہیں

سوال۔ ایک عورت لڑکا جنی اور نفاس سے آٹھ دن میں فارغ ہو گئی۔ اب اس کے واسطے روزے نماز کا کیا حکم ہے اور چوڑی وغیرہ چاندی یا کانچ کی یا وہ چارپائی یا مکان پاک رہا یا ناپاک یا چالیس دن کی لگائی جائے گی۔

ارشاد۔ یہ جو عوام جاہلوں عورتوں میں مشہور ہے کہ جب تک چلہ نہ ہو جائے زچہ پاک نہیں ہوتی محض غلط ہے خون بند ہونے کے بعد ناحق ناپاک رہکر نماز روزے چھوڑ کر سخت کبیرہ گناہ میں گرفتار ہوتی ہیں۔ مردوں پر فرض ہے کہ انھیں اس سے باز رکھیں نفاس کی زیادہ حد کیلئے چالیس دن رکھے گئے ہیں نہ یہ کہ چالیس دن سے کم کا ہوتا ہی نہیں ہو اس کے کم کیلئے کوئی حد نہیں اگرچہ بچہ جننے کے بعد صرف ایک منٹ خون آیا اور بند ہو گیا عورت اسی وقت پاک ہو گئی۔ نہائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے اگر چالیس دن کے اندر اسے خون عود نہ کرے گا تو نماز روزے سب صحیح رہیں گے۔ چوڑیاں، چارپائی، مکان سب پاک ہے فقط وہی چیز ناپاک ہوگی جسے خون لگ جائے گا بغیر اس کے ان چیزوں کا ناپاک سمجھ لینا ہندوؤں کا مسئلہ ہے

سوال۔ کھانا جھینگا کا درست ہے یا نہیں مکروہ ہے یا حرام

ارشاد۔ ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلقاً حرام ہیں تو جن بعض کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں ان کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہئے مگر فقیر نے کتب لغت و کتب طب و کتب علم الحیوان میں بالاتفاق اس کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے قاموس میں ہے الاربیان بالکسر سمک کالدود صحاح و تاج العروس میں ہے الاربیان بیض من السمک کالہ رود یکون بالبصرہ صراح میں ہے اربیان نوعی از ماہی۔ منتہی الارب میں ہے اربیان نوع از ماہی است کہ آنرا بہندی جھینگہ می گویند۔ مخزن میں ہے روبیان و اربیان نیز آمدہ بفارسی ماہی روبیان و ماہی لیک و بہ ہندی جھینگہ مچھلی نامند۔ تحفۃ المومنین میں ہے بفارسی ماہی روبیان نامند۔ تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے۔ روبیان اسم لضرب من السمک یکثر بحر العراق والقام احمر کثیر الارجل نحو اسرطان لکنہ اکثر الحما۔ حیوۃ الحیوان الکبریٰ میں ہے الروبیان ھو سمک صغیر جدا احمر تو اس تقدیر پر حسب اطلاق متون و تصریح معراج الدرایہ مطلقاً حلال ہونا چاہئے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے۔ والطافی لیس نوعا براسہ بل وصف تغیری کل نوع اور معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں۔ امام شافعی کے سوا سب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں۔ ردالمحتار میں ہے وفی معراج الدرایہ ولو وجدت سمکۃ فی حوصلۃ طائر توکل عند الشافی ولا توکل لانہ کالرجیع ورجیع الطائر عندہ نجس وقلنا انما یغیر رجیعا اذا تغیر وفی السمک الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفہ فقال اصحابہ لا یحل کلہ کان رجیعۃ نجس وعند سائر الائمۃ یحل مگر فقیر نے جواہر اخلاطی میں تصریح دیکھی کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔ حیث قال

السمک الصغار کلھا مکروہۃ کراہۃ التحریم ھوالاصح جھینگے کی صورت عام مچھلیوں سے بالکل جدا اور گنگچے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے جیسی ماہی سقنقور حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی پر پیدا ہوتا ہے۔ اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نص معلوم نہیں اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر جوہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی۔ بہرحال ایسے شبہ واختلاف سے بے ضرر بچنا ہی اولی ہے۔

سوال۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں فلانے طاق میں شہید مرد رہتے ہیں اور اس درخت اور اس طاق کے پاس جاکر ہر جمعرات کو فاتحہ شیرینی اور چاول وغیرہ پر دلاتے ہیں ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں اور ایسا دستور اس شہر میں بہت جگہ واقع ہے کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل پر

ارشاد۔ یہ سب واہیات وخرافات اور جاہلانہ حماقات وبطالات ہیں ان کا ازالہ لازم ما انزل اللہ بھا من سلطن ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

سوال۔ موسم سرما میں زوال کس وقت ہوتا ہے اور موسم گرما میں کس وقت اگر موسم سرما میں زوال بہ حساب قری بارہ بجے سے پیشتر ہوتا ہے تو بارہ بجے سے پہلے جو شخص نماز ظہر پڑھے گا اسکی نماز ہوگی یا نہیں۔

ارشاد۔ دھوپ گھڑی سے تو ایسا ہی ہے کہ زوال ہمیشہ ٹھیک بارہ بجے ہوتا ہے نہ کبھی پیشتر ہو نہ بعد مگر گھڑیوں کے اعتبار سے وقت بلدی سے صرف چار دن ۱۶ اپریل ۱۵ جون یکم ستمبر ۲۵ دسمبر کے سوا کسی دن ٹھیک بارہ بجے زوال نہیں ہوتا گھڑیوں کی چال روزانہ ایک سی ہے اور آفتاب کی چال کبھی ایک سی نہیں اوج ۴ جولائی سے حضیض ۳ جنوری تک تیز ہوتی ہے کہ ہر روز پہلے دن سے زیادہ قوس قطع کرتا ہے اور روزانہ زیادت بھی یکساں نہیں بلکہ آئندہ زیادہ پہلی زیادت سے زیادہ ہوتی ہے یہاں تک کہ حضیض پر غایت سرعت پر ہو چکتا ہے۔ پھر حضیض ۴ جنوری سے اوج ۳ جولائی تک چال سست ہوتی ہے کہ ہر روز پہلے دن سے کم قوس قطع کرتا ہے اور روزانہ کمی بھی ایک سی نہیں بلکہ ہر آئندہ کمی پہلی کمی سے کم ہوتی ہے یہاں تک کہ اوج پر پہونچ کر نہایت درنگ ہو جاتا ہے پھر وہی دورہ آغاز پاتا ہے اور اس سبب سے کہ ہندوستان میں عام طور پر ریلوے وقت رائج ہے یہ چار دن بھی برابری کے باقی نہ رہے بلکہ بلاد شرقیہ میں بقدر تفاوت طولیں تمام تعدیلات ناقص ہوں گی اور بلاد غربیہ میں تمامی تعدیلات اسی قدر بڑھ جائیں گی۔ مثلاً بریلی کیلئے اگر خاص شہر کا وقت دیا جائے تو بلاشبہ یہی چار دن برابری کے ہوں گے۔ جن میں زوال جیسی گھڑی اور دھوپ گھڑی دونوں سے ٹھیک ۱۲ بجے ہوگا۔ اور اگر ریلوے سے وقت دیا جائے تو بقدر تفاوت طولیں ۱۱ سکنڈ ۱۲ منٹ ہے۔ تمامی تعدیلات زائد ہو جائیں گی تو اب چار دن برابری کے جن میں دونوں وقتوں سے زوال ٹھیک ۱۲ بجے تھا ۱۲ منٹ ۱۱ سکنڈ ت پر ہوگا وعلی القیاس تعمیم نفع کیلئے ایک جدول نصف النہار حقیقی وشروع وقت ظہر بریلی بحذف سکنڈ کہ ایک زمانہ کیلئے کارآمد ہو ریلوے وقت سے دیا جاتا ہے کہ اس وقت وہی رائج ہے ان وقتوں سے اگر ۱۲ منٹ کم کر دیں تو اصل وقت بریلی کا ہوگا

جدول نصف النہار حقیقی وشروع وقت ظہر بریلی

تاریخ شمسی	وقت ت منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت منٹ	تاریخ شمسی	وقت ت منٹ
یکم جنوری	۱۲ ۱۵	۷	۱۲ ۲۳	۱۹	۱۲ ۱۱	۲ جولائی	۱۲ ۱۶	۱۰	۱۲ ۹
۲	۱۲ ۱۶	۱۱	۱۲ ۲۲	۲۴	۱۲ ۱۰	۸	۱۲ ۱۷	۱۳	۱۲ ۸
۴	۱۲ ۱۷	۱۵	۱۲ ۲۱	۲۹	۱۲ ۹	۱۵	۱۲ ۱۸	۱۶	۱۲ ۷
۶	۱۲ ۱۸	۱۹	۱۲ ۲۰	۸ مئی	۱۲ ۸	۹ اگست	۱۲ ۱۷	۱۹	۱۲ ۶
۹	۱۲ ۱۹	۲۲	۱۲ ۱۹	۲۴	۱۲ ۹	۱۶	۱۲ ۱۶	۲۱	۱۲ ۵
۱۱	۱۲ ۲۰							۲۴	۱۲ ۴
۱۴	۱۲ ۲۱	۲۵	۱۲ ۱۸	۲ جون	۱۲ ۱۰	۲۱	۱۲ ۱۵		
۱۶	۱۲ ۲۲	۲۹	۱۲ ۱۷	۸	۱۲ ۱۱	۲۵	۱۲ ۱۴	۲۷ ستمبر	۱۲ ۳
۱۹	۱۲ ۲۳	یکم اپریل	۱۲ ۱۶	۱۳	۱۲ ۱۲	۲۸	۱۲ ۱۳	۳۰	۱۲ ۲
۲۳	۱۲ ۲۴								
۲۷	۱۲ ۲۵	۴	۱۲ ۱۵	۱۵	۱۲ ۱۲	یکم ستمبر	۱۲ ۱۲	۳ اکتوبر	۱۲ ۱
یکم فروری	۱۲ ۲۶	۸	۱۲ ۱۴	۱۸	۱۲ ۱۳	۲	۱۲ ۱۲	۰	۱۲ ۰
۲۵	۱۲ ۲۵	۱۱	۱۲ ۱۳	۲۳	۱۲ ۱۴	۴	۱۲ ۱۱	۱۰	۱۱ ۵۹
۳ مارچ	۱۲ ۲۴	۱۵	۱۲ ۱۲	۲۷	۱۲ ۱۵	۷	۱۲ ۱۰	۱۴	۱۱ ۵۸
۱۸ اکتوبر	۱۱ ۵۷	یکم دسمبر	۱۲ ۱	۱۵ دسمبر	۱۲ ۷	۲۶	۱۲ ۱۲		
۲۴	۱۱ ۵۶	۴	۱۲ ۲	۱۷	۱۲ ۸	۲۷	۱۲ ۱۳		
۱۵ نومبر	۱۱ ۵۶	۶	۱۲ ۳	۱۹	۱۲ ۹	۲۸	۱۲ ۱۳		
۱۶	۱۱ ۵۸	۹	۱۲ ۴	۲۱	۱۲ ۱۰	۲۹	۱۲ ۱۴		
۲۵	۱۱ ۵۹	۱۱	۱۲ ۵	۲۳	۱۲ ۱۱				
۲۸	۱۲ ۰	۱۳	۱۲ ۶	۲۵	۱۲ ۱۲	۳۰	۱۲ ۱۵		

رامپور و دیگر بلاد کے لئے بھی یہ نقشہ بحسب زیادتی یا کمی وقت بریلی موافق نقشہ جات رمضان المبارک معدل کر لینے سے ایک زمانہ تک کے لئے ابتدائی وقت ظہر معلوم کرنے کا ایک اعلیٰ درجہ کا آلہ ہوگا نماز ظہر میں گھڑیوں کے ۱۲ بجے کا کچھ اعتبار نہیں مگر نصف النہار کے بعد نماز ہوگی اور قبل پڑھنے سے نماز نہ ہوگی ۲۸ نومبر کو بریلی میں ریلوے ٹائم سے ٹھیک بارہ بجے نصف النہار ہے پھر بعد کو ہوا کرے گا یہاں تک یکم فروری کو ۱۲ ات ۲۶ منٹ پر ہو کر گھٹنا شروع ہوگا حتی کہ ۸ مئی کو ۱۲ ات ۸ منٹ پر ہوگا پھر گھٹتے گھٹتے ۷ راکتوبر کو ٹھیک ۱۲ بجے ہو کر گھٹتا رہا یہاں تک کہ ۱۲ بجے سے پہلے وقت ہو جائے گا یہاں تک کہ ۲۴ راکتوبر کو غنتہائی نقصان اا ت ۵۶ منٹ پر آکر بڑھنا شروع ہوگا اور ۲۸ نومبر کو پھر ٹھیک ۱۲ بجے زوال ہوگا تو ۷ راکتوبر سے ۲۸ نومبر تک جس شخص نے ٹھیک ۱۲ بجے یا کچھ پہلے مگر نصف النہار کے بعد نماز پڑھ لی نماز ہوگئی ہاں جس نے وقت سے پہلے پڑھی اس کی نہ ہوئی

سوال۔ آجکل عموماً بہت لوگ مساجد میں دنیوی باتیں کرتے بلکہ بعض بعض بے باک تو قہقہہ آپس میں دل لگی کرتے ہیں اور مسجد کا کوئی ادب نہیں سمجھتے کہ یہ خانۂ خدا ہے ان کے واسطے کیا حکم ہے اور مسجد میں باتیں کرنے کی مذمت اور خاموش رہنے کی بھلائی مع حدیث شریف بیان فرمائی جائے تاکہ ایسے لوگ عبرت حاصل کریں۔

ارشاد۔ مسجد میں دنیا کی باتیں نیکیوں کو ایسا کھاتی ہیں جیسا آگ لکڑی کو اور مسجد میں ہنسنا قبر میں اندھیری لاتا ہے اسکی حدیثیں بارہا بیان ہوئیں مگر کون سنتا ہے اللہ ہدایت دے

سوال۔ نیاز اور فاتحہ میں کیا فرق ہے اور نیاز فاتحہ کے دینے کا مستحب طریقہ اور یہ کہ جس کی نیاز یا فاتحہ دلائی جائے اس کو ثواب کس طریقہ سے پہونچائے اور سوائے اسکے اور مسلمانوں کو کس طرح کہکر ثواب پہونچائے

ارشاد۔ مسلمان کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے وغیرہ کے ساتھ پہونچاتے عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں کہ اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اولیاء کرام کو جو ایصال ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ سورہ فاتحہ و آیت الکرسی اور تین بار یا سات بار یا گیارہ بار سورہ اخلاص اول و آخر ۳، ۳ بار یا زائد بار درود شریف پڑھیں اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کریں کہ الٰہی میرے اس پڑھنے اور کھانا کپڑا جو بھی ہوں تو ان کے نام بھی شامل کرلے اور اس پڑھنے اور ان چیزوں کے دینے پر جو ثواب مجھے عطا ہو اسے میرے عمل کے لائق نہ دے اپنے کرم کے لائق عطا فرما اور اسے میری طرف سے فلاں ولی اللہ مثلاً حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں نذر پہونچا اور ان کے آباء کرام اور مشائخ عظام و اولاد امجاد و مریدین و محبین اور میرے باپ ماں اور فلاں اور فلاں اور سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روز قیامت تک جتنے مسلمان ہو گزرے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہوں گے سب کو

سوال۔ بعض لوگ بعد دفن میت کے حافظ قرآن کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت سوم تک یا کچھ کم و بیش بٹھاتے ہیں اور وہ حافظ اپنی اجرت لیتے ہیں پس اس طرح کی اجرت دیکر قبروں پر پڑھوانا چاہئے یا نہیں

ارشاد۔ تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب پہونچے اس کا طریقہ یہ ہے کہ حافظ کو اتنے دنوں کے لئے معین داموں پر کام کاج کیلئے نوکر رکھ لیں پھر اس سے کہیں ایک کام یہ کرو کہ اتنی دیر قبر پر پڑھ کر آیا کرو یہ جائز ہے

سوال۔ جس جانور کو ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ہی پہلی دفعہ میں اس کی گردن اس کے جسم سے علاحدہ ہوگئی اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں اور اسکی کھال اس کے سر سے کچھ لگی رہی تو کیا حکم ہے۔

ارشاد۔ دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

سوال۔ جس شخص کے ذمہ نماز قضا دس یا بارہ یا چودہ سال کی ہو وہ شخص کس طریقہ سے نماز قضا پھیرے جو طریقہ آسان ہو ارقام فرمائیے مع نیت اور وتر کے کہ نماز وتر پڑھی جائے گی یا نہیں جواب عام فہم ہو۔

ارشاد۔ قضا ہر روز کی نماز کی بیس رکعتیں ہوتی ہیں دو فرض فجر کے چار ظہر، چار عصر تین مغرب چار عشاء کے اور تین وتر اور قضا میں یوں نیت کرنی ضرور ہے نیت کی میں نے سب میں پہلی یا دیا سب میں پچھلی فجر کی جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی یا پچھلی ظہر کی جو مجھ سے قضا ہوئی اور ابھی تک میں نے اسے ادا نہ کیا اسی طرح ہر نماز میں کیا کرے اور جس پر قضا نمازیں کثرت سے ہیں وہ آسانی کیلئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم سبحان ربی الاعلی کی جگہ صرف ایک ایک بار کہے مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نمازیں یاد رکھنا چاہئے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہونچ جائے اس وقت سبحان کا سین شروع کرے اور جب عظیم کا میم ختم کرے اس رکوع سے سر اٹھائے اسی طرح سجدہ میں ایک تخفیف کثرت قضا والے کیلئے یہ ہوسکتی ہے۔ دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ فقط سبحٰن اللہ تین بار کہکر رکوع کرے مگر وتروں کی تینوں رکعت میں الحمد اور سورۃ دونوں ضرور پڑھی جائیں تیسری تخفیف یہ کہ پچھلی التحیات کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ صرف اللھم صل علی محمد و آلہ کہکر سلام پھیر دے۔ چوتھی تخفیف یہ کہ وتروں کی تیسری رکعت میں دعاء قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہکر فقط ایک بار یا تین بار رب اغفرلی کہے

سوال۔ مردہ کے نام کا کھانا جو امیر و غریب کو کھلاتے ہیں کس کو کھانا چاہئے اور کس کو نہیں اور یوں بھی کہتے ہیں کہ مردہ کے نام کا کھانا مصلی امیر غریب سب کو کھلاتے ہیں جائز ہے یا نہیں

ارشاد۔ مردہ کا کھانا صرف فقراء کیلئے عام طور پر دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے غنی نہ کھائے کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات

امام احمد رضا اور
سراج الفقہاء

(ماخوذ)

سراج الفقہاء مولانا سراج احمد صاحب قصبہ مکھن پور میں ۱۳۰۳ھ کو پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل ۱۳۱۷ھ میں فرمائی۔ اسی وقت سے تدریسی و تصنیفی خدمات انجام دے رہے۔ سینکڑوں علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ خاص خاص شاگردوں کے اسماء یہ ہیں (۱) مولانا حافظ عبد الرحمٰن صاحب (۲) پیر سید مغفور القادری (۳) خواجہ فیض فرید صاحب (۴) مولانا عبد السبحان صاحب (۵) مولانا حافظ سراج احمد صاحب (۶) مولانا فیض احمد اویسی صاحب (۷) مولانا حسن الدین صاحب ہاشمی (۸) مولانا محمد مختار احمد صاحب (۹) مولانا محمد مقصود احمد صاحب (۱۰) مولانا محمد عبد الواحد صاحب (۱۱) مولانا سید محمد مظفر صاحب (۱۲) مولانا محمد امین صاحب (۱۳) مولانا خورشید احمد صاحب (۱۴) مولانا محمد اکرم صاحب (۱۵) مولانا عبد الغفور صاحب (۱۶) مولانا محمد افضل صاحب (۱۷) مولا عطا محمد صاحب۔

تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ہی افتا نویسی کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ ویسے تو آپ کو تمام علوم دینیہ پر عبور تام حاصل ہے لیکن میراث وصیت، میقات اور ریاضی وغیرہ میں ایسی بے مثال دسترس حاصل ہے کہ آپ کی نظیر پیش کرنا مشکل ہے۔ حضرت سراج الفقہاء مرجع علماء ہیں دور دراز کے لوگ حل شکلات کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی میراث کے مشکل ترین مسائل کے حل کے لئے آپ سے استعانت اور رابطہ قائم کرتے رہے۔ یہاں ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مولانا غلام رسول سعیدی غالباً ۵۸ء میں مولانا عبد المجید سے ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے۔ انھیں دنوں مولانا عبد اللہ درخواستی دیوبندی کی زیر ادارت نکلنے والے ایک رسالے مخزن العلوم میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں امام احمد رضا بریلوی پر تنقید کی گئی تھی اور اس میں ایک جملہ اس قسم کا تھا ــــ "مولانا احمد رضا کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تصرفات ذاتیہ مان لینے سے شرک لازم نہیں آتا اور سند کے لئے الامن والعلی ص۲۱۹ کی عبارت پیش کی گئی تھی۔ اس مضمون کو پڑھ کر مولانا سعیدی کو سخت تعجب ہوا۔ استاذ محترم کو یہ عبارت دکھائی انھوں نے فرمایا اصل کتاب نکال کر دیکھنی چاہیئے۔" اس سے آگے مولانا سعیدی کی زبانی سنیئے ــــ "جب اصل کتاب کو دیکھا تو میں دیانت کی ایمانداری، راست گوئی اور عصمتِ قلم پر حیران رہ گیا اصل معاملہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تقویت الایمان کی ایک عبارت کا رد فرما رہے ہیں۔ رد کا خلاصہ یہ ہے کہ" اور" "اور" "پھر" کے فرق سے شرک مندفع نہیں ہوتا۔" ــــ جب حق واضح ہوگیا تو سخت رنج وغصہ لاحق ہوا، اور میں نے سوچا کہ مخزن العلوم جاکر مولوی درخواستی صاحب سے گفتگو کروں کہ انھوں نے خائن، بددیانت اور عصمت فروش قلم کی تحریر سے کیوں اپنے رسالے کو رسوا کیا۔ چنانچہ میں چند ساتھیوں کے ساتھ مخزن العلوم پہنچا۔ وہاں درخواستی صاحب حدیث شریف کا سبق پڑھا رہے تھے فارغ ہوئے تو ہم ان سے ملے مضمون نویس کی خیانت بیان کی اور ثبوت میں الامن والعلی پیش کی کہنے لگے تم مضمون نویس کو خط لکھو۔ میں نے کہا وہ نہ جانے کہاں ہیں ہم اس سے کیسے رابطہ قائم کریں اور مراسلت میں نہ جانے کتنا وقت لگے۔ آپ یہاں موجود ہیں آپ اس مضمون کے بارے میں ہمیں کیوں مطمئن نہیں کر دیتے، پھر وہی جواب ملا۔ میں نے کہا آپ اپنی زیر ادارت شائع ہونے والے مضامین کے ذمہ دار نہیں ہوتے؟ جواب دیا۔ کیوں نہیں ذمہ دار ہوتے، ابھی وہ مر تو نہیں گیا۔ اسے لکھو اس نے جواب نہ دیا تو ہم دیں گے۔ پھر پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ بتلایا کہ سراج العلوم سے، پھر رعونت اور کمال تکبر سے کہا تمھارے مدرسے کے مہتمم کا تو یہ حال ہے کہ میں نے اس سے لاحق مسبوق اور مدرک کی تعریف پوچھی تو وہ نہ آئی۔ میں نے جواب دیا مجھ کو تو مجھے علم نہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ آپ کے ہاں جو میراث کے مسائل حل نہیں ہوتے وہ سراج الفقہا مولانا سراج احمد صاحب کے پاس بھیج کر حل کرائے جاتے ہیں۔ کہنے لگے کیا ہوا۔ آدمی کا جوتا ٹوٹ جاتا ہے تو وہ موچی کے پاس مرمت کرانے چلا جاتا ہے۔ میں نے کہا، یہ بتلایئے کہ عالم کے لئے میراث کے مسائل جاننا ضروری ہے یا جوتی مرمت کرنے کا فن جاننا، مطلب یہ تھا کہ اگر اول شق تسلیم ہے تو آپ کے مدرسین جاہل ہیں اور اگر شق ثانی تسلیم ہے تو آپ کو مع مدرسین کے اس فن میں ماہر ہونا چاہیئے) میرا یہ جواب سنتے ہی غصہ میں آپے سے باہر ہوگئے اور کہنے لگے میرے سامنے اجتہاد کرتے ہو چلو نکلو یہاں سے۔ (مکتوب مولانا سعید بنام مولانا

بہرکیف حقیقت یہ ہے کہ آپ تجر علمی کے اعتبار سے نادر روزگار شخصیت ہیں۔ آپ ابتداءً امام احمد رضا بریلوی کے عقائد ونظریات کے بالکل برعکس تھے بلکہ سخت متنفر تھے جس سبب کی بنا پر آپ امام موصوف کے مداح وہم مسلک ہو گئے۔ ملاحظہ ہوں۔ (ایڈیٹر)

قدوۃ الفضلا، سراج الفقہاء بیان فرماتے ہیں کہ دورِ طالب علمی میں یہ بات ہمارے ذہن میں بٹھا دی گئی تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی (قدس سرہ العزیز) کی کتابیں پڑھنا ناجائز ہے۔ ان کی تصنیفات کو علم و تحقیق سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا وہ تو صرف چند مروّجہ رسومات و بدعات کے مجوّز ہیں ان کی علمیت کا مدار یہی امور ہیں اور ان کی تصنیفات صرف میلاد، قیام میلاد، فاتحہ، عرس، گیارہویں، نذر و نیاز اور ندا غیر اللہ وغیرہ "امور بدعیہ" سے متعلق ہیں۔ چنانچہ عام طلبا کی طرح میں بھی ان کے نام تک سے متنفر تھا۔ میں نے بعض لوگوں سے ان کے تجر علمی کی باتیں سن رکھی تھیں جنھیں ہمارے حلقے میں مریدین و معتقدین کی عقیدت اور غلو سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر عنایت شامل حال تھی کہ ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے سراج الفقہاء ایسی شخصیت کے ذہن میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا اس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنیئے۔

حسن اتفاق سے مجھے رسالہ میراث کی تصنیف کے دوران ایک مسئلے (ذوی الارحام کی صنف رابع کے حکم) میں الجھن پیدا ہوئی۔ میں نے اس کے حل کے لئے دیوبند، سہارن پور، دہلی، اور دیگر علمی مراکز میں خطوط لکھے کہیں سے بھی تسلی بخش جواب نہ آیا سب نے "سراجی" پر ہی اکتفا کیا۔ میں نے یہ سوچ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے وہ سوال مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھی بھیج دیا ایک ہفتے کے اندر مولانا کی طرف سے جواب آگیا۔ انھوں نے مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ تمام کتب کے اختلافات اور شکوک و شبہات رفع ہو گئے۔

اب آپ حضرت سراج الفقہاء کا استفتاء اور فقیہ اجل اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ کا وہ انقلاب آفریں نادر و غیر مطبوع فتویٰ ملاحظہ فرمائیں جس نے وقت کے ایک بہت بڑے محقق کو نہ صرف ذہنی اطمینان بخشا بلکہ ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت مجدّد مائۃ حاضرہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بعد ترجیح بقرب الدرجہ اولاً قوت قرابت ثم الولدیت عند اتحاد الجہۃ سے ترجیح۔ مگر ردالمحتار عند اختلاف الجہۃ بھی ولدیت سے ترجیح منصوص (مذکور) اور قوت قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی۔ صنف رابع میں قاعدہ مفتی بہ تحریر فرما دیں تاکہ رسالہ میں لکھوں۔ بیّنوا توجروا۔

تفصیل سوال از مرتب

ذوی الفروض وہ رشتے دار ہیں جن کے حصے شریعت میں مقرر ہیں ان کی تعداد ۱۲ ہے۔ عصبات وہ رشتے دار ہیں جو ذوی الفرض سے باقی ماندہ مال لیں اور تنہا ہوں تو سب مال لے لیں۔ ذوی الارحام وہ قربی ہیں جو نہ تو ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات۔

ذوی الارحام کی چار قسمیں ہیں چوتھی قسم وہ افراد ہیں جو میت کے دادا، دادی نانا، نانی کی طرف منسوب ہوں مثلاً چچا، پھوپھی، ماموں خالہ اور جو افراد انکے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہوں۔ سوال مذکور اسی چوتھی قسم کی اولاد میں تقسیم میراث سے متعلق ہے۔

سراجی میں ہے (۱) جو شخص میّت کے زیادہ قریب ہو خواہ اس کا تعلق باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے زیادہ حقدار رہے۔

(۲) کئی شخص قرب میں مساوی ہوں اور خیر قرابت بھی متحد ہو یعنی سب باپ کی طرف سے متعلق ہوں یا سب ماں کی طرف سے تو قوی قرابت والا مستحق ہوگا مثلاً میّت کی تین پھوپھیوں کی اولاد تھی۔ ایک پھوپھی اس کے والد کی سگی بہن تھی دوسری پدری تیسری مادری اگرچہ یہ تمام اولاد درجے میں برابر ہے اور جہت بھی ایک ہے لیکن پہلی پھوپھی کی اولاد کی قرابت قوی ہے اس لئے صرف وہی وارث ہوگی۔

(۳) کئی شخص قرب درجہ اور قوت میں برابر ہوں جہت بھی ایک ہو تو عصبہ کی اولاد مستحق ہوگی مثلاً سگے چچا کی بیٹی اور سگی پھوپھی کا بیٹا باقی ہو تو کل مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کہ وہ عصبہ کی اولاد ہے۔

(۴) چچا اور پھوپھی میں سے کسی ایک کا تعلق قوی ہو تو اس کی اولاد ظاہر الروایۃ میں وارث ہوگی۔ مثلاً پھوپھی باپ کی سگی بہن ہے اور چچا صرف باپ کی طرف سے بھائی ہے تو وراثت پھوپھی کی اولاد کو ملے گی۔ سوال مذکور کے الفاظ "بعد ترجیح بقرب الدرجہ اولاً قوت قرابت ثم الولدیۃ عند اتحاد الجہۃ سے ترجیح" اسی تفصیل کی طرف مشیر ہیں۔

(۵) متعدد اشخاص قرب درجہ میں مساوی ہوں لیکن ان کی جہت قرابت مختلف ہو یعنی بعض باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوں مثلاً چچا کی اولاد، اور بعض

ماں کی طرف سے مثلاً ماموں یا خالہ کی اولاد تو "سراجی" کے مطابق "فلا اعتبار لقوۃ القرابۃ ولا لولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ" ص ۷۴ مطبع سعیدی کراچی) یعنی اب نہ تو قوت قرابت کا اعتبار ہے اور نہ ولد عصبہ کا۔

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ قول مذکور نقل کرکے فرماتے ہیں۔

لکن ذکر بعدہ فی معراج الدرایۃ عن شمس الائمۃ ان ظاھر الروایۃ ان ولد العصبۃ اولیٰ، اتحد الحیز او اختلف فبنت العم لابوین اولیٰ من بنت الخال وانہ وافقہ التمرتاشی ثم قال وفی ضوء السراج الاخذ بروایۃ شمس الائمۃ اولیٰ اھ (رد المحتار جلد ۵ ص ۵۲۶ مطبع کبریٰ مصر ۱۳۲۶ھ)

معراج الدرایۃ میں شمس الائمہ سے مروی ہے کہ ظاہر الروایہ میں ولد عصبہ اولیٰ ہے جہت متحد ہو یا مختلف لہٰذا سگے چچا کی لڑکی ماموں کی لڑکی سے اولیٰ ہے۔ تمرتاشی نے اس کی موافقت کی۔ ضوء السراج میں ہے کہ شمس الائمہ کی روایت کو اختیار کرنا اولیٰ ہے"

اس کے علاوہ علامہ شامی نے اور بہت سی کتابوں کے حوالے ذکر کئے۔

سوال مذکور میں "مگر رد المحتار میں عند اختلاف الجہۃ بھی ولدیت عصبہ سے ترجیح منصوص" کے الفاظ سے تفصیل سابق کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ شامی نے "العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ" میں فرمایا۔

فمن قال یرجح ولد العصبۃ علی ولد ذی الرحم یلزمہ ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانھا اقویٰ فتامل وراجع (ج ۲ ص ۳۴۱)

جس نے ولد عصبہ کو ولد ذی رحم پر ترجیح دی اسے لازم ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دے۔" سوال مذکور کے الفاظ" اور قوت قرابت سے بھی ترجیح عقود میں بحث فرمائی" کا اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

الجواب

یہاں دو مسئلے ہیں اول بحالت اختلاف حیز بھی ولد وارث کو ترجیح ہے یا نہیں۔ دوم اگر ہے تو قوت قرابت مرجح ہے یا نہیں۔

مسئلۂ اولیٰ کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ لنفع البریۃ پھر علامہ شامی نے عقود الدریۃ میں صاف فرمادیا ہے کہ دونوں کو ظاہر الروایۃ فرمایا گیا اور ترجیح متون کی التزامی ہے اور جانب اثبات صریح تصحیحات تو معتمد یہی ہے کہ ولد وارث مرجح ہے اگرچہ حیز مختلف ہو۔ عقود الدریۃ سائل فاضل ہداہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا۔ اس کی عبارات بتمامہا عقود میں منقول ہیں۔ ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اول یعنی عدم ترجیح کو کواکب مضیئہ نے ظاہر الروایۃ کہا اور سراجی وصاحب ہدایہ ومتن کنز وملتقیٰ واکثر شروح کنز وہدایہ نے اس پر مشی کی اور اس بنا پر کہ وضع متون نقل مذہب کے لئے ہے علامہ حامد آفندی عالم متاخر نے اسکو اختیار کیا

اقوال اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ انقروی مدرس ادرنہ نے اپنی کتاب حل المشکلات، تصنیف ۹۶۱ھ میں مشی کی حیث قال بنت عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوۃ القرابۃ وولد العصبۃ غیر معتبرۃ بین فریق الاب وفریق الام، اھ بالتلخیص۔ (سگے چچا کی بیٹی کو ۲/۳ اور (والدہ کے مادرزاد بھائی) ماموں کی بیٹی کو ۱/۳ دیا جائے گا۔ کیونکہ والد اور والدہ کے فریقین میں قرابت کی قوت اور ولد عصبہ ہونا معتبر نہیں۔)

بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجات حسین بن عبداللہ الصدیقی البریلوی تصنیف ۱۲۱۲ھ وزبدۃ الفرائض مولوی عبدالباسط بن رستم علی بن علی اصغر قنوجی اسی طرف ہی جانا چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے، اول کی عبارت یہ ہے وان کان واسطۃ قرابتھم مختلفۃ فلثلثا المال لقرابۃ الاب وثلثہ لقرابۃ الام ولا اعتبار لقوۃ القرابۃ وولدیۃ العصبۃ" (اگر قرابت کا واسطہ مختلف ہو تو دو تہائی باپ کی قرابت کو اور ایک تہائی ماں کی قرابت کو دیا جائے گا قوت قرابت اور ولد عصبہ کا اعتبار نہیں۔)

عبارت دوم کی یہ ہے۔ "واگر ہم بدرجۂ قرابت برابر باشند ودر حیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اَب بوند وبعض از جانب اُم دریں ہنگام در ظاہر الروایت مرقوت قرابت وولد عصبہ را اعتبار نہ باشد۔ پس ولد عم اعیانی از ولد خال یا خالہ علاتی، اخیافی اولیٰ نبود کہ قوت قرابت ولد عم را اعتبار نیست وہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یا خالہ اعیانی اولیٰ نباشد کہ ولد عصبہ را اعتبار نیست بر قیاس آنکہ عم اعیانی از خالہ علاتی یا اخیافی اولیٰ نبود باوجود آنکہ عم اعیانی دو قرابتین است۔ وولد وارث از جہتین اب واُم زیرا کہ پدر او جد صحیح است، ام او جدہ صحیحہ است۔"

اسے ظاہر الروایۃ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہ سراجیہ سے ماخوذ ہے اور علامہ سید شریف نے اسے مقرر رکھا۔ مدقق علائی نے درمختار میں اس کو مختار رکھا یوں کہ قول متن "واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث" میں "واتحد الجھۃ" کی قید بڑھادی اور آگے فرمایا فلو اختلف فلقرابۃ الاب الثلثان ولقرابۃ الام الثلث" علامہ سید محمد مصری طحطاوی نے اسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ ان اختلف حیز القرابۃ فلا عبرۃ للاقوی ولا لولد

العصبۃ۔" علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نص ملتقیٰ پر تقریر کی۔
یہ عبارات ہیں جو اس قول پر نظر حاضر ہیں اور یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں۔ فاقول ظاہر عبارت خیریہ سے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ وکنز میں ہے اور ان دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقی وسراجیہ اس پر ہیں۔ فلہذا علامہ حامد آفندی نے اسے مسئلہ متون قرار دیا۔ مگر اولاً وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے۔ ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہے ہی نہیں حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔ ردالمحتار میں ہے۔ ہذا ظاہر الروایۃ کما فی السراجیہ والفرائض العثمانیۃ لصاحب الہدایۃ۔

ثانیاً شروح ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی وعنایہ امام اکمل وبنایہ امام عینی وغایۃ البیان اتقانی ونتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہے۔ ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی۔ غالباً یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلاً اضافہ کیا اور محقق بابرتی نے اس کی تلخیص میں پھر خلاف فرمادیا تو ظاہراً غالب شروح ہدایہ کہنا خیریہ کا سبق قلم ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثالثاً کنز کی عبارت یہ ہے۔" وذورحم وھو قریب لیس بذی سھمٍ وعصبۃ (الی ان قال) وترتیبھم کترتیب العصبات والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام۔" (ذورحم وہ قریبی ہے جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو ان کی ترتیب عصبات کی طرح ہے اور ترجیح قرب درجہ سے ہوگی پھر اصل کے وارث ہونے سے اور جہت قرابت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا۔) حضرت شامی نے اس میں محل استدلال جملہ اخیرہ کا اطلاق اور اس بنا پر اسے متون وشروح کی طرف نسبت کیا جانا بتایا ہے۔ ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے۔" وھو ظاھر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یفرقوا بین ولد العصبۃ وغیرہ۔"

اقول یہ جملہ دو قاعدہ ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف واحوال ذوی الارحام کو شامل تھے تو یہ قطعاً ان سے مقید ہے وگرنہ اختلاف کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو اور وہ بالاجماع باطل ہے۔ وعلی التنزل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں وہاں بھی اختلاف واتحاد جہت سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق اس اطلاق کے معارض ہے۔

رابعاً مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا ذوی الارحام کے تمام بیان کرکے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں۔ واذا استوی وارثان فی درجۃ واحدۃ فاولٰھم من ادلی بوارث واقربھم اولیٰ من ابعدھم۔" (جب دو قریبی ایک درجے میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے (میت کی طرف) منسوب ہونے والا اولیٰ ہوگا اور (ذوی الارحام) میں سے اقرب کو ابعد پر ترجیح ہوگی۔)

خامساً اسی طرح متن تنویر الابصار میں تمام اقسام ذکر کرکے فرمایا واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث واذا اختلفت الفروع والاصول اعتبر محمد فی ذالک الاصول وقسّم علیھم اثلاثا الخ اس نے بھی صاف کردیا کہ بعد استواء درجہ تقدیم ولد وارث کا حکم عام ہے۔ اس کے بعد مسئلہ اختلاف جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکورۃ وانوثۃ یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری، کنز وتنویر نے یہاں قوت قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی ومنظور افادۂ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (جہت) سے خاص ھکذا ینبغی ان یفھم کلام الکرام۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ" واذا استووا فی درجۃ" کے بعد درمختار کا" واتحدت الجھۃ" زائد کرنا قول اول کی طرف انکا میل خلاف متن ہے۔

سادساً ہدایہ، وقایہ، نقایہ واصلاح غرر ان متون میں مسئلہ کا ذکر ہی نہیں۔ قدوری، کنز، تنویر کا حال معلوم ہوا۔ سراجیہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں۔ اس کا مرتبہ فتویٰ غایت درجہ شروح کا ہے جیسے منیہ واشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہرگز نہیں بلکہ فتاویٰ ہیں کما بیناہ فی فتاوانا متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ نے حفظ مذہب کے لئے لکھے جیسے مختصرات طحاوی وکرخی وقدوری۔ سراجیہ میں بکثرت روایات نادرہ بلکہ محض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے۔" ان المصنف لما خرج من فرغانۃ الی بخارا وجد فیھا الفرائض المنسوبۃ الی القاضی الامام علاء الدین السمرقندی فی ورقتین فاستحسنھا واخذ فی تصنیف ھذا الکتاب شرحالھا۔" مصنف جب فرغانہ سے بخارا گئے وہاں دو ورق میں" فرائض" قاضی علاء الدین سمرقندی پائے مصنف نے انھیں پسند کیا اور ان کی شرح کے طور پر سراجی لکھنا شروع کی (باب ذوی الارحام شریفیہ شرح سراجی ص۱۰۹ مطبع یوسفی لکھنو ۱۹۰۵ء) تو نہ رہی مگر ایک ملتقی اس میں بے شک یہ قول مصرح ہے حیث قال" یرجحون بقوۃ

الدرجة ثم بقوة القرابة ثم بكون الاصل وارثاً عند اتحاد الجهة " تو اسے مسئلہ متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی پر ہی ہیں۔

سابعاً۔ شروح ہدایہ کا حال معلوم ہوا۔ اور شروح کنز نے مسئلہ متن مقرر رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہو لیا و للہ الحمد۔

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی فتاوی امام تمرتاشی و مجمع الفتاویٰ وفتاوی خلاصہ میں ظاہر الروایۃ و مذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصر و تاتارخانیہ میں اسی پر مشی کی۔ ضوء السراج میں ہے علیہ الفتویٰ، جامع المضمرات میں ہے ہو الصحیح، معراج الدرایۃ میں ہے ہو الاولیٰ بالاخذ، علامہ محقق خیر الدین رملی نے اس پر فتویٰ دیا۔

اقول بلکہ مبسوط سرخسی جلد ثلاثین ص ۲ میں ہے :-

" اجمعنا انه لو کان احدهما ولد عصبته او صاحب فرض کان اولیٰ من الاخر انتهی (ای یقدم علیٰ من لیس بعصبته ولا صاحب فرض)

اور پھر مبسوط امام سرخسی اس کافی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انھوں نے تمام کتب ظاہر الروایۃ کو جمع فرمایا ہے! اس میں انہوں نے صرف ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اول کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی اسی طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے۔

ان کان احدهما ولد عصبة او ولد صاحب فرض فعند اتحاد الجهة يقدم ولد العصبة وصاحب الفرض وعند اختلاف الجهة لايقع الترجيح بهذا بل تعتبر المساواة فی الاتصال بالميت وبيانه فيما اذا ترك ابنة عم لاب وام اولاب ابنة عمة فالمال كله لابنة العم لانها ولد عصبة ولو ترك ابنة عم وابنة خال او خالة فلابنة العم الثلثان ولابنة الخال او الخالة الثلث لان الجهة مختلفة هٰهنا ولايترجح احدهما بكون ولد عصبة وهذا فی رواية ابی عمران عن ابی يوسف فاما فی ظاهر المذهب ولد العصبة اولیٰ سواء اختلفت الجهة او اتحدت لان ولد العصبة اقرب اتصالا بوارث الميت فكان اقرب اتصالا بالميت۔

فان قيل فعلیٰ هذا ينبغی ان العمة تكون احق بجميع المال من الخالة لان العمة ولد العصبة وهو اب الاب والخالة ليست ولد عصبة ولا ولد صاحب فرض لانها ولد اب الام قلنا لاكذالك فان الخالة ولد ام الام وهی صاحبة فرض فمن هذه الجهة يتحقق المساواة بينهما فی الاتصال بوارث الميت الا ان اتصال الخالة بوارث هو ام فتستحق فريضة الام واتصال العمة بوارث هو اب فتستحق نصيب الاب فلهذا كان المال بينهما اثلاثا۔

(اگر دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہے تو اتحاد جہت کی صورت میں عصبہ اور صاحب فرض کی اولاد کو تقدیم حاصل ہوگی۔ اختلاف جہت کی صورت میں اس سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ میت سے تعلق میں مساوی معتبر ہوں گے مثلاً ایک شخص سگے چچا یا علاتی چچا (باپ کے پدری بھائی) کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا۔ تمام مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ کی بیٹی ہے اور اگر ایک چچا کی بیٹی اور ایک ماموں یا خالہ کی بیٹی چھوڑ گیا تو چچا کی بیٹی کو دو تہائی اور ماموں یا خالہ کی بیٹی کو ایک تہائی ملے گا۔ کیوں کہ یہاں جہت مختلف ہے دونوں میں سے ایک کو ولد عصبہ ہونے کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ابو عمران کی روایت ہے لیکن ظاہر مذہب میں ولد عصبہ اولیٰ ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد کیونکہ ولد عصبہ کا میت کے وارث سے زیادہ قریبی تعلق ہے گویا میت سے اقرب ہے۔

سوال اس بنا پر چاہیئے کہ پھوپھی خالہ کی نسبت تمام مال کی زیادہ حق دار ہو کیونکہ پھوپھی دادا ایسے عصبہ کی اولاد ہے جب کہ خالہ نہ عصبہ کی اولاد ہے نہ صاحب فرض کی کیوں کہ وہ نانا کی اولاد ہے۔ جواب اس طرح نہیں کیونکہ خالہ نانی کی اولاد ہے اور وہ ذات فرض ہے۔ اس اعتبار سے پھوپھی اور خالہ میں میت کے وارث سے متصل ہونے میں مساوات پائی جائے گی مگر خالہ کا جس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ ماں (نانی) ہے لہذا ماں کے حصے کی مستحق ہوگی اور پھوپھی کا تعلق اس وارث کے ذریعے جو باپ (دادا) لہذا باپ کے حصے کی مستحق ہوگی۔ اسی لئے ان میں مال کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے (دو حصے پھوپھی کے لئے ایک حصہ خالہ کے لئے) بعینہٖ یہی مضمون تمام تکملۂ بحر میں ہے اور ہندیہ میں لفظ اتصالا بالمیت تک اس میں امام جلیل نے دلیل قول اول کے جواب کا بھی افادہ فرمایا۔

اقول ولا يقدح مع تحقق المساواة ان العمة اذا كانت لاب وام كانت ولد الوارث من كلا الجهتين ويستحيل هذا فی الخالة لان هذا قوة القرابة ولا نظر اليها عند اختلاف الحيز كما صرح به قاطبةً نعم رأيتنی كتبت علی هامش تكملة البحر مانصه۔

اقول لايتمشیٰ اذا كانت الخالة اخت الام لاب فانها لاحظ لها من ولدية وارث اصلا۔ لايقال انها

من الخالة لام فاذا مات عن خالة لاب واخرىٰ لام احرزت الاولیٰ جمیع المال ولا شی للاخرىٰ والخالة لام لا یحجبها العمة لاستوائها معها فی ولدیة الوارث فاذا لم تحجب الاضعف وجب ان لا تحجب الاقوىٰ لانی اقول انما قوتها قوة قرابتها فان الانتماء بالاب اقوىٰ من الانتماء بالام وهذه قوة لا نظر الیها عند اختلاف الجهة فتبقی ولدیة العمة للوارث قوةً بلا معارض فیلزم ان تحجب الخالة لاب وهو باطل فعلم ان ولدیة الوارث ایضا لا تلاحظ فی الجهات المختلفة۔

اقول وبالله التوفیق توریث الخالة مع العمة اثلاثاً عند الفقهاء رحمهم الله تعالیٰ لاقامة العمة مقام العم والخالة مکان الام قال شمس الائمة اعلم بان العمة بمنزلة العم والخالة بمنزلة الام وقال اهل التنزیل العم بمنزلة الاب والخالة بمنزلة الام ووجه قولهم ان الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم اجتمعوا علی ان للعمة الثلثین وللخالة الثلث اذا اجتمعتا ولا وجه لذلك الا بان یجعل العمة کالاب باعتبار ان قرابتها قرابة الاب والخالة کالام باعتبار ان قرابتها قرابة الام وجه قول علمائنا ان الاصل ان الانثیٰ متیٰ اقیمت مقام ذکر فانها تقوم مقام ذکر فی درجتها۔ والذکر الذی فی درجتها هو العم وهو الوارث فتجعل العمة بمنزلة العم۔ والخالة لو اقیمت مقام ذکر فی درجتها وهو الخال لم ترث مع العمة فلهذه الضرورة اقمناها مقام الام فالعمة ترث الثلثین والخالة الثلث بهذا الطریق بمنزلة ما لو ترك اُما وعما ؍مختصراً؍ فاذا کان الامر علی هذا سقط تقدم العمة لولدیة العصبة فانها قد اقیمت مقام العصبة فضلاً علی الولدیة ولم تحجب الخالة لاقامتها مقام الام والام لا تحجب بالعم وفی هذه الحالات کلهن سواء۔ قد رائنا ان مثل الاقامة تمنع الحجب بما هو اقویٰ اسبابه وهو اقرب درجة الا تریٰ ان من خلف بنتاً او بنات ابن فلهن السدس تکملة للثلثین لاقامتهن مقام البنت لا یحجبهن بعد درجتهن عن درجة البنت وکذلك اذا مات عن بنتین وبنت ابنٍ وبنت ابن ابن وابن ابن ابن لانهما اقیمتا فی درجة الذکر کی تتعصب به فهذا هو السرّ فی وراثة الخالة لاب مع العمات والله تعالیٰ اعلم ثم اقول لا یذهبن عنك ان هذه الاقامة تقتصر علی الذوات ولا تتعدی الی الاولاد فاولاد الخالة لا یجعلون کاولاد الام الا تریٰ ان ذکورهم لا یساوون اناثهم بل للذکر مثل حظ الانثیین وهذا کولدیة العصبة لا تسری من الولد الی ولد الولد کما فی رد المحتار وغیرہ عن سکب الانهر وغیرہ فابن بنت العم لا یقدم علیٰ بنت ابن العمة او الخال او الخالة فاحفظ۔

(اقول مساوات کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ سگی پھوپھی دو جہتوں سے وارث (دادا اور دادی) کی اولاد ہے یہ بات خالہ میں نہیں ہو سکتی (کیونکہ وہ صرف ایک وارث نانی کی اولاد ہے) اس لئے کہ یہ قوت قرابت ہے جس کا اختلاف جہت کی صورت میں اعتبار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تمام ارباب فرائض نے تصریح کی۔ میں نے تکملہ بحر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ

اقول یہ جواب اس وقت نہیں بن سکتا جب خالہ ماں کے والد کی طرف سے بہن ہو کیونکہ وہ قطعاً وارث کی اولاد نہیں (لھذا پھوپھی کے مقابل یہ خالہ محروم ہونی چاہیئے) سوال :- یہ خالہ اس خالہ سے اقویٰ ہے جو ماں کی ماں کی طرف سے بہن ہو۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایسی دو خالائیں چھوڑ کر فوت ہو جائے تو تمام مال پہلی کو ملے گا اور دوسری محروم ہو گی۔ پھوپھی دوسری خالہ کو محروم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اسکے ساتھ ولد وارث ہونے میں شریک ہے۔ پھوپھی جب اضعف کو محروم نہیں کر سکتی تو ضروری ہے کہ اقویٰ (پہلی خالہ) کو بھی محروم نہ کرے۔ جواب :- پہلی خالہ کی قوت ~~قوت~~ قرابت ہے کیونکہ باپ کے ذریعے سے منسوب ہونا ماں کے توسط سے منسوب ہونے سے زیادہ قوی ہے لیکن اختلاف جہت کے وقت اس قوت کا اعتبار نہیں۔ لہذا پھوپھی کے ولد وارث ہونے والی قوت معارض کے بغیر باقی رہے گی اور لازم آئے گا کہ پھوپھی خالہ کو محروم کر دے حالانکہ یہ غلط ہے معلوم ہوا کہ جہات مختلفہ میں ولدیت وارث بھی معتبر نہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے نزدیک خالہ کو پھوپھی کی موجودگی میں اس لئے تہائی حصہ ملتا ہے کہ پھوپھی کو چچا کے اور خالہ کو ماموں کے قائم مقام رکھا جاتا ہے۔ شمس الائمہ نے فرمایا کہ پھوپھی چچا اور خالہ ماں کے مرتبہ میں ہے اور اہل تنزیل نے کہا چچا بمنزلہ باپ کے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ یہ بھی کہا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت کے نزدیک اجتماع کے وقت پھوپھی کے لئے دو تہائی اور خالہ کے لئے ایک تہائی۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ پھوپھی کو باپ کی طرح قرار دیا جائے اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت باپ سے ہے اور خالہ کو ماں کی طرح کہ اس کی قرابت ماں سے ہے ہمارے علما کے قول (کہ خالہ ماں کی طرح ہے) کی وجہ یہ ہے کہ قاعدے کی رو سے عورت

کو جب کسی مرد کے قائم مقام کیا جائے تو اسینے ہم مرتبہ مرد کے قائم مقام ہوگی پھوپھی کا ہم مرتبہ مرد چچا وارث ہے لہذا اسے چچا کے قائم مقام کیا جائے گا اور خالہ کو اس کے ہم مرتبہ مرد (ماموں) کے قائم مقام کیا جائے تو پھوپھی کے ساتھ وارث نہیں بن سکے گی اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے اسے ماں کے قائم مقام کیا۔ لہذا اس طریقے سے پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی مال ملے گا۔ جیسا کہ ماں اور چچا وارث ہوتے (مختصراً) جب معاملہ اس طرح ہے تو پھوپھی کو ولدیت عصبہ کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ اسے ولدیت کی بجائے عصبہ کی جگہ قرار دیا گیا ہے۔ پھوپھی خالہ کو محروم نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ خالہ کو ماں کی جگہ رکھا گیا ہے اور ماں چچا سے محروم نہیں ہوتی۔ ان حالات میں تمام برابر ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اقامنہ کی وجہ سے قرب درجہ ایسا قوی سبب بھی محروم نہیں کر سکتا۔ مثلاً ایک شخص ایک لڑکی اور چند پوتیاں چھوڑ گیا (نصف مال لڑکی کو) اور چھٹا حصہ پوتیوں کو ملے گا تاکہ دو ثلث پورے ہو جائیں۔ کیونکہ انھیں لڑکیا کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ لڑکی کے درجے سے دوری انھیں محروم نہیں کرے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دو لڑکیاں ایک پوتی ایک پوتے کی لڑکی اور ایک پوتے کا لڑکا چھوڑ گیا۔ پوتی اور پوتے کی لڑکی کو مرد کے درجے میں رکھا جائے گا تاکہ اس کے ذریعے عصبہ بن جائیں یہ وجہ ہے کہ خالہ (ماں کی سوتیلی بہن یا باپ کی طرف سے) پھوپھی کے ساتھ وارث بنتی ہے۔

ثم اقول۔ قائم مقام قرار دینا صرف ذوات تک محدود ہوگا۔ اولاد کا یہ حکم نہیں ہے چنانچہ خالہ کی اولاد۔ ماں کی اولاد کی طرح نہیں ہوگی۔ دیکھئے خالہ کی اولاد میں مرد اور عورتیں برابر نہیں بلکہ مرد کو عورت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا (جب کہ اولاد ام میں مذکر و مونث برابر ہوتے ہیں) اس کی مثال ولدیت عصبہ ہے کہ اولاد سے اولاد کی (اولاد کی) طرف منتقل ہوگی جیسے کہ ردالمحتار وغیرہ مکب الانہر وغیرہ سے ہے۔ بنابریں چچا کی لڑکی کا لڑکا پھوپھی ماموں یا خالہ کے بیٹے کی بیٹی سے مقدم نہ ہوگا۔

بالجملہ قول دوم پر ہی اکثر متون ہیں اور اسی کو اکثر نے ظاہر روایت اور مذہب فرمایا اور تصریحات صریحہ صرف اس کے لئے ہیں خصوصاً اکثر تصحیحات علیہ الفتویٰ تو اسی پر اعتماد واجب ہے اور اس سے عدول ساقط وذاہب، ردمحتار و تصحیح علامہ قاسم میں ہے۔ اما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ وصححوہ کما لو افتونا فی حیاتھم واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ثانیہ جب کہ یہاں اختلاف جہت کے وقت مذہب صحیح و مفتیٰ بہ میں ولدیتِ وارث معتبر ہے۔ آیا قوت قرابت معتبر ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے نفی کو مفاد اطلاقِ روایت بنایا اور خود اثبات کا استظہار کیا کہ قوت قرابت ولدیت وارث سے اقوی ہے۔ جب یہ معتبر ہے تو اس کا اعتبار بدرجۂ اولیٰ ہے۔ عبارتِ عقود سائلِ فاضل کے پیش نظر ہے۔ فقیر نے اپنے نسخۂ عقود پر یہاں پر حاشیہ لکھا تھا۔

قولہ یلزم ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا وانہا اقویٰ

اقول قد اجمعوا فی الروایات الظاھرۃ ان لا نظر بقوۃ القرابۃ عند اختلاف الحیز فلا تقدم العمۃ الشقیقۃ علی الخالۃ لام ولا الخالۃ العینیۃ علی العمۃ لام۔ وکون قوۃ القرابۃ اقویٰ من ولدیۃ الوارث فی حیز واحد لا یوجب اعتبارھا عند اختلاف الحیز وھی ساقطۃ الاعتبار فیہ فجریان الاضعف فی محل لکونہ محل جریانہ لا یستلزم جریان الاقوی فیہ مع انعدام المحلیۃ والحق ان لا معنی لقوۃ القرابۃ فی حیز الا کون قریب ذا جھتین کالعینی او ذا جھۃ اقویٰ کالعلاتی مع الاخیافی وظاھر ان اجتماع الجھتین فی حیز لا یلغی الحیز الآخر واذا کان نفس احد الحیز اعنی الابوی اقوی من الآخر اعنی الاعمیۃ لم تورث قوتہ الغاء الحیز الآخر فکیف تورث قوۃ جھتہ الغاء الاخر وتعلیل قوۃ القرابۃ انما ھو فی الحیز الواحد لا تقدیم ذی حیز علی ذی حیز لقوۃ قرابۃ فی حیزہ والا یقدم الحیز الابوی مطلقا علی الامی مطلقا وایضا لو نظر الی قوۃ القرابۃ لعاد نقضا علی المقصود فان الاقویٰ غیر معتبر عند اختلاف الحیز باجماع الروایات الظاھرۃ فکیف تعتبرون فیہ الاضعف ویؤول الامر الی الغاء کلا الترجیحین وھو خلاف ما قررتم انہ صحیح مفتی بہ وانما الجواب ما قدمت (ان) الاقوی لم یعتبر لعدم المحل فلا یلغی مع حصول المحلیۃ وذالک لان ولدیۃ العصبۃ نشئ (غیر) من العصوبۃ تقضی علی غیرھا مطلقا وان کان من حیزھا کالعم یحجب الخال فکذا ولدیۃ العصبۃ وبھذا تنحل الشبھتان معا اعنی وجوب اعتبار الاقوی کما ذھب الیہ العلامۃ الشامی ووجوب اسقاط الاضعف بسقوط الاقوی کما قررنا فی الالزام واللہ تعالیٰ اعلم۔

ضروری ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دی جائے جب کہ وہ (ولد عصبہ سے) زیادہ قوی ہے (عقود) اقول روایاتِ ظاہرہ متفق ہیں کہ اختلاف حیز کے وقت قوت قرابت معتبر نہیں۔ لہذا سگی پھوپھی کو اس خالہ پر ترجیح نہ ہوگی جو ماں کی طرف سے بہن ہے۔ اسی طرح سگی خالہ کو اس پھوپھی پر ترجیح نہیں جو باپ کی ماں کی طرف سے بہن ہے۔ ایک جہت میں قوت قرابت کے ولدیت وارث سے

زیادہ قوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اختلاف جہت کے وقت بھی معتبر ہو کیوں کہ قوت قرابت اس صورت میں ناقابل اعتبار ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ اضعف اگر برمحل معتبر ہو تو ضروری نہیں کہ اقوی بے محل بھی معتبر ہو۔

حق یہ ہے کہ ایک جہت میں قوت قرابت کا معنی یہ ہے کہ ایک قریب دو جہتین رکھتا ہو (باپ کی طرف سے بھی متعلق ہو ماں کی طرف سے بھی) جیسے سگا رشتے دار یا ایک قوی جہت رکھتا ہو۔ جیسے باپ کی طرف کا رشتے دار ماں کی طرف کے رشتے دار سے قوی ہے ظاہر ہے کہ ایک جانب دو جہتوں کا اجتماع دوسری جانب کو محروم نہیں کر سکتا۔ جب باپ جانب قوی ہونے کے باوجود دوسری جانب ماں کو محروم نہیں کرتا تو اس کی جانب سے حاصل ہونے والی قوت دوسری جانب کو کیسے محروم کر سکے گی۔ قوت قرابت ایک ایک جانب میں معتبر ہے۔ اس کی وجہ سے ایک جانب کو دوسری جانب پر تقدیم حاصل نہ ہوگی ورنہ لازم آئے گا کہ باپ، کی جانب کو ماں کی جانب پر مطلقاً تقدیم حاصل ہو (وہو باطل) نیز قوت قرابت کا اعتبار مقصود کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ کیونکہ اختلافِ جہت کے وقت تمام روایات ظاہرہ کے مطابق اقویٰ معتبر نہیں۔ تو آپ حضرات اضعف (ولدیتہ عصبہ) کا کیوں اعتبار کرتے ہیں۔ نتیجتاً دونوں ترجیحیں (قوت، قرابت، اور ولدعصبہ کے لحاظ سے) لغو ہو جائیں گی۔ اور یہ بات خود تمہاری تقریر کے خلاف ہے (کہ ولدعصبہ کو ترجیح ہے) کہ وہ صحیح اور مفتی بہ ہے۔ جواب وہی ہے جو میں نے اس سے پہلے ذکر کیا کہ اقوی کا اس لئے اعتبار نہیں کہ اس کا محل نہیں لہٰذا دوسری ترجیح برمحل ہوتے ہوئے لغو نہ ہوگی یہ اس لئے کہ ولدعصبہ کو عصوبت سے حصہ ملتا ہے اور عصبہ کو غیر پر مطلقاً ترجیح ہوتی ہے مثلاً چچا (عصبہ ہے) ماموں (غیر عصبہ) کو محروم کر دے گا۔

اسی طرح ولدعصبہ اس تقریر سے دونوں شبہے مندفع ہو جاتے ہیں (۱) اقوی کا اعتبار ضروری ہے جیسے علامہ شامی نے کہا (۲) اقوی ساقط ہے تو اضعف کا ساقط ہونا ضروری ہے جس طرح ہم نے الزام کی تقریر میں بیان کیا۔

اس حاشیہ نے بحمدہ تعالیٰ کشف شبہ کر دیا۔ اس وقت مبسوط شمس الائمہ سرخسی فقیر کے پاس نہ تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کر دیا کہ وہ صرف اطلاق روایت سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحثِ علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی وللہ الحمد۔

مبسوط کا نص ملخص یہ ہے:-

"فی ظاہر المذہب ولد العصبة اولیٰ سواء اختلفت الجهة او اتحدت (الیٰ ان قال) فان کان قوم من هٰؤلاء من قبل الام من بنات الاخوال او الخالات وقوم من قبل الاب من بنات الاعمام او العمات لام فالمال مقسوم بین الفریقین اثلاثا سواء کان من کل جانب ذو قرابتین او من احد الجانبین ذو قرابة واحدة۔ ثم ما اصاب کل فریق فیما بینهم یترجح جهة ذی قرابتین علیٰ ذی قرابة واحدۃ"

ظاہر مذہب میں ولدعصبہ اولیٰ ہے خواہ جہت مختلف ہو یا متحد۔ اگر ماں کی جانب سے ایک جماعت ہو مثلاً ماموں یا خالاؤں کی لڑکیاں، اور ایک جماعت باپ کی طرف سے مثلاً پھوپھیوں یا سوتیلے چچا (باپ کے مادری بھائی) کی لڑکیاں تو مال فریقین میں تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا (ایک حصہ پہلے فریق کو اور دو حصے دوسرے فریق کو دیئے جائیں گے) خواہ ہر جانب دو دو قرابتیں ہوں یا ایک، جانب صرف ایک، قرابت ہو۔ پھر ہر فریق کا حصہ ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ ذو قرابتین کو ایک قرابت والے پر ترجیح ہوگی۔

یہ نص صریح ہے وللہ الحمد کہ اختلاف جہت کے وقت ولدیت وارث سے ترجیح ہے اور قوت قرابت سے نہیں تو اولاد صنفِ رابع کا قانون صحیح و معتمد یہ ہے۔

یقدم الاقرب مطلقا ثم ان اختلف الحیز فولد الوارث وان اتفق فالاقوی قرابةً ثم ولد الوارث وبعد هذہ الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

اقرب بہرحال مقدم ہے پھر اگر جہت مختلف ہو تو ولد وارث کو اور اگر متحد ہو تو اقویٰ پھر ولد وارث کو ترجیح ہوگی ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا۔

بمحمد ن المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتبہ

(عبدہ المذنب احمد رضا القادری عفی عنہٗ)

حضرت سراج الفقہاء

مولانا سراج احمد صاحب

فرماتے ہیں کہ:

اس جواب کو دیکھنے کے بعد مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کے متعلق میرا انداز فکر یکسر بدل گیا۔ اور ان کے متعلق ذہن میں جمائے ہوئے تمام خیالات کے تار و پود بکھر گئے۔ ان کے رسائل اور دیگر تصانیف منگوا کر پڑھے تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے سامنے سے غلط عقائد و نظریات کے سارے حجابات آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں۔

اسی دور میں احمد پور کے ایک مشہور فقیہ مولوی نظام الدین سے میری گفتگو ہوئی یہ مولانا تفقہ میں اپنے ہم عصر علماء سے ممتاز تھے اور کسی کو اپنا ہمسر تصور نہیں کرتے تھے عقیدہ کے اعتبار سے غیر مقلد تھے۔ فتاویٰ رشیدیہ کے اس فتوے پر گفتگو ہوئی کہ حدیث صحیح کے مقابل قول فقہا پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ اعلیٰ حضرت کے رسالہ "الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی" کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے انھیں سنائے تو کہنے

لگے۔ یہ یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے! افسوس کہ میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔" پھر فقہ کے چند مسائل کے جوابات رسالہ رضویہ سے سنائے تو کہنے لگے علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔" حضرت سراج الفقہا فرماتے ہیں میں اس کے قول کی تصدیق کرتا ہوں کہ علامہ شامی کی بحث کو بیان فرما کر اپنی بحث کا اظہار کر کے فرمایا الحمد للہ میلر فہم ظاہر الروایہ آیا۔ بقولہ اس وقت میرے پاس مبسوط نہ تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کر دیا کہ صرف اطلاق سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی۔ وللہ الحمد

ناظرین اب حضرت سراج الفقہاء کے دو مکتوب ملاحظہ فرمائیں جن سے انکے خیالات کی واضح نشاندھی ہوتی ہے۔ یہ دونوں مکتوب کرمی جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام ہیں۔

مکتوب ۱

مکرم و محترم مولانا صاحب زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نوازش نامہ ملا شکریہ! اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی علمیت و فقاہت پر مجھ سے مضمون لکھوانا

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جب تک سارے علوم عقلیہ و نقلیہ میں باکمال نہ ہو فقہ میں ناقص ہے اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کو ہر علم میں کمال تھا مولوی نظام الدین فقیہ احمد پوری وہابی جو تفقہ میں اپنے ہمعصر علما، دیوبندی وغیرہ سے (اپنے) آپ جیسا فائق کسی کو نہ جانتا تھا۔ فتاوی رشیدیہ کے اس فتوی پر کہ حدیث صحیح کے مقابل قول فقہا پر عمل کرنا نہ چاہیے۔ میں نے رسالہ "الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی" مصنفہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو کہا یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے! افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔ پھر چند مسائل فقہ کے جوابات رسائل رضویہ سے سنائے تو کہنے لگا کہ علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں۔ یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتا ہے۔

میں اس کے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں کہ شامی وغیرہ ان کے شاگرد ہیں

میں نے جب رسالہ زبدہ سراجیہ فی علم المیراث والمیقات والوصیۃ" تصنیف کیا تو صنف رابع ذوی الارحام میں رسائل میراث جو سراجی کے خوشہ چیں ہیں سب نے لکھا کہ اختلاف جہت کے وقت قوت قرابت اور ولدیت عصبہ سے ترجیح نہیں ہے مگر شامی نے فتویٰ دیا کہ عم عمہ کی جہت سے ولد العصبہ خال خالہ کی جہت والے غیر عصبہ کے ولد کو محروم کرتا ہے۔ علامہ شامی نے العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ" میں فرمایا جن کے نزدیک ولد عصبہ کو ترجیح ہے انھیں قوت قرابت کو بھی مرجح ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔

اس کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں میں نے استفتا[illegible] تو آپ نے فرمایا کہ تنقیح حامدیہ پر میں نے اس کے برخلاف تحقیق لکھی مگر اس وقت مبسوط سرخسی میرے پاس نہ تھی۔ الحمد للہ نص صریح ظاہر الروایہ میری تحقیق کے مطا[illegible] اسی میں آئی ہے۔ یہ ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا فرمودہ۔ جس پر ہر محقق اندازہ [illegible] سکتا ہے کہ فقاہت میں کتنے رفیع القدر تھے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی ظاہر[illegible] ان کی مؤید تھی۔

آپ نے جس فن میں قلم اٹھایا اس کے ائمہ کو مبہوت کر دیا۔ دیکھو رسال[illegible] "حاجز البحرین" رد نذیر حسین دہلوی امام اہل حدیث رسالہ فوز مبین رد حرکت ز[illegible] وغیرہ میں فتویٰ میراث میں مجھے سائل فاضل ہداہ اللہ کا خطاب دے کر دعا کی [illegible] میری ہدایت کا باعث بنی کہ وہابیت جو وہابی استادوں کی شاگردی سے ملی تھی ا[illegible] وقت سے جاتی رہی۔ الحمد للہ کل الحمد

مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۶۹ء حررہ سراج احمد مکھن بیلوی
مفتی سراج العلوم۔ خان پور

مکتوب ۲

میں نے تصنیف رسالہ کے وقت صنف رابع ذوی الارحام کا مسئلہ جو معرکۃ[illegible] تھا ہر ادارہ دیوبند، سہارن پور، دہلی وغیرہ کی طرف ارسال کیا کسی سے جواب [illegible] نہ آیا۔ آخر کار اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا پتہ ان کے رسائل سے معلوم ہوا تو [illegible] خدمت میں وہ مسئلہ پیش کیا۔ سبحان اللہ حضرت کی وسعت علم و فہم پر قربان جا[illegible] کہ مسئلہ کا ایسا حل فرمایا کہ تمام اختلافات کتب اور شکوک و شبہات رفع ہو گ[illegible] اور دیگر فوائد علمیہ کثیرہ پر مشتمل پایا جس سے علمائے متقدین کی یاد تازہ ہوئی اور قلب[illegible] کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی۔ وہ مسئلہ ذیل ہے۔

مسئلہ اولیٰ ترجیح ولد العصبۃ عند اختلاف الجہتہ میں دو قول بیان فرما[illegible] قول اول عدم ترجیح کا ظاہر اطلاق متون و شرح ہونا علامہ شامی سے نق[illegible] فرمایا کہ کنز کی عبارت والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا و[illegible] اختلاف جہتہ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام میں جملہ اخیر[illegible] ہے کہ ولد عصبہ ہو یا نہ ہو عند اختلاف الجہتہ قرابت اب کو ضعف قرا[illegible] ام ہے بقولہ وہو ظاہر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا و عند اختلا[illegible] جہتہ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یفرقو بین ولد العصبۃ [illegible] یعنی ترجیح ولد العصبہ کو ہوگی۔ اسی طرح در مختار نے فرمایا۔ لیکن اعلیٰ حضر[illegible] نے یوں بیان فرمایا۔ اقول یہ جملہ ان دو قاعدہ ترجیح کے بعد مذکور[illegible] وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف و احوال کو شامل تھے تو یہ قطعاً ان [illegible]

مفید ہے ورنہ اختلاف جہتہ کے وقت قرب درجہ کو بھی ترجیح نہ ہوا در وہ بالاجماع باطل وعلی التنزل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں۔ وہاں بھی اختلاف واتحاد سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق کے معارض ہے۔

مسئلہ ثانیہ میں علامہ شامی کی بحث کو بیان فرماکر اپنی بحث کا اظہار کرکے فرمایا الحمدللہ میرا فہم مطابق ظاہر الروایتہ آیا۔ بقولہ اس وقت میرے پاس مبسوط نہ تھی اب اسکے مطالعہ نے واضح کردیا کہ صرف اطلاق سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے۔ بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمداللہ القدیر نص کے موافق آئی۔ وللہ الحمد۔

نیز ذوی الارحام میں جب تخلیص الطوائف بمع تصیح مشکل کام تھا میں نے قاعدہ طائفہ بندی کرکے آسان کردیا۔ جہاں میر سید شریف نے شرح سراجی میں صرف ایک بطن کے اختلاف میں ایسی لغزش کھائی کہ عبارت شرح میں غلط تشریح کی۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا کمال فہم دیکھو کہ فتاوٰی رضویہ میں بطون کثیرہ کی مثال بمع تخلیص الطوائف تقسیم مع التصیح کرتے ہوئے جواب نکالا۔ اس کو میں نے اپنے قاعدہ طائفہ بندی سے حل کیا جواب صحیح آیا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ کوئی مدعی اس مثال کو بغیر دیکھے میرے قاعدہ طائفہ بندی کے نہیں نکال سکتا۔

افسوس صد افسوس کہ مجھے اعلیٰ حضرت کے وصال سے دو سال پہلے ان کا پتہ معلوم ہوا۔ صرف ایک مسئلہ رابع ذوی الارحام مذکورہ کو حل کرا سکا اور باقی صنف ثانی ذوی الاحام ان سے حل نہ کرا سکا۔ ان کے بعد صنف ثالث کا فتویٰ خود کی تصدیق وتردید کے لئے حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں صاحب اور مولانا امجد علی صاحب سے مراسلات کراتا رہا۔ اب تک کوئی جواب حل نہ آیا۔ لہذا اپنے رسالۂ میراث میں اپنا فتویٰ لکھ کر فیلیج کردیا۔

خلاصہ یہ کہ اعلیٰ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کی نعمت عظمیٰ سے نوازا تھا۔ جس پر ان کا فتاوٰی رضویہ شاہد عدل اور برہان قوی ہے آج ہمیں ایسا عالم دین نظر نہیں آتا جس سے ہم علمی الجھن دور کرائیں۔ اب ان کا فتاوٰی رضویہ ہے وہ بھی مکمل نہیں چھپا صرف چار جلدیں چھپی ہیں اور باقی کے لئے آنکھیں ترس رہی ہیں۔

اگر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی علم حدیث میں وسعت علمی دیکھنی ہو تو رسائل "تقبیل الابہامین" و "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین" نذیر حسین دہلوی امام اہل حدیث کے رد میں ملاحظہ کریں جس سے مولوی نذیر حسین طفل مکتب نظر آتا ہے۔ اسی طرح وسعت علمی علوم معقولات فلسفہ، ریاضی وغیرہ میں رسالہ "فوز مبین" حرکت زمین کے رد میں دیکھو کہ نظام بطلیموسی فیثاغورسی کی ایسی تطبیق دی کہ نیوٹن جو فلسفۂ حال کا امام مانا جاتا ہے شاگرد نظر آتا ہے۔

سراج احمد مفتی

مدرسہ دارالعلوم خانپور

مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۶۹ء

امام احمد رضا اور

صدر الافاضل

از مولانا مفتی حکیم غلام معین الدین نعیمی ——— لاہور

بسملا و محمدا و مصلیا و مسلما۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مفتی شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، دین برحق کے ایسے امام ہیں جن کے کمالات علم و عمل عرب و عجم میں اہل دین کے قلوب پر اپنا سکہ جما چکے ہیں موجودہ صدی کے نصف تک عرب و عجم، ایشیا و افریقہ وغیرہ برّاعظموں کے دینی معاملات آستانہ رضویہ سے فیصل ہوتے رہے ہیں۔ آپ کا فتاویٰ حجم و تحقیق میں علمائے ماسبق کے مجموعاتِ فتاویٰ سے کہیں زیادہ ہے اور دیگر تصانیف و شروح کی تعداد تو ہزار کے لگ بھگ ہے۔

میرے استاد و مرشد سیدی حضرت صدر الافاضل قدس سرّہٗ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ بحث اور قوتِ کلام کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ:

آپ (یعنی اعلیٰ حضرت) کا اندازِ بحث بالکل محققانہ ہے منطقی مغالطات اور سفسطوں سے آپ کا کلام بالکل پاک ہوتا ہے۔ تدقیق اس قدر کہ علماء کو مطالب تک پہنچنے کے لیے بسا اوقات عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ احتمالاتِ مخالفت کی تمام راہیں زبردست دلائل سے اوّل بند کر دی جاتی ہیں۔ جس بحث میں قلم اٹھایا ہے ممکن نہیں کہ مخالف کو جائے دم زدن باقی رہی ہو۔ معاندانہ مکابرے اور سفیہانہ سب و شتم تو کسی علمی تحقیق کا جواب نہیں ہو سکتے اور اس کام کا انجام دینا ہر زباں دراز، عدیم المروّت والحیا کو آسان بھی ہے مگر علمی معارک میں ہرزہ سرائی کیا بار پانے کے قابل ہے؟ مگر نہ دیکھا گیا کہ محققانہ طور پر کسی شخص کو اس امام المتکلّمین کے سامنے لب کشائی کی جراءت ہوئی ہو۔" (افاضات صدر الافاضل)

میرے یگانہ روزگار مرشد، علمائے معاصرین میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے لیکن وہ بھی اعلیٰ حضرت کی بلند ترین فضیلتِ علمیہ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

فتاویٰ پر نظر ڈالنے والا اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے بہت سے علوم عطا فرمائے تھے جن سے آج دُنیا کے ہاتھ خالی ہیں۔ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں ان کی وسعتِ معلومات، دقّتِ نظر، علوّ مضامین، بلندیٔ تحقیق، جودتِ کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں۔ باوصف اپنی بے بضاعتی کے اُن کے کمالات تک میرے ناقص فہم کی جتنی رسائی ہوئی ہے اور اُن کو جیسے الفاظ میں تعبیر کر سکتا ہوں وہ حاضر ہے لیکن یہ اس امام جلیل کی رفعت و منزلت کی پوری تصویر نہیں ہو سکتی ایک خداداد ایک وہبی فیض تھا جس کو سمجھنے سے عقل حیران ہے۔"

(افاضات صدر الافاضل)

فقاہت

سیدی و استاذی حضرت صدر الافاضل قدس سرّہٗ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت کے بارے میں "ولی را ولی می شناسد" کے طور پر فرمایا:

"علمِ فقہ میں جو تبحّر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم، مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا۔ تفصیل تو ان کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفتاء کے لیے رجوع کیے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا وہی تمام بدمذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہلِ باطل کی تصانیف کے بالغ ردّ بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا۔" (افادات صدر الافاضل)

علمِ حدیث و دیگر علوم

علمِ حدیث کے سلسلہ میں سیدی صدر الافاضل قدس سرّہٗ نے فرمایا:

"علمِ حدیث میں بھی وہ (اعلیٰ حضرت) فرد تھے، اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے۔ علمِ رجال میں اُن کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوکِ زبان پر تھے اور معنی میں بحث، ناسخ و منسوخ کی تمیز، متعارضین کی توفیق۔ یہ تو ان کا خاص حصہ تھا..... علم تفسیر و اصول

(بقیہ صفحہ ۔۔۔ پر)

امام احمد رضا کی فقاہت

مولانا عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری، پاکستان

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ذیل میں دنیائے اسلام کے بطلِ جلیل، چودھویں صدی کے مجدد و فقیہہ اعظم یعنی اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے "فقہی مقام" پر کچھ عرض کرنا ہے کیونکہ آپ سچی توحید و رسالت کے حقیقی علمبردار اور اسلام کی صحیح ترین تصویر یعنی مقدس حنفیت کے سرگرم مبلغ و بیباک ترجمان تھے۔ مگر افسوس کہ شیعوں نے اپنے اس محسن کے علمی کارناموں کو نہ کماحقہٗ محفوظ کیا اور نہ دنیا والوں کو اس نابغۂ عصر کی علمی عظمت سے آشنا کرانے کی زحمت ہی گوارا کی، بلکہ دوسری طرف مخالفین نے اس آسمانِ علم و عرفاں کی طرف دھول اڑانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مذکورہ حقائق کے باوجود اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کا نام ان کے عظیم علمی کارناموں کی وجہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

آپ نے مقدس شجرِ اسلام میں غیر اسلامی نظریات کی پیوند کاری کرنے والوں سے قلمی جہاد کیا نیز علمائے حق و علمائے سوء میں پہچان کرائی اور ایسے "مصلحین" کے تعاقب میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے جنھوں نے نئے نئے فرقے بنا کر مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا اور جو بات بات پر پکے اور سچے مسلمانوں کو بھی مشرک اور بدعتی وغیرہ ٹھہراتے رہتے تھے آپ نے براہین قاطعہ سے اُن کے سارے مزعومہ دلائل کے تار پود بکھیر کر رکھ دیے۔

خالقِ کائنات جلّ جلالہٗ کی صفات کو جب علماء نے اپنے غلط عقلی پیمانوں سے ماپنا شروع کر دیا اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالاتِ عالیہ کی حدود ایسی متعین کرنے لگے جن کی ایک اُمتی کہلانے والا ہرگز جسارت نہیں کر سکتا تو اعلیٰحضرت نے عظمتِ خداوندی اور شانِ مصطفوی کا عَلَم بلند کیا اور کسرِ شان کرنے والوں کے دلائلِ فاسدہ و خیالاتِ کاسدہ کا عمر بھر ردّ بلیغ کرتے رہے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی "جرم" ہے جس کی پاداش میں وہ آج تک بعض حلقوں میں سبّ و شتم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

آپ بزرگوں کے اس درجہ مؤدب تھے کہ چھ سال کی عمر میں بغداد شریف کی سمت معلوم ہونے پر ما بعد کبھی اس طرف پاؤں نہیں پھیلائے۔ کسی بزرگ کا نام مناسب القاب اور دعائیہ کلمات کے بغیر کبھی نہ لکھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو "اللہ میاں" کہنا غلط بتایا اور سمجھایا کہ درود شریف کا (صلعم۔ ص۔ علیہ) وغیرہ اشارات سے اختصار کرنا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کے خلاف فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ کے قبیل سے ہونے کی بنا پر دلیلِ محرومی ہے۔

آپ کے نزدیک صحابۂ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے رض اور دیگر بزرگوں کے ناموں پر رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ رح لکھنا ناپسندیدہ تھا کیونکہ یہ بدعتِ قبیحہ اور بزرگوں کی شان گھٹانے والوں کی ایجاد ہے۔

اگر آپ فرقِ باطلہ کے علمبرداروں کو نہ ٹوکتے، مقدس اسلام کے مخصوص عقائد و نظریات کی من مانی تعبیریں کرنے والوں کا محاسبہ و محاکمہ نہ کرتے تو تمام فرقوں کے نامور علماء اس عبقریٔ اسلام کی علمی عظمت کو برملا تسلیم کرتے لیکن کسی بھی مجدد کو ایسی جھوٹی عزت کی کبھی خواہش نہیں ہوئی چونکہ آپ بھی عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کے سچے نگہبان تھے اسی لیے طعن و تشنیع اور تحسین و آفرین سے بے نیاز ہو کر ہر حالت میں اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

کسی زندہ قوم میں اس مرتبے کا کوئی عالم پیدا ہو جاتا تو وہ قوم اسکے علوم و فنون سے نہ صرف خود مستفید ہوتی بلکہ تمام دنیا کو اسکے افکار و نظریات پڑھنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیتی۔ علمائے اہلسنّت کی بے حسی کا اندازہ کون کر سکتا ہے جبکہ اس یگانۂ روزگار و نابغۂ عصر کے اکثر علمی شاہکار زیورِ طبع سے محروم اور زینتِ طاقِ نسیاں بنے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم اس فقیہہ اعظم کے فتاویٰ کی بعض جھلکیاں پیش کرتے ہیں جن سے انکے فقہی مقام اور درجۂ امامت کو سمجھنے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔

۱۔ مسئلہ تقبیل الابہامین

۱۳۰۱ھ میں اعلیٰحضرت مجدد دین و ملت سے بایں الفاظ سوال ہوا: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمہ "اشهد ان محمدا رسول الله" سُن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟"

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت کہ آپ کی عمر انتیس [29] سال تھی، ایسا جواب تحریر فرمایا کہ چشمِ فلک نے ایسا جامع جواب اس مسئلے کا نہ دیکھا ہوگا۔ اوّلاً مقاصد الحسنہ، مسند الفردوس، موجبات الرحمۃ، تاریخ شمس الدین محمد بن صالح مدنی، شرح نقایہ، کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ اور تکملہ مجمع بحار الانوار وغیرہ کے حوالوں سے اس فعل کا استحباب ثابت کیا۔

اس مسئلہ تقبیل ابہامین میں اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے علمِ اصولِ حدیث کو جس طرح بیان

کرکے رکھ دیا اور تقبیل ابہامین کا بے جا انکار کرنے والوں کی ہر راہِ فرار بند کی ہے، اور انہوں نے اس موضوع پر جو دریا بہائے ہیں اس سے ان کی فضیلت علمی کا صحیح اندازہ، اصل کتاب "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" کے مطالعہ سے ہی ہوسکتا ہے کہ یہ اٹھتیس سالہ مفتی، گویا علم کا ایک بحرِ بیکراں، گلشن مصطفوی کا بلبلِ نغمہ خواں اور مخالفین کے حق میں برہانِ الٰہی کی تیغِ براں تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ مجدّدِ دوراں جو تھا۔ ع

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۲۔ سماعِ موتیٰ

بعض علمائے دیوبند نے، اہل سنت ہونے کا دعویٰ کرتے اور حنفیت کا دم بھرتے ہوئے، معتزلہ کے اتباع میں ادراک و سماع موتیٰ کا انکار کرنا شروع کردیا۔ اُسی زمانے میں اُن کے ایک مولوی صاحب کا فتویٰ سیدنا اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ امعان سے گزرا۔ بزرگانِ دین کو اینٹ پتھروں کی طرح ٹھہرائے جانے پر مجدد دین و ملت نے جب کہ آپ کی عمر شریف تینتیس[۳۳] سال تھی ایسا مُسکت جواب تحریر فرمایا کہ بزرگانِ دین یعنی اولیائے عظام اور علمائے اسلام کی مقدس ارواح کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، اُن کے ناموس کا وہ دفاع کیا کہ مسلمانوں کے گلوں میں احسان کی ہیکلیں ڈال دیں۔ اس معرکۃ الآراء جوابی فتوے کا تاریخی نام حیات الموات فی بیان سماع الاموات ہے۔

اس تحریر پر اہلسنت کے بے مثل مفتی نے تصانیف علمائے اہلسنّت کی روشنی میں پینتیس[۳۵] ایسے اعتراضات کئے جو مخالفین کے کسی عالم سے آج تک رفع نہ کیے جاسکے۔ پھر اکابر خاندانِ عزیزی کے اقوال سے ان کے خیالات کا ردّ کیا ساتھ ہی منکرین جو انک لاتسمع الموتیٰ" سے غلط استدلال کرنے بیٹھ جاتے تھے اُن کے بیانات پر مفصل و مدلّل تبصرہ کرکے اُن کے دعوے کو دلیل سے بیگانہ ثابت کیا۔

منکرینِ سماعِ موتیٰ، مسئلہ یمین کو اپنی ڈھال بناتے تھے لیکن اس وارث علوم پیمبر نے "الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین" کے نام سے جواب دے کر اُسے رسالہ "حیات الموات" کا گویا تکملہ بنادیا۔ اس میں منکرین کے تمام پیش کردہ دلائل کو دعوے سے لاتعلق ثابت کیا، کتبِ حدیث، فقہ، تفسیر اور اصول کے حوالجات کی روشنی میں پچاس سے زائد دلیلوں اور سَو سے زائد قاہر اعتراضوں سے وہ ردّ بلیغ فرمایا کہ لب کشائی کی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ الحمد للہ کہ مجدّد دین و ملت کا یہ مبارک رسالہ اولیائے کرام کی کرامتوں، عظمتوں کا مظہر تقریباً چوراسی سال سے لاجواب ہے اور تاقیامت لاجواب رہے گا۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

۳۔ جمع بین الصلوٰتین

۱۳۱۳ھ میں اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ سفر و حضر میں دو نمازوں کو ملاکر پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ غیر مقلد حضرات اس کے قائل اور عامل ہیں نیز میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے اپنی کتاب "معیار الحق" میں بلند بانگ دعووں کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کی اور حنفی مسلک کو احادیث کے خلاف قرار دیا تھا لہٰذا حضرت فاضل بریلوی نے جبکہ آپ صرف اکتالیس برس کے تھے، محدث کہلانے والے میاں صاحب کے دلائل کا جواب دینا ضروری سمجھا اور ایسا عالمانہ، مجدّدانہ ردّ کیا کہ میاں صاحب اور ان کے تلامذہ میں سے آج تک کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ ان روشن و واضح دلائل کا جواب دے۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوم میں یہ مبارک فتویٰ ص ۲۰۷ سے ص ۳۰۵ تک "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین" کے نام سے بڑے سائز کے اٹھانوے[۹۸] صفحات پر مشتمل ہے۔

۴۔ نوٹ کی حقیقت اور متعلقہ مسائل

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں نوٹ بالکل نوایجاد چیز تھی۔ مفتیانِ عظام سے اس کے بارے میں شرعی حکم دریافت کیا جاتا تو تسلی بخش جواب بن نہ پڑتا تھا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کے مفتی احناف مولانا جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جزئیہ کا کماحقہٗ حکم شرع بیان کرنے سے اپنا عذر "اَلْعِلْمُ اَمَانَۃٌ فِی اَعْنَاقِ الْعُلَمَاءِ" کہہ کر پیش کیا۔

اعلیٰحضرت کا یہ پوری دنیائے اسلام پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے اس مسئلے کو اس کی صورت میں دنیا کے سامنے بدلائل قاہرہ و باہرہ مع حکم جزئیات واضح فرمایا۔ آپ جب دوسری دفعہ ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ مطہرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ میں حاضر ہو رہے تھے ان دنوں وہاں "الدولۃ المکیہ" کا آفتاب عالمتاب جلوہ گر ہوچکا تھا، آپ کی علمیت کے پیشِ نظر موقع غنیمت جان کر ایک روز مولانا عبداللہ مرداد اور مولانا محمد احمد جداوی نے نوٹ کے متعلق ایک استفتاء پیش کردیا، جس میں بارہ سوالات تھے جو موجباً "کفل الفقیہ الفاہم" کے نام سے شائع ہوئے۔ علمائے مکہ انگشت بدنداں رہ گئے پوری دنیائے اسلام کے علمائے کرام عش عش کر اُٹھے، خدا کا شکر ادا کیا کہ ایسے کامل کے فیض سے حصہ پایا۔ ۴؍ صفر ۱۳۲۴ھ کو اعلیٰحضرت "کفل الفقیہ" کے مبیضہ کی تصحیح کے لیے کتب خانہ حرم میں پہنچے، دیکھا کہ ایک جیّد عالم بیٹھے مسودۂ کفل الفقیہ کا مطالعہ کر رہے ہیں (یعنی مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ) جب وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰحضرت نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل فرمائی کہ لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو بلا کراہت جائز ہے تو پھڑک اُٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے "اَیْنَ جَمَالُ ابْنُ عَبْدُ اللّٰہِ مِنْ ھٰذَا النَّصِّ الصَّرِیْحِ" حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے؟

جب گزشتہ زمانے میں حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی علیہ الرحمہ مفتی حنفیہ تھے تو اُن سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے۔ مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ موجودہ مفتی حنفیہ مولانا عبداللہ بن صدیق کا اشارہ اُنھیں کی جانب تھا۔" (سوانح اعلیٰحضرت امام احمد رضا ص ۲۲)

۵۔ تیمم کی تعریف و ماہیتِ شرعیہ

۱۱۔ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا: "تیمم کی تعریف و ماہیت شرعیہ کیا ہے" علوم شرعیہ کے اس بحرِ بیکراں نے وہ جواب دیا جو فتاویٰ رضویہ شریف کی جلد اوّل کے ص۵۸۶ سے ص۸۵۰ تک جہازی سائز کے (دو سو چونسٹھ ۲۶۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحے پر دلائل کے انبار، حوالے قطار اندر قطار، غرضیکہ علم فقہ کا ایک اتھاہ سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پہلے تیمم کی سات تعریفیں بیان فرمائیں۔

مسئلہ تیمم کے متعلق تمام کتب فقہ کی متعلقہ عبارات، ان پر سیر حاصل تبصرہ، ان کی مطابقت و موافقت دکھانا، اجمال کی تفصیل اور ابہام کی توجیہہ ایسے محققانہ انداز سے کرنا جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ سب تائیدِ ربانی کی کرشمہ سازیاں و گہرباریاں ہیں۔ ائمہ دین و علمائے امت کی متعلقہ جملہ تصریحات کے پیشِ نظر مفتی نے اپنے کمال اور زورِ استدلال سے میدانِ فقہ میں نیا عالمی ریکارڈ قائم کر دیا جس کو دیکھتے ہوئے ماننا پڑتا ہے کہ کم ترک الاوّل للآخر۔

جلیل القدر فضلاء کی تصانیف میں تیمم صحیح ہونے کے لیے پانی نہ ملنے کی دس بیس سے زیادہ صورتیں نہ دیکھی گئیں جن میں عذر عند الشرع مقبول ہو مگر دیگر مایۂ ناز کتب میں بھی یکجا ایسے عذر چالیس پچاس سے تجاوز نہ کر سکے لیکن امام اہلسنت فاضل بریلوی کی باری آئی اور آپ نے پانی سے عجز کی صورتیں گنائیں تو ترتیب وار پونے دو سو ۱۷۵ بتائیں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اس ایک مسئلہ تیمم میں جس قدر دلایل پیش کیے تمام کتب فقہ کی روشنی میں جو سیر حاصل تبصرہ فرمایا اور اس سے جو آپ کی علمیت ثابت ہوتی ہے اس کے لحاظ سے ہر منصف مزاج یہ کہنے پر مجبور ہو جائیگا کہ بے شک اعلیٰ حضرت مرکزِ دائرۂ تحقیق اور اہل سنت کے امام ہیں۔ موافقین و مخالفین کی فقہی تصانیف موجود ہیں انہیں سامنے رکھ کر دیکھیے، نتیجہ صاف ظاہر ہے بغض و عناد کی بنا پر اعلیٰ حضرت کے لیے کوئی خواہ کچھ بھی کہتا پھرے لیکن اس چودہویں صدی میں کسی عالم کا آپ سے سبقت لے جانا یا مساوی ہونا تو دور کی بات ہے حقیقتاً کوئی بلحاظ علمیت آپ کی گردِ راہ کو بھی نہ پا سکا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ سُنی مسلمان جو امام اہل سنت، مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں مسلکِ اسلاف کو اپنا کر حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے بے دینوں، گمراہوں کے پھندوں سے بچے ہوئے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

۶۔ مسئلہ امکانِ کذب

متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) کے پوتے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ) نے معتزلہ، کرامیہ، مرداریہ اور ظاہریہ وغیرہ فرقِ ضالہ کے اتباع میں، امکانِ کذب باری کا نظریہ اپنے رسالہ "یکروزی" میں لکھ کر ایک کفریہ بدعت کو رواج دیا ـــ جو روحِ اسلام اور شریعتِ محمدیہ کے بالکل خلاف ہے۔

علمائے اہل سنت اور خاندان عزیزی کے خوشہ چیں اہل علم حضرات نے تصنیف و تالیف اور مباحثوں مناظروں کے ذریعے، مصنف یکروزی اور ان کے ہم خیال علماء کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ یہ نظریہ نیم بسمل کی طرح تڑپتا ہوا نظر آنے لگا اور مکذبین باری تعالیٰ نے مجبور ہو کر اس مسئلہ پر گفتگو کرنے سے زبان و قلم کو روک لیا۔

سالہا سال بعد اگر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اور مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی (المتوفی ۱۳۴۵ھ) اپنی رسوائے زمانہ کتاب "براہین قاطعہ" میں اس مسئلہ کو دوبارہ زیر بحث نہ لاتے اور اس کی علمبر داری نہ کرتے تو یہ غیر اسلامی عقیدہ بھی اپنے ہندوستانی موجدوں کے ساتھ ہی زندہ درگور ہو گیا ہوتا اور ایک زبردست فتنہ کا دروازہ بند ہو جاتا۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اس میدان میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی سے بھی چار قدم آگے بڑھ گئے۔ اپنے ایک مہری دستخطی فتوے میں صاف تصریح کر دی کہ وقوعِ کذب کے قائل کو تفسیق و تضلیل سے مامون رکھنا چاہیئے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

چونکہ شریعتِ محمدیہ میں امکانِ کذب کی قطعاً گنجائش نہیں لہذا عوام کو مغالطہ دینے کی غرض سے دینِ مصطفوی پر یوں غضب ڈھایا کہ خلفِ وعید کو امکانِ کذب کی نوع ٹھہرایا حالانکہ محققین نے خلفِ وعید کا بھی انکار کیا ہے اور جن علمائے کرام نے اسے جائز ٹھہرایا ہے وہ اس کا صرف امکان نہیں بلکہ وقوع مانتے ہیں۔ یوں گنگوہی اور انبیٹھوی صاحبان وقوعِ کذبِ باری کے قائل ٹھہرتے ہیں۔

جب یہ نئے مکذبینِ باری تعالیٰ، شانِ خداوندی میں جھوٹ جیسے عیب کا دھبہ لگا رہے تھے تو چاروں طرف سے علمائے اہلسنت نے ان کا محاسبہ کیا، تحریر و تقریر کے ذریعے منکرینِ تنزیہ و تقدیسِ باری تعالیٰ شانہٗ کی تردید میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ ۱۳۰۷ھ میں شہر میرٹھ سے جناب ابو محمد صادق علی مدّاح صاحب نے اس مسئلہ کی صحیح صورت حال معلوم کرنے کی غرض سے امام اہل سنت مجدد دین و ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں استفتیٰ بھیجا۔

اُس وقت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی عمر صرف پینتیس ۳۵ سال تھی آپ نے جو معرکۃ الآرا جواب دیا وہ تراسی ۸۳ سال سے لاجواب اور "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" کے تاریخی نام سے مشہور و معروف ہے۔ جس نے اس خلاف اسلام عقیدہ کے اگلے پچھلے سارے علمبرداروں کے سب حیلے حوالے ملیامیٹ کر دیئے اور مکذبینِ تقدیسِ باری کے بلند بانگ دعاوی کا شیش محل، اس کے منصۂ شہود پر آتے ہی بلبلے کی طرح مٹ گیا

۷۔ فقیہہ کا مقام

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے نچوڑ کا نام فقہ ہے۔ فقہ پر اُسی کو عبور حاصل ہو سکتا ہے جو تمام اسلامی علوم سے بہرہ مند ہو۔ اگر ایک عالم دین اعلیٰ درجے کا مفسر یا محدث ہے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ بلند پایہ فقیہہ بھی ہو لیکن اس کے برعکس جو بلند پایہ اور وسیع النظر فقیہہ ہے وہ لازمی طور پر بہترین مفسر، اعلیٰ درجے کا محدث اور لاجواب متکلم بھی ہوگا۔

اماموں اور فقیہوں کے سردار، سراجِ امتِ مصطفوی، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم فقہی مقام سے کون منکر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ آپ کی علمیت کو جملہ ماہرینِ علوم و فنون یعنی علمائے امت و ساداتِ ملت نے سراہا اور آپ کے تاجِ فضیلت کی گواہی دی ہے مثلاً:

۱۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "الناس کلھم عیال ابی حنیفۃ فی الفقہ" یعنی تمام لوگ فقہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بال بچے ہیں۔
(صَدَقْتَ یَا سَیِّدِیْ)

۲۔ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: من مناقب ابی حنیفۃ التی انفرد بھا انہ اول من دون علم الشریعۃ ورتبہ ابوابا ثم تبعہ مالک ابن انس فی ترتیب الموطا ولم یسبق ابا حنیفۃ احد" (تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ) یعنی امام ابوحنیفہ کے اُن خصوصی مناقب میں سے جن میں وُہ منفرد ہیں، ایک یہ بھی ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علمِ شریعت کو مدوّن کیا اور اِسے (ابواب پر) ترتیب دی۔ پھر امام مالک بن انس (رحمۃ اللہ علیہ نے) مؤطا کی ترتیب میں اِن ہی کی پیروی کی۔ اس میدان میں ابوحنیفہ سے سبقت لیجانے والا کوئی نہیں۔

۱۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "سبحان اللہ ھو من العلم والورع وایثار الدار الآخرۃ بمحل لا یدرکہ احد (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی)۔ سبحان اللہ! وہ (امام اعظم) تو علم، ورع اور عالم آخرت کو اختیار کرنے میں اس مقام پر ہیں جہاں کسی کی رسائی نہیں۔

۴۔ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: "ما مقلت عینی مثل ابی حنیفۃ۔" (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی) میری آنکھ نے ابوحنیفہ کی مثل نہیں دیکھا۔

۵۔ جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت دی۔
"انہ واللہ لاعلم ھذہ الامۃ بما جاء عن اللہ و عن رسولہ۔" (تاریخ امام طحاوی) بیشک خدا کی قسم، امام ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور رسول سے جو کچھ وارد ہوا اُس کے (قرآن و حدیث کے) سب سے بڑے عالم ہیں۔

تمام فقہاء و مجتہدین کے بادشاہ، جناب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ اُن سرمایۂ روزگار ہستیوں کے ہزاروں میں سے چند بیانات پیش کئے ہیں جو آج آسمانِ علم کے شمس و قمر ہیں۔ ان میں مفسر، محدّث، فقیہہ، جرح و تعدیل کے امام اور عارفِ کامل وغیرہم سب شامل ہیں لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ فقیہہ اعظم ہیں اسی جامعیت کے پیشِ نظر سب ان کے مدّاح ہیں۔

آپ کے زمانہ سے لے کر آج تک اُمت محمدیہ کے اکثر مفسر، محدّث، متکلم اور فقیہ آپ کے ہی خوشہ چیں اور معتقد ہیں، اور بہت تھوڑے حضرات دیگر ائمہ ثلاثہ کے۔ یہ مدلّل وضاحت محض اس وجہ سے کی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ فقیہہ کا علمی مقام، محض ایک مفسر یا محدث سے بہت بلند ہوتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی علمیت نیز علمائے متقدمین و متاخرین کی تصانیف پر آپ کا عبور اور زبردست طرزِ استدلال کی ہلکی سی جھلک، ان کی صرف چو تصانیف کی روشنی میں دکھائی ہے۔ اِن کے علاوہ اُن کی سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں فتوے اس امر پر شاہد عادل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فقہی مقام، حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا تھا کوئی معاصر آپ کا اس میدان میں مدّمقابل نہیں، نہ اِس ملک میں نہ بیرونِ ملک۔

جن چھ کتب کا اجمالی خاکہ، قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے اُن میں سے حیات الموات، منیر العین اور حاجز البحرین سے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر فی الحدیث کا بخوبی پتہ لگ جاتا ہے۔ حیات الموات کے ذریعے، منکرینِ سماعِ موتیٰ کی جہاں ہر ایک دلیل کا مسکت جواب دیا وہاں منیر العین کے ذریعے آپ نے احادیث کو ضعیف ہے ضعیف ہے کی رٹ لگا کر ردّ کرنے والوں کو بھی ہمیشہ کے لیے ساکت و صامت کر دیا۔

"حاجز البحرین" کو پڑھئے تو غیر مقلدوں کے شیخ الکل، میاں نذیر حسین صاحب دہلوی بھی اعلیحضرت کے سامنے یُوں نظر آ رہے ہیں جیسے کوئی چڑیا باز کے پنجوں میں گرفتار ہو۔ "سبحان السبوح" سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے سب سے بڑے متکلم تھے۔

"حسن التعمم" میں جو مسئلۂ تیمم کے متعلق، متقدمین و متاخرین فقہاء کے اکثر اقوال جمع کر کے فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے اُس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے کہ فقہ میں آپ کی پرواز، نادرِ روزگار معاصرین کے فہم و ادراک سے بھی بلند و بالا تھی۔

مکہ مکرمہ کے ایک فاضلِ جلیل، عالم نبیل، محافظِ کتبِ حرم سید اسمٰعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ علیہما نے مجدد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ دیکھ کر فرمایا تھا: "واللہ اقول والحق اقول انہ لو رأھا ابوحنیفۃ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مولفھا من جملۃ الاصحاب"؛ یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اس فتوے کو امام ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو یقیناً اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس مولف (اعلیحضرت) کو اپنے اصحاب (امام ابویوسف و امام محمد وغیرہ رحمہم اللہ) کے زمرے میں شامل فرماتے۔

ابھی تک ہم نے اس مقالے میں اعلیحضرت قدس سرہٗ کا تبحر، جو ان کی بعض تصانیف سے ظاہر و باہر ہے۔ دکھانے کی غرض سے اجمالی خاکہ پیش کیا ہے مگر بتوفیقہ تعالیٰ ہم اس سے آگے قدم بڑھانا چاہتے ہیں یعنی اب دکھانا یہ ہے کہ متقدمین و متاخرین فقہاء کے درمیان

اعلیٰحضرت کا مقام کیا ہے؟ چونکہ یہ مقام بہت اہم اور نازک ہے لہٰذا علمائے کرام سے درخواست ہے کہ جہاں احقر اپنی علمی بے مائیگی کے سبب ٹھوکر کھاجائے تو اصلاح فرمادیں۔ پہلے فقہ کی تعریف، اور فقہاء کے درجے بیان کردینا ضروری ہے۔

فقہ : "العلم بالاحکام الشرعیۃ المکتسب من ادلتھا التفصیلہ" (تنویر الابصار) یعنی احکامِ شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو اپنے تفصیلی دلائل سے اخذ کیے گئے ہوں

اصولِ فقہ : "النظر فی ادلۃ الشریعۃ من حیث تؤخذ الاحکام والتکالیف۔" (مقدمہ ابن خلدون) یعنی دلائل شرعیہ میں اس طرح غور وخوض کرنا کہ اُن کے ذریعے احکام وتکالیف معلوم ہوسکیں۔

فقیہہ : "لیس الفقیہ الا المجتہد عندھم واطلاق علی المقلد الحافظ للمسائل مجاز۔" (رد المحتار جلد اول)، یعنی اصولیوں کے نزدیک فقیہہ بھی مجتہد ہوتا ہے اور مسائل کے یاد کرنے والے مقلد پر فقیہہ کا اطلاق مجازی ہے

معلوم ہونا چاہیے کہ فقہائے کرام کے حسب ذیل چھ طبقے ہیں:

۱۔ مجتہدین فی الشرع : جو احکام شرعیہ کی روشنی میں، اصول وقواعد مقرر فرماتے ہیں، جیسے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۲۔ مجتہدین فی المذہب : جو اصول وقواعد میں، مجتہد فی المذہب، کے تابع ہوتے ہیں لیکن استخراجِ مسائل کی اہلیت رکھنے کے سبب بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی کرجاتے ہیں جیسے امام ابویوسف وامام محمد وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

۳۔ مجتہدین فی المسائل : یہ اصول وفروع میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور کسی مسئلے میں امام کی مخالفت کے مجاز نہیں لیکن جس مسئلے کے متعلق امام کا فیصلہ نہ پایا جائے وہاں اپنے امام کے مقرر کردہ اصول وقواعد کے تحت اُس کا استخراج کرتے ہیں۔

۴۔ اصحابِ تخریج : انھیں اصول اور اُس کے قواعد وضوابط پر تو پورا عبور ہوتا ہے لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں ہوتی۔ اس لیے انھیں صرف مجمل قول کی تفصیل کا اختیار ہوتا ہے جیسے جصاص، ابوبکر رازی اور کرخی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ

۵۔ اصحابِ ترجیح : یہ حضرات بھی، ہر قسم کے دلائل پر گہری نظر رکھتے ہیں لیکن اجتہاد کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ بلحاظ قوت، دلائل کو ایک دوسرے پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں جیسے صاحب قدوری وصاحب ہدایہ وغیرہ۔

۶۔ ممیزین : یہ حضرات بھی، اجتہاد کی قدرت بالکل نہیں رکھتے۔ ہاں جملہ اقسام کے دلائل پر گہری نظر ہوتی ہے اور بلحاظ قوت وصحت کے، دلائل میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، جیسے صاحب کنز وصدر الشریعۃ وغیرہ

ان مذکورہ چھ طبقوں کے علاوہ باقی سب، مقلدین محض ہیں۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اعلیٰحضرت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے، کس طبقے میں شامل ہیں یا مقلد محض؟ وباللہ التوفیق۔

۸۔ کُتّا، مثلِ خنزیر نجس عین ہے یا نہیں؟

بنارس سے مولوی عبد الحمید صاحب نے کتّے کے نجس ہونے، نہ ہونے کے بارے میں دلائل پیش کرتے ہوئے اعلیٰحضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ سے تصفیہ طلب کیا۔ فقیہ اعظم کا ارادہ ہوا اور قلم ایسا حرکت میں آیا کہ میدانِ تحقیق میں سرپٹ دوڑتا ہی چلا گیا۔

نفس مسئلہ ابتداء میں یوں بیان فرمایا: فی الواقع ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ جانور (کتّا) سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر۔ یہی مذہب صحیح اصح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار ماخوذ للفتویٰ عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد دوم مطبوعہ میرٹھ ص۴۹) اس کے بعد بقدر کفایت، احادیث سے دعویٰ کو ثابت کرکے میدانِ فقہ میں قدم رکھتے ہیں۔ فقہائے قدیم وجدید کی تصانیف سے پچاس متون وشروح، فتاویٰ ومختصر کی عبارتیں نقل فرمایا۔ چونکہ اس مسئلے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، لہٰذا فریق ثانی کی طرف توجہ فرمائی اور کشفِ حقائق وشرح دقائق کی غرض سے متعدد کتب کی عبارتوں کو پیش فرماکر مختلف وجوہ سے اپنے دعوی کو مبرہن کیا

۹۔ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا

؎ کچھ سنادے عشق کے بولوں میں اے رضاؔ
مشتاق طبع لذتِ سوزِ جگر کی ہے

صحیح احادیث کے مطابق کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ممنوع، بے ادبی اور خلافِ سنّت ہے لیکن بخاری ومسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، ایک دفعہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھڑے ہوکر پیشاب کرنا مروی ہے۔ علمائے کرام نے اس کی تاویلیں کرتے ہوئے مختلف جواب دیے ہیں جو یکجا کرنے پر آٹھ بنتے ہیں۔ اُن جوابات پر امام اہلسنت وجماعت اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح فرمائی۔ ہمیں امید ہے کہ (فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص۱۳۳) کے مطالعہ کے بعد قارئین کے سامنے اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمِ حدیث میں وسعتِ نظر، صحیح اندازِ فکر اور تائید ربانی کی بھرپور جھلک سامنے آجائیگی۔

۱۰۔ قوانین العلماء

ایک شخص تیمم کرکے نماز پڑھ رہا ہے، نماز سے پہلے یا بعد میں دوسرے کے پانی پر مطلع ہوا۔ اس مسئلے میں اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالے کی طرح ڈالی، جس کو "قوانین العلماء فی تیمم علم عند زید الماء" کے نام سے موسوم کیا۔ اس میں علمائے متقدمین ومتاخرین کی تصانیف سے متعلقہ عبارتیں نقل کرکے، اُن کی آپس میں مطابقت اور مخالفت وغیرہ

ظاہر کر کے ہر ایک پر مکمل بحث فرمائی اور صدہا امور کا اضافہ فرمایا، جن سے تمام مختصر اور مفصل فقہی کتابوں یعنی متون و شروح کا دامن خالی ہے۔

غرضیکہ فضلِ خدا و عطائے مصطفیٰ (جل جلالہٗ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے امام اہل سنت نے میدانِ تحقیق میں وہ بے نظیر کمال دکھایا ہے کہ ایسے چھوٹے سے مسئلہ پر اتنا جامع اور مکمل و مدلل بیان، چشمِ فلک نے آج تک نہ دیکھا ہوگا۔

اس مسئلہ کے بارے میں فقہاء کے نظریات کی جو نشان دہی فرمائی گئی، اس کا بیان ضروری نظر آتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص تیمم کر کے نماز پڑھ رہا ہے دوسرے کے پاس پانی ہے، اس کے متعلق علمائے کرام نے کیا حکم دیا ہے؟ چنانچہ کافی، خانیہ، خزانۃ المفتیین، نہایہ، چلپی، خزانہ اور برجندی میں ہے: "لا یجوز التیمم قبل الطلب" خواہ امید نہ تھی یا بعد نماز طلب کا جواب نفی میں ملا، کسی صورت کا استثنیٰ نہیں کیا۔

علاوہ بریں امام صفا، قدوری، ہدایہ، تبیین، منیہ، غنیہ اور ہروی علی الکنز میں ہے: "صلی بالتیمم قبل الطلب لایجزیہ"۔ یہ اس سے بھی صریح تر بات ہوا اسی طرح، مبسوط، شرح وقایہ اور جواہر اخلاطی وغیرہ میں ہے "ان لم یطلب وصلی لم یجز ولفظ الجواھر شرع فی الصلوٰۃ قبل الطلب لایجوز" یعنی پانی مانگے بغیر پڑھ لی تو نماز نہ ہوئی

مذکورہ احکام کہ نماز نہ ہوئی یا تیمم نہ ہوا، دونوں متحد ہیں کیونکہ تیمم نہ ہونے کی صورت میں بھی نماز نہ ہوئی، اسی طرح حلیہ میں ہے: "لا یصح التیمم الا بعد المنع۔"

لیکن صحیح، معتمد اور ظاہر الروایۃ وہ حکم ہے جو امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ پنجم کے تحت، زیادات، جامع کرخی، محیط سرخسی، خلاصہ، وجیز، شرح وقایہ، حلیہ، عالمگیریہ، بحر اور غنیہ کی عبارتوں سے ثابت کیا کہ بطلان نماز کا مذکورہ حکم صحیح نہیں کیونکہ صرف غلبۂ ظنِ عطا سے نہ تیمم باطل نہ نماز لیکن اگر بعد میں ظنِ عطا کی خطا ظاہر ہو جائے تو تیمم و نماز دونوں صحیح و تام ہیں۔ اس صریح تعارض کی نشاندہی کر کے، مؤخر الذکر حکم کو بدلائل ترجیح دینا اور اوّل الذکر کی محققانہ اصلاح فرمانا، صرف اعلیٰحضرت ہی کا حصہ ہے۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاءُ واللہ ذوالفضل العظیم۔

اس کے بعد اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء کے قوانین پیش فرمائے جو قابلِ اصلاح تھے۔ مثلاً:

۱۔ سب سے پہلے امام صدر الشریعۃ کا قانون پیش کیا اور اس پر تین وجہ سے کلام کیا۔
۲۔ پھر صاحب بحر الرائق کا قانون نقل کر کے اس پر گیارہ وجہ سے کلام کیا۔
۳۔ بعدہٗ علامہ حلبی کا قانون پیش کر کے اس پر نو وجہ سے کلام کیا۔
۴۔ آخر میں اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے "قوانین رضوی" کے عنوان سے اپنا قانون پیش فرمایا کہ ذنیائے اسلام کی مایۂ ناز علمی ہستیاں انگشت بدنداں رہ گئیں اور شکرِ خدا بجا لائے کہ ایسے عظیم الشان امام کے فیوض و برکات سے مستفید و مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ اعلیٰحضرت نے اپنے اس قانون کو ۴۲۶ اقسام پر منقسم کیا یعنی مابسوال عطا ۲۴ اور ما بدونہ عطا ۔۔۔ تو مجموعہ عطا ۱۵۲ ہوا۔ بالسوال وعدہ ۷۲ اور مابدونہ وعدہ ۹۶ تو مجموعہ وعدہ ۱۶۸ ہوا۔ مابسوال سکوت ۹۹۔ مابسوال منع ۹۹۔ خاموشی مابدونہ ۶۔ جملہ اقسام کا مجموعہ ۴۲۶ ہوا۔ ان سب کو انیس قاعدوں کے تحت دس اقسام میں محصور کر دکھایا۔

(سبحان اللہ)

۱۱۔ الطلبۃ البدیعہ

اگر کوئی جنب ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسا حدث بھی ہو جو وضو واجب کرے تو ان سب صورتوں میں حکم یہ ہے کہ صرف تیمم کرے اور وضو اگرچہ مضر نہیں اور اس کے قابل پانی بھی موجود اور وقت میں بھی اس کی وسعت ہے لیکن اصلاً وضو نہ کرے کیونکہ وہی تیمم جو جنابت کے لیے کرے گا وہ حدث کے لیے بھی کافی ہو جائے گا۔

(فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۸۰۴)

امام صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے شرح وقایہ میں یوں فرمایا ہے: اذا کان للجنب ماء یکفی للوضو لا للغسل یتیمم ولا یجب علیہ التوضی عندنا خلافاً للشافعی اما اذا کان مع الجنابۃ حدث یوجب الوضو یجب علیہ الوضو فالتیمم للجنابۃ بالاتفاق واذا کان للمورث ما یکفی لغسل بعض اعضائہ فالخلاف ثابت ایضاً۔ اھ

چونکہ یہ عبارت ظاہر مذہب کے خلاف معلوم ہوتی ہے لہٰذا علمائے مابعد اپنی تصانیف میں اس پر بحث کرتے آئے ہیں۔ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کا خاتمہ کرنے کی غرض سے، ایک رسالہ "الطلبۃ البدیعہ فی قول صدر الشریعۃ" کے نام سے لکھا اور بدائع، حلبی شامی، ملک العلماء، کافی، زیلعی، فتح، حلیہ، بحر، شر بنلالی، چلپی اور طحاوی وغیرہ متعدد کتب کی روشنی میں ثابت کیا کہ جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو اور غسل نہ کر سکتا ہو اور وضو کر سکے تو وضو بھی نہ کرے، دونوں کے لیے تیمم کافی ہے، احناف کا یہی مسلک ہے۔

امام اہلسنّت نے اس دعویٰ پر سات دلائل قائم کیے اور انھیں تبیین الحقائق، حلیہ، اختیار شرح مختار، کنز الدقائق، تنویر الابصار، جواہر الفتاویٰ، نوازل، خزانۃ المفتیین، خلاصہ، کافی، غنیہ، فتح القدیر، شرح نقایہ، برجندی، بحر الرائق، مبسوط، بدائع، درمختار اور ردالمحتار وغیرہ بلکہ خود شرح وقایہ کے متعدد حوالوں سے محققانہ انداز پر جود داد تحقیق دی اور حسن جودت طبع کا مظاہرہ کیا وہ صرف اعلیٰحضرت ہی کا حصہ ہے۔ اسکے بعد مسلک احناف کی تائید میں بعض نصوص پیش کئے۔ پھر علمائے کرام نے اپنی تصانیف میں حضرت صدر الشریعہ کے اس قول پر جو کلام کیا یا تاویلات و توجیہات فرمائی ہیں انکو نمبر وار نقل کر کے ہر ایک کا جواب

توجیہ پر تصریحات علمائے کرام اور خود ان ہی کی تصانیف کی روشنی میں کلام کیا ہے۔

جناب مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی نے اسی قولِ صدر الشریعہ کی تردید کرتے ہوئے نرالی تحقیق پیش کی، جس کا پچیس [۲۵] وجہ سے امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ نے ردّ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت صدر الشریعہ کے مذکورہ قول کی صحیح تاویلات پیش کرکے، عبارت کو اس طرح منقح کیا کہ سرے سے کوئی اعتراض ہی وارد نہ ہو۔

فقہائے کرام کے درمیان حضرت صدر الشریعہ کا مذکورہ قول ایک مدت سے موضوع بحث اور ناقابلِ قبول بنا ہوا تھا لیکن بارگاہِ رضوی سے اس کی وہ محققانہ شرح ہوئی کہ انگشت نمائی کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اس قول کے اجمال کی وہ تفصیل کی کہ اب یہ احناف کے مفتی بہ مسئلہ کے مطابق ہوگا۔

اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ، خاص طور پر قابل غور ہیں" وھذا کما ترٰی بحمد اللہ تعالیٰ احق باسم الشرح من اسم التاویل اذ لیس فیہ صرف لفظ عن معناہ اصلا وانا جعلہ ھدیۃ لروح الامام صدر الشریعۃ جعلہ اللہ تعالیٰ لاصلاح احوالی ومغفرۃ ذنوبی ذریعۃ۔" اھ

اس قول کے زیر بحث آنے سے مندرجہ ذیل فائدے حاصل ہوئے:

۱۔ اعلیحضرت کی خداداد علمیت، محققانہ شان اور تائید ربانی منظر عام پر آگئی۔

۲۔ مذکورہ بحث کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

۳۔ مذکورہ مسئلہ کی بعض ایسی صورتیں مع احکام بھی مذکور ہوگئیں، جن کے بیان سے دیگر فقہی کتابوں کا دامن تہی ہے۔

۴۔ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جنابت و حدث کی حالت میں تیمم کرنے کی جملہ صورتوں کو سولہ مسائل کی صورت میں بطور خلاصہ بیان کردیا، جنھیں "ضابطہ رضوی" کے نام سے موسوم کرنا بے جا نہ ہوگا۔

۱۲۔ مسئلہ لمعہ

جنبی نے بدن کا کچھ حصہ دھویا کچھ باقی رہا کہ پانی ختم ہوگیا پھر حدث ہوا کہ موجب وضو ہے۔ اب جو پانی ملے اسے وضو اور رفع حدث میں صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں۔ یہ مسئلہ لمعہ ہے۔ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وہ تفصیلی تحقیق مع حوالہ جات بیان فرمائی کہ فقہ کی کسی کتاب میں اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ملے گا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

فقہ کی ہر ایک کتاب میں لمعہ کی صورتیں مع احکام مندرج ہیں۔ سب سے زیادہ صورتیں شرح وقایہ کے اندر بیان ہوئی ہیں، جن کا شمار پندرہ [۱۵] ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے اپنے کرم سے امام اہلسنت کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزے کی شکل میں ظاہر کیا، جس نے علیحدہ علیحدہ گن گن کر لمعہ کی اٹھانوے [۹۸] صورتیں بیان فرمائیں اور ہر ایک صورت کا مدلل شرعی حکم واضح کیا۔ چونکہ بعض صورتوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے لہٰذا اٹھانویں [۹۸] صورتوں کے احکام کی تعداد تینتیس [۳۳] بیان فرمائی۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے جو اختلافات و اضطرابات ہیں، متعلقہ عبارتیں نقل کرکے انھیں رفع کیا گیا۔ پھر مصنف نے تمام فقہائے سے بہتر اور جامع، اپنا ضابطہ کلیہ بھی بیان کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں "جب نجاستِ حکمیہ اور حقیقیہ کا اجتماع ہوجائے اور پانی صرف ایک کے لیے بقدر کفایت موجود ہو، نیز "جب حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں کا اجتماع ہوجائے اور پانی اتنا ہے کہ صرف ایک حدث کے لیے کافی ہوسکتا ہے۔ ان دونوں صورتوں سے متعلق، عبارات علماء نقل کرکے، اُن پر کلام کیا اور واضح فرمایا کہ اس مسئلہ میں ترجیح، محرر مذہب، امام محمد رحمۃ اللہ کے قول کو ہے۔

آخر میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقتِ واقعیہ کا یوں اظہار فرمایا ہے جو خاصہ غور طلب اور فکر انگیز ہے:۔

"الحمد للہ کتاب مستطاب "حسن التعمم لبیان حد التیمم" مسودہ فقیر سے اٹھارہ جزو سے زاید میں باحسن وجوہ تمام ہوئی جس میں صدہا وہ ابحاث جلیلہ ہیں کہ قطعاً طاقتِ فقیر سے بدرجہا وراء ہیں مگر فیض قدیر، عاجز فقیر سے وہ کام لے لیتا ہے جسے دیکھ کر انصاف والی نگاہیں کہ حسد سے پاک ہوں ناخواستہ کہہ اٹھیں۔ ع

ترک الاوّل للآخر

کتنے مسائل جلیلہ معرکۃ الآراء بحمدہ تعالیٰ کیسی خوبی و خوش اسلوبی سے طے ہوئے وَلِلّٰہِ الْحَمْد۔ کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ آٹھ رسائل ہیں۔۔۔۔۔ بہر حال جو کچھ ہے، میری طاقت سے وراء اور محض فضل میرے رب کریم پھر میرے نبی رؤف و رحیم کا ہے۔" (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۸۴۹)

۱۳۔ رقّت و سیلان

رقت و سیلان کی فقہی تعریف اور احکام کے بارے میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ "الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان" کے نام سے تحریر فرمایا۔ اس میں بھی تحقیق کے وہ نرالے جوہر دکھائے گئے ہیں کہ اُمت مسلمہ کو زیر بار احسان کرکے دنیائے اسلام کے تمام اہل علم حضرات کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس مسئلے کا ایسا محققانہ تفصیلی اور جامع بیان دیگر کسی بھی فقہی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

بخوفِ طوالت ذیل میں ہم صرف اُن امور کے عنوان ہی پیش کرتے ہیں جن پر اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاداتِ علمائے کرام کے تحت معرکۃ الآراء بحث کی ہے۔ معنئ طبیعت ـــــ پانی کی طبیعت، رقت و سیلان ہے ـــــ معنئ رقت و سیلان ـــــ مذکورہ امور پر بحث کرنے کے بعد وضاحت سے ثابت کیا کہ رقت دو قسم کی ہوتی ہے: (۱) رقت بالفعل (۲) رقت بالقوۃ ـــــ پھر ان کے متعلق احکام پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

شرع میں جس حد کی رقت معتبر ہے اُس کے متعلق عبارات علماء تین قسم کی ہیں۔ آپ نے تین مقدمات پیش کرکے اُن عبارتوں کی محققانہ اصلاح فرمائی۔ مندرجہ ذیل عنوانات

کے تحت، مسئلہ کی صورت کو واضح کیا یعنی :۔

رقیق بے جرم ہے اور کثیف ذی جرم ۔۔۔ بے جرم سے مراد ۔۔۔ تحقیق معنیٔ رقیق ۔

اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رقیق کی جو بے مثل تعریف بیان کی اس سے علمائے کرام کی کتنی ہی عبارتوں کا اختلاف مٹ گیا۔ غرضیکہ اس تعریف سے بنیؔ فائدے حاصل ہُوئے جن کی تفصیل اصل رسالے میں ملاحظہ فرمائی جائے ۔

رقت کا کثافت میں تبدیل ہونا اغلبۂ غیر سے ہوتا ہے لیکن ۔۔۔ غلبہ کس امر میں مراد ہے ۔۔۔ غلبۂ اجزا سے مراد ۔۔۔ مذکورہ معانی میں کس کو ترجیح ہے؟

تمام اہلِ ضابطہ اور عامۃ الشراح کے ارشادات کی روشنی میں محققانہ و فاضلانہ بحث فرمائی ہے ۔

پھر واضح کیا کہ :۔۔۔ طبخ کی حقیقت کیا ہے؟ ۔۔۔ طبخ میں منع کس وجہ سے ہے؟ ۔۔۔ مختلف کتابوں کی روشنی میں بے مثال تحقیق فرمائی ۔

"تغیر اوصاف کے متعلق متون کی مراد بیان کرنے میں شروح کا اختلاف ہے۔ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شروح کے بیانات نقل کرنے کے بعد اُن کی اصلاح فرمائی اور متون کی اصل مراد ظاہر کی ۔

اظہارِ حقیقت

قارئین کرام! مندرجہ بالا مختصر تعارفی سطور سے آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہُوا کہ اعلیحضرت، عظیم البرکت امام اہل سنّت، مجدّد مائۃ حاضرہ رحمۃ اللہ علیہ آسمان فقہ کے مہرِ درخشاں ہیں۔ ماہرین پر یہ امر بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگرچہ اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ مجتہد نہیں بلکہ امام اعظم، سراج امت محمدیہ، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے لیکن اُن کے بعض فتوے تحقیق و تدقیق کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں جن سے اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے ۔

بعض نئے مسائل یا ایسے مسئلے جن پر تصانیفِ علمائے کرام کے متون و شروح میں تفصیلی بحث نہیں کی گئی، جب وُہ آپ کے سامنے پیش ہُوئے تو اس شان سے دادِ تحقیق دی کہ تسبیح کے دانوں کی طرح دلائل کو ایک لڑی میں پروتے چلے گئے اور آپ کی تحقیقات کے مطالعہ کے دوران یہ واضح ہوتا ہے کہ جملہ مندرجات ہر وقت پیشِ نظر رہتے تھے اور حل طلب مسائل پر ان سب کی روشنی میں تبصرہ اور بحث فرمائی جاتی تھی۔ جن مسائل یا دلائل میں فقہاء کا اختلاف ہے وہاں مدلل طور پر ایک کی اصلاح اور دُوسرے کی ترجیح یا صحت کو ثابت کیا ہے۔

غرضیکہ جب اور جس مسئلہ میں، امام اہلسنّت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قلم میدانِ تحقیق میں اُترا تو اس کی برق رفتاری اور سلامت روی کے پیشِ نظر آج بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجیب میں اجتہاد و استنباطِ مسائل کی پُوری پُوری قدرت تھی اور اس مقام رفیع پر متمکن ہونے کی ان میں بہت حد تک صلاحیت پائی جاتی تھی، اگرچہ من کل الوجوہ آپ مجتہد نہیں تھے اور نہ انھیں مجتہد ہونے کا دعویٰ تھا بلکہ وہ اجتہاد کے دروازے کو بالکل بند سمجھتے تھے ۔

امام احمد رضا اور صدر الافاضل کا بقیہ

فقہ و اصول، حدیث و عقائد و کلام و ادب و عروض میں آپ اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور اگر آپ کی نظیر تلاش کی جائے تو آج سے دو صدی قبل کے علماء کی جستجو کرنا پڑے گی۔ بہت سے علوم وہ ہیں جو آپ کے ساتھ ہی دفن ہو گئے اور آپ کے زمانہ میں کوئی ان علوم میں کامل تو کیا ناقص بھی نہ پایا گیا" (افاضات صدر الافاضل)

مجھ جیسے ہیچمیرز کے لئے اس سے زیادہ وقیع و موثر الفاظ میں اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف و توصیف اور اظہارِ حقیقت کیسے ممکن ہے؟ علاوہ ازیں حرمین طیبین اور دیگر بلادِ اسلامیہ کی یگانۂ روزگار علمی ہستیوں نے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کو نابغۂ روزگار اور عدیم النظیر محقق تسلیم کیا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر اعلیحضرت کا جملہ تصانیف اور خصوصاً فتاویٰ رضویہ اس امر کی واضح شہادت دے رہا ہے کہ اس کا مصنف دقائق کا خزینہ، حقائق کا گنجینہ اور تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں منصب امامت پر فائز تھا ۔

امام احمد رضا کا فقہی مقام

از:۔ مولانا غلام رسول سعیدی مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

اعلیٰحضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فقہی مقام پیش کرنا حقیقتاً اس شخص کا کام ہے جو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے فقہی کارناموں، آپ کے معاصرین اور متقدمین فقہاء کی کاوشوں پر گہری نظر رکھتا ہو۔ مجھ جیسے ہیچ مداں شخص کو جسے اپنی علمی بے بضاعتی کا مکمل اعتراف ہے۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے فقہی مقام پر لکھنے کا مکلف کرنا یقیناً زیادتی ہے۔ تاہم محسنِ اہلِ سُنّت اعلیٰحضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ سے جو مجھے عقیدت ومحبت ہے۔ اس کے اقتضاء نے مجھے یہ جراءت رندانہ عطا کی۔ کہ میں اپنی محبت وعقیدت کو صفحاتِ قرطاس پیش کر سکوں اس مرحلہ پر اگرچہ عقل وخرد رُکتی رہی لیکن عشق زنجیروں میں کبھی جکڑا نہیں گیا اور ہوش کا جیب و دامن کبھی شوق کے ہاتھوں سلامت نہیں رہا۔

اعلیٰحضرت کے فقہی مقام پر کچھ تفویضِ قلم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اختصاراً اعلیٰحضرت کا ایک سوانحی خاکہ تحریر کیا جائے۔ پھر فقہ کی تعریف اور طبقات فقہاء بیان کیا جائے تاکہ قارئین کرام فقہ اور طبقات فقہاء کی روشنی میں اعلیٰحضرت کی فقہی بصیرت کا اندازہ کر سکیں۔

مختصر سوانح

اعلیٰحضرت، عظیم البرکت الشاہ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی ولادت۔ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز اتوار شہر بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی۔ پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار ہے۔ جدِ امجد حضرت مولانا رضا علی خاں نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔ خود اعلیٰحضرت نے اپنی ولادت کا سن ہجری اس آیۂ کریمہ سے مستنبط کیا ہے۔

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ یہ ہیں وہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا۔ اور اپنی پسندیدہ روح سے انکی مدد فرمائی۔

چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کر لیا۔ چھ سال کی عمر میں ربیع الاول کی تقریب میں منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور ایک مجمع عظیم میں میلاد شریف پڑھا۔ اُردو فارسی کی کتب پڑھنے کے بعد میزان منشعب وغیرہ کی تعلیم مرزا غلام قادر بیگ سے حاصل کی۔ پھر تمام دینیات کی تعلیم اپنے والد حضرت مولانا نقی علیخاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مکمل کی۔ تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں تفسیر، حدیث، کلام، فقہ وغیرہا تمام علوم دینیہ کی تکمیل کر لی۔ اور چودہ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ میں دستارِ فضیلت کو اعزاز بخشا۔ اور اسی دن مسئلہ رضاعت سے متعلق ایک فتویٰ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ جواب بالکل صحیح تھا۔ والد صاحب نے جودتِ ذہنی دیکھ کر اسی وقت سے افتاء کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔ تمام عمر درس وتدریس، افتاء وتصنیف میں بسر ہوئی۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق تھا۔ ذکر وفکر کی ہر مجلس میں تصورِ رسالت سے ذہن شاداب رہتا تھا۔ آپ نے دینِ متین کے ہر گوشہ کو محبتِ رسول میں سمو دیا۔ عشق ومحبت کی پاکیزہ لطافتوں کو جن لوگوں نے بدعت کا نام دیا۔ انہیں سُنّت وبدعت کا فرق سمجھایا عظمتِ رسول میں تنقیص کرنے والوں کا عاشقانہ غیرت سے احتساب کیا، علم وعمل کے ہر پہلو میں عظمتِ رسول کو اجاگر کیا۔ عرب وعجم کے علماء نے آپ کی تکریم کی۔ ریاضی اور جفر کے بڑے بڑے ماہرین نے آپ کی علمی عظمت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور شرق وغرب میں آپ کا علمی اور روحانی فیض جاری ہو گیا۔

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ بروز جمعۃ المبارک دو بجکر ۳۸ منٹ پر آپ نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اُدھر مؤذن نے حَیَّ عَلَی الۡفَلَاح کی صدا بلند کی۔ ادھر آپ نے جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ جس وقت آپ کا وصال ہوا۔ اسی وقت بیتُ المقدس کے ایک شامی بزرگ نے خواب میں دیکھا۔ کہ نبی پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے منتظر ہیں۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور کسی کا انتظار ہے؟ فرمایا احمد رضا کا۔

فقہ کی تعریفات

اُصولیین فقہاء اور متصوفین تینوں طبقوں نے فقہ کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ ہم قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے یہ تینوں تعریفیں پیش کرتے ہیں۔

اُصولیّین کی تعریف

فقہ احکام شرعیّہ فرعیّہ کے اس علم کو کہتے ہیں۔ جو دلائل تفصیلیّہ سے مکتسب ہو۔ اور اس تعریف کے اعتبار سے فقہ مجتہدین کا خاصّہ ہے۔

فقہاء کی تعریف

فقہ مسائل فرعیّہ کے حفظ کو کہتے ہیں۔ عام ازیں کہ ان

مسائل کا اکتساب دلائل تفصیلیہ سے کیا گیا ہو۔ یا اقوالِ مجتہدین سے۔ اس تعریف کے اعتبار سے مقلدین کے علم کو بھی فقہ کہہ سکیں گے۔

متصوفین کی تعریف

فقہ دنیا سے اعراض کرنا، آخرت کی طرف رغبت کرنا۔ دین پر بصیرت رکھنا عبادت پر مواظبت کرنا اور خلائق کو نصیحت کرنا ہے۔ اس تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف عالم باعمل اور متقی کامل پر صادق آئے گی۔ (محصلا از شامی)

فقہ اصولیین کے آئینہ میں

اصولیین کی تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف صرف مجتہدین پر صادق آتی ہے۔ ہم اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اجتہادِ مطلق کا دعویٰ تو نہیں کرتے لیکن یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اعلیحضرت، عظیم البرکت کی شخصیت میں واضح طور پر اجتہاد کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ نے بیشمار ایسے قواعد مقرر فرمائے۔ کہ اگر وہ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کئے جاتے۔ تو وہ یقیناً انکی تحسین فرماتے۔ آپ نے متعدد ضوابط ارقام فرمائے۔ جو کتب فقہ میں کہیں نہیں ملتے لیکن ان کا وجود ناگزیر ہے۔ کیونکہ فقہ کی بیشمار جزئیات اپنے انطباق کے لئے ان قواعد و ضوابط کی محتاج ہیں ہم انشاء اللہ اس مضمون میں ان قواعد و ضوابط کی نشاندہی کرینگے۔ چونکہ اعلیحضرت الشاہ احمد رضا خاں صاحب نے ان تمام قواعد کا کتاب و سنت سے اکتساب کیا ہے۔ اس لئے یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اعلیحضرت فاضل بریلوی کی شخصیت اجتہادی شان کی حامل تھی۔ اور جس شخص نے اعلیحضرت فاضل بریلوی کی فقہی تحقیقات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے اس کے لئے یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے۔ ہم آپ کے سامنے ایسی دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جن سے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقیہانہ عظمت کا اندازہ ہو سکے گا اور آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ پر ثابت ہو جائیگا کہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اگرچہ مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق تو نہیں ہیں لیکن آپ کی تحریروں میں اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے۔ اور آپ کی تقریروں سے استنباط کی مہک آتی ہے۔

رنگ اجتہاد

عام طور پر کتب اصول میں احکام شرعیہ کی سات قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ فرض[1]، واجب[2]، مستحب[3]، مباح[4]، حرام[5]، مکروہ تحریمی[6]، مکروہ تنزیہی[7]، لیکن اعلیحضرت عظیم البرکت نے احکام کی گیارہ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ جن کی تفصیل ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ فرض

جس فعل کا لزوم ثبوتاً اور دلالۃً قطعی ہو اور اس کا انکار کفر ہو اور اس کا ترک موجب استحقاقِ عذاب ہو۔ خواہ ترک دائمًا ہو یا نادرًا

۲۔ واجب

جس فعل کا لزوم ثبوتاً یا دلالۃً ظنی ہو۔ اس کا انکار کفر نہ ہو لیکن اس کا ترک موجبِ استحقاقِ عذاب ہو خواہ ترک دائمًا ہو یا نادرًا۔

۳۔ سنت مؤکدہ

جس فعل کا تاکدًا مواظبت رسول سے ثابت ہو اس کا عادۃً ترک کرنا موجبِ استحقاقِ عذاب ہو اور نادرًا ترک کرنا موجب استحقاقِ عتاب خواہ یہ ترک عادۃً ہو یا نادرًا۔

۴۔ سنت غیر مؤکدہ

جس کام کا ترک کرنا موجبِ استحقاقِ عتاب ہو خواہ ترک کرنا عادۃً ہو نادرًا۔

۵۔ مستحب

جس کام کے کرنے پر ثواب ہو۔ اور ترک کرنے پر نہ ثواب ہو نہ عتاب خواہ ترک عادۃً ہو یا نادرًا

۶۔ مباح

جس کام کا کرنا نہ کرنا برابر ہو۔ نہ فعل پر عتاب نہ ترک پر خواہ ترک عادۃً ہو یا نادرًا۔

۷۔ حرام

جس کام سے روکنے کا لزوم ثبوتاً و دلالۃً قطعی ہو۔ اس کا انکار کفر ہو۔ اور اس کا فعل موجبِ استحقاقِ عذاب ہو۔ خواہ فعل دائمًا ہو یا نادرًا۔

۸۔ مکروہ تحریمی

جس کام سے روکنے کا لزوم ثبوتاً یا دلالۃً ظنی ہو۔ اس کا انکار کفر نہیں۔ لیکن اس کا فعل موجبِ استحقاقِ عذاب ہو۔ خواہ فعل دائمًا ہو یا نادرًا۔

۹۔ اساءت

جس کام کا عادۃً کرنا موجبِ استحقاقِ عذاب ہو اور نادرًا کرنا موجبِ عتاب ہو۔

۱۰۔ مکروہ تنزیہی

جس کام کا کرنا مطلقًا موجبِ استحقاقِ عتاب ہو۔ خواہ عادۃً کیا جائے یا نادرًا۔

۱۱۔ خلاف اولیٰ

جس کام کا نہ کرنا موجبِ استحقاقِ ثواب ہو۔ اور کرنا نہ موجبِ استحقاقِ عذاب ہو نہ عتاب خواہ عادتًا کیا جائے یا نادرًا۔

یہ وہ تقسیم ہے جس کے بارے میں خود اعلیحضرت فرماتے ہیں کہ اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی۔ اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی۔ کلمات اس کے موافق، مخالف سب طرح کے ملیں گے۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں۔ فقیر طمع رکھتا ہے۔ کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی۔ ضرور ارشاد فرماتے۔ کہ یہ عطر مذہب و طراز مذہب ہے۔ انتہیٰ کلام الشریف

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ صفحہ ۱۷۳ ج اول تا صفحہ ۱۷۵)

اسی طرح تیمم کے بارے میں اعلیحضرت نے تین سو گیارہ امور بیان فرمائے۔ جن میں سے ایک سو اکیاسی سے تیمم جائز ہے۔ اور ان ایک سو اکیاسی[181] میں سے چوہتر[74] وہ ہیں جنہیں فقہاء متقدمین نے بیان فرمایا۔ اور ایک سو سات[107] وہ ہیں جن کو اعلیحضرت نے اپنے اجتہاد سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر بیان فرمایا۔ اسی طرح

ایک سو تیس ۱۳۰ اشیاء سے تیمم کے عدم جواز کو بیان فرمایا جس میں سے اٹھاون اشیاء فقہاء متقدمین نے بیان فرمائی ہیں۔ اور بہتر ۷۲ اشیاء کا عدم جواز اعلیحضرت نے اپنے استنباط سے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر بیان فرمایا۔

(محصل از فتاویٰ رضویہ صفحہ ۶۹۲ تا صفحہ ۷۰۱ ج اول)

ہم نے یہ دو مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں اور وہ بھی انتہائی اختصار اور اجمال کے ساتھ ورنہ فتاویٰ رضویہ کے جہازی سائز کے بارہ ضخیم مجلدات اس قسم کی تحقیقات سے بھرے پڑے ہیں۔ اور جن کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان بلیساختہ پکار اٹھتا ہے۔ کہ اعلیحضرت کے دماغ میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجتہدانہ ذہانت ہے۔ آنکھوں میں خصاف کی ضیاء ہے۔ عقل ابوبکر رازی کی ہے۔ اور حافظہ قاضی خان کا معلوم ہوتا ہے۔

فقہاء کے پیمانے سے

فقہاء کی تعریف کے اعتبار سے فقہ کی تعریف اس شخص پر صادق آتی ہے جسے کم از کم تین فرعی مسائل حفظ ہوں۔ خواہ اس کے پیش نظر ان مسائل کے دلائل بھی ہوں یا ان کی بناء صرف اقوالِ مجتہدین پر ہو۔ اس اعتبار سے اعلیحضرت کا فقہ میں بہت اونچا مقام ہے۔ تمام مسائل فرعیہ مع دلائل شرعیہ آپ کو ہمیشہ مستحضر رہتے تھے۔ چنانچہ مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعلیحضرت کی فتویٰ نویسی املا کی صورت میں ہوتی تھی، تمام سوالات ایک ہی بار پڑھ کر سنا دیئے جاتے اور پھر آپ ان کا نمبر وار جواب لکھواتے۔

(ملخص از دیباچہ فتاویٰ رضویہ صفحہ ق ج سوم)

مولوی محمد حسین میرٹھی کہتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ اعلیحضرت کی عیادت کو گیا آپ بستر علالت پر لیٹے ہوئے تھے۔ اس وقت گرداگرد چار لکھنے والے بیٹھے ہوئے تھے چاروں نے سوالات سنائے۔ پھر آپ نے چاروں کو بیک وقت جواب املاء کرانا شروع کیا۔ بایں طور کہ ایک جملہ پہلے کے لئے بولتے پھر دوسرے کے لئے پھر تیسرے کے لئے اور پھر چوتھے کے لئے۔ چاروں اپنا اپنا جواب لکھتے رہتے۔ جب تک باقی تینوں کو املاء کراتے۔ پہلا لکھ چکتا۔ پھر اس سے ابتداء فرماتے۔ علیٰ ھذا القیاس چاروں کو بیک وقت جوابات لکھوائے۔

(محصلہ دیباچہ فتاویٰ رضویہ صفحہ ۱ ج سوم)

آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ بیشمار علمی تحقیقات کا گنجینہ ہے۔ اس میں بیشمار ایسے فتاویٰ موجود ہیں۔ جن میں آپ نے مسئلہ کو نہ صرف دلائل سے مبرہن کیا بلکہ اقوال ائمہ سے بھی مزین کیا۔ مثلاً حرمتِ سجدہ تحیۃ کے ثبوت میں آپ نے متعدد آیات، چالیس احادیث اور ڈیڑھ سو نصوص فقہیہ پیش فرمائی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنے کے جواز پر ایک مستقل رسالہ لکھا۔ اور اس کو دو بابوں میں منقسم فرمایا۔ پہلے باب میں آیات اور ساٹھ حدیثیں نقل فرمائیں۔ اور دوسرے باب میں چوالیس ۴۴ آیتیں اور دو سو اٹھارہ ۲۱۸ حدیثیں ذکر فرمائیں۔ جوازِ استمداد پر تینتیس ۳۳ حدیثیں اور متعدد اقوال ذکر فرمائے۔ انوار الانتباہ میں ندائے یارسول اللہ کے جواز پر احادیث کے علاوہ پینسٹھ ۶۵ اقوال علماء سے استشہاد فرمایا۔ غرضیکہ اعلیحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جملہ تصنیفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ فقہ میں ایک عظیم مقام رکھتے تھے۔ اور آپ نے مسائل کا استنباط اور استخراج دلائل شرعیہ اور اقوالِ ائمہ سے یکساں طور پر کیا ہے۔

فقہ صوفیاء کے آئینہ میں

متصوفین فقہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔ دنیا سے اعراض کرنا، آخرت کی طرف رغبت کرنا، دین پر بصیرت رکھنا، عبادت پر مداومت کرنا، اور خلقِ خدا کو وعظ و نصیحت کرنا۔ آئیے اب اس تعریف کے لحاظ سے اعلیحضرت میں عکسِ فقہ دیکھئے۔

اعراضِ دنیا اور رغبتِ آخرت

اعلیحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر علم و حکمت سے نوازا تھا، اتنا ہی استغناء کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ جس وقت نام نہاد علماء اپنے علم و فضل کو جنسِ تجارت بنا کر حکام برطانیہ سے نذرانے وصول کر رہے تھے۔ اور اہل ثروت حضرات سے رابطہ قائم کر کے اپنی تصانیف کو کثیر تعداد میں چھپوا کر اپنے بدعقائد کی ترویج و اشاعت کر رہے تھے اس وقت اعلیحضرت کی حمیت دینی کا یہ عالم تھا کہ حکام برطانیہ تو بجائے خود رہے اپنے ہم مسلک اور معتقد نوابوں اور رئیسوں کی مسلسل درخواستوں اور شدید تقاضوں کے باوجود کبھی ان سے ملاقات کے لئے جانا منظور نہیں اور یہی فرمایا۔

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

آپ کے استغناء پر عظیم ترین شہادت یہ ہے کہ آپ کی بے شمار علمی تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیاتِ مبارکہ میں طبع نہ ہو سکیں۔ حالانکہ بڑے بڑے رئیس آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ اگر آپ ارکانِ دولت کی طرف ذرا بھی توجہ اور التفات فرماتے تو کوئی وجہ ہی نہ تھی کہ آپ کی تمام تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوتیں۔ اسی طرح آپ نے اپنے منصب کے شایانِ شان کوئی وسیع دار العلوم بھی تعمیر نہیں کیا۔ حالانکہ دوسرے فرقہ والوں نے رئیسوں کے تعاون سے قلعہ نما مدارس بنا لئے۔ کیونکہ اس کام کیلئے نوابوں اور رئیسوں سے ملاقات، ان سے مروّت و محبت، ان کی خاطر مدارات، عزت و تکریم ضروری ہی اور ان لوگوں میں فساق و فجار اور نیک و بد ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور اعلیحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزاج و فطرت میں اللہ تعالیٰ نے زہد اور استغناء رکھا تھا۔ آپ سے یہ متصور ہی نہ تھا۔ کہ کسی پاک یا ناپاک دولت مند کی طرف بھی متوجہ ہوتے۔ چہ جائیکہ ہر کس و ناکس کی طرف۔ صرف مال و دولت ہی

نہیں۔ دنیا کی ہر چیز سے آپ کو نفرت تھی اور دنیا کی جس شی سے بھی آپکو تعلق یا علاقہ رہا تو وہ دنیا کی وجہ سے نہ تھا بلکہ دین کے سبب سے تھا چنانچہ آپ خود ایک موقعہ پر لطورِ تحدیثِ نعمت کے فرماتے ہیں کہ الحمد للہ کہ میں نے مال من حیث ہو مال سے کبھی محبت نہ رکھی صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولاد من حیث ہو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلۂ رحم عمل نیک ہے اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے (الملفوظ حصہ چہارم ص۶)

معلوم ہوا کہ زہد و تقویٰ کو آپ نے اس درجۂ کمال پر پہنچایا۔ کہ وہ آپ کی طبیعت کا مقتضیٰ بن گیا۔ اور جب انسان اپنی طبعی اور جبلی خواہشات کو فنا کر کے انہیں رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ تو اُسے فنا فی الذات کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پس جب رضاءِ الٰہی اعلیحضرت کی طبیعت کا اقتضاء بن گئی تو معلوم ہوا کہ آپ کو فنا فی الذات کا مرتبہ حاصل تھا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک

دین پر بصیرت

دین عقائد اور اعمال کا نام ہے۔ اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان دونوں پر مجددانہ بصیرت رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے زمانے میں جن عقائد و اعمال پر زائغین اور مبتدعین کے زیغ و بدعت کی دھند چھا گئی تھی۔ آپ نے علمِ ربانی اور نورِ یزدانی کی فیض آفرینیوں اور ضیاء پاشیوں سے اس دھند کو زائل کر کے حق کو صیقل کر دیا جس طرح حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے فتنہ اکبری کے قلع قمع کیلئے چن لیا تھا۔ اسی طرح اعلیحضرت فاضلِ بریلوی کو اللہ تعالیٰ نے فتنۂ نجدیت کے ابطال کے لئے منتخب فرمالیا۔ نجدی بدعات سے جو مسائل دھندلا چکے تھے۔ اعلیحضرت نے ان کی آب و تاب کو زندہ فرمایا، استحالہ کذب باری تعالیٰ سبحانہٗ، ختمِ نبوتِ سید المرسلین، فضائلِ نبوت اور ناموسِ رسالت وغیرہ یہ وہ مسائل ہیں جنہیں مبتدعین اپنی اہواء باطلہ کا نشانہ بنا رہے تھے۔ اس طوفانِ بے تمیزی میں اعلیٰحضرت غیرتِ دینی کی چٹان بن کر ابھرے۔ اور بدعت کی طوفانی لہروں کا منہ پھیر دیا۔

عقائدِ اسلام کے جو ارکان مرجھا چکے تھے۔ ان کے احیا کیلئے آپ نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اُن میں سے چند یہ ہیں۔

سبحان السبوح، تمہید ایمان، حسام الحرمین، الکوکبۃ الشہابیہ، خالص الاعتقاد، ابناء المصطفیٰ، تجلی الیقین۔ اور اعمالِ صالحہ کے احیاء کے لئے فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں آپ کی مجددانہ بصیرت پر شاہدِ عادل ہیں۔ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجددانہ شان کا اندازہ ایک مثال سے کیا جا سکتا ہے کہ استحالۂ کذب پر تمام متقدمین علماء نے پانچ دلیلیں قائم فرمائیں اور اکیلے اعلیٰ حضرت نے اصل مسئلہ پر پچیس دلیلیں قائم فرمائیں چنانچہ سبحان السبوح ص۱۵ پر تحریر فرماتے ہیں فقیر غفر اللہ تعالیٰ بتوفیق مولیٰ سبحانہٗ و تعالیٰ ان مختصر (ایجاز) سطور میں بلحاظ کذب باری عزّ اسمہٗ کے محالِ صریح اور توہم امکان کے باطل قبیح ہونے پر صرف تینتیس ۳۳ دلیلیں ذکر کرتا ہے۔ جن میں خمسہ اولیٰ کلمات طیبات، ائمہ کرام علمائے عظام علیہم رحمۃ الملک المنعام میں ارشاد و انعام ہوئیں۔ اور باقی پچیس باری عزّ و جلّ کے فیوض ازل سے عبد اذل کے قلب پر القاء کی گئیں۔ والحمد للہ رب العلمین

یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ اعلیحضرت کی تمام تحقیقی مجلدات اس شانِ افادہ سے مالا مال ہیں جب آپ کسی مسئلہ پر رضوی جلال سے، مدلل تقریر کرتے یوں معلوم ہوتا کہ دلائل و براہین کا ایک نہ تھمنے والا سیلاب ہے۔ جو ہر نقشِ باطل کو مٹاتا چلا جائے گا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ط

عبادت پر مواظبت

اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ باوجود علمی تبلیغی اور تصنیفی مصروفیات کے عبادت میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ آپ نہ صرف فرائض و واجبات بلکہ مستحبات و نوافل وظائف و اوراد، ذکر اذکار، بیعت و ارشاد تمام شعبہ ہائے عبادت کو محیط تھے۔ بچپن سے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت کو اس طرح اختیار فرمالیا تھا۔ کہ تبلیغ و اشاعت کی طرح عبادت و ریاضت بھی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ چنانچہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کے تحت اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "بحمد اللہ مجھے بچپن سے دشمنانِ خدا سے نفرت رہی ہے، نہ صرف مجھے بلکہ میرے بچوں کے بچوں کو بھی ان سے عداوت ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو گیا۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ ط بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں، تو خدا کی قسم ایک ٹکڑے پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لکھا ہو گا۔ اور دوسرے حصہ پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تحریر ہو گا۔ اور بحمد اللہ ہمیشہ ہر بد مذہب پر فتح حاصل ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔ اور یہ سب حضرت جدّ امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی برکات ہیں۔ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں ہے۔ کہ ایک مکان میں دو یتیم رہتے تھے۔ ان کی دیوار گرنے والی تھی۔ جس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ خضر علیہ السلام نے اُس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ اس واقعہ کے بارے میں فرمایا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ط (ان کا باپ صالح تھا) جس کی برکت سے یہ رحمت کی گئی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ وہ باپ اُن کی چودہویں پشت میں تھا۔ صالح باپ کی برکات کا اس طرح ثمرہ مرتب ہوتا ہے۔ یہاں تو ابھی تیسری ہی پشت ہے۔ دیکھیے کب تک اس سلسلہ میں برکات رہیں۔ اثناءِ گفتگو میں فرمایا آٹھ دس برس ہوئے۔ رجب کے ماہ میں حضرت والد ماجد سے خواب میں مشرف بہ ملاقات ہوا۔ فرمایا۔ اے احمد رضا اس بار رمضان میں تمہیں بیماری ہو گی۔ روزہ نہ چھوڑنا۔ بحمد اللہ جب سے روزے فرض ہوئے کبھی نہ سفر میں نہ مرض میں کسی حالت میں روزہ نہیں چھوڑا، خیر رمضان میں بیمار ہوا اور بہت بیمار ہوا۔ لیکن بحمد اللہ روزے نہ چھوڑے"۔ (محصولہ الملفوظ ج سوم ص۸۸ تا ص۸۹)

وعظ و نصیحت

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وعظ وارشاد سے اللہ تعالیٰ نے بے شمار لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ کئی گم کردہ راہ آپ کے پند و نصائح سے صراط مستقیم اور جادۂ استقامت پر آگئے۔ عقائد و اعمال ہر باب میں آپ نے خلق کی ہدایت فرمائی۔ ہم آپ کے سامنے صرف ایک مجلس کی تبلیغ کا اثر پیش کر رہے ہیں۔ صرف اسی سے آپ کی ساری عمر کے مواعظ و نصائح کی تاثیرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۸ رجب ۱۳۳۷ھ بروز جمعہ بوقت عصر آپ لوگوں کو بد مذہبوں کی صحبت سے احتراز کرنے پر وعظ فرما رہے تھے۔ اور آپ کے ارشادات سن کر کتنے ہی آدمی اپنے افعالِ بد پر لعنت ملامت کر رہے تھے۔ اور کبھی کسی گوشہ سے توبہ و استغفار کی بھی آواز آجاتی تھی۔ اس وقت کسی صاحب نے اُٹھ کر اپنے جلیس سے کہا کہ آپ کو بد مذہبوں کی صحبت میں اکثر دیکھا گیا ہے۔ اعلیٰحضرت عظیم البرکت خوش قسمتی سے تشریف فرما ہیں، مناسب ہے توبہ کر لیجئے۔ یہ سنتے ہی وہ قدموں پر آگرے۔ اور صدق دل سے تائب ہوئے۔ اس پر ارشاد فرمایا بھائیو! یہ نزولِ رحمت کا وقت ہے۔ سب حضرات اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ جن کے گناہ خفیہ ہوں وہ خفیہ اور جن کے اعلانیہ ہوں وہ علانیہ، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو استقامت باکرامت عطا فرمائے۔ جو لوگ ڈاڑھی منڈواتے ہوں یا کترواتے ہوں یا ڈاڑھی چڑھاتے ہوں یا اس پر خضاب سیاہ لگاتے ہوں۔ اور جو لوگ اسی قسم کے دوسرے اعلانیہ گناہ کرتے ہوں وہ اس کی پوشیدہ توبہ کریں۔ نجانے اعلیٰحضرت کے اِن چند فقرات میں خدا نے کیا تاثیر رکھی تھی کہ تمام لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اور ایک کہرام سا مچ گیا۔ لوگ آنسوؤں کی بارش سے اپنے گناہ کی سیاہی کو دھو رہے تھے۔ اور بے تابانہ اعلیٰحضرت کے قدموں پر گر گر کر اپنے ظاہری باطنی گناہوں سے توبہ کر رہے تھے۔ اور اعلیٰحضرت خود بھی گریہ و زاری سے بے حال ان لوگوں کیلئے دعائے مغفرت فرما رہے تھے۔ بعد میں اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ اس دن اٹھائیس[۲۸] لوگوں نے اپنے ظاہری گناہوں سے توبہ کی۔ اور اکہتر[۷۱] آدمیوں نے اپنے باطنی گناہوں سے توبہ کی (محصلہ الملفوظ جلد دوم ص ۱۳۱ تا ص ۱۳۶)

بحمد اللہ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اعلیٰحضرت میں اعراضِ دنیا، رغبتِ آخرت دینی بصیرت، عبادت پر مواظبت اور رشد و ہدایت تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ اور انہیں اوصاف کے حامل شخص کو صوفیاء کی اصطلاح میں فقیہ کہتے ہیں۔ اور ان اوصاف کے کمال سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰحضرت کو اصطلاح تصوف کے اعتبار سے بھی فقہ میں بہت اونچا مقام حاصل تھا۔ خلاصہ یہ کہ فقہ کی تین تعریفیں ہیں۔ اور اعلیٰحضرت تینوں اعتبار سے فقہ میں فائق مقام رکھتے ہیں۔ حفظِ مسائل کے علیٰ درجہ الکمال حامل ہیں۔ علم و عمل اور زہد و تقویٰ کے بہترین جامع ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ اہلِ علم نے کسی معنی کے اعتبار سے فقہ کا اطلاق نہیں کیا۔ مگر اعلیٰحضرت میں وہ معنی متحقق ہے وَلِلّٰہِ الحمدُ عَلٰی ذٰلِکَ

طبقات فقہاء

فقہ کی تعریف کے بعد اب ہم آپ کے سامنے طبقات فقہاء پیش کرتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے اعلیٰحضرت کے فقہی مقام پر مزید روشنی پڑے گی۔

۱۔ مجتہد فی الشرع

یہ وہ لوگ ہیں۔ جو قواعد و اصول مقرر فرماتے ہیں۔ اور احکام فرعیہ کو اصول اربعہ سے مستنبط کرتے ہیں۔ اور اصول و فرع میں کسی کے تابع نہیں ہوتے۔ جیسے ائمہ اربعہ ہیں۔

۲۔ مجتہدین فی المذہب

یہ صرف اصول میں امام کے تابع ہوتے ہیں۔ اور ادلہ اربعہ سے فروع کے استخراج پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور مسائل فرعیہ میں بعض جگہ امام کی مخالفت بھی کرتے ہیں جیسے اصحابِ[۱] ابی حنیفہ وغیرہم

۳۔ مجتہدین فی المسائل

یہ اصول و فرع میں امام کے تابع ہوتے ہیں۔ اور جن مسائل میں امام سے کوئی روایت نہیں ہوتی۔ ان میں امام کے اصول کے مطابق استخراج کرتے ہیں۔

۴۔ اصحابِ تخریج

انہیں اجتہاد پر بالکل قدرت نہیں ہوتی لیکن اصول اور اسکے ماخذ پر مکمل عبور ہوتا ہے اس لئے یہ قول مجمل کی تفصیل پر قدرت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رازی، جصاص، اور کرخی وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ)

۵۔ اصحاب ترجیح

یہ بعض روائتوں کو دوسری بعض روائتوں پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسے ابوالحسن قدوری، اور صاحب ہدایہ (رحمہما اللہ تعالیٰ)

۶۔ ممیزین

یہ وہ لوگ ہیں جو روایات میں سے صحیح، اصح، قوی، ضعیف اور ظواہر و نوادر وغیرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور ان میں روایات کو باہم متمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جیسے صاحب کنز اور صاحب وقایہ وغیرہما

۷۔ محض مقلدین

یعنی وہ لوگ جنہیں امور مذکورہ میں سے کسی پر قدرت نہیں ہوتی۔

(ماخوذ از عقد رسم المفتی للشامی صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۵)

طبقات فقہاء کی روشنی میں امام احمد رضا

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

---

[۱] اصحابِ ابی حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے مراد امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر وغیرہ ہیں (رحمہم اللہ)

میں پہلے چھ طبقوں میں سے ہر طبقہ کی بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں

بنظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت میں مجتہدین فی المسائل کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں جو ایسے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ جن پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی روایت موجود نہ تھی۔ آپ نے اصول و فروع میں اتباعِ امام اعظم کے ساتھ ان تمام مسائل کا استخراج کیا، فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدوں میں اس کی بکثرت امثلہ موجود ہیں۔

امام احمد رضا کی فقہی تحقیقات

فقہ کی تعریف اور طبقات فقہاء بیان کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اعلیحضرت کی فقہی تحقیقات کی چند مثالیں پیش کی جائیں۔ جن سے اعلیحضرت فاضل بریلوی کے فقہی مقام کی ایک جھلک سامنے آجائے۔ آپ کی فقہی تحقیقات مختلف انواع پر منقسم ہیں۔ بعض مسائل میں انہوں نے فقہاءِ متقدمین کی عبارتوں میں اضطراب کو رفع کر کے تطبیق بین الاقوال فرمائی ہے۔ بعض مواقع پر جو گوشے متقدمین کی نظر سے مخفی رہ گئے ہیں۔ انہیں اجاگر کر کے حق کو آشکارا کیا ہے۔ معاصر فقہاء میں جن حضرات نے فقہی مسائل میں لغزشیں کھائیں ہیں اُن پر اَن گنت وجوہ سے متنبہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بیشمار (عنوان) ہیں۔ جن کی وقت اجازت نہیں دیتا۔ فی الحال ہم زیرِ نظر تین عنوانوں پر گفتگو کرتے ہیں۔

تطبیق بین الاقوال

وضو میں بلا سبب پانی خرچ کرنے کے بارے میں فقہاءِ متقدمین کی عبارتوں میں زبردست اختلاف اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی نے غنیہ میں اور علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں بلا سبب پانی خرچ کرنے کو حرام قرار دیا۔ مدقق علائی نے درمختار میں مکروہ تحریمی بتایا۔ بحر الرائق نے اس کو مکروہ تنزیہی قرار دیا محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں خلاف اولیٰ ہونے پر جزم کیا غرضیکہ اسراف فی الوضوء کے بارے میں فقہاء کے چار قول ہیں۔ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ۔ اور بظاہر یہ چاروں متضاد اقوال ہیں، اعلیحضرت نے کمال تحقیق سے ان چاروں اقوال کے علیحدہ علیحدہ محمل بیان کئے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

حرام:۔ وضو میں سُنّت سمجھ کر بلا ضرورت پانی خرچ کیا جائے۔

مکروہ تحریمی:۔ بلا اعتقادِ سُنّیت و بلا ضرورت وضو میں پانی اس طرح خرچ کرے کہ وہ پانی ضائع ہو۔

مکروہ تنزیہی:۔ نہ تو سُنّیت کا عقیدہ ہو نہ پانی ضائع کرنے کا ارادہ۔ لیکن عادتاً بلا ضرورت پانی خرچ کرتا ہو۔

خلافِ اولیٰ:۔ نہ اعتقادِ سُنّیت ہو نہ اضاعت ہو نہ بلا ضرورت خرچ کرنے کی عادت ہو بلکہ نادراً بلا ضرورت پانی خرچ کرے۔

اس تحقیق کے بعد مزید اضافہ کے طور پر فرمایا کہ اگر ان چاروں وجہ کے علاوہ کسی غرض صحیح سے وضوء میں تین تین دفعہ سے زیادہ پانی خرچ کیا، تو وہ بلا شبہ جائز اور صحیح ہے۔ اور اس کی چار صورتیں بیان فرمائیں۔

۱۔ بدن سے گندگی اور میل کا ازالہ اور تنظیف کی خاطر تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے۔

۲۔ شدت گرمی سے بچنے اور بدن کو ٹھنڈک پہنچانے کی غرض سے تین بار میں زیادتی کی جائے۔

۳۔ دو یا تین بار میں شک پڑ جائے تو ازالہ ریب کی خاطر مقدار اقل پر بنا کر کے ایک بار اور دھوئے۔

۴۔ وضو نورٌ علیٰ نور کے قصد سے تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے۔

الغرض تطہیر کے قصد سے اگر تین مرتبہ دھونے پر زیادتی کرے تو اس کی چار صورتیں ہیں۔ اور وہ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کا حکم رکھتی ہیں۔ اور ان صورتوں کے بغیر اگر غرض صحیح سے بطابق مؤخر الذکر چار صورتوں کے زیادتی کی جائے۔ تو بلا کراہت جائز اور بلا ریب صحیح ہے۔

(محصلہ فتاویٰ رضویہ ج اول ص ۱۶۶ تا ص ۲۰۸)

علامہ سید طحطاوی اور امام احمد رضا

فقہاء کرام کا ضابطہ ہے کہ جو چیز بیماری کے سبب جسم سے خارج ہو۔ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ دُرّ مختار میں ہے۔

وکذا کل ما یخرج من وجع ولو من اذن او ثدی او سرۃ

نواقض وضو میں سے ہر وہ شئ ہے۔ کسی بیماری کے سبب سے خارج ہو۔ اگرچہ کان، پستان یا ناف سے ہی خارج ہو۔

اس قاعدہ پر علامہ سید طحطاوی نے یہ مسئلہ متفرع کیا۔ کہ زکام سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ زکام میں بیماری کے سبب پانی ناک سے خارج ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ درّ مختار کے حاشیہ میں فرماتے ہیں۔

ظاهره یعم الانف اذا زکم

اس عبارت کا ظاہر ناک کو بھی شامل ہے جب کہ زکام ہو جائے

اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ زکام سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور سید احمد طحطاوی پر یہ بات مخفی رہ گئی۔ کہ فقہاء کا مذکورہ قاعدہ مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں ہے۔ کہ جب بیماری کے سبب سے جو چیز بدن سے خارج ہوئی اس میں خون یا پیپ کی آمیزش کا شائبہ ہو۔ چنانچہ منیہ، غنیہ، حلیہ، تحفہ، کافی، بحر الرائق، تبیین الحقائق، خلاصہ وجیز، فتح القدیر، وغیرہا کتب فقہ میں اس تقید پر تصریح موجود ہے۔ قاعدہ مذکورہ کی وضاحت کے علاوہ، اعلیحضرت نے

زکام سے وضو نہ ٹوٹنے پر دو مستقل دلیلیں ارقام فرمائیں۔ ہم ان کی تلخیص ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

۱۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ کہ بلغمی رطوبات خواہ دماغ سے نازل ہوں، یا پیٹ سے صاعد ہوں، طاہر ہیں۔ ان کا خروج ناقضِ وضو نہیں ہے۔ اور زکام میں ناک کے راستے سے بلغمی رطوبات کا اخراج ہوتا ہے پس اُن کا خروج نقضِ وضوء کا سبب نہیں ہے۔

۲۔ فقہاء کرام کا قاعدہ ہے۔ کہ نجاست کا خروج موجب حدث ہے۔ اور جو نجس بالخروج نہ ہو۔ وہ حدث نہیں ہے۔ اور زکام کی رطوبات چونکہ نجس بالخروج نہیں ہیں۔ اس لئے وہ موجب حدث نہیں ہیں۔

(خلاصہ فتاویٰ رضویہ ج اول ص ۳۴، ص ۴۰)

علامہ شامی اور امام احمد رضا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارک میں اذان دی ہے یا کہ نہیں، بعض علماء نے کہا کہ آپ نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تھی۔ کیونکہ امام ترمذی کی روایت سے اسی طرح ثابت ہے اور بعض علماء نے اس استدلال کو رد کر دیا۔ کیونکہ طریق ترمذی سے امام احمد نے روایت کیا کہ حضور نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا تھا۔ پس روایتِ ترمذی میں حضور کی طرف اذان کا اسناد الی السبب کے قبیل سے ہے۔ لہذا آپ کا اذان دینا ثابت نہ ہوا۔ چنانچہ علامہ شامی رد المحتار ج ۱ ص ۲۶۷ پر فرماتے ہیں۔

ومما یکثر السؤال عنه هل باشر النبی صلی الله علیه وسلم الاذان بنفسه وقد اخرج الترمذی انه علیه السلام اذن فی سفر وصلی باصحابه وجزم به النووی ولکن وجد فی مسند احمد من هذا الوجه فامر بلالاً فاذن فعلم ان فی روایة الترمذی اختصاراً وان معنی قوله اذن امر بلالاً

عام طور پر لوگ پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے یا نہیں۔ اور امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تھی۔ اور اس پر امام نووی نے اعتماد کیا۔ لیکن امام احمد نے اسی طریق سے روایت کیا۔ کہ حضور نے حضرت بلال کو اذان دینے کا امر فرمایا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ روایت سابقہ کا بھی یہی محمل ہے۔

اس مقام پر علامہ شامی نے ملا علی قاری اور دوسرے علماء کی طرح اس پر جزم کیا کہ حضور نے اذان نہیں دی۔ اور ترمذی کی روایت میں اسناد مجازی ہے۔ لیکن اعلیحضرت کی تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ایک مرتبہ اذان دی ہے۔ اور اسکو اسناد مجازی پر محمول نہیں کیا جاسکتا ..... کیونکہ تحفہ امام ابن حجر مکی میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی، اور اذان کے تشہد میں فرمایا کہ اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور یہ نص مفسر ہے کہ جو کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتی۔ کیونکہ اگر آپ نے اذان خود نہ فرمائی ہوتی تو اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ کے بجائے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے الفاظ وارد ہوتے۔ اور علامہ شامی نے خود ج ۱ ص ۴۷۶ پر تحفہ کی اس روایت کو ذکر کرکے اسکی صحت کو بیان کیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج دوم ص ۳۴۳ مع توضیح)

مولانا عبدالحی لکھنوی اور امام احمد رضا

علماء احناف کے نزدیک سود کے تحقق کے لئے اتحاد قدر و جنس شرط ہے۔ یعنی دو چیزیں جب پیمانہ یا وزن میں برابر ہوں، اور ان کی جنس ایک ہو، تو ان میں تفاضل حرام ہے اور جو چیزیں مکیل موزون کے قبیل سے نہ ہوں بلکہ عددی ہوں مثلاً انڈے یا پیسے تو ان میں تفاضل جائز ہے۔ کیونکہ ان میں سود کی علت یعنی قدر مذکور متحقق نہیں ہے۔ بناء بریں نوٹ بھی چونکہ فلوس (پیسوں) کی طرح عددی ہے۔ لہذا اس میں بھی تفاضل جائز قرار دیا پایا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی اس اصول سے تو متفق ہیں۔ کہ عددی چیزوں میں سود نہیں ہوتا۔ چنانچہ فلوس (پیسوں) میں وہ بھی کہتے ہیں کہ تفاضل جائز ہے۔ لیکن نوٹ میں ان کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نوٹ میں تفاضل حرام ہے۔ اور سود خالص ہے۔ چنانچہ انہوں نے نوٹ میں سود کے تحقق پر ایک فتویٰ تحریر کیا۔ اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب یہ فتویٰ آیا تو آپ نے اس فتوے کو ایک سو بیس ۱۲۰ وجوہ سے رد کر دیا۔ ہم آپ کے سامنے مولوی عبدالحی کا فتویٰ اور اس پر اعلیحضرت کے ایک سو بیس ۱۲۰ وجوہ ابطال میں سے چند وجوہ پیش کرتے ہیں جس کے مطالعہ سے اعلیحضرت کا فقہی تدبر اور وسعت نظر قارئین کے سامنے آجائیگی

فتویٰ

(ھو المصوّب)

" نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں، مگر عرفاً حکمِ ثمن میں ہے بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے۔ اسوجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپیہ کا کوئی ہلاک کر دے تو اصل مالک سو روپیہ تاوان لیتا ہے۔ اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے۔ تو مقصود اس سے قیمت ملنا اُس کاغذ کی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے۔ کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے۔ اور نوٹ سو روپیہ کا اگر کوئی شخص قرض لے۔ تو بوقتِ ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے، یا سو روپے دیوے۔ دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقتِ ادا دیوے تو دائن

نہیں لیتا۔ بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت ان کی نہیں ہے۔ اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خرید لے۔ یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے، اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دیوے۔ تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے۔ اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔ پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں۔ بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے۔ گو عینیتِ خلقیہ نہیں۔ بلکہ عینیت عرفیہ ہے۔ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ میں بھی جائز ہو جائے کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں۔ حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی۔ گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے ان میں صفت ثمنیت آگئی ہو۔ پس ہرگاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا جائیگا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا،،

(فتاوی عبدالحی جلد دوم فتویٰ ۲۶)

علامہ عبدالحیؒ کی دلیل کا ماحصل یہ ہے کہ ثمن خلقی یعنی سونا چاندی میں بوجہ موزوں ہوتے کے تفاضل حرام ہے۔ اور نوٹ بھی ثمن خلقی یا اس کے حکم میں ہیں۔ اس وجہ سے اس میں بھی تفاضل حرام ہے۔ نوٹ کے ثمن خلقی (سونا چاندی) ہونے پر انہوں نے یہ دلیل دی کہ سو کا نوٹ ہلاک کر دینے پر سو چاندی کے روپے دینے پڑتے ہیں۔ پس معلوم ہوا۔ کہ نوٹ ثمن خلقی یعنی عین چاندی ہے۔ نیز انہوں نے کہا۔ کہ پیسے ثمن عرفی ہیں۔ ان میں تفاضل جائز ہے۔ اور پیسوں کے ثمن عرفی ہونے پر یہ دلیل دی کہ کوئی شخص کسی کو ایک چاندی کا روپیہ ادھار دیتا ہے۔ تو ادائیگی کے وقت اگر اسے ایک روپیہ کے بجائے، ایک روپیہ کے پیسے دیئے جائیں تو وہ اس امر کا مجاز ہے کہ وہ اپنے روپوں کے بجائے ان پیسوں کو قبول نہ کرے۔

مولانا عبدالحی صاحب کی دلیل کا رکن اول یہ ہے کہ نوٹ ثمن خلقی (سونا چاندی) یا اس کے حکم میں ہے۔ بہر حال نوٹ کا بعینہٖ سونا چاندی ہونا تو بداہتہً باطل ہے۔ کیونکہ نوٹ اور سونا چاندی دونوں میں ذاتیات اور عوارض کے اعتبار سے تباین ہے۔ رہا اس کے حکم میں ہونا تو اس پر اعلیٰحضرت نے کثیر وجوہ سے کلام کیا۔ ازاں جملہ یہ ہے کہ نوٹ کے لئے سونے چاندی کے جمیع احکام ثابت ہیں یا فی الجملہ مثلاً تمول وغیرہ اگر جمیع احکام مراد ہوں، تو قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ سونے چاندی کے زیورات برتن اور لباس ہائے فاخرہ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ اور نوٹ کا نہ کوئی لباس بنتا ہے، نہ زیور، نہ برتن اور اگر بعض احکام کے اعتبار سے یہ سونے چاندی کے حکم میں ہے، کہ جس طرح سونا چاندی مال دولت ہے۔ اسی طرح نوٹ بھی مال و دولت ہے۔ تو یہ حکم پیسوں میں بھی مشترک ہے۔ کیونکہ پیسے بھی مال و دولت ہیں۔ پھر نوٹ میں تفاضل کا حرام ہونا۔ اور پیسوں میں جائز ہونا یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ دلیل کا رکن ثانی یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی کا سو روپیہ کا نوٹ پھاڑ دے تو اُسے سو روپے (چاندی کے) دینے پڑیں گے، معلوم ہوا کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی یعنی چاندی ہے،،

(یہ اس وقت کی بات ہے جب چاندی کا روپیہ ڈھلتا تھا، اب تو اس دلیل کا بطلان اور واضح ہو گیا ہے"۔ (سعیدی)

پس معلوم ہوا کہ نوٹ چاندی کا عین ہے۔ کیونکہ وہ تاوان میں نوٹ کے عوض چاندی کے روپیہ لے رہا ہے۔ الجواب اس طرح تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ نوٹ گھوڑے کا بھی عین ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کسی کا سو روپیہ کا گھوڑا ہلاک کر دے تو مالک تاوان میں اس سے سو کا نوٹ لے گا۔ معلوم ہوا کہ نوٹ گھوڑے کا عین ہے کیونکہ وہ تاوان میں گھوڑے کے عوض نوٹ لے رہا ہے۔، ثانیاً یہ اصول ہی غلط ہے کہ سو کا نوٹ ضائع کر دینے پر سو (چاندی کے روپے) دینے واجب ہوں گے۔ کیونکہ جائز ہے کہ وہ اسے تاوان کی صورت میں سو کا دوسرا نوٹ ہی دے دے۔ یا ایک ایک کے سو نوٹ دے یا اٹھنی، چونی اور پیسوں کی شکل میں اسے سو روپیہ پورے کر دے۔

دلیل کا رکن ثالث یہ ہے کہ پیسے ثمن عرفی ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کو ایک روپیہ ادھار دے تو اُسے حق ہے کہ وہ اس کے بدلے میں ایک روپے کے پیسے قبول نہ کرے۔

الجواب، مولوی عبدالحی صاحب کی خیالی دنیا میں ممکن ہے یہ رواج ہو ورنہ واقع اور نفس الامر میں ایسا کوئی قانون رائج نہیں ہے۔ ایک روپیہ اور سو نئے پیسے کی مالیت میں فرق کرنا نہ صرف یہ کہ بداہتہً باطل ہے بلکہ انتہائی مضحکہ خیز فتاویٰ مذکور میں مولانا عبدالحی صاحب کو ایک اور شبہ لاحق ہوا ہے کہ اگر نوٹ میں تفاضل جائز رکھا جائے۔ تو لوگ سود کے کاروبار کے لئے نوٹ میں تفاضل کے جواز کو بہانہ بنالیں گے۔ اور نوٹ کے حیلہ سے سود کھانا، شروع کر دیں گے۔

الجواب۔ یہ شبہ مشترک ہے۔ کیونکہ پیسوں میں تفاضل کے جواز کو آپ بھی مانتے ہیں۔ پس جنہیں سود کھانا ہوگا۔ وہ پیسوں کے حیلہ سے سود کھانا شروع کر دیں گے۔ (ماخوذ از کفل الفقیہ ص۱۳۴ تا ص۱۶۵)

جناب مولوی عبدالحی لکھنوی کے زیر نظر فتویٰ پر اعلیٰحضرت نے ایک سو بیس وجوہ سے گرفت کی ہے۔ ہم نے ان میں سے کل پانچ وجوہ پیش کی ہیں۔ تفصیل کے لئے اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ ہم نے یہاں پر اس کی ایک جھلک دکھلائی ہے جس سے آپ کی فقہی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام معاصرین پر آپ کی زبردست ہیبت طاری تھی۔ کیونکہ اس رسالہ کی اسی وقت طباعت ہو گئی تھی۔ اور آج تک کوئی اس کا جواب نہ دے سکا۔

مولوی رشید احمد گنگوہی اور امام احمد رضا

مولوی رشید احمد گنگوہی کی تحقیق یہ ہے کہ نوٹ اس سونے چاندی کی رسید ہے۔ جو حکومت کے پاس محفوظ ہے اور یہ نوٹ سونا چاندی بھی ہے۔ نیز نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ کیونکہ یہ مبیع نہیں ہے۔ اپنی اس تحقیق کو گنگوہی صاحب نے ایک فتویٰ میں بیان کیا ہے۔ اعلیٰحضرت نے ان کی اصل تحقیق کا بیس وجوہ سے رد کیا ہے۔ ہم قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے مولوی رشید احمد گنگوہی

کا فتویٰ اور اس پر اعلیحضرت کے کلام کا کچھ حصہ پیش کرتے ہیں۔ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب لکھتے ہیں۔

نوٹ وثیقہ اوس روپے کا ہے۔ جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے۔ مثل تمسک کے۔ اس واسطے نوٹ میں نقصان آجاوے۔ تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں۔ اور اگر گم ہو جاوے بشرطِ ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ مبیع ہوتا۔ تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے نقصان یا فنا ہو جاوے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپکو واضح ہو جائیگا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے۔ فلوس مبیع ہے۔ اور نوٹ نقدین۔ اُن میں زکوٰۃ نہیں، اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے۔ اوس پر زکوٰۃ ہوگی، اکثر لوگوں کو شبہ ہو رہا ہے۔ کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے، کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ فقط

بندہ رشید احمد گنگوہی (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۲۹ ج ۲)

اعلیحضرت نے جو اس فتوے پر کلام کیا ہے۔ اسکا ملخص یہ ہے۔ اولاً نوٹ کو رسید قرار دینا بداہتہً باطل ہے۔ کیونکہ رسید کسی معین، شخص یا ادارہ کیطرف سے کسی معین شخص یا ادارے کیلئے ہوتی ہے مثلاً زید نے مال کی رسید دی ہے۔ تو اب اس رسید کی رو سے صرف مال دینے کا ذمہ دار ہے، تاکہ ہر کس و ناکس جس کو بھی رسید دی جائے وہ اس رسید پر مال ادا کر دے۔ بخلاف نوٹ کے کہ ہر ملک، ہر شہر، ہر قصبہ و دیہات میں اس کے عوض اسکی مالیت کے مطابق رائج سکہ مل جائے گا۔ جس طرح مال کی ہر جگہ قیمت لگتی ہے۔ اسی طرح نوٹ کی ہر جگہ قیمت لگتی ہے۔ معلوم ہوا کہ نوٹ مال کی رسید نہیں۔ بلکہ خود مال متقوم ہے بیچا اور خریدا جاتا ہے۔

ثانیاً۔ یہ فتویٰ خود متناقض بنفسہٖ ہے۔ کیونکہ پہلے کہا۔ کہ یہ نقدین (سونا چاندی) کی رسید ہے۔ چند سطر بعد کہا کہ یہ خود نقدین ہے (ہم نے ان متضاد عبارتوں پر خط کھینچ دیا ہے۔ (سعیدی)

ثالثاً۔ نوٹ کو تمسک قرار دیا اور اس پر زکوٰۃ بھی لازم کر دی۔ حالانکہ زکوٰۃ مال پر ہوتی ہے۔ اور تمسک، مال نہیں ہے۔

رابعاً۔ نوٹ کے مبیع نہ ہونے پر زکوٰۃ کی بناء کی ہے۔ گویا مبیع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی؟ فلہذا وہ تمام تجار جن کے پاس لاکھوں روپے کا لیکا مال ہوتا ہے۔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہو گئے۔

خامساً۔ کاغذ کو مبیع ہونے کے منافی قرار دیا۔ کیا کاغذ کی دنیا میں خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ یا مولوی صاحب کے گاؤں میں ابھی تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ کاغذ بھی بکتا ہے۔ (ماخوذ از کفل الفقیہ ص ۱۲۳ تا ص ۱۳۳)

مولوی اشرف علی تھانوی اور امام احمد رضا

اشرف علی تھانوی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ جس طرح اذان میں نام مقدس پر انگوٹھے چومے جاتے ہیں۔ کیا اس طرح اقامت میں بھی نام اقدس پر انگوٹھے چومنا جائز ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اقامت تو بجائے خود اذان میں بھی انگوٹھے چومنا جائز نہیں۔ اعلیحضرت نے اس جواب کو تیس سے زائد وجوہ سے رد کیا۔ ہم ذیل میں تھانوی صاحب کا فتویٰ اور اس پر اعلیحضرت کے تعاقب کی ایک جھلکی پیش کرتے ہیں۔

فتویٰ

اوّل تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روائت سے ثابت نہیں۔ اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روائت کیا ہے۔ وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں۔ چنانچہ شامی بعد نقل اس عبارت کے لکھتے ہیں۔ وذکر ذلک الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شئ انتہی ۲۶۷ (شامی جلد اول) مگر اقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھوٹی روائت بھی موجود نہیں۔ پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے۔ اسی واسطے فقہاء نے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔ یہ عبارت شامی کی ہے۔ ونقل بعضھم ان القہستانی ھامش نسخۃ ان ھذا مختص بالاذان واما فی الاقامۃ فلم یوجد بعد الاستقصاء التام ص ۲۶۷ ج ۱ (فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۵۰)

اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تعاقب ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) تقبیل ابہامین حدیث موقوف سے ثابت ہے۔ اور اس باب میں کوئی صحیح مرفوع حدیث وارد نہیں۔ اور جب تقبیلِ ابہامین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ثابت ہے۔ تو یہ عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خلفاءِ راشدین کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے۔

۲۔ صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا، جیسا کہ تھانوی صاحب نے اس فتوی میں کہا کہ تقبیل فی الاذان کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے۔ فنِ حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ کتبِ رجال میں جا بجا مذکور ہے۔ یعتبر بہٖ ولا یحتج بہٖ اور فضائل اعمال میں احادیثِ معتبرہ بالاجماع کافی ہیں۔ اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔

۳۔ تھانوی صاحب نے اذان میں انگوٹھے چومنے کو بدعت قرار دیا۔ حالانکہ جس جگہ کی عبارت نقل کی ہے۔ اس سے متصل شامی نے بیان کیا کہ اذان میں انگوٹھے چومنا مستحب ہے۔ اور استحباب کو قہستانی نے فتاویٰ صوفیہ اور کنز العباد سے بھی نقل کیا۔ ملاحظہ ہو۔

یستحب ان یقال عند سماع، الاولیٰ من الشھادۃ صلی اللہ، علیک یا رسول اللہ وعند الثانیۃ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع

جب اذان میں پہلی بار اشہد ان محمداً رسول اللہ سنے تو کہے صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور جب دوسری بار سنے تو کہے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ پھر دونوں انگوٹھے آنکھوں پر

والبصر بعد وضع ظفر الابهامين على العينين فانه عليه السلام قائدًا له الى الجنة ۔ كذا في كنز العباد اھ قهستاني ونحوهٗ في الفتاوى الصوفيه

رکھنے کے بعد کہے اللهم متعنی بالسمع والبصر۔ پس اس شخص کی نبی علیہ السلام جنت میں قیادت فرمائیں گے۔ اسی طرح کنز العباد قہستانی اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے۔

اس عبارت کو تھانوی صاحب صاف گول کر گئے۔ تاکہ اذان میں انگوٹھے چومنے کو بدعت قرار دینے کا جواز پیدا ہو سکے۔ اور قہستانی کی وہ مجہول نقل ذکر کر دی۔ جس میں انہوں نے یہ ذکر کیا۔ کہ مجھے اقامت میں انگوٹھے چومنے کی روایت نہیں ملی۔

۴۔ تھانوی صاحب نے سلب کلی کر دیا۔ کہ اذان میں تقبیل کسی معتبر روائیت سے ثابت نہیں۔ حالانکہ ایک ہزار سے زیادہ کتب فقہ میں یہ روایت موجود ہے۔

۵۔ قہستانی کی نقل مجہول ہے۔ اور خود شامی نے ج ۲ ص ۵۱۲ پر تصریح کی ہے۔ نقل مجہول مقبول نہیں ہوتی لا يكفى فى النقل لجهالة

۶۔ علی التنزل اگر اس نقل کو قبول بھی کر لیا جائے تو یہ نفی روایت ہے۔ روایت نفی تو نہیں ہے۔ اور تھانوی صاحب کو غالباً یہ معلوم نہیں کہ نفی ثابت کرنے کے لئے روایت نفی کی ضرورت ہے۔ نفی روایت کی نہیں۔

۷۔ کسی فعل کو مکروہ ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس فعل پر نہی خاص موجود ہو۔ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

لا يلزم منه ان يكون مكروهًا الا بنهى خاص لان الكراهة حكم شرعى فلا بد له من دليل

بغیر نہی خاص کے کوئی فعل مکروہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے۔ اس کیلئے دلیل خاص ضروری ہے۔

ردالمحتار ج ۱ ص ۶۸۴

پس اقامت میں تقبیل سے روکنے کے لئے نہی بالخصوص ضروری ہے۔ وبدونہ خرط القتاد محض ثبوت کی روائیت کا نہ ملنا۔ اسکی کراہت کیلئے کافی نہیں۔ صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں۔ لا يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة اذ لا بد لها من دليل خاص ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ اس کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے پس نفی روایت سے کچھ نہیں بنتا۔ جب تک کہ روایتِ نفی نہ ہو۔

(بحر الرائق ج ۲ ص ۱۷۶)

۸۔ اقامت میں نامِ اقدس سنکر انگوٹھے چومنا نامِ اقدس کی تعظیم ہے۔ اور اسکا منشاء بھی موجود ہے۔ پس اقامت میں نامِ اقدس سنکر انگوٹھے چومنا ادب و تعظیم کے قبیل سے ہے۔

محقق علی الاطلاق ابن ہمام فرماتے ہیں۔

كل ما كان ادخل من الادب والاجلال كان حسنًا

ہر وہ کام جو ادب اور تعظیم میں داخل ہو۔ حسن ہے

امام ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں۔

تحظيم النبى صلى الله عليه وسلم بجميع انواع التعظيم التى ليس فيها مشاركة الله تعالىٰ فى الالوهية امر مستحسن عند من نور الله ابصارهم ط

تمام انواع تعظیم سے نبی علیہ السلام کی تعظیم کرنا۔ جن میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں مشارکت نہ ہو۔ اہلِ بصیرت کے نزدیک امر مستحسن ہے

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ اذان میں تقبیل مذکور ثابت ہے۔ اور اقامت میں جائز اور مستحسن ہے۔ جائز اس لئے ہے کہ اسکی نفی ثابت نہیں ہے۔ اور مستحسن اس وجہ سے ہے کہ یہ تعظیم رسول کا ایک فرد ہے اور تعظیم رسول کم از کم مستحسن ہے۔

(محصلہ فتاویٰ رضویہ ج دوم ص ۴۸۳ تا ص ۴۹۶)

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور امام احمد رضا

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین

قاطعہ مصدقہ گنگوہی میں سنت اور بدعت کا ایک فقہی ضابطہ بڑے فخر کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ اعلیحضرت نے اسی ضابطہ کا کئی وجہ سے احتساب کیا ہے۔ ہم انبیٹھوی صاحب کا ضابطہ بیان کرنیکے بعد اعلیحضرت کے احتساب کا کچھ ملخص پیش کریں گے۔

مولوی انبیٹھوی صاحب لکھتے ہیں۔

حاصل یہ ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو۔ خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہو یا نہ ہو وہ سب سنت ہے۔ اور وہ بوجوہ شرعی ان قرون میں موجود ہے۔ اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ اِن قرون میں بوجودِ خارجی ہو یا نہ ہو وہ سب بدعتِ ضلالہ ہے۔ اس قاعدہ کو خوب سمجھ لینا ضروری ہے۔ مؤلف اور اس کے اشیاع نے اس کی ہوا بھی نہ سونگھی۔ اس عاجز کو اپنے اساتذہ جہابذہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے۔ اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں۔ کہ موافقین کو نفع اور مخالفین کو شاہد ہدایت حاصل ہو

ملخصا (براہین قاطعہ ص ۲۸ تا ص ۲۹)

امام احمد رضا کا تعاقب

مولوی انبیٹھوی صاحب نے اپنے اس کلام میں جوازِ شرعی کی دلیل کے، وجود و عدم کا سنت و بدعت میں حصر عقلی کر دیا۔ پس استحباب اباحت اور کراہت تنزیہی ان کی نفی ہوگئی۔ کیونکہ جس امر کے وجود کی دلیل شرعی پائی گئی وہ سنت ہے۔ استحباب

اباحت کے ثبوت کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ اور جس امر کے جواز کی دلیل شرعی نہ پائی گئی وہ بدعت وضلالت ہوگا۔ پس کراہت تنزیہی کا رفع ہوگیا۔

(محصلہ فتاوی رضویہ ج دوم ص۴۵۸ تا ص۴۵۹)

اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقہ کی جس قدر انواع پر کام کیا ہے۔ اگر ان تمام کا احصار کیا جائے تو اس کے لئے بھی ایک عظیم دفتر کی ضرورت ہے۔ یہ مختصر مقالہ اعلیٰحضرت، عظیم البرکت الشاہ مولانا احمد رضا خاں کی تمام فقہی خصوصیات کو پیش کرنے سے یقیناً قاصر ہے۔ تاہم اعلیٰحضرت کی فقہی تحقیقات میں سے چند انواع کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔ تاکہ اس کا مطالعہ قارئین کو اعلیٰحضرت کے فقہی تبحر سے ایک حد تک روشناس کر سکے۔

امام احمد رضا کا فقہی مقام

جن امور کو اس مقالہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ اعلیٰحضرت میں اصولیین فقہاء اور متصوفین تینوں کی تعریفات کے اعتبار سے فقہ کی معنویت پائی جاتی ہے۔ طبقات فقہاء کے اعتبار سے اعلیٰحضرت کا موازنہ کریں، تو پتہ چلتا ہے کہ قواعد شرعیہ وضع کرنے کی وجہ سے آپ میں طبقہ اولیٰ یعنی ائمہ اربعہ کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ غیر منصوص مسائل کو قواعد امام سے استخراج کرنے کی وجہ سے خصاف اور طحاوی کی طرح طبقہ ثالثہ میں قدم راسخ رکھتے ہیں۔ روایات میں ترجیح اور تفصیل کے سبب سے طبقہ رابعہ اور خامسہ کے فقہاء سے کسی طرح کم نہیں۔ فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں۔ جس میں فقہاءِ سابقین کی تصریحات سے زیادہ مسائل متفرع کئے ہوں جو امور متقدمین کی نظر سے مخفی رہ گئے۔ انہیں انتہائی لطافت کے ساتھ واضح کر کے دلائل وبراہین سے مزین کیا۔ معاصرین فقہاء کی غلطیوں پر انہیں ان گنت وجوہ سے متنبہ فرمایا۔ فقہی مباحثہ میں جو طبعی وریاضی کے مسائل آ گئے۔ تو ان پر ایسے اچھوتے انداز میں بحث کی ہے۔ کہ فارابی اور شیخ بھی دبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انصاف اور دیانت کی نظر سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰحضرت نے فقہ میں وہ مقام حاصل کیا۔ جس کی نظیر صدیوں پیچھے نہیں ملتی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

امام احمد رضا اور
سہولیات شرعیہ

از - الحاج محمد علی رضا قادری ایم اے سی ٹی
انسپکٹر آف اسکولس مظفر پور

محترم الحاج محمد علی رضا صاحب قادری، ضلع مظفر پور بہار کے انسپکٹر آف اسکولس ہیں۔ ۱۹۵۸ء میں بغداد شریف، کربلائے معلی، نجف اشرف کی زیارتوں سے مشرف ہو کر براہ تبوک مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اس کے بعد فریضہ حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر واپس وطن لوٹے۔ مذہبی دلچسپی بے پناہ ہے بلکہ صورۃً و سیرتاً اور قلباً و قالباً سنی مسلمان ہیں ——— ایڈیٹر

اسلام کے احکام و عقائد ہر دور میں یُسر و تسہیل کے حامل رہے ہیں۔ ہر آسمانی کتابوں میں عزیمت و رخصت کا تذکرہ ضرور رہا ہے۔ جب اسلام اپنے منازل و مراحل طے کرتا ہوا آخری منزل تکمیل میں داخل ہوا اور "الیوم اکملت لکم دینکم" الخ کے مژدہ جانفزا سے دنیا کو نوازا اور آخر الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات نے دنیا کے سامنے "تحفہ قرآن" پیش فرمایا۔ پھر اپنے کلام بلاغت نظام "انا رحمتہ مہداۃ" سے دنیا والوں کو رحمت و رافت کا نغمہ سنایا۔ یعنی میں دنیا میں رب رحیم کی طرف سے بندوں کیلئے "ہدیۂ رحمت" ہوں۔ اسی ارشاد رحمت کا فطری تقاضہ و منطقی نتیجہ ہے کہ اسلامی شریعت کی بنا یُسر و تسہیل پر رکھی گئی ہے۔ اس دعویٰ کا ثبوت قرآن عظیم میں بھی ہے اور احادیث کریمہ میں بھی۔

قرآن کریم میں شرعی سہولتیں ۔ سورہ بقر دوسرا سپارہ سیقول کے اندر روزہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد ربانی ہے "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ اس آیت کریمہ کے سباق و سیاق شاہد ہیں کہ روزہ کے سلسلہ میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱ - روزہ صرف اسی امت پر فرض نہیں کیا گیا، روزہ کی فرضیت کوئی انوکھی دنئی چیز نہیں ہے بلکہ اس امت مرحومہ کے پہلے جتنی امتیں گزری ہیں ان پر بھی روزہ فرض کیا گیا تھا۔ یہ اسلوب و بیان و طرز ادا شرعی آسانی و دینی تیسیر کا غماز ہے کیوں کہ بظاہر اس فرض کی ادائیگی مشقت خیز ہے۔ بھوک و پیاس کی سوزش یقیناً عُسر و سختی کا پہلو رکھتی ہے۔ اس احساس مشقت کو حکیمانہ انداز سے دفع کیا گیا ہے کہ تنہا تم ہی پر تو روزہ فرض نہیں ہوا بلکہ تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض تھا۔ آخر وہ بھی اولاد آدم ہی تھیں، انھوں نے اس فرض کو کس طرح ادا کیں۔ اگر واقعی اس کی ادائیگی ناقابل برداشت مشقت ہوتی تو وہ امتیں کبھی اس فریضہ سے عہدہ برآنہ ہوتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فریضہ صیام کو مشقت آفریں سمجھنا فریب نفس ہے جو مسلمانوں کو اس سے عظیم تر جہنم کی مشقت میں دھکیل دینا چاہتا ہے۔ لوگوں کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ جس مالک نے سال بھر انواع و اقسام کے کھانے کھلائے ہیں اگر اس نے امتحاناً ادائے شکر کے لئے گنتی کے چند دن کھانا پینا چھوڑ دینے کا حکم صادر فرمایا ہے تو گیارہ مہینے کے عیش کے مقابل ایک مہینہ کا روزہ رکھ لینا وہ بھی صرف دن بھر کوئی مشقت کی چیز نہیں، بلکہ آخرت کے لحاظ سے آسانی ہی آسانی ہے۔

۲ - اس ضمن میں دوسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ روزہ تو فرض کیا گیا ہے لیکن اس فرضیت کے ساتھ یہ آسانی بھی عطا کی گئی ہے کہ جب تم مریض ہو یا مسافر اور اس حالت میں روزہ رکھنا دشوار ہو تو روزہ نہ رکھو، پھر جب صحت یاب ہو جاؤ یا مقیم تو چھوٹے ہوئے روزے رکھ لو۔ اس بیان کے بعد ہی آیت تیسیر ہے۔ سطور بالا میں جس کی تلاوت کی گئی ہے۔ مقصود بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے، حاکم علی الاطلاق ہے، بادشاہ ذوالجلال و بے نیاز ہے وہ جو چاہے حکم دے کوئی روکنے والا نہیں۔ اس مالکانہ و حاکمانہ شان کے باوجود اس انداز تلطف سے فرضیت صیام کو پیش کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ بندوں کے ذہن میں شریعت اسلامی کے تیسیری پہلو کو جاگزیں کرنا ہے۔

دوسری آیت کریمہ جس کو پیش کر رہا ہوں وہ سورۂ حج سترہویں پارہ میں ہے "وماجعل علیکم فی الدین من حرج" اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی (بلکہ ضرورت کے موقعوں پر تمہارے لئے سہولت کر دی جیسا کہ سفر میں نماز کا قصر روزے کے افطار کی اجازت اور پانی نہ پانے یا پانی کے ضرر کرنے کی حالت میں غسل اور وضو کی جگہ تیمم۔ تو تم دین کی پیروی کرو۔) (تفسیر خزائن العرفان کی تفسیری عبارتیں ہیں۔)

اس طرح سورۂ توبہ اور سورۂ نور میں عذر مندوں، بیماروں، لنگڑوں

ادھوں، لنگڑوں سے دفع حرج و شرعی آسانیوں کا بیان ہے۔ ان آیات سے روز روشن کی طرح یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ شریعت مصطفویہ کو سہولت عباد کا اہتمام تام ہے یہ تو اس عنوان پر قرآن حکیم سے ربانی شان ربوبیت کی جھلک ہے۔ اب نبوت و رسالت کے ارشاد کی تجلیاں بھی مشاہدہ فرمائیں۔

شرعی سہولت و تیسیر اور ارشادات رسالت۔

مالک عرش و فرش حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عنوان پر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کو حدیث پاک کی مشہور و متداول کتاب "مشکوٰۃ شریف" کے باب "ماعلے الولاۃ من التیسیر" میں ملاحظہ فرمائیں۔

فرمان رسالت کا خلاصہ۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب آپ کسی صحابہ کو کسی دینی امر کے لئے کہیں بھیجتے تو فرماتے "بشروا ولا تنفروا ویسروا ولا تعسروا" یعنی جہاں جا رہے ہو وہاں لوگوں کو طاعات و عبادات پر مثوبات و اجور کی بشارت دینا۔ انھیں معاصی کے ارتکاب پر ڈرانے، خوف دلانے میں اتنا مبالغہ نہ کرنا جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی آس توڑ بیٹھیں۔ اور قانطین محض بن جائیں۔ اور لوگوں پر دینی امور میں سہولت و آسانی سے پیش آنا۔ اور انھیں حدود شریعت سے زیادہ تنگی و صعوبت میں نہ ڈالنا۔

ایک دفعہ حضور سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کی طرف مبعوث فرمایا۔ روانہ کرتے وقت یہ ہدایت فرمائی۔ "یسروا ولا تعسرا۔ وبشرا۔ ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا"

لوگوں کے ساتھ آسانی و سہولت سے پیش آنا۔ تنگی و دشواری پیدا نہ کرنا۔ مژدہ رساں و بشیر بننا۔ منفر نہ ہونا۔ تم دونوں متفقانہ فیصلہ کرنا، آپس میں اختلاف پیدا نہ کرنا۔

قرآن حکیم و احادیث نبوی کی روشنی میں علمائے کرام و فقہائے عظام اور شریعت اسلامی کے شارحین نے قوانین شریعت کے ہر باب میں دینی سہولت و شرعی آسانی کے چہرۂ زیبا کی جھلک دکھائی ہے۔

سرزمین ہند کی عظیم شخصیت

چودھویں صدی میں خاک ہند نے ایک ایسی ذات کا تعارف پیش کیا ہے جو صرف ہند ہی میں نہیں بلکہ سارے اسلامی ممالک میں ایک منفرد، بے سہیم و عدیل ذات تھی جس کو عقیدت کیش و نیاز آگیں حضرات امام احمد رضا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جن کی سب سے بڑی ریاضت شریعت کا اظہار تھا۔ جن کا سلوک تھا تو سلوک شریعت۔ جن کی یادداشت تھی تو حفاظت شریعت و دین کی پاسبانی۔ جن کے اوراد و وظائف تھے تو احکام شریعت۔ اور شرعی عقائد و احکام کو ہر آمیزش اور ملاوٹ سے بچانا۔ شرعی تیسیر کو تیسیری صورت سے پیش کرنا۔ شرعی تعزیر کو اسی کے رنگ میں بیان کرنا۔ اپنی طرف سے بے جا نرمی و گرمی کو نہ آنے دینا۔ کسی مصلحت دنیوی کو مصالح دینی سے خلط ملط نہ ہونے دینا۔ ان اوصاف کو دیکھتے ہوئے دل گواہی دیتا ہے کہ واقعی قبائے منصب افتا امام احمد رضا ہی کے علمی قد زیبا کو ان کے دور میں زیب دیتی ہے۔

امام احمد رضا کے اکابر معاصرین

آپ کے زمانے میں اپنے اور غیر بڑے بڑے علما تھے۔ ان حضرات نے بھی فتاوے لکھے ہیں مگر کسی کے فتاوے فتاویٰ رضویہ کے کسی جز کے سامنے موازنتاً پیش نہیں کئے جا سکتے۔ اگر میری یہ رائے غلط اور عصبیت آمیز ہے تو بڑا احسان و کرم ہوگا۔ اگر دور حاضر کا کوئی مکتب فکر اپنے اکابر کے فتووں کو میزان موازنہ میں تول کر ثابت فرما دے کہ ان کے بڑوں کے فتوے کی ترازو کا پلہ جھکا ہوا ہے، جھکا ہوا نہ سہی برابر ہی ہو اس کا ثبوت پیش فرمائے۔

ہم نے ان فتووں کو جہاں تک دیکھا ہے اس میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ درست ہے، جائز ہے، بدعت ہے، شرک ہے۔ اگر کسی نے کچھ کاوش بھی کی ہے۔ تو جزئیہ مسئولہ کے ثبوت کے لئے کسی ایک دو فقہی کتابوں سے کچھ عربی عبارتیں نقل کر دی ہیں۔ مگر ان میں علمی مباحث کہاں؟ فنی و فقہی گہرائی و گیرائی ناپید۔ عقلی و سمعی دلائل کی بحر ذخاری تو دور کی بات ہے ساحلی و سطحی نمود بھی نہیں۔ اگر ان ایمانی و علمی مناظر کی دل کشی و تجلیوں سے آپ چشم و دل کو روشن و پر نور کرنا چاہتے ہیں تو اس دل آویزی و دل کشی کے لئے صرف اعلیٰحضرت ہی کا علمی دربار ہے۔

"دونہ خرط القتاد" آیئے، دربار رضا کی علمی تنویروں کا مشاہدہ فرمایئے۔

"العطایا النبویہ فی فتاویٰ الرضویہ"

امام احمد رضا کے فتاوے جو درحقیقت عطیات نبویت ہیں جس کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں۔ اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ "کتاب الطہارت باب التیمم" پیش نظر ہے۔ اسی سے شرعی سہولتوں کے چند اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

شریعت کی رحمت

فتاویٰ رضویہ باب التیمم صفحہ ۶۱۱ مطالعہ فرمائیں۔

مرقومۂ ذیل عبارتیں وہیں سے نقل کی گئی ہیں۔

تنبیہ۔ رحمت العالمین بالمومنین روف، رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی رحمت دیکھئے۔ ہمارے صرف میل بھر چلنے کی مشقت پر ایسا لحاظ فرمایا کہ اس کیلئے وضو بلکہ بحال جنابت غسل کی ضرورت نہ رکھی۔ تیمم جائز فرما دیا۔ اگرچہ آدمی خود اپنے شہر میں ہو۔ بلکہ سفر میں جس طرف جانا ہے اسی طرف میل بھر ہو، جب بھی یہاں تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ یہ میل خود ہی طے کرے گا۔ ہاں جس طرف جانا ہے اُدھر ہی پانی ہے اور جانے میں وقت کراہت نہ آجائے گا تو مستحب ہے کہ وہاں پہنچکر پانی ہی سے طہارت کر کے نماز پڑھے۔ الخ

دوسرا اقتباس صفحہ ۶۱۳

تنبیہ۔ شریعت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھئے۔ ہمارے ایک ایک پیسے پر لحاظ فرمایا گیا۔ نہانے کی حاجت ہے اور وہاں قابل غسل پانی کی قیمت ایک پیسہ ہو

اور جس کے پاس ہے وہ روپے مانگتا ہے۔ پیسہ زیادہ نہ دو اور تیمم کرکے نماز پڑھ لو۔

ایسی رحمت والی شریعت کے کسی حکم کو کڑا سمجھنا یا شامت نفس سے بجا نہ لانا کیسی ناشکری و بے حیائی ہے۔ مولیٰ عزوجل صدقہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کا اس فقیر عاجز اور سب اہل سنت کو کامل اتباع شریعت کی توفیق بخشے اور اپنی رحمت سے قبول فرمائے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین "

تیسرا اقتباس صفحہ ۶۱۵

شریف زادی پردہ نشین کہ باہر نکلنے کی قطعاً عادی نہیں۔ اگر گھر میں پانی نہ ہے نہ باہر سے کوئی لادینے والا ہو تو روف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت سے امید ہے کہ اسے اجازت تیمم ہو اور پانی پانے پر اعادہ کی بھی حاجت نہ ہو۔

عادت پردہ میں عورات کے اقسام اور دوبارہ تیمم ان کے احکام

تفصیل اس کی یہ کہ عورات چند قسم ہیں ایک وہ کہ دن دھاڑے مونھ کھولے بے تکلف بازاروں میں پھرتی ہیں۔ یہ مطلقاً مردوں کی مثل ہیں گرچادر نہ پائیں۔

اقول اگرچہ خود بدلحاظی سے پھرنے کی عادی ہوں کہ وہ حرام ہے اور شرع حرام کا حکم نہیں دیتی۔ دوسری وہ کہ برقعہ اوڑھ کر دن کو آتی جاتی ہیں یہ بھی معذور نہیں ہو سکتیں جبکہ ایسی حالت میں کہ برقع یا چادر نہ پائیں۔ تیسری وہ کہ رات کو چادر اوڑھ کر دوسرے محلوں تک جاتی ہیں، جیسے طرح رام پور و بدایوں کے بہت گھروں کی رسم سنی گئی ان کیلئے دن میں شاید عذر ہو سکے۔ شب میں ہرگز نہیں۔ مگر یہ کہ کنویں پر مردوں کا مجمع ہو اور یہ مجمع میں چادر اوڑھکر شب کو بھی نہ جاسکتی ہو۔

چوتھی وہ کہ شب کو چادر کے ساتھ بھی دور نہ جاسکے۔ صرف اس کی عادی ہو کہ گھر سے نکل کر سامنے کے دروازے میں دو قدم رکھ کر چلی جاتے۔ اس کیلئے اگر کوان ایسا ہی قریب ہے اور اس پر مرد نہیں تو عذر نہیں، اور اگر کوان دور ہے یا وہاں مردوں کا اجتماع ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ معذور ہے۔

پانچویں وہ کہ گھر سے باہر قدم رکھنے کی مطلقاً عادی نہیں۔ جس طرح بحمد اللہ تعالیٰ بریلی میں شریف زادیوں کا دستور ہے۔ یہ ہر طرح معذور ہے اور کیوں کر اسے مجبور کیا جاتے گا حالاں کہ اس نے کوان دیکھا تک نہیں نہ اس تک راہ جانتی ہے نہ کسی سے پوچھ سکے گی نہ اس کے قدم اٹھیں گے۔ " ولا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" عادت چھڑانے میں حرج ہے خصوصاً وہ نیک عادت کہ کمال حیا پر مبنی ہو اور حیا جتنی زائد ہو اسی قدر بہتر"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں " الحیا خیر کلہ "

حیا سراسر بہتر ہے۔ رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابۃ جمیعا "

اوپر گذرا کہ شریعت مطہرہ نے ہمارے ایک پیسے کا لحاظ فرمایا۔ کہ پانی بیچنے والا پیسہ کی جگہ دو مانگتا ہو نہ دو اور تیمم کر لو۔ ان شریف زادیوں کو اگر کوئی دس روپے بلکہ باعتبار حیثیت ہزار روپے دے اور کہے کنوئیں سے پانی بھر لاؤ۔ ان سے ہرگز نہ ہو سکے گا۔ وللہ الحمد تو یہ اس پر کیوں کر مجبور کی جائیں۔ یہ ہے وہ جو براہ تفقہ ذہن فقیر میں آیا۔

ولا اقول انہ حکم اللہ عزوجل بل ارجو ان یکون حکمہ تعالیٰ فلینظر فیہ العلماء الذین لھم عین یبصرون بھا ولھم قلوب یفقھون بھا واللہ یھدی السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل

شریعت مطہرہ نے جو بھی سہولتیں، رخصتیں عنایت کی ہیں اس میں رحمت بالائے رحمت، کرم بالائے کرم یہ ہے کہ متقی و عاصی اطاعت گذار عصیان شعار سب کے لئے باب رحمت کشادہ ہے۔ سب کیلئے عام ہے۔ استفادہ سے کسی کو بھی روکا نہیں گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی فتاویٰ رضویہ باب التیمم "کے حواشی و تراجم کی کچھ عبارتیں نقل کی جارہی ہیں، مطالعہ فرمائیں۔

فتاویٰ رضویہ صفحہ ۶۲۶ کا حاشیہ جو اصل کتاب کی عربی عبارت کا اردو ترجمہ ہے شریعت مطہرہ نے جو رخصتیں عنایت فرمائی ہیں، مثلاً مسافر روزہ قضا کر سکتا ہے چار رکعتیں فرض کی دو پڑھے گا، پانی میل بھر دور ہو تو نمازی تیمم کرے۔ ان میں مطیع و عاصی سب شریک ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے کسی ناجائز کام کیلئے سفر کیا ہو وہ بھی قصر کرے گا، اور روزہ قضا کر سکے گا۔ اور جو معاذ اللہ زنا سے جنب ہوا اور پانی نہ پایا تیمم کریگا۔"

اسی طرح کا دوسرا اقتباس ملاحظ فرمائیں جو صفحہ ۶۱۵ پر ہے جس میں ایک ظالم و غاصب کیلئے بھی وہی رعایت ہے جو ایک نیک شعار، اتقیا پرور کیلئے ہے۔

پانی پینے کی سبیل سے وضو کی اجازت نہیں، اگر صرف وہی پانی ہو تیمم کرے اور اگر کوئی شخص ظلم و غصب کا عادی ہو تو اسے بھی تیمم ہی کا حکم ہوگا۔ یہ نہ فرمایا جائے گا کہ تو تو غاصب ہے اسے غصب کر وضو کر۔

شرعی سہولت کی کچھ اور نظیریں

۱۔ مسافر ایسی جگہ ہے کہ ساری زمین بھیگی ہوئی اور ناپاک ہے، کہیں نماز پڑھنے کی جگہ نہیں۔ اگر جلدی کر کے وہاں سے نکل سکتا اور پاک زمین نماز کیلئے پا سکتا ہو تو ایسا ہی کرے۔ اور اگر دیکھے کہ جب تک وقت جاتا رہے گا تو وہیں اشارے سے پڑھ لے اور اس نماز کا پھیرنا بھی ضرور نہیں۔

۲۔ جو ایسی جگہ ہو جہاں نہ پانی نہ پاک مٹی وہ نمازوں کے وقت نماز کی صورت ادا کرے حقیقتاً نماز کی نیت نہ ہو۔ پھر قدرت پانے پران نمازوں کی قضا پڑھے۔

۳۔ اگر کیچڑ کے سوا تیمم کو کچھ نہ ملے تو اگر وقت میں وسعت ہے، کپڑا یا پاؤں مثلاً اس سے سان لے، جب خشک ہو جائے تو اس سے تیمم کرے۔

یہ جزیئے۔ باب التیمم فتاویٰ رضویہ کے حاشیائی ترجمے ہیں۔ صفحہ ۶۰۲، ۶۰۳، وغیرہ ملاحظ فرمائیں۔

امام احمد رضا کی افتائی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ پونے دو سو صورتیں بیان کی ہیں عجز کی گنا دیں جن کے بعد تیمم روا ہے، اس کے علاوہ ایکسو اکیاسی ایسی چیزیں شمار کرا دیں جن سے تیمم کرنا جائز ہے اور ایکسو ۳۰ ایسی چیزیں بتا دیں جن سے تیمم ناجائز

امام احمد رضا

فقیہ ہندوستان

از: مولانا عبدالقدوس مصباحی نائب صدر مدرس
دارالعلوم اسحاقیہ جودھپور، راجستھان۔

ابتداءً آفرینش سے سنّت الٰہیہ جاری ہے کہ جب بھی اس خاکدانِ گیتی پر کفر وشرک کی گھنگھور گھٹا چھائی، الحاد وبے دینی کا دور دورہ ہوا تو اس نے اپنے ایسے مقرب اور برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا جنھوں نے کفر وشرک کی دھجیاں اڑادیں اور الحاد وبے دینی کی جگہ کلمۂ توحید بلند فرما کر ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیئے!

ان مقدس اور برگزیدہ ہستیوں میں انبیاء ورسل علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی باعصمت ذات والاصفات ہیں جو حسب تقاضا وضرورت مطلع رسالت ونبوت پر طلوع ہوتی اور تیرہ وتاریک فضا میں انوار بکھیرتی رہیں۔ لیکن جب باب نبوت و رسالت پر آہنی قفل ڈال دیا گیا اور کفر وشرک، الحاد وبے دینی نے سر اٹھایا تو حضرات صحابۂ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین اور فقہائے کرام اس کی سرکوبی فرماتے رہے۔ فقہائے کرام میں ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم افق فقاہت پر طلوع ہوتے۔ ظلم وعدوان سہے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ لیکن بڑی بیباکی، بلا لحاظ لومۃ لائم کلمۂ حق بلند فرماتے رہے اور ان کی زبان حال پکار پکار کہتی رہی۔ ؎

دار ہو سولی ہو پہاڑوں کی نظیر
نعرہ اپنا ہر بلندی سے سنا سکتے ہیں ہم

انیسویں صدی اپنے نصف مراحل طے کر چکی تھی۔ سرزمین ہند ماتم کناں اور غمگسار تھی۔ اس کی فضائے بسیط میں آہ وفغاں کے نالے بلند تھے۔ ذرہ ذرہ رحمت باری کا منتظر، شمال وجنوب کا کونہ کونہ سسک رہا تھا۔ مشرق ومغرب کا گوشہ گوشہ سوگوار تھا۔ عقیدتمند بے چین وبے قرار تھے۔ حق پرستوں کی صدائے حق جبر واکراہ کے ہنگاموں میں دبائی جارہی تھی۔ ناموس رسالت پر مرمٹنے والے ماہی بے آب تھے ایک طرف اغثنی یا رسول اللہ، المدد یا غوث کے دل ہلادینے والے نعرے حرمت نبوت پر بازی لگا دینے والوں کے دلوں میں ہیجان برپا کررہے تھے تو دوسری طرف شرک وبدعت، الحاد وکفر کی گود میں بیٹھ کر تیر وکمان کی مشق جاری تھی!

غرض ایسی ہولناک فضا میں حق پرستوں کی صدائے حق رنگ لائی۔ آہ و فغاں باب اجابت سے ٹکرائی۔ سرزمین بریلی رشک ثریا بنی، اقبال مندی کا ستارہ چمکا، شب دیجور کے تار تار بکھر گئے۔ پو پھٹی، خورشید ولایت اور ماہتاب مجددیت وفقاہت افق بریلی پر نمودار ہوا اور اعلیحضرت مجدد دین وملت فقید المثال فقیہ مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ بوقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو مطلع شہود پر جلوہ گر ہوئے۔

اعلیحضرت کے آباواجداد فضل وکمال کے تاجدار اور علم وعمل کے شہنشاہ تھے آپ کی پانچویں پشت میں حضرت مولانا محمد اعظم خاں صاحب علیہ الرحمۃ زہد واتقاء میں یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ تھے۔ شاہزادہ کا تکیہ محلہ معماران بریلی میں قیام پذیر تھے۔ ان کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ کاظم علی خان صاحب علیہ الرحمہ ہر جمعرات کو آپ کے در پر حاضری دیتے اور گرانقدر رقوم قدموں پر نثار کرتے۔

ایک مرتبہ موسم سرما میں حضرت مولانا شاہ محمد اعظم خاں علیہ الرحمۃ کڑاکے کی سردی میں آگ کے پاس رونق افروز ہیں۔ سردی کی کوئی سرمائی پوشاک نہیں۔ حضرت مولانا حافظ کاظم علی خاں علیہ الرحمۃ نے اپنا بیش بہا دوشالا اتار کر والد ماجد کے جسم اطہر پر ڈال دیا حضرت نے انتہائی استغنا اور بے پرواہی سے اتار کر آگ میں رکھدیا۔ حضرت حافظ صاحب کے دل میں خیال پیدا ہوا کاش یہ دوشالا کسی اور کو عطا کر دیا جاتا۔ ادھر چشم ولایت نے وسوسہ کو دیکھ لیا۔ حضرت شاہ صاحب نے بھڑکتی آگ سے دوشالا نکال کر پھینک دیا اور فرمایا کاظم! فقیر کے یہاں دھکڑ پھکڑ کا معاملہ نہیں۔ لے اپنا دوشالا۔ دیکھا تو دوشالا صاف شفاف جوں کا توں نکلا۔ ایک تار بھی متاثر نہیں ہوا۔

یہ کرامت مظہر ہے اس معجزۂ نبوی علیہ التحیۃ والثنا کا جبکہ مختار دوعالم علیہ السلام نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دعوت میں کھانا تناول فرما کر دست اختیاری حضرت انس کے دسترخوان میں مس فرمایا تو اس کی اثر پذیرائی یہ ہوئی کہ حضرت انس کا وہی دسترخوان جو کثرت استعمال سے میلا ہوگیا تھا ایک مرتبہ کسی دعوت میں حضرت

انس نے دسترخوان کو دہکتے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ دہکتی آگ نے دسترخوان کا ایک ریشہ بھی نہیں جلایا بلکہ ایسا صاف وشفاف ہوکر نکلا کہ میل کا نام ونشان بھی باقی نہ تھا۔ یہ آبائی فیضان تھا اعلیحضرت پر کہ افق تجدید پر ماہتاب اور مطلع فقاہت پر آفتاب بنکر چمکے۔ اعلیحضرت جب اپنے استاد سے ناظرہ کلام پاک تعلیم حاصل کر رہے تھے استاد زبر بتاتے اور آپ زیر پڑھ رہے تھے۔ آپ کے جد امجد علیہ الرحمہ نے یہ کیفیت دیکھ کر آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور قرآن پاک کے اوراق الٹ کر بلاحظہ فرمایا تو واقعی کتابت کی غلطی سے بجائے زیر زبر لکھا ہوا تھا اور صحیح وہی تھا جسے اعلحضرت پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ کے جد امجد نے ارشاد فرمایا بیٹا! مولوی صاحب جو پڑھا رہے تھے اسے تم نے کیوں نہیں پڑھا۔ عرض کی! ارادہ کرتا تھا کہ استاد کی تعلیم کے مطابق پڑھوں لیکن بجائے زبر زیر زبان زد ہو جاتا تھا۔

یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایام طفولیت ہی سے غلط روی سے محافظت کی گئی۔ اور صحت وصراط مستقیم پر چلنا ودیعت کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ دوست و دشمن نے دیکھا کہ آپ رشد وہدایت کے بدر کامل بنکر چمکے اور ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر گامزن فرمایا۔

اعلیحضرت رضی اللہ عنہ کی فقاہت پر اولین شہادت اور مستند ثبوت یہ ہے کہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے فارغین عموماً اور عادۃً افتاء کے فرائض منصبی سے ناآشنا ہوتے ہیں لیکن آپ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمہ سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہوکر بعمر ۱۴ سال مسند افتاء پر رونق افروز ہوئے اور سب سے پہلا مسئلہ رضاعت پر تحریر فرمایا جو بالکل صحیح اور درست تھا۔ ذہن میں مسائل فقہیہ کا استحضار اس قدر تھا کہ سائل عرض خدمت کرتا اور آپ برجستہ محقق اور مدلل جواب باصواب عنایت فرما دیتے بلکہ بیک وقت کئی سوالات عرض خدمت کر دیئے جاتے اور آپ ہر ایک سوال کا جواب بالترتیب وافی وکافی مرحمت فرما دیتے۔

اعلیحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی فقاہت کا انمول ذخیرہ اور بے مثال گنجینہ "فتاویٰ رضویہ" ہے جو بارہ جلدوں میں ہیں اور ہر جلد قریب ہزار صفحات اور ہزارہا مسائل فقہ پر مشتمل ہے۔ جس کا ہر ہر مسئلہ فقاہت اعلیحضرت کا مظہر اتم ہے اور ایک بحر ذخار ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ فتاویٰ رضویہ کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد دوسری کتب فقہیہ متون وشروح کے مطالعہ کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔ مثلاً فتاویٰ رضویہ جلد سوم مرد کی شرمگاہ کے اعضاء کو نو ثابت کرنا آپ کی فقہ دانی پر ایسی شہادت ہے جو آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ درخشاں اور تابندہ ہے۔ چنانچہ آپ نے پہلے چالیس مستند ومعتبر کتب فقہیہ اور فتاویٰ کے حوالے سے شرمگاہ کے اعضاء کو مدلل ومحقق فرمایا پھر تدقیق نظر سے ایک عضو شرمگاہ پر دلائل ثبت فرما کر ثابت کیا کہ مرد کی شرمگاہ کے اعضاء ۹ ہیں چونکہ کتب فقہ میں نو ہی کا ذکر نہ آنا ذکر عدم کو مستلزم نہیں اور نہ ان میں استیعاب کا ذکر اور نہ تحدید تعداد پر کوئی دلیل موجود۔

نیز رسالہ "الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب" میں غائب کی نماز جنازہ کے عدم جواز کو چھیاسی معتبر ومستند کتب فقہیہ متون وشروح کی ۲۳۰ عبارتوں سے آراستہ فرمایا پھر احادیث مبارکہ سے مدلل فرما کر نجاشی بادشاہ پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کی ایسی نفیس تاویلات کیں کہ مسئلہ واضح ومنقح ہو جاتا ہے اور مجال دم زدن اور گنجائش شکوک وشبہات نہیں رہ جاتی ہے۔

حضرات فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ درحالت قیام دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کی کشادگی اور درحالت رکوع انگلیوں کا بسوئے قبلہ ہونا نیز رکوع میں الصاق کعبین (دونوں ٹخنوں کا ملانا) مسنون ہے۔ مگر صاحب مفتاح الصلوٰۃ نے فرمایا کہ اگر رکوع میں حقیقۃً الصاق کعبین ہو تو پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ سے انحراف اور قیام میں چار انگلیوں سے زیادہ کشادگی لازم آئے گی جس سے دو فعل مسنون فوت ہو جائے گا اور نیز دونوں ٹخنوں کو حقیقۃً ملانے میں حرکت کثیر لازم آئے گی۔ لہٰذا انھوں نے الصاق کعبین کو مجاز پر محمول فرمایا یعنی ہر ٹخنہ کو دوسرے کی جانب جھکا دینا۔ اور ایک دوسرے کے مقابل کر دینا۔

اس پر اعلیحضرت اپنی فقہی بصیرت سے ایسی تحقیق انیق فرماتے ہیں کہ الصاق کعبین کو اس کے معنی حقیقی پر محمول کرنے کے باوجود درحالت قیام دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کی کشادگی اور رکوع میں انگلیوں کے قبلہ رو ہونے کی مسنونیت علی حالہ باقی رہتی ہے اور حرکت کثیرہ نہیں لازم آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ پاؤں کو خلقی حالت پر رکھا جائے اور پنجوں کے درمیان چار انگلیوں کی کشادگی ہو تو ایڑیوں کے درمیان کم اور ٹخنوں کے مابین بہت کم فاصلہ رہ جاتا ہے اور پھر یہ کہ ٹخنے ابھرے ہوئے ہیں تو پھر رکوع میں تھوڑی حرکت اور تھوڑے سے جھکاؤ سے ایک ٹخنہ دوسرے سے مل جائے گا اور انگلیوں کا انحراف قبلہ سے بالکل نہ ہوگا۔ ہاں اگر کوئی بہت موٹا ہے کہ دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلیوں کا فاصلہ نہ رکھ سکے اور اس نے بالشت بھر فاصلہ رکھا تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے لہٰذا اس کے لئے الصاق کعبین مسنون نہیں۔ اگر الصاق کعبین کرے گا تو حرکت کثیرہ کے ساتھ ساتھ انگلیوں کا قبلہ سے انحراف لازم آئے گا۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہی صورت خاص صاحب مفتاح الصلوٰۃ کے خیال مبارک میں ہو جس پر انھوں نے الصاق کعبین کو معنی مجازی پر محمول فرمایا ہو۔

کتنی فقہی باریک بینی سے اعلیحضرت نے صاحب مفتاح الصلوٰۃ کے اقوال کی بھی تاویل فرمادی اور اصل مسائل کو منقح فرما دیا کہ مجال شکوک وشبہات نہیں رہ جاتا ہے۔

اسی طرح غسل میت کے باب میں مسئلہ ہے کہ بعد موت بسبب انعدام محل مسلک نکاح ختم ہو جاتا ہے اور شوہر اجنبی ہو جاتا ہے لہٰذا شوہر اپنی بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ اس پر تعارض واقع ہوا کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت

خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کو غسل دیا جس سے شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اعلیحضرت تحقیق فرماتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی کا حضرت خاتون جنت کو غسل دینا معنی مجازی پر محمول ہے یعنی غسل تو حقیقتہً حضرت ام المن رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائی نے دیا تھا اور حضرت مولیٰ علی نے چونکہ غسل دینے کا حکم دیا اسباب غسل مہیا فرمایا اس لئے مجازاً غسل کی نسبت حضرت مولیٰ علی کی طرف کر دی گئی مثلاً کہا جاتا ہے۔ قتل الامیرُ فلانا وقاتل الملکُ القومَ الفلانی۔ یعنی حقیقتاً تو فلاں کو جلاّد نے قتل کیا ہے لیکن چونکہ امیر قتل کا حکم دیتا ہے اس لئے قتل کی نسبت امیر کی طرف کر دی گئی۔ اسی طرح کسی قوم سے قتال و جنگ بادشاہ وقت کے سپاہی اور اس کی فوج کرتی ہے لیکن چونکہ بادشاہ کے حکم سے کرتی ہے لہٰذا قتال کو بادشاہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ نیز حدیث میں ہے اذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای امر بالنا ذین۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کہی یعنی چونکہ اذان کا حکم حضور نے دیا لہٰذا اذان کا کہنا حضور کی جانب منسوب ہوگیا اور اگر غسل کی نسبت حقیقتاً مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہو تو بھی تعارض سرے سے رفع ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اس کی تحقیق یوں فرماتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ ابدالآباد تک باقی ہے کبھی ختم نہ ہوگا لہٰذا حضرت مولیٰ علی نے واقعی حضرت خاتون جنت کو غسل دیا۔ اسی لئے منقول ہے کہ جب مولیٰ علی پر حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اعتراض فرمایا تو حضرت مولیٰ علی نے جواباً ارشاد فرمایا اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان فاطمۃ زوجتک فی الدنیا والآخرۃ۔ اے ابن مسعود کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ فاطمہ دنیا و آخرت میں تیری بیوی ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوگیا کہ حضرت خاتون جنت کے وصال کے بعد بھی مولیٰ علی ان کے لئے اجنبی نہ ہوئے اور رشتۂ زوجیت منقطع نہیں ہوا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے نزدیک بھی بیوی کو شوہر کا غسل دینا ناجائز تھا۔

۔ اسی لئے حضرت مولیٰ علی نے یہ نہیں فرمایا کہ شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے بلکہ اپنی خصوصیت کی جانب اشارہ فرما دیا۔

یہ ہے اعلیٰ حضرت کی فقاہت اور فقہی بصیرت و تحقیق کی چند مثالیں جن کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ ؎

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن کو خوفِ طوالت کی وجہ سے ترک کیا جاتا ہے اور انھیں دو مثالوں پر اکتفا کر رہا ہوں۔

اعلیحضرت کی رفعتِ فقاہت کے سامنے غیروں نے بھی سر ٹیک دیے اور کہنے پر مجبور ہو گئے "مولانا احمد رضا خاں صاحب قلم کے بادشاہ ہیں جس مسئلہ پر قلم اٹھایا نہ موافق کو ضرورت افزائش اور نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش"، اختلاف مسلک کے باوجود آپ کی فقاہت کا اعتراف برملا کیا چنانچہ معارف اعظم گڈھ رقمطراز ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب اپنے وقت کے زبردست عالم مصنف اور فقیہ تھے انھوں نے چھوٹے بڑے سیکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں۔ قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان علمی کارناموں کے ساتھ ساتھ ہزارہا فتووں کے جوابات بھی انھوں نے دیئے ہیں۔ ان کے بعض فتوے کئی کئی صفحوں کے ہیں۔ ان کی نظر بڑی وسیع ہے۔ دو جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ اب تیسری جلد سنی دار الاشاعت مبارکپور نے شائع کی ہے۔ اس جلد میں ۸۴۲ مسائل ہیں۔ ابھی ان کے فتاوے کی آٹھ جلدیں اور باقی ہیں۔ ان فتاوے میں بعض پیدا شدہ مسائل کے متعلق بھی فتوے ہیں جن کا جواب مولانا نے بڑی وسعت نظری سے دیا ہے۔ بہر حال مولانا کے مخصوص خیالات (مسئلہ تکفیر) سے قطع نظر ان کے فتاوے اس قابل ہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے۔ ان سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ (معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۶۲ء) والحق ماشہدت بہ الاعداء۔ حق وہ ہے جس کی گواہی مخالفین بھی دیدیں۔

سہولیات شرعیہ کا بقیہ

اس کے علاوہ ان چیزوں کا بھی بیان ہے جس سے تیمم کے جائز و ناجائز ہونے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ جن حضرات کو دینی ذوق ہے اور مذہبی علوم کی آگہی سے دلچسپی ہے انھیں میرا مشورہ ہے کہ غیر جانبداری اور انصاف کی نگاہ سے فتوئ رضویہ کا براہ راست مطالعہ فرمائیں تو ہم سے زیادہ مستفید و شرعی مسائل سے بہرہ ور ہونگے۔ میں قطعاً عربی داں نہیں ہوں۔ صرف مختصر فارسی شناس وارد و آموز ہوں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ بدوِ شعور سے علاقہ، بستی، محلہ، اہل خانہ کو قدیم مسلک اہل سنت و عقیدہ و عمل میں "سبیل مومنین" کا پابند پایا۔ وہی پابندی میں نے بھی اختیار کی۔ اور اسی پر بحمدہٖ تعالیٰ ابتک قائم ہوں۔ اور اسی پر قائم رہنے کی دعا کرتا ہوں۔ عرصہ دراز سے امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے ترجمہ قرآن کو حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کی اردو تفسیر کے ساتھ برابر پڑھ رہا ہوں۔ اور یہ سعادت بھی اس لئے حاصل ہے کہ میں اسی کلام پاک میں تلاوت کرتا ہوں جو رضوی ترجمہ و نعیمی تفسیر سے مترجم و مفسّر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قارئین کی خدمات میں قدر قلیل اپنے تاثر کو پیش کیا ہے ورنہ میری علم بضاعت ہی کیا تھی کہ اس منفردِ اپنے زمانے کے یکتا دُرِ بے بہا و گوہر نایاب سزاوار امامیت پر اپنے قلم خام کو جنبش دیتا۔ جن کی جناب فلک رکاب کے سامنے عرب و عجم۔ حل و حرم کے بڑے بڑے علماء عہد کا قلم سرنگوں ہے، میری زندگی اسکول و کالج کی زندگی رہی ہے اور آج بھی ہے، جو کچھ ہو سکا ہے مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور غلطیوں کو معاف فرمائے آمین اور قارئین بھی صرف نظر سے کام لیں۔

صرف اربابِ نظر ہی کے وہ رہبر تو نہیں
مرجع اہلِ طریقت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

روحانیات

(۱)

امام احمد رضا اور تعلیماتِ تصوّف

(۲)

امام احمد رضا اور روحانی قدریں

(۳)

امام احمد رضا اور حزم وَ اتقاء

(۴)

امام احمد رضا خانوادۂ برکاتیہ کا روحانی فرزند

(۵)

امام احمد رضا چشم و چراغ خاندانِ برکاتیہ

امام احمد رضا اور

تعلیماتِ تصوّف

جناب اعجاز مدنی، ایم اے ڈیپ، ایل بی لپ اسائنس
لائبریرین برہانی کالج، بمبئی

حضرت امام احمد رضا کی جتنی بھی سوانح عمریاں اب تک لکھی گئی ہیں، ان تمام میں حضرت کا عالمانہ وقار پورے آب و تاب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ایسے لگتا ہے جیسے عہد جدید کا علامہ سیوطی شریعت مطہرہ کے تمام رموز و نکات، کو نہ صرف اپنی فہم و بصیرت سے بیان کر رہا ہے بلکہ مجتہدانہ طور پر مشکل مسائل کو حل بھی کر رہا ہے "اور پھر بھی بات خلاف قرآن و سنت ثابت نہیں ہوتی"۔ اعلیٰحضرت ۱۰ شوال بروز ہفتہ (۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء) کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی نقی علی خاں بھی بڑے عالم اور بزرگ شخص تھے۔ نوجوانی کی عمر میں (۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء) گویا ۲۱ سال کی عمر میں دونوں باپ بیٹے بیک وقت "شاہ آل رسول مارہروی سے بیعت ہوئے اور تمام سلسلوں کی اجازت و خلافت اور سند حدیث حاصل کی مولوی رحمان علی مؤلف تذکرہ علمائے ہند رقمطراز ہیں کہ "اعلیٰ حضرت، اپنے والد ماجد کے ساتھ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے اکابر علماء یعنی سید احمد دحلان مفتی شافعیہ اور عبدالرحمان سراج مفتی حنفیہ سے حدیث فقہ، اصول تفسیر اور دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم علیہ السلام میں ادا کی، نماز کے بعد امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللّیل بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے گھر لے گئے، دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا "انی لاجد نور اللہ من ھذا الجبین" (بیشک میں اس پیشانی سے اللہ کا نور پا رہا ہوں) اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت، اپنے دستخط خاص سے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے سند مذکور میں امام بخاری علیہ الرحمۃ تک گیارہ واسطے ہیں" "مکہ معظمہ" میں جب کہ آپ مسجد خیف میں تنہا و یکتا رات کے وقت ٹھہر گئے تھے اور رات کا بڑا حصہ عبادت و ریاضت میں صرف کیا تھا اسی رات آپ کو مغفرت کی بشارت ہوئی۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے اور ان کے وسیلے سے ہم گنہگاروں کی بھی اللہ اپنے پیارے حبیب کے صدقہ میں مغفرت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ان دو واقعات کو جو حرمین شریفین میں پیش آئے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ثابت ہو اعلیٰ حضرت بچپن ہی سے مادر زاد ولی تھے اس لئے تعلیم و تعلّم میں علم فقہ و فتوی نویسی میں، علم تصوّف اور سلوک و مجاہدہ میں مناظرہ و مکاشفہ میں، دلائل و گفتگو میں تقریر و تحریر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے امام احمد رضا ان گنے چنے صاحب علم و فضل میں تھے جن پر پروردگار عالم نے اپنے رسول محترم و مکرّم کے صدقے میں آپ پر اپنی عنایات و مہربانی، عزّت و منقبت تمام کی تھی۔ جیتے جی آپ کی بڑی عزت ہوئی اور بعد پردہ فرمانے کے بھی آپ کا روضۂ پر انوار مرجع خلائق و بخشش خلائق بنا ہوا ہے مزار اقدس پر بھی وہ رعب علمی و جلال خسروی ہے کہ کلیجہ کانپنے لگتا ہے مگر افسوس ہے سوانح نگاروں پر جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی صوفیانہ زندگی، عشق رسول و سوز جگر، حزن و ملال اور کیفیت قلبی، سرور باطنی احتیاطِ ظاہری کا کہیں پر ذکر تک نہ کیا۔ جہاں علماء کا اجتماع، فتوی کی بھرمار، علمی موشگافیاں خواہ مخواہ کی لن ترانیاں عشوہ طرازیاں اور روایات ہی نہیں جس کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ مولانائے محترم کی زندگی کا سب سے زیادہ آبدار پہلو عاشق رسول ہونا ہے تاکہ ایک ظاہر دار نظر بین عالم ہونا اور اپنے ہمعصروں سے معاصرانہ چشمک کر کے داد حاصل کرنا تھا۔ میرے خیال میں مولانا کے جتنے بھی پرستار آج تک پیدا ہوئے سب کے سب مدارس کے فارغ علمائے دین تھے ان میں کوئی مجذوب نہیں، عشاق سرگرداں و پریشاں نہیں تھا۔ ایسا صاحبِ جلال و جمال آقا و مولا نظام الدین نہیں تھا جو اپنے پیر و مرشد کی اندرونی کیفیات، انہماک عبادت، خلوص تقویٰ و طہارت اور بےچینی و دردِ فرقت کی کیفیات کو پیش کر سکتا جیسا کہ ایک مرتبہ اہل مجلس سے مخاطب ہو کر آپ نے کہا تھا مفہوم یہ ہے کہ حضرت خواجہ فریدالدین کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وجہ ذوق و شوق درد عشق اور جذب الٰہی دخلا مستی میں مستور رہا ہے۔ فرماتے ہیں ایک بار حضرت شیخ کبیر حجرہ میں والہانہ گشت لگاتے تھے اور چہرے کا رنگ متغیّر تھا۔ بابا فرید بیتاب ہو کر کہنے لگے "میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں، خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گذرے مجھ مسکین و بیچارے کا دونوں جہاں میں مقصود آپ ہی ہیں آپ ہی کے لئے جیتا ہوں آپ ہی کیلئے مرتا ہوں

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم — خاک شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم از برائے تو زیم

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے۔ پھر یہی شعر پڑھتے اور حجرے کا چکر لگاتے دیر تک یہی کیفیت رہی۔ اسی طرح سیرت فخر العارفین شریف جسے حضرت قبلہ وکعبہ مولانا و مولوی حکیم سید سکندر شاہ صاحب قدس سرہٗ کا مزار اقدس، کانپور میں ہے نے اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ وکعبہ مولانا و مولوی عبد الحئی شاہ صاحب رضی اللہ وتعالیٰ عنہٗ کا مزار اقدس چاٹگام شریف میں ہے۔ ان کی حیات مبارکہ اور ملفوظات عالیہ کی روشنی میں ایک ایسی سوانح عمری مرتب کی ہے جو خود اپنی مثال آپ ہے۔

چنانچہ ان دو واقعات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے سوانح نگاروں کو چاہئے کہ پیش کردہ حسب بالا طریقہ پر امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی حیات پاک قلمبند کریں۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پوری کتاب علم و حکمت، عرفان و بصیرت اور تصوف کے بیش بہا خزانے سے مالا مال ہے۔ حضرت قبلہ عبد الحئی شاہ صاحب فرماتے ہیں تصوف کا راستہ تواضع، عاجزی اور فروتنی کا ہے۔ تعظیم طلب اور مجلس پسند لوگوں کا نہیں گستاخی معاف ہو میں نے کسی کی دلشکنی نہیں کی، کیونکہ نہیں اچھا اللہ ہے غرض صرف یہ کیا ہے کہ اعلحضرت کی شایان شان صوفیانہ زندگی کی عکاسی ابھی تک نہیں کی گئی۔ جو کچھ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے وہ سب علمی اکھاڑے کی باتیں ہیں۔ ان کتابوں میں کہیں بھی سلوک کی پگڈنڈی نظر نہیں آتی جو انتشار پسند ذہنوں کو تقویت پہنچا سکے۔ چاہے وہ ملک العلماء ظفر الدین بہاری کی "حیات اعلحضرت"، ہو یا مولانا بدر الدین احمد صاحب کی "سوانح اعلیٰ حضرت"

اولیاء اللہ کے مناقب و فضائل اس لئے تحریر کرنا ضروری ہیں کہ ہر دور میں ان کی حیات مبارکہ سالکوں کو تقویت پہنچاتی ہیں ان کے موثر ترین حالات بلکہ افضل ترین عبادات، اہل کمال کی مصاحبت اور مقربان درگاہ ذو الجلال کی ہم نشینی ہے کیونکہ ان کی استقامت احوال کا مشاہدہ سالک کو ہمت بخشتا ہے جس سے سخت عبادتیں اور دشوار ریاضتیں جو اس طریق سلوک میں لازم ہیں آسان ہو جاتی ہیں۔ بلکہ ان بزرگوں کے معائنہ جمال سے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس سے شک و شبہ کی ظلمت جو علت بعد و حجاب ہے زائل ہو جاتی ہے۔ لیکن کاملوں کی دولت، صحبت اور عارفوں کے مشاہدہ جمال سے محروم ہونے کے بعد ان کے حالات کا مطالعہ اور ان کے آثار کی پیروی، ہمت فرمائی اور ظلمت کو دور کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جیسی کہ ان کی صحبت و ہم نشینی۔ نصیحت و عبرت کے علاوہ اس کے بہت سے فوائد و منافع ہیں۔ اول یہ کہ اولیاء اللہ کا وجود ایک ایسی رحمت ہے جس میں سب شامل ہیں۔ اور ایک ایسی نعمت ہے جس سے ہر شخص واصل ہے پس وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو) کے بموجب ان کے مناقب و فضائل کا ذکر جو درحقیقت اس نعمت عظمیٰ و عطیہ کبریٰ کا شکریہ ہے، ضروری ہو جاتا ہے۔ اور ان صفائیوں سے اعتقاد و محبت واجب و لازم ٹھہرتا ہے۔ رباعی۔

ہر کس کہ کمال اولیاء را نہ شناخت

این نعمت خاص نبے بہا را نہ شناخت

پس شکر نگفت و حق الشیاں نگزید

می داں بہ یقیں کہ او خدا را نہ شناخت

بہت غور و فکر کے بعد ہم نے اسی لئے یہ پیشکش کی ہے عارفین و عاشقین عارف باللہ سے کہ وہ امام احمد رضا کی سیرت مقدسہ خالص اس انداز میں مرتب کریں جیسی کہ "تذکرۃ الاولیاء" ہے، "سیرۃ فخر العارفین شریف" ہے۔ یا جیسا کہ صوفیاء کی پاک زندگیوں پیاکثر تذکرے تحریر میں لائے گئے ہیں۔ صوفیائی زندگی پر کسی اہل صوفی و ولی کو ہی لکھنا چاہئے یہ عالم کا کام نہیں۔ سلوک کا راستہ ہی دوسرا ہے عشق رسول و جذب الٰہی میں جن کیفیات سے خود صاحب سلسلہ کو گذرنا پڑتا ہے وہ بہتر جان سکتا ہے کہ مذکور کا مقام اتقاء کتنا ارفع و افضل ہے صوفی ہی نظر سے حجابات الٰہی اٹھے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے وہی خود بہتر اندازہ لگا سکتا ہے۔ اور بہتر طور پر اپنے سے افضل صاحب مقام حضرات کی پاک زندگیاں پیش کر سکتا ہے تصوف کا علم قیاس پر مبنی نہیں بلکہ یقین کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس لئے سلسلۂ قادریہ رضویہ برکاتیہ کے بزرگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کا تذکرہ صرف خالص علمی انداز میں مرتب نہ کریں بلکہ صوفیانہ زندگی کو بھی پیش کریں اور تمام محاسن و مناقب کا کما حقہ جائزہ لیں تب ہی بات قارئین کی سمجھ میں آئے گی کہ ایسے دور ابتلاء میں بھی کیسے کیسے قطب وقت چھپے بیٹھے تھے۔ دنیا انہیں مقتدر علمائے دین سے جانتی تھی لیکن باطن میں کیسے فنا فی اللہ باقی باللہ تھے۔

حضرت امام احمد رضا خالص قادریہ سلسلہ کے بزرگ ہیں آپ کی عالمانہ شخصیت تو اظہر من الشمس ہے لیکن آپ کی صوفیانہ زندگی، ادب و احترام رسول و اولیاء اللہ بھی جو جانتے ہیں ان پر خوب ظاہر ہے۔ آپ نے حضرت غوث الاعظم پیران پیر حسنی حسینی غوث الصمدانی قطب ربانی محبوب سبحانی، مقبول ہر دو جہانی شیخ سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تعلیمات پر بصدق دل عمل کیا ہے اور عقیدت درجہ احترام بھی کیا ہے۔ آپ تا دم زیست بغداد کی سمت یا مدینہ کی طرف یا کعبہ کی جانب پیر پھیلا کر نہیں بیٹھے۔ آپ نے مجلس قطب ربانی سے بہت کچھ روحانی فیض حاصل کیا جیسا کہ پیران پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول ہے۔ "۔۔۔۔ اے عالم ہزار مہینوں کا راستہ طے کر کے آ تاکہ تو مجھ سے ایک قول سنے اور جب تو یہاں آئے تو اپنے عمل، زہد اور احوال پر نظر نہ رکھے۔ تاکہ تو مجھ سے اپنا نصیب لے سکے۔ میری مجلس میں ملائیک اولیاء اور غیب کے لوگ آتے ہیں تاکہ وہ مجھ سے بارگاہ کبریا میں تواضع کے آداب سیکھیں حق تعالیٰ نے کوئی ولی پیدا نہیں کیا جو بصورت زندگی جسمانی اور بصورت موت روحانی میری مجلس میں شریک نہ ہوا ہو۔" آپ کے آداب آپ کا نصیب آپ کا مقام ولایت اور جو کچھ بھی آپ کو مقام جلیلہ ملا ہے وہ صاحب سلسلہ کی دعاؤں اور برکتوں کا نتیجہ ہے۔ اعلیٰ حضرت پر حضرت غوث اعظم کی بڑی نظر تھی اس لئے نہیں کہ وہ بہت

بڑے عالم تھے بلکہ اس لئے کہ وہ بزرگوں کا حد درجہ ادب کرتے تھے اور نیاز جھکا دیا کرتے تھے تمام علمائے دین اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور گرہ میں باندھ لیں کہ جسے بھی ملا ہے اور جو کچھ بھی ملا ہے وہ سب ادب کا نتیجہ ہے تواضع وانکساری کا پھل ہے اپنے آپ کو اتنا ذلیل وحقیر سمجھے کہ لوگ آپ کا مذاق اڑانے لگیں۔ ایسے گمنام رہئے کہ پڑوسی بھی نہ جانتے پائیں کہ آپ مقبول بارگاہ ہیں۔ ایک دوسرے سے حسد و رقابت چھوڑ دیئے اور ریا صاف اور سیدھا راستہ خود جسے امام نے طے کیا ہے بالکل ویسی ہی زندگی گذاریئے تب جا کر آپ کو بشارتیں نصیب ہوں گی اور تب آپ مجلس رسول میں شمولیت کی سعادت حاصل کر سکیں گے علم عمل کے لئے ضروری ہے پاک زندگی گذارنے کے لئے شاہراہ کا کام دیتا ہے لیکن اسے غرور نفس کیلئے استعمال کرنا اور ایک خلقت کو ذلیل وخوار کرتے پھرنا اہل اللہ کا مسلک نہیں ہے اسی لئے غالباً کہا گیا کہ دین میں اخلاص اتنا ہی ضروری ہے جیسا کہ بیعت میں عقیدت علمائے شہرت پسند کیلئے حضرت خواجہ خواجگان کا قول ہے "بہتے پانی کی آواز سنتے ہو کیسے شور برپا کرتی ہیں مگر جو نہی دریا میں پہنچتی ہیں خاموش ہو جاتی ہیں خاموشی بھی بڑی نعمت ہے کاش نام ونمود کے متوالے ریاکار اشخاص اس قول جمیل سے سبق حاصل کریں سالک کو تو اپنے پیر سے نسبت رکھنا چاہئے لیکن دوسرے بزرگوں سے بھی اسی طرح احترام وعقیدت سے پیش آنا چاہئے جس طرح اپنے سلسلے کے بزرگوں سے عقیدت رکھتا ہے۔ اعلحضرت اپنے پیر ومرشد کی حد درجہ تعظیم کیا کرتے تھے اور آپ کے روضۂ اقدس پر بہت پراثر عالمانہ وصوفیانہ تقریر کیا کرتے تھے جب سجادہ نشین صاحب نے ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے رکھوالی کے لئے دو کتوں کی فرمائش کی تو اعلحضرت نے اعلیٰ نسل کے دو کتے خانقاہ عالیہ کی دیکھ بھال کے لئے بذات خود دے آئے اور فرمایا کہ حضرت ان کتوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے یہ سارا کام کاج کریں گے اور رات کے وقت رکھوالی بھی۔ جانتے ہیں آپ یہ دو کتے کون تھے آپ کے دونوں صاحبزادگان، جن میں سے ایک حضرت قبلہ مفتی اعظم ہند تھے۔ اور دوسرے تو زمانہ ہوا غریق رحمت ہو گئے ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جس سلسلہ میں بھی ہوں پیر ومرشد کے انتخاب سے قبل بیعت کرنے کے بعد پورے خلوص و دیانت داری کے ساتھ خدمت پیر بجالانا چاہئے شریعت مطہرہ کی پابندی کرنا چاہئے۔ صوم وصلوٰۃ، وتزکیہ نفس ومجاہدہ کی حتی المقدور سعی پیہم کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ آدمی کی جان میں جان ہے اور یہی بیعت ہے اب سوال یہ ہے کہ بیعت کسے کہتے ہیں؟ بیعت کہتے ہیں مرشد کے ہاتھ پر بک جانے کو۔ سالک بیعت کے بعد خریدا ہوا غلام ہوتا ہے اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی حضرت شیخ یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ فردوسی سلسلہ کے بہت ہی جلیل القدر بزرگ گذرے ہیں۔ آپ کے مکتوبات تصوف کی تعلیمات کی شاندار عکاسی کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید حج کر واپس جہاز میں آ رہے تھے۔ جہاز راستہ ہی میں آندھی کی نذر ہو گیا اور طوفانی موجوں سے گرداب ہلاکت میں پھنس کر پاش پاش ہو گیا۔ مرید سمندر میں غرق ہونے لگے اچانک حضرت خضر علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیجئے آپ کو سمندر کی غرق کر دینے والی لہروں سے بچاتے ہیں۔ لیکن آپ نے فرمایا میں یہ ہاتھ ہرگز نہ دونگا اس لئے کہ میں اپنے شیخ کے ہاتھوں میں دے چکا ہوں کہنے لگے حضرت ڈوب جاؤ گے تب مرید صادق نے کہا پرواہ نہیں ہے ہم اصحاب حسین رضی اللہ عنہ کی طرح ہمت و استقلال کا ثبوت دیں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام غایب ہو گئے اور پھر حضرت شیخ یحیٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ حاضر ہوئے اور اپنے مرید کو پانی سے نکالا اور ساحل پر پہنچایا۔ یہ محض من گھڑت باتیں نہیں ہیں۔ آپ کا معاملہ اگر اپنے شیخ سے استوار ہو۔ عقیدہ مضبوط ہو تو یقیناً امداد غیبی ملتی ہے۔ مدد کرنے والا چاہے شیخ نہ رہے۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ جو تمام جہانوں کا پالنے والا اور مصیبت کے وقت ان کی مدد کرنے والا ہے یقیناً آڑے وقتوں میں محض اپنے دوستوں کی لاج رکھنے کیلئے سفر وحضر میں، دکھ ودرد میں، ابتلاء وآزمائش میں، زندگی کے ہر ساتھ ہر موڑ پر مدد فرماتا ہے مگر اولیاء اللہ کی پہچان کہاں ہے لوگوں کو۔ اللہ نے اپنے خاص بندوں کو بہت چھپا رکھا ہے۔ اولیائے متاخرین وسابقین اپنی ولایتوں کو بوقت ضرورت ظاہر کیا کرتے تھے لیکن آج تمام ولیوں کو بے پردگی کا حکم نہیں ہے۔ وقت پڑنے پر بھی کرامتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔ ہوتی بھی ہیں مگر پہچانی نہیں جاتیں۔ دیگر دلیلیں وعلتیں ایسی نمایاں ہوتی ہیں کہ دست غیب ثابت نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی میں بیشتر کرامتیں ظاہر ہوئیں مگر کسی کے بات سمجھ میں آئی اور کوئی محض شمس العلماء کہہ کر رہ گیا اصل میں بقول امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ فرماتے ہیں جو چیزیں کہ اولیاء اللہ کی معرفت سے روکتی ہیں ان میں سے اشد حجاب شہود مماثلت ومشاکلت ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑا حجاب ہے۔ اس پردے سے اللہ تعالیٰ نے اکثر اولین وآخرین کو چھپایا ہے حکمت الٰہیہ اس کی مقتضی ہے کہ اولیاء میں سے کسی کے اعتقاد پر سارے خلق کا اتفاق نہ ہو۔ اور اس میں ایک سر خفی ہے کہ اگر ساری خلق اس ولی کی مصدق ہوتی تو تکذیب مکذبین پر صبر کرنے کا اجر اسے کیونکر ملتا۔ جو شخص کسی شخص معین کی تکفیر کرتا ہے گویا وہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ انجام اس کا آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کو آگ میں رہنا ہے"، شہود مماثلت ومشاکلت نے اکثر علمائے دین کو مجتہد زمانہ امام عالی وقار کے مزاج عارفانہ کو سمجھنے نہ دیا اور ان کے معاصرین نے ان کا جب بھی موقع ملا مذاق بھی خوب اڑایا۔ گالیاں بھی خوب دیں اور لعنت ملامت بھی جی بھر کر کی۔ ایک مرتبہ آپ کے مرید وحبیب نے آپ سے پوچھا کہ آپ غیر مقلدین کو برا بھلا کیوں لکھتے ہیں اور انہیں برانگیختہ کر دیتے ہیں کہ مبادا وہ آپ ہی کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں تو آپ نے ان سے فرمایا میاں میں چاہتا بھی یہی ہوں کہ دشنام طراز، کینہ جو، بد خصلت اور بد مذہب لوگ میرے آقا ومولائے موجودات سید السادات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ وعلیہ وسلم پر سے ذہن ہٹالیں اور احمد رضا کو جی بھر کر کوسیں۔ میرے لئے یہی بہت بڑی سعادت ہے کہ طائف کے طرفداروں کو میں نے اپنے پیچھے لگا لیا وہ جتنا چاہیں مجھے لہولہان کریں میں کچھ نہ بولونگا۔ گویا سیدنا حضرت علی کی طرح اپنے نفس کے لئے کسی سے بدلہ نہ لینے کی قسم کھائی تھی یہ واقعہ آپ کے اخلاق حمیدہ کی تابندہ مثال ہے کہ آپ نے اپنے نفس کے لئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ کسی کو اپنے مفاد کے لئے تباہ وبرباد نہیں کیا۔ بڑے تھے مگر علم کے غرور میں سیدھے سادھے پرخلوص مسلمانوں سے کبھی نخوت وتکبر کا برتاؤ نہیں کیا جس سے بھی ملے خندہ

پیشانی سے بزرگوں کی عزت کی۔ دوست احباب کے اصرار پر نفیس کہیں، خوب خوب مجلس پند و نصیحت کی گرم رکھیں اور چھوٹوں پر شفقت کی۔ اپنے مریدوں کیساتھ بھی آپ کا سلوک نہایت والہانہ و عاشقانہ تھا۔ آپ ان میں ان کی ذات و صفات کیمطابق، علم و فضل کے موجب، عزت و امارت کے بطور کبھی بھی حد امتیاز نہ برتتے تھے۔ سلوک سب سے یکساں تھا مگر ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ مجھی کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ خوب سمجھتے تھے کہ گناہ کرنے سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ کسی مسلمان بھائی کو ذلیل و خوار کرنے سے پہنچتا ہے اہلِ معرفت کی عبادت نفس کی نگہداشت ہے۔ یہ ملفوظاتِ خواجہ عثمان ہارونی ہیں جن پر سختی سے ہر مومن کو کاربند و پابند ہو جانا چاہیئے۔

امام احمد رضا ایک بہت بڑے عالم، فاضل، فقیہ، محدث ہونے کے باوجود جو تصوف کو اتنی اہمیت دی اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ طریقت کو شریعت کے مخالف نہیں سمجھتے تھے بلکہ طریقت ہی کو شریعت کا جامع ترین اسوۂ متصدقہ خیال کرتے تھے ہمارے مذہب میں جتنے بھی اقتدار اولیائے کرام، صوفیاء اور مشائخ گذرے ہیں کسی نے بھی قرآن و سنت نیز احکام شریعت کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ کبھی اپنے ملفوظات میں ایمان شکن نظریات پیش کیے ہیں۔ موجودہ دور کے ترقی پسند، پڑھے لکھے، تربیت یافتہ، آزاد خیال حضرات صرف اس لئے تصوف پر تنقید فرماتے ہیں کہ انہوں نے آج کے نام نہاد روحانی اچکوں کو صوفی سمجھ لیا اور ان کے مسلک کو مسلک اولیاء اصحاب، الصفہ کا دھرم سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ اصحاب الصفہ ہی تھے جن کے لئے حضور سرور کائنات فرمایا کرتے تھے کہ تم پر سے ماں باپ قربان تمہاری خبر گیری کیلئے مجھے اللہ کا خاص پیغام آیا ہے اور مجھے سخت تاکید کی گئی ہے اب یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بذات خود تصوف کیا ہے۔ میں غیر ضروری تفصیل میں نہ جاؤں گا کہ صوفی کسے کہتے ہیں اور اس کے اصطلاحی و عملی معنی کیا ہیں؟ بتانا صرف یہ ہے کہ صالحین کے مذہب کو جتنا نفرت انگیز اور حقارت خیز آج دیکھا جاتا ہے سچ تو یہ ہے کہ یہی وہ واحد نجات کا راستہ ہے جس پر زندگی بھر خود نبی کریم قائم و صائم رہے اور آج صرف انہی مخلصین لہ الدین کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ساتھ ساتھ گامزن رہتی ہے اور سالکوں کو راستہ دکھاتی ہے میرے خیال میں فرقۂ ناجیہ صرف صوفیا کا طبقہ ہے جو منتشر ہونے کے باوجود آگے سے پہنچانا جا سکتا ہے۔ تصوف پر عبدالوہاب شعرانی کے معرکتہ الآرا خیالات سنئے۔ طبقات میں فرماتے ہیں کہ علم تصوف عبارت ہے ایک علم سے کہ جب اولیاء اللہ کے دل کتاب و سنت پر عمل کرنے سے روشن ہو جاتے ہیں تو وہ علم ان کے دلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ سو جو شخص کتاب و سنت پر عمل کرتا ہے اس کے لئے اس عمل کی برکت سے ایسے علوم و آداب و اسرار و حقائق ظاہر ہوتے ہیں جن کے بیان سے زبانیں عاجز ہیں۔ پس تصوف خلاصہ ہے بندے کے عمل کا احکام شریعت کے ساتھ جب کہ اس کے عمل سے علتیں اور حظوظِ نفس دور ہو جائیں جیسے علم معانی و بیان خلاصہ ہے علم نحو کا، سو جو شخص علم تصوف کو مستقل علم ٹھہراتا ہے وہ سچ کہتا ہے اور جو کوئی اس کو عین احکام شریعت قرار دیتا ہے وہ بھی سچا ہے۔ بڑے بڑے متقدمین فقہاء و صلحا کے پاس صوفیہ کا اعلیٰ مقام تھا۔ امام شعرانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے افکار سے ملاحظہ فرمایئے۔ پہلے امام شعرانی کا قول نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں کہ قوم نے اس پر اجماع کیا ہے کہ طریق اللہ عزوجل کی تعلیم کیلئے وہی شخص لیاقت رکھتا ہے جس کو علم شریعت میں تبحر حاصل ہوا ہو، شریعت کے منطوق و مفہوم اور خاص و عام، ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔ علم لغت میں تبحر رکھتا ہے یہاں تک کہ عربی زبان کی مجازات استعارات وغیرہ سے واقف ہو پس ہر صوفی فقیہ ہے اور ہر فقیہ صوفی نہیں ہے امام احمد بن حنبل اپنے بیٹے کو رغبت دلاتے تھے کہ اس زمانے کے صوفیاء کے ساتھ صحبت رکھے اور فرماتے تھے کہ بیشک یہ لوگ اخلاص میں اس مقام کو پہنچے ہیں کہ ہم اس کو نہیں پہنچے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوفی فقیہ ہیں۔ اور ایسی زبردست نورانی شخصیت کے مالک ہوئے ہیں کہ دور دراز سے لوگ سفر کر کے ان سے ملاقات کو آئے اور فیض حاصل کیا۔ اگر وہ کتنے ہی بڑے فقیہ ہوتے مگر صوفی نہ ہوتے تو آج اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے نام کو اتنا بلند نہ کرتا جتنا کہ آج ہو چکا ہے کچھ دنوں تک بہت پرچار ہوتا ہے، کوئی آپکا یا بریلی شریف کا نام تک نہ جانتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احوالِ اہل اللہ گو پردۂ خفا میں ہیں مگر جن کے ظاہر ہیں خوب ظاہر ہیں۔ ہر کس و ناکس سر جھکانے پر مجبور ہے۔ یہ محض صوفیا کا والہانہ انداز محبت ہے اور خالص فنایت فی اللہ و رسولہ ہے جس نے چار سمت ان کی شہرت کا آوازہ بلند کیا ہے اعلیٰ حضرت کے ملفوظات اور تصوف پر بیشتر تصانیف اس امر کی شاہد ہیں کہ آپ کا دل تصنع سے پاک اور محض نام و نمود کا دلدادہ نہ تھا جن لوگوں نے آپ کی تصنیفات الاہلال بفیض الاولیاء بعد وصال (۲) انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار (۳) ازہار الانوار من ضیاء صلوٰۃ الاسرار (۴) طوالع النور فی حکم سراج علی القبور (۵) مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم (۶) تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین (۷) اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامہ (۸) سلطنت المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ (۹) ہدی الحیران فی نفی الفئ عن شمس الاکوان۔ (۱۰) اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین (۱۱) الصمصام الحیدری (۱۲) شرح العقائد (۱۳) حاشیہ مفتاح السعادۃ (۱۴) حاشیہ صواعق المحرقہ (۱۵) حاشیہ احیاء العلوم (۱۶) حاشیہ بہجتہ الاسرار (۱۷) حاشیہ کشف الظنون (۱۸) الفوز بالآمال فی الاوفاق والاعمال۔ وغیرہم۔ پڑھی ہیں وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کے سینے میں کس حد تک شیخ یحییٰ منیری کی تڑپ تھی بابا فرید کا سوز دل تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء کی سی شان محبوبیت تھی۔

امام احمد رضا نے مقال العرفاء میں شریعت و طریقت پر بحث کی ہے جو کچھ ہم نے کہا ہے اگر اس میں ذرہ برابر بھی کم و بیش آپ ان کی تحریر میں پائیں تو جو چاہیں سزا دیں اگر نہ مانیں کہ قبلہ و کعبہ مجدد اعظم صوفی فقیہ تھے اور مقرب بارگاہ تھے۔ فرماتے ہیں۔ شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے شریعت ہی پر طریقت کا دارومدار ہے۔ شریعت ہی اصل کار اور محک و معیار ہے شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑے گا۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے جس حقیقت کو شریعت رد فرمادے وہ

حقیقت نہیں بیدینی اور زندقہ ہے۔

تصوف میں عشق رسول بنیادی حیثیت رکھتا ہے فرقۂ وہابیہ اور دیوبند تحریک کے بڑے بڑے زبان درازوں کا گستاخ و بے ادب فتنہ پردازوں کا امام احمد رضا نے اپنی تحریروں میں بہت دندان شکن جواب دیا ہے۔ مثلاً کرامت اللہ خان صاحب کے استفتاء کے جواب میں اعلیحضرت نے رسالۂ مبارکہ الامن والعلی تحریر کیا تھا۔ اور مقام رسول اور بخشش الٰہ کی بڑی پرخلوص وضاحت کی تھی۔ فرمایا اللہ اور رسول نے دولتمند کر دیا۔ اللہ و رسول نگہبان ہیں۔ اللہ و رسول بے والیوں کے والی ہیں۔ اللہ و رسول مالوں کے مالک ہیں۔ اللہ و رسول زمین کے مالک ہیں۔ اللہ و رسول کی طرف توبہ۔ اللہ و رسول کی دہائی۔ اللہ و رسول دینے والے ہیں۔ اللہ و رسول سے دینے کی توقع۔ اللہ و رسول نے نعمت دی۔ اللہ و رسول نے عزت بخشی (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کے حافظ و نگہبان ہیں۔ حضور کی طرف سب کے ہاتھ پھیلے ہیں۔ حضور کے آگے سب گڑگڑا رہے ہیں۔ حضور ساری زمین کے مالک ہیں حضور سب آدمیوں کے مالک ہیں۔ حضور تمام امتوں کے مالک ہیں۔ دنیا کی ساری مخلوق حضور کے قبضہ میں ہے۔ مدد کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ نفع کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ جنت کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ دوزخ کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔ آخرت میں عزت دینا حضور کے ہاتھ ہے۔ قیامت میں کل اختیار حضور کے ہاتھ ہے حضور مصیبتوں کو دور فرمانے والے۔ حضور سختیوں کو ٹالنے والے ..... حضور کے خادم رزق آسان کرتے ہیں۔ حضور کے خادم بلائیں ہٹاتے ہیں۔ حضور کے خادم بلندی مرتبہ دیتے ہیں حضور کے خادم تمام کاروبارِ عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔ اولیاء کے سبب بلا دور ہوتی ہے اولیاء کے سبب روزی ملتی ہے۔ اولیا کے سبب مدد ملتی ہے۔ اولیاء کے سبب بارش ہوتی ہے اولیاء کے سبب زمین قائم ہے۔

خاصان خدا کا کیا مقام ہے اگر سوال کا جواب صاحبِ شریعت سے مل جائے تو پھر کسی کو چون چرا کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے فخر موجودات سید السادات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "بیشک اللہ عزوجل دوست رکھتا ہے اپنے خلق سے اتقیاء، اصفیاء ابریاء کو جن کے بال پریشان، منہ غبار آلود، پیٹ دبلے ہیں۔ جب وہ امراء کے یہاں آنے کی اجازت چاہیں تو ان کیلئے آنیکی اجازت نہ دیجائے۔ اگر مالدار عورتوں سے نکاح کا پیغام کریں تو ان سے نکاح نہ کریں۔ غایب ہوں تو ان کی تلاش نہ کریں۔ آجائیں تو ان کے آنے سے خوش نہ ہوں بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کریں۔ مرجائیں تو ان کے جنازے میں حاضر نہ ہوں۔ زمین والوں میں مجہول (مگر) آسمان والوں میں معروف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں تو ضرور ان کی قسم کو سچی کردے۔ اللہ کے محبوب بندے زمین و آسمان کی ہر مخفی چیز کو اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں اس لئے ان کو اپنے آپ پر قیاس کر کے ذلیل نہ کیا کرو۔ سوچنے اور امتحان لینے والا خالص مٹی کا پتلا ہے وہ بقول جنید بغدادی کے ابھی تک جنید تک نہیں پہنچا تو اللہ تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے لہذا ثابت ہوا کہ علم و عرفان، بصیرت و بصارت کی پہلی منزل خود مقام صوفیہ ہے مرید اگر اپنے پیر کے تصور میں اگر انہماک و استقامت حاصل کرے تو پھر اسی نور سے اللہ اور رسول کو بھی دیکھ سکتا ہے شخصیت کا افتراق سہی مگر ارواح کا اتصال ضرور ہے اسی نسبت کو حاصل کرنے کیلئے اکابر صوفیاء اجلّ اولیاء نے سلاسل میں نسبت حاصل کرنے پر زور دیا ہے ایک مثل بہت مشہور ہے مگر بات بہت صحیح ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہیں ہوتا اس کا شیطان پیر ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے انکار و احوال صوفیا و مشائخ کا مذہب ہونے کے باوجود اپنے اندر کافی گہرائی و انفرادیت رکھتے ہیں مثلاً دستِ غیب سے متعلق فرمایا اور جو اللہ سے ڈرے اس کیلئے اللہ نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو" حضرت کو اسی بات کا بڑا غم و افسوس رہا کہ مومن کا خشیت و ہیبت الٰہی پر عمل نہیں رہتا ورنہ کشایش رزق کا ہرگز قلق نہ ہوتا۔ اس قدر کشادگی سے دامن بھر جاتا کہ سمیٹنا مشکل ہو جاتا۔ دوسری جگہ منصب ولایت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اطباق آئمہ کا علماء کا جمہور کا، سوادِ اعظم کا.... جس کو ولی مان رہا ہے وہ بیشک ولی ہے لیکن آگے چل کر فرمایا کہ خلاف شریعت ہر وقت کے بکتے رہنے والے کو حالت سکر کا عذر سمجھ کر معاف نہیں کیا جاسکتا اور نہ ولی سمجھا جاسکتا ہے۔ مرتبۂ غوثیت کی توضیحات علم لدنّی پر مبنی ہے اس لئے کہ اس قسم کی باتیں صرف سینہ بہ سینہ ہی منتقل ہو سکتی ہیں کبھی کسی کتاب میں اس طرح کی بحث پڑھنے کو نہیں ملتی۔ فرماتے ہیں بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔ غوث ہر زمانے میں ہوتا ہے۔ غوث کو مراقبے سے حالات منکشف نہیں ہوتے بلکہ انہیں ہر حال یونہیں مثل آئینہ پیشِ نظر ہے وہ دنیا کو ہتھیلی میں رائی کے دانے کے مانند دیکھتے ہیں ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ غوث کا لقب عبداللہ اور وزیر دست راست عبدالرب و وزیر دست چپ عبدالملک۔ اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر راست سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنت دنیا۔ اس لئے کہ یہ سلطنت قلب ہے اور دل جانب چپ، غوث اکبر و غوث ہر غوث حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے اور فاروق اعظم وزیر راست پھر امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے اور ان کے دو وزیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر ہوئے اسی طرح یہ سلسلہ حضرت امام حسن عسکری تک آیا اور بعد میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ غوث ہوئے۔ اب ان کے بعد جتنے غوث ہوئے سب ان کے نائب ہوئے۔ اب حضرت غوث اعظم تنہا غوثیہ کبریٰ کے درجہ پر فائز ہوئے حضور غوث اعظم بھی ہیں اور سید الافراد بھی۔ حضور کے بعد جتنے اب ہوں گے حضرت امام مہدی تک سب نائب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے۔ پھر امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت کبریٰ عطا ہوگی۔ آپ نے علامہ سیوطی اور امام قسطلانی کے مباحث کے بعد فرمایا کہ بعض علوم کے ذریعہ سے مجھے ایسا خیال گزرتا ہے کہ شاید ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنت اسلامی باقی نہ رہے۔ واللہ اعلم بالصواب ایک اور جگہ فرمایا ثواب و عذاب جسم و روح دونوں کو ہوتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جنہیں پسند کرتا ہے ان کی دعا جلد قبول نہیں کرتا گو کہ وہ روتے اور گڑگڑاتے

ہیں لیکن پروردگار عالم جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اے جبریل اس مومن بندے کا کاروبار اور مری طرف اس کا منہ اٹھا کے دعا مانگنا اچھا لگتا ہے لیکن فاسق و فاجر کی دعا جلد قبول ہو جاتی ہے اس لئے کہ عرش و کرسی کی طرف اس کا منہ اٹھانا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا اسے دیکھنا پسند نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مومنین کو اگر دعائیں قبول نہ ہوتی ہوں تو دل برداشتہ نہ ہوا کریں۔ اور نہ ہی ناصبوری کے عالم میں ناشکری کے کلمات زبان پاک سے نکالیں اس لئے کہ معیشت الٰہی بقول حضور کے خود اسی بات کی متقاضی ہے لہذا صبر کریں اور تقدیر الٰہی راضی برضا رہا کریں۔ اعلیٰ حضرت کے ملفوظات تصوّف کے لئے بیش بہا خزینہ ہیں۔ اس چھوٹے سے مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ تمام تر اہم باتیں ناظرین کی خدمت میں پیش کر سکوں اگر اللہ توفیق دے تو اعلیٰ حضرت قبلہ کے افکار و احوال کا بنظر غائر مطالعہ کرنا چاہئے اور تمام پند و نصائح کو گرہ میں میں باندھ لینا چاہئے کہ یہی فلاح دین و دنیا اور آخرت میں کام آنے والے سہارے ہیں

صوفی کے راستے میں تا دم زیست سب سے زیادہ کانٹے شیطان بچھاتا ہے۔ اس کے بہکاوے ایسے پر فریب ہوتے ہیں کہ اچھے اچھے الہام و عرفان سمجھ کر جھوٹ کو سچ سمجھنے لگتے اور سیدھی راہ سے دور جا پڑتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اس ضمن میں غوث الاعظم کے مریدوں کی حکایت بیان کر کے فرمایا کہ بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے تاگے کی لگام ڈالتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جتنا علم وسیع ہوتا جاتا ہے سالک سمندر کی طرح پھیل کر گہرا اور وشال ہو جاتا ہے جب تک انسان میں تمیز حرام و حلال پوری طرح واضح نہ ہو جائے تو اس بات کا امکان رہتا ہے کہ بعض حرام ناجائز قسم کے افعال و اعمال بھی مسلمان لاعلمی کی وجہ سے مباح اور حلال سمجھ کر کرتا رہے گا اور گنہگار ہوتا رہے گا اس لئے راہ سلوک کے متوالوں کو چاہئے کہ تمام تر ضروری علم حاصل کریں یاد رہے کہ غیر ضروری دنیاوی علم کو حاصل کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بسا اوقات تضیع اوقات ثابت ہوتا ہے حضرت نظام الدین اولیاء عطائے خلافت کے معاملہ میں بہت سخت تھے حضرت اخی سراج کو اتنا محبوب رکھنے کے باوجود آپ نے خلافت عطا نہ کی تا وقتیکہ آپ نے شریعت مطہرہ میں تبحّر حاصل نہیں کر لیا۔ شیخ کے پردہ فرمانے کے بعد مرید کو کس طرح حاضری دینا چاہئے اس کے بارے میں بھی بہت عمدہ ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا مرید کو چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو کر فاتحہ پڑھنا چاہئے حیات میں مرید جیسا ادب کرتا تھا۔ سامنے سے حاضر ہو کر با ادب کھڑا ہونا چاہئے۔ اور جگہ کھڑا ہونے میں پیر کو مڑ کر دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے قبر میں جس سمت چہرہ کھلا ہوتا ہے اسی سمت مرید کو بھی کھڑا ہونا چاہئے ایک جگہ حضرت شیخ سعدی کے قول نصیحت کو اعلیٰ حضرت نے بڑی ہی اہمیت دی اور فرمایا کہ کیا وجہ ہے مرید عالم فاضل اور صاحب شریعت و طریقت ہونے کے دامن مراد نہیں بھر پاتا غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس سے فارغ اکثر علمائے دین اپنے آپ کو پیر سے افضل سمجھتے ہیں۔ یا علم کا غرور اور کچھ ہونے کی سمجھ انہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ وگرنہ سعدی علیہ الرحمہ کا مشورہ سنئیں۔ فرماتے ہیں دو بھر لینے والے کو چاہئے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اگرچہ کمالات سے بھرا ہوا ہو مگر اپنے کمالات کو دروازے ہی پر چھوڑے اور یہ جانے کہ میں کچھ جانتا ہی نہیں خالی ہو کر آئے گا تو کچھ پائے گا۔ اور جو اپنے آپ کو بھرا سمجھے گا تو وہ ایسا کہ پُر شدہ گھر ہوں پر دبھری برتن میں اور کوئی چیز نہیں ڈالی جا سکتی۔

بزرگان دین کے اعراس مقدس کے تعین کی بابت فرمایا کہ اولیاء کرام کی ارواح طیبہ کو ان کے وصال شریف کے دن قبور کریمہ کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے چنانچہ وہ وقت جو وصال کا ہے اخذ برکات کے لئے زیادہ مناسب ہوتا ہے آپ قادری ہونے کے باوجود چشتیہ سلسلے کے تمام بزرگان دین کی بے پناہ عزت و احترام کرتے تھے۔ ایک جگہ فرمایا حضرت خواجہ خواجگان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ آپ سچی اور قلبی ارادت کو فیض کی کنجی سمجھتے تھے۔ اور مرشد کی توجہ سے بیڑا پار جانتے تھے۔ تصوف میں ان دونوں باتوں کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے مرید ہوا مگر پیر سے ارادت نہ ہوئی ہرگز فیض نہ ہوگا۔ زندگی بھر خدمت کی لیکن نفس ساتھ چلتا رہا ہرگز پیر کی نظر نہ ہوگی۔ بے لوث خدمت کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد پاک ہے جب تک مرید یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیائے زمانہ سے میرے لئے بہتر ہے نفع نہ پائیگا۔ علی بن ہیتی کے مرید علی جوسقی سے مخاطب ہو کر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اپنے تمام حوائج میں اپنے شیخ ہی کی طرف رجوع کرے۔ یعنی اگر شیخ کا شیخ بھی سامنے موجود ہے تب بھی اپنے شیخ کی نظر کرم کا محتاج رہے در بدر کا ہرجائی کہیں سے بھی کچھ نہیں پاتا۔ آداب مریدین میں حضرت مجدد اعظم نے بہت فیوض و برکات کے کلمات کہے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا۔ شیخ کے حضور خاموش رہنا افضل ہے ضروری مسائل پوچھنے میں حرج نہیں۔ آپ نے تاکیداً کہا کہ شیخ کے حضور بیٹھ کر ذکر بھی نہ کرے کہ ذکر میں دوسری طرف مشغول ہو گا اور یہ حقیقتاً ممانعت ذکر نہیں بلکہ تکمیل ذکر ہے کہ وہ جو کر یگا بلا توسّل ہو گا۔ اور شیخ کی توجہ سے جو ذکر ہو گا وہ بتوسط ہو گا۔ یہ اس سے بدرجہا افضل ہے۔ اصل کار حسن عقیدت ہے یہ نہیں تو کچھ نفع نہیں۔ اور صرف حسن عقیدت ہے۔ تو خیر اتصال تو ہے پرنالہ کے شل تم کو فیض پہنچے گا حسن عقیدت ہونا چاہئے" مجاذیب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ وہ خود سلسلہ میں ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی سلسلہ نہیں ان سے آگے پھر نہیں چلتا۔ یعنی مجذوب اپنے سلسلہ میں منتہی ہوتا ہے اپنا سا کوئی دوسرا مجذوب پیدا نہیں کر سکتا۔ وجہ غالباً یہ ہے کہ مجذوب مقام حیرت ہی میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور بقا حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے غیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ کرامت کسی بھی ولی کی کیسی نہیں ہوتی۔ سب کی کرامتیں وہبی ہوتی ہیں۔ باقی جو کچھ ہوتا ہے بھان متی اور شعبدہ بازی ہے اللہ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے فرماتا ہے "وہ جو ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ضرور ہم انہیں راہ دکھائیں گے۔ سچی جد وجہد ہونا چاہئے سچ تو یہ ہے طلب صادق کبھی خالی نہیں جاتی۔ اولیا اللہ کی سچے دل سے پیروی کرنا اور مشابہت کرنا کسی دن ولی اللہ کر دیتا ہے اس لئے کہ جو کسی کا تشبّہ کرتا ہے اللہ اس کو بھی اسی گروہ میں شامل کر دیتا ہے۔ من تشبّہ بقوم فہو منہم۔ چونکہ محض مشابہت میں سالک سالہا سال اس لئے ولی اللہ نہ بن سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نام نہاد صوفی کالی کملی والے سے بہت دور غار ہلاکت میں جا پڑے ہیں۔ اللہ ایسے کذب اور تصنع سے محفوظ رکھے۔ نبوت اور ولایت کا فرق بھی سمجھ لیجئے۔ فرماتے ہیں۔ ولایت کی توجہ الی اللہ ہوتی ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق۔ نبوت اسی طرح سے غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔ تصوّف میں قلب اور نفس کی اصطلاح کا ایک خاص معنی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ قلب حقیقتاً اس مضغہ گوشت کا نام نہیں بلکہ وہ ایک لطیفہ غیبیہ ہے جس کا مرکز مضغہ گوشت ہے جو سینے کے بائیں جانب ہے اور نفس کا مرکز زیر ناف ہے۔

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات اور تصوّف پر ان کے فکر انگیز ملفوظات بہت گہرے مطالعہ ومشاہدہ کی دین ہے اس احتیاط وتوازن کے ساتھ آپ نے کلمات حکمت فرمائے ہیں کہ ذرّہ برابر تنقید کی گنجائش نہیں۔ اگر سالک صدق دل سے آپ کی راہ پر سفر اختیار کرے اور بزرگوں سے سچّی نسبت پیدا کرے تو اس کی منزل اس دور ابتلاء وآزمائش میں بھی کامیابی سے ہمکنار ہوسکتی ہے اعلیٰحضرت کی تمام تر تصنیفات انتہائی ادق اور مشکل عربی وفارسی زبان میں تحریر ہوئی ہیں۔ نیز اردو بھی کافی مشکل ہے ضرورت ہے اس بات کی کہ ایک اہل سنّت و جماعت کی ضمنی کمیٹی مقرر ہو اور وہ کمیٹی ان تمام کتابوں کو تشریحات وتوضیحات اور فرہنگ کے ساتھ شائع کرے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی تحریروں میں اسلامی دنیا کے سینکڑوں مفکّروں دانشوروں، فقہا وصلحا ومحدثین نیز علم الکلام وفلسفہ کے علماء اور اولیاء کے اسمائے گرامی استعمال کئے ہیں۔ الگ سے ان بزرگوں کی مختصر سوانح عمریاں بھی توضیحات کے ساتھ ساتھ شائع کی جانی چاہیئے۔

تصوف جیسے اسرار الٰہیہ وعلوم غیبیہ پر اعلیٰحضرت کی نہ صرف نثری تخلیقات شاہد ہیں بلکہ شعری تخلیقات میں بھی بہت زیادہ جواہر پارے ہیں۔ ہم نے شاعری کا بھی بہ نظر غائر مطالعہ کیا لیکن چونکہ موضوع سے ہٹ کر تھا۔ اس لئے اس مضمون میں اشعار سے اقتباسات پیش نہیں کئے گئے بہر حال امام احمد رضا صرف مجدد وعالم ہی نہیں کامل ولی اللہ ہوئے ہیں۔ اور ہمارے درمیان آج بھی اسی طرح موجود ہیں جس طرح آپ اپنی جسمانی حیات میں فیوض وبرکات کا سرچشمہ سمجھے جاتے تھے۔ صرف پردہ ہے جو نظر کا ہے وگرنہ آج بھی وہ ہماری مدد کرسکتے ہیں بشرطیکہ بصد خلوص استغاثہ پیش کیا جائے۔ اور مزار پر انوار سے کسب فیض کیا جائے۔ اللہ مدد کرنے والا ہے کوششیں صحیح ہونی چاہئیں۔

امام احمد رضا اور روحانی قدریں

از:- مولانا شبنم کمالی پوکھریروی
صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ امانیہ تو ام
دربھنگہ ۔ بہار

ھر بندۂ مومن کا یہ عقیدہ راسخ ہے کہ تمام روحوں کا خالق اللہ عزّوجلّ ہے ۔ ازل سے ابد تک کی تمام روحوں میں سب سے افضل، سب سے اعلیٰ اور سب سے بزرگ رُوح یعنی روحِ اعظم محمدٌ رّسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ جماعت ملایکہ میں حامل وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام رُوحُ القدس، رُوح الامین کے لقب کے ساتھ مشرّف ہیں۔ اور وحی ربّانی یعنی قرآنِ حکیم رُوح افزا، حیات آفریں کلام ہے جیسا کہ ارشادِ حقّانی ہے

کَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (سورہ شوریٰ) } اور اسی طرح ہم نے تمہیں وحی بھیجی (اے سیّدِ عالم خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رُوح افزا چیز (یعنی قرآن پاک جو دلوں میں زندگی پیدا کرتا ہے) اپنے حکم سے

اب مذکورہ بالا باتوں میں ترتیب دی جائے تو یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ خالقِ ارواح اللہ حیّ و قیوم نے ایک رُوح افزا چیز یعنی وحیِ مقدس کو جو سراپا رُوح ہے حضرت جبرئیل رُوح الامین کے ذریعہ مہبطِ روح سرکار دوعالم نبیّ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ارسال فرمایا — اگر چشم عقیدت سُرمۂ سُنّیت سے مُنوّر ہے تو اس کی بصیرت میں سرکار دوعالم کا وجودِ گرامی پیکرِ روح اور سراپا نور نظر آئے گا کیونکہ حیّ و قیوّم رب تبارک و تعالیٰ نے حضور ہی کے واسطہ سے بے جان دلوں اور مُردہ قوموں کو زندگی عطا کرنے کے لیے یہ سلسلہ روحانی قایم کیا ہے۔

آپ اِسے مزید وضاحت کے ساتھ یوں سمجھیے کہ قرآن حکیم یقیناً آب حیات و پیامِ روح افزا ہے۔ لیکن اِس آبِ حیات اور روح افزا پیغام سے اگر مُردہ دلوں کو زندگی عطا ہوئی، کشتِ قلوب میں تر و تازگی پیدا ہوئی۔ قلوبِ انسانی کی بے جان اور خشک زمینوں میں شادابی و شگفتگی کی رُوح پرور بہاریں آگئیں تو وہ یقیناً اسی آسمانِ رحمت کی موسلا دھار بارش کا فیضان تھا جو قرآنِ کریم یعنی پیامِ رُوح افزا کے نزول کی منزلِ آخری ہے۔ وہ آسمان رحمت اور سمائے کرم کون ہیں۔ بے شک و شُبہ وہ آسمانِ رحمت نبیٔ مکرم رحمتِ عالم رُوحِ مجسّم محمدٌ رّسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذاتِ گرامی ارواحِ عالم کے لئے سببِ نازاور نبوّت و رسالت کے لیے باعثِ صد افتخار ہے۔ حضور پیکرِ نور ابتدائے خلقت ہی سے سراپا روح ہیں جن کی روحانیتِ کبریٰ کو اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی روحانیت نے مشاہدہ فرمایا اور اس کی تعبیر اشعار کے ذریعہ اِس طرح فرمائی ؎

اوروں کی رُوح ہو کتنی ہی لطیف ۔۔۔ اُن کے اجسام کی کب ثانی ہے
پاؤں جِس خاک پہ رکھ دیں وہ بھی ۔۔۔ رُوح ہے پاک ہے نورانی ہے

رب تعالیٰ حیّ و قیوّم ہے، قرآن حکیم نعمتِ روح افزا، جبریلِ امین رُوح قدس ہیں اور مہبطِ وحی سرکار دوعالم پیکرِ رُوح اب ذرا اِس سلسلۂ رُوحانی سے وابستگی کی زود اثر تاثیر ملاحظہ فرمائیں۔

جن لوگوں نے حیّ و قیوم رب سے صحیح عقیدہ کا رابطہ قائم کرلیا۔ پھر جبریل امین سے صحیح ایمانی تعلق استوار کیا پھر سرکار روحِ اعظم نور اکبر صلی اللہ علیہ وسلّم سے ایمان و ایقان کا رشتہ درست و مُستحکم کرلیا پھر قرآنِ کریم کو شرح صدر سے آبِ حیات تسلیم کرلیا ان کی زندگی اور روحانیت کی دل کش تصویر قرآنِ حکیم کے آئینۂ مُصفّیٰ میں ملاحظہ فرمائیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْہَا۔

اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اُسے زندہ کیا اور اُس کے لئے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ اُس جیسا ہو جائے گا جو اندھیریوں میں ہے اور اُن سے نہ نکل سکے۔ (ترجمہ)

مُردہ سے کافر اور زندہ سے مومن مُراد ہے کیونکہ کفر قلوب کے لیے

موت ہے اور ایمان حیات ہے۔ نور سے ایمان مراد ہے جس کی بدولت آدمی کفر کی تاریکیوں سے نجات پاتا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ نور سے کتاب اللہ یعنی قرآن مراد ہے جس سے لوگوں میں چلتا ہے اور بینائی حاصل کرکے راہِ حق کا امتیاز کر لیتا ہے ـــــ کفر و جہل و تیرہ باطنی کی یہ ایک مثال ہے جس میں مومن و کافر کا حال بیان فرمایا گیا کہ ہدایت پانے والا مومن اس مردہ کی طرح ہے جس نے زندگی پائی اور اس کو نور ملا جس سے وہ مقصود کی راہ پاتا ہے اور کافر اس کی مثل ہے جو طرح طرح کی اندھیریوں میں گرفتار ہوا ان سے نکل نہ سکے ہمیشہ حیرت میں مبتلا رہے۔

یہ دونوں مثالیں ہر مومن و کافر کے لیے عام ہیں۔ اگرچہ نزول خاص شخص کے سلسلہ میں ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شانِ نزول مروی ہے۔ جس کے بیان کی سلسلۂ مضمون میں چنداں حاجت نہیں۔

روحانیت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش نظر رکھیے آگ سے قریب ہونے والا انسان گرمی اور تپش محسوس کرتا ہے اور جس کو آگ چھوئے وہ جلن اور سوزش سے بے تاب ہو جاتا ہے۔ جو چیز آگ میں جاتی ہے وہ جل جاتی ہے بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو آگ کا رنگ و روپ اختیار کر لیتی ہیں۔ جیسے لوہا جب یہ آگ میں داخل ہوتا ہے تو کچھ دیر کے بعد آگ ہی کی طرح سرخ ہو جاتا ہے آگ اس میں حلول نہیں کرتی بلکہ اپنے اثر و کیفیت سے متکیّف بنا کر شکل و صورت بدل دیتی ہے۔ یہ ایک ناقص مثال ہے جو محض افہام و تفہیم کے لیے پیش کی گئی ہے بے تشبیہ و بے تمثیل اللہ عزّوجلّ اور اس کے کلام روحی نظام اور اس کے حبیب سراپا روح و نور سے جو جتنا قریب ہوتا جاتا ہے وہ روحانی حقایق و لطایف کے آثار و کوایف سے کیف اختیار کرنے والا اور اثر قبول کرنے والا ہوتا جاتا ہے اسی تکیّف کا حال یہ ہوتا ہے کہ عالم روحانی کی سیر کرنے والے حضرات یہ نعرہ لگاتے نظر آتے ہیں "اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا، اَجْسَادُنَا اَرْوَاحُنَا"

روح کی اثر آفرینی اور اس کی سرایت کی شان قرآن حکیم میں سورۂ طٰہٰ شریف کی اس آیت سے معلوم کیجیے "قَالَ مَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا اے سامری اب تیرا کیا حال ہے تو نے ایسا کیوں کیا اس کی وجہ بتا تو سامری بولا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہ دیکھا یعنی میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور ان کو پہچان لیا وہ اسپِ حیات پر سوار تھے میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں اُن کے گھوڑے کے نشانِ قدم کی خاک لوں تو فرشتے کے نشان سے ایک مٹھی بھری پھر اس بچھڑا میں ڈال دیا جس کو میں نے بنایا تھا اور میرے جی کو یہی بھلا لگا اور یہ فعل میں نے اپنی ہی ہوائے نفس سے کیا کوئی دوسرا اس کا باعث و محرک نہ تھا (مفہوم)

غور فرمائیں روح الامین اسپِ حیات پر سوار ہیں گھوڑا کی سُم سے زمین مس ہوئی اِس مَس نے زمین کے اُس حصۂ خاکی کو زندگی بخش دی بلکہ دوسروں کو زندگی عطا کرنے والا بنا دیا جبھی تو اس خاک نے بچھڑا میں زندگی کا اثر رونما کر دیا۔ آپ نے روح کی اثر آفرینی و حیات بخشی کی شان ملاحظہ فرمائی۔ کیا آپ اسے ایک چراغ سے سیکڑوں چراغ کا روشن ہونا نہ کہیں گے؟ اگر آپ ایسا کہنے پر مجبور ہوں اور کہے بغیر کوئی چارۂ کار بھی نہ ہو تو آپ کے پردۂ ذہن پر اس تصوّر کا نقش حسین بھی ضرور ابھر چکا ہوگا کہ واقعی ایک چراغِ روح سے ہزاروں لاکھوں ہی نہیں بلکہ بے شمار روحانی چراغ روشن ہوئے ہیں ہوتے آرہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

روح کی حیات بخشی کی دوسری مثال سورۂ حجرات شریف کی اس آیت کریمہ سے ملاحظہ فرمائیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا"

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو اُن میں صلح کراؤ

اب تفسیر خزائن العرفان سے اس کی شان نزول کے متعلق واقفیت حاصل کیجیے۔

"نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار تشریف لے جاتے تھے۔ انصار کی مجلس پر گذر ہوا۔ وہاں تھوڑا سا توقف فرمایا۔ اس جگہ دراز گوش نے پیشاب کیا تو ابن اُبَی (رئیس المنافقین) نے ناک بند کر لی حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور کے دراز گوش کا پیشاب تیرے مشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے۔ حضور تو تشریف لے گئے ان دونوں میں بات بڑھ گئی اور ان دونوں کی قومیں آپس میں لڑ گئیں اور ہاتھا پائی کی نوبت پہنچی تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور اُن میں صلح کرا دی اس معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی"۔

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں محبّانِ رسول اور شاتمانِ رسول کے درمیان جو آج تقریری، تحریری اور فعلی جنگ جاری ہے یہی جنگ صدرِ اوّل میں بھی تھی۔ یہاں بھی محبّانِ رسول یعنی سرکار دو عالم کی تعظیم و محبّت کرنے والے حضرات تعظیم و تکریم رسول ہی کی خاطر نبرد آزما ہیں اور دشمنانِ رسول اہانتِ رسول پر اڑے ہوئے مورچہ بند ہیں۔ ابنِ اُبَی اور عبد اللہ بن رواحہ کے درمیان تلخی و ترشی پھر دونوں کی قوموں کے درمیان جنگ کی نوبت عقیدتِ رسول و نفرتِ رسول احترامِ رسول و اہانتِ رسول کی

خاطر تھی۔ یہی عینِ حقیقت ہے۔ یہی جنگ صدرِ اوّل سے آج تک برابر ہوتی آرہی ہے ـــــ

مقامِ حیرت و تعجّب یہ ہے کہ نہ تو خالقِ کائنات نے اور نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن رواحہ کو اس عقیدت سے روکا اور نہ اُن کے اس ارشاد کو غلو ٹھہرایا کہ اے عبداللہ بن رواحہ یہ تم نے کیا کہہ دیا پیشاب تو ہر کسی کا ناپاک و بدبودار ہوتا ہے تم نے دراز گوش کے پیشاب کو مُشک سے بہتر خوشبودار کیسے کہہ دیا۔ وَحیِ الٰہی آئی بھی تو یہ کہ ایک منافق بدعقیدہ کی وجہ سے تم اہلِ ایمان ہو کر بھی حمایتِ قومی میں کیوں لڑ پڑے۔ حضور نے بھی واپس آکر صلح کرادی اور حضرت عبداللہ ابنِ رواحہ سے اِس اظہارِ عقیدت پر کچھ بھی ناگواری کا اظہار نہ فرمایا۔

خیر یہ تو محض ایک ضمنی بات تھی اصل استدلال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ کا ارشاد مبنی بر حقیقت تھا۔ ان کا دن رات کا مشاہدہ تھا کہ حضور کا جسمِ مبارک معدنِ عطر و گلاب ہے جس راستہ اور جس گلی سے حضور گذر جاتے ہیں وہ راستہ اور گلی خوشبو سے بس جاتی ہے۔

اِسی حقیقت کو حضرت آسی رحمۃ اللہ علیہ یوں ظاہر فرماتے ہیں ؎

وہ تھا بدن یا کوئی گُل تر پھر اس کی خوشبو وہ رُوح پرور
جدھر سے گذرا بسا وہ رستہ بہا پسینہ گلاب ہو کر

خود اعلیٰحضرت جن کی روحانی خدمات کا بیان موضوعِ تحریر ہے دیکھیے کتنے پیارے اور دل کش انداز میں اس حقیقت کو پیش فرماتے ہیں ؎

اُن کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں   جس راہ چل گیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں
عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشکِ تر گلاب   ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہ گذر کی ہے

غور فرمایئے جس ذات کے پسینے کی خوشبو سے زمین، ہوا، غبار، راہ اور کوچہ خوشبودار ہو جائے اس ذاتِ کریم نے اگر دراز گوش کے سراپا کو معطّر فرما دیا ہو اور اس کے پیشاب کی حقیقت بدل کر مُشک سے بہتر ہو گئی ہو تو اس میں تعجّب کی کوئی بات نہیں ہے۔ اِسی سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس طرح حضور کی خوشبو دوسروں کو خوشبودار بنا دیتی تھی، جس طرح آپ کا نور دوسروں کو بھی پُر نور کر دیتا تھا اسی طرح آپ کی نورانیت بھی ہر اس شخص کو جو مدارجِ قرب میں جتنا آپ سے قریب ہوتا گیا اسی اندازِ قرب کے مطابق اسے رُوحانی طاقتوں سے نوازا جاتا رہا۔ چودہ سو سالہ اسلامی زندگی کے ہر دَور پر غایرانہ نظر ڈالیے تو مُسلسل بلا انقطاع رُوح بخشی کا یہ رُوح پرور ایمانی منظر آنکھوں کے سامنے جگمگاتا نظر آئے گا۔

رُوح اور رُوحانیت کوئی مادّی چیز نہیں ہے بلکہ ایک جوہرِ لطیف امرِ ربّی، اور عالَمِ امر کی خالص حقیقتِ مجرّدہ ہے کسی روح کو ناپنے اور وزن کرنے کے لیے دُنیاوی پیمانہ اور ترازو کا استعمال مُحال ہے اس کے ناپ و تول کے لیے صرف قرآنی پیمانہ اور ترازو ہی واحد ذریعہ ہے اور بس

یہ حقیقت بالکل عیاں اور واضح ہے کہ اگر کوئی شخص کسی صاحبِ ہیبت و جلال اور سلطانِ ذی وجاہت سے جتنا ہی دُور ہوگا اس کے دِل میں دہشت و رُعب کی اتنی ہی کمی ہوگی۔ اہلِ اقتدار، خود مختار، مطلق العنان شخصیت سے علی حسبِ مراتب دوری بے خوفی ناترسی اور غفلت و بے پروائی کا سبب ہوگی۔

اہلِ مرتبت اور صاحبِ سلطنت امراء و حُکّام سے دور رہنے کی حالت میں لوگ اس کے متعلق کتنے بڑے گستاخ، دشنام طراز اور شیخی باز ہوتے ہیں وہ ظاہر و آشکارا ہے مگر یہی لوگ جب وزیرِ اعظم اور وزیرِ اعلیٰ نہیں بلکہ علاقائی سطح کے افسروں کے حضور جاتے ہیں تو زبان خشک، بدن ساکن و ساکت، یارائے سخن مفقود ہوتا ہے اس میں راز کیا ہے؟ وہی حاضرانہ اور غایبانہ حضوری و غیبوبت، نزدیکی اور دوری اور قُرب و بُعد کے عالم میں قلبی حالتوں کا مختلف ہونا ہے۔

رب تعالیٰ سے جن خوش نصیبوں کو بلا تشبیہ جتنا قربِ حضوری حاصل ہو جاتا ہے اتنا ہی ہَیبت و جلالِ الٰہی کا تسلّط بڑھتا جاتا ہے۔ رُوحانیت نکھرتی جاتی ہے۔ خوفِ خدا و خشیّتِ الٰہی کے آثار پوری زندگی پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں، کیا گفتار و کردار، کیا نشست و برخاست سبھی صبغۃ اللّٰہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ ذات پاک تو بندوں کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے، نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد کا مژدہ عام ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ منکم ولٰکن لَّا تُبصِرون کا اعلان موجود ہے۔۔ انسان خواہش و حرص، ہوا و ہوس کا پُتلا ہے۔ نفسِ اَمّارہ کی تاریکیوں کی وجہ سے حجاب در حجاب میں ہے اس حجاب کو چاک کر کے جیسے جیسے وہ حضوری کی دولت سے مالا مال ہوتا جاتا ہے اس بشارت کا مصداق بنتا جاتا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِی جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ } بے شک پرہیزگار باغوں اور نہر میں ہیں، سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے کے حضور (یعنی اس کی بارگاہ کے مقرّب ہیں)

صحابۂ کرام حضوری و ذکرِ الٰہی اور حُبِّ رسالت پناہی کے پیکر تھے اس لیے اُن کے خوف و خشیّت کا بیان جابجا قرآن حکیم میں موجود ہے۔ یہی وہ پیمانہ و میزان اور معیار ہے جس سے قیامت تک کے صاحبِ روحانیت کے روحانی مقام کو جانا پہچانا جا سکتا ہے۔ ساتویں پارہ کی ابتدائی آیت تلاوت کیجیے

واذا سمعوا ما اُنزلَ الی الرَّسولِ تریٰ اَعْیُنَھُم تفیضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمّا عَرَفوا مِنَ الحقِّ یقولون ربّنا اٰمنّا فاکتُبنا مَعَ الشّٰھدِیْن

اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اُترا (یعنی قرآن شریف) تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں اس لیے کہ وہ حق کو پہچان گئے کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے۔

اور یہ ان کی رقّتِ قلب کا بیان ہے کہ قرآن کریم کے دل میں اثر کرنے والے مضامین سُن کر رو پڑتے ہیں۔ چنانچہ نجاشی بادشاہ کی درخواست پر حضرت جعفر نے اس کے دربار میں سورۂ مریم اور سورہ طٰہٰ کی آیات پڑھ کر سُنائیں تو نجاشی بادشاہ اور اُس کے درباری جن میں اُس کی قوم کے علماء موجود تھے سب زار و قطار رونے لگے۔ اسی طرح نجاشی کی قوم کے ستر آدمی جو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے حضور سے سورۂ یٰسین سُن کر بہت روئے اور کہا اے رب ہم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہم نے اُن کے برحق ہونے کی شہادت دی تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل کر جو روزِ قیامت تمام اُمّتوں کے گواہ ہوں گے۔ (یہ انہیں انجیل سے معلوم ہو چکا تھا)"

اب آپ کا ذوقِ ایمانی ہی صحیح فیصلہ کرے گا کہ قلب کی یہ رقّت، آنکھوں کی یہ گہر افشانیاں کس خشیّتِ ربّانی اور کس سلطانِ عشق کی فرماں روائی کا پتہ دے رہی ہیں۔ یقیناً یہ کسی بلند و بالا رُوحانی مقام و منزل کی آئینہ دار ہیں جو قُربِ حقیقی کی لذّت پا لینے کے بعد ہی میسّر ہوتی ہیں۔

کشتِ نظر کی سیرابی کے لیے سورۂ مومنون کی ایک آیت تلاوت کرنے کا شرف حاصل کیجیے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ
اِنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رَاجِعُوْنَ"

ترجمہ اور تشریح ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

"اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں زکوٰۃ و صدقات یا یہ معنی ہیں کہ اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور اُن کے دل ڈر رہے ہیں یوں کہ اُن کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں تو حضور نے فرمایا کہ اے صدیق کی نور دیدہ ایسا نہیں بلکہ یہ اُن لوگوں کا بیان ہے جو روزے رکھتے ہیں صدقہ دیتے ہیں اور ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں یہ اعمال نامقبول نہ ہو جائیں۔"

محلِّ غور ہے کہ یہ حضرات عبادت کے باوجود اس قدر لرزاں ترساں ہیں آخر کیوں؟ یہ اس لیے کہ مقامِ قُرب و مرتبۂ حضوری کا تقاضا بھی ہے۔ یہ اُن کی پاکیزگیٔ رُوح کی علامت ہے اس کے برعکس ہم سیہ کاروں عصیاں شعاروں کا حال یہ ہے کہ دن رات بدی کرتے ہیں اور بے خوف رہتے ہیں یہ بُعد و دُوری و غیبوبت کا اثر ہے۔

سورۂ زمر شریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔

یہاں بھی ترجمہ و تشریح ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ کریں۔

"اللہ تعالیٰ نے اُتاری سب سے اچھی کتاب قرآن شریف جو عبارت میں ایسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ کوئی کلام اس سے کچھ نسبت ہی نہیں رکھ سکتا۔ مضمون نہایت دل پذیر ہے باوجودیکہ نہ نظم ہے نہ شعر، نرالے ہی اسلوب پر ہے اور معنیٰ میں ایسا بلند مرتبہ کہ تمام علوم کا جامع اور معرفتِ الٰہی جیسی عظیم الشان نعمت کا مادہ تھا کہ اوّل سے آخر تک یہ کتاب حُسن و خوبی میں ایک سی ہے۔ دوہرے بیان والی کہ اس میں وعدہ کے ساتھ وعید اور امر کے ساتھ نہی اور اخبار کے ساتھ احکام ہیں۔ اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر اُن کی کھالیں اور دل یادِ خدا کی طرف رغبت میں نرم پڑتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ اولیاء اللہ کی صفت ہے کہ ذکرِ الٰہی سے اُن کے بال کھڑے ہوتے، جسم لرزتے ہیں اور دل چین پاتے ہیں"

مقامِ غور و فکر ہے کہ دلوں اور کھالوں کا نرم پڑ جانا بالوں کا کھڑا ہو جانا، جسم کا لرزاں، قلب کا ترساں اور آنکھوں کا گریاں ہونا یہ تمام چیزیں روح کے اعلیٰ مقام کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ آج ہم میں شاذ و نادر ہی ایسے لوگ ہوں گے جن میں قرآن حکیم کو پڑھ کر یا سُن کر یہ کیفیت پیدا ہوتی ہو ایسا محض اس لیے ہے کہ ہماری رُوحیں دُنیاوی آلائشوں سے ملوّث ہیں اور اسفلیت کے پست ترین مقام تک پہونچی ہوئی ہیں۔ الّا ماشاء اللہ

میں نے آپ کے سامنے روحانیت کا ایک معیارِ قرآنی پیش کر دیا، اسی معیارِ قرآنی پر ہر اسلامی دور میں اولیائے کرام، اصفیائے عظام اور ابرارِ انام قافلہ در قافلہ لباسِ روحانیت میں ملبوس نظر آتے ہیں سرزمین ہند میں اُن ذوات قدسیہ کا کارواں مسلمانی حکومت میں اور اُس کے بعد بھی

دعوتِ فکر و عمل دیتا نظر آتا ہے۔ ان حضرات کی روحانی خدمتیں روزِ روشن کی طرح آشکارا ہیں تفصیل کا موقعہ نہیں بلکہ مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اسی پاکباز جماعت کے ایک فردِ کامل اپنے عہد میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تھے جو میری تمہید عرفانی اور معیارِ قرآنی کے مطابق روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور اُن کی خدماتِ روحانی اظہر من الشمس ہیں ذیل میں چند ایسے اقتباسات آپ کی تصانیف سے درج کیے جاتے ہیں جن سے آپ کے مقامِ روحانیت کی بلندیاں آپ کی روحانی خدمتیں چشمِ بصیرت پر آشکار و ہویدا ہوتی ہیں۔

روحانیت کے نام پر اہلِ تصوّف نے جو غلطیاں کی ہیں اور اُن میں جو خامیاں آگئی ہیں اس کی اِصلاح اعلیٰحضرت نے جس انداز میں فرمائی ہے وہ وہی کر سکتا ہے جو روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔ "فتاویٰ افریقہ" میں اعلیٰحضرت سے ایک سوال کیا گیا کہ بیعت (مرید ہونا) فلاح کے لیے ضروری ہے یا نہیں کیا بیعت کے بغیر بھی فلاح مل سکتی ہے یا نہیں؟ اس ضمن میں ایک تفصیلی بحث کی گئی ہے اور اعلیٰحضرت نے ہر گوشہ کو واضح کیا ہے۔ فلاح کس کو کہتے ہیں اور اس کی کتنی صورتیں ہیں اس پر قلم اُٹھاتے ہوئے اِس طرح رقم طراز ہیں۔

(فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۲۸) "اوّل فلاحِ ظاہر۔ حاشا اس سے وہ مراد نہیں کہ نِرے ظاہر داروں کو مطلوب۔ جن کی نظر صرف اعمالِ جوارح پر مقصود۔ ظاہر احکامِ شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزّہ کر لیا اور متقی و مفلح بن گیے اگرچہ باطن ریا و عُجب وحسد وکینہ و تکبّر و حُبِّ جاہ و حبِ مدح و محبتِ دُنیا و طلبِ شہرت و تعظیم امراء و تحقیرِ مساکین و اتباعِ شہوات و مداہنت و کفرانِ نعم، و حرص و بُخل، و طولِ امل، و سوئے ظن و عنادِ حق و اصرارِ باطل و مکر و غدر و خیانت و غفلت و قسوت و طمع و تملّق و اعتمادِ خلق و نسیانِ خالق و نسیانِ موت و جرأت علی اللہ و نفاق و اتباعِ شیطان، و بندگیٔ نفس و رغبتِ بطالت، و کراہتِ عمل و قلتِ خشیّت و جزع و عدمِ خشوع و غضب للنفس و تساہل فی اللہ وغیرہا مہلکات آفات سے گندہ رہا ہو جیسے مزبلہ پر زربفت کا خیمہ اوپر زینت و اندر نجاست پھر کیا یہ باطنی خباثتیں ظاہری صلاح پر قایم رہنے دیں گی۔ حاشا معاملہ پڑنے دیجیے کون سی ناگفتنی ہے کہ نہ کہیں گے۔ کون سی ناکردنی ہے کہ اُٹھا رکھیں گے اور پھر بدستور صالح عوام کی کیا گنتی آج کل بہت علمائے ظاہر اگر متقی ہیں بھی تو اسی قسم کے۔ اِلاَّ مَنْ شَاءَ اللّٰہُ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ۔"

اعلیٰحضرت نے جن چالیس عیوب و نقایص کا ذکر فرمایا ہے اور جن سے بچنا فلاحِ ظاہر کے لیے لازمی قرار دیا ہے ان سے وہی شخص بچ سکتا ہے جو حسب مراتب قُربِ الٰہی و حُبِّ سرکارِ دوعالم سے تعلّقِ خاص رکھتا ہو اور اِن عیوب کی نشان دہی وہی کر سکتا ہے جو مقامِ رُوحانیت سے بہترین واقفیت رکھتا ہو، جس کا قلب خوفِ الٰہی اور خشیّتِ ربانی سے لرزاں و ترساں ہو۔

پیر بننے کے لیے علم کی شدید ضرورت ہے اس ضمن میں بحث کرتے ہوئے "فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۳۲" پر اس طرح تحریر فرماتے ہیں

" (پیر بننے کی تیسری شرط) عالم ہو اَقُولُ علمِ فقہ اس کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقایدِ اہلِ سُنّت سے پورا واقف، کفر و اسلام و ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو ورنہ آج بد مذہب نہیں کل ہو جائے گا فَمَنْ لَّمْ یُعْرَفِ الشَّرَّ فَیُوْمًا یَقَعُ فِیْہِ صدہا کلمات و حرکات ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے اور جاہل براہِ جہالت ان میں پڑ جاتے ہیں اوّل تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ اُن سے قول یا فعلِ کفر صادر ہوا اور بے اِطّلاع توبہ ناممکن تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سَلِیمُ الطَّبع جاہل ڈر بھی جائے تو بہ بھی کر لے مگر وہ جو سجّادۂ مشیخت پر ہادی و مُرشد بنے بیٹھے ہیں اُن کی عظمت کہ خود اُن کے قلوب میں ہے کب قبول کرنے دے وَاِذَا قِیْلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتْہُ الْعِزَّۃُ بِالْاِثْمِ۔"

اَعلیٰحضرت کی یہ واضح ہدایت اور بے لاگ روحانی تحریر جہاں آج کل کے جاہل اور بے عمل پیروں کے ضمیروں کو جھنجھوڑ رہی ہے وہیں عام مسلمانوں کی صحیح رہبری بھی کر رہی ہے ساتھ ہی مقامِ اعلیٰحضرت کی نشان دہی بھی کر رہی ہے مزید وضاحت کرتے ہوئے "فتاویٰ افریقہ" ہی میں صفحہ ۱۳۹ پر علم و یقین کی روشنی میں روحانی اور ایمانی فیصلہ اس طرح فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

" فلاحِ تقویٰ اقولُ اس کے لیے مرشدِ خاص کی ضرورت بایں معنیٰ نہیں کہ بے اس کے یہ فلاح مل ہی نہ سکے جیسا کہ اوپر گزرا۔ فلاحِ ظاہر ہے اس کے احکام واضح ہیں۔ آدمی اپنے علم سے یا علماء سے پوچھ کر مُتقی بن سکتا ہے۔ اعمالِ قلب میں اگرچہ بعض دقایق ہیں مگر محدود دادر کُتبِ ائمّہ مثل امام ابوطالب مکّی و امام حُجّۃ الاسلام غزالی وغیرہما میں مشروح تو بے بیعتِ خاص بھی اس کی راہ کُشادہ اور اس کا دروازہ مفتوح یہ جبکہ اسی قدر پر اقتصار کرے تو ہم اوپر بیان کر آئے کہ غیر مُتّقی سُنّی بھی بے پیرا نہیں۔ مُتّقی کیونکر بے پیرا یا معاذ اللہ مُرید شیطان ہو سکتا ہے اگرچہ کسی خاص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو کہ یہ جس راہ میں ہے اُس میں مُرشدِ عام کے سوا مُرشدِ خاص کی ضرورت ہی نہیں تو جتنا پیر اُسے درکار ہے حاصل ہے۔

تو اولیاء کا قول دوم کہ جس کے لئے شیخ نہیں اُس کا شیخ شیطان ہے اس سے متعلق نہیں ہو سکتا اور قول اوّل کہ بے پیر افلاح نہیں پاتا تو یہ بداہۃً اس پر صادق نہیں۔ فلاحِ تقویٰ بلاشبہ فلاح ہے اگرچہ فلاحِ احسان اس سے اعظم واجل ہے۔ اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے۔ اِن تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم و ندخلکم مدخلا کریما۔ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچے تو ہم تمہاری بُرائیاں مٹادیں گے اور تمہیں عزّت والے مکان میں داخل فرمائیں گے۔ ... قرنفا ...

... کی خدمت امام اہل سُنّت مجدّد دین وملت معروض کہ آج میں جس وقت آپ سے رخصت ہوا اور واسطے نماز مغرب کے مسجد میں گیا بعد نماز مغرب کے ایک میرے دوست نے کہا چلو ایک جگہ عُرس ہے میں چلا گیا وہاں جاکر کیا دیکھتا ہوں۔ بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوّالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے کہ ایک ڈھول اور دو سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوّال پیرانِ پیر دستگیر کی شان میں اشعار کہہ رہے ہیں اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہ کی شان میں اشعار گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں کیا اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہوں گے اور یہ حاضرینِ جلسہ گناہ گار ہوے یا نہیں اور ایسی قوّالی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو کس طرح کی۔ بیّنوا وتوجروا۔

الجواب

ایسی قوّالی حرام ہے۔ حاضرین سب گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عُرس کرنے والوں اور قوّالوں پر ہے۔ اور قوّالوں کا بھی گناہ اس عُرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عُرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمّے حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو۔ نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پُورا گناہ اور قوّالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جُدا۔ اور ایسا عُرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوّالوں کے برابر جُدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ وجہ یہ کہ حاضرین کو عُرس کرنے والے نے بلایا۔ اُن کے لیے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوّالوں نے انہیں سُنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول سارنگی نہ سُناتے حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے اِس لیے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہُوا۔ پھر قوّالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عُرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے لہٰذا قوّالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ہوا۔

... ۳۴ میں فرماتے ہیں۔ بعض جہّال بدمست یا نیم مُلّا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادہ بدست احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے متشابہ پیش کرتے ہیں انھیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف متعین کے آگے محتمل محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں قول کہاں حکایتِ فعل پھر کجا مُحرِّم کجا مبیح ہر طرح واجب العمل اسی کو ترجیح مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے۔ کاش گناہ کرتے اور گُناہ جانتے، اِقرار لاتے یہ ڈِھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں اور اپنے لیے حرام کو حلال بنالیں پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبانِ خدا اکابر سلسلۂ عالیہ چشت قُدِّست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں حالانکہ خود حضور محبوبِ الٰہی سیّدی و مولائی نظام الحق والدّین سلطانُ الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم وعنّا بہم فوایدالفواد شریف میں فرماتے ہیں "مزامیر حرام است" الخ

زیارتِ قبور، ایصالِ ثواب، فاتحہ اور عُرس کے جواز اور استحسان میں قطعی کلام نہیں لیکن خلافِ شرع امور کا ان میں داخل کر لینا کس قدر معصیت کا سبب ہے اس پر اہلِ نظر کی توجّہ لازمی ہے۔ اعلٰحضرت نے قبروں کا سجدہ بالکل ہی حرام فرمایا جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۲۱۳ سے واضح ہے اس کے علاوہ الملفوظ جلد دویم صفحہ ۱۰۶ میں عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت

خصوصًا اجمیر شریف جانے کے ارادہ سے اجمیر پہونچنے پھر واپس ہونے تک
جس انداز میں ممانعت فرمائی ہے وہ اعلیٰحضرت ہی کا حصّہ ہے۔ سوال ہے کہ
"حضور اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کو جانا جائز ہے یا نہیں؟"
جواب دیتے ہیں "غنیہ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے یا
نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے
اور کس قدر صاحبِ قبر کی جانب سے۔ جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے
لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملایکہ لعنت کرتے
رہتے ہیں سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں
وہاں کی حاضری البتہ سُنّتِ جلیلہ عظیمہ قریب بہ واجبات ہے۔"

آخر میں اعلیٰحضرت مزارات کی زیارت کے سلسلہ میں عورتوں
کے لیے یہ فیصلہ فرماتے ہیں "لہٰذا اُن کے لیے طریقۂ اسلم احتراز ہی ہے" اس
ضمن میں اعلیٰحضرت کا ایک اور فتویٰ مُلاحظہ فرمائیں فتاویٰ رضویہ جلد
چہارم صفحہ ۱۶۵ مسئلہ نمبر ۱۳۵ پیش نظر ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کے واسطے
زیارتِ قبور درست ہے یا نہیں

(الجواب) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں
لَعَنَ اللّٰہُ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ (قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں
پر اللہ کی لعنت ہے) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کُنْتُ نَهَیْتُکُمْ
عَنْ زِیَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا (میں نے تمہیں قبروں کی زیارت
سے روکا تھا آگاہ ہو جاؤ اب تم لوگ قبروں کی زیارت کرو) علماء کو
اختلاف ہوا کہ آیا اس اجازت بعد النہی میں عورات بھی داخل ہوئیں یا
نہیں اصح یہ ہے کہ داخل ہیں کمافی البحر الرائق مگر جوانیں ممنوع ہیں جیسے مساجد
سے اور اگر تجدیدِ حزن مقصود ہو تو مطلقًا حرام۔ اقول۔ قبور اقربا پر خصوصًا
بحال قرب عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزاراتِ اولیائے
کرام پر حاضری میں احدی الشناعتین (فتنہ میں مبتلا ہونا یا تجدید حزن) کا
اندیشہ یا ترکِ ادب یا ادب میں افراط ناجائز تو سبیلِ اطلاق منع ہے
لہٰذا غنیہ میں کراہت پر جزم فرمایا البتہ حاضری و خاکبوسی آستانِ عرش
نشان سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظم مندوبات بلکہ قریب
واجبات ہے اس سے نہ روکیں گے اور تعدیلِ آداب سکھائیں گے
واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۸ سے مسئلہ ۵ ملاحظہ کیجئے جو
مزارات اولیاء کے سلسلہ میں ایک قابلِ غور اور لائقِ عبرت فتویٰ ہے۔

(سوال) پیر مرشد کے مزار کا طواف کرنا اور مزار اور
مزار کی چوکھٹ کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا اور مزار سے اُلٹے
پاؤں پیچھے ہٹ کے ہاتھ باندھے ہوئے واپس آنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) مزار کا طواف کہ محض بہ نیّت تعظیم کیا جائے
ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بہ خانۂ کعبہ ہے مزار کو بوسہ نہ دینا
چاہیے علماء اس میں مختلف ہیں اور بہتر بچنا اور اسی میں ادب زیادہ ہے
آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے
شریعت میں ممانعت نہ آئی اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں
ہو سکتی قال اللّٰہ تعالیٰ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ (حکم نہیں ہے مگر
اللہ ہی کا) ہاتھ باندھے اُلٹے پاؤں واپس آنا ایک طرزِ ادب ہے اور جس
ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں ہاں اگر اس میں اپنی یا
دوسرے کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے واللہ تعالیٰ اعلم

اعلیٰحضرت کی تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ بات بالکل
واضح اور آشکارا ہو جاتی ہے کہ منہاجِ شریعت اور منوالِ سُنّت سے
کہیں بھی یک سرِ مو فرق نہیں آنے دیا۔ اس بات کا مکمل خیال رکھا ہے کہ
جائز کو جائز اور ناجائز کو ناجائز کہا جائے۔ جو شے مُباح ہے اس کو بلاوجہ
ناجائز کہنے والوں پر سخت سرزنش فرمائی ہے اسی طرح غیر شرعی امور کو
داخلِ عمل کرنے والوں پر اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ اگر کسی نے
فاتحہ کی چیز کو سامنے رکھ کر ہی فاتحہ کرنے کو ضروریات دین میں سے سمجھا کہ اسکے
بغیر فاتحہ درست نہیں تو اس کی تنبیہہ اس طرح فرمائی کہ یہ شریعتِ مطہرہ پر
افترا ہے ایسے شخص کے لیے توبہ لازم ہے۔ ساتھ ہی سامنے رکھنا ناجائز
کہنے والوں پر بھی اپنی خفگی کا اظہار یوں کیا کہ یہ شریعت پر اپنی طرف سے زیادتی
ہے ایسے شخص کے لیے بھی توبہ واجب ہے اس لیے کہ شے سامنے ہو یا سامنے
موجود نہ ہو ہر حال میں فاتحہ درست اور جائز ہے۔ اسی طرح قبروں کے اوپر
عود، لوبان یا چراغ جلانے کی سخت ممانعت فرمائی اس کے علاوہ بے ضرورت
اور بے وجہ چراغ روشن کرنے کو اسراف بے جا کہا لیکن صاحب مزار کی روح
مبارک کی تعظیم کے لیے یا زایرین کی سہولت کے لیے یا قرآن کریم کی تلاوت
کے لیے اگر قبروں سے ہٹ کر روشنی کا نظم کیا جائے تو یہ امر جائز قرار دیا
کیونکہ شریعت میں اس سے ہرگز ممانعت نہیں۔ بلکہ یہ امر پسندیدہ اور بہتر
ہے۔ بلکہ باعثِ خیر و برکات ہے

علیٰ ھٰذا القیاس اس قسم کے سیکڑوں مسایل ہیں جن پر بے خوفی
کے ساتھ عالمانہ محققانہ انداز میں بحث فرمائی اور مومنوں کی صحیح رہنمائی
فرمائی۔ یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ اولیائے کرام اور سرورِ کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عناد رکھنے والے پھر بھی اپنے کو عالم یا مومن

کہنے والے بہت سے فریبی انسان ایسے ہیں جو اصلاحِ قوم کے بہانے امرِ جائز اور مستحسن بلکہ مستحب اور مسنون کو بھی فنا کرنے اور مٹانے کے درپے نظر آتے ہیں اور ان چیزوں کے لیے ناجائز و حرام کا فتویٰ آسانی کے ساتھ دے دیتے ہیں کچھ بھی خدا کا خوف دل میں نہیں لاتے۔ اسی طرح کچھ جاہل صوفی، بے علم پیر اور ناداں حضرات اغراض فاسدہ کی تکمیل اور شکم پُری یا حصولِ زر کی خاطر خلافِ شرع اور ناجائز امور کو بھی عملی طور پر کارِ خیر یا جائز قرار دیتے ہیں، خوفِ الٰہی و حسابِ محشر سے دُور رہ کر اپنی لگن میں مگن نظر آتے ہیں یہ دونوں حضرات غلطی پر ہیں۔ اوّل الذکر حضرات توہینِ رسالت اور اہانتِ ولایت کی بنا پر ایمان سے دُور اور کفر سے قریب تر ہیں بلکہ کفر کا طوق اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہیں۔ آخر الذکر حضرات عصیاں شعار، معصیت کیش اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے بنتے نظر آتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کی درست ہدایت اور ایماندارانہ رہنمائی کا فریضہ اعلیٰحضرت نے قول و فعل و تحریر کے ساتھ جس طرح انجام دیا ہے اُسے آپ کی روحانی خدمات ہی سے تعبیر کیا جائے گا جس کا خلاصہ یہی ہے کہ جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز مت کہو، مباح و مستحسن کو حرام مت کہو اور حرام کو نوالۂ تر بنانے کے لیے حلال قرار مت دو۔ کفر کا ایمان اور ایمان کا شرک نام مت رکھو تصانیفِ اعلیٰحضرت مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ میں نے تو محض اختصار سے کام لیا ہے۔

اعلیٰحضرت کے مقامِ روحانیت کی بلندی کو سمجھنے کے لیے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم رسالہ اَنْوَارُ البِشَارَہ فی مَسَائِلِ الحجّ والزّیارہ صفحہ ۷۲۰ وصلِ ہفتم حاضری سرکارِ اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند طریقۂ آداب ملاحظہ فرمائیں جس کی جانب صحیح رہنمائی وہی کرسکتا ہے جو اپنے عہد میں روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں

(۴) جب حرمِ مدینہ نظر آئے بہتر یہ کہ پیادہ ہو لو روتے، سر جھکاتے آنکھیں نیچی کیے اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ ؎

جائے سر است ایں کہ تو پامی نہی ــــ پائے نہ بینی کہ کجا می نہی
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ــــ ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

(۵) جب قبۂ انور پر نگاہ پڑے درود و سلام کی کثرت کرو۔

(۶) جب شہرِ اقدس تک پہونچو جلال و جمالِ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصوّر میں غرق ہو جاؤ۔

(۱۷) خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ یہ اُن کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بُلایا اپنے مُواجہِ اقدس میں جگہ بخشی۔ ان کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے والحمدُ للہ

(۱۸) الحمدُ للہ اب کہ دل کی طرح تمہارا منہ بھی اُس پاک جالی کی طرف ہے جو اللہ عزّ و جلّ کے محبوب عظیمُ الشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے۔ نہایت ادب و وقار کے ساتھ بہ آوازِ حزیں و صوتِ درد آگیں و دلِ شرمناک و جگر چاک چاک معتدل آواز سے نہ بلند و سخت (کہ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل اکارت ہو جاتے ہیں) نہ نہایت نرم و پست (کہ سُنّت کے خلاف ہے اگرچہ وہ تمہارے دلوں کے خطروں تک سے آگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحاتِ ائمہ سے گذرا)۔

(۳۸) روضۂ انور کا نہ طواف کرو نہ سجدہ نہ اتنا جُھکنا کہ رکوع کے برابر ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اُن کی اطاعت میں ہے۔

مندرجہ بالا ہدایتوں پر غایرانہ نظر ڈالیے اور اپنی فہم و فراست کو جمع کر کے فیصلہ کیجئے ایسی ہدایتیں کیا کوئی عامی شخص یا وہ عالم جو روحانیت سے خالی ہو کبھی سوچ بھی سکتا ہے نہیں اور ہرگز نہیں۔ یہ ارشادات اُسی شخص کے ہو سکتے ہیں جو مقامِ قرب کی منزلوں کو جانے ہوئے سمجھے ہوئے بلکہ دیکھے ہوئے ہو۔ خود وہ شخص اللہ عزّ و جلّ اور رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قُربِ خاص رکھتا ہو اور مقامِ قُرب کے آداب سے پوری طرح واقف ہو، روحانیت کی منزل خصوصی کا علم رکھتا ہو اور مرتبۂ روحانی پر فائز ہو۔

معزز قارئین کرام! میں نے تمہیدی طور پر روحانی قدروں کو واضح کرنے کے بعد اعلیٰحضرت کی روحانی قدروں کا ایک مختصر تذکرہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ عقلمندوں کے لیے اشارہ کافی ہے اور نمونہ کے لیے چند مثالیں بھی بہت ہیں۔ اعلیٰحضرت کی تصانیفِ جلیلہ کے مطالعہ کے بعد ہر صاحبِ علم اس فیصلہ پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آپ اپنے عہد اور دور میں روحانیت کے بلند مقام پر فائز تھے اور آپ کی رُوحانی خدمات روزِ روشن کی طرح واضح و لائح ہیں۔ کاش ہم اُن کے نقشِ قدم اور تعلیمات پر عمل کر کے اپنی آخرت کو تاباں و فروزاں بنا سکیں۔

خالقِ کائنات سے دُعا ہے کہ ابد الآباد تک ان کی رُوحِ مقدّس پر رحمت و عنایت کی بارش نازل فرمائے اور ان کی ہدایتوں کی ضیائے ایمانی میں ہمیں عملِ خیر کی توفیق عطا فرمائے آمین

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْن۔

امام احمد رضا اور

حزم و اتقاء

مولانا محمد عبد المبین نعمانی (فاضل اشرفیہ)

مائۃ حاضرہ کے مجدد اعظم دنیائے اہل سنت کے بطل عظیم اعلیٰحضرت سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کو ایک مجاہد بیکر، مصلح امت، مجدد ملت اور اہل باطل کے لئے باعث قہر و نکبت کی حیثیت سے کون نہیں جانتا؟ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں اصلاح و تجدید دین اور احقاق حق و ابطال باطل کا عنصر جتنا نمایاں ہے دیگر نہیں۔

ایک مصلح و مجدد کو ذاتی طور پر بھی جن محاسن و محامد اور فضائل و مناقب سے آراستہ ہونا چاہیئے۔ امام احمد رضا کی ذات ان میں بھی منفرد و یکتا نظر آتی ہے خصوصاً زہد و تقوی اور حزم و احتیاط کی شمع آپ کی بزم حیات میں اتنی فروزاں ہے کہ دیگر اوصاف سے قطع نظر کرلیا جائے جب بھی آپ کی ولایت و عظمت میں کسی شک و ارتیاب کی گنجائش باقی نہیں رہتی، آیئے چند واقعات و شہادات کی روشنی میں اس حیثیت سے بھی حضرت امام کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مرد حق آگاہ زہد و ورع، تقوی و طہارت اور حزم و احتیاط کے کس بلند مقام پر فائز ہے۔

سب سے پہلے عہد طفولیت کا ایک عبرت انگیز واقعہ ملاحظہ ہو:۔

ابھی تقریباً ساڑھے تین برس کی عمر ہے، ایک بچا کرتا پہنے باہر سے دولت خانہ کی طرف چلے جارہے تھے کہ سامنے سے کچھ بازاری عورتوں (طوائف) کا گزر ہوا۔ ان پر نظر پڑتے ہی ساڑھے تین برس کے امام نے اپنا لمبا کرتا اٹھایا اور دامن سے آنکھیں چھپالیں یہ غیورانہ انداز دیکھ کر ان عورتوں نے تضحیکانہ طور پر کہا۔ ”واہ میاں صاحبزادے! نظر کو ڈھک لی اور ستر کھول دیا“

اس پر اعلیٰحضرت نے برجستہ فرمایا۔ ”پہلے نظر بہکتی ہے۔ تب دل بہکتا ہے اور جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے۔“ اب تو ان سب عورتوں پر سکتہ طاری ہو گیا اور پھر کچھ بولنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

ساڑھے تین برس کی عمر میں فکر و شعور اور عفت و پرہیزگاری کی اس قدر بلندی کم تعجب خیز نہیں۔ آپ نے اس جواب کے اندر شریعت و طریقت کے ایسے پنہاں نکتے منکشف فرما دیئے جن کا ادراک آج بوڑھے ہونے کے بعد بھی مشکل سے ہوتا ہے۔ ۵

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

امام احمد رضا جب وصال یار کی تیاریاں کر رہے تھے، اور قریب تھا کہ اس دار فانی سے رخصت ہو کر سرکار مدینہ کے جمال جہاں آرا کا نظارہ کریں جس کی تڑپ نے کبھی آپ کو ستایا تو یوں نغمہ سنج ہوئے۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

اور حضرت سرکار آسی علیہ الرحمہ نے اسی موقع کی تصویر اسطرح کھینچی ہے

آج پھولے نہ سمائیں گے، کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

اعلیٰحضرت کے برادر زادہ اور تلمیذ و خلیفہ حضرت علامہ مولینا حسنین رضا صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ (مولائے قدیران کے سائے کو ہمارے سروں پر دراز تر فرمائے) وقت وصال موجود تھے، فرماتے ہیں کہ ایک بجکر چھپن منٹ پر اعلیٰحضرت نے فرمایا کہ گھڑی سامنے رکھ دو، گویا کہ پہلے ہی سے وقت معلوم ہے اور اب شدت سے وقت معین کا انتظار ہے۔ اور کیوں نہ واقف ہوں کہ بارگاہ نبوت کے محبوب خاص تھے، ورنہ جانکنی کا وقت اور سامنے گھڑی ہونے کی خواہش چہ معنی دارد؟

پھر فرمایا۔ تصاویر ہٹادو، لوگوں نے سوچا یہاں تصاویر کا کیا کام؟ لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ خود ہی فوراً ارشاد فرمایا۔ ”یہی لفافے، کارڈ، اور روپے پیسے وغیرہ (جس میں تصویریں ہوتی ہیں)

یہاں حضور اعلیٰحضرت قدس سرہ کا احتیاط و تقوی قابل دید ہے کہ حدیث میں ہے ”جس گھر میں تصویر ادرکتا ہوتا ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے“ مگر سکوں کو بوجہ مجبوری اس حکم سے الگ کیا گیا ہے جیسا کہ اکثر علماء عظام کا قول ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت نے اس مبارک و مسعود وقت میں اسے بھی گوارہ نہ کیا اور احتیاط و تقوی کی روح پیش فرمادی۔ اور کلیتاً تصویر کے شائبہ سے بھی اجتناب فرمایا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ٹھٹھا، قہقہہ اور کھل کھلا کر ہنسنے سے اجتناب فرماتے تھے اور تبلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیرا پر عمل پیرا تھے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نماز با جماعت کی شدت سے پابندی فرماتے اور ہمیشہ عمامہ کے ساتھ نماز ادا فرماتے۔ اس لئے کہ حدیث پاک میں عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، اور مسائل نماز میں کمال احتیاط اور آداب کا پورا خیال فرماتے جیسا کہ جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے:۔

ایک مرتبہ ایک صاحب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور ایک کوری ہانڈی جس میں بدایونی پیڑے تھے، پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کیسے تکلیف کیا؟

نووارد:۔ حضور سلام کے لئے حاضر ہو گیا ہوں۔

امام صاحب:۔ (تھوڑی دیر خاموشی اختیار فرمائی اور پھر دریافت کیا) کہئے کوئی کام؟

نووارد:۔ کچھ نہیں یونہی مزاج پرسی کے لئے حاضر بارگاہ ہو گیا ہوں۔

امام صاحب:۔ عنایت و نوازش (قدرے سکوت کے بعد پھر فرمایا) کیا کچھ فرمائیے گا؟

نووارد:۔ کچھ نہیں۔

اس کے بعد امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے وہ شیرینی کی ہانڈی مکان میں بھجوا دی اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد ان صاحب نے ایک تعویز کی درخواست کی۔ اس پر امام احمد رضا کا انداز بدل گیا اور فرمایا۔ میں نے تو پہلے ہی تین بار دریافت کیا مگر آپ نے کچھ نہ بتایا، اچھا تشریف رکھئے۔

اس کے بعد امام احمد رضا نے اپنے بھانجے علی احمد خاں کے پاس سے جو کہ تعویذ بانٹتے تھے ایک تعویذ منگا کر ان صاحب کو دیا اور ساتھ ہی مٹھائی کی وہ ہانڈی بھی گھر میں سے منگا کر واپس فرما دیا، کہ اس کو بھی ساتھ لیتے جائیے۔ انھوں نے بہت اصرار کیا کہ حضور اس کو قبول کرلیں۔ مگر امام احمد رضا نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ ہمارے یہاں تعویذ بکتا نہیں ہے۔ آخر کار وہ صاحب اپنی شیرینی واپس لیتے گئے۔

کھانے کے معاملے میں بھی امام احمد رضا بڑے محتاط واقع ہوئے تھے اور آپ کا کھانا اس کے مصداق تھا کہ "خوردن برائے زیستن نہ زیستن برائے خوردن است" یعنی کھانا صرف جینے کے لئے ہے نہ کہ جینا ہی کھانے کے لئے ہے۔

چنانچہ امام احمد رضا کی غذا عام طور پر زیادہ سے زیادہ ایک چھوٹی پیالی بکری کا شوربا وہ بھی بغیر مرچ کا، اور ایک یا ڈیڑھ سوجی کا بسکٹ اور کبھی چکی کے پسے ہوئے آٹے کی چند چپاتی۔ بلکہ کبھی تو اس میں بھی ناغہ ہو جاتا۔ اور رمضان المبارک میں افطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے اور سحری کے وقت صرف ایک چھوٹے پیالے میں فیرنی اور چٹنی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد رضا کو آشوب چشم کی شکایت ہو گئی۔ اس دوران متعدد بار ایسا ہوا کہ امام احمد رضا نے کبھی قبل نماز کبھی بعد نماز مجھ کو پاس بلایا اور کہا کہ سید صاحب، دیکھئے حلقۂ چشم سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔ اس لئے کہ دکھتی آنکھ سے جو پانی نکلتا ہے وہ ناقص وضو ہے۔ مگر اس میں اس قدر احتیاط کہ دوسرے کو آنکھ دکھا کر کیفیت دریافت کرنا۔ امام احمد رضا ہی مقام احتیاط ہے۔ اس لئے کہ شرعاً کوئی اتنے اہتمام کا مکلف نہیں۔

ایک مرتبہ آپ کو مٹی کے تیل کی ضرورت درپیش ہوئی، تو جہانگیر خاں رضوی تیل فروش سے فرمایا کہ مجھ کو ایک پیپا مٹی کے تیل کی حاجت ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد جہانگیر صاحب نے ایک پیپا مٹی کا تیل لاکر حاضر کر دیا۔ امام احمد رضا نے دریافت فرمایا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ تو عرض کیا حضور! ویسے تو اس کی قیمت اتنی ہے مگر آپ کم کر کے اتنی عنایت فرما دیں۔ اس پر امام احمد رضا نے فرمایا نہیں جو قیمت عوام سے لیتے ہو وہی مجھ سے بھی لو۔ اس پر انھوں نے عرض کیا۔ حضور! آپ میرے بزرگ ہیں عالم ہیں آپ سے بھلا عام بھاؤ کیسے لوں۔ اس پر امام احمد رضا نے فرمایا میں علم نہیں بیچتا اور پھر وہی عام قیمت عنایت فرمائی

ایک مرتبہ شام کے وقت حسب معمول پان میں تاخیر ہو گئی۔ دیر میں ایک بچہ پان لیکر حاضر خدمت ہوا۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور تقریباً مغرب کے بعد دو گھنٹے ہو چکے تھے، اور یہ گزر چکا کہ امام احمد رضا افطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے تھے' لانے والے بچے سے فرمایا۔

"اتنی دیر میں لایا اور اس کو ایک چپت بھی رسید کر دی"

واقعہ تو گزر گیا مگر امام احمد رضا نے بعد میں سوچا کہ میں نے غلطی کی اس بچے کو ایک چپت رسید کر دیا، لہٰذا رہا نہ گیا اور سحری کے وقت اسی بچہ کو بلوایا اور فرمایا کہ شام میں نے چپت ماردی تھی حالانکہ قصور تمہارا نہیں بھیجنے والے کا تھا۔ لہٰذا اب اس غلطی کا تدارک اس طرح ہوگا کہ تم بھی میرے سر پر چپت مار دو۔ اور سر سے ٹوپی اتار کر اصرار فرمایا۔ حاضرین یہ تماشا دیکھ کر مضطرب و پریشان ہو گئے۔ بچہ بھی عالم حیرت میں مبتلا ہو گیا اور عرض کیا حضور میں نے معاف کیا۔ اس پر امام احمد رضا نے فرمایا۔ تم نابالغ تمھیں معاف کرنے کا کیا حق؟ تم چپت مارو، مگر وہ نہ مار سکا۔ اس کے بعد اپنا بکس منگا کر اس سے مٹھی بھر پیسے نکالے اور فرمایا میں تم کو یہ اتنے پیسے دوں گا تم چپت مار دو، مگر وہ بچہ کہتا رہا حضور میں نے معاف کیا۔ آخر کار جب امام احمد رضا نے یہ دیکھا کہ یہ بدلہ نہیں لے پا رہا ہے تو خود اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر مبارک پر بہت سی چپتیں لگائیں اور پھر اس بچے کو پیسے دیکر رخصت فرمایا۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اپنے تمام افعال و اعمال میں سنت تیامن (یعنی داہنے سے شروع کرنا) کا بہت خیال فرماتے۔ سوائے ان افعال میں جن میں شرعاً ممانعت وارد ہے جیسے استنجا کرنے یا ناک صاف کرنے وغیرہ افعال۔

قبلہ کا بھی بہت احترام فرماتے کبھی قبلہ کی طرف نہ تھوکتے اور نہ پاؤں پھیلاتے یہاں تک کہ کبھی قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے مسجد سے واپس نہیں ہوئے۔ ہمیشہ قبلہ کی طرف

منذکر کے مسجد سے نکلتے، کبھی اگر وظائف و اوراد میں مشغول ہو کر شمالاً و جنوباً ٹہلتے تو لوٹتے وقت وسطی در سے قبلہ رُو ہو کر ہی نکلتے ایسا نہیں کہ کنارے کی کسی در سے تشریف لاتے۔

ستر عورت کے بارے میں بھی بہت محتاط تھے، یہاں تک کہ اگر کسی گھٹنا کھلا ہوتا تو اس کی طرف نظر تک نہیں فرماتے۔ ایک مرتبہ چند فوجی نیکر پہنے حاضر ہوئے۔ امام احمد رضا نے ان کی طرف نگاہ نہ فرمائی اور فوراً ایک کپڑا ان کے زانو پر ڈالنے کے لئے دیا پھر ان کی طرف نگاہ کی اور صرف حسب ضرورت بات کی۔

سادات کرام کے بارے میں تو امام احمد رضا رضی اللہ عنہ کے واقعات بڑے ہی حیرت انگیز اور رقت آمیز ہیں۔ آپ ان سے بے پناہ محبت فرماتے اور نہایت ہی احترام و ادب کے ساتھ پیش آتے۔ تفصیلی واقعات تو سوانح کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ سر دست میں یہاں ان کے بارے میں امام احمد رضا کا ایک نہایت ہی باریک اور زبردست احتیاط پیش کر رہا ہوں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ اگر قاضی کسی سید کو حد لگائے تو یہ نہ خیال ہو کہ میں سزا دے رہا ہوں بلکہ تصور یہ ہو کہ محترم شاہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گیا ہے اسے دھو رہا ہوں۔

جناب مولوی محمد حسین صاحب میرٹھی کا بیان ہے کہ امام احمد رضا نماز میں اس قدر احتیاط اور جزئیات مسائل کا ایسا اہتمام فرماتے کہ عام تو عام، اکثر علما، اس پر عمل کرنا تو در کنار اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ ایک سال امام احمد رضا کی مسجد میں بیس رمضان المبارک سے میں معتکف ہوا۔ جب چھبیس[۲۶] رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو امام احمد رضا نے بھی اعتکاف فرمالیا۔ قبل اعتکاف ایک دن کا واقعہ ہے کہ عصر کے وقت حضور امام احمد رضا تشریف لاتے اور نماز پڑھا کر تشریف لے گئے۔ میں مسجد کے اندر کونے میں چلا گیا تھوڑی دیر میں ایک صاحب آئے اور مجھ سے کہنے لگے آپ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے؟ میں نے کہا کہ ابھی حضور کے پیچھے پڑھی ہے، تو ان صاحب نے تعجب سے کہا کہ حضور تو اب پڑھ رہے ہیں۔ میں نے بھی سنا تو نہایت تعجب کیا اور یقین نہ ہوا۔ اس لئے کہ نماز عصر کے بعد کوئی نماز داخل نہیں اور امام احمد رضا نے ہم لوگوں کے سامنے نماز پڑھی اور پڑھائی ہے اور ابھی مغرب کا وقت نہیں۔ پھر اگر کوئی غلطی ہو گئی ہوتی تو سب کو اعادہ کا حکم فرماتے، غرض مجھ کو بڑی حیرت ہوئی۔ انھوں نے پھر کہا دیکھ لیجئے پڑھ رہے ہیں تب میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو واقعی نماز پڑھ رہے تھے، منتظر کھڑا رہا جب سلام پھیرا تو میں نے عرض کیا۔ حضور میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ابھی نماز پڑھائی ہے اور پھر پڑھ رہے ہیں۔ نوافل کا بھی اس وقت سوال نہیں۔ تو امام احمد رضا نے ارشاد فرمایا کہ قعدہ اخیرہ میں بعد تشہد حرکت نفس سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا۔ چونکہ نماز تشہد پر ختم ہو جاتی ہے اس وجہ سے آپ لوگوں سے نہیں کہا۔ اور گھر میں جا کر بند درست کرا کر اپنی نماز احتیاطاً پھر سے پڑھ لی۔

یہ ایسا واقعہ ہے کہ اکثر لوگ اس کی سمجھ سے بھی قاصر ہیں ایک بزرگ نے مجھ سے اس واقعہ کو سنکر اس کی بہت قدر کی۔ یہ بزرگ پیر عبد الحمید شاہ صاحب بغدادی ہیں بڑودہ میں تشریف لائے تھے اور جامع مسجد میں ایک روز نماز مغرب پڑھائی میں نے ان کے جیسا اثر و لطف کبھی قرآن کی تلاوت میں نہیں محسوس کیا۔ بعد نماز میں نے معلوم کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں تو ان کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی۔ پھر میں ان کی قیام گاہ پر گیا۔ اعجاز قرآن کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایران گیا۔ وہاں آتش پرستوں کا ایک آتشکدہ بہت پرانا تھا۔ وہاں پر آتش پرستوں سے مناظرہ کے لئے لوگوں نے میرا انتخاب کیا تو میں نے کہا یہ لوگ جسے پوجتے ہیں اسی سے پوچھ لو یعنی آتشکدہ میں جا کر آگ سے پوچھ لو کہ وہ کس کی رعایت کرتی ہے۔ لوگوں نے اسے محض دھمکا نا سمجھا اور میرا نام اور وہاں کے پجاری کا نام مقرر کر کے ایک معین تاریخ کو مناظرہ کا اعلان کر دیا۔ وقت مقررہ پر تمام لوگ شہر کے جمع ہو گئے تو میں نے اس پجاری سے کہا کہ اب چلئے وہ گھبرایا اور رک گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں بھی رک گیا تو لوگ واقعی دھمکی تصور کریں گے اس لئے اکیلا ہی اس آتش کدہ میں چلا گیا اور پورے بیس منٹ تک آگ میں کھڑا رہا۔ اس کے بعد نکل آیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے آتش پرست مسلمان ہو گئے اور آتش پرستی سے توبہ کر لی۔

اب میں نے اپنی ضعف ایمانی کی وجہ سے ان بزرگ سے پوچھا کہ آپ کیسے آگ میں چلے گئے۔ فرمایا، قرآن مجید لیکر اور یہ سمجھ کر کہ جب ہم کو قرآن نار جہنم سے بچائے گا تو اس معمولی آگ سے کیوں نہ بچائے گا۔ یہ واقعہ اس لئے ذکر کر دیا تاکہ ناظرین ان بزرگ کی فضیلت اور قوت ایمانی کا اندازہ لگا سکیں۔

ان بزرگ کو جب میں نے امام احمد رضا کی اس عصر کی نماز کا واقعہ سنایا پھر دوسرے دن ملاقات کی تو فرمایا کہ آج تمام رات گریہ و زاری میں گزری ساری رات میں یہی کہتا رہ گیا کہ خداوندا! تیرے ایسے بندے بھی ابھی روئے زمین پر ہیں جو اس درجہ احتیاط سے فریضہ نماز ادا کرتے ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرنگیت اور تکبرانہ انداز کے اختیار کرنے سے بھی بہت پرہیز فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں تشریف لیجا رہے تھے، ٹرین میں کچھ دیر تھی۔ اسٹیشن پر ویٹنگ روم سے کرسی لائی گئی۔ آپ نے فرمایا یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے پھر اظہار تنفر کرتے ہوئے ضرورتاً اس پر بیٹھے مگر اس کے تکیہ سے پشت مبارک نہیں لگائی۔

ایک مرتبہ آپ پیلی بھیت شریف میں ایک شاہ صاحب سے ملنے گئے، وہ پیری مریدی کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے جب امام احمد رضا وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شاہ صاحب عورتوں کو بے حجابانہ بیعت کر رہے ہیں۔ یہ خلاف شرع حرکت دیکھ کر آپ کی غیرت دینی نے گوارہ نہ کیا کہ ان سے ملیں۔ اور بغیر ملاقات کئے ہوئے ہی واپس چلے آئے جب شاہ صاحب کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انتہائی افسوس کا اظہار کیا اور آئندہ سے احتیاط کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد امام احمد رضا ان سے ملے اور مصافحہ و معانقہ کیا۔ غالباً معانقہ اس خوشی میں کیا کہ شاہ صاحب نے ایک معصیت سے اجتناب کرنے کا وعدہ کر لیا ہے اور یقیناً یہ ایک مومن کے لئے خوشی کی بات ہے۔ (باقی صفحہ ۲۳۷ پر)

چشم و چراغِ خاندانِ برکاتیہ

صاحبزادہ حضرت سیّد آل رسول حسنین قادری برکاتی ایم، اے
خلف و جانشین حضور سیّد العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان۔

خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا مشرقی حصّہ، جامع مسجد برکاتی کے مقابل نیچی دیواروں کا ایک مکان، جس میں انار کا درخت لگا ہے۔ مکان کے مغرب میں صدر دروازے کے بائیں طرف ایک چھوٹا سا حجرہ جس میں پتھر کی چوکھٹ لگی ہوئی ہے۔ یہ قطب العارفین شمس الدین ابوالفضل حضرت سیّد شاہ آل احمد اچھے میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان سجادگی ہے۔ پتھر کی چوکھٹ والے حجرے میں ایک منقش چوبی تخت بچھا ہوا ہے۔ یہی وہ تخت ہے جہاں سے ایک عالم جھولی بھر بھر کر برکتیں لے جا رہا ہے۔

آج اس تخت پر قدوۃ العارفین خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونق افروز ہیں۔ سامنے بریلی شریف کے معزز و مقدس گھرانے کے ایک ممتاز رکن تشریف فرما ہیں۔ اسم گرامی محمد احمد رضا خاں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ہے۔ سلسلۂ عالیہ میں شامل ہونے کی تمنّا لے کر آئے ہیں۔ حضرت خاتم الاکابر قدس سرہٗ ایک ہی نظر میں نوجوان صاحبزادے کی عالی ظرفی، بلند اقبال اور روحانی استطاعت و استعداد پہچان لیتے ہیں۔ ہاتھوں میں ہاتھ لے لیتے ہیں۔ قطرہ سمندر سے جا ملتا ہے اور ایسا ملتا ہے کہ خود بحرِ بیکراں بن جاتا ہے۔ رسمِ بیعت اختتام پذیر ہوتی ہے۔ مرشد کی روحانی توجہ سے سرشار مرید حجرے سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ خدّامِ خانقاہ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ بے اختیار اسم جلالت "اللہ، اللہ" پکار اٹھتے ہیں۔ اس خانوادے کی روایت کے مطابق اسم جلالت صرف اُسی وقت بلند کیا جاتا ہے جب صاحبِ سجادہ اپنے حجرۂ سجادگی سے برآمد ہوتا ہے۔ آج خادموں کو یہ کیا سوجھی؟ حضرت خاتم الاکابر تو اب بھی اپنی جگہ تشریف فرما ہیں۔ حجرے سے باہر آنے والے تو محمد احمد رضا ہیں۔ پھر آج خاندانی روایت میں یہ فرق کیسا؟ لیکن خادموں کا کبھی کوئی قصور نہیں۔ اُن کی نظریں اس وقت احمد رضا کو نہیں، خاتم الاکابر شاہ آل رسول کو دیکھ رہی ہیں۔ سبحان اللہ! کیا طالب اور کیا مطلوب! تصرف ہو تو ایسا، ایک نظر میں اپنا جیسا بنا دیا۔ حجرۂ شریف میں داخل ہوتے تھے احمد رضا اور جب باہر تشریف لائے تو واقفِ رموز جلیہ و خفیہ، کاشف غوامص علمیہ، حلّال مشکلات ہر علم و فن، علّامۂ زمن، مرجع العلماء، محی الملّت والدّین...

شیخ الاسلام والمسلمین، امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکۃ، مجدد اعظم دین و ملت بن چکے تھے۔

مرشد روشن ضمیر نے اپنے پیارے مرید کی پیشانی پر دستِ قدرت کی لکھی روشن تحریریں پڑھ لی ہیں۔ بریلی کے مقدس گھرانے کا یہ فرد آگے چل کر اس صدی کا مجدد بنے گا۔ حضور غوث اعظم پیرانِ پیر دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نائب اور رسول مکرم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا وارث ہوگا۔ اس کا سینہ انوار و معارف و علوم و حقائق لدنیہ کا خزینہ بنایا جائے گا۔ جس کا ظرف اتنا عالی ہے اس کے لئے عطا میں کیوں کمی کی جائے۔ دینے والے مجسم عطا، لینے والے سراپا رضا، سونا تو پہلے ہی تھے، طریقت کی آنچ لگی تو کندن ہوگئے۔

سلام اس پر کہ جسے حرمین محترمین کے مفتیان کرام و ائمہ حرمین عظام و جمیع علماء اسلام نے عالم، علّامۂ کامل، استاذ ماہر، مجاہد، معزز، باریکیوں کا خزانہ، محفوظ، برگزیدہ گنجینۂ علوم کے مشکلاتِ ظاہر و باطن کا کھولنے والا، دریائے فضائل، علمائے عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک، امام، پیشوا، روشن ستارہ، اعدائے اسلام کے لئے تیغ برّاں، استاذ معظم، دریائے ذخار، بسیار فضل، دلیر، بلند ہمت، ذہین، دانش مند، بحر ناپید کنار، شرف و عزّت والا، صاحب ذکاء، ستھرا، کثیر الفہم، یکتائے زمانہ، اپنے وقت کا یگانہ، اس صدی کا مجدد، زبردست عالم، عظیم الفہم جن کی فضیلتیں وافر، بڑائیاں ظاہر علم کا کوہِ بلند، زبان والا، حاوی جمیع علوم، وارث نبی، مایۂ افتخار علماء، مرکز دائرہ علوم حامی شریعت، فخر اکابر، آفتاب معرفت، کریم النفس، عالم باعمل، عالی ہمم، نادرِ روزگار خلاصۂ لیل و نہار کے نام سے یاد کیا۔

سلام اس پر کہ جسے اللہ عزوجل نے محض اسلام کی حمایت اور دین کی تجدید کے لئے پیدا فرمایا۔ جس نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی۔ تشنگان بادیہ ضلالت کے لئے رشد وارشاد کے دریا بہا دیئے۔ جس نے عمر بھر دین کے رہزنوں اور ایمان کے ڈاکوؤں سے مقابلہ فرمایا۔

حضور پُر نور اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدارج عالیہ و مراتب جلیلہ
(باقی صفحہ ۲۳۷ پر)

خانوادہ برکاتیہ کا روحانی فرزند

صاحبزادہ سید محمد امین برکاتی نبیرہ خاتم الاکابر حضرت سید شاہ
آل رسول برکاتی قدس سرہٗ، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، ضلع ایٹہ

ماہنامہ المیزان نے امام احمد رضا نمبر میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرایا ہے۔ اس مختصر مضمون میں راقم الحروف اعلیٰ حضرت اور خاندان برکاتیہ سے متعلق ان واقعات کو بیان کرے گا جو میری ان خاندانی روایات پر مشتمل ہیں جن کا بیان مجھ سے والد ماجد حضور سیدی احسن العلماء مدظلہٗ عم مکرم حضور سید العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان اور دادا صاحب حضرت سید آل عبا قادری نوری مدظلہ نے فرمایا۔ ایک صدی سے زیادہ گزرا، ۱۲۹۴ھ میں ایک نوجوان صاحبزادے مع اپنے والد بزرگوار مارہرہ کی خانقاہ برکاتیہ میں تشریف لائے۔ سجادۂ غوثیہ برکاتیہ پر خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ تشریف فرما تھے۔ ایک مختصر مجلس میں، جس میں خاتم الاکابر کے خلیفہ، پوتے قدس سرہٗ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کے پیر و مرشد یعنی جد مکرم حضور پر نور خاتم اکابر ہند سید شاہ ابوالحسین احمد نوری الملقب میاں صاحب قدس سرہ اور میرے پر دادا حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں رحمۃ اللہ علیہ جو خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے حقیقی نواسے اور بڑے محبوب خلیفہ تھے، تشریف فرما تھے۔ ان دونوں حضرات بریلی کو بیعت فرما کر خلافت سے نوازا گیا۔ نوری دادا نے پوچھا کہ حضور آپ کے خاندان میں تو خلافت بڑی ریاضت اور مجاہدے کے بعد دی جاتی ہے۔ ان دونوں حضرات کو آپ نے فوراً خلافت عطا فرما دی۔ حضرت سیدی شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ میاں صاحب اور لوگ گندے دل اور نفس لیکر آتے ہیں اُن کی صفائی کی جاتی ہے پھر خلافت سے نوازا جاتا ہے مگر یہ دونوں حضرات پاکیزگیٔ نفس کے ساتھ آئے تھے صرف "نسبت" کی ضرورت تھی، وہ ہم نے عطا کر دی۔

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ دونوں حضرات کون تھے؟ نوجوان صاحبزادے تھے چودھویں صدی کے ہونے والے مجدد اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ شاہ محمد احمد رضا خان قادری برکاتی فاضل بریلوی قدس سرہٗ اور دوسرے صاحب تھے اعلیٰ حضرت کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان۔

اسی مجلس میں اعلیحضرت کے مرشد سیدی آل رسول قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا۔ میاں صاحب! ایک فکر عرصہ سے پریشان کئے ہوئے تھی بحمداللہ آج وہ دور ہو گئی۔ قیامت میں جب اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آل رسول ہمارے لئے کیا لایا تو میں اپنے مولوی احمد رضا خان کو پیش کر دوں گا۔ پھر مزید ارشاد فرمایا کہ میاں صاحب (نوری دادا کو اسی لقب سے یاد فرماتے تھے) اب ہم بوڑھے ہوتے ہمارا علم بوڑھا ہوا تم جو کچھ لکھا پڑھا کرو وہ مولوی صاحب کو دکھالیا کرو"۔ سبحان اللہ مرشد برحق صاف صاف چودھویں صدی کے عہدہ مجددیت پر اعلیٰ حضرت کے فائز ہونے کی بشارت دے رہے ہیں۔

حضرت صاحب نے اُسی محفل میں اعلیٰ حضرت کو وہ تمام اعمال و اشغال وغیرہا عطا فرما دئے جو خانوادۂ برکاتیہ میں سینہ بہ سینہ چلے آرہے تھے۔ مرشد برحق کے فیض روحانی کا یہ عالم تھا کہ جب اعلیٰحضرت حویلی سجادگی سے باہر تشریف لائے تو ایسا محسوس ہوا گویا جوانی کے دور کے حضور سیدی آل رسول تشریف لا رہے ہیں حویلی سے باہر جو فقراء اور درویش حاضر تھے انھوں نے حسب دستور قدیم اسم جلالت "اللہ" کا نعرہ بلند کیا۔ چند لمحات کے بعد اعلیٰ حضرت اپنی اصلی شکل میں آگئے۔

بحمداللہ ایک صدی بیت جانے کے بعد بھی، لکڑی کی وہ چوکی اور مسند جس پر صدی کے مجدّد نے پیر و مرشد کے دست حق پرست پر جان و مال کا سودا کیا تھا۔ برکاتی حویلی سجادگی میں موجود ہے۔

اعلیٰ حضرت اپنے مرشدان عظام کا اس درجہ ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ مارہرہ کے اسٹیشن سے خانقاہ برکاتیہ تک برہنہ پا پیدل تشریف لاتے تھے اور مارہرہ سے جب حجّام خط یا پیام لے کر بریلی جاتا تو "حجام شریف" فرماتے اور اس کے لئے کھانے کا خوان اپنے سر اقدس پر رکھ کر لایا کرتے تھے۔

نوری دادا نے اعلیحضرت کو "چشم و چراغِ خاندانِ برکاتیہ" فرمایا اور کہا کہ اس دور میں سنیت کی کسوٹی مولانا احمد رضا خاں صاحب ہیں۔ اعلیٰ حضرت اور خاندان برکاتیہ

کے تعلقات مثالی ہیں۔ نوری دادا، میرے مرشد برحق تاج العلماء سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی رضی اللہ عنہ، عم محترم حضور سید العلماء نے اپنی پوری زندگی مسلک اعلیٰحضرت کی اشاعت کے لئے وقف فرمادی۔ خاندان برکاتیہ کا بچہ بچہ اعلیٰ حضرت کا شیدائی ہے۔ ہماری نجی مجالس ہوں یا عوامی جلسے ہر جگہ مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ واشاعت ہی ہم لوگوں کا نصب العین اور مطمح نظر ہوا کرتا ہے۔ اس ضمن میں اپنے عم محترم حضور سید العلماء قدس سرہٗ کا یہ شعر مجھے بار بار یاد آرہا ہے۔ ؎

حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے
یاالٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد

اعلیٰ حضرت کی مجددیت کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ انھوں نے بلاخوف وخطر اعدائے دین کا بھرپور رد کیا اور اس بات کی کبھی پروا نہیں کی کہ مخالفین کے پاس مادی وسائل بہت ہیں۔ اعلیٰ حضرت زبردست فقیہ، محدث، منطقی فلسفی، ماہر علوم ہیئت ونجوم تھے۔ اس کا ثبوت ان کی تصانیف سے ملتا ہے۔ جب مسائل میں اعلیٰ حضرت تحقیق فرمانے پر آتے ہیں تو اُن کی شان فقاہت بہت واضح طور سے سامنے آتی ہے۔

اعلیٰ حضرت اردو نعت گو شعراء میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کا سلام "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" اردو کا بہترین سلام ہے۔ پورے سلام کی جان صرف یہی مصرع ہے اور اس مصرع میں بھی "جانِ رحمت" کا تو جواب نہیں۔

اعلیٰ حضرت کو حضور غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ مولانا حسرت موہانی جو بذات خود زبردست شاعر تھے۔ اعلیٰحضرت کے اس شعر کے بہت مداح تھے ؎

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اعلیٰ حضرت کو خاندان برکاتیہ سے جو عقیدت تھی اس کا عکس اب بھی حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی ذات مبارکہ سے جھلکتا ہے۔

سال گزشتہ عرس رضوی شریف کے موقعہ پر جب حضرت مفتی اعظم ہند نے اس کمترین کو خلافت سے نوازا تو مجمع کثیر کے سامنے لاؤڈ اسپیکر پر ارشاد فرمایا کہ سرکار مارہرہ مطہرہ اور مرشد برحق سید ابوالحسین نوری رضی اللہ عنہ سے مجھے جو کچھ عطا ہوا وہ میں سب ان صاحبزادے صاحب کی نذر کرتا ہوں۔ سبحان اللہ اس کمترین پر اتنا کرم صرف حضور مفتی اعظم ہند کا خلوص بیکراں ہے۔

اس سلسلے میں اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ اعلیٰ حضرت حقیقتاً چشم وچراغ خاندان برکاتیہ تھے۔ جو نسبت خاندان برکاتیہ کو اُن سے اور ان کو خانوادہ برکاتیہ سے ہے وہ کسی دوسرے خانوادہ کو نہیں۔ قابل صد مبارکباد ہے ماہنامہ المیزان، جو امام احمد رضا نمبر شائع کر کے وقت کی اُس اہم ضرورت کو پورا کر رہا ہے جو عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی میری دعا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ بطفیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دینی خدمت کو شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین۔

(حزم واتقا کا بقیہ)

مولانا مولوی محمد حسین صاحب چشتی نظامی فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا جس قدر اطمینان اور سکون اور مسائل کی رعایت سے نماز پڑھتے تھے، اس کی مثال ملنی مشکل ہے ہمیشہ میری دو رکعت ہوتی تو ان کی ایک جب کہ میری چار رکعت دوسرے لوگوں کی چھ اور آٹھ کے برابر ہوتی ہے۔

اور نماز سے اس قدر شوق فرماتے تھے اور جماعت کا اتنا خیال کرتے کہ ایسا اوقات مرض کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا نہایت دشوار ہوجاتا مگر جب نماز کا وقت آتا تو بغیر کسی سہارے خود ہی مسجد تشریف لیجاتے اور معلوم ہوتا کہ پورے طور پر صحتیاب ہیں۔

یہ چند شہادتیں "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر ہدیۂ ناظرین ہیں جن سے حضرت امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے مقام زہد وورع اور حزم واحتیاط پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

(خاندان برکاتیہ کا بقیہ)

کی تصدیق وتوثیق اللہ والوں نے فرمائی۔ جدی کریم حضور پر نور سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر رب تبارک وتعالیٰ مجھ سے فرمائے گا کہ میرے واسطے کیا لایا تو میں احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔ حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو "چشم وچراغ خاندان برکاتیہ" کا لقب عطا فرمایا۔

میرے والد ماجد سید العلماء مولینا مولوی مفتی حافظ قاری الحاج سید آل مصطفیٰ سید میاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے سچے عاشق تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے علماء متقدمین وفقہاء ومحدثین کا علم واجتہاد اور ان کی عظمت وفضیلت سرآنکھوں پر، ہمیں تو اپنے اعلیٰ حضرت ہی کافی ہیں۔

خاندان برکاتیہ آج بھی اپنے ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی نسبت کو باعثِ صد افتخار سمجھتا ہے۔ ہماری محفلیں، ہمارے اعراس آج بھی "بریلی والے بڑے مولانا صاحب" کے نعتیہ کلام سے گونجتے ہیں۔ ہم آج بھی سینہ ٹھونک کر اعلان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت ہمارے ہیں اور ہم اعلیٰ حضرت کے۔ ہمارے وظائف وادعیہ آج بھی اسی دعا پر ختم ہوتی ہیں۔ جاری رہے تا روز جزا۔ سلسلہ اعلیٰ حضرت کا۔ فیضان اعلیٰحضرت کا

دین و ملّت کے مجدّد ہادی و قطبِ زماں
تا ابد تجھ پر رہیگا رحمتِ حق کا نزول

تجدید و احیائے دین

(۱)

امام احمد رضا - مجدد اعظم

(۲)

امام احمد رضا، ایک مظلوم اسلامی مفکّر

(۳)

امام احمد رضا اور احیاء دین

(۴)

امام احمد رضا ایک تاریخ ساز شخصیت

(۵)

امام احمد رضا اور اصلاح عقائد

(۶)

امام احمد رضا اور تجدید و احیائے دین

(۷)

امام احمد رضا حدیث نبوی کی روشنی میں

(۸)

امام احمد رضا اور دینی خدمات

(۹)

امام احمد رضا اور شانِ تجدید

(۱۰)

امام احمد رضا مجدّد ملت

امام احمد رضا مجدّد اعظم

از مخدوم الملّت حضور محدّث اعظم ہند علیہ الرحمہ

خاندان اشرفیہ کے اکابر نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کے بعد محدث اعظم ہند کو امام احمد رضا کے حوالے کیا۔ تاکہ علوم و فنون کے اس ہمالہ سے بھی فیض حاصل کر سکیں۔ لہٰذا محدث اعظم ہند نے فاضل بریلوی کے انتہائی قریب رہ کر بہت کچھ حاصل کیا۔ جو بقول ان کے
"یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایۂ حیات ہو گئیں"

محدث اعظم ہند کو آل رسول ہونے کے ناطے رضوی خاندان سے بے حد قربت حاصل رہی۔ خود فاضل بریلوی بے حد احترام و اکرام کرتے رہے محدث اعظم ہند نے امام احمد رضا کا جو مطالعہ کیا ہے اس کا اظہار متعدد تصنیفات میں ملتا ہے۔ لیکن ناگپور میں ۱۳۷۹ھ کے جشن ولادت امام احمد رضا کے موقع پر صدارتی خطبہ کے ذریعہ جو تحقیقی اور مشاہداتی مقالہ پیش فرمایا تھا وہ امام احمد رضا کی تحریک تجدید و احیاء دین پر سب سے زیادہ مکمل، مبسوط اور گرانقدر مضمون ہے۔ (ایڈیٹر)

خُطبۂ صدارت

عنوانات

یادگار منانے پر عقلی و نقلی دلیل۔ یادگار منانے پر اعتراض اور جواب، یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل، امام بریلوی کی یادگار، امام بریلوی کا مقام، وائس چانسلر علیگڈھ امام بریلوی کی خدمت میں۔ معقولات میں امام بریلوی کا مقام، امام کے علوم و فنون سے میری حیرانی امام بریلوی کے مسلم کمالات میرے مشاہدہ میں، افتا کی خداداد عظیم صلاحیت، حیرت انگیز قوت حافظہ، میری شرارت، حیرت انگیز علم حساب میری عرض و تمنا علم القرآن، علم الحدیث، علم الرجال، امام بریلوی کے کمنہ ہکار، امام بریلوی کا دنیائے اسلام پر احسان، امام بریلوی کاملین کی نگاہ میں۔ بریلی کی طرف میری کشش، انداز تربیت، غوث اعظم کے ساتھ حیرت انگیز عقیدت، امام بریلوی کا لغزشوں سے محفوظ رہنا۔ امام بریلوی کی شعر گوئی، فن زیجات و فن تکسیر۔ عجیب واقعہ۔ وصال کی خبر اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم!

احمد اللہ الاحد رضاء لسیدنا احمد و اصلی واسلم سیدنا احمد رضاء للہ الواحد الصمد وعلیٰ جمیع من رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ احمد الرضاء من الازل الی الابد!

امابعد!

میرے پیارے سنی بھائیو! یہ شوال کا مہینہ ہے اور یہ اپنی عظیم خصوصیت کی وجہ سے مستحق ہے کہ ہم اس ماہ کا نام اہل سنت و جماعت ہند کا مہینہ رکھیں، کیونکہ اس مہینہ میں ہندستان میں اس قدم کا ظہور ہوا جس کی بلندی کو نہ صرف ہند بلکہ عرب و عجم کے تمام دینی و روحانی اراکین دین متین و اساطین حق مبین کے جھکے ہوئے سروں نے قبول کیا اور اس قدم کے نشانات کو بھی معظم و مکرم رکھا۔

یادگار منانے پر عقلی و نقلی دلیل ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں، ان کی قومیت کی شیرازہ بندی جس کے ہاتھوں سے ہو چکی ہے اس کی یادگار مناتی ہیں اور اس کو اپنی زندگی

کا بیمہ سمجھتی ہیں دنیا نے مان لیا ہے کہ جو قوم اپنے قومی محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا۔ اور موت کے منہ میں ڈال دیا۔ یہ قومیت کا فطری جذبہ نہ کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے نہ برہان عقلی کا۔ اس کا تعلق صحیح انسانیت اور درستی ہوش و حواس سے ہے۔ جو افراد محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑھنے لگتے ہیں۔ تو ان کو دنیا نے نہ صرف یہ کہ قومیت سے خارج کر دیا۔ بلکہ انہیں ایک خاص قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا۔

یادگار منانا چونکہ ایک فطری جذبہ ہے لہذا اسلام جس کا دوسرا نام ہی دین فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو جاگزیں رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف و صریح ہے۔ جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا وذکرھم بایام اللہ اللہ تعالیٰ کے دنوں کو یاد دلاتے رہو۔ تو یوں تو سب دن اللہ کے ہیں۔ مگر کچھ ایسے دن بھی ہیں جن دنوں کو خاصان حق نے خصوصیات عطا فرما دیں۔ اور جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے جس کے اذن و عطا نے اس کو سنوار دیا۔ ایسے دن جس کی بدولت حاصل ہوں، اس کا گویوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے حشر تک کا ہر دن — وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ والے آقا کی وسعت داماں میں پلتا ہی رہتا ہے۔ اور بڑھتا ہی رہتا ہے مگر ان سارے، دنوں میں انتخاب قدرت یوم پیدائش ویوم وصال ویوم حشر ونشر ہے۔

دنیا نے مان لیا کہ
جو قوم اپنے قومی محسنوں
کو بھول گئی تو زندگی
نے ساری قوم کو بھلا دیا
اور موت کے منہ میں
ڈال دیا

یادگار منانے پر اعتراض اور جواب: چونکہ بات ایسی آپڑی ہے جس کا زیادہ واضح کر دینا ضروری ہو چکا ہے۔ لہذا اس سلسلے میں چند منٹ میں آپ کے اور لوں گا، واقعہ یہ ہے کہ پچھلے سالوں میں شہر بہرائچ کے ایک فرقہ وارانہ اجتماع میں مدرسہ دیوبند کے مہتمم نے عید میلاد النبی منانے والوں پر جارحانہ حملہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ کسی شخصیت کی اہمیت کی تاریخ اس کی پیدائش کی تاریخ میں نہیں کیونکہ پیدائش تو اچھوں اور بُروں کی ہوتی ہی رہتی ہے یہ عید میلاد النبیؐ ایک غیر عاقلانہ اور غیر شرعی چیز ہے۔ اگر یادگار منانی ہے تو اس تاریخ کی یادگار منائی جائے جب نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے اظہار نبوت فرمایا۔ اور کار نبوت شروع فرما دیا تھا، بات ایسے انداز میں کہی گئی اور لہجہ ایسا بھولا تھا کہ سطحی طور پر بعض دماغ واقعی بھول میں پڑ گئے تھے لیکن ابھی ان کے پیغام کو ۲۴ گھنٹے کی زندگی نہ ملی تھی کہ میں شہر بہرائچ گیا۔ وہاں تعلیم یافتہ و متدین، صف اول کے لوگوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ کر کے جواب کا مطالبہ کیا۔ میں نے چند گھنٹے کے بعد وہاں ایک عظیم الشان اجتماع کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ عید میلاد النبی کو غیر عاقلانہ کہتے ہوئے، اگر سب قوموں کی تاریخ دماغ سے نکل گئی تھی تو اس چشم دید چیز سے آنکھیں کیوں بند ہو گئیں تھیں کہ آج جس بغل میں ان کے فرقے کی اکثریت پل رہی ہے۔ اور جہاں جینتی اور مرتیو منانے میں عبادت گزارانہ اسپرٹ کے ساتھ شرکت کی جاتی ہے۔ کیا اس نے عقل کو اتنی روشنی نہیں بخشی۔ قوموں نے یوم میلاد و یوم ممات کے منانے ہی کو قومی حق مانا ہے۔

یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل ۔ قرآن کریم نے اپنے معجزانہ انداز روحانی میں مسئلہ کی اہمیت کو اس طرح اجاگر فرمایا ہے۔ کہ جو لوگ قرآن پاک کی تلاوت کا شرف اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اس کو سمجھیں اور اس کو ہدایت کی روشنی جان کر اپنے کو سنواریں اگر ایسے لوگوں کا سایہ بھی راہ چلتے مہتمم مذکور پر پڑ گیا ہوتا تو یوم ولادت اور یوم عرس منانے پر جو غیر اسلامی کہہ کر حملہ کر دیا ہے اس کی جرأت نہ کر سکتے قرآن کریم میں مقبولان درگاہ برحق کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا کہ سلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے ان کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن، جب وہ میدان حشر میں اٹھیں گے۔ اور اسی قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واضح بیان مذکور ہے کہ سلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے میری پیدائش کے دن اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدان حشر میں ہوں گا۔

کوئی بتلائے کہ اگر کوئی عقل و دین کا بوکس ہی سہی قرآن کو بادل نخواستہ اپنے دنیا ہی کے لئے سہی لیکن کلام الٰہی کہنے پر مجبور ہو اس کو کیا حق ہے کہ نص قطعی قرآنی کا رد صرف اپنے جذبۂ عناد کی بناء پر کرے جو اللہ والوں سے انہیں وراثۃً چلی آرہی ہو بالکل ظاہر ہے کہ خاصان حق کی ہر گھڑی جب سے زمانہ کی تخلیق ہوئی اور جب تک سلسلہ زماں رہے گا۔ ایسی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے۔ آیا درود شریف کا جملہ اسمیہ اس دوام و استمرار کو ظاہر فرما رہا ہے۔

ہمارے آقا رسول پاک کو مخاطب بنا کر صاف کہہ دیا گیا کہ وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ ہر پچھلی ساعت سے آپ کی بہتر ہے۔ باایں ہمہ اس دوامی و استمراری دور کے پورے عہد مبارک میں خود اللہ رب العزت وجل وعلا اور اس اولوالعزم رسول نے تین دن کے انتخاب فرمایا، یوم پیدائش یوم وصال فرمایا و یوم حشر و نشر۔ قرآن کریم میں ایسے ایام کو ایام اللہ بھی فرمایا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وذکرہم بایام اللہ، ایام کی یادگار مناؤ۔ یقیناً اللہ والوں کا دن اللہ ہی کا دن ہے۔ غرض آیات قرانیہ نے یقین تاریخ کو معاذ اللہ بدعت ضالہ کہنے والوں پر جا بجا طمانچے مارے ہیں۔ اور دین فطرت نے ہماری فطرت سے ہم کو روکا نہیں۔ بلکہ اس کو اہمیت عطا فرما کر یادگار منانے پر مامور فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھ لینے کے بعد وہ دن یاد

آجاتا ہے جبکہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا، پھر وہ دن اہمیت رکھتا ہے جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا، جس کو دیوبندی گروپ کے صف اول کے لوگ جینتی مرتیو منانا کہتے ہیں۔ اور مسلمان اس کو یوم میلاد و یوم عرس کہتے ہیں۔ اور مناتے ہیں یہ خیال رہے کہ تعین و تخصیص ان اللہ والوں کے لئے جو انبیا علیہم السلام ہیں عبارۃ النص ہے۔ یعنی دونوں کے لئے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے۔

بات میں بات نکلتی ہے یہاں جملہ معترضہ سن لیجئے کہ قرآن کریم میں خاصان خدا کے لئے تین دنوں کے لئے تعین فرمائی گئی ہے۔ جو منائی جائے یوم میلاد جیسا کہ ہم مسلمان میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں۔ دوسرے یوم وصال جیسا کہ ہم مسلمان عرس بزرگان دین کرتے ہیں۔ لیکن تیسرا یوم حشر ہے جبکہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہوگا۔ اور اس کی یادگار منانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ خود ہم پر کرم فرماکر منائیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ منائیں گے۔ تو قرآنی تعبیر یہ ہوئی کہ مسلمانو! یہ تین دن ہیں ان میں پیدائش و وصال منانا تمہارا کام ہے۔ اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہو جاؤ تو تیسرا دن محبوبان خدا کی شفاعت کا دن ہے۔ اس کے مستحق ہو جاؤ گے۔ اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم ہوگے۔ یہی دیکھنے میں بھی آرہا ہے۔ جو ان دونوں یادگاروں کے منانے پر غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں وہ آج کھلم کھلا مسئلہ شفاعت کا انکار کر دیتے ہیں۔ یا اقرار ایسا کرتے ہیں جو انکار سے بھی بدتر ہے۔ وہ انبیاء و اولیا سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں۔ کہ قرآن میں جس کو کما یئس الکفار من اصحاب القبور فرمایا گیا ہے۔

> اپنے ملک میں معقولات کا جب ایک ایکسپرٹ (امام احمد رضا) موجود ہے تو ہم نے یورپ جاکر جو کچھ سیکھا وقت ضائع کیا۔ (ڈاکٹر ضیاء الدین)

امام بریلوی کی یادگار بہر حال ہم اور آپ قرآن کریم کا سہارا لے کر اس مہینہ کی یادگار منانے کے لئے یکجا ہوئے ہیں۔ جس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ اور رسول پاک کا سچا نائب علم کا جبل، شامخ اور عمل صالح کا اسوۂ حسنہ، معقولات میں بحر ذخار، منقولات میں دریائے ناپید اکنار، اہلسنت کا امام واجب الاحترام اور اس صدی کا باجماع عرب و عجم مجدد تصدیق، حق میں صدیق اکبر کا پرتو، باطل کو چھانٹنے میں فاروق اعظم کا مظہر، رحم و کرم میں ذوالنورین کی تصویر، باطل شکنی میں حیدری شمشیر دولت فقہ و روایت میں امیر المومنین، اور سلطنت قرآن و حدیث کا مسلم الثبوت وزیر المجتہدین اعلیٰ حضرت علی الاطلاق امام اہلسنت فی الآفاق مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلم العلماء عند العلماء و قطب الارشاد علی لسان الاولیاء مولانا، ولی جمیع الکمالات، اولانا، فانی فی اللہ والباقی باللہ، عاشق کامل رسول اللہ مولانا شاہ احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ کے قدم اول نے اس خاکدان دنیا میں جلوہ فرما ہوئے۔

امام بریلوی کا مقام : تیرہویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم و فضل کا آفتاب فضل و کمال ہوکر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب و عجم پر چھا گئی اور چودھویں صدی کے شروع میں ہی پورے عالم اسلامی میں اس کو حق و صداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے لگا۔ میری طرح سارے حل و حرم کو اس کا اعتراف ہے۔ کہ اس فضل و کمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پاسکا،

وائس چانسلر علی گڑھ امام بریلوی کی خدمت میں۔

مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری مرحوم مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کو لے کر جب اس لئے حاضر ہوئے کہ ایشیا بھر میں ڈاکٹر صاحب ریاضی اور فلسفہ میں فرسٹ کلاس ڈگری رکھتے ہوئے ایک مسئلہ کو حل کرنے میں زندگی کے قیمتی سال لگاکر بھی حل نہ کر پائے تھے۔ اور نظریۂ شاغورثی فلسفۂ کشش ان پر چھایا ہوا تھا تو اعلیحضرت نے عصر و مغرب کی درمیانی مختصر مدت میں مسئلہ کا حل بھی قلمبند کر دیا۔ اور فلسفۂ کشش کی کھینچ تان کو بھی ختم فرمادیا۔ جو رسالہ کی شکل میں چھپ چکا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب حیران تھے کہ ان کو یورپ کا کوئی تھیوریوں والا درس دے رہا ہے۔ یا ایسی ماہر کا کوئی حقیقت آشنا ان کو سبق پڑھا رہا ہے۔ انھوں نے اس صحبت کے تاثرات کو اجمالاً یہ کہا تھا کہ اپنے ملک میں جب معقولات کا ایک ایکسپرٹ موجود ہے تو ہم نے یورپ جاکر جو کچھ سیکھا، اپنا وقت ضائع کیا۔

معقولات میں امام بریلوی کا مقام

یہ روز کا معمول تھا کہ فلکیات و ارضیات کے ماہرین اپنے علمی مشکلات کو لے کر آتے، اور دم بھر میں حل فرماکر ان کو شاد و شاد رخصت فرمادیتے۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ ماہرین نجوم فن آئے اور فنی دشواریوں کو پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے ہنستے ہوئے اس طرح جواب دے کر خوش کر دیا کہ گویا دشوار ہی نہ تھی ایک بار حماری اس کے حل کے بارے میں سوال فرماکر جب کتابی جواب دیکھا تو اس پر تحقیق بیان فرمائی تو میں نے محسوس کیا کہ حماری کی حمایت بے پردہ ہوگئی اور عرفی کا عروس ختم ہوگیا۔ مسئلہ بحث "اتفاق شمس بازغہ" کا سرمایہ تفسلف ہے۔ مگر اس بارے میں اعلیحضرت کے ارشادات جب مجھ کو ملے تو اقرار کرنا پڑا کہ ملا محمود آج ہوتے تو اعلیحضرت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت محسوس کرتے! اعلحضرت نے کسی ایسے نظریے کو کبھی صحیح و سلامت نہ رہنے دیا جو اسلامی تعلیمات سے متصادم رہ سکے۔ اگر آپ وجود فلک کو جاننا چاہتے ہوں۔ اور زمین و آسمان دونوں کا سکون سمجھنا چاہیئے ہوں اور سیاروں کے بارے میں کل فی فلک یسبحون کو ذہن نشین کرنا چاہتے ہوں تو ان رسائل کا مطالعہ کریں جو اعلیحضرت کے رشحات قلم ہیں اور یہ راز آپ پر ہر جگہ کھلتا جائے گا کہ منطق و ریاضی والے اپنی راہ کے کس موڑ پر کج رفتار ہو جاتے ہیں۔

امام کے علوم و فنون سے میری حیرانی ۔ علوم و فنون کا کیا حال تھا اس کا اندازہ،

اس سے کیجیئے کہ آج کی علمی دنیا پچاس علوم وفنون کے نام سے بے خبر ہے اور اعلیٰ حضرت کے قلم مبارک سے پچاس علوم وفنون کے مبسوط رسائل تیار ہیں ایک دن ایسا ہوا کہ اعلیٰحضرت نے نماز عصر کے لئے وضو فرماتے ہوئے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ہیج عرض شجرہ کا حساب یونانیوں نے جس وتد سے کیا تھا اب دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یونان بلکہ دنیا کے ہر پہاڑ سے بلند کوہ ہمالہ کی ایورسٹ چوٹی ہے کیا اس سے حساب لگا دو گے۔ میں نے دو دن کی مہلت مانگی اور رات دن صفحات کو سیاہ کرتا ہوا جب صحیح حساب تیار کر کے حاضر ہوا تو فرمایا کہ کیا آپ کا جواب یہ ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں مگر حیران تھا کہ جس حساب میں میرا مغز سر سوکھ گیا وہ برجستہ ارشاد فرمانے والا صرف ایک عالم ہے۔ یا وہ ایسا ہے کہ لغت میں اس کے لئے کوئی لفظ ہی نہیں میرے صحیح جواب پر جو دعائیں فرمائیں آج وہ ہی میرے لئے سب کچھ ہے۔

امام بریلوی کے مسلم کمالات میرے مشاہدے ہیں

آج میں آپ کو جگ بیتی نہیں آپ بیتی سنا رہا ہوں کہ جب تکمیل درس نظامی وتکمیل درس حدیث کے بعد میرے مربیوں نے کام نہا کے لئے اعلیٰحضرت کے حوالے کیا۔ زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایۂ حیات ہو گئیں۔ اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا۔ اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پا لیا ہے۔ علم کو راسخ فرمانا اور ایمان کو رگ رگ میں اُتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرما دینا یہ وہ کرامت تھی جو ہر ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔

افتاء کی خداداد عظیم صلاحیت

عادت کریمہ تھی کہ استفتاء ایک ایک مفتی کو تقسیم فرما دیتے اور پھر ہم لوگ دن بھر محنت کر کے جوابات مرتب کرتے پھر عصر و مغرب کے درمیان مختصر ساعت میں ہر ایک سے پہلے استفتاً پھر فتویٰ سماعت فرماتے اور بیک وقت سب کی سنتے، اسی وقت مصنفین اپنی تصنیف دکھاتے زبانی سوال کرنے والوں کو بھی اجازت تھی کہ جو کہنا ہو کہیں۔ اور جو سنانا ہو سنائیں اتنی آوازیں اس قدر جداگانہ باتیں اور صرف ایک ذات کو سب کی طرف توجہ فرمانا، جوابات کی تصحیح وتصدیق واصلاح مصنفین کی تائید وتصحیح اغلاط زبانی سوالات کا تشفی بخش جواب عطا ہو رہا ہے۔ اور فلسفیوں کے اس خبط کی کہ "لا یصدر عن الواحد الا الواحد" کی دھجیاں اڑ رہی ہیں۔ جس ہنگامۂ سوالات وجوابات میں بڑے بڑے اکابر علم وفن سر تھام کر چپ ہو جاتے ہیں کہ کس کی سنیں اور کس کی نہ سنیں وہاں سب کی شنوائی ہوتی تھی۔ اور سب کی اصلاح فرما دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ادبی خطا پر بھی نظر پڑ جاتی اور اس کو درست فرما دیا کرتے تھے۔

> اور میں نے محسوس کیا
> کہ آج تک جو کچھ پڑھا
> تھا وہ کچھ نہ تھا اور اب
> ایک دریائے علم کے
> ساحل کو پالیا ہے
> (محدث اعظم ھند)

حیرت انگیز قوت حافظہ

یہ چیز روز پیش آتی تھی کہ تکمیل جواب کے لئے جزئیات فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے، اسی وقت فرما دیتے کہ ردالمحتار جلد فلاں کے صفحہ فلاں میں ان لفظوں کے ساتھ جزئیہ موجود ہے۔ درمختار کے فلاں صفحہ سطر میں یہ عبارت ہے۔ عالمگیری میں بقید جلد وصفحہ وسطر یہ الفاظ موجود ہیں، ارشاد فرما دیتے۔ اب جو کتابوں میں جا کر دیکھتے تو صفحہ وسطر وعبارت وہی پاتے جو زبانی اعلیٰحضرت نے فرمایا تھا۔ اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوت حافظہ سے ساری چودہ سو برس کی کتابیں حفظ تھیں یہ چیز بھی اپنی جگہ پر حیرت ناک ہے۔ مگر میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ حافظ قرآن کریم نے سالہا سال قرآن عظیم کو پڑھ کر حفظ کیا۔ روزانہ دہرایا۔ ایک ایک دن میں سو سو بار دیکھا حافظ ہوا۔ محراب سنانے کی تیاری میں سارا دن کاٹ دیا۔ اور صرف ایک کتاب سے واسطہ رکھا، حفظ کے بعد سالہا سال مشغلہ رہا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی حافظ کو تراویح میں لقمے کی حاجت نہ پڑی ہو، گو ایسا دیکھا نہیں گیا اور ہو سکتا ہے کہ حافظ صاحب کسی آیت کریمہ کو سن کر اتنا یاد رکھیں کہ ان کے پاس جو قرآن کریم ہے اس میں آیۂ کریمہ داہنی جانب ہے۔ یا بائیں جانب ہے۔ گو یہ بھی نادر چیز ہے مگر یہ تو عادتاً محال ہے اور بالکل محال ہے۔ کہ آیت قرآنیہ کے صفحہ وسطر کو بتایا جا سکے تو کوئی بتلائے کہ تمام کتب متداولہ وغیر متداولہ کے ہر جملہ کو بقید صفحہ وسطر بتانے والا اور پورے اسلامی کتب خانے کا صرف حافظ ہی ہے یا وہ اعلیٰ کرامت کا نمونہ ربانیہ ہے جس کے بلند مقام بیان کرنے کے لئے اب تک ارباب لغت واصطلاح لفظ پانے سے عاجز رہے ہیں۔

میری شرارت

:- مجھے اپنی یہ شرارت یاد ہے کہ جان بوجھ کر اپنے جانے بوجھے جزئیات فقہ کو دریافت کرتا تو اعلیٰ حضرت مسکرا کر بتلا دیتے اور مزید حوالے بتلا دیتے مع صفحہ وسطر عبارت نوٹ کر لیتا کہ شاید کبھی صفحہ یا سطر یا عبارت میں کسی نقطہ ونقطہ کی بھول ہو جائے۔ مگر آج میں بڑی مسرت کے ساتھ باقرار صالح اپنا بیان دیتا ہوں۔ کہ میری شریرانہ خواہش ہمیشہ ناکام رہی ہے۔

حیرت انگیز علم حساب

چونکہ میں نے حساب کی تعلیم اسکولی طور پر پائی تھی لہٰذا فرائض کے حساب کی مشق بڑھی ہوئی تھی اور ایسے استفتے میرے سپرد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔ ظاہر ہے کہ مورث اعلیٰ کی پندرہویں پشت میں درجنوں ورثہ ہوں گے۔ مجھ کو اس کے جواب میں دو دن اور ایک رات سخت محنت کرنی پڑی۔ اور آنہ پائی سے درجنوں ورثاء کے حق کو قلم بند کر دیا، نماز عصر کے بعد بیٹھا کہ استفتاء سناؤں وہ بہت طویل تھا۔ فلاں مرا اور فلاں کو وارث چھوڑا۔ پھر فلاں مرا اور اتنے وارث چھوڑے۔ اسمیں صرف ناموں کی تعداد اتنی

زیادہ بھی تو فلس کیپ سائز کے دو صفحے بھرے ہوئے تھے - ادھر استفتا ختم ہوا ادھر بلا کسی تاخیر کے ارشاد فرمایا کہ آپ نے فلاں کو اتنا اور فلاں کو اتنا، ورجنوں نام بنام لوگوں کا حصہ بتا دیا - اب میں حیران و ششدر کہ استفتاء کو بیس مرتبہ تو میں نے پڑھا، ہر ایک نام کو بار بار پڑھ کر ان کا حصہ قلمبند کیا لیکن مجھ سے صرف سبب الاحیاء کا نام کوئی پوچھے تو بغیر استفتاء اور جواب دیکھے نہیں بتا سکتا - یہ کیا تبحر کیا وسعت مدارک، توبہ توبہ یہ کتنی شاندار کرامت ہے کہ ایک بار استفتاء سنا، تو درجنوں ورثاء کا ایک ایک نام یاد رہا - اور ہر ایک کا صحیح حصہ اس طرح بتا دیا کہ جیسے کئی مہینے تک کوشش کر کے حصہ و نام کو رٹ لیا گیا ہو -

میری عرض و تمنا میں اس سرکار میں کس قدر شوخ تھا یا شوخ بنا دیا گیا تھا اپنا جواب اعلیٰ حضرت کی نشست کی چارپائی پر رکھ کر عرض کرنے لگا کہ حضور کیا اس علم کا کوئی حصہ عطا نہ ہوگا - جس کا علماء کرام میں نشان کہیں نہیں ملتا - مسکرا کر فرمایا میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں یہ تو آپ کے جد امجد سرکار غوثیت کا فضل و کرم ہے اور کچھ نہیں - یہ جواب مجھ ننگ خاندان کے لئے تازیانۂ عبرت بھی تھا کہ لوٹنے والے لوٹ کر خزانہ والے ہو گئے اور میں پدرم سلطان بود کے نشہ میں پڑا رہا اور یہ جواب اس کا بھی نشان دیتا تھا کہ علم راسخ والے مقام تواضع میں کیا ہو کر اپنے کو کیا کہتے ہیں - یہ شوخی میں نے بار بار کی اور یہی جواب عطا ہوتا رہا - اور ہر مرتبہ میں ایسا ہو گیا کہ میرے وجود کے سارے کل پرزے معطل ہو گئے -

علم قرآن : - علم قرآن کا اندازہ اگر صرف اعلیٰحضرت کے اس ترجمے سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں ہے - اور نہ اردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ پہ لایا نہیں جا سکتا جو بظاہر محض ترجمہ ہے - مگر در حقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں قرآن ہے - اس ترجمہ کی شرح حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا شاہ نعیم الدین صاحب علیہ الرحمہ نے حاشیہ پر لکھی ہے - وہ فرماتے تھے کہ دوران شرح میں کئی بار ایسا ہوا کہ اعلیٰحضرت کے استعمال کردہ لفظ اٹل ہی نکلا! اعلیٰحضرت خود شیخ سعدی کے فارسی ترجمہ کو سراہا کرتے تھے لیکن اگر حضرت سعدی اردو زبان کے اس ترجمے کو پاتے تو فرما ہی دیتے کہ ترجمہ قرآن شے دیگر است و علم قرآن شے دیگر است

علم الحدیث و علم الرجال علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے - اس کی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت از بر - علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے - اعلیٰحضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب و تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا - یحییٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں لیکن جس یحییٰ کے طبقہ و استاد و شاگرد کا نام بتا دیا تو اس فن کے اعلیٰحضرت خود موجد تھے کہ طبقہ و اسماء بتا دیتے تھے - کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح اس کو کہتے ہیں علم راسخ، اور علم سے شغف کامل، اور علمی مطالعہ کی وسعت، اور خداداد علمی کرامت، فسبحان الذی فضل عبدہ علی جمیع اھل زمانہ وللہ الحمد احمد رضائہ

امام بریلوی کے شاہکار - اب ذرا اعلیٰحضرت کے شاہکار ملاحظہ ہوں یہی زمانہ تھا جبکہ وہابیت جنم لے رہی تھی اور جیسا کہ دستور ہے کہ تحریک باطل اپنے ابتدائی دور میں تہافت اور تخالف میں مبتلا رہتی ہے - ابھی کچھ کہا اور پھر اس سے مکر کر اس کے خلاف کچھ کہا - صراط مستقیم میں کسی چیز کو بزرگوں کا ارشاد بتایا تقویۃ الایمان میں اسی کو بدعت و ضلالت لکھ مارا - ایک نے کچھ کہا دوسرے نے کچھ کہا - مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے کو آغا تقی سمجھ کر فتویٰ دے دیا کہ آغا تقی کے باغ میں کوا حلال ہے - کوا کھانے کو کار ثواب قرار دے کر بکرے کے کپورے بھی ہضم کرنے لگے - اور اس طرح تحلیل احرم اللہ کا سلسلہ چل پڑا - تو دوسری طرف سارے اعیان فرق نے میلاد شریف کی شرینی اور آستانجات اولیاء کے چڑھاوے، محرم کی سبیل، بارہویں شریف گیارہویں شریف کے تبرکات کے لئے نجس حرام اور کفری پلاؤ کی بکواس شروع کر دی، یعنی تحریم ما احل اللہ کا سلسلہ بھی قائم ہو گیا - مسئلہ توحید کی آڑ لے کر یہ اسپرٹ پیدا کی گئی کہ انبیاء اور اولیاء کو عام بشریت سے بالاتر جاننا ہی شرک ہے - اگر موحد ہو تو انبیاء اور اولیاء سے الگ ہو جاؤ - ان کا تذکرہ بھی نہ کرو - اگر تھانوی جی کی بولی میں پھنس جاؤ تو لحاظ رہے کہ تعریف ایسی کرو جو بشریت عامہ سے بلند نہ ہو - بلکہ جہاں تک ہو سکے ایسی بولی بولو جس سے لوگ سمجھیں کہ بشریت بھی بڑی چیز ہے - اولیاء و انبیاء کو بشریت سے کم باور کرو - اس کے بعد قدرتی طور پر جب اعمال متعلقات عقائد کو برا بھلا کہہ چکے تو عقائد پر براہ راست حملہ جارحانہ شروع کر دیا - اعلان کیا گیا کہ کلام الٰہی میں بھی جھوٹ کا دخل ہو سکتا ہے - اللہ تعالیٰ کو سچا نہ سمجھ کر نہ کہو کہ وہ ہر عیب سے و جو پاک ہے اور جھوٹ اس کلام میں محال ہے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ کو پاک و بے عیب کی مجبوری آ پڑے تو سمجھ کر کہو عادتاً اگر جھوٹ نہیں بولتا لیکن اگر بول دے بلکہ اپنے کو سارے عیوب میں ملوث کر دے - تو وہ قادر و مختار ہے - نہ یہ عقلاً باطل ہے نہ شرعاً - رسول پاک کے بارے میں لکھا گیا کہ وہ تو مر کر مٹی میں مل گئے ان کا مرتبہ عند اللہ چوہڑے چمار یا زیادہ سے زیادہ گاؤں کے چودھری ایسا تھا - ایک بولا علم میں رسول پاک کے اندر کوئی شان تخصیص نہ تھی ان کو اگر غیب کا علم تھا تو کوئی بات نہ تھی ایسا علم غیب تو ہر زید و بکر

مسکرا کر فرما دیا کہ میرے پاس علم کہاں جو کسی کو دوں یہ تو آپ کے جد امجد سرکار غوثیت کا فضل و کرم ہے اور کچھ نہیں

(امام احمد رضا)

بلکہ ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے ۔ وہ ایک بوٗ ہے کہ علم کی وسعت دیکھنی ہے تو ہمارے فرقے کے عالم عزرائیل کے علم کو دیکھو کہ رسول کے علم سے کتنا بڑھا ہوا ہے ۔ اگر رسول کے لئے وفور علم کو مانوگے تو مشرک ہو جاوگے ۔ ایک ان کے ادارے کے بانی نے عمل کی پیمائش کی تو امتی کو نبی سے بڑھا دیا ۔ غرض رسول پاک کے علم کو بھی گھٹا دیا اور عمل کو بھی ذرا اس جرأت کافرانہ کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کو صاف صاف خاتم النبیین فرمایا تو فرقے کے ایک ذمہ دار نے قرآن میں توڑ مروڑ شروع کردی کہ پچھلے نبی ہونے میں کیا رکھا ہے ایسا سمجھنا عوام کا طریقہ ہے ۔ لفظ خاتم النبیین کی دلالت دلالت مطابقی صرف ختم ذاتی پر ہے ختم زمانی پر اگر دلالت ہے تو ضمنی ہے — وہ عبارۃ النص نہیں ہے ۔ ضروری عقیدہ ختم ذاتی کا ہے ۔ اس بولنے والے نے بہت زور باندھا کہ مسئلہ کی تبلیغ کے لیے ان کے امام کا خواب تعبیر پائے مگر قرآن کو توڑ مروڑ کرنے والے اور عقیدہ ضروریہ سے منہ موڑنے والے یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ غلام احمد قادیانی نے اعلان کردیا کہ اگر اب بھی نبی ہو سکتا ہے تو جیز ہو سکتی ہے اس کے ہو جانے میں کون سی قباحت ہے ۔ نبی ہو سکنے کے ذمہ دار دیوبندی پارٹی ہے ۔ اگر وہ اپنے دعوے کو نباہ ہو سکے تو ہم اپنے نبی ہو جانے کو نباہ لیں گے ۔ اب آپ بتائیے کہ دین پاک کے ساتھ یہ استہزا کیا جائے یہ کافرانہ غداریاں کی جائیں — اللہ اور رسول کی شان میں گستاخیاں، بدزبانیاں کی جائیں تو کوئی اگر فنا فی الدنیا ہو کر غور ہی نہ کرے ۔ کوئی عاقبت کے خیال سے آزاد اس پر دھیان ہی نہ دے کوئی دین و دینداری سے غافل محض مولویوں کی مولویت قرار دے کر الگ ہو جائے غرض جس نے دین سے کوئی مضبوط رشتہ نہ رکھا وہ چپ رہے تو چپ رہے مگر وہ کیسے خاموش رہے جس کو پوری صدی کے دین پاک کا ذمہ دار ہونا ہے ۔ وہ اللہ کا فانی فی اللہ اور باقی باللہ بندہ جو عیب تو عیب ہے کسی ہنر و کمال میں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ امکان کا استعمال اس ذات قدیم کے صفات قدیم کے لئے جائز نہ قرار دے وہ عیب کے امکان کو کیسے برداشت کرے ۔ جو رسول پاک کا عاشق صادق ہو ۔ وہ رسول پاک کی شان میں بدگامیوں کو کیسے سنتا رہے چنانچہ یہی ہوا بکمال احتیاط بکواس والوں کو خط لکھا کہ کیا یہ تحریر تمہاری ہے ۔ کیا تم اس بکواس سے راضی ہو کیا اس بکواس کی اشاعت تمہاری اجازت ہے ۔ گویا اس محتاط اعظم نے سمجھایا کہ کسی بہانے یا جھوٹ سے اپنی ذمہ داری چھوڑ دے ۔ مگر رجسٹریوں پر رجسٹریاں کی گئیں ۔ اور اہل باطل کی آنکھوں پر ایسی عنادی پٹی بندھی رہ گئی کہ رعایت سے فائدہ نہ کیا اور سخن سازی اور رکیک تاویل خیر ناشی عن الدلیل کی بدولت جس جہنم میں کفر نے قدم رکھا تھا ۔ اس میں دھنستے چلے گئے اس وقت فاروقی درّہ اور حیدری ذوالفقار کا بے نیام ہو جانا واجب ہو گیا تھا ۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جرائم پیشہ مجرموں کے ایک ایک جرم کو آشکار اس طرح کردیا کہ کفر و ارتداد کے ملزموں کو عرب و عجم کے علماء و مشائخ کے سامنے ننگا کر کے کھڑا کردیا ۔ اور ان عادی مجرموں کو حل و حرم میں اتنے اکابر مشائخ علماء نے مجرم کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا کہ چودہ صدیوں میں کسی فرقے کے کسی مجرم فرد پر اتنی بڑی تعداد کا اتفاق تاریخ میں موجود نہیں ہے یہ تھا وہ واقعہ جس کا مقابلہ اس ملعون پروپگنڈے سے کیا جانے لگا کہ آستانۂ رضویہ بریلی میں کفر کی مشین ہے ۔ وہاں مسلمانوں کو کافر بنایا جاتا ہے ۔ ان عقل کے دشمنوں کو یہ نہ سوجھی کہ کوئی بھی کسی دوسرے کو کافر بنانے کی سکت ہی نہیں رکھتا کفر بکنے والا خود اپنے کو کافر بناتا ہے ۔ البتہ اس کے کفر بکنے اور کافر بننے سے امت اسلامیہ کو باخبر کردیا جاتا ہے ۔ تاکہ ان سے بچیں اور کفریات سے اپنے کو محفوظ رکھیں دنیا جانتی ہے کہ مجرموں کو سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ جرم کا انسداد ہو، چور کو چور مجسٹریٹ نہیں بناتا بلکہ اس کے چوری کے جرم نے اس کو چور بنایا مجسٹریٹ نے تو چور کو اس لئے سزا دی کہ دوسرا اس جرم کا ارتکاب نہ کرے یہ تھی خالص دینی و اسلامی سیاست کہ بے جھجک اور بے رعایت نہ کسی کی مولویت دیکھی جائے نہ کسی کے مسجدوں کی پروا کی جائے اور بے رعایت نہ کسی کی کہ چکا ہے تو مجرم ہے ۔ اس کو فوراً سخت سے سخت سزا دی جائے سعدی علیہ الرحمہ نے ملک بے سیاست کو زندہ رہنے کا حق نہ دیا ۔ وہ بھی سیاست ہے ۔ جس میں جرم کی تعزیر فوراً کی جائے اور ارتکاب جرم کے حوصلے کو دبا کر رکھ دیا جائے اگر کاش ہمارے ملک کے ہمارے کلمہ گو اس سیاست کو جان لیتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تو بھارت سے لے کر امریکہ تک وہ بکواس نہ ہو سکتی جس کی بدولت ناموس رسول کے نام پر جیل جانے کی نوبت آتی ۔ رسول پاک کے بارے میں اس زمانے کا گندہ لٹریچر ایک لازمی نتیجہ ہے اس ناپاک ہمدردی کا جو مجرموں کے ساتھ برتی گئی ۔ اور دیکھئے کہ اس غلط کاری کی بدولت آئندہ امت اسلامیہ کو کیا کیا بھگتنا ہے ۔ وہ تو کہئے کہ اعلیٰحضرت نے ماضی و حال کے ساتھ مستقبل کو ایسا بھانپ لیا تھا اور مجرموں کا ایسا تعاقب فرمایا تھا کہ ان کو چلنے کی راہ نہیں ملتی تھی ۔ اور روزانہ کی کفری بکواس کا سلسلہ توڑ دیا گیا تھا ۔ ورنہ اگر خفیف الکلامی اور شوخ بیانی کا سلسلہ جاری رہتا تو آج معاذ اللہ اسلام کے نام پر کفر نوازی بے پناہ ہو چکی ہوتی ۔

> نبی ہو سکنے کے ذمہ دار دیوبند پارٹی ہے اگر وہ اپنے دعوے کو نباہ سکے تو ہم اپنے نبی ہو جانے کو نباہ لیں گے
> (غلام احمد قادیانی)

امام بریلوی کا دنیائے اسلام پر احسان یہ تو اعلیٰحضرت کا دنیائے اسلام پر و سنیت پر احسان عظیم ہے کہ بکواس والوں کی لمبی لمبی زبانوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور کفر بکتے رہنے کی جرأت کو کمزور کردیا ۔ اور اس طرح مجرموں کو برہنہ کر کے مسلمانوں کو ان کے کفری انداز کے شکار ہونے سے بچا لیا یعنی اعلیٰحضرت نے کسی کو کافر نہیں بنایا بلکہ کافر بننے والوں کے جرائم کفریہ کو واضح فرما کر مسلمانوں کو کافر بننے سے بچا لیا ۔ اعلیٰحضرت کی اس شان احتیاط کو دیکھئے کوئی ممکن رعایت ایسی نہ

تھی جو مجرم کو عطا نہ فرمائی گئی ہو۔ اگر کسی کی توبہ مشہور ہو گئی تو اس کے کفریات گنا کر حکم لگاتے وقت ایسی رعایت برتی کہ کچھ لوگ اس رعایت ہی کو برداشت نہ کر سکے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے جس مجرم کے قول کو قال المرید المرتد کہہ کر نقل فرمایا وہ صرف اعلیحضرت کا محتاط قلم ہے جس نے منصب قضا کی ذمہ داریوں کو نہ چھوڑا۔ اور غم سہا، دکھ اٹھایا مگر قانون کی ہر رعایت کو نظری غیظ پر غالب رکھا۔ یہ تو جب غلام احمد قادیانی نے اپنے کفری دعوی نبوت کو کسی طرح نہیں چھوڑا۔ نانوتوی نے ختم زمانہ کے عقیدہ حقہ کی ضرورت سے انکار کردیا۔ اور اسی پر جارہا گنگوہی اور انبیٹھوی نے رسول پاک کے علم کے بارے میں حضور کے مقابلے پر شیطان کے علم کو بڑھایا۔ اور باز نہ آئے تھانوی علم رسول کی سطح کو ہر زید و عمر و صبی و مجنوں و بہائم حیوانات کی سطح پر لایا اور ضد کو نہ چھوڑا۔ تو گنتی کے انھیں جیسے چند مجرموں کی توبہ سے مایوس ہو کر اس فرض شرعی کو ادا فرمایا کہ امت اسلامیہ کو ہوش ہوا اور وہ جس کش مکش میں پڑ گئے ہیں کہ مجرموں کا ساتھ دیں تو دامن رسول ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ اور رسول پاک کے دامن کو تھامے رہیں تو مولوی نما نمازیوں سے بے تعلق ہونا پڑتا ہے! اعلیحضرت نے اس کش مکش کا یہ علاج بتایا کہ دامن رسول ہی مسلمانوں کی پناہ گاہ ہے اور اس کے لئے کسی مولوی ملا کی پرواہ نہ کی جائے۔ رسول پاک کا دامن دین و ایمان ہے اس کو چھوڑ کر خواہ کچھ ہو جائے مگر مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اس صاف اور سادہ اور ناقابل انکار بلکہ روشن پیغام کو کفری مشین کہہ کر پروپگنڈا کرنا حقیقتاً اس حقیقت کو مان لینا ہے کہ مجرموں اور ان کے ساتھیوں کے پاس جرم سے برأت کا کوئی سامان ہی نہیں ہے۔ ان کا دل اس کی شکایت نہیں کر سکتا کہ وہ بے گناہ ہیں البتہ ان کو غم اس کا ہے کہ ہمارے جرائم کو عالم آشکارا کیوں کیا گیا۔ جس کا جواب خود ان کے علم میں بھی ہے کہ جب توبہ و انابت الی اللہ سے مجرموں کو محروم پایا تو وہ مواخذہ فرمایا کہ جو شرع مطہر سے فرض عین ہو گیا تھا۔ چنانچہ دیوبندیت کے نقیب و رئیس المناظرین حسن چاندپوری نے چھاپ کر اعلان کر دیا کہ ہمارے بڑوں کے کلمات کے ظاہر معنی جو اعلیحضرت نے بتائے تو ہمارے کفر کے بکنے کو ظاہر نہ کرتے خود کافر ہو جاتے۔

اعلیحضرت نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ دیوبندی کی توحید بتوں اور اصنام کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ نہ صرف اینٹی انبیاء و اولیاء ہے، توحید ان کی بوتل کا صرف فریب کاری کا لیبل ہے۔ جس بوتل میں شرک و کفر و بدعت ہی بھرا ہوا ہے۔

اعلیحضرت نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ دیوبندی کا ایمان بالرسول، بایں معنی نہیں ہے کہ رسول پاک سید المرسلین ہیں، خاتم النبیین ہیں۔ شفیع المذنبین ہیں۔ اکرم الاولین و الآخرین ہیں۔ اعلم الخلق اجمعین ہیں۔ محبوب رب العالمین ہیں بلکہ صرف بایں معنی ہے کہ زیادہ سے زیادہ بڑے بھائی ہیں جو مر کر مٹی میں مل چکے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے بے اختیار اور عند اللہ تعالیٰ بے وجاہت ہے۔ اگر ان کو بشر سے کم قرار دو تو تمہاری توحید زیادہ چمکدار ہو جائے گی۔ ان حقائق کو واضح کر دینے کا یہ مقدس نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی جمہوریت اسلامیہ بڑی اکثریت کے ساتھ دامن رسول سے لپٹی ہوئی ہے۔ اور دشمنان اسلام کے فریب سے بچ کر مجرموں کے منہ پر تھوک رہی ہے۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر اہل السنۃ والجماعۃ خیر الجزاء

دنیا کو اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اعلیحضرت جن کے قلم کے نیزے کی مار نے کسی کی آنکھیں پھوڑ دیں کسی کو نمرود والی سزا دی، کسی کو مبہوت کر کے رکھ دیا یہاں تک کہ وہ مر کر مٹی میں مل گئے۔ یہاں بھی کراہتے رہے۔ اور وہاں بھی چیختے ہیں۔ مگر اتنی جرأت آج تک کوئی نہ کر سکا کہ اعلیٰ حضرت کی کسی تصنیف کا برائے نام ہی سہی رد لکھ کر چھاپ دے، میدان رزم اس مرد میدان کی خداداد ہیبت و جلالت کا یہ عالم ظاہر کرتا ہے کہ اعلیحضرت کا یہ ارشاد ایک طرح سے اظہار حقیقت ہے وہ رضا کے نیزے کی مار ہے۔

امام بریلوی قدس سرہٗ کاملین کی نگاہ میں - میرے استاد فن حدیث کے امام کو بیعت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی سے تھی مگر حضرت کی زبان پر پیر و مرشد کا ذکر میرے سامنے کبھی نہ آیا اور اعلیٰ حضرت کے بکثرت تذکرے محویت کے ساتھ فرماتے رہتے۔ اس وقت تک بریلی حاضر نہ ہوا تھا اس انداز کو دیکھ کر میں نے ایک دن عرض کیا کہ آپ آپ کے پیر و مرشد کا تذکرہ نہیں سنتا اور اعلیحضرت کا آپ خطبہ پڑھتے رہتے ہیں فرمایا کہ جب میں نے پیر و مرشد سے بیعت کی تھی بایں معنی مسلمان تھا کہ میرا سارا خاندان مسلمان سمجھا جاتا تھا مگر جب میں اعلیحضرت سے ملنے لگا تو مجھ کو ایمان کی حلاوت مل گئی۔ اب میرا ایمان رسمی نہیں ہے۔ بلکہ بعونہ تعالیٰ حقیقی ہے۔ جس نے حقیقی ایمان بخشا اس کی یاد سے اپنے دل کو تسکین دیتا رہتا ہوں۔ حضرت کا انداز بیان اور اس وقت چشم پر نم۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ واقعی ولی را ولی مے شناسد و عالم را عالم می داند میں نے عرض کیا کہ علم الحدیث میں کیا وہ آپ کے برابر ہیں۔ فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا کہ شہزادہ صاحب آپ کچھ سمجھے کہ ہرگز نہیں کا کیا مطلب ہے۔ سنئے کہ اعلیحضرت اس فن میں امیر المومنین فی الحدیث ہیں کہ میں سالہا سال تک صرف اس فن میں تلمذ کروں تو بھی ان کا پاسنگ نہ ٹھہروں۔

بریلی کی طرف میری کشش حضرت محدث صاحب قبلہ کے اسی قسم کے ارشادات نے میرے دل کو بریلی کی طرف کھینچا اور بالآخر آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اعلیحضرت کیا ہیں اس کا اندازہ بڑے سے بڑا مبصر بھی نہیں کر سکتا۔

انداز تربیت ذرا انداز تربیت دیکھئے کہ کار افتاد کے لئے جب بریلی حاضر ہوا

تو میرے اندر لکھنؤ میں رہنے کی خو بو کافی موجود تھی، شہر کے جغرافیہ میں بازار اور، تفریح گاہوں کو وہاں کے لوگوں سے پوچھتا رہا کہ جمعہ کے دن کی فرصت میں کچھ سیر سپاٹا کروں۔ جمعہ کا دن آیا تو مسجد میں سب سے آخری صف میں تھا۔ نماز ہو گئی تو مجھے دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں۔ میں بریلی کے لئے بالکل نیا شخص تھا لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

یہاں تک کہ اعلیحضرت خود کھڑے ہو گئے اور باب مسجد پر مجھ کو دیکھ لیا تو مصلے سے اٹھ کر صف آخر میں آ کر مجھے مصافحہ سے نوازا۔ اس سے زیادہ کا ارادہ فرمایا تو میں تھرا کر گر پڑا۔ اعلیحضرت پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے، مسجد کے ایک ایک شخص نے اس کو دیکھا اور بڑی حیرت سے دیکھا میں نے بازار اور کتب خانہ کی سیر کو طے کر رکھا تھا۔ شام کو جب چلا تو شہامت گنج کی موڑ پر پہلے پان کھانے کی خواہش پیدا ہوئی ابھی پان والے سے کہا بھی نہ تھا کہ ہر طرف سے السلام علیکم آنے اور مجھ کو جواب دینا پڑے۔ اب پان والے کی دکان کے سامنے کھڑا ہونا بھی میرا دشوار ہو گیا۔ سلام و مصافحہ کی برکت نے سارا پروگرام ختم کر دیا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ بریلی کا ذکر نہیں، کلکتہ بمبئی مدراس میں بھی پیادہ نہیں بلکہ موٹر میں بیٹھ کر بھی صرف سیر بازار کے لئے نہیں نکلا، سارا لکھنوی انداز ہمیشہ کے لئے ختم فرما دیا۔

حضرت غوث الاعظم کیساتھ حیرت انگیز عقیدت

دوسرے دن کا را دتاء پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپیہ کی شیرینی منگائی اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ پڑھ کر دست کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا۔ کہ اچانک اعلیحضرت پلنگ سے اٹھ پڑے سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا۔ کہ شاید کسی شدید حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیحضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیحضرت اس ذرّے کو نوک زبان سے اٹھا رہے ہیں اور پھر اپنی نشست گاہ پر بدستور تشریف فرما ہوئے اس واقعہ کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت و محبت میں ڈوب گئے اور فاتحہ غوثیہ کی شیرینی کے ایک ایک ذرے کے تبرک ہو جانے میں کسی دوسری دلیل کی حاجت نہ رہ گئی۔ اور اب میں نے سمجھا کہ بار بار مجھ سے جو فرمایا گیا کہ میں کچھ نہیں یہ آپ کے جد امجد کا صدقہ ہے۔ وہ مجھے خاموش کر دینے کے لئے ہی نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا ہی تھی بلکہ درحقیقت اعلیحضرت غوث پاک کے ہاتھ میں چوں قلم در دست کاتب تھے جس طرح کہ غوث پاک سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں چوں قلم در دست کاتب تھے اور کون نہیں جانتا کہ رسول پاک اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے تھے قرآن کریم نے فرمایا۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی

امام بریلوی کا لغزشوں سے محفوظ رہنا

علماء دین کے اعلیٰ کارنامے چودہ صدی سے چلے آ رہے ہیں۔ مگر لغزش قلم اور سبقت لسان سے بھی محفوظ رہنا یہ اپنے بس کی بات نہیں زور قلم میں تفرد پسندی میں آ گئے بعض مجدد لسیدی پر اتر آئے۔ تصانیف میں خود آرائیاں بھی ملتی ہیں۔ لفظوں کے استعمال میں بھی بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں۔ قول حق کے لہجہ میں بھی بوئے حق نہیں ہے۔ حوالہ جات میں اصل کے بغیر نقل پر ہی قناعت کر لی گئی ہے لیکن ہم کو اور ہمارے ساتھ سارے علماء عرب و عجم کو اعتراف ہے کہ حضرت شیخ محقق دہلوی بحر العلوم فرنگی محلی یا پھر اعلیحضرت کی زبان و قلم کا یہ حال دیکھا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اور زبان و قلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرما دیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اس عنوان پر غور کرنا ہو تو فتاویٰ رضویہ کا گہرا مطالعہ کر ڈالئے۔

امام بریلوی کی شعر گوئی۔ کتنی عجب بات ہے کہ ایسے امام الوقت مستند العصر کے پاس جس کو رات دن کے کم از کم بیس گھنٹے میں صرف عشرہ علم دین سے واسطہ ہو جس کے ایوان علم میں اپنے ساتھ قلم دوات اور دینی کتابوں کے سوا کچھ نہ ہو جو عرب و عجم کا رہنما ہو اس کو شعر کہنے کیا کہا جائے کسی سے شعر سننے کی فرصت کہاں سے ملتی ہے مگر شان جامعیت میں کمی کیسے ہو اور مملکت شاعری میں برکت کہاں سے آئے اگر اعلیحضرت کے قدم اس کو نہ نوازیں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس برشک جناں سے سرفراز تھے اس کی طلب تو ہر عاشق کے سرمایۂ حیات ہے چنانچہ اعلیحضرت کے حمد و نعت کا ایک مجموعہ کئی حصوں میں شائع ہو چکا ہے جس کا ایک ایک لفظ خود مست ہے۔ اور سننے والوں کو مستی عطا کرتا رہتا ہے ایک مرتبہ لکھنؤ کے ادیبوں کی شاندار محفل میں اعلیحضرت کا قصیدۂ معراجیہ میں نے اپنے انداز میں پڑھا تو سب جھومنے لگے میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدہ کی زبان کے متعلق چاہتا ہوں تو سب نے کہا کہ اس کی زبان تو کوثر کی دھلی ہو زبان ہے۔

اس قسم کا ایک واقعہ دہلی میں پیش آیا تو سرآمد شعراء دہلی نے جواب دیا کہ ہم سے کچھ نہ پوچھئے آپ عمر بھر پڑھتے رہیئے اور ہم عمر بھر سنتے رہیں گے۔

فن زیجات وفن تکسیر فن زیجات و فن تکسیر میں شانِ امامت کے نمونے آج اعلیحضرت کے تلامذہ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں اعلیحضرت کے ارشد تلامذہ حضرت ملک العلماء ظفر الملۃ والدین اس عہد میں دونوں فن کے ماہر مانے جاتے ہیں علم جفر میں اعلیحضرت ساری دنیا میں فرد یکتا تھے۔ بڑے

باقی ص ۲۵۹ پر

امام احمد رضا

ایک مظلوم اسلامی مفکر

عالی جناب سیّد حسن مثنیٰ انور . ایم اے علیگ

سید حسن مثنیٰ انور کی شخصیت جانی پہچانی ہے دنیائے ادب انہیں اس وقت سے جانتی ہے جب وہ جوان قلم ادیب بن کر آسمان صحافت پر درخشندہ ستارہ بن کر ابھرے اور علی گڑھ میگزین کی ادارت اپنے ہاتھوں میں لی کچھ دنوں المیزان کی ادارت سنبھالے ہوئے تھے۔ موصوف نے کئی تحقیقی مقالات قلم بند فرمائے ہیں جو قبول عام کی سند لے چکے ہیں موصوف نہ صرف ادیب ہیں بلکہ ایک اچھے خلصے مذہبی مقالہ نگار بھی ہیں۔ آپ کی پوری زندگی لکھنے پڑھنے کے لئے وقف ہے ——— ایڈیٹر

انقلاب ۱۸۵۷ء کے پس منظر و پیش منظر کے ساتھ ہندوستان پر ایک طائرانہ نگاہ ہی ڈالئے تو آپ کو یہ عظیم ملک مختلف تحریکوں، گوناگوں گردشوں اور رنگارنگ انقلابات و تغیرات کا گہوارہ دکھائی دے گا۔ مذہب، سیاست، معیشت ثقافت، معاشرت اور مدنیت غرض کہ کوئی شعبۂ حیات انسانی ایسا نہیں ملے گا جو زوال و ادبار اور ہلاکت و فلاکت کی طوفان خیزی سے محفوظ و مامون نظر آئے۔ اگر ایک طرف مغلیہ سلطنت کے اقتدار کا شیرازہ درہم برہم ہو چکا تھا تو دوسری طرف ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی بڑھتی ہوئی سیاسی طاقت کا طوفان سارے برّ عظیم پر چھا چکا تھا اور انگریزی سامراجوں نے وحشت و بربریت کے وہ دل سوز نمونے پیش کئے تھے جن پر انسانیت آج تک سوگوار ہے۔ بہادر شاہ ظفر کی اسیری، بوڑھے باپ کے سامنے جوان بیٹوں کا قتل، بیگمات کے ساتھ بہیمانہ سلوک اور دوسرے مجاہدین آزادی کو دار و رسن کی سخت ترین آزمائش سے گذارنا نیز کالا پانی کی سزا سنا کر ملک بدر کرنا، دیسی ریاستوں کے مابین انتشار و افتراق پھیلانا اور انہیں اپنے موروثی وقار کی بجالی کے لئے فرنگی سیاسی غلامی قبول کرنے پر مجبور و پابند کرنا، ہندوستانی عوام کی زندگی میں خوف و ہراس اور بے چینی و سراسیمگی کی لہر دوڑا کر اپنا حاصل کردہ اقتدار و وقار مستحکم کرنا اور بالخصوص مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا ——— یہ سب وہ حقائق ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ تاریخ کا دل دھڑکتا ہے بلکہ آج بھی وہ سارے محبان وطن عزیز کے لئے سرمایۂ عبرت و بصیرت ہیں اور تحصیل نور و حرارت کا سرچشمہ بھی کہ اسی انقلاب کے تقریباً نوے (۹۰) سال بعد فرنگیوں کو اپنی آہنی مورچہ بندی اور غیر معمولی طاقت و شوکت کے باوجود مجاہدین آزادی اور سرفروشانِ ملت نے انہیں انگلستان واپس جانے پر مجبور کر دیا۔

برٹش سامراجوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء کو غدر۔ شورش اور بغاوت و بدامنی کے مکروہ ناموں سے موسوم کیا تھا جو مجاہدین آزادی کی قدر و قیمت کو گھٹانے اور ہندوستانیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے کے جواز کے لئے ایک فرنگی چال تھی لیکن یہ حقیقت انگریزوں کے دیسی نمک خوار نہ سمجھ سکے چنانچہ ایک بادفا تذکرہ نگار لکھتا ہے!

"رمضان ۱۲۷۳ھ یعنی مئی ۱۸۵۷ء کا وہ طوفان جس کے تصوّر سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ ہندوستان کیا بلکہ دنیا بھر میں ایسا مشہور و معروف ہے کہ شاید دوسرا نہ ہو — سلطنت مغلیہ کا آخری دور اور لبریز ہو جانے والے پیمانۂ شاہی کا پچھلا منظر یعنی بدنصیب خانماں برباد بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کا وہ بلا خیز سماں تھا جس میں کارتوسوں پر چربی لپیٹے جانے کی جھوٹی افواہ اڑی اور غدر برپا کرنے کے چھپے کھلے مجمعوں میں چرچے شروع ہوئے تھے۔ تباہ ہونے والی رعایا کی نحوست تقدیر نے ان کو جو کچھ بھی سمجھایا اس کا انہوں نے نتیجہ دیکھا اور ان کی نسل دیکھ رہی ہے۔ جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں۔ حاکم کی نافرمانیں قتل و قتال کا بند بازار کھولا اور جوان مردی کے غرّہ میں اپنے پیروں پر خود کلہاڑیاں ماریں۔ اس بھیانک منظر میں ہزارہا بندگان خدا ناکردہ گناہ بھی پھانسی چڑھائے گئے جن کے بچے یتیم اور بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ اطراف کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں بدامنی پھیل گئی۔" (تذکرۃ الرشید مؤلفہ مولانا الحاج محمد عاشق علی صد۳ ج اوّل)

صاحب تذکرۃ الرشید نے اسی ضمن میں ان گوشہ نشینوں کو بھی پیش کیا ہے جنا کے

مرد مجاہد آزادی ہونے میں آج بھی بعض لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان سے متعلق ایسے محیر العقول افسانے تخلیق کر لئے گئے ہیں جن کے مقابل علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا رضا علی خاں بریلوی (امام احمد رضا کے دادا) مولانا عنایت احمد کاکوروی، مولانا فضل رسول بدایونی، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی، مولانا ارشاد حسین رامپوری، مولانا ہدایت رسول، مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی۔ مولانا عبد الجلیل علیگڑھی، مفتی صدر الدین آزردہ۔ مولانا امام بخش صہبائی۔ مولانا غلام امام شہید۔ مولانا سید تراب علی شاہ سجادہ نشین کاکوروی، مولانا وہاج الدین مراد آبادی، مفتی عبد الوہاب گوپا مئوی، سید احمد اللہ شاہ اور جنرل بخت خاں

وغیرہ جیسے مجاہدین جلیل کی تابناک سرگذشت حیات بھی ماند پڑنے لگتی ہے ورنہ ان کی اصل صورت تو یہ تھی:

جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پا کر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیر خواہ اپنے کو ظاہر کریں، انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا اور یہ مخبری کی کہ تھانہ کے فساد میں اصل الاصول یہی لوگ تھے اور شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والا یہی گروہ تھا ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

چونکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ تجویز ہو چکا تھا اس لئے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ و دو میں پھرتے تھے ـ ـ ـ ـ۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دیوبند میں روپوش تھے۔ ایک روز زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی نہ تھا، زینہ میں آکر فرمایا "پردہ کر لیں باہر جاتا ہوں" عورتوں سے رک نہ سکے باہر چلے گئے ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اس لئے گرفتار ہوئے، اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے۔ آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین سے کالشمس فی نصف النہار ثابت ہو گیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اس وقت رہا کئے گئے، اور آپ بخیر و عافیت وطن مالوف کو واپس آئے ... ہر چند کہ یہ حضرات حقیقۃً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی و مفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھیرا رکھا تھا اس لئے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالیٰ کی حفاظت بر سر تھی اسلئے کوئی آنچ نہ آئی اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے ہاں چند روز کی تفریق بین الاحباب مقدر تھی وہ اٹھانی تھی سو اٹھائی۔"

(ماخوذ از تذکرۃ الرشید ج اوّل صفحہ ۷۶ و ۷۹)

تذکرہ الرشید صفحہ پر مولوی رشید احمد گنگوہی کا یہ قول بھی زینت قرطاس بنا ہوا ہے کہ "میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکانہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔"

ایک انگریز حاکم کی عدالت میں مولوی رشید احمد گنگوہی کا ملزم کی حیثیت سے حاضر ہونا بھی بتایا جاتا ہے اور حاکم و ملزم کے درمیان سوال و جواب نیز فیصلہ کا ایک دلچسپ منظر بھی دکھایا گیا ہے جو نذر ناظرین ہے:

(۱) " انگریز حاکم: تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا؟

رشید احمد: ہمارا کام فساد کا نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی۔

(۲) حاکم: تم نے سرکار کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے؟

رشید احمد: (اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کر کے) ہمارا ہتھیار تو یہ ہے۔

(۳) حاکم: ہم تم کو پوری سزا دیں گے!

رشید احمد: کیا مضائقہ ہے مگر تحقیق کر کے۔

(۴) حاکم: تمہارا پیشہ کیا ہے؟

رشید احمد: کچھ بھی نہیں مگر زمینداری۔

فیصلہ حاکم: رشید احمد رہا کئے گئے۔"

(تذکرۃ الرشید ج اوّل صفحہ ۸۵)

تسبیح کو اپنا ہتھیار بتانا ایک ایسا نفسیاتی تعارف تھا جو انگریز جیسی شاطر و عیار قوم کے لئے اپنی تمام سفاکیوں کے باوجود بھی قطب گنگوہی کے وجود کو محفوظ رکھنا ضروری ہوگیا۔ تیسرے سوال کے جواب میں انداز خود سپردگی کے ساتھ تحقیق کی شرط نے مزید یقین دلا دیا ہوگا کہ یہ انمول ذات کہیں حاکم کی عجلت پسندی کے باعث معدوم نہ ہو جائے لہٰذا حکم رہائی ناگزیر قرار پایا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ انگریزوں کے حلم و تدبر اور درگذر کی پالیسی نے ان کے حق میں خاطر خواہ فائدے مرتب کئے اور اس انمول ذات کی بدولت ملت اسلامیہ کا شیرازہ ایسا درہم برہم ہوا جیسے برطانوی سامراج اپنے تمام تخریبی حربوں کے استعمال کے بعد بھی پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ صاحب تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں کہ

" اس فتنہ گرفتاری سے رہائی کے بعد حضرت امام ربانی باوجود ارشاد باطنی کے ظاہری علوم شرعیہ و فنون دینیہ کی تعلیم میں زیادہ تر مشغول ہوئے چند سال بعد جبکہ آپ تیسرے حج سے فارغ ہو کر ہندوستان پہونچے تو یہ شغلہ اس قدر بڑھا کہ صحاح ستہ کے دورہ کا ایک سال میں ختم کرانے کا آپ نے التزام کر لیا اور اس دینی خدمت کے لئے اپنے نفس کو وقف بنا کر گویا چار طرف اعلان دیدیا کہ جس کو دین حاصل کرنا اور حدیث کا پڑھنا ہو، آئے۔"

(ایضاً صفحہ ۸۶)

دینی تعلیم و تدریس کا نقشہ جس بنیادی اصول پر بنایا گیا تھا وہ ایک مکتوب سے صاف نمایاں ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کیجئے:

"جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو کچھ نہیں کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں۔ ان کا بدل ڈالنا کتب طب کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو۔"

(مکتوب بنام مولوی اشرف علی تھانوی ۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ مندرجہ تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۲۱)

یہ وہی دینی نظریہ معکوس ہے جسے پہلے پہل خیال میں ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) لائے، عمل کی دنیا میں لاکر ابن عبدالوہاب (م ۱۲۰۶ھ) نے نام پیدا کیا اور خوشہ چینیوں میں مولوی اسماعیل دہلوی (م ۱۸۳۱ء) ٹھہرے جنہوں نے اپنے پیرو مرشد اور مفروضہ امیر المومنین سید احمد رائے بریلوی (م ۱۸۳۱ء) کے زیر سایہ فتنہ توہب کو پھیلایا اور انگریز سامراجوں کی خوشنودی حاصل کی۔ مولوی اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان پہلی کتاب ہے جس نے ہندوستانی مسلمانوں کو کافر، مشرک اور بدعتی بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سید احمد شہید کی صحیح تصویر از پروفیسر حمید احمد مسعود، مطبوعہ لاہور)

انقلاب ۱۸۵۷ء کے کم و بیش ۲۵ سال قبل ۱۸۳۱ء میں معرکہ بالاکوٹ پیش آیا جس میں شرک سازوں اور کافر گروں کی جماعت کے ممتاز افراد مع سربراہان لقمۂ اجل بن گئے اور ان کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ دس سال کے بعد ۱۸۴۱ء میں مولوی مملوک علی نانوتوی کو انگریز حاکموں نے خوش ہو کر دہلی کالج کا صدر مدرس بنا دیا اور انہوں نے اسمٰعیلی جماعت کو دوبارہ زندہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ ان ہی کی بدولت مولوی ذوالفقار علی (والد مولوی محمود الحسن دیوبندی) اور مولوی فضل الرحمٰن (والد مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی) دہلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزوں کے ملازم ہو گئے۔ مملوک علی صاحب کے ارشد تلامذہ میں مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی احمد علی سہارنپوری اور سر سید احمد خاں وغیرہ کے نام سرفہرست تھے۔ لائق استاد کے انتقال کے بعد مولویوں کی یہ جماعت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ذات کو مرکز مان کر دائرہ بنانے لگی۔ اسی اثناء میں حریت پسندوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد عام کیا۔ ماحول سے تنگ اور دل برداشتہ ہو کر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تارک وطن ہو گئے۔ اب قدرتی طور پر مولوی رشید احمد گنگوہی اپنی جماعت کے "امام ہمام، قدوۃ الانام، قطب العالم اور مخدوم الکل" وغیرہ بن گئے۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے موقع پر جبکہ انگریز اپنی آتش انتقام کو مسلمانوں کے خون سے بجھا رہا تھا یہ جماعت خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتی رہی اور موقع پا کر مولانا عبیداللہ سندھی کے لفظوں میں "مولانا محمد قاسم نانوتوی دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند ضلع سہارنپور لے گئے اور سر سید احمد خاں انگریزی حصہ کو علی گڑھ لے گئے۔" کتب

دیوبند نے اپنے گورے آقاؤں کی کامل وفاداری کا گن گاتے ہوئے اپنے اصلی جدید نقشے پر دینی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جس کا ذکر اسی مضمون میں کیا جا چکا ہے۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ کتابیں بھی تصنیف کی گئیں اور مسلمانوں کے معتبر و مستند افکار و خیالات مذہبی اور شعائر اسلامی پر ایسی کاری ضربیں لگائی گئیں کہ اگر نصرت الٰہی ان کی پشت پناہی نہ کرتی تو دیوبند کے قطب ربانی کا تعلیمی نقشۂ جدید انہیں غبار راہ بنا دیتا!

تقویۃ الایمان، براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ، تحذیر الناس اور حفظ الایمان وغیرہ کتابیں جو مختلف اوقات میں لکھی گئیں لیکن سب ایک ہی قبیل کی ہیں اور ان میں توہب کا وہی رنگ و آہنگ ہے جسے ہندوستان میں سب سے پہلے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایجاد کیا تھا اور بعد میں دیوبند اسکول کے ہی خواہوں، ان کے شاگردوں، حاشیہ نشینوں اور مریدوں نے راگ میں راگ ملانے کی سعی بلیغ کی۔ ابتدا میں باہم دگر تجاذب و تخالف کے شکار ہوئے جیسا کہ ہر نئی ایجاد کا خاصہ ہوتا ہے تاہم اس نئے تجربے نے دو اہم رول ادا کئے: ایک طرف انگریزوں کے پاؤں مضبوطی سے جما دیئے اور مسلمانوں کی قوت اتحاد کو کمزور کر کے انگریزوں کو سیاسی اقتدار بڑھانے کے مواقع دیئے اور دوسری طرف ملت اسلامیہ کو مذہبی خانہ جنگی میں ایسا مبتلا کر دیا اور کفر و شرک و بدعت کے شور و غوغا سے مذہبی ماحول کو اس قدر مکدر کر دیا جس کا خسارہ ہندوستان میں سنی مسلمانوں کے معدوم ہونے کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وقت کا ایک المیہ یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے نامور علماء و دانشور جو صحیح معنوں میں وارث علوم انبیاء تھے جن کے علمی جلال و کمال کے سامنے کسی کو مجال گفتگو نہ تھی اور جن میں سے ایک بزرگ نے دعوت مباحثہ دیکر خود مولوی اسمٰعیل دہلوی کو روپوش ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سب کے سب ۱۸۵۷ء کے جہاد آزادی میں کام آ گئے اور جو تھوڑے بہت باقی بچے وہ اس نئے مذہبی بحران و طغیان سے ملت اسلامیہ کو بچانے میں مصروف ہو گئے۔

ان اسلام کش اثرات کی روک تھام کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جسکو علوم عقلی و نقلی دونوں میں پوری بصیرت اور دستگاہ حاصل ہو اور وہ تمام علوم و فنون میں بالغ نظری کے مقام پر فائز ہو۔ تفقہ فی الدین میں جو ائمہ متقدمین کی یاد دلائے اور جس کا علم کلام اگر ایک جانب توحید کے حقائق کی نقاب کشائی کرے تو دوسری جانب فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وارفتگی اور اختیار و اقتدار کا پرچم لہرائے۔ اپنے علم و یقین اور فکر و نظر سے تمام فرق باطلہ کی قلعی کھول دے اور خصوصیت کے ساتھ اس نئی مذہبی تحریک کا رد بلیغ کر دے جس کی اشاعت کرنے والے خدائی فوجدار بنکر انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین سے مسلمانوں کے غیر معمولی مربوط رشتے کو توڑنے کے آرزومند تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ایک ایسی ہی گرانمایہ اور عبقری شخصیت کا ظہور ہوا جسے عالم اسلام، امام احمد رضا بریلوی کے نام سے یاد کرتا ہے۔

امام احمد رضا ۱۴ جون ۱۸۵۶ء مطابق ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ (یعنی ۱۸۵۷ء کے جہاد حریت سے ایک سال قبل) شہر بریلی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے "۱۲۸۶ھ میں جب کہ عمر شریف صرف ۱۳ سال ۱۰ ماہ کی تھی آپ جلیل الشان عالم، عظیم المرتبت فاضل ہو گئے اور اسی وقت سے صفر ۱۳۴۰ھ یعنی ۵۴ برس تک مسلسل دینی و علمی خدمات انجام دیتے رہے" (سوانح اعلیٰحضرت امام احمد رضا مؤلفہ مولانا بدرالدین احمد رضوی مطبوعہ ۱۹۶۳ء صفحہ ۸۹)

امام کے اساتذہ میں مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی (متوفی ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء) مولانا محمد نقی علی خاں (متوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) شیخ احمد بن زین دحلان مکی (متوفی ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء) شیخ عبدالرحمٰن مکی (متوفی ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) شیخ حسین بن صالح (متوفی ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء) اور مولانا شاہ ابوالحسین احمد النوری (متوفی ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء) کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔

امام احمد رضا دو بار حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے، پہلی بار ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں اور دوسری بار ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۴ء میں۔ ان دونوں مبارک و مسعود مواقع پر امام نے شیوخ مکہ و مدینہ سے غیر معمولی اکتساب فیض کیا اور اپنی خداداد فقاہت و علمیت کے گہرے نقوش علمائے حجاز مقدسہ کے اذہان و قلوب میں مرتب کئے۔ چوّن ۵۴ سالہ مدت عمر میں امام احمد رضا نے کم و بیش ۵۰ علوم و فنون پر مستقل کتابیں تصنیف کیں اور متعدد اہم کتابوں کے حواشی بھی لکھے جو خود ایک تصنیف کی حیثیت رکھتے ہیں چند تصنیفات کی مجموعی تعداد درج ذیل ہے۔

(۱) علم تفسیر میں ۷ کتابیں
(۲) علم حدیث میں ۴۵ کتابیں
(۳) عقائد و کلام میں ۲۲ کتابیں
(۴) فقہ و تجوید میں ۷۰ کتابیں
(۵) تاریخ و سیر میں ۱۱ کتابیں
(۶) ادب، نحو، لغت و عروض میں ۶ کتابیں
(۷) تصوف میں ۹ کتابیں
(۸) علم زیجات میں ۷ کتابیں
(۹) علم جفر و تکسیر میں ۱۱ کتابیں
(۱۰) جبر و مقابلہ میں ۴ کتابیں
(۱۱) علم مثلث، ارثماطیقی لوگارثمات ۶ کتابیں
(۱۲) توقیت، نجوم اور حساب میں ۱۶ کتابیں
(۱۳) ہیئت، ہندسہ، ریاضی میں ۲۸ کتابیں
(۱۴) فلسفہ و منطق میں ۶ کتابیں

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۹۵ تا ۳۰۲

مندرجہ بالا فہرست تعداد کتب میں اکثر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں اور بعض مطبوعہ ہو کر نایاب ہیں۔ یہ فہرست اصل میں ماہنامہ اعلیٰحضرت بریلی کے دو شمارے اکتوبر ۱۹۶۲ء و دسمبر ۱۹۶۲ء سے ماخوذ ہے اور سوانح اعلیٰحضرت میں بجنسہٖ موجود ہے علاوہ ازیں امام احمد رضا بریلوی کی تصنیفی سرگرمیوں اور علمی و ادبی ذخیروں کا تفصیلی جائزہ لینے کے لئے حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے:

(۱) تذکرہ علمائے ہند مؤلفہ مولانا رحمان علی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء
(۲) تذکرہ علمائے حال مؤلفہ مولانا محمد ادریس نگرامی مطبوعہ ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء
(۳) معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ مؤلفہ یوسف الیاد سرکیس مطبوعہ مصر ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء
(۴) قاموس المشاہیر۔ نظامی بدایونی ج اوّل
(۵) حیات اعلیٰحضرت مؤلفہ ملک العلما علامہ ظفرالدین بہاری
(۶) المجمل المعدد لتالیفات المجدد مؤلفہ علامہ ظفرالدین بہاری
(۷) قاموس الکتب (اردو) مرتبہ انجمن ترقی اردو، ج اوّل مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

ملک العلما علامہ ظفرالدین بہاری نے امام احمد رضا کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے جن میں اکثر و بیشتر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ امام کی مطبوعہ کتابیں ہی سیکڑوں کی تعداد میں ہیں جنہیں دیکھ کر علمائے عرب و عجم نے خراج عقیدت پیش کیا ہے اور گلہائے تحسین و آفریں نچھاور کئے ہیں۔ ان کتابوں ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا مختلف علوم و فنون میں کس قدر کامل دستگاہ اور جامعیت رکھتے تھے، ان کا تبحر علمی کتنا منفرد اور بلند و بالا تھا اور ان کی ہمہ فکر و نظر تجدید و احیائے دین کا فریضہ انجام دینے میں کتنی مستحکم اور مستعد رہتی تھی!

امام نے سیاسی انتشار اور مذہبی خلفشار دونوں کو دیکھا تھا۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے واقعات اپنے بزرگوں سے سنے تھے۔ مجاہدین آزادی کے کارنامے اور دیسی نمک خواروں کے کرتوتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ انقلاب ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بہت سارے اسباب میں ایک اہم سبب وہ نام نہاد علما بھی تھے جنہوں نے اپنے گورے آقاؤں کا طوق غلامی گلے میں ڈال کر اگر ایک طرف حریت پسندوں کو اذیت پہونچائی تو دوسری جانب اسلام کے عقیدۂ توحید اور نظریۂ رسالت کی تعبیر و تشریح کے سلسلے میں کتاب و سنّت کو بازیچۂ اطفال بنا دیا۔ شہدا، صدیقین اور صالحین کے اعزاز و احترام کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ آثار صحابہ کی بے توقیری کی۔ تابعین اور تبع تابعین کی اسلامی خدمات کو مجروح کیا اور اس طرح انہوں نے مسلمانوں کی وحدت فکر و عمل کا شیرازہ منتشر کر کے انگریزی سامراجوں کی سیاسی طاقت کو بڑھاوا دیا۔ ان دلخراش اور جارحانہ حملوں کی ابتدا اگرچہ معرکۂ بالاکوٹ (۱۸۳۱ء) سے قبل ہی ہندوستان میں ہو چکی تھی لیکن انقلاب ۱۸۵۷ء کی سیاسی ہولناکی کے فوراً ہی بعد مسلمانوں کو بالعموم جس دوسرے انتشار و اضطراب کا سامنا کرنا پڑا وہ وہی فتنہ تو ہے تھا جو ہندوستان میں مولوی اسمٰعیل دہلوی سے

شروع ہو کر مولوی اشرف علی تھانوی تک پہونچتا ہے۔ اسلام کے "جدید ترمیم شدہ ایڈیشن" کے چند تراشے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ "اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الٰہیہ داخل نیست پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر ملائکہ انبیا رخارج از قدرت الٰہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی زاید از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی است کذب مذکور آرے منافی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر ست۔"

(رسالہ یکروزی مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی مطبوعہ فاروقی ص۱۷)

۲۔ "امکان کذب بایں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے خلاف پر وہ قادر ہے مگر اختیار خود اس کو نہ کرے گا یہ عقیدہ بندہ کا ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی مطبوعہ رحیمیہ دہلی ص۱)

۳۔ "الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ ج اوّل ص۱۹)

۴۔ کذب متنازعہ فیہ صفات ذاتیہ میں داخل نہیں بلکہ صفات فعلیہ میں داخل ہے۔"

(الجہد المقل مصنفہ مولوی محمود الحسن ج دوم ص۴۰)

۵۔ "افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں . . . .
واقعہ غیر واقعی کا عقد و اصدار قدرت باری جل سلطانہ میں داخل ہے . . . .
اب افعال قبیحہ کو قدرت قدیمہ حق تعالیٰ شانہ سے کیونکر خارج کر سکتے ہیں۔"

(ایضاً ص۴۱-۴۴-۸۳)

۶۔ امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں۔"

(براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی ص۲)

۷۔ "اسی طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب جی چاہے کر لیجئے، یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔"

(تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی ص۲۳)

۸۔ تنزیہ او تعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلاجہت و محاذات (الیٰ قولہ) ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است۔"

(ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی ص۵۳)

۹۔ الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(براہین قاطعہ مصنفہ خلیل احمد و مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص۵۱)

۱۰۔ "پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

(حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی ص۹)

۱۱۔ "سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔"

(تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم نانوتوی ص۲)

۱۲۔ "اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جاوے۔"

(تحذیر الناس ص۶۴)

۱۳۔ "بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است۔"

(صراط مستقیم مولفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی، مطبوعہ مجتبائی ص۸۶)

۱۴۔ "یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان

کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے ــــ

وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر ان کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے ہم ان کے چھوٹے ہوئے ـــــــ جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو، سو ان میں بھی اختصار کرو۔"

تقویت الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی ص ۱۶-۶۸-۵۱)

۵۱ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔"

(ایضاً ص ۴۷)

ان تراشوں کے ذریعہ پرستاران توہب کے عقیدۂ توحید اور نظریۂ رسالت کے بنیادی پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب کا عقیدہ رکھنا، جھوٹ بولنے پر خدا کو قادر ماننا، جھوٹ کو قدرت الٰہی میں داخل کرنا، کذب کو صفات خداوندی میں شامل کرنا، افعال قبیحہ کو خدائے تعالیٰ کی ذات میں ممکن تسلیم کرنا، مسئلہ امکان کذب کو قدمائے اسلام سے منسوب کرتے ہوئے خلف وعید کے معنیٰ میں سمجھنا، اللہ تعالیٰ کو ہمہ وقت مطلع علی الغیب نہ ماننا، خدا کو بھی بندوں کی طرح زمان و مکان کا محتاج جاننا وغیرہ ہی توہب کے عقیدۂ توحید کے بنیادی عناصر ہیں۔ اسی طرح فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو شیطان کے علم سے کم بتانا، محمد عربی کے وفور علم پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا، حبیب خدا کے علم غیب کی تکذیب کرتے ہوئے اسے زید، عمرو، پاگل، دیوانے اور جمیع حیوانات و بہائم کے مساوی ماننا، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو عوام کا خیال بتانا اور کسی نئے نبی کی مفروضہ آمد کے باوجود خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ سمجھنا، نماز میں رسالت مآب کے خیال کو گائے گدھے کے خیال سے بھی کئی درجے بدتر قرار دینا، انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کو چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہنا اور بالخصوص سرکار دو عالم کو بڑا بھائی کہنے میں غیرت دینی کو بالائے طاق رکھ دینا، رسول کی مدح و ستائش کو عام انسانوں سے بھی گھٹ کر پیش کرنا اور انہیں بے بس و محتاج تسلیم کرنا ہی توہب کے نظریۂ رسالت کا ٹریڈ مارک ہیں۔

نام نہاد مولویوں کی ان ہی جدت طرازیوں نے مذہبی دنیا میں تہلکہ مچا دیا اور مسلمانوں کے درمیان نفاق و شقاوت کی داغ بیل ڈال دی۔ اندیشہ تھا کہ آئے دن کی نئی نئی نکتہ آفرینیاں کہیں اسلامی تعلیمات کو مسخ نہ کر دیں اور مسلمانوں کو سیاسی ناکامی کے بعد کہیں مذہبی پسپائی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ یہ تھے سنگین حالات جو امام احمد رضا کے لئے چیلنج بن گئے اور اسلام کی دفاعی مورچہ بندی کی تمام ذمہ داری ان پر آگئی۔ عشق رسول نے امام سے جہاد بالقلم کا مطالبہ کیا اور نصرت الٰہی ان کی پشت پناہ بنی۔ وہ خود اپنے علمی مذاق کی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"مجھے تین کاموں سے دلچسپی ہے اور ان کی لگن مجھے عطا کی گئی ہے تفصیل یہ ہے: اوّل سید المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی حمایت کرنا کیونکہ ہر ذلیل وہابی آپ کی شان میں توہین آمیز کلام سے زبان درازی کر رہا ہے۔ میرے لئے یہی کافی ہے کہ میرا رب اسے قبول فرمائے گا۔ اور رب کی رحمت کے بارے میں میرا یہی ظن ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ میں اپنے بندے سے اس کے حسن ظن کے مطابق معاملہ فرماتا ہوں۔" دوم ان کے علاوہ دیگر بدعتیوں کی بیخ کنی جو دین کے دعویدار ہیں حالانکہ وہ مفسد محض ہیں اور سوم حسب استطاعت اور واضح مذہب حنفی کے مطابق فتویٰ نویسی" ــــــــ (ترجمہ)

(فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ص ۸)

(بحوالہ الاجازۃ الرضویہ لمبجل المکۃ البہیۃ (قلمی) ص ۳۷، ۳۸)

امام احمد رضا کے اس قلمی جہاد کے منشور (manifesto) نے ان کی انفرادیت کو چمکنے کا موقع دیا اور بچاس علوم و فنون کو اپنی مضبوط گرفت میں لینے والی فکر و نظر سمٹ سمٹا کر تقدیس الٰہی کی صیانت، ناموس رسالت کی حفاظت، ابطال بدعت و ضلالت اور فروغ کتاب و سنت میں لگ گئی۔ اس سلسلے میں امام نے کم و بیش ۲۰۰ دو سو کتابیں تصنیف کیں اور ہزارہا دلائل قاہرہ کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا۔ ہم ذیل میں صرف چند کتابوں ہی کے نام پیش کرتے ہیں جن پر امام کی شہرت عام اور بقائے دوام کی عمارت کھڑی ہے:

(۱) سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح۔ مرتبہ ۱۳۰۷ھ مطبوعہ ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء
(۲) سل السیوف الہندیہ علی کفریات بابا النجدیہ۔ مرتبہ ۱۳۱۲ھ مطبوعہ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء
(۳) الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ۔ مطبوعہ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء
(۴) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ۔ مطبوعہ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۴ء
(۵) حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین۔ مطبوعہ ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۵ء
(۶) کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن (قرآن حکیم کا مستند اردو ترجمہ ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء
(۷) فتاویٰ رضویہ (۱۲ جلدیں اور ہر جلد جہازی سائز کے ہزار صفحات پر مشتمل نیز ۵ جلدیں مطبوعہ بھی)

امام احمد رضا نے ابتدائی تین کتابوں میں مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے متبعین کے پھیلائے ہوئے امکان کذب باری تعالیٰ کے مسئلے کی قلعی کھولی ہے۔ ان کی بعض عبارتوں پر سخت گرفت کی ہے اور منطقی عدم توازن کو دکھلاتے ہوئے ان کے ناقص اور ناتراشیدہ خیالات و افکار کا زبردست محاکمہ کیا ہے۔ اسی کے ساتھ اسلامی موقف کو بھی کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کر دیا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:
(صرف مرکزی خیال اور خلاصۂ کلام پر اکتفا کیا گیا ہے)

"قدرت الٰہی صفت کمال ہو کر ثابت ہوئی ہے۔ نہ معاذ اللہ منعتِ نقص و عیب۔ اور اگر محالات پر قدرت مانیئے تو ابھی انقلاب ہوا جاتا ہے، وجہ سنیئے:
جب کسی محال پر قدرت مانی اور محال، محال سب ایک سے معہذا تمہارے...... خیال پر جس محال کو مقدور نہ کہئے اتنا ہی عجز و قصور سمجھئے تو واجب کہ سب محالات زیر قدرت ہوں اور منجملہ محالات سلب قدرت الٰہیہ بھی ہے تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کو کھو دینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنا لینے پر بھی قادر ہو۔ اچھا عموم قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی"۔

(سبحان السبوح ص۸)

"اگر کذب الٰہی ممکن ہو تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں کہ اٹھائے نہ اٹھیں۔ کافروں اور ملحدوں کو اعتراض و مقال و عناد و جدال کی وہ مجالیں ملیں کہ مٹائے نہ مٹیں۔ دلائل قرآن عظیم و وحیٔ حکیم یکدست ہاتھ سے جائیں حشر و نشر و حساب و کتاب و جنت و نار و ثواب و عذاب جا کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ پائیں کہ آخر ان امور پر ایمان صرف اخبار الٰہی سے ہے۔ جب معاذ اللہ کذب الٰہی ممکن ہو تو عقل کو ہر خبر الٰہی میں احتمال رہے گا کہ شاید یوں ہی فرما دی ہے شاید ٹھیک نہ پڑے"۔

(ایضاً ص۱۷)

ملّائے دہلی کا خدائے موہوم کہاں کہاں آدمی کی حرص کرے گا؟ آدمی کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے۔ پاخانہ پھرتا ہے اور پیشاب کرتا ہے آدمی قادر ہے کہ جس چیز کو دیکھنا نہ چاہے آنکھیں بند کرے سننا نہ چاہے کانوں میں انگلیاں دیدے، آدمی قادر ہے کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈبو دے، آگ سے جلا لے۔ خاک پہ لیٹے کانٹوں پر لیٹے، رافضی ہو جائے، وہابی بن جائے مگر ملائے ملام کا مولائے موہوم یہ سب باتیں اپنے لئے کر سکتا ہو گا ورنہ عاجز ٹھہرے گا اور کمال قدرت میں آدمی سے گھٹ رہے گا۔ اقول غرض خدائی سے ہر طرح ہاتھ دھو دھو بیٹھنا ہے۔ نہ کر سکا تو حضرت کے زعم میں عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں، کر سکا تو ناقص ہوا، ناقص خدا نہیں ..... تو شمس و امس کی طرح اظہر و ازہر کہ دہلوی بہادر کا یہ قول ابتر حقیقتہً انکار خدا کی طرف منجر........... مگر سبحان ربنا، ہمارا سچا خدا سب عیبوں سے پاک اور قدرت علی المحال کی تہمت سراپا ضلال سے کمال منزّہ"۔

(ایضاً صف۷۰)

" مانو تو ایک سہل تدبیر تمہیں بتاؤں۔ میرا رسالہ تنہائی میں بیٹھ کر بغور دیکھو ان دو سو (۲۰۰) دلائل و اعتراضات کو ایک ایک کر کے انصاف سے پرکھو۔ فرض کرو کہ دو سو میں استحالۂ کذب الٰہی پر صرف ایک دلیل اور تمہارے خیال اور تمہارے امام کے... اقوال پر فقط ایک ایک اعتراض قاطع ہر قیل و قال باقی رہ گیا۔ باقی سب سے تم نے جواب دے لیا تو جانِ برادر! احقاق حق کو ایک دلیل کافی، ابطال باطل کو ایک اعتراض وافی، نہ کہ دلائل باہرہ، اعتراضات قاہرہ صدہا سنو اور ایک نہ گنو۔ دل میں جانتے جاؤ کہ دلائل باصواب اور اعتراضات لاجواب، مگر ماننے کی قسم، توبہ کی آن، بلکہ الٹے تائید باطل کی فکر ساماں۔ یہ تو حق پرستی نہ ہوئی، بدمستی ہوئی، نشۂ تعصب میں سیاہ مستی ہوئی۔ پھر قیامت تو نہ آئے گی؟ حساب تو نہ ہوگا؟ خدا کے حضور سوال و جواب تو نہ ہوگا؟ اے رب میرے! ہدایت فرما اور للہ ان جیلی آنکھوں کو کچھ تو شرما"

(ایضاً ص۱۰۵)

امام کی چوتھی کتاب الدولۃ المکیّہ ہے جو بلاشبہ ان کے قلم کا شاہکار ہے۔ مسئلہ علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام تحقیق اور علمی مباحث کو شرح و بسط کے ساتھ اسی ایک تصنیف میں جمع کر کے امام نے سیکڑوں کتابوں کے مطالعے سے مسلمانوں کو بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ معرکتہ الآرا تصنیف امام کی صرف ساڑھے آٹھ گھنٹوں کی کاوشوں اور توجہات کا ثمرہ ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ

۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۴ء میں جب امام احمد رضا دوسری بار حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے "تو علامہ جلیل شیخ اسماعیل بن خلیل مدنی کے لفظوں میں۔ بعض فاسقوں کی مدد سے چند بدنصیبوں نے اس وقت کے شریف مکّہ کے یہاں ضرر پہونچانے میں کوشش کی اور ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا۔ چنانچہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے پاس سوال بھیجا اور گمان کیا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے کہ سفر کی تیاری میں ہیں اور یہاں ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں تو مولانا نے (اللہ ان کی تائید کرے) اس سوال پر وہ جواب لکھا جس سے ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی کی اور ہر کافر و فاسق و گمراہ بے توقیر کو ذلیل و خوار کیا .... شریف مکّہ نے شیخ صالح کمال (سابق مفتی مکہ) کو حکم دیا کہ رسالہ ان کے دربار میں برملا پڑھیں۔ چنانچہ رسالہ پڑھا گیا۔ سرکش گروہ کے افراد وہاں موجود تھے، سن سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور ذلیل و خوار ہوئے۔ اس وقت شریف مکّہ پر ظاہر ہو گیا کہ مولانا احمد رضا خاں حق پر ہیں اور مخالفین گمراہ ہیں" ....

(الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء ص۱۳)

امام احمد رضا خود بھی اپنی یہ سرگذشت سناتے ہیں:

"میرے پاس علم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض ہندیوں

کی طرف سے پیر کے دن عصر کے وقت ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو ایک سوال آیا اور میرے گمان میں ان بعض وہابیہ کا اٹھایا ہوا ہے جنہوں نے دل کھول کر اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دی اور ہندوستان میں اس کی کتابیں شائع کیں۔ . . . . . .
. . . . . اور انہوں نے جانا کہ میں مکہ معظمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں اور بیت اللہ کی زیارت میں مشغول اور اپنے مولیٰ و محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہر کی جانب جانے کی جلدی کی ہے تو انہوں نے یہ سوال اٹھایا اس طمع پر کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دل کا لگا ہونا اور کتابیں پاس نہ ہونا، مجھے اظہار جواب سے روک دے گا تو اس میں ان کو عید و خوشی ہو جائے گی اور یہ نہ جانا کہ یہ دین متین امان میں ہے اور جو کوئی اس کی مدد کرے منصور و محفوظ ہے۔"

(الدولتہ المکیہ صفہ ۱۲۱)

امام احمد رضا کی سرگزشت خود ان ہی کی زبانِ قلم سے سننے اور ایک فاضل جلیل عرب کی تصدیق و توثیق واقعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ الدولتہ المکیہ کی تہذیب و تدوین ایک قلیل ترین وقت میں ہوئی اور نہایت بے سروسامان کے عالم میں۔ یہ گرانقدر تصنیف اگر ایک طرف امام کے علمی تبحر، کتاب و سنّت پر کامل استحضار، حافظہ کی قوت و وسعت، فکر و نظر کی جولانی، سرعت فہم اور قلم برداشتہ انداز تحریر کی آئینہ دار ہے تو دوسری طرف سرزمین حجاز مقدسہ نیز دیگر بلاد اسلامیہ میں امام کی غیر معمولی مقبولیت و محبوبیت کی غماز ہے جیسا کہ علامہ شیخ اسماعیل بن خلیل مدنی کا ارشاد ہے کہ

"علماء اور طلبہ علم نے چاروں طرف سے مولانا شیخ احمد مذکور کو گھیر لیا تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوئی سوال کرتا اور کوئی قول صحیح دریافت کرنے کے لئے کوئی مسئلہ پیش کرتا ہے اور کوئی اجازت مانگتا ہے اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا ہے یہ ان کا حال تھا جب مکہ میں تھے۔"

(الفیوضات الملکیہ صف ۱۴)

اور تیسری طرف الدولتہ المکیہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ بعض ان ہندوستانی مولویوں کو متعارف کرا دیا جو ناموس رسول کے مقابل ناموس اسلاف کے لئے قلم کی روشنائی خشک کر رہے تھے اور گروہی تعصب نے جنہیں توفیقِ توبہ سے محروم کر رکھا تھا۔ یہ سارے دلسوز اور روح فرسا مناظر امام احمد رضا کی نگاہوں کے سامنے تھے تاہم امام نے حکمت تبلیغ کے پیش نظر صلاح و فلاح کی فضا بنانے اور افہام و تفہیم کی راہ نکالنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اب مسئلہ علم غیب پر امام کی شانِ فقاہت ملاحظہ کیجئے:

"جو غیر خدا سے علم غیب کی مطلقاً ایسی نفی کرے کہ کسی طرح ثابت نہ مانے وہ ان آیتوں سے کفر کر رہا ہے جو ثابت فرماتی ہیں اور جو مطلقاً اس طرح ثابت کرے کہ کسی وجہ سے نفی مانے ہی نہیں وہ ان آیتوں سے کفر کرتا ہے جو نفی فرماتی ہیں اور مسلمان سب پر ایمان لاتا ہے اور وہ مختلف راہوں میں نہیں پڑتا۔"

(الدولتہ المکیہ صفہ ۱۰۵)

"پہلی تقسیم تو یہ ہے کہ علم یا تو ذاتی ہے جبکہ نفس ذات عالم سے صادر ہو اس کے غیر کو اس میں کچھ دخل نہ ہو، یوں کہ غیر کی عطا سے ہو نہ یوں کہ غیر اس میں کسی طرح سبب پڑے ــــ اور یا عطائی ہے جبکہ غیر کی عطا سے ہو۔ پہلی قسم مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے اور جو اس میں سے کوئی حصہ جہان بھر میں کسی کے لئے ثابت کرے اگرچہ ایک ذرے سے کم سے کم تر، وہ یقیناً مشرک ہے۔ اور دوسری قسم مولیٰ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ خاص ہے، اللہ کے لئے ممکن نہیں اور جو اس کا کوئی علم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرے وہ کافر ہے اور ایسی چیز لایا جو شرک اکبر سے بھی زیادہ خبیث و شنیع ہے اس لئے مشرک تو وہ ہے جو اللہ کے برابر دوسرے کو جانے اور اس نے غیر خدا کو خدا سے برتر سمجھا کہ اس نے اپنے علم و خیر کا فیض خدا کو پہنچا دیا۔"

ایضاً صفہ ۱۷۷-۱۸۱

"وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبوں کے مطلق علم کی نفی کرتا ہے اگرچہ خدا کی عطا سے ہو تو ایسا شخص اس چیز کی نفی کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ثابت فرمائی ہے اور اس کا یہ قول اس کے ایمان کی نفی کرتا ہے اور اس کے زیاں کار ہونے کے لئے کافی ہے۔" (ص ۲۰۹)

"تمام و کمال جملہ مخلوقات کے مجموعۂ علوم کی ہمارے رب العالمین کے علوم سے برابری کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ بھی گذرے۔ کیا اندھوں کو یہ نہیں سوجھا کہ اللہ کا علم ذاتی ہے اور خلق کا علم عطائی ہے اور اللہ کا علم اس کی ذات کے لئے واجب ہے اور خلق کا علم اس کے لئے ممکن۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا علم ازلی سرمدی، قدیم، حقیقی ہے اور مخلوق کا علم حادث اس لئے کہ تمام مخلوقات حادث ہے اور صفت موصوف سے پہلے نہیں ہو سکتی اور اللہ سبحانہ، کا علم مخلوق نہیں اور خلق کا علم مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کا علم کسی کے زیر قدرت نہیں اور خلق کا علم اللہ کی قدرت میں اور اس کے زیر دست ہے۔ علم الٰہی کا ہمیشہ رہنا واجب اور علم مخلوق کی فنا ممکن۔ علم الٰہی کسی طرح بدل نہیں سکتا اور علم خلق میں تغیر روا۔"

(ایضاً صفہ ۲۱۳)

الدولۃ المکیہ کی تکمیل کے بعد مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور دیگر بلادِ اسلامیہ کے تقریباً ۶۱ علماء نے اس پر تقریظیں لکھیں اور اس کے مضامین کو نہ صرف یہ کہ سراہا بلکہ اسلامی عقائد کا معیار قرار دیا۔ علمائے حجاز میں شیخ موسیٰ علی شامی شیخ حسن بن عبدالقادر اور علامہ سید اسمٰعیل بن خلیل نے خصوصیت کے ساتھ امام احمد رضا کو "مجدد دین وملت" کہا۔ اس عظیم الشان فتح ونصرت کے سائے میں جب امام ہندوستان واپس ہوئے تو یہ امید لئے ہوئے تھے کہ علمائے عرب کی ایک کثیر جماعت کی تائید وتصدیق دیکھ کر شاید ہندوستان کے علماء مخالفین اپنے زہر آگیں خیالات پر نظر ثانی کریں اور انہیں اسلام سے نسبت نہ دیں مگر

ع اے با آرزو کہ خاک شدہ

ہندوستان پہونچ کر امام کو نقشہ کچھ الٹا نظر آیا۔ فتنۂ توہب کی قلابازیاں بڑھتی گئیں۔ افہام وتفہیم کے امکانات کمزور پڑتے گئے۔ مخالفین اپنے خیالات فاسدہ کی اشاعت میں نسبتاً زیادہ جری دکھائی دینے لگے، انہوں نے اپنا ایک متحدہ محاذ بنالیا جس نے نفسانیت کی لَو کو تیز تر کردیا۔ اب لے دے کے ان کا یہی مقصودِ حیات بن کر چلا ہے جو کچھ ہوجائے مگر ان کے مفروضہ دنیاوی اماموں، مخدوموں، قاسم العلوموں، شیخ الہندوں، حکیم الامتوں اور فقیہ النفسوں کی بات کٹنے نہ پائے! اسلامی توحید مجروح ہوجائے کوئی مضائقہ نہیں۔ نظریۂ رسالت کو صدمہ پہونچے کوئی حرج نہیں، ان ہی کی کتابوں کا سہارا لیکر کوئی نیا شخص دعویٰ نبوت کرے تو کوئی غم نہیں لیکن فتاویٰ رشیدیہ، تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان وغیرہ جیسی ایمان سوز کتابوں کی مسلسل اشاعت جاری رہے۔ خدا اور رسولِ خدا کی شان میں گستاخی کرنے والے اس حد تک پہونچ گئے کہ بیک جنبشِ قلم سارے مسلمانوں کو کافر ومشرک اور بدعتی وجہنمی بناڈالا کبھی سلام وقیام کی بحث اٹھاکر، کبھی نذر وفاتحہ وعرس نیز دوسرے مروجہ طریق ایصالِ ثواب کا مذاق اڑاکر، کبھی اوراد ووظائف کی قدر وقیمت کو گھٹاکر اور کبھی دوسرے فروعی مسائل کو چیستان بناکر ـــــــــــ

یہ سب پیچیدگیاں اور گورکھ دھندے اس لئے معرض وجود میں لائے گئے کہ توحید ورسالت سے متعلق تجدد پسندوں کی بیمار ذہنیت کے کرشمے پردۂ خفا ہی میں رہیں اور عام مسلمانوں کی نگاہوں میں ان کا روحانی وعلمی بھرم کھلنے نہ پائے! ان تمام احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے کے باوجود توہب پرستوں کو ذہنی آسودگی حاصل نہ ہوسکی اور ان کے ذہنوں پر امام احمد رضا کے قلم حقیقت رقم کا خوف مسلط رہا۔ وہ خوب جانتے تھے کہ بیس بائیس سال سے ان کے ہر نشیب وفراز پر صلاح وفلاح کا پیام دینے والی ذات تنہا امام کی تھی اور خانہ ساز روغن تاویلات سے جلنے والے چراغ کی روشنی دکھا کر اس مردِ حق آگاہ کو مسحور نہیں کیا جاسکتا تھا۔

چنانچہ توہب پرستوں نے اپنا سارا زور امام احمد رضا کے خلاف افواہیں پھیلانے میں لگادیا اور اپنے سارے عیوب امام سے منسوب کردیئے۔ ایک جگہ امام احمد رضا خود ہی رقمطراز ہیں:

"ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار! یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کے مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا۔ مولوی اسحٰق صاحب کو کہدیا، مولوی عبدالحئی صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو کہدیا حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا اور مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا ـــ یا ـــ پھر جو پورے ہی حدِ حیا سے گذر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کہدیا ـــ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا۔ یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین الہ آبادی مرحوم ومغفور سے جاکر جڑدی کہ معاذاللہ، معاذاللہ، معاذاللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے انہوں نے آیۂ کریمہ ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا پر عمل فرمایا۔ خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ انجاء البری عن وسواس المفتری لکھ کر ارسال ہوا۔"

(حسام الحرمین ص ۴۲)

اسی ضمن میں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ جن حضرات نے امام احمد رضا کی درج ذیل تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے۔

(۱) انباء المصطفٰے بحال سر واخفیٰ (۱۳۱۸ھ)
(۲) جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام الموت (۱۳۲۰ھ)
(۳) مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۴ھ)
(۴) انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ (۱۳۲۹ھ)
(۵) خالص الاعتقاد (۱۳۲۸ھ)
(۶) الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیۃ (۱۳۳۷ھ)
(۷) جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور (۱۳۳۹ھ)

وہ اچھی طرح باخبر ہوں گے کہ توہب پرستوں کی جانب سے لگائے گئے سارے

الزامات بالکل جھوٹے اور بے بنیاد تھے ان افترا پردازوں کی غرض و غایت یہی تھی کہ امام احمد رضا حالات سے برگشتہ خاطر ہو کر دعوت و تبلیغ کی راہ سے علیحدہ ہو جائیں اور گوشہ نشینی اختیار کرلیں لیکن خلاق عالم نے جس ذات گرامی کو تجدید و احیائے دین کے لئے پیدا فرمایا تھا وہ ان ہزل سرائیوں سے کیا مرعوب ہوتی! چنانچہ واقعات شاہد ہیں کہ امام احمد رضا کم و بیش ۴۰ سال تک اپنی مختلف تحریروں کے ذریعہ توہب پرستوں کو دعوت اصلاح و فلاح دیتے رہے پھر خطوط ارسال کئے، متعدد بار رجسٹریاں بھیجیں اور تحقیق و جستجو کے تمام تقاضے ادا کئے مگر عزتِ نفس کے نشے میں چور رہنے والوں نے بالکلیہ خاموشی اختیار کرلی۔ گویا وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے۔

"جس کی نومیدی سے ہے سوز درون کائنات
اس کے حق میں تقنطوا اچھا ہے یا لاتقنطو"

امام احمد رضا نے ان کا جو یہ رنگِ بے اعتنائی دیکھا تو بے حد آزردہ خاطری ہوئی مگر اتمام حجت کے بعد وہ کر ہی کیا سکتے تھے اسلام کا تقاضہ ہوا کہ خدائے قدوس وسبوح کی ذات یا صفات میں عیب نکالنے والوں کو علیحدہ کر دو اور ایمان نے مطالبہ کیا کہ تقدیس رسالت اور عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنے والوں کو شریعت اسلامیہ کا حکم سنادو! چنانچہ امام احمد رضا نے حضرت مولانا فضل رسول بدایونی کی تصنیف المعتقد المنتقد (۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء) کو تعلیقات و حواشی کے ساتھ المعتمد المستند کے نام سے مرتب فرمایا۔ اعجاز احمدی (مرزا غلام احمد قادیانی)، ازالۃ الاوہام (غلام احمد قادیانی) فتاویٰ رشیدیہ (مولوی رشید احمد گنگوہی)، تحذیر الناس (مولوی قاسم نانوتوی) براہین قاطعہ (مولوی خلیل احمد انبیٹھوی) اور حفظ الایمان (مولوی اشرف علی تھانوی) وغیرہ کے مضامین کا تحلیل و تجزیہ کر کے شاملِ کتاب کیا اور انہیں پانچ طبقوں میں تقسیم کیا جو درج ذیل ہیں:

(۱) انجاس قادیانی (یعنی انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور اپنی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرنے والے)

(۲) ارجاس شیطانی (یعنی شیطان کی وسعت علم کو نص سے ثابت ماننے والے اور فخر دو عالم کے لئے وسعت علم کا انکار کرنے والے)

(۳) تکذیب رحمانی (یعنی خدائے قدوس و سبوح کو جھوٹ بولنے پر قادر ماننے والے)

(۴) نبوت ستانی (یعنی یہ عقیدہ رکھنے والے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انبیاء کا مبعوث ہونا مستبعد نہیں۔)

(۵) جنون سگالی (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں سے مماثل قرار دینے والے)

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: حسام الحرمین ص ۱۱-۲۰)

امام احمد رضا نے مذکورہ بالا ہر طبقہ پر کمال احتیاط کے ساتھ شرعی حکم لگایا اور اس تاریخ ساز فتویٰ کو ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ میں علمائے حرمین کی خدمت میں بھی پیش کیا جس پر ۳۴ علمائے مکہ و مدینہ نے تقریظیں لکھیں اور اپنی تائید و تصدیق کے ذریعہ امام کی دینی بصیرت اور فقہی ژرف نگاہی کو ممتاز و نمایاں فرمایا۔ ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۵ء میں حسام الحرمین منصۂ شہود پر آئی اور اس شان و جلالت کے ساتھ کہ نصف صدی سے زائد گذر جانے کے بعد آج بھی وہ حق و باطل اور اسلام و کفر کا معیار بنی ہوئی ہے۔ حسام الحرمین کی اشاعت کے بعد توہب پرستوں اور اسلاف کے پجاریوں کی بدحواسی نقطۂ عروج پر پہونچ گئی جس نے مخالفین کو دشنام طرازی کی پست ترین سطح پر لاکر کھڑا کر دیا کسی نے امام کو "بڑا ہی جھگڑالو۔ فسادی، نخوت علم کا مارا۔ دشمنی اور خصومت میں بہت ہی سخت، ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جانے والا اور پیچھا نہ چھوڑنے والا۔ دیارِ ہند میں تکفیر و تفریق کا علم بلند کرنے والا، اور تاویل کفر نہ سننے والا" کہا (نزھۃ الخواطر ص ۳۹ ج ۸، مؤلفہ عبد الحیٔ لکھنوی) اور ایک "شیخ الاسلام" نے تو جوشِ تعلقِ اسلاف میں امام احمد رضا کو "دجال، کذاب، مفتری، شیطان، دشمن رسول، ان کے اساتذہ کو ابلیس کا سردار اور ان کے بزرگوں کو بنی اسرائیل و یہودی کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا" (ملاحظہ کیجئے الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، مؤلفہ مولوی حسین احمد مدنی)، ان گالیوں اور ہرزہ سرائیوں کا اثر امام پر کیا پڑا اسے آپ ان ہی سے سنیئے:

"حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے اپنے اس بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعاظم اکابر کی ان عظیم مدحوں پہ اتراتا ہے بلکہ اپنے رب کے حسن نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لئے۔ کیا تو نے اس ناچیز کو ان عظمائے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔ نہ ان دشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالی سے جو وہ زبانی دیتے ہیں اور اخباروں میں چھاپتے ہیں پریشان ہوتا بلکہ شکر بجالاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس ناقابل کو اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتوں میں اس کا چہرہ لکھا جائے...

..... اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگائیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلظہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں اور اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسرارہم کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم بر علم۔ اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو اس کے آباء و اجداد کی آبرو بدگویوں کی زبانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آبرو کے لئے سپر ہو جائے۔ سیدنا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدگویانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

فان ابی و والدتی و عرضی
لعرض محمد منکم وقاء "

(حسام الحرمین: خلاصہ فوائد فتوی (۱۳۲۴ھ) گلبن اوّل ص۵۱ و ۵۲)

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حسام الحرمین کی اشاعت کے بعد دو نقطہ ہائے نظر بے غبار ہو کر ابھرتے ہیں ایک کی پاسبانی مخالفین کرتے تھے اور دوسرے کی امام احمد رضا۔ ایک طرف ناموسِ اسلاف اور عزتِ نفس کے بچاؤ کے لئے ساری توانائیاں صرف ہو رہی تھیں اور دوسرے طرف اللہ تعالیٰ کو بے عیب ثابت کرنے اور عظمتِ رسول خدا کو بڑھانے کی خاطر فکر و نظر کا سارا سرمایہ وقف تھا۔ ایک جانب دشنام طرازیوں اور الزام تراشیوں کا بازار گرم تھا اور دوسری جانب صبر و شکر کے ساتھ دینی خلوص وللہیت کی جلوہ گری تھی۔ ایک سمت ایک ہی تھیلی کے چند کھوٹے سکوں کی جھنکار تھی اور دوسرے سمت علمائے عرب و عجم ہم آواز تھے ادھر ظالموں کا ظلم شباب پر تھا اور ادھر مظلوم کی مظلومیت بحد کمال تھی۔ غرضکہ ۱۸۵۷ء کے سیاسی جہاد کے بعد ہی کمپنی بہادر کے وفادار مولویوں نے مذہبی دنیا میں شورش برپا کر کے جو طبل جنگ بجایا تھا اس نے آگے چلکر ۱۸۶۹ء میں قلمی جہاد کی صورت اختیار کر لی جس کا طویل سلسلہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۴ء تک رہا البتہ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء میں حسام الحرمین نے اس قلمی جہاد کا فیصلہ کن انجام مسلمانان عام کے سامنے پیش کر دیا اور دنیا نے جان لیا کہ امام احمد رضا کے پیکر میں دراصل ایک مظلوم اسلامی مفکر تھا جس کے چونسالہ علمی، ادبی، اصلاحی اور تجدیدی کارناموں پر پردہ ڈالنے اور انہیں مسخ کرنے کی سعیٔ بلیغ بعض ناعاقبت اندیشوں نے کی مگر مشیّت الٰہی کا اشارہ پا کر تاریخِ اسلام نے امام کا خیر مقدم کیا اور ان کی اسلامی خدمات کو اس غیر منقطع تاریخی تسلسل سے ملا دیا جو صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اور جہاں ہر صدی کے مجدد کے مظلومیت سے بھرپور مصلحانہ احوال و کوائف وقت، مقام اور ضرورت کے نوعی فرق کے ساتھ بڑی حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

مجدد اعظم کا بقیہ

بڑے مدعیان فن مسطرہ تک پہنچ کر آگے معذور ہو جاتے ہیں اور ان کے حسابات میں جواب سے پہلے کوئی نہ کوئی کسر آجاتی ہے۔ بڑے بڑے رمال و جفار نے اعتراف کیا کہ ہم اعلیحضرت کے آگے طفل دبستان ہیں۔

عجیب واقعہ اس سلسلہ میں ایک واقعہ یاد آگیا کہ حضرت مولانا ہدایت رسولِ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ریاست رام پور میں علمی منصب پر فائز تھے، نواب صاحب کی بیگم بیمار پڑیں جن کی بیماری نواب صاحب کے لئے ناقابل برداشت تھی ان کی بیماری کا انجام جاننے کے لئے اعلیحضرت کی خدمت میں بھیجا۔ پہلے تو اعلیحضرت نے ٹال دیا۔ مگر مولانا کا سوکھا سا منہ دیکھ کر رحم آگیا۔ اور لکھ کر دیدیا کہ اگر رفض سے توبہ نہ کی تو اسی ماہ محرم میں رام پور کے اندر مر جائے گی۔ نواب صاحب نے طے کر لیا کہ ماہ محرم کو تو روکا نہیں جا سکتا مگر رام پور سے چلا جانا ممکن ہے۔ مع بیگم کے نینی تال چلے گئے کہ وہاں موت واقع ہوئی تو وہ نینی تال ہے رام پور نہیں ہے۔ مگر وہ جو کہ فرمایا گیا ہے جف القلم بما ہو کائن۔ آخر یہ ہو کر رہا کہ کان پور کی مسجد شہید گنج کے ہنگامے میں لفٹننٹ گورنر مسٹر مسٹن کی بے چینی حد سے بڑھی تو نواب صاحب کو تار دیدیا کہ رام پور آتا ہوں، جلد آکر ملو، نواب صاحب اکیلے جانے کو تیار ہوئے تو بیگم نے نہ مانا اور دونوں ماہ محرم میں جیسے ہی رام پور پہنچے کہ بیگم کا انتقال ہو گیا اعلیحضرت نے مولانا سے فرمایا تھا کہ اس پر ایمان نہ لانا مگر ہوگا ایسا ہی چنانچہ وہ ہو کر رہا۔ کارخانۂ قدرت کے جس عجوبہ کاری میں دنیا نے دیکھا کہ علامۂ شامی کی وہ مبارک ہستی تھی جس سے وہابیہ نجدیہ کو باغی قرار دے کر اس کے خلاف آواز بلند کی اور دہلی کے شاہ صاحب نے اپنے گھر کی وہابیت کو چھپا کر دفن کر دیا۔ یا اس کا رد فرما دیا اور اعلیٰحضرت نے وہابیت نجدیت دیوبندیت کی وہ بے مثال گردن زدنی فرمائی کہ عرب و عجم نے امامت و مجددیت کا تاج زریں فرق مبارک پر رکھ دیا۔

وصال کی خبر اور اعلیحضرت اشرفی میاں میں اپنے مکان پر تھا اور بریلی کے حالات سے بے خبر تھا میرے حضور شیخ المشائخ اعلیحضرت شاہ سید علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ العزیز وضو فرما رہے تھے کہ یکبارگی رونے لگے، یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ کیا کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہے، میں آگے بڑھا تو فرمایا کہ بیٹا میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں، چند گھنٹے کے بعد بریلی کا تار ملا تو ہمارے گھر میں کہرام پڑ گیا، اس وقت حضرت والد ماجد قبلہ حکیم الاسلام علامہ سید نذر اشرف قدس سرہٗ کی زبان پر بیساختہ آیا کہ رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت ایک خاندانی بزرگ نے فرمایا کہ اس سے تو تاریخ وصال نکلتی ہے۔ آج ہم اور آپ اسی یکتائے روزگار امام و مجدد و قطب الارشاد کی بارگاہ عالی میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کو جمع ہیں اور ان کی روح مبارک کی معیت سے دارین کا آسرا لگائے ہوئے ہیں۔

فرحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورضی اللہ تعالیٰ احمد رضا فقط

فقیر اشرفی و گدائے جیلانی

ابو الحامد سید محمد غفرلہ کچھوچھوی نزیل ناگپور

امام احمد رضا اور احیائے دین

عالیجناب منظور حسین بہادر بی اے (علیگ) بھیم ہی نظانہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں این قصۂ پارینہ را

امام احمد رضا کی جامع کمالات شخصیت پر قلم اٹھانے کے لئے بڑے علم اور جسارت کی ضرورت ہے۔ کچھ لکھ دینا اور بات ہے اور امام احمد رضا کے ساتھ انصاف کرنا اور بات ہے امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے دینی کردار کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے انسان کو بحر العلوم بننا پڑے گا۔ ان کی پہلو دار شخصیت کا احاطہ ایک مشکل کام ہے جو کسی ایک فرد کے بس کی بات نہیں ایک پوری جماعت کی ضرورت ہے جو مسلسل برسوں اجتماعی کام کرنے کے بعد ہی کسی ایسے نتیجے پر پہنچ سکتی ہے جس کو علمی کام کا نام دیا جا سکتا ہے۔

تاریخ نے امام احمد رضا کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اس ناانصافی کے پیچھے کچھ سازشی تاریخی ہستیاں ہیں جو اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی۔ عقیدت مندوں نے انہیں سب سے زبردست نقصان پہنچایا ہے اور اس تاریخ ساز ہستی کے ساتھ وہ ظلم کیا ہے کہ بیگانے بھی تڑپ جاتے ہیں۔

امام احمد رضا کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اس سیاسی ماحول کو سمجھیں جس میں آپ کتم عدم سے عالم وجود میں تشریف فرما ہوئے۔

آپ کی تاریخ ولادت ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بتائی جاتی ہے یعنی ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے ۱ سال پہلے کا زمانہ ۱۸۵۷ء میں علمائے اہل سنت نے ہندوستان کی سیاست میں ایک تاریخی رول ادا کیا تھا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے آج کا مورخ اس حقیقت کو خواہ کتنا ہی توڑ مروڑ کر پیش کرے حقیقت پہ پردہ نہیں ڈالا جا سکتا ہے ہندوستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ تمام مسلمان بادشاہ جو دہلی سے اپنا حکم چلا رہے تھے وہ سب سنی مسلمان تھے اور انہوں نے اپنے ہم عقیدہ مسلمانوں کو ہی بڑے سے بڑے عہدے تفویض کئے تھے اور جاگیروں سے نوازا تھا۔ تمام علماء صحیح العقیدہ سنی مسلمان تھے۔ جب بھی ان بادشاہانِ وقت نے اسلام کے عقائد کے خلاف کوئی قدم اٹھایا علماء نے انہیں ٹوکا اور غیر شرعی کام سے اجتناب کرنے کی تلقین کی۔ شہنشاہ اکبر جیسا بارعب و جلال شہنشاہ بھی علماء کی سرزنش سے نہیں بچ سکا۔ دین الٰہی کی تحریک پر علماء نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا اور یہ فتنہ بالآخر دب کر رہا۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ مذہب اسلام پر جب بھی برا وقت آیا اور دشمنان اسلام نے اس کی شکل و صورت کو مسخ کرنے کی کوشش کی علماء نے بڑھ کر ایسی تمام کوششوں کو ناکام بنایا جس سے اسلام کی اصل روح کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا ایسی کوششیں اسلام کے لئے نئی نہیں ہیں رسول اکرم کی زندگی ہی میں منافقین اسلام نے اسلام کی صورت بگاڑنے کی کوشش کی تھی۔ اور یہ منافقین اس کوشش میں آج تک لگے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی لگے رہینگے۔

ہماری معاشی زندگی کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جب بھی نئی تحریک جو ہمارے سماج کا اشد تقاضا ہوتی ہے عالم وجود میں آتی ہے تو ایسی ساری طاقتیں جن پر مادی ضرب پڑنے کا خطرہ ہوتا ہے انفرادی اور اجتماعی طور پر اس نئی انقلابی تحریک کی مخالفت میں کمر کس کر مقابلے میں آجاتی ہیں۔ اسلام کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب رسول اکرم نے اسلام کی اشاعت کا اعلان کیا تو ایسی تمام طاقتیں ابھر کر سامنے آگئیں جنہیں اسلام سے مادی خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ دراصل ہر ترقی پسند تحریک مفاد پرستوں پر جم کر وار کرتی ہے اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ اسلام دولت کی مرکزیت کے خلاف ہے۔ اور اس کی منشا کے خلاف یہ بات ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو کر رہ جائے بلکہ اسلام کی خواہش تھی کہ دولت گردش کرتی رہے اور عوام گردش دولت سے مستفیض ہوتے رہیں۔

ان الذی جمع مال و عددہ یحسب ان مالہ اخلدہ

یہ بات عرب کے سرمایہ داروں کے مفاد کے خلاف تھی اس لئے سب سے پہلے جنہوں نے اسلام کی مخالفت کی وہ سرمایہ دار تھے۔ غلاموں کی تجارت کرنے والے تھے۔ منافقین میں ہمیشہ سب سے بڑی تعداد مالداروں اور سرمایہ داروں کی نظر آتی ہے۔ غریبوں اور غلاموں نے تو بڑھ چڑھ کر اسلام کے فروغ میں حصہ لیا صعوبتیں اٹھائیں۔ جانیں دیں لیکن اسلام کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس کے برعکس سرمایہ داروں نے ہر موڑ پر اسلام سے منحرف ہونے کی کوشش کی کبھی زکوٰۃ نہ دینے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل صف آرا ہوگئے، تو مکہ سے ہجرت کرنے کے سوال پر معترض ہوئے اس لئے اسلام کو سب سے بڑا خطرہ انہیں منافقوں سے رہا ہے اب بھی ہے آئندہ بھی رہے گا۔ یہ لوگ بڑی مشکل کی بات یہ ہے کہ نماز بھی پڑھتے ہیں روزہ بھی رکھتے ہیں حج بھی کرتے ہیں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اس لئے دوست، دشمن میں تمیز کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کی ریشہ دوانیاں ہر دور میں جاری و ساری ہیں کیونکہ سرمایہ دار طبقہ جو سیاست۔ معیشت تعلیم اور زندگی کے

دیگر شعبوں پر ہمیشہ حاوی رہتا ہے اس لئے کافی سے زیادہ موثر بھی ہوتا ہے اور وہ اپنے مفاد کی خاطر کبھی سیاسی بہروپ میں کبھی معیشت داں کے بھیس میں کبھی مذہبی رہنما کی شکل میں سیدھے سادھے مسلمانوں کو بہکانے کا کام سرانجام دیتا ہی رہتا ہے اس کا مطمع نظر زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنا ہوتا ہے اس لئے وہ مذہب کی جڑوں کھلا کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا ہے۔ ان حقائق کو سمجھنے کے لئے چند ٹھوس ثبوت کی بھی ضرورت ہے لیجئے حاضر ہیں۔

ندوۃ العلماء ایک تعلیمی ادارہ ہے ذرا غور فرمایئے۔ مسلمانوں میں افتراق واختلاف کی آگ بھڑکانے کیلئے پرانے شکاریوں نے اپنے خیرخواہوں مولوی محمد علی کانپوری مولوی شبلی وغیرہ سے ۱۳۱۱ھ میں ایک نیا جال بنوایا جس کا نام ندوۃ العلماء ہے۔ اس میں سنی مسلمانوں کی اکثریت بھی پھنسی ہوئی ہے شیخ محمد اکرام شبلی نامہ میں لکھتے ہیں۔

ندوہ کی تاریخ میں ۱۹۰۸ء کا سال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اس سال صوبہ (یوپی) کے گورنر (انگریز لفٹیننٹ) نے دارالعلوم کی وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور (انگریزی) حکومت کی طرف سے ندوہ کو بعض مقاصد کیلئے پانچ سو روپے ماہوار امداد ملنی شروع ہوئی۔

اب ذرا مولوی شبلی کا بیان پڑھئے۔ "یہ پہلا موقع تھا کہ ترکی ٹوپیاں اور عمامے دوش بدوش نظر آتے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مقدس علماء، عیسائی فرماں روا کے سامنے دلی شکر گزاری کے ساتھ ادب سے خم تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ شیعہ اور سنی ایک مذہبی درس گاہ کی رسم ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مذہبی درس گاہ کا سنگ بنیاد ایک غیر مذہب (انگریز گورنر) کے ہاتھ سے رکھا جا رہا تھا۔ غرض یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی سقف کے نیچے نصرانی، مسلمان، شیعہ، سنی، حنفی، وہابی، رند، زاہد، صوفی، واعظ، خرقہ پوش اور کج کلاہ سب جمع تھے۔ (شبلی نامہ صفحہ ۱۴۱)

مولوی شبلی انگریزوں کی خیرخواہی میں یوں رطب اللسان ہیں۔ "میں مدت العمر کبھی انگریز گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں" میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مشرق ومغرب (ایشیا و یوروپ) کے درمیان یگانگت بڑھے اور ایک دوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدت دراز سے چلی آتی ہیں دور ہوں۔ چنانچہ اس پر میری تمام تصنیفات شاہد ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ۱۹۰۸ء میں میں نے ماہوار رسالہ الندوہ میں ایک مستقل مضمون کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری مذہبا فرض ہے (شبلی نامہ ص ۲۴۵)

اکثر آپ نے سنا ہوگا کہ سنیوں نے ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ سارے وہابی اور دیوبندی انگریزوں کے خلاف تھے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ وہابی اور دیوبندی تو انگریزوں کے دم چھلہ بنے ہوئے تھے۔ علامہ فضل حق حیدرآبادی کو کالا پانی کی سزا صرف اسی لئے ہوئی تھی کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف ایک مہم چلا رکھی تھی۔ اس کے برعکس وہابی علماء اور دیوبندی علماء تو انگریزوں کی وفاداری اور اطاعت کو مذہبا فرض کر رہے تھے۔

سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی جن کی شہادت کے بارے میں خود حسین احمد مدنی کو شبہ ہے کیوں کہ وہ انگریزوں سے جنگ کرنے کے بجائے اہل وطن فرقہ سکھ سے جنگ کرتے ہوئے بالاکوٹ میں مارے گئے۔ اگر حب الوطنی اسی کا نام ہے تو وطن دشمن کس کو کہتے ہیں۔ اسی لئے حضرت امام احمد رضا نے ندوۃ العلماء کی شدت سے مخالفت کی اور اس ادارے کو دین و وطن دونوں کے لئے مضرت رساں سمجھا۔ اور اپنے سنی مولویوں کو جن میں احمد حسن کانپوری اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی بھی تھے شرکت سے منع فرمایا۔ اصحاب ندوہ کو بحث وتحقیق کی دعوت دی تاکہ اسلام کی حقانیت اور ندوہ کے نئے دین کا بطلان واضح ہو جائے۔ ایسے ادارے بظاہر دینی اور مذہبی ہوتے ہیں لیکن بباطن ان میں وہی روح منافقین سرگرم عمل ہوتی ہے جو دین و دنیا دونوں کو تباہ کر دیتی ہے اس لئے امام احمد رضا نے ندوہ کا پیچھا نہیں چھوڑا بلکہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ کلکتہ پہنچ گئے اور وہاں ندویوں کو چیلنج کیا کہ ندوہ کی تحریک نے اسلام میں جو ترمیم وتنسیخ کی ہے اس پر ایک بار بحث ومباحثہ ہو جائے فرقہ پرستی کی لعنت سے مسلمانوں کو بچایا جائے۔ اس قسم کی نئی جماعت بنا کر مسلمانوں میں پھوٹ نہ ڈالی جائے۔

امام احمد رضا کی زندگی میں یہ تحریک پھر بار آور نہ ہو سکی لیکن ابھی حال میں اس نے پھر پر پرزے نکالے ہیں۔ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی بھی ذرا سنتے چلئے ندوہ کی حقیقت واضح ہو جائے گی "لیکن جو لوگ ندوے کے لئے سرگرم تھے ان کی بھی عجیب حالت تھی۔ چونکہ پانچ چھ مہینے تک ان سرگرمیوں کو بالکل قریب سے دیکھتا رہا ہوں اس لئے اندرونی حالت بالکل میرے سامنے تھی"۔ مولانا آزاد پھر لکھتے ہیں کہ "لوگوں کو شامل کرنے کیلئے ہر طرح کی عیاریاں کی جاتی تھیں"۔ بیسیوں باتیں روز میں دیکھتا تھا اور میرے دل میں اس طبقے کی طرف سے وحشت بڑھتی جاتی تھی (آزاد کی کہانی ص ۲۱۸-۲۱۹)

مولانا آزاد تو گھر کے بھیدی ہیں کیا امام احمد رضا نے ندوہ کے خلاف جو قدم اٹھایا اس کو کوئی غلط کہہ سکتا ہے۔ شعور کا تقاضا تو یہی ہے کہ امام احمد رضا کی برتری اور سوجھ بوجھ کو تسلیم کر لیا جائے۔ امام احمد رضا کی زندگی میں ایسے متعدد واقعات ملیں گے جن سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ایک سچے عاشق رسول ہونے کے ناطے ان میں وطن کی محبت کا جذبہ شدت سے کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ان کی دوربین نگاہیں وطن کے دوست اور وطن کے دشمنوں کو پہچانتی تھیں۔ وہابی انگریزوں کے خیرخواہ تھے ندوی عیار و مکار تھے۔ دیوبندی انگریزوں کے پٹھو تھے اسی لئے ان تمام نے ایک ٹولی بنا کر اپنے اپنے پلیٹ فارم سے آپ کے سبھی کارناموں کو بلشر کہہ کر گنا شروع کر دیا اور ڈاکٹر گوئبلز کی طرح یہ شور مچانا شروع کیا کہ امام احمد رضا مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ سبھی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مشن کافر گری بن کر رہ گیا ہے۔ اگر ہزار بار اس جھوٹ کو دہراؤ گے تو لوگ سچ سمجھنے لگیں گے کہ امام احمد رضا صرف کافر گر ہیں اور ہوا بھی یہی کہ مسلمانوں کو مشرک بنانے والے محمد بن عبدالوہاب بھلا دیئے گئے۔ مسلمانوں مشرک بنانے والی کتاب تقویۃ الایمان کو اب کوئی نہیں جانتا۔ رشید گنگوہی کے مشرک بنانے والے فتوے کسی کو یاد نہیں رہے۔ لیکن اگر کسی کو کچھ لے دے کے

یاد رہ گیا ہے تو یہی یاد رہ گیا ہے کہ امام احمد رضا کافر گر تھے۔ حالانکہ آپ کسی کو کافر کہنے میں بہت محتاط رہا کرتے تھے۔ افہام و تفہیم بحث و مباحثہ کے بغیر کبھی کسی مسلمان کو آپ نے کافر نہیں کہا۔ بات دراصل یہ ہے کہ امام احمد رضا عشق رسول سے اس قدر سرشار تھے کہ رسول کے خلاف کوئی بات سننا انہیں گوارا نہیں تھی۔ اقبال کی زبان میں عشق رسول ہی کو وہ عین اسلام سمجھتے تھے۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلمان بھی کافر و زندیق

اسی خیال کو غالب نے ان لفظوں میں کہا ہے۔

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے
مرے بت خانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

رسول اکرم سے عشق اور وفاداری ہی دین ہے اور اسلام کی بنیاد۔ ہمیں اسلام رسول سے ہی ملا ہے اللہ کی وحدانیت کو ہمارے دلوں میں رچانے بسانے والا کون ہے وہی محمد عربی ہیں جن کی عظمت کا سکہ ہمارے قلوب میں بیٹھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ

بمصطفٰے برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ہمیں دشمنان اسلام میں ایک چیز مشترک ملتی ہے کہ وہ جب کبھی اسلام پر حملہ کرتے ہیں تو وہ اس کی بنیاد پر حملہ کرتے ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ان کا نشانہ نہیں ہوتے ہیں بلکہ براہ راست رسول کی ذات مقدس کو موضوع بحث بناتے ہیں۔ اور آپ کی برگزیدہ شخصیت کو گھٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

رسول ایک معمولی بشر ہیں۔ رسول کا علم کتے اور گدھے کے علم سے کمتر ہے۔ رسول کو علم غیب نہیں تھا۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب کیا ہے۔ دراصل انہیں اسلام سے نفرت نہیں بانی اسلام سے نفرت ہے۔ ان حالات میں اسلام کے علمبرداروں پر ایک زبردست ذمہ داری عائد ہو گئی تھی۔ ہندستان اور عرب میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے سیاسی مفاد حاصل کرنے کے لئے انگریزوں سے ساز باز کر کے اور جن کا تعلق انہیں پرانے منافقین سے تھا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد بھی رسول کو شک و شبہہ کی نیت سے دیکھنا شروع اور اپنے مشن کو پھیلانے کے لئے انگریزوں سے مالی معاونت بھی حاصل کر کے۔ عرب کے باہر ہندستان میں بھی اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے۔ انگریزوں کو بھی ہندوستان میں سیاسی غلبہ حاصل کرنے کیلئے ایک ایسی جماعت کی ضرورت تھی جو ہندوستان کے قدیم سنی مسلمانوں کے دلوں سے رسول کی عظمت کو کم کر کے ان میں نفاق و انتشار پیدا کر سکے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے تنگ آ کر اور متعدد سیاسی ہزیمتیں اٹھانے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ مسلمانوں پر غلبہ نہ پانے کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ خدا کو تو سبھی مانتے ہیں۔ اور خدا پر جان دینے والے کم ہی ملتے ہیں۔ رسول کی ایک ذات ایسی ہے جس پر مسلمان اپنے ماں باپ، آل اولاد، مال و دولت، سبھی قربان کر دیتا ہے اس لئے اس پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے دل سے عظمت رسول مٹا دی جائے

اور اس کے بنیادی عقیدے میں یہ بات شامل کر دی جائے کہ رسول کچھ نہیں ہے اس کے دل سے عشق رسول چھین لیا جائے عشق ہی تو ہے جو اس کو دنیا میں برتر اور عظیم بنائے ہوئے ہے۔ آتش نمرود میں کودنے پر یہی عشق ہی تو ہے جو اکساتا ہے چنانچہ یہی ہوا ایسا لٹریچر پھیلایا گیا جس میں رسول کی عظمت کو گھٹا کر بیان کیا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ نئے نئے نبی پیدا ہونے لگے۔ دیوبندی مکتب فکر نے اعلان کر دیا کہ رسول کے بعد بھی نبی آسکتا ہے اس خیال نے ختم نبوت کے نظریہ کو زبردست ضرب لگائی اور غلام احمد قادیانی نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ ہندوستان میں اسلام کی تاریخ اس منزل پر پہنچ گئی تھی کہ ان غیر اسلامی نظریات کی بھرپور تردید کی جائے اور صحیح اسلام پیش کیا جائے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں تھا۔ بڑے کام کیلئے بڑا دماغ چاہئے۔ اللہ نے دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا امر دینھا اس حدیث شریف کی خدمت انجام دینے کیلئے بڑا دماغ جس کا عرب و عجم بھی لوہا مانتے تھے۔ اللہ نے انتخاب فرمایا جس کو لوگ امام احمد رضا کے نام سے جانتے ہیں، نہایت سادہ لفظوں میں آپ کی تعریف یہ ہو سکتی ہے۔ آپ کا حافظہ بلا کا تھا۔ عربی و فارسی اور اردو زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عربی اہل زبان کی طرح لکھتے۔ پڑھتے اور بولتے تھے تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، عقائد و کلام کے علاوہ تاریخ، نحو، عروض، علم جبر و مقابلہ لوگارزم ہیئت، ہندسہ، ریاضی، توقیت نجوم منطق فلسفہ پر صرف عبور ہی حاصل نہیں تھا بلکہ تصانیف اور حواشی بھی چھوڑے ہیں۔ ایسا تبحر علمی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے دوست تو دوست دشمن کو بھی آپ کے تبحر علمی اور فضل و بزرگی کا قائل پایا گیا ہے مولانا سراج احمد نے اپنے مکتوب (بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری) میں مولوی نظام الدین احمد پوری (وہابی) کا یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک مسئلے کے سلسلے میں جب انہوں نے امام احمد رضا کے رسالہ الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی کے چند ابتدائی اوراق منازل حدیث کے سنائے تو انہوں نے بصد حیرت اور استعجاب فرمایا۔

"یہ سب منازل فہم مولانا کو حاصل تھے۔ افسوس میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا"

پھر جب چند مسائل فقہی کے جوابات رسائل رضویہ سے سنائے تو فرمایا

"علامہ شامی اور صاحب فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں یہ تو امام اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں"

یہ اس عالم کے الفاظ ہیں جو معاصرین علماء دیوبند میں کسی کو اپنا ہم پلہ نہ سمجھتے تھے۔ لیکن امام احمد رضا کے تبحر علمی کا فراخ دلی کے ساتھ اعتراف فرمایا۔

شیخ محمد مختار بن عطار دالجاوی (مسجد حرام۔ مکہ معظمہ) فرماتے ہیں کہ

"بیشک مولف (امام احمد رضا) اس زمانے میں علماء محققین کا بادشاہ ہے اور اس کی ساری باتیں سچی ہیں۔ گویا وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو اس یگانہ امام کے دست مبارک پر حق تعالیٰ نے ظاہر

فرمایا ہے (یعنی) ہمارے سردار، ہمارے آقا - علماء محققین کے خاتم علمائے اہل سنت کے پیشوا سیدی احمد رضا خاں - اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی زندگی سے متمتع فرمائے۔ اور ان سب کے خلاف اس کی حمایت فرمائے جو اس کی بد خواہی کا ارادہ رکھتے ہوں!"

شیخ موسیٰ علی شامی ازہری احمدی درویری مدنی فرماتے ہیں۔

"امام الائمہ ملت اسلامیہ کے مجدد، نور یقین اور نور قلب کو"
"تقویت دینے والے یعنی شیخ احمد رضا خاں اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں ان کو قبول و رضوان عطا فرمائے"

شیخ علی بن حسین مالکی مدرس مسجد الحرام مکہ مکرمہ فرماتے ہیں۔

"جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور آسمان صفاء"
"کے آفتاب عرفان کی روشنی سے میرے قلب کو منور فرمایا"
"وہ جس کے افعال حمیدہ اس فضل و کمال کو عالم آشکار کرتے ایسا کیوں نہ ہو آج وہ دائرہ معارف کا مرکز ہے (اس کا وجود مسعود) ملت اسلامیہ کے گھر میں آسمان علم و عرفان کے جھلملاتے تاروں کا مطلع ہے وہ مسلمانوں کا یار و مددگار ہے۔ ہدایت یابوں کا نگہبان و نگراں۔ گمراہوں اور ملحدوں کی زبانوں کو اپنے دلائل و براہین کی تلوار سے کاٹ پھینکتا ہے ایمان کے مینار سے کو بلند سے بلند تر کرتا ہے (کون؟) ہمارے آقا احمد رضا خاں"

مندرجہ بالا اقتباسات سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا خاں عرب و عجم میں ایک بہت بڑی دینی و علمی شخصیت تسلیم کئے جا چکے ہیں۔ اور اہل علم نے انہیں مجدد مانا ہے۔ حدیث پاک کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہر سو سال میں یعنی ہر صدی میں ایک مجدد ہوتا ہے حدیث شریف کا ترجمہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس امت کیلئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر صدی کے شروع میں صرف ایک ہی مجدد ہو ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

اس میں شک و شبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے کہ امام احمد رضا فی الواقعی ایسے پر آشوب زمانے جب کہ ہر طرف سے دین اسلام کو مسخ کرنے کی منظم سازش جاری تھی اور ایک کے بعد ایک حملہ آور کبھی قادیانی کے روپ میں کبھی دیوبندی اور وہابی کی شکل میں یلغار کر رہا تھا۔ یہ مصنف یگانۂ زمانہ۔ یگانہ روزگار قامع بدعت ناصر سنت بن کر اسلام کیلئے ایک ڈھال بن جاتا ہے۔ اور اس جو مکھی لڑائی میں اسلام کے کسی دشمن کو مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی ہے۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ امام احمد رضا نے اپنی علمی بصیرت سے اسلام کے اس درخت کو جو متعدد حملوں سے کمزور ہو چکا تھا ایک نئی توانائی ایک نئی بہار عطا کی نتیجہ یہ ہوا کہ رضویت سنیت کے مترادف و ہم معنی ہو گئی۔ رضویت کوئی سلسلہ نہیں ہے بلکہ ہر سنی رضوی ہے اور جب رضوی ہے تو وہ سنی بھی ہے یعنی وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ رسول کی عظمت کو کبھی اور کسی حالت میں گھٹنے نہیں دے گا۔ کیونکہ رسول ہی اسلام کی روح ہیں توحید جسم ہے اور بغیر روح کے توحید بے جان ہو کر رہ جاتی ہے خدا کو تو سبھی مانتے ہیں۔ ہندو، سکھ، عیسائی کیا یہ خدا کے قائل نہیں ہیں۔ عزازیل بھی تو کٹر توحید پرست تھا۔ لیکن آدم کو سجدہ نہ کرنے کی بنا پر راندۂ درگاہ ایزدی ہوا۔

منافق کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے آخرت پر ایمان لاتا ہے لیکن وہ رسول اکرم سے بیر رکھتا ہے اسی لئے وہ مومن نہیں ہے رسول کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی ایمان سوز بن جاتی ہے۔ اور امام احمد رضا نے وہ ساری باتیں جو ایمان سوز ہیں۔ لیکن دنیا ساز ہیں۔ اپنی تصانیف میں تحریر فرمائی ہیں۔ حسام الحرمین الدولۃ المکیہ، المعتمد المستند وہ کتابیں جن کا مطالعہ ہر سنی مسلمان کے لئے لازمی ہے۔ دین بھی بچے گا دنیا بھی سنور سے گی۔

مجدد کا منصب اسلام میں ایک اہم منصب ہے مجدد پر بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس کو زندگی کے ہر شعبے میں محتاط رہنا پڑتا ہے اس کی گفتگو اس کا اٹھنا اس کا بیٹھنا اس کا کھانا اس کا پینا غرض ہر عمل محتاط ہوتا ہے۔ امام احمد رضا کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ زندگی میں کس قدر محتاط رہا کرتے تھے امر واقعہ تو یہ ہے کہ تکفیر کے سلسلے میں بھی بہت محتاط تھے۔ انہوں نے کبھی تکفیر مسلم میں تعجیل سے کام نہیں لیا یہ ان پر سراسر بہتان اور الزام ہے ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ

"بطور سب و شتم کہا تو کافر نہ ہوا، گنہگار ہوا اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر"

امام احمد رضا نے مولوی اسمٰعیل دہلوی کی بعض عبارات پر سخت اعتراض اور گرفت کی تھی اور سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح نامی رسالہ تصنیف فرمایا تھا۔ لیکن تکفیر پر محتاط رہنے کو کہا، آپ ہی کی تحریر ہے۔

"وعلمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں، یہی صواب ہے"

اسی طرح ایک رسالہ موسوم الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ تصنیف فرمایا اس میں مولوی اسمٰعیل دہلوی کے افکار کو رد فرماتے ہوئے لکھا۔ "ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار (یعنی کافر کہنے) سے کف لسان (یعنی زبان روکنا) ماخوذ و مختار و مناسب"

اسی طرح سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ ایسی کتاب ہے جس کے دلائل سے کفر شرعی اعتقاد سے لازم آتا ہے پھر بھی احتیاط ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

"لزوم و التزام میں فرق ہے اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے۔ سکوت کریں گے جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے"

مدینہ منورہ کے ایک عالم حضرت شیخ عبد القادر توفیق شبلی طرابلسی حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ

"ہمارے سردار علماء (مولانا احمد رضا خاں) نے اس وقت تکفیر کی راہ اختیار کی جب کہ نور ثبوت پایا اور ائمہ مجتہدین کی قطعی حجتوں پر اعتماد (باقی ص ۲۷۱ پر)

امام احمد رضا

ایک تاریخ ساز شخصیت

مولانا عبد الجبار خان صاحب رہبر اعظمی . خالص پور - اعظم گڈھ

حضرت رہبر اعظمی آسمان علم و ادب کے درخشندہ ستارے کا نام ہے جنہیں سنی دنیا کے لوگ مولانا عبد الجبار خان رہبر کے نام سے جانتے ہیں اور حکومت ہند کے ذمہ دار لوگ بچے خان سے یاد کرتے ہیں۔ آجکل ان کی خدمات قوم و ملک کی حفاظت و نگرانی کیلئے وقف ہے۔ ہماری گذارش پر زیر نظر مقالہ تحریر فرمایا ہم شکریہ کیساتھ شامل کر رہے ہیں۔ - ایڈیٹر

تاریخ کا مطالعہ کرنیوالوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ تاریخِ اسلام کا سیاہ ترین دن اسلامیوں کے لئے وہ تھا جب خلافتِ راشدہ ختم ہوئی اور اس کی جگہ ملوکیت و آمریت نے لے لی جسکے باعث ایمان و تقویٰ کا امارت و اقتدار کی ہوس سے خوفِ خدا اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زر و مال کی حرص اور حبِّ دنیا سے تبادلہ ہوا - اور امت تین حصوں میں تقسیم ہوگئی ایک جماعت خلافتِ راشدہ ہی کو برحق ماننے والی تھی دوسری امارت و ملوکیت سے راضی ہوگئی اور تیسری نے (جو نہ مولا کی طرف تھی نہ معاویہ کیطرف) دونوں کو غاصب خائن اور غلط قرار دیدیا اول کو اہل حق دوسری کو اہل سیاست اور تیسری کو اہل ضلالت و منافقت بھی کہا جاسکتا ہے، ان کے اعتقادات میں فرق یہ تھا کہ اول الذکر جماعت مولا علی کو برحق اور ان کے طریقہ انتخابِ خلافت کو صحیح سمجھتی تھی اسلئے کہ خلفائے سابقین (حضرات ابو بکر و عمر و عثمان) کے بعد ان کو اُن کے اسی طریقے سے ملی تھی جو اسلام کا راستہ تھا۔ دوسری جماعت حضرت امیر معاویہ کی امارت (بنام خلافت) سے خونِ عثمان جیسے اہم معاملے اور بعض غیر اہم مسائل میں شرعی حیلے اور تسلی بخش تاویلات (جن کو حضرت معاویہ کا ساتھ دینے کے لئے کافی اور حق سمجھتی تھی) کی بنا پر راضی ہو گئی تھی۔ تیسری جماعت (جو دراصل دشمنانِ اسلام کا وہ گروہ تھا جو مسلمانوں کی متحد طاقت کے سبب غلبۂ اسلام اور فتح مکہ کے بعد سے اب تک سر نہ ابھار سکا تھا مسلمانوں کی پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر اب سامنے آگیا تھا) کا عقیدہ یہ تھا کہ کائنات کا حاکم مطلق خدا ہے اسلئے (بقول ان کے) کسی اور کو حکومت کا اہل سمجھنا شرک ہے چونکہ مولا اور معاویہ دونوں خلافت کے دعویدار ہیں اسلئے دونوں ہی حق کے خلاف ہیں اور ان کو برحق ماننے والے مشرک و کافر ہیں۔ ان مختلف عقائد کی بنیاد پر ان تینوں جماعتوں کے مختلف کردار و اعمال مختلف سمتوں کو مختلف رنگوں میں مرتب ہوتے چلے گئے، پہلی جماعت نے (سیدنا امام حسن کے خلافت سے دستبردار ہونے سے جب خلافت کا خاتمہ ہو گیا تو) عوام اور سماج میں آکر اشاعت دین و تبلیغِ اسلام کا کام شروع کر دیا اسلئے کہ خلافت کا مقصد اور اسلام کا مدعا یہی تھا۔ اور اس طرح وہ بیعت جو خلفاء کے ہاتھوں پر بیعتِ رضواں کے طریقے پر ہورہی تھی اب ائمہ و مشائخ یعنی وقت کے عمدہ نزکی النفس اور باکمال حضرات کے ہاتھوں پر ہونے لگی یہ اور بات تھی کہ اس بیعت سے حکومتِ وقت ہمیشہ خائف رہی اور اپنے وجود کے لئے خطرہ محسوس کرتی ہیں جس سے مستقبل میں بارہا ٹکراؤ کی صورتیں نمودار بھی ہوئیں - دوسری جماعت جو بظاہر بنامِ بیعت وجود میں آئی تھی انجام کار اس ظاہری بیعت کو بھی خیر باد کہہ گئی اسلئے کہ بیعت اور آمریت دو متضاد چیزیں ہیں ایک ملوکیت ہے تو دوسری جمہوریت کی دعوت آخیر یہ صرف بادشاہوں اور سلاطین کی جماعت رہ گئی اسلئے بعد میں مسلم حکومت کہلائی نہ کہ اسلامی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ حکومت یعنی سربراہِ سلطنت اکثر و بیشتر مسلم ہوا کرتا تھا اسلئے وہ پوری کوشش کرتا تھا کہ حکومت جو بھی کچھ کرے اسکو کم از کم شریعتِ اسلامیہ کی حمایت حاصل ہو خواہ کمزور ترین تاویل اور ضعیف ترین حیلے ہی سے کیوں نہ ہو۔ تیسری جماعت ان دونوں کے خلاف ہمیشہ نت نئے عقائد اور متضاد کردار سے تاریخ کے صفحات پر آتی رہی جن کا مقصد صرف اسلام اور اسلامیوں کو نقصان پہونچانا ہوتا تھا چونکہ یہ ابن الوقت نہ ادھر کے تھے نہ ادھر کے محض مصلحت زادہ اور گمراہ تھے اسلئے ان کا کردار متعین کرنا مشکل ہے۔ یہ جماعت اپنے آپ میں اس قدر مختلف نظریات کی حامل تھی کہ اس میں کا ہر چالاک فرد بجائے خود عقیدہ گر اور علحدہ کردار اور الگ ایک جماعت کا بانی تھا مثلاً

بعض کا اعتقاد یہ تھا کہ حکومت خواہ خلافت ہو یا امارت بہرحال غلط اور غیر اللہ کو اس کا اہل سمجھنا شرک ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ مولا علی کی خلافت تو حق ہے مگر امیر معاویہ کافر ہیں بعض کا ایمان تھا کہ امیر معاویہ ہی نہیں سابق خلفاء ثلاثہ بھی کافر تھے تو بعض کہتے کہ علی ناحق پر ہیں اور ان کی خلافت غلط ہے اور چونکہ خلافت سے راضی ہوئے اسلئے مشرک ہیں تو بعض کا قول تھا کہ انبیاء کی طرح صاحبِ عصمت ہیں اور بعض کا گمان تھا کہ علی میں خدا حلول کر گیا ہے وغیرہ وغیرہ اسی لئے ان کا کردار بھی سخت تضاد کا شکار رہے ہاں چونکہ ان کا مقصد اسلام کی مضرت رسانی تھا اسلئے مولا اور معاویہ کی مخالفت میں ایک تھے۔ اسی لئے جب کبھی اول الذکر کی مخالفت پر یہ جماعت آتی تو ان کے ہر عمل کو شرک و بدعت کے فتوؤں سے نوازتی اور جب عوام میں اپنی بے آبروئی کو سنبھالنے کے لئے اس کی حمایت کا سہارا لیتی تو اس قدر غلو کرتی کہ اول الذکر جماعت کے ائمہ و مشائخ کو نہ صرف صفاتِ نبوت سے متصف کرتی بلکہ الوہیت کے مرتبے تک پہونچا دینے سے بھی گریز نہ کرتی۔ ثانی الذکر کے ساتھ ان کا کردار یہ تھا کہ جب کوئی مسلم حکومت ان کی سرکوبی کی طرف توجہ دیتی تو اس کو غاصب کافر مشرک بتاتے لیکن کوئی فرمانروا ان کو نوازتا تو اس کو بانی مذہب کی حیثیت سے کسی نئے مذہب کے ترویج کی ترغیب دیتے یا کم سے کم اس کو اسلامی پیشنگوئیوں کا سہارا لیکر امام معہود یا مہدی موعود کا مرتبہ دیتے یا پھر کم از کم ایسی حیلہ گری اور تاویل سازی کرتے جن کا اسلام اور شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہ ہوتا نتیجے میں فرمانروا اسلام سے دور ہوتا چلا جاتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بعد کے تمام گمراہ فرقے اسی تیسرے ابن الوقت گروہ اور فتنہ خیز و فساد انگیز جماعت کی پیداوار تھے اور ہیں۔ اور یہ بھی مسلم حقیقت ہے کہ اگر یہ اسلام دشمن جماعت نہ ہوتی تو پہلی اور دوسری جماعتوں میں ابتداءً صلح کے آثار بہت نمایاں تھے۔ مگر یہ صلح چونکہ ان کی موت تھی اسلئے ان کم بختوں نے مولا اور معاویہ کی شام صلح پر (ہر دو جانب) ایسا شب خون مارا کہ صبحِ جنگ میں بدل کر رکھ دیا۔ جو تاریخ اسلام کے قاری سے پوشیدہ نہیں۔ اس تقسیم کے آئینے میں آپ تاریخ اسلام کے ہر دور میں ان تینوں جماعتوں کی بڑی صاف شکل دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح جیسے جیسے اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا ان تینوں جماعتوں کے حلقے بھی وسیع ہوتے گئے اسلامی دائرے کے پھیلاؤ اور حکومت کی سرحدوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ چونکہ تیسری جماعت کے افراد بھی پھیلنے لگے ایسی صورت میں پہلی جماعت کا کام نہایت مشکل اور انتہائی نازک ہو گیا۔ اسلئے کہ تیسری جماعت کے فریب کار کبھی تو حکومت کو گمراہ کر دیتے جو پہلی جماعت کے عمائدین (جو ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے نمائندے تھے سمجھے اور کہلائے گئے) کے خلاف اس طرح مظالم کی راہ پر چل پڑتی جس سے ابتدائے اسلام میں کفار کے مظالم کی داستان زندہ ہو جاتی۔ اس سے ان کو دو فائدے حاصل ہوتے ایک تو یہ کہ اندرونی طور پر عوامی رہنماؤں کے خلاف سخت اقدام سے قوم میں شدید انتشار برپا ہوجاتا دوسرا یہ کہ مسلم حکومت بیرونی دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں کمزور ہوجاتی اور سرحدوں کے باہر جہاد سے رک جاتی۔ اور کبھی یہ عوام میں ایسے جدید عقائد پیش کرتے اور ایسی بدعتیں ایجاد کرتے جو اسلام کے منافی ہوتیں۔ اس طرح پہلی جماعت کے افراد کو عوام کے ایک ایک گھر سے لیکر ایوان حکومت تک ہر محاذ پہ ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ سامانیوں کا قلعہ قمع کرنا پڑتا اور یہی اسلام کا وہ کام تھا جو دنیا میں سب سے اہم اور مشکل تھا اور جس کو قدرت نے اس پہلی جماعت ہی کے لئے مقدر فرمادیا تھا۔ اسی لئے ہر دور میں خدا کی مدد اور اسکے حبیب پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے اس تیسری بدبخت جماعت کی خرد برد اور چیرہ دستیوں کی خزاں آور ہوا سے گلشنِ اسلام کی ہمیشہ حفاظت کی اور اس کو سدا بہار بنا کر رکھا بلاشبہ اس راہ میں پہلی جماعت کے افراد لرزہ خیز مظالم اور دل ہلا دینے والے جور و ستم سے گزرے گھر بار لٹایا عزت و وقار کو داؤ پر لگایا بھوک سے تڑپے، پیاس سے بلکے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دنیا کا ہر طریقۂ ظلم ان پر حفاظتِ حق و اسلام کے جرم میں آزمایا گیا جس سے آج بھی تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں مگر یہ شمع اسلام کے پروانے نہ صرف یہ کہ اس کی روشنی کی حفاظت کرتے رہے بلکہ اس سے اقصائے عالم کو روشن کرتے رہے علام الغیوب ہی جانے کتنی بار انہوں نے اپنے خون سے اس گلستان کی آبیاری کی جس کی نظیر کا تاریخ عالم میں کہیں وجود نہیں۔ اس کا ابتدائی منظر دنیا کی تاریخ نے اس وقت دیکھا جب مسلم قوم میں پھوٹ کے چند سال بعد یہ تیسری جماعت کھل کھیلنے پر آگئی تھی اور یزید کے گرد اگرد جمع ہونی شروع ہوگئی تب اپنی پوری شیطانی اور طاغوتی طاقت سے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی جس کے نتیجے میں کربلا کا وہ قیامت خیز معرکہ پیش آیا جس کی مثال ظلم اور صبر دونوں کی تاریخ میں مفقود ہے لیکن جس طرح جنگ بدر بیرونی دشمنوں کے لئے ہمیشہ کی شکست اور اسلام کی مکمل فتح کی آئینہ دار تھی اسی طرح یہ معرکہ کرب و بلا اسلام کے اندرونی دشمنوں کی مکمل شکست اور آثار اسلام کے محافظوں کی مکمل فتح کی بنیاد تھا جس کو امام الشہداء حسین اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے پاک خون سے رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی جماعت کے تمام روحانی سلسلوں کے جد اعلیٰ امام مظلوم ہی ہیں۔ اور سوا ایک کے سب کا مرجع اور منبع آپ ہی کی ذات ہے) پھر اس کے بعد تاریخ اسلام میں چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری کا وہ اندرونی اور لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ چنانچہ تاریخ کے ہر دور میں خواہ وہ بنو امیہ کا دور ہو یا عباسیہ کا عثمانیہ دورِ حکومت ہو یا دنیا کے مختلف علاقوں کی کوئی مسلم سلطنت ہو اس کی بے شمار مثالیں ملیں گی۔ مگر مجھے چونکہ اس وقت پہلی جماعت کے کردار کی چند جھلکیاں پیش کرنی ہیں اسلئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جس دور میں اور جس صورت میں بھی تیسری شیطانی جماعت نے سر ابھارا پہلی جماعت یعنی اہل حق نے نہ صرف اس کا مقابلہ کیا بلکہ ان کی نقاب کشائی کر کے ان کے اصلی اور بدنما چہرے کو قوم مسلم کے سامنے کر دیا اور اس طرح ان کو ہمیشہ اہل اسلام کی نگاہوں

میں رسوا کیا اور ذلیل رکھا۔ یہ جب بھی مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے مثلاً خارجی رافضی تفضیلی معتزلہ قدریہ جبریہ فلاسفہ وغیرہم (سیدنا غوث اعظم قدس سرہ نے اپنے دور تک تہتر ۷۳ فرقوں کے نام شمار فرمائے ہیں) اسلامی عقائد و افکار پر حملہ آور ہوتے رہے۔ اہل حق (جو بعد میں صحیح احادیث کے مطابق اہلسنت والجماعت کہلائے) بہ ہر پہلو کر وٹ کروٹ ان کا رد فرماتے رہے اور قوم مسلم کو ان کے ناپاک جرائم کے نقصانات سے آگاہ فرماتے رہے مثال کے طور پر جب اسلامی فقہ کے نام پر بے بہر دپا تادیلات اور غلط حیلہ گری شروع ہوئی تو ائمہ مجتہدین جیسے امام مالک امام ابو حنیفہ امام سحاق امام محمد امام شافعی امام احمد ابن حنبل وغیرہم نے قوم کی صحیح رہنمائی فرمائی اور جب موضوع احادیث کا سیلاب لاکر ملت کو بہالیجانے کی کوشش کی گئی تو محدثین کرام مثلاً امام مالک امام محمد امام بخاری امام مسلم ابو داؤد نسائی ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہم نے اسلامی کشتی کی ناخدائی کی۔ جب فلاسفہ نے اسلامی عقائد میں تحریف کرنی چاہی تو حکمائے اسلام و متکلمین ملت جیسے امام غزالی امام ماتریدی امام اشعری وغیرہم میدان میں آئے علیٰ ہذا القیاس ہر عہد میں ہر باطل فرقے کے ہر غلط قدم کی نشاندہی فرما کر قوم کو ان سے ہوشیار اور خبردار کرتے رہے۔ مضمون کو طوالت سے بچانے کے لئے آیئے اب اپنے وطن یعنی ہندوستان پر نظر ڈالیں تاریخ بتاتی ہے کہ پہلی جماعت یعنی علمائے اہلسنت بحیثیت مبلغ اسلام سب سے پہلے یہاں پہونچے اور اسلام کی اشاعت کا کام بہت تیز اور نہایت عمدگی سے انجام دیا ان کے بعد دوسری جماعت یعنی بادشاہ یہاں حملہ آور ہوئے جب بہت دنوں بعد دہلی کی مسلم سلطنت کا قیام عمل میں آیا تب مسلم نما شیطان یعنی تیسری جماعت کے افراد یہاں آنے شروع ہوئے۔

یہاں تبلیغِ اسلام کا مکمل کام روحانی سلسلے کے چشتی خاندان کے بزرگوں کے ہاتھوں شروع ہوا اور بقول ایک معاصر خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی وفات سے قبل آپ اور آپ کے خلفاء و مریدین کے ہاتھوں پر تقریباً نوّے ۹۰ لاکھ انسان اسلام کے کلمۂ حق کا اقرار کرچکے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان نوّے ۹۰ لاکھ مسلمانوں کو جو ہمارے اجداد تھے اسلام کی تعلیم براہ راست ان بزرگانِ چشت سے ملی تھی اسلئے ان کی عقیدت اور ان کے بتائے ہوئے راستے پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ سلاطینِ دہلی کے مذہبی اعتقادات کا مطالعہ کریں گے تو بیشتر انہیں مبلغین اسلام اور عوام سے متاثر نظر آئیں گے۔ ہاں بعد میں وہ بعض سلاطین جن پر کسی صورت تیسری جماعت کے فریب کاریوں کا اثر پڑ گیا ان میں مشائخ اہلسنت (صوفیہ کرام) کے راستے سے انحراف کا رجحان ضرور پایا جاتا ہے۔ سلاطین دہلی کی تاریخ میں (ایسی مثالیں بہت واضح ہیں۔ مثال کے طور پر اس تاریخ کے درمیانی عرصہ کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمایئے غوری اور ایبک سے ہوتی ہوئی حکومت جب شمس الدین التمش کے ہاتھوں میں آئی تو ان دنوں قطب عالم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں تشریف فرما تھے کسی وجہ سے اپنے مرشدِ برحق خواجہ غریب نواز کے حکم سے دہلی چھوڑ کر اجمیر جانے لگے تو

"پس شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردید۔ ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شورہ افتاد ہمہ اہل شہر مع سلطان شمس الدین دنبال بر آمدند وہر جائیکہ قطب الدین قدم میگذاشت خلائق خاکِ آں زمین بہ تبرک میداشت"
(سیر الاولیاء صفحہ ۵۴-۵۵)

پس شیخ قطب الدین اپنے شیخ کے ہمراہ اجمیر کیطرف روانہ ہوئے جس سے پورے شہر دہلی میں ایک شور بپا ہوگیا تمام اہل شہر مع سلطان شمس الدین ان کے پیچھے روانہ ہوئے جہاں شیخ قطب الدین قدم رکھتے تھے لوگ اس زمین کی خاک تبرک کے طور پر اٹھا کر رکھ لیتے تھے۔

اور جب خواجہ غریب نواز نے سلطان اور عوام کا حال دیکھ کر قطب صاحب کو دہلی رہ جانے کی اجازت دیدی تو التمش نے فرطِ مسرت اور جوشِ عقیدت سے خواجہ صاحب کے قدم چوم لئے اور قطب صاحب کو واپس دہلی لایا (سیر الاولیاء صفحہ ۵۵) مشائخ سے عقیدت کے ہزارہا واقعات میں سے یہ ایک ہے۔ اس سلطان کے تقویٰ خوفِ خدا محبتِ نبی (علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات) سے آج بھی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اولیاء اللہ سے استمداد واستعانت (اور ایصالِ ثواب وغیرہ جیسے مسائل میں یہ صوفیائے کرام اور مسلمانوں کے راستے پر مسلسل گامزن تھا (دیکھئے سیر العارفین صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵ دخیر المجالس صفحہ ۴۵) التمش خاندان کے بعد بلبن خاندان تختِ دہلی پر آیا جس کا پہلا سلطان غیاث الدین بلبن تھا۔ مشائخ سے اس کی عقیدت کے دو ایک نمونے دیکھئے۔ اسکے دورِ حکومت میں ایک بزرگ شیخ علی چشتی دہلی میں قیام فرما تھے جب کسی وجہ سے انہوں نے دہلی سے جانے کا ارادہ کیا تو سلطان کا یہ عالم تھا کہ

"در پائے خواجہ علی افتاد و سوگند خورد کہ اگر خواجہ عزیمتِ چشت کند من ترکِ مملکت گیرم و در رکاب خواجہ در چشت بیائم (سیر الاولیاء صفحہ ۲۱۲-۲۱۳)

بادشاہ خواجہ علی کے قدموں میں گر پڑا اور قسم کھائی کہ اگر خواجہ چشت کا ارادہ کریں گے تو میں حکومت چھوڑ دوں گا۔ اور خواجہ صاحب کی ہمرکابی میں چشت چلا چلوں گا۔

خواجہ علی صاحب نے بہت سمجھایا کہ حکومت کا کیا ہوگا؟ تو عرض کیا کہ مخدوم جو بھی ہو لیکن "من از رکاب خواجہ دور شدنی نہ ام" مورخ برنی کے الفاظ میں "وعلماء آخرت و مشائخ ہر جادہ را بغایت حرمتے داشتے (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۴۶) یعنی بلبن علماء آخرت اور ہر سلسلے کے مشائخ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ اور عوام کا خیال یہ تھا کہ" از میامنِ و برکاتِ ایشاں در عہد و عصر سلطان بلبن فیض و رحمتِ آسمانی بریں دیار متواتر نازل می شد (تاریخ فیروز شاہی صفحہ ۱۱۲) ان (صوفیاء و مشائخ) کی برکت سے سلطان بلبن کے عہد میں اس ملک پر آسمان سے مسلسل فیض و رحمت کی بارش ہوتی تھی۔

اسکے اعتقادات کا اندازہ اس ایک حوالے سے لگایئے۔

"بعد از نماز ہر جمعہ بزیارتِ روضاتِ بزرگاں برفتے اگر بزرگے از سادات و مشائخ و علماء بزرگ در شہر نقل کردے در جنازۂ رو بگذارد ے و در سیوئم او بزیارت برفتے و برادران و پسران او را جامہ دادے و بنواختے (فیروز شاہی ص۴۶،۴۷ وطبقات اکبری ج ا ص۸۲)

ہر نماز جمعہ کے بعد بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کے لئے جاتا تھا اگر سادات میں سے کوئی بزرگ یا کوئی شیخ یا عالم رحلت کر جاتا تو اس کے جنازے میں شرکت کرتا تھا اس کی نماز جنازہ ادا کرتا تھا اور سوم میں جاتا تھا اور متوفی کے بھائیوں لڑکوں کو کپڑے دیتا تھا اور نوازش کرتا تھا۔

حالانکہ اس کے دور میں تیسری جماعت کے افراد بھی ہندوستان میں اپنے ناپاک قدم رکھ چکے تھے۔ اسی لئے وہ قاضیوں کی تین قسمیں بیان کیا کرتا تھا چنانچہ کہتا تھا کہ

من سہ قاضی دارم یکے قاضی آنست کہ از من نترسد و از خدا می ترسد دوم قاضی از خدا نترسد و از من ترسد سوم کہ نہ از من ترسد نہ از خدا ترسد (فیروز شاہی ص۲۴)

میرے پاس تین قسم کے قاضی ہیں پہلا وہ ہے جو مجھ سے نہیں ڈرتا اور خدا سے ڈرتا ہے دوسرا خدا سے نہیں ڈرتا اور مجھ سے ڈرتا ہے تیسرا نہ مجھ سے ڈرتا ہے نہ خدا سے ڈرتا ہے۔

پھر اپنا فیصلہ سناتا ہے کہ دانشمندانِ حیلہ گو و بد آموز پیشِ خود آمدن نباید گذاشت (فیروز شاہی ص۱۵۲)

بد آموز اور حیلہ گو علماء کو اپنے پاس تک پھٹکنے بھی نہ دینا چاہئے۔

اپنی اولاد کو نصائح میں بھی اس نے ان باتوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے جس کا اثر یہ تھا کہ اس خاندان کے بعض سلاطین جیسے ناصر الدین محمود کا ذاتِ نبوت سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک بغیر وضو کے کبھی نہیں لیتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا کہ

"شرم آمد کہ بے وضو نام محمد بر زبان رانم (تاریخ فرشتہ ج ا ص۷۰)

مجھکو شرم آتی ہے کہ نامِ پاک محمد بغیر وضو کے اپنی زبان پر لاؤں

اس خاندان کے بعد حکومت خلجی خاندان میں پہونچی اور اس عرصے میں تیسری جماعت کے متبعین بھی آہستہ آہستہ اصلاح کا نام لے کر فساد اور فتنے برپا کرنے لگے جس کی تاریخ ہند شاہد ہے۔ اب ان کے اثرات اور اس سے بارہا کے پیدا شدہ نتائج میں سے ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے کہ ان کی کرتوتوں سے علاؤ الدین جیسا نیکدل بادشاہ نیا مذہب جاری کرنے کے لئے تیار ہو گیا اس وقت علماء اہلسنت نے ایک طرف تو اسکو بے خوف ہو کر تنبیہ فرمائی اور دوسری طرف خواجہ نظام الدین اولیا اور دیگر مشائخ نے یہ دعا فرمائی کہ

"از وسواس شیطانی بر آمدہ بر جادۂ مستقیم شریعتِ مصطفوی ثابت و راسخ گردد (تاریخ فرشتہ ج ا ص۱۰۵)

شیطانی وسوسے سے نجات پاکر شریعتِ مصطفوی کے جادۂ مستقیم پہ قائم و ثابت رہے۔

مگر نتیجہ یہ نکلا کہ ابتداً سلطان سے مشائخ اہلسنت کے تعلقات کشیدہ ہو ہی گئے (یہ تیسری جماعت کی پہلی معمولی کامیابی تھی) یہی وجہ تھی کہ جب سیدی مولا وغیرہ کا قتل ہوا اور اسکے بعد قحط کی شکل میں قہر الہی نازل ہوا تو سلطان نے آستانہ عالیہ پر بارہا حاضری دینے کی اجازت چاہی مگر حضرت محبوب الہی اتنے کبیدہ خاطر تھے کہ ہمیشہ انکار فرماتے رہے اب ذرا اس وقت کے مسلمانوں کی اِن حضرات سے عقیدت پر ایک نگاہ ڈالئے کہ سلطان نے ایکبار بغیر اطلاع و اجازت حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کی سوچی اور صرف امیر خسرو سے (جو اس کے مصحف دار اور حضرت کے مرید تھے) اپنا ارادہ ظاہر کیا امیر خسرو نے فوراً حضرت سے جا عرض کیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عازمِ اجودھن (پاکپٹن شریف) ہو گئے۔ بادشاہ کو علم ہوا تو حضرت امیر خسرو سے خفا ہو کر کہا کہ تم نے میرا راز افشا کر دیا اور سلطان المشائخ کی پابوسی کی سعادت سے مجھکو محروم کر دیا حضرت امیر خسرو نے جواب دیا کہ

"از رنجشِ بادشاہ ہمیں خوفِ جاں باشد فاما از رنجشِ سلطان المشائخ خوفِ سلبِ ایمان باشد (سیر الاولیاء ص۱۳۵)

بادشاہ کے ناراض ہو جانے سے صرف جان جانے ہی کا خطرہ ہے لیکن اگر سلطان المشائخ ناراض ہو گئے تو ایمان ہی سلب ہو جانے کا ڈر ہے۔

الغرض علماء حق و مشائخ اہلسنت ان فتنہ سازوں کی مفسدانہ حرکتوں اور بد عقیدوں سے بادشاہ اور عوام کو آگاہ کرتے رہے اُدھر یہ بدطینت جماعت اپنی شیطانی چالوں میں شب و روز مصروف رہی یہاں تک کہ حکومت تغلق خاندان میں پہونچی تو ان کا اثر کچھ زیادہ ہی اپنا رنگ دکھلانے لگا۔ تغلق خاندان کا مشہور فرمانروا محمد تغلق جو ابتداً نہایت معقول اور متدین تھا اور اس کی پرہیزگاری اور تقویٰ کا عام شہرہ ہو چلا تھا۔ جب اس کے ذہن پر اس تیسری جماعت کے غلط اعتقادات کا رنگ بنام اصلاح و تجدید چڑھا تو اس کے ارد گرد اسی جماعت کے افراد منڈلانے لگے اور بقول حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی "یہ وہ مفتیانِ ناخدا ترس و حیلہ انداز تھے جو ہر نیک و بد میں اس کی تائید کو اپنا شعار بنا چکے تھے (تاریخ حقی) مورخ برنی ان "مفتیان" کو مرتد صفتاں و کافر خو کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور نہایت صفائی سے اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ میں خود ان گناہوں کا مرتکب ہوا کہتا ہے کہ

"قوا تہ بے دیانتا دیے دین، ہنے برسوں سلطان کی ہاں میں ہاں ملائی اور طمع و حرصِ دنیا" سے مجبور ہو کر" برخلاف احکام دین مدد می کردیم و روایتہائے مجہول می خواندیم (فیروز شاہی ص۴۶۶)

ہم احکام دین کے خلاف اس کی مدد کرتے تھے اور مجہول روایات بیان کرتے تھے)

ایک بڑی خاص اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ انہیں حالات میں سلطان کے دربار میں ابن تیمیہ کے شاگرد رشید العزیز اردبیلی آئے جو ہمیشہ سلطان کے ساتھ ساتھ رہتے یہ سلطان کے ذہن و دل پر اس طرح سے اثر انداز ہوئے کہ سلطان ان کا نہایت درجہ معتقد ہو گیا جس کا اندازہ ابن بطوطہ کے اس بیان سے لگ سکتا ہے کہ " ایکبار سلطان نے فرطِ مسرت سے ان کے قدم چوم لئے تھے " (عجائب الاسفار صفحہ ۱۱۳) (یہ ابن تیمیہ وہی ہیں جن کے اعتقادات سے زمانہ واقف ہے) قارئین کو اب سلطان کے معتقدات میں انقلاب پیدا ہونے کی وجہ بآسانی سمجھ میں آگئی ہو گی۔ اس کے چاروں طرف ان حضرات کی حلقہ بندیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ (وہی تغلق جو نام نبوت کو اعظم اسمائے بنی آدم اور سب سے بڑا فخر تصور کرتا تھا (تاریخ حقی) اور اذان کی آواز آتے ہی تا ختم تعظیماً کھڑا رہتا تھا (فیروز شاہی صفحہ ۵۰۶) توحید باری تعالیٰ محبت و احترام نبوت اور عمائدینِ ملت و آثار اسلام سے عقیدت (جو اسلامی نظریات کی بنیاد ہیں) سے اسی طرح دستبردار ہو گیا جس طرح ان گمراہوں کی تحریک کے اثر سے بہت سے خلفائے بنو امیہ و عباسیہ ہو گئے تھے اور اب سلطان محمد تغلق کا حال یہ تھا کہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ابوبکر و عمر عثمان و علی چہ کردہ اند کہ ما نتوانیم کرد (جوامع الکلم صفحہ ۱۷۵-۱۷۶) یعنی ابوبکر و عمر عثمان و علی نے کیا کیا ہے جو ہم نہیں کر سکتے۔ بات یہیں تک نہیں رہی بلکہ اس تحریک کے اثرات جس طرح ہمیشہ مرتب ہوتے ہیں کہ ہر اگلا قدم بے ایمانی کی راہ پر مزید ہوتا ہے خود کہتا ہے کہ

" مغالطات بسیار گشت تا بجدے کہ در وجودِ صانع شکوک مزاحم و معارض شد (سوانح محمد بن تغلق)

مغالطے (شکوک و شبہات) بہت زیادہ ہو گئے یہاں تک کہ صانع (خالقِ کائنات) کے وجود کے متعلق شکوک و شبہات مزاحم معارض ہونے لگے۔

اور تب اسلامی عقائد کے اس ستون ہی کو ڈھا دینے کی بات آئی جس پر اسلامی نظریات و اعمال کی عمارت کھڑی ہے (اور حقیقت یہ ہے کہ اسی گمراہ تحریک کا مقصد ہی ہمیشہ یہی رہا ہے) یعنی عقیدۂ ذات نبوت و شان رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ و بارک وسلم۔ مگر ؎

در دلِ مسلم مقام مصطفٰے است
آبروئے ما زنام مصطفٰے ست (اقبال)

ہر بد دین اور گمراہ بھی اس منزل پر آکر ایکبار اپنے دل و دماغ میں (مسلمانوں کی عقیدت اور اس عقیدت پر اپنا سب کچھ تج دینے کی سعادت سے) خوف و لرزہ اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ ایکبار رات کے سناٹے میں قاضی شمس الدین علیہ الرحمہ کو بادشاہ نے بلوایا۔ قاضی صاحب نے دیکھا کہ بادشاہ گھپ اندھیرے میں تنہا بیٹھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھکو ڈر لگا کہ میرے کسی عزیز کو مارنے والا تو نہیں؟ کہ اچانک مجھ سے یوں مخاطب ہوا کہ

" اگر امروز کسے پیدا شود و گوید کہ محمد پیغامبر نہ بود است منم شما اور ابکدام حجت ملزم کنید۔

آج اگر کوئی ایسا شخص پیدا ہو جائے جو یہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر نہ تھے بلکہ میں پیغمبر ہوں تو تم اس کو کس دلیل سے ملزم ٹھہراؤ گے۔

قاضی صاحب نے اس کے اشارے کو سمجھتے ہی فوراً جواب دیا کہ

" برائے آں حرامزادہ دیوانہ و احمق بدبخت و بے دولت را حجت چہ باشد۔ اقبال خوند عالم اسلام در شہر چناں قوت گرفتہ است کہ غلامان۔ طباخانِ شہر فرزند عالم بزخم پاچہ بکشند (جوامع الکلم)

ایسے حرام زادے پاگل بے عقل بدنصیب اور کمینے بے عزت کے لئے دلیل کی کیا حاجت ہے آپ کا اقبال رہے کہ شہر میں اسلام نے ایسی قوت پکڑ لی ہے کہ بھٹیاروں کے غلام اس بدبخت کو پائچہ مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔

اس طرح بجائے اپنی اصلاح کے (احقاقِ حق و ابطال باطل کے سبب) سلطان علمائے حق و مشائخ اہلسنت سے بدظن ہونا شروع ہو گیا اور پھر تیسری جماعت کا اثر اتنا رنگ لایا کہ سرِ مجلس ختم نبوت کے متعلق گستاخیاں شروع کر دیں مثلاً ایکدن اس نے خواجہ شہاب الدین حق گو سے مطالبہ کیا کہ اس کو محمد عادل کہیں انہوں نے جواباً فرمایا کہ میں ظالم کو عادل نہیں کہہ سکتا پھر انہیں حضرت سے کہا کہ نبوت کے خاتمہ کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ اس غدارِ نبوت نے فوراً اپنے پاؤں سے جوتی نکال کر سلطان کے منہ پر دے ماری جس کی سزا میں انہیں قلعہ کے اوپر سے خندق میں ڈال دیا گیا (گلزار ابرار و اخبار الاخیار صفحہ ۱۲۹)

اسی طرح جب وہ اہل حق علماء اہلسنت کو اپنا اور اپنے مشیران بے عرفان کا ہمنوا نہ بنا سکا تو علماء اہلسنت اور آثار اسلام کے ساتھ وہ ستم آرائیاں کیں جن کے پڑھنے سے دل اور لکھنے سے قلم لرزا اٹھتا ہے مثال کے طور پر چند نمونے ملاحظہ ہوں خواجہ سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں کہ

" در دہلی زیارت گاہ بسیار بود بعد خرابیٔ دہلی کہ سلطان محمد ابن تغلق کرد آں زیارتہا بکلی مضمحل شد (جوامع الکلم صفحہ ۲۲۳)

دہلی میں بہت سی زیارت گاہیں تھیں دہلی کی اس بربادی کے بعد جو سلطان محمد ابن تغلق کے ہاتھوں عمل میں آئی وہ تمام زیارتیں تباہ ہو کر رہ گئیں۔

(غور کیجئے کہ علامہ شامی نے اپنے زمانے میں محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی تحریک اور اس کے اثرات کا جو ذکر کیا ہے کیا اسی تصویر کا دوسرا رخ نہیں ہے؟)

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی (جو اس دور کے مشہور صوفی اور اہلسنت کے عالم تھے) پر مظالم کے ایسے پہاڑ توڑے گئے جو بیان سے باہر ہیں ایک بار حضرت

گیسو دراز نے بیان کرنا چاہا تھا مگر ان کے دل کو اتنی تکلیف ہوئی کہ بیان کرنے کی ہمت نہ ہو سکی (جوامع الکلم صفحہ ۱۰۶) تاریخ محمدی میں ہے کہ

"محمد بن تغلق بادشاہ جبار و شہریار و قہار بود آں بزرگوار بگفتار و کردار انواع آزار ظاہر گردانید آں پیر دین دار ہیچ گاہے از صمیم سینہ آہے درد آلودہ نیاوردے و دعائے کہ موجب انہدام بنائے دولت او بودے نکردے مدت مدید بداں جفاء شدید مبتلا ماند"

محمد بن تغلق بڑا جابر و قاہر بادشاہ تھا اس نے ان بزرگوار کو زبان و عمل سے بہت زیادہ تکلیفیں پہونچائیں لیکن وہ پیر دین دار کبھی اپنے سینے سے درد بھری آہ تک نہ کھینچتے نہ کبھی ایسی دعا کرتے جو اس کی سلطنت کے انہدام کا سبب بن جائے طویل مدت تک اس تکلیف میں مبتلا رہے۔

اور دیکھئے "زیر استخوانہائے گلو سوراخ کنانیدند آں استخوانہا را برسنہا محکم بستن فرمود و گفت کہ آں رسنہا را بر بلندی بندید و ریشاں را آویزاں دارید (سبع سنابل صفحہ ۶۰)"

ان کے گلے کی ہڈیوں میں سوراخ کر دیئے تھے اور ان ہڈیوں کو رسیوں سے مضبوط باندھنے کا حکم دیدیا تھا اور کہا کہ ان رسیوں کو بلندی پر باندھا جائے اور ان کو لٹکا کر رکھا جائے۔

"الغرض بسے مشائخ را خدمتے مقرر کردہ بشیخ نصیر الدین اودھی المشہور بچراغ دہلی تکلیف بجامہ پوشانیدن نمود شیخ قبول نکردہ کار بخشونت کشید چنانچہ شیخ را قفادادہ محبوس ساخت (تاریخ فرشتہ ج ۲ صفحہ ۳۹۹)"

الغرض بہت سے مشائخ سے خدمتیں لینے لگا شیخ نصیر الدین اودھی کو جو چراغ دہلوی مشہور تھے کپڑے پہنانے کی تکلیف دی شیخ نے قبول نہیں کیا تو شیخ کی گردن پر گھونسا مارا اور قید کر دیا۔

شیخ برہان الدین غریب علیہ الرحمہ نے دیوگیر (دولت آباد) میں حضرت چراغ دہلوی پر بادشاہ کے ان مظالم کی داستان سنی تو بہت روئے اور فرمایا کہ

"چہ کنم خوند مولانا محمود حلیم و کریم است و اگر او بخواہد ایں زمین او را با جملہ لشکر و خلق و اسپاں و بیلان او خرد بردہ و گرد غے بر نیارد (جوامع الکلم صفحہ ۲۴۳)"

کیا کروں کہ خوند مولانا محمود بردبار کریم النفس ہیں ورنہ اگر وہ چاہیں تو زمین سلطانی کو اس کے پورے لشکر کے آدمیوں کو گھوڑوں کو اور ہاتھیوں کو اس طرح نگل جائے کہ ڈکار تک نہ لے۔

حضرت شیخ شہاب الدین ابن شیخ احمد جام جو اس وقت کے مشہور بزرگ تھے کی داڑھی نوچنے کے لئے شیخ ضیاء الدین سمنانی کو حکم دیا جب انہوں نے انکار کیا تو ان کی بھی داڑھی نچوائی۔ اور آخر میں شیخ شہاب الدین کے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں ڈلوا دیں چودہ دن تک بھوک اور پیاس سے تڑپایا پھر کھانا بھیجا تو شیخ نے فرمایا کہ میرا رزق زمین سے اٹھ گیا ہے سلطان نے ان کے منہ میں زبردستی گوبر ڈلوا دیا پھر قتل کروا دیا (عجائب الاسفار صفحہ ۱۳۷، ۱۳۹) شیخ شمس الدین ابن تاج العارفین علیہ الرحمہ جب سلطان کے بلانے پر نہ آئے تو ان کو قید کر دیا پھر ان کو ان کے بیٹوں سمیت قتل کرا دیا (عجائب الاسفار صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷) شیخ قطب الدین منور شیخ فخر الدین زرادی سید قطب الدین حسین کرمانی شیخ ہود شیخ رکن الدین وغیرہم علیہم الرحمہ پر کیسے کیسے کیا کیا بیتی تاریخ کے اوراق آج بھی کس قدر اپنے سینے میں لئے ہوئے ہیں۔ بعض واقعات شاہد ہیں کہ عام غلط کاروں کی طرح اس سلطان کو بھی موت سے پہلے ضمیر نے ملامت کیا اور اپنی غلطی پر نادم ہوا مگر وقت نکل اور پانی سر سے گزر چکا تھا اور "یاران حیلہ وان" اپنا کام کر چکے تھے اور اپنے منحوس مقصد میں شیخ نجدی ایک حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔ بعد میں سلطان فیروز شاہ تغلق نے اس طرح اس کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی کہ اہل حق کے ورثاء مقتولین یا وہ لوگ جن کے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان کاٹ دیئے گئے تھے۔ کسی سے معافی مانگ کر کسی کو مال دے کر معافی نامے لکھوائے اور ایک صندوق میں رکھ کر اپنی قبر کے سرہانے اس عقیدے سے رکھوا دیئے کہ شاید حق تعالیٰ اپنے کرم عام سے معاف فرما دے (فتوحات فیروز شاہی صفحہ ۱۶) اور بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی "نامردانہ زیست" کی اس سے بڑی اور کیا مثال ہو گی۔ کہ جب تخت پر بیٹھا تو پدر کش کہلایا جب تک جیا ظالم اور بے دین کے طعنے سنے مرا تو قبر پر معافی نامے رکھ کر تشہیر کی گئی تاریخ ہند میں اس کی جگہ متعین کرتے وقت نظر اس ناکامی پر نہیں بلکہ اس جذبہ پر ہونی چاہئے جو اس ناکامی کا سبب تھا (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات صفحہ ۳۸۷)

اس طرح کی مثالیں آپ کو لودی اور مغل خاندانوں میں بھی عام ملیں گی۔ ہمارے ملک میں مہدویت اور دین الٰہی جیسی تحریکیں اور بعض سلاطین کے زمانے میں علماء اہلسنت و مشائخ طریقت کے بے شمار ناحق قتل سب اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں آخر کار اس رسوائے زمانہ "طبقے" نے جس طرح بنوامیہ کو تباہ کیا عباسی سلطنت کو غارت کیا۔ عثمانی حکومت کو اپنی غداریوں سے برباد کیا، دہلی کی مسلم حکومت کو بھی لے ڈوبا اور تب۔ تاریخ کے اس پس منظر میں دیکھئے اور غور کیجئے۔ کہ

"امام احمد رضا"

سنہ ۱۸۵۳ء میں جب مسلم حکومت مٹ گئی اور عوام انتشار کا شکار ہوئے تو میدان کھلا پاکر یہ عفریتی لشکر ہر چہار جانب سے اسلامی عقائد و اعمال کی بنیاد کھوکھلی کرنے کے لئے اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوا غضب بالائے غضب یہ کہ اب یہ "گندم نما جو فروش" ان راستوں سے نمودار ہونے شروع ہوئے جن پر اعتماد کرنا اور چلنا اسلامیان ہند اپنی دنیاوی فلاح اور اخروی

نجات تصور کرتے تھے۔ کبھی جہاد اور تقویت ایمان اور کبھی صراط مستقیم کے نام سے تو کبھی تجدید و احیائے دین کے نام سے۔ غرض سلطنت برطانیہ کی سرپرستی میں (جس کا اس ملک پر تسلط کے لئے لڑاؤ اور حکومت کرو کا اصول تھا) ابلیس کی جھولی سے نکال کردہ نئے عقائد و خیالات لائے گئے کہ الامان و الحفیظ۔ تبھی قدرت مسکرائی کہ نادانو! یہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دین ہے جس کی حفاظت میرے ذمے ہے اور جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ہاں تم اپنی عاقبت جتنی چاہو خراب کر سکتے ہو مگر یہ گلستان کبھی خزاں رسیدہ نہ ہوگا۔ یہ شمع ہمیشہ روشن رہے گی اس کی لو کبھی جھپک نہیں سکتی، تم اپنی آگ میں جل مرو گے مگر اس عرش آشیاں "بیت النور" پر کبھی آنچ نہ آسکے گی۔ اسلئے کہ ہمیشہ حسین اعظم ائمہ اہلبیت احمد ابن حنبل غزالی عبدالقادر جیلانی، معین الدین چشتی، نظام الدین اولیا جیسے جیالے اور غازی اور ان کے متبعین و نائبین اسکے امانتدار رہیں گے۔

اور تب اسی زمانے یعنی ۱۸۵۶ء میں ملک کے مشہور شہر اور شہر کے مشہور علم و فضل والے گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام والدین نے احمد رضا رکھا اس نے ہوش سنبھالا تو ملت اور قوم کے گرد و پیش پر ایک جائزانہ نگاہ ڈالی اور "یارانِ بے ایمان" کو رنگ برنگے ملبوسات میں دیکھ کر اسکے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی گویا کہہ رہا ہو ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش :: من انداز قدت را می شناسم

۱۸۶۹ء میں دیار حبیب کی زیارت کی اور حاضری دیکر اس بارگاہ بیکس پناہ (علیہ التحیۃ والثنا) سے طریقۂ اسلاف کے مطابق اپنے فرض اور ذمہ داری کو نبھانے کے لئے استمداد و استعانت کیا جہاں سے (اسلاف کے قلوب داغ داغ ہمیشہ منور ہوتے) نور حق کی تابانیوں کا ایسا سایہ نصیب ہوا کہ باطن تو باطن تھا ظاہر سے بھی پھوٹا پڑتا تھا بقول صاحب "تذکرہ علمائے ہند (فارسی)" آپ مقام ابراہیم میں تھے کہ شیخ مفتی شافعیہ آئے بغور دیکھا اپنے ساتھ لے گئے اور پھر آپ کی پیشانی پکڑ کر فرمایا: واللّٰہ اِنّی لَاَجِدُ نورَ اللّٰہ من ھذا الجبین ۔ کہ خدا کی قسم میں اس پیشانی سے خدا کا نور پا رہا ہوں (ترجمہ) اور واپس آکر اس مقصد کی تکمیل کے لئے جسکے لئے قدرت نے آپ کو پیدا فرمایا تھا اور اس فرض کی ادائیگی کے لئے جس پر رضائے مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی مہر لگی ہوئی تھی جب اپنی زبان اور اپنے قلم کو جنبش دی تو ایوانِ باطل کے ہر ہر گوشے میں (خواہ وہ ضلالت کا ہو یا بدعت کا کفر کا ہو یا ارتداد کا) کھلبلی مچ گئی تہلکہ اور زلزلہ بپا ہو گیا۔ اسکے قلم کی نوک نے مذہب اسلام کے ہر نقاب پوش ڈاکو کے چہرے سے نقاب الٹ دی اور اس کا خوفناک اور مکروہ اصلی چہرہ اسلامیوں کے سامنے کر دیا بقول ایک معاصر "میں خیال کرتا ہوں کہ ہر فتنہ انگیز کو فتنہ پھیلانے سے پہلے یہ خیال مدتہا مدت تک باز رکھتا ہوگا کہ اعلیٰحضرت کی سیفِ زبان و قلم کا کیا جواب ہوگا؟"

(اعلیٰحضرت کے مختصر حالات ص۳) المیزان کا سوالیہ نشان ہے کہ "امت مسلمہ کو کیا دیا؟" اور میں سوچتا ہوں کیا نہیں دیا؟ بلاشبہ جس دور میں آپ کا وجود ہوا اس کے تقاضے کے مطابق ملتِ اسلامیہ کے لئے جو کچھ سب سے ضروری تھا وہ سب کچھ دیا۔ دیکھئے جب شاطرانِ مذہب نے قرآن کے تراجم میں کتر بیونت کر کے اسلامیوں کے عقائد پر حملہ کرنا چاہا تو اس نے قوم کو قرآن عظیم کا صحیح ترجمہ دیا جب فریب کاروں نے اسکی تفسیر میں اپنی رائے شامل کر کے قوم کو گمراہ کرنا چاہا تو مسلمانوں کو ہوشیار رکھنے کے لئے تمہید ایمان بآیات القرآن دیا۔ غور کیجئے کہ جب اہل ضلالت نے ملت کو سنت کا نام لیکر احادیث کے غلط معانی و مطالب بتانے شروع کئے تو اس نے اہل ایمان کو سینکڑوں کتابیں دیں۔ جب اہل بدعت نے تقلید کے لباس میں غیر مقلدیت اور رفقہ کے روپ میں حیلہ سازیوں اور گمراہیوں سے امت کے اعتقادات و اعمال کو زخمی کرنا چاہا تو اس نے قوم کو وہ لازوال فتادے دیئے جو اپنے دلائل و براہین سے ہمیشہ تابندہ رہیں گے۔ اگر نہیں؟ تو مجھے بتایئے کہ دشمنانِ اسلام نے جب اس ذات قدوس اور بے عیب خدا پر کذب کے معنی درست کر کے اسلامی عقیدۂ توحید پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو کس کا قلم ان کے لئے شمشیرِ خاراشگاف بنا؟ جب شاتمانِ نبوت نے مسلمانوں کے عقائد نبوت کو مجروح کرنا چاہا تو کس کا قلم ان بدنصیبوں پر ذوالفقار حیدری بن کر ٹوٹا۔ مجھے جواب دیجئے کہ دین و مذہب کے ڈاکوؤں نے جب مومنوں کے سینوں سے اس امانتِ خداوندی یعنی عظمتِ مصطفےٰ (علیہ التحیۃ والثنا) کو چھین لینے کا خواب دیکھا تو ان کے خوابوں کے قلعے کو تعبیر سے پہلے کس کی زبان قلم اور عمل نے مسمار کر کے رکھ دیا۔ اور جب مکاروں نے پیری اور شیخی کے لبادے اوڑھ ملت کے دل کی فانوس میں بزرگانِ دین و عمائدین اسلام کی عقیدت کے جلتے چراغ کو بجھانے کے لئے ناپاک تمناؤں کے محلات تیار کئے تو کس کی تیغ پیہم نے ان کو زمین بوس کر کے تہس نہس کر دیا۔ جب مولویت نما عیاروں نے آثارِ اسلام اور مقامات مقدسہ کی عزت و حرمت کو قوم و غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ سے نکال پھینکنے کی جرأت کی تو کس کی زبانِ پاک و قلمِ بیباک نے ان کی چالاکیوں کے پردوں کو چاک کیا؟ سنئے کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے مسیحِ موعود کے نام کا فتنہ ہو یا مہدیٔ معہود کے نام کا شانِ نبوت کی توہین کا ہو یا فضائل رسالت کی تنقیص کا نیچریت کا ہو یا دہریت کا تقلیدی ہو یا غیر مقلدیت کا تفضیلت کا ہو یا رافضیت کا خارجیت کا ہو یا بدعتیت کا۔ ان تمام تر فتنوں کے سینوں میں اس کا حق نویس قلم اسلام و سنیت کی شمشیر و سنان بنکر اتر گیا اور ان کے مقابلے میں اس کی زبان حق ترجمان اسلام و اسلامیوں کے لئے سپر بن گئی۔ ؎

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

یہی وجہ تھی کہ ملت نے اسکو شیخ الاسلام والمسلمین کہا، قوم نے حجۃ اللہ فی الارضین

کے لقب سے یاد کیا اور امت نے اعلیٰحضرت، عظیم البرکۃ، رفیع الدرجۃ جیسے خطابات سے نوازا اور جب دوبارہ دیار حبیب کی سنہ ۱۹۰۵ء میں زیارت کی اور آستانہ نبوت پر حاضری دی تو قوم کے مرکز نے (علمائے حرمین شریفین نے) اس کو اس صدی کا مجدد (مجددہ المائتہ الحاضرہ) قرار دیا۔ وہ آج ہم میں نہیں مگر اس نے جو کچھ دیا ہمارے دلوں نگاہوں اور ہاتھوں میں موجود ہے۔ ہاں اس کی تخلیق کے مقصد سے بے خبر نادانوں نے دوسروں کیطرح اس کے قلم کو بھی خریدنے کی کوشش بے جا کی تو اس نے کہا ؎

کروں مدحِ اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

اور جب کبھی ان حالات نے اس کے دل کو بوجھل کیا تو اس طرح کے تمام دنیاوی سہاروں کو ٹھکرا کر امت کے والی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا ؎

ایک طرف حاسدین اک طرف اعدائے دیں
بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروروں درود

اور سرِ عام اعلان فرمایا ؎

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضاؔ
دم میں جبتک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائینگے

اور اب غور کیجئے کہ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں کہ اس ذات نے اسلامی عقیدۂ توحید ایمانی عقیدۂ رسالت اسلاف کی وراثت (تصور ولایت تصوف وطریقت) کو گمراہوں (تیسری جماعت) سے بچا کر اس طرح ہم تک پہونچا دیا کہ آج بنیادی عقائد تو بڑی بات ہیں ہماری زندگی کے وہ اعمال جو بنیادی نہیں مگر صدیوں سے شعارِ سنیت ضرور ہیں جیسے مجالس میلاد پاک استمداد از انبیاء و اولیاء زیارت قبور نذر و نیاز و فاتحہ خوانی تصور شیخ سلام و قیام تقبیل الابہام (انگوٹھے چومنا) احترام مشائخ و سادات وغیرہا مسائل پر قوم کے لئے ان کے گرداگرد عقلی و نقلی دلائل و براہین کی اتنی پختہ اینٹوں سے ایسی مضبوط فصیل کھینچ دی ہے کہ تا قیام قیامت مخالفوں کی تیر اندازی اثر انداز نہ ہو سکے گی اور مومنین کو ہمیشہ روحانی و مذہبی فیض و سکون بخشتی رہے گی۔ اور تب گزشتہ اور موجودہ تاریخی جھلکیوں میں جھانک کر دیکھئے اور بتائیے کہ المیزان کے سوالیہ نشان۔ کیا دیا؟ کا تاریخی حقیقت کے طور پر اس کے سوا اور کیا جواب ہوگا کہ قوم کو کیا نہیں دیا؟ اور اس دوسرے سوال کا (جو المیزان کے سوال سے پیدا ہوا) بھرپور جوابی مظاہرہ آپ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں اس وقت دیکھئے جب مسلمان اس ذات سے لی اپنے اسلاف کی امانت کا اعتقادی اور عملی طور پر اظہار کرتا ہے اور مخالفین (تیسری جماعت کے افراد) اسکو جھنجھلا کر "بریلوی" کہتے ہیں۔ کیوں؟ غور کیجئے اور اپنے دل سے جواب لیجئے کہ المیزان کے سوالیہ نشان کا مکمل جواب اسی میں مضمر ہے۔ حالانکہ یہ اسلام کی نورانی شمع آج ہمارے سامنے نہیں ہے بلکہ مسلسل چون ۵۴ سال تک قوم و ملت پر نور کی ضیا پاشی کرتے ہوئے سنہ ۱۹۲۱ء میں اصل نور سے جا ملی، مگر اس کی روشنی باقی ہے اور باقی رہے گی اور تاریخ اسلام جب بھی ایسے دور سے دوچار ہوگی تو یہ تاریخی حقیقت آوازے گی ؎

کیوں رضاؔ آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

بقیہ احیائے دین

فرمایا محض اندازے اور تجربے کی بنیاد پر اس دن کا خوف کرتے ہوئے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی"

"دراصل آپ میں وہ ساری خوبیاں بیک وقت مجتمع ہو گئی تھی جو ایک مجدد کیلئے ضروری ہے آپ نے تیرہویں صدی کا آخری زمانہ اور چودہویں صدی کا شروع زمانہ بھی پایا۔ عشق رسول تو گویا آپ کی رگ رگ میں موجود تھا۔ قرآن فہمی میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ فتاویٰ نویسی میں اسلامی ایڈوکیٹ کی طرح بہترین مفتی تھے۔ بے پناہ ذکاوت جس کے مالک قوت فیصلہ کے آمر اور مجسم عمل تھے۔

"اسی لئے ہم انہیں بے خطا و خطر چودہویں صدی کا امام مجدد کہتے اور مانتے ہیں جنہوں نے تجدید و احیائے دین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا"

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

بزم عشق کے اس دانائے راز جس کو لوگ پہچاننے کیلئے امام احمد رضا کہتے ہیں سرزمین قندھار کو بجا طور پر فخر ہے کہ آپ جیسی علمی ہستی قندھار کی بڑیچی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ ہندستان کی خاک کو بھی اس پر ناز ہے کہ منصب مجددیت پر فائز ہستی نے اس سرزمین پر قدم رنجہ فرما کر ہندستان کی آبرو رکھ لی۔

امام احمد رضا اور

اصلاح عقائد

حضرت مولانا صوفی سلیم اللہ قادری بنارسی
رکن آل انڈیا جمعیۃ الصوفیہ۔

دنیائے انسانیت کا ہر ذی شعور اس حقیقت سے واقف ہے کہ اسلام کی ترقی و ترویج کے لئے صوفیائے کرام نے جس خلوص ولگن سے کام کیا ہے اقوام عالم کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام مختصر عرصہ میں ربع مسکون پر چادر نور بن کر چھا گیا۔ اور ہر ترقی پذیر فرد وجماعت نے اس سے اکتساب فیض کیا۔

اسلام کے مخالفین ومعاندین نے اسلامی سیلاب کو روکنے کے لئے سازش کی۔ اور تصوف کے مقابلہ میں وہابیت کی بنیاد ڈالی۔ یہی وجہ ہے کہ حاملین وہابیت نے معمولات تصوف پر شرک وبدعت کے فتاوے صادر کئے، مختلف پارٹیاں بنائیں اور مختلف سمتوں سے درگاہوں، خانقاہوں پر حملے شروع کر دیئے۔ مقصد یہ تھا کہ اسلامی مجاہدین کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا جائے تاکہ مسلمان مختلف اکائیوں میں تقسیم ہو کر رہ جائے، اور اسلام کا یہ بڑھتا ہوا سیلاب رک جائے۔ لیکن

نکالیں سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی میر دریا کی طغیانی نہیں جاتی

ہندوستان کی سرزمین پر اصلاح عقائد کی نقاب ڈال کر وہابیت نے جب قدم رکھا تو استاذ الاساتذہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی، تاج الفحول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی اور دوسرے اساطین امت نے وہابیت کے مکروہ چہرہ کو بے نقاب کیا۔ امام الوہابیہ کے تقدس کا گریبان پکڑا اور دہلی کی جامع مسجد میں ان کے علم ودانش کے پرچم کی دھجیاں بکھیر دیں۔ یہ شکست ایسی رسوا کن تھی کہ مذہبی دنیا میں کہیں پناہ نہ مل سکی۔ برٹش ڈپلومیسی کا سہارا لیا اور اسی سہارے ملت اسلامیہ پر وہابیت کے تیر برساتے رہے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد کا دور بڑا ہی صبر آزما دور گزرا ہے۔ علمائے اہلسنت کے اکابر دریائے شور بھیج دیئے گئے۔ کتنے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیئے گئے اور اکثر کو جیلوں میں محبوس کر دیا گیا۔ ایسے صبر شکن دور میں حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خدمت کی ذمہ داری قبول کی۔ حالات کا اندازہ لگایا۔ وقت کے تقاضوں کو پہچانا اور اس حقیقت کے ساتھ۔ کہ.....

چند تنکوں کی سلیقہ سے اگر ترتیب ہو
بجلیوں کو بھی طواف آشیاں کرنا پڑے

حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اورنگ قیادت پر قدم رکھا۔ علمائے ملت اسلامیہ کے منتشر شیرازہ کو مجتمع کیا اور بڑے ہی عزم واحتیاط کے ساتھ اپنے علم وعمل کو تحریک کی شکل دیکر الحق یعلو ولا یعلیٰ کا پرچم لہرا دیا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تو مجھے کہنے دیجئے کہ مولانا احمد رضا صرف مولانا احمد رضا نہیں بلکہ امام احمد رضا ہیں اور اس منصب کے مستحق......؟ آج شجرہ وہابیت پر جو برگ وبار نظر آرہے ہیں، اس کے بھی کچھ وجوہ ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر تحریک کے پیچھے محرک کا مزاج کارفرما ہوتا ہے۔ اگر تحریک کی دعوت کے سلسلہ میں محرک کا مزاج پیش نظر نہ ہو تو تحریک کا رخ بدل جاتا ہے۔ یہ وقت کی ستم ظریفی ہے کہ امام احمد رضا کی تحریک کے موجودہ داعیان میں اکثر امام احمد رضا کے مزاج سے ناواقف محض ہیں اور تحریک کی دعوت دے رہے ہیں اور اپنے مزاج کے مطابق دعوت دے رہے ہیں جس کا لازمی نتیجہ اختلاف وانتشار۔ اور یہی اختلاف وانتشار شجرہ وہابیت کو بارآور کر رہا ہے۔ کیا داعیان تحریک کے اس عمل سے امام احمد رضا کی روح خوش ہوگی؟ کیا کوئی ہے جو سنجیدگی سے اس پر غور کرے؟

خدا بھلا کرے ادارہ المیزان کے ذمہ دار حضرات کا جنھوں نے وقت وحالات کی نزاکتوں کو محسوس کیا اور امام احمد رضا نمبر نکال کر امام احمد رضا کی عظیم شخصیت کو اجاگر ہی نہیں کیا بلکہ اپنے اس کردار سے دنیا کو ایک پیغام بھی دیا۔ کہ

یہاں کوتاہی ذوق عمل ہے وجہ محرومی
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

اللہ عز اسمہ اپنے مقبول بندوں کے طفیل ادارہ المیزان اور سنی لیگ کو معاندین کے حسد اور معاصرین کی نظر بد سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم۔

امام احمد رضا اور
تجدید واحیاء دین

از:- صاحبزادہ سید محمد حسینی اشرفی رائچوری مدرس دار العلوم امجدیہ ناگپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

یہ حقیقت ہے کہ جب کبھی باطل نے اپنی پوری قوت کے ساتھ سر ابھارا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کو پیدا فرما کر اس کی قوت کو کمزور فرما دیا۔ حق و باطل میں کبھی صلح نہیں ہوئی اور نہ اس کا خاتمہ ہوا، غرض کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر ہمارے آقا و مولا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر دور میں ایسا ہی ہوتا رہا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے تشریف لے جاتے ہی، مسلیمۃ الکذاب، منکرین زکوٰۃ اور منافقین کی ریشہ دوانیاں مختلف شکل میں نمودار ہوتی رہیں اور برابر حق کو سربلندی عطا ہوتی رہی، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی نصف عہد خلافت تک بظاہر ملت اسلامیہ میں امن وسکون رہا اور ۳۰ھ تک مسلمانوں نے دنیا کا بڑا حصہ اور اہم رقبہ فتح کر کے اس پر پرچم اسلام کو لہرا دیا اور دنیا کا باقی بچا ہوا حصہ اس منور حصہ کے مقابلے میں کوئی قدر وقیمت اور اہمیت نہیں رکھتا تھا، اور اگر مسلمانوں کی طاقت چاہتی تو باقی تمام دنیوی طاقتوں کے مجموعہ کو بآسانی کچل سکتی تھی لیکن عبد اللہ ابن سبا اور یہودیوں اور نصرانیوں اور منافقوں کی ملی جلی سازش نے نئے روپ میں آکر اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی سعی ناکام میں مشغول رہی، بالخصوص عبد اللہ ابن سبا اور دیگر منافقین نے اسلامی جامہ پہن کر مختلف قسم کے فتنے امت مسلمہ میں برپا کیئے مسلمانوں کو مبتلائے مصائب اور خانہ جنگی میں مصروف کر دیا، غرضیکہ عبد اللہ بن سبا نے مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق، قاہرہ، تمام مرکزی شہروں میں تھوڑے تھوڑے دنوں قیام کر کے جو برائی عداوت وعصبیت بنی امیہ و بنی ہاشم میں اسلام کی وجہ سے مردہ ہو چکی تھی پھر زندہ کر کے، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہایت چالاکی و ہوشیاری سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق دار خلافت ہونے کی ناپاک سازش کی آخر کار اس سازش کا نتیجہ یہ نکلا، بصرہ، کوفہ، اور قاہرہ کے فسادی عناصر نے مل کر مدینہ کی طرف کوچ کیا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ ظہور میں آیا اس فتنہ نے ۳۰ھ سے ۴۰ھ تک مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مصروف رکھ کر اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے کام کو نقصان پہنچایا اور حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسلمانوں کے اس تفرق کے بدنتائج کو محسوس فرما کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح فرما کر اسلام پر احسان عظیم فرما کر عبد اللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کے پیدا کردہ فتنہ کا بڑی ہمت وبہادری سے خاتمہ فرمایا، اور امت مسلمہ پھر ایک مرکز سے وابستہ ہوگئی، بیس سال امن وامان اور بحری وبری فتوحات اسلامیہ کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات، یزید کی تخت نشینی، اور کربلا کے حسرت ناک حادثہ نے ایک طرف مشرکوں وکافروں اور دوسری طرف منافقوں کو پھر جرأت دلا کر مصروف کار بنا دیا، اس مرتبہ جو طوفان آیا اس میں بظاہر جگر گوشۂ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی شہید ہوئے اس کے باوجود حق کو ہی سربلندی عطا ہوئی اور مشرکوں وکافروں ومنافقوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوسکی ان فتنوں نے تقریباً بارہ تیرہ سال تک بڑے بڑے نقصانات پہنچائے جو بہت سخت ثابت ہوئے پہلے طوفان میں جو ۳۰ھ سے ۴۰ھ تک قائم رہا تھا صحابۂ کرام کی بڑی تعداد زندہ تھی، اس طوفان میں ۶۱ھ سے ۷۳ھ تک برپا رہا اس میں بہت سے صحابۂ کرام فوت ہو چکے تھے صرف چند نفوس قدسیہ باقی تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے عہد میں دشمنان اسلام کی سازشیں، جنگ جمل و جنگ صفین میں منافقین کی ریشہ دوانیاں حادثۂ کربلا تک مسلسل فتنے برپا ہوتے رہے، انھیں فتنوں میں منافقوں کی اسلام ومسلمانوں کے خلاف اسلامی لبادہ میں کئی بڑی جماعتیں پیدا ہوئیں اور ان باطل قوتوں نے دنیائے اسلام پر اپنا اچھا خاصہ اثر جمالیا پھر امت مسلمہ میں طرح طرح کی بدعات وبدعقیدگیاں پھیلتی رہیں، یہ طاقتیں برابر اسلام کے خلاف اپنا کام کرتی رہیں، آخر کار انھیں فتنوں کی زد میں ۷۳ھ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، آپ کی شہادت کے بعد عبد الملک بن مروان کی حکومت شروع ہوئی بظاہر منافقوں کی ریشہ دوانیاں اور مسلمانوں کی خانہ جنگی موقوف ہوئی لیکن پہلے کے جو اثرات قائم ہو چکے تھے اسکا مٹنا مشکل تھا عبد الملک ابن مروان کے بعد ولید ابن عبد الملک اسکے بعد سلیمان بن عبد الملک؛ آخر کار وہ دور مسعود بھی آیا کہ جس کو دیکھ کر عہد فاروقی کی یاد تازہ ہوتی تھی، یعنی حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جو فتنے وبدعات وبدعقیدگیاں

امت میں پھیلی تھیں اس کو مٹانے اور سنتوں کو تازہ فرمانے میں سعی مشکور فرمائی، اور امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان فرمایا، مسلمانوں نے ہر قسم کی دینی و دنیاوی ترقی کی اور اندلس و مراقش سے لیکر سندھ، بلخ اور چین اور دور دور تک اسلامی روشنی پھیلتی گئی اور اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوگیا، اگرچہ اموی دور حکومت کا پچاس سالہ زمانہ بالخصوص خلافت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیر و برکت و اسلامی فتوحات و اتحاد و خدمات کے اعتبار سے خلافت راشدہ کے ابتدائی پچیس[۲۵] سالہ زمانہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی تاہم بالخصوص حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا دور خلافت اسلام و مسلمانوں کے لئے خلافت راشدہ کے علاوہ پچھلے و آئندہ تمام زمانوں سے بہتر اور اسلام کی عظمت کے لئے عمدہ ان کے تربیت یافتہ حضرات یعنی تابعین رضی اللہ عنہم ان کی جگہ اسلام کی حفاظت اور دشمنانِ اسلام کے فتنوں کو ختم کرنے میں مصروف رہے دور تابعی میں حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دور مسعود ہے کہ آپ اور آپ کے شاگردوں نے اسلام کی اشاعت اور دشمن اسلام کے فتنوں کو ختم کرنے میں مصروف رہے، یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ شرف کوفہ کی سرزمین کو نصیب ہوا اسی کوفہ کی سرزمین میں کربلا کا حادثہ عظیمہ بھی پیش آیا یعنی جب یزید کی مردہ روح زندہ تھی تو اس سے کوفیوں کی فوج پیدا ہوئی اور جب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمالیا اور آپ کو حیات ابدی بخشی گئی تو اسی کوفہ سے حضرت ابراہیم نخعی، امام حماد، امام اعظم، امام شعبی، سفیان ثوری رضی اللہ عنہم جیسے اکابر ائمہ نکلے جو بھی آئے وہ سب اسلام کی حفاظت اور دشمنان اسلام کی سرکوبی کے لئے آئے، لیکن اسلام کے اس عروج و فتحمندی کے زمانہ میں بھی دشمنان اسلام اکثر اسلامی لبادہ پہن کر اسلام و مسلمانوں کو زک پہنچانے میں مصروف رہے، اس کے باوجود حق کو عروج و فتحمندی نصیب ہوئی، اسلام کے خلاف ان کی سازشیں اندر ہی اندر سلگتی رہیں اور خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے بعد چند ہی سال کے اندر اس کے شعلوں نے بلند ہوکر اسلام اور اسلامی سطوت و شوکت کو برباد کرنے، اسلام کی مرکزی حکومت کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور دین اسلام کے عقائد و اعمال میں انواع و اقسام کے رخنے ڈال کر اسلام کے شیرازہ کو منتشر کرنے اور دین اسلام کے عقائد و اعمال کو برباد کرنے کی سعی ناکام میں لگے رہے، اسلام کے خلاف ان دشمنان اسلام کی سازشوں نے عباسیوں کی حکومت و خلافت قائم ہونے تک ان گمراہ فرقوں کو اسلامی فرقے سمجھا اور خوارج جو شیعوں کے برعکس حضرت سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہم کو (معاذ اللہ) مشرک سمجھنے والے اور حضرات اہل بیت اطہار کو ناحق سمجھنے والے اور دیگر عقائد باطل رکھنے والے جیسے لوگوں کی مستقل زوردار جماعت تیار ہوئی جو سب کے سب مسلمان سمجھے جانے لگے، ان کی سازشوں کا ثمر امر کہ حضر موت، بحرین، عراق و ایران بن گیا، حجاز و شام میں ان کا کوئی خاص اثر نہیں تھا، غرضیکہ اسی دنیا میں کفر و اسلام اور نور و ظلمت کی کش مکش قیامت تک جاری رہے گی، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا کر صراط مستقیم پر

گامزن رہے، آخر کار ہندوستان میں بھی اسلام کی روشنی پھیلنی شروع ہوئی پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں کا قبضہ اور چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ کا قبضہ ہوا اسی زمانہ میں باطل پرستوں کی ایک سازش نے اسلام کے خلاف ملتان میں قرامطہ اور مباحیہ کے نام سے دو ٹولی کو جنم دیا سلطان محمود غزنوی نے قرامطہ اور مباحیہ کے فتنوں کو ختم کیا پھر اسلام کی منور کرنیں پنجاب آسام و بنگال اور راس کماری تک سارے ہندوستان میں پھیل گئیں اور دکن، ملابار، کنارا، کیرل، وغیرہ میں اسلام شروع ہی سے پہنچ چکا تھا، اسلام مستقل طور پر ان علاقوں میں سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمہ کے ذریعہ دور دور تک پہنچا اور افغانستان، سیستان، طبرستان، اصفہان، وغیرہ میں اسلام دشمن عناصر اپنی ٹولیاں بنا کر اسلام کے خلاف مصروف کار رہیں، کچھ عرصہ تک ان کا اثر جمارہا پھر حق کا ہی غلبہ ہوا، دو سو سال تک اسلام ہندوستان کے کچھ ہی علاقوں میں محدود رہا اور اسی دو سال کے عرصہ میں خاندان غزنوی جو پنجاب پر قابض اور محمود غزنوی کی وفات کے بعد ہی سے مسلسل خانہ جنگی میں مبتلا تھا تو اسی خانہ جنگی دور سے فائدہ اٹھا کر اہل باطل پھر اپنے کام میں مصروف ہوگئے اس نازک حادثہ کو دیکھ کر علماء ملت اسلامیہ اور اولیاء کرام نے ان باطل فرقوں سے نبرد آزمائی شروع کی، اولیاء کرام کی کرامات اور علماء اسلام کی خدمات سے اسلام کو بہت زیادہ تقویت حاصل ہوئی اسی زمانہ میں اور دیگر علمائے کرام کے علاوہ علامہ قدوری احمد بن احمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ ہیں کہ جنھوں نے پہلے بدعات و بدعقیدگی کو ہندوستان سے مٹایا اور فقہ کی اشاعت کی اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی کشف و کرامات سے کفر و شرک کا خاتمہ کیا اور اسلام کی اشاعت میں مصروف رہے، خاص طور پر حضرت مخدوم علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رضی اللہ عنہ ایک داعیٔ اسلام کی حیثیت سے پنجاب میں وارد ہوئے اور غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا، سلطان محمود غزنوی اور ان کے خاندان والے سنی صحیح العقیدہ مسلمان تھے لیکن افغانستان کے علاقہ میں قرامطہ اور باطنیہ نے خاطر خواہ اپنا اثر جمالیا، محمود غزنوی کے جانشین جو اپنی خانہ جنگیوں میں مصروف رہے، اور افغانستان والوں کے عقائد و اعمال پر وہ زیادہ کچھ اثر جمانہ سکے، یہ خدمت علمائے کرام نے ادا کی علماء کرام نے ان سے مقابلہ کرکے ان قوت کو کمزور کردیا اور افغانستان میں اسلام کی خدمت کا اہتمام کما حقہ کہاں ممکن تھا، افغانستان کا غوری خاندان جس نے غزنویوں کو برباد کیا ان کے زمانہ میں بہت سے ملحدانہ عقائد پھیل گئے۔ مگر چونکہ اس عرصہ میں ماوراء النہر سے لیکر عراق و شام تک سلجوقی چھا گئے تھے، سلجوقیوں کا اثر افغانستان کے قبائل پر بتدریج پڑتا رہا سنجر سلجوقی غوری سرداروں کو گرفتار دیا جگر ادبنا کر افغانستان پر اپنا بہت قوی اثر ڈالا پھر سلطان شہاب الدین غوری نے ان باطل پرستوں اور ملحدوں کے ناپاک اثرات کو ختم کرکے خالص سنیت کی اشاعت کی، اور اسی زمانے میں امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان تشریف لاکر آپ نے مذہب حقہ کی اشاعت کی سنہ ۶۰۲ھ میں ہندوستان

میں مسلمانوں کا بادشاہ قطب الدین ایبک لاہور میں تخت نشیں ہوا، اس عرصہ میں ہندوستان میں حضرت خواجۂ خواجگان سلطان الاولیاء ولی الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپنے اپنی کشف وکرامات سے ہزاروں غیر مسلموں کو اسلامی دولت سے نوازا ۶۰۰ھ و ۸۰۰ھ تک جو اولیاء کرام اپنی کشف و کرامات وخدمات جلیلہ وتصنیفات سے خدمت اسلام میں مصروف رہے ان کے چند مشہور اسماء گرامی یہ ہیں حضرت شیخ مجد الدین بغدادی، شیخ شہاب الدین سہروردی، حضرت محی الدین ابن عربی وحضرت شمس الدین تبریزی حضرت شیخ سعد الدین عمویہ مولانا جلال الدین رومی وغیرہ صدہا اولیاء کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کی خدمت انجام دی اسی طرح ہندوستان میں پورے سو سال گزرنے نہ پائے تھے اس ملک میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شاہ علاء الحق پنڈوی، شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ بوعلی شاہ قلندر پانی پتی شاہ خواجہ نظام الدین اولیاء، مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی، شاہ حسام الدین تیغ برہنہ گلبرگوی شاہ برہان الدین وغیرہم رضی اللہ عنہم ہزارہا اولیاء کرام نے غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام فرمایا کفر وشرک والحاد وبے دینی کی مسموم فضا کو پاک وصاف فرمایا، غرضیکہ آٹھویں صدی ہجری میں سلطان علاؤالدین خلجی نے ملحدوں، وگمراہوں نے اسلام کے خلاف جو حالات پیدا کیئے تھے اس میں سدھار پیدا کیا اور ملحدوں وبے دینوں کو کیفر کردار کو پہنچایا، اسی سلطان کے زمانہ میں فقہی کتابوں اور علماء کی تصانیف کی اشاعت ہوئی اسکے بعد سلطان محمد تغلق نے تخت نشیں ہو کر جگہ جگہ شہروں میں دارالقضاۃ قائم کیا اس دور میں بھی قاضیوں اور اماموں مفتیوں، اور علماء کے ذریعہ دین وسنیت کی اشاعت ہوئی، آخر کار حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے بگاڑ پیدا کرنے کے سبب وہ ختم ہوگیا، اسلامی سلطنتوں میں یہی ہوتا رہا، باطل پر حق کی فتح بالآخروہ دور بھی آیا جسے الحادی دور کہتے ہیں اکبر اعظم کا دور لا مذہبی کی لعنت میں مبتلا ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑانے لگا آخر کار لامذہبیت اور مسلمانوں کی عام جہالت امراء دربار کی جاہ طلبی وشاہ پرستی نے ایک نیا مذہب ۹۸۵ھ میں جاری کیا جس کا نام دین الہی رکھا گیا، گوا، دمن، دیو، وغیرہ سے نصرانیوں کی معرفت توریت وانجیل وغیرہ نصرانیوں اور یہودیوں کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائی گئیں اور ہندوستان کی مذہبی سنسکرت کتابوں کی اشاعت کی گئی، اس طرح دین میں اکبر پہلا صلح کلی بادشاہ ہے کہ جس نے دین میں الحاد پیدا کیا غور فرمایئے اسلام کے خلاف یہ کتنا زبردست حملہ تھا کہ خود شہنشاہ اور اس کے حواری اسلام کو مٹانے میں مصروف ہیں ان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب ہند میں اسلام مٹ چکا، لیکن جب باطل کی طاقت انتہائی کمال کو پہنچی رحمت خداوندی جوش میں آئی ایسی نازک وخطرناک حالت میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہم اللہ علیہم نے، کتاب وسنت کا وہ کام انجام دیا کہ باطل کی کمر بہت کمزور ہوگئی بالخصوص حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعیٔ جمیلہ سے ہندوستان کے اکثر حصوں میں دین حق کی مشعلیں روشن ہو کر الحاد وبے دینی وبدعقیدگی کفر وشرک کے تاریک پردوں کو چاک کر دیا۔ شہنشاہ شاہ جہاں ایک کٹر مذہبی والحاد دشمن انسان تھے اور وہ خود عالم وفقیہہ تھے، لیکن پھر بھی آپ کا بڑا لڑکا دارا شکوہ جو اکبر کی طرح کٹر صلح کلی تھا اس کی محبت میں ضرورت سے زیادہ گرفتار ہوگئے جس کی وجہ سے باوجود شاہ جہاں کے اس معیار پہ ہونے کے صلح کلی ہوگئے۔ اور چشم پوشی اختیار کی جس کی وجہ سے اسلام وسنیت کو سخت نقصان اور ملحدوں وبے دینوں کو تقویت پہنچنی شروع ہوئی آخر کار حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ خود ایک فقیہہ اور گیارہویں صدی کے مجدد تھے اور اورنگ آباد (دکن) میں عہدۂ صوبہ داری پر مامور تھے، اپنی شہزادگی اور صوبہ داری کے زمانہ میں اپنے والد شہنشاہ شاہ جہاں کو یہ تحریر فرماتے ہیں، مجھے بہ تحقیق معلوم ہوا کہ حضرت کی بیماری کے زمانے میں شہزادۂ کلاں نے پورا استقلال پیدا کیا، آئین کفار کی ترویج واشاعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین کی جڑ اکھیڑنے میں کمر ہمت باندھی مملکت میں الحاد پھیلا، اور ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، شہزادہ کلاں جو مسلمانی رنگ نہ رکھتا ممالک محروسہ میں کفر والحاد کو بلند کیا اس کا دفع کرنا مجھ پر شرعاً وعقلاً واجب ہوا، اس لیئے ان حدود کی جانب کوچ کیا (یعنی آگرے کی طرف دارا شکوہ سے مقابلہ کے لئے نکل پڑے) ملاحدہ نیکوہیدہ (یعنی دارا شکوہ صلح کلی اور اس کی فوج سے جنگ ہوئی) میری نیت بخیر (یعنی خالص اسلام وسنیت کی اشاعت وحفاظت وکفر وارتداد وبے دینی والحاد کو ختم کرنا) تھی جمعیت قلیل (یعنی بارہ ہزار فوج) سے اس معرکہ میں مظفر ومنصور ہوا اور چشم زخم سے محفوظ رہا شاہ جہاں نے دوبارہ تلاش کی شہزادہ میدان میں آئے الحاد کی چہرہ افروزی ہو اس صورت میں باگ ڈھیلا کرنا عباد وبلاد کی خرابی کا سبب ہوتا (یعنی مسلمان صلح کلی ومرتد بن جاتے) اجر وثواب کی امید نے مجھے اس بار گراں کے اٹھانے پر راضی کیا (یعنی شاہی بوجھ میں نے برداشت کیا) اس سبب سے اس بارگراں کو شاہ جہاں) کے دوش سے اتار دیا اگر مجھ سے کوئی بہتر ان میں مشغول ہوتا تو حاشا یہ اطاعت گزار یہ قبول نہ کرتا (شمس العقائد) یعنی ہندوستانی مسلمانوں کے اندر جو دارا شکوہ کا الحاد وبے دینی وصلح کلی مذہب پھیل چکا تھا اس کو فنا کرنے اور مٹانے کے لیئے اورنگ زیب عالمگیر غازی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور اس فتنے کو ختم کرنے اور کفر وشرک کے زور کو ختم کرنے میں مشغول ہوئے اور دارا شکوہ گرفتار کیا جا کر ارتداد کے جرم میں قتل کیا گیا اور عبرت کے لیئے اس کا سر دہلی کے خونی دروازے پر لٹکا دیا، سلطان اورنگ زیب غازی عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں چن چن کر ملحدوں صلح کلیوں، بے دینوں، وگمراہوں کو ختم کیا گیا فقہ اسلامی کی ترویج واشاعت کی گئی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے ملحد دارا شکوہ کو اس کے انجام تک پہنچایا اور شاہ جہاں کو گرفتار کر کے آگرہ میں قید وبند کر کے تخت سلطنت پر جلوس فرمایا اور فتاوی عالمگیری کے نام سے فقہ حنفی کی ایک ضخیم کتاب بہت سے علماء کی مدد سے تصنیف وتالیف

کرائی اور دارا شکوہ کے صلح کلی الحاد و بدعات کے خاتمہ کے بعد یہ فرمان جاری کیا کہ اہل سنت وجماعت کے دین کے خلاف کسی سے کوئی چیز سرزد ہو تو وہ سیاست شاہی میں ماخوذ کیا جائے گا، اس حکم کی پابندی محمد شاہ کے دور تک سختی کے ساتھ ہوتی رہی محمد شاہ کے دور کے بعد حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا تصلب ڈھیلا پڑ گیا، پھر وہی اسلام دشمن عناصر نے اسلامی لباس کے ساتھ تفرقہ ڈالنا شروع کیا پھر بدعات و بدعقیدگیاں والحاد پھیلنا شروع ہوا اور محمد شاہ کے دور تک ہی سلطنت کی شوکت قائم رہی اس وقت تک اسلام وسنیت کے نام پر کوئی مذہب پیدا نہیں ہوا تھا، اس طرح پورے ہندوستان میں اہلسنت وجماعت ہی تھے اور محمد شاہ کے دور تک کسی کو فتاوئ عالمگیری کے خلاف کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی محمد شاہ کے بعد غیر ملکی سیاست مختلف شکل میں ہندوستان میں دخیل ہو گئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں خود مختاری کے لیئے کوشاں ہو گئیں اور انگریز اندرونی طور پر پورے ملک میں اپنا اثر جما چکے تھے پھر ملک ہند میں طوائف الملوکی شروع ہو گئی آخر کار اسی طوفان کی زد میں ۱۲۱۳ھ میں شاہ عالم ثانی کو آٹھ لاکھ کے سالانہ وظیفہ پر معزول کیا گیا جب ملک ہند میں انگریزوں کا تسلط ہوا تو انھوں نے نہایت چالاکی سے ہندوستانی عوام کا بغور مطالعہ کیا کہ باوجود اس طوائف الملوکی کے مسلمان اسلام وسنت اور اعتقاد کے مضبوط رشتے میں بندھے ہیں اور ان کے اندر صحیح عقیدہ اور اسلام وسنیت پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے باوجود اس اختلاف کے ان کے اندر ایسی روحانی قوت ہے کہ ہم ان پر فتح حاصل نہیں کر سکتے اور نہ انھیں تلوار و بندوق سے ختم کر سکتے ہیں، عہد عالمگیری ہی سے عوام اور حکومت علماء کے فتووں پر عمل کرتی تھی انگریزوں نے دیکھا کہ ملک ہند کی عوام پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا سکہ بیٹھا ہوا ہے شاہ عالم ثانی کے بیٹے اکبر ثانی کے زمانے میں انگریزوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے گھرانہ میں کسی کو اپنے دام فریب میں لانے کے لئے تلاش کی انگریزوں کو بالآخر حضرت شاہ صاحب کا بھتیجا اور مولانا عبدالغنی صاحب کا لڑکا اسماعیل دہلوی مل گیا، انگریز نے اس کے ساتھ یہ چال چلی کہ انھیں پنجاب اور سرحد پر قبضہ کرنے کا لالچ دیکر انگریز نے اسلام کے نام پر بدعات و گمراہیاں پھیلانے کے لیئے آدمی اور روپیہ پھیلا دیا اور ان علماء اہلسنت کو جو اپنی طاقت سے انگریزی سامراج کو مٹانا چاہتے تھے چنانچہ مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیرآبادی انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوىٰ صادر فرما چکے تھے جس کی سزا میں کالے پانی کی سزا جھیل رہے تھے اور بہت سے حق پرست علما کو پھانسی کے تختہ پر لٹکا دیا گیا علماء اہلسنت کا شیرازہ منتشر تھا آپسی اتحاد ختم ہو چکا تھا ملت اسلام کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے ایسے ماحول میں برطانیہ کی گورنمنٹ مولوی اسماعیل دہلوی پر مہربان تھی چنانچہ سرحد کے سنی عوام جو انگریز کے خلاف جہاد کا جذبہ رکھتے تھے اس کو ختم کرنے کے لیئے پنجاب پر حملہ کے نام سے ایک فوج تیار کی گئی جس کا کمانڈر مولوی اسماعیل دہلوی کو بنایا گیا مولوی اسماعیل خالص ابن عبدالوہاب نجدی کا متبع تھا، یہی نجدی جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، هُنَاكَ الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان وہاں (یعنی نجد میں) زلزلہ اور فتنے ہیں اور وہیں سے اس کا ساتھی (یعنی عبدالوہاب نجدی) مع اپنی جماعت کے ظاہر ہوا جس کا یہ عقیدہ تھا کہ یہی لوگ مسلمان ہیں باقی سب کافر و مشرک و گمراہ و بدمذہب و بدعتی ہیں، اس نے اگلے گمراہ فرقوں سے کچھ عقائد اور اپنے باطل عقائد پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام کتاب التوحید رکھا اسی کتاب التوحید کا ترجمہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویت الایمان کے نام سے کر کے انگریز حکومت کی مدد سے شائع کر دیا، اب اس خاندان سے الحاد و بے دینی پھیلنی شروع ہوئی جس پر مغلیہ حکومت اور ہندوستانی عوام کو اعتماد تھا، اس کتاب میں ان تمام چیزوں کو ناجائز و حرام و شرک و بدعت بتایا گیا جس پر دور صحابہ سے لیکر اس دور تک تمام اولیاء اقطاب و اغواث و علماء و ائمہ مجتہدین اصفیاء کاملین فقہاء محققین سلف سے لیکر خلف تک جتنے لوگ ہیں اتفاق تھا اس لئے اختلاف کی آگ پورے ہندوستان میں پھیل گئی چنانچہ کتاب ارواح ثلثہ ص ۸۱، ۸۰ شائع شدہ اشاعت العلوم متصل مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یوپی جس پر مولوی اشرف علی تھانوی کا حاشیہ ہے اس میں تحریر ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویت الایمان اول عربی میں لکھی تھی چنانچہ اس کا ایک نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہی کے پاس اور ایک نسخہ مولوی نصر اللہ خورجوی کے کتب خانہ میں تھا اس کے بعد مولانا نے اس کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحٰق صاحب مولانا یعقوب صاحب مولوی فرید الدین صاحب مرادآبادی، مومن خاں صاحب علوی، استاد امام بخش صاحب صہبائی اور مولانا مملوک علی صاحب بھی تھے اور ان کے سامنے تقویت الایمان پیش کی گئی اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا الفاظ تیز بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا اور ان سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حج کا ہے اور وہاں سے واپسی کے بعد عزم جہاد (یعنی سرحدی سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کا قتال) ہے اس کام سے معذور ہو گیا اور میں دیکھتا ہوں کہ دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں، اس لیئے میں نے یہ لکھ دی ہے گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لوگ لڑ بھڑ کر ٹھیک ہو جائینگے یہ میرا خیال ہے، اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جاوے ورنہ اسے چاک کر دیا جائے اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیئے۔ مگر فلاں فلاں ترمیم ہونی چاہیئے اس پر مولوی عبدالحی صاحب شاہ اسحٰق صاحب عبداللہ خاں علوی، مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں، اس پر آپس میں گفتگو

ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں اسی طرح شائع ہونی چاہئے چنانچہ اسی طرح شائع ہوگئی، ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ فساد کی بنیاد کس نے ڈالی؟ تقویت الایمان کے ذریعہ پورے ملک میں وہابیت کے فتنے میں شدت پیدا کی گئی تو مولانا مخصوص اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس کے رد میں ایک کتاب لکھی جس کا نام معید الایمان رکھا اور فرمایا یہ کتاب یعنی تقویت الایمان تمام انبیاء کی توحید کے خلاف ہے، جب تقویت الایمان عام ہوئی تو اسماعیل دہلوی کے عم بزرگوار حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر بیماریوں سے مجبور نہ ہوتا تو تحفہ اثنا عشریہ کا سا رد لکھتا ناظرین کرام آپ نے امت مسلمہ میں باطل پرستوں اور گمراہوں کی فتنہ سازیاں ملاحظہ فرمایا دین اسلام کی حقیقت روز اول ہی سے دنیا میں موجود رہی ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی انسان کی پیدائش اسی لئے تھی کہ وہ اس دولت گراں مایہ کو اپنے سینے سے چمٹائے رکھے مگر اسی عالم انسانیت میں ایسے بھی موسم آتے رہے جس کا مختصر ذکر پچھلے صفحات میں گزر چکا انھوں نے اس ہرے بھرے شاداب چمن کو تاراج کیا اور پھر پروردگار عالم نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پر بہار بعثت کریمہ سے اسے ہرا بھرا کر دیا اس چمنستان اسلام کی اپنے پورے کمال کے ساتھ آراستگی رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ پر ختم کر دی گئی مگر باطل پرستوں کا موسم خزاں دنیا سے کب ختم ہونے والا تھا اگرچہ نبوت و رسالت کا ظہور ختم کر دیا گیا مگر باطل پرستوں کی دین اسلام پر غارتگری کب ختم ہونے والی تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک سے اب تک برابر ایسے موسم آتے رہے کہ باطل پرستوں اور گمراہوں و بے دینوں، ملحدوں کے ہاتھ دین کی جڑیں اور اس کے تنے اور شاخوں پر پڑتے رہے جن کی انگلیوں کے نشان آج دین اسلام کے شجر سرسبز و شاداب پر دکھائی دیتے ہیں۔ کیا رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ غیب داں کیا ان حوادثات سے بے خبر رہ سکتی تھیں آپ نے قیامت تک ہونے والے فتنوں سے امت کو آگاہ کر دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ ان اللہ عزوجل یبعث

بھٰذہ الامۃ علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا امر دینھا

(ابوداؤد، از مشکوٰۃ) اللہ عزوجل اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں ایک ایسی ذات کو مبعوث فرماتا رہے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گی فتنہ اٹھانے والے اپنی پوری قوت کے ساتھ فتنے برپا کئے دین اسلام کو تباہ کرنے کی ناپاک کوشش کرتے رہے ہیں مگر پروردگار عالم کی رحمت کاملہ اپنے حبیب کی امت کو یوں ہی ان کے حال پر نہیں چھوڑے گی بلکہ ہر صدی میں ایسی ذات پیدا ہوتی رہے گی جو دین کی اصل حالت میں نکھار پیدا کرکے اور الحاد و بے دینی، گمراہی و بدمذہبی و بدعقیدگی، و بدعات کو مٹا کر دنیا کے سامنے پیش کرتی رہی وہ امر ہے جسے احیاء دین کہا جاتا ہے جیسا کہ یہ تجدید احیاء دین کے کام کو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے لیکر امام مالک و حضرت ابو حنیفہ امام شافعی حضرت مجدد الف ثانی حضرت اورنگ زیب عالمگیر اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہم اللہ وغیرہ نے ہر صدی میں یہ کام کیا، اب ذرا پچھلی صدیوں میں دین اسلام کے اندر جو فتنے برپا ہوئے تھے اس پر ایک نظر ڈال لیا جائے (عقائد باطلہ) (۱) حکم (یعنی ثالث بنانا شرک ہے (۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ شریک نبوت ہیں (۳) قرآن کریم پورا یا پورا محفوظ نہیں ہے (۴) روح ایک جسم سے دوسرے جسم میں جانا (یعنی تناسخ ممکن ہے) (۵) قرآن عظیم مخلوق ہے (۶) عرش قدیم ہے (۷) بندہ اپنے افعال نیک و بد کا خالق ہے (۸) حساب و کتاب، میزان وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے (۹) زکوٰۃ دینا فرض نہیں (۱۰) اہل جنت کے لئے سونا مرنا دونوں ہوں گے (۱۱) بندہ مجبور محض ہے (۱۲) ایمان کے بعد کوئی چیز فرض نہیں (۱۳) شیطان کا کوئی وجود نہیں ہے (۱۴) عذاب قبر، منکر نکیر کا سوال، حوض کوثر، ملک الموت کی کوئی حقیقت نہیں (۱۵) صفات الٰہی مخلوق ہیں (۱۶) صفات الٰہی حادث ہیں (۱۷) حق تعالیٰ مکان میں ہے (۱۸) پلصراط کوئی چیز نہیں (۱۹) جنت و دوزخ قیامت کے دن ہی پیدا کئے جائیں گے (۲۰) جنت و دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گے (۲۱) جو صرف لا الٰہ الا اللہ کہہ لے اور جو چاہے کرتا رہے اس پر عذاب نہ ہوگا (۲۲) انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام محض نظام خلق کو برقرار رکھنے کے لئے عذاب و سزا کا ذکر فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ عذاب کرنے سے بے نیاز ہے کہ کسی کو عذاب ہوگا (۲۳) اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے مقبول اور گناہ کرنے سے گناہ نہیں ہوتا (۲۴) ایمان عمل ہے وغیرہ وغیرہ آپ ان مذکورہ بالا دین کے اندر جو فتنے پیدا ہوئے تھے اس پر نظر ڈالیئے تو خود ہی فیصلہ فرمائیں گے کہ دین اسلام کے شاداب شجر کو جڑ سمیت اکھاڑنے کی کوشش کی گئی ہے ان سب فتنوں کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ اسلام باقی رہے گا، مگر ایسے ماحول میں ایسے لوگ بھی موجود تھے، کہ جنھوں نے مال و دولت، عزت و آبرو جان و مال کو قربان کرکے اور ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کرکے اپنی زبان اور قلم سے اس کی حفاظت فرمائی، بلکہ اس کی حفاظت کو سرمایۂ ایمان جانتے تھے چنانچہ ہر دور میں ان فتنوں کو مٹانے کے لئے محافظان دین بھی پیدا ہوتے رہے کہ جنھوں نے ایمان و کفر، حق و باطل، صراط مستقیم و کج روی و گمراہی، حلال و حرام، جائز و ناجائز کے درمیان خط امتیاز کھینچ آخر کار حق حق ہی رہا اور باطل باطل ہو کر منہ کالا کیا، موجودہ صدی کے شروع میں جو فتنے پیدا ہوئے اسے بھی ملاحظہ فرمائیں عقائد باطلہ (۱) اللہ تعالیٰ جہت زمان و مکان سے پاک نہیں (۲) اللہ تعالیٰ کذب (جھوٹ) اور دوسرے نقائص پر قادر ہے (۳) نبی کی حیثیت گاؤں کے چودھری اور زمیندار کی ہے (۴) وہ ذرۂ ناچیز سے کمتر ہیں (۵) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عظمت کو گھٹانا اور بھائی بتانا (۶) خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن بتانا (۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں آجانے کو بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر بتانا (۸) اللہ تعالیٰ کے علم کو مشیت پر موقوف رکھنا (۹) اپنے شیخ و مرید کو خدائے قدوس کا جلیس بتانا (۱۰) اپنے پیر کے لئے وحی حقیقی ماننا (۱۱) اپنے پیر کا حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دینا بتانا (۱۲) شرک اور غیر شرک کفر و ایمان، حرام و حلال، مختلف الاحکام مسائل کا بزور زبان ایک ہی حکم بتانا (۱۴) شیطان کے علم کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے بڑھانا (۱۵) رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی وحی والہام کو غلط بتانا (۱۶) نبی کو شریر، مکار، بدعقل، فحش گو بتانا (۱۷) اپنی جھوٹی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے انبیاء کرام کو جھوٹا بتانا (۱۸) انبیاء کرام کی بارگاہ میں ناپاک گالیاں وگستاخیاں کرنا (۱۹) صرف لا الہ الا اللہ پر مدار نجات رکھنا (۲۰) جنت و دوزخ حشر ونشر کو بے حقیقت قرار دینا (۲۱) اپنی رائے سے غلط تفسیر کرنا (۲۲) تقلید ائمہ اربعہ کا انکار کرنا (۲۳) ائمہ دین سے آزاد رہ کر اپنی روش بتانے کے لئے آئمہ دین کی قدروں کو گھٹانا (۲۴) آئمہ فقہ سے مسلمانوں کو آزاد کر کے اپنے فقہ کو ان پر مسلط کرنا (۲۵) خالص دین اسلام کی تعلیم میں نئی تعلیم کالج اور اسکولوں کی شکل میں عام کرنا جس سے نیچریت، دہریت، صلح کلیت دین سے بے زاری کا جذبہ پھیلے وغیرہ وغیرہ، پھر اس پر کمال یہ کہ اپنے عقائد باطلہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن وحدیث کا ہی سہارا لیا گیا اور اپنے تقدس کا جال بھی بچھایا گیا، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے بعد کا دور سب سے بڑا انقلابی اور آزمائشی دور تھا جب کہ سلطنت مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا تھا اور ہندوستان کی سیاست بہت پیچیدہ اور الجھی ہوئی تھی مسلمان انگریزوں کے ظلم وستم سے مجبور ہو چکے تھے اور دین کے نام پر مذکورہ بالا فتنے اٹھ چکے تھے دین اسلام کے وقار کو خطرہ پیدا ہو چکا تھا، اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان پھیلائی گئی تھی، عین ایسی نازک حالت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پورا ہوا کہ ہر صدی میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو مردہ سنتوں کو زندہ کرتا اور بدعات کو مٹاتا گمراہی کو دور کرتا اور قوم کو بھولی بسری باتوں کی یاد دلاتا ہے جس کی پہلی کڑی حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے اور درمیان میں مشہور شخصیتیں جو اس کام کی انجام دہی کے لئے پیدا ہوئے حضرت امام مالک امام شافعی، رازی، غزالی، ابوبکر باقلانی، مجدد الف ثانی شاہ اورنگ زیب عالمگیر شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رضی اللہ عنہم اور اس کی آخری اس صدی میں امام احمد رضا ہیں، آپ ایسے وقت پیدا ہوئے یہ فتنے جو ہم نے ذکر کیا ہے اٹھ چکے تھے انگریز حکومت کے ذریعہ ان فتنوں کو ہندوستان کے ہر گاؤں ہر شہر ہر گھر میں پھیلایا گیا تھا آخر کار ایک مرد مومن کامل وارث علم رسالت تاجدار اہلسنت امام احمد رضا خدا ورسول کا سہارا لیکر ان باطل پرستوں اور انگریز حکومت سے مقابلہ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ جنھوں نے اپنی زبان اور نوک قلم کو حرکت دے کر اس طوفان کا مقابلہ کیا انگریز اور سچے غلام یعنی مولوی اسماعیل دہلوی ان کے متبع علماء دیوبند چلا اٹھے جو مجدد کی ذمہ داری ہوتی ہے یعنی جو لوگ کتاب وسنت پر عمل ترک کر چکے ہوں اور سنتیں مٹتی جا رہی ہوں تو سنتوں کو زندہ کرنا اور کتاب وسنت پر عمل کرنے کے لئے حکم دینا اور کوشش کرنا اور باطل پرستوں سے جہاد کرنا وغیرہ امام احمد رضا نے اس کو اپنے پورے کمال وہمت کے ساتھ کر دکھایا، مجدد کی تعریف یہ ہے کہ جو علم وفضل وکمال کے معراج شہرت پر نمایاں طریقے سے علماء وقت کا مرکز علم بنے یہاں تک کہ علماء حرمین طیبین کا اور تفقہ فی الدین کے کمال پر جہاں علماء بصیرت بھی نہ پہنچ سکیں اور جو احادیث صحاح ستہ کے ساتھ ساتھ اور دیگر معتمد ومستند کتب احادیث کو مع سلسلۂ رواۃ کے زبانی یاد کرے اور صرف ونحو اور معانی وبیان منطق وفلسفہ کلام وتفسیر وغیرہ علوم کا امام ہو اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ وطہارت میں کامل ہو، ایک مجدد کو صحت عقائد، تقویٰ آمیز عمل کے ساتھ بصیرت اسلامیہ وتفقہ فی الدین عطا کیا جاتا ہے جو تجدید احیاء دین کی جان ہے اور یہ وہ نور ہے جس کی روشنی میں وہ اسلامی دائرہ میں رہ کر محیر العقول کارنامے انجام دیتا ہے جس سے دوسرے صاحب کمال اذہان خالی ہوتے ہیں اور علوم قرآنیہ پر وہ پوری پوری نظر رکھتا ہو جس میں ایک طرف وہ منشا دین سے اچھی طرح واقف ہو تو دوسری طرف تفسیر بالرائے سے محفوظ رہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات صحابۂ کرام، ائمہ دین کے اقوال پر تفقہ کے ساتھ کامل نگاہ رکھے اصول احادیث اور علم الرجال سمیت احادیث پر پوری پوری دستگاہ رکھتا ہو اور احادیث کا مفہوم ناسخ ومنسوخ کو اچھی طرح جانتا ہو ان علوم میں کمال کے لئے عربی صرف ونحو وعلم لغت ومعانی ومحاورات عرب میں مہارت تام حاصل ہو یہ سب باتیں امام احمد رضا میں بدرجۂ اتم موجود تھیں آپ کی ذات گرامی ایسی نہیں ہے کہ آپ کے علوم کا احاطہ ہم جیسے لوگ کر سکیں پھر بھی کچھ علوم کی فہرست جس میں آپ ماہر اور امام تھے ملاحظہ فرمائیں، قرآن کریم تفسیر، قرآۃ، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح وتعدیل، فقہ، اصول فقہ، معقول، منطق، کلام، ادب، معانی، بیان، بدائع، بلاغت، صرف، نحو، عروض، قوافی، تصوف، سلوک، تواریخ فن تاریخ، سیر، مناقب، علم ہندسہ، حساب، جبر ومقابلہ ریاضی، ہیئات، طبیعات، نجوم، علم جفر، تکسیر، توقیت وغیرہ، بعض وہ علوم ہیں جن پر یورپ کو امتیاز اور فخر تھا اور یورپ ہی ان علوم کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور جو صرف انگریزی ہی میں تھے، ان پر عبور ایک کرامت تھی، امام احمد رضا نے مختلف علوم وفنون میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کے مطالعے سے آپ کی تبحر علمی اور جامعیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے آپ کی تصنیفات کم وبیش بارہ سو ہیں اور بعض بعض کتابیں کئی کئی جلدوں میں فقہ واحکام شرع وعلوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے بلند پایہ مجدد ہونے کی شہادت، آپ کا مجموعہ فتاوی ہے جس کا تاریخی نام العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ہے جو بڑی تقطیع کی بارہ ۱۲ جلدوں میں ہے اور ہر جلد میں ایک ہزار سے زائد صفحات ہیں اس فتاوی مبارکہ میں مسائل فقہ اور جزئیات وحوالیجات مدلل اور مکمل ہیں مگر بے شمار نازک ترضمنی مسائل اور ان تحقیق میں علوم وفنون کا ایسا نادر ذخیرہ ہے جو فقہاء متقدمین ومتاخرین کے مبسوط مصنفات میں بڑی سرگردانی اور کاوش کے بعد مل سکیں، آپ نے متعدد کتابیں عربی زبان میں تحریر فرمائیں ہیں جو تحقیقات کے خزائن ہیں جن کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے آپ کو ہر علم وفن میں کمال عطا فرمایا تھا۔ آپ نے قرآن کریم کا نہایت سلیس جامع ترجمہ بھی فرمایا ہے جو اپنی شان میں تمام ترجموں سے ممتاز ہے اور بامحاورہ ہونے کے باوجود صحت کے اعتبار سے بے مثل اور اہل علم میں بہت مقبول ہے، آپ کی تبحر علمی اور شان تجدیدیت کا اعتراف علماء عرب، مصر، شام عراق، اردن بیروت افغان وہندوستان وغیرہ کے ان جلیل القدر حنفی، مالکی، شافعی علماء کرام ومفتیان عظام کو ہے جن کی بارگاہ میں صاحبان کمال صاحب علم کی پیشانیاں جھکی رہتی تھیں ملاحظہ ہو حسام الحرمین، الدولۃ المکیہ وغیرہ۔

تیرہویں صدی ختم ہوتی یکم محرم الحرام کا آفتاب نمودار ہوا تو مجدد دین وملت امام بریلوی نے فرمایا اب صدی بدلی، گویا اب تک جو اہل باطل وگمراہوں بدمذہبیوں کا رد والبطال ایک مفتی شرع اور عالم دین کی حیثیت سے تھا لیکن اب چودہویں صدی میں جو کام ہوگا وہ ایک مجدد ہونے کی حیثیت سے ہوگا اور تمام علوم قدیمہ وجدیدہ میں فرق کیا جائے گا، ہر ملحد وبے دین، وصلح کلی وبدمذہب وبدعقیدہ کو جہاد فرماکر تلوار قلم سے اس کے کیفر کردار تک پہونچایا جائیگا اور ناموس رسالت کی حفاظت کی جائے گی ہر دل مسلم کے اندر عشق خدا ورسول محبت اولیاء کی دولت بھر دی جائے گی، اگرچہ میرے مقابلے میں انگریز حکومت اور اس کے وفادار غلام دین اسلام کے ٹھیکیدار بن کر علماء دیوبند کی شکل میں آئیں گے ان آمرانہ وجابرانہ طاقتوں کے خوف سے بے نیاز ہوکر بلاخوف لومۃ لائم حق کا پرستار ہوکر بڑی بے باکی جرأت وہمت کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے ہوتے اپنی خداداد صلاحیتوں کے ساتھ تجدید احیاء دین کا کام کیا جائے گا، چنانچہ آپ نے تجدید احیاء دین کا کام شروع کیا جس طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء اٹھے اکبر کے دین الٰہی کے فتنے کو دبا کر رکھ دیا اور لوگوں کو دین مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی طرف متوجہ کیا اور دنیا آج تک اکبر کے اس فتنے کو تحقیر اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کارنامے کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھتی ہے، انصاف پسند غور فرمائیں کہ اکبر کے دین الٰہی کے فتنے کی بیخ کنی کو دین کو مسخ کرنا کہیں گے یا تجدید احیاء دین؟ یقیناً ہر منصف مزاج دل پکارے گا کہ اسی کو تجدید احیاء دین کہتے ہیں، چنانچہ مجدد دین وملت امام احمد رضا نے اس صدی میں جو علما سوء برطانیہ گورنمنٹ کے ذریعہ فساد برپا کرنے کے لئے پھیلائے تھے مثلا مولوی اسمٰعیل دہلوی اور علماء دیوبند نے جو باطل عقائد پھیلائے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ان کے خلاف جہاد فرمایا اور ان فتنوں کو دبا کر صحیح اسلامی روپ پیش کیا، کیا اس کو فساد کہا جائے گا؟ یا تجدید احیاء دین؟ امام احمد رضا نے اہل بدعت وضلالت، قادیانیت وتجدیت، سامراجیت ودہریت کا رد فرمایا اور جو کافر تھے انھیں کافر بتایا جس کی تمام عرب وعجم کے علماء نے تصدیق کی جب علماء دیوبند کی ان دین سوز عبارتوں پر سارا عرب وعجم پکار اٹھا بڑے بڑے مفتیان عظام اور علماء کرام لرز اٹھے تو پھر یہ کیسے ممکن کہ مجدد وقت خاموش رہتا امام احمد رضا کو اسلام کے انتہائی درد نے بے چین کردیا باطل کی نقاب کشائی فرمائی اسی کو تجدید واحیاء دین کہتے ہیں اور اسی وجہ سے آج عالم اسلام امام احمد رضا کو مجدد دین وملت کہتا ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد والہ
وصحبہ واھل بیتہ اجمعین
برحمتک یا ارحم الراحمین

امام احمد رضا

حدیث نبوی کی روشنی میں

مولانا عزیز احمد اشرفی بستوی

مولانا عزیز احمد اشرفی ملت اسلامیہ کے اس جواں سال عالم کا نام ہے جسے ۳۱ اکتوبر ۷۵ء کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کیا تیس سالہ یہ نوجوان عالم ایک ذی استعداد مدرس، کامیاب خطیب ومقرر، باصلاحیت مفتی تھا نظم ونسق اور حرکت وعمل میں مولانا عزیز نے جو اہم رول ادا کیا ہم انھیں بھلا نہیں پا رہے ہیں۔ دار العلوم دیوان شاہ بھیونڈی کو ایک مخلص اور ہونہار عالم ملا لیکن جلد ہی داغ مفارقت بھی دے گیا۔ مولانا عزیز ضلع بستی کی تحصیل بانسی کے موضع چرکھوا کے رہنے والے تھے اور شمالی یوپی کی شاندار درسگاہ دار العلوم فیض الرسول براؤں کے قابل تلامذہ میں سے تھے۔

گزشتہ سال آل انڈیا سنی لیگ کے پرچم تلے مجدد اعظم کانفرنس (منعقدہ ۹ مارچ ۱۹۷۵ء) میں مولانا عزیز نے امام احمد رضا پر ٹھوس تقریر کی جسے حاضرین نے بے حد سراہا۔ آل انڈیا سنی لیگ کی تحریک وپروگرام سے متاثر ہو کر مولانا موصوف نے "امام احمد رضا نمبر" کے لئے ذیل کا مضمون قلمبند کیا تھا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ یہ مضمون نمبر میں ضرور شریک اشاعت ہو۔ ہم مولانا عزیز احمد اشرفی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ جدا ہونے سے پہلے اپنے امام احمد رضا کی بارگاہ میں خراج عقیدت کا ایک انمٹ گلدستہ پیش کر کے خود کو احساس شناسوں کی صف میں شامل کر دیا۔ مولیٰ تعالیٰ موصوف کی قبر پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے ——— (ایڈیٹر)

لایزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق لایضرھم من خالفھم والحق یعلو ولا یعلیٰ

ترجمہ:۔ ہمیشہ میری امت کی ایک جماعت غالب رہے گی اس کی مخالفت کرنے والے اسکا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اور حق بلند وبالا رہتا ہے اور وہ مغلوب نہیں ہوتا

یہ ارشاد نبوی محدثین کے معیار اصول پر درجہ صحت کو پہونچ چکا ہے اور حاملین شریعت فقہائے کرام نے متعدد مسائل میں اس حدیث پاک سے احتجاج کیا ہے اور دینی مسائل میں بطور دلیل بیان کیا ہے اور اگر تم تواریخ وسیر کے اسلامی اوراق کا بنظر غایت مطالعہ کرو گے تو تمھیں دور ماضیہ کا ہر قرن اور ہر زمانہ کا ایک ایک واقعہ اور ہر ایک واقعہ کی ترالی ادا تم کو اسی شان میں نظر آئے گی جس کا حدیث شریف میں تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

اے مسلمانو۔ تم نے تواریخ وسیر کے ان اوراق کا مطالعہ کیا ہے اور ان گروہ کا حال پڑھا ہے جس کے ارتداد نے اسلام کو مضمحل کرنا چاہا تھا مگر سیف صدیقی نے سب کو فی النار کر دیا۔ تم نے دشمنان اسلام میں اس فرعونی حکومت کا حال پڑھا ہوگا۔ جس کی تاجداری اور سلطنتی قیصر وکسریٰ کے لئے تھی لیکن فاروقی سطوت وجلالت عدالت نے ستیاناس کر دیا۔ تم نے عثمانی سیلاب فتح کا مطالعہ کیا ہوگا جس نے خشکی کے پہاڑوں اور سمندر کے موجوں کو اپنا ایک چھوٹا سا دورہ اور مختصر سا قطرہ بنا لیا تھا۔ تم اس ذوالفقار حیدری سے خوب واقف ہو جس نے خوارج کی بڑھتی ہوئی خارجیت کے قلع کو قمع کر دیا اور ان کے وجود سے دنیا کو پاک وصاف کر دیا۔ تم امام عالی مقام کو مغلوب نہ کہو گے جن کے قطرات خون نے یزید کی جبر وتی اور طاغوتی حکومت کے تخت کو ایک سال کے اندر پلٹ دیا۔ تم زید شہید کو مقہور ومظلوم نہ کہو گے جن کی چند آہوں نے عباسیوں کے عروج وارتقاء کو جلد از جلد مٹی میں ملا دیا۔

غرض اسلام کے مقابلے میں کبھی یزیدی بادل آئے اور کبھی حجاجی غبار کبھی مامونی طاقت نے اس کے سامنے آنے کی جرآت کی اور کبھی تاتاری قوتیں اس سے ٹکرائیں کبھی خارجی شورش نے اس سے مقابلہ کیا تو کبھی رفض کی طاقت نے اس کو زیر کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن سب کے سب اس مضبوط ومستحکم پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش در ریزہ ریزہ ہو گئیں اور ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا ہی دباؤ گے

بہر حال بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لہلہاتے ہوئے چمنستان کی ہر طرح سے مخالفت کی گئی اور ہر زمانہ میں اس گلشن کی بھرپور مخالفت وعداوت کی گئی اور ہر نئے

دن کوئی نہ کوئی فتنہ مقدس اسلام کے مقابل اپنا سر ابھارتا تھا مگر خداوند قدوس نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقدس اسلام کی محافظت اور نگرانی کے لئے ہر قرن ہر زمانہ اور ہر صدی میں اپنے پاک بندوں کو بھیجتا رہا جو مصطفےٰ پیارے کے اس لہلہاتے ہوئے گلشن کی آبیاری کرتے رہے اور مخالفین اسلام کی بڑھتی ہوئی طغیانیت اور سرکشی کی دھجیاں بکھیرتے رہے۔ اور پرچم اسلام و عظمت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند کرنا اپنا شعار زندگی بنا رکھا۔ یہی لوگ ہیں کہ غلبہ جن کا غلام اور نصرت جن کی کنیز ہے اور کیوں نہ ہو۔ ع

جہاں پہونچے زمیں کو آسماں سے کر دیا اونچا

دور کیوں جا رہے ہو اسی ہندوستان کو دیکھو جس نے عرصہ سے ہر دن میں نیا فتنہ کھڑا کرنے پر حلف اٹھا لیا ہے۔ نیچری خدا کے وجود سے انکار کرتا ہے جنت اور دوزخ کو دھمکی کے الفاظ قرار دیتا ہے تو اسی ہند پاک میں کوئی انبیاء علیہم السلام کی تنقیص و توہین کو اپنا مذہب قرار دیتا ہے۔ کسی نے سید الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی پیدا ہونے کا دعویٰ کیا تو کوئی دوسرا اپنے کو خود نبی ہونے کا دعویٰ کر لیا۔

غرض وہ کون سا دن ہے جس دن آفتاب کا طلوع ایک نئی گمراہی اور بیدینی پر نہ ہو۔ مگر اس حقیقت کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی مانا ہوا اور مسلم ہو چکا ہے کہ دین اسلام کو مٹانے یا دبانے کیلئے جب بھی کسی طاقت نے سر ابھارا تو فوراً خداوند قدوس نے اس کو ختم کرنے کے لئے اپنے خاص بندوں میں کسی نہ کسی کو اپنی غیبی نصرتوں سے ضرور نوازا جس نے مخالفین اسلام کی شدید سرکوبی کی۔ ہماری زبانوں پہ آج بھی ہر فرعونے را موسیٰ کا پر معنی جملہ بیساختہ جاری ہو جاتا ہے۔

مگر یہ بات ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مقدس دین حق کو دنیا میں تشریف لائے دنیا میں تقریباً پونے چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزرا۔ اس مدت میں اس پاک دین نے ہزاروں بلاؤں سے مقابلہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لہلہاتے ہوئے چمن پر بہت تیز آندھیاں آئیں اور اپنا اپنا زور دکھا کر چلی گئیں۔ نہ جانے کتنے مصائب اور فتنوں سے اس دین پاک کو مقابلہ کرنا پڑا۔ بارہا اس آفتاب پر تاریک بادل اور غبار آئے مگر یہ آفتاب حق اسیطرح آج بھی چمکتا و دمکتا ہے جس طرح بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روشن و منور کیا تھا اور کیوں نہ ہو جب کہ خود خلاق کائنات اس دین کا محافظ و ناصر ہے۔

مگر اے وفاداران مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء مقدس اسلام کے مخالفین میں اور ان تمام فتنوں میں زبردست فتنہ اور تمام مصیبتوں میں زبردست و خطرناک مصیبت۔ وہابیوں، نجدیوں کا فتنہ ہے جس کی خبر مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دیدی تھی اور طرح طرح سے اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا ملاحظہ ہو مشکوۃ جلد دوم۔

حدیث نبوی کے مطابق ہمیں وہ دن دیکھنا پڑا۔ جب کہ نجدیوں نے اپنے مخصوص انداز میں وہابیت کی ابتدا کی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ وہابیت و نجدیت پوری قوم میں سیلاب کی طرح سے اُمنڈتی چلی آرہی تھی جس کا مقصد اصلی صرف مسلمانوں کے دلوں سے الفت رسول و محبت مصطفےٰ کو نکالنا تھا۔ بالفاظ دیگر ایمان والوں کے ایمان کو چھیننا تھا۔ اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے آثار و نقوش کو مٹانا تھا غرض رسول دشمن وہابی عناصر اپنے اس کردار میں کامیاب ہوتے جا رہے تھے۔ یعنی محبان رسول کے دلوں سے الفت رسول نکال رہے تھے مسلمانوں کے متاع ایمانی لوٹنے میں بھرپور حملہ کر رہے تھے۔ یعنی پرچم مصطفےٰ و عظمت رسول کو سرنگوں کرنے کے لئے انتھک کوشش کر رہے تھے۔ خاص کر ہند و پاک کی فضا تو وہابیت و نجدیت کے تیز و تند آندھیوں سے غبار آلود ہو چکی تھی۔ ہر طرف الحاد و بے دینی کی گھٹاٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ بدعقیدگی کی کالی کالی گھٹاؤں نے ایمان و ہدایت کی روشنی کو ڈھانپ رکھا تھا ستم بالائے ستم یہ تھا کہ یا رسول اللہ کہنے والوں کی زبانیں تراش لی جاتی تھیں اور ان پر فوراً کفر و شرک کا فتوی لگنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جاتا۔ رحمت پروردگار کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا یہ کردار دیکھا نہ گیا خلاق کائنات نے اپنی قدیم عادت کے مطابق اپنے فضل خاص سے سرزمین بریلی کو نوازا اور اس بڑھتی ہوئی طغیانیت جو بشکل وہابیت نجدیت رونما ہوئی تھی، اس کو تار تار کر کے احقاق حق و ابطال باطل کے لئے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کو منتخب فرما لیا۔ وہ فاضل بریلوی جس نے ایمان و یقین کے مٹتے ہوئے نقوش کو اپنے تجدیدی کارناموں سے اجاگر کر دیا۔ جس نے حدیث نبوی کے مطابق کہ "میری امت کی ایک جماعت غالب رہے گی" الخ۔ امام احمد رضا نے اس جماعت کی قیادت کی باگ ڈور تھامی اور بارگاہ مصطفوی کے دریدہ دہنوں کی سازشوں کو بے نقاب کیا جو سراپا نور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا وارث بن کر اپنے تحقیقی کارناموں سے بدمذہبیت کی کالی گھٹاؤں کو چاک کر دیا جس نے صدیق اکبر کا نائب بنکر گستاخان رسالت کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس نے امام اعظم کا آئینہ بن کر اسلامی مسائل اور شرعی احکام کے چہروں سے گرد و غبار صاف کر کے ان کو اصلی شکل میں پیش کر دیا جس نے شہنشاہ بغداد کا مظہر بن کر الحاد کی گھٹاٹوپ تاریکی کو چیر دیا۔ جس نے آفتاب رشد و ہدایت بن کر وہابیت کی تیز و تند آندھیوں کا مقابلہ کیا۔ جو محمدی کچھار کا شیر بن کر نام نہاد مذہبی بھیڑیوں کا قلع قمع کر دیا جس نے امت مرحومہ کا دین تازہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مردہ سنتوں کو زندہ کر دیا۔ وہ فاضل بریلوی جن کو پوری دنیا امام اہلسنت کہتی ہے۔ مجدد مائۃ حاضرہ کہتی ہے۔ دور حاضرہ کا یہ عظیم المرتبت مجدد جہاں اپنی شان مجددیت میں درخشاں و تاباں وہیں علم و کمال کا ایک بحر ذخار بھی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دین کے اس عظیم الشان مجدد کو وہ بلند مرتبہ عطا فرمایا اور علم و فضل کے اس مقام پر سرفراز فرمایا جس کے سامنے بڑے بڑے فلاسفروں اور منطقیوں نے بصد احترام زانوئے ادب طے کیا جس نے اپنی خداداد علوم کی تابناک شعاعوں سے بڑے بڑے حکماء و عقلاء کو چکاچوندھ کر دیا۔ مجدد مائۃ حاضرہ امام احمد رضا نہ یہ کہ صرف مسلمانوں کے عظیم رہنما و رہبر تھے بلکہ تحریری میدان کے ایک عظیم شہسوار بھی تھے۔ جب سیف قلم لیکر میدان میں اترے تو جہاں حق و باطل میں خط امتیاز کھینچا وہیں بڑے بڑے شعراء و ادباء و حکماء و مفتیوں کو اپنا اپنا سر ٹیک دینا پڑا اور کیوں نہ ہو۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

(بقیہ صفحہ ۲۸۳ پر)

امام احمد رضا کی دینی خدمات

محترمہ خدیجہ نشاط اشرفی

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت سنیوں کی دنیا میں ماہ نیم ماہ ومہر نیم روز کی طرح درخشاں ہے۔ دنیائے اسلام وسنیت پر ان کا یہ احسان ہے کہ انھوں نے وہابی اور دیوبندیوں کے خلاف کھلی تحریک چلائی اور ان کی کفری عبارتوں کی وضاحت فرماکر ایمان والوں کو ان کی پیروی سے محفوظ رکھا۔ ورنہ بہت سے سیدھے سادے سنی مسلمان جن کو ان کی کتابوں کے مطالعہ کا کبھی اتفاق بھی نہیں ہوا ان کے ظاہری تقویٰ کے جال میں پھنس کر اپنا سرمایۂ ایمان کھو بیٹھتے۔

وہابی اور دیوبندی چونکہ اپنے آپکو سنی کہتے ہیں اور حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، قرآن وحدیث پر عمل کا اظہار کرتے ہیں۔ نماز روزہ حج وزکوۃ سنیوں کی طرح ادا کرتے ہیں اس لئے ان کی پہچان سیدھے سادھے سنی مسلمانوں کے لئے محال تھی۔ ایسے عالم میں حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیوبندی مذہب کے خیالات فاسدہ وعقائد باطلہ کو بے نقاب کرکے ان کی اصلی شکل سے زمانے کو روشناس کرایا۔ ان کے دجل ومکر سے سنیوں کو آگاہ فرماکر ان کے فریب کا پردہ چاک کردیا نیز ان کی بے جا اطاعت سے سنیوں کو محفوظ رکھکر ان کے ایمان کی حفاظت فرمائی۔ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت سے جو عین ایمان ہے بلکہ ایمان کی جان بھی ہے، سنیوں کے دلوں کو معمور کردیا۔ انہوں نے دامن رسول کو ہی مسلمانوں کی پناہ گاہ بتاکر ہمیشہ کیلئے ان کو اس دامن سے وابستہ کردیا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن دین وایمان ہے، اس کو چھوڑکر خواہ کچھ بھی ہو لیکن مسلمان نہیں ہوسکتے، یہ ایک ایسا نظریہ انھوں نے عطا فرمایا جس پر کل بھی سنیوں کا عمل تھا آج بھی ہے اور انشاءاللہ ہمیشہ بھی رہے گا۔

دیوبندی علماء جو بارگاہ رسالت میں گستاخی کرنے کے عادی ہوچکے تھے جب ان کو اپنی تحریک کمزور نظر آنے لگی اور اپنے مشن کی ناکامی کا احساس ہوا تو انھوں نے غم وغصہ کے اظہار میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفر ساز مشین کہہ کر مخاطب کرنا شروع کیا لیکن بقول حضور محدث اعظم ہند علیہ رحمۃ والرضوان "کوئی بھی کسی دوسرے کو کافر بنانے کی سکت ہی نہیں رکھتا، کفر بکنے والا خود اپنے آپکو کافر بناتا ہے، البتہ اس کے کفر بکنے اور کافر بننے سے امت اسلامیہ کو باخبر کردیا جاتا ہے تاکہ ان سے بچیں اور کفریات سے اپنے آپکو محفوظ رکھیں۔ دنیا جانتی ہے کہ مجرموں کو سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ جرم کا انسداد ہو، چور کو چور مجسٹریٹ نہیں بناتا، بلکہ اس کی چوری کے جرم نے اس کو چور بنایا، مجسٹریٹ نے تو چور کو اس لئے سزا دی کہ دوسرا اس جرم کا ارتکاب نہ کرے۔"

علمائے سابق نے ردّ وہابیت کے سلسلہ میں زیادہ تر تقریر سے کام لیا جس سے صرف اس دور کے لوگ فیضیاب ہوسکے، لیکن حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریر کے ساتھ ساتھ تحریری ردّ کے بھی انبار لگادیئے جس سے کے مستقبل میں آنے والی نسلیں بھی مستفید ہوسکیں۔ آپنے ایک طرف احقاق حق وابطال باطل کی خاطر اپنے دور کے تمام فتنوں کی سرکوبی فرمائی تو دوسری طرف حق کو بلند رکھنے اور باطل کو کچلنے کیلئے سنیوں کو دلائل اور براہین کے مخزن سے مالامال کردیا۔ تاکہ جب کوئی بددین فرقہ سر ابھارے تو اسے وہیں کچل کر رکھدیا جائے، یہ اعلحضرت کی تحریروں کا فیض ہے کہ آج بھی سنی عالم اپنے اسٹیج سے وہابیوں کی بے دینی کی دھجیاں اڑاتا ہے ان کے کفر وارتداد کو بے نقاب کرتا ہے۔ اور میدانِ مناظرہ میں ہمارے مناظر باطل پرستوں کو ایسی شکست دیتے ہیں کہ سوائے فرار کے اور کوئی راہ نظر نہیں آتی۔

تاریخ میں ایسی مثال شاید ہی ملے کہ کسی مذہب کی پیروی کرنیوالا بانیٔ مذہب کی توہین کا مرتکب ہوا ہو، لیکن یہ وہابی اور دیوبندی اسلام کے نام پر ہی بانیٔ اسلام سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں، تبلیغ دین کا ڈھونگ رچاکر دین کی بنیاد کو کھوکھلا کرتے ہیں۔ سرکار ہی کے بتائے ہوئے ارکان نماز، روزہ، حج وزکوۃ کو تو پابندی سے ادا کرتے ہیں لیکن ان کے علم غیب کے منکر ہیں — اسلام کی بلندی کو تسلیم کرتے ہیں اور بانیٔ اسلام شاہ کونین کی عظمت ورفعت سے انکار کرتے ہیں، ان کی تعظیم کو شرک وبدعت کہتے ہیں۔ کسی بھی مذہب کو تسلیم کرنے سے پہلے بانیٔ مذہب پر اعتقاد بیحد ضروری ہے اور اعتقاد اسی پر کیا جاتا ہے جس کی عظمت سے دل متاثر ہو، جس کی رفعت کو عقل تسلیم کرتی ہو، جس کی بلندی کے آگے دنیا کی ہر چیز ہیچ نظر آئے تب ہی اس کے فرمان پر یقین کیا جاسکتا ہے۔ اس کی صحیح معنوں میں پیروی کی جاسکتی ہے اور اس کے بتاتے ہوئے راستہ پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر بانیٔ مذہب کی عظمت ورفعت کا دل منکر ہو تو ظاہر ہے وہ عقیدت پیدا ہی نہیں ہوسکتی جو ایمان کی جان ہے۔ اور عقیدت اگر کھوکھلی ہے تو ایسے مذہب سے کیا فیض

حاصل کیا جاسکتا ہے اس کی اہمیت ہی کیا ہوتی ہے. خود سرورِ دو عالم کا فرمان ہے " کہ اس (ذاتِ پاک) کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں. (بخاری شریف) اسی حدیث کے پیشِ نظر حضرت فاضل بریلوی نے اپنی آخری مجلس میں لوگوں کو یہ نصیحت فرمائی کہ " اے لوگوں، تم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو اور بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں، تمہیں فتنہ میں ڈالیں. تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں. ان سے بچو۔ اور دور بھاگو۔ دیوبندی، وہابی قادیانی، رافضی اور نیچری یہ سب فرقے بھیڑیئے ہیں. تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم، رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں. حضور سے صحابۂ کرام روشن ہوئے ان سے ائمہ مجتہدین روشن ہوتے اور ان سے ہم روشن ہوتے، اب ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ یہ نور ہم سے لے لو ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن ہو. اور نور یہ ہے کہ " اللہ و رسول کی سچی محبت ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت "۔ جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہوجاؤ، جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی بہت سی نصیحتوں کو سنی مسلمانوں نے اپنا دین و ایمان بنالیا ہے۔ اور ان حالات کو دیکھتے ہوئے دیوبندیوں اور وہابیوں کو اچھی طرح اندازہ ہوگیا کہ مسلمان جب تک " مجددِ اعظم " کے دامن سے وابستہ رہیں گے ان کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اپنے دین و ایمان سے برگشتہ نہیں کرسکتی، حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم و کمال کا تذکرہ صرف ہندستان ہی میں نہیں، عرب مصر و شام میں بھی رہا۔ حرمین شریفین کے علماء نے ان کے علم و فضل کا کمال تسلیم کیا اور ان کی بیعت سے مستفیض ہوئے، ان سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ اگر بارگاہِ رسالت کے چند گستاخ ان کو " مجددُ التضلیل " کہہ کر ان کے علم و کمال کو نہ تسلیم کریں تو اس سے ان کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا، وہ ایک عارف و کامل ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت کے عظیم المرتبت امام و پیشوا تھے۔ جن کی زندگی کا ہر لمحہ کتاب و سنت کے اتباع میں گزرتا تھا۔ اور جن کی قیادت کو آج بھی سنی مسلمان باعث فخر سمجھتے ہیں۔

(حدیث نبوی کی روشنی میں کا بقیہ)

امام اہلسنت مجدد اعظم امام احمد رضا نے تقریباً تمام فنون کے متعدد کتابیں تصنیف کی اور ایسی مضبوط و مستحکم تصنیفات آپ کی ہیں کہ دوسرے مصنف اور مؤلف کو اس کے سامنے دم مارنے کی ہمت نہیں پڑتی ہے. مگر آہ اے مسلمانوں اس عظیم رہبر کی نہ جانے کتنی تصنیفات سے ابھی تک ہم محروم ہیں. حالانکہ ہمارے اس عبقری رہنما نے ہمارے لئے بیشمار تحائف رکھ چھوڑے ہیں مگر ہم ہیں کہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے صد ہزار مبارک باد آل انڈیا سنی لیگ اور صد ہزار مبارک باد ماہنامہ المیزان کو جس نے سنی لیگ کی مجلس رضا کے زیر اہتمام "امام احمد رضا نمبر" کی اشاعت کا اعلان فرمایا. وقت آگیا ہے کہ ہم بیدار ہوجائیں اور سونے والوں کو جگائیں، اور جاگنے والوں کو متحرک کریں نئی نسل کی ابھرتی ہوئی توانائی کا نام ہے سنی لیگ اور دھڑکتے دلوں کے ترجمان کا نام ہے المیزان۔ مولیٰ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو امام احمد رضا کے تجدیدی و تحقیقی کارناموں، سنی لیگ کے پروگراموں اور المیزان کے پیغاموں کو قبول کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے. فقط

خادم بارگاہ اشرفیت
عزیز احمد اشرفی بستوی
25-10-75
دارالعلوم دلیوان شاہ. بھیمڑی. تھانہ

امام احمد رضا اور شان تجدید

حضرت مولانا سید شمس الضحیٰ پرنسپل چشمۂ رحمت
اورینٹل کالج غازیپور

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

فضائے بسیط میں الحاد و دہریت، کفر و شرک، بدعت و ضلالت، دین سے بے رغبتی و بے اعتنائی اور بارگاہ ربانی و شان رسالت میں موشگافیوں کے مہلک جراثیم پوری طرح سرایت کر چکے تھے۔ رہزنوں اور عیاروں نے ارشاد و ہدایت کا لبادہ اوڑھ کر افتراق و انتشار اور ضلالت و گمراہی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ امت مسلمہ کے مراکز ایمان و اسلام پر نقب زنی کا طاغوتی سسٹم فرشتہ صورت و بد باطن مذہبی پیشواؤں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

ولادت باسعادت

(۱) ولادت باسعادت:۔ ایسے مہیب و تاریک ماحول میں ضرورت تھی ایک ایسے آفتاب کی جس کی نورانی کرنوں سے باطل پرستوں کی نگاہیں خیرہ اور مسلمانوں کے قلوب جگمگا اٹھیں۔ اور ایک ایسے مصلح دین کی جو اپنے ارشاد و ہدایت سے بھٹکتی ہوئی اور گمراہی کی طرف بڑھتی ہوئی دنیا کا رخ پھیر کر صراط مستقیم کی طرف کر دے۔

۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ بروز شنبہ بوقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء موافق ۱۱ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ء سمبت کو جسولی بریلی شریف میں اسلامی تاریخ کا وہ بطل جلیل پیدا ہوا جس پر روز اول ہی سے اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح القدس کی مہر لگادی گئی تھی۔ اور جس کو دنیا احمد رضا اور عقیدت و محبت کی زبان میں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے ناموں سے یاد کرتی ہے۔ چمنستان مجددیت میں ایک شاداب پھول کھلا جس کی بھینی بھینی و عطر بیز خوشبوؤں سے کائنات ارضی مہک اٹھی اور فرش گیتی پر حق و صداقت کا علم پھر اپنی سابقہ شان و شوکت کے ساتھ لہرانے لگا ہر زبان پکار اٹھی ؎

جگمگا اٹھی تیری دنیا کس کے نور سے
میرے گردوں پر مرا ماہ تمام آہی گیا

شان تجدید

(۲) شان تجدید:۔ جب دنیا ضلالت و گمراہی اور شر و فساد کی آماجگاہ بن جاتی ہے تو حسب ارشاد مصطفیٰ جان رحمت کے ارشاد گرامی ان اللہ عز وجل یبعث لھذہ الامۃ علی رأس مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا (رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ شریف ص۳۶ کتاب العلم) کے مطابق ہر صدی میں کوئی نہ کوئی مجدد ضرور پیدا ہوتا ہے۔ جو تجدید و احیاء دین کا بیڑا اٹھاتا ہے۔

چودہویں صدی ہجری کے لئے نگاہ قدرت نے زمانے کے عظیم ترین اور مشہور عرب و عجم علامۂ روزگار اسرار شریعت کے نکتہ رس اور اسلام کے صحیح مبلغ مولانا احمد رضا خان قادری بریلوی کا انتخاب کیا جو منصب تجدید کے صحیح مستحق اور والذی ینبغی ان یکون المبعوث علی رأس المائۃ رجلاً مشہوراً معروفاً مشاراً الیہ وقد کان قبل کل مائۃ ایضاً من یقوم بامر الدین والمراد بالدین من نقصت الامانۃ وھو حی عالم مشہور مشار الیہ ملخصاً (مرقاۃ الصعود سنن ابی داؤد) کے معیار پر پورا اترتے تھے کیا کمی تھی اس عظیم انسانی شخصیت میں۔ خلوص و للٰہیت، علم و فضل، ذکاوت و ذہانت، بلند اخلاق اعلیٰ ظرفی غرضیکہ تمام اعلیٰ صفات ان کے اندر جمع تھیں۔ اور اسلامی افکار و نظریات کا ناشر و مبلغ عشق رسالت میں کامل، شریعت و طریقت کا سنگم۔ اسلاف کرام کا اعلیٰ نمونہ فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات پر محافظ اشداء علی الکفار رحماء بینہم کی سچی تصویر بحر علم و فن کا غواص زبان و قلم کا شہنشاہ صاحب تصانیف کثیرہ المختصر یہ کہ وہ اپنے زمانہ کی نادر الوجود اور عدیم المثال شخصیت تھی اور جو صفات ایک مجدد میں پائی جانی چاہئیں وہ آپ کی بابرکت اور عظیم شخصیت میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل

آپ نے تیرہ سال دس مہینہ کی مختصر سی عمر میں ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کی سند فراغت حاصل کیا۔ مع پیر و مرشد آپ کے اساتذہ کی تعداد چھ تک پہونچی ہے۔ ۱۔ نام معلوم نہیں۔ ۲۔ مولانا مرزا قادر بیگ صاحب، ۳۔ مولانا ابوالحسن احمد نوری صاحب۔ ۴۔ والد ماجد مولانا نقی علی خان صاحب ۵۔ مولانا سید آل رسول صاحب ۶۔ مولانا عبدالعلی صاحب سند فراغت حاصل کرنے کے ساتھ ہی آپ پر افتاء کی عظیم ذمہ داری بھی ڈالدی

گئی جسے آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ اور زندگی کے آخری لمحات تک اسی کام کو انجام دیتے رہے۔

تبحر علمی

تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال جرح وتعدیل، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، عقائد وکلام، ادب، معانی، بیان، بدیع، بلاغت نحو، صرف، عروض، قوافی، تصوف، سلوک، تاریخ وسیر، مناقب، لغات، ہندسہ حساب، جبر ومقابلہ، ریاضی، طبعیات، ہیئت، نجوم، اوفاق، تکسیر، توقیت، زیچ وغیرہ پچاسوں علوم وفنون میں ہزار کتابیں لکھیں۔ علوم وفنون کا ایک سمندر تھا جو ان کے سینے میں ہمیشہ موجزن رہتا تھا۔ صلاحیت کا لوہا بڑے بڑے اہل علم اور مشہور زمانہ علماء وفضلاء نے مانا ہے۔ اپنوں کی تو بات ہی کیا غیروں کی مجلس میں بھی آپ کے علم وفضل کا طوطی بول رہا ہے۔ جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ تاثر پڑھئے

غیروں کی نظر میں

مولانا غلام علی صاحب نائب مولانا مودودی مدظلہ العالی نے مولانا احمد رضا خان صاحب کی کتابیں لے کر مطالعہ فرمائیں تو فرمایا کہ حقیقت ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب کے بارے میں ہم لوگ سخت غلط فہمی میں رہے ہیں ان کی بعض تصانیف اور فتوؤں کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے۔ اور عشق خدا ورسول تو ان کے سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔ (ہفت روزہ شہاب لاہور ۲۵ر نومبر سنہ ۱۹۶۲ء)

اور ماہنامہ معارف کا یہ تبصرہ چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

مولانا شاہ احمد رضا صاحب اپنے وقت کے زبردست عالم، مصنف اور فقیہ تھے۔ انھوں نے چھوٹے بڑے سیکڑوں فقہی مسائل سے متعلق رسالے لکھے ہیں قرآن کا ایک سلیس ترجمہ بھی کیا ہے ان علمی کارناموں کے ساتھ ہزار ہا فتوؤں کے جوابات بھی انھوں نے دیئے ہیں ان کے بعض فتوے کئی کئی صفحے کے ہیں فقہ اور حدیث پر ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ (ماہنامہ معارف اعظم گڈھ سنہ ۱۹۶۲ء)

یہ تاثرات چیخ چیخ کر پکار رہے ہیں کہ یہ شخصیت اپنے دور کی منفرد اور بے مثال تھی بالخصوص فقہ میں تو آپ کی نکتہ رسی و باریک بینی اور کمال کا ہر موافق ومخالف معترف ہے فتاویٰ رضویہ جو بارہ جلدوں میں ہے اس کے چند حصے شائع ہو کر منظر عام پر آگئے ہیں جس کی ایک ایک جلد تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے سنہ ۱۲۹۷ھ مطابق سنہ ۱۸۷۹ء سے سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق سنہ ۱۹۲۱ء تک کے مستفسرہ سوالات کے نہایت علمی اور تحقیقی جوابات دیئے گئے ہیں انھیں دیکھ کر ہر شخص بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

معارف کا سمندر موجزن ہے جس کے سینے میں
وہ مقبول درِ خیر البشر احمد رضا تم ہو

خارجی وداخلی محاذ

وہ سیدی فاضل بریلوی علیہ الرحمہ جس نے خارجی محاذ پر تثلیث کے فرزندوں کی عیارانہ چالوں کو واشگاف کیا۔ الحاد ودہریت کے ناخداؤں مغرب کی مادہ پرست تہذیب اور نیوٹن وڈارون کے فلسفۂ باطلہ کے تار وپود بکھیر کر رکھ دیا اور طاغوتی طاقتوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے چٹان بن کر کھڑے ہوگئے اور بہت حد تک مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچالیا۔

اور داخلی محاذ پر دیڈ دہابیت وتفضیلیت کے پھیلتے اور بڑھتے ہوئے جراثیم کو ختم کرکے قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کی قادیان سے پیمبری کے بلند بانگ دعویٰ کی قلعی کھول کر رکھ دی اور نجدیت و وہابیت کے قلعوں پر وہ کاری ضربیں لگائیں جس سے ان کی دیواریں متزلزل ہوکر رہ گئیں۔

آپ کے سینے میں جو سب سے بڑا خزانہ تھا وہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی انمول دولت تھی۔ آپ کے انگ انگ سے عشق ومحبت کا چشمہ پھوٹا پڑتا تھا اور اس عشق جنوں خیز نے سینے میں وہ بلا کی آگ بھڑکائی تھی کہ گستاخان بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نشست وبرخاست تو کجا ان سے ادنیٰ سی مسامحت بھی گوارہ نہیں فرماتے تھے بلکہ اسلام کا یہ وہ جری اور بہادر شیر تھا جس کے فولادی پنجوں سے معاندین اسلام اور گستاخان رسول کی لاشیں تڑپتی ہوئی نظر آتی ہیں اور جس کے نوک زبان وقلم سے ہمیشہ دریدہ دہنوں اور گستاخوں کا لہو ٹپکتا تھا۔

کیا نوک قلم سے چاک ہر پیراہن باطل
حریفوں کے لئے برق وشرر احمد رضا تم ہو

وصال مبارک

آپ نے زندگی کا سارا حصہ اسلام کی حمایت مسلک اہلسنت کی ترویج واشاعت اور علوم وفنون کی خدمت میں گذارا آخر وہ وقت موعود آ ہی پہونچا جس سے کسی انسان کو مفر اور مجال دم زدن نہیں۔ بروز جمعہ پچیس ۲۵ر صفر المظفر سنہ ۱۳۴۰ھ کو موذن نے حی علی الفلاح کی آواز دی اور یہ دیوانۂ رسول اپنی فلاح سعادت پر نازاں وخنداں اپنے خالق وحبیب سے جا ملا ولیطاف علیھم بآنیۃ من فضۃ واکواب (۱۳۴۰ھ)

امام احمد رضا

مجدّدِ ملّت

مولوی محمد خواجہ اویس بنگالپوری

متعلم دار العلوم دیوان شاہ ۔ بھیونڈی ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ زندہ قومیں ان کی قومیت کی شیرازہ بندی جس کے ہاتھوں سے ہو چکی اس کی یادگار مناتی ہیں اور اس کو اپنی قومی زندگی کا بیمہ سمجھتی ہیں۔ دنیا نے مان لیا ہے کہ جو قوم اپنے قومی محسنوں کو بھول گئی تو زندگی نے ساری قوم کو بھلا دیا اور موت کے منہ میں ڈال دیا۔ یہ قومیت کا فطری جذبہ نہ کسی دلیل نقلی کا محتاج ہے نہ برہان عقلی کا۔ اس کا تعلق صحیح انسانیت اور درستی ہوش و حواس سے ہے۔ جو افراد محسنین قوم کی یادگار منانے سے چڑھنے لگتے ہیں تو ان کو دنیا نے صرف یہ کہ اس قومیت سے خارج قرار دیا بلکہ انھیں ایک قسم کا پاگل سمجھ لیا گیا۔ یادگار منانا چونکہ فطری جذبہ ہے لہٰذا اسلام جس کا دوسرا نام دین فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو اجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بہت صاف و صریح ہے۔ یہ جو قرآن کریم میں ارشاد ہوا وذکرھم بایام اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلایا کرو۔ یوں تو سب دن اللہ کے ہیں مگر ایسے دن بھی تو ہیں جن دنوں کو خاصان خدا نے خصوصیات عطا فرما دیں اور جن کی یاد سے اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ ایسے دن جن کی بدولت حاصل ہوں اس کا گو یوم ولادت سے وقت وفات تک کا ہر دن اور وفات سے لیکر حشر تک کا ہر دن وللآخرۃ خیر لک من الاولی والے آقا کے وسعت دامان میں پناہی رہتا ہے۔ اور بڑھتا ہی رہتا ہے مگر ان سارے دنوں میں انتخاب قدرت یوم پیدائش و یوم وصال و یوم حشر و نشر ہے۔ ظاہر ہے ہر اہمیت رکھنے والی شخصیت کی اہمیت دیکھنے کے بعد وہ دن یاد آجاتا ہے جبکہ اس نے سب سے پہلے زمین پر قدم رکھا۔ پھر وہ دن اہمیت رکھتا ہے جب اس نے دوسرے عالم کا سفر کیا جس کو دیوبندی گروپ کے صف اول کے لوگ جینتی اور مرتیو منانا کہتے ہیں۔ اور مسلمان اس کو یوم میلاد و یوم عرس کہتے ہیں، اور مناتے ہیں۔ یہ خیال رہے کہ تعین و تخصیص ان اللہ والوں کے لئے جو انبیاء علیہم السلام ہیں عبارۃ النص ہے۔ تو ان اللہ والوں کے لئے جو اولیاء عظام و علماء کرام ہیں اقتضاء النص ہے یعنی دونوں کے لئے قرآن کی نص قطعی منصوص ہے۔ بات میں بات نکلتی ہے یہاں جملہ معترضہ سن لیجئے کہ قرآن کریم میں خاصان خدا کے تین وقتوں کی تعیین فرمائی گئی ہے جو منائی جائے۔ یوم میلاد جیسا کہ ہم میلاد شریف کی محفل کرتے ہیں دوسرے یوم وصال جیسا کہ ہم مسلمان اعراس بزرگانِ دین کرتے ہیں۔ لیکن تیسرا دن یوم حشر ہے جبکہ مقبولان بارگاہ الٰہی کی شفاعت فرمانے کا دن ہوگا۔ اس کی یادگار منانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ خود ہم پر کرم فرما کر منائیں۔ اور انشاء اللہ منائیں گے تو قرآنی تعبیر یہ ہوئی کہ مسلمانو! یہ تین دن ہیں ان میں پیدائش و وصال منانا تمہارا کام ہے۔ اگر تم اس یادگار منانے کے عادی ہو جاؤ تو تیسرا دن محبوبان خدا کی شفاعت کا دن ہے اس کے مستحق ہو جاؤ گے اور جو تمہیں کرنا ہے اگر نہ کیا تو شفاعت سے محروم ہو جاؤ گے۔ بہرحال ہم قرآن عظیم کا سہارا لیکر اس عظیم دن کی یاد منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں جس مبارک دن اللہ کا ایک مقبول بندہ سچا نائب رسول جس کو ہم اور آپ مجدد اعظم اعلحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے نام نامی سے یاد کرتے ہیں۔ کیا سہانی ساعت ہوگی۔ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء بروز شنبہ بوقت ظہر محلہ جسولی شہر بریلی میں اس اللہ کے محبوب بندے کی ولادت باسعادت ہوئی۔ تاریخی نام المختار رکھا گیا جد امجد حضرت مولانا مولوی رضا علی خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا نام احمد رضا رکھا۔ بارہویں صدی ہجری سے جن ضلالتوں اور گمراہیوں کا آغاز ہوا ان میں فتنۂ نجدیت سب سے بڑی گمراہی تھی اور اسی ایک فتنۂ ضلالت کی بدولت نہ جانے اور کتنی گمراہیاں عالم وجود میں آئیں جو اسی فتنہ کا ضمیمہ ہے۔

سیّد کائنات سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کے مطابق سرزمین نجد سے ذرّیت شیطان نے سر اٹھایا اور بالاعلان توہین رسالت کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا۔ پھر بعد میں واقعات و حالات نے بھی اس ذریت کی مدد کی اور حجاز کی سرزمین مقدس ان کے ناپاک قدموں سے آلودہ ہو گئی۔ اس ذریت ابلیس نے جس طرح وہاں کے رہنے والے مقدس باشندوں پر مظالم کئے آثار مقدسہ کی جس جس طرح بے حرمتی کی گئی وہ روز روشن کی طرح اب بھی عیاں ہے۔ پھر یہ فتنہ چند جاہ پرست اور خود غرض

افراد کی بدولت ہندوستان پہونچا اور اس جاہ پرست طبقہ نے بھی شیخ نجدی کی تقلید میں توہینِ رسالت کو اپنا شیوہ بنالیا۔ علماء کے روپ میں نہ معلوم کتنے بہروپئے آتے رہے اور شرک وبدعت کے فتوؤں سے مسلمانوں کو مشرک بناتے رہے۔ یہاں تک کہ ضلع سہارنپور (یو،پی) کے ایک مقام کو اپنا مرکز بنا کر اس کو توہینِ رسالت کا اڈہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے کہ انھوں نے سب سے پہلے معلم نجدیت کی سرکوبی فرمائی مگر آگ پورے طور پر نہ بجھ سکی۔ کچھ شعلے بھڑکتے رہے یہاں تک کہ بارہویں صدی ہجری کے آخر میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی شخصیت کاملہ منصب شہود پر آئی اور شاتمان رسالت کے گلوں پر خنجر پھیر دیا کہ وہ زبانیں جو توہینِ رسالت کے عادی بن گئی تھیں قطع ہو گئیں۔ اس مردِ مجاہد کے شدید حملوں سے صحرائے وہابیت میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ حقیقت امر ہے کہ جب فضائے حقانیت پر باطل کی تیرہ وتاریک گھٹائیں چھانے لگتی ہیں تو دفعتاً آفتاب حقانیت اپنی پوری تابانی و درخشانی کے ساتھ چمکتا ہے اور باطل کی تاریکیاں کافور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جس وہابیت کی تبلیغ سے دیوبند کو مرکز بنایا گیا تھا۔ اور جہاں سے مسلمانوں کو مشرک وبدعتی بنانے کے لئے فتوے ڈھلے جارہے تھے اس مرکز باطل پر قہرِ الٰہی کی کڑکتی بجلیاں گریں اور بزعم خویش توحید کے مدعی دشمن وقار رسالت جائے فرار ڈھونڈنے لگے۔ ازل ہی کے روز سے سرزمین بریلی کو یہ شرف حاصل ہونے والا تھا کہ وہ نعت صاحب لولاک ولما کا مرکز بنے۔ اعلیحضرت امام اہلسنت مجدد مأتہ حاضرہ کے وہ مقدس کارنامے کہ ہر باطل مذہب کی گردن کشی کی اور خصوصیت کے ساتھ وہابیت کی سرشکنی اس کا روشن مشاہدہ ہے اور مشاہدہ کسی دلیل اور ثبوت کا محتاج نہیں ہوتا۔ یہاں ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہابیت کا جو طوفان صحرائے نجد سے اُٹھ کر فضائے ہند پر چھا گیا تھا۔ اس طوفان کو دفع کرنے کے لئے اعلیٰ حضرت نے کیا کیا کوششیں فرمائی ہیں۔ مختصراً اتنا ہی کافی ہے کہ دنیائے وہابیت میں مجدد اعظم کا نام ہی ایسی شمشیر بے پناہ ہے کہ اشرار کی صفوں میں اب بھی سراسیمگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ مجدد اعظم رضی اللہ عنہ کا دنیائے سنیت پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اس انتشار و ابتری کے دور میں مجدد اعظم کی شخصیت ایک منارۂ نور ہے جس کی لازوال روشنی میں مسلمان بے خوف وخطر راہ حیات طے کر رہا ہے اور اسے کسی بد باطن اور دین و ایمان کا خطرہ نہیں رہا۔ آج بھی اعلیٰ حضرت کے وصال کو پچپن ۵۵ سال گزر چکے ہیں۔ ان کے تصانیف مشعل ہدایت ہیں اور راہرو اسی روشنی سے فیضیاب ہو رہا ہے۔ بہرحال اعلیٰ حضرت کی جامع شخصیت نے جہاں اعدائے دین و رسالت کی سرکوبی فرمائی وہاں اپنی تصانیف کے ذریعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں ایک شمشیر بے پناہ بھی دی کہ وہ ہر عدوئے دین کی گردن کشی کرے۔ خداوند کریم نے آپ کو اتنے کثیر علوم سے نوازا کہ پچاس فنون میں آپنے کتب تصنیف فرمائیں اور بہت سے مردہ فنون مثلاً تکسیر، ہیئت اور نجوم کو دوبارہ زندگی بخشی اور آپ ایک بہت بڑے بلند پایہ نعت گو شاعر بھی ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ حمد لکھنا آسان ہے اور نعت لکھنا بہت مشکل ہے کیونکہ نعت میں یہ احتمال رہتا ہے کہ تعریف اتنی نہ ہو جائے کہ خدا سے مل جائے اور کہیں اتنی کم نہ ہو جائے کہ مرتبۂ رسالت سے گر جائے۔ آپ کو فقہ میں اجتہاد و امامت کا مقام حاصل تھا۔ اس پر فتاویٰ رضویہ کی بارہ جلدیں شاہد عدل ہیں اور آپ سلسلۂ عالیہ رضویہ کے ایک بلند پایہ بزرگ تھے اور علمی اعتبار سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نائب سمجھے جاتے تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن ایک تھا آپ کو رسول کریم سے بے پناہ عشق تھا کہ جب کوئی حج بیت اللہ شریف سے واپس آتا آپ اس سے دریافت فرماتے کہ حضور سرورِ کائنات کی بارگاہ میں حاضری دی، وہ ہاں کہدیتا تو فوراً اس کے قدم چوم لیتے تھے۔ یہ تھا عشق رسول آپ کی جانب سے، بیوگان کی اور ضرورتمندوں کی حاجت روائی کے لئے ماہانہ رقوم مقرر تھیں۔ آپ ۲۴ گھنٹے میں صرف دو گھنٹے آرام فرماتے اور بقیہ اوقات تمام تبلیغ دینیہ کے لئے وقف کر رکھے تھے پانچوں نمازوں میں مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ آپ کے خلفاء و مریدین و متوسلین ہندو پاک کے علاوہ عرب و عجم میں بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ آپکے چند مشہور خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ (۱) شہزادہ اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولینا مولوی حامد رضا خانصاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۲) شہزادہ اصغر سرکار مفتی اعظم ہند حضرت مولینا مصطفیٰ رضا خانصاحب دامت برکاتہم القدسیہ (۳) صدر الشریعہ خاتم الفقہا حضرت مولانا مولوی امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (۴) شیخ المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی صاحب (محدث اعظم لاہور) (۵) شیر بیشۂ اہلسنت امام المناظرین حضرت مولینا حشمت علی خانصاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ بہرحال مضمون تفصیل چاہتا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات ایک ایسی جامع شخصیت تھی کہ قدرت صدہا سالوں کے بعد ایسے افراد کو پیدا فرماتی ہے کہ جن کی درخشانِ حیات کتنے تاباں درخشاں لمحات انفصائے عالم کو منور کر دیتی ہے۔

مخزن فلسفہ ہیں معدن منطق بھی ہیں
گلشن رشد و ہدایت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

۱

امام احمد رضا جدید سائنس کی روشنی میں

۲

امام احمد رضا بحیثیت منطقی و فلسفی

امام احمد رضا

جدید سائنس کی روشنی میں

ایم حسن امام ملک پوری
ایم۔ ایس سی۔ بی۔ ایل۔ بی۔ ایڈ۔ مظفر پور

محترم حسن امام صاحب ملک پور (بہار) کے رہنے والے۔ ایم۔ ایس۔ سی؛ بی۔ ایل۔ ب۔ ایڈ ہیں انتہائی سلیم الطبع اور ذہین و طباع ہیں۔ عابدہ ہائی اسکول مظفر پور میں سائنس کے ٹیچر ہیں۔
موصوف نے فتاویٰ رضویہ جلد اول ملاحظہ فرمایا تو پھڑک اٹھے اور زیر نظر گرانقدر مقالہ "سائنس کی روشنی میں" ترتیب دیکر امام احمد رضا نمبر کے لئے مرحمت فرمایا۔ (ایڈیٹر)

آج کل کی ترقی یافتہ دنیا نے اسلام کے سپوت کے کارناموں کو اس طرح بھلا دیا ہے جیسے اس قوم نے بنی نوع انسان کے لئے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ اوروں کو تو جانے دیجئے خود ہمارے موجودہ مسلمان ہی اس حد تک احساس کمتری کے شکار ہیں کہ وہ دنیاوی علوم و فنون کو ناقابل تسخیر سمجھتے ہیں۔ اُن کا ظنّ غالب ہے کہ یہ علوم ہمارے لئے نہیں اگر یہ ہمارے لئے ہوتے تو ہمارے آباؤ اجداد بھی اس میدان میں تاریخی کارنامے انجام دیئے ہوتے اور فخر سے کہتے کہ آج کی سائنسی ترقی بھی ہمارے سلف کے کارناموں کی مرہون منت ہے۔" ہم بس اس حد تک جانتے ہیں کہ ہمارے علماء صرف علم دین میں دقیق النظر ہیں، قرآن کریم اور حدیث نبوی کی انھیں باکمال واقفیت ہے۔ وہ ان کی روشنی میں بہت کچھ سوچ سکتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ غور و فکر کو عروج دے کر کبھی تو ہم اپنے اسلاف کو کافر اور بھٹکا ہوا ثابت کرتے ہیں اور کبھی اپنے معاصر کو۔ حالانکہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو صاف پتہ چلے گا کہ ہم اپنے جن اسلاف کو بھٹکا ہوا ثابت کرتے ہیں ان کے مطالعہ میں کتنی عمیقگی ہے اور ہمارا مطالعہ کتنا سطحی ہے۔ خیر اس بحث کو یہیں چھوڑیئے (اللہ ہمارے ان بھائیوں کو راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ جو آج بھٹک رہے ہیں۔ آمین)

ہاں تو میں یہ کہنے جا رہا تھا کہ احساس کمتری کی بنا پر ہم نے اپنے اسلاف کا جو معیار مقرر کیا ہے اس سے وہ کہیں بالا تھے۔ مثال کے لئے تو ان گنت شخصیتیں ہیں۔ فی الحال میں امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں عرض کرنا چاہوں گا کیونکہ امام احمد رضا کی مذہبی، علمی، ادبی، ریاضی، ارضیاتی۔ فلکیاتی اور مادی یا سائنسی صلاحیتوں نے راقم الحروف کو کافی حد تک متاثر کیا ہے۔ راقم الحروف کے پاس مذہبی معلومات کا فقدان ہے۔ مادیات اور ارضیات کا قدرے مطالعہ ہے اور اپنے اس مطالعہ کی روشنی میں امام احمد رضا کے صرف ایک حصہ تصنیف "کتاب الطہارۃ" (اصل تصنیف جو فتاویٰ رضویہ کے نام سے مشہور ہے۔ جن کی ضخیم بارہ جلدیں ہیں اس کی پہلی جلد کا پہلا حصہ "کتاب الطہارۃ" اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے) سے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امام احمد رضا علم دین کے ہی بحر بیحراں نہیں، علم ارضیات، مادّیات، فلکیات اور علم ریاضی و ہندسہ کے بھی اتھاہ سمندر ہیں۔ اس سلسلہ میں ثبوت فراہم کرنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ پھر بھی قارئین کی دلچسپی کے لئے میں مذکورہ کتاب کے صفحہ ۳۲۱، اور اس سے کچھ آگے کے اوراق کا اقتباس پیش کر رہا ہوں۔

مسئلہ ۴۴ :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنوئیں کا دور کتنے ہاتھ ہونا چاہئے کہ وہ دہ در دہ ہو اور نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو سکے۔ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

الجواب :

اس میں چار قول ہیں ہر ایک بجائے خود وجہ رکھتا ہے۔ اور تحقیق جدا ہے۔

قول اوّل اڑتالیس ہاتھ خلاصہ و عالمگیریہ میں اسی پر جزم فرمایا اور محیط امام شمس الائمہ سرخسی و فتاویٰ کبریٰ میں اسی کو احوط بتایا۔ سید طحطاوی نے اسکا اتباع کیا۔ ہندیہ میں ہے۔ کان الحوض مدورا المعتبر ثمانیۃ واربعون ذراعا کذا فی الخلاصۃ وھو الاحوط کذا فی محیط السرخسی

طحطاوی میں ہے الاحوط اعتبار ثمانیۃ واربعین۔

دوم: چھیالیس ہاتھ بعض کتب میں اسی کو مختار و مفتیٰ بہ بتایا بحر الرائق میں نقل فرمایا۔ المختار المفتیٰ بہ ستۃ واربعون کیلا یعسر رعایۃ الکسر اھ اقول ۹۶ یرید ان ثمہ کسرا اسقط اور فع تسیرا ثم رائت فی الفتح ما عین الرافع حیث قال ان کان الحوض مدورا فقدر بار بعۃ واربعین وثمانیۃ واربعین والمختار ستۃ واربعون وفی الحساب یکتفیٰ با قل منہا بکسر للنسبۃ لکن یفتیٰ بستۃ واربعین کیلا یتعسر رعایۃ الکسر قال والکل تحکمات غیر لازمۃ انما الصحیح ماقدمناہ من عدم التحکم بتقدیر معین اھ ای عملا باصل المذہب وقد علمت ان الفتویٰ علیٰ اعتبار العشر۔

سوم: چوالیس ہاتھ اس کی ترجیح اس وقت کسی کتاب سے نظر میں نہیں۔ جامع الرموز میں ہے۔ اما فی المدور فیشرط ان یکون دورہ ثمانیا واربعین ذراعا وقیل اربعا واربعین فالاول احوط کما فی الکبریٰ۔

چہارم: چھتیس ہاتھ ملتقط میں اسی کی تصحیح کی۔ امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا یہی صحیح اور فن حساب مبرہن ہے۔ جامع الرموز میں ہے۔ وقیل ستۃ وثلثین وھو الصحیح المبرھن عند الحساب کما فی الظہیریۃ وفی الاولین تحقق الحوض المربع داخل المدور وفی الثالث مایساویہ۔ اسی پر مولوی خسرو نے متن غرر میں مع افادہ تصحیح اور مدقق علائی نے درمختار اور علامہ فقیہ و محاسب شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں جزم فرمایا۔ ردالمحتار میں ہے قولہ وفی المدور بستۃ وثلثین ای بان یکون دورہ ستۃ وثلثین ذراعا وقطرہ احد عشر ذراعا وخمس ذراع ومساحتہ ان تضرب نصف القطر وھو خمسۃ ونصف وعشر فی نصف الدورۃ وھو ثمانیۃ عشر یکون مائۃ ذراع واربعۃ اخماس ذراع اھ سراج وماذکرہ ھو احد اقوال خمسۃ وفی الدرر عن الظہیریۃ ھو الصحیح اقول تحقیق یہ ہے کہ اس کا دور تقریباً ساڑھے پینتس ہاتھ چاہیے یعنی ۳۵٫۴۴۹ تو قطر تقریباً ۵ گز ساڑھے دس گرہ ہوگا بلکہ دس گرہ ایک اونگل یعنی ۱۱٫۲۸۴ ہاتھ بیان اس کا یہ کہ اصول ہندسہ مقالہ ۴ شکل ۱۲ میں ثابت ہے کہ محیط دائرہ کو ربع قطر میں ضرب دینے سے مساحت دائرہ حاصل ہوتی ہے یا قطر دائرہ کو ربع محیط یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجئے یا قطر و محیط کو ضرب دے کر ۴ پر تقسیم کیجئے کہ حاصل سب کا واحد ہے اور ہم نے اپنی تحریرات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ قطر اجزائے محیطیہ سے خلاصہ لہ الطلومہ ہے نصف قطر مرجبہ برمد یح الد یعنی محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہو قطر اس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانیے ۳۶ ثالثے ۴۵ رابعے ہے: وفی حساب الفاضل غیاث الدین جمشید الطاشی علی مانقل العلامۃ البرجندی فی شرح تحریر المحسطی نوبعہ ای ستا دخمسین مکان لہ لابقارق محسوبہ الابخو ارابعۃ وحاء الحساب احز مربع رفعا ای سبعا واربعین وبالجملۃ لا فرق الا فی بعض روابع وعلی ھذا الاخیر عولنا تو قطر اگر ایک ہے محیط ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ہے۔

فان ۳۶۰ ÷ ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ = ۱۱۴٫۵۹۱۵۵۹۱۵۷

تحویلہ الی الیستنی منہ صہ لہ الطلومر یہاں سے دو مساواتیں حاصل ہوئیں۔ قطر و محیط و مساحت کو علی التوالی ق ط م فرض کیجئے پس (۱) ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق = ط اس لئے کہ ۱ : ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ :: ق : ط (۲) $\frac{ق ط}{۴}$ = م ان کے بعد قطر و مساحت سے جو چیز گز، ہاتھ، فٹ، گرہ وغیرہا جس معیار سے مقدر کی جائے اسی معیار سے باقی دو کی مقدار معلوم ہو جائے گی جس کی جدول ہم نے یہ رکھی ہے۔

مطلوب / معلوم	قطر	محیط	مساحت
قطر	۰	۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق	۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵ ق۲
محیط	ط / ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵	۰	ط۲ / ۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶
مساحت	√(م / ۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵)	√(۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶ م)	۰

پھر آسانی کے لئے لوگارثم سے کام کرنے کو یہ دوسری جدول رکھی اور اس میں متممات حسابیہ سے وہ تصرفات کر دئے کہ بجائے تفریق بھی جمع ہی رہے۔

مطلوب / معلوم	لوقطر	لومحیط	لومساحت
لوقطر	-	لوق + ۰،۴۹۷۱۴۹۹	۲ لوق + ۱̄،۸۹۵۰۸۹۹
لومحیط	لوط + ۱̄،۵۰۲۸۵۰۱	-	۲ لوط + ۲̄،۹۰۰۷۹۰۱
لومساحت	(لوم + ۰،۱۰۴۹۱۰۱) / ۲	(لوم + ۱،۹۹۲۰۹۹) / ۲	-

یہاں مساحت معلوم ہے ۱۰۰ ہاتھ جس کا لوگارثم ۲،۰

∴ ۲،۱۰۴۹۱۰۱ / ۲ = ۱،۰۵۲۴۵۵۰ کہ لوگارثم ۱۱،۲۸۴ کا ہے

یہ قدر قطر ہوئی نیز ۳،۰۹۹۲۰۹۹ / ۲ = ۱،۵۴۹۶۰۴۹ کہ لوگارثم

۳۵،۴۴۹ کا ہے یہ مقدار دور ہوئی

ہمارے بیان کی تحقیق یہ ہے کہ

۱۱،۲۸۴ × ۳۵،۴۴۹ = ۴۰۰،۰۰۶۵۱۶، ÷ ۴ = ۱۰۰،۰۰۱۶

کہ سو ہاتھ سے صرف ۱۶/۱۰۰۰۰ یعنی ۱/۶۲۵ زائد ہے کہ ایک اونگل عرض کا ۲۴/۶۲۵ یعنی اونگل کے پچیسویں حصے سے بھی کم ہے بخلاف سراج و شرنبلالیہ کہ ان کے خیال سے ۱۹ اونگل اور واقع تین ہاتھ سے بھی زیادہ بڑھتا ہے۔"

اب راقم الحروف کو کچھ کہنے دیجئے۔ اگر ہمارے اسلاف صرف لکیر کے فقیر ہوتے تحقیق و تجدید کو کفران نعمت سمجھتے تو مفتی ہونے کی حیثیت سے امام احمد رضا مذکورہ بالا سوال کے جواب میں چاروں اقوال کو کتب فقہ کے حوالہ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے تھے کہ کنواں مذکور کا دور چھتیس ہاتھ ہی صحیح و درست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مگر اللہ تبارک تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کا تقاضہ اسی جواب پر اکتفا کرکے آئندہ نسل کے لئے ایک سوالیہ نشان چھوڑنا نہ تھا بلکہ تحقیق، تجدید و اجتہاد سے مسائل کو حل کرنا مقصود تھا۔

غور کا مقام ہے کہ چھتیس ہاتھ اور ۳۵،۴۴۹ ہاتھ میں آدھے ہاتھ سے ہی زیادہ کا فرق ہے۔ کنواں مذکور کے صحیح دور کی دریافت یعنی ۳۵،۴۴۹ ہاتھ کی دریافت کے لئے امام احمد رضا نے علم الحساب کی کس باریکی کا مصرف لیا ہے اس کا اندازہ ایک ماہر علم ریاضی و ہندسہ ہی لگا سکتا ہے۔

کوئیں کا کراس سیکشن CROSS SECSION عام طور پر دائرہ نما ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں موجودہ رائج فارمولے اس طور پر ہیں۔

دائرہ کا محیط یا دور πD یا $2\pi R$ = CIRCUMERENCE OF A CIRDE

دائرہ کی مساحت یا رقبہ πR^2 یا $\frac{\pi D^2}{4}$ = AREA OF A CIRDE

یہاں R اور D علی الترتیب دائرہ کے نصف قطر RADIUS اور قطر DIAMETER کو ظاہر کرتے ہیں اور π ایک مستقل مقدار ہے جس کی قیمت $\frac{22}{7}$ یعنی 3.142857 ہے جو ۳،۱۴۲۸۵۷ سے زیادہ اور ۳،۱۴۲۸۵۸ سے کم۔ اب اس قیمت کو اگر قطر سے ضرب کیا جائے تو حاصل شدہ محیط کی قدر اور امام احمد رضا کے فارمولا محیط = ۳،۱۴۱۵۹۲۶۵ ق سے حاصل شدہ قدر محیط میں برائے نام فرق ہوگا اب سوال اٹھتا ہے کہ صحیح قدر کون سی ہوگی۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ مروجہ فارمولے سے حاصل شدہ قدر بھی EXACT نہیں کہی جا سکتی کیوں کہ π کی EXACT قیمت سے قطر کو ضرب نہیں دیا جا سکا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ π کا ہمیں LIMITING VAHNE معلوم ہے EXAET VAHNE نہیں۔

EXAET NESS کی تلاش امام احمد رضا کو یقینی طور پر تھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے مساحت دائرہ کے لئے جو چار فارمولے

(۱) مساحت دائرہ = محیط × قطر/۴

(۲) " " = قطر × محیط/۴

(۳) " " = نصف قطر × محیط/۲

(۴) " " = قطر × محیط ، مرتب کیا ہے وہ ترکی زبان میں ایک اقلیدس کی کتاب کا عربی ترجمہ (جسے محمد عصمہ مصری نے ترکی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے) سے ماخوذ ہیں۔

امام احمد رضا اس بات سے کما حقہ، واقف تھے کہ محیط اور قطر میں ایک خاص رشتہ تناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ محیط جس مقدار سے ۳۶۰ درجے ہے قطر اس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانئے ۳۶ ثالثے ۴۵ رابعے ہے یعنی قطر اگر ایک ہے تو محیط ۳۶۰/۱۱۴،۵۹۱۵۵۹۱۵۷ یعنی ۳،۱۴۱۵۹۲۶۵

بہر حال جدول ۱ میں اسی رشتہ تناسب کو کام میں لاکر امام احمد رضا نے قطر محیط اور مساحت کے درمیانی رشتہ کو فارمولا کی شکل دیا ہے جو آج بھی عمدہ کاوش کا پتہ دے رہا ہے۔

مگر امام احمد رضا کی تلاش حق نے یہاں بھی دم نہ لینے دیا۔ اب آپ نے علم ریاضی کی اعلیٰ نصاب کی طرف توجہ فرمائی اور پھر آپ نے لوگارثم (جو عربی میں لوغاثم اور انگریزی میں LOGARITHM کہلاتا ہے) کی مدد سے دوسرا جدول تیار کیا جو دائرہ کے قطر، محیط و مساحت کے درمیانی رشتہ کو بتانے کے لئے اپنی مثال آپ اور آئندہ نسل کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

ہندوستان میں مروجہ موجودہ نصاب کے تحت LOGARITHM کی پڑھائی کا آغاز عام طور پر یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ کے درس سے شروع ہوتا ہے لہذا اس جدول کا انگریزی ترجمہ بے کار نہ ہوگا۔

KNOWN QNANTITY	UNKNOWN QUANTITY		
	LOG D	LOG C	LOG A
LOG D	-	LOG $\frac{D}{}$ + 0.4971499	2 LOG $\frac{D}{}$ + T.8950899
LOG C	LOG $\frac{C}{}$ + T.5028501	-	2 LOG $\frac{C}{}$ + 2.9007901
LOG A	$\frac{\text{LOG A} + 0.1049101}{2}$	$\frac{\text{LOG A} + 1.0992099}{2}$	

HERE D = WIAWELIR OF THE CIRCLE
C = CIRCUM FER ENCO OF THE CIRCLE
A = AREA OF THE CIRCLE

اس LOGARITHMIE TABLE سے ACCURAEY کہاں تک آتی ہے اس کا اندازہ بھی آپ دائرہ کے اسی معیاری مساحت سے کیجئے جو پانی کی اوپری سطح کے لئے اس واسطے ضروری ہے کہ اس کا پانی نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو یعنی ۱۰۰ ہاتھ (آپ سوچتے ہوں کہ رقبہ کی اکائی میں مربع کا استعمال ضروری ہے تو اس کے لئے امام احمد رضا نے جدول کے آغاز کے پہلے ہی صفائی پیش کر دی ہے بہرحال جدول میں مطلوب و معلوم اپنی اپنی اکائیوں اور وسعتوں DIMENSIONS UNITS AND) میں تصور کی جائیں۔ یہاں فارمولے کی جانچ صرف قدر (MAG NI TNDE) پر کرنی ہے۔

$$\text{LOG } C = \frac{\text{LOG } A + 1.0992099}{2}$$
$$= \frac{\text{LOG } 100 + 1.0992099}{2}$$
$$= \frac{2.0 + 1.0992099}{2}$$
$$= \frac{3.0992099}{2}$$
$$\text{OR LOG } C = 1.5496049$$
$$\text{BUT } 1.5496049 = \text{LOG } 35.449$$
$$\text{LOG } C = \text{LOG } 35.449$$
$$\text{HENCE } C = 35.449$$

یعنی دائرہ کا محیط یا دور ۳۵،۴۴۹ آتا ہے اور اسی طرح قدر کی مقدار حاصل کرنے پر ۱۱،۲۸۴ آتی ہے۔

امام احمد رضا کے غور و فکر کو ملاحظہ فرمائیے کہ امام احمد رضا سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ تھی کہ علم ریاضی و ہندسہ کی ضروری چیز لازمی و کافی شرائط (NECESSARY AND SUFICIEUT CONDITIONS) کا پورا ہونا ہے۔ چنانچہ آپ حاصل شدہ قطر اور محیط کی مقدار کو ضرب دے کر ترکی اقلیدسی کتاب کے فارمولا (۴) پر جا پہنچتے ہیں کہ حاصل شدہ مساحت ۱۰۰ آتی ہے یا نہیں۔

مساحت = $\frac{\text{قطر} \times \text{محیط}}{۴}$

= $\frac{۳۵،۴۴۹ \times ۱۱،۲۸۴}{۴}$

= $\frac{۴۰۰،۰۰۶۵۱۶}{۴}$ = ۱۰۰،۰۰۱۶

یہ تعداد ۱۰۰ کے بہت ہی قریب تصور کی جاتی ہے۔ لہذا مذکورہ دریافت جو قطر اور محیط کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

اب بعض قارئین نے سوچا ہوگا کہ کیا ضروری ہے کہ کنواں دائرہ نما ہی ہو۔ یہ مثلث نما، مربع نما، مستطیل نما وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔

تو اس سلسلہ میں یہ کہہ دوں کہ امام احمد رضا نے بھلے ہی ان شکلوں کے کنوؤں کو نظر نواز نہ کیا ہو مگر اسی مسئلہ کے جواب میں آگے مختلف شکلوں کی مساحت ان کی دوران کے ضلعے وغیرہ کی بابت بالتشریح اور مستحکم و مدلل وضاحت کی ہے۔

اب قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ امام احمد رضا کا مقام علم ریاضی و ہندسہ میں کتنا بلند ہے۔ اسی طرح مذکورہ کتاب کے باب تیمم میں آپ نے جنس ارضی اور

آگ کا تذکرہ اور ایک سو اسی چیزوں کے نام جن پر تیمم کیا جا سکتا ہے اور پھر ایک سو تیس چیزوں کے نام جن پر تیمم جائز نہیں اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ مدلل تذکرہ کیا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں کہ آیا حضرت علوم دینی و دنیوی کے مخزن ہیں یا کہ منبع و سرچشمہ۔ اسی کو لیجئے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر اس چیز سے تیمم جائز ہے جو جنس ارض ہو اور وہ چیز جنس سے مغلوب نہ ہو اور ہمارے تمام آئمہ کے نزدیک غیر جنس ارضی سے تیمم جائز نہیں ہے چاہے غیر سے زمین معلوم ہو یا نہ ہو۔ اس لئے اعلیٰ حضرت نے جنس ارضی کی تحدید وتقدیر کا تفصیلی بیان شروع کیا ہے اور اس کو چار مقام پر تقسیم فرمایا ہے۔ مقام اول تحدید جنس ارض کے لئے مخصوص فرمایا ہے اس کے تحت پانچ الفاظ کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

(۱) احتراق (۲) ترمّد (۳) لین (۴) ذوبان (۵) انطباع

پھر ان الفاظ خمسہ کے معنی اور ان کی باہمی نسبتوں کا ذکر اس انداز سے فرمایا ہے کہ اہل علم کی نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے کہ علم کیمیا میں بھی امام احمد رضا کو کیسا کمال اور ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس کی دلیل کو فتاویٰ رضویہ کتاب الطہارۃ سے نقل کرنا تطویل کا باعث ہے اس لئے عبارتوں کے نقول کو ترک کرتا ہوں اور صاحب علم و فکر حضرات سے گذارش کروں گا کہ وہ مذکورہ کتاب کو صفحہ ۶۶۸ سے آخر تک مطالعہ فرمائیں بلکہ اچھا تو یہ ہوتا کہ اس بحث کو پورے طور پر مطالعہ کیا جاتا جس کا نام "حسن التعمم لبیان حد التیمم" ہے۔

اس ضمن میں علم کیمیا سے تعلق رکھنے والے حضرات سے میرا یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ SRNELTING ،ROASTING ،COMBUSTION نیز METALHIRGY وغیرہ کے سلسلہ میں احتراق اور اس سے متعلقہ مذکورہ بالا الفاظ کی تفصیل بے حد معاون ہے۔ صرف معاون ہی نہیں بلکہ اس سے نئی راہ بھی کھلے گی جو COMBUSTION کے متعلق مزید معلومات فراہم کرے گی۔ میرے خیال سے آگ اور آگ کا مادّے پر اثر سے متعلق جتنی باتیں آپ یہاں اس باب میں یکجا پائیں گے اسے آپ اگر نایاب نہ کہیں تو نہ کہیں کمیاب ضرور کہیں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ اسے اور اس قسم کے نسخۂ کیمیا کو اگر BASIS بنا کر ریسرچ کیا جائے تو موجودہ علم کیمیا فقط ماضی کی یاد بن کر رہ جائے گی۔ ایک انوکھی چیز جو اس باب میں دیکھنے کو ملی ہے وہ یہ کہ کان کی ہر جگہ گندھک اور پارے کے نکاح کی اولاد ہے۔ گندھک نر ہے اور پارہ مادہ۔ یہ چیز علم کیمیا کے محقق کے لئے دعوت فکر ہے یوں تو عناصر یا مادوں کے مابین جو کیمیاوی عمل ہوتا ہے اسمیں LAW OF MASS ACTION اور LAW OF AFFINITY کو کافی دخل ہے۔

اول الذکر کے تحت ایک عنصر دوسرے عنصر کے لئے چاؤ لگن اور کشش رکھتا ہے جس کے تحت دونوں قریب آتے ہیں پھر دونوں کے جوہروں (ATOMS) کے بیچ ELECTRON کا لین دین ہوتا ہے جب جا کر ایک مرکب (نئی شئے) کی تشکیل ہوتی ہے عام طور پر ELECTRON دینے والا DONAR ATOM اور لینے والا ACCEPTOR کہلاتا ہے۔ نر مادہ میں بھی عرف عام میں نر کو DONAR اور مادہ کو ACCEPTOR کہا جا سکتا ہے۔ لہذا نر و مادہ اور نکاح یا اتصال کی بابت تو موجودہ نظریے اور اعلیٰ حضرت کے بیان میں کافی ہم آہنگی نظر آتی ہے مگر ایک شے غور و فکر کے لئے باقی رہ جاتی ہے کہ کان سے نکلنے والی اشیاء تو بے شمار ہیں جیسے لوہا، سونا، چاندی، تانبا، ابرک، جستہ، کوئلہ وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ سبھی چیزیں گندھک اور پارے کی اصل سے تعلق رکھتی ہیں۔؟

ممکن ہے آج کے ماہر علم کیمیا اسے واہیات سمجھیں مگر وہ یہ نہ بھولیں کہ آج کے FATHER OF MODERN SCIENCE یعنی EINSTIEN کی THEORY کو بھی ان کے ہم عصر واہیات تصور کرتے تھے۔

سطحی مطالعہ والے کیمیاگر فوراً ہی کہہ سکتے ہیں کہ پھر آج گندھک اور پارے باہمی ازدواجی اختلاط یا باہمی اتصال سے نت نئے معدنی عناصر یا مرکب کو ظہور پذیر کیوں نہیں کرتے تو اس کے لئے میرا اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ نر و مادہ کے باہمی اختلاط سے جو اسی جیسی جنس ظہور پذیر ہوتی ہے اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ نہ تو ہر جوڑے ہی ہم جنس کی پیداوار کے لائق ہوتے ہیں اور نہ ایک ہی جوڑا اپنی تمام عمر تک اس صلاحیت کو برقرار رکھتا ہے۔ اب کیمیاوی عمل کے سبب بنی نئی شئے کے موجودہ نظریے کی طرف آیئے۔ کیا دو مادّے یا عناصر ہر حال میں ایک ہی مرکب کی تشکیل کرتے ہیں؟ نہیں۔ بالکل نہیں قطعی نہیں۔ ہر کیمیاوی عمل کے لئے کچھ نہ کچھ لازمی شرائط NECESSARY CONDITIONS ہوا کرتے ہیں؟ کوئی کیمیاوی عمل تیزابی واسطہ ACIDIC MEDIUM میں ہوتا ہے تو کوئی کھاری واسطہ BASIC MEDIUM میں۔ کوئی آبی واسطہ تلاش کرتا ہے تو کوئی خشک واسطہ۔ کہیں CATALYST کی ضرورت پڑتی ہے تو کہیں PROMOTOR کی۔ کہیں ENZYMES کی ضرورت پڑتی ہے تو کہیں اونچے دباؤ یا اونچے درجہ حرارت کی۔ کہیں نمی اور ہوا درکار ہوتی ہے تو کہیں خشکی اور خلاء اگر ان شرائط کی تکمیل نہ ہو تو مادہ کیمیاوی عمل میں حصہ لے ہی نہیں سکتے۔ تو کیا بعید ہے کہ گندھک اور پارے ہی نے تمام معدنیات کو اُس اُس وقت ظہور پذیر کیا ہو جب جب اس کے لئے معقول ماحول SUITABLE ENVIRONMENT دستیاب رہا ہو۔ مثلاً دباؤ۔ درجۂ حرارت اور جگہ جہاں عمل ہو۔

اب اگر کوئی علم کیمیا کا ماہر اظہار نفی کرتا ہے تو وہی کیا ہیں دنیا کے عظیم ماہر کیمیا سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس وقت زمین صرف سیال کا گولہ تھی اور اس میں ENERGY کے ماسوا کچھ نہ تھا تو سب سے پہلا مادہ MATTERO جو وجود میں آیا وہ کون سا تھا؟ آج تو آئنسٹین نے ایک مرحلہ بھی طے کر دیا ہے

کہ ENERGY یعنی توانائی اور MATTER یعنی مادے آپس میں متبدل ہیں اور اس کے لئے اس نے جو مساوات ہمارے سامنے پیش کیا ہے E = MC 2، جہاں E توانائی، M مقدار مادہ اور C روشنی کی رفتار کو واضح کرتا ہے اس سے تو ہم پر یہ عیاں ہوگیا ہے کہ آگ کے گولے زمین کی موجودہ شکل کیونکر حاصل ہوئی۔ مگر مجھے یہ کوئی بتا دے کہ پہلا مادہ جو ظہور پذیر ہوا وہ کونسا تھا؟ کیا وہ اب بھی موجود ہے اور کیا اس کی سابق خاصیت بدستور ہے؟ ہمارے قارئین یقین کریں کہ آج کی دنیا کا عظیم ترین سائنسداں بھی اس سوال کے جواب میں بغلیں جھانکتا نظر آئے گا۔

پھر کیمیا سے دلچسپی رکھنے والے ہمارے قارئین کے ذہن میں دوسری بات یہ پیدا ہوسکتی ہے کہ دو عناصر کے باہمی عمل سے عنصر کی تشکیل نہیں ہوسکتی۔ مرکب ہی بن سکتا ہے تو اس کے لئے یہی کافی ہوگا کہ آج جب یورینیم URANIUM اور اسی جیسے زیادہ ATOMIC NUMBER والے عناصر کے BOMBARDMENT سے جب عنصر سے عنصر ظہور پذیر ہوسکتا ہے تو دو عناصر اپنے ایک نئے عنصر کی ظہور پذیری بعید از قیاس نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی عنصر سے عنصر نکلا ہوا اور دوسرے نے "وجہ عمل" کا کام کیا ہو۔

مزید برآں جب سارے عناصر کا جزو آخر ایک ہی ہے یعنی ہر عنصر میں صرف ELECTRON، PROTON اور NUTRON ہی ہیں اور انھیں جزو عنصر کی تعداد کا فرق عناصر کے طبعی اور کیمیاوی خاصیتوں کے فرق کا سبب بنتا ہے اور عناصر سے ELECTRON کی تعداد، توانائی کے ذریعہ گھٹائی یا بڑھائی جاسکتی ہے تو پھر عنصر سے دوسرے عنصر کی تشکیل پھر دوسرے سے تیسرے کی ...... بعید از فہم و فراست نہیں۔

اب میں اپنے قارئین کی توجہ امام احمد رضا کی فلکیاتی صلاحیت کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا۔ فتاویٰ رضویہ کی جلد چہارم صفحہ ۶۱۹ کی بابت عرض کررہا ہوں کہ ایک صاحب دین نے جب دریافت کیا کہ رمضان شریف کی رات کے ساتویں حصہ کے باقی رہنے پر کھانا پینا چاہیئے کہ نہیں جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے کہ ترک کردینا چاہیئے تو اس کے جواب میں امام احمد رضا نے جو فتویٰ تحریر فرمایا ہے وہ نہ صرف آپ کی مذہبی معلومات کے گنج گرانمایہ کی عکاسی کرتا ہے بلکہ "تلاش حق" کے لئے آپ کی جو کاوشیں آپ کے جو عزائم تھے اس کے لئے بھی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

جواب میں اعلیٰ حضرت اپنے تجرباتی مشاہدوں اور فلکیاتی مطالعوں کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ مذکورہ عام طریقہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کبھی رات کا ہنوز چھٹا حصہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہوجاتی ہے اور کبھی ساتواں، آٹھواں، نواں یہاں تک کہ صرف دسواں حصہ رہتا ہے کہ اس وقت صبح ہوجاتی ہے۔

یہ تو فتویٰ کا اقتباس ہے۔ اب قارئین غور فرمائیں۔ سائل چونکہ شہر کہنہ بریلی کے رہنے والے تھے لہذا امام احمد رضا نے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں کے لئے رؤس اور برج کا ایک ایسا نقشہ ہی مرتب کردیا جو تا ابد ان مضافات کے لئے رات اور صبح کی نسبت کی نشاندہی کرتا رہے گا اور اس کا جھنجھٹ ہی نہ رہے گا کہ انتہائے وقت سحری کیا ہوگی۔ یہاں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ افق حقیقی پر انطباق مرکز شمس جانب مغرب سے اسی پر انطباق مرکز جانب مشرق تک شب نجومی ہے اور افق حسی بالمعنی الثانی سے تجاوز کنارہ آخرین شمس جانب غروب سے اسی افق سے ارتفاع کنارہ اولین شمس جانب مشرق تک شب عرفی ہے۔ اس کی تحصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کئے جاتے ہیں اور افق حسی مذکور سے تجاوز کنارہ آخرین شمس سے طلوع فجر صادق تک شب شرعی ہے۔

نقشہ مذکور درج ذیل ہے۔

تاریخ شمسی	راس برج	مقدار شب نجومی		مقدار شب عرفی		مقدار صبح		مقدار شب شرعی		شب عرفی کے منٹ	صبح کے منٹ	شب عرفی و صبح کی نسبت	تخمینی نسبت
		گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ				
۲۰ر مارچ	حمل	۱۲	۰	۱۱	۵۴	۱	۲۰	۱۰	۳۴	۷۱۴	۸۰	۴۰/۲۵۷	نواں حصہ
۲۲ر اپریل	ثور	۱۱	۱۰	۱۱	۵۴	۱	۲۴	۹	۴۰	۶۶۴	۸۴	۲۱/۱۶۶	آٹھواں حصہ
۲۲ر مئی	جوزا	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ر جون	سرطان	۱۰	۱۲	۱۰	۶	۱	۳۶	۸	۳۰	۶۰۶	۹۶	۱۶/۱۰۱	چھٹا حصہ قدرے کم
۲۲ر جولائی	اسد	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ر اگست	سنبلہ	۱۱	۱۰	۱۱	۵۲	۱	۲۳	۹	۳۹	۶۶۲	۸۳	۸۳/۶۶۲	آٹھواں حصہ
۲۳ ستمبر	میزان	۱۲	۰	۱۱	۵۲	۱	۱۹	۱۰	۳۳	۷۱۲	۷۹	۷۹/۷۱۲	نواں حصہ
۲۲ر اکتوبر	عقرب	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	نواں حصہ سے قدرے کم
۲۲ر نومبر	قوس	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۲۲	۱۲	-	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۲ر دسمبر	جدی	۱۳	۴۸	۱۳	۴۰	۱	۲۵	۱۲	۱۵	۸۰۲	۸۵	۱۷/۱۶۴	دسواں حصہ
۲۲ر جنوری	دلو	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۳۲	۱۲	-	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۱ر فروری	حوت	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	نواں حصہ قدرے کم

علم نجوم یا علم توقیت سے تعلق رکھنے والے قارئین ہی اب بتائیں کہ شہر مذکور کے لئے اتنا واضح چارٹ مرتب کرنے والے شخص کو ہم ماہر علم نجوم یا علم توقیت کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔

دوسرے مسئلہ سحری و صبح صادق و صبح کاذب کے متعلق صبح کاذب اور صبح صادق کا جو واضح نقشہ آپ نے پیش کیا ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے صرف کتابی باتوں پر اعتماد کیا نہ خالی دلائل ہندسیہ پر نہ تنہا تجربہ و ذاتی مشاہدہ پر بلکہ سب کو جمع کیا اور پھر خداداد ذہنی جدتوں سے کام لیا۔ ایک چونکا دینے والی جدت ملاحظہ کریں۔

اولاً صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل یعنی لمبی اور صادق کو مستطیر یعنی پھیلی ہوئی فرمایا ہے۔

ثانیاً بعض کتب میں صبح کاذب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے یعقبہ ظلمتہ فالافق یکذبہ یعنی کاذب کے عقب میں ظلمت ہوتی ہے۔

ثالثاً بعض کتب ہیئت اور ان کے اتباع سے۔ جب آفتاب افق سے ۱۵ درجے نیچے رہتا ہے تو اس وقت صبح صادق ہوتی ہے اور صبح کاذب ۱۸ درجے کے انحطاط پر۔

رابعاً سپیدی زمین کے کنارے یعنی افق سے نہیں اٹھتی بلکہ کچھ اونچائی سے اٹھتی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ افق میں بخارات کا ازدہام اور خطوط نظر کا صدہا میل بخار وغیرہ کثافت کو طے کرکے افق تک جانا دھوپ کو نیلا کرکے دکھاتا ہے اور سرخی معلوم ہوتی ہے۔

خامساً بعض کتب میں واقع ہے کہ صبح رات کا ساتواں حصہ ہے اب اسکی تفصیل اعلیٰ حضرت یہ بیان کرتے ہیں کہ صبح رات کا کون سا حصہ ہوگا یہ عرض بلد پر منحصر ہے۔

لیکن عام جگہوں کے لئے مندرجہ ذیل مشاہدہ ہے۔ جو نقشہ کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) افق سے کئی نیزے بلندی پر جانب شرق آج جہاں سے آفتاب نکلنے کو ہو اس کی سیدھ میں یعنی دائرہ منطقۃ البروج کی سطح میں کرہ بخار پر رات کی تاریکی میں ایک خفیف سپیدی کا دھبہ پیدا ہوتا ہے جو صبح کاذب کی بنیاد ہے۔

اس کے بعد ہی دونوں پہلو سپید ہو جاتے ہیں اور شمالاً و جنوباً اس کا عرض بہت خفیف ہوتا ہے۔ بعض نے اس وقت کو صبح قرار دیا ہے اور یہی احوط ہے اور بعض نے اسے بھی کاذب میں رکھا ہے اور یہی اوسع ہے۔

(۵)

پھر آناً فاناً جنوباً اور شمالاً پہلوؤں کی سپیدی پھیلنا شروع کرتی ہے اور خفیف دیر میں پھیل جاتی ہے۔

(۶)

یقینی اجماعی صبح صادق ہے یہاں سپیدی والا عمود ہنوز باقی ہے

مگر یہ سچی سپیدی جیسے جیسے جنوب و شمال میں پھیلتی ہے ساتھ ہی نیچے سے اوپر چڑھتی جاتی ہے اور وہ عمود سپید رفتہ رفتہ اس منتشر سپیدی میں گم ہوتے ہوتے فنا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نقشہ ۷، ۸ اور ۹ سے ظاہر ہے

(۷)

(۸)

(۹)

اب یہ سپیدی جس طرح آسمان پر بڑھی زمین کی جانب بھی متوجہ ہوتی ہے اور صحن و بام کو روشن کر دیتی ہے۔ یہ وقت اسفار کا ہے کہ نماز صبح کا مستحب وقت ہے اور اس سے پہلے اندھیرے میں پڑھنی خلاف مستحب

اسی طرح رویت ہلال کے سلسلے میں آپ نے LOGRITHMIE CALCULATION سے زمین کے ایک درجہ کی قدر ۶۹.۵۴۷ میل نکالا اور پھر طویل تشریح کے بعد مسئلہ رویت ہلال کو بالکل صاف اور واضح کر دیا۔

امام احمد رضا کے یہاں ایک نادر چیز جو ملتی ہے وہ ہے وضاحت مسئلہ خواہ کسی موضوع کا ہو۔ روحانی ہو۔ مادیاتی ہو، نفسیاتی ہو، علمی ہو یا مذہبی ہر جگہ مکمل وضاحت نظر آتی ہے اور تحریر میں وضاحت جب آتی ہے کہ تحریر کرنے والے کو موضوع بحث پر عبور حاصل ہو۔ چونکہ یہاں انواع اقسام کے موضوعات ہیں اور ان پر مدلل اور مکمل بحث ہے اس سے مجھے تو کم از کم یہی اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کی صلاحیت کسبی نہیں بلکہ الہامی و وہبی

(باقی صفحہ ۳۰۱ پر)

امام احمد رضا

بحیثیت منطقی و فلسفی

شبیر حسن بستوی صدر مدرس جامعہ عزیز العلوم نانپارہ ضلع بہرائچ

محترم شبیر حسن ضلع بستی یو پی کے متوطن ہیں اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڈھ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عزیز العلوم نانپارہ میں صدر مدرسی کے لئے تشریف لے گئے تقریباً دس سال سے وہیں درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ پیش نظر مضمون ان کی صلاحیت کا آئینہ دار ہے ہم شکریہ کے ساتھ شامل اشاعت کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

یوں تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں دنیائے سنیت کا گوشہ گوشہ ان کے علم و عرفان سے روشن و منور ہے مجھے منطقی و فلسفی حیثیت سے فاضل موصوف علیہ الرحمہ کا اجمالی تعارف کرانا ہے۔ ویسے میری بساط ہی کیا کہ حضور مجدد مائۃ حاضرہ کا تعارف کراؤں اس لئے کہ تعارف و تعریف فرع ہے معرفت کی! تو جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ فاضل موصوف کا منطق و فلسفہ میں کیا مقام ہے تو کما حقہ، تعارف کیسے کوئی کرا سکتا ہے پھر میری ہی بات نہیں بڑے بڑوں نے مجدد مائۃ حاضرہ کے جلالت علمی کا لوہا تسلیم کیا ہے اور یہ بے ساختہ کہہ پڑے ہیں کہ سچ فرمایا فاضل بریلوی نے ؎

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں۔

انہیں جس حیثیت سے بھی دیکھا جائے وہ اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ تصوف کی حیثیت سے ان کی ذات گرامی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو گروہ صوفیا کے امام نظر آتے ہیں۔ مفسر کی حیثیت سے دیکھا جائے تو تفسیر میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ حدیث دانی کی حیثیت سے نظر ڈالئے محدث اعظم نظر آ رہے ہیں۔ فقہی حیثیت سے دیکھئے تو اپنے زمانہ کے امام اعظم نظر آ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ علماء نے فرمایا کہ اگر اعلیٰ حضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ اطہر میں ہوتے تو ان کے صاحبان کرام میں ہوتے۔ نحوی و صرفی حیثیت سے حضرت موصوف گرامی کو دیکھا جائے تو امام النحو والصرف نظر آ رہے ہیں کہ سیبویہ بھی فاضل موصوف کے عہد مبارک میں ہوتا تو موصوف گرامی کی شاگردی کا شرف حاصل کرتا۔ شعر و شاعری کی حیثیت سے دیکھئے تو نعت گوئی میں حسان الوقت نظر آ رہے ہیں۔ اور بڑے بڑے صوفیاء و مناطقہ و فلاسفہ آپ کے اشعار نعت کے مطالب سمجھنے سے قاصر ہیں نیز خوبی یہ کہ سارے علوم آپ کی شاعری میں مضمر ہیں۔ علم ریاضی کی حیثیت سے فاضل موصوف کی ذات گرامی پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اقلیدس بھی محو حیرت بن جائے۔ اور ریاضی کے بہت سے اصول موضوعہ کو باطل فرما دیا۔ اور بہت سے علوم ایسے ہیں جنہیں فاضل موصوف نے سرے سے جنم دیا۔ اور ان علوم میں مرتبۂ ایجاد پر فائز تھے۔ کیوں نہ ہوا ایسا! جبکہ علامہ زمن قطب وقت حضرت والد گرامی مولانا نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا تھا تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو۔ ان علوم کو خود کر لو گے۔ مولیٰ تعالیٰ عزوجل اپنے مقبول و محبوب بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے۔ منطقی و فلسفی حیثیت سے فاضل موصوف کو دیکھا جائے تو امام المنطق والفلسفہ نظر آ رہے ہیں کہ ارسطا طالیس و بو علی ابن سینا وغیرہما مناطقہ آپ کے حلقۂ درس میں آ کر منطق و فلسفہ کا درس سیکھیں۔ غرضیکہ حضرت موصوف گرامی کو جس حیثیت و جہت سے بھی دیکھا جائے وہ اس حیثیت سے امام ہی نظر آ رہے ہیں۔ اسی لئے تو تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں "ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں"

سچ فرمایا فرمانے والوں نے کلام الامام امام الکلام۔ منطق و فلسفہ میں اس درجہ کمال حاصل تھا کہ منطق و فلسفہ ہی سے مناطقہ و فلاسفہ کے اکثر اصول مخترعہ و اصطلاح مزخرفہ کو باطل فرما دیا۔ مناطقہ نے علم کی تعریف

کی ہے۔ الصورۃ الحاصلۃ من الشیٔ عند العقل - اس تعریف کو فاضل موصوف نے رد فرمادیا۔ اور فرمایا کہ ان سفہاء نے اصل و فرع میں فرق نہ کیا۔ اگر علم نہ ہو تو حصول صورت کیونکر ہو مطلب یہ ہوا کہ علم سے حصول معلوم ہوتا ہے نہ کہ حصولِ صورت سے علم۔ اور جب مقسم باطل ہے تو اس جہت سے علم کا انقسام بھی تصور و تصدیق کی طرف باطل ہوگیا نیز مناطقہ جہلا فن منطق میں معرف و حجت سے بحث کرتے ہیں چونکہ ان کے وہاں معرف و حجت منطق کا موضوع ہے اور معرف کی چار قسمیں بتاتے ہیں حد تام[1] حد ناقص[2] رسم تام[3] رسم ناقص[4] قطع نظر ان اعتراضات سے کہ حد تام وغیرہ کی تعریفیں دوری ہیں۔ ذاتیات و عرضیات کی تمیز بہت مشکل ہے تحصیلِ حاصل لازم آتا ہے اور آج تک مناطقہ حد تام کی مثال حیوان ناطق کے سوا کوئی دوسری مثال نہ پیش کر سکے بلکہ گڑھ نہ سکے اور انسان کی یوں تعریف کی ہو حیوانٌ ناطق۔ انسان کی تعریف ملائکہ پر بھی صادق آتی ہے یہ کیا ضروری ہے کہ حیوان جنس قریب اور ناطق فصل قریب ہو ہو سکتا ہے کہ اس سے قریب تر کوئی دوسری جنس ہو وغیرہا وغیرہ اعتراض کو نظر انداز فرماتے ہوئے فاضل موصوف فرماتے ہیں کہ ان سفہاء نے جو انسان کی تعریف حیوان ناطق سے کیا وہ بھی غلط کیا انسان پر حیوان ناطق کسی طرح صادق نہیں آتا۔ اس لئے کہ حیوان کی تعریف جسم نامی حساس متحرک بالارادہ سے کی اور ناطق کے معنی گڑھے مدرکِ کلیات و جزئیات و مستنبطِ نتائج جو اصلاً زبان عرب کے مساعد نہیں۔ ان مناطقہ سفہاء نے تو آوازوں پر حدود کا مدار رکھا گھوڑا حیوان صاہل گدھا حیوان ناہق انسان حیوان ناطق کلام کرنے والا پھر مزید دوسرے معنی گڑھے مدرک کلیات و جزئیات۔ خیر یوں ہی سہی اب سوال یہ ہے کہ انسان نام بدن کا ہے یا نفس ناطقہ کا۔ اگر انسان بدن کو کہا جائے تو بدن میں قوت ادراک نہیں۔ اس لئے کہ ادراک و استنباط نتائج کارِ نفس ہے نہ کارِ بدن۔ اور اگر انسان نفسِ ناطقہ کو کہا جائے تو نفس حیوان نہیں اس لئے کہ نفس ناطقہ جسم نہیں اور نامی بھی نہیں بلکہ ان کے یہاں متحرک بھی نہیں ہے اور اگر دونوں کے مجموعہ کو انسان کہا جائے تو بقول مناطقہ نتیجہ ارذل کے تابع ہوتا ہے حیوان و لاحیوان کا مجموعہ لاحیوان ہوگا اور ناطق ولا ناطق کا مجموعہ لا ناطق ہوگا غرضیکہ انسان کی تعریف انسان پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ اس تعریف کو غلط ثابت کرنے کے بعد حضرت موصوف گرامی فرماتے ہیں کہ انسان نام روح متعلق بالبدن کا ہے اور روح کی معرفت بغیر معرفت رب حاصل ہو نہیں سکتی۔ اسی لئے اولیائے کرام فرماتے ہیں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا یعنی معرفت نفس اسی وقت حاصل ہوگی جب پہلے معرفت رب ہولے بعض جہلاء زنادقہ اسے اس پر محمول کرتے ہیں کہ نفس ہی رب ہے اور یہ کفر خالص ہے قل الروح من امر ربی نہ کہ معاذ اللہ ربی اور جو اپنی حقیقت سے جاہل ہو اور وہ دوسرے کی حقیقت کیا بتا سکتا ہے جو اپنے آپ کو نہ جان سکے دوسرے کو کیا جان سکتا ہے ؎

تنت زندہ بجاں جان نہانی
تو از جاں زندہ و جاں را ندانی

اور علم کی تعریف موصوف گرامی نے اس طرح کی ہے کہ علم وہ نور ہے کہ جو شے اس کے دائرہ میں آگئی منکشف ہوگئی۔ اور جس سے متعلق ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی۔ جب فلاسفہ و مناطقہ اپنے علم کو نہ پہچان سکے علم الٰہی کو کیا جانیں گے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ ذہن و صورت و ارتسام نور عرضی سب سے پاک و منزہ ہے اس کا علم حضور معلوم کا محتاج نہیں اس کا علم حضوری و حصولی دونوں سے پاک و منزہ ہے۔ اس کا علم اس کی صفات قدیمہ قائمہ بالذات و لازمہٗ نفس ذات ہے۔ اور کم و کیف سے منزہ ہے۔ وہاں چوں و چرا و چگوں کا دخل نہیں تو مناطقہ کا علم حق سبحانہٗ و تعالیٰ میں کلام کرنا کیسا جہل تام ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد ہوا تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ فتہلکوا۔ اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو ورنہ گمراہ و ہلاک ہو جاؤ گے۔ علم باری میں فکر کرنا اس کی ذات میں فکر کرنا ہے۔ اس لئے کہ اس کی صفات کو ذات سے کسی موطن میں بھی جدائی ممکن نہیں۔ فاضل موصوف مناطقہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حیوانات بھی ناطق ہیں بلکہ ہر شے ناطق ہے۔ شجر و حجر دیوار و در سب ناطق ہیں نص ہے۔

انطقنا اللہ الذی انطق کل شیٔ

موصوف گرامی کو ہر علم میں انتہائی کمال حاصل تھا منطق کی مشہور کتاب ملا جلال میر زاہد کا حاشیہ عربی میں تحریر فرمایا حاشیہ شمس بازغہ عربی میں تحریر فرمایا اصول طبعی کا حاشیہ اردو میں لکھا اور بہت سی کتابوں کے حواشی و شروح موصوف گرامی نے لکھے ہیں۔ کل آپ کی تصنیفات ایک ہزار سے بھی زائد ہیں جیسا کہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ نے حیات اعلیٰ حضرت میں تحریر فرمایا ہے۔ تقریباً پچاس علوم و فنون میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور آپ کے حواشی و شروح اوروں کے حواشی و شروح کی طرح نہیں کہ متون و شروح سے ماخوذ ہیں بلکہ خود آپ کے افادات و افاضات ہیں اور جودت و طبع کے جوہر بے بہا ہیں۔

اور جہلاء فلاسفہ اپنے آپ کو فلسفی کہلانے والے حالانکہ فلسفہ جس کا نام ہے ان سفہاء کو فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں اسی لئے میں نے عرض کیا ہے کہ اگر یہ موصوف گرامی کے دور مبارک میں ہوتے تو موصوف گرامی سے منطق و فلسفہ سیکھتے فلاسفہ نے اپنے مزعومات باطلہ پر ایسے کمزور دلائل پیش کئے ہیں جو ہر ذی فہم پر روشن ہے کہ فلسفہ جدیدہ کو اصلاً عقل سے ربط و تعلق نہیں موصوف گرامی نے فلسفۂ جدیدہ کے رد میں "فوز مبین در رد حرکت زمین" نامی کتاب مستطاب تحریر فرمائی جس میں ایک سو پانچ[105] دلائل سے حرکت زمین باطل کی اور سارے مزعومات فلسفۂ جدیدہ کو غلط ثابت فرمادیا اور وہ روشن رد فرمائے کہ جن کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف پر آفتاب سے زیادہ روشن ہوجائے گا کہ یقیناً فلسفہ کو عقل سے مس نہیں اور فلسفۂ قدیمہ کے وہ دلائل جو حرکت زمین کے رد میں تھے۔ ان دلائل کا بھی ابطال فرمایا اور فرمادیا کہ فلسفۂ جدیدہ کی طرح فلسفۂ قدیمہ بھی بازیچۂ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ فلسفۂ قدیمہ کے رد میں الکلمة الملهمه نامی کتاب مستطاب تصنیف فرمائی جس میں فلسفۂ قدیمہ کے بھی ایک ایک مزعومات باطلہ کا ابطال فرمایا فلسفۂ قدیمہ کا پہلا مسئلہ جزء لایتجزی کا ابطال ہے اور جزء لایتجزی پر فلاسفہ کے اکثر مزعومات مبنی ہیں۔ جزء لایتجزی کے ابطال سے فلاسفہ کی منشاء یہ ہے کہ جسم کی ہیولیٰ وصورت سے ترکیب ثابت کریں اور پھر اسی سے عالم کی قدامت ثابت کریں۔ اہل سنت وجماعت کے نزدیک ذات وصفات باری تعالیٰ کے سوا کوئی شئے قدیم نہیں۔ قدامت ذات باری تعالیٰ کو زیبا ہے کائنات عالم کا ایک ایک فرد حادث مخرج من العدم ہے جزء لایتجزی بفاضل موصوف کے نزدیک باطل نہیں موصوف گرامی الکلمة الملهمه کے اکتیسویں[31] مقام کے موقف اول میں فرماتے ہیں "ہمارے نزدیک جزء لایتجزی باطل نہیں"۔ موصوف گرامی نے فلاسفہ کے دلائل ابطال کا ابطال فرمایا اور جزء لایتجزی کا امکان بلکہ اثبات فرمایا۔
متکلمین نے جزء لایتجزی کے امکان پر جو دلائل قائم کئے ہیں اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک تام نہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کو شرح مقاصد کے اندر قوی بتایا جزء لایتجزی کا اثبات قران مقدس سے فرماتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ومزقناهم کل ممزق تمزیق پارہ پارہ کرنا۔ ہم نے ان کی کوئی تمزیق باقی نہ رکھی سب بالفعل کردیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں تمزیق موجود مراد نہیں ہوسکتی کہ تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ لاجرم تمزیق ممکن مراد یعنی جہاں تک تجزیہ کا امکان تھا سب بالفعل کردیا تو ضروری تجزیہ ان اجزاء پر منتہی ہوا جن کے آگے تجزیہ ممکن نہیں ورنہ کل ممزق نہ ہوتا کہ ابھی تمزیقیں باقی تھیں اور وہ اجزاء جن کا تجزیہ ناممکن ہو وہ نہیں مگر اجزاء لایتجزیٰ تو اس تقدیر پر حاصل یہ ہوا کہ اجسام کے تمام اتصالات حسیہ کے ہر حصے اور ہر ہر حصے کے حصے باطل فرماکر ان کے اجزاء لایتجزی دور دور بکھیر دئے کہ اب کسی جزء کو دوسرے جزء سے اتصال حسی بھی نہ رہا۔ موصوف گرامی قرآن کریم سے استدلال کے بعد فلاسفہ کے ایک ایک دلائل کا ابطال فرماتے ہیں اور ثابت فرمادیا کہ جزء لایتجزی باطل نہیں اور فلاسفہ کی ساری دلیلیں اتصال جزئین کو باطل کرتی ہیں۔ نفس جزء کا بطلان کسی دلیل سے بھی نہیں ہوتا۔ فلاسفہ ترجیح بلا مرجح مطلقاً باطل مانتے ہیں۔ موصوف گرامی فرماتے ہیں کہ ترجیح بلا مرجح کا بطلان مطلقاً باطل نہیں۔ مصدر اگر صراحت مصدر یہ پر ہو یا مبنی الفاعل ہو تو ہرگز محال نہیں بداہتہً واقع ہے ہاں مبنی للمفعول ہو تو محال کہ وہی ترجح بلا مرجح ہے اس کی مثال بیان فرمائی ہے کہ عقل انسانی میں آدمی اپنے ارادے کو دیکھ رہا ہے کہ دو متساویوں میں بے کسی مرجح کے آپ تخصیص کرلیتا ہے دو جام یکساں ایک صورت ایک نظافت کے دونوں میں ایک سا پانی بھرا ہو اس سے ایک قرب پر رکھے ہوں یہ پینا چاہے اس میں سے جسے چاہے اٹھائے گا۔ ایک مطلوب تک دو راستے بالکل برابر ویکساں ہوں جسے چاہے چلے گا۔ ایک سے دو کپڑے ہوں جسے چاہے گا پہنے گا۔ فلاسفہ کا اصول ہے الواحد لایصدر عنه الا الواحد یعنی جو واحد محض ہو اس سے ایک ہی شئے کا صدور ہوسکتا ہے۔ اور حق سبحانہٗ تعالیٰ ایسا ہی واحد ہے لہٰذا اس نے صرف عقل اول کو بنایا "نعوذ باللہ من مداہ العقائد" فلاسفہ دس عقلیں اور نو افلاک کے قائل ہیں۔ حضرت موصوف گرامی اس قضیہ نامرضیہ پر بہت سے سوالات قاہرہ قائم فرمائے ہیں کسی ایک کا جواب فلاسفہ سے نہیں بن سکے گا۔ اور آخر میں فرمایا یہ قاعدہ الواحد لایصدر عنه الا الواحد خود ہی باطل مردود ہے اور محل تنافیین ہے۔ اس لئے موثر من حیث ہو موثر کا واحد محض ہونا محال! اور تم نے اس کو ایسا ہی فرض کیا کہ وصف عنوانی کے حکم ضمنی میں نقیضین کو جمع کرلیا۔ یعنی وہ واحد محض کہ ہرگز واحد محض نہیں اس لئے ایک ہی شئے صادر ہوگی ایسا جامع نقیضین خود ہی محال ہے نہ کہ اس سے کسی شئے کے صدور وعدم صدور کی بحث۔ نہ کہ اس سے صدور واحد کی تجویز! تو استثنا کا حکم صریح بھی باطل۔ یہ ہے ماہرین فلاسفہ کا تفلسف کہ ان کے بوعلی سینا سے لے کر ملا محمود جونپوری تک اسی قسم کے ابطالات کی پیروی کرنے آئے اور اب تک اس کے سوا انہیں کچھ نہ مل سکا۔

حضرت موصوف گرامی کو ہر علم میں انتہائی کمال حاصل تھا۔ منطق کی مشہور کتاب ملا جلال میر زاہد کا حاشیہ عربی میں تحریر فرمایا۔ حاشیۂ شمس بازغہ عربی میں تحریر فرمایا۔ اصول طبیعی کا حاشیہ اردو میں لکھا۔ اور بہت سی کتابوں کے حواشی و شرح موصوف گرامی نے تحریر فرمائے ہیں۔

کل آپ کی تصنیفات ایک ہزار سے بھی زائد ہیں۔ جیسا کہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ نے حیات اعلیٰ حضرت میں تحریر فرمایا تقریباً ۵۰ علوم و فنون میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور آپ کے حواشی و شرح اوروں کے حواشی و شرح کی طرح نہیں کہ متون و شرح سے ماخوذ ہیں۔ بلکہ خود آپ کے افادات و اضافات اور جودت طبع کے جوہر بے بہا ہیں۔ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں۔

بقیہ :۔ جدید سائنس کی روشنی میں

تھی کیونکہ کسب کے ذریعہ اتنے علوم پر عبور حاصل کر لینا عام ذہن کا کام تو ہو نہیں سکتا بلکہ انتہائی ذہن رسا کے بھی بس سے باہر ہی ہے۔ اس لئے اس تبحر کو وہبی، حدسی اور فراست ایمانی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ بہر کیف اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کو جس طرح بھی نوازا ہو، ہمارے لئے ہی نہیں بلکہ پوری انسانی عالمی برادری کے لئے آپ کی شخصیت اور علمی استعداد قابل فخر رہے گی۔

آپ کی تصانیف جہاں غیروں کی حق طلبی کے لئے دعوت غور و فکر ہیں وہاں ہم میں سے ان کے منہ کے لئے زور دار طمانچے بھی ہیں جنھوں نے اسلام جیسے واضح، ٹھوس اور سلجھے ہوئے مذہب میں غیروں کے دام اطماع کے زیر اثر پیچیدگیاں پھیلانا اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلام حنفی المذہب کے کٹر مخالف بھی جب آپ کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو انگشت بہ دنداں رہ جاتے ہیں کہ اب دین محمدی (علیٰ صاحبہا التحیہ والثناء) پر کس رخ سے حملہ کیا جائے۔ حالانکہ ان پر روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہے کہ دین محمدی (علیٰ صاحبہا التحیہ والثناء) سارے مذاہب عالم کے لئے اپنی مستحکمی اور پائیداری کی بنا پر چیلنج کا دعویٰ رکھتا ہے۔ یہ دین کسی بھی لچک کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا ●●

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اُٹھ مرے دھوم مچانے والے

امام احمد رضا کی روحِ پُر فتوح کو

انتہائی عقیدتوں کا نذرانہ

مدرسۂ غوثیہ

رابوڑی، تھانہ (مہاراشٹر)

عقیدت کیش

خورشید اللہ خان

سنّی سرکل، نئی بستی

پہلی رابوڑی، ضلع تھانہ، مہاراشٹر

تیری شانِ عالمانہ نے یہ ثابت کر دیا
تجھ کو زیبا ہے امامت سیّدی احمد رضا

تالیفات

(۱)

امام احمد رضا کی تصنیفات

(۲)

امام احمد رضا پر کتابیں

امام احمد رضا کی

تصنیفات

ماخوذ

میدانِ تصنیف و تالیف میں امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان کا دوسرے مصنّفین و مولفین سے موازنہ کرنے پر یہ بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ نہ صرف ان کے دور میں بلکہ ان سے پہلے کے ادوار میں بھی تحقیق و تدقیق، تبحر علمی اور کثرت تصانیف کے لحاظ سے امام موصوف بلاشبہ نادرِ روزگار بزرگ تھے اور جامعیت علوم میں تو کوئی بھی عالم آپ کا مدمقابل نہ ٹھہرے گا۔

آپ کے محبوب شاگرد اور خلیفہ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے آپکی ۱۳۲۷ھ تک کی تصانیف کی فہرست کو ایک کتاب کی صورت میں ترتیب دیکر شائع کرایا ہے جس کا نام المجمل المعدد لتالیفات المجدد ہے۔ اس کتاب میں آپنے تین سو پچاس کتابوں کو شمار کرایا ہے۔ جس میں سن تصنیف، زبان، مسودہ، مبیضہ یا مطبوعہ کی کیفیت اور مضامین کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ایک اندازہ کے مطابق فاضل بریلوی نے ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ حضرت ملک العلماء نے باوجودیکہ اپنی تصنیف میں ساڑھے تین سو کتابوں کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن امام احمد رضا کی تصنیفات کے ایک عظیم ذخیرہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انھوں نے اپنے تئیں جملہ تصانیف کا تذکرہ کر ڈالا تھا مگر بعد میں انھیں ۹۶ رسائل و کتب ملے۔ اور انھوں نے تصریح فرمادی کہ یہ فہرست ۱۳۲۷ھ تک کی بھی مکمل نہیں ہے بلکہ اس وقت جن کتابوں کے نام معلوم ہوسکے درج کردیے گئے وہ خود فرماتے ہیں۔

"میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقراء میں میرے پیشِ نظر ہیں۔ فضلِ خدا سے امید واثق کہ اگر تفحص تام اور تمام قدیم و جدید لسٹوں پر نظر کی جائے تو کم و بیش پچاس رسالے اور نکلیں کہ پہلی بار اوائل صفر میں یہ فقیر اپنے زعم میں تمام تصانیف کی فہرست تمام کرچکا تھا پھر دوبارہ قدیم بستے اور فتوی کی جلدیں دیکھنے سے چھیانوے رسالے اور نکلے جن میں بعض مطبوعات تھے کہ باوصف طبع مجھے یاد نہ آئے اور باقی سب مبیضہ پاتے۔" (المجمل المعدد لتالیفات المجدد ص۴)

علاوہ ازیں امام احمد رضا ۱۳۲۷ھ کے بعد لگ بھگ ۱۳ سال تک باحیات رہے اور آپ کی زندگی کے آخری دور کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دور آپ کی تصنیف و تالیف کا مصروف ترین دور تھا۔ ہمہ وقت تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ رہتے۔ مصروفیت کا عالم یہ تھا کہ ایک ایک دن میں کئی کئی سو سوالات پیش ہوتے جن کے جوابات پورے اہتمام سے بھجوائے جاتے اور ایک ایک دو دو دن میں پورا رسالہ قلم بند کردیا جاتا۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جس کی ابتداء اتنی شاندار تھی اس کی انتہا کا کیا عالم ہوگا۔

آئندہ صفحات میں ہم امام احمد رضا کی تصنیفات کی فہرست دے رہے ہیں جسے ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے ترتیب دیا تھا۔ ان میں بہت سی وہ کتابیں جن کے سامنے غیر مطبوعہ لکھا ہے وہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں مگر انھیں ہم نے بجنسہ رہنے دیا ہے ہاں ترتیب میں تغیر و تبدل ہوا ہے۔ نیز اس مضمون کو ترتیب دینے میں سوانح اعلیٰ حضرت مولفہ مولانا بدرالدین احمد قادری صاحب کا بھی سہارا لیا گیا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب مفتی مرکزی دارالافتاء سوداگران بریلی شریف نے بھی تعاون فرمایا ہے۔ اس طرح ہم نے کل ۵۴۸ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جس کی تفصیل باعتبار فن درج ہے۔ ابھی بھی فاضل بریلوی کی تصنیفات کی فہرست نامکمل ہے۔ انشاءاللہ بہت جلد تصنیفات و تالیفات کی فہرست کی طرف آل انڈیا سنی لیگ کی مرکزی مجلس رضا توجہ دیگی اور اس کام کے لئے کسی باصلاحیت شخص کا انتخاب کریگی۔ جو کچھ ہو سکا حاضر ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔ (ایڈیٹر)

تفسیر

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۱	۱۳۰۰	الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی	عربی	مبیضہ	آیۂ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم کی تفسیر اور صدیق اکبر کی تفضیل
۲	۱۳۰۶	نائل الراح فی فرق الریح والریاح	فارسی	"	اطلاق ریح ورِیاح کا فرق
۳	۱۳۰۹	الزلال الحکم فی معانی میعاد استجب لکم	"	"	اجابت دعا کے کیا کیا معنی ہیں اثر ظاہر نہ ہونا دیکھ کر بیدل ہونا حماقت ہے۔
۴	۱۳۱۵	الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام	اردو	"	ڈاکٹروں کا ادعا اور پادریوں کا رد
۵	"	النفحۃ الفائحۃ من مسک سورۃ الفاتحۃ	"	مسودہ	سورہ فاتحہ سے فضائل حضور ورد وہابیہ
۶		حاشیہ تفسیر بیضاوی شریف	عربی		
۷		حاشیہ عنایت القاضی	"		
۸		حاشیہ معالم التنزیل	"		
۹		حاشیۃ الاتقان فی علوم القرآن	"		
۱۰		حاشیہ الدر المنثور	"		
۱۱		حاشیہ تفسیر خازن	"		

حدیث و اصول حدیث

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۱۲	۱۲۹۶	النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب	عربی	مسودہ	فضائل علم میں رسالہ والد ماجد کے احادیث کی تخریج
۱۳	۱۲۹۶ تا ۱۲۹۹	الروض البہیج فی آداب التخریج	"	"	حدیث کی تخریج میں عالم کو کس کس بات کا لحاظ درکار ہے
۱۴	۱۳۰۵	البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص	"	"	حدیث خصائص اقدس کے طرق و الفاظ کی جمع حاوی
۱۵	۱۳۰۵	اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین	عربی اردو	مبیضہ	شفاعت اقدس میں چہل حدیث
۱۶	"	تلالؤ الافلاک بجلال حدیث لولاک	"	مسودہ	حدیث لولاک کا ثبوت
۱۷	۱۳۰۶	ذیل المدعی لاحسن الوعا	اردو	مطبع اہلسنت	دعا کے آداب و اوقات و مکانات و اسباب اجابت کے بیان میں رسالہ حضرت والد ماجد کا ذیل
۱۸	۱۳۰۹	انباء الحذاق بمسلک النفاق	اردو	مسودہ	نفاق اعتقادی و عملی کا فرق اور اس کے بارے میں احادیث کثیرہ کا جمع کرنا
۱۹	۱۳۱۰	اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد	"	مبیضہ	کن کن عمل کے سبب حقوق العباد سے نجات مل سکتی ہے
۲۰	۱۳۱۱	الہدایۃ المبارکۃ فی خلق الملائکۃ	"	"	ملائکہ کی پیدائش وموت کا بیان
۲۱	۱۳۱۳	الہاد الکاف فی حکم الضعاف	"	مطبع بمبئی	حدیث ضعیف پر عمل کے احکام
۲۲	"	مدارج طبقات الحدیث	عربی	مبیضہ	کتب حدیث کا تفرقہ، مراتب
۲۳	"	الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ	عربی اردو	مسودہ	مناقب امیر معاویہ کی حدیثیں
۲۴	۱۳۲۳	الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البہیۃ	عربی	مطبوع	علمائے مکہ کو حدیث کا اجازت نامہ کہ مصنف نے دیا
۲۵		فصل القضاء فی رسم الافتاء	عربی		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۲۶		حاشیۃ الکشف عن تجاوز ہا الامۃ عن الالف	عربی		
۲۷		حاشیہ صحیح بخاری شریف	"		
۲۸		حاشیہ صحیح مسلم شریف	"		
۲۹		حاشیہ ترمذی شریف	"		
۳۰		حاشیہ نسائی شریف	"		
۳۱		حاشیہ ابن ماجہ شریف	"		
۳۲		حاشیہ تیسیر شرح جامع صغیر	"		
۳۳		حاشیہ تقریب	"		
۳۴		حاشیہ مسند امام اعظم	"		
۳۵		حاشیہ کتاب الحج	"		
۳۶		حاشیہ کتاب الآثار	"		
۳۷		حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل	"		
۳۸		حاشیہ طحاوی شریف	"		
۳۹		حاشیہ سنن دارمی شریف	"		
۴۰		حاشیہ خصائص کبریٰ	"		
۴۱		حاشیہ کنز العمال	"		
۴۲		حاشیہ ترغیب و ترہیب	"		
۴۳		حاشیہ کتاب الاسماء والصفات	"		
۴۴		حاشیہ القول البدیع	"		
۴۵		حاشیہ نیل الاوطار	"		
۴۶		حاشیہ المقاصد الحسنۃ	"		
۴۷		حاشیہ اللآلی المصنوعۃ	"		
۴۸		حاشیہ موضوعات کبیر	"		
۴۹		حاشیہ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ	"		
۵۰		حاشیہ تذکرۃ الحفاظ	"		
۵۱		حاشیہ عمدۃ القاری	"		
۵۲		حاشیہ فتح الباری	"		
۵۳		حاشیہ ارشاد الساری	"		
۵۴		حاشیہ نصب الرایۃ	"		
۵۵		حاشیہ جمع الوسائل فی شرح الشمائل	"		
۵۶		حاشیہ فیض القدیر شرح جامع صغیر	"		
۵۷		حاشیہ مرقاۃ المفاتیح	"		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۵۸		حاشیہ اشعۃ اللمعات	عربی		
۵۹		حاشیہ مجمع بحار الانوار	〃		
۶۰		حاشیہ فتح المغیث	〃		
۶۱		حاشیہ میزان الاعتدال	〃		
۶۲		حاشیہ العلل المتناہیہ	〃		
۶۳		حاشیہ تہذیب التہذیب	〃		
۶۴		حاشیہ خلاصہ تہذیب الکمال	〃		

عقائد و کلام

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۶۵	۱۲۸۵	صنوء النہایۃ فی اعلام الحمد والہدایۃ	عربی	مبیضہ	حمد و ہدایت کی تعریف
۶۶	۱۲۹۰	السعی المشکور فی ابداء الحق المہجور	〃	مسودہ	مسئلہ صفات باری تعالیٰ و تحقیق مذاہب اہل سنت
۶۷	۱۲۹۴	معیبر الطالب فی شیون ابی طالب	اردو	مبیضہ	شرح المطالب میں شامل کر دیا گیا
۶۸	۱۲۹۷	مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین	〃	مسودہ	تفضیل شیخین میں کمال بسوط کتاب
۶۹	۱۲۹۸	اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والاصحاب	〃	مبیضہ	اللہ و رسول، اصحاب و آل کے باب میں اہلسنت کے اعتقاد
۷۰	۱۳۰۰	البشریٰ العاجلہ من تحف آجلہ	عربی	مسودہ	تفضیلیہ و مفسقان امیر معاویہ کا رد
۷۱	۱۳۰۴	مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید	اردو	مبیضہ	کتاب المنطق الجدید کا خلاف عقائد ہونا
۷۲	۱۳۰۵	تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین	〃	مطبوعہ	سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب انبیاء سے افضل ہونے کا بیان
۷۳	〃	حیات الموات فی بیان سماع الاموات	〃	〃	اموات کے دیکھنے اور سننے کا بیان
۷۴	۱۳۱۲	الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ	〃	〃	ستر وجہ سے امام وہابیہ پر فقہاء کے نزدیک لزوم کفر
۷۵	۱۳۱۲	عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوک الاسلام	〃	مسودہ	مسئلہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
۷۶	〃	ذب الاہواء الواہیہ فی باب الامیر معاویہ	〃	ناتمام	امیر معاویہ پر سے مطاعن کا دفع
۷۷	〃	فتاویٰ القدوہ لکشف دفین الندوہ	〃	مطبوعہ	رد عقائد ندوہ
۷۸	۱۳۱۷	فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین	〃	〃	رد ندوہ میں حرمین شریفین کے فتوے
۷۹	۱۳۱۸	قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار	〃	مبیضہ	وہابیہ کے اس خیال کا رد کہ خدا عرش پر بیٹھا ہے
۸۰	۱۳۱۹	المقال الباہر ان منکر الفقہ کافر	〃	〃	فقہ کا منکر کافر ہے
۸۱	۱۳۲۰	المعتقد المستند بناء نجاۃ الابد	عربی	مطبوعہ	عقائد اہل سنت کا بیان اور طوائف حادثہ باطلہ کا رد
۸۲	۱۳۲۰	السوء والعقاب علی المسیح الکذاب	اردو	〃	قادیانی کی تکفیر
۸۳	〃	رد الرفضہ	〃	〃	روافض زمانہ سنی کے وارث نہیں اور نہ ان سے نکاح
۸۴	۱۳۲۲	دفعۃ الباس علی جاحد الفاتحۃ والفلق والناس	〃	مبیضہ و مطبوعہ	جو سورہ فاتحہ یا معوذتین کی قرآنیت کا منکر ہے کافر ہے
۸۵	۱۳۲۳	قہر الدیان علی مرتد بقادیان	〃	مطبوعہ	رد خباثات قادیانی
۸۶	۱۳۲۴	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	عربی	〃	علماء وہابیہ کے بارے میں حرمین شریفین کے فتوے
۸۷	۱۳۲۵	مبین احکام وتصدیقات اعلام	اردو	〃	ترجمہ حسام الحرمین

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۸۹	۱۳۲۵	الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ	عربی	مسودہ	الدولۃ المکیہ کا حاشیہ
۹۰	۱۳۲۶	تمہید ایمان بآیات قرآن	اردو	مطبوعہ	شان رسالت میں ادنیٰ گستاخی کفر ہے
۹۱	"	دامان باغ سبحن السبوح	"	"	امکان کذب میں خیالات وہابیہ کا رد
۹۲	"	المبین ختم النبیین	"	مسودہ	خاتم النبیین میں لام کی تحقیق
۹۳	۱۳۲۷	مقال عرفا باعزاز شرع و علماء	"	زیر طبع	جو طریقت و شریعت میں تفریق کرے بد دین ہے اور اہل طریقت علم و علماء کے محتاج ہیں۔
۹۴	۱۳۱۲	لمعۃ الشمعۃ لہدی شیعۃ الشنعۃ	"	مسودہ	تفضیلیہ و تفسیقیہ کے متعلق سات سوالوں کا جواب
۹۵	۱۳۰۵	الجرح الوالج فی بطن الخوارج	"	مبیضہ	تفضیلیہ و مفسقہ کا بیان
۹۶	۱۳۰۴	الصمصام الحیدری علی حمق العیار المفتری	"	مبیضہ	تفضیلیہ و مفسقہ کا بیان
۹۷	۱۳۲۴	بیبن الہدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ	"	مطبوعہ	مثل مصطفےٰ محال ہے
۹۸	۱۳۱۵	الصارم الربانی علی اسراف القادیان	"	مطبوعہ	عقائد قادیان کا رد
۹۹	۱۳۲۳	ظفر الدین الجید ملقب بہ بطش غیب	"	"	مسئلہ غیب میں سوالات
۱۰۰		العقائد والکلام	اردو		
۱۰۱		الفرق الوجیز بین النبی العزیز والوہابی الرجیز	"		
۱۰۲		دوام العیش فی الائمۃ من قریش	"		
۱۰۳		حاشیہ شرح فقہ اکبر	عربی		
۱۰۴		حاشیہ خیالی علی شرح العقائد	"		
۱۰۵		حاشیہ شرح عقائد عضدیہ	"		
۱۰۶		حاشیہ شرح مواقف	"		
			"		
۱۰۷		حاشیہ شرح مقاصد	"		
۱۰۸		حاشیہ مسامرہ و مسایرہ	"		
۱۰۹		حاشیہ التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ	"		
۱۱۰		حاشیہ الیواقیت والجواہر	"		
۱۱۱		حاشیہ مفتاح السعادۃ	"		
۱۱۲		حاشیہ تحفۃ الاخوان	"		
۱۱۳		حاشیہ الصواعق المحرقۃ	"		
۱۱۴	۱۲۹۲	تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال	اردو	مطبوعہ	چھ خاتم النبیین والوں کا رد
۱۱۵	"	جوابہائے ترکی بہ ترکی		"	"
۱۱۶	۱۳۰۰	الرائحۃ العنبریہ عن المجمرۃ الحیدریۃ	"	"	مسئلہ تفضیل و تفضیل من جمیع الوجوہ کا بیان
۱۱۷	۱۳۰۷	اخباریہ کی خبرگیری	"	"	مسئلہ امکان کذب باری کا بیان
۱۱۸	۱۳۲۶	چابک لیث بر اہل حدیث	"	"	جناب خدا و رسول میں عقائد وہابیہ کا رد

فقہ و اصول فقہ، لغت فقہ، فرائض، تجوید

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۱۱۹	۱۲۹۵	نقاء النیرہ فی شرح الجوہرہ ملقب بہ النیرہ	اردو	مطبوعہ	مسائل حج و زیارت کا بیان بہ رسالہ بار اوّل کے حج میں مکہ میں ایک دن میں تالیف کیا۔
۱۲۰	۱۲۹۸	احکام الاحکام فی التناول من ید من مالہ حرام	"	مبیضہ	مال حرام والے کے ساتھ معاملات اوران کے نفقات
۱۲۱	"	انفس البقر فی قربان البقر	"	"	ہندوستان میں گائے کی قربانی بیان
۱۲۲	"	الامر باحترام المقابر	"	مطبوعہ	اہلاک الوہابین میں شامل کر دیا گیا
۱۲۳	۱۲۹۹	اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامہ	"	مبیضہ	مسئلہ قیام و محلس میلاد مبارک
۱۲۴	"	حسن البراعہ فی تنفیذ حکم الجماعۃ	عربی	مسودہ	جماعۃ اولی اور مسجد واجب ہے
۱۲۵	"	النعیم المقیم فی فرحۃ مولد النبی الکریم	اردو	مطبوعہ	اشافقۃ الکلام میں شامل کر دیا گیا
۱۲۶	۱۳۰۰	بذل الصفاء لعبد المصطفٰے	"	مبیضہ	عبد النبی، نبی بخش ناموں کا جواز
۱۲۷	۱۳۰۱	منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین	"	مطبوعہ	اذان میں نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا
۱۲۸	"	القالۃ المسفرہ عن احکام البدعۃ المکفرہ	عربی	مسودہ	جو بدعت کفری رکھتا ہو تمام احکام میں مثل مرتد ہے
۱۲۹	"	الجمل المددان ساب المصطفٰے مرتد	عربی اردو	مبیضہ	حضور کی شان میں ادنیٰ گستاخی ارتداد ہے
۱۳۰	۱۳۰۲	اجود القری لمن یطلب الصحۃ فی اجارۃ القریٰ	اردو	"	دیہات کا رائج ٹھیکہ حرام ہے اور جواز کی یہ صورت ہے
۱۳۱	"	نسیم الصبا رفی ان الاذان یحول الوبار	"	مسودہ	دفع وبا کو اذان
۱۳۲	۱۳۰۳	الاعلی من السکر لطلبۃ سکر روسر	"	مطبوعہ	شکر روسر وغیرہ صدہا جزئیات کا قانون
۱۳۳	"	جمال الاجمال لتوقیت حکم الصلوۃ فی النعال	عربی	مسودہ	نیا جوتا پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے
۱۳۴	"	منزع المرام فی التداوی بالحرام	"	ناتمام	حرام چیز بطور دوا استعمال نہیں ہوسکتی۔
۱۳۵	۱۳۰۴	معدل الزال فی اثبات الہلال	اردو	مبیضہ	انجمن اسلامیہ بریلی کو اثبات ہلال میں غلط فہمی
۱۳۶	"	طوالع النور فی حکم السرج علی القبور	"	ناتمام	قبروں پر چراغ جلانا کیسا ہے۔
۱۳۷	"	البارقۃ اللمعا علی سامد نطق بالکفر طوعا	عربی	مسودہ	جو قصداً کلمۂ کفر کہے کافر ہے۔
۱۳۸	"	جل مجبیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیہ	"	"	مکروہ تنزیہی جائز ہے گناہ کہنا خطاء
۱۳۹	"	انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللّٰہ	اردو	"	یا رسول اللّٰہ یا علی کہنے کا جواز
۱۴۰	۱۳۰۵	انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار	"	مطبوعہ	نماز غوثیہ کا ثبوت
۱۴۱	"	البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل	"	مبیضہ	زوجہ بعد وطی مہر معجل لینے کے لئے اپنے نفس کو روک سکتی ہے
۱۴۲	"	النہی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید	"	"	غیر مقلدوں کے پیچھے نماز ناجائز ہے
۱۴۳	"	صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین	عربی	"	حرمین میں مجاور رہنکر رہنا کیسا ہے
۱۴۴	"	ازکی الاہلال بابطال ما احدث الناس فی امر الہلال	اردو	مطبوعہ	چاند کی خبر میں تار اور خط کا اعتبار نہیں
۱۵۵	"	باب غلام مصطفٰے	"	مبیضہ	شامل رسالہ بذل الصفا کیا گیا
۱۴۶	"	التحبیر بباب التدبیر	"	"	تقدیر پر ایمان کے ساتھ تدبیر سنت اور منکر گمراہ
۱۴۷	"	احسن المقاصد فی بیان ما تنزہ عنہ المساجد	"	ناتمام	کیا کیا کام مسجد میں ناروا ہیں

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بر زبان	کیفیت	موضوع
۱۴۸	۱۳۰۵	الزین کافل لحکم العقدۃ فی المکتوبۃ والنوافل	عربی	ناتمام	فرض و نفل میں قعدہ فرض ہے یا واجب۔
۱۴۹	۱۳۰۶	صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین	اردو	مطبوعہ	مصافحہ دونوں ہاتھوں سے سنت ہے
۱۵۰	"	اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام	عربی	مبیضہ	ہندوستان دار الحرب نہیں
۱۵۱	"	تبیان الوضوء	اردو	"	وضو و غسل کی احتیاطیں
۱۵۲	"	الحلاوہ والطلاوہ فی کلم توجب سجود التلاوۃ	عربی	مسودہ	سجدۂ تلاوت کتنا پڑھنے سے واجب ہوتا ہے
۱۵۳	۱۳۰۷	حکم رجوع من ولی فی نفقۃ العرس والجہاز والحلی	اردو	مبیضہ	دلہن کو جہیز یا شادی میں خرچ وغیرہ کا حکم
۱۵۴	"	الملح الملیحہ فیما نہی عن اجزاء الذبیحہ	عربی	مسودہ	ذبیحہ سے بائیس چیزیں کھانے کی ممانعت
۱۵۵	"	الزہر الباسم فی حرمۃ الزکوۃ علی بنی ہاشم	اردو	مطبوعہ	سادات کو زکوۃ کھانا حرام ہے
۱۵۶	"	تجلی المشکوۃ لانارۃ اسئلۃ الزکوۃ	"	"	مسائل زکوۃ کے بیان
۱۵۷	"	التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد	"	مبیضہ	مسجد کا صحن بھی مسجد ہے۔
۱۵۸	"	حک العیب فی حرمۃ تسوید الشیب	"	"	سیاہ خضاب حرام ہے
۱۵۹	"	حقۃ المرجان لمہم حکم الدخان	"	مطبوعہ	حقہ اور تمباکو کے احکام
۱۶۰	"	عباب الانوار لانکاح بمجرد الاقرار	"	مبیضہ	صرف اقرار مرد و زن سے ہی نکاح نہیں
۱۶۱	"	الحجۃ الفائحہ لطیب التعین والفاتحہ	"	"	دن معین کرنے اور فاتحہ کا بیان
۱۶۲	"	سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوۃ العید	"	"	نماز عید کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت
۱۶۳	"	الصافیۃ الموحیہ لحکم جلود الاضحیہ	عربی	"	پوست قربانی مسجد و مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے۔
۱۶۴	"	الطرہ فی ستر العورہ	"	مسودہ	مرد و زن کے ستر عورت کا بیان
۱۶۵	۱۳۰۸	الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن	"	مبیضہ	کفن پر کلمہ وغیرہ لکھنے بیان
۱۶۶	"	البر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال	"	"	بوسہ ہائے تعظیمی کا بیان
۱۶۷	"	فتح الملیک فی حکم التملیک	عربی	"	تملیک نامہ و ہبہ نامہ میں کوئی فرق نہیں
۱۶۸	۱۳۰۹	الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز	اردو	"	چاندی سونے کے استعمال کا بیان
۱۶۹	۱۳۱۰	رفیع المدارک فی حکم السوائب ومطارح المالک	"	"	گنگا میں گہنہ وغیرہ ڈالنے کا بیان
۱۷۰	"	جلی الصوت لنہی الدعوۃ امام الموت	"	"	اہل میت کی طرف سے اغنیاء کی دعوت
۱۷۱	"	بسر الزاد لمن ام الضاد	عربی	مسودہ	تحقیقات حرف ضاد در راہ مارہرہ گم شد
۱۷۲	۱۳۱۱	الامن والعلی لناعتی المصطفی بدافع البلاء	اردو	مطبوعہ	فضائل اقدس و شرک وہابیہ میں بے مثل کتاب
۱۷۳	"	برکات الامداد لاہل الاستمداد	"	"	اولیاء سے استعانت کا ثبوت
۱۷۴	"	بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلوۃ الجنائز	"	"	نماز جنازہ کے بعد میت کیلئے دعا کا جواز
۱۷۵	"	رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق	"	مبیضہ	الفاظ طلاق کا بیان
۱۷۶	"	المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر	"	مسودہ	منی آرڈر کرنا روا ہے
۱۷۷	۱۳۱۲	وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید	"	مطبوعہ	عید کے بعد معانقہ اور نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے
۱۷۸	"	وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح	"	"	ختم تراویح میں بسم اللہ ایک بار پڑھنا ہے
۱۷۹	"	الفلادۃ المرصعہ فی نحر الاجوبۃ الاربعہ	"	مبیضہ	اشرف علی تھانوی کے چار فتووں پر تحریر

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۱۸۰	۱۳۱۲	سبیل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء	اردو	مطبوعہ	مزار کے مرغ اور چیل تن کی گائے وغیرہ کا حکم
۱۸۱	"	ستر جمیل فی مسائل السراویل	"	مبیضہ	ڈھیلے جاموں کا بیان
۱۸۲	"	اطائب التہانی فی النکاح الثانی	"	"	نکاح ثانی میں تشدد باطل ہے
۱۸۳	"	راد القحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء	"	"	قحط و وباء میں مسلمانوں کی دعوت نافع ہے
۱۸۴	"	سلب الثلب عن القائلین بطہارۃ الکلب	عربی اردو		کتے کے نجس وغیر نجس ہونے کا بیان
۱۸۵	"	رعایۃ المنہ فی ان التہجد نفل او سنۃ	"	"	تہجد نفل یا سنت ہے۔
۱۸۶	"	حق الاحقاق فی حادثۃ من نوازل الطلاق	"	"	مسئلہ طلاق کی نفیس تحقیق
۱۸۷	۱۳۱۳	حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین	اردو	مطبوعہ	سفر میں دو نمازیں ملاکر پڑھنا جائز نہیں
۱۸۸	"	لوامع البہانی المصر للجمعۃ والاربع عقیبہا	فارسی	مبیضہ	جمعہ کے لئے شرط شہر
۱۸۹	"	الکاس الدہاق باضافۃ الطلاق	عربی	"	طلاق میں زوجہ کی طرف اضافت و نسبت
۱۹۰	"	القطوف الدانیہ عن احسن الجماعۃ الثانیہ	عربی اردو	"	جماعت ثانیہ کا جواز اور اس کی تفصیل
۱۹۱	"	الراد لاشد البہی فی ہجر الجماعۃ علی الگنگہی	اردو	مسودہ	جماعت ثانیہ کے بارے میں
۱۹۲	۱۳۱۴	نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان	عربی	مبیضہ	دودھ کی بھتیجی حرام ہے
۱۹۳	"	ہادی الاضحیہ بالشاۃ الہندیہ	اردو	"	چھ مہینے کی بھیڑ قربانی میں روا ہے
۱۹۴	۱۳۱۵	لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحی		مطبوعہ	داڑھی رکھنے کا وجوب
۱۹۵	"	النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز	"	"	ایک جنازہ پر دوبار نماز جائز نہیں
۱۹۶	"	شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ	"	"	نقشہ مزار مبارک ونعل مبارک کا ادب
۱۹۷	"	مروج النجاء لخروج النساء	"	مبیضہ	عورت کو کہاں جانا ناجائز ہے
۱۹۸	"	تجویز الرد عن تجویز الابعد	"	"	ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح
۱۹۹	"	ہبتہ النساء فی تحقیق المصاہرہ بالزنا	"	"	ساس کو شہوت سے چھونے کے احکام
۲۰۰	"	الاعلام بحال البخور فی الصیام	"	مطبوعہ	دھوئیں سے روزہ کے احکام
۲۰۱	"	التحریر الجید فی بیع حق المسجد	"	مبیضہ	مسجد کی اشیاء کے احکام
۲۰۲	۱۳۱۶	الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین	"	مطبوعہ	سماع موتیٰ کا بیان
۲۰۳	"	ازالۃ العار بحجر الکرام عن کلاب النار	"	"	بدمذہب سے شادی کا بیان
۲۰۴	"	تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلوۃ والصیام	"	مبیضہ	بعد موت نماز و روزہ کے فدیہ کے مفصل مسائل
۲۰۵	"	ابحج الجد فی حفظ المسجد	"	"	مسجد قدیم پرسے دعووں کا رد
۲۰۶	۱۳۱۷	الشرعۃ البہیۃ فی تحدید الوصیۃ	"	"	وصیت کی تعریف اور ان کی دونوں قسموں کا بیان
۲۰۷	"	ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الہند وبنجالہ	"	"	ہند و بنگال کے رائج نکاحوں کی اصلاح
۲۰۸	"	الجام الصاد عن سنن الضاد	"	مطبوعہ	مسائل حرف ضاد اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ
۲۰۹	۱۳۱۸	اجلی ابداع فی حد الرضاع	عربی	ناتمام	مدت رضاع میں قول امام کی تحقیق
۲۱۰	"	لب الشعور باحکام الشعور	"	مبیضہ	موئے سر وریش وغیرہ کے متعلق احکام
۲۱۱	"	خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال	"	"	کمانے اور سوال کرنے کے احکام

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۲۱۲	۳۱۸	الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی	عربی	مسودہ	دربارۂ اثر بہ قول امام کی تحقیق
۲۱۳	"	افصح البیان فی حکم مزرع ہندوستان	عربی اردو	مطبوعہ	ہندوستان کی زمین پر شرعی وظیفہ
۲۱۴	۱۳۲۰	الحلیۃ الاسماء لحکم بعض الاسماء	اردو	"	بعض ناموں کا جواز وعدم جواز
۲۱۵	"	طرق اثبات الہلال	"	مبیضہ	ثبوت ہلال کے سات طریقوں کا شرعی بیان
۲۱۶	"	تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب	فارسی	"	معانی محراب اور اس میں قیام امام کی تحقیق
۲۱۷	"	نور الجوہرہ فی السمرۃ السوکرہ	عربی	"	مجار کا بیمہ
۲۱۸	"	الاحکام والعلل فی أشکال الاحتلام والبلل	عربی، اردو	مسودہ	احتلام اور تری دیکھنے کی صورتیں
۲۱۹	"	مرقاۃ الجمان فی الہبوط عن المنبر لمدح السلطان	اردو	مبیضہ	خطبہ میں مدح سلطان کیوقت ایک سیڑھی اترنے کا بیان
۲۲۰	"	اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر	"	"	سماع ومزامیر و وجد کا بیان
۲۲۱	"	رامی زاغیان معروف بہ دفع زیغ زاغ	اردو	مطبوعہ	کوے کی حرمت کا بیان
۲۲۲	"	اوفی اللمعہ فی اذان الجمعہ	"	"	جمعہ کی اذان ثانی بیرون مسجد
۲۲۳	۱۳۲۱	الفح الحکومۃ فی فصل الخصومہ	"	مبیضہ	ایک مقدمہ کا فیصلہ
۲۲۴	"	اعالی الافادہ فی تعزیۃ الہند وبیان الشہادۃ	"	مطبوعہ	تعزیہ داری، شہادت نامہ وغیرہ کا بیان
۲۲۵	"	افقہ المجادبہ عن حلف الطالب علی طلب المواثبہ	"	مبیضہ	شفیع کا طلب مواثبہ
۲۲۶	۱۳۲۲	آکد التحقیق بباب التعلیق	فارسی اردو	"	تعلیق طلاق کا بیان
۲۲۷	"	اہلاک الوہابین علی توہین قبور المسلمین	اردو	مطبوعہ	قبر مسلم پر چلنا اور مکان بنانا
۲۲۸	۱۳۲۳	ہدایۃ الجنان باحکام رمضان	"	مبیضہ	مسائل متعلقہ رمضان
۲۲۹	"	ہادی الناس فی اشیاء من رسوم الاعراس	"	"	شادی کی رسومات سے متعلق
۲۳۰	"	مایجلی الاصر عن تحدید المصر	"	"	معنی شہر اور نماز جمعہ وعید کا بیان
۲۳۱	"	رد القضاۃ الی حکم الولاۃ	"	"	ریاستوں کے فتوے جو بطور مرافعہ آئے
۲۳۲	۱۳۲۴	الجود الحلو فی ارکان الوضو	عربی اردو	مطبوعہ	وضو کے عملی واعتقادی فرائض
۲۳۳	"	تنویر القندیل فی احکام المندیل	"	"	بعد وضو وغسل بدن پوچھنا
۲۳۴	"	الطراز المعلم فیما ہو حدث من احوال لدم	"	"	کیسے خون نکلنے سے وضو نہیں جاتا
۲۳۵	"	لمع الاحکام ان لا وضوء من الزکام	"	"	زکام سے وضو نہیں جاتا
۲۳۶	"	ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال	اردو	مبیضہ	سمت قبلہ کہاں تک ہے
۲۳۷	"	الحق المجتلی فی احکام المبتلی	"	"	جذامی سے بھاگنے نہ بھاگنے کی تحقیق
۲۳۸	"	کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم	عربی	مطبوعہ	نوٹ سے متعلق مسائل کا بیان
۲۳۹	۱۳۲۵	نبہ القوم ان الوضوء من ای نوم	عربی اردو	"	کیسے سونے سے وضو نہیں جاتا
۲۴۰	"	تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون	اردو	"	طاعون سے بھاگنا حرام ہے
۲۴۱	"	السہم الشہابی علی خداع الوہابی	"	مبیضہ	ایک غیر مقلد کی کتاب کا رد
۲۴۲	۱۳۲۶	دفع شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب	اردو	مطبوعہ	سرور کائنات کو شہنشاہ وغیرہ کہنا
۲۴۳	"	مفاد الحبر فی الصلوٰۃ بمقبرۃ اوجنب قبر	"	مبیضہ	قبر یا مقبرہ کے پاس نماز پڑھنے کی تحقیق

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۲۴۴	۱۳۲۶	بدر الانوار فی آداب الآثار	اردو	مبیضہ	تبرکات شریفہ کے متعلق احکام
۲۴۵	۱۳۲۷	الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب	"	مطبوعہ	غائب کے جنازہ پر نماز جائز نہیں
۲۴۶	"	شمامۃ العنبر فی محل النداء باذاء المنبر	عربی	مبیضہ	اذان جمعہ بیرون مسجد محاذی منبر چاہیئے
۲۴۷	۱۲۹۵	الطرۃ الرضیہ علی النیرۃ الوضیہ	"	مطبوعہ	النیرۃ الوضیہ پر حاشیہ
۲۴۸	۱۲۹۶تا۱۲۹۹	فصل القضاء فی رسم الافتاء	"	ناتمام	رسم مفتی کا جامع بیان
۲۴۹	"	الجوہر الثمین فیما تنعقد بہ الیمین	"	"	کن کن اشیاء کی قسم شرعی قسم ہے
۲۵۰	"	الطراز المذہب فی التزویج بغیر الکفوء ومخالف المذہب	اردو	"	غیر کفو وخلاف مذہب سے نکاح کے احکام
۲۵۱	۱۲۹۹	عبقری حسان فی اجابۃ الاذان	عربی	مسودہ	اذان کا جواب زبان سے دینا واجب ہے
۲۵۲	۱۳۰۰	شوارق النساء فی حد المصر والفناء	"	"	مصر وفنائے مصر کی تعریف
۲۵۳		لمعۃ الشمعہ فی اشتراط المصر للجمعہ	"	"	جمعہ کے لئے شرط شہر ہونے کا ثبوت
۲۵۴	۱۳۰۴	البدور الاجلہ فی امور الاہلہ	اردو	"	تحقیق ہلال کے شرعی مسائل
۲۵۵	"	نور الادلہ للبدور الاجلہ	"	"	رسالہ سابقہ کی شرح ہے
۲۵۶		رفع العلہ عن نور الادلہ	"	"	اس شرح پر حاشیہ
۲۵۷	۱۳۰۵	اللؤلؤ المعقود لبیان حکم امراۃ المفقود	عربی اردو	مبیضہ	مفقود کی عورت کا نکاح
۲۵۸	۱۳۰۷	ایذان الاجر فی اذان القبر	اردو	مطبوعہ	قبر پر اذان دینے کا جواز
۲۵۹	۱۳۱۰	رعایۃ المذہبین فی الدعاء بین الخطبتین	"	"	دونوں خطبوں کے درمیان دعاء کا بیان
۲۶۰	۱۳۱۱	رشاقۃ الکلام فی حواشی اذاقۃ الاثام	"	"	درباره مجلس میلاد وقیام رسالہ والد پر حاشیہ
۲۶۱	۱۳۲۶	البیان شافیاء لفونو غرافیاء	"	"	فونو گراف سننے کے احکام
۲۶۲	"	جد الممتار من رد المحتار	عربی	مسودہ	رد المحتار پر حاشیہ
۲۶۳	"	العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ	عربی فارسی اردو	مطبوعہ ومسودہ	بارہ جلدوں میں فتاوی کا مجموعہ
۲۶۴	۱۳۰۳	التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل	عربی	ناتمام	کان یفعل دوام میں نص نہیں
۲۶۵	۱۳۱۲	السیوف المخیفہ علی عائب ابی حنیفہ	اردو	مبیضہ	فتاوی عالمگیری کے قول جو شخص قیاس امام اعظم کو حق نہ کہے کافر ہے کی تشریح
۲۶۶	۱۳۱۳	اعزانکات بجواب سوال ارکان ملقب بہ الفضل	"	مطبوعہ	حدیث پر چلنے کے لئے کیا کیا درکار ہے
۲۶۷	۱۳۱۹	الطائب الصیب علی ارض الطیب	عربی اردو	"	فرضیت تقلید
۲۶۸	۱۳۰۰	احسن الجلوہ فی تحقیق المیل والذراع والفراسخ والغلوہ	عربی	مبیضہ	میل، ذراع، فرسخ وغلوہ کی تحقیق مقادیر
۲۶۹	۱۳۱۵	المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع	اردو	"	جو عصبہ مثلاً بیس پشت پر جاکر ملے اسکی وراثت میں شبہات کا جواب
۲۷۰	۱۳۱۷	طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان	عربی اردو	"	ذوی الارحام میں تعدد جہات فرع سے تعدد اصل کی تحقیق مفرد
۲۷۱	۱۳۲۱	تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم	فارسی اردو	"	بعض مسائل فرائض کی تحقیق اور اوہام بعض ابنائے زمان کی اصلاح
۲۷۲	۱۳۰۶	برات نامہ انجمن اسلامیہ بانس بریلی	اردو	مطبوعہ	متعلق کاروائی انجمن رویت ہلال
۲۷۳	۱۳۱۵	نعم الزاد لروم الضاد	فارسی	مبیضہ	حرف ضاد کی تحقیق
۲۷۴	۱۳۰۳	الاسد الصئول علی اجتہاد الطرار الجہول	"	"	مسئلہ رضاعت میں ایک وہابی کا رد
۲۷۵	۱۳۱۶	مذم النصرانی والتقسیم الایمانی	"	مطبوعہ	بعض پادریوں کا فرائض پر اعتراض اور اس کا جواب

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۲۷۶	۱۳۱۶	اجتناب العمال عن فتاوی الجہال	اردو	مطبوعہ	قنوت نازلہ کا بیان اور ایک وہابی کا رد
۲۷۷	۱۳۱۸	سیف ولایتی بروا ہم ولایتی	"	"	مسئلہ روشنی میں ایک واہم کا رد
۲۷۸	۱۳۲۰	البرق المخیب علی بقاع طیب	"	مبیضہ	رسالۂ ملاطفہ کا پہلا رد
۲۷۹	۱۳۲۱	العطر المطیب لنیت شفتہ الطیب	عربی اردو	مسودہ	" " " دوسرا رد
۲۸۰	"	الآمنة القاصفہ لکفریات الملاطفہ	"	"	" " " تیسرا رد
۲۸۱	۱۳۲۲	الجائفہ علی تہافت الملاطفہ	"	"	" " " چوتھا رد
۲۸۲	۱۳۲۳	سیاط المودب علی رقبۃ المتعجب	"	"	" " " پانچواں رد
۲۸۳	۱۳۲۶	الرد الناہز علی ذام النہی الحاجز	اردو	"	بعض جہال کی زبان درازی کا جواب
۲۸۴		نفی العار من معائب المولوی عبد الغفار	"		
۲۸۵		قوانین العلماء	"		
۲۸۶		سد الفرار	"		
۲۸۷		تبویب الاشباہ والنظائر	عربی		
۲۸۸		اجلی نجوم رجم برایڈیٹر النجم	اردو		
۲۸۹		السیف الصمدانی	"		
۲۹۰		الطلبة البدیعة	"		
۲۹۱		حاشیہ فواتح الرحموت	عربی		
۲۹۲		حاشیہ حموی شرح الاشباہ والنظائر	"		
۲۹۳		حاشیہ الاسعاف فی احکام الاوقاف	"		
۲۹۴		حاشیہ اتحاف الابصار	"		
۲۹۵		حاشیہ کشف الغمہ	"		
۲۹۶		حاشیہ شعار السفار	"		
۲۹۷		حاشیہ کتاب الخراج	"		
۲۹۸		حاشیہ معین الحکام	"		
۲۹۹		حاشیہ میزان الشریعۃ الکبریٰ	"		
۳۰۰		حاشیہ ہدایہ اخیرین	"		
۳۰۱		حاشیہ ہدایہ فتح القدیر عنایہ حلبی	"		
۳۰۲		حاشیہ بدائع الصنائع	"		
۳۰۳		حاشیہ جوہرہ نیرہ	"		
۳۰۴		حاشیہ جواہر اخلاطی	"		
۳۰۵		حاشیہ مراقی الفلاح	"		
۳۰۶		حاشیہ مجمع الانہر	"		
۳۰۷		حاشیہ جامع الفصولین	"		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۳۰۸		حاشیہ جامع الرموز	عربی		
۳۰۹		حاشیہ بحر الرائق	"		
۳۱۰		حاشیہ تبیین الحقائق	"		
۳۱۱		حاشیہ غنیہ المستملی	"		
۳۱۲		حاشیہ فوائد کتب عدیدہ	"		
۳۱۳		حاشیہ کتاب الانوار	"		
۳۱۴		حاشیہ رسائل شامی	"		
۳۱۵		حاشیہ فتح المعین	"		
۳۱۶		حاشیہ شفاء الاسقام	"		
۳۱۷		حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار	"		
۳۱۸		حاشیہ فتاویٰ عالمگیری	"		
۳۱۹		حاشیہ فتاویٰ خانیہ	"		
۳۲۰		حاشیہ فتاویٰ سراجیہ	"		
۳۲۱		حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ	"		
۳۲۲		حاشیہ فتاویٰ خیریہ	"		
۳۲۳		حاشیہ عقود الدار	"		
۳۲۴		حاشیہ حدیثیہ	"		
۳۲۵		حاشیہ فتاویٰ بزازیہ	"		
۳۲۶		حاشیہ فتاویٰ زربینیہ	"		
۳۲۷		حاشیہ فتاویٰ غیاثیہ	"		
۳۲۸		حاشیہ رسائل قاسم	"		
۳۲۹		حاشیہ اصلاح شرح الضیاح	"		
۳۳۰		حاشیہ فتاویٰ عزیزیہ	فارسی		
۳۳۱		حاشیہ رسائل الارکان	عربی		
۳۳۲		حاشیہ الاعلام بقواطع الاسلام	"		

تنقیدات

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۳۳۳	۱۲۸۸	حل خطاء الخط	عربی	مبیضہ	رد خط اسماعیل دہلوی
۳۳۴	۱۳۰۰	النذیر الہائل لکل جلف جاہل	اردو	مسودہ	مجلس میلاد میں فتویٰ نذیر حسین دہلوی کا اقرار و رد کی توضیح
۳۳۵	۱۳۰۳	الاہلال بفیض الاولیاء بعد الوصال	"	مطبوعہ	حیات الموات میں شامل کر دیا گیا۔
۳۳۶	۱۳۰۶	الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ	"	مبیضہ	روافض کی اذان میں کلمۂ بلا فصل کی حرمت اور ان پر لعنت کا ثبوت
۳۳۷	۱۳۰۹	النیر الشہابی علی تدلیس الوہابی	"	"	دربارۂ تقلید غیر مقلدوں کے بعض شبہات کا جواب
۳۳۸	۱۳۱۱	یرفع النسرین بجواب الاسئلۃ العشرین	"	مسودہ	وہابیت کے متعلق ۲۰ سوالوں کا جواب
۳۳۹	۱۳۱۳	مراسلات سنت وندوہ	"	مطبوعہ	ناظم ندوہ سے دربارۂ ندوہ خط وکتابت

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۴۰	۱۳۱۳	سوالات حقائق نما برؤس ندوۃ العلماء	اردو	مطبوعہ	ندوہ پر ستر سوال کا مجموعہ
۳۴۱	۱۳۱۷	ترجمۃ الفتویٰ وجہ ہدم الیلوی	"	"	ندوہ سے متعلق فتویٰ حرمین کا ترجمہ
۳۴۲	"	خلص فوائد فتویٰ	"	"	خلاصہ مضامین فتویٰ مذکورہ
۳۴۳	۱۳۱۸	رادع التعسف عن الامام ابی یوسف	"	مبیضہ	حیلہ زکوٰۃ کے بارے میں امام ابو یوسف پر اعتراض غیر مقلدین کا رد
۳۴۴	۱۳۲۰	الجزاء المہیا نعلمۃ کنہیا	"	"	مجلس میلاد مبارک پر فتویٰ گنگوہی کا رد
۳۴۵	"	اظہار الحق الجلی	"	"	مقدمہ غیر مقلدہ آرہ میں ۱۹۶ سوالات کے جوابات
۳۴۶	۱۳۲۰	معارک الجروح علی التوہب المقبوح	"	"	۹۶ جرحیں جو اہلسنت کی طرف سے مقدمہ مذکور میں داخل کی گئیں۔
۳۴۷					
۳۴۸	"	بیبل مژدہ آرا دکیفر کفران نصاریٰ	"	"	بیبل سے اسلام کی حقانیت اور بطلان نصرانیت
۳۴۹	۱۳۲۱	اصلاح النظیر	"	"	مساجد اہلسنت میں غیر مقلدوں کے آنے پر نظیر محمود کا جواب
۳۵۰	"	اکمل البحث علی اہل الحدث	"	"	وہابیہ کو مساجد سے نکالنے کی بحث جو داخل کچہری ہوئی۔
۳۵۱	۱۳۲۴	خلاصۂ فوائد فتاویٰ	"	مطبوعہ	حسام الحرمین کے مضامین کا خلاصہ
۳۵۲	۱۳۲۶	البارقۃ الشارقۃ علی المارقۃ المشارقۃ	عربی فارسی اردو	مبیضہ	مجموعہ فتاویٰ کثیرہ مصنف دررد وہابیہ
۳۵۳	۱۳۲۲	اتیان الارواح لدیارہم بعد الارواح	اردو	"	روحوں کا بعد موت اپنے گھر آنا اور گنگوہی کا رد
۳۵۴	۱۲۹۶تا۱۲۹۲	مرجی الاجابات لدعاء الاموات	"	ناتمام	اموات کی دعا کے قبول و ناقبول کا بیان
۳۵۵	۱۲۹۹	سیف المصطفیٰ علی ادیان الافتراء	"	مبیضہ	وہابیہ کے پیشوا کی نقل عبارت میں خیانتوں کی نشاندہی
۳۵۶	۱۳۰۰	فتح خیبر	"	مطبوعہ	مناظران تفضیلیہ کے فرار کا واقعہ
۳۵۷	۱۳۰۳	نشاط السکین علی حلق البقر السمین	"	مبیضہ	مسئلہ فاتحہ و تقبیل ابہامین وغیرہ کا بیان و رد وہابیت
۳۵۸	۱۳۰۵	صمصام حدید بر کولی بے قید عدو تقلید	"	"	رد غیر مقلداں
۳۵۹	۱۳۰۷	نہایت النصرہ برد الاجوبۃ العشرہ	"	"	ایک وہابی کے دس مسائل کا رد
۳۶۰	۱۳۱۲	انتصار الہدیٰ من شعوب الہوی	"	مطبوعہ	ختم تراویح میں ۱۱۴ بار بسم اللہ پکار کر پڑھنے والوں کا رد
۳۶۱	۱۳۱۳	اشتہارات خمسہ	"	"	رد ندوہ
۳۶۲	"	غزوہ لہدم سماک دار الندوہ	"	"	خرافات ندوہ کا رد
۳۶۳	"	ندوہ کا تیجہ روداد سوم کا نتیجہ	"	"	ندوہ کی تیسری روداد کا رد
۳۶۴	۱۳۱۵	بارش بہاری برصدف بہاری	"	"	ایک ندوی تحریر کا رد
۳۶۵	"	سیوف العنوہ علی ذمائم الندوہ	"	"	رد ندوہ
۳۶۶	۱۳۱۶	صمصام سینت لنگوٹے بجذیت	"	"	ایک وہابی نے تکفیر یا دہلوی کے کچھ جواب دیئے تھے ان کا رد
۳۶۷	۱۳۲۱	صمصام القیوم علی ناج الندوہ عبد القیوم	"	"	رد تحریر رکن ندوہ
۳۶۸	۱۳۲۶	پردہ در امرتسری	"	"	مولوی ثناء اللہ امرتسری کا رد
۳۶۹	۱۳۰۰	الاسئلۃ الفاضلۃ علی الطوائف الباطلۃ	"	"	دہ سوالات جو متعدد لوگوں سے کئے گئے اور وہ عاجز رہے
۳۷۰	۱۳۱۹	سوالات علماء و جوابات ندوۃ العلماء	"	"	خیالات ندوہ کا بے مثل رد
۳۷۱	۱۳۱۶	کیفر کفر آریہ	"	مبیضہ	رد آریہ

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۷۲	۱۲۹۶	نور عینی فی الانتصار الامام عینی	عربی	مسودہ	امام عینی پر اعتراض کا جواب

تصوف، اذکار، اوفاق، تعبیر، اخلاق

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۷۳	۱۳۰۸	کشف حقائق و اسرار و دقائق	اردو	مطبوعہ	سوالات تصوف کا جواب
۳۷۴	۱۳۱۱	بوارق تلوح من حقیقۃ الروح	عربی	مسودہ	روح کیا شے ہے
۳۷۵	۱۳۱۲	التلطف بجواب مسائل التصوف	اردو	"	سوالات تصوف کا جواب
۳۷۶	۱۳۱۹	نقاء السلافہ فی البیعۃ والخلافہ	"	مبیضہ	بیعت و خلافت کے احکام
۳۷۷	۱۳۰۵	ازہار الانوار من صبا صلاۃ الاسرار	عربی	"	طریقہ و نکات نماز غوثیہ شریف
۳۷۸	"	زہر الصلاۃ من شجرۃ اکارم الھداۃ	"	"	درود میں شجرۂ طیبہ کے اوراد
۳۷۹	۱۳۱۲	العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار	اردو	"	دعائے افطار، افطار سے پہلے یا بعد
۳۸۰	۱۳۱۸	المنۃ الممتازہ فی دعوات الجنازہ	عربی اردو	مبیضہ	جنازہ کی دعاؤں کا حدیث سے استخراج
۳۸۱	۱۳۰۴	ماقل وکفی من ادعیۃ المصطفیٰ	اردو	"	صبح و شام و اوقات خاصہ کی کارآمد دعائیں
۳۸۲	۱۳۲۶	الفوز بالآمال فی الاوفاق والدعا	عربی فارسی	مبیضہ	اعمال و نقوش و تعویذات غذائی و ایجادی کا دریا
۳۸۳	۱۳۰۷	شرح الحقوق لطرح العقوق	اردو	"	ابوین و زوجین و استاد وغیرہم کے حقوق کا بیان
۳۸۴	۱۳۰۹	مشعلۃ الارشاد الی حقوق العباد	"	"	اولاد کے پیدا ہونے سے لیکر بالغ ہونے تک کے حقوق
۳۸۵	"	اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ	"	"	جو زکوٰۃ نہ دے اس کے صدقات قبول نہیں۔
۳۸۶		الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطہ	"		
۳۸۷		حاشیہ احیاء العلوم	عربی		
۳۸۸		حاشیہ حدیقۂ ندیہ	"		
۳۸۹		حاشیہ مدخل اول، دوم، سوم	"		
۳۹۰		حاشیہ کتاب الابریز	"		
۳۹۱		حاشیہ کتاب الزواجر	"		

تاریخ، سیر، مناقب، فضائل

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۹۲	۱۳۲۲	جمع القرآن وبم عزوہ لعثمان	اردو	مبیضہ	قرآن عظیم کیسے جمع ہوا اور حضرت عثمان غنی کو خاص جامع القرآن کیوں کہتے ہیں۔
۳۹۳	۱۳۱۲	اعلام الصحابۃ الموافقین الامیر معاویہ و ام المومنین	"	ناتمام	کون اصحاب امیر معاویہ اور ام المومنین کے ساتھ تھے
۳۹۴	۱۳۱۶	جان التاج فی بیان الصلوٰۃ قبل المعراج	عربی اردو	مبیضہ	معراج سے پہلے نماز کس طرح تھی۔
۳۹۵	۱۳۱۷	نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال	اردو	مطبوعہ	تاریخ ولادت اقدس و وصال شریف کی جلیل تحقیق
۳۹۶	۱۳۲۰	منبہ المنیہ لوصول الحبیب الی العرش والرویۃ	"	مبیضہ	سیر عرش اور دیدار الٰہی کا بیان
۳۹۷	۱۳۲۲	جالب الجنان فی رسم احرف من القرآن	"	"	قرآن عظیم کے بعض کلمات کے رسم خط کی تحقیق
۳۹۸	"	سلام و سیر	"	ناتمام	بہ ضمن ولادت تا وفات شریفہ وغیرہ کا بیان

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۳۹۹	۱۲۹۷	الکلام للبہی فی تشبیہ الصدیق بالنبی	اردو	مبیضہ	صدیق اکبر کی نبی کریم سے مشابہتیں
۴۰۰	//	وجہ المشقوق بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق	//	//	صدیق وفاروق کے اسماء در حدیث آمدہ کا بیان
۴۰۱	۱۲۹۶	نفی الفئ عمن بنورہ انار کل شئی	//	//	حضور کو سایہ نہ تھا
۴۰۲	۱۲۹۷	سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوری	//	مسودہ	فضائل اقدس میں
۴۰۳	۱۲۹۸	اجلال جبریل بجعلہ خادماً للمحبوب الجلیل	//	//	جبریل امین خادم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
۴۰۴	۱۲۹۹	مدیح الجیران فی نفی الفئ عن شمس الاکوان	فارسی، اردو	مبیضہ	سایہ اقدس کا ثبوت اور ایک مخالف کا رد
۴۰۵	۱۳۰۳	مجیر معظم شرح قصیدۃ اکسیر اعظم	فارسی	//	فضائل سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ
۴۰۶	۱۳۰۶	العروس الاسماء الحسنی فیما للنبینا من الاسماء الحسنی	عربی اردو	ناتمام	حضور کے ہزار سے زائد اسماء کا ذکر
۴۰۷	۱۳۱۲	تنزیہہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاہلیہ	اردو	مبیضہ	مولی علی پر کبھی بالتبع بھی لفظ کفر نہ آیا
۴۰۸	//	انجاء البری عن وسواس المفتری	عربی فارسی	//	شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی جناب میں عقیدہ
۴۰۹	//	جمیل ثناء الائمۃ علی علم سراج الامہ	//	مسودہ	ائمہ نے علم امام اعظم کی کیا کیا مدح فرمائی
۴۱۰	۱۳۱۵	شمول الاسلام لاباء الرسول الکرام	//	مبیضہ	والدین حضور موحد تھے
۴۱۱	۱۳۱۸	انباء المصطفیٰ بحال سر واخفی	//	مطبوعہ	مسئلہ علم غیب کا مجمل وکافی بیان
۴۱۲	۱۳۲۳	الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ	عربی	//	رسالہ علم غیب جو مکہ میں تصنیف ہوا۔
۴۱۳	۱۳۲۵	حدائق بخشش	عربی فارسی	//	منتخب دیوان نعت
۴۱۴	۱۲۹۶	قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام	//	مسودہ	سایہ نبوی نہ ہونے کا بیان
۴۱۵	۱۳۱۰	فتاوی کرامات غوثیہ	//	مطبوعہ	ذکر بعض کرامات شریفہ
۴۱۶	۱۳۲۶	دیوان القصائد	عربی	مبیضہ	قصائد و نعت و منقبت کا مجموعہ
۴۱۷	۱۳۰۲	اکسیر اعظم	فارسی	//	قصیدۂ غوث پاک
۴۱۸	۱۳۰۴	سلسلۃ الذہب نافیۃ الارب	//	مطبوعہ	شجرۂ عالیہ قادریہ منظومہ
۴۱۹	۱۳۰۵	ذریعہ قادریہ	اردو	//	نظم و نعت و منقبت غوث پاک
۴۲۰	۱۳۰۸	فضائل فاروق	//	ناتمام	سیدنا فاروق کے مناقب در نظم
۴۲۱	۱۳۰۹	نظم معطر	فارسی	مطبوعہ	رباعیات در شان غوث پاک
۴۲۲	۱۳۱۵	مشرقستان قدس	اردو	//	قصیدۂ مدحیہ حضرت نوری میاں
۴۲۳	//	چراغ انس	//	//	قصیدۂ مدحیہ در شان تاج الفحول بدایونی
۴۲۴	۱۳۲۱	وظیفہ قادریہ	فارسی	//	قصیدۂ غوثیہ کا نظم ترجمہ مع مدعا
۴۲۵	۱۳۲۴	حضور جان نور	اردو	//	حاضری اقدس کے موقع پر نعت کہی
۴۲۶	//	نعت و استعارات	//	ناتمام	نعت شریف کا رسالہ پر مغز استعاروں وغیرہ پر مشتمل
۴۲۷	//	سراپا نور	//	//	قصیدۂ نور ۶۰ مطلع پر مشتمل
۴۲۸	//	مناقب صدیقہ	//	//	ام المومنین کی منقبت
۴۲۹	۱۳۰۰	حمائد فضل رسول	عربی	مطبوعہ	مولانا فضل رسول بدایونی کی مدح
۴۳۰	//	مدائح فضل رسول	//	مبیضہ	//

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۴۳۱	۱۳۰۰	نذر گدا در تہنیت شادی اسری	اردو	مطبوعہ	معراج اقدس کا بیان
۴۳۲	۱۳۱۳	سرگزشت و ماجرائے ندوہ	"	"	ندوہ پر بریلی میں کیا گزری
۴۳۳	۱۳۲۳	ابراز المجنون علی انتہاکہ علم المکنون	عربی	مبیضہ	مسئلہ علم غیب میں ابراز المکنون کا رد
۴۳۴	۱۳۲۴	ماجنۃ العیب بایمان الغیب	اردو	"	علم غیب میں فتویٰ مولوی عین القضاۃ کا رد
۴۳۵	۱۳۲۵	میل الهداه لبرعین القذاه	عربی	"	علم غیب میں التحقیق المجتبیٰ کا رد
۴۳۶	۱۳۲۶	اراحۃ جوانح الغیب عن ازاحۃ العیب	"	"	علم غیب میں ازاحۃ العیب کا رد
۴۳۷	"	الجلاء الکامل لعین قضاۃ الباطل	"	"	علم غیب میں البیان الصائب کا رد
۴۳۸		حاشیہ حاشیہ ہمزیہ			
۴۳۹		حاشیہ شرح شفا	"		
۴۴۰		حاشیہ شرح زرقانی شرح مواہب	"		
۴۴۱		حاشیہ بہجۃ الاسرار	"		
۴۴۲		حاشیہ الفوائد البہیہ	"		
۴۴۳		حاشیہ کشف الظنون	"		
۴۴۴		حاشیہ عصر الشارد	"		
۴۴۵		حاشیہ خلاصۃ الوفاء	"		
۴۴۶		حاشیہ مقدمہ ابن خلدون			

ادب، نحو، لغت، عروض

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
		صنائع بدیعہ	عربی فارسی ہندی	مبیضہ و مسودہ	دیوان صنائع و بدائع و تواریخ
۴۴۷	۱۳۱۲	فتح المعطی بتحقیق معنی الخاطی والمخطی	اردو	مبیضہ	خاطی و مخطی میں کیا فرق ہے
۴۴۸		انعاف العلی لبیکر فکر السنبلی	"		
۴۴۹		تبلیغ الکلام الی مدحۃ الکمال فی تحقیق رسالۃ المصدر	عربی		
۴۵۰		المصدر والافعال			
۴۵۱		ایزمزمۃ القمریہ	اردو		
۴۵۲		حاشیہ صراح	عربی		
۴۵۳		حاشیہ تاج العروس	"		
۴۵۴		حاشیہ میزان الافکار	فارسی		
۴۵۵	۱۳۱۵	شرح مقالہ مذاقیہ	اردو	مطبوعہ	ایک مدعی ادب کے جہالات عربی ادب کا جواب
۴۵۶	۱۳۱۶	مشرقستان اقدس	"	"	قصیدہ مشرقستان پر اعتراض کا جواب
۴۵۷	"	عذاب ادنی براد او ادنی	"	"	او ادنی باسقاط الف دوم پر اعتراض کا رد
۴۵۸	۱۳۱۸	آمال الابرار و آلام الاشرار	عربی اردو	"	قصیدہ عزا دربارۂ مجلس اہلسنت مقابل ندوہ

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
		زیجات			
۴۵۹	۱۳۲۴	مضر المطالع للتقویم والطالع	اردو	مبیضہ	المنک سے ستاروں کی تقویم اور وقت کا طالع نکالنے کا طریقہ
۴۶۰		حاشیہ برجندی	عربی		
۴۶۱		حاشیہ زلالات البرجندی	"		
۴۶۲		حاشیہ زیج بہادر خانی	فارسی		
۴۶۳		حاشیہ فوائد بہادر خانی	"		
۴۶۴		حاشیہ زیج الخانی	عربی		
۴۶۵		حاشیہ جامع بہادر خانی	فارسی		
۴۶۶					
		جفر و تکسیر			
۴۶۷	۱۲۹۶	اطائب الاکسیر فی علم التکسیر	عربی	ناتمام	علم تکسیر اور مصنف کے ایجادات کثیر
۴۶۸	۱۳۲۱	الثوقب الرضویہ علی الکواکب الدریہ	"	مبیضہ	کواکب دریہ پر مصنف کے حواشی
۴۶۹		الجداول الرضویہ للمسائل الجفریہ	"	"	علم جفر کے متعلق مصنف کی ایجادی جدولیں
۴۷۰		الاجوبۃ الرضویہ للمسائل الجفریہ	"	"	سوالات جفر سے مصنف کا جواب
۴۷۱		رسالہ در علم تکسیر	فارسی		
۴۷۲		۱۱۵۲ مربعات	اردو		
۴۷۳		حاشیہ الدر المکنون	عربی		
۴۷۴		الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ	عربی		
۴۷۵		مجتلی العروس	اردو		
۴۷۶		الجفر الجامع	"		
۴۷۷		اسہل الکتب فی جمیع المنازل	عربی		
۴۷۷		رسالۃ فی علم الجفر	"		
		جبر و مقابلہ			
۴۷۸	۱۳۲۵	حل المعادلات لقوی المکبعات	فارسی	ناتمام	جبر و مقابلہ کے مساوات درجہ سوم پر نظر
۴۷۹		حل ساداتہاتے درجہ سوم	"		
۴۸۰		رسالہ جبر و مقابلہ	"		
۴۸۱		حاشیۃ القواعد الجلیلہ	عربی		
		مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم			
۴۸۲	۱۳۱۹	الموہبات فی المربعات	عربی	مسودہ	ہم ایک مربع بنانا چاہتے ہیں کہ جسقدر مربع منظور ہوں ان کا مجموعہ ہو اور ایسے مربعات کے سلاسل کا بیان

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۴۸۳	۱۳۲۳	البدور فی اوج المجذور	فارسی	مبیضہ	مربع ومکعب وغیرہ قوتوں کے متعلق فائدے
۴۸۴	۱۳۲۵	کتاب الاثمار طبقی	"	"	اعمال اربعہ حسابیہ اوران کے نتائج وباہمی لنسب کی اعلیٰ کنہ وحقیقت جو اسی رسالہ میں ملے گی۔
۴۸۵		رسالہ در علم مثلث	فارسی		
۴۸۶		تلخیص علم مثلث کردی	"		
۴۸۷		وجوز وایا مثلث کردی	"		
۴۸۸		حاشیہ رسالہ علم مثلث	"		
۴۸۹		رسالہ در علم لوگارثم	اردو		

توقیت، نجوم، حساب

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۴۹۰	۱۳۱۹	الانجب الانیق فی طرق التعلیق	فارسی	مبیضہ	نماز روزہ کے اوقات کلیہ سے ہر مہینہ کے اوقات جزیہ نکالنے کے طریقے
۴۹۱	"	کلام الفہیم فی سلاسل الجمع والتقسیم	عربی	"	سلسلہ جمع وتفریق وضرب وتقسیم کا بیان اور علوم تازہ کا اضافہ
۴۹۲	"	زیج الاوقات للصوم والصلوات	اردو	ناتمام	ہندوستان بلکہ تمام ایشیا کے شہروں کے نماز وروزہ کے اوقات کا استخراج
۴۹۳	۱۳۲۰	تاج توقیت	فارسی	مبیضہ	اوقات خمسہ نماز وسحری وافطار نکالنے کے طریقے وقواعد
۴۹۴	۱۳۲۴	کشف العلہ عن سمت القبلہ	اردو	"	ہر شہر کے لئے ٹھیک سمت قبلہ نکالنے کا طریقہ
۴۹۵	۱۳۲۵	ازکی الہلال فی قوۃ الکواکب وضعفہا	فارسی	"	زائچہ ولادت میں ستارہ کن کن وجوہ سے خیال اہل تنجیم قوی یا ضعیف ہوتا ہے
۴۹۶	۱۳۲۶	درء القبح عن درک وقت الصبح	اردو	"	سحری کے وقت کی جلیل تحقیق اور اسے رات کا ساتواں حصہ جاننا محض خطاء ہے۔
۴۹۷	۱۳۲۰	سر الاوقات	"	مطبوعہ	تعدیل الایام کا بے مثل بیان
۴۹۸		رویت ہلال رمضان	"		
۴۹۹		مسئولیات السہام	"		
۵۰۰		البرہان القویم علی العرض والتقویم	"		
۵۰۱		استنباط الاوقات	فارسی		
۵۰۲		تسہیل التعدیل	اردو		
۵۰۳		میول الکواکب وتعدیل الایام	"		
۵۰۴		استخراج تقویمات کواکب	فارسی		
۵۰۵		طلوع وغروب نیرین	اردو		
۵۰۶		حاشیہ زبدۃ المنتخب	عربی		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۵۰۷		ترجمہ قواعد نائیٹکل المنک	اردو		
۵۰۸		جدول اوقات	"		
۵۰۹		حاشیہ جامع الافکار	عربی		
۵۱۰		حاشیہ حدائق النجوم	"		
۵۱۱		حاشیہ خزانۃ العلم	"		

ہیئت، ہندسہ، ریاضی

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بہ زبان	کیفیت	موضوع
۵۱۲	۱۳۰۶	الاشکال الاقیدس لنکس اشکال اقلیدس	عربی	مسودہ	اقلیدس کے بعض اشکال پر امتحانی اعتراض
۵۱۳	۱۳۱۹	عزم البازی فی جو الریاضی	عربی فارسی اردو	مبیضہ	مختلف علوم ریاضی میں تحریرات نفیسہ
۵۱۴	"	افادات الانشراح لحقیقۃ الاصباح	عربی	مسودہ	صبح کیسے ہوتی ہے اور اس کے بارے میں امام رازی کے اعتراض کا جواب
۵۱۵	"	الصراح الموجز فی تعدیل المرکز	فارسی	مبیضہ	ہیئت قدیمہ و جدیدہ پر مرکز شمس کی تعدیل معلوم کرنے کا طریقہ کہ تقویم حاصل ہو۔
۵۱۶	"	اعالی العطایا فی الاضلاع والزوایا	عربی فارسی	"	مثلث مسطح مثلث کردی کے اضلاع و زوایا میں معلوم سے مجہول کا جاننا اور شکل مغنی و ظلی و نافع کا بیان۔
۵۱۷	۱۳۲۰	الجمل الدائرہ فی خطوط الدائرہ	فارسی	"	جیب و ظل و سہم و وتر و قاطع کے بیان اور طرق استخراج
۵۱۸	۱۳۲۳	ستین و لوگارثم	اردو	"	ستینی حساب اور لوگارثم بنانے اور جدول سے نکالنے کا طریقہ۔
۵۱۹	۱۳۲۵	جادۃ الطلوع والممر للسیارۃ والنجوم والقمر	عربی	"	قمر و متحیرات و ثوابت کے طلوع و غروب نصف النہار کا وقت نکالنے کا بیان
۵۲۰	۱۳۱۹	جداول الریاضی	عربی فارسی	"	جداول میل و ظلال وغیرہم کا استخراج از مصنف
۵۲۰		مقالہ مفردہ	اردو		
۵۲۱		معدن علومی در سنین ہجری، عیسوی و رومی	"		
۵۲۲		طلوع و غروب کواکب و قمر	"		
۵۲۳		قانون رویۃ اہلہ	"		
۵۲۴		کسور اعشاریہ	فارسی		
۵۲۵		المعنی المجلی للمغنی والظلی	"		
۵۲۵		زاویہ اختلاف المنظر	"		
۵۲۶		مبحث المعادلہ ذات الدرجۃ الثانیہ	عربی		
۵۲۷		رویۃ الہلال	اردو		
۵۲۸		الکسر العشری	عربی		
۵۲۹		استخراج وصول قمر بر راس	فارسی		

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۵۳۰		رسالۃ العاد قمر	عربی		
۵۳۱		حاشیہ تصریح	"		
۵۳۲		حاشیہ شرح چغمینی	"		
۵۳۳		حاشیہ علم الہیئت	"		
۵۳۴		حاشیہ کتاب الصور	"		
۵۳۶		جدول برائے جنتری شصت سالہ	فارسی		
۵۳۷		حاشیہ اصول الہندسہ	عربی		
۵۳۸		حاشیہ تحریر اقلیدس	"		
۵۳۹		حاشیہ رفع الخلاف	"		
۵۴۰		حاشیہ شرح باکورہ	"		
۵۴۱		حاشیہ طیب النفس	"		
۵۴۲		حاشیہ شرح تذکرہ	"		

فلسفہ، منطق

نمبر شمار	سن تصنیف	نام کتاب	بزبان	کیفیت	موضوع
۵۴۳		نزول مبین در رد حرکت زمین	اردو		
۵۴۴		الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ	"		
۵۴۵		معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین	"		
۵۴۶		حاشیہ ملا جلال میر زاہد	عربی		
۵۴۷		حاشیہ شمس بازغہ	"		
۵۴۸		حاشیہ اصول طبعی	اردو		

موضوعات	تعدادِ کتب	موضوعات	تعداد کتب
تفسیر	۱۱	جفر وتکسیر	۱۱
عقائد وکلام	۵۴	جبر ومقابلہ	۴
حدیث واصول حدیث	۵۳	مثلث، ارثماطیقی، لوگارثم	۸
فقہ، اصول فقہ، لغت فقہ فرائض، تجوید	۲۱۴	توقیت، نجوم، حساب	۲۲
تنقیدات	۴۰	ہیئت، ہندسہ، ریاضی	۳۱
تصوف، اذکار، اوفاق، تعبیر، اخلاق	۱۹	منطق وفلسفہ	۶
تاریخ، سیر، مناقب، فضائل	۵۵		
ادب، نحو، لغت، عروض			۵۴۸

امام احمد رضا پر کتابیں

ڈاکٹر محمد اسد امکھیڑوی (علیگ)

عوام اور خواص کیلئے اعلیٰ حضرت کے کارناموں شخصیت اور کردار سے آگاہی کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے وقت کے اس اہم تقاضہ کی تکمیل کیلئے حضرت مولانا محمد جیلانی محامد صاحب مدظلہ العالی نے ماہنامہ المیزان بمبئی کا امام احمد رضا نمبر شائع کر کے بر محل قدم اٹھایا ہے۔ ان کی خاص رہنمائی میں ان کتب کی ایک فہرست عاجز نے مرتب کی ہے۔ اگر وہ نظر کرم نہ فرماتے باون کتابوں کی فہرست مرتب کرنا شاید ممکن نہ ہوتا جو کہ مستقلاً اعلیٰ حضرت پر لکھی گئی ہیں یا جن میں بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں برادر محترم و مکرم محمد صادق قصوری (لاہور) مدظلہ العالی اور برادر محترم قبلہ محمود احمد قادری صاحبان اور برادر عزیز محب الحق القادری رضوی کی امداد کا بیحد مشکور و ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب حضرت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں مزید علمی معاونت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط۔ (محمد اسد امکھیڑوی)

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۱	حیات اعلیٰ حضرت جلد اول	ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب	مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی	—	۳۲۰
۲	حیات اعلیٰ حضرت جلد دوم	"	غیر مطبوعہ	—	
۳	حیات اعلیٰ حضرت جلد سوم	"	غیر مطبوعہ	—	
۴	حیات اعلیٰ حضرت جلد چہارم	"	غیر مطبوعہ	—	
۵	الملفوظ حصہ اول	حضرت مصطفےٰ رضا خاں صاحب مفتی اعظم ہند	کتب خانہ سمنانی مدرسہ اسلامی اندرکوٹ میرٹھ	—	۱۰۴
۶	الملفوظ حصہ دوم	"	"		۱۱۲
۷	الملفوظ حصہ سوم	"	"	رمضان المبارک سنہ ۱۳۸۲ھ	۸۰
۸	الملفوظ حصہ چہارم	"	"	شعبان سنہ ۱۳۸۲ھ	۸۰
۹	مقالات یوم رضا حصہ اول	قاضی عبد النبی کوکب	دائرۃ المصنفین لاہور	جون سنہ ۱۹۶۸ء	۱۴۴
۱۰	مقالات یوم رضا حصہ دوم	"	"	۲ رمئی سنہ ۱۹۷۰ء	۸۴
۱۱	مجدد الاسلام	محمد صابر القادری نسیم بستوی	نوری بکڈپو کانپور	سنہ ۱۹۵۹ء	۲۴۰
۱۲	سوانح اعلیٰ حضرت	بدر الدین احمد قادری	مکتبۂ غوثیہ ضلع بستی	سنہ ۱۹۶۳ء	
۱۳	کرامات اعلیٰ حضرت	اقبال احمد نوری			
۱۴	فاضل بریلوی اور ترک موالات	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب	مرکزی مجلس رضا لاہور	سنہ ۱۹۷۰ء	

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۱۵	اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام	اختر شاہجہانپوری	مرکزی مجلس رضا لاہور	۱۹۷۱ء	
۱۶	سوانح سراج الفقہا	مولانا عبدالحکیم شرف قادری	"	۱۱ر شوال المکرم ۱۳۹۳ھ	۴۰
۱۷	پیغامات یوم رضا	محمد مقبول احمد قادری	"	۲۱ر رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ	۴۸
۱۸	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب	"	۱۹۷۳ء	۲۶۴
۱۹	الجمل المعدد لتالیفات المجدد	ملک العلماء ظفر الدین بہاری صاحب	"	۱۹۷۴ء	۳۲
۲۰	فاضل بریلوی کا فقہی مقام	علامہ غلام رسول سعیدی	"	مئی ۱۹۷۵ء	۴۰
۲۱	محاسن کنزالایمان	ملک شیر محمد اعوان	"	ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ	۵۶
۲۲	مولانا احمد رضا کی نعتیہ شاعری	"	"	صفر المظفر ۱۳۹۲ھ	۴۸
۲۳	اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر	سید نور محمد قادری	"	صفر المظفر ۱۳۹۵ھ	۴۸
۲۴	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	الحاج وصیت یاب خاں	تحقیقی مرکز ۳۳ شاہ عالم گیٹ لاہور	۱۹۷۵ء	۱۶
۲۵	یاد اعلیٰ حضرت	محمد عبدالحکیم شرف قادری	مکتبہ قادریہ لاہور	۱۰ر صفر ۱۳۹۵ھ	۶۴
۲۶	اعلیٰ حضرت نمبر	مجلس ادارت سید سعادت علی، جمیل احمد نعیمی، احمد میاں برکاتی	ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی	مارچ ۱۹۷۰ء	
۲۷	اعلیٰ حضرت نمبر	مجیب الاسلام نسیم اعظمی	ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی	جون ۱۹۶۳ء	
۲۸	رضا نمبر	مدیر سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی	پندرہ روزہ الحسن پشاور	یکم مارچ ۷۵ء	۳۲
۲۹	اعلیٰ حضرت نمبر	ایس ایم ناز	ہفت روزہ تعمیر وطن لاہور		۱۶
۳۰	اعلیٰ حضرت نمبر	ایڈیٹر مسعود حسن شہاب	ہفت روزہ الہام بہاولپور	۴ر جون ۱۹۷۵ء	۳۴
۳۱	حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نمبر	ایڈیٹر ناسخ سیفی	روزنامہ سعادت لاہور لائلپور	۹ر مارچ ۱۹۷۵ء	۱۲
۳۲	اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت	سید نور محمد قادری	مکتبہ رضویہ کرشنا اسٹریٹ گجرات	ستمبر ۱۹۷۵ء	۳۲
۳۳	مجدد اعظم نمبر	مدیر غلام محمد خاں اشہر	ماہنامہ تجلیات ناگپور	جون ۱۹۶۶ء	۱۷۶
۳۴	امام احمد رضا نمبر	مدیر مشتاق احمد نظامی	ماہنامہ پاسبان الہ آباد	اپریل ۱۹۶۲ء	۸۰
۳۵	حیات فاضل بریلوی	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	(زیر طبع)		تقریباً ۱۰۰۰
۳۶	خلفاء اعلیٰ حضرت	محمد صادق قصوری	مرکزی مجلس رضا لاہور		عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے
۳۷	علماء ان پولٹکس (انگریزی)	ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی	مطبوعہ کراچی	۱۹۷۳ء	ذکر صفحہ ۲۷۰
۳۸	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	پنجاب یونیورسٹی شعبہ دائرۃ المعارف اسلامیہ			۲۷۴ سے ۲۸۴
۳۹	اعلیٰ حضرت بریلوی	پروفیسر عبدالشکور شاد کابل یونیورسٹی کابل	(زیر طبع)		
۴۰	آزادی کی ان کہی کہانی	گل محمد فیضی بی اے	مکتبہ اکرم ڈھل شریف سرگودھا	اکتوبر ۱۹۷۴ء	ذکر صفحہ ۱۳۶ تا ۱۶۱
۴۱	تذکرۂ رضا	محمد احمد مصباحی	حق اکیڈمی مبارکپور		۸۰
۴۲	رانچی میں یوم رضا	محمد احمد مصباحی	حق اکیڈمی مبارکپور		۳۲
۴۳	تذکرۂ علمائے اہلسنت	محمود احمد قادری	خانقاہ قادریہ بھوانی پور مظفرپور	رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ	۴۲ تا ۴۶

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	ناشر	سن طباعت	صفحات
۴۴	تذکرہ نوری	پروفیسر محمد ایوب قادری	سنی دار الاشاعت لائلپور	۱۹۶۸ء	۵ تا ۷
					۵ تا ۱۷
					۴۰ تا ۴۱
					۲۰۵ تا ۲۰۶
					۱۵۹ تا ۱۶۰
۴۵	اعلیٰ حضرت کی علمی و ادبی خدمات (ڈاکٹریٹ مقالہ)	حکیم محمد ادریس خاں	(غیر مطبوعہ)	۱۹۷۵ء	۱۵۰۰
۴۶	تذکرہ علمائے ہند	مولانا رحمان علی	مطبع نول کشور لکھنؤ	۱۹۱۴ء	۱۵ تا ۱۸
۴۷	اردو انسائیکلوپیڈیا	ڈاکٹر عبد الوحید	فیروز سنز لمیٹڈ لاہور	۱۹۶۲ء	۸۶
۴۸	نزہتہ الخواطر جلد ہشتم	سید عبد الحئی لکھنوی	مطبوعہ حیدر آباد	۱۹۷۰ء	۳۸ تا ۴۱
۴۹	ہندوستان کے عربی گو شعراء	ڈاکٹر حامد علی خاں	غیر مطبوعہ		۲۴۶ تا ۲۴۷
۵۰	قاموس الکتب	مولوی عبد الحق بابائے اردو	انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی	جون ۱۹۶۱ء	۴۴۳ تا ۴۴۶
					۳۸۲
					۱۸۶
					۲۱۸
					۸۸۳
					۹۱۰
					۹۲۳ تا ۹۲۷
					۱۰۰۰
					۱۰۶۳
					۱۰۲۴
					٥
۵۱	حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی	محمد مرید احمد چشتی ضلع جہلم۔	(زیر طبع)		
۵۲	حافظ ملت اعلیٰ حضرت	مدیر اعلیٰ ظہیر الدین قادری	ماہنامہ استقامت کانپور	دسمبر ۱۹۷۵ء	۲۹ تا ۳۰
۵۳	اعلیٰ حضرت نمبر	مدیر محمد افضل کوٹلوی ایم اے	ماہنامہ فیض رضا لائلپور	۱۹۷۰ء	
۵۴	اعلیٰ حضرت نمبر	؍؍	ماہنامہ عرفات لاہور	اپریل ۱۹۷۰ء	

٥ بابائے اردو نے اعلیٰ حضرت کی کتب کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے اور اس پر نوٹ قلم بند کئے ہیں۔ اور اعلیٰ حضرت کی شخصیت و علمیت کو ہر باب میں مدنظر رکھا ہے۔ (اسد)

ہے مئے عشق رسول اللہ سے مخمور تو
ہو نہ پھر کیونکر خدائے دو جہاں تیرا خلیل

۱

امام احمد رضا شخصیتی جائزہ

۲

امام احمد رضا علوم وفنون کا ہمالیہ

۳

امام احمد رضا اور ان کی خصوصیات

۴

امام احمد رضا نائبِ رسول اعظم

۵

امام احمد رضا ایشیاء کا عظیم محقق

۶

امام احمد رضا دین کا امام

۷

امام احمد رضا سوانحی خاکہ

۸

امام احمد رضا اور محبّت سادات

امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ

پروفیسر مختار الدین احمد ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

حضرت مولانا احمد رضا خان، جنھیں اپنے وقت کے مشہور عالم حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی نے "مجدد مائۃ حاضرہ" کا لقب دیا تھا اور جنھیں خواص اب بھی اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں اعلحضرت فاضل بریلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ قندھار (کابل) کے ایک باعظمت قبیلے کے ایک پٹھان سعید اللہ خان تھے جو مغلوں کی حکومت میں لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز ہوئے۔ لاہور کا شیش محل انھی کی جاگیر تھا۔ جب وہ لاہور سے دہلی منتقل ہوئے تو وہ شش ہزاری عہدے پر متمکن تھے۔ ان کے بیٹے سعادت یار خاں کو حکومت مغلیہ نے ایک جنگی مہم سر کرنے کے لئے روہیل کھنڈ بھیجا۔ فتح یابی کے بعد ان کا یہیں انتقال ہوا۔ ان کے تین بیٹوں میں اعظم خاں بریلی آئے اور کچھ دن حکومت کے بعض اہم عہدوں پر فائز رہے پھر انھوں نے ترک دنیا کر کے بریلی میں سکونت اختیار کرلی۔ کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیلدار انھی اعظم خاں کے بیٹے تھے جن کے پاس دو سو سواروں کی بٹالین تھی۔ اور جنھیں آٹھ گاؤں جاگیر میں ملے تھے۔ ان کے بیٹے رضا علی خاں (متوفی ۱۲۸۲ھ) تھے اپنے وقت کے قطب اور ولی کامل اور روہیل کھنڈ کے بزرگ ترین علماء میں تھے۔ اس خاندان میں انھی کے زمانے میں حکمرانی کا دور ختم ہو کر فقر و درویشی کا رنگ غالب آیا۔ ان کے صاحبزادے مولانا نقی علی خاں (م ۱۲۹۷ھ) علوم ظاہری و باطنی دونوں سے متصف جلیل القدر عالم تھے۔ آپ کی تصنیف سرور القلوب فی ذکر مولد المحبوب اس زمانہ کی مقبول کتابوں میں ہے۔ علامہ محمد حسن علمی جن کے لکھے ہوئے خطبات ہندوستان ہر جگہ رائج ہیں اور جمعہ و عیدین میں شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں انھی کا خطبہ پڑھا جاتا ہے حضرت ہی کے شاگرد تھے۔ وہ بے مثل مناظر اور بہت کامیاب مصنف بھی تھے۔ اعلحضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی انھی مولانا نقی علی خاں کے صاحبزادے تھے۔ ان کی ولادت بریلی میں دس شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ہوئی۔ ولادت کا سن ہجری اس آیت کریمہ سے مستخرج ہوتا ہے اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔

بسم اللہ خوانی کس عمر میں ہوئی معلوم نہیں لیکن اس قدر یقین ہے کہ بہت کم عمری میں ہوئی ہوگی اس لئے کہ چار سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ناظرہ ختم کرلیا تھا اس سے آپ کی ذہانت و فراست کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بسم اللہ خوانی کا عجیب واقعہ پیش آیا۔ استاد نے بسم اللہ کے بعد الف با تا ثا جس طرح پڑھایا جاتا ہے پڑھایا، آپ پڑھتے رہے، جب (لام الف) کی نوبت آئی تو آپ خاموش رہے۔ استاد نے دوبارہ کہا میاں: لام الف۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں حرف تو پڑھ چکے ہیں ل بھی اور الف بھی، اب یہ دوبارہ کیوں؟ جد امجد مولانا رضا علی خاں موجود تھے بولے: بیٹا، استاد کا کہا مانو جو کہتے ہیں پڑھو۔ حضرت نے تعمیل کی اور جد امجد کی طرف دیکھا۔ وہ فراست سے سمجھ گئے کہ اس بچے کو شبہ ہو رہا ہے کہ یہ حروف مفردہ میں ایک مرکب لفظ کیسے آگیا، فرمایا بیٹا تمہارا شبہ درست ہے مگر شروع میں تم نے جو الف پڑھا ہے وہ در اصل ہمزہ ہے اور یہ در حقیقت الف ہے لیکن الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن کے ساتھ ابتدا ناممکن ہے اس لئے ایک حرف یعنی لام اول میں لا کر اس کا تلفظ بتانا مقصود ہے۔ آپ نے فرمایا تو کوئی ایک حرف ملا دینا کافی تھا لام کی کیا خصوصیت ہے۔ با، دال، سین بھی اول میں لا سکتے تھے۔ جد امجد نے غایت محبت و جوش میں گلے لگالیا۔ دل سے دعائیں دیں اور پھر اس کی توجیہ ارشاد فرمائی۔

حیات اعلیٰ حضرت مؤلفہ ملک العلماء فاضل مولانا ظفر الدین قادری رضوی میں ان کے بچپن کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ ایک دو ٹکڑے آپ بھی سن لیجیے۔

ایک مولوی صاحب حضرت کو قرآن پاک پڑھایا کرتے تھے۔ ایک روز وہ کسی آیہ کریمہ میں بار بار ایک لفظ انھیں بتاتے تھے مگر آپ کی زبان سے نہیں نکلتا تھا، وہ زبر بتاتے تھے آپ زیر پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت کے جد امجد نے

انھیں اپنے پاس بلایا اور کلام پاک کا وہ نسخہ منگوا کر دیکھا تو اس میں کاتب سے اعراب کی غلطی ہو گئی تھی اور جس کی مطبع میں تصحیح نہیں ہو سکی تھی۔ جد امجد نے نسخے میں تصحیح کر دی اور حضرت سے پوچھا جس طرح مولوی صاحب بتاتے تھے اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ فرمایا میں ارادہ کرتا تھا مگر زبان پر قابو نہ تھا۔

ایک روز مولوی صاحب موصوف حسب معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آکر سلام کیا، مولوی صاحب نے کہا جیتے رہو۔ اس پر حضرت نے فرمایا یہ سلام کا جواب تو نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہئے تھا۔ مولوی صاحب سنکر بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دیں۔

حضرت مولوی صاحب سے سبق پڑھتے تو ایک دو بار دیکھ کر کتاب بند کر دیتے۔ استاد جب سبق سنتے تو لفظ بلفظ یاد۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر مولوی صاحب سخت متعجب ہوئے ایک دن کہنے لگے: امن میاں (یہ آپ کا بچپن کا نام ہے) تم آدمی ہو یا فرشتہ، مجھ کو پڑھاتے دیر لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔

اس قسم کے متعدد واقعات مولوی صاحب کو بارہا پیش آئے تو ایک روز تنہائی میں حضرت سے کہنے لگے: صاحبزادے سچ سچ بتا دو میں کسی سے کہوں گا نہیں، تم انسان ہو یا جن؟ آپ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میں انسان ہی ہوں بس اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہے۔

ابتدائی زندگی کے حالات کم ملتے ہیں۔ تذکرہ علمائے ہند مولفہ رحمٰن علی میں لکھا ہے کہ چار سال کی عمر میں قرآن شریف ناظرہ ختم کیا اور چھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول شریف میں بہت بڑے مجمع کے سامنے میلاد شریف پڑھا۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مرزا غلام قادر بیگ اور دوسرے اساتذہ سے پڑھ کر چودہ سال کی عمر میں تمام علوم درسیہ معقول و منقول کی تکمیل اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خان سے کی۔ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو فاتحہ فراغ ہوا۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا۔ والد ماجد نے ذہن و طباع دیکھ کر اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام ان کے سپرد فرمایا۔ ۱۲۹۴ھ میں مارہرہ حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی کے مرید ہوئے اور خلافت و اجازت جمیع سلاسل و سند حدیث سے مشرف ہوئے۔ ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین طیبین سے شرف و افتخار حاصل فرمایا اور اکابر علمائے دیار مثل حضرت سید احمد دحلان مفتی شافعیہ و حضرت عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ سے حدیث و فقہ و اصول و تفسیر و دیگر علوم کی سند حاصل فرمائی۔ مصنف تذکرہ علمائے ہند ہی راوی ہیں کہ ایک دن نماز مغرب مقام ابراہیم میں ادا کی کہ امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح نے بلا تعارف سابق آپ کا ہاتھ پکڑا اور انھیں اپنے دولت خانے لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرماتے رہے انی لاجد نور اللہ فی ھذا الجبین (بیشک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں) اور صحاح ستہ اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دست مبارک سے لکھ کر عنایت فرمائی۔ اس سند کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک فقط گیارہ واسطے ہیں۔

آپ کے اساتذہ کی فہرست بہت مختصر ہے۔ مکتب کے استاد جن کا نام معلوم نہیں اور مرزا غلام قادر بیگ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ والد ماجد سے علوم دینیہ کی تکمیل کی غالباً ۱۲۸۸ھ کا قصہ ہے کہ آپ کو اپنے بعض اعزہ کے یہاں رام پور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا۔ آپ کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم نواب کلب علی خاں صاحب کے یہاں کسی اونچے عہدے پر مامور تھے، ان سے حضرت کا ذکر آیا، نواب صاحب چونکہ علمی ذوق رکھتے تھے اور علماء، شعراء، حکماء اور اہل فن کی خاص جماعت ان کے دربار سے منسلک تھی اور وہ علمی و ادبی گفتگو کرتے رہتے تھے انھیں ایک ایسے لائق طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کر لی تھی، جب حضرت نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انھوں نے خاص پلنگ پر بٹھایا اور وہ بہت لطف و محبت سے باتیں کرتے رہے۔ دوران گفتگو میں انھوں نے فرمایا: آپ ماشاء اللہ فقہ و دینیات میں بہت کمال رکھتے ہیں۔ ہمارے یہاں مولانا عبدالحق خیر آبادی مشہور منطقی موجود ہیں بہتر ہو آپ ان سے کچھ منطق کی انتہائی کتابیں قدماء کی تصانیف سے پڑھ لیں۔ اتفاق سے اسی وقت مولانا عبدالحق خیر آبادی تشریف لے آئے۔ نواب صاحب نے تعارف کرایا اور فرمایا باوجود کم سنی کے ان کی سب کتابیں ختم ہیں اور فارغ التحصیل ہیں۔ مولانا خیر آبادی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ دنیا میں ڈھائی عالم ہیں۔ ایک مولانا بحرالعلوم دوسرے والد مرحوم اور نصف بندۂ ناچیز۔ وہ ایک کم عمر لڑکے کو کیا عالم مانتے پوچھا منطق میں انتہائی کتاب آپ نے کیا پڑھی ہے؟ جواب دیا۔ قاضی مبارک۔ یہ سن کر دریافت کیا کہ شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیا جناب کے یہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ خیر آبادی نے گفتگو کا رخ بدل دیا اور پوچھا۔ بریلی میں آپ کا کیا شغل ہے؟ فرمایا تدریس، تصنیف اور افتاء۔ پوچھا، کس فن میں تصنیف کرتے ہیں۔ اعلیحضرت نے فرمایا جس مسئلہ دینیہ میں ضرورت دیکھی اور رد وہابیہ میں۔ علامہ نے فرمایا آپ بھی رد وہابیہ کرتے ہیں۔ ایک وہ ہمارا بدایونی خبطی ہے کہ ہر وقت اسی خبط میں مبتلا رہتا ہے۔ یہ اشارہ تاج الفحول محب الرسول حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی کی طرف تھا جو علامہ کے استاد بھائی دوست اور ساتھی تھے۔ اعلیحضرت آزردہ خاطر ہوتے اور بولے: جناب والا سب سے پہلے رد وہابیہ حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی حضور کے والد ماجد نے کیا اور تحقیق الفتویٰ لسلب الطغویٰ نام کی کتاب رد وہابیہ میں تصنیف کی۔ بہر حال حضرت کے استاد ہونے کا فخر رام پور ہی کے ایک دوسرے عالم ہیئات کے مشہور فاضل مولانا عبدالعلی رامپوری کو حاصل ہوا جن سے حضرت نے شرح چغمینی کے کچھ اسباق لئے آپ نے حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی سے علم تکسیر و جفر حاصل کئے، ان کے

علاوہ کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا، مگر فضل خدا اور ان کی محنت و خداداد ذہانت کی وجہ سے اتنے علوم و فنون کے جامع بنے کہ پچاس فنون میں آپ نے تصنیفات فرمائیں اور علوم و معارف کے وہ دریا بہائے کہ تلامذہ و معتقدین کا تو کہنا کیا۔ معاصرین بھی جو ان کی شدت اور صلابت فی الدین کی وجہ سے آپ سے ناخوش تھے۔ یہ کہنے پر مجبور تھے کہ مولانا احمد رضا خان قلم کے بادشاہ ہیں۔ جس مسئلہ پر انھوں نے قلم اٹھالیا موافق کو ضرورت اضافہ نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش۔

تلامذہ کی تعداد خاصی ہے۔ مشاہیر میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں مفتی اعظم حضرت مولانا مصطفےٰ رضا خاں متع اللہ المسلمین بطول بقاء، سلطان المناظرین مولانا سید احمد اشرف کچھوچھوی، محدث اعظم مولانا سید محمد کچھوچھوی، ملک العلماء فاضل بہار مولانا ظفر الدین قادری۔ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی، رئیس الاطباء مولانا سید حکیم عزیز غوث بریلوی قابل ذکر ہیں۔

اعلیٰحضرت ۱۲ سلاسل کی اجازت و خلافت عطا فرمایا کرتے تھے حرمین شریفین افریقہ، ہندوستان وغیرہ کے جن اکابر علماء اسلام کو ان سے اجازت و خلافت ہوئی ان میں کچھ مشہور و معروف حضرات کے اسمائے گرامی الاجازات المتینۃ اور الاستمداد میں درج ہیں۔

ان میں مولانا سید محمد عبدالحیٔ محدث بلاد مغرب، شیخ صالح کمال سابق مفتی حنفیہ، سید اسمٰعیل مکی حافظ کتب خانہ حرم شریف، مولانا مصطفےٰ بن خلیل مکی، سید ابو حسین محمد مرزوقی مکی، شیخ اسعد دہان مکی، شیخ محمد عابد بن حسین مکی مفتی مالکیہ وغیرہم اور ہندوستانی علماء میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی، مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خان متع اللہ المسلمین بطول بقائہ، ملک العلماء فاضل بہار مولانا ظفر الدین قادری صدر الشریعۃ مولانا امجد علی، صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، شیخ المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ محدث لاہوری، مبلغ اعظم مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی حامیٔ سنت مولانا عبدالسلام جبل پوری، سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی فاضل جلیل مولانا برہان الحق جبل پوری، عالم حقانی مولانا سید فتح علی شاہ کھروٹہ سیدان حامی شریعت مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری، ماحیٔ بدعت مولانا ابو محمد امام الدین کوٹلی لوہاران (پنجاب) قابل ذکر ہیں۔

ان کا ایمان کس قدر پختہ تھا اور سرور کائنات کے ارشادات پر کس درجہ یقین تھا اس کی ایک مثال انھی کی زبان قلم سے سنیئے:

بریلی میں مرض طاعون بشدت تھا، ایک دن میرے مسوڑھوں میں ورم ہوا، اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہو گیا۔ بخار بہت شدید اور کان کے پیچھے گلٹیاں طبیب نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا: یہ وہی ہے یہ وہی ہے یعنی طاعون میں بالکل کلام نہ کر سکتا تھا اس لئے انھیں جواب نہ دے سکا حالانکہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں، نہ مجھے طاعون ہے اور نہ ان شاء اللہ العزیز کبھی ہوگا اس لئے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر وہ دعا پڑھ لی ہے جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا اس بلا سے محفوظ رہے گا، وہ دعا یہ ہے الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا۔ جن جن امراض کے مریضوں، جن جن بلاؤں کے بتلاؤں کو دیکھ کر میں نے اسے پڑھا الحمد للہ آج تک ان سب سے محفوظ ہوں اور بعونہ تعالیٰ ہمیشہ محفوظ رہوں گا۔ مجھے ارشاد حدیث پر اطمینان تھا کہ مجھے طاعون کبھی نہ ہوگا۔ آخر شب میں کرب بڑھا تو دل نے درگاہ الٰہی میں عرض کی اللّٰھم صدّق الحبیب وکذّب الطبیب، کسی نے میرے داہنے کان پر منہ رکھ کر کہا مسواک اور سیاہ مرچیں۔ میں نے مسواک اور سیاہ مرچ کا اشارہ کیا۔ جب دونوں چیزیں آئیں اس وقت میں نے مسواک کے سہارے پر تھوڑا تھوڑا منہ کھولا۔ اور دانتوں میں مسواک رکھ کر سیاہ مرچ کا سفوف چھوڑ دیا۔ پسی ہوئی مرچیں اس راہ سے داڑھوں تک پہنچائیں تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ ایک کلی خالص خون کی آئی مگر کوئی تکلیف واذیت محسوس نہ ہوئی، اس کے بعد ایک کلی خون کی اور آئی اور بحمد للہ وہ گلٹیاں جاتی رہیں۔ منہ کھل گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب سے کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ طاعون بفضلہ تعالیٰ دفع ہو گیا، دو تین روز میں بخار بھی جاتا رہا۔

اسی طرح ایک بار کثرت مطالعہ کے سبب آنکھوں میں تکلیف شروع ہوئی، اس وقت کا ایک بہت سربر آوردہ ڈاکٹر اندرسن نامی تھا اس نے معائنہ کے بعد کہا کہ کثرت کتب بینی سے آنکھوں میں یبوست آگئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھئے، ان سے پندرہ دن بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔ اعلیٰحضرت لکھتے ہیں:

حکیم سید مولوی اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر طبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے فرمایا۔ مقدمۂ آب نزول ہے، بیس برس بعد (خدا ناکردہ) آنکھوں میں پانی اتر جائے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور نزول آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک پر مطمئن ہو گیا۔ ۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر آیا، کہا چار برس میں (خدانخواستہ) پانی اترے گا۔ مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا۔ الحمد للہ بیس درکنار تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں۔ نہ میں نے کتب بینی میں کمی کی نہ کمی کروں گا۔ میں نے یہ اس لئے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں اور قیامت تک اہل ایمان مشاہدہ کریں گے۔

البتہ ایک بار اس دعا کے پڑھنے کا مجھے افسوس ہے۔ مجھے نوعمری میں اکثر آشوب چشم ہو جایا کرتا تھا اور بوجہ حدت مزاج بہت تکلیف دیتا تھا۔ ۱۹ سال کی عمر ہوگی کہ رام پور جاتے ہوتے ایک شخص کو آشوب چشم میں مبتلا دیکھ کر یہ دعا پڑھی جب سے ابتک آشوب چشم پھر نہیں ہوا۔ افسوس اس لئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ جانو، زکام کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، کھجلی کہ اس سے امراض جلدیہ جذام وغیرہ کا انسداد ہو جاتا ہے اور آشوب چشم کہ نابینائی کو دفع کرتا ہے۔

اعلحضرت صوم وصلوٰۃ اور طہارت وغیرہ میں بہت احتیاط فرماتے تھے وضو میں بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کا پورا اہتمام کرتے تھے، کوشش بلیغ فرماتے کہ ہر جگہ سے سیلانِ آب ہو جائے اور بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہ جائے۔ اس مقصد کے لئے پانی کے دو لوٹے ان کے لئے رکھے جاتے تھے۔ بریلی میں جب ٹیوب ویل کا رواج ہوا تو اپنے یہاں فوراً لگوایا، لگوا کر بہت خوش ہوئے فرمایا اب کنواں میں چڑیوں کی بیٹ یا کسی نجاست کے گرنے کا احتمال نہیں رہا۔ جو کام الٹے ہاتھ سے کرنے کے ہیں ان کے علاوہ وہ ہر کام کی ابتدا سیدھے ہاتھ سے کرتے۔ عمامہ کا شملہ سیدھے شانہ پر رہتا، عمامے کے پیچ سیدھی جانب ہوتے۔ دروازہ مسجد کے زینے پر قدم رکھتے تو سیدھا، صحن مسجد میں ایک صف بچھی رہتی تھی اس پر قدم پہنچتا تو سیدھا، ہر صف پر تقدیم سیدھے قدم سے فرماتے یہاں تک کہ محراب میں مصلیٰ پر قدم سیدھا ہی پہنچتا۔ اگر کسی کو کوئی چیز دینی ہوتی تو سیدھے ہاتھ میں دیتے۔ اور بسم اللہ کے اعداد ۷۸۶ عام طور سے جب لوگ لکھتے ہیں تو ابتدا الٹی طرف سے کرتے ہیں یعنی پہلے ۶ لکھتے ہیں پھر ۸ پھر ۷۔ اعلحضرت سیدھی طرف سے ابتدا کرتے تھے پہلے ۷ پھر ۸ پھر آخر میں ۶ تحریر فرماتے۔

تمام عمر جماعت سے مسجد میں آکر نماز پڑھی اور باوجودیکہ گرم مزاج کے تھے مگر کیسی ہی گرمی کیوں نہ ہو ہمیشہ عمامہ اور انگرکھے کے ساتھ نماز پڑھتے خصوصاً فرض نمازیں تو کبھی صرف ٹوپی اور کرتے میں ادا نہیں کیں ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر آپ مکان تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آپ مسجد آکر نماز پڑھ رہے ہیں۔ ایک صاحب جو خود حضرت کے پیچھے نماز پڑھ چکے تھے بہت متحیر ہوئے کہ بعد عصر نوافل نہیں۔ اور اگر کسی وجہ سے نماز نہیں ہوئی تھی تو حضرت کا حافظہ ایسا نہیں تھا کہ مجھے بھول جاتے اور مطلع نہ فرماتے۔ جب حضرت نے سلام پھیرا تو انھوں نے عرض کیا کہ حضور یہ نماز کیسی؟ فرمایا قعدۂ اخیر میں بعد تشہد سانس کی حرکت سے میرے انگرکھے کا بند ٹوٹ گیا تھا، چونکہ نماز تشہد پر ختم ہو جاتی ہے اس لئے میں نے آپ سے کچھ نہیں کہا اور گھر جا کر انگرکھے کا بند درست کرا کے اپنی نماز دوبارہ پڑھ لی۔

ایک مرتبہ آنکھوں میں کچھ تکلیف ہو گئی تھی، متعدد بار ایسا اتفاق ہوا کہ کسی کو نماز کے بعد بلا کر پوچھتے کہ دیکھو تو آنکھ کے حلقے سے باہر پانی تو نہیں آیا ہے ورنہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔

یہاں آپ کی بعض عادات وخصلات کا ذکر ضروری ہے: ہفتہ میں دو بار جمعہ اور سہ شنبہ کو لباس تبدیل فرماتے، ہاں اگر پنجشنبہ یا شنبہ کو یوم عیدین یا یوم النبی آکر پڑے تو دونوں دن لباس تبدیل فرماتے۔ ان دونوں تقریبوں کے علاوہ سوا یوم معین کے کسی اور وجہ سے لباس تبدیل نہ کرتے۔ ایک مرتبہ مولانا وصی احمد محدث سورتی کے عرس سے پیلی بھیت سے واپسی صبح کی گاڑی سے ہوئی اعلحضرت نے اس وقت اسٹیشن پر آکر وظیفے کی صندوقچی اپنے خادم خاص حاجی کفایت اللہ صاحب سے طلب فرمائی۔ کسی نے جلدی سے ویٹنگ روم سے اس زمانے کی لمبی آرام کرسی لا کر بچھا دی۔ دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے جتنی دیر تک وظیفہ پڑھتے رہے آرام کرسی کے تکیے سے پشت مبارک نہ لگائی۔

حضرت اپنا وقت کبھی بیکار نہیں فرماتے تھے، ہمہ وقت تالیف وتصنیف و فتاویٰ نویسی کا مشغلہ جاری رہتا، اسی وجہ سے اندر کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے کہ باتوں میں کام نہیں ہوگا یا بہت ہی کم ہوگا۔ صرف پنجگانہ نماز کے لئے باہر تشریف لاتے تاکہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں یا کسی مہمان سے ملنے کے لئے۔ جمعہ کو بعد نماز پھاٹک میں تشریف رکھتے۔ روزانہ عصر کی نماز پڑھ کر پھاٹک میں چارپائی پر تشریف رکھتے اور چاروں طرف کرسیاں رکھدی جاتیں۔ یہی وقت عام لوگوں کی ملاقات کا تھا۔ جب لوگ مسئلہ مسائل دریافت کرتے یا آپ خطوط کے جوابات دیتے یا استفتا کے جوابات لکھواتے۔ اس وقت علوم وفیوض و برکات کے دریا جاری ہوتے اور حضار آستانہ مستفیض ہوا کرتے۔ مغرب کی نماز کے بعد زنانہ مکان میں تشریف لے جاتے اور وہیں تصنیف وتالیف وکتب بینی اور اوراد واشغال میں مصروف رہتے۔

آپ حدیث کی کتابوں کے اوپر کوئی دوسری کتاب نہ رکھتے۔ اگر اقوال رسول کی ترجمانی فرما رہے ہیں اور اس درمیان میں کوئی شخص بات کاٹتا تو سخت کبیدۂ خاطر ہوتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے زانوں پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند فرماتے۔ میلاد شریف کی مجلسوں میں شروع سے آخر تک ادباً دوزانو بیٹھا کرتے اور اسی طرح دوزانو بیٹھ کر وعظ فرماتے۔ چار چار پانچ پانچ گھنٹے منبر پہ تقریر کرنا ہوتا جب بھی زانو نہ بدلتے۔ کبھی ٹھٹھا نہ لگاتے۔ جمائی آتے ہی انگلی دانتوں میں دبا لیتے۔ قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ پھیلاتے۔ بغیر صوف پڑی دوات سے لکھنا پسند نہ کرتے۔ یونہی لوہے کی نِب سے اجتناب کرتے۔ خط بنواتے وقت اپنا کنگھا اور شیشہ استعمال فرماتے۔ آخر عمر میں پان کھانا چھوڑ دیا تھا ورنہ پہلے کثرت سے پان استعمال کرتے تھے مگر بغیر تمباکو کے۔ بوقت وعظ پان مطلق نہ کھاتے، ہاں ایک چھوٹی سی صراحی شیشے کی پاس رکھی ہوئی ہوتی اس سے خشکی رفع کرنے کے لئے غرارہ کر لیا کرتے۔

اعلحضرت ضعیف الجثہ اور نہایت قلیل الغذا تھے۔ ان کی عام غذا چکی کے پسے ہوئے آٹے کی روٹی اور بکری کا قورمہ تھا۔ آخر عمر میں ان کی غذا اور بھی کم رہ گئی تھی۔ ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کا اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا۔ کھانے پینے کے معاملے میں اس قدر سادہ مزاج تھے کہ ایک بار بیگم صاحبہ نے انکی

علمی مصروفیت دیکھ کر جہاں وہ کاغذات اور کتابیں پھیلاتے ہوئے بیٹھے تھے، دسترخوان بچھا کر قورمہ کا پیالہ رکھدیا اور چپاتیاں دسترخوان کے ایک گوشے میں لپیٹ دیں کہ ٹھنڈی نہ ہوجائیں۔ کچھ دیر بعد وہ دیکھنے تشریف لائیں کہ حضرت کھانا تناول فرما چکے یا نہیں تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں کہ سالن آپنے نوش فرمالیا ہے لیکن چپاتیاں دسترخوان میں اسی طرح لپٹی رکھی ہوئی ہیں، پوچھنے پر آپ نے فرمایا، چپاتیاں تو میں نے دیکھی نہیں، سمجھا ابھی نہیں پکی ہیں۔ میں نے اطمینان سے بوٹیاں کھالیں اور شوربا پی لیا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔ حیات اعلحضرت میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے زمانے میں افطار کے بعد پان نوش فرماتے۔ سحری میں صرف ایک پیالے میں فیرنی اور ایک پیالے میں چٹنی آیا کرتی تھی وہی نوش فرمایا کرتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا کہ حضرت فیرنی اور چٹنی کا کیا جوڑ؟ فرمایا، نمک سے کھانا شروع کرنا اور نمک ہی پر ختم کرنا سنت ہے۔

آپ نے امور دنیا سے کبھی تعلق نہیں رکھا۔ آپکے آباؤ اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو گردو پیش امارت و ثروت کی فضا پائی۔ خود زمیندار تھے لیکن ساری جائیداد کا کام دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا۔ انھیں کتابوں کی خریداری، سادات کی مہمان نوازی اور گھر کے اخراجات کے لئے ماہانہ ایک رقم مل جاتی تھی چونکہ داد و دہش کے عادی تھے اس لئے کبھی ایسا ہوا ہے کہ قلمدان میں ۱۲ آنے سے زائد موجود نہیں رہے لیکن انھوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی آئی اور مجھے کتنی ملی۔

ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں: الحمدللہ میں نے مال من حیث ہو مال سے کبھی محبت نہ رکھی، صرف انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس سے محبت ہے۔ اسی طرح اولاد من حیث ہو اولاد سے بھی محبت نہیں صرف اس سبب سے کہ صلۂ رحم عمل نیک ہے۔ اس کا سبب اولاد ہے اور میری اختیاری بات نہیں میری طبیعت کا تقاضا ہے۔

ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین صاحب قادری کو ایک ذاتی خط میں تحریر فرماتے ہیں "خط کے جواب میں یہ چاہا تھا کہ آیات و احادیث دربارۂ ذم دنیا و منع التفات بقول اہل دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بفضلہ تعالیٰ آپ کے پیش نظر ہیں، فلاں کو دست غیب ہے، فلاں کو حیدرآباد میں رسوخ ہے۔ یہ تو دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ آپکے پاس بعونہ تعالیٰ علم نافع ہے، ثبات علی السنۃ ہے۔ ان کے پاس علم نفع یا علم مضر ہے۔ اب کون زائد ہے کس پر نعمت حق بیشتر ہے بشرط ایمان وعدہ علو وغلبہ باعتبار دین ہے نہ کہ دنیوی امور میں مومنین کو تفوق ہے۔ دنیا سجن مومن ہے سجن میں جتنا آرام مل رہا ہے کیا محض فضل نہیں۔ دنیا فاحشہ ہے اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوت کفاف بس ہے۔"

تحریک خلافت کے زمانے میں گاندھی جی پورے ملک کا طوفانی دورہ کر رہے تھے مسلمان عوام کے ساتھ علماء کو بھی اپنا ہم خیال بنا رہے تھے اور تحریک خلافت کی طرف انھیں متوجہ کر رہے تھے۔ حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی تحریک سے متاثر ہوچکے تھے اور فرنگی محل میں گاندھی جی، علی برادران اور دوسرے سیاسی اکابر آتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کو خیال ہوا کہ بریلی میں مولانا احمد رضا خانصاحب سے مل کر انھیں بھی اس طرف متوجہ کرنا چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے ایک بڑے حلقے پران کا اثر ہے۔ اس طرح بہت سے مسلمان تحریکِ خلافت کا ساتھ دے سکیں گے ایک صاحب ایک دن بہت خوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آکر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت مختصر جواب دیا فرمایا: گاندھی جی کس دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے۔ یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے اور دنیاوی معاملہ میں میں کیا حصہ لوں گا جبکہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی کوئی غرض نہیں رکھا۔

آپ کی صلابت مذہبی وحق گوئی کا ایک واقعہ سنئے: حضرت ایک بار مولانا فضل رسول بدایونی قدس سرہ العزیز کے عرس میں مارہرہ تشریف لے گئے۔ کسی نے مولوی سراج الدین صاحب آتو لوی کو میلاد شریف پڑھنے بٹھادیا۔ انھوں نے اثنائے تقریر میں کہا کہ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں فرشتے روح ڈالیں گے۔ چونکہ اس میں حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلہ اصول سے انکار نکلتا تھا، سن کر حضرت کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ انھوں نے مولانا عبدالقادر سے فرمایا آپ اجازت دیں تو میں اُن کو منبر سے اتار دوں۔ مولانا عبدالقادر نے مقرر کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبدالغفور صاحب سے فرمایا کہ مولانا ایسے لوگوں کو مولانا احمد رضا خانصاحب کے سامنے میلاد شریف پڑھنے کو نہ بٹھایا کیجئے جن کے سامنے بیان کرنے والے کے لئے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

آپ کی ذات الحب للہ والبغض للہ کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ اور رسول سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے اور اللہ ورسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آئے، کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی بلکہ حلم سے کام لیا لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ اعلحضرت کی زندگی کا ہر گوشہ اتباع سنت کے انوار سے منور رہے۔ آپنے بعض مردہ سنتوں کو زندہ کیا انھی میں نماز جمعہ کی اذان ثانی ہے جس کو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت کے مطابق خطیب کے سامنے دروازہ مسجد پر دلوانے کا رواج قائم کیا۔

آج ہندوستان، پاکستان، افریقہ، افغانستان، کاشغر اور دوسرے ممالک میں جہاں جہاں جمعہ کی اذان ثانی دروازہ مسجد پر دی جارہی ہے وہ آپ ہی کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے۔

اعلحضرت اس امر پر اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام

اور حضور اقدس تبلیغ وہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور علمائے کرام ورثۃ الانبیاء ہیں۔ اسی طرح اس پر یقین رکھتے تھے کہ علماء کے ذمے دو فرض ہیں۔ ایک تو شریعت مطہرہ پر پورے طور پر عمل کرنا دوسرے مسلمانوں کو ان کی دینی مسائل سے واقف کرنا۔ اس لئے جہاں کسی کو خلاف شرع کرتے ہوئے دیکھتے فرضِ تبلیغ بجا لاتے اور اس کو اپنے فرائض میں داخل سمجھتے۔

مصنف حیاتِ اعلیٰحضرت لکھتے ہیں: آپ کے سب کام محض اللہ تعالیٰ کے لئے تھے، نہ کسی کی تعریف سے مطلب نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا۔ حدیث شریف من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان کے مصداق تھے۔ آپ کسی سے محبت کرتے تو اللہ ہی کے لئے، مخالفت کرتے تو اللہ ہی کے لئے، کسی کو کچھ دیتے تو اللہ ہی کے لئے اور کسی کو منع کرتے تو اللہ ہی کے لئے۔ اگر وہ بدمذہبوں اور بے دینوں پر اشد تھے تو دینداروں اور علماء اہلسنت کے لئے "رحماء بینھم"، کی زندہ تصویر بھی تھے۔ حضرت تاج الفحول محب الرسول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہ العزیز کی بہت عزت کرتے تھے اپنے قصیدہ آمال الابرار وآلام الاشرار میں علمائے اہلسنت کی تعریف فرمایا ہے۔

اذا احلوا انمصرت الیاوی
اذا راحوا افصار المعربید

یہ علمائے کرام ایسے ہی جب کسی ویرانے میں اترتے ہیں تو ان کے دم قدم سے ویرانہ پر رونق شہر ہو جاتا ہے اور وہ جب روانہ ہوتے ہیں تو شہر ویرانہ بن جاتا ہے۔ مصنف حیات اعلیٰحضرت لکھتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یہ محض مبالغہ شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ اعلیٰحضرت نے فرمایا نہیں بالکل واقعہ ہے۔ حضرت مولانا عبد القادر کی یہی شان تھی جب تشریف لایا کرتے تو شہر کی حالت بدل جاتی تھی۔ عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی تھی اور جب تشریف لے جاتے تو باوجودیکہ سب لوگ موجود ہوتے مگر ایک ویرانی اور اداسی چھا جاتی۔

مسئلہ عینیت وغیریت صفات باری تعالیٰ میں دونوں کا اختلاف تھا مولانا عبد القادر فرماتے تھے کہ صوفیہ کے صفات کو عین ذات ماننے اور فلاسفہ کے عین ذات ماننے میں فرق ہے اور حضرت اس فرق کے ماننے میں تامل فرماتے تھے۔ اس موضوع پر تفصیلی اور طویل گفتگو ہوئی۔ حضرت نے آخر میں فرمایا: میں بغیر دلیل تسلیم کئے لیتا ہوں کہ صوفیہ کے قول عینیت اور فلاسفہ کے قول عینیت میں فرق ہے اس لئے کہ میرے مرشدانِ عظام فرماتے ہیں کہ ہم جو صفات کو عین ذات مانتے ہیں وہ اس طرح نہیں جس طرح فلاسفہ مانتے ہیں۔ اگرچہ دلیل سے یہ فرق میرے ذہن میں ابتک نہیں آیا ہے لیکن چونکہ میرے مرشدان عظام یہ فرماتے ہیں اس لئے اپنے مرشدان عظام کے ارشاد پر سر تسلیم خم کئے دیتا ہوں

حضرت مہدی حسن میاں صاحب سجادہ نشین سرکار کلاں مارہرہ شریف فرماتے تھے کہ جب میں بریلی آتا تو اعلیٰ حضرت خود کھانا لاتے اور ہاتھ دھلاتے حسب دستور ایک بار ہاتھ دھلاتے وقت فرمایا: حضرت شاہزادہ صاحب! یہ انگوٹھی اور چھلے مجھے دیدیجئے۔ میں نے اتار کر دیدیئے اور وہاں سے بمبئی چلا گیا۔ بمبئی سے مارہرہ واپس آیا تو میری لڑکی فاطمہ نے کہا: ابا بریلی کے مولانا صاحب کے یہاں سے پارسل آیا تھا جس میں انگوٹھی اور چھلے تھے۔ اور والا نامہ میں مذکور تھا: "شاہزادی صاحبہ یہ دونوں طلائی اشیاء آپ کی ہیں"، یہ تھا اعلیٰ حضرت کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اکابر ومشائخ کی تعظیم وتوقیر۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وتعظیم سے ہے کہ وہ چیز جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت واضافت ہے اس کی تعظیم وتوقیر کرنی اور ان میں سادات کرام جزو رسول ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مستحق توقیر وتعظیم ہیں اس پر پورا عمل کرنیوالا بقول حضرت ملک العلماء، اعلیٰ حضرت کسی سید صاحب کو اس کی ذاتی حیثیت ولیاقت سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جزو ہیں۔ پھر اس اعتقاد ونظریہ کے بعد جو کچھ انکی تعظیم وتوقیر کی جائے کم ہے۔

سادات سے محبت اور ان کے احترام کی بہت سی مثالیں حیات اعلیٰ حضرت میں درج ہیں۔ حضرت اپنے ملفوظات میں اس سوال کے جواب میں کہ کیا سادات کے بچے کو استاد تادیباً سزا دے سکتا ہے فرماتے ہیں: قاضی جو حد دو اللہ قائم کرنے پر مجبور ہے اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت بلکہ عشق مشہور زمانہ ہے۔ یہ سطور پڑھیئے۔

خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ ہو جاؤ، یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا، اپنے مواجہ اقدس میں جگہ بخشی، ان کی نگاہ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی اب خصوصیت اس درجہ قرب کے ساتھ ہے۔ والحمد للہ

سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ کبھی بعض اصحاب ص یا صلعم اور انبیائے کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ اختصار ع، م کا لکھنا انھیں سخت ناپسند تھا بلکہ وہ اسے کفر سمجھتے تھے ایک خط میں ملک العلماء کو لکھتے ہیں:

تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے حاشیہ در میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ساتھ علیہ السلام کا اختصار ع م لکھنا کفر ہے کہ تخفیف شان نبوت ہے۔ اب کبھی بانکی پور جانا ہو تو اس عبارت کو ضرور تلاش کیجئے۔ (باقی صفحہ ۳۴۸ پر)

امام احمد رضا

علوم و فنون کا ہمالہ

عالیجناب مقبول جہانگیر (لندن)

پرانے شہر بریلی کے ایک محلے میں صبح ہی سے ہر طرف چہل پہل تھی دلوں کی سر زمین پر عشقِ رسالت کا کیف اور سرور کالی گھٹاؤں کی طرح برس رہا تھا۔ بام و در کی آرائش گلی کوچوں کا نکھار، رہگزاروں کی صفائی اور دُور دُور تک رنگین جھنڈیوں کی بہار ہر گزرنے والے کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔ بالآخر چلتے چلتے ایک راہگیر نے دریافت کیا۔

"آج یہاں کیا ہونے والا ہے؟"

کسی نے جواب دیا: دنیائے اسلام کی عظیم شخصیت، دین کے مجدد اہلِ سنّت کے امام عشقِ رسالت کے گنجِ گراں مایہ، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی آج یہاں تشریف لانے والے ہیں۔ انہی کے خیر مقدم میں یہ سارا اہتمام ہو رہا ہے۔"

"کہاں سے تشریف لائیں گے؟"

"اسی شہر کے محلہ سوداگران سے — جواب سُن کر راہگیر حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ دیر تک کھڑا سوچتا رہا کہ آنے والا اسی شہر سے آرہا ہے وہ آنا چاہے، تو ہر صبح و شام آسکتا ہے، مسافت بھی کچھ اتنی طویل نہیں کہ وہاں سے آنے والے کو خاص اہمیت دی جائے اور اس کے خیر مقدم کا شاندار اہتمام کیا جائے۔ آخر لوگوں کے سامنے اپنے دل کی خلش کا اظہار کئے بغیر اس سے نہ رہا گیا۔ ایک بوڑھے آدمی نے ناصحانہ انداز میں جواب دیا؛

"بھائی پہلے تم یہ سمجھ لو کہ آنے والا کس حیثیت کا ہے۔ اس کی ہستی کس شان کی ہے۔ اعزاز و اکرام کی بنیاد مسافت کے قُرب و بعد پر نہیں، شخصیت کی جلالت اور فضل و کمال کی برتری پر ہے۔ آنے والے مہمان کی زندگی یہ ہے کہ وہ اپنے دولت کدے سے نکل کر یا تو فرائضِ بندگی کے لئے خانۂ خدا میں جاتا ہے یا پھر جذبۂ عشق کی تپش بڑھ جاتی ہے تو دیارِ حبیب کا سفر کرتا ہے، اس کے علاوہ اس کے شام و سحر اور شب و روز کا ایک ایک لمحہ دینی مہمات میں اس درجہ مصروف ہے کہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی اسے مہلت نہیں ملتی۔ اس کے حریمِ دل پر ہر وقت عشقِ بے نیاز کا پہرہ ہے۔ ہزار اندازِ دلرُبائی پر بھی آج تک خیالِ غیر کو اجازت نہیں مل سکی۔ اس کی نوکِ قلم سے نکلی ہوئی روشنائی کا ایک ایک قطرہ فکر و اعتقاد کی جنتوں میں کوثر و تسنیم بن کر بہہ رہا ہے۔ اس کے خونِ جگر کی سُرخی سے ویرانوں میں دین کے گلشن لہلہا اٹھے ہیں۔ اس کے عرفان و آگہی کی داستانیں چمن چمن پہنچ گئی ہیں اور لوح و قرطاس سے گزر کر اب اُس کے علم و دانش کا چراغ کشورِ دل کے شبستانوں میں جل رہا ہے۔ عشق و ایمان کی روح اس کے وجود میں رگ رگ میں اس طرح رچ بس گئی کہ اپنے محبوب کی شوکتِ جمال کے لئے ہر وقت بے چین رہتا ہے۔ اس کے جگر کی آگ کبھی نہیں بجھتی، اس کے دل کا دھواں کبھی بند نہیں ہوتا نقش و نگارِ جاناں کے لئے اس کے قلم کی روشنائی نہیں سُوکھتی۔ پلکوں کا قطرہ ڈھلکنے نہیں پاتا کہ اس کی جگہ آنسوؤں کا نیا طوفان اُمڈنے لگتا ہے۔

وہ اپنے محبوب کے وفاداروں پر اس درجہ مہربان کہ قدموں کے نیچے دل کا فرش بچھا کر بھی اہتمامِ شوق کی تشنگی محسوس کرتا ہے جہاں وہ اہلِ ایمان کے لئے لالہ کے جگر کی ٹھنڈک ہے، وہیں اہلِ کفر و بغاوت کے حق میں غیظ و غضب کا ایک دہکتا ہوا انگارہ اپنے محبوب کے گستاخوں پر جب وہ قلم کی تلوار اٹھاتا ہے، تو انگلیوں کی ایک ایک جنبش پر تڑپتی ہوئی لاشوں کا انبار لگ جاتا ہے۔ باطل کے جگر میں اس کے نشتر کا ڈالا ہوا شگاف زندگی کی آخری ہچکیوں تک مندمل نہیں ہوتا۔ سن لو کہ اپنے خون کے پیاسوں کو بھی معاف کر سکتا ہے، لیکن محبوب کی حُرمت سے کھیلنے والوں کے لئے اس کے ہاں صُلح و درگزر کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوستی کا پیمان تو بڑی چیز ہے، وہ تو ان دشنام طرازوں سے ہنس کر بات کرنا بھی ناموسِ عشق کی توہین سمجھتا ہے۔ بارگاہِ رب العزّت اور شانِ رسالت میں اس کا ذوقِ احترام و ادب، اس درجہ لطیف ہے کہ متکلم کے قصد و نیّت سے قطعِ نظر وہ الفاظ کی نوک پلک پر بھی شرعی تعزیرات کا پہرہ بٹھا دیتا ہے۔ اس کے فکر و نظر کی اصابت، علم و فن کی انفرادیت، شریعت و تقویٰ کا التزام، مجد و شرف کی برتری، تجدید و ارشاد کا منصب امامت اور دین و سُنّت کے فروغ کے لئے اس کے دل کا اخلاص عرب و عجم نے تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اپنے زمانے کا بہت بڑا سخن ور بھی ہے، لیکن آج تک کبھی اس کی زبان اہلِ دنیا کی منقبت سے آلودہ نہ ہوئی۔ وہ بھری کائنات میں صرف اپنے محبوب مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی سے شاد کام رہتا ہے اپنے کریم کے در کی گدائی پر دونوں جہان کا اعزاز نثار کر چکا ہے دنیا کے اربابِ ریاست صرف اس آرزو میں بارہا اس کی چوکھٹ تک آئے کہ اپنے حضور میں صرف باریاب ہونے کی اجازت دے دے، لیکن زمانہ شاہد ہے کہ ہر بار انہیں شکستہ خاطر لوٹنا پڑا۔"

بوڑھے نے جذباتی انداز میں اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا!

اب تم ہی بتاؤ کہ اپنے وقت کی اس عظیم دیدہ ور شخصیت، جس کی دینی و علمی شوکتوں کا پرچم عرب و عجم میں لہرا رہا ہے اور جسے عشق مصطفٰی کی وارفتگی نے دونوں جہان سے چھین لیا ہے، آج اگر وہ یہاں قدم رنجہ فرمانے کے لئے مائل کرم ہے، تو کیا یہ ہماری قسمتوں کی معراج نہیں؟ اگر ہم اس کے خیر مقدم کے لئے اپنے دلوں کا فرش بچھا رہے ہیں، تو اپنے جذبۂ شوق کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ خوشگوار اور جنوں انگیز موسم اور کیا ہو سکتا ہے؟

(ادھر) اہل سنّت کی سواری کے لئے پالکی مکان کے دروازے کے سامنے لگا دی گئی ہے۔ سینکڑوں مشتاقانِ دید انتظار میں کھڑے ہیں۔ حضرت نے وضو کیا، پھر کپڑے زیب تن فرمائے، عمامہ باندھا اور عالمانہ وقار کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ چہرۂ انور سے فضل و تقویٰ کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ شب بیدار آنکھوں میں تقدس و پاکیزگی کی سُرخی ہے۔ طلعتِ جمال کی دلکشی سے مجمع پر ایک رقت انگیز بیخودی کا عالم طاری ہے، گویا پروانوں کے ہجوم میں ایک شمعِ فروزاں مسکرا رہی ہے یا عندلیبانِ شوق کی انجمن میں ایک گلِ رعنا کھلا ہوا ہے۔

بڑی مشکل سے سواری تک پہنچنے کا موقع ملا ہے۔ پابوسی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کہاروں نے پالکی اٹھائی ہے۔ آگے پیچھے دائیں بائیں نیاز مندوں کی بھیڑ چل رہی ہے۔ پالکی لے کر تھوڑی ہی دور چلے ہیں کہ یکایک امام اہلِ سنّت کی آواز سنائی دیتی ہے:

"پالکی روک دو"

حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی، ہمراہ چلنے والا مجمع بھی وہیں رک گیا۔ حضرت اضطراب کی حالت میں پالکی سے برآمد ہوئے، کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا: آپ لوگوں میں کوئی آلِ رسول تو نہیں؟ اپنے جدّاعلیٰ کا واسطہ سچ بتائیے! میرے ایمان کا ذوقِ لطیف "تنِ جاناں" کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔

اس سوال پر اچانک کہاروں میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ پیشانی پر غیرت و پشیمانی کی لکیریں ابھر آئیں۔ بے نوائی، آشفتہ حالی اور گردشِ ایام کے ہاتھوں ایک پامال زندگی کے آثار اس کے انگ انگ سے آشکار تھے۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے ہوئے دبی زبان سے کہا کہ

"مزدور سے کام لیا جاتا ہے، ذات پات نہیں پوچھی جاتی۔ آہ! آپ نے میرے جدّاعلیٰ کا واسطہ دے کر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا۔ سمجھ لیجئے کہ میں اسی چمن کا ایک مُرجھایا ہوا پھول ہوں جس کی خوشبو سے آپ کی مشامِ جاں معطّر ہے۔ رگوں کا خون نہیں بدل سکتا، اس لئے آلِ رسول ہونے سے انکار نہیں، لیکن اپنی خانماں برباد زندگی کو دیکھ کر یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ چند مہینے سے آپ کے اس شہر میں آیا ہوا ہوں۔ کوئی ہنر نہیں جانتا کہ اسے ذریعہ معاش بناؤں۔ پالکی اٹھانے والے ان کہاروں سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ ہر روز سویرے ان کے گروہ میں آن کر بیٹھ جاتا اور شام کو اپنے حصے کی مزدوری لے کر بال بچوں میں لوٹ جاتا ہوں۔"

ابھی اس مزدور کی بات تمام بھی نہ ہو پائی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا کہ عالمِ اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی ہے اور وہ آنسوؤں کی بارش میں مزدور سے التجا کر رہا ہے۔

"معزز شہزادے! میری گستاخی معاف کر دو۔ لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہو گئی ہے۔ ہائے غضب ہو گیا! جن کے کفشِ پا کا تاج میرے سر کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ ان کے کاندھے پر میں نے سواری کی۔ قیامت کے دن اگر کہیں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھ لیا کہ احمد رضا! کیا میرے فرزند کا دوشِ ناز نہیں اسلئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے، تو میں کیا جواب دوں گا۔ اس وقت بھرے میدانِ حشر میں میرے ناموسِ عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہوگی! آہ! اس ہولناک تصور سے کلیجہ شق ہوا جاتا ہے۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جس طرح ایک عاشقِ دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے۔ اسی انداز میں وقت کا یہ عظیم المرتبت امام اس سیّد زادے مزدور کی منت سماجت کر رہا ہے اور لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عشق کی ناز برداریوں کا یہ رقت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں۔ کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کرا لینے کے بعد امام اہلِ سنت نے ایک آخری التجائے شوق پیش کی:

"چونکہ راہِ عشق میں خونِ جگر سے زیادہ وجاہت و ناموس کی قربانی عزیز ہے، اسلئے لاشعور کی ایک تقصیر کا کفارہ جبھی ہوگا کہ اب تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے اپنے کاندھے پر اٹھاؤں۔"

اس التجا پر جذبات کے تلاطم سے لوگوں کے دل ہل گئے ہیں۔ وفورِ اثر سے فضا میں چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سیّد زادے کو عشقِ جنوں خیز کی ضد پوری کرنی پڑی۔

یہ منظر کس قدر دل گداز ہے! اہلِ سنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنے علم و فضل، جبّہ و دستار اور عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کر رہے ہیں۔ شوکتِ عشق کا یہ ایمان افروز نظارہ دیکھ کر پتھر دل بھی پگھل گئے ہیں، کدورتوں کا غبار چھٹ رہا ہے، غفلتوں کی آنکھ کھل گئی ہے اور دشمنوں کو بھی ماننا پڑا ہے کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احمد رضا خاں بریلوی کے دل کی عقیدت و اخلاص کا جب یہ عالم ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ وارفتگی و محبت کا کیا ٹھکانا ہوگا۔

ہے ان کے عطر بوئے گریباں سے مست گل: گل سے چمن، چمن سے صبا اور صبا سے ہم

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے کردار و اخلاق کی ایک جھلک آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ اس نوع کے بے شمار واقعات آپ کی سیرت میں ملتے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی نے یوں تو برصغیر پاک و ہند میں بڑے بڑے آدمی پیدا کئے، ان میں ہر مکتبِ فکر اور ہر طبقے کے لوگ شامل ہیں۔ مگر جیسی جامعیت اور جیسی انفرادیت مولانا احمد رضا خاں کے حصے میں آئی "وہ اپنی جگہ بے مثال و بے نظیر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ماہ و سال کی گردشوں نے مولانا کی عظیم شخصیت پر غفلت کے دبیز پردے ڈال دیے ہیں، لیکن جب ہم یہ پردے

ہٹا کر ان کے ظاہر و باطن کا جائزہ لیتے ہیں، تو ان جیسے آدمی اختلافِ جدید میں تو کیا، اسلاف قدیم میں بھی دور دور تک نظر نہیں آتے۔ مولانا اتنی جامع حیثیات شخصیت تھے اور اتنے علوم و فنون میں کامل تھے کہ ان کے ذکر ہی سے عقل حیرت میں آتی ہے اور وجدان وجد کرنے لگتا ہے۔ یہ کہنا کہ وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے، شاید ان کے مرتبے سے فروتر بات ہوگی، مگر اس کے سوا اور کہا بھی کیا جائے کہ وہ عقل و عشق دونوں میں اس مقام رفیع پر رونق افروز ہیں جہاں نمودار ہوتے ہوتے خیال کے بھی پر جلنے لگتے ہیں۔

مفسر، محدث، فقیہہ، اصولی، متکلم، مفتی، حافظ، قاری، شاعر، مصنف، ادیب، علوم عقلی و نقلی کا فاضل متبحر، اپنے عہد کا بہت بڑا شیخِ طریقت اور مجددِ شریعت اور ان سب خصوصیتوں سے بالاتر ایک نرالا تر ایک نرالا، انوکھا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ع

عالم میں تم سے لاکھ سہی تم مگر کہاں؟

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بن مولانا نقی علی خاں بن مولوی رضا علی خاں کی ولادت روہیل کھنڈ کے مشہور شہر بریلی کے محلہ جسولی میں ہوئی۔ سالِ ولادت ۱۲۷۲ ہجری، ماہ شوال، تاریخ دس، بوقت ظہر، روز چہار شنبہ — انگریزی تقویم کے مطابق ۱۸۵۶ء ماہ جون تاریخ ۱۴۔ بقول ایک صاحب دل ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے ایک سال قبل پیدا ہونے والا یہ بچہ اپنے فکری و نظری انقلاب کے بے باک نقیب ہونے پر دلالت کر رہا تھا۔

آپ کے جدِ امجد حضرت مولانا رضا علی خاں ان دنوں حیات تھے۔ پوتے کے پیدا ہونے کی خبر ان کے کانوں تک پہنچی، تو خوش ہوئے۔ اعلیٰ حضرت کے بھانجے علی محمد خاں صاحب کی روایت ہے کہ میری والدہ مرحومہ اعلیٰ حضرت کی بڑی بہن تھیں، ان کا ارشاد ہے جب احمد رضا پیدا ہوئے، تو والد مرحوم ان کو حضرت دادا جان قدس سرہ العزیز کی خدمت میں لے گئے۔ دادا نے گود میں لیا اور معاً لسانِ غیب سے فرمایا: "میرا یہ بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا۔"

اعلیٰ حضرت کی یہی بڑی بہن فرمایا کرتی تھیں کہ بچپن ہی سے تمام خاندان میں یہ بچہ اپنے مزاج، اطوار اور ذہانت کے اعتبار سے الگ نظر آتا۔ ایک روز کسی نے دروازے پر صدا دی۔ احمد رضا کی عمر ان دنوں دس برس تھی، باہر گئے، دیکھا ایک بزرگ فقیر کھڑے ہیں۔ انہوں نے آپ کو دیکھتے ہی کہا: "ادھر آؤ بیٹا" یہ کہہ کر سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر فرمایا: "تم بہت بڑے عالم ہوگے۔"

مولوی عرفان علی صاحب قادری، جو اعلیٰ حضرت کے مرید تھے، بیان کرتے ہیں، کبھی کبھی اعلیٰ حضرت اپنے بچپن کے حالات بیان کرتے تھے۔ ایک روز ارشاد فرمایا میری عمر تین ساڑھے تین برس کی ہوگی اور میں اپنے محلے کی مسجد کے سامنے کھڑا تھا کہ ایک صاحب اہلِ عرب کے لباس میں جلوہ فرما ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے عربی زبان میں گفتگو فرمائی۔ میں نے بھی فصیح عربی میں ان کی باتوں کا جواب دیا۔ اس کے بعد اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا۔ اسی ذکر میں اعلیٰ حضرت نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ میری عمر دس گیارہ برس کی ہوگی اور میں ایک دن حکیم وزیر علی صاحب کے ہاں جا رہا تھا۔ کوئی دس بجے کا وقت تھا۔ سامنے سے یکایک ایک بزرگ سفید ریش، نہایت شکیل و وجیہہ تشریف لائے اور مجھ سے فرمانے لگے:

"سنتا ہے بچے، آج کل عبدالعزیز ہے.... اس کے بعد عبدالحمید.... اس کے بعد عبدالرشید۔" یہ کہہ کر فوراً نظر سے غائب ہو گئے۔

آپ کی عمر پانچ چھ برس کی ہوگی کہ مکان پہ ایک مولانا بچوں کو قرآن شریف پڑھانے کے لئے تشریف لانے لگے۔ احمد رضا بھی ان سے کلام اللہ پڑھنے لگے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ مولانا کسی آیۂ کریمہ میں بار بار ایک لفظ کا تلفظ ننھے احمد رضا کو بتاتے، مگر آپ کی زبان سے وہ تلفظ ادا نہ ہو رہا تھا۔ مولانا زبر بتاتے اور آپ زیر پڑھتے۔ یہ کیفیت آپ کے جدِ امجد مولانا رضا علی خاں بھی دیکھ رہے تھے، انہوں نے کلامِ پاک منگوا کر دیکھا، تو اس میں اس لفظ کے اعراب کاتب نے غلط ڈال دئے تھے۔ یعنی زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا۔ گویا غیر شعوری طور پر بچے کی زبان سے جو لفظ نکل رہا تھا، وہی صحیح تھا۔ دادا نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا: "بیٹا! مولانا صاحب جس طرح بتا رہے تھے، تم اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟" ننھے احمد رضا نے جواب دیا: حضرت! میں ارادہ تو کرتا تھا کہ اسی طرح پڑھوں، مگر زبان پر قابو نہ پاتا۔ زبر کے بجائے ہر بار زیر ہی سے زبان کام کرتی۔"

اس طرح کے بہت سے حیرت انگیز واقعات درس تدریس کے دوران میں پیش آئے۔ ایک روز قرآن مجید پڑھانے والے مولانا نے تنہائی میں اپنے شاگرد احمد رضا سے کہا: صاحبزادے! سچ سچ بتا دو۔ کسی سے کہوں گا نہیں۔ تم انسان ہو یا جن؟ آپ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا: خدا کا شکر ہے میں انسان ہی ہوں۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال ہے۔

ایک روز یہی مولانا حسبِ معمول بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک بچے نے آ کر سلام کیا۔ مولانا نے جواب دیا "جیتے رہو" احمد رضا نے عرض کیا: "حضرت، یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہئے تھا۔" یہ سن کر مولانا بہت خوش ہوئے اور شاگرد کو دعائیں دیں۔

رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ اعلیٰ حضرت ابھی کم سن ہیں۔ روزہ رکھوایا گیا ہے۔ گرمی کا زمانہ ہے۔ سہ پہر کے وقت کاشانۂ اقدس میں روزہ کشائی کی تیاریاں ہو رہی ہیں، ایک الگ کمرے میں افطار کے دوسرے سامان کے ساتھ فرنی کے پیالے بھی چنے ہوئے ہیں۔ آپ کے والد ماجد یکایک آپ کو اسی کمرے میں لے جاتے ہیں اور کواڑ بند کر کے ایک پیالہ اٹھاتے ہیں اور بیٹے کی طرف بڑھا کر کہتے ہیں: "لو اسے کھا لو۔" بیٹا حیران ہو کر عرض کرتا ہے:

"ابا حضور میرا تو روزہ ہے، کیسے کھاؤں؟"

ارشاد ہوتا ہے: "میاں کھا بھی لو، بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں نے کواڑ بند کر دئے ہیں، کوئی دیکھنے والا بھی نہیں۔ جلدی سے کھا لو!"

یہ سن کر بیٹا ادب سے کہتا ہے: "ابا حضور جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے، وہ تو دیکھ رہا ہے" یہ سنتے ہی آپ کے والد ماجد کی آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا تار بندھ جاتا ہے فرطِ محبت سے پیارے بیٹے کو سینے سے لگا لیتے ہیں۔

والدنے آپ کا نام محمد اور جدِ امجد نے احمد رضا رکھا۔ تاریخی نام "المختار" ہے جس سے ۱۲۷۲ ہجری کا برآمد ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بہت برس بعد قرآن کی اس آیت سے اپنی پیدائش کا سن برآمد فرمایا:

اولٰئک کتب فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے)

آپ کبھی کبھی بڑی دل سوزی سے فرماتے۔ بحمد اللہ تعالیٰ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لا الٰہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوگا۔

اعلیٰ حضرت کے والدِ ماجد اور جدِ امجد دونوں اپنے اپنے عہد کے متبحر عالم، ولی کامل عارف باللہ، صاحب کشف وکرامات اور شیخ طریقت وشریعت تھے۔ آپ کے والد مولانا نقی علی خاں صاحب بے شمار کتابوں کے مصنف۔ حسب ونسب کے اعتبار سے بھی اعلیٰ حضرت خاندانی شرف ووقار اور وجاہتِ دینی ودنیوی کا امتیاز رکھتے تھے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت محمد سعید خاں رحمۃ اللہ علیہ قندھار کے مؤقر قبیلے بڑہیچ کے پٹھان تھے۔ شاہانِ مغلیہ کے عہد میں نادر شاہ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے اور ممتاز ومعزز عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا۔ پھر لاہور سے دہلی چلے گئے۔ سعید اللہ خاں شش ہزاری منصب پر فائز تھے اور شجاعت جنگ کا خطاب رکھتے تھے۔ ان کے بیٹے سعادت یار خاں صاحب شاہِ دہلی کی جانب سے ایک خاص مہم پر بریلی روہیل کھنڈ بھیجے گئے۔ فتح یابی پر انہیں بریلی کا صوبے دار بنانے کا فرمان دہلی سے آیا لیکن ایسے وقت جب وہ بسترِ مرگ پر تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے اعظم خاں، معظم خاں اور مکرم خاں۔ یہ تینوں مناصبِ جلیلہ پر ممتاز۔

اعظم خاں صاحب نے بریلی میں مستقل رہائش اختیار کی اور دنیا سے منہ موڑ کر ایک گوشے میں جا بیٹھے۔ محلہ معماران بریلی میں شہزادے کا تکیہ آج بھی انہی کی نسبت سے معروف ہے۔ وہیں اعظم خاں صاحب کا مزار ہے۔ ان کے بیٹے حافظ محمد کاظم علی خاں ہر جمعرات کو اپنے والد کے سلام کے لئے حاضر ہوتے اور ہمیشہ گراں قدر رقم حاضر کرتے۔ مگر آپ وہ رقم ضرورت مندوں میں بانٹ دیتے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھتے۔ ایک مرتبہ جاڑے کے موسم میں حافظ صاحب اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حسبِ معمول حاضر ہوئے، دیکھا کہ شاہ محمد اعظم اس کڑاکے کے جاڑے میں ایک دھونی کے قریب تشریف فرما ہیں اور جسم پر کوئی سرمائی پوشاک نہیں۔ سعادت مند بیٹے نے فوراً اپنا بیش بہا دوشالہ اتار کر والد پر ڈال دیا۔ حضرت نے نہایت استغنا سے وہ دوشالہ آگ میں ڈال دیا۔ حافظ صاحب کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کاش! اس قیمتی دوشالے کو آگ میں ڈالنے کے بجائے کسی محتاج کو عطا فرمادیا جاتا۔ یہ وسوسہ دل میں آنا تھا کہ شاہ اعظم نے آگ کے بھڑکتے الاؤ میں سے دوشالہ نکال کر پھینک دیا اور فرمایا: فقیر کے ہاں یہ دھکڑ پکڑ کا معاملہ نہیں لے اپنا دوشالہ۔" دیکھا، تو اس میں آگ نے کچھ اثر نہ کیا تھا ویسا ہی صاف شفاف تھا۔

حافظ کاظم علی خاں شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ دو سو سواروں کا دستہ برابر خدمت میں رہتا۔ آٹھ گاؤں جاگیر کے عطا ہوئے تھے۔ انہی حافظ صاحب کے صاحبزادے حضرت قدوۃ الواصلین، زبدۃ الکاملین، قطب الوقت مولانا رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ کے حالات مولانا رحمٰن علی نے اپنی معروف تالیف "تذکرہ علمائے ہند" میں تفصیل سے رقم کئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا رضا علی فقر و تصوف میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ تقریر بہت پُرتاثیر۔ زہد وقناعت، علم وتواضع اور تجرید وتفرید کی تصویر تھے۔ ان کی بہت سی کرامتیں اور خرقِ عادات وواقعات عام وخواص میں مشہور ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا کی پیدائش کے ساتویں روز جس دن عقیقہ ہوا۔ آپ کے انہی جدِ امجد مولانا رضا علی نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ یہ فرزندِ ارجمند فاضل وعارف ہوگا۔ چنانچہ سب تاریخیں اور سوانح نگار اس امر پر متفق ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ ختم کیا اور چھ سال ہی کے تھے کہ ماہ ربیع الاوّل میں منبر پر بیٹھ کر بہت بڑے مجمع میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ آپ نے صَرف ونحو کی کتابیں حضرت مولانا مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھیں پھر تمام علوم اور فنون اپنے والدِ ماجد امام المتکلمین مولانا علی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے۔ تیرہ برس کی عمر میں صَرف، نحو، ادب، حدیث، تفسیر، کلام، فقہ، اصول، معانی وبیان، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، منطق، فلسفہ، ہیئت وغیرہ جمیع علوم دینیہ عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کر کے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ ہجری کو سندِ فراغت حاصل کی اور دستارِ فضیلت زیب سر فرمائی۔ اسی روز سب سے پہلا جو فتویٰ پیش ہوا۔ وہ یہ تھا کہ اگر بچے کی ناک میں کسی طرح دودھ چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا، تو کیا حکم ہے؟ آپ نے بڑے محققانہ انداز میں اس کا جواب تحریر فرمایا کہ منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے پیٹ میں پہنچے گا۔ حرمتِ رضاعت لائے گا۔

اعلیٰ حضرت کی بے مثل ذہانت اور بے نظیر حافظے کے کمالات اتنے ہیں کہ انہیں بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ مولانا احسان حسین ابتدائی تعلیم میں اعلیٰحضرت کے ہم سبق تھے ان کی روایت ہے کہ شروع ہی سے ذہانت کا یہ حال تھا کہ استاد سے کبھی چوتھائی سے زیادہ کوئی کتاب نہیں پڑھی۔ چوتھائی کتاب استاد سے پڑھنے کے بعد بقیہ تمام کتاب از خود پڑھ کر اور یاد کر کے سنا دیا کرتے۔ بعض لوگ نام کے ساتھ حافظ لکھ دیا کرتے، چنانچہ خیال ہوا کہ قرآنِ مجید حفظ کر لیا جائے، لہٰذا صرف ایک ماہ میں پورا قرآن آسانی سے حفظ فرمالیا۔ سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ روزانہ ایک پارہ حفظ کر لیتے۔ مشکل سے مشکل فتاویٰ کا جواب شاگردوں اور احباب کو اس طرح قلم بند کرا دیتے کہ حیرت ہوتی بے شمار کتابوں کے حوالے اس سلسلے میں دیتے اور سب زبانی فرماتے الماری میں سے فلاں جلد نکال لو۔ اتنے ورق الٹ لو، فلاں صفحے پر اتنی سطر دلالت کے

بعد یہ مضمون ہوگا، اسے نقل کر دو۔ غرض کہ ان کا حافظہ اور دماغی باتیں عام لوگوں کی سمجھ سے باہر تھیں۔

اعلیٰحضرت کے ایک شاگرد جو فتاویٰ کی تحریر کے کام پر لگائے گئے تھے، ایک عجیب وغریب واقعہ حضرت کی ذہانت اور حافظے کا یوں بیان فرماتے ہیں۔ میں نے حساب کی تعلیم اسکول میں پائی تھی، لہٰذا مجھے حساب دانی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اعلیٰحضرت علاوات حساب والے استفتا حل کرنے کے لئے زیادہ تر میرے ہی سپرد فرماتے۔ ایک مرتبہ ورثے کی تقسیم کے سلسلے میں پندرہ بطن کا مناسخہ آیا۔ ظاہر ہے کہ مورثِ اعلیٰ کی پندرھویں پشت میں درجنوں وارث ہوں گے۔ مجھے اس کے جواب میں دو راتیں اور ایک دن مسلسل محنت کرنا پڑی، ایک ایک پیسے اور درجنوں وارثوں کا حق قلمبند کردیا۔ عصر کے بعد حسب معمول اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بیٹھا تاکہ حساب کی مکمل تفصیل آپ سے عرض کردوں اور آپ اصلاح کی ضرورت محسوس فرمائیں تو اصلاح کردیں۔ میں نے وہ استفتا پڑھنا شروع کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اعلیٰحضرت سنتے سنتے اپنی انگلیوں کو بھی حرکت دے رہے ہیں۔ یہ استفتا چونکہ پندرہ پشتوں کے درجنوں وارثوں کے حساب کتاب پر مبنی تھا، اس لئے یہ فل سکیپ کے دو صفحوں پر پھیلا ہوا تھا۔ میں نے استفتا یعنی صرف سوال ہی پڑھ کر ختم کیا اور ابھی جواب میں تحریر کئے ہوئے وارثوں کے حصے ظاہر نہ کئے تھے کہ اعلیٰحضرت نے بلا توقف فرمانا شروع کیا۔ آپ نے فلاں کو اتنا، فلاں کو اتنا دیا غرض درجنوں وارثوں کے نام اور ان کے حصے بتادئے۔ اب میں حیران و ششدر تھا کہ مجھے اپنی حساب دانی پر اتنا ناز استفتا کو میں نے اپنے طور پر بیس دفعہ پڑھا، ہر ایک نام بار بار پڑھ کر ان کے حصے نکالے اس کے باوجود مجھ سے کوئی ان سب وارثوں کے نام پوچھے، تو حصے کجا میں نام بھی شاید پورے نہ بتا سکوں جب تک لکھے ہوئے کو سامنے نہ رکھوں... اللہ اللہ! یہ کیا تبحر کیسی وسعتِ ادراک اور کتنی عظیم خداداد صلاحیت تھی جو حق تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرماتا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے علوم درسیہ کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی بھی تحصیل فرمائی حیرت کی بات یہ کہ بعض علوم ایسے ہیں جن میں کسی استاد کی راہنمائی کے بغیر آپ نے اپنی خداداد ذہانت سے کمال حاصل کیا۔ ایسے تمام علوم وفنون کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے۔ کئی فن اس میں ایسے ہیں کہ دَورِ جدید کے بڑے بڑے محقق اور عالم انہیں جاننا تو درکنار شاید ان کے ناموں سے بھی آگاہ نہ ہوں گے اعلیٰحضرت کے علوم وفنون کی فہرست ملاحظہ فرمائیے۔

عِلم قرآن علمِ حدیث اصول حدیث، فقہ (جملہ مذاہب) اصول فقہ، جدل، تفسیر عقائد، کلام، نحو، صَرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، فلسفہ، تکسیر، ہیئت، ریاضی، ہندسہ قراۃ، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سِیَر، تاریخ، لُغت، ادب، ارثماطیقی، جبر ومقابلہ، حساب سِتینی، لوگارثمات، توقیت، مناظرہ مرایا، اُکَر، زیجات مثلث کروی، مثلث مسطح، ہیئتِ جدیدہ، مربعات، جفر، زائرچہ۔ ان تمام علوم و فنون کے علاوہ علم الفرائض، عروض وقوافی، نجوم، اوفاق، فنِ تاریخ (اعداد) نظم ونثر فارسی نظم ونثر ہندی، خط نسخ اور خط نستعلیق میں بھی کمال حاصل کیا۔ ان علوم کو دیکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت ایک چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا تھے اور یہ واقعہ ہے کہ عالمِ اسلام میں مشکل ہی سے کوئی ایسا عالم نظر آئے گا جو اعلیٰحضرت کا اِن علوم میں ہم پلہ یا مدِمقابل ہو۔

آپ نے عربی زبان میں قرآن کریم کی نہایت عظیم الشان تفسیر لکھی۔ اس کے علاوہ بیضاوی، معالم، اتقان، دُرِ منثور اور تفسیر خازن پر عربی میں بے نظیر حواشی تحریر فرمائے۔

حدیث و اصولِ حدیث میں آپ نے ۵۴ کتابیں تالیف فرمائیں جن میں صحاح ستہ کی شروح شامل ہیں۔ پھر ان کی معروف شروح یعنی عمدۃ القاری، ارشاد الساری اور فتح الباری پر بھی حواشی لکھے۔ عقائد اکلام پر آپ کی تصانیف کی تعداد بائیس ہے فقہ وتجوید پر آپ کی ستر تصانیف ہیں۔ تصوف اذکار، اوقات وتعبیر کے علوم پر نو کتابیں تصنیف فرمائیں۔ تاریخ، سیرت ومناقب میں گیارہ کتابیں لکھیں۔ ادب، نحو، لغت، عروض کے موضوع پر آپ نے چھ کتابیں قلمبند کیں علم زیجات میں سات، علم جفر وتکسیر میں گیارہ، علم جبر ومقابلہ میں چار، علم مثلث، ارثماطیقی، ہندسہ اور ریاضی میں اٹھائیس کتابیں تحریر فرمائیں۔ فلسفہ اور منطق میں چھ کتابیں لکھیں۔ ان میں ایک کتاب حرکت زمین کی تردید میں ہے اور دوسری کتاب سورج کے گھومنے اور گردش کے ثبوت میں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاءُ الدین مرحوم نے یورپ میں تعلیم پائی تھی اور برصغیر کے بلند پایہ ریاضی دانوں میں آپ کا شمار تھا اور فی الحقیقت اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ اتفاق سے ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے کسی مسئلے میں اشتباہ ہوا، ہر چند کوشش کی مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔ چونکہ صاحب حیثیت آدمی تھے اور علم کے شائق، اس لئے قصد کیا کہ جرمنی جاکر یہ مسئلہ حل کریں۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب اس زمانے میں یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں ناظم تھے، ڈاکٹر صاحب نے ایک روز گفتگو کے دوران میں اُن سے اس مسئلے اور اپنی مشکل کا ذکر کیا۔ مولانا سلیمان اشرف نے مشورہ دیا آپ بریلی جائیے اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں سے دریافت کیجئے وہ اسے ضرور حل کر دیں گے ڈاکٹر ضیاالدین نے حیرت سے کہا مولانا، یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ کہاں کہاں سے تعلیم پاکر آیا ہوں، ریاضی کے اَدق سے ادق مسائل حل کرنا جانتا ہوں۔ جب میں یہ مسئلہ حل نہ کر سکا، تو مولانا احمد رضا جنہوں نے کبھی یورپ کا تصور تک نہیں کیا ہے اور نہ ایسے مسئلے ریاضی کے انہوں نے جدید یونیورسٹیوں میں سیکھے ہیں۔ اُن بے چاروں نے تو اپنے ملک کے کسی کالج میں بھی تعلیم نہیں پائی، وہ کیونکر یہ مشکل مسئلہ حل کر سکیں گے؟ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے سفر یورپ کا سامان شروع کر دیا۔ مولانا سلیمان اشرف نے ایک دن پھر کہا آپ بریلی تو ہو آیئے اور ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے ملاقات تو کر لیجئے، پھر آپ کو اختیار ہے یورپ جائیں یا امریکہ۔ یہ سن کر ڈاکٹر ضیاالدین کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ تلخ لہجے میں کہا، مولانا آپ مجھے کیا رائے دیتے ہیں۔ آخر عقل بھی کوئی چیز ہے۔ فضول میرا وقت برباد ہوگا۔ یہ مسئلہ مولانا احمد رضا خاں کے بس کا نہیں۔ مولانا سلیمان اشرف نے زور دے کہ کہا کہ آخر

اس میں حرج سمجھا گیا ہے۔ بریلی کچھ زیادہ دور تو ہے نہیں، چند گھنٹے کا سفر ہے۔ قصہ مختصر ڈاکٹر صاحب مولانا سلیمان اشرف کی معیت میں بریلی پہنچے۔ اعلیٰ حضرت کے دولت کدے پر گئے، اندر اطلاع بھیجی حضرت کی طبیعت ناساز تھی۔ مگر مولانا سلیمان اشرف کا نام سن کر فوراً بلوالیا۔ ڈاکٹر صاحب کی بھی مزاج پرسی فرمائی اور پوچھا کیسے تشریف آوری ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ریاضی کا ایک مسئلہ آپ سے دریافت کرنے آیا ہوں جناب، وہ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ فوراً بیان کر دیا جائے، ذرا اطمینان کی صورت ہو تو کہوں۔ حضرت نے فرمایا: بیان کیجئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ پیش کیا۔ اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا اس کا جواب یہ ہے۔ جواب سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کو حیرت سے سکتہ ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے آنکھ سے پردہ سا اٹھ گیا۔ بے اختیار بول اٹھے میں سنا کرتا تھا علم لدنی بھی کوئی شے ہے آج آنکھ سے دیکھ لیا۔ میں تو اس مسئلے کے حل کے لئے جرمنی جانا چاہتا تھا کہ مولانا سلیمان اشرف نے رہبری فرمائی۔ اب آپ سے اس کا حل سنکر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آپ اس مسئلے کو کتاب میں دیکھ رہے تھے دیر تک اسی فن اور اس کے متعلقات میں گفتگو ہوتی رہی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ منگوایا جس میں اکثر مثلثوں اور دائروں کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت استعجاب سے وہ رسالہ دیکھا اور فرمایا: میں نے یہ علم حاصل کرنے میں بہت صعوبتیں اٹھائی۔ ملک ملک کا سفر کیا۔ بے انتہا روپیہ صرف کیا۔ یورپین استادوں کی جوتیاں سیدھی کیں، تب کچھ معلومات ہوئیں، مگر جو کچھ علم آپ جانتے ہیں، اس کے مقابلے میں میں اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مولانا، یہ تو فرمائیے اس فن میں آپ کا استاد کون ہے؟ اعلیٰحضرت نے ارشاد فرمایا میرا کوئی استاد نہیں۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے صرف چار قاعدے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم محض اسلئے سیکھے تھے کہ ترکے کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی ہی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہو، مصطفیٰ پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دئے جائیں گے، چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اپنے مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے۔

ڈاکٹر ضیاالدین پر اعلیٰ حضرت کی علمی جلالت اور اعلیٰ اخلاق کا ایسا اثر ہوا کہ بریلی سے علی گڑھ آتے ہی انہوں نے داڑھی رکھ لی اور صوم وصلوٰۃ کے بھی پابند ہو گئے۔

علم ہیئت، توقیت، نجوم اور جفر میں بھی اعلیٰ حضرت کو ایسی دستگاہ تھی کہ بیان سے باہر۔ مولانا غلام حسین صاحب، حضرت کے معاصرین میں ایک صاحب کمال بزرگ تھے۔ ہیئت اور نجوم کے ماہر۔ اکثر اعلیٰ حضرت کے ہاں تشریف لاتے اور بڑی دلچسپ گفتگو انہی فنون پر ہوتی اور اپنے اپنے تجربات کی جانچ دونوں حضرات فرمایا کرتے۔ ایک دن مولانا غلام حسین تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت نے پوچھا فرمائیے بارش کا کیا اندازہ ہے، کب تک ہو گی؟ مولانا نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنایا اور فرمایا اس مہینے میں پانی نہیں، آئندہ ماہ میں ہو گی۔ یہ کہہ کر وہ زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھا دیا حضرت نے دیکھ کر فرمایا اللہ کو سب قدرت ہے وہ چاہے تو آج ہی بارش ہو۔ مولانا نے کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ ستاروں کی چال نہیں دیکھتے حضرت نے فرمایا سب دیکھ رہا ہوں اور ساتھ ساتھ ان ستاروں کے بنانے والے اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں سامنے کلاک لگا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے پوچھا وقت کیا ہے؟ بولے سوا گیارہ بجے ہیں فرمایا بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ جواب ملا پون گھنٹہ۔ حضرت نے فرمایا اس سے قبل نہیں؟ کہا نہیں۔ ٹھیک پون گھنٹے بعد بارہ بجیں گے یہ سن کر اعلحضرت اٹھے اور بڑی سوئی گھما دی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا، مولانا، آپ نے کہا تھا ٹھیک پون گھنٹے بعد بارہ بجیں گے، یہ ابھی کیسے بارہ بج گئے؟ مولانا نے کہا آپ نے کلاک کی سوئی گھما دی ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹے بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا اسی طرح رب العزۃ جل جلالہ قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ ایک دن کیا، ابھی بارش ہونے لگے۔ اتنا زبان مبارک سے نکلنا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھا گئی اور پانی برسنے لگا۔ غرض اعلیٰ حضرت کا اعتقاد اس قسم کے علوم پر ایسی ہی نوعیت کا تھا، ستاروں کے اثرات کے قائل، مگر اصل فاعل حضرت عزۃ جل شانہ کو جانتے تھے۔

علم تکسیر اور علم جفر میں تو ایسا کمال حاصل تھا کہ بیرونی ممالک سے علماء یہ علوم سیکھنے آپ کے پاس آتے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ علم خود اپنے ذوق اور شوق سے سیکھا اور ہر سوال کا جواب بالکل صحیح صحیح برآمد کر لیتے۔ ایک روز نواب وزیر احمد خاں صاحب نے فرمایا یہ ایک عجیب و غریب علم ہے۔

اس میں سوال کا جواب، منظوم عربی زبان، بحر طویل اور حرف لام کی ردیف میں آتا ہے اور جب تک جواب پورا نہیں ہوتا، مقطع نہیں آتا جس کو صاحب علم کی اجازت نہیں ہوتی، نہیں آتا۔ میں نے اجازت حاصل کرنا چاہی، اسمیں کچھ پڑھا جاتا ہے جسمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لاتے ہیں۔ اگر اجازت عطا ہوئی حکم مل گیا، ورنہ نہیں۔ میں نے تین روز پڑھا۔ تیسرے روز خواب دیکھا۔ ایک وسیع میدان اور اس میں بڑا پختہ کنواں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور چند صحابہ کرام رض بھی حاضر ہیں جن میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو میں نے پہچان لیا۔ اس کنویں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رض پانی بھر رہے ہیں۔ اس میں سے ایک بڑا تختہ نکلا کہ عرض ڈیڑھ گز اور طول میں دو گز ہوگا۔ اس پر سبز کپڑا پڑا ہوا تھا جس کے وسط میں سفید روشن بہت جلی قلم سے ا ہ ذ کے حروف اسی شکل میں لکھے ہوئے تھے جس سے میں نے یہ مطلب نکالا کہ اس علم کا حاصل کرنا ہذیان فرمایا جاتا ہے۔ ان حروف سے یہ قاعدہ جفر اذن (اجازت) نکل سکتا ہے۔ ہ کو بطور صدر موخر آخر میں رکھا۔ اس کے عدد پانچ ہیں۔ اب وہ اپنی پہلی جگہ سے ترقی کر کے دوسرے مرتبے میں آگئی اور پانچ کا دوسرا مرتبہ پانچ دہائی سے یعنی پچاس جس کا حرف نون ہے اور یوں اذن سمجھا جاتا مگر میں نے اس طرف التفات نہ کیا

اور لفظ کو ظاہر پر رکھ کر یہ فن چھوڑ دیا کہ اہذ کے معنی ہیں فضول ہیک۔"

تاریخ گوئی کا فن بھی اعلیحضرت کے پاس آشنا بی نہیں، رہی تھا۔ آپ نے کبھی ادنیٰ سی توجہ بھی اس فن کے حصول کی جانب نہ فرمائی، پھر بھی اس میں وہ ملکہ کہ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اتنی ہی دیر میں بے تکلف تاریخی مادے اور جملے فرما دیا کرتے تھے۔ جس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضور کی تصانیف کثیرہ میں بہت کم ایسی ہوں گی جن کا نام تاریخی نہ ہو۔ بعض عربی اور اردو کے قصائد در تاریخ ہائے وصال جو بہت طویل ہیں، ان کے ہر ہر مصرعے سے تاریخ بر آمد ہوتی ہے۔ خوش نویسی اور خطاطی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ نسخ نستعلیق، خط مستقیم اور خطِ شکستہ جیسے تمام اقسام و انواع کے رسم الخط میں آپ بے نظیر مہارت سے لکھتے تھے۔

تذکرہ علمائے ہند میں ہے:

"اگر پیش ازیں کتابے دریں فن یافتہ نشود، پس مصنف را موجد تصنیف ہذا می تواں گفت (اگر اس فن میں اور کوئی کتاب نہ ہو، تو مصنف کو اس تصنیف کا موجد کہا جا سکتا ہے)

علم توقیت میں کمال کا یہ عالم کہ دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے، وقت بالکل صحیح ہوتا اور کبھی ایک منٹ کا بھی فرق نہ پڑتا۔ ایک دفعہ آپ بدایوں شریف تشریف لے گئے، مسجد خرما میں حضرت محب الرسول مولانا عبدالقادر بدایونی نے آپ کو نماز فجر پڑھانے کا ارشاد کیا۔ اعلیحضرت نے قرات اتنی طویل کی کہ مولانا عبدالقادر کو شک ہوا شاید سورج نکل آیا۔ نماز کے بعد لوگ باہر نکل کر مشرق کی طرف دیکھنے لگے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا ابھی سورج نکلنے میں تین منٹ ۴۸ سیکنڈ باقی ہیں۔

علم تکسیر (تعویذ) میں بھی غیر معمولی مشق و ادراک کے مالک تھے۔ تعویذ پُر کرنے کے بے شمار طریقوں سے واقف "حیاتِ اعلیٰ حضرت" کے مؤلف مولانا ظفر الدین بہاری اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ارشد گزرے ہیں، ان کے پاس ایک شاہ صاحب تشریف لائے اور بڑے فخر سے کہنے لگے میں نقش مربع سولہ طریقوں سے پُر کر لیتا ہوں۔ آپ کتنے طریقے جانتے ہیں۔ مولانا ظفر الدین نے انکسار سے کہا مجھے تو نقش مربع پُر کرنے کے گیارہ سو باون طریقے آتے ہیں۔ شاہ صاحب کو یہ ناقابلِ یقین بات سن کر اس قدر تعجب ہوا کہ اعتبار نہ آیا۔ پوچھا یہ فن آپ نے کس سے حاصل کیا۔ مولانا نے جواب دیا اعلیٰ حضرت سے اور اعلیٰ حضرت ۲۳ سو طریقوں سے نقش مربع پُر کرنا جانتے ہیں آخر کار شاہ صاحب نے وہ کتاب دیکھی جس میں مولانا ظفر الدین نے نقش مربع گیارہ سو باون طریقوں سے پُر کیا تھا تو یقین کئے بغیر چارہ نہ رہا۔

اعلیحضرت کا علمی سرمایہ یوں تو بے پناہ ہے، لیکن آپ کا فقہی شاہکار فتاویٰ رضویہ ہے جس کی بارہ جلدیں ہیں۔ ان میں سے پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ہر جلد جہازی سائز کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل۔ تاریخ الفتاویٰ میں یہ مجموعہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مجموعے کے چند اوراق اعلیٰ حضرت نے مکہ معظمہ کے فاضل سید اسمٰعیل خلیل حافظ کتب الحرام کو ارسال فرمائے تھے۔ موصوف نے اپنے مکتوب میں ان اوراق فتاویٰ پر تبصرہ فرمایا اس کا آخری جملہ دیکھئے۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان فتووں کو اگر ابو حنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی اور اس کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل فرماتے۔"

شاعرِ مشرق علامہ اقبال اعلیٰ حضرت کے معاصرین میں سے تھے۔ آپ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ایک موقع پر علامہ اقبال نے فرمایا یہ روایت ڈاکٹر عابد احمد علی مرحوم کی ہے:

"ہندوستان کے دورِ آخر میں مولانا احمد رضا خاں جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی اور ان کی ذہانت، فطانت، جودتِ طبع، کمالِ فقاہت اور علومِ دینیہ میں تبحرِ علمی کے شاہد عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں، اُس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ اسی لئے انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ با ایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی، تو مولانا احمد رضا خاں گویا اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہوتے۔"

اقبال نے اعلیٰ حضرت کے ہاں جس "شدت" کا ذکر فرمایا ہے، اس میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی سوزش تھی، جسے حدت کہیئے یا شدت۔ اور یہ شدت بھی صرف اعدائے خدا و رسول کے لئے تھی، ورنہ اعلیٰ حضرت تو ہر مومن اور ہر اہلِ محبت کے لئے سراپا لطف و کرم تھے یا بقول اقبال ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم

فاضل بریلوی نے سلوک و طریقت کی منزلیں حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر طے فرمائیں اور آپ کے دستِ حق پرست پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت کی۔ پیر و مرشد نے آپ کو تمام سلاسل میں اجازت و خلافت کا شرف عطا فرمایا۔ بیعت کا واقعہ ۱۲۹۴ھ کا ہے یعنی ان دنوں کا جب اعلیٰ حضرت کی عمر اکیس بائیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ آپ کے والد ماجد مولانا محمد نقی علی خاں بھی اس عالمِ رنگ و بو میں تشریف فرما تھے اور وہی اپنے پاکباز اور ہونہار فرزند کو شاہ آلِ رسول کی خدمت میں لے گئے۔ شاہ صاحب کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہوئی۔ گویا فاضل بریلوی کو اپنے پیرو مرشد سے تقریباً تین برس تک شرفِ ہدایت حاصل رہا۔ اعلیحضرت کے نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" میں ایک منقبت حضرت شاہ آلِ رسول کی شان میں موجود ہے۔ اس کا مطلع ہے ؎

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آلِ رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آلِ رسول

شاہ صاحب بھی اعلیٰ حضرت سے بہت محبت فرماتے اور انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ایک بار آپ نے ارشاد فرمایا۔

بروزِ حشر اگر باری تعالیٰ پوچھے گا کہ اے آلِ رسول! دنیا سے میرے لئے کیا لایا ہے؟ تو عرض کر دوں گا کہ اے پروردگار میں تیرے لئے احمد رضا لایا ہوں"۔

اعلیٰ حضرت کو جن سلاسلِ طریقت میں اجازت و خلافت حاصل تھی، ان کی تعداد تیرہ ہے جن میں مشہور و معروف سلسلے قادریہ چشتیہ، نظامیہ، محبوبیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ صدیقیہ، نقشبندیہ علویہ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت شاہ آلِ رسول کی بیعت سے ایک سال بعد یعنی ۱۲۹۵ھ میں آپ کو اپنے والدین کی معیت میں پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ "الملفوظ" کی جلد دوم میں اس سفرِ حج سے واپسی کے حالات خود حضرت کی زبانی سن کر مرتب نے درج فرمائے ہیں اور نہایت اثر انگیز ہیں۔ مولانا رحمٰن علی نے بھی اپنی تالیف تذکرہ علمائے ہند میں اس حج کے واقعات و حالات تفصیل سے درج کئے ہیں۔ اسی سفر میں حرمین شریفین کے اکابر علماء اور شیوخ سے آپ کی ملاقاتیں رہیں۔ مثلاً مفتی شافعیہ سید احمد دحلان مفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمٰن سراج وغیرہم۔ ان دونوں حضرات سے آپ نے حدیث، تفسیر فقہ اور اصولِ فقہ میں سندیں حاصل کیں۔ ایک روز اعلیٰ حضرت حرم مبارک میں حاضر تھے اور مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح بغیر کسی سابقہ تعارف کے آگے بڑھ کر آپ کا ہاتھ پکڑتے ہیں۔ اور اپنے ساتھ گھر لے جاتے ہیں۔ فرطِ محبت سے دیر تک آپ کی نورانی پیشانی دیکھتے رہتے ہیں اور جوشِ عقیدت میں اُن کے منہ سے نکلتا ہے۔

اِنی لاجد نور من ھذ الجبین

(بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں)

شیخ حسین بن صالح نے اعلیٰ حضرت کو صحاح ستہ کی سند اور سلسلۂ قادریہ کی اجازت اپنے دستخطِ خاص سے عنایت فرمائی اور آپ کا نام ضیاء الدین احمد رکھا۔ شیخ نے اپنی ایک کتاب "الجوہرۃ المضیۃ" کی شرح لکھنے کی فرمائش کی۔ نوجوان فاضل بریلوی نے صرف دو روز میں اس مشکل کتاب کی شرح عربی زبان میں تحریر فرما کر ان کے حوالے کی اور بعد میں تعلیقات و حواشی کا اضافہ کر کے اس کتاب کا تاریخی نام بھی تجویز کیا۔ واپسی میں تین روز تک مسلسل سمندر میں طوفان رہا اور ایسا شدید کہ بقول اعلیٰ حضرت: لوگوں نے کفن پہن لئے تھے۔ حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لئے بے ساختہ میری زبان سے نکلا آپ اطمینان رکھیں خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا۔ یہ قسم میں نے حدیثِ رسول ہی کے اطمینان پر کھائی تھی۔ یہ وہ حدیث ہے جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی اور حدیث کے وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا۔ الحمدللہ! وہ مخالف ہوا جو تین دن سے چل رہی تھی، دو گھڑی میں بالکل موقوف ہو گئی۔ وہ تین شبانہ روز کی سخت تکلیف یاد تھی، بریلی پہنچ کر اور مکان میں پہلا قدم رکھتے ہی والدہ نے مجھ سے فرمایا۔ حج فرض اللہ تعالیٰ نے ادا فرما دیا۔ اب میری زندگی بھر دوبارہ حج کا ارادہ نہ کرنا۔ اُن کا یہ فرمانا مجھے یاد رہا اور ماں باپ کی ممانعت کے ساتھ حج نفل جائز نہیں، یوں خود دوبارہ حج ادا کرنے سے مجبور تھا"۔

۱۹۰۵ء میں اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی اور بڑے صاحبزادے جب حج کے سفر پر روانہ ہوئے، تو آپ کی طبیعت سخت بے چین ہوئی، دل چاہتا تھا پر لگ جائیں اور اُڑ کر حرم شریف میں پہنچیں، مگر والدہ کی اجازت ضروری۔ فرماتے ہیں۔ اجازت کا مسئلہ نہایت اہم اور اس کا یقین کہ والدہ اجازت نہ دیں گی۔ کس طرح ان سے عرض کروں۔ آخر کار زنانہ مکان میں گیا۔ دیکھا حضرت والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرماتی ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں اور فرمایا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور، مجھے حج کی اجازت دے دیجئے۔ پہلا لفظ جو فرمایا یہ تھا: خدا حافظ! میں الٹے پیروں باہر آیا اور فوراً سوار ہو کر اسٹیشن پہنچا۔ حج سے جب واپس آیا تو معلوم ہوا کہ ابھی اسٹیشن تک بھی نہ پہنچا ہوں گا کہ والدہ نے فرمایا: میں اجازت نہیں دیتی۔ اُسے بلا لو۔ مگر میں جا چکا تھا کون بلاتا؟ چلتے وقت جس لگن میں میں نے وضو کیا تھا اس کا پانی والدہ نے میری واپسی تک پھینکنے نہ دیا کہ اس کے وضو کا پانی ہے۔

والدین کے ادب، احترام اور اطاعت کی ایسی بہت سی مثالیں اعلیٰ حضرت کی حیات میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جب آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں صاحب کا انتقال ہوا، تو اعلیٰ حضرت اپنے حصے کی جائداد کے خود مالک و مختار تھے، مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا۔ وہ مالکہ کی حیثیت سے جس طرح چاہتیں صرف فرماتیں۔ حضرت کو کتابوں وغیرہ کی خریداری کے لئے کسی بڑی رقم کی ضرورت پڑتی، تو والدہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور جب وہ اجازت دیتیں تب کتابیں خریدتے۔

اعلیٰ حضرت کے اس دوسرے حج کے واقعات نہایت عظیم الشان اور سبق آموز ہیں اس موقع پر آپ نے ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے ؎

شکر خدا کہ آج گھڑی اُس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

علمائے حجاز نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی، حد درجہ مدارات سے پیش آئے۔ بہت سوں نے درخواست کی انہیں سندِ اجازت مرحمت فرمائی جائے، چنانچہ اعلیٰ حضرت نے ہر درخواست منظور فرمائی۔ حضرت کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں نے اس سفر کے حالات تفصیل سے رقم فرمائے ہیں۔ بعض علمائے مکہ نے علمِ غیب کے بارے میں چند سوال لکھ کر اعلیٰ حضرت کے پاس بھیجے اور صرف دو دن میں لکھ دینے کا مطالبہ کیا۔ آپ کی طبیعت ناساز تھی اور نہ حوالے کے لئے کوئی کتاب موجود، مگر آپ نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اِن تمام سوالوں کے جواب فصیح و بلیغ عربی میں، صرف آٹھ گھنٹے کے اندر اندر قلم بند کروا دئے اور اس طرح چار سو صفحے کی ایک ضخیم کتاب تیار ہو گئی۔ آپ نے اس کتاب کا جو نام تجویز فرمایا وہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس سے نہ صرف موضوع کی صراحت ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کتاب کہاں تصنیف کی گئی اور کس سنہ میں لکھی گئی۔ کتاب کا نام ہے:

الدّولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ
۱۳۲۳ھ

مدینہ منورہ میں بھی بے حد اکرام و اعزاز سے نوازے گئے۔ اس کا آنکھوں دیکھا حال شیخ محمد عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سُنیے:

"میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں۔ برصغیر کے ہزاروں صاحب علم آتے ہیں ان میں علماء صلحاء، اتقیا سب ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ شہر کے گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور کوئی انہیں مڑ کر بھی نہیں دیکھتا، مگر فاضل بریلوی کی شان عجیب ہے۔ یہاں کے علماء اور بزرگ سبھی ان کی طرف جوق در جوق چلے آ رہے ہیں اور ان کی تعظیم میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔"

مدینہ طیبہ میں بھی آپ سے اکثر علما نے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی جس زمانے میں کپور تھلہ کی مسجد کے خطیب تھے، انہوں نے اپنے والد حضرت شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر اعلیٰ حضرت کے اسی دوسرے سفر حج سے متعلق ایک ایمان افروز واقعہ نہایت موثر انداز میں بیان کیا تھا۔ آپ بھی اس کی سماعت میں شریک ہو جائیے۔

"جب مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ دوسری مرتبہ زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے شوق دیدار میں روضۂ شریف کے مواجہہ میں درود پڑھتے رہے اور یقین کیا کہ ضرور سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم عزت افزائی فرمائیں گے اور بالمواجہہ زیارت سے مشرف فرمائیں گے، لیکن پہلی شب ایسا نہ ہوا۔ آپ نے کچھ کبیدہ خاطر ہو کر ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

نعت کے مقطع میں عجیب انداز سے اپنی محرومی اور نارسائی کا اشارہ کیا ؎

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتّے ہزار پھرتے ہیں

یہ نعت مواجہہ شریف میں عرض کر کے انتظار میں مؤدب بیٹھے تھے کہ قسمت جاگی اور چشم سر سے بیداری میں زیارت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔"

مدینے میں حضرت کا قیام طویل رہا۔ اکتیس بار مسجد نبوی میں حاضری نصیب ہوئی۔ صبح سے عشا تک علما، شیوخ اور طلبا کا ہجوم رہتا۔ کوئی حدیث پڑھنے آتا، کوئی اجازت لینے اور کوئی بیعت کرنے۔ حضرت کسی کو مایوس نہ کرتے۔ مولانا حکیم سید عبدالحئی لکھنوی صاحب نزہۃ الخواطر اپنی گرانقدر تالیف میں اعلیٰ حضرت کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آپ نے کئی بار حرمین شریفین کا سفر کیا اور علمائے حجاز سے بعض مسائل فقہیہ اور کلامیہ میں مذاکرہ بھی کیا۔ بعض رسائل بھی قیام کے دوران میں لکھے اور علما حرمین نے بعض سوالات کئے، تو ان کے جوابات بھی تحریر کئے۔ فقہ، حدیث اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذہانت دیکھ کر سب کے سب حیران و ششدر رہ گئے۔"

اعلیٰ حضرت کو عربی زبان پر ایسا عبور تھا کہ خود اہل عرب رشک کرتے، آپ کے ایک خلیفہ مولانا شیخ ضیاء الدین مدنی، جو بفضل خدا حیات ہیں اور مدینہ منورہ میں قیام ہے، ان کی روایت ہے کہ: ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علمائے کرام کے اجتماع میں میں نے اعلیٰ حضرت کا ایک قصیدۂ عربیہ پڑھا جو سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں تھا۔ سب نے بیک زبان کہا کہ یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی النسل عالم کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے بتایا اس قصیدے کے لکھنے والے مولانا احمد رضا بریلوی ہیں جو عربی نہیں عجمی ہیں۔ علمائے مصر یہ سُنکر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربی میں اتنے ماہر ہیں!"

اعلیٰ حضرت جامع کمالات بزرگ تھے جس فن اور جس موضوع پر قلم اٹھایا اپنی انفرادیت کا سکہ ثبت فرما دیا۔ ان کی اصل دولت حُبِّ رسول تھی۔ اس پاک جذبے سے ان کی روح سرشار رہی۔ اعلیٰ حضرت کی شاعرانہ حیثیت بھی اتنی ہی دقیع اور عظیم ہے جتنی ان کی دوسری حیثیتیں۔ یہ عجب بات ہے کہ دنیا میں جو اچھے اچھے نعت گو شعرا گزرے ہیں۔ ان سب کا ذکر کسی نہ کسی حیثیت سے ادب کی کتابوں میں موجود ہے مگر اعلیٰ حضرت کی بہترین شعری تخلیقات کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ شاید اس لئے کہ ان کی شاعری دوسرے علوم و فنون کے نیچے دب گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کا نعتیہ کلام بڑے سے بڑے شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں جذبۂ دل کی بے ساختگی، خیال کی رعنائی، الفاظ کی شان و شوکت اور عشق رسول کی جھلکیاں قدم قدم پر موجود ہیں۔ اُن کی نعتوں میں کیف و اثر کی ایک دنیا آباد ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سوانح نگار مولانا بدرالدین احمد کا مشاہدہ یہ ہے، آپ عالم ارباب سخن کی طرح صبح سے شام تک اشعار کی تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے۔ بلکہ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی اور درد عشق آپ کو بیتاب کرتا تو از خود نعتیہ اشعار زبان پر جاری ہوتے اور پھر یہی اشعار آپ کے شورش عشق کی تسکین کا سامان بن جاتے۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی ہے، تو میں نعتیہ اشعار سے بے قرار دل کو تسکین دیتا ہوں، ورنہ شعر و سخن میرا مذاق نہیں۔

اعلیٰ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا نہایت خوش گو اور نفیس شاعر تھے فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی سے تلمذ تھا۔ ایک روز انہوں نے اعلیٰ حضرت کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع داغ کو سنایا ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مطلع سنکر داغ جھُومنے لگے، بار بار پڑھواتے اور وجد کرتے۔ بہت تعریف کی اور فرمایا: "مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے!"

یہ بہترین داد ہے جو استاد داغ کسی شاعر کو دے سکتے تھے۔ حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ لکھنؤ کے شعراء کی ایک محفل میں اعلیٰ حضرت کا قصیدۂ معراجیہ اپنے خاص انداز میں پڑھا، تو سب جھومنے لگے اور ایک آواز کہا کہ اس قصیدے کی زبان تو کوثر میں دھلی ہوئی ہے۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ دہلی میں پیش آیا۔ سرآمد شعراء دہلی نے کہا: سبحان اللہ مولانا احمد رضا کی شاعری کے کیا کہنے! آپ بھر پڑھتے رہیے، ہم عمر بھر سنتے رہیں گے۔

مولانا محمد علی جوہر نے علامہ اقبال کے لئے کہا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل قرآن کی طرف پھیر دئے، لیکن مولانا احمد رضا خاں کا اعجاز شاعری یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے دل صاحب قرآن کی طرف پھیر دئے۔ نعتیہ شاعری کا کمال یہ ہے کہ اس سے شاعر کے کمال عشق کا سکہ دل پر بیٹھ جائے۔ شاعر شاگرد ہوتے ہیں، مگر عاشق شاگرد نہیں ہوا کرتے۔ مولانا احمد رضا خاں فن شاعری میں کسی کے شاگرد نہ تھے، وہ عاشق صادق تھے فیضان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو وہ کچھ دیا کہ بس سوچا کیجئے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بے شمار شعراء نے اپنی اپنی حسن نیت اور توفیق الٰہی کے باعث سلام لکھ کر ہدیۂ عقیدت پیش کیا، مگر اعلیٰ حضرت کے لکھے ہوئے ایک سلام کو ایسا قبول عام نصیب ہوا کہ صدی گزر چکی، برصغیر پاک و ہند کی فضائیں آج بھی اس سلام کی والہانہ آواز سے گونج رہی ہیں۔ ایک ایک شعر جذب و کیف اور عشق و سرمستی کا مرقع ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہر یار ارم، تاجدار حرم
نوبہار شفاعت پہ لاکھوں سلام

حضرت اطہر ہاپوڑی اُردو کے مشہور شاعر تھے اور اُن کا شمار نہایت جید اساتذہ غزل میں تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کی موجودگی میں نعت سنائی اور مطلع پڑھا

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلےٰ کے سامنے

مطلع سُنکر اعلیٰ حضرت ناخوش ہوئے اور فرمایا اس کا دوسرا مصرع مقام نبوت کے لائق نہیں۔ اطہر صاحب محجوب ہو کر چہرہ دیکھنے لگے۔ اعلیٰ حضرت نے برجستہ فرمایا اسے یوں کر دیجئے۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

حضرت محسن کاکوروی کا قصیدۂ معراجیہ بہت مشہور ہے جس کا آغاز یوں ہے

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

حضرت محسن یہ قصیدہ اعلیٰ حضرت کو سنانے کے لئے بریلی تشریف لائے۔ ظہر کے بعد دو شعر سنے، پھر ارشاد فرمایا عصر کے بعد باقی قصیدہ سنا جائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے عصر سے پہلے اپنا طویل قصیدہ معراجیہ سنایا۔ محسن نے جب آپ کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا مولانا آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔

آپ چونکہ عربی، فارسی بھاشا اور اُردو زبانوں پر پوری قدرت رکھتے تھے اس لئے ان زبانوں میں بے تکلف شعر کہتے۔ ایک مرتبہ احباب کی فرمائش پر ایسی نعت کہی جس میں یہ چاروں زبانیں استعمال کی گئی ہیں۔ بعض قصائد نہایت عجیب اور مشکل صنعتوں میں بھی کہے۔ غرض اعلیٰ حضرت کا یہ رُخ بھی نہایت حسین اور یادگار ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے اخلاق و عادات نہایت عمدہ اور اچھے تھے۔ پوری زندگی حب نبوی اور اتباع شریعت میں گزری۔ اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام لیتے نہ کچھ شکایت کرتے، مگر خدا و رسول کا معاملہ ہوتا، تو ہرگز رُو رعایت نہ کرتے، پانچوں وقت نماز نہایت اہتمام سے ادا کرتے، طبیعت شدید ناساز ہوتی، تب بھی مسجد میں تشریف لاتے اور جماعت سے نماز ادا کرتے۔ فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفل روزے رکھتے ایک بار رمضان میں بیمار پڑے اور حالت نازک ہو گئی۔ طبیبوں نے ہر چند اصرار کیا کہ روزہ توڑ دیجئے، مگر نہ مانے اور روزے کی برکت ہی سے صحت حاصل ہو گئی۔ رات کو سوتے وقت نام اقدس محمد کی شکل میں لیٹتے۔ سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کرتے، کسی چیز کے لینے اور دینے کے لئے دایاں ہاتھ بڑھاتے، کبھی قہقہہ نہ لگاتے، تبسم فرماتے۔ قبلے کی طرف منہ کر کے کبھی نہ تھوکتے، قبلے کی طرف پاؤں کبھی دراز نہ کرتے، آہستہ آہستہ چلتے، اکثر نگاہیں نیچی رکھتے۔ ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ کر بیٹھنے کو ناپسند کرتے۔ اگر آپ کوئی حدیث بیان کر رہے ہوں یا قرآن کی آیت کا ترجمہ کر رہے ہوں اور درمیان میں کوئی قطع کلام کرتے، تو سخت ناراض ہوتے۔ نہایت سخی اور سیر چشم تھے جو دروازے پر آتا خالی نہ جاتا، غریبوں، طالب علموں، ناداروں، یتیموں اور بیواؤں کے وظائف مقرر تھے۔ بیرونی ضرورت مندوں کو منی آرڈر کے ذریعے رقمیں بھیجتے۔ روپیہ جمع کر کے نہ رکھتے فوراً تقسیم فرما دیتے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا: میں نے کبھی ایک پیسہ زکوٰۃ کا نہیں دیا، کیونکہ میرے پاس کبھی اتنی رقم جمع ہوئی ہی نہیں کہ سال گزر جانے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔

اعلیٰ حضرت کو بیت اللہ اور حرمین شریفین سے جو عشق تھا، اس کا تذکرہ سوز و گداز سے پُر ہے۔ دوسرے حج کے موقع پر جبکہ آپ مکہ معظمہ میں تھے، شدید بخار میں مبتلا ہوئے۔ ایک ترکی ڈاکٹر رمضان آفندی نے بہت قلیل مقدار میں ایک نمک دیا اور کہا آب زمزم میں ملا کر پی لو۔ اعلیٰ حضرت یہ سن کر خوش ہوئے۔ فرماتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے دوا وہ بتائی جو مجھے بالطبع محبوب اور مرغوب تھی یعنی زمزم شریف، میری عادت ہے کہ باسی پانی نہیں پیتا اور اگر پیوں، تو فوراً زکام ہو جاتا ہے، مگر زمزم کی برکت دیکھئے کہ صحت

میں مرض میں، دن میں، رات میں تازہ، باسی کثرت سے پیا۔ بخار کی شدت میں رات کو جب آنکھ کھلتی، کلی کرتا اور زمزم پیتا۔ وضو سے پہلے پیتا۔ وضو کے بعد پیتا۔ پونے تین مہینے مکۂ معظمہ کے قیام میں میں نے حساب کیا، تو تقریباً چار من آبِ زمزم میرے پینے میں آیا ہوگا۔

"اواخر محرّم میں صحت ہوئی اللہ کے فضل سے۔ وہاں ایک سلطانی حمام ہے۔ میں اس میں نہایا۔ باہر نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ابر ہے حرم شریف پہنچتے پہنچتے پانی برسنا شروع ہوا۔ مجھے حدیث یاد آگئی کہ جو مینہ برستے میں طواف کرے، وہ رحمتِ الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً حجرِ اسود کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا۔ بخار پھر ہو گیا۔ مولانا سید اسمٰعیل مکی نے فرمایا ایک ضعیف حدیث کے لئے تم نے اپنے بدن کی بد احتیاطی کی۔ میں نے کہا حدیث ضعیف ہے، مگر امید بحمد اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ یہ طواف بہت مزے کا تھا۔

علماء اور طلباء کا حد درجہ احترام کرتے اور ان کے آنے پر بے حد مسرور نظر آتے۔ مہمانوں کے ہاتھ خود دُھلاتے اور عمدہ سے عمدہ کھانے انہیں کھلاتے۔ مزاج میں عُجب غرور اور کبر بالکل نہ تھا۔ سادات کرام کے سامنے فرطِ تواضع اور انکسار سے بچھ بچھ جاتے۔ آپ کے ہاں ہر تقریب میں سادات کرام کو دوہرا حصّہ دیا جاتا، ایک دفعہ نو دس برس کی عمر کے ایک صاحبزادے امور خانہ داری کے لئے ملازم رکھے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ سیّد ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے گھر والوں کو تاکید فرما دی خبردار، صاحبزادے سے کوئی کام نہ لیا جائے، اسلئے کہ وہ مخدوم زادے ہیں جس چیز کی انہیں ضرورت ہو، حاضر کی جائے اور جس تنخواہ کا وعدہ ہوا ہے وہ بطور نذر پیش ہوتی رہے۔ ایک دفعہ اسی موضوع پر گفتگو فرماتے ہوئے کہا: قاضی وقت اگر سیّد کو حد لگائے تو یہ خیال نہ کرے کہ میں سزا دے رہا ہوں، بلکہ یہ تصور کرے کہ شاہزادے کے پاؤں میں کیچڑ بھر گئی ہے، وہ دھو رہا ہوں... مدینہ منورہ میں سید محمد سعید مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں یا سیّدی فرماتے، میں شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی حضرت، سیّد تو آپ ہیں، فرمایا واللہ! تم سیّد ہو۔ میں نے عرض کی میں سیّدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مولی القوم منھم قوم کا غلام آزاد شدہ انہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ساداتِ کرام کی سچّی غلامی عطا فرمائے۔

مزاج میں نہایت اعلیٰ درجے کی لطافت اور مزاح تھا۔ کسی ہندو آریہ نے اپنے مذہب کے بارے میں ایک کتاب لکھی اور اس کا نام "آریہ دھرم پرچار"، رکھا اور کتاب کا ایک نسخہ، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی ارسال کیا۔ حضرتؒ نے وہ کتاب ملاحظہ فرمائی جگہ جگہ حاشیے پر اس کا رد لکھا اور جہاں کتاب کا نام لکھا، وہاں سیاہ روشنائی لے کر جلی قلم سے لفظ "پرچار" کے بعد "حرف" لکھ دیا اب اس کتاب کا نام یوں ہو گیا۔ "آریہ دھرم پرچار حرف۔"

اعلیٰ حضرت نے ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء یوم جمعۃ المبارک دوپہر دو بج کر ۳۸ منٹ پر بریلی میں وصال فرمایا۔ چند ماہ قبل اعلیٰ حضرت نے قرآنِ مجید کی اس آیت سے اپنا سنہ وفات برآمد فرمایا تھا۔ ویطاف علیھم بآنیۃ من فضۃ و اکواب۔ اس آیت کے حروف سے ابجد کے مطابق ۱۳۴۰ عدد برآمد ہوتے ہیں مولانا حسنین رضا خاں نے اعلیٰ حضرت کے الوداعی سفر کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ان کا بیان ہے:

اعلیٰ حضرت نے وصیت نامہ تحریر کرایا، پھر اس پر خود عمل کرایا۔ اس روز تمام کام گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر ہوتے رہے۔ دو بجنے میں چار منٹ باقی تھے کہ وقت پوچھا عرض کیا گیا اس وقت ایک بجکر ۵۶ منٹ ہو رہے ہیں۔ فرمایا گھڑی رکھ دو، یکایک ارشاد ہوا تصویر ہٹا دو۔ حاضرین کے دل میں خیال گزرا کہ یہاں تصاویر کا کیا کام۔ یہ خطرہ گزرنا تھا کہ خود ارشاد فرمایا یہی کارڈ، لفافہ، روپیہ، پیسہ۔ پھر ذرا وقفے سے اپنے بھائی مولانا محمد رضا خاں صاحب سے خطاب فرمایا وضو کر آؤ، قرآن عظیم لاؤ۔ ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ اپنے چھوٹے بیٹے مولانا مصطفےٰ رضا خاں سے پھر ارشاد فرمایا اب بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ سورۂ یٰسین شریف اور رعد شریف تلاوت کرو۔

اب آپ کی عمر کے چند منٹ باقی رہ گئے ہیں جب الحکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں۔ ایسے حضور قلب اور تیقظ سے سنیں کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا یا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقتِ زبان سے زیر و زبر میں فرق ہوا، خود تلاوت فرما کر بتا دی۔ سفر کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے، تمام وکمال، بلکہ معمول سے زائد پڑھیں۔ پھر کلمہ طیبہ پورا پڑھا۔ جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا۔ ادھر ہونٹوں کی حرکت اور ذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرۂ مبارک پر ایک نور کی کرن چمکی جس میں جنبش تھی۔ اس کے غائب ہوتے ہی وہ جان نور جسم اطہر حضور سے پرواز کر گئی۔

انّا للہ وانّا الیہ راجعون

خود اسی زمانے میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا: جنہیں ایک جھلک دکھا دیتے ہیں، وہ شوقِ دیدار میں ایسے جاتے ہیں کہ جانا معلوم بھی نہیں ہوتا۔"

مولانا عبد العزیز محدّث مراد آبادی استاذ دار العلوم اشرفیہ، اعظم گڑھ، درگاہ اجمیر شریف کے سجادہ نشین دیوان سید آل رسول کے عم محترم کی زبانی ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں جسے یہاں درج کرنا مناسب ہوگا۔ موصوف کا ارشاد ہے۔

ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ میں ایک شامی بزرگ، دہلی تشریف لائے اُن کی آمد کی خبر پاکر اُن سے ملاقات کی۔ بڑی شان و شوکت کے بزرگ تھے۔ طبیعت میں بڑا استغنا اور مسلمان جس طرح عربوں کی خدمت کیا کرتے، اُن بزرگ کی بھی خدمت کرنا چاہتے تھے، نذرانہ پیش کرتے، مگر وہ قبول نہ فرماتے اور کہتے بفضلہ تعالیٰ میں فارغ البال ہوں۔ مجھے ضرورت نہیں، اُن کے اس استغنا اور طویل سفر سے تعجب ہوا۔ عرض کیا حضرت یہاں تشریف لانے کا سبب کیا ہے؟ فرمایا مقصد تو بڑا ارزیں تھا، لیکن حاصل نہ ہوا

جس کا افسوس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۲۵ صفر ۴۰ ۱۳ھ کو میری قسمت بیدار ہوئی۔ خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حاضر دربار ہیں، لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ قرینے سے معلوم ہوتا تھا کسی کا انتظار ہے۔ میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا فداک ابی و امی! کس کا انتظار ہے؟

ارشاد فرمایا احمد رضا کا۔

میں نے عرض کیا احمد رضا کون؟

فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔

بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی۔ معلوم ہوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بڑے جلیل القدر عالم ہیں اور بقیدِ حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق ہوا۔ ہندوستان آیا۔ بریلی پہنچا، پتہ چلا اُن کا انتقال ہو گیا اور وہی ۲۵ صفر ان کی تاریخِ وصال تھی۔ میں نے یہ طویل سفر صرف اُن کی ملاقات کے لئے کیا۔ مگر افسوس ملاقات نہ ہو سکی۔

شہر بریلی، محلہ سوداگران میں دار العلوم منظرِ اسلام کے شمالی جانب ایک پر شکوہ عمارت میں آپ کا مزارِ مبارک ہے ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

بقیہ :- شخصیتی جائزہ

حضرت کا حسن ادب بارگاہ رسالت میں اس قدر تھا کہ ایک بار حضرت مولانا سید شاہ اسمٰعیل حسن میاں نے آپ سے سیزدہ درود شریف نقل کرایا، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں لفظ حُسین اور زاہد بھی تھا حضرت نے نقل میں یہ دو لفظ تحریر نہ فرمائے اور فرمایا کہ حُسین صیغہ تصغیر ہے اور زاہد اسے کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ان الفاظ کا لکھنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا لیکن پھر میاں کے حکم کا احترام کرتے ہوئے نہایت لطافت کے ساتھ حُسین کا لفظ اس طرح استعمال فرمایا کہ یہی صیغۂ تصغیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان ظاہر کر رہا ہے۔ اب درود شریف کی عبارت یوں ہوگی: اللّٰھم صل وسلم وبارك علیٰ سیدنا ومولانا محمد[1] ن المصطفیٰ رفیع الشان ٥ المرتضیٰ[2] علی الشان ٥ الذی رجیل من امتہ خیر من رجال السابقین ٥ وحسین[3] من زمرتہ حسن من کذا و حسنًا من السابقین ٥

سرورِ کائنات سے محبت کا ایک اور ثبوت دیکھئے۔ مولانا عرفان علی بیسلپوری کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقت مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا اپنی خواہش تو یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔

لیکن قدرت کو ابھی ان سے کچھ اور کام لینے تھے وہ چار سال اور زندہ رہے اور اس دوران میں برابر علمی کام کرتے رہے اور دین کی خدمت بجا لاتے رہے، آخر جمعہ مبارکہ ۲۵ صفر المظفر سنہ ۱۳۴۰ھ کو یہ نامور مصنف اپنے زمانہ کا جلیل القدر عالم دین کا خادم، اور اپنے رسول کا شیدائی سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد سنتا ہوا اور کلمۂ طیبہ ورد کرتا ہوا اور سفر کی دعائیں پڑھتا ہوا اس جہان سے رخصت ہوا۔ رحمہ اللہ ورحمۃ واسعۃ۔ حضرت کی حیات اور ان کے کارناموں پر کتابیں لکھی جائیں گی۔ لیکن ان کی زندگی کی ایک جھلک ان کے اپنے ان دو شعروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

نہ مرا نوشِ ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا ہوش بمدحے نہ مرا گوش ذمے
منم و کنجِ خمولی کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

امام احمد رضا اور ان کی خصوصیات

از: حضرت علامہ خواجہ ابرار حسین صاحب فاروقی
لیکچرار اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۱۔ تمہید!

العلماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (حدیث شریف)

(ترجمہ) میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔

اس حدیث شریف کے تفسیر و تشریح میں بعض حضرات کو تسامح ہوا ہے۔ فی الحقیقت مشبہ موجود، مشبہ بہ موجود اور حرف تشبیہ بھی موجود۔ لیکن وجہ شبہ تفسیر طلب ہے۔ اس حدیث شریف کا مطلب صرف یہی نہیں ہے، کہ علماء امت محمدیہ کا مرتبہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر ہے۔ بلکہ اس میں سب سے بڑا راز یہ ہے کہ جس طرح سے انبیاء بنی اسرائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہر اپنی امت کے ہدایت و اصلاح میں مصائب برداشت کرنے پڑے اور اس ابتلاء و آزمائش میں کامیاب رہے۔ اسی طرح سے علماء امت محمدیہ کو بھی مسلمانوں کے اصلاح اور ہدایت میں انھیں کے مانند مصائب اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس سلسلہ میں اس جگہ ذیل کی دو ہی مثالوں پر اکتفاء کروں گا۔

خلیفہ عباسی مہدی کے زمانہ میں زندیقیوں نے سر اٹھایا اور قرآن پاک کا جواب لکھنے پر تل گئے، علماء اور حکمائے اسلام نے مقابلہ میں آکر ان کا چیلنج قبول کیا۔ اور مصائب جھیلے مگر مقابلہ سے نہ ہٹے۔ آخر ان کو کامیابی ہوئی اور اسطرح سے یہ فتنہ ختم ہوا۔ اس کے بعد دوسو بارہ ہجری ۲۱۲ھ میں بہ عہد خلیفہ مامون بن خلیفہ ہارون رشید دیا فتنہ خلق قرآن کا اٹھا۔ اس فتنہ سے ائمہ مجتہدین بھی نہ بچ سکے چنانچہ جس وقت ۲۱۸ھ میں مامون نے خلق قرآن کو مان کر نہ صرف علماء کو اس عقیدہ کے ماننے پر مجبور کیا بلکہ انکار کرنے والے علماء ذی اقتدار کو دار و رسن سے نوازا حتی کہ مجتہد اعظم امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام اہلسنت والجماعت کو بھی اس لئے نہ چھوڑا اور ممدوح علیہ الرحمۃ نے برائے احقاق پر مصیبت برداشت کی۔ آخر کار مکہ مکرمہ کے ایک مجتہد اعظم امام عبدالعزیز مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب اس فتنے کے زہریلے اثر کو پھیلتے دیکھا جو جذبہ اسلام نے دار و رسن کے پرواہ کئے بغیر مکہ مکرمہ سے دارالخلافہ کے لئے انھوں نے شدرحال کیا اور بغداد پہونچ کر دشمن دین معتزلی بنام بشر بن غیاث مرسی کی فتنہ پردازی کا قلع قمع کیا یعنی دربار خلافت میں ـــ امیر المومنین کو بھی حکم بنا کر اور اس معتزلی کا مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور اسطرح سے اس فتنہ کو ختم کیا (ملاحظہ ہو کتاب حیدہ مصنفہ امام موصوف)

یہ تفسیر متذکرہ بالا حدیث شریف، جو انبیاء بنی اسرائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مصائب کی طرف واضح اشارہ فرماتی ہے اس کی تائید اس سے زیادہ حدیث شریف فرماتی ہے۔

لایزال من امتی قائمین علی الحق حتی یاتی امر اللہ وھم الغالبون

(حدیث شریف)

(ترجمہ) میری امت کے اشخاص ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہیں گے یہاں تک کہ حکم خدا سے وہ اپنے (مخالفین) پر غالب ہو جائیں گے۔

بہر حال علمائے کرام کی وہ ممتاز اور محبوب تر جماعت تھی، جس نے ہمیشہ امت اسلامیہ کی پیہم رہبری کر کے اسکو صراط مستقیم پہ لگایا اور ارکان خمسہ کا ہمیشہ درس دیکر اس کو گمراہی سے بچایا (فاللہ خیرٌ حافظاً) ماسوا اس کے بفحوائے حدیث شریف

الاختلاف امتی رحمۃ۔ (ترجمہ) میری امت میں اختلاف رحمت ہے۔

امت کے اختلاف کو نہ صرف جائز فرمایا بلکہ رحمت فرما دیا۔ اس کی صحت کا مظہر چاروں ائمہ مجتہدین کا مسلک ہے جو مسلمانوں کی عبادت کی بنیاد ہے، قرآن ایک، حدیث ایک، چنانچہ اسی قرآن و حدیث سے ائمہ نے اپنی تفقہ سے مسائل استنباط کر کے مسلمانوں کی رہبری کی اور مسلمانوں نے اپنے اپنے ماحول کے مطابق مسالک قبول کئے۔ اسی طرح حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مسلک دنیائے اسلام میں پھیلے اور اب تک اختلاف امت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

۲۔ مولانا شاہ احمد رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ پیدائش اور تعلیم و تربیت

حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلی میں بتاریخ ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ (۱۴ جون ۱۸۵۶ء) میں پیدا ہوئے۔

حضرت کے دادا حضرت مولانا رضا علی خاں نے اپنے پوتے کو گود میں لیکر فرمایا "یہ میرا بیٹا بہت بڑا عالم ہوگا"۔ یہ قول حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا جیسا کہ آئندہ کی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

حضرت اقدس کا اصلی اسم مبارک عبدالمصطفےٰ احمد رضا خاں اور تاریخی نام "المختار" (۱۲۷۲ھ) تھا۔ حضرت اقدس کے والد بزرگوار کا اسم مبارک حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھا

یہ اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں سے تھے تعلیم و تربیت ان کی من اولہ الی آخرہ ان کے والد بزرگوار حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز نے فرمائی تھی۔

حضرت شاہ مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز نے بقول راویان ثقہ بعمر چار سال قرآن پاک ناظرہ ختم فرمایا۔ ذہن و ذکاوت کی یہ لاجواب مثال ہے۔ اسی حافظہ کا یہ عالم تھا کہ جو سبق ایک بار پڑھ لیا وہ ازبر ہو جاتا تھا۔ مکتب کے تعلیم کے بعد جب درسیات شروع ہوئیں تو جملہ معقول و منقول کا درس اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لیا۔ بقول سوانح نگار ثقہ ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ تقریباً بعمر ۱۴ سال سند فراغت حاصل فرمائی۔ طبع رسا اور ذہن صفا کی یہ ایک انمول مثال ہے کہ اتنی کم سنی میں پورے درس کی تکمیل فرما کر عالم ہو گئے۔

سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ سند فراغت حاصل ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے تھے کہ ایک استفتاء بابت رضاعت حضرت اقدس کے سامنے آ گیا اس کا جواب لکھ کر حضرت اقدس نے بغرض تصحیح اپنے والد ماجد قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں پیش کیا۔ ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ! "شاباش جواب بالکل صحیح ہے"۔

ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روز سے فتویٰ نویسی کا کام اپنے نوجوان بلکہ کمسن مگر ممتاز تربیت کے سپرد کیا جس کے متعلق یہ کہنا نہ مبالغہ ہے نہ غلط!

برناصیہ اش زہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

موصوف الصدر قدس سرہٗ العزیز کے ذہن و ذکا، و حافظہ و طبع رسا کا علم ہر اس شخص کو ہے جس نے تعلیم پائی یا جس سے ذرا بھی واسطہ ہوا اسکو بدرجہ اتم ہو گیا تھا۔

بہرحال معقولات و منقولات ختم کرنے کے بعد ابٗ دارالافتاء کا کام جو والد بزرگوار قدس سرہٗ العزیز نے سونپا تھا بخوش اسلوبی انجام فرماتے تھے۔ اس کام نے حضرت کو جو والد بزرگوار کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ تفقہ میں کامل کر دیا۔ اب فقہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں تھا جس کا حل حضرت اعلیٰ و اقدس کے پاس نہ ہو۔

۳۔ علم فلسفہ و ہیئت

معقولات میں جس کو درجہ اولی حاصل ہے وہ فی الحقیقت علم ہیئت ہے۔ جس میں ریاضی کو بڑا دخل ہے۔ حضرت اقدس کے والد بزرگوار نے اسمیں بھی موصوف الصدر کو کامل فرما دیا تھا۔ بہرحال حضرت موصوف الصدر رحمۃ اللہ علیہ نے علم فلسفہ پڑھا ضرور مگر اس سے ہمیشہ نفرت سی رہی۔ چنانچہ اپنی ایک تصنیف "الکلمۃ الملھمہ" میں جو رد فلسفہ قدیم پر ہے فلسفہ کے متعلق اپنا خیال یوں ظاہر فرماتے ہیں۔

"ابتدا ہی سے فلسفہ کو سخت مکروہ جانتا اور صرف دو چار کتابیں درس میں پڑھ کر اور دو ایک بار پڑھا کر جو چھوڑا تو (۴۵) سال سے زائد ہو گئے اس کا نام نہ لیا"۔ (الکلمۃ الملھمہ ص۲)

بہرحال فلسفہ کے شعبہ علم ہیئت میں جو کمال پیدا کیا اور جو مہارت حاصل فرمائی اس کے ثبوت کے لئے حضرت اقدس کے ایک شاگرد رشید حضرت مولانا ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی لامثال تصانیف ذیل ہیں

(۱) ن الاوقات برائے عرض شہر بہار
(۲) " " " " بریلی
(۳) " " " " نینی تال
(۴) الجواہر المواقیت فی علم التوقیت

علم ہیئت پر مفید تر تصانیف ہیں۔ جو ہر اعتبار سے لامثال ہیں۔ اور وہ استاد کی تبحر علمی پر شاہد عادل ہیں۔ فی الحقیقت علم ہیئت کا سیکھنا دینی حیثیت سے ضروری ہے تاکہ ہر مقام کے اوقات نماز اور صیام صحیح طور پر معلوم ہو سکیں۔ کیونکہ اوقات کی غلطی سے عبادات میں خلل پڑتا ہے اور اس سے دین میں خلل واقع ہوتا ہے۔

بہرحال یہ مشتے نمونہ نہ صرف ایک مثال حضرت اقدس کے علم ہیئت کے تبحر علمی کی دی گئی ہے اگرچہ وہ بالواسطہ ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تصانیف ہیئت کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ ثقہ راویوں کا قول ہے کہ ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے تعداد چھوٹی بڑی چھ سو کے قریب ہے جو مضامین کے اعتبار سے نہ صرف متنوع ہیں بلکہ انہیں بیشتر وہ ہیں جن کو جواہر پارے کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ ان میں فتاوے بھی ہیں اور مناظرے بھی۔ انداز و مصالح بھی اور علم ہیئت کے شہ پارے بھی۔ مولوی رحمان علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف بنام "تذکرۂ علماء ہند" میں تصانیف کی تعداد پچاس لکھی ہے یہ تذکرہ علمائے ہند کے تصنیف کے زمانہ تک کی ہیں۔ اس کے علاوہ اور اس کے بعد مختلف تصانیف منظر عام پر آئیں جن کا شمار مشکل ہے۔ اور (۷۰۰) تصانیف کا بحوالہ بعض سوانح نگاراں ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس بیان میں کچھ تسامح ہوا ہو لیکن یہ امر یقینی ہے مشغولیت تصنیف کثیر تعداد کی طرف اشارہ ضرور کرتی ہے (واللہ اعلم)

۴۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ

ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کی تعداد سوانح نگاروں نے صرف پانچ اس تفصیل سے لکھی ہے۔

۱۔ مکتبی تعلیم کے چند اساتذہ۔
۲۔ ابتدائی عربی تعلیم کے استاذ مرزا عبدالقادر بیگ مرحوم۔
۳۔ مولانا عبدالعلی رام پوری استاد تعلیم علم ہیئت۔
۴۔ سید شاہ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ استاذ تعلیم علم جفر و علم تکسیر
۵۔ حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ (والد بزرگوار حضرت اقدس قدس سرہٗ العزیز جنھوں نے پوری درسیات ختم کرائیں۔)

فی الحقیقت فہرست اساتذہ۔ مندرجہ بالا برائے نام ہی ہے حضرت نے حقیقی تعلیم تو اپنے والد بزرگوار سے ہی پائی جنھوں نے پوری درسیات (مع حدیث صحاح ستہ) ختم کرائیں بعد بعمر تقریباً ۱۴ سال (۱۲۸۶ھ) میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد فتویٰ نویسی کی استعداد بدرجہ اتم ایسی پیدا کر لی تھی کہ فتویٰ نویسی میں کمال ہو گیا تھا یہاں تک ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر علماء بھی مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ فی الحقیقت۔

ایں سعادت بزور بازو نیست — گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

اتنی کم عمری میں اتنا تبحر اور درسیات پر اتنا عبور اگر سعادت و کرامت نہیں تو اور کیا ہے
بہر حال فتویٰ نویسی کا کمال اور اسمیں لاثانی مہارت۔ فتاویٰ کی مجلدات شہادت دے رہے ہیں سند فراغت تو لے ہی چکی تھی جس کے معنی یہ تھے کہ مشہور درس نظامی کی تکمیل ہو گئی تھی جسمیں فقہ اور احادیث و منطق وغیرہ جملہ فنون داخل ہیں ـــــ لیکن اسی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ ۱۲۹۴ھ میں مارہرہ ضلع ایٹہ جاکر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت فرماکر اجازت و خلافت کے ساتھ (جس کا تفصیلی ذکر آئندہ اوراق میں ملے گا) سند حدیث سے بھی مشرف ہوئے۔ اس کے بعد ۱۲۹۵ھ میں اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ العزیز کے ہمراہ برائے حج و زیارت حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفاً و تعظیماً) میں حاضر ہو کر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اکابر علماء سے سند صحاح ستہ بھی حاصل فرمائی یعنی جن محدثین معروفین سے سند احادیث حاصل فرمائیں انہیں خاص طور پر قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مکہ معظمہ کے حضرت سید احمد زین دحلان مفتی شافعیہ۔
۲۔ حضرت شیخ عبد الرحمان سراج مفتی حنفیہ۔
۳۔ حضرت شیخ حسین بن صالح جمال اللیل امام شافعیہ۔

الغرض اسناد حدیث صحاح ستہ کئی علماء محدثین حجاز مقدس سے حاصل فرمائیں۔ اسی کا یہ طفیل تھا کہ تاحیات باسعادت سلسلہ درس و تدریس اور تصنیف جاری رہا۔

۵۔ بیعت و تصوفی مسلک

یہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد بزرگوار قدس سرہٗ العزیز کے ہمراہ مارہرہ حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول قدس سرہٗ العزیز کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ سلاسل میں ان کو سند خلافت عطا کرتے ہوئے سند حدیث بھی عطا فرمائی۔

ہندوستان میں بالعموم چشت اہل بہشت کا طریقہ رائج ہے۔ ماسوا اس کے نقشبندیہ سہروردیہ۔ اور طیفوریہ طریقے بھی رائج ہیں۔ البتہ شاذلیہ طریقہ مصر سے آگے نہ بڑھا۔

بہر حال جو طریقہ ہو سوائے ذکر جہر و خفی یا پھر سماع و غیر سماع کے ریاضی و مجاہدہ ہیں۔ سب طریقے یکساں ہی ہیں جن کو وہی شخص صحیح طور پر جان سکتا ہے جو اس وادی کا مسافر ہو۔

البتہ ایک مسلکی اختلاف ـــ جو سکر و صحو کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور بھی ہے اور وہ مسلک "وحدۃ الوجود" اور وحدۃ الشہود" ہے۔ جن کو توحید وجودی اور توحید شہودی بھی کہتے ہیں۔ لیکن سواد اعظم کا مسلک وحدۃ الوجودی رہا۔ وحدۃ الشہود بہت کم صوفیا نے اختیار فرمایا۔

جہاں تک حضرت مولانا جناب حافظ شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز کے صوفیانہ مسلک کا تعلق ہے۔ وہ وحدۃ الوجود ہی ہے۔ اگرچہ کسی صاحب تذکرہ نے اس کی وضاحت کی طرف توجہ نہیں فرمائی جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہ مسئلہ اسقدر پیچیدہ ہے جس کی توضیح قلم نہیں کر سکتا ہے۔ یہ تو صرف صاحب عمل ہی کا حصہ ہے اصحاب علم اس سے قطعاً محروم ہیں۔ اسی لئے اس پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔ اور نہ ڈالنی چاہیئے تھی۔

بہر حال یہ یقینی ہے کہ مسئلہ وحدۃ الوجود گو پیچیدہ ہے لیکن یہ مسلم ہے کہ اس نوع توحید کی طرف قرآن پاک نے بھی اسطرح اشارہ فرمایا ہے۔

"فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" (سورہ بقرہ)

ترجمہ۔ جدھر توجہ کرو دیدار خدا ملے گا۔

یہ اعلان خداوند عالم "وادی، غیر ذی ذرع" میں ہوا ـــ جس کی آواز بازگشت ایران و خراسان میں بھی پہونچی جو گل و گلزار اور سبزہ زار تھے۔ اسی گونج نے وہاں کے اہل دل کو بیدار کیا۔ جواباً یں اعلان بول اٹھے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

حضرت سعدی قدس سرہٗ العزیز کے اس اعلان نے جو وہاں کے سواد اعظم کی ترجمانی کرتا ہے۔ بارگاہ صمدیت سے سند مقبولیت بھی حاصل کی۔ چنانچہ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب "نفحات الانس" میں فرماتے ہیں۔

"یکے از مشائخ از شیخ (سعدی) انکارے داشت درواقعہ دید کہ درہائے آسمان کشادہ اند و ملائکہ با طبقات نور نازل گشتند (از ان ملائکہ شیخ) بہ کمال حیرت پرسید۔ ایں چیست گفتند :۔

برائے سعدی شیرازی راست کہ بیتے مقبول او از جانب حق تعالیٰ و تقدس ارزانی شدہ"

(ترجمہ) حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی (بزرگی سے) ایک (مقامی) شیخ منکر تھے چنانچہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ فرشتے نور کے طبق لئے ہوئے آسمان سے اتر رہے ہیں۔ شیخ نے انتہا حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ :۔

سعدی کے مشہور و مقبول شعر کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ انعام عطا فرمایا ہے۔

اس سچے خواب سے شیخ کے خیالات ایسے بدلے کہ وہ فوراً حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر عذر خواہ ہوئے۔ بہر حال یہ تو تھا ایک تاریخی واقعہ جو توضیحاً بیان کیا گیا۔

فی الحقیقت وحدۃ الوجود کے ثبوت میں تو وہ شعر ہے جو حقیقت کا مظہر ہے۔ اسی شعر کے مفہوم کو سامنے رکھ کر ایک اردو شاعر بھی خاموش نہ رہ سکا اور اس نے گویا آیت شریف کا صحیح ترجمہ اپنے اس مصرعہ میں پیش کیا۔

"جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے"

بہر حال وحدت الوجودی مسلک حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا تھا۔ ان کی پوری حیات باسعادت اسی کی مظہر ہے۔

۶۔ عادات و خصائل

ایک بار ایک خادم نے ایک خط لاکر پیش کیا جس میں کسی گستاخ نے حضرت کی شان

یں نازیبا الفاظ استعمال کرکے اپنی سفاہت کا ثبوت دیا تھا آپ نے ا... فرمایا اور اٹھ کر اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں چند لفافے ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لائے۔ اور ان صاحب کے آگے ڈال کر فرمایا کہ ان کو پڑھ لو ۔۔ وہ سمجھے کہ شاید انہیں بھی کچھ ایسے ہی الفاظ ہوں گے اس لئے کچھ تامل کیا۔ حضرت اقدس نے ان سے فرمایا۔

"تم ان کو پڑھ لو پھر فیصلہ کرو کہ کون معقول اور کون نامعقول ہے"۔

انھوں نے اس کو پڑھا تو ان سب خطوط میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خصائل حمیدہ کا تذکرہ تھا۔ جب وہ پڑھ چکے تو اس وقت فرمایا "شیطان خصلت چند ہوتے ہیں اور انسان خصلت بہت ہوتے ہیں"۔

"لہٰذا تم کو اس کا کچھ برا نہیں ماننا چاہیئے"۔

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے اسی موقف کے متلق یہ فیصلہ کن بات فرمائی ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا : اگر مردی احسن الی من اسا

حضرت اقدس واعلیٰ رحمۃ اللہ علیہم کم وبیش کا یہی مسلک رہا ہے۔ اور ہمیشہ بدی سے پرہیز فرمایا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن پاک کے اس فیصلہ کن اصول پر عمل رہا۔

ویدرؤن بالحسنۃ السیئۃ

(ترجمہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے ہیں۔ سورہ رعد رکوع ۸ (سورہ قصص رکوع ۹)

حضرت اقدس میں نہ صرف غریب پروری حد درجہ تھی بلکہ غریب نوازی میں بھی حضرت یکتائے روزگار تھے۔ غریبوں کی دعوت قبول فرماکر ان کے خس پوش اور خستہ حال گھروں پر قدم رنجہ فرماکر اس چیز کو ۔۔ جس کی عادت نہیں ہوتی تھی خوشی خوشی نوش فرماتے تھے اور دعائے برکت وخوشحالی سے آپ کو نوازتے تھے۔ غریب لوگ از قسم خستہ حال مزدور وغیرہ محض حصول دعا کی خاطر دعوتیں کیا کرتے تھے اور حضرت قبول فرماکر ان کی خوشی پوری کرتے تھے۔

حضرت اقدس شدت ورحمت میں بے عدیل فضائل کے حامل تھے مسائل دین میں ان کی شدت کا یہ عالم تھا کہ غیر شرعی حرکت یا بات ایک آن پسند نہیں تھی جس پر فوراً ہی غصہ آجاتا تھا جس پر پٹھان ہونے کی چھاپ لگ جاتی تھی لیکن جب کبھی اپنی غلطی محسوس فرمالیتے تھے تو معذرت خواہی میں پٹھانی شدت کرم کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ رحم وکرم کی مثال اس پر دیدی گئی معذرت خواہی کی شدت کی مثال بھی پیش ہے۔

آغاز تحریک آزادی کے زمانہ میں ممتاز علمائے فرنگی محل کا ایک وفد بریلی حضرت اقدس کی خدمت میں ایک دینی معاملہ میں تبادلہ خیال کے لئے آیا۔ علماء کے اس وفد کے ساتھ ایک نوجوان پیرزادے بھی تھے جن کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ علماء سے گفتگو کے بعد حضرت نے فرمایا :۔

"یہ داڑھی منڈے صاحبزادے جو آپ کے ہمراہ ہیں، کیا یہ بھی وفد کے ممبر ہیں۔ جن کی صورت قطعاً غیر شرعی ہے"

یہ تعریض نوجوان پیرزادے کے لئے سخت ناگواری کا باعث ہوئی۔ قائد وفد نے جو ایک عالم تھے، چلتے وقت حضرت سے فرمایا :۔

"صاحب زادہ سید زادہ اور پیرزادہ ہے"۔

ان کو آپ کی تنقیص اور تعریض سخت ناگوار ہوئی ہے۔

حضرت اقدس جو عاشق رسول وآل رسول تھے۔ یہ سنتے ہی کہ وہ صاحبزادہ آل رسول ہیں بیتاب ہوگئے۔ اور فرمایا کہ سیدزادہ اور پھر پیرزادہ پر میری تعریض نامناسب تھی۔ اس کے بعد سخت معذرت خواہ ہوئے اور نوجوان پیرزادہ سے عذر خواہی کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ مگر نوجوان سیدزادہ اور پیرزادہ بھی آپے سے باہر تھے۔ معاف کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ آخر کار سربراہ وفد نے نوجوان پیرزادہ سے فرمایا کہ۔

ایک بزرگ عالم متبحر ۔۔ جو آپ سے عمر میں بہت زیادہ بڑے ہیں اور مرتبہ میں بہت بلند ہیں معذرت خواہ ہیں آپ معاف کردیجئے۔

چنانچہ جب نوجوان نے اپنی زبان سے کہدیا کہ معاف کردیا اسوقت حضرت اقدس کو اطمینان ہوا۔ یہ ملی جلی شدت اس پٹھانی جذبہ کا مظہر ہے جو پٹھانوں میں بالعموم پائی جاتی ہے۔

حضرت اقدس کی علالت تاریخ و سال وفات

موت العالم موت العالم

(ترجمہ) عالم کی موت جہاں کی موت ہے۔

یہ وہ مسئلہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ حضرت ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ کی حیات باسعادت من اولہ وآخرہ خدمت دین یا خدمت انسانی میں گزری۔

جملہ تصانیف حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی ان خدمات متواترہ ومتواصلہ کی شہادت دیتی ہیں۔ ممدوح الصدر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے اسلامی دنیا میں وہ خلا پیدا ہوگیا تھا جس کا احساس عالم اسلام کو عرصہ دراز تک رہا۔ حضرت اقدس کی وفات۔ وطن الوف بریلی (یوپی) معمولی علالت کے بعد۔

بتاریخ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ، ۱۹۲۱ء

بعمر (۶۸) سال ہوئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

خاتمہ

بعض احباب ۔۔ بالخصوص عزیزم پروفیسر مختار الدین احمد صاحب آرزو صدر شعبہ عربی و ڈین فیکلٹی آف آرٹس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ محترم حضرت سلیم امین اشرف ایم اے لکچرر شعبۂ انگلش مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور برخوردار محب الحق طالب علم اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے پیہم اصرار پر حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مختصر سوانح اس امید پر ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں کہ اس میں جو بھول ہوئی ہوں۔ ان کو معاف فرماتے ہوئے میرے لئے دعاء خیر ومغفرت سے ممنون فرمائیں۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

سورہ آل عمران۔ رکوع (۱)

امام احمد رضا

نائبِ رسولِ اعظم

حضرت علامہ سید شاہ محمد قائم رضوی چشتی نظامی، قتیل
{فاضل و عالم توریت و انجیل ـــــ ایم ـ اے
سجادہ نشین آستانہ چشتیہ نظامیہ، داناپور، بہار}

ابتدائے انسانیت ہی نبوت سے ہوئی ـ (۱) لوکل پروڈکٹس و (۲) یونیورسل پروڈکٹ، لوکل پروڈکٹ یعنی مقامی نبی جس کا رقبۂ نبوت محدود، امت محدود، کتاب و صحیفہ وقتی، شریعت و نبوت محدود ہر رقبہ میں متعدد انبیاء بیک وقت، یونیورسل پروڈکٹ یعنی ساری کائنات کا بلا شرکت غیرے واحد و تنہا نبی اس کا دین کامل و دائمی، شریعت اکمل جس میں تغیر و تبدل کی گنجائش ہی نہیں، کتاب تا قیامت محفوظ، حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب کے سب لوکل پروڈکٹس جیسا کہ خود انجیل مقدس شاہد ہے ـ

آفرینش انسانی ہی سے حق و باطل کی ایک شدید جنگ کا آغاز ہوا جو قیامت کے روز ہی ختم ہوگی، ملائک و اجنہ پہلے ہی سے مخلوق و موجود تھے ـ ابتدائے انسانی کی ندا خلافت کے ساتھ جب ہوئی تو ان سب کے ہوش اڑ گئے، سمجھے کہ ہم سب اب نمبر ۲ میں آگئے ـ سخت احتجاج کیا مگر نا مقبول، خموش ہو گئے مگر بڑی سخت، یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کا کالبد شریف مع اس نور مشہد کے تیار بھی ہو گیا، ایک تو کریلا کڑوا دوسرے چڑھا نیم، حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو، جتنے تھے ایک ایک کر کے سجدے میں گر گئے مگر گرو جی اکڑ گئے، کھلے الفاظ میں انکار کیا اور اسی پر غرور کے ساتھ جما رہا، انکار کا سبب پوچھا گیا تو کہتا ہے کہ "کیا اب ہم اتنے بکلے اور تیری آنکھ سے گر گئے کہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ بشر کو سجدہ کر جو مٹی سے بنا ہوا ہے"ـ اسی جواب پر وہ راندہ گیا اور ابدی طوق لعنت اس کے گلے میں پڑ گیا ـ جذبۂ انتقام سے مجبور ہو کر اس نے دوامی زندگی مانگی، چنانچہ وقت معلوم تک مہلت بھی مل گئی، تو کہتا ہے "کہ اے میرے رب تیرے عظمت و جلال کی قسم آدم کی ایک ایک ذریت کو گمراہ و بے دین کر دوں گا" چنانچہ الٹی میٹم بھی ہو گیا اور جنگ بھی شروع ہو گئی جیسا کہ خود حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ علے نبینا و علیہم السلام اور ان کی امتوں کے حالات و واقعات سے ظاہر ہے ـ جب لوکل پروڈکٹس کے دور ختم ہو چکے تو ابلیس بڑا غل مچانے لگا کہ ابتک آدم کی تمام اولاد کو کافر و مشرک بنا دیا، چاند، سورج، جانور، پتھر، پانی، آگ درخت وغیرہ تک کو پجوا دیا حتی کہ بیت المقدس میں تین اور بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت رکھوا کے سب کو سجدہ کرا دیا، کہ دفعتاً یک بیک نقشہ الٹ گیا یعنی آمد آمد نبی آخر الزماں، خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سرت اثر پہنچی، کہ اب حضور انور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں ـ یہ سننا تھا کہ ادھر ایک طرف ابلیس اپنے ذریات کے ساتھ جبل ابو قبیس پر رونا اور ماتم کرنا شروع کیا اور ادھر دوسری طرف آسمان و زمین بلکہ پوری کائنات غلغلہ شادمانی و صدائے مبارکبادی پر "یا نبی سلام علیک" پڑھ پڑھ کر جھومنے لگی ـ یہیں سے دو اسکول قائم ہو گئے، نور اور مٹی والے، یہ لفظ میلاد بھی عجیب حد فاصل ہے، صلی اللہ علیہ وسلم ـ

یونیورسل پروڈکٹ:ـ المختصر ظہور دین اسلام ہو گیا اور ابلیس اپنی تیار کردہ فوجوں کا معائنہ کرتا رہا اس لئے کہ اس لعین کے پجاریوں اور چیلوں کے سوا اور کوئی دوسرا تھا ہی کون، مگر تھا ہوش سے گزرا ہوا، ہر وقت اسی خیال میں تھا کہ ادھر سے کچھ اعلان ہو تو پہلے گھڑی سے مقابلہ شروع کیا جائے یہاں تک کہ وہ وقت بھی آگیا اور حکم بھی ہو گیا کہ اے میرے محبوب اب اپنی رسالت کا اعلان کر دو چنانچہ جیسے ہی اعلان ہوا "و انی رسول اللہ الیکم جمیعا"، گھر ہی کی فوج کے افسر ابولہب نے آگے بڑھ کر نہایت سخت الفاظ میں انکار کیا، یہ اس جنگ عظیم کا پہلا حملہ تھا اور جنگ شروع بھی ہو گئی، ادھر ابلیس اپنی فوج بڑھاتا رہا، ادھر قدرت نے اسلامی فوج تیار کرنی شروع کی، آج یہ مسلمان ہوئے کل وہ، مگر اس خبیث کی سعی بھی جاری رہی اور حملے بھی شروع ہو گئے، ابلیس نے اپنے معاونین کو پکارنا شروع کیا، یہودیوں کو لانا چاہا تو توریت نے بڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد یاد دلایا ـ "میں ان کے لئے انہیں کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ ان سے کہیگا ـ"
توریت باب استثنا: ۱۸ ـ ۱۸

عیسائیوں کو پکارا تو انجیل نے بھی سبقت کی اور بشارت عیسیٰ و یحییٰ و داؤد علیہ السلام یاد دلائی — بشارت عیسیٰ :۔ "چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا جو کچھ وہ کہے اس کی سننا۔"

انجیل : اعمال :۔ ۳—۲۲

بشارت عیسیٰ :۔ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیوں کہ اب جہاں کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں ہے۔"

انجیل - یوحنا : ۴ — ۳۰

بشارت یحییٰ :۔ "یحییٰ منادی کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے قوی تر ہے، میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اسکی جوتیوں کا تسمہ کھولوں"

مرقس :— ۱ — ۷

بشارت داؤد :۔ "دیکھو دیکھو وہ آرہا ہے زمین کا انصاف کرکو، وہ ساری دنیا کا انصاف صداقت و راستی کے ساتھ کرے گا۔"

زبور : ۱۳ — ۹۶

حتیٰ کہ ہندو مصنفوں کی بھی مذہبی کتاب نے یوں خبر دی "کلجگ میں سارے جہاں کا نبی آنے والا ہے، اس کے باپ کا نام وشنو بھگت (عبد اللہ) اور ماں کا نام سومتی (آمنہ) ہوگا، بیاکھ کی بارہ تاریخ سمبار کے دن دو گھنٹہ دن چڑھے (مکہ کی صبح صادق) سنمل دیپ (عرب) میں پیدا ہوگا - پرسرام (اللہ) کھو (غار حرا) میں اس کی تعلیم کرے گا، جس سے ناراض ہوکر اس کے ملک کے لوگ اسکو ملک سے نکال دیں گے، وہ اپنے ملک سے اتر (مدینہ) میں طاقت پیدا کر کے پھر اپنے ملک کو فتح کرلیگا (فتح مکہ) اس حکیت گرد کے پاس ایک بجلی کا گھوڑا ہوگا جس پر چڑھکر وہ زمین اور ساتوں آسمانوں کی سیر کریگا (معراج)"

دسکلکی (اوتار مطبوعہ لاہور) (فلکی اوتار یا محمد صاحب مصنفہ پریاگ یونیورسٹی الہ آباد)

المختصر اس خبیث نے اپنے تمام چیلوں کے ساتھ جو اس کو مل گئے ہمیشہ تھوڑے تھوڑے مسلمانوں پر بڑی بڑی فوج لیکر اترا مثلاً جنگ بدر، احد، خندق وغیرہ مگر اللہ کے فضل سے ہمیشہ اسلام کامیاب ہوا اور دشمنوں کا منہ کالے کا کالا ہی رہا۔"

اس لعین نے اپنے چیلوں سے قرآن عظیم پر بھی مختلف عنوان سے حملہ کرایا مگر ناکام رہا۔ آخر کار قرآن کے سب سے چھوٹے سورہ کا مثل مانگا گیا تو سارے ارباب عرب منہ دیکھتے رہ گئے کسی سے بھی جواب یا اس کا مثل نہو سکا، قرآن عظیم کی تعریف اور صداقت تو حضرت داؤد علیہ السلام بھی بہ الفاظ ذیل فرما گئے ہیں۔

"خداوند کا کلام پاک ہے اس چاندی کے مانند جو بھٹی میں مٹی پر تپائی گئی ہے اور سات بار صاف کی گئی ہو، تو ہی اے خداوند ان کی حفاظت کرے گا، تو ہی ان کو اس پشت سے ہمیشہ تک بچا رکھے گا۔"

زبور : ۱۲ — ۶ و ۷

الغرض ابلیس ادھر اپنے چیلوں کو شمشیر و قلم لیکر بڑھتا چلا اور غلامان مصطفےٰ اس طرف سے نبرد آزما ہوتے رہے، خوب خوب مقابلہ ہوا۔ خوب خوب تیغیں چلیں تو گھبرا کر قلم کی بات آگئی ادھر بھی اللہ نے ایسے ایسے اہل قلم پیدا کردیے کہ ابلیس اپنے تمام شاگردوں کو لیکر میدان میں اترا۔ اللہ اللہ کیسے ائمہ دین و علماء کرام مقابلہ پر آئے اور کس کس کیا نہ عالمانہ کمال دکھایا، اس محاذ پر بھی ائمہ دین نے کیا کیا زور قلم دکھایا اور کس کس طرح دشمنوں کو زیر کیا۔

ہر مقام پر ابلیس لعین کو رسوائی ہوئی، آخر اپنی شکست فاش کو محسوس کر کے محاذ جنگ کی طرف متوجہ ہوا اور یہ بولا کہ محاذ جنگ ہی کو بدلا جائے، یہ وہ بڑے گر کی بات سمجھا اور بہت دور کی بات بولا۔ وہ یہ کہ دین تو عقیدے کا نام ہے۔ عمل کا تو ہے نہیں، جیسے بے عقیدہ صحیح عمل اکارت، اگر عقیدہ غلط ہے تو نماز روزہ حج زکوٰۃ سب نامقبول پس اپنے ہمنواؤں کے ساتھ مشورہ کیا کہ محاذ جنگ ہی کو بدل دیا جائے اور آخر فیصلہ یہ ہوا کہ کہاں تک کس کو کس کو فرداً فرداً بہکایا جائے کسی کسی سے نماز ترک کرائیں۔ کسی سے روزہ چھڑوائیں، کسی کو سود کھلائیں کسی کو شراب پلائیں۔ ان گناہوں سے کوئی کافر تو ہوگا نہیں ان گناہوں کی تو وقتی سزا مقرر ہے وہ بھی محدود، یا ممکن ہے کہ معاف بھی ہو جائے۔ پس ان کے عقیدے بگاڑو، ان کے عقائد خراب کرو کہ یہ اسلام ہی سے خارج ہو جائیں، اس کو یہ معلوم تھا کہ نبی کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا یا نبی کو اپنے آپ سا سمجھنے سے سارے اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔ اور کسی کا عمل بغیر کفر خارج از اسلام ہوئے حبط نہیں ہوتا، پس فیصلہ کیا کہ ان ایمان والوں سے نبی کے حق میں گستاخی کراؤ جیسے کہ انبیاء و شاتم رسل خارج از اسلام ہوتے ہیں، ابدی جہنمی، دائمی دوزخی، چاہے وہ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں، کلمہ پڑھیں، درود پڑھیں، نبیوں کی توہین قطعی کفر ہے۔ پس اس نے چند ہاتھی خریدے اور ان ہاتھیوں کو ہاتھی پکڑنے کی تعلیم دی جو تعلیم پانے کے بعد کٹنے ہاتھی کہلاتے ہیں اور انہیں کے ذریعہ ہاتھی پھنسائے جاتے ہیں، شیطان انسان کو چھو کے خبط کرتا ہے، جس کو اس خبیث نے خبط کیا مس کیا وہ بالکل خبط ہو جاتا ہے، بس اس نے اپنے خریدے ہوئے ہاتھی کو جو تعلیم پاکر "کٹنا ہاتھی" کہلائے ہر طرف چھوڑے پس پھیلائے "کند ہم جنس باہم جنس پرواز" انہیں کے ہم جنس و ہمشکل سید ھے سادے لوگ جو خود بھی صحیح العقیدہ تھے، انہیں اس قسم کے عقائد کی تعلیم دینا شروع کی

(۱) نبوت ختم نہیں ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پچھلے اور آخری نبی ہرگز نہیں ہیں، آپ کے وقت میں یعنی آپ کی موجودگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی نبی آسکتا ہے، یہ غلط ہے کہ سلسلہ نبوت ہی آپ پر ختم (ویتخبطہ الشیطان من المس)

(۲) نبی کو امت پر عمل میں فضیلت ہی کیا، عمل میں امت آپکے برابر اور آپ سے بڑھ ہی جاتی ہے۔

(۳) نبی کو علم غیب سے کیا واسطہ، حضور کو تو دیوار پیچھے کی بھی خبر نہیں ہے۔

(۴) حضور کا علم غیب کیا، ایسا غیب دان جیسا حضور کو کہتے ہیں ویسا تو بچوں، پاگلوں اور بہائم یعنی گائے بیل وغیرہ کو بھی ہے۔

(۵) اگر نبی کا خیال (صرف ہمت) نماز میں آجائے تو اس سے چندیں بدتر ہے کہ اپنے گائے گدھے کا خیال آئے۔

(۶) نبی تو بڑے بھائی کے برابر ہیں، نبی کی عزت بڑے بھائی سے زیادہ نہیں کرنی چاہیئے۔

(۷) جس کا نام علی یا محمد ہے اس کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے

(۸) حضور شافع محشر نہیں ہیں۔

(۹) حضور کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے۔

(۱۰) آپ کی عزت اللہ کے سامنے چمار، چوہڑے چمار کی سی ہے

اسی قسم کے عقیدے جو حضور انور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پھیلائے جارہے ہیں اگر لکھتا چلا جاؤں تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے، دنیا کا بھی یہی قاعدہ دستور ہے کہ اسلحہ خانے میں بیک وقت تمام قسموں کے اسلحے ہر وقت موجود وتیار رکھتے ہیں، ضرورت کے لحاظ سے اس کا استعمال ہوتا ہے، تلوار، بندوق، رائفل ایٹم بم، ہائیڈروجن بم وغیرہ تمام قسموں کے اسلحے موجود رہتے ہیں مگر موقع اور ضرورت سے کام میں لائے جاتے ہیں، چنانچہ جس دور میں جیسے علماء وائمہ کی ضرورت پڑی ویسے ہی حضرات بھیجے گئے، اب ابلیس نے محاذ جنگ ہی بدل دیا ہے۔ اس کمبخت نے تبدیلی عقائد کا حربہ چلایا ہے جس سے جماعت کی جماعت، فرقہ کا فرقہ کافر سمجھا جاتا تھا تو قدرت نے بھی ویسا ہی امام بھیجا جو جماعت کی جماعت کو گروہ کے گروہ کو فرقہ کے فرقہ کو واپس لے آئے، یہ وہی منتخب ومخصوص امام ہے جو ضرورت کے لحاظ سے تشریف لایا ہے جس سے ابلیس جماعتیں، فرقہ در فرقہ، گروہ در گروہ تہہ و بالا ہیں، اسی مجدد اسی امام کا نام نامی واسم گرامی "احمد رضا خاں" ہے جس نے الحمد اللہ جماعت حق کی ایسی شیرانہ بندی کی اور اس طرح دشمنان دین وایمان کو زیر کیا کہ یہ اب سارے کے سارے دُم دبا کے بھاگتے پھرتے ہیں والحمد اللہ علی ذالک

حضور انور تاجدار مدینہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ملاحظہ ہو ــــ ان اللہ عزوجل یبعث لهذه الامة علی راس کل مائة سنة من یجدد لها دینها " (سنن ابی داؤد ومشکوٰۃ)

ترجمہ:- " بیشک اللہ جل مجدہ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس کے لئے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے رہیں گے۔" اس حدیث پاک کو پڑھنے کے بعد تو دشمنوں کو چاہیئے تھا کہ مجدد مائۃ حاضرہ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ کے قدم چومتے کہ وہ لوگوں کو بدعقیدگی سے بچا کر رہ مستقیم پر لائے اور اللہ کے کروڑوں بندوں کی ہدایت فرما کر ان کو دوزخ سے چھٹکارا دلوایا اور جنت الفردوس میں پہنچایا، مگر ابلیس نے حکم پانے پر جب حضرت آدم کو نہ مانا تو اس سے یا اس کے ذریات سے کیا توقع ہو سکتی ہے ــــ ؎

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ ؎ بہ آب کوثر و زمزم سفید نتواں کرد

یہ دشمن جو اس قدر گھبرائے ہوئے ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت امام احمد رضا صاحب کے تبحر علمی نے دنیا میں ایک شور برپا کر رکھا ہے، دشمنوں کے دل کی بات ظاہر کر دی اور اللہ کے ہزاروں، لاکھوں بندوں نے توبہ کی اور ان لوگوں کے دام فریب سے نکل گئے اور نکلتے جارہے ہیں۔ علمائے عرب نے آپ کے تبحر علمی کا اقرار فرمایا۔ آپ کی شان میں اونچے اونچے الفاظ استعمال کیے، دشمنان دین کی بے دینی توہین رسالت کا حال معلوم ہوا تو حضرات علمائے عرب نے ان دشمنوں کا فرداً فرداً نام بنام علیحدہ علیحدہ فتوےٰ شائع کیا جن میں مکہ معظمہ کے بیس علماء اور مدینہ طیبہ کے تیرہ علمائے کرام ہیں جسے دیکھنا ہو دیکھ لے اور ہندوستان وپاکستان کے تو کئی سو علماء کے فتوے ہیں، کتاب چھپی ہوئی ہے۔ تمام ملتی ہے، حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کا یہ وہ گراں بہا کارنامہ ہے جس نے بد دینوں کی بنیاد ہلا دی اور حقیقت کھل جانے پر لاکھوں نے از سر نو توبہ کی اور صحیح راستے پر لگ گئے۔

حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کا دوسرا ایسا ہی کارنامہ "فتاوےٰ رضویہ" ہے جو تقریباً پندرہ ہزار صفحوں میں کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہزاروں گمراہوں نے ان فتووں کو پڑھکر توبہ کی اور صراط مستقیم پا گئے حضرت کو جتنے علموں پر اللہ نے عبور بنایا اتنے علموں کا جاننے والا ہندوستان میں تو نظر نہیں آتا۔ ایک ہزار سے کم نہ کتب و رسائل آپ کی تصنیف سے ہیں جن سے قوم نے بڑی اصلاح پائی اور مسائل صاف ہو گئے۔ قرآن عظیم کا ترجمہ اکثر زبانوں میں ہوا ہے اور ہوتا ہی رہتا ہے۔ ایک ترجمہ نائب رسول اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کا بھی ہے۔ ترجمہ کرنا خود ایک مستقل فن اور بڑا ہی نازک فن ہے ایک ایک لفظ کا صحیح معنیٰ ومفہوم، محل استعمال، سیاق وسباق، شان نزول، مطلب در وثے سخن، ہمہ گیری کا پوری احتیاط کے ساتھ سمجھنا اور سمجھانا منزل ادق ودشوار ہے، اور تراجم سے اس ترجمے کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت نے جس عالمانہ ومحققانہ انداز میں پوری جزرسی وانسانی نفسیات کی کامل آگاہی کے ساتھ فن ترجمہ کی صبر آزما منزل کو طے کیا ہے وہ کچھ آپ ہی کا حصہ تھا، اب تو بیرونی یونیورسٹیاں بھی اسی طرف متوجہ ہو رہی ہیں، اس ترجمہ میں جو احتیاط کی گئی قابل قدر ہے۔

حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کو فن شعر وسخن میں اللہ تعالیٰ نے ید طولیٰ بخشا تھا، ایسا حساس ورقیق القلب انسان بھی کم ہوتا ہے آپ کی شاعری صرف حمد وثنا کے لئے مخصوص رہی، آپ کے اشعار قرآن وحدیث کی تفسیریں ہیں۔ نعتیہ شاعری میں جن نازک مرحلوں سے گذرنا ہوتا ہے، اللہ اکبر، آپ قدم پھونک پھونک کر ان راہوں سے نہایت کامیاب گذرے، آپ کے دو دیوان حدائق بخشش وحدائق العطیات مذکورہ تمام اوصاف وکمالات کے شاہد عادل ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کا ایک مشہور ومعروف دار العلوم بھی ہے جو دشمنوں کی آنکھوں میں کانٹا ہے۔ یہ دار العلوم حقیقتاً ایک نہار علم ہے جو

ہندستان پاکستان و بیرون ہند سے اپنی شعاع فیض و برکات کی لہروں میں آسمان علوم پر آفتاب نیمروز کی طرح چمک رہا ہے، ہزاروں علماء "کانبیائے بنی اسرائیل" بنکر نکلے اور نکلتے رہتے ہیں جس کے طوفان علمی سے دشمنوں کے سیکڑوں چراغ گل ہو گئے۔ بڑا احسان ہے کہ اس نے راستے صاف کر دیئے، ایسے مدرسے کی امداد واللہ حق کی امداد ہے، اللہ تعالیٰ اجر عظیم عنایت فرمائے گا۔

حضرت امام احمد رضا خاں صاحب قدس اللہ سرہ انوار طریقت سے بھی بھرپور معمور ہیں اور آج تک آپ کا فیض جاری ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ آپ مجمع البحرین ہیں یعنی شریعت و طریقت کے سنگم ہیں، آپ کو بیعت میرے جد امجد سید السادات قطب العالم حضرت سید محمد کالپی قدس اللہ سرہ العزیز سے بلاواسطہ حضرات مارہرہ شریف حاصل تھی۔ آپ کے مریدین و متوسلین کی تعداد اللہ ہی جانتے، آپکے تصانیف نظم ونثر سے صاف ظاہر ہے کہ آپ "مقام فنا فی الرسول" میں ہیں، میری کیا بساط آپ کے مناقب و محامد لکھ سکوں، ــــ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ واہل بیتہ و امتہ و علی سائر الانبیاء والمرسلین اجمعین برحمتک ارحم الراحمین، وآخر دعونا الحمد للہ رب العالمین ط

امام احمد رضا

ایشیا کا عظیم محقق

مولانا عبدالکریم نعیمی (بنگلہ دیش)

محترم مولانا عبدالکریم صاحب نعیمی بنگلہ دیش کے مشہور و معروف مذہبی رہنما ہیں سنی کاز کے فروغ اور خدمت سنیت میں آپ کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ دینی تعلیم کی مشہور درسگاہ مدرسہ عزیزیہ جلالیہ اسلامیہ پوسٹ ملفت گنج ضلع فرید پور کے مہتمم ہیں۔ آپ کا زیر نظر تحقیقی مقالہ شکریہ کے ساتھ حاضر ہے ——— ایڈیٹر

یہ مسلم بات ہے کہ قوموں کا ارتقا اور استحکام سلف کے کارناموں سے آگاہی حاصل کرکے ان کے نقش قدم پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ملت کے نونہال، مذہب اسلام کے جلیل القدر فرزندوں کی سیرت پاک سے آشنا ہو کر ہی نیا دلولہ، عزم و ہمت اور کامرانی کا راستہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اکابر ملت کی سیرت کے نقوش و آثار جس قدر دل کی گہرائیوں میں اترتے جائیں گے اسی قدر کامیابی کی منزلیں آسان سے آسان تر ہوتی چلی جائیں گی۔ اور عظیم شخصیتوں کے نمایاں کارناموں کا تصور جس قدر دھندلا جائے گا اتنا ہی مقصد کا حصول مشکل سے مشکل تر ہوتا جائے گا۔

تقریباً ہر دور میں ایسے افراد انسانی بکثرت پائے گئے جنھوں نے حق و صداقت کے خلاف آواز اٹھائی۔ باطل کی پشت پناہی کی لیکن ان کا طرز عمل مختلف رہا ہے کسی نے کھل کر باطل کی اشاعت کی اور حق کی مخالفت کی تو کسی نے اہل اقتدار کا دامن تھام کر اپنی ناپاک سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ ایسے اشخاص بھی کچھ کم نہیں ہوتے جنھوں نے اہل حق کا لبادہ اوڑھ کر اپنی اسکیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی جد و جہد کی۔ غرض یہ سلسلہ بہت دیر سے شروع ہے۔ لیکن مردان حق کی کوششوں نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے عزائم کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ ان کی پر خلوص مساعی جمیلہ نے فریب کاروں کے گھناؤنے منصوبوں کا پردہ چاک کرکے بر وقت سیدھے سادے مسلمانوں کا تعلق سرکار ابد قرار مدنی تاجدار احمد مختار نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ یہ حضرات کمام داد و تحسین یا طعن و تشنیع سے قطعا ماوراء ہو کر عوام و خواص کو ملت بیضا و دین متین اسلام کی نورانی تعلیمات کی یاد دہانی کراتے رہے۔

اہل اسلام کے انہی عظیم محسنوں اور راہنماؤں میں تحقیق و تدقیق کے بادشاہ شریعت و طریقت کے آگاہ امام اہلسنت موجودہ صدی کے مجدد شیخ الاسلام والمسلمین حجۃ اللہ فی الارضین اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ اور بنو عباس نے اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی خدمات انجام دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ ان کے علاوہ دیگر مسلمان بادشاہ بھی حتی الامکان اپنے فرائض سے غافل نہ رہے۔ ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی بھی اسلامی تعلیمات کے تعارف کے لئے معاون ثابت ہوئے۔ سلطان محمود غوری سے لیکر مغل خاندان کے آخری چشم و چراغ تک مسلمان بادشاہوں نے ملت اسلامیہ کی بقا و استحکام کے لئے حد امکان کوششیں کیں۔ ان فرمانرواؤں میں محمد تغلق اور حضرت شاہ اورنگ زیب کے نام نامی سر فہرست نظر آتے ہیں۔

بادشاہوں کی اس جد و جہد اور کاوشوں کو تسلیم کرنے کے بعد یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ ائمہ دین، اولیائے کرام، صالحین اور علمائے ربانی بھی تبلیغ اسلام و تعلیم دین متین کے فرائض سے غافل نہیں رہے۔ اگر ہم ان کی حیات طیبہ کا بغور مطالعہ کرتے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی دینی و ملی خدمات بادشاہوں کے مقابلہ میں زیادہ بھی ہیں اور گراں بہا بھی۔ ان علمائے کرام کی فہرست میں صوفیائے کرام کے علاوہ حضرت محدث عبدالحق دہلوی حضرت شاہ عبدالعزیز حضرت مجدد الف ثانی سرہندی۔ حضرت عبدالقادر بدایونی وغیرہم کے علاوہ ایسے علمائے ربانیین بھی ہیں جنھیں ہم علمائے متاخرین کے نام سے منسوب کر سکتے ہیں۔

ان علمائے متاخرین میں حضرت امام احمد رضا مجدد بریلوی کا نام نامی دائم گرامی سر فہرست ہے۔ انھوں نے اس عالم رنگ و بو میں اس وقت آنکھ کھولی جب مغلیہ خاندان کا اقتدار آخری سانسیں لے رہا تھا۔ ان کا بچپن اس وقت کا آئینہ دار ہے جب بر اعظم ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل تسلط ہو چکا تھا۔ انھیں شعور زندگی اس وقت نصیب ہوا جب ہندوستانی مسلمان انگریزوں کے نرغے میں پھنسے ہوئے تھے۔ مذہبی قدریں زوال پذیر تھیں۔ بد مذہبی و لادینی کا دور دورہ تھا۔ فرق باطلہ ہندوستان بھر اپنے آہنی پنجہ پیوست کرنے کی خاطر ہر ممکن و غیر ممکن کوششوں میں مبتلا تھے۔ تو ہب کا سیلاب اور شتم رسالت کا طوفان برپا تھا۔ اسلامی زندگی کا ہر پہلو مجروح ہو چکا تھا۔ مذہب مہذب اہلسنت کے رہنما سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ

اب مسلمانوں کا کیا حشر ہوگا؟

اس سلسلے میں ملت اسلامیہ کے صحیح و سچے رہنماؤں نے اپنے مخصوص اندازوں میں قوم کو جھنجھوڑتے، انھیں ماضی کی جھلک دکھلانے و بیدار کرنے کی حتی المقدور کوششیں کیں مگر حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ اور کفر و ضلالت اور بد مذہبی و لادینی کی تاریک گھٹاؤں نے ہر طرف ڈیرے ڈالنے شروع کر دیئے۔ ایسے نازک و پرآشوب وقت میں امام احمد رضا بریلوی نے اسلام و ناموس رسالت کے تحفظ و بقاکے لئے تن من دھن کی بازی لگادی اور مسلمانوں کی بے دریغ اور بے لوث خدمات انجام دینے کا بیڑا اٹھایا۔

علمائے کرام کا بیان ہے کہ بارہویں و تیرہویں دو صدیوں میں دنیائے اسلام میں اعلیٰحضرت جیسے جامع و مانع متصف بہمہ صفات کوئی عالم پیدا نہیں ہوا۔ آپ کی ذات گرامی بے شمار اوصاف و محاسن اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جلالت علمی و کمال عملی میں آپ کی نظیر نہیں ملتی۔ وسعت علم اور رائے کی پختگی میں پورے دور میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔ خدمت دین متین میں جس خلوص، سعی مسلسل اور بے باکی کا آپ نے مظاہرہ فرمایا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ ایک دفعہ افسوس کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام میرے ذمے فرمایا ہے اگر دس آدمی میری امداد کو ہوتے تو جو کچھ سینے میں ہے کسی قدر باہر آجاتا۔ اور ایک دفعہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے میری عمر سے دس گنا زیادہ کام لے لیا ہے یہ اس کا انتہائی فضل و کرم ہے۔

ایشیا کا عظیم محقق

حقیقت بھی یہ ہے کہ جس نے آپ کی خدمت فیضد رجت میں حاضری دی اس نے برملا اس بات کا اعتراف کیا کہ آپ علم و فضل کے بحر ناپیدا کنار ہیں۔ آپ کی ایک ہزار کے لگ بھگ تصنیفات آج بھی اس بات کی صداقت پر شاہد عدل ہیں۔ صرف فتاوے رضویہ ہی کو لیجئے اس میں آپ نے ہزاروں مسائل پر بے لاگ تحقیق و تدقیق فرمائی ہے آپ کی تصنیفات کے مطالعہ کرنے والوں کو پہلا احساس یہ ہوتا ہے کہ آپ قلم کے بادشاہ ہیں اور کتاب و سنت اور علمائے ملت کے فرمودات پر بہت ہی گہری نظر رکھتے ہیں۔ جس نے فتاوے رضویہ کی جلد اول کا مطالعہ کیا وہ اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکا کہ بیشک آپ اس صدی کے مجدد تھے پچاس علم و فنون میں آپ کے تحریری شہ پارے موجود ہیں۔

شعبان ۱۲۸۶ھ سے لیکر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ تک پورے چون برس مسند افتا پر متمکن رہے اور اس عرصہ میں اتنا لکھا کہ حضرت علامہ الحاج مولانا شاہ محمد حسنین رضا خان صاحب نے جب حساب لگایا تو فی دن چھپن ۵۶ صفحات کتابت و تحریر کے نکلے۔ قوت تحریر کا یہ عالم تھا کہ کوئی سوال آیا تو اس کے جواب میں دلائل کا انبار لگ جاتا پھر بھی آپ کے قلم حقیقت رقم کو سیری نہ ہوتی تھی۔ آپ کی ایک ایک کتاب معلومات کا خزینہ اور تحقیقات کا گنجینہ ہے۔ اور بے شمار حقائق و معارف سے مملو ہے۔ ہر تصنیف کا نام ایسا پیارا اور دلکش ہے جسے پڑھ کر اہل علم عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ہر کتاب کا نام حسین و جمیل اور فقروں کی صورت میں علم و ادب میں ڈوبا ہوا، فصاحت و بلاغت میں ڈوبا ہوا اور معانی و بیان کی میزان پر وزن کیا ہوا ہے۔ اور جس کتاب میں جس موضوع پر کلام ہے اس کے نام میں مختصر طور پر اس کا بیان ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر تصنیف کا نام تاریخی ہے۔ اسی طرح ہر کتاب کے شروع میں اس میں بیان شدہ مسئلے کے مطابق علیحدہ علیحدہ عربی خطبہ ہے جو آپ کے علمی تبحر پر شاہد عدل ہیں۔

آپ کے تبحر علمی کو صرف علمائے ہند ہی نہیں بلکہ ایشیا، عرب و عجم خصوصاً مدینہ اور مکہ کے مفتیان مذاہب اربعہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

جہاں آپ کی معلومات مذہبی علوم کے علاوہ سائنسی فنون کے متعلق تھیں وہاں آپ کی نظر ملکی سیاست اس دور کے مسائل پر بھی ویسے ہی تھے اور "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" وغیرہ "آپ کی اس موضوع پر بے نظیر تصانیف ہیں۔

تحریک آزادی

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے انگریز نواز علماء کے خلاف قلم اٹھایا۔ آپ ہی نے انگریزی حکومت اور انگریزوں کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے سے شدید نفرت کا اظہار کیا مگر افسوس کہ اکثر مورخین کی ستم ظریفی اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ جو لوگ انگریزوں کے اشاروں پر شب و روز مصروف کار رہا کرتے تھے اور انہی کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے فرزندان اسلام کو آزاد فرقہ قرار دیکر افتراق و انتشار پھیلاتے تھے بلکہ مسلمانوں کے خون میں ہاتھ رنگ کر مسرت محسوس کرتے تھے آج انھیں شہید، مجاہد اور تحریک آزادی کے قائد جیسے القاب سے مشہور کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ حضرات جنھوں نے ببانگ دہل کفار سے نفرت دلائی اور ان کی تعظیم نہ کرنے کا سبق سکھایا انھیں تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر تاریخ کے اوراق میں جگہ دینے سے بھی انکار کیا گیا بلکہ یہ کوشش کی گئی کہ صفحۂ قرطاس میں ان عظیم جان نثاروں کا ذکر بھی نہ آنے پائے خود ہم میں سے بہت کم افراد ایسے ہوں گے جو مجاہد ملت امیر اندمن علامہ فضل حق خیرآبادی، شاہ احمد اللہ مدراسی، مفتی عنایت احمد کاکوری، علامہ کافی، اعلیٰحضرت بریلوی، صدر الافاضل امیر ملت پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مجاہدانہ کارناموں سے واقف ہوں گے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کی مجاہدانہ یلغاروں سے انگریزی حکومت بوکھلا اٹھی اور سامراجیت کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہوا۔

حالیہ دور میں پریس کی طاقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جن جماعتوں کے پاس نشر و اشاعت کے ذرائع ہیں وہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ ہیں اور جن کے پاس پریس نہیں وہ بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی کچھ نہیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہمارا کوئی ادیب، کوئی شاعر، کوئی صحافی اس خصوصی موضوع پر قلم اٹھانا گوارا نہیں کرتا اور اگر کبھی ایسی جرأت کرتا بھی ہے تو اس کی نگارشات پریس پر قابض حضرات کی مصلحت اندیشی کی نذر ہو جاتی ہے۔

شعر و شاعری

باوجود اس کے کہ آپ جملہ علوم دینیہ کے علاوہ جفر، نجوم، ریاضی اور تکسیر وغیرہ علوم و فنون میں نادر روزگار تھے۔ آپ شعر گوئی میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ شاعری آپ کا مشغلہ نہ تھا اور نہ ہی اس کے لئے کوئی تیاری وغیرہ کرتے بلکہ جب بھی مدینہ طیبہ یا خاک بغداد کے دریا موجزن ہوتے تو بے ساختہ محبت والفت کے جذبات شعروں کے سلیے میں ڈھل کر زبان پر آجاتے۔ آپ کی بیشتر نعتوں میں بے ساختگی سوز و گداز

کیف وجذب، فصاحت وبلاغت جوش بیان اور پاس شریعت، غرض آپ کے کلام میں ہر طرح کا حسن صوری ومعنوی بدرجہ اتم موجود ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام کو جام کوثر کہا جائے تو یقیناً بجا ہوگا۔ آپ کا نعتیہ کلام اہل ایمان ومحبت کے ساز روح کا دلنواز نغمہ معلوم ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذوق سلیم رکھنے والے حضرات آپ کے کلام کو سنکر جھوم جھوم جاتے ہیں۔ آپ خود تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں

نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

برصغیر ہند و پاک میں اہل محبت کی شاید ہی کوئی محفل ایسی ہو گی جہاں آپ کے کلام اور مشہور زمانہ سلام "مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" کی گونج سنائی نہ دے۔ آخر کیوں نہ ہو آپ کی نعتوں کے ایک ایک شعر سے شہنشاہ مدینہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستان

کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اکثر شعراء جوش شاعری میں کچھ کا کچھ کہہ جایا کرتے ہیں۔ مبالغہ آرائی کی سطح پیدا کر زمین وآسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں مگر امام بریلوی نے شاعری میں ایک نئی طرح ڈالی اور نعت گوئی کی ایک حد فاصل قائم کر دی۔ آپ کی نعتوں میں کہیں بھی شان رسالت کی گستاخی و بے ادبی کا پہلو نہیں نکلتا اور نہ ہی دامن شریعت آپ کے ہاتھ سے چھوٹتا نہ ہی کہیں حد سے تجاوز پایا جاتا ہے۔ اپنی نعت گوئی کے متعلق فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ بے جا سے ہے المنۃ للّٰہ محفوظ

قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

بے شک ایک عالم دین کی یہی شان ہونی چاہیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثنا تو آپ کی غذائے روح تھی۔ ذرا انداز کلام دیکھیئے۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انھیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

آپ کے فن نعت گوئی اور شاعرانہ کمال کا اعتراف بڑے بڑے علماء اساتذہ فن نے کیا ہے۔ کسی محفل میں آپ کی یہ نعت

وہ کمال حسن ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

سنکر ابوالاثر حفیظ جالندھری نے اظہار خیال کیا تھا...... "یہ تو کوئی استاذ الاساتذہ معلوم ہوتے ہیں۔ شاعری اسی کا نام ہے۔"

امام بریلوی سے اختلاف کرنے والے ممکن ہے بہت سے حضرات ملیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ آپ کے کمال نعت گوئی سے کسی کو اختلاف ہو۔ آپ کی نعت گوئی میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ ویسے ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔

آپ نے بڑی خوبی سے احادیث اور آیات قرآنیہ کا اقتباس اپنے منظومات میں شامل کیا۔ چونکہ آپ عربی وفارسی وغیرہ زبانوں پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ اس لئے بلا تکلف ہر زبان میں شعر کہتے تھے۔ آپ کی ایک نعت شریف کا پہلا شعر یہ ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

یہ نعت چار زبانوں کے حسین امتزاج کا مرقع ہے۔ اس سے آپ کی جدت طرازی اور ایجاد کی قوت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

کاش کوئی مرد خدا امام بریلوی کے نعتیہ کلام کی طرف توجہ کرتا اور اس کی خوبیوں کو اجاگر کرتا بلکہ اس کی مبسوط شرح لکھ کر علمی دنیا میں اسے پوری طرح متعارف کراتا۔ آپ کی شاعری کا محور عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعظیم اولیائے کرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان وقلم کبھی کسی دنیا کے تاجدار کی قصیدہ خوانی سے ملوث نہیں ہوئی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

عشق رسول وامام بریلوی

مسلمانوں کا حقیقی سرمایہ درحقیقت عشق رسول ہی ہے۔ صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، اغواث، اقطاب ابدال اور اولیائے عظام کی زندگیوں کے مطالعہ کے بعد نظر اسی نکتہ پر رکتی ہے کہ ان سب حضرات کی زندگی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محور پر گھومتی رہی۔ صحابۂ کرام کے جاں نثار دل، تابعین اور تبع تابعین وسلف صالحین کا جذبۂ تبلیغ، اماموں اور فقہاء کے دینی اجتہادات، اغواث، اقطاب ابدال اور اولیاء کرام کی ریاضتیں اور محاسبہ نفس کا مرکز حقیقی عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رہا ہے۔

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد بھی یہی ہے کہ ان کی ذات والا صفات کو ان کا امتی اپنے ماں باپ، بیوی بچوں اور مال ومتاع سے زیادہ عزیز رکھنا ہوگا۔ بزرگان سلف کی مبارک زندگیوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقصد حیات صرف اور صرف عشق رسول ہی تھا۔ یہی وہ مرکز ہے جس سے مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار برس تک اس دنیا میں اپنا اقتدار رکھا۔ اور آج بھی ان کی برتری کا راز اسی مرکز سے وابستگی میں مضمر ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

حضرت امام بریلوی کی زندگی کا اصل مقصد عشق رسول ہی ہے اور حب مصطفےٰ ہی انکی حیات کا مظہر ہے۔ تادم حیات آپ کی ظاہری وباطنی زندگی میں عشق نبوی کی روشنی برابر جگمگا رہی تھی۔ جہاں تک آپ کی ظاہری زندگی کا تعلق ہے آپ نے علوم دینیات، علم تفسیر اور علم حدیث کی تکمیل صرف چودہ سال کی عمر میں کر لی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار نے جو آپ

کے والد بزرگوار نے جو آپ کے استاد محترم بھی تھے آپ کو صرف چودہ سال کی عمر میں فتویٰ نویسی کی سند اور اجازت دیدی تھی۔ اس کم سنی میں مذکورہ علوم کی تکمیل نے اللہ جل مجدہ اور اس کے پیارے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ان کے دل میں جاگزیں کر دیا تھا۔

علاوہ بریں عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ورثہ میں بھی ملا تھا۔ آپ کے اجداد واسلاف میں اولیاکرام کے نام ہی آتے ہیں جس کا اثر آپ کی ظاہری زندگی پر جگہ جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ہوش سنبھالنے کے وقت سے موت کی آغوش میں سر جانے تک زندگی کے کسی شعبے میں بھی آپنے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گریز نہیں فرمایا۔ انتہا یہ ہے کہ آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا تک کتاب وسنت کے مطابق انجام پاتا تھا۔ جب آپ سونے کے لئے لیٹتے تو لفظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شکل بنا لیتے۔ عشق رسول کی اسی انتہا کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جذبہ لامتناہی نہیں تھا۔

حضور نبی غیب داں صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے ہر گوشے کا مطالعہ کرنے کے بعد جب حضرت امام بریلوی کے اخلاق وکردار اور زندگی پاک کے ہر شعبہ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت امام بریلوی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیرو اور ان کے عشق ومحبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اب رہی آپ کی باطنی زندگی۔ سو حقیقت یہ ہے کہ ظاہری زندگی باطنی زندگی کے نور کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ انسان اسی وقت مدراج کمال طے کرسکتا ہے جب اس کے ظاہر وباطن میں اتحاد اور یکسانیت پائی جائے۔ اس یکسانیت ویگانگت میں ظاہری زندگی تو معاون ہوتی ہی ہے مگر ظاہری زندگی کے جو اجزا عبادات سے متعلق ہیں وہ زیادہ معاونت کرتے ہیں۔ یہ اجزا دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ پہلے حصے کو حقوق العباد کہتے ہیں اور دوسرے حصے کو حقوق اللہ کہتے ہیں۔

حقوق العباد کی فہرست میں اطاعت والدین کے علاوہ بزرگوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت، عزیز واقارب اور احباب کی دلداری، اولاد کی نگرانی، علما کا احترام، حاجیوں کی تکریم اور سادات کی تعظیم سب کچھ آتا ہے۔ جس میں حضرت امام بریلوی ہر طرح پورے اترے، حقوق اللہ میں بھی آپ کے زہد وریاضت، محاسبۂ نفس، تصوف وغیرہ نمایاں اوصاف آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھے۔ اسطرح باطنی اعتبار سے آپ کا پایہ بہت بلند اور اونچا قرار پاتا ہے۔ جنکی دلیل وہ کرامات جو وقتاً فوقتاً ظہور میں آتی رہتی تھی۔ مریدین اور معتقدین کی کثیر تعداد ایک طرح یہ آپ کی باطنی ترقی اور عروج کا آئینہ دار ہے۔ یہ سب کچھ دوسرے معنوں میں عشق رسول کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔

عشق رسول کا صلہ

—— دوسری دفعہ آپ ۱۳۲۳ھ میں حج وزیارت کے لئے گئے۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے، پہونچنے کے قبل ہی آپ کے خداداد علم وفضل کا شہرہ وہاں پہونچ چکا تھا۔ امام بریلوی مدینہ طیبہ کی حاضری کے لئے بیتاب تھے لیکن شدید علالت سفر میں مانع تھی۔ ادھر مدینہ منورہ کے علمائے کرام ایک نظر آپ کی زیارت حاصل کرنے کو بے قرار تھے۔ شیخ الدلائل حضرت مولانا شاہ عبدالحق مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے مخلص شاگرد حضرت مولانا کریم اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ہم سالہا سال سے مدینہ طیبہ میں مقیم ہیں۔ اطراف وآفاق سے علما آتے ہیں اور جوتیاں چٹخاتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی بات نہیں پوچھتا۔ لیکن امام بریلوی کے پہونچنے سے پہلے ہی علما تو علما اہل بازار تک آپ کی زیارت وملاقات کے مشتاق تھے۔ چنانچہ جب مدینہ منورہ میں آپ کی حاضری ہوئی اور آمد کی خبر ہر طرف پھیلی تو صبح سے عشا تک آپ کے پاس علمائے مدینہ کا ہجوم رہتا تھا۔ ملاقات وزیارت کرنے والوں کی بھیڑ بارہ بجے رات سے پہلے چھٹنے کا نام نہیں لیتی تھی۔ (تذکرۂ نوری ص۸)

جب آپ سنہری گنبد میں آرام فرمانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں دل بیتاب اور روح بے قرار لیکر حاضر ہوئے۔ اس وقت دل میں یہ تمنا ابھری کہ کاش مجھے اس جمال جہاں آرا کی زیارت بیداری کی حالت میں ہو جائے (خواب میں تو کئی دفعہ زیارت سے نوازے جا چکے ہیں) مواجہہ شریف میں کھڑے ہو کر دیر تک درود شریف پڑھتے رہے لیکن پہلی شب مراد بر نہ آئی۔ کبیدہ خاطر ہو کر ایک غزل تحریر فرمائی جس کا مطلع یہ تھا۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

آخری شعر میں انتہائی انکساری اور بے کسی کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔

کوئی کیوں پوچھے تری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ شریف میں پڑھ کر ادب وشوق کی تصویر بنکر کھڑے ہو گئے کہ قسمت بیدار ہوئی دل کی آرزو مراد کو پہونچی اور حضور رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے بیداری میں مشرف ہوئے۔ سبحان اللہ۔ عشق رسول کا کیا صلہ ملا۔

اسی جیسا واقعہ چھٹی صدی کے ولی کامل سیدنا حضرت احمد کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں بھی رونما ہوا تھا۔ ۵۵۵ھ میں آپ برائے حج بیت اللہ تشریف لے گئے اور بعد حج پیادہ پا چلتے ہوئے مدینہ طیبہ پہونچے۔ بعد نماز عصر حرم شریف نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئے اس وقت نوے ہزار سے زیادہ زوار حرم مبارک کے اطراف جمع تھے۔ حضرت ممدوح نے قریب ہو کر تحفۂ سلام پیش کیا اور فرمایا۔ السلام وعلیکم جدی۔ جواب آیا۔ وعلیکم سلام یا ولدی۔ حاضرین نے آواز مبارک سماعت کی۔ آپ پہ ایک کیفیت طاری ہوئی آپ نے نہایت عقیدت وانکساری کے ساتھ دست اقدس طلب فرمایا۔ اس وقت قبر مبارک شق ہوئی۔ دست معجز نما، مہر پر ضیا، جلوۂ آرائی انجمن عالم ہوا۔ فوراً حضرت نے دست مبارک کا بوسہ دیکر فوائد ظاہری وباطنی حاصل کئے۔

قوت حافظہ

ایک مرتبہ امام بریلوی نے فرمایا کہ بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ حافظ لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ میں حافظ

نہیں ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا رکوع مجھ کو سنا دیں اور پھر دوبارہ مجھ سے سن لیں۔ چنانچہ آپ نے ایک ماہ کی قلیل مدت میں قرآن کریم حفظ فرما لیا۔

بقول مولف "تذکرہ نوری" مولانا غلام شبر قادری نوری بدایونی "پھر بڑی خوبی یہ تھی کہ روزانہ ایک پارہ زبانی حفظ کرنے کے باوجود فتاوی مبارکہ لکھنے مسائل شرعیہ و احکام دینیہ کی تعلیم فرمانے اور وقت معین پر مسند نشیں ہدایت ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مقدسہ سنانے وغیرہ مشاغل دینیہ میں کسی طرح کا کوئی فرق نہ آنے پایا۔ آپ صرف تھوڑا سا وقت نماز مغرب کے بعد قرآن پاک حفظ کیا کرتے تھے"

بقول حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ

اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوت حافظہ سے ساڑھے چودہ سو برس (۱۴۵۰) کی کتابیں حفظ تھیں۔ یہ چیز بھی اپنی جگہ پر حیرت ناک ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

تاریخ گوئی

فن تاریخ گوئی کوئی آسان فن نہیں۔ یہ ایک فن ہے جسے سیکھنے کے لئے وقت درکار ہے۔ تاریخی مادہ نکالنے کے لئے وسیع مطالعہ اور مہارت تامہ کی ضرورت ہے۔ اور اس کی مہارت اور اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہے۔ حضرت امام بریلوی بے انتہا مصروف زندگی گزارتے تھے لیکن تاریخ گوئی میں آپ کو اتنا کمال اور دخل تھا کہ موقع و محل کے مطابق بغیر دوات و قلم کے برجستہ تاریخی مادہ ارشاد فرما دیتے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کا ارشاد کیا ہوا تاریخی مادہ غلط ثابت ہو۔ آپ کی تصنیفات کتب و رسائل کے نام تاریخی ہیں۔ اور یہ تاریخیں کتابوں کے مباحث و موضوعات پر بھی چسپاں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات آپ ایک ہی موقع پر دو چار بلکہ دس دس تاریخیں نکال دیتے تھے۔ آپ نے کئی شعراء کے دیوانوں کی تاریخیں بھی نکالیں۔ لوگ اکثر فرمائش کرتے کہ ان کے نومولود بچوں کے تاریخی نام ارسال فرمائیں۔ آپ نے کبھی کسی کو مایوس نہیں فرمایا۔ بعض اوقات، ایسے وظائف بھی پڑھنے کو بتا دیتے کہ وظیفے کے اعداد اور وظیفہ خوانی کے نام کے اعداد برابر ہوتے۔ جیسے جناب ایوب علی رضوی کے ان کے عرض پر ارشاد ہوا کہ "یا لطیف" کا ورد رکھیں۔ لطیف اور ایوب علی کے اعداد ایک سو انتیس (۱۲۹) ہیں۔

جناب مولانا محمود اسماعیل قادری نقشبندی کی وفات پر آپ نے عربی زبان میں دس تاریخی مادے نثر کے رنگ میں نکالے اور دو تاریخی قطعات سپرد قلم کئے۔ پہلے قطعے میں تیرہ (۱۳) شعر ہیں اور دوسرے میں انتالیس (۳۹) اور ہر مصرع سے موصوف کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔ والد گرامی کی زندگی کے حالات پر جو رسالہ جواھر البیان فی اسرار الارکان تصنیف فرمایا ہے۔ اس میں بھی کئی ایسے تاریخی مادے شامل کئے ہیں۔ جن سے تاریخ وفات یا تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ آپ نے اکثر عمارات کے تاریخی مادے نکالے۔ اکثر بزرگوں کی وفات کے تاریخی مادے استخراج کئے۔

ملک العلما حضرت فاضل بہاری نے بذریعہ خط اپنے نومولود بچے کے تاریخی نام تجویز فرمانے کی درخواست کی تھی۔ فاضل بریلوی نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا۔ نام تو مختار الدین ہونا چاہیئے۔ دیکھئے تو سید صاحب (سید ایوب علی) شاید تاریخ گوئی ہو گئی۔ سید صاحب نے حساب لگایا تو پورے ہوئے اور یہی سن ولادت تھا۔

لطف بالائے لطف یہ ہے کہ امام بریلوی نے اپنے مکتوبات شریف میں اپنا سن ولادت حسب ذیل آیت کریمہ سے استخراج فرمایا۔

اُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ

اس آیت شریف کے عدد بھی ۱۲۷۲ ہوتے ہیں۔ جو موصوف کا سال ولادت ہے۔ آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمایا ہے۔ اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعے مدد فرمائی ہے۔

اسطرح آپ نے اپنی وفات کی تاریخ اس آیت کریمہ سے اخذ فرمائی۔

ويطاف عليهم بآنية من فضة واكواب

ترجمہ:۔ خدام چاندی کے کٹورے اور گلاس لئے ان کو گھیرے ہیں۔

اس آیت شریف کا عدد بھی ۱۳۴۰ ہوتے ہیں جو آپ کا سن وفات ہے۔

آپ نے اپنی تاریخ وفات وفات سے چار ماہ قبل بھوالی میں خود ارشاد فرمائی تھی۔ اس حقیقت سے جسطرح ایک طرف فن تاریخ گوئی میں آپ کی قوت استخراجیہ کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف آپکی باطنی نگاہ و کمال بصیرت کا سراغ بھی ملتا ہے۔

اسی طرح ریاضی دانی، علم ہیئت و توقیت، علم تکسیر، علم جعفر وغیرہ بیشتر علوم و فنون میں بھی امام بریلوی کی قابلیت و مہارت کا آفتاب پوری طرح چمکتا و دمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

تواضع انکسار، اطاعت والدین، بزرگوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت جذبات بخشش و سخاوت، احتیاط فی الدین، حق گوئی، حلم و عفو وغیرہ شعبوں میں بھی آپ کی زندگی مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ قطعہ امام بریلوی کی مکمل سوانح عمری ہے اور خود انہی کے قلم سے ہے

قطعہ

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمی
منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وے
جز من و چند کتابی و دوات و قلمے

حضرت امام بریلوی کی بعض خصوصی عادتیں

۱۔ لفظ "محمد" سنکر صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرماتے تھے۔
۲۔ سوتے وقت جسم مبارک کو لفظ "محمد" کی شکل میں کر لیتے تھے۔
۳۔ قبلہ کی طرف رخ کر کے کبھی نہ تھوکتے اور قبلہ کی طرف پاؤں نہ کرتے تھے۔
۴۔ جماہی لیتے وقت دانتوں میں انگلی دبا کر آواز پیدا نہ ہونے دیتے۔
۵۔ کبھی قہقہہ بلند نہ کرتے تھے۔

کر لاکھوں جانوں کی قیمت سے اعلیٰ ہے تو کیا مقتضائے عقل ہے کہ کھوئی چیز ملے بھی نہیں اور ایسی عظیم ملتی ہوئی دولت خود ہاتھ سے کھوئی جائے۔ صابروں کو اجر حساب سے نہ دیا جائے گا۔ بلکہ بے حساب یہاں تک کہ جنھوں نے صبر نہ کیا تھا روز قیامت تمنا کریں گے۔ کاش ان کے گوشت قینچیوں سے کترے جاتے اور یہ ثواب پاتے۔ دوسرے کے جانے کی فکر اس وقت چاہیئے کہ خود جانا نہ ہو اور جب اپنے سر پر جانا رکھا ہے تو فکر اس کی چاہیئے کہ جانا اچھی طرح ہو کہ وہاں مسلمان عزیزوں سے نعمت کے گھر میں ایسا ملنا ہو کہ پھر کبھی جدائی نہیں۔ لاحول شریف کی کثرت کیجئے اور ساٹھ بار پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لیا کیجئے۔ آپ بفضلہ تعالیٰ عاقل ہیں۔ اور دل کو ہدایت صبر کیجئے۔ سب کو دعا و سلام۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۸ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

"حیات اعلیحضرت" - صفحہ ۳۱۰

(۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم

راحت جانم برادر دینی مولوی عرفان علی سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ نفی العار کی کاپیاں ہو رہی ہیں۔ بسلامت اللہ لاھل السنۃ غالباً آج چھپ گیا ہوگا۔ ماہ مبارک میں مطبع والے بھی بہت سست کام کرتے ہیں۔ قاضی عطا علی صاحب کا مضمون اب شاید بعد رمضان دیکھا جائے۔ میرا ارادہ ضرور ہے کہ

یہ سر ہو، اور وہ سنگ در، وہ سنگ در ہو اور یہ سر
رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں، تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

وقت مرگ قریب ہے۔ اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن ہو۔ اور وہ قادر ہے۔ بہر حال اپنا خیال ہے۔ مگر جائداد کی جدائی، یہ لوگ کسی طرح نہ کرنے دیں گے۔ خریدار کو مجھ تک پہونچنے ہی نہ دیں گے کوئی منقول شئی نہیں کہ بازار بھیجکر نیلام کر دی جائے۔ اور خالی ہاتھ بھیک پر گزر کرنے کے لئے جانا نہ شرعاً جائز نہ دل کو گوارا۔ دعا کیجئے کہ ہر بات کا انجام بخیر ہو۔ والسلام

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۔ ا ماہ رمضان ۱۳۳۳ھ

"حیات اعلیحضرت" صفحہ ۳۱۶

حضرت امام بریلوی رضی اللہ عنہ

اپنے کلام کے آئینے میں

اے خدا بہر جناب مصطفےٰ چار یار پاک وآل باصفا
بہر جیب چاک عشق نامراد بہر خون پاک مردان جہاد
پر کن از مقصد تہی دامان ما از تو پذرفتن زما کردن دعا
(حدائق بخشش)

ترجمہ:۔ اے مہربان خدا جناب مصطفےٰ کے لئے، ان کے پاک صحابہ کے لئے آل باصفا کے لئے! اس دامن کا صدقہ، جو عشق نامراد سے چاک چاک ہوا۔ اور اس پاک خون کا واسطہ جو مردوں نے میدان جہاد میں بہایا۔

ہماری جھولیاں مقصد سے خالی نہ رکھ۔ ہمارا کام ہے دعا مانگنا، تیرا کام ہے قبول کرنا۔

رشک قمر ہوں، رنگ رخ آفتاب ہوں ذرہ ترا جو اے شہ گردوں جناب ہوں
بے اصل و بے ثبات ہوں، بحر کرم مدد پروردۂ کنار سراب و حباب ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشم پر آب ہوں دل ہوں تو برق کا دل پر اضطراب ہوں
حسرت میں خاک بوسی طیبہ کی اے رضاؔ ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا
جس سے تجھے نقصان نہیں کر دے معاف جس میں ترا کچھ خرچ نہیں دے مولیٰ

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ عقبےٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ
بیٹھوں جو در پاک پیمبر کے حضور ایمان پر اس وقت اٹھانا مولیٰ

کس درجہ ہے روشن تن محبوب الٰہ جامہ سے عیاں رنگ بدن ہے واللہ
کپڑے یہ نہیں میلے ہیں اس گل کے رضاؔ فریاد کو آئی ہے سیاہی گناہ

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا
ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارا تیرا
تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھکو نسبت میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا
بد سہی، چور سہی، مجرم ناکارہ سہی اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سنی مرے یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن صالح ملا فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا
ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پر پڑے رہو قافلہ تو اے رضاؔ اول گیا آخر گیا

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں
راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں
سنگ در حضور سے ہمکو خدا نہ صبر دے جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

آنے دو یا ڈبو دو اب تو تمہاری جانب کشتی تمہیں پہ چھوڑی لنگر اٹھا دیے ہیں
میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں
ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہیں یہیں سے چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پر شتران ناشاد گلہ رنج و عنا کرتے ہیں

لب پہ آجاتا ہے جب نام جناب منہ میں گھل جاتا ہے شہد نایاب
وجد میں ہو کے ہم اے جان بے تاب اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

۶۔ نماز عمامہ باندھ کر پڑھتے۔
۷۔ اپنا کنگھا اور شیشہ الگ رکھتے۔
۸۔ مسواک ضرور کرتے۔
۹۔ سر مبارک میں چنبیلی ڈلواتے
۱۰۔ تعویز خدمت خلق کے طور پر مفت دیتے تھے۔
۱۱۔ دوکاندار آپ کو مفت سودا دینے کی خواہش کرتے یا کم لینا چاہتے مگر آپ ہمیشہ بازار کی قیمت ادا کرتے تھے۔
۱۲۔ لوگوں کا دل رکھنا بہت ضروری سمجھتے تھے۔
۱۳۔ مسجد سے گھر جاتے ہوئے عمامہ بغل میں دبا لیتے تھے۔
۱۴۔ چلتے وقت بہت آہستہ قدم اٹھاتے اور نگاہیں عام طور پر نیچی رکھتے۔
۱۵۔ زیادہ وقت تالیف و تصنیف یا فتاوی نویسی میں گزارتے۔
۱۶۔ مہمانوں اور عام لوگوں سے بیک وقت عصر کے بعد مستقل ملاقات فرمایا کرتے تھے۔
۱۷۔ نماز بہت آہستہ اور سکون سے پڑھتے۔
۱۸۔ ہر شخص کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے۔
۱۹۔ حیثیت کے مطابق ہر شخص کی تعظیم بھی کرتے۔
۲۰۔ سادات کرام کی بڑی عزت اور خاطر و مدارات کرتے۔
۲۱۔ کسی کو خلاف شرع کام یا باتیں کرتے ہوئے دیکھتے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے۔

امام بریلوی کی سبق آموز وصیتیں

۱۔ نزع کے عالم میں کارڈ، لفافے، روپیہ پیسہ، تصویر، جنب، حائضہ اور کتا مکان میں نہ آنے پائیں
۲۔ سورہ یٰسین اور سورہ رعد سینہ پر دم آنے تک پڑھی جائیں درود شریف بھی متواتر پڑھی جاتے رہنے والے بچوں کو دور رکھا جائے۔
۳۔ قبض روح کے فوراً بعد آنکھیں بند کر دی جائیں۔ اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیئے جائیں بسم اللہ علی ملۃ رسول اللہ کہکر نزع میں ٹھنڈا پانی پلایا جائے۔ رونا بھی ممنوع قرار دیا۔
۴۔ غسل مطابق سنت ہو۔ مولانا حامد رضا خان فتاوی میں تحریر کی ہوئی دعائیں یاد نہ کر سکیں تو مولانا امجد علی نماز جنازہ پڑھائیں۔
۵۔ جنازے میں بے وجہ تاخیر نہ کریں۔ جنازے کے آگے آگے ذریعہ قادریہ اور اپنی کی نعت تم پہ کروڑوں درود پڑھی جائے۔
۶۔ کوئی مدحیہ شعر ہرگز نہ پڑھا جائے۔
۷۔ قبر میں آہستہ اتاریں۔ بچھے نرم مٹی کا ستارہ لگائیں۔ داہنی کروٹ پر ذریعہ قادریہ پڑھ کر لٹائیں۔

۸۔ اناج قبر پر ضلے جائیں قبر تیار ہونے تک یہ دعا پڑھیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اللھم ثبت عبیدك ھذا بالقول الثابت بجاہ نبیك صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
۹۔ بعد تیاری قبر سرہانے کی طرف الم تا مفلحون پڑھی جائے۔ پائنتی کی طرف آمن الرسول تا اخیر پڑھی جائے۔

حامد رضا خان سات مرتبہ اذان دیں تلقین کرنے والے قبر کے مواجہہ میں تین بار تلقین کریں۔ پڑا گھنٹہ تک قبر پر مواجہہ میں درود شریف باآواز بلند پڑھا جائے اور ممکن ہو سکے تین شبانہ روز تک باآواز بلند قرآن پاک اور درود شریف پڑھوائے جائیں تاکہ اس نئے مکان میں دل لگ جائے۔

۱۰۔ کفن خلاف سنت نہ ہو۔
۱۱۔ میری فاتحہ کا کھانا صرف غربا کو کھلایا جائے۔
۱۲۔ فاتحہ میں طویل وقفہ نہ کیا جائے۔ غذا مرغن ہو تو کوئی حرج نہیں۔
۱۳۔ حامد رضا خان ننھے میاں سے صاف رہیں ورنہ میری روح ناراض ہوگی۔
۱۴۔ سب بھائی اتفاق سے رہیں۔ اتباع شریعت نہ چھوڑیں اور جس دین پر میں چلا ہوں اس پر چلیں
ان مذکورہ قیمتی وصایا میں ہمارے لئے کافی سبق موجود ہیں۔ یہ ہمارے لئے مشعل راہ آخرت ہیں

مکتوبات شریف

امام بریلوی کے مکتوبات شریف بھی بے شمار حقائق و معارف اور مسائل دینیہ سے بھرپور ہیں۔ آپ کی ظاہری و معنوی خوبیوں کا رنگ بھی ان کے سطر سطر پر چڑھا ہوا ہے۔ شان تجدید کا جوہر بھی ان مکتوبات میں جھلکتا ہے۔ افراد اہلسنت کے لئے ان میں بھی کافی ہدایات اور سبق موجود ہیں۔ آپ کی تعلیمی سرگرمیوں کی جھلک اور دینی و ملی خدمات کی کرن بھی ہر ہر عبارت پر دمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ کلام الامام امام الکلام کا حکیمانہ انداز بھی ہر مکتوب میں پایا جاتا ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشنی بھی بعض بعض مکتوب میں پائی جاتی ہے۔

یہاں صرف ہم آپ کے دو ایمان افروز مکتوب گرامی "حیات اعلیٰحضرت" جلد اول مؤلفہ ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب رضوی سے نقل کرتے ہیں۔ جو بیش قیمت نصائح و عشق رسول سے حامل ہیں۔

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر دینی و یقینی مولوی عرفان علی سلمہ

بعد ہدیہ سنت مولیٰ عزوجل مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور مدارج عالیہ بخشے اور آپ سب صاحبان کو صبر و اجر عطا کرے اور مدارج عالیہ بخشے .... اسی کا ہے جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی اس کے یہاں ایک عمر مقرر ہے جس میں کمی بیشی نامتصور ہے۔ اور محروم تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ بے صبری سے جانے والی چیز واپس آئے گی ہرگز نہیں مگر مولیٰ تبارک و تعالیٰ کا ثواب جائے گا۔ وہ ثواب

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا　　میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم　　مثل فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا　　دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

دشمن احمد پہ شدت کیجئے　　ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں　　چھیڑنا شیطاں کا عادت کیجئے

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب　　اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

بکار خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ　　پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے　　توئی خود ساز و سامانم اغثنی یا رسول اللہ

شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن　　مریض درد عصیانم اغثنی یا رسول اللہ

(حدائق بخشش)

کیا فقط کلمہ گوئی مسلمان کیلئے کافی ہے؟

آدمی فقط زبان سے کلمہ پڑھنے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے مسلمان نہیں ہوتا جب کہ اس کا قول یا فعل اس کے دعوے کا مکذب ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے، کلمہ پڑھے بلکہ نماز روزہ حج زکوۃ ادا کرے۔ بایں ہمہ خدا اور رسول کی باتیں جھٹلائیں یا خدا اور رسول و قرآن کی جناب میں گستاخیاں کرے یا زنار باندھے۔ بت کے لئے سجدے میں گرے تو وہ مسلمان قرار پا سکتا یا عادت کے طور پر وہ کلمہ پڑھنا اس کے کام آسکتا ہے ہرگز نہیں۔ (الکوکبۃ الشہابیہ ص۱)

مسئلہ علم غیب

(۱)۔ "علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے۔ اس کے غیر کے لئے محال ہے۔ جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر، غیر خدا کے لئے مانے، وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔"

(۲)۔ "اگر تمام اہل عالم، اگلے پچھلوں، سب کے جملہ علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی، جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو، دس لاکھ سمندروں سے"

(۳)۔ "ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں، نہ کہ جمیع۔"

(۴) اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ، تمام انبیاء تمام جہان سے اتم و اعظم ہے۔ اللہ عزوجل کی عطا سے، حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے۔

(خالص الاعتقاد ص۲۲-۲۵-۳۵)

سب کو کافر کہدیا؟

عوام مسلمین کو بھڑکانے، اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہلسنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار۔ یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہدیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفری کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہدیا۔ مولوی اسحاق صاحب کو کافر کہدیا۔ مولوی عبدالحئی صاحب کو کہدیا۔ پھر جنکی حیا اور بڑھی ہوئی ہے۔ وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز کو کہدیا۔ مولانا شاہ فضل الرحمٰن (گنج مراد آبادی قدس سرہ العزیز) کو کہدیا۔ یا پھر جو پورے ہی حد حیا سے اوپر گزر گئے۔ وہ یہاں تک بڑھتے ہیں۔ عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کو کہدیا۔ یہاں تک کہ انہیں سے بعض کے بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑ دی۔ کہ معاذ اللہ، معاذ اللہ، معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے۔ انھوں نے آیت کریمہ۔ اِن جاءکم فاسق بنبأٍ فتبینوا۔ پر عمل فرمایا۔ خط لکھ کر دریافت کیا جس سے یہاں سے رسالہ "انجاس البری عن وسواس المفتری" لکھا، ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تازیانہ بھیجا۔ غرض ہم پر ایسے ہی افتراء و بہتان کرتے ہیں ....

(حسام الحرمین ص۴۲)

تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

"..... دل میں کیا۔ برملا فحش گالیاں دیتے ہیں۔ بعض تو مغلظات سے بھرے ہوئے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں۔ پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اس سے میری ذات پر حملہ کریں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کو سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ہیں۔ اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں۔ ادھر سے کبھی اس جواب کا وہم بھی نہیں اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہونے ہی کے لئے ہے۔ بلکہ ان پر نثار ہونا ہی عزت ہے......"　　الملفوظ ج ۲ ص۵۳

حرف آخر

بالآخر بندہ راقم الحروف اعلحضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت حضرت امام احمد رضا بریلوی قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حضرت مولانا معین الدین نزہت، والد محترم حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے ہمنوا ہو کر خراج عقیدت پیش کر رہا ہے۔

رضائے احمد اسی میں سمجھوں
کہ مجھ سے احمد رضا ہوں راضی

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

امام احمد رضا

دین کا امام

مولانا ابو الاثر محمود احمد صاحب رضوی

زینت عنوان دین کا وہ امام ہے جس کے کمالات علم و عمل عرب و عجم میں دیندار دنیا کے قلوب پر اپنا سکہ جا چکے ہیں۔ اور قریب و بعید ممالک و بلدان میں ان کو شہرت تامہ حاصل ہے ان کے فیض علم کی برکت نے بریلی کو تمام جہان کا دار الافتاء بنا دیا۔ عرب و عجم ایشیاء۔ افریقہ وغیرہ بر اعظموں کے معاملات نصف صدی سے زائد عرصہ تک آستانۂ عالیہ رضویہ سے فیصل ہوتے رہے۔ آپ کا فتاویٰ حجم و تحقیق میں علماء ماسبق کے مجموعات فتاوے سے کہیں بڑھ گیا۔ آپ کی تصانیف صدہا کے اعداد سے شمار کی جائیں گی۔

انداز بحث و قوت کلام

آپ کا انداز بحث محققانہ اور منطقی مغالطات و مغسطوں سے بالکل پاک ہے تدقیق اسقدر کہ علماء کو مطالب تک پہنچنے کے لئے بسا اوقات مطالعہ میں عرق ریزی اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے احتمالات مخالف کی تمام راہیں زبردست دلائل سے اول بند کر دی جاتی ہیں۔ جس بحث میں قلم اٹھا لیا ہے ممکن نہیں ہوا کہ مخالف کو جائے دم زدن باقی رہی ہو۔ معاندانہ مکابرے اور سفیہانہ سب و شتم تو کسی علمی تحقیق کا جواب نہیں ہو سکتے اور اس کام کا انجام دنیا ہر زبان دراز عدیم المروت والحیاء کو آسان بھی ہے۔ مگر علمی معارک میں ہرزہ سرائی کیا بار پانے کے قابل ہے مگر نہ دیکھا گیا۔ کہ محققانہ طور پر کبھی کسی شخص کو اس امام المتکلمین کے سامنے لب کشائی کی جرأت ہوئی ہو۔ فتاوے پر نظر ڈالنے والا اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالے نے انہیں ایسے بہت سے علوم عنایت فرمائے تھے۔ جن سے آج دنیا کے ہاتھ خالی ہیں۔ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں ان کے وسعت معلومات دقت نظر۔ علوم میں مضامین بلندیٔ تحقیق و جودت کلام کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں۔ باوصف اپنی بے بضاعتی کے ان کے کمالات تک میرے ناقص فہم کی جتنی رسائی ہے اور ان کو جیسے الفاظ سے میں تعبیر کر سکتا ہوں وہ حاضر ہے۔ لیکن یہ اس امام جلیل کی رفعت منزلت کی پوری تصویر نہیں ہو سکتی۔ ایک خداداد نعمت تھی ایک وہبی فیض تھا۔ جس کو سمجھنے سے عقل حیران ہے۔

علم فقاہت

علم فقہ میں جو تجر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا ہے۔ تفصیل تو اس کی فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھے۔ جس کیطرف تمام عالم کے حوادث و وقائع استفتاء کے لئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا۔ وہی تمام مذہبوں کے جواب بھی لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کے بالغ رد بھی کرتا تھا۔ اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ امام احمد رضا کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کا نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ فتاویٰ رضویہ میرے اس دعوے کا ثبوت ہے۔

علم حدیث

علم حدیث میں بھی وہ فرد تھے اپنا ہمتا نہ رکھتے تھے علم رجال میں ان کو وہ دستگاہ حاصل تھی کہ ایک ایک راوی کے حالات نوک زبان پر تھے اور معنی میں بحث۔ ناسخ و منسوخ کی تمیز۔ متعارضین کی توفیق یہ توان کا خاص حصہ تھا۔ جمع بین الصلاتین کی بحث میں آپ کی ایک نفیس و جلیل تصنیف "حاجز البحرین عن جمع بین الصلاتین" قابل دید ہے جسمیں مولوی نذیر حسین دہلوی پیشوائے غیر مقلدین کا رد فرمایا ہے اگر محدثانہ شان دیکھنی ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ علم تفسیر و اصول فقہ و اصول حدیث وعقائد و کلام ادب و عروض میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور اگر آپ کی نظیر تلاش کی جائے تو آج سے دو صدی قبل کے علماء کی جستجو کرنا پڑے گی۔ بہت سے علوم وہ ہیں جو آپ کے ساتھ دفن ہو گئے۔ اور آپ کے زمانہ میں کوئی ان علوم میں کامل تو کیا ناقص بھی نہ پایا گیا۔

جودت ذہن

اور خوبیٔ ذکاء و فہم کرامت کی شان رکھتے ہے ایک ماہ میں اس طرح قرآن پاک کا حفظ کر لیا کہ تمام

مشاغل بدستور جاری رہیں اور کسی میں فرق نہ آئے ۔ اور دیکھنے والوں کو تمیز نہ ہو کہ کوئی خاص کام کیا جارہا ہے کسقدر حیرت انگیز ہے اور اس کو کرامت نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے ۔

صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہ العزیز نے بیان کیا کہ مجھ سے امام احمد رضا نے فتاویٰ "صلاۃ مسعودی" طلب فرمایا میرے پاس قلمی نسخہ تھا۔ وہ میں نے پیش کیا امام احمد رضا نے تمام کتاب پر سرسری نظر ڈالی اور صرف یاد سے اس تمام کتاب کی مکمل فہرست اس کے اوّل میں تحریر فرمادی۔ یہ بات سنی بھی نہیں گئی کہ کوئی شخص کتاب پر ایک نظر ڈال کر اس کا حافظ ہوجاتا ہے کہ اس کی صفحہ وار فہرست بنا سکے۔ حضرت مولانا مرحوم سے مسئلہ اذان میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس تمام کتاب میں اذان کا ذکر اتنی جگہ ہے اور ہر جگہ بانگ نماز ہی کے تلفظ سے اس کو یاد کیا ہے مجھے وہ عدد محفوظ نہیں رہا اتنا یاد ہے کہ کوئی بڑا عدد تھا۔ تعجب تو یہ ہے کہ کیسی کتاب بنی ہے کہ جس سے یہ بتایا جاسکے کہ اس کتاب میں فلاں بحث میں اسقدر الفاظ ہیں اسی طرح حضرت علامہ مولانا ظفر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا ایک مرتبہ پیلی بھیت تشریف لے گئے اور حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہٗ کے مہمان ہوئے اثنائے گفتگو میں عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کا ذکر نکلا حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا کہ میرے کتب خانہ میں ہے ۔ اتفاق وقت باوجودیکہ امام احمد رضا کے کتبخانہ میں "کا" ہوکا کافی ذخیرہ تھا اور ہر سال معقول رقم کی نئی نئی کتابیں آیا کرتی تھیں۔ مگر اس وقت تک عقود الدریہ منگوانے کا اتفاق نہ ہوا تھا ۔ امام احمد رضا نے فرمایا میں نے نہیں دیکھی ہے۔ جاتے وقت میرے ساتھ کردیجئے گا۔ حضرت محدث سورتی نے بخوشی قبول کیا اور کتاب لاکر حاضر کردی ۔ مگر ساتھ ساتھ فرمایا کہ جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجئے گا۔ امام احمد رضا کا قصد اسی دن واپسی کا تھا۔ مگر آپ کے ایک جان نثار مرید نے حضرت کی دعوت کی اس وجہ سے رک جانا پڑا۔ شب کو امام احمد رضا نے عقود الدریہ کو (جو ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تھی) ملاحظہ فرمالیا دوسرے دن دوپہر کے بعد ظہر کی نماز پڑھکر گاڑی کا وقت تھا۔ بریلی شریف روانگی کا قصد فرمایا ۔ جب اسباب درست کیا جانے لگا۔ تو عقود الدریہ کو بجائے سامان میں رکھنے کے فرمایا کہ محدث صاحب کو دے آؤ مجھے تعجب ہوا کہ قصد لے جانے کا تھا۔ واپس کیوں فرمارہے ہیں ۔ لیکن کچھ بولنے کی ہمت نہ ہوئی اور حضرت محدث صاحب کی خدمت میں میں نے امام احمد رضا سے ملنے اور اسٹیشن تک ساتھ جانے کیلئے تشریف لارہے تھے کہ میں نے امام احمد رضا کا ارشاد فرمایا ہوا جملہ عرض کیا۔ اور پھر کتاب کو لئے ہوئے حضرت محدث صاحب کیساتھ واپس ہوا، حضرت محدث صاحب نے فرمایا کہ میرے اس کہنے کا جب ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیجئے گا ملال ہوا کہ اس کتاب کو واپس کیا۔ فرمایا قصد بریلی ساتھ لیجانے کا تھا اور اگر کل ہی جاتا تو اس کتاب کو ساتھ لیا جاتا۔ لیکن کل جانا نہ ہوا تو شب میں اور صبح کیوقت پوری کتاب دیکھ لی اب لیجانے کی ضرورت نہ رہی ۔ حضرت محدث سورتی صاحب نے فرمایا بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہوگا۔ امام احمد رضا نے فرمایا اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی ۔ فتاوے میں لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ عمر بھر کے لئے محفوظ ہوگیا سبحان اللہ سبحان اللہ

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ بہت نحیف ولاغر تھے۔ بدن مبارک کے استخوانہائے لطیف نمایاں معلوم ہوا کرتے تھے۔ اس کا باعث آپ کے ریاضت ومجاہدات تھے۔ قلم کو آپ کی مدتِ حیات میں استراحت نہ ملی۔ شب وروز کے تمام اوقات خدمتِ دین وملت ہی میں صرف ہوئے ۔ بہت کم وہ دن ہوں گے جن میں چھ گھنٹے استراحت فرمائی ہو ورنہ چار پانچ گھنٹے خواب کے لئے معمول تھا۔ اور کبھی کبھی یہ بھی حذف ہوجایا کرتی تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ جسم لاغر وناتواں اور کمزور وضعیف ہوتا گیا۔ مگر یہ حیرت ہے کہ قوائے عقلیہ ودماغیہ اسی نسبت سے ترقی کرتے رہے۔ اکثر بدن میں درد ہوجاتے تھے۔ کبھی سر میں۔ کبھی شانوں میں کبھی گردن میں کبھی معدے اور اسکے حوالی میں۔ مگر ان میں سے کوئی چیز کام کرنے والے ہاتھ اور زبان کو نہیں روک سکتی تھی۔ باوجود گوناگوں علالتوں کے تکلف کے ساتھ اپنے وقتوں پر مسجد میں حاضر ہونا اور اپنی تمام کلفتوں کو فراموش کرکے قیام کے ساتھ سنن وآداب کی رعایت سے نہایت خشوع وخضوع کیساتھ نماز ادا کرنا غلبۂ روحانیت پر دلالت کرتا ہے۔ ایک سال سے یہ عوارض اور امراض بہت ترقی کر گئے تھے اور مزاج میں یبوست اور حرارت نے غلبہ پالیا تھا۔ جو کثرتِ ریاضت کا نتیجہ لازمہ ہے ۔ تھوڑے تھوڑے زمانہ میں دردوں کے شدید دورے پڑنے لگے۔ مگر الحمد اللہ کہ مرض کی ان تمام شدتوں نے کسی ورد اور معمول کو بھی تو اس کی جگہ سے نہ ہٹایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام احمد رضا کا سوانحی خاکہ

از:- حافظ موسیٰ اسماعیل لنکاسٹر (یوکے)

انسانوں میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو جانوروں کی طرح پیٹ بھرلینا اپنے ہی مفاد کی خاطر دنیا کا ہر کام انجام دینا ایک چمگادڑ کی طرح دنیا کی نگاہوں سے اپنے آپ کو چھپا کر زندگی گذارنا اور ایک روز بڑی ہی خاموشی کیساتھ اس دنیا سے چلا جانا اپنی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کی دنیا میں اکثریت ضرور ہے مگر دنیا کو نہ ایسے لوگوں کے آنے کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ جانے کی کیونکہ ایسے لوگوں کی زندگی پہاڑوں اور جنگلوں کے خودرو درختوں کی طرح ہوتی ہے جو اپنے آپ اگتے ہیں پروان چڑھتے ہیں اور ختم ہوجاتے ہیں ان سے کوئی خاص فائدہ کسی کو نہیں ہوتا۔

دوسری قسم کے لوگوں کی زندگی کا معیار کچھ بلند ہوتا ہے اور ان کی عملی زندگی ایک مخصوص حد میں ہوتی ہے ان کی زندگی ایک ایسے چراغ کی طرح روشن ہوتی ہے جس سے آس پاس کے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب ایسے لوگوں کی اس دنیا سے رخصتی ہوتی ہے تو ان کی ذات سے مستفید ہونے والے جی بھر کر آنسو بہاتے ہیں اور کچھ وقت تک ان کی یاد اپنے دلوں میں قائم رکھتے ہیں ایسے لوگوں کی موت سے دنیا کے کسی گوشہ میں کچھ اداسی ضرور پیدا ہوجاتی ہے مگر دنیا پر اس اداسی کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔

اب رہ گئے تیسری قسم کے لوگ تو ایسے لوگ بہت کمیاب ہوتے ہیں اور ان کی اس کمیابی سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی زندگی بڑی نایاب اور نہایت ہی کارآمد ہوتی ہے ایسے لوگ دنیا میں چاند اور سورج کی طرح نمایاں ہوتے ہیں اور اپنی مبارک شعاعوں اور کرنوں کو ہر خاص و عام پر نچھاور کرتے رہتے ہیں ان کی زندگی کا ہر کارنامہ لامحدود ہوتا ہے ایسے ہی لوگ جب دنیا سے کوچ کرتے ہیں تو دنیا کے ذرہ ذرہ پر غمناک اداسی چھاجاتی ہے اور زمانہ کبھی نہیں بھولتا بس ایسے ہی لوگ یادگار زمانہ بن جاتے ہیں۔

انہیں یادگار زمانہ انسانوں میں چودھویں صدی ہجری کا عظیم مجدد حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی بے مثال تجدیدی صلاحیتوں سے شجر اسلام کو ایک عجیب نکھار بخشا۔

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت شہر بریلی شریف کے محلہ جسولی میں آپ کے آبائی مکان میں ہوئی ۱۰؍ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴؍ جون ۱۸۵۶ء میں آپ نے اس دار فانی میں جلوہ فرمایا۔ تاریخی نام المختار ہے، آپ کے والد بزرگوار کا نام حضرت مولانا نقی علی خان تھا۔ حضور کے آبا و اجداد قندھار کے موقر قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے شاہان مغلیہ کے دور میں وہ لاہور آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے لاہور کا شیش محل انہیں کی جاگیر تھا پھر وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے بریلی تشریف لائے اور یہ معزز خاندان وہیں مستقل طور پر مقیم ہوگیا۔

آپ کے جد امجد نے آپ کے عقیقہ کے دن ایک خوشگوار خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ یہ فرزند فاضل و عارف ہوگا چار سال کی عمر میں قرآن ناظرہ ختم کیا اور چھ سال کی عمر میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف میں منبر پر بہت بڑے مجمع میں میلاد شریف پڑھا تمام علوم درسیہ معقول و منقول سب اپنے والد ماجد سے حاصل کرکے ۱۴؍ ماہ شعبان ۱۲۸۶ھ میں فاتحہ فراغ کیا اور اسی دن ایک رضاعت کا مسئلہ لکھکر والد ماجد صاحب کی خدمت میں پیش کیا جواب بالکل صحیح تھا والد ماجد صاحب نے ذہن نقاد و طبع وقار دیکھکر اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد فرمایا ۱۲۹۴ھ میں عالیجناب حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے اور خلافت بھی پائی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسین نوری نے حضرت سید آل رسول سے عرض کی کہ حضور آپ نے بغیر مشقت و مجاہدہ کے کیسے امام احمد رضا کو خلافت دے دی۔ مرشد برحق نے فرمایا کہ اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لیکر آتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے مجاہدات طویلہ و ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے اور احمد رضا صاف ستھرا پاکیزہ دل لیکر ہمارے پاس آئے ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی اور مرید ہوتے ہی حاصل ہوگئی پھر مزید آپ نے فرمایا کہ مجھے اس بات کی بہت بڑی فکر رہتی تھی کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آل رسول! تو میرے

لئے کیا لایا ہے تو میں بارگاہ الٰہی میں کون سی چیز پیش کروں گا لیکن آج وہ فکر میرے دل سے دور ہوگئی کیونکہ جب اللہ تعالیٰ پوچھیگا تو میں عرض کروں گا الٰہی تیرے لئے احمد رضا لایا ہوں۔

مظہر غوث اعظم

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ امام احمد رضا خان کو مقدس دین اسلام کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں ولایت کاملہ کا منصب عظیم عطا فرمایا تھا اور سرکار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی غلامی نے امام احمد رضا خان کو قطبیت کا تاج کرامت بخشا تھا چنانچہ ایک طرف سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نائب ہیں تو دوسری طرف حضور سیدنا غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مظہر بھی ہیں، آپ نے جس شان سے احیاء دین وتجدید ملت کے فرائض منصبی کو انجام دیا وہ شاہد عدل ہے خود آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک بار میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک بہت نفیس اور اونچی سواری ہے حضرت والد ماجد نے کمر پکڑ کر مجھے سوار کیا اور فرمایا گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا آگے اللہ مالک ہے، میرے خیال میں اس سے سرکار غوثیت کی غلامی مراد ہے۔

تصانیف

اجلہ علماء کا بیان ہے کہ گذشتہ دو صدی کے اندر امام احمد رضا خان جیسا کوئی متبحر جامع عالم نظر نہیں آیا چنانچہ تفسیر حدیث۔ عقائد۔ کلام۔ فقہ۔ سلوک۔ تصوف۔ اذکار۔ اوفاق۔ تاریخ۔ سیر۔ مناقب جفر۔ تکسیر۔ ادب۔ نحو۔ لغت۔ عروض۔ زیجات۔ علم مثلث۔ جبر ومقابلہ۔ لوگارثم۔ ارثماطیقی۔ ہیئت۔ ہندسہ۔ ریاضی۔ توقیت۔ نجوم۔ منطق۔ فلسفہ۔ حساب وغیرہ علوم وفنون میں آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ بے مثل تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

اخلاق کریمہ

آپ کا ظاہر وباطن ایک تھا جو کچھ آپ کے دل میں ہوتا وہی زبان مبارک سے ادا فرماتے اور جو کچھ زبان سے فرماتے اسی پر آپ کا عمل ہوتا کوئی شخص کتنا ہی پیارا ہو کتنا ہی معزز ہو کبھی اس کی رعایت سے کوئی بات شرع کے خلاف نہ زبان سے نکلتے نہ تحریر کرتے رعایت مصلحت کا وہاں گذر ہی نہ تھا، جب کسی عالم سے ملاقات ہوجاتی دیکھ کر باغ باغ ہوجاتے اور اس کی ایسی عزت وقدر کرتے جس کے لائق وہ اپنے کو نہ سمجھتا، جب کوئی صاحب حج بیت اللہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان سے پہلے یہی پوچھتے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں بھی حاضری دی؟ اگر وہ ہاں کہتا تو فوراً اس کے قدم چوم لیتے اور اگر کہتا کہ نہیں تو پھر اس کی جانب بالکل توجہ نہ فرماتے، آستانۂ اقدس سے کوئی سائل خالی واپس نہ ہوتا بیوگان کی امداد اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی کے لئے آپ کی جانب سے ماہوار رقمیں مقرر تھیں اور یہ امداد صرف مقامی لوگوں کے لئے نہ تھی بلکہ بیرونجات میں ذریعہ منی آڈر امدادی رقم روانہ فرمایا کرتے۔

سیاسی رہبری

آپ نے عملی طور پر تو کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا کیونکہ آپ کے شب وروز کے علمی اور مذہبی تبلیغی مشاغل ہی اس قدر تھے کہ کسی اور شغل کی اس میں گنجائش ہی نہ تھی تاہم اس دور میں جب بھی کبھی مسلمانوں کو سیاسی طور پر گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی تو آپ نے اپنے مخصوص انداز میں تحریری طور پر مسلمانوں کو خبردار کیا، تحریک خلافت کے خلاف آپ نے قلمی جہاد کیا اور اس کے مضمرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا، اسی طرح انگریزی حکومت کی پروردہ جماعتوں اور ملاؤں کا پردہ آپ نے اچھی طرح فاش کیا، جب انگریزوں کے خیرخواہ ملاؤں نے شش مثل کا فتنہ برپا کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم حضرت ابراہیم حضرت نوح وغیرہ انبیاء کرام کے مثل زمین کے باقی طبقوں میں اور بھی محمد، آدم، ابراہیم وغیرہ نبی ہیں تو آپ نے ان کے رد میں تنبیہ الجہال اور جوابہائے ترکی بترکی ۱۲۹۲ھ میں تصنیف فرماکر شائع کیا جس سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے راہی ملک عدم ہوگیا۔

جب انگریزوں کی شہ پاکر مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے اپنے امام مہدی اور مسیح ہونے کا پھر نبی اور رسول ہونے کا اعلان کیا اور حضرات انبیاء کی مقدس شانوں میں گالیاں دینی شروع کیں تو امام احمد رضا خان نے قہر الدیان علی المرتد بقادیان نامی ایک ماہنامہ اس کے رد میں شائع کیا اور چھ کتابیں اس کے جھوٹے دعوی کے رد میں تصنیف کیں۔

وصال شریف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے ۲۵ صفر سنہ ۱۳۴۰ھ کو جمعہ مبارکہ کے دن عین اذان جمعہ میں ادھر حی علی الفلاح کی پکار سنی ادھر روح پرفتوح نے داعی الی اللہ کو لبیک کہا ٹھیک اسی دن بیت المقدس میں ایک شامی بزرگ نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے وہ شامی بزرگ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں حضور! کس کا انتظار ہے؟ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احمد رضا خان کا۔ انہوں نے عرض کی احمد رضا خان کون ہے؟ حضور نے فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں، جب شوق دیدار میں وہ بزرگ بریلی تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ عین اسی دن ان کا انتقال ہوچکا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

امام احمد رضا اور

محبّت سادات

از:- مولانا عبید اللہ خاں صاحب اعظمی سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ

ارباب فکر و نظر کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی فنا فی الرسول اور عشق نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی اس سرحد کو عبور فرما چکے تھے جہاں محبت کے احساسات و تصورات کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ہوں یا بیگانے امام موصوف کے متعلق کوئی لکھتا ہے کہ احمد رضا کی سطر سطر سے عشق رسول پھوٹا پڑتا ہے اور کسی نے لکھا کہ محبت رسول ان کا قیمتی اور قابل قدر سرمایہ ہے اور کوئی کہتا ہے کہ رسول کریم سے اتنی والہانہ محبت رکھتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسے الفاظ بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے جو قابل تاویل ہوں مگر میں کہتا ہوں کہ امام احمد رضا کا عشق و محبت رسول کے وہ در مکنون ہیں، جس کی ضیا پاشیوں سے دنیا کے بیشتر گوشوں میں سرورکائنات سے محبت و شیفتگی کا لوگوں نے سلیقہ پایا۔

یوں تو آپ کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کے ہر ہر شعر میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق و عقیدت کا سمندر موجزن ہے

اور جذبات و احساسات کا ایک جہاں آباد ہے مگر عمل و کردار کی روشنی میں دیکھا جائے تو امام موصوف کا مقام اس سے بھی بلند سمجھ میں آتا ہے۔

یہ محبت رسول کا ہی اثر ہے کہ حضور سرورکائنات علیہ الصلوۃ والسلام سے نسبی تعلق رکھنے والے اشخاص یعنی سادات کرام کا بے پناہ احترام اور محبت فرماتے اور اس بات میں آپ سن و سال، قد و قامت، عالم و جاہل امیر و غریب اور نیک و بد کا امتیاز رکھکر حسن سلوک نہ فرماتے بلکہ رشتہ خون کا لحاظ کرتے ہوئے سبھی کے ساتھ نیازمندی کا رویہ رکھتے۔

حضرت مولانا سید محمد سعید مغربی آپ کے علم و فضل اور تقوی و طہارت سے متاثر ہوکر حسب رواج عرب سلسلۂ کلام میں تخاطب کے وقت "یاسیدی" فرمایا کرتے تھے بظاہر یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ اس تخاطب سے شرمندگی محسوس کی جائے مگر امام احمد رضا کے جذبۂ عشق نے اس بات کو گوارا نہ کیا اور اس سید زادے کے قدم ناز پر علم و فضل کا تاج نچھاور کرتے ہوئے فرمایا۔

حضرت مولانا سید محمد سعید صاحب مغربی کے الطاف کی تو حد ہی نہ تھی۔ اس فقیر سے خطاب میں یا سیدی فرماتے شرمندہ ہوتا۔ ایک بار میں نے عرض کی حضرت سید تو آپ ہیں۔ فرمایا واللہ سید تم ہو میں نے عرض کی میں سیدوں کا غلام ہوں۔ فرمایا تو یوں بھی سید ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "مولی القوم منھم"، قوم کا آزاد شدہ غلام انہیں میں سے ہے اللہ تعالی سادات کرام کی سچی غلامی اور ان کے صدقے میں آفتاب دنیا و عذاب قبر و عذاب حشر میں کامل آزادی عطا فرمائے آمین (الملفوظ مکمل ص۱۳۸)

ایک شاگرد کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک استاذ مناسب تادیبی کارروائی کے لئے ہاتھ اور زبان دونوں استعمال کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔ شرعًا اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا بلکہ خداوند کریم اپنے رحم و کرم سے اسے نوازے گا۔ مخدوم الملۃ حضرت سید محمد کچھوچھوی معروف بہ محدث اعظم ہند حصول تعلیم کے لئے بارگاہ رضویہ میں تشریف لے گئے ہیں ایک موقعہ پر برائے تربیت امام موصوف نے جو طریقہ اختیار فرمایا ہے۔ انتہائی دلچسپ اور ناموس عشق کی حرمت سے مملو ہے محدث اعظم ہند کی زبان میں ملاحظہ ہو۔

کار افتاء کے لئے جب میں بریلی حاضر ہوا۔ تو میرے اندر لکھنؤ میں آٹھ سال رہنے کی خوبو کافی موجود تھی۔ شہر کے جغرافیہ میں بازار اور تفریح گاہوں کو وہاں کے لوگوں سے پوچھتا رہا کہ جمعہ کے دن کی فرصت میں کچھ سیر سپاٹا کردں۔ جمعہ کا دن آیا تو مسجد میں سب سے آخری صف میں تھا نماز ہوگئی تو مجھے دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں میں بریلی کے لئے بالکل نیا شخص تھا لوگ ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے یہاں تک کہ اعلی حضرت خود کھڑے ہوگئے اور باب مسجد پر مجھکو دیکھ لیا تو مصلے سے اٹھ کر صف آخر میں آکر مجھ کو مصافحہ سے نوازا۔ اس سے زیادہ کا ارادہ کیا تو میں تھرا کر گر پڑا۔ اعلی حضرت پھر مصلے پر تشریف لے گئے اور سنن و نوافل ادا فرمانے لگے۔

(مجدد اسلام ص۱۶۱)

چنانچہ آپ نے بعد نماز جمعہ تفریح کا قصد فرمایا اور ایک پان کی دوکان پر پان لینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ امام احمد رضا کا انداز آپ کے ساتھ لوگ دیکھ چکے تھے اس لئے مصافحہ و دست بوسی کا سلسلہ جو شروع ہوا تو آپ کو واپس ہوتے ہی بنا۔

امام احمد رضا کا جذبۂ عشق رسول سادات کرام کی ادنیٰ سی پشیمانی پر بے پناہ مجروح ہو جاتا اور امام موصوف ایسے کسی حادثہ پر بے چین ہو کر سید زادے کی جبین سعادت کے عرق ندامت کو خلوص و وفا کی نسیم خوشگوار کے جھونکے سے سکھا نہ دیتے مطمئن نہ ہوتے اسی قسم کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

جس زمانہ میں اعلیٰ حضرت کے دولت کدے کے مغربی سمت جسمیں کتب خانہ بنا تعمیر ہو رہا تھا عورتیں اعلیٰ حضرت کے قدیمی آبائی مکان میں جسمیں مولانا حسن رضا خاں صاحب برادر اوسط اعلیٰ حضرت مع متعلقین تشریف رکھتے تھے قیام فرماتھیں اور اعلیٰ حضرت کا مکان مردانہ کر دیا گیا تھا کہ ہر وقت راج مزدوروں کا اجتماع رہتا اسی طرح کئی مہینے تک وہ مکان مردانہ رہا۔ جن صاحب کو اعلیٰ حضرت کی خدمت میں باریابی کی ضرورت پڑتی بے کھٹکے پہونچ جایا کرتے۔ جب وہ کتب خانہ مکمل ہو گیا۔ مستورات حسب دستور سابق اس مکان میں چلی آئیں۔ اتفاق وقت کہ ایک سید صاحب جو کچھ دن پہلے تشریف لائے تھے اور اس مکان کو مردانہ پایا تھا پھر تشریف لائے اور اس خیال سے کہ مکان مردانہ ہے بے تکلف اندر چلے گئے جب نصف آنگن کے اندر چلے گئے تو مستورات کی نظر پڑی جو زنانہ مکان میں خانہ داری کے کاموں میں مشغول تھیں۔ انہوں نے جب سید صاحب کو دیکھا تو گھبرا کر ادھر ادھر پردہ میں ہو گئیں۔ ان کے جانے کی آہٹ سے جناب سید صاحب کو معلوم ہوا کہ یہ مکان زنانہ ہو گیا ہے مجھ سے سخت غلطی ہو گئی جو میں چلا آیا اور ندامت کے مارے سر جھکائے واپس ہونے لگے کہ اعلیٰ حضرت دکھن طرف کے سائبان سے فوراً تشریف لائے اور سید صاحب کو لیکر اس جگہ پہونچے جہاں حضرت تشریف رکھا کرتے تھے اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے اور سید صاحب کو بٹھا کر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے جسمیں سید صاحب کی پریشانی اور ندامت دور ہو۔ پہلے تو سید صاحب خفت کے مارے خاموش رہے پھر معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کی کہ مجھے زنانہ مکان ہونے کا کوئی علم نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ حضرت یہ سب تو آپ کی باندیاں ہیں۔ آپ آقا اور آقا زادے ہیں معذرت کی کیا حاجت ہے میں خوب سمجھتا ہوں حضرت اطمینان سے تشریف رکھیں۔ غرض بہت دیر تک سید صاحب کو وہیں بٹھا کر ان سے بات چیت کی۔ پان منگوایا ان کو کھلایا جب دیکھا کہ سید صاحب کے چہرہ پر آثار ندامت نہیں ہیں اور سید صاحب نے اجازت چاہی تو ساتھ ساتھ تشریف لائے اور باہر کے پھاٹک تک پہونچا کر ان کو رخصت فرمایا۔ (حیات اعلیٰحضرت ص ۲۰۷)

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عشق و محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک سید زادے کی گذارش پر لاکھوں کے مجمع میں شکست و ذلت کو زیب گلو کرنے کا واقعہ سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید رضی اللہ عنہ کا تو تاریخ کے صفحات میں ملتا ہے۔ لیکن نادانستگی اور غیر شعوری طور پر ایک مزدور سیدزادے کے کاندھے پر سواری کر لینے کے بعد ندامت و شرمساری کا انداز اور اس نادانستہ جرم (بہ نظر عشق) کے ازالہ کا منظر امام احمد رضا کے علاوہ سے چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ علامہ ارشد القادری صاحب کی زبانی ملاحظہ ہو۔

کہاروں نے پالکی اٹھائی۔ پالکی لیکر تھوڑی ہی دور چلے ہیں کہ یکایک امام اہلسنت کی آواز سنائی دیتی ہے پالکی روک دو حکم کے مطابق پالکی رکھ دی گئی حضرت اضطراب کی حالت میں پالکی سے برآمد ہوئے کہاروں کو اپنے قریب بلایا اور بھرآئی ہوئی آواز میں پوچھا آپ لوگوں میں کوئی آل رسول تو نہیں؟ اپنے جد اعلیٰ کا واسطہ سچ بتائے میرے ایمان کا ذوق لطیف تن جاناں کی خوشبو محسوس کر رہا ہے۔

اس سوال پر اچانک کہاروں میں سے ایک شخص کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا پیشانی پر غیرو پشیمانی کی لکیریں ابھر آئیں۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد نظر جھکائے ہوئے دبی زبان سے کہا۔ مزدور سے کام لیا جاتا ہے ذات پات نہیں پوچھی جاتی۔ آپ نے میرے جد اعلیٰ کا واسطہ دیکر میری زندگی کا ایک سربستہ راز فاش کر دیا۔

ابھی اس مزدور کی بات تمام بھی نہ ہو پائی تھی کہ لوگوں نے پہلی بار تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھا کہ عالم اسلام کے ایک مقتدر امام کی دستار اس کے قدموں پر رکھی ہوئی ہے اور وہ آنسوؤں کی بارش میں مزدور سے التجا کر رہا ہے۔

معزز شہزادے۔ میری گستاخی معاف کر دو لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہو گئی ہے۔ ہائے غضب ہو گیا۔ قیامت کے دن اگر سرکار نے کہیں پوچھ لیا کہ احمد رضا کیا فرزند کا دوش نازنیں اس لئے تھا کہ وہ تیری سواری کا بوجھ اٹھائے تو میں کیا جواب دوں گا اس وقت بھرے میدان حشر میں میرے ناموس عشق کی کتنی بڑی رسوائی ہوگی۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جسطرح ایک عاشق دلگیر روٹھے ہوئے محبوب کو مناتا ہے۔ اسی انداز میں وقت کا عظیم المرتبت امام اس سیدزادے مزدور کی منت و سماجت کر رہا ہے اور لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے عشق کی ناز برداریوں کا یہ رقت انگیز تماشہ دیکھ رہے ہیں کئی بار زبان سے معاف کر دینے کا اقرار کرا لینے کے بعد امام اہل سنت نے ایک آخری التجائے شوق پیش کی۔

چونکہ راہ عشق میں خون جگر سے قیادہ وجاہت و ناموس کی قربانی عزیز ہے اسلئے لاشعور کی ایک تقصیر کا کفارہ جبھی ہوگا کہ اب تم پالکی میں بیٹھو اور میں اسے اپنے کاندھے پر اٹھاؤں۔ ہزار انکار کے باوجود آخر سید زادے کو عشق جنوں خیز کی ضد پوری کرنی ہی پڑی۔

یہ منظر کس قدر دلگداز ہے۔ اہل سنت کا جلیل القدر امام کہاروں میں شامل ہو کر اپنے علم و فضل جبہ و دستار اور عالمگیر شہرت کا سارا اعزاز خوشنودی حبیب کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پہ نثار کر رہا ہے۔ (اعلیٰ حضرت ص ۳۲)

عشق رسول کی بنیاد پر سادات نوازی اور دیوانگی کی حد تک ان کا احترام اور عزت و توقیر کا مظاہرہ جو امام احمد رضا بریلوی کے یہاں ملتا ہے صدیوں تک نظر ڈال جاتے ہیں۔

مگر ایسی شخصیت نہیں دکھائی دیتی جو عشق و محبت میں سرشار ہو کر جذبات فراواں کو عملی شکل دیکر بھی زبان حال سے یہ عرض کرے کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"

ایک سید صاحب بہت غریب مفلوک الحال تھے عسرت سے بسر ہوتی تھی اسلئے سوال کیا کرتے تھے مگر سوال کی شان عجیب تھی جہاں جاتے فرماتے "دلوادو ایک سید کو" ایک دن اتفاق وقت کی پھاٹک میں کوئی نہ تھا۔ سید صاحب تشریف لائے اور سیدھے زنانہ دروازہ پر پہونچ کر صدا لگائی دلوادو سید کو۔ اعلیٰ حضرت کے پاس اسی دن ذاتی اخراجات علمی یعنی کتاب کاغذ وغیرہ داد و دہش کے لئے دو سو روپئے آئے تھے۔ جسمیں نوٹ بھی تھے اور اٹھنی چونی پیسے بھی تھے کہ جس چیز کی ضرورت ہو صرف فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت نے آفس بکس کے اس حصے کو جسمیں یہ سب روپئے تھے سید صاحب کی آواز سنتے ہی ان کے سامنے لاکر حاضر کر دیا اور ان کے روبرو دلئے ہوئے کھڑے رہے جناب سید صاحب دیر تک ان سب کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد ایک چونی لے لی۔

اعلیٰ حضرت نے فرمایا حضور یہ سب حاضر ہیں سید صاحب نے فرمایا مجھے اتنا ہی کافی ہے۔ الغرض جناب سید صاحب ایک چونی لیکر سیڑھی پر سے اتر آئے اور اعلیٰ حضرت بھی ساتھ ساتھ تشریف لائے۔ پھاٹک پر ان کو رخصت کرکے خادم سے فرمایا۔ دیکھو سید صاحب کو آئندہ سے آواز دینے صدا لگانے کی ضرورت نہ پڑے۔ جس وقت سید صاحب پر نظر پڑے ایک چونی حاضر کرکے سید صاحب کو رخصت کر دیا کرو۔ سبحن اللہ و بحمدہ تعظیم سادات ہو تو ایسی ہو۔

(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۰۸)

اسی واقعہ کو مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند نے بھی اپنے انداز میں بسلسلہ جشن یوم ولادت امام احمد رضا بریلوی منعقدہ ناگپور کے خطبہ صدارت میں بیان فرمایا ہے، جسے مدنی تجلیات ناگپور نے مجدد اعظم نمبر میں شائع کیا ہے۔

راہ رو عشق کے مختلف انداز ہیں جو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادوں کی تعظیم و توقیر اور عشق و محبت کے جذبات کے ذریعہ نذر عقیدت پیش کرکے ناموس عشق کا سر بلند کر رہا ہے۔

حضور کے یہاں مجلس میلاد مبارک میں سادات کرام کو بہ نسبت اور لوگوں کے دوگنا حصہ بروقت تقسیم شیرینی ملا کرتا تھا۔ اور اسی کا اتباع اہل خاندان بھی کرتے ہیں۔ ایک سال یہ موقع بارہویں شریف ماہ ربیع الاول ہجوم میں سید محمود جان صاحب علیہ الرحمہ کو خلاف معمول یکہرا حصہ یعنی دو طشتریاں شیرینی کی بلا قصد پہونچ گئیں۔ موصوف خاموشی کے ساتھ حصہ لیکر سیدھے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا حضور کے یہاں سے آج مجھے عام حصہ ملا فرمایا سید صاحب تشریف رکھئے اور تقسیم کرنے والے کی فوری طلبی ہوئی اور سخت اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے۔ ارشاد فرمایا۔ ابھی ایک سینی (خوان) میں جس قدر حصے آسکیں بھر کر لاؤ چنانچہ فوراً تعمیل ہوئی۔ سید صاحب نے عرض کیا کہ حضور میرا یہ مقصد نہ تھا۔ ہاں قلب کو ضرور تکلیف ہوئی جسے برداشت نہ کرسکا۔ فرمایا سید صاحب یہ شیرینی تو آپ کو قبول کرنا ہی ہوگی۔ ورنہ مجھے سخت تکلیف رہے گی اور قاسم شیرینی سے کہا کہ ایک آدمی کو سید صاحب کے ساتھ کر دو جو اس خوان کو مکان تک پہونچا آئے انہوں نے فوراً تعمیل کی۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص۲۰۳)

یہ تو سادات کرام کو عام لوگوں سے ممتاز کرنے والا ایک واقعہ تھا۔

اب دوسرا واقعہ ملاحظہ فرمائیے، عشق کی نظر میں چھوٹے بڑے کا سوال نہیں اٹھتا بلکہ جذبات کی لہریں ہر ایک کو شاداب کرتی ہیں۔

جناب سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ ایک کم عمر صاحبزادے خانہ داری کے کاموں میں امداد کے لئے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سید زادے ہیں لہذا گھر والوں کو تاکید فرمادی کہ صاحبزادے صاحب سے خبردار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادے ہیں کھانا وغیرہ اور جس شے کی ضرورت ہو حاضر کی جائے جس تنخواہ کا وعدہ ہے وہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے۔ چنانچہ حسب الارشاد تعمیل ہوتی رہی کچھ عرصہ کے بعد وہ صاحبزادے خود ہی تشریف لے گئے۔

(حیات اعلیٰ حضرت ص۲۰۱)

سطور بالا میں درج کئے گئے دو چار واقعات دیکھنے میں بہت عام اور سادے معلوم ہوتے ہیں لیکن تھوڑا سا غور و فکر کیا جائے تو ہر واقعہ کے مختلف گوشے ہیں اور دور رس نتائج کے حامل ہیں۔ اب ہم امام احمد رضا کے مندرجہ ذیل ارشاد پر اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ آپ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضور کسی سید زادے کو استاد مار سکتا ہے یا نہیں؟ استفسار کا بصیرت افروز جواب ملاحظہ فرمایا جائے۔

قاضی جو حدود الٰہیہ قائم کرنے پر مجبور ہے اسکے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجودیکہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا۔ لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے بلکہ دل میں یہ نیت کرے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے اسے صاف کر رہا ہوں تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اسکو یہ حکم تا بہ معلم چہ رسد (الملفوظ مکمل ص۲۱۰)

امام موصوف کے تمام واقعات ہمیں درس عبرت دیتے ہیں کہ سادات کرام کے ساتھ محبت و عزت: عزت و توقیر، تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آنا چاہئے ایسا کرنے سے نہ صرف یہ کہ امام احمد رضا کے نقش قدم پر ہم گامزن ہوں گے بلکہ امام احمد رضا کے ارشاد اور ان کے اعمال کی روشنی میں یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ ایسا کر کے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کریں گے۔ خداوند کریم ہمیں سادات کی عزت و توقیر کرنے اور محبت و عقیدت رکھنے کی توفیق رفیق بخشے آمین۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا ۔ تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

شاعر مفکر کون تھا قائد مدبر کون تھا
آزادیٔ اقوام کا یا سیدی احمد رضا

سیاسیات

۱
امام احمد رضا کی دینی وسیاسی بصیرت

۲
امام احمد رضا اور جنگ آزادی

۳
امام احمد رضا اور قومی و شرعی ایمرجنسی

۴
امام احمد رضا کا آفاقی پیغام

امام احمد رضا کی دینی وسیاسی بصیرت

علامہ سید الزماں حمدوی
پرنسپل عابدہ ہائی اسکول مظفر پور

دینِ حق کی ابتدا وارتقا پر غائرانہ نگاہ ڈالئے پھر اس کے عروج ونزول اور بلندی وپستی پر جو وقتاً فوقتاً مختلف اوقات میں لاحق ہوتی رہیں توجہِ خصوصی کیجئے تو یہ بات بہ خوبی واضح ہو جائے گی کہ خلاقِ کائنات کی حکمتِ بے پایاں اور مشیتِ ایزدی نے دینِ متین کو ہمیشہ امتحان وابتلا کی منزلوں میں رکھا ہے۔ آخر اس میں رازِ قدرت اور فلسفہ الٰہی کیا ہے اسے جاننے کے لئے قرآن حکیم کی آیات کا مطالعہ ہمارے اور آپ کے لئے بے حد مفید ہوگا۔

بہ الفاظ دیگر سیدھے سادے جملوں میں یہ بات آپ اپنے ذہن کے گوشوں میں محفوظ فرمالیں کہ خیر وشر کی جنگ اور حق وباطل کا معرکہ روزِ اول ہی سے مختلف انداز اور مختلف صورت میں جاری رہا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں اگر ان کی ابتدا معلوم ہے تو انتہا سے بھی واقفیت ضرور حاصل ہے۔ لیکن حق وباطل، نیکی وبدی اور کفر وایمان کی جنگ کا آغاز تو معلوم ہے لیکن اس کی انتہا معلوم نہ ہوسکی۔

حق وباطل کی جنگ!

حق وباطل کی جنگ کا آغاز حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام اور شیطان ابلیس کے درمیان

تخلیق آدم کے بعد ہی سے ہے لیکن بنی نوعِ انسان یعنی ذریاتِ حضرت آدم کے مابین یعنی خود انسان ہی میں کسی قسم کے دینی واعتقادی اختلاف کا وجود کب سے ہے شیطان لعین نے ذریاتِ آدم کے درمیان اس اختلاف کا بیج کب سے بویا۔ اس ضمن میں تاریخی وعلمی حقائق اس طرح شاہد ہیں کہ حضرت سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ السلام کے آغازِ خلافت ورسالت سے حضرت سیدنا نوح علی نبینا وعلیہ السلام کے عہدِ اولین تک تمام انسان اور اولادِ آدم ایک دینِ اسلام پر متحد ومتفق تھے۔ ان میں کسی بھی قسم کا دینی واعتقادی اختلاف رونما نہیں ہوا تھا لیکن حضرت نوح علیہ السلام کا دور ہی وہ دور ہے جہاں سے اختلاف عقاید کا آغاز ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان اختلافات کی تیرہ وتاریکی میں حقانیت وصداقت کا روشن سورج بنا کر حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ خیر وشر اور نور وظلمت کی تمیز نوعِ انسانی کے لئے دشوار نہ ہو میرے اس دعویٰ کے ثبوت میں قرآن حکیم کی ان مقدس آیتوں کا مطالعہ کیجئے۔

عہدِ نوح علیہ السلام واختلافِ عقاید

ارشادِ ربانی ہے: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً (لوگ ایک دین پر تھے) سورۂ بقرہ پارۂ سیقول کی اس آیتِ کریمہ کی تشریح تفسیر خزائن العرفان میں اس طرح ہے "لوگ ایک دین پر تھے حضرت آدم (علیہ السلام) کے زمانہ سے عہدِ نوح تک سب لوگ ایک دین اور ایک شریعت پر تھے۔ پھر ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا یہ بعثت میں پہلے رسول ہیں (بحوالہ خازن)

تفسیر خازن کی عبارت کا ترجمہ اس بات پر واضح دلیل ہے کہ اختلافِ انسانی کا آغاز عہدِ نوح علیہ السلام سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اختلافِ دین اور عقیدہ ہی کا اختلاف تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں سورۂ نوح کی تلاوت اس کی مزید تشریح وتوضیح کے لئے دلیلِ کافی اور برہانِ وافی ہے۔ اس ضمن میں مزید وضاحت کے لئے قرآنِ حکیم کی دوسری آیت کو باعثِ شرف نگاہ بنائیے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۚ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

پھر اللہ نے انبیا بھیجے خوشخبری دیتے ایمانداروں اور فرماں برداروں کو ثواب کی اور ڈر سناتے کافروں نافرمانوں کو عذاب کا اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری (جیسا کہ حضرت آدم وشیث وادریس پر صحائف اور حضرت موسیٰ پر توریت، حضرت عیسیٰ پر انجیل اور خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے اور کتاب میں اختلاف انہیں نے ڈالا جن کو دی گئی تھی یہ اختلاف تبدیل وتحریف اور ایمان وکفر کے ساتھ تھا جیسا کہ یہود ونصاریٰ سے واقع ہوا بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے یعنی یہ اختلاف نادانی سے

سے نہ تھا بلکہ آپس کی سرکشی سے تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سمجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے ۔

مذکورہ بالا آیات کی تشریح توضیح میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کے ترجمہ کنز الایمان اور حضرت صدر الافاضل کی تفسیر خزائن العرفان دونوں کو یکجائی صورت میں پیش کرنے کی جرأت افہام و تفہیم کی سہولت اور تسلسل و روانی کے برقرار رکھنے کی خاطر کی گئی ہے ۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کا ماخذ جلالین ۔ بیضاوی، خازن اور مدارک جیسی مہتم بالشان تفسیریں ہیں ۔

چنانچہ قارئین کے طمانیت قلب کی خاطر جلالین و بیضاوی کی عبارتیں بھی نقل کی جا رہی ہیں

جلالین شریف کی عبارت اس طرح ہے ۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (علی الایمان)[25] لوگ ایک دین پر تھے یعنی ایمان پر تھے ۔

فاختلفوا فآمن بعضٌ پھر لوگوں نے اختلاف کیا پس بعض ایمان لائے

وَکَفَرَ بعضٌ ۔ اور بعض نے کفر کیا ۔

جلالین شریف میں عَلَی الْاِیمان پر ایک حاشیہ درج ہے اُسے بھی ملاحظہ فرمائیں ۔

بَعْدَ الطُّوفَانِ اَوْ فِیْمَا بَیْنَ آدَمَ وَاِدْرِیْسَ مُوَحِّدِیْنَ مُتَمَسِّکِیْنَ بِدِیْنِہٖ اِلَّا الْجَمْعُ قَلِیْلٌ مِنْ قَابِیْلَ وَتَابِعِیْہِ اِلٰی زَمَنِ اِدْرِیْسَ ۔

— لوگوں کے درمیان اختلافِ عقائد طوفانِ نوح کے بعد ہوا یا حضرت آدم اور ادریس علیہما السلام کے عہد کے درمیان پہلے وہ سب خدا کو ایک ماننے والے تھے اور اس کے دین کو مضبوطی سے حضرت ادریس کے زمانے تک پکڑنے والے تھے مگر قابیل اور اس کے تابعین کی ایک مختصر جماعت اس سے الگ تھی ۔

تفسیر بیضاوی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں ۔

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۔ مُتَّفِقِیْنَ عَلَی الْحَقِّ فِیْمَا بَیْنَ آدَمَ وَاِدْرِیْسَ وَنُوْحٍ ۔ اَوْ بَعْدَ الطُّوْفَانِ ۔ اَوْ مُتَّفِقِیْنَ عَلَی الْجَہَالَۃِ وَالْکُفْرِ فِیْ فَتْرَۃِ اِدْرِیْسَ وَنُوْحٍ ۔

— لوگ ایک جماعت تھے ۔ آدم و ادریس و نوح کے عہد رسالت کے درمیان حق پر متفق تھے ۔ یا طوفانِ نوح کے بعد ۔ یا حضرت ادریس اور نوح کی بعثت سے قبل جہالت و کفر پر متفق تھے جبکہ وحی کا سلسلہ بند تھا ۔

مُتَّفِقِیْنَ عَلَی الْجَہَالَۃِ[26] پر حاشیہ تفسیر بیضاوی کا ایک نوٹ خصوصی طور سے مطالعہ کے لائق ہے ۔

قَوْلُہٗ اَوْ مُتَّفِقِیْنَ الخ وَضُعِّفَ بِاَنَّہٗ لَمْ یُعْلَمِ الْاِتِّفَاقُ عَلَی الْکُفْرِ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ مُؤْمِنٌ اَصْلًا فِیْ عَصْرٍ مِنَ الْاَعْصَارِ فَتَاَمَّلْ وَیُمْکِنُ اَنْ یُّقَالَ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً مُسْتَعِدِّیْنَ بِقَبُوْلِ الْحَقِّ مَوْلُوْدِیْنَ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَزَیَّنَ لَہُمُ الشَّیْطَانُ اَعْمَالَہُمْ فَصَدَّہُمْ عَنِ السَّبِیْلِ فَاخْتَلَفُوْا

— بیضاوی کا یہ قول کہ جہالت و کفر پر متفق تھے ضعیف قرار دیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ کفر پر (بنی نوع انسانی کا) متفق ہونا معلوم نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو زمانوں میں سے کسی بھی زمانہ میں کسی مومن کا وجود قطعی نہ ہوگا (یہ بات بعید از قیاس ہے) غور و فکر لازمی ہے ۔ ہاں ممکن ہے کہا جائے کہ لوگ ایک جماعت تھے اور حق کے قبول کرنے کی استعداد رکھنے والے تھے ۔ فطرت پہ پیدا کئے جاتے تھے ۔ پس ان کے لئے شیطان نے اُن کے عملوں کو آراستہ و پیراستہ کر دیا پس اُن کو راہِ حق سے روک دیا پھر وہ لوگ مختلف ہو گئے ۔

مذکورہ بالا آیتیں اور اُن کی تشریحات سورۂ بقرہ سے پیش کی گئیں جن سے بہت حد تک یہ بات واضح اور روشن ہو چکی کہ اختلافِ عقائد کا نزاع حق و باطل کی معرکہ خیزی اور خیر و شر کی کشمکش حضرت نوح علیہ السلام کے دور ہی سے چلی آ رہی ہے حکمتِ ربانی اور مشیتِ الٰہی یہی تھی ۔ اس ضمن میں مزید تشریح و توضیح کے لئے سورۂ یونس کی اس آیت کریمہ پر غور فرمائیں جن سے حکمتِ الٰہی اور مشیتِ ایزدی کا تقاضا سامنے آتا ہے ۔ ارشادِ ربانی ہے جس کے ترجمہ و تفسیر میں ترجمۂ رضویہ اور تفسیر نعیمی کو ایک ساتھ ملا کر محض مطالب کے سمجھنے میں آسانی کے لئے نقل کر رہا ہوں ۔ ملاحظہ فرمائیں

وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّہُمْ جَمِیْعًا ط اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۔

اور اگر تمہارا رب چاہتا ۔ زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے یعنی ایمان لانا سعادت ازلی پر موقوف ہے ۔ ایمان وہی لائیں گے جن کے لئے توفیقِ الٰہی مساعد ہو اس میں سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ سب ایمان لے آئیں اور راہ راست اختیار کریں پھر جو ایمان سے محروم رہ جاتے ہیں ان کا آپ کو غم ہوتا ہے ۔ اس کا آپ کو غم ہونا چاہئے ۔ کیونکہ ازل سے جو شقی ہے وہ ایمان نہ لائے گا تو کیا تم لوگوں کو زبردستی کرو گے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں اور کسی جان کو قدرت نہیں کہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور اس کی مشیت سے ۔ اور ایمان میں زبردستی نہیں ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ ایمان ہوتا ہے ۔ تصدیق اور اقرار سے اور جبر و اکراہ سے تصدیق قلبی حاصل نہیں ہوتی ۔

صاحبِ جلالین کی ایک مختصر عبارت ملاحظہ کیجئے ۔

اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ بِمَا لَمْ یَشَاءِ اللّٰہُ مِنْہُمْ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۔ لا

— کیا آپ لوگوں پر زبردستی فرمائیں گے اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اُن سے نہ چاہا تاکہ وہ مومن ہو جائیں ۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا ۔

قرآنِ حکیم کی ایک تیسری آیت بھی پیشِ نظر رکھیں جس کے ترجمہ و تفسیر میں کنز الایمان کا ترجمہ اور خزائن العرفان کی تشریح یکجا کر دی گئی ہے ۔ خالقِ کائنات اللہ عزوجل

کا ارشاد ناطق ہے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا تو سب ایک ہی دین پر ہوتے (لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا اس لئے اب) اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے کوئی کسی دین پر کوئی کسی دین پر مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا اور وہ دین حق پر متفق رہیں گے۔ اور اس میں اختلاف نہ کریں گے۔ اور لوگ اسی لئے بنائے ہیں یعنی اختلاف والے اختلاف کے لئے اور رحمت والے اتفاق کے لئے اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ بے شک ضرور جہنم بھر دوں گا جنوں اور آدمیوں کو ملا کر کیونکہ اس کو علم ہے کہ باطل کے اختیار کرنے والے بہت ہوں گے۔

سورۂ ہود کا مذکورہ بالا آیت کے سلسلہ میں صاحب جلالین کی مخصوص تحریر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ اس سے تفسیر خزائن العرفان کی مزید تائید ہو سکے۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (اَهْلَ دِيْنٍ وَّاحِدٍ) وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (فِي الدِّيْنِ) اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ (اَرَادَ لَهُمُ الْخَيْرَ فَلَا يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ) وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (اَيْ اَهْلَ الْاِخْتِلَافِ لَهُ وَاَهْلَ الرَّحْمَةِ لَهَا) وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ (وَهِيَ) لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ (الجن) وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

قارئین کرام! مجھے مذکورہ بالا تحریر سے صرف یہی بتانا مقصود ہے کہ اختلاف عقائد اور معرکہ حق و باطل کوئی نئی چیز نہیں اور ایسا بھی نہیں کہ محض اسے وقتی اور جزوی شے سمجھ کر اس سے چشم پوشی یا پہلو تہی کر لی جائے۔ بلکہ آیات کریمہ نے عقل انسانی پر یہ بات اچھی طرح واضح اور آشکارا کر دی کہ نوح علیہ السلام کے عہد مسعود ہی سے حق و باطل کی آویزش اور اختلاف عقائد کا معرکہ عالم انسانی میں نظر آ رہا ہے۔ پھر حکمت الٰہیہ اور منشاء ربانی نے اس کی مدافعت ....

اور اصلاح کے لئے جس طریقہ کار کو پسند فرمایا وہ بھی آیات بالا سے واضح ہے خلاق کائنات یقیناً اس بات پر قادر ہے۔ کہ اختلاف کا وجود ہی نہ ہونے دیتا اور دنیا کے تمام انسان ایک دین حق پر گامزن ہوتے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں فرمایا۔ یقیناً اس میں بھی خلاق دو عالم کی عظیم مصلحت اور عظیم حکمت ہے۔ خیر و شر، حق و باطل، جنت و جہنم، ثواب و عقاب اور کفر و ایمان کے منازل و مدارج بھی تو حکمت الٰہیہ پر مبنی ہیں۔

پھر مرسلین عظام اور ہادیان کرام کی بعثت طیبہ اور ان کے علمی جد و جہد کی منزلیں پھر ان پر بے پایاں ثواب کا ترتب بھی تو مشیت ربانی کا ایک عظیم شاہکار ہیں جن کا وجود اسی صورت میں ممکن ہے۔ جب اختلاف عقائد اور حق و باطل کی معرکہ خیزی نام وجود ہی نظر آئے۔

سلسلۂ حرب عقاید اور فتنۂ ارتداد .....

قرآن حکیم کے واضح الفاظ سے اس غیبی یقینی خبر کی اطلاع بھی ملتی ہے کہ حق و باطل کے معرکہ کی یہ اعتقادی جنگ جب سے ستیزہ کار رہی اس وقت سے اب تک جاری ہے۔ یہاں تک کہ عقاید حقہ و باطلہ کی جنگ اس آخری امت یعنی امت مسلمہ میں بھی جاری رہے گی۔ دین اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد بھی کچھ لوگ ارتداد (دین سے مرتد ہونے) کی راہ اختیار کریں گے۔

قرآن پاک کے وجوہ اعجاز میں سے ایک اہم وجہ "اخبار بالغیب" "غیب کی خبریں" دیتا ہے۔ قرآن کریم کی اس غیبی خبر کے مطابق "مرتدین" کی جماعت ظاہر ہوتی رہی ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے نہ آپ کو دور جانے کی ضرورت ہے۔ اور نہ آج کی خبر پوچھنے کی حاجت ہے۔ صدر اول کی اولین منزل خلیفۂ اول کی خلافت کے آغاز ہی میں ارتداد کا فتنہ رونما ہوا اور منکرین زکوٰۃ کی ایک جماعت نکل آئی۔ خلیفۂ اسلام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوتے ہی اس فتنہ عظیم کے مدمقابل آئے اور انہیں بوجوہ حسن اور بہ رنگ تشدد اس فتنہ سے نمٹنا پڑا اور آج تک یہ سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ اور یہ حدیث حدیث منقطع نہیں بلکہ مسلسل ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز .... چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اب سورۂ مائدہ شریف کی اس آیت مبارکہ کی تلاوت سے شرف حاصل کیجئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ الخ

اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا۔ کفار کے ساتھ دوستی و موالات بے دینی و ارتداد کی مستدعی ہے۔ اس کی ممانعت کے بعد مرتدین کا ذکر فرمایا اور مرتد ہونے سے قبل لوگوں کو مرتد ہونے کی خبر دی۔ چنانچہ یہ خبر صادق ہوئی اور بہت سے لوگ مرتد ہوئے تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا۔ مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت۔ اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والوں کا اندیشہ نہیں کریں گے۔

یہ صفت جن کی ہے وہ کون ہیں؟ اس میں کئی قول ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ و حسن و قتادہ نے کہا کہ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے اصحاب ہیں۔ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہونے اور زکوٰۃ کے منکر ہونے والوں پر جہاد کیا۔ عیاض بن غنم اشعری سے مروی ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی نسبت فرمایا کہ یہ ان کی قوم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ

لوگ اہل یمن ہیں جن کی تعریف بخاری و مسلم کی حدیثوں میں آئی ہے۔ سُدی کا قول ہے کہ یہ لوگ انصار ہیں جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور ان اقوال میں کچھ منافات نہیں کیونکہ ان سب حضرات کا ان صفات کے ساتھ مُتّصِف ہونا صحیح ہے۔ اس جگہ بھی رضوی ترجمہ اور تفسیر نعیمی کو یکجا پیش کیا گیا ہے۔ اس کی مزید تائید کے لیے، جلالین شریف کی اس عبارت کا مطالعہ فرمائیے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا مَنْ یَّرْتَدَّ (بالفک والادغام) یَرْجِعْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ اِلَی الْکُفْرِ اِخْبَارٌ بِمَا عَلِمَ تَعَالٰی وُقُوْعَهٗ وَقَدْ اِرْتَدَّ جَمَاعَةٌ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بَدَلَهُمْ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هُمْ قَوْمُ هٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی اَبِی مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَوَاهُ الْحَاکِمُ فِی صَحِیْحِهٖ اَذِلَّةٍ عَاطِفِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ اَشِدَّاءَ عَلَی الْکُفَّارِ۔ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ فِیْهِ کَمَا یَخَافُ الْمُنَافِقُوْنَ لَوْمَ الْکُفَّارِ ذٰلِکَ الْمَذْکُوْرُ مِنَ الْاَوْصَافِ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ کَثِیْرُ الْفَضْلِ عَلِیْمٌ بِمَنْ هُوَ اَهْلُهٗ۔

اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا (یرتد دکی قرأت فک کے ساتھ بھی ہے یعنی دونوں دالوں کے ساتھ اور ایک قرأت ادغام کے ساتھ بھی ہے یعنی ایک مُشدد دال کے ساتھ) یعنی جو کوئی اپنے دین سے کفر کی طرف لوٹے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقوع پذیر ہونے والے واقعہ کی خبر دی گئی ہے جس کا واقعہ ہونا علمِ الٰہی میں طے ہو چکا ہے چنانچہ حضور جانِ نور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد ایک جماعت مرتد ہو گئی (عنقریب مرتد ہونے والوں کے عوض میں ایسی قوم کو منصۂ شہود پر ظاہر فرمائے گا جن کو اللہ تعالیٰ محبوب بنائے گا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے محبت فرمائیں گے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لوگ ابو موسیٰ اشعری کی قوم ہیں اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے بظاہر رہنے والے حضرات مومنین کے حق میں نہایت ہی رحیم و مہربان ہوں گے اور کافروں پر نہایت ہی سخت و شدت کرنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی راہ کے مجاہد ہوں گے اور اس دینی مجاہدہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ خاطر میں نہیں لائیں گے جس طرح منافقین کافروں کی ملامتوں سے ڈرتے ہیں یہ مذکورہ اوصاف مولیٰ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس فضل سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ کثیر و واسع الفضل ہے اور وہ اس فضل کے اہل کو خوب جانتا ہے ۔۔۔

مذکورہ بالا آیتوں کے مطالعے سے یہ امر بہ خوبی واضح ہو گیا کہ خود ایمان کا دعویٰ کرنے والوں اور بظاہر اسلامی لبادہ اوڑھنے والوں میں بھی مرتدین کی ایک جماعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ فرمائی کے فوراً بعد صحابۂ کرام کے عہدِ اولین ہی میں ظاہر ہوئی جس کے مقابلہ اور انسدادِ فتنہ کے لئے خود صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صف آرا ہوئے۔ معرکۂ جہاد میں فی سبیل اللہ مجاہدین بن کر نظر آئے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا قطعی اندیشہ و فکر بھی نہیں کیا یہی وہ حضرات ہیں جن کو اللہ عزّ و جل نے اپنے مخصوص فضل سے نوازا اور خالقِ کائنات کی بے انتہا عنایتوں نے انہیں سارے عالم سے ممتاز بنا دیا۔

نفاق، کفر سے زیادہ خطرناک ہے!

قانونِ الٰہی کی اس عظیم دفعہ سے کسی کو بھی انکار کی قطعی گنجائش نہیں کہ نفاق کی صفت کفر کی صفت سے زیادہ خطرناک ہے اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ خصوصاً دین میں اختلاف اور عقاید میں فساد کا فتنہ تو اس قدر مُہلک اور مُضر ہے جس کی شناخت اہلِ علم اور اہلِ بصیرت حضرات کے علاوہ دوسروں کے بس کی بات نہیں اختلافِ دین اور فسادِ عقاید کے فتنہ سے نبرد آزما ہونے کے لئے اور اس فتنۂ عظیم کا مجاہدانہ مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ اپنے نیک بندوں میں سے کسی مخصوص بندہ کو منتخب فرماتا ہے پھر مولیٰ تعالیٰ اُسے اپنی تائیدِ خصوصی سے نوازتا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ اعزازِ دین اور فروغِ شریعت کا وہ عظیم کارنامہ انجام پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست ۔۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ میں صرف اسی امر پر اکتفا نہیں کیا گیا کہ محض ارتداد کی خبر دے کر سکوت فرما لیا گیا ہو۔ حاشا و کلّا ایسا ہرگز نہیں بلکہ ایک ایسی جماعت کے ظہور پذیر ہونے کی بھی اطلاع دی گئی جو ہر لحاظ سے برگزیدہ اور پسندیدہ جماعت ہوگی پھر اس کارگاہِ کائنات میں ان کا فعل و عمل کیا ہوگا۔ ان صفتوں کو بھی واضح کر دیا گیا کہ وہ حضرات عرصاتِ جد و جہد میں اپنی پامردی استقامتِ دینی اور عزیمانہ شان کے ساتھ ہمیشہ مشغولِ کار رہیں گے۔ وہ کسی کے بُرا بھلا کہنے اور ملامت کرنے سے بے نیاز ہو کر اپنی لگن میں مست رہیں گے۔ ان کے کاموں کا سلسلہ جاری رہے گا اور انہیں جنگی آثار اور چڑھاؤ کا مطلقاً کوئی ڈر اور اندیشہ نہیں ہوگا۔ یہ نفوسِ قدسیہ ہر آن اور ہر حال میں مرضیٔ مولیٰ از ہر اولیٰ کو اپنا شعارِ زندگی اور وظیفۂ حیات بناتے ہوئے اپنے قدموں کو تیز سے تیز تر کرتے رہیں گے اور ان کے تارِ نفس کا سلسلہ رضائے مولیٰ کی حبلُ المتین کے ساتھ ہر حال میں وابستہ نظر آئے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور میثاقِ خصوصی کا تذکرہ فرمایا جس کے مطالعہ کا شرف آپ کے لئے سلسلۂ تحریر میں مفید ثابت ہوگا۔ سورۂ آلِ عمران شریف کے اختتام کے قریب اس میثاق کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ

۔ اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا اُن سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اُسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انہوں نے اُسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھیک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے تو کتنی بُری خریداری ہے ۔

ترجمہ کے بعد اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں ۔

"اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا اُن سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا ۔ اللہ تعالیٰ نے علمائے توریت و انجیل پر واجب کیا تھا کہ ان دونوں کتابوں میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر دلالت کرنے والے جو دلایل ہیں وہ لوگوں کو خوب اچھی طرح شرح کر کے سمجھا دیں اور ہرگز نہ چھپائیں تو انہوں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے اور رشوتیں لیکر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپایا جو توریت و انجیل میں مذکور تھے تو کتنی بُری خریداری ہے ۔ علم دین کا چھپانا ممنوع ہے ۔ حدیث شریف میں آیا کہ جس شخص سے کچھ دریافت کیا گیا جس کو وہ جانتا ہے اس نے اس کو چھپایا روز قیامت اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی ۔

(مسئلہ) علماء پر واجب ہے کہ اپنے علم سے فائدہ پہونچائیں اور حق ظاہر کریں اور کسی غرض فاسد کے لئے اس میں سے کچھ نہ چھپائیں "۔

عہد و میثاق کی صورتیں

حضرات گرامی ! اگر آپ قرآن کریم کی تلاوت کا ذوق رکھتے ہوں گے اور اس سعادت کا لطف ہر صبح و شام اُٹھاتے ہوں گے تو اس میں جابجا کچھ عہود ، مواثیق کے تذکرہ کی آتیں بھی پڑھی ہوں گی ۔ ان میں حسب ذیل باتوں پر عہد و میثاق کا تذکرہ ملا ہوگا ۔

(۱) توحید الٰہی و ربوبیت باری کا عہد :۔ اس ضمن میں جو آیت کریمہ ہے اس کا یہ جزو "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰی" ، (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ۔ سبھوں نے کہا ہاں کیوں نہیں) عوام و خواص کی زبان زد ہے ۔

(۲) رسالت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والثنا کا عہد میثاق :۔ یہ میثاق انبیائے کرام سے ابلغ نظام اور افصح کلام کے ساتھ ہی خصوصی طور پر لیا گیا ۔ یقیناً انبیائے عظام کی تخصیص تعمیم اُمم کی خاطر تھی کیونکہ جس کے امام کو رسالتِ عامّہ کا پابند کیا گیا ہو اُن کے مقتدی اس قید سے کس طرح آزاد ہو سکتے ہیں اُمتوں کے انبیاء جس عہد میں داخل ہیں اُن کی اُمتیں اس میں کیسے داخل نہیں ہوں گی ، یہی مفہوم عقلی ہے جس کا انکار سراسر بدعقلی اور ناسمجھی کے سوا کچھ نہیں ۔ گویا ان دونوں میثاقوں کا مفاد ہی کلمۂ اسلام کی اصل اور بنیاد ہے ۔ اس کو یوں سمجھئے کہ میثاقِ اوّل میں لا الہ الا اللہ کا بیان ہے اور دوسرے میں محمد رسول اللہ کا تذکرہ ہے ۔ (۳) ۔ انبیائے کرام سے تبلیغ رسالت اور تشریع شریعت کے عہد و میثاق کا بیان ۔ ظاہر ہے یہی اُن مقدس حضرات کی بعثت کا مقصد تھا اس لئے اس امر کی واضح نشان دہی قرآن حکیم کی آیات مقدسہ کرتی ہیں ۔ (۴) اُن علمائے ملت سے اخذ میثاق جو آسمانی کتابوں کے پابند ہیں :۔ ان حضرات سے اس قسم کا میثاق لیا گیا کہ وہ سرورِ کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی رسالت عظمیٰ کے دلایل اور محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے فضایل و کمالات کی نشر و اشاعت تادم آخر کرتے رہیں اور ہرگز ہرگز ان باتوں کو کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہ چھپائیں اور اس کتمانِ و حق پوشی کے جواز کے لئے کسی مصلحتِ قومی و اغراض سیاسی و خدمات ملّی کو آڑ نہ بنائیں اور جو بھی احکام شرعیہ ہیں ان کو بہر حال جملہ مواقع و حالات میں آشکار کرتے رہیں ۔ یہی ان کی جانب سے قوم و ملک کی خدمت ہوگی اور یہی ان کی صحیح سیاسی ، اقتصادی اور ملّی خدمات ہوں گی ۔ نازک سے نازک موقعہ پر بھی اس کو فراموش نہ کریں ۔ جان جائے تو جائے مگر عظمتِ سرکار دو عالم پر حرف نہ آنے دیں بلکہ اس قسم کے شک و شائبہ کو بھی اس میں دخل نہ ہونے دیں ۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت :۔ ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

نوعِ انسانی کی تقسیم

ان مذکورہ بالا چاروں عہدوں اور میثاقوں پر خصوصی توجہ کیجئے پھر جملہ مذاہب و ادیان کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے خصوصاً مذہب اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ پر نظر عمیق فرمایئے تو انسانی جماعت دو گروہوں میں منقسم نظر آئے گی اور رہ نمایانِ مذاہب و ادیان دو فرقوں میں بٹے ہوئے دکھائی دیں گے ۔

یہ حقیقت ہے کہ انہی عہود و مواثیق کی بنیاد نے نوعِ انسانی کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں ایک جماعت "علمائے حق" کی ہے اور دوسری جماعت علمائے سُو کی ہے علمائے حق ہمیشہ اپنے اعمال و اقوال و احوال سے حق کی اشاعت کرتے رہے ۔ اور کتمانِ حق کی معصیت سے کوسوں دور رہے ۔ علمائے سو کا ہمیشہ اس کے برعکس عمل رہا ۔

علمائے سُو کی دیدہ دلیری

عالموں کی یہ بدترین جماعت جنہیں علمائے سُو کہا جاتا ہے اسلام اور ہادیٔ اسلام کی عظمت کے خلاف رہی ۔ پھر یہی اُلٹا غلط پروپیگنڈہ بھی کرتے رہے کہ علمائے خلاف اہل حق ہی فسادی ، تفرقہ انداز ، فتنہ انگیز اور شیرازۂ اُمت کو پراگندہ و منتشر کرنے والے ہیں ۔ یہ علمائے سو اپنے دفتر جرم اور سرقۂ دین کو چھپانے کے لئے قوم و ملک کی خدمات کا سیاہ نقاب اپنے سیاہ چہروں پر ڈالتے رہے ہیں ۔ حالانکہ یہ مجرمانِ حق پوش اور دُزدانِ گندم نما جو فروش اگر نئے نئے من گھڑت عقاید و اعمال اور اپنی من مانی اختراعات و بدعات سے شریعت کی صورت مسخ نہ فرماتے تو کبھی بھی افتراقِ ملت کی بھیانک صورت پیدا نہ ہوتی اور اُمتِ مسلمہ کبھی تشتت و افتراق کا شکار نہ ہوتی بلکہ ہمیشہ اتفاق و اتحاد کے مستحکم رشتہ میں منسلک اور منضبط رہتی ۔

ذرا ان اوندھی عقل والوں کی "اوندھی بات" تو ملاحظہ کیجئے کہ لوگوں کو چھوڑ دیا جائے کہ وہ ہر دن نئے عقیدے گڑھیں اور اس کی بنیاد پر جماعت سازی کریں اور اس کے ماننے اور نہ ماننے پر اُخروی نجات و عدم نجات کا مدار رکھیں اور ان

سے اُمت مختلف خانوں میں بٹتی چلی جائے۔ یہ فعل عُمدہ اور مستحسن بلکہ بہت عُمدہ اور بہت اچھا۔ اس سے اتحادِ اُمت میں فرق نہیں آتا۔ لیکن جہاں علمائے حق نے اس باطل عقیدہ اور فاسد رائے کے مزاحمت و مدافعت کی اور اُمت کو وحدتِ عقائد کی دعوت دی تو دین و ایمان سے عاری اور غیرت و حیاء سے خالی حضرات کو تفرقۂ اُمت کا بھوت طاغم ہونے لگا ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ان باطل پرست حضرات کی کھلی بددیانتی اور حماقت انگیز طریقہ فکر پر تو نگاہ ڈالئے کہ جدید عقیدہ سازی سے حرب عقاید کا بازار گرم کرکے اُمتِ مسلمہ کو ٹکڑیوں میں تقسیم کرکے متحدہ محاذ بناتے ہیں اور دعوتِ اتحاد دیتے ہیں حالانکہ اتحادِ اُمت کے غم میں گھلنے والوں کو سب سے پہلے ایک عقیدہ صحیحہ مطابق شرع کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جب عقیدہ ایک ہوگا۔ عقاید مختلف نہ ہوں گے۔ پھر خود ہی اتفاق و اتحاد اور محبت و وداد کے رشتہ میں سبھی منسلک ہو جائیں گے۔ اور (واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً) کا دل آویز منظر دنیا کے سامنے ہوگا لیکن ؎

نیشِ عقرب نہ از پئے کین است ۔۔ مقتضائے طبیعتش این است

بچھو کا ڈنک مارنا کینہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی طبیعت کا مقتضا ہی یہی ہے۔ یہی حال علمائے سوء کا ہے کہ بدعقیدگی، اہانتِ رسول تحقیر رسالت اور مسلمانوں کی دل آزاری اب کینہ کی منزل سے ہٹ کر ان کی فطرت و طبیعت بن چکی ہے۔

یہ بات آپ کے یقیناً مشاہدہ میں ہوگی۔ آپ حالات ملکی پر نظر کرنے کے بعد کبھی کبھی غور بھی فرماتے ہوں گے کہ ملک میں اتنی سیاسی جماعتیں کس طرح ظہور پذیر ہوئیں۔ ایک کانگریس کے بطن سے اتنی پارٹیاں کیسے پیدا ہوگئیں تو اس کا جواب صرف یہی ہے کہ اصول و نظریات جیسے جیسے بدلتے گئے جماعتیں بنتی گئیں۔ اسی طرح ادیان و مذاہب کے اختلاف کو بھی سمجھنا چاہئے۔

علمائے حق کی مدح وثنا

علمائے حق، ہادیانِ دین، غازیانِ اُمت جو اہل باطل سے برسرپیکار رہیں اور رہا کئے ان کی تعریف و توصیف یوں تو قرآن کریم کی بہت سی جگہوں میں ہے۔ مگر میں صرف سورۂ مجادلہ شریف کی چند آیتیں نقل کر رہا ہوں یہ آیتیں ارشادِ ربانی کا وہ آئینہ مجلّی و معیارِ مصفّیٰ ہیں جس میں مدعیوں کی صورتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور دیکھ کر اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز و شناخت پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور اس معیار پر جانچ اور پرکھ کر کھرے کھوٹے میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد مقدس ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

آیاتِ بالا کا ترجمہ اور تشریح ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمۂ رضویہ و تفسیر نعیمی پیشِ نظر ہے۔

"تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں اُن سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی یعنی مومنین سے یہ ہو ہی نہیں سکتا اور اُن کی یہ شان ہی نہیں اور ایمان اس کو گوارا ہی نہیں کرتا کہ خدا و رسول کے دشمن سے دوستی کرے اس آیت سے معلوم ہوا کہ بددینوں اور بدمذہبوں اور خدا و رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں سے مودت اور اختلاط جائز نہیں اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ والے ہوں چنانچہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے جنگ اُحد میں اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روز بدر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مبارزت کے لئے طلب کیا لیکن رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس جنگ کی اجازت نہ دی اور مُصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو روز بدر قتل کیا اور حضرت علی بن ابی طالب و حمزہ و ابو عبیدہ نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ و شیبہ کو اور ولید بن عتبہ کو بدر میں قتل کیا جو اُن کے رشتہ دار تھے خدا و رسول پر ایمان لانے والوں کو قرابت و رشتہ داری کا کیا پاس؟ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے اُن کی مدد کی۔ اس روح سے یا اللہ کی مدد مراد ہے یا ایمان یا قرآن یا جبرئیل یا رحمتِ الٰہی یا نور اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی بہ سببِ ان کے ایمان و اخلاص و طاعت کے اور وہ اللہ سے راضی اس کے رحمت و کرم سے۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے اللہ کی جماعت کامیاب ہے۔"

جس طرح اس جگہ حزب اللہ کا تذکرہ ہے اسی طرح اس سے متصل اوپر کی آیتوں میں حزب الشیطان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ

ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے بے شک شیطان کا گروہ ہار میں ہے کہ جنت کی دائمی نعمت سے محروم اور

جہنم کے ابدی عذاب میں گرفتار۔ بے شک وہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں اللہ لکھ چکا لوح محفوظ میں کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول حجت کے ساتھ یا تلوار کے ساتھ۔ بے شک اللہ قوت والا عزت والا ہے۔

قارئین کرام! قرآن حکیم کے اسلوب بیان و طرز ادا پر توجہ فرمائیے تو جگہ بہ جگہ آپ کو یہ بات نظر آئے گی کہ فریق مومنین کا تذکرہ پہلو بہ پہلو ہے۔ جہاں مومنین کا ذکر ہے وہیں کافروں کا بھی تذکرہ ہے۔ اسی طرح حزب الشیطان اور حزب اللہ کی متضاد اور مابہ الامتیاز صفتوں کا ذکر بھی نظر آئے گا۔

ان آیات کی روشنی میں اگر اسلامی تاریخ کا بہ نظر غایر مطالعہ کیا جائے تو آپ کو رزم گاہ عقاید میں دونوں گروہ اپنے اوصاف کے ساتھ برسرپیکار نظر آئیں گے۔ اس تاریخ کا کما حقہ، تذکرہ صدی بہ صدی کے ساتھ تحریر کرنا اس مختصر سے مقالہ کے لئے ممکن نہیں اسلئے محض تمہید اور مقصد اصلی کے ربط کی خاطر ایک اجمالی خاکہ اپنے ذہن میں مرکوز فرمایئے۔

(۱) بنی امیہ کے امراء و حکام کی بدعتوں نے جب اپنے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کئے اور اسلام کی مستقیم شاہراہ غبار آلود ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو ان بدعتوں کی تغیر و ازالہ کے لئے سربراہ خلافت کیا۔ جنہوں نے لوگوں کو صحیح کتاب و سنت و منہاج نبوت پر قائم کرنے کی کوشش کی اس لئے اس مقدس خلیفہ کو اسلام کا پہلا مجدد مانا جاتا ہے۔

(۲) خلق قرآن کے فتنہ کے وقت حضرت امام احمد بن حنبل کی جاں نثاریاں قربانیاں پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر طرح کی رسوائیوں کا برداشت کرنا اظہر من الشمس ہے۔ احیائے سنت و عقیدۂ اہل سنت کی مزاحمت و دفاع میں ان کے ایمان افروز اقدام کو کبھی داستان کہن سمجھ کر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) جب یونانی فلسفہ کے تراجم عربی زبان میں ہوئے اور ان ترجموں نے مسلمانوں میں بے جا عقلیت کا جنون پیدا کر دیا پھر اسی جنون کی رو میں فرقہ معتزلہ پیدا ہوا تو اس کے ازالہ کے لئے حجۃ الاسلام امام غزالی کی بیش بہا تصنیفیں حمایت حق ہی کی خاطر عالم وجود میں آئیں جس سے دنیا پوری طرح واقف ہے۔

(۴) جب تیمیائی (ابن تیمیہ کی) اعتقادی بدعتوں کا شگوفہ چھوڑا گیا تو اس کے ازالہ کے لئے اس وقت کے علمائے حق نے سیف لسان وقلم دونوں کو حرکتیں دیں چنانچہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام اس سلسلہ میں بہت بلند ہے اور ان کی تصنیف "شفاء السقام" معرکۃ الآراء ہے۔

(۵) سرزمین ہند میں جب الف ثانی (دوسرے ہزار) کے آغاز میں اکبری فتنہ دین الٰہی کا آغاز ہوا تو اس سلسلہ میں امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی نے جو لسانی اور جنانی جنگیں کی ہیں ان کی یاد تازہ ہے۔ اور یہ ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

چودھویں صدی کا عہد

مندرجہ بالا تاریخی حقائق کی روشنی میں اب چودھویں صدی کے عہد کا یعنی تیرہویں صدی کے دور آخر اور چودہویں صدی کے دور اولیں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیجئے۔ اس عہد میں ہندوستان کی سیاست کا مقام کیا تھا۔ مسلمانوں کی دینی حالت کیا تھی ان کی اقتصادی حالت رو بہ زوال تھی یا رو بہ ترقی۔ اس دور میں اسلامی عقائد کس نہج پر تھے نت نئے بدعی عقاید اور کفری خیالات اشاعت پذیر ہو رہے تھے یا نہیں۔ ان امور پر غور و فکر کیا جائے۔

مثل مشہور ہے "الاشیاء تعرف باضدادھا" چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ اس قاعدہ کے مطابق اس عہد کے پس منظر کو جاننا اور اس کے گرد و پیش کا مطالعہ کرنا بے حد ضروری ہے۔

ہندوستان سے مغل حکومت کا اختتام اور اسکے بدلے انگریزی تسلط کا آغاز کچھ عرصہ قبل ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ انقلاب حکومت اپنی آغوش میں بہت سے فتنوں کو دبائے ہوئے رونما ہوتا ہے۔ ذرا ان فتنوں کا مختصر خاکہ ملاحظہ کیجئے۔ سب سے پہلا فتنہ نیچریت کا بنام اسلام رونما ہوا۔ یہ فتنہ کلی طور پر دبا بھی نہیں تھا کہ نیچریت کے بطن سے ندویت پیدا ہوئی۔ یہ فتنہ ایسا دل نشیں و دل فریب تھا کہ اچھے اچھے اپنے وقت کے سنی علما بھی اس کے فریب میں آگئے۔ اسی کے ساتھ وہابیت و نجدیت کے عقیدہ کو زیب گلو اور تاج سر بناتے ہوئے دیوبندیت کے فتنہ نے سر اٹھایا۔ دیوبندیت کے فقہی و اقتصادی نظریات کے بل بوتے پر قادیانیت نے نئی نبوت کی ترویج و اشاعت شروع کر دی۔ گویا یہ زمانہ بد عقیدگی کے احزاب کا زمانہ بنا ہوا تھا العیاذ باللہ جس طرح دار ایمان شہر مدینہ پر احزاب کفار نے جنگ مسلط کر دی تھی اسی طرح ہندوستان میں شریعت مدنیہ پر اس احزاب کفر نے حملہ بول دیا تھا، مگر بعونہ تعالیٰ احزابی جنگ میں سرکار فاتح رہے، اسی طرح شریعت بنویہ علیٰ صاحبہا التحیۃ اعلیٰحضرت کے بدولت مظفر و منصور رہی۔ یہ زمانہ اکابر علماء سے خالی نہ تھا۔ اور اس عہد میں دینی و سیاسی و ملی فتنے جو مختلف انداز سے سر اٹھائے ہوئے تھے ان کی سرکوبی جزوی طور سے بعض علمائے کرام نے بھی کی لیکن ہر محاذ فتنہ پر غریمانہ قوت قلبی کے ساتھ نبرد آزما ہونے والی ذات تنہا اعلیٰحضرت فاضل بریلوی ہی کی تھی۔ خالق کائنات نے بے شک و شبہ اعلیٰحضرت ہی کے حصہ میں یہ نعمت عظمیٰ مقسوم فرمائی تھی۔ یوں تو سرزمین عرب میں زین الحرم شیخ الاسلام علامہ سید دحلان اور علامہ شامی وغیرہم نے اہل نجد کی سرکوبیاں فرمائی تھیں لیکن سرزمین ہند میں تمام فتنوں کا مقابلہ اور تمام بے دین جماعتوں کی سرکوبی اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی۔

امام احمد رضا

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت باسعادت ۱۰ / شوال ۱۲۷۲ھ کی مقدس تاریخ میں ہوئی سرزمین ہند میں بریلی شریف کا مقدس خطہ آپ کے منصۂ شہود میں آنے کی منزل قرار پایا۔ آپ نے ۱۲۸۶ھ میں علوم مروجہ درسیہ سے فراغت حاصل کی اور مسند افتاء پر بیٹھائے گئے۔ اس دن سے ان کی زندگی کا اگر ایماندارانہ جائزہ لیا جائے تو ان کا مجدد کامل

ہونا ہر نیم روز کی طرح ظاہر و آشکارا ہے۔ آپ کی تقریری و تحریری جامعیت، علوم حقّہ کی فراوانی، آپ کی مدافعانہ و مصلحانہ تصنیفات، ہر فتنہ اور ہر محاذ سے مقابلہ کے لئے آپ کی عزیمانہ شان، کتابوں کے لاکھوں صفحات پر آپ کے علمی شاہکار، تقریباً تمام اہم اور مفید عنوانات پر آپ کے علمی رسایل اور جملہ فنون پر آپ کی تصنیفیں و تشریحیں ہر اہل علم پر اس بات کو واضح و آشکارا کرتی ہیں کہ خلّاقِ کائنات نے جامع علوم و فنون بنا کر خاص خدمت دینی ہی کے لئے آپ کو منتخب فرمایا تھا اور ان تمام خوبیوں کا جامع ہی مجدّد وقت کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہے۔

مجھے پیشِ نظر مقالہ میں صرف اسی عنوان پر بحث مقصود ہے کہ اعلیٰحضرت کے عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی جو تعلیمی تہذیبی، ملّی اور سیاسی حالت تھی اور مسلمانانِ ہند جس بحرانی کیفیت سے دوچار تھے۔ ایسے عالم میں اعلیٰحضرت کا موقف کیا رہا اور مسلمانوں کی صحیح رہ نمائی مجدّدانہ انداز میں کسطرح فرمائی۔ کیونکہ یہ امر اعلیٰحضرت کی تصنیفات سے بخوبی واضح ہے کہ نیچریت، ندویت، قادیانیت، وہابیت اور دیوبندیت کے فتنوں کا ازالہ انتہائی محققانہ انداز میں فرمایا گیا ہے۔

اس لئے مجھے ان عنوانات سے مفصل بحث مقصود نہیں۔ جو عنوان مقصود بحث ہے۔ اس پر بھی اعلیٰحضرت کا رسالہ "المحجۃ المؤتمنہ فی آیات الممتحنہ" موجود ہے جس کی اشاعت ہو چکی ہے اور اعلیٰحضرت نے اس ضمن میں بھی جس عزیمانہ شان سے صحیح فیصلہ اور درست رہ نمائی فرمائی ہے ـ وہ اپنی مثال آپ ہے۔

اعلیٰحضرت کی قومی وسیاسی خدمات

اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ کی چومکھی بیدینی کا عزیمانہ مقابلہ کیا چاہے یہ بے دینی سیاست کے روپ میں اُبھری ہو چاہے مذہب کے نام پر ہو یا اصلاح قوم و ملّت کے نام پر۔ نیچریت کے سلسلۂ رد میں جو کچھ آپ نے لکھا وہ بھی محفوظ ہے اگرچہ نگاہوں سے اب اوجھل ہے۔ "صمصام حسن" کے یہ چند اشعار سماعت فرمائیے۔ جس کو خود اعلیٰحضرت نے اپنے رسالۂ مبارکہ "المحجۃ المؤتمنہ فی آیات الممتحنہ" میں نقل فرمایا ہے۔ یہ رسالہ اپنے مضامین و مباحث میں بے نظیر ہے۔ اور تصانیف کی دنیا میں شاہکار رہے۔

نیچریوں کا رد

نیچریاں راست خدا در کمند ؎ نیچر و قانوں و را پائے بند
سر نتواند کہ زنیچر کشد ؎ خط بہ خدا تیش سنیچر کشد
کیست سنیچر سی دالیس آئی ست ؎ گول بکول آمدہ نیچر پرست
چوں شدہ استارۂ ہند آل دغل ؎ نحس و بلند آمدہ ہمچوں زحل
عرش و فلک جن و ملک حشر تن ؎ مارد جاں جملہ غلط کرد و ظن
کیست نبی پُر دلِ پُر جوش گو ؎ وحی چہ باشد سخن جوش او
برزدہ برہم ہمہ از اصل و فرع ؎ دین نو آورد و نو آورد شرع
ریش حرام ست و دُم فرقِ فرض ؎ حج سوائے انگلینڈ بود قطع ارض
گفت بیا قوم شنو قوم من ؎ ہیں سوئے اعزاز بدُوْ قوم من
ذلت تا دین مسلمانی ست ؎ وائے برانکس کہ نہ نصرانی ست

رسالۂ مذکورہ میں اشعار مزبورہ کے پہلے مصنف علیہ الرحمہ والرضوان نے اس اعتراض کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حضرات انگریزوں کی خوشی کے لئے کیسے ایما سے تحریک خلافت کی مخالفت میں دینی فتوی دیکر مسلمانوں کو بہکا رہے ہیں۔

" انصاف کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کے خوش کرنے کو معاذ اللہ مسلمانوں کا تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا یا ان اہل باطل نے مشرکین کے خوش کرنے کو صراحۃً کلام اللہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا مسلمان کو خدا لگتی کہنا چاہیئے۔ کلام الٰہی و احکام الٰہی بیان کئے یہ تو ان کے دھرم میں انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوئے وہ جو پیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اونچی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رونے بیٹھے ہیں۔ کیا اس کا رد علمائے اہل سُنّت نے نہ کیا وہ کس کے خوش کرنے کو تھا۔ کیا بکثرت رسائل و مسایل اس کے رد میں نہ لکھے گئے۔ حتیٰ کہ اسکے بچے ندوے کے رد میں پچاس سے زاید رسایل شائع کئے جن میں جابجا اس نیم نصرانیت کا رد بلیغ بھی ہے۔ یہ کس کے خوش کرنے کو تھا۔

اب ندوہ کے بارے میں رد کے اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ندویاں کیں جلوہ در اسپیچ و لکچر می کنند ؛ چوں بہ سنت می رسند آں کار دیگر می کنند
بخت و رخت تختِ دیں ہیں جلوہ با صد رش بر آں ؛ پادری و سکاٹ ماسٹر برادر می کنند
ساز و ناز عالماں ہیں نظم بزم دیں بدیں ؛ منبر و اسٹیج ڈکٹ ہال و کلب گرمی کنند
مفت مفتی یافت ایں عزت کہ او را ہمنشیں ؛ بااماں جج و ہم جنٹ و کلکٹر می کنند
زیں سگا لشہا چہ نالشہا کہ خود ایں مرکشاں ؛ داور داد ار را بر ٹش گورنر می کنند

اس کے بعد وہ دل افروز ایمان انگیز روح پرور عبارت ملاحظہ کیجئے جس سے اعلیٰحضرت کی سیاسی بصیرت اور سیاسی موقف و غیاد و نیز مسلمانوں کے مسایل تعلیم کے متعلق ان کی رائے و اصلاح ہویدا و آشکارا ہوتی ہے۔ اور آج اس کی صحت و استقامت ہر اسلامی درد رکھنے والوں کے نزدیک مسلّم ہے۔

انگریزوں کی تقلید و فیشن وغیرہ سے آزادی اور دہریت و نیچریت سے نجات بہت دل خوش کن کلمات ہیں خدا ایسا ہی کرے مگر صرف ترک امداد و الحاق سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس آگ کو بجھانے سے ملیں گے جو سید احمد خاں نے لگائی اور اب تک بہت سے لیڈروں میں اس کی لپٹیں مشتعل ہیں۔ انگریزی اور وہ بے سود و تضیع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا کہ انہیں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو اور وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا؟ جیسا کہ عام

طور پر مشہود و معہود ہیں جب تک یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم و تکمیل عقاید حقہ و علوم صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں۔ دہریت و نیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے کیا لیڈر ان اس میں ساعی ہیں ہرگز نہیں صرف امداد و الحاق ترک کراتے ہیں جو ظاہری تعلق ہیں اور تعلیمات کے گہرے تعلقات نہ چھڑاتے ہیں نہ چھوڑیں گے۔ کیا انہیں میں نہیں وہ لوگ جن سے پوچھا جاتا کہ صاحبزادوں کو قرآن نہ پڑھایا تو جواب دیتے کیا ان سے رسوم کے چنے پڑھوانا ہے۔ کیا اب یہ جواب نہ دیں گے کہ پرانے علم سیکھ کر کیا کھائیں کیا انہیں شبلی کے شعر بھول گئے۔ ؎

سیارے ہیں اب نئی چمک کے ؞ وہ ٹھاٹ بدل گئے فلک کے
اب صورتِ ملک و دیں نئی ہے ؞ افلاک نئے زمیں نئی ہے
سب بھول گئے ہیں یا سبق کو ؞ گردوں نے الٹ دیا ورق کو
القصہ یہ بات کی تھی تسلیم ؞ یعنی کہ علوم نو کی تعلیم
تدبیر شفا جو ہے تو یہ ہے ؞ اس دکھ کی دوا جو ہے تو یہ ہے
تقویمِ کہن سے ہاتھ اٹھائیں ؞ تہذیب کے دائرے میں آئیں
سیکھیں وہ مطالبِ نو آئیں ؞ یورپ میں جو ہو رہے ہیں تلقین
وہ گنج گراں دانش و فن ؞ وہ فلسفہ جدید بیکن
کیپلر کی وہ نکتہ آفرینی ؞ نیوٹن کے مسائل یقینی

اور بہ فرض غلط ایسا ہو بھی تو اکثر لیڈر کہ انہیں تعلیمات فارغہ کے بل پر لیڈر بنے کس مصرف کے رہیں گے جب وہ مردود و خود مطرود کیا اس وقت یہ شعر حالی ان ترجمان نہ ہوگا۔

جو کوئی قلی ہو تو کچھ کام آئے ؞ مگر ان کو کس مد میں کوئی کھپائے

نصاریٰ کی یہ غلامی کہ پیر نیچر نے تھامی لیڈر جس کے اب زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی اس کے نتائج تشبہ وضع و تحقیر شرع و شیوعِ دہریت و فروغ نیچریت مطابقی نہ تھے بلکہ التزامی اب اگر بعد خرابی بصرہ آنکھیں کھلیں اور اسے چھوڑنا چاہتے ہوں مبارک ہو اور خدا سچ کرے اور راست لائے۔

اقتباسات بالا کو غور سے مطالعہ فرمائیے صاف مسلمانوں کو اقتصادی، تعلیمی و سیاسی موقف کی صحیح ترجمانی ہے۔ انگریزوں سے مال نہ لینا اور اپنا مال انہیں دینا کیا یہ بات اقتصادی طور پر مسلمانوں کو مفلوج کرنے کی نہیں تھی۔ ایسی تعلیم جس سے مسلمان مسلمان ہی نہ رہے اور اپنے دین کی طرف سے بالکل اندھا بہرا بن جائے کیا یہ تعلیم دین کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے صحیح ہو سکتی ہے۔ اس لئے ایسی تعلیم کے مفاسد کو بیان کر کے اعلیحضرت نے اس کی جگہ صحیح تعلیم کی تلقین فرمائی جس سے مسلمان مسلمان رہتے ہوئے سیاسی میدان کو جولان گاہ بنائیں کوئی مضائقہ نہیں۔ جائز تمول سے کوئی حرج نہیں مسلمان رہتے ہوئے سریر آرائے سلطنت ہو جائے تو زہے علیٰ نور مگر دین سے یک لخت ہاتھ دھو کر بادشاہ وقت ہو جائے۔ قارون جیسا سرمایہ اکٹھا کر لے، الحادی تعلیم کی اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر لے دنیا کے اعتبار سے یہ چیزیں لاکھ دیدہ زیب یا دل فریب ہوں مگر عند اللہ پر کاہ سے بھی کمتر و بے وزن ہے۔ اعلیحضرت نے اسی صحیح بنیاد کو ہر محاذ پر پیش کیا۔ میں نے تو مختصر سا اقتباس پیش کیا ہے۔ آیاتِ ممتحنہ والا رسالہ اہل اسلام از اوّل تا آخر غیر جانب دارانہ مطالعہ کریں تو صاف نظر آئے گا کہ اعلیحضرت کی چاہت مسلمانوں کی دنیادی و دینی امور میں بالکل وہی رہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام پاک اور اس کے حبیب صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چاہت رہی ہے۔ سرِ مو بھی شریعت کا خلاف کہیں بھی نظر نہ آئے گا ـــ ایک اقتباس صفحہ ۱۶ سے اور نقل کر رہا ہوں اسے بھی زینت نگاہ بنائیں۔ "اور تعلیم دین کے لئے گورنمنٹ سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالفتِ شرع سے مشروط اور نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفعِ بے غائلہ ہے جس کی تحریم پر شرعِ مطہرہ سے اصلا کوئی دلیل نہیں۔ دین پر قائم رہو مگر دین میں زیادت نہ کرو کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سلاطینِ کفار کے ہدایا قبول نہ فرمائے۔ جو وجوہ شناعت آپ نے اُن مدارس میں لکھیں کہ امورِ مخالفِ اسلام حتی کہ توہین حضور سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام کی تعلیم داخل نصاب ہے۔ بے شک جو اس قسم کے اسکولوں یا کالج ہوں ان میں نہ فقط اخذ امداد بلکہ تعلیم و تعلم سب حرام قطعی بلکہ مستلزم کفر ہے۔

... کیا لیڈر صاحبان فہرست دکھائیں گے کہ ان برسوں کی مدت اور لاکھوں روپیوں کی اضاعت میں اتنا فائدہ مرتب ہوا۔ انہوں نے نوکریاں چھوڑیں۔ انہوں نے تجارتیں، انہوں نے زمینداریاں۔ طرفہ یہ کہ ان کے خون گرم حامی ہمدم و محرم۔ اخبارات اس ترک تعاون پر بڑے بڑے زور لگا رہے ہیں خود اپنے اخبارات و مطابع کیوں بند نہیں کرتے، ان صیغوں کو تو انگریزوں سے جو گہرے تعلقات ہیں دوسرے صیغوں کو کم ہوں گے کیا اوروں کے لئے شور و فغاں اور اپنے لئے نوش جاں ......

حیرتے دارم ز دانش مند مجلس باز پرس ؞ توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سر کا ...... جو ابھارنے میں آ گئے ان مصیبت زدوں پر جو گذری گذری یہ سب اپنے جورو بچوں میں چین سے رہے۔ ہرا لگا نہ پھٹکری اور ترک تعاون میں بھی کیا کسی لیڈر کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں نہ ان کا کوئی انگریزی ریاست میں ملازم ہے پھر انہیں کیوں نہیں چھوڑتے ....

غور کیجئے اعلیحضرت کی دینی و سیاسی بصیرت کا یہ عالم تھا۔ آخر جب اس حقیقت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو خود ان رہنماؤں نے محسوس کیا اور اس سے نکلنے لگے اور بچاؤ کی دوسری راہیں اختیار کرنے کے لئے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ خیر کچھ تو بچاؤ کیا اور بچے بھی لیکن کلی طور سے مسلمان ہر محاذ میں شکست خوردہ رہے

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم ؞ کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اختتام مقالہ پر تتمہ و ضمیمہ کے طور پر چند اہم ضمنی باتیں گوش گذار ہیں آپ حضرات

کی توجہ درکار ہے۔

(۱) سورۂ مایدہ شریف کی آیتوں کے مضامین میں جن محبوبان خدا و محبان الٰہ کے ظہور کی پیشن گوئی فرمائی گئی ہے۔ اس کا مکمل مصداق اعلیٰحضرت کی کریمانہ و مترامض ذات موصوف باعلیٰ صفات بھی ہے آپ کی حیات طیبہ کے قولی، عملی، تبلیغی کارنامے اس حقیقت کے شاہدانِ عدول ہیں خصوصًا (لایخافون لومة لائم) کے پیکر تھے۔ اظہارِ حق کے وقت ان کے دل میں خوف خدا و ہیبتِ رسالت کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ شریعتِ غرّا کے مقابلہ میں اُن کا نہ کوئی اپنا تھا نہ کوئی پرایا، نہ یگانہ تھا نہ بیگانہ، نہ رشتہ تھا نہ کنبہ، نہ ہم خیال نہ مخالف، نہ پیر بھائی تھا نہ استاد بھائی "اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَ الْبُغْضُ فِی اللّٰہِ" کی شرابِ معرفت زیب درجام دل تھی۔ انکار کے وقت حضورِ رب و شہودِ محبوبِ رب کے سوا ان کی نگاہوں کے سامنے کسی اور کی تصویر نہیں ہوتی تھی۔ محض رضائے خدا کی خاطر خدمتِ دین کا مشغلہ تھا اور کسی غرض ذاتی یا دنیاوی مفاد کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ تھا۔ اس ہنر و خوبی کے اعتراف کے بجائے دشمنِ دین و ایمان اسی کو اعلیٰحضرت کے لئے معائب و مطاعن کے طور پر استعمال کرتے ہیں کہ یہ سب کو العیاذ باللہ کافر کہتے ہیں۔ نہ پیر بھائیوں کو چھوڑا، نہ ہم خیال علماء کو بخشا۔ نہ متصوفوں کو نظر انداز کیا پھر ہم کس گنتی میں ہیں —

حالانکہ یہی ان کا ایمان کمال گواہی دے رہا ہے کہ آنجناب کو کسی سے ذاتی پرخاش نہ تھی نہ دنیاوی کدورت دغل دغش تھی۔ بلکہ بلا کم و کاست در و رعایت بیان شریعت ان کا کام تھا جس کی زد میں جو بھی آئے سو آئے مگر شریعت پر ضرب نہ آنے پائے اگر ایسا نہ ہوتا تو البتہ دیوبندی حضرات کہتے کہ دیکھئے میرا اور فلاں کا جرم ایک ہے لیکن ہماری تکفیر کی۔ فلاں صاحب ان کے ہم عقیدہ و ہم خیال تھے اس لئے ان کی تکفیر نہیں کی یہ دو رنگی محض اغراض دنیاوی کی بنا پر ہے —

(۲) سورہ مجادلہ شریف نے فرمایا۔ اہل ایمان کا یہ حال نہ پاؤ گے کہ جو مخالفین خدا ہیں ان سے یارانہ، دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ اگرچہ ان کے باپ، بیٹے بھائی کنبے ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں۔ یہی ہے جن کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا گیا ہے۔ اور "روح" سے ان کی تائید کی گئی ہے یہی اللہ تعالیٰ کے گروہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی بامراد و کامیاب ہے" (مفہوم)

اس آیت کے مفہوم کی قبا بھی اعلیٰحضرت کے ایمانی قدِ زیبا پر زیب دے رہی ہے۔ آپ کی زندگی سے حزب اللّٰہی شان و حزب اللّٰہی کامیابی نمایاں ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر بھی لمحہ بھر کے لئے بھی کسی دشمن خدا سے مودت، رافت، مداہنت کی بو تک آنے نہیں دی سیاسی معرکہ ہو تمدنی مسئلہ ہو، فقہی فتویٰ ہو، کلامی گفتگو ہو، قومی و ملی بہی خواہیوں کا تقاضا ہو ہر محاذ پر دشمنان دین سے صف آرا پائیں گے۔ مگر "حزب الشیطین" سے کہیں دوستانہ مراسم کا نام و نشان بھی نظر نہ آئے گا صرف بالانصاف اہل ایمان کو اتنی سی زحمت گوارا کرنی ہوگی کہ آیا سورہ مجادلہ شریف کی مذکورہ آیت کے مضمون کا انطباق اعلیٰحضرت کی حیات طیبہ پر ہوتا ہے یا نہیں۔ محنت کش طالب حق کا اپنی طلب کے اختتام پر حرف ایک جواب ہوگا۔ ضرور ضرور انطباق ہے اور کامل انطباق ہے جس میں ذرا بھی خلا نہیں۔

سیاست اور اسلام

(۳) مشکوٰۃ شریف۔ باب الامارۃ صفحہ ۳۲۰ میں یہ حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
کَانَتْ بَنُو اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ وَ اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ۔ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ فُوْا بِبَیْعَۃِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْھُمْ حَقَّھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ سَائِلُھُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاھُمْ متفق علیہ۔

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے انبیائے کرام ہی کے ہاتھ میں نبی اسرائیلیوں کی سیاست تھی جب جب ایک نبی پردہ فرماجاتے تو دوسرے نبی صلی اللہ علی نبینا وعلیہ ان کے جانشین ہوتے (اسی طرح تمہاری سیاست میرے ہاتھ ہے) میرے بعد چونکہ بہ تحقیق کوئی کسی قسم کا نبی نہیں ہے اس لئے میری روپوشی کے بعد میرا جانشین کوئی نبی نہیں ہوگا۔

بلکہ خلفاء ہوں گے اور بکثرت مدعیان خلافت ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا ایسے وقت میں ہمارے لئے کیا حکم ہے حضور نے جواب دیا پہلے خلیفہ کی بیعت پر قائم رہنا پھر اسکے بعد جو اوّل ہے۔ اس کے زیر بیعت رہنا ترتیبی سلسلہ یہی برقرار رہے۔ ان خلیفوں کا حق تم ادا کرنا خلفاء سے اللہ تعالیٰ باز پرس کرے گا کہ انہوں نے لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

اس حدیث کی نقل کا مقصد صرف اتنا ہے کہ نئی تعلیم و جدید روشنی والے مسلمان جو بزعم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں دین الگ ہے۔ اور سیاست الگ اور علماء سیاست کیا جانیں یہ تو ہمارا پیدائشی حق ہے۔ وہ اپنے اس باطل عقیدہ و خیال سے توبہ کریں اور اپنا خیال درست فرمائیں۔

انبیائے کرام دین حق کے ساتھ مبعوث ہوتے ہیں اور دین کے جملہ شعبوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ سیاست اہم شعبۂ حیات ہے۔ اور اسکے نتائج و فواید نہایت ہی دور رس ہوتے ہیں اسلئے نتیجہ بخش فائدہ رساں صحیح سیاست وہی ہے جو انبیاء کرام کی ہے۔ دین حقہ کی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انبیائی سیاست کو وہ اعلیٰ و مکمل مقام بخشا ہے۔ جو سیرت داں حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے علمائے حق ہی وارث رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کی بنا پر وارث سیاست اسلامی بھی ہیں۔

اور نفاذ سیاست کا اصل حق بھی انہیں کا ہے۔ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کے ناشرین علما، ہر دور میں گذرے ہیں۔ چودھویں صدی میں سرکار طیبہ کے وارث علم وسیاست اعلیٰ حضرت بھی تھے اس حقیقت پر آپ کی صدہا تصنیفیں گواہ ہیں۔ خاصکر رسالہ المحجۃ المؤتمنہ خاص اسی موضوع پر بے نظیر کاوش نگارش ہے۔

(۴) بہت سے معاندین یہ بھی کہتے ہیں کہ اعلیٰحضرت نے تکفیری مشغلہ اتنا بڑھایا اور اس میں بہت زیادہ وقت صرف کیا اس سے قوم وملت کو کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس کا جواب وہ حدیث کریمہ ہے جو حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

واللہ لان یہدی اللہ بک رجلا واحدا خیر لک من ان یکون حمر النعم رواہ البخاری ومسلم عن سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

خدا کی قسم بے شک یہ بات کہ اللہ تیرے سبب سے ایک شخص کو ہدایت دے تیرے لئے سرخ اونٹوں کے مالک ہونے سے بہتر ہے۔ یہ حدیث بخاری ومسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ۱۲

یعنی کوئی دنیا کی دولت بٹورنے میں لگا ہے اسکو اس کی پرواہ اور کچھ مطلب نہیں کہ گمراہی دبے دبیخ گیا ہے اور اسلامی صراط مستقیم کیا ہے۔ اور اسکے برعکس اہل ایمان اپنی پوری توانائی اس جدوجہد میں نچوڑ دے کہ کس طرح لوگ راہ راست پر آجائیں۔ اس کی وجہ سے ایک بھی ہدایت یاب ہو گیا تو یہ آخرت کے اعتبار سے زیادہ فائدہ میں رہا اور پہلا چند روزہ متاع دنیا کی لذتوں کے بعد برابر گھاٹے وخسارت میں رہے گا۔ اعلیٰحضرت کی بروقت حق گوئی حق بینی حق نویسی نے نہ معلوم کتنے لوگوں کو گمراہی سے بچالیا اور کتنے کج رو صراط مستقیم پر گامزن ہوگئے اور اگر ایک ہی ہدایت یاب ہوئے ہوں تو اعلیٰحضرت کے حق میں بشارت کبریٰ ہے اگر بالفرض کوئی بھی راہ حق قبول نہ کرتا تو اس میں بھی اعلیٰحضرت کا کیا نقصان کیا حدیث شریف میں نہیں آیا کہ بعض نبی کریم پر ان کی امت کا ایک فرد بھی ایمان نہیں لایا۔

سیاست اور اعلیٰ حضرت

(۵) اصل حقیقت اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی ہے کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ایک حقانی، ربانی عالم باعمل کا فریضہ ہے کہ وہ علوم شرعیہ وحقہ کا اظہار کرے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ بدعات کا شیوع ہو اور لوگ شریعت کی تبدیل کے درپے ہوں چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ:۔

اذا ظہرت الفتن او قال البدع فلیظہر العالم علمہ ومن لم یفعل ذالک فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا۔

جب فتنے یا فرمایا بدمذہبیاں ظاہر ہوں تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت۔ اللہ اس کا نہ فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

اس حدیث کے مضمون کے مطابق ہمیشہ علمائے اہل سنت نے ہر بدعی عقاید و اعمال سیاست و معاملات کے ظہور کے وقت کتاب وسنت کی تیغ برہنہ بن کر ازالۂ منکر کے لئے ہمہ تن مصروف ہوتے آئے ہیں یہی فریضہ اپنے زمانہ کے بدعی عقیدوں عملوں سیاستوں کے ظہور کے وقت اعلیٰحضرت نے بھی انجام دیا۔

اسلام میں ازالۂ منکرات ہی کے لئے جہاد کی تعلیم دی گئی ہے۔ زمانے کے لحاظ سے اس جہاد کی تین قسمیں ہیں (۱) سنانی: یہ قسم امام یا بادشاہ کی زیر قیادت ہی ظہور پذیر ہو سکتی ہے۔ ہر شخص اس فرض کے ساتھ مامور نہیں۔

(۲) لسانی:۔ یعنی زبان وقلم سے ازالۂ منکر کا حق ادا کیا جائے۔ یہ کام بحمد اللہ تعالیٰ خادمین شریعت ہمیشہ سے کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد شامل حال رہی تو دم آخر تک کریں گے۔ اسی جہاد لسانی کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے اعلیٰحضرت نے وہابیہ، نیاچرہ، دیابنہ، قادیانیہ، غیر مقلدین ندویہ، آریہ، نصاریٰ وغیرہم کا رد فرمایا اور اس ازالۂ منکر پر سختی سے قائم رہے۔ اسی دینی فریضہ کا تقاضا تھا کہ اعلیٰحضرت نے ایک متحدہ سیاسی گمراہی سے بھی برسرپیکار ہوئے اور اس حق بیانی کے صلے میں بہت ایذائیں سہیں جن کو ان کی عزیمت نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

(۳) جنانی:۔ یعنی کفر و بدعت، فسق کو دل سے برا جاننا یہ قلبی جہاد ہر کافر، بدعتی اور فاسق سے ہر سچے مسلمان کو حاصل ہے۔ وہ ایسوں کو دل سے ضرور برا جانتے ہیں مگر جو نام نہاد مسلمان اسلام کو سلام کر چکا اور اپنے آپ کو کفار کا غلام بنا لیا اس کی راہ الگ ہے اس کا دین غیر دین خدا ہے۔

ہمارے ان معروضات کے دلایل اعلیٰحضرت کی لگ بھگ ہزار کے قریب تصنیفیں ہیں۔ اب تک جو زیور طبع سے مزین ہو چکی ہیں وہ بھی کم نہیں ہیں۔ میرا دعویٰ ہے ان کتابوں کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف، غیر متعصب، ایماندار اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ اعلیٰحضرت ہر آن سب سے بے نیاز اپنے رب کریم کے حضور، حضور قلب سے حاضر اور اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور میں محو۔ اہل دنیا کی ستائش وطعن اور نوش و نیش سے بالکل بے خبر ہے۔ اپنی ایک رباعی میں اپنی زندگی کا پاکیزہ صحیح نقشہ نگاہ عالم کے سامنے رکھدیا۔

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن :: نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وے :: جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

اسی رباعی پر اپنا ژولیدہ بیان و شکستہ تحریر ختم کرتا ہوں مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور میری مغفرت اور خلق کی ہدایت کا ذریعہ بنائے آمین ثم آمین۔

امام احمد رضا اور جنگِ آزادی

غازیٔ ملت مولانا سید محمد ہاشمی میاں صاحب
صدر آل انڈیا سنی لیگ

بھارت کی دھرتی پر انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنے والے اکثر و بیشتر سنی علمائے کرام ہی تھے اسی لئے برٹش سامراج دادیوں نے علمائے اہلسنت کو جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی تکلیفیں پہونچائیں جسمانی تکلیف جیلوں میں بھر کر اور پھانسی کے تختے پر لٹکاکر ——— اور روحانی تکلیف اپنے زر خرید مولویوں کے ذریعہ شرک و بدعت کے فتوے لگواکر ——— اس وقت علمائے اہلسنت کی قیادت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کے ہاتھ میں تھی اور قدرت نے انھیں دو ایسی بڑی صفتیں عطا فرمائی تھیں جسکے بغیر تکمیل انسانیت ممکن نہیں علم اور عقل ——— غیر معمولی علم اور بے پناہ معقولیت کے حسین امتزاج کا نام ہے علامہ فضل حق ——— چنانچہ علامہ نے ایک ہی وقت میں دونوں کی خبر لی۔ فرنگی سامراجیت کی بھی اور شرک فروش شریعت کی بھی

غدر ۱۸۵۷ء میں جب دیگر مکاتب فکر کے علماء گوشۂ عافیت ڈھونڈ رہے تھے۔ بلکہ بعض انگریزوں کی خوشامد کر رہے تھے ٹھیک اسی وقت علمائے اہلسنت بھارت کے ماتھے پر لگے ہوئے غلامی کے داغ کو دھو رہے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ علامہ فضل حق نے ہی انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کو منظم کرکے برطانوی سامراج کے قلعوں کی بنیادیں متزلزل کی تھیں اور آپ کے بعد جس قدر جماعتیں تنظیمیں اور انجمنیں انگریزوں سے برسرپیکار ہوئیں وہ سب علامہ کے نقوش قدم کی رہنمائی میں حضرت علامہ اور آپ کے تمام ساتھی سنی بریلوی علماء نے جب انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا، تو بعض شکم پروروں اور انگریز دوست مولویوں کے اشارے پر ان مجاہدین کو جیل کی کال کوٹھری میں بند کر دیا جاتا مگر جیل کی تاریک دنیا بھی ان خاصان حق کے عزائم میں کچھ رکاوٹ پیدا نہ کر سکی انگریزی اقتدار کی بیخ کنی میں حضرت علامہ نے جو مصائب برداشت کئے اگر پہاڑ پر ڈال دیئے جاتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ حضرت علامہ نے خود اپنے چشم دید واقعات و حالات اور اپنے مصائب و آلام کا تذکرہ اپنی گراں قدر تصنیف "رسالہ غدریہ" میں کیا ہے۔ جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے "الثورۃ الھندیہ" کے نام سے طبع کرایا۔ حضرت علامہ نے یہ کتاب بھارت کے پرامن جیل میں نہیں لکھی بلکہ جزیرہ انڈمان میں کالاپانی کی سزا کے دوران تحریر فرمائی۔ جبکہ ان کے پاس نہ قلم تھا نہ کاغذ کوئلے سے کپڑوں اور لکڑیوں پر تحریر کی گئی یہ کتاب بھارت کے سورماؤں اور ملک و ملت کی سالمیت کی خاطر جان دینے والوں کے لئے مشعل راہ ہے کتاب مذکور کے ترجمے سے پہلے جناب رئیس احمد صاحب نے جو تعارفی نوٹ تحریر فرمایا ہے ناظرین اسے ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا فضل حق خیرآبادی

مولانا فضل حق خیرآبادی یگانۂ روزگار عالم تھے عربی زبان کے مانے ہوئے ادیب اور شاعر تھے علوم عقلی کے امام و مجتہد تھے اور ان سب خصائص سے بالا ان کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ بہت بڑے سیاست داں مدبّر اور مفکّر بھی تھے۔ مسند درس پر بیٹھ کر وہ علوم فنون کی تعلیم دیتے تھے اور ایوان حکومت پر پہونچ کر وہ دور رس فیصلے کرتے تھے۔ وہ بہادر اور شجاع بھی تھے غدر کے بعد نہ جانے کتنے سورما اور رزم آرا ایسے تھے جو گوشۂ عافیت کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ لیکن مولانا فضل حق ان لوگوں میں تھے جو اپنے کئے پر نادم اور پشیمان نہیں تھے۔ انھوں نے سوچ سمجھکر میدان میں قدم رکھا تھا اور اپنے اقدام و عمل کے نتائج بھگتنے کے لئے وہ حوصلہ مندی اور دلیری کے ساتھ تیار تھے۔ سراسیمگی اور دہشت اور خوف یہ وہ چیزیں تھیں جن سے مولانا بالکل ناواقف تھے۔

مولانا کی شخصیت، سیرت، کردار اور علم و فضل پر ضرورت تھی کہ ایک مکمل کتاب لکھی جاتی لیکن وہ ایک زود فراموش قوم کے فرد تھے فراموش کر دیئے گئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد لوگ حیرت سے دریافت کریں گے کہ یہ کون بزرگ تھے؟

مولانا کے حالات وسائل کی کمی کے باوجود جو کچھ بھی مستند طور پر دریافت ہو سکے وہ مختصر طور پر درج کئے جاتے ہیں۔

آزادی میں علماء کا حصّہ

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک میں علماء نے نمایاں حصہ لیا۔ بقول ایک اہل قلم اور محقّق کے :-

مولانا فضل امام خیرآبادی صدر الصدور دہلی مفتی صدرالدین خان آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی منصف صدر امین کول دہلی، مولانا فضل رسول بدایونی سررشتہ دار کلکٹری صدر دفتر سہسوان مفتی عنایت اللہ گوپاموی قاضی دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد و مولانا مفتی لطف اللہ

دفتر سہسوان مفتی انعام اللہ گویا موٹی قاضی دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد و مولانا مفتی لطف اللہ علیگڑھی سررشتہ دار امین بریلی علامہ فضل حق خیرآبادی سررشتہ دار ریزڈنسی دہلی وصدر الصدور لکھنو ومہتمم حضور تحصیل اودھ مولوی غلام قادر گویا موٹی ناظر سررشتہ دار عدالت دیوانی وتحصیلدار گوڑگاؤں مولوی قاضی فیض اللہ کشمیری سررشتہ دار صدر الصدور دہلی وغیرہ یہ سب اپنے وقت کے بے نظیر وعدیم المثل اکابر علماء تھے حکومت کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں تھی مسلمانوں کو سلطنت کی بربادی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ موقع کا انتظار تھا ۱۸۵۷ء کا وقت آیا تو سب میں پیش پیش یہی حضرات تھے والیان ریاست وارکین دولت میں ناقوس حریت پھونکنے والے یہی تھے۔ عوام کو ابھارنا اور فتویٰ جہاد جاری کرنا انھیں کا کام تھا اور انقلاب ۱۸۵۷ء میں سب سے زیادہ مصائب اٹھانے اور آتش حریت میں جلنے والے یہی شمع شبستان آزادی کے پروانے تھے۔

سرسید احمد کا خراج عقیدت

سرسید احمد مولانا فضل حق کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

جناب مولانا مولوی فضل حق یہ خلف الرشید ہیں جناب مولانا فضل امام کے زبان قلم نے ان کے کمالات پر نظر کرکے فخر خاندان لکھا ہے۔ اور فکر دقیق نے جب ہر کار کو دریافت کیا فخر جہاں پایا جمیع علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہیں اور منطق وحکمت کی تو گویا انھیں کی محکمہ عالی نے بنا ڈالی ہے علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کرسکیں بار بار دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو یگانۂ روزگار سمجھے جب انکی زبان سے ایک حرف سنا دعویٰ کمال کو فراموش کرکے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔ (تذکرہ اہل دہلی۔ سرسید)

مجاہد اعظم مولانا سیّد کفایت علی کافی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ تحریک آزادی جانے والی وہ شخصیت تھی کہ مراد آباد کی سرزمین جن کے مقدس خون کو آجتک داد وفا دے رہی ہے۔ آپ مرادآباد کے معزز ترین سادات کرام کے خاندان میں پیدا ہوئے علوم عقلیہ ونقلیہ کے جلیل فاضل ہوکر شاعری میں یگانہ مقام حاصل کیا علم حدیث، فقہ اصول، منطق فلسفہ میں یگانہ ہر روزگار تھے۔ آپ کا نعتیہ کلام غزل کے پیرائے میں ہے۔ آپ نے قصائد سے گریز کیا کہ ان میں مبالغہ کی آمیزش ہوتی ہے۔ امام احمد رضاخان فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جب تحریک آزادی ہند شروع ہوئی تو گویا مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاشمی خون پہلے سے ہی جذبہ شہادت سے سرشار تھا۔ مولانا نے حوالی مرادآباد میں فرنگی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند فرمایا جدھر آپ کا رخ ہوا برطانوی سامراج کے پرخچے اڑتے گئے سلطان بہادر شاہ ظفر نے آپ کو بلایا اور جہاد کے مشورے لئے مولانا نے جنرل بخت خان شیخ افضل صدیقی شیخ بشارت علی خان، مولانا سبحان علی نواب، مجدالدین مولانا شاہ احمداللہ مدراسی کی معیت میں مختلف محاذوں پر انگریزوں کو شکستیں دیں رامپور اور مرادآباد کے اکثر معرکے سر کئے۔ بالآخر انگریزوں کے پٹھو کلاں فخرالدین اور بعض خائنوں کی سازش سے ۳۰ اپریل ۱۸۵۸ء مطابق ۶ رمضان المبارک ۱۲۷۴ھ مولانا گرفتار کرلئے گئے اور مرادآباد جیل سے متصل بر سرعام انگریزوں نے آپ کو تختہ دار پر لٹکایا پھانسی کے وقت مولانا مندرجہ ذیل اشعار بڑے ترنم وذوق سے پڑھ رہے تھے۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا۔
ہم صفیرو باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑجائیں گی سونا چمن رہ جائے گا
اطلس وکمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
سب فنا ہوجائیں گے کافی ولیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پہ سخن رہ جائیگا

دیگر ہمارے مجاہدین اکابرین کرام وعلماء وشہدائے تحریک آزادی ہند

(۱) مولانا عبدالجلیل شہید علیگڑھی

علیگڑھ میں پیدا ہوئے یگانہ روزگار عالم تھے بے شمار افاضل نے آپ سے پڑھا متقی عارف باللہ راہنما تھے تحریک آزادی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین نے انگریزوں کو علیگڑھ سے نکال دیا تو زمام قیادت آپ کے حوالے کی گئی دوبارہ انگریزوں نے چڑھائی کی تو دشمن سے مقابلہ میں بہت سے مجاہدین شہید ہوئے مولانا عبدالجلیل بھی ان شہداء میں حیات ابدی پا گئے۔ اوران بہتر شہداء کے ساتھ جامع مسجد علی گڑھ میں دفن ہوئے (۲) مولانا امام بخش صہبائی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۳) مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (۴) مولانا ڈاکٹر وزیرخان بہاری رحمۃ اللہ علیہ (۵) مولانا مظفر حسین کاندھلوی (۶) مولانا رضی الدین بدایونی۔

ان مفصل حالات کے لئے تواریخ انقلاب آزادی ۱۸۵۷ء پڑھئے۔

دوسرے سرفروشان ملک وملت سنّی بریلوی قائدین تحریک آزادی ہند

مفتی صدرالدین صاحب دہلوی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، منشی رسول بخش کاکوروی سید احمداللہ شاہ، جنرل بخت خان، مولانا لیاقت علی الہ آبادی، جنرل عظیم اللہ خان مفتی صدرالدین خان دہلوی۔ مولانا اعتقاد علی، مولوی امام بخش صہبائی، سید باقر علی صاحب ناظم محکمہ دیوانی، مولوی نورالحسن صاحب، سید مراتب علی صاحب، مولوی خواجہ تراب علی صاحب سید حسن علی صاحب مولوی رحمت علی صاحب مفتی ریاض الدین صاحب، مولوی غلام جیلانی صاحب، مولوی غلام مرتضیٰ صاحب مفتی رسول بخش صاحب، مفتی انعام اللہ صاحب۔ شیخ محمد شفیع صاحب، مومن علی صاحب باسط علی صاحب، محمد عظیم الدین صاحب محمد قاسم صاحب داناپوری، معین الدین صاحب مولانا کریم اللہ صاحب۔ صدر الصدور قاضی محمد کاظم علی صاحب، تاج الدین صاحب،

طفیل احمد خیر آبادی، مولانا غلام امام شہید، مفتی عبد الوہاب صاحب گوپا مئوی، ڈاکٹر وزیر خان صاحب، مولوی فیض احمد صاحب بدایونی، حضرت سید تراب علی شاہ صاحب سجادہ نشین تکیہ شریف کاکوروی، مولانا وہاج الدین مراد آبادی، نواب مجد والدین حافظ محمد عبد اللہ وغیرہ یہ اکثر حضرات جنھوں نے شمع حریت روشن کی سنی بریلوی صوفی اعتقاد درویش مسلک ہی تھے۔ مولانا فضل حق شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اس کارزار جہاد میں مرکزی اور قائدانہ حیثیت حاصل ہے وہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مذکور الصدر قائدین تحریک آزادی میں سے چند ایک کے متعلق مختصراً کچھ حالات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں ملاحظہ ہو۔

مجاہد اعظم مولانا سید احمد اللہ شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ

ع بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

تحریک آزادی ۱۸۵۷ء کے تمام مجاہدین علماء و مشائخ اکابرین علماء سنی بریلوی تھے۔ اور جب کہ سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل مدفون بالاکوٹ نے اپنی پیٹ پوجا کو مقدم رکھ کر انگریزی اقتدار قائم کرنے کے لئے ایک تحریک معاونت برطانیہ چلائی تو برطانوی اقتدار کے پرخچے اڑانے والے سنی بریلوی علماء کے اولوالعزم اکابر علمائے دین و قائدین آزادی راہنما ہی تھے جن میں سر فہرست شہید ملت شمع حریت مولانا شاہ احمد اللہ رحمۃ اللہ علیہ مدراسی کا اسم گرامی آتا ہے جنھوں نے تن من دھن سب کچھ ملک و ملت پر نثار کر کے بالآخر شہادت نوش فرما کر داخلِ جنت ہوئے ۱۲۰۳ھ میں بمقام چنیاپٹن تعلقہ پونا ملی ساحلِ دریائے شور متعلقات مدراس میں پیدا ہوئے آپ کے والد نواب سید محمد علی سلطان ٹیپو شہید کے عظیم مقرب و مصاحب اور چنیاپٹن کے مختار نواب تھے۔ مولانا احمد اللہ شاہ نے قابل افاضل و اساتذۂ عصر سے تمام علوم و فنون عربیہ اسلامیہ کی تکمیل کی اور متبحر عالم و یگانۂ روزگار اور متقی پرہیزگار رہبر ہوئے حیدر آباد یورپ کی سیاحت کی پھر حج سے مشرف ہوئے پھر جے پور میں حضرت قربان علی شاہ کے دست اقدس پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں سلوک طے کیا پھر ٹونک پہونچ کر جہاد کے جذبات پیدا کئے گوالیار میں پہونچ کر مشہور عارف پیر محراب شاہ قلندر سے خرقہ خلافت حاصل کیا انگریزوں نے غدر کیا علم جہاد بلند کر کے حریت کے پروانے اور تحریک کے قائد اعظم کی حیثیت سے بخت خان کے دست راست بن دہلی پہونچے انگریزوں کو چنے چبوا دیئے پھر آگرہ میں انگریزی استبداد سے ٹکرائے پھر کانپور میں برطانوی پرخچے اڑائے پھر لکھنؤ میں محاذ فتح کئے۔ پھر فیض آباد اور شاہ جہاں پور میں فرنگی سامراج کا ستیاناس کیا اور بالآخر باکمال عالم بے مثال مجاہد یگانہ روزگار پیر فاتح اعظم بطل جلیل میدان کارزار میں ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۷۵ھ کو جام شہادت نوش فرما گئے۔

تحریک آزادی کی تمام تاریخیں اس بطل جلیل کے مفصل کارناموں سے مزین ہیں اور ان نامراد مورخین پر سخت افسوس ہے جنھوں نے مولانا شاہ احمد اللہ کو ننگ دین ننگ وطن سید احمد بریلوی و مولوی اسماعیل کے عزائم کا تکمیل کنندہ لکھ کر یا ان سے تعلق دار بنانے کے لئے خواہ مخواہ ان غداروں کو مولانا شاہ احمد اللہ کے حالات میں گھسیٹ کر ان کے مقدس عقیدہ و کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا احمد اللہ خالص سنی حنفی صوفی عالم اور ممتاز مجاہد تھے سید احمد و اسماعیل جیسے بدعقیدہ نام نہاد مجاہدوں سے شہید موصوف کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ مولانا کے مجاہدانہ کارنامے آزادی وطن کے لئے جوش و خروش مختلف محاذوں پر انگریزوں سے مقابلے اور بالآخر اللہ کی راہ میں شہادت تحریک آزادی کی مفصل تواریخ میں دیکھئے اور سنی بریلوی علماء کی دینی و ملکی خدمات کو بالتفصیل پڑھئے۔

استاد الہند حضرت مولانا مفتی صدر الدین خان آزردہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا ؛ اسکو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

تحریک آزادی ہند، ۱۸۵۷ء میں جو خدمات، حضرت مولانا مفتی صدر الدین علیہ الرحمۃ نے کی ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں بلکہ اس تحریک کا مدار المہام انکی ذات گرامی کو ہی کہنا زیبا ہے۔ قلم کو کیا طاقت کہ ان کے علم و فضل کے بحر بے کنار سے ایک موتی باہر لا سکے۔ اور دفتر کے دفتر ان کے مکارم و محاسن کے لیے ناکافی ہے۔ ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اکثر علوم مولانا امام الہند فضل امام خیر آبادی رحمۃ اللہ والد ماجد مولانا فضل حق خیر آبادی شہید تحریک حریت سے حاصل کئے۔ حدیث حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی سے پڑھی۔ اور یگانہ روزگار عالم بنے چار دانگ عالم میں ان کے علم و فضل کا چرچہ ہوا۔ دہلی میں صدر الصدور رہے انگریزوں کا استبداد بڑھتا دیکھا تو تحریک آزادی کا جھنڈا اٹھایا۔ فتوائے جہاد نشر کیا مجاہدین و اکابرین تحریک آزادی کی قیادت کی تمام جائیدادیں تحریک پر خرچ کر دیں۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں ان کے تلامذہ موجود ہیں۔ شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے معقول فلسفہ ریاضی کے عدیم المثل استاذ تھے۔ فقہ کے ممتاز ماہر و مفتی تھے خالص سنی حنفی صوفی عالم و یگانہ روزگار امام العلوم تھے۔

وہابیت کی بیخ کنی میں ان کی مساعی مشکورہ اور آزادی ہند میں ان کی جد و جہد محتاج تعارف نہیں۔ آج تک وہابیوں دیوبندیوں نے ایسا عالم پیدا ہوا نہ مجاہد پنجشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ بستی نظام الدین اولیاء دہلی میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا ؎

آسماں تیری لحد پر نور افشانی کرے

من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

عالم باعمل مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی

اسیرانڈومن (علماء اہلسنت زندہ باد)

دل گرمے نگاہ پاک بینے ، سینہ بیتابے

مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی نہایت متقی و متبحر فاضل تھے. علماء ربانیین میں شمار کئے جاتے تھے. مفتی صاحب بمقام دیوہ ۹ر شوال ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۵ر اکتوبر ۱۸۱۳ء کو پیدا ہوئے کاکوری کے ممتاز خاندان کے چشم و چراغ تھے جد امجد کا نام منشی لطف اللہ تھا ان کے صاحبزادے منشی غلام محمد اور ان کے فرزند منشی محمد بخش مفتی عنایت کے والد بزرگوار تھے عنایت احمد صاحب سن شعور کو پہونچے تو سن شعور کو پہونچے تو تحصیل علوم کی غرض سے رامپور بھیجے گئے وہاں مولانا حیدر علی صاحب اور سید محمد صاحب کے زیر تعلیم رہے اور علوم مروجہ کی تکمیل کی بعد ازاں دہلی گئے اور شاہ محمد اسحٰق محدث سے حدیث شریف کے فارغ التحصیل ہوئے پھر علی گڑھ جاکر علم معقول و منقول میں سند حاصل کی مولانا بزرگ علی صاحب سے بھی تحصیل علم کی اور انہیں کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے

کچھ عرصہ بعد آپ بریلی چلے گئے . اس دوران ہند میں انگریزی اقتدار بڑھا تو اکابر علماء و رہنما اصحاب کی سرکردگی میں تحریک انقلاب کی سلسلہ جنبانی جاری تھی مفتی صاحب بھی شب و روز بریلی کے انقلابی گروہ کی مشاورتی مجالس میں شرکت کرنے لگے. اور نواب خان بہادر خان کی قیادت میں جہاد حریت کی تنظیم کے لئے سرگرم عمل ہوئے روہیلکھنڈ اور بریلی مجاہدین آزادی کا عظیم مرکز تھا اور اس علاقہ میں انٹی برٹش تحریک کے قائد جلیل امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے جد امجد مولانا رضا علی خان صاحب تھے ان کے مکان و مسجد مجاہدین کے مرکز تھے مفتی صاحب بھی حلقہ جہاد میں شریک ہو گئے اور مجاہدین کے لشکر میں داخل ہو کر محاربات میں عملی حصہ لینے لگے. جگہ جگہ خان بہادر خان کے دست راست بنے بکمال جرأت و ہمت سے لڑتے رہے جنرل بخت خان بریلی پہونچے اور دارلسلطنت دہلی کے مرکزی محاذ پر شرکت کے لئے (رامپور، مراد آباد ہوتے ہوئے) روانہ ہوئے تو ان کی معیت میں مفتی عنایت احمد بھی لشکر آزاد کے ساتھ رامپور گئے اور جنرل بخت خان مولوی سرفراز علی صاحب کے ساتھ نواب یوسف علی خان والئ رامپور سے محاربۂ آزادی میں شرکت کے لئے گفت و شنید کرتے رہے ان کے ہمراہ مفتی عنایت احمد بھی اس مشاورت میں برابر شریک رہے اور جب نواب رامپور نے جنگ آزادی میں مجاہدین کی اعانت سے انکار کیا تو جنرل بخت خان نے فوج کشی کر دی اس جنگ میں بھی مفتی صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا.

رئیس الاحرار مولانا محمد علی کے چچا زاد بھائی حافظ احمد حسن صاحب شوق نے اپنے تذکرہ کاملان رامپور میں اس معرکہ کا حال اسطرح بیان کیا ہے.

۹ر جون ۱۸۵۷ء کو بخت خان کئی ہزار فوج کے ساتھ رامپور آیا مولوی سرفراز علی اسکی طرف سے سفیر تھے. تمام شہر کو مورچہ بند کیا شہر کے مفسد خود جاکر بخت خان کو بھڑکاتے تھے ان کا منشا تھا کہ روپیہ دیا جانے اور ولی عہد بہا. در ریاست (نواب کلب علی خان) مع فوج دہلی کو ساتھ چلیں یہ مرحلہ سب سے زیادہ سخت تھا. علی بخش خان نے اس مرحلہ کو بلطائف جلیل طے کیا اور ۱۳ر جون کو بخت خان رامپور سے چلا گیا. نواب نے از راہ چاپلوسی جان بچانے کی خاطر بخت خان کو خوب رسد بھجوائی اور مبالغہ کی حد تک مولوی سرفراز علی کی عزت افزائی کی. اور اس طرح اپنے آپ کو بچایا.

جنرل بخت خان نے رامپور کے نواب سے صلح کر لی اور مراد آباد کو کوچ کر گئے اس وقت مفتی عنایت احمد صاحب مولوی سرفراز علی صاحب کے مشورے سے پھر دہلی واپس چلے گئے. وہاں ابھی تک ہنگامہ کارزار گرم تھا مفتی صاحب میدان شجاعت میں تیغ آزمائی بھی کرتے رہے اور خان بہادر خان کی مجلس مشاورت میں خاص طور پر شریک رہے.

خان بہادر کے لشکر مجاہدین میں ایک دستہ غازیوں کی فوج کا بھی یہ سب کے سب مفتی صاحب کے تربیت یافتہ اور انکی تحریک پر سر سے کفن باندھ کر جان لینے اور جان دینے کے لئے آمادہ تھے. اس فوج کا ہر مجاہد شوق شہادت کے نشہ میں چور تھا

گور الیٹن کے ایک انگریز سارجنٹ میجر نے جنگ آزادی کے چشم دید واقعات پر مبنی ایک کتاب "۱۸۵۷ء کے معرکوں کی یادداشت" لکھی تھی. اس میں بریلی کے معرکہ کا حال لکھتے ہوئے غازیوں کے اس دستہ کے بارے میں آنکھوں دیکھی کیفیت اس طرح بیان کرتا ہے. "ان لوگوں کی ڈاڑھیاں سفید تھیں انگلی میں چاندی کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے جس کے نگینہ پر "اللہ" کندہ تھا. ہر غازی کی کمر میں سبز رنگ کا پٹکا بندھا ہوا تھا وہ روئی کی صدری پہنے ہوئے اور سر پر سفید پگڑیاں باندھے ہوئے تھے جن پر سرخی کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے ان کے ہاتھ میں تلوار بھی اور پشت پر ڈھال بھی. دین کا نعرہ لگا کر ہمارے سامنے آئے اور حملہ آور ہونے سے پہلے ان کا سردار جو ایک ۲۰ سال کا بے ریش نوجوان تھا جسکی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا. صف میں آگے بڑھ کر یوں مخاطب ہوا. کیا تم کافروں میں کوئی حوصلہ مند ہے جو میرا مقابلہ کر سکے. اگر ہے تو سامنے آئے. اسکی آواز پر ہماری صفوں میں سناٹا چھا گیا کوئی نوجوان آگے نہیں بڑھا. ایک منٹ بعد پھر یہی چیلنج دیا اور کہا میں پانچ آدمیوں سے تنہا مقابلہ کر سکتا ہوں. لیکن پھر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی آخر جھنجھلا کر اس نے تلوار میان سے باہر نکالی اور ہماری صفوں پر حملہ آور ہوا اس نے اس شدت سے حملہ کیا کہ چشم زدن میں اٹھارہ سپاہیوں کو زخمی کر کے ڈال دیا. اسکی بے نظیر شجاعت سے کمانڈنگ آفیسر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو زندہ گرفتار کر لیا جائے. لیکن اس نے کہا تم زندہ شیر کو گرفتار نہیں کر سکتے چنانچہ زخمی ہو جانے کے باوجود جب کہ اس کے جسم کے ہر حصہ سے خون کے فوارے ابل رہے تھے اس نے دوبارہ اس شدت سے حملہ کیا جب کمانڈنگ آفیسر نے یہ دیکھا کہ اس کو قتل نہ کیا تو شاید ساری کمپنی کا صفایا

کر دے گا۔ آخر مجبوراً اس نے حکم دیا کہ سنگینوں سے خاتمہ کردو یہ سنکر سپاہیوں نے اسے نرغہ میں لے کر اپنی سنگین بیک وقت اس کے سینے میں پیوست کردیں۔ لیکن جب تک اسکی روح جسم میں باقی رہی برابر تلوار کے جوہر دکھاتا رہا اس کا ہاتھ اس وقت رکا جب اسکی روح پرواز کرگئی۔" یہ بصیرت افروز منظر ایک انگریز نے قلمبند کیا ہے جو عینی شاہد اور ان غازیان دین کا جانی دشمن تھا لیکن ان فدایان اسلام کے جوش ایمانی نے اسے اس قدر متاثر کیا کہ حقیقت حال بیان کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزی فوج کے "شیر دل افسروں اور رسالہ سپاہ کی شجاعت و دلیری کا کیا عالم تھا ایک مجاہد غازی کے ہمت و حوصلہ کے سامنے انکے سیکڑوں کے جگر آب ہوجاتے تھے اور اس ایک تیغ بکف نوجوان کو قابو کرنے کے لئے ہزاروں سنگینیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اور واقعہ سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مجاہدین کے جذبۂ فدائیت کی کیا کیفیت تھی حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کے غلبہ کا موجب صرف "روباہی حربے" اور سازش و غداری تھی ورنہ ہر محاذ پر پہلی فتح لشکر مجاہدین کو حاصل ہوئی جو ان کی مردانگی و جرأت اور عزیمت کے باعث تھی بریلی کے غازیوں کی اس جمعیت کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن رہنماؤں کے تربیت یافتہ مجاہدین کی جان بازی اور سرفروشی کا یہ حال تھا تو وہ مردان حق کسی عزم و حوصلہ کے مالک تھے اور میدان کارزار میں ان کے کارنامے کیا کچھ ہوں گے مفتی عنایت احمد صاحب نے دوسرے رہنمایان حریت کی معیت میں محاربۂ بریلی میں اول اول فتح حاصل کی لیکن انجام کار شکست نصیب ہو کر وطن دشمن غداروں کی ناپاک حرکات پر لعنت بھیجے شہدائے حریت کی ارواح پاک پر رحمت کے پھول نچھاور ہونے کی دعائے خیر کرتے میدان سے رخصت ہو گئے۔

مفتی صاحب انگریزی تسلط کے بعد گرفتار کر لئے گئے اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی کالے پانی بھیج دیئے گئے اس علاقہ کی سختیاں وطن اور اعزا سے جدائی کا صدمہ اور صعوبتیں سہتے ہوئے بھی درس تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

مفتی صاحب کو جزیرۂ انڈمان میں کوئی کتاب دیکھنے کو نہ ملتی تھی اور نہ وہاں کسی علم کی کوئی کتاب دستیاب ہو سکتی تھی اسکے باوجود ذاتی علمیت و واقفیت کی بنا پر مختلف علوم و فنون میں مختصر اور طویل تصانیف تیار کیں، جب رہائی کے بعد وطن واپس تشریف لاکر ان تصانیف کے مسودات کی تصحیح کی غرض سے کتابیں دیکھیں تو سب مسائل لفظ بلفظ صحیح تھے اسیری کے زمانہ میں ہی تقویم البلدان" کا ترجمہ دو سال میں کیا۔ اور اس کامیابی و خوبی سے کیا کہ ایک انگریز افسر (جسکی فرمائش پر یہ ترجمہ کیا تھا) نے ان کی بے حد تعریف کی اور ان کے علمی تفاضل کے اعتراف میں ان کی رہائی کی پرزور سفارش کی جو منظور ہوئی اور حضرت مفتی صاحب ۱۲۷۸ھ میں بخیریت اپنے وطن عزیز کاکوری آگئے

ان کے ایک غیور شاگرد مولوی لطف اللہ صاحب نے رہائی کی تاریخ کہی اور ان کی خدمت میں کاکوری حاضر ہو کر خود پیش کی۔

چوں بفضل خالق ارض و سما ؛ استادم شد بقید غم رہا
بہر تاریخ خلاص آں جناب ؛ بر نوشتم انّ استاذی نجا ۱۲۷۸ھ

مفتی صاحب کچھ عرصہ بعد کاکوری سے کانپور چلے گئے اور وہاں مدرسہ فیض عام قائم کرکے مستقل قیام فرمایا۔ بقول و قرار حبیب الرحمان خان شیروانی اسی مدرسہ کا فیض بالآخر سارے ہندوستان کو پہونچا دو سال بعد مفتی صاحب نے حج بیت اللہ کا قصد کیا اور مدرسہ کا انتظام مولوی سید حسین شاہ صاحب بخاری کے سپرد بالخصوص مدرس اوّل مقرر کرکے کیا۔ اور مولوی لطف اللہ مدرس ثانی مقرر ہوئے اس زمانہ میں بادبانی جہاز چلتے تھے۔ جدہ کے قریب پہنچکر انکا جہاز پہاڑ سے ٹکرا گیا اور حضرت مفتی صاحب نماز ادا کرتے ہوئے احرام باندھے جہاز کے ساتھ غرق ہو کر واصل بحق ہوئے۔

یہ حادثہ ۱۷ شوال ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۷ اپریل ۱۸۶۳ء کو رونما ہوا۔ اس وقت مفتی صاحب کی عمر ۵۲ سال کی تھی آپکی کل تصانیف کی تعداد بیس ہے جسمیں تاریخ حبیب اللہ (سیرت نبوی) لوامع العلوم و اسرار العلوم، الکلام المبین، علم الصیغہ، تجستہ بہار، احادیث الحبیب المتبرک اور ترجمہ تقویم البلدان زیادہ مشہور اور خاص ہیں حضرت مفتی صاحب حقیقت میں ایک بحر العلوم تھے انہیں ریاضی میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ انکی ذات ستودہ صفات ان علمائے کاملین میں سے تھی جو ایک طرف دین اور دوسری طرف وطن کے تحفظ کے لئے عمر بھر سینہ سپر رہے۔ وہ پیشۂ علم کے مردِ کامل تھے ؎

دل گرمے، نگاہ پاک بینے، جان بیتابے۔

سنی بریلوی علماء کے مجاھد اعظم

مبلغ دین و مجاہد ملت حضرت مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی

وہ عالم باعمل جسکی رہنمائی نے دین و ملت کو روح عمل بخشی

غداریوں نے پھونک دیا آشیاں میرا

انقلاب ۱۸۵۷ء کی رہنمائی اور جہاد حریت میں برسر میدان شرکت کرنے والوں میں بے شمار علماء و فضلاء کے اسمائے گرامی شامل تھے جنھیں تاریخ نے بھی محو کر ڈالا ان اکابرین میں مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی کا نام نامی بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے لیکن حیرت ہے کہ ان کے تفصیلی حالات کسی قدیم تاریخ میں یکجا طور پر محفوظ نہیں مختلف دستاویزات اور بزرگوں کی روایات سے

جو حالات مرتب ہوتے ہیں انہیں سے اکثر ایسے ہیں جو قدیم تذکروں میں نہیں پائے جاتے مفتی انتظام اللہ شہابی کے تذکرہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء تک میں انکا ذکر صرف دو سطروں میں نہایت سرسری طور پر کیا گیا ہے مفتی صاحب فرماتے ہیں مولوی فیض احمد عثمانی . . . . صدر بورڈ میں پیش کار تھے۔ دلی گئے وہاں مجسٹریٹ کئے گئے پھر جنرل بخت خان کے ساتھ رہے "

حالانکہ حضرت مولانا کے عظیم کارناموں میں تبلیغ اسلام اور رد عیسائیت کے شاندار معرکے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مولانا فیض احمد کے والد بزرگوار بدایوں کے مشہور و ممتاز خاندان کے فرد حکیم غلام احمد صاحب تھے۔ جو مولوی اول میں رہتے تھے۔ فیض احمد صاحب کی ولادت ۱۸۰۸ء مطابق ۱۲۲۳ھ میں بدایوں ہی میں ہوئی ان کی عمر صرف تین سال کی تھی کہ والد صاحب نے وفات پائی ان کی والدہ ماجدہ نے یتیم کمسن بیٹے کی پرورش و تعلیم و تربیت کی وہ خود بدایوں کے عالم خاندان شیوخ کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں ان کے ایک ہموطن جناب محمد ایوب قادری بی اے نے مولانا کے ذکر خیر میں بیان کیا ہے کہ مولانا کو قدرت نے شروع ہی سے وہ دل و دماغ بخشا تھا کہ جس پر آپ کے ہم درس طلباء کو رشک آتا تھا جو چیز ایک بار پڑھ لی یاد ہو گئی۔ اور ایک دفعہ نظر سے گذر گئی دل پر نقش ہو گئی۔ تحقیق و تدقیق آپ کا حصہ تھا۔

اہل خاندان خیال کرتے تھے کہ مستقبل قریب میں یہ بچہ فخر خاندان ہو گا والدہ نے اس ہونہار بچہ کو اپنے بھائی مولانا فضل رسول کے سپرد کر دیا آپ نے نہایت محبت اور ناز و نعم سے پرورش فرمائی مولانا فیض احمد نے تمام علوم منقول و معقول صرف چودہ سال کی عمر میں حاصل کر لئے اور پندرہویں سالگرہ سے قبل آپ کو اجازت درس مل گئی دوسرے فنون و مروجہ خطاطی و شعر و شاعری وغیرہ میں بھی آپ نے کمال حاصل کیا ایک قلیل عرصہ میں مولانا کا شہرہ ہو گیا اور تشنگان علم نے اس منبع علم و فضل کی طرف رخ کیا

مولانا نے علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی طرف توجہ کی اس وقت حضرت اچھے میاں صاحب مارہروی کے خلیفہ اعظم آپ کے نانا حضرت مولانا شاہ عبد المجید صاحب کی بارگاہ رشد و ہدایت مرجع خلائق ہو چکی تھی مولانا نے سلسلۂ قادریہ میں اپنے نانا صاحب قبلہ سے بیعت کر کے علوم طریقت کی تحصیل سے بھی فراغت کی مولانا فیض احمد کی درسگاہ طلباء کے لئے حصول تعلیم ہی کا مرکز نہ تھی بلکہ ہر طالب علم کی آپ جملہ ضروریات کے کفیل و معاون ہوا کرتے یہی سبب تھا کہ مولانا کے شاگردوں کا شمار دشوار تھا۔ آپ طلباء کی امداد کے لئے دوسروں سے ادھار لیتے مگر کسی کو حاجت مند نہ دیکھ سکتے

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

مولانا تحریک آزادی میں :- آپ متواضع اور مخلص انسان تھے مصنف اکمل التواریخ آپ کی مزاجی کیفیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ باوجود ثروت و وقار کے دل فقیرانہ مزاج شاہانہ تھا۔ فقراء سے محبت اور غرباء سے الفت طلبہ کے شائق اور علم کے شیدائی تھے۔ شاگردوں کی تمام ضروریات کے خود کفیل ہوتے تھے۔ سلسلۂ درس و تدریس آگرہ کے قیام کے دوران بھی برابر جاری رہا

جب ہندوستان میں انگریزوں نے اپنے اقتدار کی بنیادیں مضبوط کرنے کے سلسلے میں تبلیغ عیسائیت کا فتنہ اٹھایا جگہ جگہ اسکول و کالج کھول کر مسیحی تعلیم عام کی جانے لگی اس وقت آگرہ میں علمائے عصر نے ایک مشاورتی مجلس میں اس فتنہ کو روکنے کے لئے عملی تدابیر سوچیں چنانچہ مولانا فیض احمد ان علماء کرام کے ساتھ شریک ہو تبلیغ دین کی خدمات انجام دینے لگے باوجود سرکاری ملازمت کے انھوں نے جا بجا مسیحوں کی بالمقابل تبلیغ اسلام میں مشغول رہے ۱۸۵۴ء جب پادری سی سی ڈی فنڈر جب ہندوستان وارد ہوئے، اور انھوں نے فتنۂ ارتداد کا ہنگامہ بپا کیا تو مولانا سید احمد اللہ شاہ ڈاکٹر وزیر خان صاحب وغیرہ حضرات نے اس کے رد کے لئے انتظامات شروع کئے "

چنانچہ پادری فنڈر اور علمائے اسلام کے مابین ۱۸۵۴ء بمقام آگرہ جو مناظرہ ہوا اس میں ڈاکٹر وزیر خان صاحب اور مولانا رحمت اللہ صاحب کے معاون خصوصی کی حیثیت سے مولانا فیض اللہ صاحب بھی موجود تھے۔ اور ان تینوں حضرات نے فنڈر اور ان کے رفقاء کے ساتھ وہ معرکۃ الآراء مناظرہ کیا اور اسے ایسی شکست فاش دی کہ وہ فوراً ملک بدر ہونے پر مجبور ہوا اس مناظرہ کی پوری کیفیت "البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف" کے نام سے وزیر الدین نے مرتب کر کے باہتمام حافظ محمد عبید اللہ فخر المطابع شاہجہاں پور سے ۱۲۷۰ھ میں طبع و شائع کرائی تھی اسکی طباعت و اشاعت کے جملہ مصارف حضرت بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد مرزا فخر مرحوم نے ادا کئے تھے اور تمام ملک میں مفت تقسیم کرایا تھا۔

آگرہ کی جامع مسجد اس زمانہ میں نہایت خستہ و بوسیدہ حالت میں تھی مسجد کی اس شکستگی کے سبب نمازی بھی برائے نام نظر آتے تھے۔ مولانا فیض احمد نے اس کی مرمت و تعمیر کا بیڑہ اٹھایا اور جگہ جگہ دورے کر کے رقوم جمع کیں۔ چنانچہ آپ کے کد و کاوش اور جد و جہد سے مسجد کی شاندار عمارت تعمیر ہوئی اور مرکز دین و علوم بن گئی۔

مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کے آگرہ کے قیام کے دوران مولانا فیض احمد صاحب بھی اس حلقۂ مجاہدین کے سرگرم رکن بن گئے، جو آگرہ میں جہاد حریت کی تنظیم و اقدام کی غرض سے قائم ہوا۔ اور ہر اجتماع میں جوش و خلوص سے شریک ہوتے رہے۔ اور ضروری مشورے دیتے رہے۔ آگرہ اور گرد و نواح میں مولانا نے دورے کر کے جہاد حریت کی تبلیغ کی اسی سلسلے میں سرکاری ملازمت سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ اور میدان

اور میدان عمل میں تیغ بکف اتر آئے دہلی کے معرکوں میں جنرل محمد بخت خان کی قیادت میں نبرد آزمار ہے مجاہدین نے جب دہلی میں انگریزوں کو شکست دیکر سلطنت مغلیہ کے احیاء کا اعلان کیا اس وقت مولانا فیض احمد مرزا مغل کے پیشکار کے فرائض بھی انجام دیتے اور لشکری انتظامات کے سلسلہ میں جملہ امور کی نگرانی کرتے شکست دہلی کے بعد آپ جنرل بخت خان اور مولانا سید احمد اللہ شاہ صاحب کی معیت میں لکھنؤ گئے اور ہر محاذ پر ان کے شریک کار رہے۔ سکندر باغ کے محاذ پر خصوصیت سے مولانا فیض احمد نے اپنی عملی تدابیر سے لشکر مجاہدین کی اعانت کی اور معرکہ آرا نظر آئے لکھنؤ کے بعد آپ مولانا سید احمد اللہ شاہ کے ساتھ شاہ جہاں پور بھی گئے۔ اس علاقہ کے محاربات میں جن رہنما مجاہدین کے نام آتے ہیں ان میں مولانا فیض احمد بھی پیش پیش تھے بعد ازاں جب قصبہ محمدی میں مولانا احمد اللہ شاہ صاحب کی حکومت قائم ہوئی ان کی کونسل کے رکن رکین بنے جب محمدی پر انگریزوں نے حملہ کیا تو مولانا لشکر مجاہدین کے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔

مولانا سید احمد اللہ شاہ کے قیام شاہ جہاں پور کے دوران مولانا فیض احمد کی تجویز پر مجاہدین کے چند دستے بدایوں بھیجے گئے جنکی رہنمائی ڈاکٹر وزیر خان شہزادہ فروز بخت اور مولانا فیض احمد کے سپرد تھی بدایوں کے معرکے میں داد شجاعت دینے کے بعد نگرانہ کے محاذ پر بھی مصروف کار زار رہے اور سر فروشانہ کارنامے انجام دیتے نظر آئے۔ یہاں سے ہی محمدی کی حکومت قائم ہونے پر کابینہ میں شامل کئے جانے کی غرض سے دوسرے اکابرین کے ساتھ طلب کئے گئے تھے سازش و غداری کے سبب حضرت احمد اللہ شاہ کی شہادت کے بعد دوسرے رہنما اور بقیہ جمعیت مجاہدین کے منتشر ہونے پر مولانا بھی روپوش ہو گئے، بعض حضرات کا خیال تھا کہ خلافت ترکیہ کے دارالسلطنت قسطنطنیہ میں قیام پذیر ہیں اس کے لئے آپ کے ماموں کبر سنی کے باوجود تلاش میں سرگرداں قسطنطنیہ پہونچے لیکن آپ کا کوئی پتہ نہ چلا کچھ لوگوں کو قیاس ہے کہ جنرل بخت خان کے ساتھ نیپال چلے گئے اور وہاں روپوش ہو کر گوریلا جنگ میں مصروف رہے بہر حال آپ کا پتہ معلوم نہ ہو سکا اور سن و مقام وفات کا بھی کسی کو علم نہیں ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شہید حریت منشی رسول بخش کاکوروی

تحریک انقلاب کے ایک سر برآوردہ رکن جو وطن فروشی کا نشانہ بنے

تحریک انقلاب ۱۸۵۷ء مسلمانان ہند کی صد سالہ عظیم جدوجہد اور سر فروشیوں کا ایک عظیم سلسلہ تھا جو ۱۸۵۷ء میں غازی نواب سراج الدولہ کی شکست و شہادت کے بعد برطانوی سازشوں کے پر فریب جال توڑ پھینکنے اور سر زمین وطن کو آزاد کرانے کے لئے مصروف جہاد رہے اس انقلابی تنظیم میں نوابین اور سب سے زیادہ علماء و صوفیائے کرام کی جماعتیں پیش پیش تھیں ۱۸۵۷ء کے محرکات کی تفصیل تو کتب تواریخ ہی میں ملاحظہ کیجا سکتی ہے

ویسے سرگزشت مجاہدین کے سلسلہ میں یہ امر پایۂ ثبوت کو پہونچ چکا ہے کہ گزشتہ تنظیم میں ۱۸۵۷ء کے محاربۂ عظیم سے پانچ چھ سال پہلے روح عمل دوڑتی نظر آنے لگی تھی جن علماء و فضلاء نے اس تحریک میں جان ڈالی انمیں مولانا سید احمد اللہ شاہ مولانا سرفراز علی شاہجہاں پوری مولانا لیاقت علی الہ آبادی علمائے بدایوں کے علاوہ دہلی آگرہ کاکوری وغیرہ کے علماء کا بڑا حصہ تھا ان حضرات میں منشی رسول بخش کاکوروی کا نام بھی سر فہرست ہے۔ جنھوں نے ابتداء سے عوام میں بیداری پیدا کرنے اور علم جہاد بلند کرنے میں برسوں دامے درمے سخنے قدمے جدوجہد جاری رکھی۔ منشی رسول بخش صاحب، مولانا سرفراز علی صاحب اور مولانا احمد اللہ شاہ صاحب و جنرل عظیم اللہ خان کی معیت میں مدتوں تنظیم انقلاب کیلئے ملک کے گرد و نواح میں دورے کرتے رہے اور شہر شہر قصبہ قصبہ میں گھومتے پھرتے عوام کو معرکۂ آزادی میں شریک ہونے کی دعوت حق دیتے رہے منشی صاحب نے بھی دیگر رہنما مجاہدین کی طرح دیسی افواج میں جہاد حریت کی تبلیغ کرکے سپاہیوں میں جوش عمل پیدا کیا۔ اور سپاہیوں وغیرہ کی تقسیم و تنظیم وغیرہ کے پروگرام میں نہایت سرگرمی سے شریک تھے۔

منشی صاحب کے جد امجد مولانا ابو بکر حاجی علوی تھے جنکے صاحبزادے ملک بہاؤالدین سلطان شرقیہ کی جانب سے کاکوری فتح کرنے تشریف لائے تھے فتحیابی کے بعد یہیں سکونت اختیار کی منشی صاحب کے والد فیض بخش، بہادر نواب شجاع الدولہ کی افواج میں صوبیدار تھے وہ صاحب علم و ہنر و شجیع و دلیر بزرگ تھے ان کی تصنیف "چشمۂ فیض" مشہور ہے منشی رسول بخش کی ولادت کاکوری میں ہوئی اور وہیں ابتدائی تعلیم ہوئی تحصیل علم کے بعد سلطان واجد علی شاہ کے فوج میں عہدیدار مقرر ہوئے اسی وقت سے ان کے دل میں جذبات حریت موجزن تھے سلطان کے فوجی معتمد بنکر لشکر سلطانی کی اعلیٰ تربیت میں مصروف رہے اور اسی دوران مسلمان سپاہ کو غیر ملکی تسلط کے خلاف آمادۂ پیکار کرتے رہے کیونکہ سلطان نے فوجی تربیت کا اہتمام بھی آزادی وطن کی جدوجہد کے لئے کیا تھا یہی سبب تھا کہ چند غدار امرائے سلطنت نے ساز باز کرکے ان منصوبوں کی اطلاع انگریز حکام کو دیدی اور انعام و اکرام کی لالچ میں جاسوسی کرتے رہے جس کے نتیجے میں انگریزوں نے سلطانی لشکر کو یہ کہہ کر برطرف کرا دیا تھا کہ آپ کو اس لاؤ لشکر کے لازم رکھنے اور مصارف کا بار اٹھانے کی کیا ضرورت ہے ہماری فوجیں آپکی حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ جب کوئی ضرورت ہو آپ انھیں طلب کر سکتے ہیں چنانچہ اسی معاہدہ کے

بموجب عنوان گھڑی کے ہنگامہ کے دوران امیر المجاہدین اور انکی جمعیت کو گورہ پلٹن نے توپ دم کیا تھا سلطانی فوج کی برطرفی کے بعد ہی رسول بخش صاحب لکھنؤ سے کاکوری چلے گئے اور مستقل طور پر وہاں مقیم ہو کر جہاد حریت کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ مختلف مقامات میں تبلیغی دورے کرنے کے بعد آخر میں انھوں نے کاکوری کے عوام کو منظم کیا اور خفیہ طور پر فوجی تربیت دینے میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ کاکوری میں مجاہدین کی وہ جمعیت تیار ہو گئی جو منشی صاحب کی قیادت میں آزادی وطن کے لئے لڑنے مرنے کو ہر وقت آمادہ تھی اور اس کا ہر جانباز مجاہد دشمن کے مقابلہ میں جان دینے اور جان لینے کو عین ایمان سمجھتا تھا جنگ آزادی کے چند ماہ پیشتر اطراف و جوار کے علماء جو جہاد حریت کی رہنمائی میں مصروف تھے آگرے میں جمع ہو گئے کیونکہ دہلی کے بعد اس زمانہ میں آگرہ کو اسلئے اہمیت حاصل ہو گئی کہ وہ برطانوی صوبہ کا صدر مقام بنا دیا گیا تھا حضرت مولانا احمد اللہ شاہ نے جب آگرہ پہونچکر تحریک انقلاب کے اقدام کے لئے مشاورتی مجالس منعقد کیں اور یہ شہر ارباب علم و فضل کا مرکز بن گیا مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی حالات انقلاب میں لکھتے ہیں۔

مفتی انعام اللہ خان بہادر محکمۂ شریعت کے مفتی رہ چکے تھے اب بہت بڑے وکیل تھے حضرت آزردہ (مفتی صدرالدین) صاحب کے خط کے ذریعہ شاہ صاحب (مولانا احمد اللہ شاہ) ان کے یہاں آگرہ مقیم ہوئے ان کا گھر علماء کا مرکز بنا ہوا تھا مفتی صاحب کے صاحبزادے مولوی اکرام اللہ صاحب "تصویر الشعراء" مرید ہوئے۔

علماء و فضلاء کا یہ گلدستہ جسکی شیرازہ بندی ابتک علمی ادبی ذوق نے کر رکھی تھی مولانا شاہ احمد اللہ شاہ صاحب کے پہونچنے پر اس میں سیاسی رنگ پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ اور مجلس کی شکل میں اس اجتماع کی تشکیل کی گئی اسکے ارکان کی مختصر فہرست ملاحظہ ہو۔

مولوی شیخ اعتقاد علی بیگ صاحب، مولانا امام بخش صہبائی، سید باقر علی صاحب ناظم محکمۂ دیوانی، مولوی نور الحسن صاحب، سید مراتب علی صاحب، مولوی خواجہ تراب علی صاحب، سید حسن علی صاحب، رحمت علی صاحب، مفتی ریاض الدین صاحب، مولوی غلام جیلانی صاحب، غلام مرتضےٰ صاحب، منشی رسول بخش صاحب، شیخ محمد شفیع صاحب، مومن علی صاحب، باسط علی صاحب محمد عظیم الدین حسن صاحب، محمد قاسم صاحب داناپوری، معین الدین صاحب، مولوی کریم اللہ خان صاحب، صدر الصدور قاضی محمد کاظم علی صاحب، تاج الدین صاحب طفیل احمد صاحب خیرآبادی، مولانا غلام امام شہید مفتی عبدالوہاب صاحب گوپامئوی ڈاکٹر وزیر خان صاحب، مولوی فیض احمد صاحب بدایونی، مفتی انعام اللہ صاحب ——— یہ حضرات صدارت نظامت وغیرہ کے مختلف عہدوں پر فائز تھے۔ یا وکلاء تھے جنہوں نے اس مجلس کی رکنیت منظور کی اور دامے درمے قدمے شاہ صاحب کی تائید و اعانت شروع کی۔

بالآخر اس اجتماع میں انقلابی اقدام کا پروگرام مضبوط ہو گیا اور جو حضرات بیرونی مقامات سے اپنے علاقوں کی نمائندگی کرنے آئے تھے عملی اقدامات کی رہنمائی کے لئے ان مقامات پر واپس چلے گئے اور اپنے اپنے محاذ پر جنگ آزادی کے اعلان کا انتظار کرنے لگے۔ جس کی ابتداء اچانک وقت موعودہ سے پہلے ہو گئی چنانچہ مجاہد ملت رسول بخش صاحب مقررہ پروگرام کے مطابق کاکوری کے لئے روانہ ہوئے اور کانپور میں جنرل عظیم اللہ خان سے ملکر جہاد آزادی کے سلسلے میں طے شدہ لائحۂ عمل کے سلسلے میں صلاح و مشورے کرتے راستہ میں چند دیگر رؤساء اور جاگیرداروں کو انگریزوں کے مظالم اور جبر و استبداد کیخلاف نفرت دلاکر بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ اور وہ مجاہدین کی ہر ممکن اعانت کے لئے تیار ہو گئے رہنمایان جہاد نے طے کیا تھا کہ اودھ کے تمام اطراف و جوانب کے علاقوں میں منظم معرکہ آرائی کے بعد پرچم آزادی بلند کر کے دارالسلطنت لکھنؤ میں جمع ہو جانا چاہئے۔ جہاں سلطنت اسلامیہ کے احیاء و استحکام اور انگریزوں کی حکومت کا قلع قمع کرنے کا اہتمام مکمل کیا جائے گا۔

منشی صاحب کاکوری پہنچکر اپنے علاقہ کی تنظیم و تربیت میں منہمک ہو گئے۔ انکی جمعیت مجاہدین میں لکھنؤ کی اودھ شاہی فوج کے برخاست شدہ سپاہیوں کی ایک جماعت بھی تھی اس کے سب جواں مردان کے اشارے پر سر فروشی کے لئے حاضر تھے منشی صاحب نے انقلابی تنظیم کے استحکام کی خاطر کئی پولیس افسروں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور ان سے گہرے تعلقات پیدا کر کے اپنا راز دار بنا لیا تھا تاکہ آڑے وقت میں وہ مجاہدین کی اعانت کر سکیں۔

۱۰ر مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی کے قبل از وقت اعلان بغاوت کی خبر سنتے ہی انھوں نے فوراً طے شدہ لائحۂ عمل کے مطابق لشکر مجاہدین کو آراستہ کیا کہ حکام وقت کے خلاف نبرد آزمائی شروع کر دیں اور فتحیاب ہو کر مرکز جہاد لکھنؤ کی جانب کوچ کریں لیکن ایک راز دار پولیس افسر غداری پر آمادہ ہو گیا اور اس نے گورا پلٹن کے انگریز افسر سے مجاہدانہ عزائم کی مخبری کر دی۔ اور بمصداق گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، انگریز افسر نے اسی وقت اپنی فوج کو حرکت دی اور لشکر جرار لے کر عین اس موقع مجاہد رہنماؤں کا محاصرہ کر لیا جب کہ رسول بخش صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ ایک مسجد میں بیٹھے تھے اور مشاورتی مجلس میں مصروف تھے۔ اور مجاہدین کو اقدام کے لئے آخری ہدایات دینے کے بعد حملہ کی تیاری پر بحث کر رہے تھے۔ منشی صاحب کے ساتھ اس وقت ان کے دست راست منشی عبدالصمد اور دوسرے رفقاء کار موجود تھے جن کی مجموعی تعداد اٹھارہ تھی انگریزی فوج نے ان نہتے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا اور بلا تفتیش و مقدمہ ان سب حضرات کو شاہ پیر محمد کے ٹیلے پر پھانسی دیدی

منشی رسول بخش صاحب ان شہدائے حریت میں سب سے آگے تھے ان کے دو صاحبزادے منشی عبدالحئی اور منشی عبدالعزیز اس وقت اپنے مکان میں تھے جب ان کو اس سانحہ کی خبر ملی با چشم نم صبر و شکر کرتے خاندان کے عورتوں بچوں کو لے کر نکلے کہ کسی طرف نکل جائیں اور اعزا کی عزت بچائیں۔

حضرت شاہ تراب علی شاہ سجادہ نشین تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری نے اپنے صاحبزادگان کو بھیجکر اپنے پاس بلا لیا۔ اور بحفاظت تمام روپوش کر دیا مجاہدین کی جماعت میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی اور انھوں نے کسی کو سردار لشکر مقرر کر کے انگریزی فوج اور پولیس اسٹیشن پر حملہ کر دیا۔ خوں ریز معرکہ آرائی ہوتی رہی کشتوں کے پشتے لگ گئے، مگر مجاہدین نے ہار نہ مانی انگریز افسر تنگ آ گئے۔ آخر کسی نے حکام کو مشورہ دیا کہ منشی رسول بخش صاحب کے صاحبزادگان اور اہل خاندان کی تلاش بند کر کے انکی معافی کا اعلان کر دیں تو یہ لڑائی بند ہو جائے گی۔ چنانچہ مجبوراً ایسا ہی کیا گیا عارضی طور پر امن بحال ہو گیا اور منشی صاحب کا خاندان اپنے گھر آباد ہوا لیکن کچھ عرصہ بعد وہ لوگ اطمینان سے گھر خالی کر گئے اور کسی محفوظ جگہ چلے گئے، اب مجاہدین نے از سر نو جدال و قتال کا بازار گرم کر دیا اور مدتوں مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے۔ بالآخر بیرونی کمک حاصل کر کے انگریزوں نے انھیں شکست دیدی۔ افسوس کہ غداروں نے ابتدا سے اس محاذ کو ناکام بنا دیا لطف یہ ہے کہ کسی تاریخی کتاب میں منشی رسول بخش کا حال درج نہیں کیا گیا۔ اور مورخین نے اس شہید وطن کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا ذکر تک نہیں کیا۔ صرف ایک دو جگہ ان کا نام درج لیا ہے۔ حالانکہ تحصیل کاکوری کی سرکاری دستاویزات اور خفیہ رپورٹس میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ جنکی بنا پر یہ حالات، مرتبہ نقل کئے گئے۔

شہید حریت مولانا وہاج الدین کے اولوالعزم کارنامے

۱۸۵۷ء کے زمانہ میں ضلع مراد آباد کے مجسٹریٹ سی بی سانڈرس جج، جے کیمبل جوائنٹ مجسٹریٹ اور جے کرافٹ ولسن سشن جج تھے۔ کرافٹ ولسن کو مراد آباد میں ۱۷ سال گذر چکے تھے اور وہ یہاں کے تمام عمائدین سے بخوبی واقف تھا شہری مزاج سے بھی اسے پوری واقفیت حاصل تھی۔ یہی سبب تھا کہ جب حکام ضلع کو مراد آباد اور اس کے اطراف و جوانب میں جنگ حریت کے شعلے بھڑکتے نظر آئے تو ضلع کی نظامت انھیں کے سپرد کی گئی۔

جو اصحاب شہر میں جہاد حریت کی رہنمائی کر رہے تھے انہیں مولانا وہاج الدین پیش پیش تھے۔ ان کے ساتھ دوسرے سر برآوردہ علما اور مجاہدین میں سے خصوصاً قاضی عصمت اللہ فاروقی، نواب عباس علی خان، اسد خان، نواب مجدالدین خان عرف نواب مجو خان، نواب شبیر علی خان اور مولانا کفایت علی کافی تھے۔

ان رہنماؤں کی قیادت اور مولانا وہاج الدین کے عملی اقدام نے مراد آباد میں انگریزوں کو شکست دے کر قومی حکومت قائم کر دی نواب مجو خان حاکم ضلع مقرر کئے گئے لشکر مجاہدین کا سپہ سالار نواب شبیر علی خان کو بنایا گیا مولانا کفایت علی صدر شریعت مقرر ہوئے۔

مولانا وہاج الدین نے اپنے لئے کوئی عہدہ منتخب نہیں کیا بلکہ تمام ضلع میں تبلیغ جہاد اور تنظیم انقلاب کے فرائض اپنے ذمہ لئے، اسد علی خان توپ خانہ کے افسر اعلیٰ مقرر کئے گئے۔ مولانا وہاج الدین ہر ہفتہ بعد نماز جمعہ عوام سے خطاب کرتے اور انھیں غیر ملکی تسلط کے خلاف ہر ممکن جد و جہد اور عزم و استقلال سے سینہ سپر رہنے کی تلقین کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ضلع بھر کے مسلمان ان کے پرچم تلے مجتمع ہو گئے تھے حتیٰ کہ رامپور کے پٹھانوں نے جب دیکھا کہ نواب یوسف علی خان (والی ریاست) کسی طرح انگریزوں کی طرفداری سے باز نہیں آتے تو چپکے چپکے جتھوں کی صورت میں مراد آباد آنے لگے۔ اور لشکر مجاہدین میں شریک ہو گئے۔

ڈسٹرکٹ گزٹ مراد آباد میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں برطانوی حکومت سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف اور واضح طور پر ظاہر کیا۔ روہیلکھنڈ کے دوسرے اضلاع کی طرح مراد آباد کے ضلع میں بھی غیرت دینی اور انگریزوں کے ہربات سے نفرت کے جذبات نے مسلمانوں کو عام بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ مولوی وہاج الدین صاحب نے قیام حکومت کے بعد جو دورے کئے اور دوسرے مجاہد رہنماؤں سے رابطہ اتحاد کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں بریلی بھی پہونچے اور نواب خان بہادر خان سے مشورے کئے اس دورے میں مولانا کافی بھی ان کے ہمراہ تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام انگریز حکام راہ فرار اختیار کر کے نینی تال میں پناہ گزیں ہو چکے تھے۔ اور ان کی حمایت و رسد رسانی نواب رامپور نے اپنے ذمہ لی تھی۔ اور ساتھ یہ تجویز کی کہ سارا روہیلکھنڈ بریلی اور مراد آباد (بدایوں وغیرہ) اپنی فوج بھیجکر فتح کر لیں لیکن انگریز مرتے مرتے بھی یہ گوارہ نہ کر سکتے تھے کہ انکی بجائے کوئی اور ملک کے کسی حصہ پر قبضہ کر لے۔ چنانچہ نواب نے مجبوراً دوسری تجویز یہ پیش کر دی کہ صرف مراد آباد پر حملہ کرنے اور اسے فتح کرنے کی اجازت دی جائے اور فوراً اپنے چچا عبدالعلی خان کو مراد آباد روانہ کر کے جہاد حریت کے رہنماؤں سے گفت و شنید شروع کر دی نواب مجو خان اور منو صاحب نے انھیں صاف جواب دے دیا کہ آپ شوق سے تشریف لائیں انگریزوں کے خلاف پہلے جہاد کا اعلان کریں اور مجاہدین کی سرکردگی اختیار کر لیں ورنہ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ انگریزوں کے طرفدار بنکر ہمیں دبائیں اور فتحیاب ہو کر ضلع کو دشمنوں کے حوالہ کر دیں تو ہم ہر طرح معرکہ آرائی کیلئے تیار ہیں۔ ہمیں گوئے وہمیں میدان" نواب رامپور نے مجاہدین کے تیور دیکھکر اور

مراد آباد کے جوش و خروش کا حال معلوم کر کے نواب مجو خاں کو پیام دیا کہ ہم تمکو اپنا ناظم تسلیم کرتے ہیں۔ تمہاری حکومت رامپور کے ماتحت رہے گی جب بریلی میں نواب خان بہادر خان کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فوراً جنرل بخت خاں کو ان کے لشکر مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا کہ وہاں کا جائزہ لیں

اور نواب رامپور کو مراد آباد کے مجاہدین کے ساتھ ساز باز نہ کرنے دیا، شہزادہ فیروز شاہ پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ جنرل بخت خاں رامپور ہوتے ہوئے (جس کی تفصیلی کیفیت گزشتہ مضامین میں بیان ہو چکی ہے) مراد آباد وارد ہوئے اور مجاہد رہنماؤں سے ملاقات کر کے صورتحال معلوم کی۔

مجاہدین کی سرگرمیوں کا یہ عالم دیکھ کر نواب رامپور نے اپنے نمائندوں کو مع فوج کے واپس بلا لیا۔ جنرل بخت خاں کو اطمینان ہو گیا کہ وہاں کی حالت بہت تشویشناک نہیں ہے اور نواب مجو خاں اور مولانا وہاج الدین نے ان کو پوری طرح یقین دلایا کہ ہم کسی قیمت پر بھی انگریزی حکومت کے ہوا خواہوں سے تعاون کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ شہزادہ فیروز شاہ کی موجودگی کے سبب بھی مجاہدین کو بڑی تقویت پہنچی ہوئی تھی اسی لئے جنرل بخت خاں مراد آباد سے ۱۷ر جون کو دہلی روانہ ہو گئے لیکن نواب رامپور کی مداخلت نہ ہوئی وہ انگریزوں کی شہ پر برابر مراد آباد والوں کی سلسلہ جنبانی کرتے رہے اس کی پوری تفصیل تحریک انقلاب کے حالات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے آخر نواب رامپور کی فوجوں کے ساتھ ملکر مراد آباد کی فتح کی تیاریاں کرتے رہے لیکن عرصہ دراز تک مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور انگریزوں کی حکمت عملی غداریوں کے جال بچھانے میں کامیاب ہو گئی، شہزادہ فیروز شاہ پہلے اپنی فوج کو لیکر اطراف و جوانب میں معرکہ آرائی کے لئے چلے گئے تھے۔ تقریباً ایک سال بعد دوبارہ مراد آباد آگئے کیوں کہ لکھنؤ، دہلی اور بریلی وغیرہ سے مقامات پر انگریز قابض ہو گئے تھے۔ ۲۴ر اپریل ۱۸۵۷ء کو رامپور کی فوج کے ساتھ کاظم علی خان اور گورا پلٹن اور گورکھوں وغیرہ کے لشکر کثیر کے ساتھ جنرل جانس نے مراد آباد پر حملہ کیا، مولوی وہاج الدین اور دوسرے رہنماؤں کی معیت میں اور شہزادہ فیروز شاہ کی قیادت میں مجاہدین نے ان فوجوں کا جی توڑ کر مقابلہ کیا۔

روایت ہے کہ خواتین مراد آباد مردانہ لباس زیب تن کر کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر مجاہدین کے گروہ میں شریک ہو گئیں اور مردانہ عزائم و دلیری کے ساتھ اپنے مردوں کے دوش بدوش لڑتی رہیں، اندرونی سازشوں اور مخبروں کی ذلت کے سبب مجاہدین کے پاس سامان حرب کی کمی ہونے لگی اس کے باوجود انہوں نے ہتھیار نہ ڈالے اور میدان کارزار میں ڈٹے ہوئے دشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے مگر تابکے، انگریز زبردست اعانت اور قوت کے سبب غالب آئے اور شہر پر قبضہ کر لیا شہزادہ فیروز شاہ سنبھل والی سڑک سے روانہ ہو کر کندرکی ہوتے ہوئے آنولہ اور وہاں سے بریلی پہنچے انگریزوں نے بقیۃ السیف جانبازان حریت کی گرفتاریاں شروع کیں اور شہر میں لوٹ مار مچانے لگے، جگہ جگہ پھانسی کے پھندے لگائے گئے جس کو جاسوس اور کمینے مخبروں نے مجاہد بتایا اسے پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا، کوئی پرسش اور جائزہ جوئی نہ تھی ان شہدائے حریت کی یاد میں (جو پھانسی پاکر سرزمین وطن پر قربان ہوئے اور وہیں دفن کر دیئے گئے) محلہ گل شہید آباد ہو گیا جو اب تک اسی نام سے مشہور ہے

مولانا وہاج الدین صاحب روپوش ہو گئے اور در پردہ دوبارہ موقع کی تلاش میں رہے کہ ایکبار پھر قسمت آزمائی کر سکیں وہ اپنے مکان ہی میں مسکن گزیں تھے مگر کسی حاکم کی یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ تلاشی کا حکم دے۔ چنانچہ مخبروں کو ان کے پیچھے لگا دیا گیا، مولوی صاحب کے ملنے جلنے والے مخلصین اب بھی خفیہ طور پر ان سے ملاقات کے لئے جاتے رہتے اور وہ حسب عادت ہر چھوٹے بڑے سے ملتے، گو کسی حد تک محتاط رہتے ایک نمک حرام غدار جو مولوی صاحب ہی کے ٹکڑوں کا پلا ہوا تھا ایک روز موقع پا کر اپنے ساتھ ایک خفیہ سرکاری جماعت کو مسلح لیکر ان کے دروازہ پر جا پہنچا، تمام لوگ ادھر ادھر چھپے رہے اور اس نے دروازہ پر آواز دی، مولوی صاحب نے اس کی آواز پہچان کر ذکر سے دروازہ کھولنے کو کہدیا کہ آناً فاناً ایک مسلح گروہ چاروں طرف سے ہلہ کر کے فوجی رسالہ کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ مولوی صاحب کے ایک وفادار ملازم نے مداخلت کی جو فوراً شہید کر دیا گیا، مولوی صاحب نے اللہ اللہ کہہ کر پاس رکھی ہوئی بندوق اٹھائی لیکن اس سے پہلے کہ گولی چلائیں ہر طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی اور حضرت مولانا کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے واصل بحق ہوئے۔ آپ کی اور ملازم کی نعشیں فوجی رسالہ نے اٹھالیں اور اپنے ساتھ لے گیا اور آقا و ملازم دونوں کو برابر دفن کر دیا۔ بعد میں دونوں کی قبریں پختہ تعمیر کی گئیں جو محلہ گنج سرائے میں کچہری روڈ پر نعل بندوں کی مسجد سے متصل ایک احاطہ میں موجود ہیں اور ان پر نیم کے درخت کا سایہ ہے، مولانا علیہ الرحمۃ اور ان کے اہل خاندان کی تمام جائیداد اور املاک ضبط کر لی گئیں۔ ع

"بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق"

شمس العلماء حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی انگریزوں کی مخالفت اور برطانوی استبداد سے مسلمانوں کی آزادی میں مولانا فضل حق مرحوم کی تحریک آزادی کے ممتاز رہنما تھے، مولانا مرحوم کا جو عزم جہاد انگریزوں کے خلاف تھا وہ آپ کی گرانقدر کتاب "ہنگامۂ اجمیر" سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب بھی انگریزوں نے ضبط کر لی تھی، چند نسخے جو بچ رہے وہ آج بھی کہیں کہیں علمائے اہل سنت کے پاس پائے جاتے ہیں۔

محمد علی شوکت علی

یہ دونوں صاحبان گو علماء متاطین کے طبقے میں شامل نہیں مگر آزادیٔ ہند و انگریزوں

کی مخالفت میں جو انہوں نے مساعی کی ہیں وہ محتاج تعارف نہیں یہ دونوں صاحبان اعتقاداً سنی تھے اسی وجہ سے دیو بندیوں نے انہیں بھی بدعتی اور مشرک قرار دیا ان کے علاوہ طبقہ علماء میں مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی مولانا فاخر اشرفی الہ آبادی مولانا ہدایت رسول وغیرہم سنی بریلوی علماء کی مقتدر ہستیاں صرف اسوجہ سے جیل کی کال کوٹھریوں میں محبوس رہیں کہ یہ لوگ انگریزوں سے جہاد کرنے میں سرگرم عمل تھے ایسے تمام حضرات کے کارناموں کے لئے ایک وسیع کتاب کی ضرورت ہے جس کے لئے اس مضمون میں گنجائش نہیں ۔

بھارت کی آزادی میں علمائے اہل سنت کی غیر معمولی قربانیوں کی ایک جھلک آپ نے دیکھ لی اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ وطن کے غداروں سے ملک و ملت کو بچایا جا سکے ۔

سید صاحب اور شاہ اسمٰعیل

۱۸۲۳ء میں سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی انگریزوں کے اشارے پر سکھوں کی طرف متوجہ ہوئے ۔ شاہ صاحب وعظ کہنے میں خاصی مہارت رکھتے تھے ۔ اسی لئے انھیں انگریزوں کی حمایت اور سکھوں کی مخالفت میں یک گونہ کامیابی بھی حاصل ہوئی ۔ ایک مرتبہ وہ کلکتہ میں سکھوں کے خلاف وعظ فرما رہے تھے کہ اثنائے وعظ کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں سے جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے وہ بھی تو ظالم اور کافر ہیں تو اس کے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا ..... " انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کوئی اذیت نہیں اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں، ہمارے مذہب کی رو سے ہم پر یہ فرض ہے کہ انگریزوں سے جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں " ع۱

مرزا حیرت دہلوی فرماتے ہیں ..... " کلکتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے ۔ آپ نے جواب دیا کہ ان پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں ایک تو ہم ان کی رعیت ہیں ۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے ۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے ۔ بلکہ اگر کوئی ان پر حملہ آور ہو تو مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ برطانیہ پر آنچ نہ آنے دیں " ع۲

مورخین صحت روایت کے اقرار کے ساتھ لکھتے ہیں ..... " یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں ۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں " ع۳

ع۱ تواریخ عجیبہ ص۷۳ و تاریخ مذاہب الاسلام مطبوعہ لاہور ص۶۶ ع۲ حیات طیبہ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی ص۲۹۶ ع۳ تواریخ عجیبہ ص۷۳

سید صاحب خود فرماتے ہیں ..... " ہم سرکار انگریزی پر کس سبب جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب، طرفین کا خون بلا سبب گرادیں " ع۱

تاریخ کا اٹل فیصلہ ہے کہ ..... " آپ کی (یعنی سید صاحب کی) سوانح عمری اور مکاتیب میں بیسیوں سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں کھلے اور اعلانیہ طور پر سید صاحب نے بہ دلائل شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت کرنے سے منع کیا ہے " ع۲

کلکتہ میں دوران قیام شاہ اسماعیل نے جو انگریزوں کی حمایت کی ہے مورخین کے نزدیک ناقابل انکار ہے ۔ یہ بات کسی ایک راوی کی روایت سے ثابت نہیں بلکہ سید صاحب کی سوانح عمری اور مکاتیب میں بیسیوں سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں بالاعلان انگریز بہادر کی حمایت میں قرآن و حدیث کا سہارا لیا گیا ہے ۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کو نہ صرف ممنوع اور نادرست بتایا گیا بلکہ انگریزوں کے جبر و تشدد کی تردید کرتے ہوئے ان کی حکومت کو غیر متعصب اور بے ضرر قرار دیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر کوئی انگریزوں پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان مجاہدین آزادی سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ برطانیہ پر آنچ بھی نہ آنے دیں ۔ یہ حمایت محض لفظی حمایت نہ تھی بلکہ سید صاحب اور ان کے گروہ کے سربر آوردہ حضرات نے عملاً ثابت کیا ہے کہ وہ انگریزوں کے وفادار ہیں ۔ میں آپ کا ذہن تاریخ کے ایک اہم واقعہ کی طرف لیجانا چاہتا ہوں حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ والرضوان نے جب انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تو سنی مسلمانوں نے علم بغاوت بلند کیا ۔ ہاتھوں میں بندوق لیکر میدان میں نکل پڑے لیکن افسوس صد افسوس بندوقوں سے مسلح ان مجاہدین آزادی کا مقابلہ انگریزوں سے پہلے جس گروہ سے ہوا اسے آپ تذکرۃ الرشید (مرتبہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی) میں ملاحظہ فرمائیں ۔

" ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم نانوتوی اور طبیب روحانی حضرت حاجی صاحب (نیز حافظ ضامن صاحب) کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں (یعنی مجاہدین آزادی) سے مقابلہ ہو گیا ۔ یہ نبرد آزما طبقہ (یعنی علمائے دیوبند) اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا ۔ اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح پرجما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لئے تیار ہو گیا " ع۳

اسی انگریز دوستی کا نتیجہ تھا کہ شاہ محمد اسحٰق دہلوی جو سید صاحب اور انگریزی حکومت کے درمیان رابطہ تھے وہ انگریزوں کے تعاون سے روپیہ حاصل کر کے سید صاحب کو پہنچایا کرتے تھے ..... " اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہوکاران دہلی مرسلہ مولوی محمد اسحاق صاحب بنام سید صاحب روانہ ہوئی تھی، ملک پنجاب

ع۱ تواریخ عجیبہ ص۹۱ ع۲ ایضاً ص۳۳۶
ع۳ تذکرۃ الرشید ج ۱ ص۷۵

میں وصول نہ ہوتے پر اس سات ہزار روپے کی واپسی کا دعویٰ عدالت دیوانی میں دائر ہو کر ڈگری بحق مدعی بحال رہا۔" ع۱

سید صاحب نے انگریزوں کی مدد تین طریقے سے کی۔ پہلی مدد اس طرح کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کو شرعاً ناجائز قرار دیا۔ دوسری مدد اس طرح کہ خود انھوں نے ایسا ماحول بنا دیا کہ اکابر دیوبند مجاہدین آزادی سے ٹکرانے لگے اور تیسری مدد اس طرح کہ مسلم امراء اور رؤسا کو انگریزوں کا ہمنوا بنایا۔ چنانچہ حیات طیبہ کا مصنف بلاخوف تردید لکھتا ہے۔

"لارڈ ہیسٹنگز سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگذاریوں سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگز اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔" ع۲

امیر خاں کا پورا نام نواب امیر علیخاں ہے۔ یہ والیٔ ٹونک تھے۔ انگریزوں نے جب نواب امیر علیخاں صاحب کو شکست دے کر خانماں برباد کر دیا۔ دولت و سطوت چھین لی تو مجبوراً امیر علیخاں نے گوالیار میں پناہ لی۔ ایسے انگریز دشمن کو بھی شیشہ میں اتارنا سید صاحب کا واقعی ایک عظیم کارنامہ تھا جسے انگریز فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ انہی کارگذاریوں کی بنا پر سید صاحب کے لشکر کے لئے راشن پانی کا انتظام انگریز والے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی فرماتے ہیں ـــ "اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں۔ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں۔ انگریز گھوڑے پر سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کرا رکھے تھے کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انھوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہونچیں۔ یہ اطلاع پاکر میں غروب آفتاب تک کھانے کی تیاری میں مشغول رہا۔ تیار کرانے کے بعد لایا ہوں۔ سید صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے اور کھانا لیکر قافلہ میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا۔" ع۳

غور فرمایئے! بہادر شاہ ظفر، سلطان ٹیپو اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے تصور سے انگریزوں کی رات کی نیند حرام ہو جائے۔ تمام مجاہدین آزادی کو موت کے گھاٹ اتار دینا انگریزی اقتدار کا نصب العین ہو، جواب دیا جائے کہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے والا انگریز سید صاحب کے لشکر کے لئے راشن پانی کا انتظام کیوں کر رہا ہے؟ انگریزوں کی عیاری سے جو لوگ واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں کتنی گہری سازش ہوتی ہے انگریزوں نے سید صاحب کو پادری صاحب کہہ کر دو کام لئے۔ اول یہ کہ مسلمانوں کا انگریزوں کے خلاف متحدہ محاذ بنانے نہیں دیا۔ دوم یہ کہ مسلمانوں کی توجہ انگریزی مظالم سے ہٹا کر سکھوں کی طرف منتقل کرا دیا۔ انگریز خوب جانتا تھا کہ اس نے اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھینا

ع۱ تواریخ عجیبہ ص ۸۹ ع۲ حیات طیبہ ص ۲۹۶ ع۳ سیرت سید احمد ج ۱ ص ۱۹۰ و سوانح احمدی ایضاً

ہے لہٰذا واپسی کی جد و جہد مسلمان کی طرح دوسری قوم نہ کر سکے گی۔ اس لئے مسلمانوں کو متحد نہ ہونے دیا جائے چاہے اس کے لئے سید صاحب اور ان کے لشکر کی پرورش ہی کرنی پڑے۔ انگریزوں نے تمام مسلم سپاہیوں کو چھوٹ دے رکھی تھی کہ وہ سید صاحب کے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں کیونکہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے ان سے بہتر کوئی دوسرا مذہبی رہنما نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"حلقہ الہ آباد میں جو مسلمان سپاہی مختلف خدمات پر متعین تھے اور تین سو کی تعداد میں تھے انھوں نے انگریز قلعہ دار کی اجازت سے حضرت (سید صاحب) کو قلعہ میں تشریف لانے کی زحمت دی۔ تخت نشین پر جو سلاطین سابق کی تخت گاہ تھی آپ کو بٹھایا۔" ع۱

سوچئے! مجاہدین آزادی پھانسی کے تختوں پر لٹکائے جا رہے ہیں، علامہ فضل حق خیر آبادی علیہ الرحمۃ کو کالا پانی کی سزا دی جا رہی ہے۔ اور سید صاحب کو انگریز قلعہ دار کی اجازت سے تخت نشین پر بٹھایا جا رہا ہے کیا تاریخ اسلام میں کبھی اور مذہبی رہنما کی ایسی مثال مل سکتی ہے۔ جس نے پوری قوم سے غداری کی ہے۔ اگر کوئی عقیدتمند میرے اس ریمارک میں تلخی محسوس کرتا ہو تو مجھے معذور سمجھئے اس لئے کہ جب کلیجہ پھٹنے لگتا ہے تو قلم ادبی شہ پاروں کے بجائے جگر کے ٹکڑوں کو پیش کرتا ہے۔

میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ سید صاحب کا سکھوں کے خلاف مسلمانوں کو صف آراء کرنا، انگریزوں کا سیاسی اسٹنٹ تھا۔ بہادر شاہ ظفر کے بچوں کا قتل دہلی میں مسلمانوں کے قتل عام کا روح فرسا منظر اور عورتوں، بچوں کا خون، مسلمانوں کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ انگریزوں کو خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان متحد ہو کر اٹھ کھڑے نہ ہوں، کیوں کہ علمائے اہل سنت نے جہاد کا فتویٰ دیدیا تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے اپنی پرانی پالیسی (۱) خریدو (۲) لڑاؤ (۳) حکومت کرو پر عمل شروع کیا، اس کے لئے ان کی نظر سید صاحب اور شاہ اسمٰعیل پر پڑی۔ سودا ہو گیا۔ پھر کیا تھا، سکھوں کے مظالم بیان کئے جانے لگے تاکہ مسلمانوں کی توجہ اصل دشمن سے ہٹ کر ہم وطنوں کی طرف منتقل ہو جائے۔ چنانچہ سید صاحب نے انگریزوں کی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق ہندوستانی مسلمانوں کے ذریعہ سکھوں سے جہاد کے نام پر مسلمانوں کی سلطنتوں کو مزید کچلنے کا پورا پورا موقعہ دیا گیا۔ چنانچہ سید صاحب کا عقیدتمند مورخ مولوی محمد جعفر تھانیسری رقمطراز ہے۔

"بملاحظہ مکتوبات احمدی یہ بھی صاف ظاہر ہے کہ سید صاحب نے واسطے تباہی سلطنت پنجاب کے، جس قدر سیف و سنان کا کام لیا تھا اس سے زیادہ قلم اور زبان سے آپ نے کام لیا تھا۔ بخارا اور کاشغر اور افغانستان اور

ع۱ سیرت سید احمد ج ۱ ص ۱۹۶

بوچستان اور سندھ و پنجاب و کشمیر و کاغان وغیرہ کے کل مسلمان امراء اور رؤساء اور خاندان شاہ شجاع بادشاہ کابل آپکے ساتھ شریک ہو چکے تھے" ع۱

اگر سید صاحب انگریزوں کے وفادار نہ ہوتے تو وہ مذکورہ طاقتوں کو متحد کرکے انگریزوں کے خلاف استعمال کرتے اور کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کی جد وجہد کرتے لیکن ان کی تحریک کو چونکہ انگریزوں نے جنم دیا تھا اور سید صاحب کو ہر طرح کی مالی امداد حاصل تھی اسی لئے انھوں نے مغل باشاہوں کے معاونین جو افغانی مسلمان تھے کی توجہ انگریزوں کی طرف سے ہٹا کر سکھوں کی طرف مبذول کرانے میں کامیاب ہو گئے اور انگریزوں کی منفعت بھی اسی میں تھی کہ مسلمان سکھوں سے ٹکرائیں تاکہ ہندستان میں دو نوں طاقتیں آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں اور انگریزی اقتدار سلامت رہے۔

سید صاحب نے انگریز دوستی کا حق صرف اسی صورت میں نہیں ادا کیا کہ مسلم امرا اور رؤسا کی توجہ سکھوں کی طرف پھیر کے انگریزوں کو ہر طرح سے محفوظ رکھا، بلکہ انگریزی اقتدار کی بہی خواہی کے لئے مجاہدین آزادی سے خود جنگ کی جو مغلیہ سلطنت کے حامی اور انگریزوں کے دشمن تھے۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا بیان سوانح نگار ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"حضرت (گنگوہی) نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ حافظ جانی ساکن انبیٹھہ نے مجھے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے۔ بہت سی کرامتیں وقتاً فوقتاً سید صاحب سے دیکھیں۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی ع۲ مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے اور یہ سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد مسمّٰی یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔" ع۳

یار محمد خاں حاکم یاغستان نہ کسی انگریز افسر کا نام ہے نہ کسی سکھ جیا راجہ کا۔ یہ ایک کلمہ گو اور اہل قبلہ کا نام ہے جس سے سید صاحب نے پہلی جنگ کی۔ اس سے زیادہ سید صاحب انگریزوں کی مدد اور کیا کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آراء کرنا اور ہندستانی مسلمانوں کی توجہ انگریزی اقتدار اور ظلم وستم کی داستاں سے ہٹا کر سکھوں کی طرف مبذول کرانا اور کبھی کبھی انگریزی اقتدار کی حمایت میں اسے عادل اور محافظ باور کرانا سید صاحب کی ایسی وفاداری ہے جسے انگریز کبھی فراموش نہیں کر سکتا چنانچہ شمال مغربی سرحد میں سید صاحب نے جب اپنی ایک آزاد حکومت قائم کی تو ایک اعلامیہ شائع کیا جس کے مندرجہ ذیل فقرے غور سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان فقروں نے سید صاحب کی انگریز دوستی کو بے نقاب کر دیا۔

دامن کو لئے ہاتھ میں کہتا تھا یہ قاتل
کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی

ع۱ تواریخ عجیبہ ص۱۸۱ ع۲ مولانا گنگوہی اور حافظ جانی کی سب سے بڑی مشترکہ کرامت یہ ہے کہ مولوی عبدالحی دہلوی کو مولوی عبدالحی لکھنوی بنا دیا۔ ناظرین لکھنوی کے بجائے دہلوی پڑھیں (مولف) ع۳ ارواح ثلٰثہ حکایت سید احمد ج ۱ ص۱۹۶

سید صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

" نہ با کسے از امرا مسلمین تنازعت داریم و نہ با یکے از رؤسائے مومنین مخالفت۔ باکنار مقابلہ داریم نہ با مدعیان اسلام۔ صرف با درا زمویان مقاتلہ۔ نا یا کلمہ گویان و اسلام جویان و نہ با سرکار انگریزی مخاصمت داریم۔ و نہ ہیچ را تنازعت کراز رعایا او ہستیم بحمایتش از مظالم برآیا" ع۱

ترجمہ:۔ نہ کسی مسلمان حاکم سے ہمارا جھگڑا ہے نہ کسی مسلمان رئیس سے ہماری مخالفت نہ کافروں سے مقابلہ ہے اور نہ مدعیان اسلام سے۔ ہماری جنگ صرف لانبے بال والوں (یعنی سکھوں) سے ہے۔ ہماری مخاصمت نہ کلمہ گو اور طالبان اسلام سے ہے اور نہ ہی سرکار انگریزی سے۔ کیونکہ ہم ان کی رعایا ہیں اور ان کی پناہ و حفاظت میں مظالم سے محفوظ ہیں۔

" باکنار مقابلہ داریم نہ با مدعیان اسلام" — اور " نہ با سرکار انگریزی مخاصمت داریم" ان دو واضح جملوں نے بتا دیا کہ سید صاحب کی تمام لڑائیوں کی نوعیت کیا تھی؟ غور فرمایئے جو جنگ کفر و اسلام کے اختلاف کی بنیاد پر نہ لڑی گئی ہو اسے اسلامی جنگ قرار دینا اور اس کے سپاہیوں کو مجاہدین باور کرانا۔ کیا اسلام کے تصور جہاد کو مجروح کرنا نہیں ہے؟ سید صاحب نے اپنی ساری جد وجہد کو بے نقاب کرکے بتایا کہ اس کا تعلق کفار و مشرکین سے نجات حاصل کرنا نہیں ہے اور نہ ہی سرکار انگریزی سے انھیں کوئی مخاصمت ہے وہ تو مسلمانوں کی مجموعی طاقت کو صرف لانبے بال والوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ انگریزی حکومت سے عدم مخاصمت کی وجہ سید صاحب یہ بتاتے ہیں کہ وہ اور ان کی قوم انگریزوں کی پناہ وحفاظت میں مظالم سے محفوظ ہے۔

بے شک سید صاحب اور ان کی مختصر سی امت مظالم سے محفوظ تھی۔ ظلم کے پہاڑ تو تحریک آزادی کے علمبرداروں پر ٹوٹے تھے۔ مظالم کی موسلا دھار بارش علامہ فضل حق خیر آبادی اور دیگر علمائے اہل سنت پر ہو رہی تھی جنھیں انگریز دوستی میں بدعتی اور قبر پجا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی جاتی ہے۔ ظلم وستم اور جبر و تشدد تو ان لوگوں پر روا رکھا گیا تھا جو انگریزوں کو ذلیل و رسوا کرکے ہندستان کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ ایسے ظلم وجور کے دور میں سید صاحب اور ان کا مختصر سا گروہ یقیناً مامون و محفوظ رہا ہو گا کیوں کہ جسے انگریزوں کی سرپرستی حاصل ہو اس سے زیادہ انگریزوں کے اقتدار میں کون مامون و محفوظ رہ سکتا ہے۔ کاش سید صاحب کی سکھ دشمنی، انگریز دوستی کا نتیجہ نہ ہوتی — منشی محمد جعفر تھانیسری سوانح احمدی میں تحریر فرماتے ہیں۔

" یہ بھی صحیح روایت ہے کہ جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے۔ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں سے جہاد کرنے کو جاتے ہیں۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہے وہ دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کرکے ملک ہندستان لیلو یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا۔ ...... سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے ......

ع۱ سوانح احمدی ص۲۳

سکھوں سے جہاد کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ برادران اسلام پر ظلم کرتے ہیں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے سے مزاحم ہوتے ہیں ...... اور سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم و زیادتی نہیں کرتی۔ نہ انکو ادائے عبادت سے روکتی ہے " ع ۱

انگریز دوستی کی اس سے زیادہ بدترین مثال اور کیا مل سکتی ہے کہ سید صاحب کو سکھوں کے ظلم و جور یاد رہے۔ لیکن بے شمار مسلمانوں کا انگریزوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جانا یاد نہ رہا۔ کیوں کہ سید صاحب ظالم انگریزوں کی وفاداری کا حلف اٹھا چکے تھے۔ سید صاحب نے سکھوں کے تعلق سے جتنی باتیں بیان کی ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تقریباً بیس سال قبل انگریزوں کے بھی مظالم کی ایسی ہی تفصیل بیان فرمائی ہے اور اسی بناء پر انگریزی مقبوضات کو حضرت شاہ صاحب نے دار الحرب قرار دیا تھا۔ اس کے بعد بھی علمائے اہل سنت خصوصاً مجاہد جلیل علامہ فضل حق خیر آبادی نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ لیکن ان فتووں کا اثر ان لوگوں پر کیسے پڑتا جو انگریزوں کی چوکھٹ پر ان کی روشنی میں سجود نیاز لٹا رہے تھے۔

سید صاحب نے انگریزی اقتدار کو مضبوط بنانے کے لئے نہ صرف مسلمانوں کا رخ سکھوں کی طرف پھیرا بلکہ ہندوؤں کو بھی مشتعل کر کے اپنے لشکر میں شامل کیا اور انھیں بھی سکھوں سے لڑا دیا۔ چنانچہ راجہ رام ہندو پر سید صاحب کا جادو اثر کر چکا تھا اور سید صاحب نے اسے اپنا معتمد بنا لیا یہاں تک کہ پورا توپ خانہ اسی کی کمانڈری میں دے دیا تھا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد میاں ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند اپنی کتاب علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد دوم (ہندستانی مسلمان اور تحریک آزادی) میں راجہ رام ہندو کی سید صاحب کے لشکر میں شمولیت اور اس کے کارنامہ کا اقرار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ " راجہ رام ہندو، سید صاحب کے توپ خانہ کا کمانڈر ہے اور سکھوں کی فوج پر گولہ باری کر رہا ہے " ع ۲

اب اس لشکر کے بارے میں قارئین کا کیا خیال ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں پر مشتمل ہو۔ کیا اس میں مرنے والے اسلامی شہید ہیں؟ کیا راجہ رام ہندو سید صاحب پر جان قربان کر کے شہید بن سکتا تھا؟ تو پھر اس لشکر کے دیگر مقتولین کو اسلامی شہید کیوں کہا جائے؟ جب کہ پورا لشکر انگریزوں کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا ذہن پر بوجھ نہ ہو تو تاریخ کے چند تراشے ملاحظہ ہوں

(۱) "بھلا مسلمانوں (یعنی سید صاحب کی پارٹی) کو گورنمنٹ انگلش سے کیوں سرو کار ہونے لگا " ع ۳

(۲) " ہماری عادل سرکار کے قبضہ میں آگئی " ع ۴

سید صاحب کی وفاداری کو بیان کرتے ہوئے ان کے عقیدتمندوں نے عیسائی مورخ کی تکذیب بھی کی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔

(۳) " ڈاکٹر ہنٹر صاحب اور دوسرے متعصب مؤلفوں نے سید صاحب جیسے خیر خواہ اور خیر اندیش سرکار انگریزی کے حالات کو بدل سدل کر مخالفت کے پیرایہ میں لکھا ہے " ۱

گویا سید صاحب انگریزوں کے مکمل وفادار تھے۔ ان کے متعلق جہاں جہاں انگریز دشمنی بیان کی گئی ہے وہ ڈاکٹر ہنٹر جیسے سخت عیسائی اور دیگر مورخین کا محض تعصب ہے۔ کیوں کہ سید صاحب فی الواقع سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور خیر اندیش تھے۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اب سید صاحب کا وہ فتویٰ پڑھئے جو انگریزوں کی غلامی میں ڈوبا ہوا ہے۔

(۴) " پنجاب میں اس وقت ایک ایسی عادل اور بے ریا گورنمنٹ کی عملداری تھی کہ جس سے کسی طرح مخالفت جائز نہیں " ۲

جب پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ نہ تھا اس وقت سید صاحب نے سرحد پار اپنی ایک آزاد ریاست بنائی پھر پنجاب جو اس وقت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضہ میں تھا کے حصول کے لئے جدو جہد شروع کی تاکہ انگریزی اقتدار کی راہ میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ فتح ہو۔ سید صاحب نے اپنے معتقدین کو یقین دلایا تھا کہ فتح پنجاب سے پہلے میں مروں گا نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سید صاحب کا الہام تھا۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری فرماتے ہیں۔

" وعدۂ فتح پنجاب کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا کہ آپ ان کو سراسر صادق اور ہونہار سمجھ کر بار بار فرماتے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے ... کہ ملک پنجاب ضرور میرے ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس فتح سے پہلے مجھ کو موت نہ ہوگی " ۳

یہ الہام کس طرح پورا ہوا وہ بھی ملاحظہ ہو۔

" سلطنت پنجاب متعصب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزاد اور لامذہب قوم کے ہاتھوں میں آگئی جس کو ہم مسلمان اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصور کرتے ہیں اور غالباً سید صاحب کے الہام کی صحیح تاویل یہی ہوگی جو ظہور میں آئی " ع ۴

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ سید صاحب نے سکھوں سے جنگ اسلام اور اہل اسلام کے لئے ہرگز نہیں کی تھی بلکہ انگریزی مملکت کی توسیع کے لئے یہ سب پاپڑ بیلے تھے جیسا کہ ان کے الہام کی صحیح تاویل سے معلوم ہوتا ہے۔ سید صاحب کا ایک عقیدتمند مورخ فیصلہ کرتا ہے کہ .....

ع ۱ سوانح احمدی ص ۹۱ ع ۲ علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۲۷۸
ع ۳ حیات طیبہ ص ۳۰۱ ع ۴ ایضاً ص ۱۸۱

ع ۱ تواریخ عجیبہ ص ۲۳۶ ع ۲ ایضاً ص ۲۲۲ ع ۳ تواریخ عجیبہ ص ۱۸۰
ع ۴ ایضاً ص ۱۸۰

"وہ اس آزاد عملداری (یعنی انگریزی عملداری) کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے" ۱ے

کہتے دیکھئے کہ ؎

جعفر از بنگال صادق از دکن

ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن

بڑی ناانصافی ہوگی اگر سید صاحب کو میر جعفر اور میر صادق کے برابر سمجھا گیا۔ اس لئے کہ جعفر و صادق نے انگریزوں کا ساتھ اس لالچ میں دیا تھا کہ انگریز بہادر انھیں اقتدار سونپ دیں گے لیکن سید صاحب کا معاملہ دوسرا ہے وہ سرے سے ہی حکومت کے خواہاں نہ تھے بلکہ انگریزوں کی عملداری کو ہی اپنی عملداری سمجھتے تھے۔ اس لئے سید صاحب انگریز دوستی میں جعفر و صادق سے بلند تر ہیں۔ انگریزوں کی غلامی میں میر جعفر اور میر صادق سید صاحب کے گرد پا کے برابر بھی نہیں۔

بات اگر سید صاحب اور شاہ اسماعیل دہلوی کی انگریز دوستی پر ختم کر دی گئی تو داستان غم بڑی نامکمل رہےگی۔ لہٰذا ان کے نقش پا کو رہنما بنانے والوں پر بھی آیئے ایک طائرانہ نظر ڈالتے چلیں تاکہ حق تلفی کا الزام تاریخ ہم پر نہ لگا سکے۔

مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی

پچھلے اوراق میں آپ کا نام نامی اسم گرامی آچکا ہے۔ آپ بھی سید صاحب کے زبردست پیرو بلکہ دست راست تھے۔ سید صاحب اور انگریزوں کے درمیان رابطہ کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ ان کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے انگریزوں کی امداد سے روپیہ حاصل کر کے سید صاحب تک پہنچایا ہے۔

"اس وقت ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی جو بذریعہ ساہوکاران دہلی مرسلہ مولوی محمد اسحاق صاحب بنام سید صاحب روانہ ہوئی تھی ملک پنجاب میں موصول نہ ہونے پر اس سات ہزار روپے کی واپسی کا دعویٰ عدالت دیوانی دائر ہو کر ڈگری بحق مدعی بحال رہا" ۲ے

اس وقت کا سات ہزار روپیہ آجکل کے حساب سے ایک لاکھ روپے سے بھی زیادہ ہے۔ اتنی بڑی رقم اگر انگریزوں کے خلاف استعمال ہوتی تو کیا انگریزی عدالت سے واپس کرائی جا سکتی تھی؟ یہ روپیہ بالاعلان اس لئے سید صاحب تک پہنچایا گیا کیوں کہ اسے انگریزوں کی بنائی ہوئی اسکیم پر خرچ ہونا تھا۔ اسی لئے شاہ محمد اسحاق دہلوی کے لئے ان کی خدمات جلیلہ کے پیش نظر انگریز حکومت نے مشاہرہ بطور وظیفہ جاری رکھا تاکہ انگریز دوستی کو صدمہ نہ پہنچے — جائدادیں تو علمائے اہل سنت کی ضبط کی گئیں جو انگریزوں سے ٹکرائے تھے۔ شاہ صاحب کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ کھلا اعتراف موجود ہے۔

"مولانا شاہ محمد اسحق صاحب کا واقعہ ہے۔ اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب گورنمنٹ انگریزی کا تسلط ہوا تو شاہ صاحب کا جو وظیفہ مقرر تھا وہ جاری رکھا گیا" ۱ے

مولانا اشرف علی تھانوی

آپ کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے۔ "توہین رسالت" ۲ے کے بھیانک جرم کے مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ محققین ان پر انگریز دوستی کا بھی الزام عائد کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی صدر آل انڈیا جمعیۃ علمائے اسلام فرماتے ہیں —

"مولانا اشرف علی تھانوی ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی طرف سے دیئے جاتے ہیں" ۳ے

خود مولانا تھانوی اپنے بارے میں فرماتے ہیں "تحریکات کے زمانے میں میرے متعلق یہ مشہور کیا گیا کہ چھ سو روپیہ ماہانہ گورنمنٹ سے پاتا ہے۔ ایک شخص نے ایک ایسے مدعی سے کہا کہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ یہ بھی خوف سے متاثر نہیں لیکن طمع سے متاثر ہے" ۴ے

مذکورہ بالا چھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ کی تاویل مولانا شبیر احمد عثمانی تائیں وظیفہ کے الفاظ میں یوں کرتے ہیں۔

"اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔ اب اس طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا" یہ بات مولانا عثمانی نے صرف اس لئے کہی کہ ان پر بھی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ علمائے ہند نے انگریزوں کی نمک خواری کا الزام لگایا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن فرماتے ہیں — "کلکتہ میں جمعیۃ علمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے..... (چند سطر بعد)..... گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لئے دیگی چنانچہ ایک بیش قرار رقم اس کے لئے منظور کر لی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالہ بھی کر دی گئی اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں" ۵ے

۱ے تواریخ عجیبہ ص۱۸۳ ۲ے تواریخ عجیبہ ص۸۹

۱ے ملاحظہ ہو حفظ الایمان ص۹ ۲ے مکالمۃ الصدرین ص۱۰ ۳ے افاضات الیومیہ ج ۷ ص۶۹۸ ۴ے مکالمۃ الصدرین ص۱۱

۵ے مکالمۃ الصدرین ص۸

مولانا عثمانی نے اپنی جمعیۃ پر لگائے گئے مذکورہ بھیانک الزام کی تردید سے کتراتے ہوئے فرماتے ہیں :" جو آپنے مولانا آزاد سبحانی کے متعلق بیان فرمایا ہے جو روایت آپنے بیان کی ہیں نہ اس کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب . ممکن ہے آپ صحیح کہتے ہوں " ع۱

مولانا عثمانی نے جب یہ محسوس کیا کہ مولانا حفظ الرحمٰن گھر کے بھیدی ہیں اور پول کھول رہے ہیں تو مجبوراً انھوں نے مولانا تھانوی کا پول کھولنا شروع کردیا کہ دیکھئے مولانا تھانوی کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو حکومت چھ سو روپئے ماہانہ دیتی تھی ۔ اگر میری جمعیۃ علمائے اسلام کو بھی دے تو کیا حرج ہے ۔ عثمانی صاحب کا بھولاپن ملاحظ ہو کہ روپیہ ملنے کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ روپیہ پانے والے کو خبر ہی نہیں کہ وہ انگریزی حکومت کا آلۂ کار بن گیا ہے ۔ اور معاوضہ میں چھ سو روپئے ماہانہ پا رہا ہے ۔ کیا یہ لوگ مورخین کو بھی مریدین کی صف میں رکھتے ہیں کہ ہم جو تاویل و توجیہہ کردیں ، مورخین بلا چوں وچرا سر تسلیم خم کردیں گے ۔

تبلیغی جماعت

اس جماعت پر بھی انگریزی حکومت کی بڑی مہربانیاں تھیں ۔ آج کل بھارت میں اسے جن سنگھ اور آر ایس ایس کی سرپرستی حاصل ہے ۔ انگریزی عہد میں یہ جماعت بھی وظیفہ خوری میں کسی سے پیچھے نہ رہی ۔ ملت دیابنہ ع۲ کا ایک ذمہ دار شخص اقرار کرتا ہے ۔

" مولانا حفظ الرحمٰن نے کہا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہوگیا ۔ " ع۳

بند ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ تبلیغی جماعت تائب ہوکر انگریز دشمن بن گئی تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ جس مسلمان افسر نے تبلیغی جماعت کو خرید کر انگریزی اقتدار کی سلامتی کے لئے آلۂ کار بنایا تھا اس کا تبادلہ ہوگیا اور اس کی جگہ ایک متعصب ہندو افسر آیا جو غالباً اپنی فرقہ پرست ذہنیت کے سبب انگریزوں کے مسلم وفاداروں کی جگہ ہندو وفاداروں کا فائدہ چاہتا تھا ۔ اسی ہندو افسر کی سفارش پر تبلیغی جماعت کی امداد بند ہوئی ہے ۔ مولانا حفظ الرحمٰن خود فرماتے ہیں ۔

" بہرحال اس مسلمان افسر کا تبادلہ ہوگیا اور ایک ہندو اس کی جگہ آگیا جس نے گورنمنٹ کو ایک نوٹ لکھا جس میں دکھلایا گیا کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف ہونا بالکل بیکار ہے پس آئندہ کے لئے ع۴ امداد بالکل بند ہوگئی

بات ذرا طویل اور صرف اسی لئے کہ قارئین پر یہ حقیقت واضح ہوجائے

ع۱ مکالمۃ الصدرین ص۹ ع۲ یعنی دیوبندی قوم ع۳ مکالمۃ الصدرین ص۸
ع۴ مکالمۃ الصدرین ص۸

کہ صرف مولانا تھانوی کو ہی سرکاری نعمت سے نہیں نوازا گیا بلکہ اس صف میں مولانا شبیر احمد عثمانی ، مولانا آزاد سبحانی اور مولانا الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت بھی ہے ۔

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک

بات چل رہی تھی مولانا تھانوی کی ، ناظرین اپنے ذہن کا رشتہ دوبارہ تھانوی صاحب سے جوڑ لیں ۔ تحریک خلافت کو کون نہیں جانتا ۔ انگریزوں نے اسے باغی جماعت قرار دیا تھا ۔ وہ صرف اس لئے کہ تحریک خلافت متحدہ ہندستان سے انگریزوں کو مار بھگانا چاہتی تھی ۔ اس کی سرگرمیاں ملک کے طول وعرض میں اتنی سرعت کے ساتھ پھیل گئیں کہ انگریزی حکومت کو خطرہ لاحق ہوگیا ۔ اسی لئے انگریزوں کو ضرورت محسوس ہوئی ایسے علماء کی جو تحریک خلافت کو بے قاعدہ ، بے اصول اور بے ایمان قرار دیں ۔ آخر کار چھ سو روپیہ ماہانہ نے اپنا اثر دکھایا اور مولانا تھانوی نے کہنا شروع کیا کہ ۔

" تحریکِ خلافت کے زمانے میں لوگ چاہتے تھے کہ جس طرح ہم بے قاعدہ اور بے اصول چل رہے ہیں نہ شریعت کے حدود کا تحفظ نہ احکام کی پروا - اسی طرح یہ بھی شرکت کرے ۔ میں نے کہا اگر تمہاری موافقت کی جائے تو ایمان جائے ۔ " ع۱

جب انگریزی حکومت کی جانب سے مسلمانانِ کشمیر پر مظالم کے پہاڑ گرائے جارہے تھے مسلمانوں کی ماؤں اور بہنوں کی عصمت دری برسرِبازار ہو رہی تھی ، عورتوں کا سہاگ لوٹا جارہا تھا تو اس وقت مجاہدین آزادی جتھے بناکے کشمیر روانہ ہو رہے تھے تاکہ وہاں کے مسلمانوں کی امداد کریں ، مسلم اور اسلام کے ناموس کی حفاظت کریں ۔ مگر عین اسی وقت مجاہدین کے اس اقدام کو مولانا تھانوی نے شراب اور جوا سے تشبیہ دیکر حرام قرار دیا ۔ وہ خود فرماتے ہیں ۔

" کشمیر پر جو جتھے جارہے ہیں اس کے متعلق ایک صاحب مجھ سے دریافت فرمانے لگے کہ ان جتھوں کا جائز یا ناجائز ہونا تو الگ بات ہے مگر نافع بہت ہے ۔ میں نے کہا جی ہاں خمر بھی نافع ہے میسر بھی نافع ہے ۔ " ع۲

انگریزوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے جس وقت مجاہدین آزادی نے جیلوں کو بھر دیا اور بھوک ہڑتال کر کے انگریزوں پر رات کی نیند حرام کردی اس وقت دیگر انگریز دوستوں کے ساتھ خود مولانا تھانوی بھی مجاہدین کے ان اقدامات کو خودکشی سے تعبیر کر رہے تھے ۔

" جتھوں کا جیل میں جانا یا پٹنا بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مترادف ہے اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہنچے تب بھی تو باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ہے " ع۳

مجاہدین آزادی کا جیلوں میں جانا وہاں انگریزی سامراج کے مظالم برداشت کرنا ۔ اس لئے خودکشی قرار دیا جارہا تھا کیوں کہ مولانا تھانوی کے نزدیک انگریزی حکومت عادل اور محافظ جان و مال تھی اور اس کے مقبوضات ان کے نزدیک دارالاسلام تھے ۔

ع۱ افاضات الیومیہ ج ۵ ص۶۵ ع۲ افاضات الیومیہ ج ۱ ص۱۱
ع۳ ایضاً ص۷۵

تھانوی صاحب فرماتے ہیں :-

" حکومت انگریزی میں رعایا پر کسی قسم کی دار و گیر و بے اطمینانی سرکار کی جانب سے نہیں ہوئی بلکہ بدستور ہر شخص اپنے جان و مال پر مطمئن رہا۔ (الی قولہ) بعض کے لئے امان اول باقی ہے بعض کے لئے امان ثانی یعنی مثل دو دونوں جزائیں یا دونوں اتصالوں کے ہوگا اور ترجیح دارالاسلام کو دی جائے گی"۔ ۱

مولانا تھانوی کے مذکورہ بالا فتویٰ کا اثر مسلمانوں نے ذرہ برابر بھی قبول نہ کیا اور نہ ہی وہ انگریزوں کے جبر و تشدد سے ہراساں ہوئے بلکہ انگریزوں کے مظالم جیسے جیسے بڑھتے گئے آزادی وطن کے متوالوں کا جوش و خروش بھی بڑھتا گیا۔ اور ہندوستانیوں کا مشترکہ محاذ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا ایک وقت ایسا بھی آیا جب کھلے اور واضح الفاظ میں "سوراج" کا نعرہ بلند کیا گیا جس وقت علمائے اہلسنت ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد کر رہے تھے یعنی "سوراج" کے خواب کو شرمندۂ تعبیر بنانے کی جدوجہد میں مصروف تھے ٹھیک اسی وقت بعض زرخرید مولویوں نے سوراج کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اسے شیخ چلی کا خواب بتایا۔ آزادی وطن کو صرف احتمال عقلی قرار دیا وعظ و نصیحت کی مجلسوں میں سوراج کو مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا جانے لگا چنانچہ مولانا تھانوی اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں :-

" طلب سلطنت محال کی طلب نہیں بلکہ احتمال کی طلب ہے گو اس احتمال کو پورا ہونا ایسا ہی ہے جیسے شیخ چلی کے احتمال کا پورا ہونا جیسے آج کل سوراج کی بہت سورش ہے۔ ہندوستانی بادشاہت کے طالب ہیں شاید تم کو بھی مل جائے احتمال تو ضرور ہے مگر بس احتمال ہی سے خوش ہو لو ورنہ یہ احتمال ایسا ہے جیسے ایک صاحب نے سیاہ کتے کو جھک کر سلام کیا تھا کسی نے وجہ پوچھی تو کہا شاید جن ہو اور جنوں میں بھی بادشاہ ہو اور میرے سلام کی وجہ سے خوش ہو کر کچھ دیدے۔ بس ایسی ہی حالت آپ کی طلب کی ہے۔" ۲

یا اللہ زمین پھٹ کیوں نہیں جاتی اور آسمان گر کیوں نہیں پڑتا۔ آزادی وطن کی جدوجہد کو شورش کہا جارہا ہے اسے شیخ چلی کا خواب بتایا جارہا ہے۔

ع قیامت کیوں نہیں آتی الٰہی ماجرا کیا ہے۔

صرف چھ سو روپیہ ماہانہ میں اتنا اثر تھا کہ سوراج کی جدوجہد کو شیخ چلی کا احتمال بتا کے اور کالے کتے سے تشبیہہ دیکر مذاق اڑایا جارہا ہے۔ تھانوی صاحب تو منوں مٹی کے نیچے دب گئے ہیں اب ان کے پیرو جواب دیں کہ وطن عزیز آزاد ہوا کہ نہیں؟ چھ سو روپے ماہانہ دینے والے آقاؤں کو ہندوستان سے مار بھگایا گیا کہ نہیں؟ اور سوراج جسکا تھانوی صاحب نے مذاق اڑایا ہے اب وہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ نہیں؟ -

۱ ایضاً صفحہ ۷۵ ۔ ۲ ماہنامہ الابقا، جلد ۴ ۲ع ۴
بابت ماہ اپریل ۱۹۵۳ء کراچی صفحہ ۲۷

ـــــ مولانا تھانوی کی تعلیمات میں ایک بنیادی تعلیم یہ بھی تھی کہ انگریز حاکموں کو ناراض نہ کیا جائے۔ یہ تعلیم اس لئے دیجاتی تھی کہ مسلمان انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرے اور چھ سو روپے ماہانہ کے علاوہ بھی کچھ ملے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں۔

" میں مسلمانوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم حکام وقت کو ناراض نہ کرو۔ یہ طریقہ بہت مضر ہے" ۱

انگریزی حکام کی اطاعت و فرماں برداری کا درس اگر وہ اپنی رائے کی حد تک دیتے تو صرف جعفر و صادق کی فہرست میں ان کا بھی شمار ہوتا۔ اور لوگ زیادہ اہمیت نہ دیتے لیکن مومن کا کلیجہ اس وقت پھٹنے لگتا ہے جب مولانا تھانوی اپنی انگریز دوستی کو قرآن کی تعلیمات کے عین مطابق قرار دینے لگتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ وہ انگریزی حکام کی حمایت کرتے ہوئے قرآن پاک سے یوں استدلال کرتے ہیں۔

" اور شریعت کا امر ہے " لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ کہ اپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالو تو ایسا کام نہ کرنا چاہیے جس میں حاکم کی ناراضی ہو کیونکہ اسکا انجام قریب بہ ہلاکت ہے اور مدت دراز تک مسلمانوں کو اسکا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے" ۲

مذکورہ آیہ کریمہ کو دلیل بنا کے انگریز حاکموں سے مخالفت مول لینے کو تھانوی صاحب خلاف شرع بتا رہے ہیں۔ ظالم انگریزوں کی ناراضی کو ہلاکت بتا کے مسلمانوں کو یہی تعلیم دیجا رہی ہے کہ وہ انگریز بہادر کو اپنے کسی عمل سے ناراض نہ کریں ورنہ مدت دراز تک اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ آخر شں کوئی جواب دے کہ انگریز حاکموں سے جہاد کرنا اور ان ظالموں سے نجات حاصل کرنے کے لئے انھیں پریشان و حیران کرنا اگر ہلاکت ہے تو شہادت اور ایثار و قربانی کسے کہتے ہیں کیا شہادت و قربانی کی عظمتیں انگریزوں کی چاپلوسی میں پوشیدہ ہے؟ یا اس مرد مجاہد کو درجہ شہادت نصیب ہوتا ہے جو ظالم کے سامنے بلا خوف و خطر کلمہ حق بلند کرتا ہوا قتل کیا جاتا ہے ـــــ مولانا تھانوی کا جہاد سے فرار، وہ بھی صرف چھ سو روپیہ ماہانہ یا اس سے کچھ زائد رقم کی خاطر ملت اسلامیہ سے کھل کر غداری ہے۔ کیا اب بھی انکی انگریز دوستی کو سمجھنے کے لئے کسی اور گواہی کی ضرورت رہ گئی ہے۔

اتمام حجت کے لئے ایک اور ایسی گواہی پیش کر رہا ہوں جس کے ہر لفظ سے انگریز کی محبت و عقیدت کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔ مولانا تھانوی خود فرماتے ہیں۔

" ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ اگر تمہاری حکومت ہو جائے تو انگریزوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرو گے میں نے کہا محکوم بنا کے رکھیں گے، کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم بنا کے ہی رکھیں گے۔ مگر ساتھ ہی اس کے نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ انھوں نے ہمیں آرام پہونچایا"۔ ۳

۱ ماہنامہ الابقاء، جلد ۱۵ ع ۹ بابت ماہ مئی ۱۹۴۲ء دہلی صفحہ ۴۰ -
۲ ماہنامہ الابقاء، جلد ۱۵ نمبر ۱۰ بابت جون ۱۹۴۳ء دہلی صفحہ ۱۴ -
۳ افاضات الیومیہ ج ۴ ص ۶۹ -

بے شک انگریزوں سے آپ حضرات کو بہت آرام ملا ہے۔ وطن فروشوں کے لئے انگریز کا خزانہ کھلا ہوا تھا تاریخ کا یہ فیصلہ ناقابل تردید حقیقت بن چکا ہے کہ مولانا الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت انگریزوں کے روپے سے بنی مولانا شبیر احمد عثمانی کی جمعیۃ علمائے اسلام کو انگریز نے ایک بیش قرار رقم دی۔ مولانا آزاد سبحانی نے براہ راست انگریزوں سے روپیہ لیا مولانا اسحاق دہلوی کا باقاعدہ وظیفہ مقرر تھا سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کی پوری فوج کا راشن پانی انگریزوں کے ذمہ تھا۔ علاوہ ازیں سید صاحب نے ایک ہنڈی سات ہزار روپے کی انگریزوں کی مدد سے حاصل کی۔ خود مولانا تھانوی کو چھ سو روپیہ ماہانہ ملا کرتا تھا۔ یہ وہ رقمیں ہیں جو ظاہر ہو گئیں ابھی بہت سی خفیہ رقمیں ہیں جن پر دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں نقاب کشائی انشاء اللہ تعالیٰ میدان حشر میں ہوگی۔

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

مولانا رشید احمد گنگوہی آپ کا شمار اکابر علماء دیوبند میں ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ملتِ دیابنہ[2] کی قیادت آپ کے ہاتھ میں تھی تو غلط نہ ہوگا۔ آپ کو اپنے بارے میں جو خوش فہمی تھی وہ انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

دو سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بہ قسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں " مگر اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر۔" [1]

خط کشیدہ وہ جملہ " میں کچھ نہیں ہوں " مولانا گنگوہی نے تواضعاً فرمائی ہے۔ ورنہ یہ جملہ دو بھاری بھرکم دعوؤں کے بیچ میں مہمل بن کے رہ جائے گا۔

پہلا دعویٰ :۔ حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔

دوم دعویٰ :۔ اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر

ان دونوں دعوؤں پر تبصرہ کرنے کے بجائے صرف یہ کہکر آگے بڑھ جانا ہے کہ اسی طرح کا خبط مرزا غلام احمد قادیانی کو ہوا تو موصوف کی پوری ذریت غیر مسلم قرار دے دی گئی۔ دیکھئے گنگوہی صاحب کے ساتھ کب انصاف کیا جاتا ہے۔ کیونکہ راقم الحروف تو یہی سمجھتا ہے کہ کوئی مجدد ہو یا محدث فقیہہ ہو یا مجتہد وہ خود اپنے اتباع کی دعوت نہیں دیتا۔ بلکہ اتباع شریعت کی دعوت دیتا ہے اور یہ شان انبیا اور مرسلین کی ہے کہ وہ اپنے اتباع پر ہی ہدایت و نجات کو موقوف قرار دیں۔ اب دیوبندی حضرات خود یہ فیصلہ کریں کہ گنگوہی صاحب کی اس دبی آواز نے انکو قادیانی صاحب سے کتنا قریب کیا ہے؟

ع۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

تعارف میں بات ذرا طویل ہو گئی۔ اس کتاب کا منشا، ان حضرات کی مذہبی نوعیت کو واضح کرنا نہیں ہے اس کے لئے آپ " زلزلہ " (مصنف علامہ ارشد القادری) کا مطالعہ کریں جو بے حد مفید ہے ——— یہاں تو راقم الحروف صرف ان حضرات کی انگریز دوستی کو واضح کرنا چاہتا ہے تاکہ بے شمار تہوں میں دبی ہوئی حقیقت سے ملت اسلامیہ کو آگاہ کیا جائے اور مکر و فریب کی پوری بساط کو الٹ دیا جائے۔

[1] تذکرۃ الرشید ج ۲ صفحہ ۱۷ — [2] یعنی دیوبندی مذہب کے پیرو۔

اس موقع پر ہم زلزلہ کا ایک طویل اقتباس پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ علمائے دیوبند کی انگریز دوستی کو رات کی تاریکی میں بھی دیکھا جا سکے اور اسی کے ساتھ لاجواب کتاب زلزلہ کا بھی مختصر سا تعارف ہو جائے لیجئے اقتباس ملاحظہ فرمائیے

دارالعلوم دیوبند میں الحاد و نصرانیت کا ایک مکاشفہ

لگے ہاتھوں انہی دیوان جی[1] کا ایک کشف اور ملاحظہ فرمائیے مولوی مناظر احسن گیلانی اپنے اسی حاشیہ میں یہ روایت نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں " ان ہی دیوان جی کے مکاشفہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہی نقل کیا جاتا ہے لکھتے ہیں کہ مثالی عالم میں ان پر منکشف ہوا کہ دارالعلوم کے چاروں طرف ایک سرخ ڈورا تنا ہوا ہے

اپنے اس کشفی مشاہدہ کی تعبیر خود یہ کیا کرتے تھے کہ نصرانیت اور تجدد و آزادی کے آثار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم میں نمایاں ہوں گے۔" [2]

مجھے اس مقام پر اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا ہے کہ جو لوگ اپنا عیب چھپانے کے لئے دوسروں پر انگریزوں کی کاسہ لیسی اور سازباز کا الزام عائد کرتے ہیں وہ گریباں میں منہ ڈالکر ذرا اپنے گھر کا یہ کشف نامہ ملاحظہ فرمالیں ——— کتاب کے مصنفین کو اس کشف پر اعتماد نہ ہوتا تو وہ ہرگز اسے شائع نہ کرتے ———،

اور بات کشف تک ہی نہیں ہے تاریخی دستاویزات بھی اس امر واقعہ کی تائید میں ہیں کہ انگریزوں کے ساتھ نیاز مندانہ تعلقات اور رازدارانہ سازباز دارالعلوم دیوبند اور منتظمین و عمائدین کا ایسا نمایاں کارنامہ ہے جسے انھوں نے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور یہ بات بھی از راہ الزام نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ دیوبندی لٹریچر

[1] دیوان جی کا اصل نام لٰسین تھا اور بقول قاری محمد طیب مہتمم مدرسہ دیوبند دیوان جی کا خصوصی تعلق مولوی قاسم نانوتوی سے تھا اور دیوبند میں نانوتوی صاحب کی خانگی اور ذاتی امور کا تعلق بھی انہیں سے تھا اور بقول مولوی حبیب الرحمان سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند دیوان جی کی کشفی حالت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ باہر آنے جانے والے نظر آتے تھے در و دیوار کا حجاب ان کے درمیان ذکر کے وقت باقی نہیں رہتا تھا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ صفحہ ۴۳) مرتبہ مولوی مناظر احسن گیلانی

[2] سوانح قاسمی ج ۲ صفحہ ۴۳

سے جو تاریخی شہادتیں مجھے موصول ہوئی ہیں انکی روشنی میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ نمونے کے طور پر چند تاریخی حوالے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں :-

انگریزوں کے خلاف افسانۂ جہاد کی حقیقت

ایک دیوبندی فاضل نے "مولانا محمد احسن نانوتوی" کے نام سے موصوف کی سوانح حیات لکھی ہے جسے مکتبہ عثمانیہ کراچی (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔ اپنی کتاب میں مصنف نے اخبار "انجمن" پنجاب لاہور مجریہ ۱۹ فروری ۱۸۷۵ء کے حوالے سے لکھا ہے کہ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لفٹنٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمّی پامر نے مدرسہ دیوبند کا معائنہ کیا۔ معائنہ کی جو عبارت موصوف نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے اسکی چند سطریں خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔

"جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صرفہ سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار، ممد و معاون سرکار ہے۔"

(مولانا احسن نانوتوی صـ ۲۱۷)

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خود انگریز کی یہ شہادت ہے کہ "یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے"

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس بیان کے سامنے اب اس افسانے کی کیا حقیقت ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ مدرسہ دیوبند سامراج کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کا بہت بڑا اڈّہ تھا۔

مدرسہ دیوبند کے قدیم کارکنوں کا انگریزوں کے ساتھ کس درجہ خیر خواہانہ اور نیازمندانہ تعلق تھا۔ اس کا اندازہ لگانے کیلئے خود قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا یہ تہلکہ خیز بیان پڑھئے۔ فرماتے ہیں

"(مدرسہ دیوبند کے کارکنوں کی اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔"

(حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ صـ ۲۴۷)

آگے چلکے انھیں "بزرگوں" کے متعلق لکھا ہے کہ مدرسہ دیوبند میں ایک موقع پر گورنمنٹ کی جب انکوائری آئی تو" اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھکر مدرسہ کی طرف سے صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی" (حاشیہ سوانح قاسمی)

گھر کا راز دار ہونے کی حیثیت سے قاری طیب صاحب کا بیان جتنا باوزن ہو سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

"اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ جس مدرسہ کے چلانے والے انگریزوں کا وفاپیشہ نمک خوار ہوں اسے باغیانہ سرگرمیوں کا اڈہ کہنا آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے یا نہیں؟ اب انگریزوں کے خلاف دیوبندی اکابر کے افسانۂ جہاد اور بغاوت کی پرانی بساط الٹ دینے والا ایک سنسنی خیز کہانی اور سنئے۔

سوانح قاسمی میں مولوی قاسم نانوتوی کے ایک حاضر باش مولوی منصور علی خان کی زبانی یہ قصہ نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں مولانا نانوتوی کے ہمراہ نانوتہ جا رہا تھا کہ اثنائے راہ میں مولانا کا حجام افتاں وخیزاں آتا ہوا ملا اور اس نے خبر دی کہ نانوتہ کے تھانیدار نے ایک عورت کے بھگانے کے الزام میں میرا چالان کر دیا ہے۔ خدارا مجھے بچائیے۔ مولوی منصور خان کا بیان ہے کہ نانوتہ پہونچتے ہی مولانا نے اپنے مخصوص کارندہ منشی محمد سلیمان کو طلب کیا اور پر جلال آواز میں فرمایا

"اس غریب کو تھانیدار نے بےقصور پکڑا ہے تم اس سے کہدو کہ یہ (حجام) ہمارا آدمی ہے اسکو چھوڑ دو ورنہ تم بھی نہ بچوگے۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالو گے تو تمہارے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی پڑے گی۔" (سوانح قاسمی ج ۱ صفحہ ۳۲۱، ۳۲۲)

لکھا ہے کہ منشی محمد سلیمان نے مولانا نانوتوی کا حکم ہو بہو تھانیدار تک پہونچا دیا۔ تھانیدار نے جواب دیا کہ اب کیا ہو سکتا ہے روزنامچہ میں اس کا نام میں لکھ دیا گیا۔

مولانا نانوتوی نے اس جواب پر حکم دیا کہ تھانیدار سے جاکر کہدو کہ اس کا نام روزنامچہ سے کاٹ دو منصور علی خان کا بیان ہے کہ مولانا کا یہ حکم پاکر سراسیمگی کی حالت میں تھانیدار خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

"حضرت نام نکالنا بڑا جرم ہے۔ اگر نام اس کا نکالا تو نوکری جاتی رہیگی فرمایا۔ اسکا نام (روزنامچہ سے) کاٹ دو تمہاری نوکری نہیں جائے گی۔

(سوانح قاسمی ج ۱ صـ ۳۲۳)

واقعہ کا راوی کہتا ہے کہ مولانا کے حکم کے مطابق تھانیدار نے حجام کو چھوڑ دیا۔ اور تھانیدار تھانیدار ہی رہا۔

مجھے اس واقعہ پر بجز اس کے اور کوئی تبصرہ نہیں کرنا ہے کہ مولوی قاسم نانوتوی اگر انگریزی حکومت کے باغیوں میں تھے تو پولیس کا محکمہ اس قدر ان کے تابع فرمان کیوں تھا۔؟ اور تھانیدار کو یہ دھمکی کہ "اسے چھوڑ دو ورنہ تم بھی نہ بچوگے" وہی دے سکتا ہے جسکا ساز باز اوپر کے مرکزی حکام سے ہو۔

انگریزی قوم کی بارگاہ میں نیازمندانہ ذہن کا ایک رخ اور ملاحظہ فرمایئے
اس سلسلہ میں سوانح قاسمی کے مصنف کی ایک عجیب وغریب روایت سنئے۔ فرماتے ہیں۔

"انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے ہیں ان میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے کہتے جاتے تھے کہ لڑنے کا کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں"
(حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ صـ ۱۰۳)

انگریزوں کے صف میں حضرت خضر کی موجودگی اتفاقاً نہیں پیش آئی تھی بلکہ وہ "نصرت حق" کی علامت بن کر انگریزی فوج کے ساتھ ایک بار اور دیکھے گئے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں کہ:-

"غدر کے بعد جب گنج مرادآباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا (شاہ فضل الرحمان صاحب) جا کر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے ... کسی وجہ سے انگریزی فوج گذر رہی تھی مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا انگریزی فوج کے ایک سائیس سے جو باگ ڈور کھونٹے وغیرہ گھوڑے کا لئے ہوئے تھا۔ اس سے باتیں کر کے پھر مسجد واپس آگئے۔

اب یاد نہیں رہا کہ پوچھنے پر یا خود بخود فرمانے لگے کہ سائیس جس سے میں گفتگو کی یہ خضر تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے تو جواب میں کہا کہ حکم یہی ہوا ہے۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ صـ ۱۰۳)

بات ختم ہو گئی لیکن یہ سوال سر پہ چڑھ کے آواز دے رہا ہے کہ جب حضرت خضر کی صورت میں نصرت حق انگریزی فوج کے ساتھ تھی ان باغیوں کے لئے کیا حکم ہے جو حضرت خضر کے مقابلہ میں لڑنے آئے تھے؟ کیا اب بھی انھیں غازی اور مجاہد کہا جا سکتا ہے؟

اپنے موضوع سے ہٹ کر ہم بہت دور نکل آئے لیکن آپ کی نگاہ پر بار نہ آئے تو اس بحث کے خاتمے پر اکابر دیوبند کی ایک دلچسپ دستاویز اور ملاحظہ فرمایئے۔

دیوبندی حلقے کے ممتاز مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی اپنی کتاب تذکرۃ الرشید میں انگریزی حکومت کے ساتھ مولوی رشید احمد گنگوہی کے نیازمندانہ جذبات کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں

"آپ سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے (تذکرۃ الرشید ج ۱ صفحہ ۸۰)

کچھ سمجھا آپ نے؟ کس الزام کو یہ جھوٹا کہہ رہے ہیں یہی کہ انگریزوں کے خلاف انھوں نے علم جہاد بلند کیا تھا میں کہتا ہوں کہ گنگوہی صاحب کی یہ پرخلوص صفائی کوئی مانے یا نہ مانے لیکن کم از کم ان کے معتقدین کو تو ضرور ماننا چاہئے۔ لیکن غضب خدا کا کہ اتنی شد و مد کے ساتھ صفائی کے باوجود بھی ان کے ماننے والے یہ الزام ان پر آج تک دہرا رہے ہیں کہ انھوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ دنیا کی تاریخ میں اسکی مثال مشکل ہی سے ملے گی کہ کسی فرقے کے افراد نے اپنے پیشوا کی اسطرح تکذیب کی ہو۔

اور "سرکار مالک ہے سرکار کو اختیار ہے" یہ جملے اسکی زبان سے نکل سکتے ہیں جو "تن" سے لے کر "من" تک پوری طرح کسی جذبۂ غلامی میں جذب ہو چکا ہو۔

آہ! دلوں کی بدبختی اور روحوں کی شقاوت کا حال بھی کتنا عبرت انگیز ہوتا ہے۔ سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ خدا کے باغیوں کے لئے تو جذبۂ عقیدت کا یہ اعتراف ہے کہ وہ مالک بھی ہیں مختار بھی! لیکن احمد مجتبیٰ اور محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے۔

"جسکا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک مختار نہیں"
(تقویۃ الایمان)

بے شک یہ بتانے کا حق ملوک ہی کو ہے کہ اس کا مالک کون ہے۔ کون نہیں۔ جو مالک تھا اس کے لئے اعتراف کی زبان کھلتی تھی، کھل گئی۔ اور جو مالک نہیں تھا، اس کا انکار ضروری تھا ہو گیا۔ اب یہ بحث بالکل عبث ہے کہ کس کا مقدر کس مالک کے ساتھ وابستہ ہوا۔"

یہاں پہونچکر ہمیں کچھ نہیں کہنا ہے تصویر کے دونوں رخ آپ کے سامنے ہیں مادی منفعت کی کوئی مصلحت مانع نہ ہو تو اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ دلوں کی اقلیم میں کس کی بادشاہت کا جھنڈا گڑا ہوا ہے ــــ سلطان الانبیاء کا، یا تاج برطانیہ کا؟
(زلزلہ مصنفہ علامہ ارشد القادری صـ ۹۳ تا صـ ۱۰۱)

اس سے قبل کہ مولانا گنگوہی کی انگریز دوستی پر سیر حاصل گفتگو کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قائد حریت مولانا فضل حق خیرآبادی کے بارے میں تاریخ کا ایک فیصلہ پڑھ لیا جائے۔ تاکہ تقابلی مطالعہ میں آسانی رہے۔

"۱۸۵۹ء میں فتوئی جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا فضل حق خیرآبادی ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔ اور مقدمہ چلایا گیا۔ جج بار بار روکتا تھا کہ مولانا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ مگر مولانا کے شان استقلال پر قربان جایئے۔ خدا کا شیر گرج کر کہتا ہے کہ وہ فتویٰ صحیح ہے اور میرا ہی لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری وہی رائے ہے۔ مولانا کے اقرار و توثیق کے بعد اب گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی چنانچہ عدالت نے حبس دوام بعبور دریائے شور (کالا پانی) کا حکم سنایا۔ مولانا نے بکمال مسرت و خندہ پیشانی اس سزا کو قبول فرمایا۔" ع ۱

ع ۱ خون کے آنسو حصہ اول مصنفہ مولانا مشتاق احمد نظامی صـ ۴۷

یہ تھے علامہ فضل حق خیرآبادی جن پر شجاعت و بے باکی ناز کرتی ہے۔
اب سنئے مولانا رشید احمد گنگوہی کا حال ـــــ آپ صرف شبہہ میں حاضر عدالت ہوئے اور پھر بے داغ بری ہوئے آپ کی بھی مختصر روداد مختصر الفاظ میں سن لیجئے جسے انھیں کے عقیدتمندوں نے بیان کیا ہے۔

"جس وقت حاکم کے حکم سے عدالت میں بلائے جاتے تو ظاہر ہو کر بے تکلف بات کرتے اور جو دریافت کرتا بے تکلف اس کا جواب دیتے ۔ ۔ ۔ ۔ اور حقیقت حال کے موافق ــ کبھی آپ سے سوال ہوا کہ رشید احمد تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا۔ اور فساد کیا؟ آپ جواب دیتے۔ "ہمارا کام فساد نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی" کبھی دریافت ہوتا کہ تم نے سرکار کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے؟ آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کرکے فرماتے "ہمارا ہتھیار تو یہ ہے" کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تم کو پوری سزا دیں گے۔ آپ فرماتے۔ کیا مضائقہ ہے مگر تحقیق کرکے۔" ع۱

انگریزی عدالت نے چار سوالات کئے اور مولانا گنگوہی نے اس کے جوابات دیئے آپ کی توجہ تھوڑی دیر کے لئے مولانا کے جوابات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

(۱) "حاکم جو دریافت کرتا بے تکلف اس کا جواب دیتے تھے ـــ اور حقیقت حال کے موافق"۔ یعنی مولانا نے انگریزی عدالت میں بڑی بے تکلفی سے باتیں کی۔ یہ طرز عمل یارانہ تعلقات پر خاصی روشنی ڈالتا ہے اور غالبًا یہی وجہ تھی کہ مولانا کو اپنی گلوخلاصی کے لئے جھوٹ سے کام لینا ہی نہیں پڑا۔ کیونکہ حقیقت حال جب انگریزی حکومت کے موافق ہو تو خلاف حقیقت بیان کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

(۲) "ہمارا کام فساد نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی" یہ جواب صاف ظاہر کر رہا ہے کہ مولانا نے مجاہدین آزادی کے لشکر میں اپنی شمولیت کے الزام سے برائت انگریزی عدالت میں سب کے سامنے کیا ہے اور مجاہدین کو مفسدوں کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ انگریز بہادر کی خوشنودی مولانا کے لئے کس قدر ضروری تھی۔

(۳) "ہمارا ہتھیار تو یہ ہے" تسبیح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا۔ گویا موصوف انگریزی اقتدار کیلئے یا اپنی محفوظیت کے لئے ہمیشہ دعاگو رہے یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کے خلاف نہ سیف و سناں سے کام لیا نہ قلم و زبان سے۔

(۴) جب سزا کی دھمکی دی گئی تو فرمایا "کیا مضائقہ ہے۔ مگر تحقیق کرکے" یعنی مولانا گنگوہی کو یقین تھا کہ جب تحقیق کی جائے گی تو میری انگریز دوستی میں ڈوبی ہوئی زندگی کب حاکم کو سزا دینے کی طرف مائل ہونے دیگی۔ اسی لئے تو تحقیق کی شرط لگائی جا رہی ہے۔ اس طرح کی شرط وہ شخص نہیں پیش کرسکتا۔ جس کی زندگی کا ہر لمحہ انگریز دشمنی میں گذر رہا ہو۔ کیونکہ تحقیق و تفتیش تو اسے پھانسی کے تختے تک پہونچا دے گی۔ لہٰذا تحقیق پر اطمینان کا اظہار صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو انگریز دشمنی میں قطعًا ملوث نہ ہو، بلکہ اس کا ربط وضبط بھی باغیوں سے نہ ہو ورنہ سزا کے لئے اتنا ہی ثبوت کافی تھا۔ مولانا موصوف کا یہی وفادارانہ رویہ انگریزوں کے لئے باعث تسکین تھا چنانچہ انگریزی عدالت نے مولانا کو بے داغ بری کردیا۔

مولانا فضل حق خیرآبادی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے کردار کا فرق دیکھئے حاضر عدالت دونوں ہوئے مگر اول الذکر کو کالا پانی کی سزا ہوئی اور ثانی الذکر کو رہائی کا پروانہ ملا جسے سزا ہوئی وہ عدالت میں شیر کی طرح گرج رہا تھا اور جسے رہائی ملی وہ اپنی انگریز دوستی پر اس قدر مطمئن تھا کہ تحقیق وتفتیش کا قید لگا رہا ہے۔

"یہی وجہ تھی کہ مولانا گنگوہی کا ایک خاص عقیدتمند جو ان کا مزاج آشنا بھی تھا رقمطراز ہے "آپ کوہ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے جو چاہے کرے"۔ ع۱

مولانا گنگوہی کے بارے میں ان کا عقیدتمند یہ نہیں لکھتا کہ آپ انگریزی حکومت کے خلاف کوہ استقلال بنے خدا کے حکم پر راضی تھے بلکہ کوہ استقلال بنے رہنے میں جو جذبہ کارفرما تھا وہ انگریزی سرکار کی مکمل وفاداری تھی اسی وفاداری کو "آزادی ہند کی تاریخ" میں غداری کہتے ہیں۔ انگریزوں پر اطمینان کے باوجود مولانا موصوف خدا کے انصاف سے گھبرائے ہوئے بھی تھے جس طرح ایک مجبور جرائم پیشہ بھی ایسے موقع پر مرضیٔ مولا کے آگے گردن جھکا دیتا ہے۔ واقعہ نگار کو تسلیم ہے کہ "مولانا گنگوہی سمجھے ہوئے تھے کہ میں حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ جھوٹا الزام اسی بات کو کہا جا رہا ہے کہ مولانا گنگوہی نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ ذرا انگریزوں کی بارگاہ میں مولانا کا جذبۂ سپردگی ملاحظہ فرمایئے۔ "سرکار مالک ہے جو چاہے کرے"۔ کاش مولانا نے گنبد خضرا کے مکیں کو سرکار کہہ کے اپنا مالک کہا ہوتا۔ تو زندگی کے سارے پاپ کٹ گئے ہوتے۔ انگریز حاکموں کو سرکار اور مالک کہنے والی زبان نہ جانے کیوں "بارگاہ مصطفٰے" میں گستاخ ہو جاتی ہے۔

جب انگریزوں کے خلاف عام بغاوت پھیل گئی تو انکی راتوں کی نیند حرام ہو گئی مگر افسوس انگریزی تشدد کے ساتھ بعض علمائے دیوبند کی چمچہ گیری نے انقلاب کو ناکام بنا دیا اس افسوسناک واقعہ کا ذکر بڑی بشاشت سے ان الفاظ میں کیا جاتا ہے"

"جب بغاوت و فساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ

ع۱ تذکرۃ الرشید قدیم ایڈیشن صفحہ ۸۴-۸۵

تذکرۃ الرشید ج ۱، صفحہ ۸۰

غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کردی ۔[1] (دو صفحہ کے بعد فرمایا جارہا ہے)

" بعض کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انھوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ اور اپنی رحمدل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔[2]

استغفر اللہ ! کمپنی کا دور مولانا گنگوہی کے نزدیک امن و عافیت کا زمانہ تھا اور حکومت برطانیہ بڑی رحمدل گورنمنٹ تھی۔ یعنی وہ لوگ پاگل تھے جنھوں نے انگریزوں کے دور کو قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور بغاوت کر بیٹھے ان کے سروں پر موت کھیل رہی تھی۔

اللہ اللہ ! انگریزی دور کو امن و عافیت کا زمانہ کہا جارہا ہے یہ الفاظ اسی کے منہ سے نکل سکتے ہیں جو تن من دھن سے انگریزوں پر قربان ہوچکا ہو۔ — ظالم انگریزوں کے ظلم کی مثال پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ انگریزی مظالم سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ ان مظالم کو لکھتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ سینۂ قلم شق اور جگر قرطاس پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ مگر گنگوہی صاحب ایسے ظالم اور سفاک کی حکومت کو رحمدل گورنمنٹ کہتے ہوئے آخرت کی بازپرس سے ڈرے نہ شرم دنیا کا کچھ پاس و لحاظ رکھا۔

ریمارک میں تلخی ضرور آگئی ہے کیا کروں جب کسی مظلوم کا دل جلتا ہے تو وہ اپنی ٹیس کو چھپا نہیں سکتا۔ کون برداشت کرسکتا ہے کہ ظالم و جابر حکمرانوں کی مطلق العنانی کو رحمدلی سے تعبیر کیا جائے چنگیز و ہلاکو کی یاد تازہ کرنے والے انگریزی دور کو امن و عافیت کا زمانہ کہا جائے۔

جب ہندوستان سے انگریزوں کا بوریہ بستر بندھنے لگا تو ان کے اپنی وفا شعار غلاموں نے دیوبند میں پناہ لی اور ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈال کے باقاعدہ اسکی اشاعت میں مصروف ہوگئے تاکہ سامراجیت کے بطن سے پیدا ہونے والے اس نئے مذہب میں سنی مسلمانوں کو بھی داخل کیا جائے اور اسطرح وطن کے وفاداروں اور غداروں کے فرق کو مٹا دیا جائے۔ یہ جدوجہد ہنوز جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ آزادی کا ہیرو انگریزوں کے زرخرید مولویوں کو بنایا جارہا ہے

بے شک ہندوستان انگریزوں سے خالی ہوگیا مگر اس کا پھیلا ہوا زہر آج بھی "دارالعلوم دیوبند" اور اس کے اثرات کی صورت میں موجود ہے۔ جو وحدت ہند کے لئے ناسور بن چکا ہے۔ یہاں سے کبھی جارح فرقہ پرستی کو ہوا دیجاتی ہے۔ کبھی آر۔ ایس ایس اور ہندو مہا سبھا کی زبان میں پیغامات نشر کئے جاتے ہیں۔ یقین نہ ہو جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کو قریب سے دیکھئے۔ خدا ہمارے ملک کو ان انگریز دوستوں اور سامراجیت کے پروردہ مولویوں کے شر سے محفوظ رکھے اور حکومت ہند کو توفیق دے کہ ماضی کے آئینے میں دوست اور دشمن کے چہرے کو دیکھ سکے۔ تاکہ ملک کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں نہ جانے پائے۔ جو سات سمندر پار والوں کے قدموں میں اسے ڈالدیں۔

ع ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

---

[1] تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۱ ، [2] تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۳ ۔

امام احمد رضا اور

قومی وشرعی ایمرجنسی

عالیجناب سید ایوب اشرف ایم اے ایل ایل بی
چوک۔ لکھنؤ

ملک وقوم کی تاریخ میں نہ جانے کتنی مثالیں موجود ہیں کہ جب بھی لاقانونیت کا دور دورہ ہوا اور ملک کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہوا اور ملکی نظام کو درہم برہم کرنے کی جب بھی فضا بنائی گئی تو حکمراں طبقے نے آگے بڑھ کر اس کا حل تلاش کیا اور حالات پر قابو پانے کے ذرائع استعمال کئے۔ اقوام عالم کی تاریخ میں اسطرح کے سیکڑوں واقعات ملتے ہیں۔

کسی بھی ملک کو دو طرح کے خطرات درپیش ہوتے ہیں۔ (۱) بیرونی مداخلت۔ (۲) اندرونی ریشہ دوانی ملک کو تباہ کرنے میں دونوں ہی یکساں رول ادا کرتے ہیں بیرونی مداخلت کے وقت دیکھا گیا ہے کہ عوام وحکومت دونوں نے ملکر اپنے ملک کے بچاؤ کے لئے قربانیاں پیش کیں۔ اور اپنی آزادی کو بحال رکھا۔ لیکن سب سے بھیانک منظر اس وقت آتا ہے جب اندرون ملک، ملک ہی کے وفاداروں کی شکل میں بیرونی طاقتوں کے آلۂ کار بنکر ملک کی تباہی میں منظم ہو جاتے ہیں۔ یہی وقت ملک کی سالمیت اور حکومت کی استطاعت کے لئے سنگین چیلنج بن جاتا ہے۔ بیرونی عناصر کو دشمن کہنے میں جو آسانی ہوتی ہے اپنے اندر چھپے ہوئے گھناؤنے عناصر کو دشمن باور کرانے میں دقت پیش آتی ہے کیوں کہ وہ لوگ دیش بھگت اور علمبرداران جمہوریت بنکر عوام کے سامنے آتے ہیں اور پس پردہ وہی سب کچھ کرتے ہیں جو ان کے بیرونی آقاؤں کی مرضی ہوا کرتی ہے۔

ابھی چند ماہ گزرے ہیں بالکل انہیں حالات سے ہمارا ہندوستان بھی گزر رہا ہے۔ ملک کی انتظامیہ اور حکومت کی مشنری کو تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ عالم یہ تھا کہ ہر چہار سو لاقانونیت، انارکی کا بیج بو دیا گیا تھا۔ اور یہ سب غیروں نے نہیں بھارت کے اپنوں نے کیا۔ ان لوگوں نے جنھوں نے جمہوریت کو ہی راہ عمل بنانے کا اعلان کیا۔ ان لوگوں نے جنھوں نے دستور ہند کے احترام کی قسم کھائی تھی، ان لوگوں نے جو قوم وملک سے عقیدت و محبت کا گیت گاتے تھے۔ ملک کے ذمہ داروں نے پہلے ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کی افہام وتفہیم کے سارے طریقے استعمال کئے اور جب ہر راہ سے مایوسی ہوئی تو ملکی فریضے کے پیش نظر انھیں "ایمرجنسی" کے نفاذ پر مجبور ہونا پڑا۔

ایمرجنسی ڈکٹیٹر شپ کا نام نہیں، امن وشانتی کی فضا قائم کرنے کا نام ہے۔ ایمرجنسی آزاد ملک کی آزادی کے تحفظ کا نام ہے، ایمرجنسی ملک کے وفاداروں کے لئے نہیں ملک کے ناعاقبت اندیشوں کے لئے ہوا کرتی ہے۔ ایمرجنسی ملک کے اچھے شہری کو اچھے طریقے پر جینے کی ضمانت دیتی ہے۔ اور اچھے شہریوں کے آرام کو حرام کرنے والوں کو لگام دیتی ہے۔ جون ۷۵ء کی ایمرجنسی دنیا کی پہلی ایمرجنسی نہ تھی۔ اس سے قبل مصر، شام، عراق، افغانستان ممالک میں بھی ایمرجنسی لاگو کی گئی۔

خود ہندوستان کے لئے یہ ایمرجنسی نئی نہیں ہے۔ بیرونی حملوں کے وقت حکومت نے ایمرجنسی کا نفاذ کیا۔ ہاں اندرونی انتشار وخلفشار کے لحاظ سے موجودہ ایمرجنسی کو بھارت کے لئے نئی ایمرجنسی کہا جاسکتا ہے۔ انصاف سے دیکھا جائے تو اس ایمرجنسی کے ذمہ دار حکومت نہیں وہ افراد ہیں جو ملک میں جمہوری نظام کو ختم کرنیکی پالیسی لیکر عوام میں بے چینی پھیلا کر حکومت کا تختہ الٹنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ پورا ملک انتشار پسند نہیں بن گیا تھا بلکہ چند سر پھرے تھے جو جارحیت اور فاشزم کے ذریعہ ملک کے سکون کو لوٹنا چاہتے تھے۔ بالآخر ہنگامی حالات کا اعلان ہوا اور عوام کی عدالت سے فتویٰ مانگا گیا۔ عوام نے بھرپور انداز میں حکومت کے اس اقدام کی تائید کی حکومت نے لاقانونیت پھیلانے والوں کے خلاف کارروائی کی پھر یہ نہیں دیکھا کہ کون کتنا بڑا ہے اور کون کتنا چھوٹا ہے۔ ماضی میں یہ دیش بھگت رہا ہے یا قوم پرست رہا۔ ان تمام موجودہ روش اور موجودہ نظریہ ملک کو، قوم کو حکومت کو نقصان پہنچا رہا تھا لہذا ضروری ہوگیا تھا کہ ان کے خلاف اقدامات کئے جائیں اور ایمرجنسی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر ملک کی سالمیت اور آزادی کی عظمت کو بچایا جائے۔

جس طرح قوم وملک کو بچانے کے لئے قوم کے چند ناسوروں کے خلاف اقدام ناگزیر ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح مذہب وملت کو بچانے کے لئے بھی یہی سب اقدامات ضروری ہو جاتے ہیں۔ اب آیئے ذرا آج سے سو سال قبل کے مذہبی حالات کی اسٹڈی کریں۔ یہی ہمارا ہندوستان ہے جس کے ماتھے پر ابھی تقسیم کا ٹیکہ نہیں لگا ہے اور جس کی باگ ڈور غیر ملکی طاقت کے ہاتھوں میں ہے، آزادی کا بگل بج چکا ہے۔ ہندو مسلم سبھی حصول آزادی کے نشے میں چور ہیں۔ جان ومال نچھاور کر کے غلامی کے طوق کو اتار پھینکنا چاہتے ہیں۔ ایک طرف یہ عظیم جد وجہد دوسری جانب چند سر پھروں کو خود ساختہ سوجھتی ہے۔ شریعت اسلامیہ کو مسخ کرنے، مسلمانوں کے دلوں سے محبت رسول ختم کرنے، اور شرک

دبدعت کے نعرے لگا کر مذہبی پلیٹ فارم پر بے چینی پھیلانے کی کوششیں شروع کردی گئیں تاریخ داں جانتے ہیں کہ اس مذہبی سازش کے پیچھے بیرونی طاقتوں کا ہاتھ تھا۔ آخر یہ کون لوگ تھے، غیر مسلم نہیں تھے۔ اپنے تھے، مسلمان تھے جو ملت اسلامیہ کے لئے سنگین چیلنج بن کر سامنے آئے۔ غیر مسلم ہوتے تو انھیں دشمن باور کرانے میں مشکل نہ ہوتی یہ تو اسلامی فرزند ہی تھے، نام نہاد فرزند انھیں اسلام دشمن ثابت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ یہ لوگ مذہب پرست اور علمبرداران اسلام بنکر سامنے آئے تھے۔ قرآن واحادیث کے بقلم خود حافظ بنکر ابھرے تھے۔ ناموس صحابہ اور محبت اہلبیت کا گیت گنگناتے ہوئے نکلے تھے، لیکن اندرونی طور پر ای منصوبے کی تکمیل میں لگے رہتے تھے جس کی تشکیل صیہونی وسامراجی اور نجدی قوتوں نے کی تھی اور وہ منصوبہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے دلوں سے عظمت رسول کو مٹا کر رکھ دیا جائے کیوں کہ مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے ناموس رسالت پر حرف آتے نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے اگر کوئی غیر مسلم سامنے آتا تو مسلمان اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ سامنے لائے گئے تو وہی لوگ لائے گئے جو دستور اسلام کے تحفظ کی قسم کھاتے تھے۔

الغرض پورے ملک میں شریعت سے بغاوت کی فضا پیدا کی جانے لگی، نیچریت، دہریت، لادینیت اور دریدہ دہنیت کا ماحول پیدا کیا جانے لگا۔ اسلامی شعار کا کھلے بندوں استہزا کیا جانے لگا۔ شرعی اصول وضوابط کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جانے لگا۔ ذمہ داران اسلام اور اولیاء امت کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع ہونے لگیں۔ فقہ حنفی وشافعی سے انحراف کے نعرے بلند کئے جانے لگے۔ پورے ملک میں اور ملک کے اسلامیان ہند میں انارکی اور بے چینی پیدا ہوگئی تھی۔

ایسے نازک دور میں ملت کے ذمہ داروں نے اپنے فریضے کا احساس کیا۔ پہلے تو خاموش تماشائی بنکر حالات کا جائزہ لیتے رہے کہ شاید چند دنوں کے بعد یہ اسلامی بہروپئے چپ سادھ لیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مذہبی بدامنی کو فروغ ملتا رہا۔ افہام وتفہیم کی بھی راہ اختیار کی گئی تاکہ ملک وملت کو مذہبی انتشار سے محفوظ رکھا جاسکے۔ لیکن ملی رہنماؤں کو اس راہ میں بھی مایوسی ہوئی۔ جب ہر چہار طرف سے مایوس ومجبور ہوگئے تو ان نام نہاد اسلامی علمبرداروں کے خلاف آخری اور قطعی فیصلہ لینے کی جانب قدم اٹھانا پڑا۔

اسلام کے خلاف نہ جانے کتنی بار محاذ آرائیاں ہوئیں، غیروں نے بھی کی اور اپنوں نے بھی۔ رسول کریم کے وصال کے بعد جن لوگوں نے زکوٰۃ نہ دینے سے انکار کیا تھا وہ عیسائی یا یہودی نہیں تھے اسلامی برادری ہی کے لوگ تھے حضرت عمر سے لیکر امام حسین تک جتنی محاذ آرائیاں ہوئیں سبھی اپنے تھے۔ تاریخ اسلام کے جانکار حلقوں کا کہنا ہے کہ اسلام کو خارجی عناصر نے اسقدر نقصان نہیں پہنچایا جس قدر داخلی عناصر نے پہنچایا۔

تاریخ کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب کبھی اسلامی لبادہ اوڑھ کر ایسے افراد میدان میں آئے انھیں ان کے صحیح مقام تک پہونچایا گیا۔ اور ہر بار ان کی سازشوں کو بے نقاب کیا گیا۔ کیوں کہ اسی وقت ملت طاقت وقوت کے روپ میں رہی اور رہنمایان ملت کے ہاتھوں میں سربراہی وسرداری تھی۔ لہٰذا جم کر ایسے لوگوں کے خلاف ایکشن لیا جاتا رہا ہے۔ ایکشن کی وہی صورت ہوا کرتی تھی جسے ہمارے ملک کے رہنماؤں نے ایمرجنسی کا نام دیا ہے۔

لیکن یہاں صورت حال ذرا مختلف ہے۔ یہاں اسلامی سربراہوں کے پاس نہ تو حکومت اور نہ ہی طاقت، اور طاقت تھی بھی تو مسلمانوں کی بھرپور تائید والی طاقت تھی۔

خود ساختہ مسلم رہنماؤں کے خلاف ایکشن لینے میں موجودہ صدی میں اگر کسی کو سربراہی وقیادت دی گئی ہے تو وہ ہیں مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی۔

مولانا احمد رضا نے اسلامی روایات کی روشنی میں ان تمام غلط عناصر کے خلاف شرعی فتویٰ صادر فرمایا جسے اگر ہم "اسلامی ایمرجنسی" کا نام دیں تو بے جا نہ ہوگا۔

اسلامی ایمرجنسی نے اکھنڈ بھارت کے بے چین مسلمانوں کو سکون دیا۔ شریعت محمدیہ کے تحفظ کی ضمانت دی، ملک کے شہریوں کو ملک ومذہب کا وفادار شہری بننے کا شعور دیا۔ ایک طرف بیرونی طاقتوں کی دخل اندازی کی شدید مخالفت تو دوسری طرف ملک کے اندر چھپے ہوئے انگریزی ونجدی طاقتوں کے آلہ کار کے چہروں سے سیاہ نقاب اٹھا دیا۔ اسلامی ایمرجنسی نے واضح اعلان کیا کہ جو اپنے مذہب اور بانی مذہب کا وفادار نہیں وہ ملک اور ملک کی سلامتی کا بھی وفادار نہیں ہوسکتا۔

جس طرح ہماری وزیر اعظم نے ملک میں پھیلائی جانے والی علاقائی عصبیت، لسانی تنگ نظری، اقتصادی بدحالی، معاشی ابتری اور قومی بے چینی کے خاتمے کے لئے ایمرجنسی ہی کو ضروری ولازمی سمجھا۔ اس طرح مولانا احمد رضا فاضل بریلوی نے ملت میں پھیلائی جانے والی دہریت، نیچریت، نجدیت [illegible] قادیانیت کے خاتمے کے لئے اسلامی ایمرجنسی کے نفاذ پر مجبور ہونا پڑا۔

چونکہ فاضل بریلوی کے ہاتھوں میں اقتدار نہیں تھا حکومت نہیں تھی اس لئے ان نام نہاد مولویوں کے خلاف سرکاری سطح پر کچھ نہ کرسکے لیکن ہندوستانی مسلمانوں کی عدالت سے تائید حاصل کی اور آگے بڑھ کر انھوں نے اپنے شرعی فتوے کو مزید مستحکم اور دوررس نتائج والا بنانے کے لئے ۱۹۰۶ء میں اس مقدس دیار کا سفر کیا جو عالم اسلام کا مرکز عقیدت تسلیم کیا جاتا ہے اور پھر علماء حرمین شریفین سے اپنے شرعی فیصلے پر مہر توثیق حاصل کی۔

جس طرح مسز اندرا گاندھی نے ہندوستانی عوام کی بھرپور اکثریت کی تائید کے باوجود ملک کے سب سے طاقتور ادارہ پارلیمنٹ سے بھی ایمرجنسی کے نفاذ کی حمایت حاصل کرکے ثابت کر دکھایا کہ ملک کا تحفظ اور قوم کی سالمیت سے بڑھ کر چند نام نہاد سیاسی گرگوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قومی وملکی عظمت کے سامنے ہم بڑے سے بڑے لیڈروں کو ٹھکرا سکتے ہیں۔

اس طرح فاضل بریلوی نے اسلامیان ہند کی اکثریت کی تائید کے ساتھ ساتھ دنیائے اسلام کے اکابرین کی عدالت سے (مدینہ طیبہ ومکہ معظمہ) اپنے شرعی اقدام کی تائید وحمایت حاصل کرکے ثابت کردیا کہ ناموس مصطفیٰ کا تحفظ اور قوم وملت کی سالمیت سے بڑھ کر چند زرخرید مولوی کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ملی اور نبوی عظمت وحرمت کے سامنے ہم بڑے سے بڑے مذہبی رہنماؤں کو ٹھکرا سکتے ہیں۔

انصاف کی عینک لگا کر دیکھا جائے تو اس شرعی ایمرجنسی کے ذمہ دار اکابرین اہل سنت نہیں ہیں بلکہ وہی لوگ ہیں جو ملک وملت کا ایک ساتھ سودا کرنا چاہ رہے تھے

ایک جانب انگریز حکومت کی پشت پناہی دوسری طرف ملت اسلامیہ میں انتشار و خلفشار پھیلا کر موجودہ بیرونی حکومت کے ہاتھوں کو مضبوط کرنا تھا تاکہ گوری سامراجیت کے پاؤں کچھ اور دنوں ٹکے رہ سکیں۔ لہذا مولانا احمد رضا کو شریعت کے ایک ذمہ دار اور سربراہ ہونے کے ناطے یہ حق حاصل ہوگیا تھا کہ وہ ایسے ملت و ملک دشمن عناصر کے خلاف آخری فیصلہ کریں اور انھوں نے ایسا ہی کیا۔ بارگاہ مصطفےٰ میں کی گئی گستاخیوں کے خلاف شرعی فیصلہ صادر کیا۔ اس طرح نہ صرف پوری مسلم قوم کو انتشار سے بچا لیا بلکہ غداران رسول کی ریشہ دوانیوں سے ملت اسلامیہ کو محفوظ کر لیا۔

ناظرین کرام پہ واضح ہو چکا ہوگا کہ دور حاضر کی قومی ایمرجنسی اور سو سال پہلے والی شرعی ایمرجنسی میں کس قدر مطابقت ہے۔

جس طرح آج کی ایمرجنسی ملک کے غداروں کے لئے تازیانۂ عبرت و باعث زحمت ہے اور ملکی وفاداروں کے لئے سکون و ترقی کی اسپرٹ پیدا کر رہی ہے۔

اسی طرح مولانا احمد رضا بریلوی کی شرعی ایمرجنسی غداران مصطفےٰ کے لئے تازیانۂ آخرت ہے اور مصطفےٰ علیہ السلام کے وفاداروں کے لئے دین و دنیا کی سرخروئی عطا فرمائی ہے —

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

امام احمد رضا کا آفاقی پیغام

عالی جناب حیدر خاں پٹھان بی کام ۔ ایل ایل بی ایڈوکیٹ بمبئی ہائی کورٹ

امام احمد رضا کی زندگی اور مشن کو صحیح طور پر پرکھنے کے لئے اس وقت کے معاشرے کا پورا نقشہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے یعنی اسی طرح تفہیم قران پاک کے چند نکات کو ذہن نشین کرنے کے لئے دور جاہلی کے ادب و تاریخ پر بھی نظر ضروری ہے

اعلیٰ حضرت سے پہلے اور وقت کا ہندوستان اسلامی معاشرے کی مایوس کن تصویر پیش کرتا ہے مسلمان حکمرانوں کا دور مجموعی طور سے اسلامی حکومت کا دور نہیں کہا جاسکتا یہ مسلمانوں کی حکومت کا دور تھا ان حکمرانوں نے وہ تمام اقدام کئے جو ایک دنیادار حاکم اپنی جاہ و حشمت و وقار و تسلّط کے لئے کرتا ہے خوشونت سنگھ نے شاید اسی دور کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا ہے "اس ملک میں مسلمانوں کا خون بہت بہا ہے مگر مسلمانوں کے ہاتھوں بہت زیادہ"

اگر حالات ایسے نہ ہوتے ملا شیخ نیازی کو شیخ الاسلام مخدوم الملک کے سامنے بقاء دین کے لئے مجاہدہ نہ کرنا پڑتا یہ وہی شیخ الاسلام ہیں جو رمضان سے پہلے اپنی تمام ملکیت اپنی بیوی کو ہبہ کر دیتے ہیں تاکہ زکوٰۃ کے فریضے سے بچے رہیں۔

اسی پایۂ تخت دہلی میں ایک فتنہ اٹھا تھا جسے "نمود وانموا" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ جوگیائی طریقوں سے نمودار ہوا تھا... اور ایک نیا قران ترتیب دیا گیا جس کا نام "آنوزہ مقدمہ" رکھا گیا اور اس کے موجد نے الہام کا دعویٰ کیا اور اپنے مقام کو نبوت اور وصیت کے درمیان بتلایا جسکا نام اس نے "بیگوکت" رکھا... اس کے کہنے کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پہلے "بیگوکت" تھے ۔ اپنے مریدوں کو وہ فرلودا کہہ کر پکارتا تھا

اسی قسم کے کئی فتنے مسلم سماج میں پیدا ہوئے جن کا ذکر اور تفصیل ایک کتاب کا مواد بن سکتی ہے فکر روزگار نے اگر مہلت دی تو یہ کام میں انگریزی زبان میں انجام دونگا

اس قسم کے فتنوں اور تماشوں کا اثر عام مسلمان پر کیا ہوا اس کا بھی نقشہ دیکھ لیجئے مسلمان عمل اور یقین کھو بیٹھا... صرف ایہام تقدیر پرستی کا شکار ہو گیا مسلم خواتین جو درس و تدریس کی پہلی آماجگاہ تھیں کس بھونڈے پن کا شکار ہوئیں ڈاکٹر اشیر نگم کے ذاتی ذخیرے میں قانون النساء نام کا ایک مخطوطہ ہے اس میں مسلمان عورتوں کے عادات و توہمات اور روحوں اور دیوی دیوتاؤں پر انکے اعتقادات کا بیان ہے

اس میں خدائی رات ۔ پیر دیدار کے کونڈے ۔ بی بی کی صحنک ۔ بی بی کی پوڑیاں مشکل کشا کے دونے رجب تہیلے کے مرغ ۔ شاہ سلطان کے روٹ ۔ بی جاگتی جوت کی نوبت ۔ بی سہجان کی کڑھائی کہ مشکل سہج سے آسان ہو۔

بی ٹیک کی پڑیاں کہ مراد ٹیک پڑے ۔ ترت پھرت کی پڑیاں ۔ بی کشئی (مشکل) کا کونڈا جس سے مشکل آسان ہو... اس قسم کی بہت سی رسومات و توہمات کا شکار ہمارا معاشرہ تھا... جس کا نفسِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا جس کی تعلیم علم ۔ عمل اور یقین سے انسانی مقدّر کو رضائے الٰہی کے ذریعہ سنوارنے کا پیغام دیتی ہے

مفتی ملا عبدالقادر بدایونی جیسا عالم وزراء اکبر کے خرافات دیکھتے ہوئے بھی اس کا درباری رہا اور نکتہ چینی کو ایک کتاب میں قلم بند کرتا رہا ۔ مگر اجتہادی نعرۂ حق بلند نہ کر سکا۔

جب علماء و فضلاء مجہول رویّہ اختیار کریں وہاں عام مسلمان کو کون دعوتِ حق دے اور کون انہیں احیاء دین کا راستہ دکھائے صوفیائے کرام کا ایک طبقہ مایوس ہو کر وجودی باطنیت میں تبدیل ہو گیا شیخ فیض اللہ نے ناتھ فرقے کی تعریف میں زورِ قلم صرف کیا

عبدالشکور علاول اور سید سلطان نے شیو عقائد کی پر زور تائید کی مرزا حسین نے کالی دیوی کے مدح میں اشعار کہے ستیہ پیر جیسے دیوتا پیدا ہوئے جن کی تعریف میں بنگالی ادب بھرا پڑا ہے

منوہر ناتھ کے مندر میں ہندو مسلمان دونوں سر جھکاتے تھے... ستیہ دھرم کی تحریک میں مسلمان بھی شامل تھے

اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں قران پاک کی صورتوں کے ہندوستانی نام رکھے گئے تھے جن میں بعض تحقیر آمیز تھے...

انیسویں صدی کے اخیر میں مسلم کلچر (اسلامی کلچر نہیں کیونکہ وہ اس ملک میں پھیلا ہی نہیں)

انحطاط اور تنزل کی منزلوں سے گذر کر دمِ واپسیں کا شکار ہوگیا مسلمان سیاسی و معاشی برتری بھی کھو چکا تھا بے عملی۔ افراتفری مایوسی اور گھٹن نے مسلمانوں کو دبوچ لیا... کوئی صورت انھیں نظر نہ آتی تھی ذہن ماؤف.. سوچ بچار کے سوتے خشک۔عملی زندگی کے لئے وہ تیار نہ تھا:

یہ وہ پس منظر ہے جس میں امام احمد رضا کی زندگی اور مشن کا آغاز ہوتا ہے۔

مسلمان سلطنت کھو چکا تھا مگر اس دور کی روایات زندہ تھیں... انگریز آقا تھا... فرنگی غلامی کا طوق گلے میں آپڑا...

اس وقت بھی تحریکیں اٹھیں جن میں سرسید احمد کی نیچری۔تحریک وہابیت۔ اور قادیانی۔سید احمد بریلوی کی اللٰہی تحریک

ان حالات میں اسلامی عقائد کا سرچشمہ کتنا گدلا ہوگیا اسکی بھی تصویر دیکھ لیجئے۔

سرسید احمد خاں انگریزوں کے بس میں تھے... اس وقت کا مسلم معاشرہ شرفاء اور صنعت کاروں میں بٹا ہوا تھا... سرسید نے ایک نیا طبقہ پیدا کرنے کی مہم چلائی جو اِن دونوں طبقوں کے بین بین تھی... وہ انگریزوں کی ملازمت بھی کرے اور جہاں تک ہوسکے اسلامی عقائد کو مسیحی عقائد کے متوازی چلائے... یہ طبقہ نیچری کہلایا... انکا عقیدہ تھا کہ

(۱) اجماع امت حجت شرعی نہیں ہے
(۲) قیاس حجت شرعی نہیں ہے
(۳) تقلیدِ ائمہ واجب نہیں
(۴) لفظ شیطان یا ابلیس سے کوئی ہستی مراد نہیں بلکہ انسان کے نفسِ امارہ کی طرف اشارہ ہے
(۵) اگر عیسائیوں نے چڑیوں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو تب بھی مسلمانوں کو کھانا جائز ہے
(۶) واقعہ معراج بیداری میں نہیں بلکہ خواب میں ہوا... شقِ صدر بھی خواب ہی میں ہوا
(۷) فرشتوں کا وجود الگ نہیں
(۸) قصہ آدم واقعہ نہیں مثال ہے
(۹) کلامِ پاک میں۔ کسی معجزے کے صادر ہونے کا ذکر نہیں
(۱۰) مرنے کے بعد اٹھنا۔حساب کتاب۔میزان۔پل صراط۔جنت و دوزخ وغیرہ سب مجاز پر محمول ہیں
(۱۱) خدا کا دیدار نہ دنیا میں ممکن نہ عقبیٰ میں ممکن ہے
(۱۲) قرآن پاک میں جنگِ بدر و حنین کے بیان میں فرشتوں کی مدد کا ذکر ہے اس سے فرشتوں کا آنا ثابت نہیں ہوتا جبکہ فرشتوں کا کوئی وجود نہیں
(۱۳) چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا جو قرآن میں بیان ہوئی لازمی نہیں

سرسید کی تحریک کا اثر ادب اور سماج کے دیگر شعبوں پر بھی پڑا... اس کا مذہبی نتیجہ کیا ہوا اس کا فیصلہ اہل ایمان پر چھوڑتا ہوں مگر یہ بات تاریخ نوٹ کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ سرسید کی نیچری تحریک اور اس کی اولاد کی سیاسی و سماجی سرگرمیوں کا نتیجہ تھا کہ اس ملک میں قومی یک جہتی کو فروغ نہ ہوا اور ملک کے بٹوارے کی منحوس نوبت اسی غول کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے آئی

اس چلتی گاڑی کے دوسرے سوار سر ڈاکٹر محمد اقبال ہیں... جنہوں نے اسلامی تصور کو توڑ مروڑ کر فوق البشر جیسا نازی تصور مردِ مومن کے روپ میں ڈھال دیا انہیں غریب صنعت کار اور مزدور مسلمان نظر نہیں آیا بلکہ پہاڑوں کی چٹانوں پر بسیرا کرنے والا شاہین دکھائی دیا... اسلام جو اجماع کی روحانی اور مادی ترقی کا درس دیتا ہے اس کے برعکس شاہی اور سلطانی کا بلند بانگ نعرہ اپنے تخیل کے مردِ مومن کو دے رہے تھے...

فقیری اور مومن کی شان میں انہوں نے نظمیں شیش محل بھوپال میں لکھی ہیں.. قول و عمل کا تضاد اسے کہتے ہیں

قادیانی فتنہ بھی امام احمد رضا کے دور کی پیداوار ہے اس ضمن میں تفصیل سے کہنے کا امکان نہیں مگر مختصراً یہ کہنا ضروری ہے کہ مسلمان جو اس ماحول میں کبھی اپنے آپ کی کھوج کرتا تھا تو کبھی اپنے مذہب و عقائد کی تلاش اس وقت قادیانی تحریک نے جنتر منتر کی بھول بھلیوں والے راستے کا کام کیا.. کہ بیچارہ کھویا ہوا مسلمان بھٹک بھی جائے

کچھ سید احمد بریلوی کی تحریک کے بارے میں بھی ذکر ضروری ہے انکے مرید ہونے کی پہلی شرط جہاد تھا یا ہجرت تھی... اس ملک میں ہجرت کی تحریک بھی چلی... بہت سے مسلمان اس ملک کو خیرباد کہہ کر افغانستان چلے گئے... مگر افغانستان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو اپنے ملک میں سما سکے خود انھیں اپنے ملک کی سلامتی کا خطرہ پیدا ہوگیا... اس تحریک سے ایک نفسیاتی پہلو برآمد ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اسلامی تہذیب کے پیمانے پر از سر نو تشکیل کے مسئلے پر اکابرین مایوس تھے اور راہِ فرار کو بھی عین اسلامی عمل قرار دیا اور مسلمانوں کی وطن پرستی پہ بھی حرف آیا

وہابی تحریک امام احمد رضا کے دور سے پہلے کی تحریک ہے... اس تحریک نے اسلام کو بنجر وادی میں تبدیل کرنا چاہا اور سرسبز و شاداب عمل و یقین کی زندگی انکی

گرفت میں نہ آسکی۔ یہ تحریک خود اپنے توہمات کا شکار ہوگئی

رسالہ "لباسِ تقویٰ" ادارۂ شرقیہ لندن (نوشتہ ۱۸۴۸-۴۹ء) کا یہ پہلو خالی از دلچسپی نہ ہوگا

یہ رسالہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ سید صاحب ۱۸۳۱ء کی بالاکوٹ کی لڑائی میں شہید نہیں ہوئے بلکہ ہنوز زندہ ہیں اور کسی دن مہدی کی حیثیت سے ظہور فرمائیں گے

مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے خراسان صوبہ مغربی شمالی اور ٹونک کے سینکڑوں ایسے اشخاص کی شہادتوں کو جانچا ہے جنہوں نے خود جنگِ مذکور میں حصہ لیا تھا یہ ایسے ہی اوہام ہیں جن کو سید صاحب نے زندگی بھر دکھایا تھا۔ لیکن اس عقیدۂ غیبت کو نہ صرف ان کے بعض خلفاء نے تسلیم کیا بلکہ اسے دعوتِ [illegible] ذریعہ بھی بنایا

وہابیت کی عقلیت پسندی کی یہ شکست فاش تھی

وہابی تحریک کی دوسری کمزوری مذہبی بھی ہے اور ملک دشمنی پر بھی قائم ہے جس طرح امام احمد رضا نے جدید علوم اور جدید ذہن سے انکار نہیں کیا بلکہ اسے انسانی فلاح و بہبود کے لئے آلۂ کار بنانے پر زور دیتے رہے وہابی تحریک اس کے خلاف تھی

جب اردو کے ذریعہ ایک غیر مذہبی علوم کا مدرسہ جاری کیا گیا تو اینٹیں اور گلے سڑے آم پھینک کر اس کی پذیرائی کی گئی یہ بات ڈاکٹر ہنٹر کے حوالے سے کہہ رہا ہوں

آج بھی جو وہابیوں کی تبلیغی تحریک چل رہی ہے وہ سائنٹفک ارتقا سے بے توجہی اور نئی ابھرنے والی قوتوں کی کارفرمائی سے بے اعتنائی برتتی ہے جس کی وجہ سے اس تحریک کے جنگل میں آیا ہوا مسلمان نہ دین کے کام کا رہتا ہے نہ ملک کے

ملفوظات۔ مولوی محمد الیاس مرتبہ محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ صفحہ ۱۷

فرمایا۔ سرکاری یونیورسٹیوں کے جو امتحانات مولوی فاضل وغیرہ دئے جاتے ہیں ہم لوگوں کو ان کی قباحت اور ان کے ضرر دینی کا پورا اندازہ اور احساس نہیں۔ یہ امتحانات عموماً اسی لئے تو دئے جاتے ہیں کہ انگریزی اسکولوں میں نوکری مل سکے گویا حکومت کافرہ نے اپنے مصالح کے لئے جو نظامِ تعلیم رائج کیا ہے اور اس کے جو مقاصد ہیں ان امتحانات مولوی فاضل وغیرہ کے دینے سے گویا یہ مقصد ہوتا ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کافرانہ نظام کے معاون بلکہ اجرتی آلۂ کار بننے کا استحقاق پیدا کیا جاسکے غور فرمائیے علم دین پر اس سے بڑا ظلم اور اس کا اس سے زیادہ غلط استعمال اور کیا ہوگا کہ اعدائے دین کے تعلیمی نظام کی خدمت کا کام اس سے لیا جائے۔ گویا یوں سمجھئے کہ ان امتحانات کے ذریعہ علم و دین کی نسبت اللہ رسول کی بجائے کافروں اور حکومت کافرہ کی طرف کی جاتی ہے اس لئے یہ بڑی خطرناک چیز ہے"

یہ سطور پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ وہابی تحریک نہ مسلمانوں کی خیر خواہ ہے نہ ہمارے ملک کی ... ملک دشمنی کی اس سے زیادہ بدترین مثال اور کہاں مل سکتی ہے ایسی ہی تحریکوں نے ایسے ہی نام نہاد عالموں نے عام مسلمان کو دوسرے مذاہب کے بھائیوں سے دور رکھنے کی کوشش کی اور الگ تھلگ زندگی گذارنے پر اکسایا جس سے وہ غریب و محروم ہی نہیں رہا بلکہ ناآسودہ بھی اور بے بنیاد غلط فہمیوں کا شکار خود اپنی نظر میں بھی اور غیروں کی نظر میں بھی رہا

اس پس منظر میں امام احمد رضا کے کام اور مشن کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے ... انہیں مسلمانوں کی گمراہی [illegible] کا بھی افسوس تھا اور حکم اللہ کو حبِ محمدی کے ذریعے عام [illegible] زریں بھی ... عشق محمدی کے ذریعے انہوں نے نہ صرف احکامِ الٰہی کے استحکام کی جد و جہد کی بلکہ غیر مذاہب کے لوگوں کے سامنے انہوں نے عشقِ رسول کو پیش کیا اور اس کی عالمگیر آفاقیت پر زور دیا

عشق رسول اسلامی تہذیب کا زریں پہلو ہے اور امام احمد رضا نے اپنے قلم کے ذریعے عشق رسول کے وہ محاسن۔ جیسے توبہ۔ زہد۔ ورع۔ صبر۔ رضا توکل۔ محبت۔ مشاہدہ و یقین۔ قناعت۔ صدق و اخلاق۔ شکر۔ ذکر و فکر و مراقبہ اعتبار۔ وجد۔ فنا و بقا۔ معرفتِ نفس۔ و مجاہداتِ و ریاضات کیفیت و اخلاص وغیرہ وغیرہ عوام الناس کے سامنے رکھے تاکہ بھولا بھٹکا ہوا راہی صحرائے غربت و افلاس میں جہالت اور بے عملی کا بوجھ لئے نہ بھٹکے بلکہ احکامِ دین کی روشنی میں حب رسول سے سرشار ملک و قوم کی خدمت کرسکے

وہابیت۔ نیچریت۔ قادیانیت یا اقبال کا مردِ مومن نہیں بلکہ کلام اللہ اور نسبت رسول ہی دینی اور دنیوی زندگی کی کامیابی کی دلیل ہیں

امام احمد رضا کی زندگی اور کارناموں کی اہمیت مندرجہ بالا پس منظر میں دیکھی جائے تو اس کی اہمیت اور افادیت کا احساس ہوگا۔ مسلمان کو غوطہ زنی سے بچایا۔ انہیں نمونموا کا فرلود ہونے سے بچایا۔ وہابی عقل پرستی اور نیچریت کے معجونِ مرکب سے عوام کو دور رکھا

جدید علوم میں خود [illegible] بھی بے پناہ دستگاہ حاصل کی اوروں کو بھی حوصلہ افزائی کی۔ امام احمد رضا کی تحریر سے یہ سبق اخذ ہوتا ہے کہ اگر مسلمان اپنے آپ کو دستورِ الٰہی کا پابند کرے اور باعمل زندگی گذارے تو اس کے لئے کوئی پرابلم ہی نہیں ... یعنی کدورت سے پاک حق سے متصل ہو

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

ہے کھلا سب کے لئے میخانۂ احمد رضا

آج بھی گردش میں ہے پیمانۂ احمد رضا

تو نے اسرار حقیقت کر دئے سب پر عیاں
ہے مسلم تو جہاں میں اہل سنت کا امام

۱

امام احمد رضا کی بارگاہ میں مولانا ندوی کا دوہرا کردار

۲

امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر

۳

امام احمد رضا کی طرف منسوب تین اشعار

۴

امام احمد رضا ایک مظلوم مصلح

امام احمد رضا کی بارگاہ میں مولانا ندوی کا دوہرا کردار

از: حکیم خلیل احمد جالسی لیکچرر اجمل خاں طبیہ کالج
علی گڑھ۔ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

علمائے ہند کے حالات پر مرتب کتاب "نزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر"، مولانا عبدالحیٔ الحسنی کی تصنیف ہے، اس کی ۸ ویں جلد میں بعنوان "المفتی احمد رضا البریلوی" اعلیحضرت کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں اصولاً تو یہ کتاب مولانا موصوف ہی کی تصنیف ہے، لیکن اس کی ازسرِنو ترتیب وتکمیل میں ان کے نامور فرزند مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بہت بڑا ہاتھ ہے، خاص طور پر اعلیحضرت کے تذکرہ میں ان کے والد کا حصہ بہت کم اور محض چند ابتدائی سطروں میں محدود ہے۔ اسکے بعد بریکٹ میں متعدد صفحات پر مشتمل سارا مضمون مولانا علی میاں ہی کے نتائج فکر کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب نے اپنے موضوع میں جو مقام بھی بنایا ہے وہ تمامتر مولانا ندوی ہی کی فکر ونظر کا رہین منت ہے۔ اردو اور عربی ادب میں ان کی مسلمہ مہارت دینی وتعلیمی موضوعات پر ان کے خاص فکری رجحان کی ترجمان ان کی تصنیفات وتالیفات نیز اپنے مخصوص مسلک کی دعوت وتبلیغ مولانا کا خصوصی امتیاز ہے ایشیاء، افریقہ بلکہ یورپ کے بعض علاقوں تک اپنے مخصوص دائرہ فکر وعمل کو موصوف نے جس حکمت اور مصلحت سے وسعت دی ہے۔ نیز علمی، تعلیمی اور دعوتی جد وجہد کے جو نقوش ثبت فرمائے ہیں۔ ان سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا جد وجہد کے پھیلاؤ سے فکر وعمل میں بھی وسعت آتی ہے۔ مولانا بھی بقدر ظرف قانون فطرت کی اس نوازش سے محروم نہیں ہیں۔

لیکن یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ علاوہ دیگر موضوعات کے سیرت نگاری پر بعض موقر کتابیں لکھ کر موصوف نے جو مقام حاصل کیا ہے۔ اعلیحضرت کی سیرت نگاری کے سلسلہ میں وہ اس عظیم منصب سے سبکدوش ہونے میں قاصر رہے، جن ہستیوں نے پہلے ہی سے دل اور دماغ کو مسحور کر لیا ہو ان کے حضور محبت اور عقیدت کے نذرانے اندھے جذبات کی البم سازی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ سیرت نگاری کی آزمائش کا اصل موقع تو وہ ہوتا ہے۔ جب سیرت نگار اپنے مخالف کی سیرت پر قلم اٹھاتا ہے اور ایسا کرتے وقت صاحب سیرت کے شخصی حالات، علمی مقام اور ذاتی عقائد ورجحانات کی ترجمانی میں کہاں تک انصاف ودیانت، حق جوئی وحق گوئی کے منصب کو نبھاتا اور اپنے ذاتی عقائد وخیالات کی گرفت سے بچ نکلنے میں کس حد تک کامیاب ہوتا ہے۔ سیرت نگار کے مقام اور مرتبہ کا تعین اسی کی انہیں کوششوں کے بقدر ہوا کرتا ہے۔

اعلیحضرت کی سیرت نگاری میں مولانا ندوی نے ایسی کوششیں کہاں تک کی ہیں اور اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ مضمون پر سرسری نظر ڈالتے ہی۔ حیرت وافسوس کے ساتھ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وسیع النظری اور فراخ حوصلگی تو دور کی بات ہے مولانا ندوی انصاف اور دیانتداری کے مسلمہ اصولوں کو بھی بروئے کار لانے میں انتہائی ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ مضمون میں جگہ جگہ ایسے الفاظ اور جملے بار بار آئے ہیں جن میں صاحب سیرت کی ذہانت علمی جامعیت، تصنیفی، شغف ومہارت اور سرعت تحریر وغیرہ کا اعتراف کیا گیا ہے لیکن اسکے ساتھ ہی سارے مضمون کے بین السطور میں اس التزام کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ جب جب اور جہاں جہاں توصیفی الفاظ سپرد قلم ہوئے ہیں وہیں اور اس کے فوراً بعد ہی تنقیص وتحقیر بلکہ بے بنیاد الزامات واتہامات کے گرم گرم اور شعلہ بار الفاظ نے سیرت نگار کے دل کے پھپھولوں کا روپ دھار لیا ہے۔ تحقیر وتذلیل کے پہلو بہ پہلو بعض توصیفی الفاظ جوڑ کر "توازن" کو قائم رکھنے اور "الطاف وعنایات" کی نمائش کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ جذبات عناد سے مغلوب ہو کر مولانا سے متعدد واقعات اور ان کے سن وسال کے معاملہ میں نہایت فاش غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جن کا مسلکی اختلاف سے کوئی علاقہ نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ تسامح ہو یا شدت تعصب کا بے اختیار ردِ عمل۔

اس کے علاوہ جہاں جہاں مسلکی اختلاف اور اس سلسلہ کے واقعات اور عقائد وخیالات کی ترجمانی کا موقع آیا ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ بایں ہمہ علم وآگہی وآں فضل وکمال مولانا ندوی ان مقامات پر ایک متعصب۔ تنگ ظرف۔ تنگ نظر اور بے لگام مولوی سے زیادہ بہتر کردار پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ غلط

بیانی، الزام دہی اور تہمت تراشی کے علاوہ کہیں کہیں معاندانہ جذبات کی یورش سے مغلوب اور اپنے منصب و موقف کو بالکل ہی نسیا منسیا کر کے قوی الجدل (سخت لڑاکو) شدید المعارضہ (بیحد جھگڑالو) شدید الاعجاب بنفسہ وعلمہ (اپنی ذات اور علم پر بے انتہا مغرور) شدید العناد (بیحد بغض والا) والتمسک برایہ (اپنی بات پر ہٹ دھرم) جیسی بازاری گالیوں پر اتر آئے ہیں۔

اس مضمون کے ذریعہ عام مسلمانوں میں اعلیٰ حضرت اور ان کے مذہب سنیت و حنفیت کے بارے میں جو گمراہی پھیلانے کی دانستہ کوشش کی گئی ہے۔ وہ برصغیر تک ہی محدود ہوتی۔ اگر مضمون کسی علاقائی زبان مثلاً اردو میں لکھا گیا ہوتا۔ لیکن عربی جیسی تیزی سے ترقی کرنے والی اور بین الاقوامی حیثیت اختیار کرنے والی زبان کو اس گمراہ کن مضمون کے لئے چنا منصوبہ بند فساد وگمراہی کو اقصائے عالم کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دینے کی سازش کی واضح نشاندہی کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے مطلوبہ نتائج سامنے آنے بھی لگے ہیں۔ حال ہی میں "مکتبہ اشیق" استنبول، ترکی، سے علی گڑھ میں تحفتاً وصول ہونے والی کتابوں میں اسی مکتبہ کے تعاون و اشتراک سے تازہ ترین شائع شدہ اعلیٰحضرت کی چند اہم کتابیں بھی شامل ہیں۔ جن میں ان کی ایک مشہور کتاب "اجلی الاعلام" بھی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں مؤلف (اعلیٰ حضرت) کے مختصر حالات درج کرتے ہوئے ایک سے زیادہ مقامات پر "نزھۃ الخواطر" کے اسی مضمون سے حوالے پیش کئے گئے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اعلیٰحضرت کے خلاف مولانا ندوی کی سازشوں کا جال برصغیر ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ایشیا اور افریقہ کو پار کرتا ہوا یورپ کے دور دراز علاقے تک پہونچ چکا ہے۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ سیرت نگاری کے پردہ میں سیرت کشی کی اس ناپاک سازش کو بے نقاب کیا جائے۔ کاش کہ اعلیٰحضرت پر ماہرانہ نظر رکھنے والے کسی عالم دین نے اس ذمہ داری کو اٹھایا ہوتا تو اس موضوع کا کما حقہ، حق ادا ہو جاتا، احقر کا منشا بھی دراصل اہل علم کی توجہات کو اس جانب مرکوز کرنا ہے۔

مولانا ندوی کے زیر بحث مضمون کا سطحی مطالعہ ہی اس گمان کو تقویت دینے کے لئے کافی ہے کہ واقعات ہوں یا ذاتی حالات و عقائد کسی بھی معاملہ میں مولانا ندوی نے غالباً بذات خود اعلیٰحضرت کے مطالعہ کی زحمت نہیں اٹھائی بلکہ ان کے معاندین کے خود ساختہ و بے بنیاد مواد پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ وہ ان مخالفین کے قلب و دماغ اور زبان و قلم کی ترجمانی کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے مستند و مفصل حالات خود ان کے قریب تر تلامذہ و خلفاء مرتب اور شائع کرا چکے ہیں۔ آپ کی علمی شخصیت اور عقائد کی تحقیق کے لئے خود آپ کی ایک ہزار تک پہونچی ہوئی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات و تالیفات موجود ہیں۔ ایک سیرت نگار کو جو کچھ اور جتنا کچھ چاہئے اس سے کہیں زیادہ وافر مواد یہاں فراہم ہے۔ اصلی حالات تک پہونچنے کے لئے اتنے بہتات وسائل کے ہوتے ہوئے غلط واقعات، بے بنیاد الزامات اور تہمت تراشیوں کی یہ طوفان بدتمیزی آخر کیا معنی رکھتی ہے؟۔ اس صورتحال کے دو ہی اسباب ہو سکتے ہیں۔ یا محض دشمنوں کے "کید وافترار" پر تقدیس کا ٹھپا لگا دینا ہی مقصد تھا۔ لہذا ذاتی مطالعہ اور تحقیق کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ .... سیرت نگاری میں اس سے بڑا جرم کیا اور بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ یا پھر اعلیٰحضرت کے خلاف پس پردہ بین الاقوامی سازش ہی اصل مقصود و مطلوب ہے!! مضمون کا لفظ لفظ اسی جذبۂ بے اختیار کا غماز ہے!

بیسیوں سال سے مسلمانوں میں اعلیٰحضرت کے مقابل کذب بیانی اور افترار پردازی کا طوفان برپا ہے کہ وہ فسادی، جھگڑالو، لڑاکو، مغرور اور جانے کیا کیا تھے۔ آنکھ والے آئیں اور دیکھیں کہ فساد کی آگ کدھر بھڑک رہی ہے اور اصل فسادی، جھگڑالو، فتنہ پرور مفتری اور مغرور کون ہے؟

کاش کہ دعوت و تبلیغ کے یہ رسیا اپنی بے روح محنت کو شرمندۂ معنی بنا سکتے اور خشیت الٰہی و محبت رسالت پناہی کی حقیقی دولت بارگاہ اعلیٰحضرت سے کسب کر سکتے تو یقیناً اس دعوت گاہ ایمان و سنیت اور میخانۂ عشق رسالت سے حوصلے سے زیادہ لے کر واپس ہوتے۔ مگر کاتب تقدیر کے اس فیصلہ کو کون بدل سکتا تھا کہ کردار سازی" کے پردہ میں "کردار کشی" کی یہ معاندانہ کوشش لوٹ کر خود انہیں کے لئے "رسوائی" کا سامان اور شکستگیٔ "کردار" کا عنوان بننے والی تھی۔

کیا خوب کہا ہے کسی نے:

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

اس اجمال کی تفصیل کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے مولانا ندوی کا اصل مضمون مع ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ اس کے بعد واقعات اور حقائق کی روشنی میں اس کا تجزیہ کیا جائے۔

اصل مضمون

المفتی احمد رضا البریلوی

الشیخ العالم المفتی احمد رضا بن نقی علی بن رضا علی الافغانی الحنفی البریلوی المشہور بعبد المصطفیٰ ولد یوم الاثنین عاشر شوال سنۃ اثنین وسبعین ومائتین بعد الالف ببلدۃ بریلی، واشتغل بالعلم علی والدہ ولازمہ مدۃ طویلۃ حتی برع فی العلم وفاق اقرانہ فی کثیر من الفنون لاسیما الفقہ والاصول و فرغ من تحصیلہ سنۃ ست وثمانین۔

ترجمہ : مفتی احمد رضا بریلوی شیخ عالم مفتی احمد رضا ولد نقی علی ولد رضا علی افغانی حنفی بریلوی معروف بہ عبد المصطفیٰ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ کو اتوار کے دن بریلی میں پیدا ہوئے، تعلیم کا آغاز اپنے والد سے کیا۔ عرصہ دراز تک انہیں کے زیر تعلیم و تربیت رہ کر ۱۲۸۶ھ میں فارغ ہوئے، اور مہارت حاصل کی۔ حتی کہ بیشتر علوم و فنون خصوصاً فقہ اور اصول میں اپنے معاصرین پر فوقیت لے گئے۔

وله اربع عشرة من عمره، وسافر للحج مع والده سنة ست وثمانين ومائتين والف، ثم حج سنة خمس وتسعين واسند الحديث عن السيد احمد زيني دحلان الشافعي المكي والشيخ عبد الرحمٰن سراج مفتي الاحناف بمكة والشيخ حسين بن صالح جمل الليل، ثم رجع الى الهند وصنف ودرس مدة وسافر الى الحرمين الشريفين عدة مرات وذاكر علماء الحجاز في بعض المسائل الفقهية والكلامية، والف بعض الرسائل اثناء اقامته بالحرمين۔ واجاب عن بعض المسائل التي عرضت على علماء الحرمين، واعجبوا بغزارة علم وسعة اطلاعه على المتون الفقهية والمسائل الاختلافية وسرعة تحريره وذكائه

(جبکہ ابھی ان کی عمر صرف ۱۴ سال تھی اسی سال ۱۲۸۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کا سفر کیا۔ دوسرا سفر حج ۱۲۹۵ھ میں اختیار کیا اور سید احمد زینی دحلان شافعی مکی، مکہ میں احناف کے مفتی شیخ عبد الرحمان سراج اور شیخ حسین بن صالح جمل اللیل سے حدیث کی سند حاصل کی۔ پھر ہندوستان واپس ہوئے۔)

اور عرصہ تک تصنیف و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا، انہوں نے حرمین شریفین کا سفر متعدد بار کیا۔ دوران قیام وہاں بعض فقہی و کلامی مسائل پر علما حجاز سے مذاکرہ کیا اور وہیں چند رسائل بھی مرتب کئے۔ نیز علما حرمین کی خدمت میں پیش کردہ بعض سوالوں کا جواب دیا۔ جسے پڑھ کر وہ حضرات ان کی علمی گیرائی۔ اختلافی مسائل و فقہی متون پر دسترس، سرعت تحریر، اور ذکاوت طبع سے حیرت میں پڑ گئے۔

ورجع الى الهند واكب على التاليف وتحرير المسائل والرد على مخالفيه والافتاء وكان قد اخذ الطريقة عن السيد آل رسول الحسيني المارهروي ونال الاجازة منه

ہندوستان لوٹ کر وہ مسند افتاء پر متمکن ہوئے اور اپنے مخالفین کے رد و ابطال نیز مختلف موضوع و مسائل پر مضمون نگاری و تالیف کتب میں منہمک ہو گئے۔ آپ نے سید آل رسول حسینی مارہروی (رحمہا اللہ تعالیٰ) سے بیعت و خلافت حاصل کی۔

كان متشددا في المسائل الفقهية والكلامية، متوسعا ومسارعا في التكفير، قد حمل لواء التكفير والتفريق في الديار الهند في العصر الاخير وتولى كبره واصبح زعيم هذه الطائفة تنتصر له وتنتسب اليه وتحتج باقواله، وكان لا يتسامح ولا يسمح بتاويل كفر من لا يوافقه على عقيدته وتحقيقه، او من يرى فيه انحرافا عن مسلكه ومسلك آبائه، شديد المعارضة لائم التعقب لكل حركة اصلاحية۔

وہ فقہی و کلامی مسائل میں متشدد، تکفیر کے دائرہ کو (بات بات پر) پھیلانے والے، اور اس معاملہ میں جلدباز واقع ہوئے تھے، آخر عمر میں ہندوستان کے طول و عرض میں تکفیر و تفریق کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ اور اس مشغلہ میں ان کا بہت بڑا حصہ تھا۔ چنانچہ وہ اپنے ہم عقیدہ گروہ کے قائد بن گئے تھے جو ان کی حمایت کرتا، اپنے کو ان سے نسبت دیتا اور ان کے اقوال سے استدلال کرتا تھا۔ وہ اس شخص کے کفر کی تاویل میں کوئی رعایت اور درگذر نہیں کرتے تھے، جو ان کی رائے اور عقیدہ کا مخالف اور ان کے ذاتی و آبائی مسلک سے منحرف ہو۔ وہ اصلاحی تحریکوں کا ہمیشہ پیچھا کرنے والے اور سخت جھگڑالو تھے۔

انعقدت حفلة "مدرسة فيض عام" سنة احدى عشرة وثلاث مائة والف في كانفور، وحضرها اكثر العلماء الناميين، وهي الحفلة التي تأسست فيها ندوة العلماء، ومن اكبر اغراضها توحيد كلمة المسلمين واصلاح ذات البين بين علماء الطوائف واصلاح التعليم الديني وحضرها المفتي احمد رضا المترجم، وخرج منها وقد قرر محاربة هذه الجمعية، فاصدر صحيفة اسماها التحفة الحنفية لمعارضة ندوة العلماء

۱۳۱۱ھ میں، مدرسہ فیض عام کانپور میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں اکثر اکابر علماء شریک ہوئے یہیں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی جس کے اہم اغراض و مقاصد اتحاد مسلمین، علماء کے مختلف طبقوں میں تعلقات باہمی کی سدھار اور دینی تعلیم کی اصلاح تھے، اس اجلاس میں مفتی احمد رضا شریک ہوئے پھر اس سے علاحدہ ہو گئے اور اب وہ اس جمعیت کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے چنانچہ التحفۃ الحنفیہ لمعارضۃ ندوۃ العلماء نامی مراسلہ شائع کیا۔

والف نحو مأة رسالة وكتاب فى الرد عليها، واخذ فتاوى العلماء فى انحاء الهند، وتوقيعاتهم فى تكفير علماء الندوة و جمعها فى كتاب سماها "الجام السنة لاهل الفتنة"، واخذ على ذالك توثيق علماء الحرمين، ونشره فى مجموعة سماها "فتاوى الحرمين برجف ندوة المين"، فى سنة سبع عشرة وثلاث مأة والف.

(پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ) اس کے رد میں سو کے قریب کتابیں و رسائل مرتب کئے نیز علماء ندوہ کی تکفیر پر ہندوستان کے اطراف و اکناف کے علماء سے فتوے اور دستخط حاصل کئے، جنہیں "الجام السنة لاهل الفتنة" نامی کتاب کی صورت میں مرتب کیا۔ پھر اس پر علماء حرمین کی تصدیق مزید فراہم کی اور اس کے مجموعہ کو فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین کے نام سے ۱۳۱۷ھ میں شائع کیا۔

ثم انصرف الى تكفير علماء ديوبند، كالامام محمد قاسم نانوتوى والعلامة رشيد احمد الگنگوهى والشيخ خليل احمد السهارنفورى ومولانا اشرف على التهانوى ومن والاهم، ونسب اليهم عقائد هم منها براء. ولفق على كفرهم واخذ على ذالك توثيقات علماء الحرمين الذين لايعرفون الحقيقة ونشرها فى مجموعة سماها "حسام الحرمين على منحر اهل الكفر والمين" قال فيها "من شك فى كفرهم وعذابهم نقد كفر" واشتغل بهذا الرد والنقض والمحاربة والمعارضة لاتاخذه فى ذالك هوادة ولايعتريه وهن، حتى اصبح التكفير شغل الناس الشاغل، وكانت مضاربات ومحاكات وفتن ومشاغبات.

پھر علماء دیوبند مثلاً امام محمد قاسم نانوتوی، علامہ رشید احمد گنگوہی، شیخ خلیل احمد سہارنپوری، مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ہمنواؤں کی تکفیر کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی جانب ایسے عقائد منسوب کئے۔ جن سے وہ لوگ بری ہیں ان کے کفر پر دلائل قائم کئے اور اس پر حقیقت سے بے خبر علماء حرمین کی تصدیقات حاصل کر کے اس کے مجموعہ کو حسام الحرمین علی منحر اہل الکفر والمین" کے نام سے شائع کیا جس میں ان کا یہ قول بھی موجود ہے کہ "جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ اس رد و قدح میں وہ ایسے مشغول ہوئے کہ کسی قسم کی سستی اور کمزوری کو پاس تک پھٹکنے نہ دیا۔ یہاں تک کہ تکفیر لوگوں کا عام مشغلہ بن گیا اور باہمی جنگ و جدل، مناظرے اور فتنہ و فساد پھوٹ پڑا۔

وكان يعتقد بان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم كان يعلم الغيب علما كليا، فكان يعلم منذ بدء الخليقة الى قيام الساعة بل الى الدخول فى الجنة والنار جميع الكليات والجزئيات لاتشذ عن علمه شاذة، ولاتخرج عن احاطته ذرة، وكان يعبر عنه بقوله "علم ماكان ومايكون" وقد صنف فى هذا الموضوع عدة رسائل منها رسالة "انباء المصطفى" ورسالة اخرى باسم "خالص الاعتقاد" وله رسالة فى هذا المعنى بالعربية سماها "الدولة المكية" وعلق عليها حاشية زادت عليها اضعافا مضاعفة وسماها "الفيوض المكية".

ان کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب کا کلی علم رکھتے تھے اور ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک بلکہ جنت و دوزخ میں ان کے مستحقین کے پہونچ جانے تک ساری کلیات و جزئیات سے باخبر تھے۔ حتی کہ نہ کوئی چیز ان کے علم سے باہر تھی نہ کوئی ذرہ ان کے احاطہ علم سے خارج تھا۔ اپنے اس دعوی کی تعبیر وہ "علم ماکان ومایکون" سے کرتے تھے۔ اس موضوع پر انہوں نے متعدد رسائل تصنیف کئے۔ مثلاً رسالہ "انباء المصطفی"، اور خالص الاعتقاد" وغیرہ ایک رسالہ عربی میں ہے جو "الدولۃ المکیۃ کے نام سے موسوم ہے۔ اس پر حاشیہ چڑھایا جو اصل سے کئی گنا بڑھ گیا۔ اس کا نام "الفیوض المکیۃ" رکھا۔

وكان ينتصر للرسوم والبدع الشائعة وقد الف فيها رسائل مستقلة والف رسائل فى الاستمداد والاستعانة باولياء الله واهل القبور، وكان مع ذالك يرى حرمة سجدة التحية والف فيها رسالة سماها "الزبدة الزكية تحريم سجود التحية" وهى رسالة جامعة تدل على غزارة علمه وقوة استدلاله.

وقت کے مروج رسوم و بدعات کی حمایت کرتے تھے جس پر انہوں نے مستقل رسائل مرتب کئے۔ اولیاء اللہ اور اہل قبور سے مدد طلب کرنے کی جواز پر بھی رسائل تحریر کئے۔ اس کے باوجود سجدہ تعظیمی کو حرام خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اس پر ایک رسالہ "الزبدۃ الزکیہ تحریم سجود التحیہ" قلمبند کیا جو علاوہ جامع ہونے کے ان کی وقت علم اور قوت استدلال پر دال ہے۔

وكذالك كان ينتصر للاعياد التى تقوم على القبور يسميها اهل الهند "الاعراس" ومع ذالك يحرم الغناء بالمزامير ويحرم الضرائح المنسوبة الحسين عليه وعلى آبائه السلام التى يصنعها اهل الهند بالقرطاس ويسمونها "تعزية"

اسی طرح وہ قبروں پر ہونے والے ان اجتماعات کی حمایت کرتے تھے جنہیں اہل ہند "عرس" کہتے ہیں۔ لیکن مزامیر کے ساتھ گانا (قوالی) حرام سمجھتے تھے۔ نیز حسین علیہ وعلی آبائہ السلام کی طرف منسوب قبروں کا بنانا حرام سمجھتے تھے جنہیں ہندوستانی

لوگ کاغذ سے تیار کرتے اور "تعزیہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔

كان عالمًا متبحرًا، كثير المطالعة، واسع الاطلاع له قلم سيال وفكر حافل في التاليف، تبلغ مولفاته ورسائله على رواية بعض من جمعه خمس مأة مولف اكبرها "الفتاوى الرضوية" في مجلدات كثيرة ضخمة كان قوى الجدل، شديد المعارضة شديد الاعجاب بنفسه وعلمه، قليل الاعتراف بمعاصريه ومخالفيه شديد العناد والتمسك برائه

وہ ایک متبحر عالم تھے جن کی معلومات وسیع اور مطالعہ بہت زیادہ تھا۔ وہ ایک رواں دواں قلم اور تصنیف وتالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ اپنے تذکرہ نویسوں کے قول کے مطابق وہ ۵ سو تک پہونچنے والے رسائل وتالیفات کے مولف تھے جن میں سب سے بڑی اور بہت سی ضخیم جلدوں پر مشتمل کتاب "فتاوی رضویہ" ہے۔ وہ بڑا جنگجو، سخت لڑاکا اور اپنے علم وذات پر بیحد مغرور تھا اپنے ہمعصروں اور مخالفوں کا کم ہی اعتراف کرتا تھا۔ انتہائی بغض رکھنے والا اور ہٹ دھرم تھا۔

يندر نظيره في عصره في الاطلاع على الفقه الحنفي وجزئياته ويشهد بذلك مجموع فتاواه وكتابه "كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم" الذى الفه في مكة سنة ثلاث وعشرين وثلاث مأة والف وكان راسخًا طويل الباع في العلوم الرياضية والهيئة والنجوم والتوقيت۔

فقہ حنفی اور اس کی جزئیات سے آگاہی رکھنے والا ان کے زمانہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا جس پر ان کا مجموعہ فتاوی اور کتاب "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام الدراہم" شاہد ہے۔ جو مکہ میں ۱۳۲۳ھ میں تحریر کی گئی تھی، وہ علوم ریاضی ہیئت، نجوم اور توقیت پر حاوی تھے۔

وله مشاركة في الرمل والجفر، مشاركًا في اكثر العلوم، قليل البضاعة في الحديث والتفسير يغلو كثير من الناس في شانه فليعتقدون انه كان مجدد المأة الرابعة عشرة

مات لخمس بقين من صفر سنة اربعين وثلاث مأة والف۔

رمل وجفر میں بھی دخل رکھتے تھے اور دوسرے بہت سے علوم میں ان کا حصہ تھا۔ لیکن حدیث وتفسیر میں کم مایہ تھا، بہت سے لوگ ان کی شان میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور ان کو چودھویں صدی کا مجدد مانتے ہیں۔

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ میں وہ مر گئے۔

مذکورہ بالا مضمون کے اصل اور ترجمے نے الفاظ ومعانی کی جو آئینہ بندی کی ہے اس میں مولانا ندوی کا منعکس خدوخال ان کے متعارف خدوخال سے کتنی مطابقت پیدا کر سکا ہے ہم ذیل میں اسی کی ایک جھلک پیش کرنا چاہتے ہیں۔

شروع مضمون میں چند سطروں کے اندر جیسا کہ قارئین مطالعہ کر چکے ہیں، اعلحضرت کا مختصر نسب نامہ، سن ولادت اور اپنے والد محترم ہی کے زیر سایہ تعلیمی مشغلہ کا ذکر ہے جس کے بعد ان کی تعلیمی فراغت اور علمی صلاحیت کا اظہار حسب ذیل لفظوں میں کیا گیا ہے۔

حتى برع في العلم وفاق اقرانه في كثير من الفنون لاسيما الفقه والاصول۔۔۔

(ترجمہ) یہاں تک کہ فراغت ومہارت حاصل کی اور بہت سے علوم وفنون خصوصًا فقہ اور اصول میں اپنے معاصرین پر فوقیت لے گئے۔

یہ جملے مضمون کے ابتدائی حصہ سے ماخوذ ہیں جو بریکیٹ سے پہلے ہے اسلئے ہم انہیں اصل مولف مولانا عبدالحئی الحسنی کے خیالات کا ترجمان سمجھتے ہیں موصوف نے واشگاف الفاظ میں اعلحضرت کے زمانہ کے ہزاروں علماء پر ان کی علمی فوقیت کو تسلیم کیا ہے۔ جن میں کوئی استاذ الاساتذہ تھا تو کوئی علامہ دوراں، کوئی امام معقولات تھا تو کوئی شیخ تفسیر وحدیث، کوئی فقیہ النفس کے بھاری بھرکم خطاب سے نوازا جاتا تھا۔ تو کوئی شیخ الہند، شیخ الاسلام اور حکیم الامت کے لقب سے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سنہرے دور علم وفضل کو ایسے ایسے اساتذہ اور ائمہ علوم وفنون نے عزت بخشی تھی۔ جن کے فضل وکمال کا سکہ ممالک اسلامیہ کے گوشے گوشے حتی کہ اعاظم علماء عرب کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم ذیل میں ان ہزاروں فضلاء وقت میں سے چند اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں تاکہ اس مبارک زمانہ کی ایک جھلک ہمارے قارئین کے سامنے آجائے۔

اعلحضرت کے ہمعصر علماء

(۱) مولانا نور احمد بدایونی (م ۱۳۰۲ھ)
(۲) مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ)
(۳) ابوالحسنات مولانا عبدالحئی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ)
(۴) مولانا شاہ عبدالرزاق فرنگی محلی (م ۱۳۰۷ھ)
(۵) مولانا ارشاد حسین رامپوری (م ۱۳۱۱ھ)
(۶) مولانا عبدالحق خیرآبادی (م ۱۳۱۸ھ)
(۷) تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ)
(۸) مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۲۲ھ)
(۹) استاذ العلماء مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری (م ۱۳۲۶ھ)
(۱۰) مولانا وصی احمد محدث سورتی (م ۱۳۳۳ھ)
(۱۱) استاذ العلماء مفتی لطف اللہ علیگڑھ (م ۱۳۳۴ھ)

(۱۲) مولنا علی احمد محدث سہارنپوری محشی بخاری (م ۱۲۹۷ھ)

(۱۳) مولنا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ)

(۱۴) مولنا محمد مظہر نانوتوی صدر المدرسین مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور (م ۱۳۰۲ھ)

(۱۵) نواب صدیق حسن قنوجی (م ۱۳۰۷ھ)

(۱۶) مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ)

(۱۷) مولنا احمد حسن امروہوی (م ۱۳۳۰ھ)

(۱۸) مولنا نذیر حسن دہلوی (م ۱۳۳۰ھ)

(۱۹) مولنا عبد الرحیم رحیم آباد مظفر پوری (م ۱۳۳۰ھ)

(۲۰) مولنا عبد اللہ غازی (م ۱۳۳۷ھ)

(۲۱) مولنا خلیل احمد انبیٹھوی (م ۱۳۴۶ھ)

(۲۲) مولنا انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۰ھ)

(۲۳) مولنا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۳ھ)

(۲۴) مولوی محمد یعقوب نانوتوی صدر المدرسین مدرسہ دیوبند

(۲۵) مولوی رفیع الدین مہتمم مدرسہ دیوبند

(۲۶) مولوی محمود الحسن استاد مولوی حسین احمد ٹانڈوی

(۲۷) مولوی حسین احمد ٹانڈوی

یوں توان علماء میں سے ہر ایک آسمان علم و فضل کے ماہ و انجم تھے لیکن ان میں بھی علماء اہلسنت میں استاذ العلماء مولنا ہدایت اللہ خاں جونپوری، تاج الفحول مولنا عبد القادر بدایونی اور ابو الحسنات مولنا عبد الحئی فرنگی محلی وہ جامع کمالات اور نازش علم و فضل تھے جن کی عظمت و جلالت کا اعتراف اعاظم علماء عرب بھی کرتے تھے۔ دوسری طرف علماء دیوبند میں مولنا محمد قاسم نانوتوی، مولنا رشید گنگوہی، مولنا خلیل احمد انبیٹھوی اور مولنا اشرف علی تھانوی جیسے اقران و اتباع بزبان دیوبند شیخ الہند، شیخ الاسلام امام وقت اور حکیم الامت تھے۔

مولنا عبد الحئی الحسنی کے قول کے مطابق ان تمام اجلۂ علماء پر اعلیٰحضرت کو فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ گویا مولنا عبد الحئی کو خود اعتراف ہے کہ ان علماء میں اگر کوئی استاذ العلماء امام دوراں اور صدر نشین علم و فضل ہے تو اعلیٰحضرت اس محفل علماء میں استاذ الاساتذہ، شیخ الشیوخ، امام الائمہ اور صدر الصدور کے مسند عظیم پر متمکن ہیں۔

الفضل ما شہدت بہ الاعداء

مضمون کے مذکورہ بالا ابتدائی سطروں کے بعد متعدد صفحات پر مشتمل سارا مضمون مولنا علی ندوی کا اضافہ و تکملہ ہے جو بریکیٹ میں ہے آپ نے اعلیٰحضرت کی فطری ذکاوت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے "ولہ اربع عشرۃ من عمرہ" (ترجمہ) ان کی عمر ۱۴ سال ہی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے لیکن خود اعلیٰحضرت کی تحریر اور آپ کے مستند سوانح نگاروں کے مطابق آپ کی فراغت کی عمر ۱۳ سال، ۱۰ ماہ اور ۵ دن[۱] تھی۔ اگلے جملہ میں آپ نے اعلیٰحضرت کے پہلے سفر حج کا ذکر مندرجہ ذیل لفظوں میں کیا ہے
وسافر للحج مع والدہ سنۃ ست و ثمانین و مائتین والف (ترجمہ) ۱۲۸۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ سفر حج اختیار کیا۔ اعلیٰحضرت کا یہ پہلا سفر حج تھا جو در اصل ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں وقوع پذیر ہوا[۲] نہ کہ ۱۲۸۶ھ میں جیسا کہ مولنا ندوی نے تحریر کیا ہے۔

آگے آپ اعلیٰحضرت کے دوسرے سفر حج پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **ثم حج خمس و تسعین واسند الیٰ آخرہ** (ترجمہ) دوسرا حج ۱۲۹۵ھ میں کیا اور (اعاظم علماء حرمین شریفین سے) اسناد حاصل کیں۔ یہاں بھی مولنا سے دو غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔

۱۔ آپ نے دوسرے حج کا سال ۱۲۹۵ھ بتایا ہے حالاں کہ صحیح اور مستند سال ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء ہے۔

۲۔ علماء حجاز سے اسناد و اجازات پہلے سفر حج کے موقع پر حاصل کی گئی تھیں لیکن نہایت بے پرواہی سے ان واقعات کو دوسرے سفر حج میں شامل کر دیا گیا ہے[۳]۔

اس کے بعد مولانا ندوی فرماتے ہیں **وسافر الی الحرمین الشریفین عدۃ مرات** (ترجمہ) انھوں نے حرمین شریفین کا متعدد بار سفر کیا۔ اعلیٰحضرت کے متعدد سوانحات اور تذکروں سے میں نے رجوع کیا لیکن کہیں بھی مذکورہ بالا دو کے علاوہ اور کسی سفر حج کا تذکرہ نہیں ملتا جس کی مزید تصدیق خود مولنا ندوی کے جملہ مابعد سے ہوئی ہے جو حسب ذیل ہے
وذاکر علماء الحجاز فی بعض المسائل الفقیہۃ والکلامیہ (ترجمہ) اور (اسی دوران) علماء حجاز سے بعض فقہی اور کلامی مسائل پر گفتگو کی۔

علماء حجاز سے گفتگو اور دوسرے اہم واقعات دوسرے سفر حج سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ مولنا ندوی نے "عدۃ مرات" کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے۔

مذکورہ بالا چند ہی سطروں میں مولنا علی میاں جیسے وسیع سیرت نگار سے اتنی بہت سی غلطیاں نہایت افسوسناک اور غلط ذرائع معلومات پر تکیہ کرتے ہوئے اپنے فرائض سے روگردانی کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰحضرت کے دونوں سفر حج کی اہم تفصیلات پیش کر دی جائیں۔

---

[۱] پروفیسر محمد مسعود احمد "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" ص ۶۸ وغیرہ

[۲] فاضل بریلوی ص ۳۳، ص ۴۳ — [۴] مولنا نسیم بستوی "مجدد اسلام"، ص ۳۸

[۳] فاضل بریلوی: ص ۴۳ — [۵] مجدد اسلام ص ۴۶، ص ۴۷

پہلا سفرِ حج یہ سفر اعلیٰحضرت کے عنوانِ شباب میں پیش آیا اتنی کم عمری میں علوم و فنون پر ایسی دسترس! اکابرین علماءِ حجاز حیرت و استعجاب میں پڑ گئے چنانچہ انھوں نے نہایت محبت اور عقیدت میں ڈوب کر اعلیٰحضرت کو حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دوسرے علوم کی اسناد اور اجازات سے سرفراز فرمایا ایسے بیشتر واقعات میں سے ہم صرف ایک واقعہ مثالاً درج کر رہے ہیں۔ امام شافعیہ حضرت حسین بن صالح جمل اللیل ایک دن بعد نماز مغرب حرم شریف سے واپس آ رہے تھے بغیر کسی تعارف کے اعلیٰحضرت کو دیکھتے ہی ان کا ہاتھ تھام لیتے ہیں اور دیر تک ان کی پیشانی کو پکڑے ہوئے **انی لاجد نور الله من هذا الجبين** کے نورانی الفاظ سے نوازتے رہے بعد میں آپ نے صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اسی سفر میں انھوں نے انھیں امام وقت کی ایماء پر رسالہ **"جوهرة مضيه"** کی بسیط شرح محض دو دن میں لکھ کر **"النيرة الوضيه في شرح الجوهرة المضيه"** کے نام سے پیش فرمایا اور شیخ موصوف سے بھرپور داد تحسین حاصل کی ساتھ ہی اس پر نہایت مفید، مدلل اور مفصل تعلیقات اور حواشی بڑھا کر ایک مستقل رسالہ **"الطرة الوضيه على النيرة الوضيه"** مرتب فرمایا جسے پڑھ کر فضلاء وقت حیرت میں پڑ گئے[۱۰]

دوسرا حج اعلیٰحضرت کا یہ سفر بے حد اہم اور تاریخی تھا اس کے اہم مختصرات حسب ذیل ہیں۔

پہلے حج کے موقع پر اعلیٰحضرت کی علمی جلالت و جامعیت سے اکابرین علماءِ حرمین شریفین بے حد متاثر ہو چکے تھے۔ ہندوستان لوٹنے کے بعد ندوۃ العلماء کی تحریک شروع ہو چکی تھی۔ آپ نے اس کے تاسیس اجلاس میں شرکت فرمائی لیکن وہاں اسلام کی کھلی ہوئی اہانت اور سراسر نقصان کو دیکھ کر دیگر علمائے اہلسنت کے ساتھ اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور دلائل شرعیہ قاہرہ پر مشتمل فتاویٰ **"الجام السنة لاهل الفتنة"** شائع فرمایا۔ علماء حرمین شریفین نے اسے پڑھ کر آپ کی علمی گہرائی اور قوت استدلال کا برملا اعتراف کرتے ہوئے موثر تصدیقات اور عظیم خطابات سے نوازا۔ یہ تصدیقات اس کثرت سے حاصل ہوئیں کہ انھیں الگ **"فتاوی الحرمين برجف ندوة المين"** کے نام سے شائع کرنا پڑا۔ اس سفر کا بے حد اہم اور بعض علماء دیوبند کے "سیاسی کردار" کا عکاس علماء حرمین سے آپ کا وہ تاریخی مذاکرہ ہے جو بقول اکابر علماء حرمین علم غیب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بعض ہندی مفسدوں کے اٹھائے ہوئے سوالات پر مبنی تھا جس کے نتیجہ میں ۸ گھنٹے میں **"الدولة المكية بالمادة الغيبية"** جیسی مشہور عالم کتاب وجود میں آئی۔ اس کے دلائل و براہین اور حوالوں نے انھیں مبہوت کر دیا چنانچہ ان کی عقیدت اور گرویدگی اتنی بڑھ گئی کہ نہ صرف عقیدت بھری تقاریظ اور محتم بالشان خطابات سے نوازا بلکہ حصول اسناد و اجازات کے لئے اس قدر ذوق و شوق کا اظہار کیا کہ دو ماہ کے طویل قیام کے دوران بھی یہ سلسلہ ادھورا ہی رہا اور بہت سے ایسے وعدے ہندوستان لوٹ کر پورے کئے گئے سند و اجازت کے لئے والہانہ ذوق و شوق اور بے تابانہ محبت و عقیدت سے لبریز یادداشتیں آج بھی **"اجازات"** وغیرہ کتابوں کی شکل میں محفوظ ہیں[۱۱]

مذکورہ بالا مذاکرہ پر اعلیٰحضرت کے ارشادات کے اہم خلاصے حسب ذیل ہیں۔

مکہ معظمہ میں معلوم ہوا کہ مولوی خلیل احمد اور دیگر حضرات آئے ہوئے ہیں ان لوگوں نے شریف مکہ تک رسائی پیدا کر کے مسئلہ علم غیب چھیڑا ہے اور چند سوالات مفتی حنفیہ شیخ صالح کمال کی خدمت میں پیش کئے ہیں.... میں مولوی عبد الاحد کے ساتھ شیخ کے پاس پہنچا اور مسئلہ علم غیب پر دو گھنٹے تقریر کی.... شیخ خاموش سنتے رہے.... الماری سے نکال کر ایک پرچہ دیا.... جس میں "اعلام الاذکیاء" پر استفسار تھا.... اس کا جواب لکھنے کیلئے فرمایا پرچہ لیکر میں چلا آیا.... ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو کتب خانہ حرم میں پھر ملاقات ہوئی.... اس بار شیخ نے علم غیب پر ۵ سوالات کا استفتاء عنایت فرمایا اور فرمایا کہ وہابیہ نے شریف مکہ کی معرفت آپ سے جواب طلب کیا ہے۔ ... میں نے جواب لکھنا شروع کیا۔ اسی دوران عالم جلیل مولانا شیخ احمد ابوالخیر میرداد کی طلبی پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے چند اوراق سماعت فرما کر بحث علم خمس بڑھانے کی ہدایت کی۔ واپسی میں ادباً زانوئے مبارک کو ہاتھ لگانا چاہا تو حضرت نے بآں بزرگی فرمایا۔ **انا اقبل ارجلكم، انا اقبل نعالكم** (میں تمہارے قدموں کو بوسہ دوں۔ میں تمہاری جوتیوں کو بوسہ دوں) [۱۲]

مذکورہ سوال ان بعض وہابیہ کا اٹھایا ہوا تھا جنھوں نے دل کھول کر اللہ و رسول کو گالی دی اور ہندوستان میں اس کی کتابیں شائع کیں۔...... انھوں نے جانا کہ میں مکہ معظمہ میں اپنی کتابوں سے جدا ہوں.... زیارت میں مشغول۔ مولیٰ و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضری کی جلدی.... انھوں نے سوال اس طمع پر اٹھایا کہ یہ جلدی اور اس دھیان میں دل کا لگا ہونا، کتابیں پاس نہ ہونا مجھے اظہار جواب سے روک دے گا[۱۳]

---

[۱۰] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۰،۱۷،۲،۱۷،۱۔ بحوالہ الملفوظ مولفہ مصطفیٰ رضا خان حصہ دوم ص: ۲، ۱۶۔ [۱۱] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص ۳۔ الدولۃ الملکیۃ ص ۱۶۸، ۱۶۹، ۱، ۱۷

[۱۲] (۱) فاضل بریلوی: ص ۳۳ (۲) مجدد اسلام: ص ۳۲ — [۱۴] تفصیل کے لئے "الدولة الملكيه" "حسام الحرمين"، "النبوضات"

[۱۳] (۱) فاضل بریلوی: ص ۹۴، ص ۹۵ بحوالہ تذکرہ علماء ہند مولفہ رحمان علی ص ۹۸، ص ۹۹ (۲) اعلیٰحضرت (بریلی)، "الاجازات" اور فاضل بریلوی وغیرہ کتب کا مطالعہ فرمائیں۔

شیخ کمال نے دو دن کے اندر جواب پورا کر لینے کی ہدایت کی۔ شان الٰہی کہ دوسرے دن سے بخار نے پھر عود کیا۔ اسی حالت تپ میں تصنیف شروع کی۔ اسی دن شیخ ابوالخیر کی خدمت میں حاضری کا مذکورہ بالا واقعہ پیش آیا۔ لوٹ کر اسی شب جواب میں بحث خمسہ بڑھایا۔

دوسرے دن صبح ہی مولٰنا سید عبد الحئی ابن مولٰنا سید عبد الکبیر محدث ملک مغرب تشریف لائے، علوم حدیث کی اجازتیں لکھوائیں، ظہر تک رہے، ساتھ نماز پڑھی اور عازم طیبہ ہوئے دن کا بڑا حصہ خالی گیا.... بخار بھی ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ باقی وقت میں بعد نماز عشاء تک (کل ۸½ گھنٹہ میں) کتاب کی تکمیل ہو گئی [۱]

اس کا تاریخی نام "الدولة المكية بالمادة الغيبية" رکھا.... شیخ کی خدمت میں پیش کیا انھوں نے شریف کو دربار میں پیش کر دیا۔ پڑھنے کا حکم ہوا۔ شیخ نے پڑھنا شروع کیا۔ دربار میں دو وہابی موجود تھے "احمد فگیہ اور عبد الرحمٰن".... دونوں بیچ میں لقمے دیتے مگر شریف مکہ کی تہدید پر خاموش ہو جاتے.... نصف شب تک نصف رسالہ پڑھا گیا۔ شریف بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ کہا۔ الله يعطى وهٰؤلاء يمنعون (اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ لوگ انکار کرتے ہیں).....

وہابیہ کو یقین ہو گیا کہ یہاں ان کی کچھ پیش نہ چلے گی۔ چنانچہ انھوں نے گورنر مکہ سے رجوع کیا.... کہ ہندوستان سے ایک عالم آیا ہے اس نے عقیدے بگاڑ دئیے ہیں۔ شیخ محمد سعید بابصیل، شیخ صالح کمال، مولانا ابوالخیر میر داد اس کے ہمنوا ہو گئے ہیں۔ گورنر نے یہ نام سنتے تو کہا "اذا كان هٰؤلاء معه فهو يفسد ام يصلح (جب یہ حضرات اس کے ہمنوا ہیں تو وہ مفسد ہے یا مصلح؟) مخالفین خاموش ہو گئے [۲]

مذکورہ بالا بیان کی تصدیق و تائید مولانا شیخ اسماعیل بن خلیل کے حسب ذیل بیان سے ہوتی ہے: شيخنا العلامة المجدد شيخ الاساتذة على الاطلاق المولوى شيخ احمد رضا خاں صاحب ۱۳۲۳ھ میں حج کے لئے تشریف لائے، بعض فاسقوں کی مدد سے چند بدنصیبوں نے اس وقت کے شریف مکہ کے یہاں ضرر پہونچانے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا چنانچہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے پاس سوال بھیجا اور گمان کیا کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے کہ سفر کی تیاری میں ہیں اور یہاں ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں ہے تو مولانا نے اللہ ان کی تائید کرے.... وہ جواب لکھا جس سے ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی کی اور ہر کافر و فاسق و گمراہ بے نور کو ذلیل و خوار کیا [۳]
حضرت امام احمد رضا خاں جواب سے فارغ ہوئے تو شریف مکہ نے شیخ صالح کمال (سابق مفتی مکہ) کو حکم دیا کہ رسالہ ان کے دربار میں برملا پڑھیں، پڑھا گیا۔ سرکش گروہ کے افراد وہاں موجود تھے۔ سن سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور ذلیل و خوار ہوئے.... شریف مکہ پر ظاہر ہو گیا کہ مولٰنا احمد رضا خاں حق پر ہیں اور مخالفین گمراہ ہیں۔

یہاں تک کہ بعض ثقہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ شریف مکہ کے ایک ملازم نے درخواست کی کہ حق شیخ میں (اعلیٰ حضرت کے ساتھ) ایک گونہ اہانت جاری کرنے کی اجازت دیں۔ شریف مکہ نے انکار کر دیا اور فرمایا:۔

"ایسے امر کا اجراء کیوں کر ہو سکتا ہے، حالاں کہ تمام علماء اس کی مدد پر قائم ہیں اور وہی کہہ رہے ہیں جو وہ کہتا ہے اور ہم سب کا رجوع علماء ہی کی طرف ہے اور انھیں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں [۴]

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ علماء حجاز سے اعلیٰحضرت کے مذاکرہ کا موضوع علم غیب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھا۔ اللہ پاک نے اپنے محبوب کے اس فدائی اور عاشق صادق پر قبولیت اور اعزاز و اکرام کی وہ بارش کی کہ بقول شیخ اسمٰعیل بن خلیل:۔

علماء اور طلباء علم نے چاروں طرف سے انھیں (اعلیٰحضرت کو) گھیر لیا، تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کوئی سوال کرتا، اور کوئی قول صحیح دریافت کرنے کیلئے کوئی مسئلہ پیش کرتا ہے، اور کوئی اجازت مانگتا ہے اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا ہے یہ ان کا حال تھا جب مکہ میں تھے [۵]

حیرت ہے کہ وہابیت اور سنیت کے بنیادی اختلافی مسئلہ پر دیوبندیوں اور وہابیوں کی طرف سے مذکورہ بالا چھیڑ چھاڑ، اعلیٰحضرت کو نقصان پہونچانے کی بھرپور کوششیں اور بفضلہ تعالیٰ ان کے مقابل اعلیٰحضرت کی شاندار کامیابی اور علماء حجاز کی دیوانہ وار عقیدت کیشیاں مولانا ندوی کی نظروں سے کیوں اوجھل ہو گئیں!

خاص طور پر یہ بات نوٹ کرنے والی ہے کہ پہلے حج میں اعلیٰحضرت کا علماء حرمین سے اسناد و اجازات حاصل کرنا تو یاد رہا، لیکن دوسرے حج میں نہ صرف علماء حجاز بلکہ دوسرے ممالک سے آئے ہوئے اکابر علماء کی طرف سے حل مسائل، اسناد و اجازات حتی کہ دست بوسی اور قدم بوسی کے لئے اعلیٰحضرت کو دیوانہ وار گھیر لینے کے حیرت ناک واقعات نظر انداز کر دئیے گئے۔

سیرت نگاری میں انصاف و دیانت کے امتحان کا اصل مقام وہی ہوتا ہے جب اپنے مخالف کی سیرت بیان کرتے ہوئے وہ نازک مرحلہ آجائے جہاں صاحب سیرت کی زندگی کا نقطۂ عروج اور سیرت نگار کے ذاتی عقائد میں ٹکراؤ کی نوبت پیش آگئی ہو!

---

[۱] مجدد اسلام (خلاصہ) ص ۴۸، ۴۹، ۵۰ [۲] فاضل بریلوی (خلاصہ) ص ۱۷۲ بحوالہ "الملفوظ" دوم ص ۲، ۱۶ [۳] فاضل بریلوی: ص ۱۰۴، ۱۰۵ بحوالہ الفیوضات الملکیہ ص ۶ [۴] فاضل بریلوی: ص ۱۰۵، ۱۰۶ بحوالہ "الفیوضات الملکیہ" ص ۱۴ [۵] فاضل بریلوی: ص ۱۰۶ بحوالہ "الفیوضات الملکیہ" ص ۱۴

افسوس کہ آزمائش کے اس سخت مرحلہ پر مولانا علی میاں بے قابو ہو گئے ہیں اور انھوں نے جذبات کے ہاتھوں انصاف کی عصمت کو مجروح کرتے ہوئے آسمان علم و فضل کے چمکتے ہوئے سورج پر خاک ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے جسے ان کی تقدس مآب شخصیت اور ان کے منصب سیرت نگار کسے جوڑنا بڑا ہی مشکل ہو گیا ہے۔

آگے ارشاد ہوتا ہے :-

والف بعض الرسائل اثناء اقامته بالحرمين (ترجمہ) حرمین کے قیام کے
واجاب عن بعض المسائل التي عرضت علي علماء دوران بعض رسائل مرتب کئے
الحرمين واعجبوا الغزارة علمه وسعة اطلاعه علي اور علماء حرمین پر پیش کئے چند
المتون الفقهيه والمسائل الخلافيه وسرعة سوالوں کا جواب دیا جس پر
تحريره وذكائه وہ حضرات ان کی علمی گہرائی، اختلافی مسائل وفقہی متون پر دسترس
سرعت تحریر اور ذکاوت سے حیرت میں پڑ گئے۔

یہاں بھی مولانا ندوی متضاد جذبات کے شکار ہیں۔ وہ سنیت اور وہابیت کی تاریخی معرکہ آرائی، اعلیٰحضرت کے دندان شکن جوابات اور یادگار کامیابی پر الف بعض الرسائل اور اجاب عن بعض المسائل کے معمے میں پیش کر کے قاری کو حقیقت حال سے بے خبر رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف حقیقت حال کو چھپانے سے قاصر رہ کر اعلیٰحضرت کے حیرت انگیز کارناموں پر علماء حرمین کے قابل قدر تاثرات کو بتا کر اپنے منصب کا دفاع بھی کر رہے ہیں۔!!

دوسرے حج کے دوران اعلیٰحضرت نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے :-

۱۔ الدولة المكية بالمادة الغيبية :- کراچی کی مطبوعہ، علاوہ تقریضات تین سو صفحات کی یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلے بڑے حصے میں سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر بحث کی گئی ہے جو آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور اقوال ائمہ کی روشنی میں ایسے دلائل قاہرہ وبراہین قاطعہ پر مبنی ہے۔ کہ مخالفین مبہوت اور خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔

دوسرے حصے میں ان سوالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں جو مولانا شاہ سلامت اللہ کی کتاب "اعلام الاذکیاء" کی ایک عبارت اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے "خطبہ مدارج النبوۃ" سے تعلق رکھتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اس حج کے دوران مولانا خلیل انبیٹھوی جو غالباً طے شدہ منصوبے کے ساتھ اعلیٰحضرت کے تعاقب میں ہندوستان سے مکہ معظمہ پہونچے تھے اور مولوی حسین احمد ٹانڈوی جو پہلے سے مدینہ منورہ میں مقیم تھے، حرمین کی فضا کو اعلیٰحضرت کے خلاف تیار کرنے میں شب و روز مصروف تھے اور جو بعد میں اعلیٰحضرت کے مسکت جوابات سے قاصر ہو کر جھوٹے الزامات اور بے بنیاد اتہامات پر اتر آئے مثلاً ان کے کھلے بہتانوں میں سے ایک یہ تھا کہ اعلیٰحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے معاذ اللہ برابر قرار دیتے ہیں۔ جال بڑی ہوشیاری سے بچھایا گیا تھا چنانچہ شریف مکہ نے ان کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر ان کی ایماء پر اعلیٰحضرت کی خدمت میں علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ۵ سوالات بھیجے اور جلد سے جلد جواب طلب کیا۔ یہ اعلیٰحضرت کی زندہ کرامت اور ان کے آقا ومولیٰ کی عنایت بے غایت ہی تو تھی کہ بیش از بیش مصروفیات، بخار کی حالت، اکابر علماء سے طویل ملاقاتیں کعبۂ جسم سے کعبۂ جان کی طرف سفر کی تیاریاں، حوالہ کی کتابوں کی عدم موجودگی بایں ہمہ محض ۸ ۱/۲ گھنٹہ میں کتاب کو مکمل کر کے پیش کر دیا جس پر نہ صرف شریف مکہ بلکہ مقامی و بیرونی تمام علماء و کبار حیرت واستعجاب میں ڈوب گئے اور نہایت پرشکوہ الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرنے لگے۔

بے بنیاد الزام کا مذکورہ دعویٰ مبالغہ یا بدگمانی پر مبنی ہے، شیخ سید اسماعیل بن خلیل مکی اس جھوٹے بہتان کی بخیہ دری کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"بلکہ ایک اور نے اپنی تحریر میں یہ جھوٹ باندھا اور بہتان لگایا کہ حضرت احمد رضا نے اپنے رسالے میں، جو اس سوال کے جواب میں لکھا" یہ حکم لگایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیر متناہی بالفعل سے متعلق ہے اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مثل علم الٰہی کے ہے۔ ان دونوں میں کچھ فرق نہیں حاشا اللہ۔ ہمارے شیخ مذکور نے ان میں سے کوئی بات کہی ہو کیسے یقین کیا جا سکتا ہے جب کہ رسالہ خود ہمارے ہاتھ میں ہے۔[۱]

اعلیٰحضرت نے اس عظیم بہتان کو ایسا واشگاف فرمایا اور علم الٰہی وعلم رسول میں فرق و امتیاز کی اتنی شقیں بیان فرمائیں نیز علم رسول کی بے پایاں وسعت پر ایسے ٹھوس دلائل وبراہین پیش فرمائے کہ مخالفین کا سارا مکر و فریب بے نقاب ہو کر خود انھیں کے لئے سامان رسوائی بنا اور دوسری جانب حرمین شریفین میں موجود مقامی وبیرونی مشاہیر علماء و فضلاء نعمت الٰہی اور آیۃ اللہ کہہ کر پروانہ وار اعلیٰحضرت پر ٹوٹ پڑے۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

اعلیٰحضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ جو شریک سفر تھے لکھتے ہیں :-

"...... دوسری بار زیارت ..... اور حج کے لئے متوجہ ہوئے۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں خوب خوب عزت و توقیر کی گئی۔ وہاں علماء و فضلاء اور مشاہیر بڑے اعزاز واکرام سے ملے، دست بوسی کی، حدیث مسلسل بالاولیۃ سنی ..... صحاح و سنن ومسانید ومعاجیم اور چاروں مصافحوں کی اجازت لی، یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں منسلک ہوئے۔ اور یہ تمام باتیں چھوٹی اور بڑی سب ان عمائد، علماء اور اکابر کے اصرار سے ہوئیں۔ در اصل

۱۔ فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۰۹ بحوالہ "الدولۃ المکیۃ" ص: ۸

رسالہ "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ"...... نے حرمین شریفین میں آپ کا غلغلہ برپا کردیا...... چنانچہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ شروع ہوگیا"۔ ۱ؔ

۲۔ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم :۔

اعلیٰحضرت کے فضل وکمال سے متاثر ہوکر استفسارات کا جو غیر متناہی سلسلہ شروع ہوگیا تھا انھیں میں نوٹ کی شرعی حیثیت پر بھی کچھ سوالات تھے۔

خود اعلیٰ حضرت اس رسالہ کے آخر میں فرماتے ہیں :۔

"مکہ معظمہ کے دو علماء کرام مولنا عبد اللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام اور ان کے استاذ مولنا حامد احمد محمد جداوی نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضل وہاب عزجلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہ وہیں لکھ دیا۔" ۲ؔ

یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر اتنی جامع، مدلل، اور عجوبۂ روزگار تھی کہ اجل علمائے کرام وفقہائے عظام نے خود پڑھا، دوسروں کو سنایا اور ان کی نقلیں لیں۔

اصل کتاب میں اعلیٰ حضرت نے مولانا عبد الحئی لکھنوی کے بعض متعلقہ مباحث کی تردید فرمائی تھی۔

بعد میں اس میں اضافات فرمائے اور جب یہ معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی اس نوٹ کے خلاف کچھ لکھا ہے تو کچھ اور مباحث کا اضافہ فرمایا۔

چنانچہ خود فاضل مولف اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔ :۔

"..... اس وقت تک رقم سے کم، زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا۔ یہ بھی معلوم نہ تھا کہ..... مولوی رشید احمد گنگوہی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم وبیش در کنار، برابر کو بھی اس کی خرید وفروخت ناجائز کر چکے ہیں۔ مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کا ذکر کروں اور ان کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں ردّ مذکور ہوا ہے اس کو بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو مباحث تازہ خیال میں آئے اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام "کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم"..... رکھوں ۳ؔ

۳ؔ الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البہیۃ :۔

یہ کتاب ان کثیر التعداد اجازات پر مشتمل ہے جو اعاظم علماء حرمین ودیگر ممالک اسلامیہ نے اعلیٰحضرت سے حاصل کی تھیں۔

۴۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین :۔

حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ کی کتاب المعتقد المنتقد پر اعلیٰحضرت نے تعلیقات کا اضافہ فرمایا اور اس کا نام المعتمد المستند رکھا جو ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں مکمل ہوئی۔ اس کا خلاصہ حرمین بھیج کر تصدیقات حاصل کیں۔ ان تقاریظ وتصدیقات کو مفید اضافات کے ساتھ "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کیا۔ اس کتاب میں اعلیٰحضرت نے قادیانی اور دیوبندی اقوال و اعمال پر تنقید فرمائی ہے۔

دوسرے سفر حج سے اس کتاب کا تعلق یہ ہے کہ اس سفر میں اعلیٰحضرت نے اپنے فتاوی کا خلاصہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو علماء حرمین کے سامنے پیش فرمایا۔ انھوں نے اس پر بھی محبت وعقیدت میں ڈوب کر تقریظیں تحریر فرمائیں۔

القاب وآداب، عہدہ اور وطن کی قید کے ساتھ ۳۴ علماء عظام کے اسماء گرامی صاحب "فاضل بریلوی" نے بھی نوٹ فرمائے ہیں ۴ؔ

حق وباطل کی اس تاریخی معرکہ آرائی اور اعلیٰحضرت کی عظیم الشان کامیابی کو مذکورہ بالا ریکارڈ کی موجودگی میں نظر انداز کرنا تو باعث بدنامی تھا، ناچار مولانا نے معمہ گوئی کی راہ اختیار کی اور واجاب عن بعض المسائل التی عرضت علی علماء الحرمین کی تھپکیاں دیتے ہوئے اپنی پرسیاست فراخ ذہنی پر علماء حرمین کے تاثرات واعجبوا العزارۃ علمہ وسعۃ اطلاعہ علی المتون الفقہیۃ والمسائل الخلافیۃ وسرعۃ تحریرہ وذکائہ کی مہر ثبت فرمادی تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے۔

اس کے بعد ایک دوسطر میں مولانا ندوی نے اعلیٰحضرت کی حج سے واپسی شغل تصنیف وتالیف، فتویٰ نویسی اور بیعت واجازت پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ یہاں بھی مولانا ندوی لڑکھڑائے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے افتاء کا کام ۱۲۸۶ھ سے شروع کر دیا تھا لیکن مولانا نے اس کو دوسرے سفر حج (۱۳۲۳ھ) بلکہ اور دوسرے اسفار حرمین کے بعد اس کا پہلی بار ذکر فرما کر یہ تاثر دیا ہے کہ آغاز افتاء ۱۳۲۳ھ یا اس کے بھی بعد سے ہوا۔ جو سن وتاریخ کی فاش غلطی کے علاوہ اعلیٰحضرت کی فطری ذکاوت اور شان عبقریت کو گھٹانے کے افسوس ناک جذبہ کا بھی غماز ہے۔ اور جو مولانا کی زبان زدخاص وعام لچک (اور "احتساب پسند" حضرات کی زبان میں سیاست ومصلحت اور دینی مداہنت) سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کہتے ہیں کہ بغض وعناد اخلاقی قدروں کو گرادیتا ہے۔ ممکن ہے یہاں بھی

۱ؔ فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۰۷ بحوالہ مقدمہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم۔ ص: ۴-۶

۲ؔ فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۵۸، ۱۵۹ بحوالہ کفل الفقیہ: ص ۱۶۶۔ ۳ؔ فاضل بریلوی (خلاصہ) ص: ۱۶۱، ۱۶۲ بحوالہ کفل الفقیہ ص ۱۲۲-۱۲۳

۴ؔ فاضل بریلوی: صفحات: ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴۔

اسی کی کارفرمائی ہو!

اعلیٰحضرت کے حیرت انگیز فضل و کمال، روانی قلم اور ذکاوت طبع پر علماء حرمین کی شدت جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ اچانک ہمارے مولانا کو اپنی مدہوشی کا احساس ہوا لہٰذا بہکے ہوئے قدموں کو سنبھالتے ہوئے دل بے اختیار کو سمجھانے لگے کہ ذاتی تاثر نہ سہی، علماء حرمین کی ترجمانی ہی سہی اخلاص کی نوربار فضا میں نہ سہی سیاست کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے رنگ میں سہی عقیدت کیشی اور محبت پاشی کی خوشبو تو بہرحال پھیلے گی اور یہ کسی شکل میں گوارا نہیں۔ لہٰذا اس عطر بیز فضا کو مکدر کرنے کے لئے انھوں نے کھلی بہتان طرازی اور بے بنیاد تہمت تراشی شروع کر دی اور اس پر اپنی شخصیت کی بھاری بھرکم مہر لگا دی کہ کم سے کم فدویوں اور وفاداروں کو تو بہکنے سے بچا لیا جائے اس کوشش میں آپ کے بھڑکتے ہوئے آتش عناد کے شعلے اتنے بلند ہوئے کہ:-

زباں بگڑی تو بگڑی تھی، خبر لیجے دہن بگڑا

کی آواز نصیحت بھی ان کے خراٹوں کو دبا نہ سکی، چنانچہ وہ آتش فشاں کے بند دہانے کو کھولتے ہوئے فرماتے ہیں:-

کان متشددا فی المسائل الفقہیۃ (ترجمہ) وہ فقہی و کلامی مسائل
والکلامیۃ متوسعا مسارعا فی التکفیر میں متشدد، دائرہ تکفیر کو
والتفریق فی الدیار الہندیۃ قد حمل لواء التکفیر فی العصر (زیادہ سے زیادہ) پھیلانے
الاخیر و تولی کبرہ واصبح زعیم ہذہ والے اور اس معاملہ میں نہایت
الطائفۃ تنتصر لہ و تنتسب الیہ و تحتج ہی جلدباز تھے۔ آخر عمر میں
باقوالہ و کان لا یتسامح ولا یسمح دیار ہند میں تکفیر و تفریق کا جھنڈا
بتاویل فی کفر من لا یوافقہ او انحرف عن اٹھا لیا تھا، اس کوشش
مسلکہ و مسلک آبائہ، شدید المعارضۃ میں ان کا بہت بڑا حصہ
دائم التعقب لکل حرکۃ اصلاحیۃ۔ تھا حتی کہ وہ اپنے ہم مشرب
لوگوں کے قائد بن گئے تھے جو ان کی حمایت کرتے اپنے کو ان سے نسبت دیتے اور ان کے اقوال سے استدلال کرتے تھے۔ وہ (اعلیٰحضرت) اس شخص کے کفر کی تاویل کو ہرگز قبول نہ کرتے اور نہ اسے کوئی رو رعایت دینے کو تیار ہوتے جو ان کی رائے اور عقیدہ کا مخالف اور ان کے ذاتی و آبائی مسلک سے منحرف ہوتا وہ سخت جھگڑالو تھے اور اصلاحی تحریکوں کے ہمہ وقت پیچھے پڑے رہتے تھے

مولانا نے اس موقع پر جھوٹے الزامات کی جو پے در پے گولہ باری کی ہے، انھیں ترتیب دیا جائے تو حسب ذیل ہیں:-

۱۔ فقہی و کلامی مسائل میں متشدد تھے۔
۲۔ معمولی معمولی باتوں پر تکفیر کا فتویٰ دے کر اس کے دائرہ کو پھیلاتے رہتے تھے
۳۔ تکفیر میں جلد باز بھی بیحد تھے۔
۴۔ آخر عمر میں ہندوستان کے چپہ چپہ پر تکفیر کا جھنڈا اٹھا لیا تھا۔
۵۔ ہمنواؤں کی ایک ٹولی بنالی تھی جو ان کی حمایت پر کمربستہ تھی اور ان کے اقوال کو سند کا درجہ دیتا تھا۔
۶۔ کسی شخص کے اپنے ذاتی اور آبائی مسلک سے انحراف کو برداشت نہیں کرتے تھے اور اس کے کفر میں کسی تاویل کو سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔
۷۔ سخت جھگڑالو تھے۔
۸۔ اصلاحی تحریکوں کے ہمہ وقت پیچھے پڑے رہتے تھے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ

آئیے اس جنوں کے اس مرکز تحریک کو تلاش کیا جائے جس نے لباس شائستگی کے ایک ایک تار کو ایسا ادھیڑ کر رکھ دیا ہے کہ حیرت و حسرت بھی انگشت بدنداں اور عرق عرق ہو کر رہ گئی ہے۔

کان متشددا.... الی آخرہ:-

بغض و عناد کا خاصہ ہے کہ محاسن یہاں معائب کا روپ دھار لیتے ہیں۔ مولانا نے زیر بحث مضمون میں اعلیٰ حضرت کی طرف نسبت دیتے ہوئے لفظ **شدت تشدد** اور ان کے مختلف مشتقات جگہ جگہ بکثرت استعمال کئے ہیں لیکن انھیں ایک جگہ بھی شدت میں حسن و خیر کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی چنانچہ یہاں بھی انھوں نے اس کو نقائص و معائب کی طویل فہرست میں پہلی جگہ دی ہے اور تسکین نہیں ہوئی تو چند جملوں بعد اسی پیراگراف میں پھر ایک جگہ شدت احساس سے بے اختیار ہو کر اظہار حال فرمایا ہے۔

سب کو علم ہے کہ **شدت** بذات خود کچھ نہیں، نہ بھلائی ہے نہ برائی۔ یہ تو ایک کیفیت اور صفت ہے جو موصوف کے ساتھ عارض ہو کر اسی کا روپ دھار لیتی ہے۔

چنانچہ مثلاً شرک و کفر، فسق و فجور اور اخلاق ذمیمہ سے منسلک ہو کر اگر وہ برائی اور نقص و عیب کی شکل میں سامنے آتی ہے تو دین و ایمان، توحید و سنت اور اخلاق حسنہ کے کسی فرد کے ساتھ سراپائے حسن و خیر اور لائق داد و تحسین بن جاتی ہے۔

ابھی چند سطر پہلے مولانا نے علماء حرمین شریفین کے محبانہ و عقیدتمندانہ تاثرات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ فقہی متون اور اختلافی مسائل میں اعلیٰحضرت کی وسعت نگاہی اور جامعیت و کاملیت پر حیرت بدنداں ہو گئے تھے۔ یہ اختلافی مسائل کیا تھے؟ اس کی کچھ تفصیل اوپر گذر چکی ہے یعنی علماء دیوبند کا اپنی تحریروں کے ذریعہ شان الوہیت و رسالت میں گستاخی کرنا اور ان شرعی احکام اور فیصلوں کو علماء حرمین کی خدمت میں پیش کر کے ان کی شرعی رائیں اور فیصلے حاصل کرنا۔ یہ بھی آپ جان چکے ہیں کہ انھیں حالات میں مخالفین کی منصوبہ بند سازشوں کے نتیجہ میں علماء حرمین سے متذکرہ بالا مذاکرہ پیش آیا اور وہ تاریخ ساز کتابیں وجود میں آئیں جنھوں نے ان اکابرین کی آنکھیں کھول دیں اور وہ خدمت اعلیٰحضرت میں سند اور اجازت و ارادت

کے فرطِ جوش میں دست بوسی اور قدمبوسی تک کے جذبات نچھاور کرنے لگے۔

ظاہر ہے کہ اپنے مقتداؤں اور پیشواؤں کو شریعتِ حقہ کے مجرمین کے خانہ میں پاکر طبیعت پر قابو رکھنا مولانا کے لئے کیسے ممکن ہوتا؟ دینِ متین کے ان عدالت ہائے عالیہ میں شرعی جرائم کی مذکورہ بالا پہلی رپورٹ مولانا کی نگاہ میں کتنا بڑا ظلم ہوگا۔ رپورٹ دینے والے کو ظاہر ہے کہ مولانا کے غیض و غضب کا نشانہ بننا ہی تھا۔

اعلیٰحضرت کی طبیعت میں یقیناً شدت تھی لیکن بصورتِ فضلِ خداوندی و بشکل نعمتِ الٰہی قابلِ رشک اور باعثِ غیظ نہ کہ مولانا کی نگاہوں میں چبھنے والا کانٹا جس کی خود کردہ اذیت انھیں بار بار چھیڑتی ہے۔

قارئین خود بسکونِ دل غور کرسکتے ہیں کہ علماءِ دیوبند سے اعلیٰحضرت کے اختلاف کی بنیاد دنیا اور اس کی آرائشیں نہ تھیں۔ خود اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ میرے اور علماءِ دیوبند کے درمیان اختلاف کا سبب نہ جائیداد ہے، نہ عہدہ نہ کوئی اور دنیوی مفاد بلکہ اس کی اصل اور بنیاد وہ عبارات ہیں جو اللہ و رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معاذ اللہ توہین پر منتج ہوتی ہیں۔ واقعات شاہد ہیں اور مسلمانوں میں فتنہ اٹھانے والی اور تفرقہ ڈالنے والی وہ کتابیں اور عبارات آج بھی موجود ہیں جسے دین اور بانیٔ دین کی حرمت اور اپنے ایمان کی حفاظت کی تڑپ نصیب ہو وہ ان کتابوں کو اور ان پر اعلیٰحضرت کی تنقیحات کو پڑھ سکتا ہے۔ یہ تنقیحات کسی عامی کے ناقابلِ التفات خیالات و جذبات نہ تھے۔ فاضل بریلوی کا فضل و کمال اور اپنے ہمعصروں پر ان کی برتری مولانا عبد الحئی الحسنی کو بھی فاق اقرانہ کے الفاظ میں مسلم ہے۔

اعلیٰحضرت کی شدت میں معاذ اللہ سوء کا پہلو تو اس وقت قابلِ غور ہوتا جب انھوں نے اپنی تنقیحات اور فیصلوں کو افہام و تفہیم کا موقع دیئے بغیر پہلے ہی مرحلہ میں نافذ اور ناطق کہدیا ہوتا اور کسی کی کوئی معقول بات سننے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ انھوں نے ایک دو سال نہیں پندرہ، بیس سال تک ان متنازعہ فیہا عبارات پر مختلف ذرائع سے توجہ دلائی، خطوط بھیجے، رجسٹریاں روانہ کرکے وصولیابی کی رسیدیں وصول کیں اور مذاکرہ، مناظرہ و تبادلۂ خیال پر آمادہ کرنے کے لئے ہر ممکن طریقے اختیار کئے۔ لیکن دوسری جانب سے طویل خاموشی یا پھر ذاتی و خاندانی عیب جوئی، طنز و تعریض اور معروف طبقوں میں رائج الفاظ کے وہ ٹکسالی سکے پیش ہوتے رہے۔ جو علمی سنجیدگی اور دینی تقدس کے لئے باعثِ شرم و عار ہیں۔ کبھی بھی اپنے دور کے اس تازش علوم و فنون اور فقہ و کلام میں خود مخالفین کی مسلم شخصیت کے مدلل فقہی و کلامی مباحث کا کوئی سنجیدہ، مدلل اور مثبت جواب نہیں دیا گیا۔ مذکورہ بالا طویل ترین عرصے میں سینکڑوں مفاہمتی کوششوں کے باوجود ۷، ۵، ۷، اور ۸، بلکہ بعض صورتوں میں اس سے زیادہ وجوہ کفر پر توجہ دلاتے ہوئے بھی اعلیٰحضرت نے خود ان عبارات کے لکھنے والوں کی تکفیر سے گریز فرمایا۔ حتیٰ کہ اسی کمال احتیاط نے انھیں مسئلۂ تکفیر میں متکلمین کا مسلک اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ خود بھی احتراز فرمایا اور دوسروں کو بھی روکا۔ کیا مولانا کی زبان میں اسی کا نام تشدد ہے

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں

مفاہمت کے سارے امکانات کو آزما لینے کے بعد ایک عالمِ دین، فقیہِ وقت، اور مفتیٔ زماں سے اس کے منصب کا کیا مطالبہ ہوسکتا ہے؟ دین اور بانیٔ دین کے ناموس کا دفاع کرنا یا مخالفت، معاندت اور سازشی کارروائیوں سے خائف ہوکر مصلحت، سیاست اور مداہنت سے کام لینا۔

تاریخِ اسلام کا ایک ایک ورق جرأتِ دینی اور شدتِ ایمانی کے واقعات سے لبریز ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایسے جاں نثارِ نبوت کو جس کی فراستِ ایمانی اور اصابتِ رائے کی تصدیق اکثر وحیٔ الٰہی کے ذریعہ ہوتی رہی اور جس کی ذات والا صفات خود بزبانِ نبوت نبوی آثار و انعکاسات کا تمثال اور نشانِ امتیاز بنی رہی، اس کی سینکڑوں دینی و ایمانی اداؤں میں جو ادا اس کے خالق کی منظورِ نظر بن کر اس کی شخصیت اور کردار کا عنوان قرار پائی وہ شدت ہی تھی۔ نہیں شدت علی الشدۃ یعنی بصیغۂ مبالغہ اشد بلکہ مبالغہ علی المبالغہ یعنی بصیغۂ جمع اشداء علی الکفار کا معزز و مفتخر خطاب ہے!

پھر اگر اس جامع آثارِ نبوت کے حالات کا جستہ جستہ مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس فدائے رسول کے ایمان کی روح اور ان کی ایمانی شدت کی جان ناموسِ رسالت تھی اور ہر گستاخِ رسول کے وجود کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کردینے کا جذبہ! تاریخِ اسلام کے بچہ بچہ طالبِ علم کو بھی معلوم ہے کہ ناموسِ رسول کے تحفظ کی ہی تڑپ تھی جو.... کبھی صلح حدیبیہ میں کھلے ہوئے دشمنانِ رسول کفار و مشرکین کے انکارِ نبوت کے گستاخانہ مطالبہ پر بجلی بن کر کوندی.... اور کبھی اسلام کے پردے میں چھپے ہوئے دشمنِ رسول منافق پر جس نے عدلِ نبوت کی بے حرمتی کرتے ہوئے عدلِ فاروقی کا سہارا لینا چاہا تھا۔ اور اب ذرا اعلیٰحضرت کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے تو فاروقی انعکاسات و اکتسابات سے بننے والی اسی جیسی تصویر اور کمال مماثلت اور مشابہت دیکھ کر آپ حیرت میں پڑ جائیں گے۔ یہاں بھی آپ کو اعلیٰحضرت کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ اسی ایک عنوان تحفظِ ناموسِ رسالت کی شرح و تفصیل کرتا ہوا نظر آئے گا۔ تعصب کے ملوثات کو کھرچ کر انصاف و دیانت کی روشنی میں اعلیٰحضرت کی زندگی کے ایک ایک ورق کو الٹ کر ایمان والے دیکھ سکتے ہیں کہ ان کی شدت کی روح بھی ایمان اور ایمان کی جان عشقِ رسول۔ کسی نے اعلیٰحضرت کی حدت و شدتِ مزاج پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا تھا "ایک تو مزاج گرم دوسرے علم کی گرمی" اس پر آپ نے فرمایا "حدیث میں ہے ان الحدۃ تعتری قراء امتی لعزۃ القرآن فی اجوافھم (میری امت کے علماء (بہ اصطلاح علم حدیث

(بقیہ ص ۴۳۶ پر)

امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر

از:۔ محمد احمد مصباحی

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

علمائے دیوبند تقریباً پچاس ساٹھ سال سے پریس وقلم کی طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی پوری جدوجہد کر رہے ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ مسلمانوں کی تکفیر وتفسیق میں نہایت عجلت پسند، بے باک، ہٹ دھرم، ضدی اور سخت گیر واقع ہوئے تھے خصوصاً علمائے دیوبند کی تکفیر میں نہایت عجلت پسندی، بے باکی اور ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا اور اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر وقت نظر اور وسعت فکر کے ساتھ غور نہ کیا۔

الزام تکفیر

چنانچہ مولوی ابوالحسن علی ندوی کے والد مولوی عبدالحیٔ لکھنوی ندوی اپنی تصنیف نزہۃ الخواطر میں امام احمد رضا بریلوی کا تذکرہ کر رہے ہیں مگر تاریخی شواہد اور ان کی طرز نگارش کی روشنی میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مولوی صاحب موصوف مسلکی عصبیت کا شکار ہونے سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ فاضل بریلوی کی عجلت پسندی کے متعلق رقمطراز ہیں۔

مسارعاً فی التکفیر قد حمل لواء التکفیر والتفریق فی الدیار الھندیۃ فی العصر الاخیر

ترجمہ: تکفیر مسلم میں بہت ہی عجلت پسند ہے۔ زمانۂ اخیر میں اسی نے دیار ہند میں تکفیر وتفریق کا علم بلند کیا (نزہۃ الخواطر جلد ششم ص۳۹)

کفری عبارتوں کی تاویل کے متعلق فاضل بریلوی کا نقطۂ نظر یوں بیان کر رہے ہیں۔

وکان لایتامع ولا یسمع تاویل فی کفر من لایوافقہ علی عقیدتہ وتحقیقہ او من یدی فیہ انحرافاً عن مسلکہ ومسلک آبائہ

ترجمہ:۔ اور وہ ایسی تاویل کفر نہ سننے دیتا اور نہ سنتا جو اس کے عقیدے اور تحقیق کے خلاف ہوتی یا جس میں اس کے آباء یا اس کے مسلک سے انحراف ہوتا۔

نزہۃ الخواطر جلد ششم ص۳۹

آئندہ صفحات میں حقائق کے ذریعہ ہم واضح کریں گے کہ مولوی صاحب موصوف اپنے دعوی میں سچے نہیں ہیں۔ پہلے آیئے اسی معاملہ میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے دوسری مشہور شخصیت مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی کی عبارت ملاحظہ ہو جو انصاف پسند مصنف کم اور متعصب معاند زیادہ نظر آتے ہیں۔ تحریر کا تیور دیکھئے۔

یاد رہے مولانا احمد رضا خاں اپنے اور اپنے معتقدوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر بلکہ ابوجہل و ابولہب سے بھی بڑھکر کافر سمجھتے تھے۔ (ذکر آزاد ص۱۲۱)

ملیح آبادی صاحب کی بے بنیاد الزام تراشی سے بڑھکر جناب رئیس احمد صاحب ندوی کے بہتان عظیم پر ہمیں بے حد افسوس ہے کہ موصوف نے ایک فرضی بات کو تحریر کر کے جہاں غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے وہیں تاریخی حالات وشواہد اور دیانت کا نہایت بے دردی کے ساتھ گلا گھونٹا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

مولانا احمد رضا بریلوی مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے خلاف ۷۲ وجوہ پر مشتمل کفر کا فتوی دیا جس میں ایک وجہ یہ تھی کہ ان کا نام عبدالباری تھا اور لوگ انہیں باری میاں کہتے ہیں اگر ان کا نام عبداللہ ہوتا تو لوگ انہیں اللہ میاں کہتے لہٰذا کافر (آزادی ہند ص۱۸۹)

مندرجہ بالا اور اسی قبیل کی بیسیوں عبارتیں دیوبندی مصنفین کی ہماری نظروں سے گزریں جن کے متعلق فی الحال ہم یہی کہہ کر گزر جانا چاہتے ہیں کہ ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آئندہ مضمون سے خود بخود واضح ہو جائے گا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان لوگوں نے الزام تراشی اور استہزائی انداز اختیار کر کے عام مسلمانوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ بعض علماء دیوبند پر اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتکاب کی وجہ سے امام احمد رضا بریلوی نے جو کفر کا فتویٰ دیا ہے یا علماء حرمین سے ان کی تنقیصی عبارتوں پر جو استفتاء کر کے شرعی حکم شائع کیا ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے اور نہ ہی قابل اعتبار

تنقیصی عبارتیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے جن علماء دیوبند کو شان رسالت کا مجرم گردانا ہے ان کی عبارتیں پیش کر دی جائیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کی تحریر اور اس تحریر کی تائید مولوی رشید احمد گنگوہی نے کی ہے اسلئے فاضل بریلوی نے ان دونوں حضرات کو بارگاہ رسالت کا گستاخ گردانا ہے ملاحظہ ہو۔

شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔
(براہین قاطعہ ص۵۱)

اس عبارت کا واضح مطلب یہی ہے کہ شیطان اور ملک الموت کا وسعت علم قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعت علم قرآن وحدیث سے ثابت نہیں اس لئے حضور کے وسعت علم کو تسلیم کرنا شرک ہے۔

۲۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی جس عبارت کی وجہ سے فاضل بریلوی نے بارگاہ نبوی کا گستاخ تسلیم کیاہے وہ عبارت ملاحظہ ہو۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گذارش ہے کہ اول معنیٰ خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیا سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ (تحذیر الناس ص۳)

دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں:

اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ (تحذیر الناس ص۱۲)

تیسری جگہ تحریر کرتے ہیں:

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا (تحذیر الناس ص۲۵)

ان تینوں عبارتوں کا مطلب یہی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام نبیوں کے بعد اور آخر میں ہوئی مگر علم والوں پر یہ بات واضح ہے کہ پہلے یا آخر میں آنے کی وجہ سے حضور کی خاتمیت کی بالذات کوئی فضیلت نہیں بلکہ فرض کیا جائے کہ آپ کے زمانہ میں بھی کوئی دوسرا نبی ہو تب بھی آپ خاتم النبیین ہی رہتے اور آپ کے بعد آج بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے یا نبوت کا دعویٰ کرے جب بھی حضور کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

۳۔ مولوی اشرف علی صاحب کی جس عبارت پر امام احمد رضا بریلوی کو اعتراض ہے درج ذیل ہے۔

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے (حفظ الایمان ص۸)

اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کو اگر علم غیب مانو تو کل محال ہے اور بعض مانو تو اس میں حضور کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ حضور ایسا علم غیب تو زید وعمر ہی نہیں بلکہ ہر بچے اور پاگل اور تمام حیوانات کو بھی حاصل ہے۔

ہم علمائے دیوبند کی ان عبارتوں کے حسن و قبح پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اس کے حسن و قبح سے متعلق سیکڑوں کتابیں لکھی جاچکی ہیں مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ کوئی بھی خالی الذہن مسلمان ان عبارتوں کو پڑھے گا تو حیرت واستعجاب میں ضرور پڑ جائے گا۔ ہم کہتے ہیں ان عبارتوں کو لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس کے لکھنے سے کون سا دینی کام سرانجام پاگیا؟؟ اور نہ لکھنے سے کونسی مصیبت مذہب اسلام پر آن پڑتی؟؟؟ بلکہ میں تو کہتا ہوں ان عبارتوں کے نہ لکھنے میں دینی منفعت تھی آج جو اس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر افتراق وانتشار کی خلیج پائی جاتی ہے کبھی بھی نہ پائی جاتی اور نہ بدامنی کے امکانات ہوتے۔

علمائے دیوبند پران کے گھر کا فتویٰ

مذکورہ بالا عبارتوں کے سلسلہ میں خود علماء دیوبند کے کیا تاثرات تھے ملاحظہ ہوں۔ تحذیر الناس کے سلسلہ میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں۔

جس وقت مولانا نے تحذیر الناس لکھی ہے۔ کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہ کی بجز مولانا عبدالحئی صاحب کے
(الافاضات الیومیہ جلد چہارم ص۵۸۰ زیر ملفوظ ص۹۲۵)

یہ وہی کتاب ہے جس کی تین عبارتیں ہم نے پیش کی ہیں اور امام احمد رضا بریلوی جسے توہین آمیز قرار دیتے ہیں۔ بقول تھانوی صاحب بھی یہ بدنام زمانہ کتاب ہے۔ اس کتاب میں حضور کے خاتم النبیین ہونے کی بحث کی گئی ہے اور معنیٔ خاتم النبیین میں اختراع کیا گیا ہے۔ اس اختراع کے بالمقابل مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کا قول ملاحظہ ہو۔

ان اللغۃ العربیۃ حاکمۃ بان معنی خاتم النبیین فی الآیۃ ھو آخر النبیین لا غیر۔ بے شک عربی زبان کا اٹل فیصلہ ہے کہ آیت کریمہ کے اندر خاتم النبیین کا معنی صرف آخر الانبیا ہے۔ دوسرا کوئی معنی نہیں۔ (ہدیۃ المہدیین ص۲۱)

خاتم النبیین کے معنی کی وضاحت کے بعد مفتی صاحب فیصلہ فرماتے ہیں کہ جو اس معنی کے خلاف کوئی معنی لے اور اس پر اصرار کرے فتویٰ کفر اور قتل کا حقدار ہوگا۔

اجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر۔ امت محمدیہ کا خاتم الانبیاء کے اس معنی پر اجماع واتفاق ہے۔ لہٰذا خاتم الانبیاء کا دوسرا معنی گڑھنے والا کافر قرار پائے گا۔ اور اگر اپنے گڑھے ہوئے معنی پر اصرار کرے تو قتل کیا جائیگا۔
(ہدیۃ المہدیین ص۳۵)

ان مذکورہ عبارتوں کا امام احمد رضا بریلوی نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ اسی قسم کا

اگر کوئی عقیدہ رکھتا ہے تو ناظم تعلیمات دیوبند مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی بھی اسے کافر و مرتد کہتے ہیں بظاہر مسلمانوں جیسی وضع قطع اور خدمت و تبلیغ اسلام کا اس کے کفر کو ختم کرنے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

جو نماز اور روزہ بھی ادا کرتا ہے اور تبلیغ اسلام میں ہندوستان ہی نہیں تمام یورپ کی خاک چھانتا ہو بلکہ فرض کردہ کہ اس کی سعی اور کوشش سے تمام یورپ کو اللہ تعالیٰ حقیقی ایمان و اسلام بھی عنایت فرما دے مگر اس دعوی اسلام و ایمان اور سعی بلیغ اور کوشش وسیع کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دیتا ہو۔ یا اور ضروریات دین کا انکار کرے وہ قطعاً یقیناً تمام مسلمانوں کے نزدیک مرتد ہے کافر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جس کو کسی دیوانہ کتے نے کاٹ لیا ہو اور اس کا زہر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہو اور ہڑک اٹھ چکی ہو۔ وہ تمام دنیا کو چاہے سیراب کر دے تمام ہندوستان کے دریا اور نہریں اس کے قدموں کے نیچے سے بہتی ہوں مگر اس بدنصیب کو ایک قطرہ پانی کا نصیب نہیں ہو سکتا وہ دنیا کو سیراب کرے مگر خود تشنہ کام ہی دنیا سے رخصت ہوگا۔

ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر دین کے کام کرنے سے مغرور نہ ہونا چاہیئے کہ وہ خود بھی مسلمان ہے یا نہیں (اشد العذاب ص۵)

ان حوالہ جات کی روشنی میں ہر انصاف پسند ہی فیصلہ کرے گا کہ امام احمد رضا نے اپنے منصب کے لحاظ سے علماء دیوبند کے متعلق جو رویہ اختیار کیا بالکل صحیح۔ اور ان کا یہ فعل اسلام کے بالکل موافق تھا۔ اب رہ گیا متعصب مصنفین کی الزام تراشی و بہتان طرازی کا مسئلہ تو اسے بھی تاریخ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے!

حزم و احتیاط

علمائے دیوبند نے مسئلہ تکفیر میں فاضل بریلوی پر جس بہتان تراشی اور سطحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔

اس کا تذکرہ خود امام موصوف نے بے حد دلچسپ انداز میں کیا ہے۔

ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہلسنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوی چھپا کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا۔ مولوی اسحاق صاحب کو کہہ دیا، مولوی عبدالحیٔ صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوتی ہے وہ اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا اور مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب کو کہہ دیا۔ پھر جو پورے ہی حد حیا سے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمہ کو کہہ دیا۔

یہاں تک کہ ان کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ فرمائے۔ انہوں نے آیت کریمہ ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا پر عمل فرمایا خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ انجاء البری عن وسواس المفتری لکھکر ارسال ہوا۔ (حسام الحرمین ص۱۲)

امام احمد رضا بریلوی کا مندرجہ بالا فرمان بالکل صحیح اور حقیقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ علمائے دیوبند کے دعاوی کے برخلاف امام بریلوی کی تحریریں ثبوت فراہم کرتی ہیں اور واضح کرتی ہیں کہ آپ تکفیر و تفسیق مسلمین میں بے پناہ حزم و احتیاط رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب نے تکفیر مسلم کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو یہ جواب مرحمت فرمایا۔

بطور سب و شتم کہا تو کافر نہ ہوا گنہ گار ہوا۔ اور اگر کافر جان کر کہا تو کافر ہو گیا (الملفوظ مکمل ص۳۰۶)

امام احمد رضا بریلوی مسئلہ تکفیر میں بے حد محتاط تھے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی جن کی مشہور و معروف کتاب تقویۃ الایمان کی سطر سطر سے توہین رسالت کی بو آتی ہے بلکہ بعض جگہ پر کھلے الفاظ میں توہین رسالت کا ارتکاب بھی کیا ہے۔ اسی لئے بعض علماء مثلاً مولانا فضل حق خیر آبادی و مولانا فضل رسول بدایونی وغیرہما نے ان کی تکفیر بھی کی ہے۔ فاضل بریلوی نے بھی دہلوی صاحب کی تردید میں متعدد بلیغ رسالے لکھے مگر احتیاطاً آخر میں شرعی فیصلہ تحریر فرمایا۔

علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے (سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح) انہیں کے متعلق دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار و مناسب (الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوہابیۃ) ایک تیسری کتاب میں بھی اعلیٰ حضرت نے مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی عبارتوں پر پوری پوری تنقید کر کے کفریات کی وضاحت فرمادی ہے اور تنقیدات کو پڑھنے کے بعد ایک عام مسلمان بھی دہلوی صاحب کو مسلمان سمجھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا لیکن امام موصوف کے حزم و احتیاط کا یہ عالم ہے کہ ان کے متعلق شرعی فیصلہ یوں فرماتے ہیں۔

لزوم و التزام میں فرق ہے۔ اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے۔ جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔ (سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ)

ایک طرف امام احمد رضا بریلوی محمد اسماعیل دہلوی کی تکفیر میں اتنی حزم و احتیاط برتی ہے تو دوسری طرف مولوی رشید احمد گنگوہی مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ پر حکم کفر بھی صادر فرمایا ہے۔ اتنے محتاط شخص کا ان علماء دیوبند پر حکم تکفیر لگانا بظاہر حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے لیکن حالات و واقعات کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا صاحب۔ موصوف کی اس معاملہ میں دینی مجبوری تھی۔

امام صاحب. موصوف کا کہنا تھا کہ مذکورہ عبارتوں کے ذریعہ ان لوگوں نے گستاخی کی ہے اور شان رسالت میں اہانت کے مرتکب ہوئے ہیں اور اہانت و محبت حضور ضروریات دین سے ہے اس لئے مذکورہ علمار نے اہانت کر کے ضرورت دین کا انکار کیا ہے. چنانچہ ان عبارتوں سے رجوع کا امام صاحب موصوف نے مطالبہ کیا اور بار بار اس دینی ضرورت کی طرف توجہ دلائی پھر بھی ان لوگوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی اور لگ بھگ بیس سال تک یہ مسئلہ چلتا رہا۔ فاضل بریلوی جد وجہد کرتے رہے کہ اس دینی اور شرعی مسئلہ کا حل بیٹھ کر تلاش کر لیا جائے اور مفاہمت کی راہ نکال لی جائے۔

لیکن یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ علمائے دیوبند خلوص و ہمدردی کے جواب میں خلوص کے بجائے مناظرانہ داؤ پیچ کے لئے تحریر کی راہ اختیار کی اور بالمشافہ گفتگو سے گریز کرتے رہے حالانکہ علمائے دیوبند اگر امام موصوف سے اس دینی ضرورت میں تعاون کرتے تو آپس میں تصفیہ ہو جاتا اور مسلمانوں میں انتشار و افتراق کی خلیج ہرگز ہرگز نہ پیدا ہوتی۔ الغرض علمائے دیوبند کے باغیانہ رویہ اور ان مذموم عبارتوں کی بیس سال کے عرصہ میں بار بار اشاعت سے یہ سمجھ لیا کہ علمار دیوبند راہ راست پر آنے والے نہیں اسلئے اتمام حجت کے طور آخری جد وجہد کی اور ایک خط بذریعہ رجسٹری لکھا جس کی تحریر ملاحظہ ہو۔

یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمد للہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا۔ آئندہ کسی کے غوغے پر التفات نہ ہوگا۔ منوا دینا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم (مجدد اسلام ص۱۸۶)

جب اس آخری دعوت پر بھی بالکل خاموشی برتی گئی تو امام موصوف نے عامۃ المسلمین کو گمراہیوں سے بچانے اور اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ۱۳۲۰ھ میں مذکورہ عبارتوں پر ہر زاویہ سے بحث کر لینے کے بعد ان لوگوں پر حکم تکفیر عاید کیا اور علمائے حرمین سے بھی ان عبارتوں پر استفتار لیکر شائع کیا جو آپ کے حکم کے مماثل تھا۔ امام موصوف حکم تکفیر لگانے کے بعد بھی جو توضیحی عبارت تحریر فرماتے ہیں آپ کے خلوص نیت محبت رسول اور حق بجانب ہونے کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتی ہے:

اٹھہتر وجہ سے بحکم فقہائے کرام لزوم کفر کا ثبوت دیکر یہی لکھ چکا تھا۔ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا اب رنجش ہو گئی؟ ان سے جائداد کی کوئی شرکت نہ تھی اب پیدا ہو گئی؟؟ حاش للہ مسلمانوں کا علاقہ، محبت و عداوت صرف محبت خدا و رسول ہے (حسام الحرمین ص۲۶)

فاضل بریلوی کے حکم تکفیر عائد کرنے کی اس دینی مجبوری کا اعتراف خود مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو بھی ہے۔ حضرت اختر شاہجہاں پوری اپنی تصنیف " اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا ایک قول نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

میرے دل میں احمد رضا کے لئے بے حد احترام ہے، وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی غرض سے تو نہیں کہتا (اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام)

مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند نے بھی امام احمد رضا بریلوی کو مسئلہ تکفیر میں مذہبی طور پر مجبور بتایا ہے ملاحظہ ہو۔

اگر خانصاحب کے نزدیک بعض علمار دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے سمجھا تو خانصاحب پر ان علمار دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے جیسے علمائے اسلام نے جب مرزا صاحب کے عقائد کفریہ معلوم کر لئے اور وہ قطعی ثابت ہو گئے تو اب علمار اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر مرتد کہنا فرض ہو گیا اگر وہ مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں چاہے وہ لاہوری ہوں یا قدنی وغیرہ وغیرہ تو وہ خود کافر ہو جائینگے کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے (اشد العذاب ص۱۳)

امام احمد رضا بریلوی کی اسی صداقت شعاری حق گوئی اور حزم واحتیاط کو دیکھتے ہوئے مدینہ منورہ کے ایک مقتدر عالم دین حضرت شیخ عبد القادر توفیق شلبی طرابلسی حنفی مدرس حرم طیبہ تحریر فرماتے ہیں۔ عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

ہمارے سردار علمار نے اس وقت تکفیر کی راہ چلی جب کہ نور ثبوت پایا اور ائمہ مجتہدین کی قطعی حجتوں پر اعتماد فرمایا نہ محض اندازے اور خبر کی بنیاد پر اس دن کا خوف کرتے ہوئے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (حسام الحرمین)

ان حقائق کے باوجود دیوبندی مصنفین کا امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ پر تکفیر مسلم کرنے کا الزام و بہتان لگانا سراسر زیادتی ہو گی مگر یہ سلسلہ آج تک جاری ہے غالباً اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ صرف مسلکی تعصب وعناد کی بنیاد پر اس قسم کی باتیں تحریر کی جاتی ہیں جو رواداری اور انصاف پسندی کے بالکل خلاف ہے بلکہ سیدھے سادھے ناواقف مسلمانوں کے ساتھ فریب کاری اور دھوکہ دہی کی سازش گردانی جائیگی دوسرے یہ کہ ان مصنفین نے فاضل بریلوی سے متعلق کچھ مطالعہ ہی نہیں کیا ہے. صرف سنی سنائی باتوں اور افواہوں پر اعتماد کر کے جو کچھ سمجھ میں آیا تحریر کر ڈالا۔ ایک مصنف کو ایسا کرنا قطعاً زیب نہیں دیتا اور تصنیفی دیانت کے بھی منافی ہے کیونکہ کسی کے متعلق بغیر تحقیق و مطالعہ کے کوئی بے بنیاد بات تحریر کر دینا انتہائی گھناؤنا جرم ہے۔

اس لئے ہم تمام روادار اور انصاف پسند دیوبندی مصنفین کو دعوت فکر دیتے ہیں. کہ فاضل بریلوی کے متعلق لکھنے سے پہلے حالات کا پورے طور پر جائزہ لے لیں اور تحقیق و مطالعہ سے اپنے ذہن کو تیار کر لیں ہمیں امید ہے کہ اس کے بعد ہر مسئلہ میں فاضل بریلوی کی عبقریت ہی ثابت ہوگی. انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایڈیٹر. پنٹر پبلیشر. پروپرائٹر سید محمد جیلانی نے اردو پریس واقع عقب ۷۹ اے جے راج بھائی لین بمبئی ۲ سے چھپوا کر دفتر المیزان ۷۵ ای سانکلی اسٹریٹ، جونی مسجد کمپاؤنڈ بمبئی ۸ سے شائع کیا۔

امام احمد رضا کی طرف منسوب تین اشعار

مولانا شکیب ارسلان مصباحی
حق اکیڈمی مبارک پور اعظم گڑھ

ادھر چند سال سے علمار دیوبند کی طرف سے سرکار اعلحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کی شان میں طرح طرح کی غلط باتیں مشہور کی جا رہی ہیں۔ ویسے تو علمائے دیوبند کا وطیرہ ہی رہا ہے، غلط پروپیگنڈہ اور الزام تراشی کا جس کا سلسلہ مدتوں سے جاری ہے مگر جب سے ناصر ملت مبلغ اسلام حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کی نقاب کشا کتاب "زلزلہ" منظر عام پر آئی ہے۔ اس وقت سے ان کی پرانی سرگرمیاں تیز تر ہو گئی ہیں، اس لئے کہ "زلزلہ" نامی کتاب کا جواب تو اب تک علمائے دیوبند نے صحیح طور پر دیا اور نہ قیامت تک دے سکتے ہیں۔ ہاں اگر کچھ مناسب جواب نہیں مشورہ کسی نے دیا ہے تو وہ ہیں آنجہانی مولانا عامر عثمانی ایڈیٹر تجلی۔ کہ علمار دیوبند کے پاس ان متضاد اقوال کا کوئی جواب نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ کتابیں جن میں متضاد باتیں ہیں، نیچ چوراہے پر رکھ کر نذر آتش کر دی جائیں۔ اطمینان کے لئے دیکھئے تجلی کا ڈاک نمبر ۷۲ء۔ جن غلط باتوں کو بڑے اونچے پیمانے پر اچھالا جا رہا ہے، ان میں وہ تین اشعار بھی ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں غلط اعلحضرت کی طرف منسوب ہیں۔ اگرچہ تحریر و تقریر کے ذریعے تقریباً تیس سال سے اس سے براءت اور مکمل صفائی پیش کی جا رہی ہے متعدد اخبارات و رسائل میں اس کے متعلق مضامین شائع کئے جا چکے ہیں، مگر علمار دیوبند کی یہ بڑی ہی گھناؤنی سازشی اور مجرمانہ حرکت ہے کہ بار بار ان اشعار کو پیش کر کے حضور اعلحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کی نہایت ہی ناروا کوشش کر رہے ہیں اور دیانت و صداقت کا کھلا خون بھی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ابھی "زلزلہ" کے لاجواب معروضات سے گھبرا کر کچھ لوگوں نے خامہ فرسائی کی تو اصل جواب کے بجائے چند نازیبا اور غلط قسم کے اعتراضات کو سپرد قلم کر ڈالا تاکہ عوام کو خواہ مخواہ علمار اہل سنت اور "زلزلہ" نامی کتاب سے متنفر پیدا کیا جائے۔ چنانچہ ایک کتاب سامنے آئی "بریلوی فتنے کا نیا روپ" اور اس کے علاوہ بھی چند کتابیں پھیلائی گئیں جن میں خصوصیت کے ساتھ چند اشعار حدائق بخشش حصہ سوم کے حوالے سے پیش کئے گئے ہیں۔ اور مذکورہ کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے عامر عثمانی نے بھی عوام کو خوب خوب اعلحضرت کے خلاف ورغلایا ہے۔ لہٰذا ناواقف لوگوں کا حیرت زدہ ہونا اور تھوڑی دیر کے لئے اعلحضرت سے متنفر ہونا لازمی تھا۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ اپنی سابقہ براءت و بیزاری کا پھر اعادہ کر دیں تاکہ عوام و خواص کو پھر معلوم ہو جائے کہ ان اشعار کا انتساب اعلحضرت کی طرف غلط اور حدائق بخشش حصہ سوم کے ناشر کی سخت بھول اور غفلت پر مبنی ہے اور اعلحضرت کا دامن حضرت سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ہر قسم کی گستاخی اور شائبۂ گستاخی سے پاک ہے۔

اس سلسلے میں مفتی اشرفیہ حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ کی خدمت میں مختلف اطراف سے سوالات آئے۔ ذیل میں موصوف کا جواب ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی قوم ایمان و دیانت سے بالکل خالی ہے۔ اس کو نہ خدا کا خوف ہے نہ آخرت کا ڈر۔ اور ایسے لوگوں کے نزدیک جھوٹ اور افترا، کی کوئی چیز نہیں، اپنا مقصد حاصل اور بس مقصد بھی کتنا اوچھا علمائے بریلی کی تحقیر و تذلیل اب تفصیل سنئے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ کے نعت کا دیوان جس کے دو حصے حدائق بخشش کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کی حیات ہی میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور ساری دنیا انھیں کو مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دیوان جانتی اور مانتی رہی۔ اور آج بھی جانتی اور مانتی ہے۔ ۲۵، ۳۰ سال بعد مولانا محبوب علی خاں صاحب پیش امام بڑی مسجد مدنپورہ بمبئی نے ایک اور مجموعہ اشعار شائع کیا جس کے بارے میں ان کا بیان ہے کہ مجموعہ میں نے ادھر ادھر سے ڈھونڈھ کر جس طرح سے اور شاعروں کے غیر مطبوعہ کلام لوگ فراہم کر کے شائع کرتے ہیں شائع کر رہا ہوں اور اس کو انھوں نے حدائق بخشش حصہ سوم کا نام دیا۔

یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ بڑے لوگوں کے نام سے ایسا کلام شائع کرنے والے یہ ضروری نہیں ہے کہ اصل شاعر کا بھی کلام شائع کریں چنانچہ یہ بہت مشہور بات ہے کہ عمر خیام کے نام سے بہت سی رباعیاں لوگوں نے شائع کیں تو تحقیق سے ثابت ہوئیں کہ ان کی نہیں ہیں اور انوری کے نام سے تو قطران تبریزی کا پورا دیوان شائع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کلام اعلحضرت ہی کا ہو۔ اس لئے ان پر کیا ذمہ داری، جو کچھ ذمہ داری تھی مولانا محبوب علی خاں صاحب مرحوم خطیب بڑی مسجد مدنپورہ بمبئی کی تھی جس زمانہ میں یہ مجموعہ شائع کیا گیا اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد خود ہماری ہی جماعت کے پرچے ماہنامہ پاسبان میں اس کے متعلق مضمون شائع ہوا کہ یہ اشعار جو حضرت

ام المومنین رضی اللہ عنہا کی شان میں معلوم ہو رہے ہیں، نہایت رکیک ہیں۔ اور اس چیز کو بہانہ بنا کر پورے ہندوستان کے دیوبندیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مضمون لکھے اور پورے بمبئی میں جلسے کئے۔ ایجی ٹیشن چلایا کہ امام موصوف کو مسجد سے علاحدہ کیا جائے اور اس سلسلہ میں اس مسجد میں فساد ہوا اور ایک قتل بھی ہوا۔ اور بہت دنوں تک مقدمہ چلتا رہا۔

مولانا محبوب علی خاں صاحب نے اسی وقت اپنی ذمہ داری محسوس کی اور ایک بیان شائع کیا کہ وہ اشعار ترتیب کی الٹ پلٹ سے چھپ گئے تھے۔ وہ اشعار ام المومنین کے بارے میں ہیں ہی نہیں۔ اصل ترتیب اس طرح سے ہے جس سے وہ اشعار تشبیب کے ہیں اور عرب کی کافرہ عورتوں کے بارے میں ہیں۔ لیکن چونکہ اس میں میری کوتاہی کو دخل ہے جس کی وجہ سے اشعار ادھر کے ادھر چھپ گئے۔ اس لئے میں اپنی اس کوتاہی سے توبہ کرتا ہوں اور انھوں نے ایک ورق چھاپ کر اصل اور صحیح ترتیب کے ساتھ اُن لوگوں کے پاس روانہ کئے جن کے پاس کتابیں پہونچی تھیں اور اعلان کیا کہ جن کے پاس تصحیح شدہ اوراق نہ پہونچ سکیں وہ اپنے اپنے نسخوں میں اسی کے مطابق ترمیم کر لیں۔

"ہمارے ان معروضات کی روشنی میں یہ دو امر واضح اور روشن ہیں۔

- اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ وہ اشعار اعلیٰحضرت کے ہیں۔
- اگر بالفرض ہوں بھی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس کے شائع کرنے والے نے اس کی صفائی کر دی اور ترتیب کی جس غلطی کی وجہ سے ایسا ہوا تھا اس کو درست کیا چھاپا یا نشر اعلان کیا اور اسی پر بس نہ کی اپنی اس غفلت سے صاف صاف توبہ کر لی۔

مولانا محبوب علی کا یہ کارنامہ ایسا تھا کہ اس کو سراہا جائے کہ اعلان حق اور کوتاہی و غفلت کے اعتراف بلکہ توبہ سے ان کو ان کی عظمت اور وجاہت کوئی چیز مانع نہ ہوئی۔ اور انھوں نے صاف صاف توبہ کی۔ کیونکہ آج تقریباً نصف صدی سے پورے ہندوستان میں آگ لگی ہوئی ہے بلکہ علمائے دیوبند نے اللہ اور اس کے رسول کو جو منہ بھر کر گالیاں دی ہیں اس سے توبہ کریں اور اس کی اشاعت بند کریں۔ مگر لوگ مر گئے نہ توبہ نصیب ہوئی نہ پوری قوم نے ان گالیوں کی اشاعت بند کی اس کے برخلاف اس مرد حق آگاہ نے اپنی ذرا سی غلطی کا توبہ نامہ شائع کیا۔ اور اس غلطی کو درست کر کے اعلان کر دیا۔ مگر علمائے دیوبند کی یہ عجیب سنت ہے کہ آج پھر اس کو ایک جرم بنا کر وہ بھی مولانا محبوب کا نہیں اعلیٰ حضرت کا چھاپ رہے ہیں کہ معاملہ دس پندرہ برس پرانا ہے اور عوام کو بھولنے کی عادت اور سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ان کی امت پروپگنڈے کی امام ہے۔ اس لئے دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔

فقط والسلام

عبدالمنان اعظمی خادم دارالافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

۱۵ صفر ۹۵ھ

(دوہرا کردار کا بقیہ)

: قراء = علماء) کو گرمی پیش آئے گی۔ قرآن کی عزت کے سبب جو ان کے دلوں میں ہے۔ [۱]

الحدۃ تعتری خیار امتی (حدت میری امت کے بہتر لوگوں کو مجلّی بنا دیتی ہے۔ [۲])

افسوس کہ جس صفت حدت و شدت کو بانیٔ اسلام علماء امت اور خیار امت کی نشانی فرمائیں، مولانا کی نگاہ تعصب میں وہ مذموم و معتوب قرار پائے۔

وحشت میں ہر ایک نقشہ الٹا نظر آتا ہے۔

آئیے اور ذرا تصویر کے دوسرے رخ پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے غصہ کی شدت میں اسلام اور اسلامی شیخوخت کے ساتھ انسانیت اور انسانی شرافت کو بھی سجا کر پیش کرنے والے صاحب "شہاب ثاقب" کے "گالی نامے" کے کچھ نمونے آئندہ کسی مناسب مقام پر آپ دیکھیں گے۔ یہاں ہم صرف ایک واقعہ پر اکتفاء کرتے ہیں جو اس گروہ کے "نفسی انتشار" اور شدت طبیعت کا رُخ متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب جب مدرسۂ دیوبند میں زیر تعلیم تھے تو مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے مخدوم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور رسالے "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی کاپیاں نذر آتش کرنے کے لئے خواجہ صاحب کو مرحمت فرمائیں، خواجہ صاحب نے پڑھ کر جو دیکھا تو آنکھیں کھل گئیں۔ استاد کے حکم کے احترام میں آدھی کاپیاں تو جلا دیں اور آدھی محفوظ کر لیں، جس پر مولوی اشرف علی تھانوی نے دو آم بطور انعام دیئے، اس وقت مولوی اشرف علی تھانوی متقدمین کے مسلک پر قائم تھے اور رسالہ کے مندرجات سے پوری طرح متفق اور کاربند تھے [۳]

اپنے مخدوم اور شیخ پر مولانا رشید احمد گنگوہی کے غیظ و غضب کی یہ شدت محض اس لئے تھی کہ حضرت حاجی صاحب نے اس رسالہ کے ذریعہ عقائد و اعمال اہل سنت فاتحہ، میلاد اور قیام وغیرہ کی نہ صرف تائید و تصدیق فرمائی ہے بلکہ اپنا معمول بھی بتایا ہے۔

خود اپنے شیخ کے خلاف جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر غلامی کی سند لی جا چکی ہو گستاخی اور جنون خیزی کا یہ عالم!!! ناظرین اسے شدت کی کس قسم میں شامل کریں گے؟

---

[۱] [۲] فاضل بریلوی۔ ص ۴۳

[۳] فاضل بریلوی: ص ۵۰ بحوالہ منادی (ماہنامہ) نئی دہلی جلد ۳۹ شمارہ ۱۲ ص: ۲۲

امام احمد رضا

ایک مظلوم مصلح

مولانا مرغوب حسن قادری اعظمی مدرس الجامعۃ الفاروقیہ بنارس

علامہ فاضل، استاذ ماہر۔ دقائق کا خزانہ۔ روشن ستارہ وحید عصر یگانۂ عصر، صدی کا مجدد۔ صاحب عدل۔ مرکزۂ دائرہ علوم کریم النفس اکابر علما کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ صاحب تصانیف مشہورہ ورسائل کثیرہ قلم کا بادشاہ۔ زبان کا دھنی۔ عاشق رسول، عرفان ومعرفت والا ولی کامل عارف باللہ۔ قطب وقت۔ منبع علم۔ جو اپنی آنکھوں کی روشنی سے مشکلات اور دشواریوں کو حل کرتا ہے جو معنی کے اعتبار سے بھی احمد رضا ہے۔ اس کے کلام کا موتی اس کے معنی کے جواہر سے مطابقت رکھتا ہے۔ وہ باریکیوں کا خزانہ ہے۔ جو ٹھیک دوپہر کو چمکتا علموں کی مشکلات ظاہر وباطن کا نہایت کھولنے والا۔ گردن وہابیت پر تیغ برآں ہمارا سردار، دریائے فضائل۔ امام پیشوا کثیر الفضل، کثیر الاحسان۔ بحر ناپیدا کنار۔ کثیر الفہم۔ میں نے ملاقات کے بعد ان میں وہ کمالات دیکھے جن کا بیان طاقت سے باہر علم کا کوہ بلند جس کا ستون نور اونچا جن سے مسائل نہروں کی طرح چھلکتے ہیں۔ اس دور فتن میں دین کو زندہ رکھنے والا جس کے وجود پر زمانہ کو ناز ہے۔ صاحب تحقیق وتنقیح وتدقیق عالم علمائے اہلسنت وجماعت۔ (از حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین)

یہ وہ القاب وخطابات ہیں جو علمائے حرمین طیبین نے سیدنا امام احمد رضا کی بارگاہ عالی مرتبت میں پیش فرمایا تھا۔ ایک گدائے عشق کی بارگاہ میں نیاز مندی کا یہ ثبوت یقیناً کسی غیر جذباتی حقیقت کا اعتراف ہے۔ عناد کی عینک نکال کر دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ یک جنبش نظر امام احمد رضا اپنی جگہ مسند ارشاد کا ایک کوہ گراں ہے اور اس پر بکھری ہوئی مختلف رنگ وبو کی کونپلیں اپنے عشاق کو دعوت نظارہ دے رہی ہیں۔ وہ اپنی جگہ مجسم پھول ہے۔ اور اس کے فدائی اپنی اپنی مشام جاں کو اس بو ونکہت سے معطر کر رہے ہیں۔ عالم سرخوشی میں کسی ہونہار نے بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ ؎

جہاں پہونچا نہیں دنیا بسالی
یہ دیوانہ تو دیوانہ نہیں ہے

اللہ اکبر جس کو علمائے عرب وعجم کا ایک جم غفیر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کر رہا ہے اور جسے علی الاطلاق مجدد وقت قطب الارشاد کا خطاب دیا گیا ہو اس کے حق میں وہ کون سی ناقدری دیکھی گئی جس کی بنا پر آج احمد رضا کے ساتھ "مظلوم" لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی ماہنامہ المیزان کا اعلان پڑھنے کے بعد مظلوم احمد رضا کا لفظ دیکھ کر دفعتاً ذہن وفکر پر ایک چوٹ محسوس ہوئی۔ اور وقت کے ایک عظیم رہنما کی بین الاقوامی زندگی اس کی خدمات اور اسکے احیائے دین کا نقشہ نگاہوں کے سامنے آگیا اور پھر ساتھ ہی ساتھ ہمارا وہ تعاون جو ایک عظیم محسن کی بارگاہ میں ہونا چاہیئے اس کے ساتھ اپنی تہی دامنی، تساہلی اور محرومی وبیگانگی کی خونچکاں تصویر مشاہدے کی طرح ناچنے لگی۔ واحسرتاہ! کہ جس ذات گرامی نے اپنی انتھک کوششوں سے قوم کی ڈوبتی نیا کو باد مخالف کے تھپیڑوں سے بچا بچا کر محفوظ رکھا تھا آج اس کا صحیح حق اور صحیح خبر گیری سے ہم محروم ہوتے جارہے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ یہ کمی ایک کمی نہیں بلکہ احسان فراموشی کے دائرے میں داخل ہوگئی ہے — مظلوم احمد رضا مظلوم اس لئے مظلوم کہ ہر دور میں مظلوم اور آج بھی نجدیت رونما ہوکر داد ظلم دے رہی ہے۔ اصلاح اقوام میں ہمارے جن اسلاف نے اپنے خون جگر سے حق کی آبیاری کی تھی اور یکے بعد دیگرے مجددین ملت نے جن کٹھنائیوں سے گزر کر ادبار آلود فضاؤں کو کسی قدر روشن کر دیا تھا۔ تیرہویں صدی کے اواخر میں جل کر وہ روشنی پھر ماند پڑنے لگی اور یکایک نجد سے لیکر سہارنپور اور خانقاہ گنگوہ سے لیکر

صحن دیوبند تک مکاری و عیاری کا ایک جال بن دیا گیا۔ اب باطل کی کمین گاہوں سے جو آواز حق کی آمیزش سے نکلتی تھی اس کی ہلاکت خیز تباہی و بربادی کا سامان اہل حق کی نگاہوں کے سامنے تھا مگر وہ کون مرد مجاہد تھا جو بڑھ کر اس کتمان حق کی نشاندہی کرتا چنانچہ اس صدی میں سیدنا امام احمد رضا کی ذات ہی وہ شناہ جوالہ وہ بطل اعظم اور وہ حق آگاہ ذات ظاہر ہوئی جسے اس صدی کے طوفان غرقاب کا ناخدا کہنا ہوگا۔ غبارات پہلے بھی اٹھ چکے تھے۔ آندھیاں پہلے بھی اٹھ چکی تھیں۔ طوفان پہلے بھی برپا ہو چکے تھے یہ طوفان وہ طوفان نہیں تھا جسے آسانی سے دبایا جا سکے۔ یہ تھپیڑے وہ تھپیڑے نہیں تھے جسے نرمی سے سلایا جا سکے۔ ؎

تشدد کو تشدد سے دبالیں یہ تو ممکن ہے
مگر شعلے کو شعلے سے بجھایا جا نہیں سکتا

مگر واللہ ایک مجاہد زندگی ضرور ایسی تھی جس نے باطل کے مکروہ چہرے سے حقیقت کا نقاب الٹ کر رکھ دیا۔ اور آج دشمن کے ہزار پروپیگنڈوں کے باوجود وہ اپنی جگہ ایک فاتح کی حیثیت سے کھڑا مسکرا رہا ہے۔ وہ دعوت فکر و عمل دے رہا ہے کہ حق کی سلامتی کیلئے اغیار کے طعنوں کو سننا ہوگا مگر نتیجہ اور انجام کی خسروی اس کے حق میں مقدر ہے جو اس پر ہیچ موڑ پر اڑا رہا چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ امام احمد رضا کی آواز جب ہند و بیرون ہند میں پہونچی تو غیروں نے کس طور پر جل بھن کر اپنے ارمان ٹھنڈے کئے اس کی محض چند سطور ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ مجدد التکفیر دھوکہ باز، مکار۔ مجدد التضلیل، دجال بریلوی۔ دروغ گو، بہتان تراش مجدد المفترین، شیطنت کا جال پھیلانے والا اہل ہوا و بدع ابلیس لعین کا شاگرد وغیرہ وغیرہ۔ ایک سو بیس صفحے کی کتاب الشہاب الثاقب جس میں ۱۴۰ گالیاں حسین احمد ٹانڈوی نے دی ہیں۔ جسے دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ شیخ الاسلام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مگر شاید ٹانڈوی صاحب کو نہیں معلوم کہ جس کی بارگاہ میں وہ دریدہ دہنی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس کی ذات والا کو ان کی جماعت والوں نے بھی اور علمائے عرب و عجم مصر، عراق، افغان، دمشق، انڈونیشیا بیروت اور بغداد کے علمائے اکابرین نے کس قدر سراہا ہے۔ اور اس کے نقش قدم کو بھی مکرم و معظم جانا ہے۔ وہ جس کا پرچم اقبال عرش کے کنگروں کو چھو رہا ہے۔ وہ انہیں لوگوں میں اجنبی بنا ہوا ہے جس کے لئے اس نے اپنا سب کچھ تج دیا۔ آخر ش ہم اسے مظلوم نہ کہیں تو کیا کہیں کہ جس کا مبلغ علم ایک طرف علمائے عرب و عجم سے خراج تحسین حاصل کر رہا تھا تو دوسری جانب اپنے کٹر دشمنوں سے بھی اپنے قلم کا لوہا منوا رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود بھی اس کے اصل کارنامے ہماری نگاہوں کے سامنے نہ آسکے۔ ہم جب حقائق کا سراغ لگاتے ہیں تو کہیں وہ اقلیم صحافت کا بادشاہ کہیں علم و عرفان کا دھنی اور کہیں مسند ارشاد کا مالک نظر آتا ہے۔ علمائے محققین کا اندازہ ہے کہ جو علمی گہرائی اعلیٰ حضرت کے قلم میں پائی جاتی ہے وہ بہت کم لوگوں کی تحریر میں نظر آتی ہے بلکہ اس صدی میں تو ناپید ہے۔ مگر میں یہاں پر قلمی جواہر پاروں کو نہیں رکھنا چاہتا جو اپنی جگہ ایک مستقل آئینہ حیرت ہیں۔ سردست اس ماحول کو اجاگر کرنا چاہتا ہوں جو سیدنا اعلیٰ حضرت کے دور میں پہلے سے تھا یا یک بیک حاسدوں کی جانب سے ہو گیا تھا۔ آپ کے پہلے مختلف عقائد و خیالات کے لوگ پیدا ہوئے اور اپنے عقائد باطلہ کی بنا پر اپنی موت آپ مر گئے۔ ان عقائد کے سدباب کے لئے مجدد اول حضرت علامہ عمر ابن عبد العزیز، امام شافعی، امام فخر الدین رازی، امام غزالی۔ ابوبکر با قلانی اور حضرت مجدد الف ثانی جیسی بلند پایہ شخصیتیں تھیں جنہوں نے اپنی حکمت عملی سے ان عقائد باطلہ کی بیخ کنی فرمائی۔ ان کی مختصر فہرست "تجلیات" ناگپور کے حوالہ سے ہدیۂ ناظرین ہے۔

پچھلی تاریخ کے عقائد باطلہ

(۱) حکم (ثالث) بنانا شرک ہے۔ (۲) حضرت علی شریک نبوت ہیں۔
(۳) قرآن عظیم پورا محفوظ نہیں ہے۔ (۴) تناسخ
۵ قرآن عظیم مخلوق ہے۔ (۶) عرش قدیم ہے۔
(۷) بندہ اپنے افعال نیک بد کا خالق ہے (۸) حساب کتاب و میزان کی کوئی حقیقت نہیں
(۹) زکوٰۃ دینا فرض نہیں ہے۔ (۱۰) بندہ مجبور محض ہے۔
(۱۱) شیطان کا کوئی وجود نہیں۔ (۱۲) عذاب قبر، منکر نکیر کا سوال، حوض کوثر، ملک الموت کی کوئی حقیقت نہیں۔ (۱۳) صفات الٰہی مخلوق ہیں۔
(۱۴) صفات الٰہی حادث ہے۔ (۱۵) حق تعالیٰ مکان میں ہے۔
(۱۶) حق تعالیٰ جسمانیت رکھتا ہے۔ (۱۷) پلصراط کوئی چیز نہیں ہے۔
(۱۸) جنت و دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گے۔
(۱۹) جو صرف لا الٰہ الا اللہ کہلے وہ جو چاہے کرتا رہے اس پر کوئی عذاب ہوگا۔
(۲۰) ایمان عمل ہے۔ (۲۱) ہر مذہب و دین کی باتیں اسلام کا منشا ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا نظریات و معتقدات میں سے کون سا ایسا نظریہ ہے جس کے ذریعہ دین کو مسخ کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو مگر وہ جو کہا گیا ہے ؎ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے کے مصداق ہر دور میں ان گمراہ کن خیالات کے استیصال کیلئے لوگ پیدا ہوتے رہے اور یہی حدیث قدسی کا مفہوم ہے۔ ان اللہ یبعث الخ بیشک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے

آخیر میں ایک رہنمائے کامل بھیجتا ہے جو قوم کو دین کی اصل حقیقت سے روشناس فرماتا ہے۔ موجودہ صدی میں جن روح فرسا خیالات کا اظہار کیا گیا اس سے نہ تو خدائے واحد کی ذات بچ سکی نہ انبیاء و مرسلین کی عظمت محفوظ رہ سکی اور نہ تو صحابۂ کرام سے لیکر ائمۂ مجتہدین و تبع تابعین کی حرمت برقرار رہ سکی۔ اور کیوں نہ ہو انگریز گورنمنٹ کی پاسداری بھی تو ضروری تھی ورنہ ان کے ظلم وستم کا نشانہ کون بنتا۔ چنانچہ تذکرۃ الرشید کے مصنف انگریزوں کی غلامی پر کس قدر نازاں ہیں اس کو خود ہی تحریر فرماتے ہیں۔" جب میں حقیقت میں سرکار (برٹش) کا فرمانبردار ہوں ان جھوٹے سے میرا بال بھی بیکا نہیں ہو سکتا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ حصہ اول ص۸۰ اور کہاں بوالہوسی کا یہ عالم کہ جس کا نام محمد یا علی وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (تقویۃ الایمان)

موجودہ صدی کے فتنے کس رنگ وروپ میں رونما ہوئے اس کی بھی مختصر فہرست ملاحظہ فرمائیں اور مظلوم احمد رضا کی اولوالعزمی کی داد دیجئے جس نے ہر ایک کو رباطن کا منہ کالا کر کے رکھ دیا۔

موجودہ عقائد باطلہ

۱۔ اللہ تعالیٰ جہت زمان ومکاں سے پاک نہیں۔
۲۔ اللہ تعالیٰ کذب اور دوسرے نقائص پر قادر ہے۔
۳۔ بلکہ اللہ جھوٹ بول بھی چکا۔
۴۔ نبی کی حیثیت گاؤں کے چودھری اور زمیندار کی ہے۔ (تقویۃ الایمان)
۵۔ انبیاء علیہم السلام کی عظمت کو گھٹانا اور بھائی بتانا۔ 〃
۶۔ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن ہے (براہین قاطعہ)
۷۔ رسول اللہ کا خیال نماز میں لانا اپنے گائے اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ (رسالہ یک روزی)
۸۔ اللہ تعالیٰ کے علم کو مشیت پر موقوف رکھنا۔
۹۔ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان)
۱۰۔ اپنے شیخ و پیر کو خدائے قدوس کا جلیس بتانا (شیخ الاسلام نمبر)
۱۱۔ شرک وغیر شرک کفر و ایمان حرام وحلال مختلف الاحکام مسائل کا بزور زبان ایک ہی حکم بتانا۔
۱۲۔ رسول اکرم کے زمانۂ اقدس اور بعد میں بھی کسی نبی کے آنے سے خاتمیت محمدی میں فرق نہ آنا۔ (براہین قاطعہ)
۱۳۔ شیطان کے علم کو نبی اکرم کے علم سے بڑھانا۔ (براہین قاطعہ)
۱۴۔ رسول اللہ کے علم کو رذیل چیزوں سے تشبیہ دینا (حفظ الایمان)
۱۵۔ اپنی نبوت کا دعویٰ کرنا۔
۱۶۔ عمل میں امتی کا نبی سے بڑھ جانا۔
۱۷۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کو مسمریزم یا معجزۂ شق القمر کا انکار کرنا یا فرضی واقعہ بتانا۔
۱۸۔ حضرت عیسیٰ پر شیطانی الہام بتانا۔
۱۹۔ اپنی جھوٹی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے انبیاء کرام کو جھوٹا بتانا۔
۲۰۔ صرف لا الٰہ الا اللہ پر مدار نجات رکھنا۔
۲۱۔ اپنی رائے سے غلط تفسیر کرنا۔
۲۲۔ ائمۂ فقہ سے مسلمانوں کو آزاد کر کے اپنے فقہ کو ان پر مسلط کرنا۔
۲۳۔ میلاد پاک کو کنہیا کا جنم کہنا۔ (براہین قاطعہ مصنفہ خلیل احمد انبیٹھوی)
۲۴۔ حضرت عیسیٰ کو جاہل چرواہے سے تشبیہ دینا نیز ان سے بہتر اپنے کو بتانا۔
۲۵۔ یزید کو امیر المومنین اور امام حسین کو لالچی و ناحق بتانا وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ من ذالک)

ذرا غور فرمایئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظلم و طغیان کا ایک سیلاب بلا ہے۔ اور حق کا متلاشی اپنے دامن کو بچانے کیلئے کشاں کشاں بچ کر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر امام احمد رضا کی ذات جو عالم کے لئے اس صدی میں ایک مجدد کی حیثیت سے رہبر بن کر آئی تھی۔ اور جس کو پورے عالم کا ذمہ دار بننا تھا وہ کب تک اس طوفان عظیم کو دیکھتا رہتا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے ہر ایک پھوٹے ہوئے تباہ کن چشموں کو بند کرنے کی کوشش کی۔ حوادثات کی گرہ تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ مگر وہ اپنی جگہ مطمئن ہر ایک کا دندان شکن جواب دیتا رہا۔ آج جس کی بنا پر اس صدی میں اس کی بالغ نظری اور اس کے حسن تدبر کا ہر ایک کو احساس ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ؎

صرف رو لینے سے قوموں کے نہیں پھرتے ہیں دن
اشک سامانی بھی ہو بہتے ہوئے پانی کے ساتھ

حقائق و معلومات کی روشنی میں اگر فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی تصنیفات کو ہٹا دیا جائے یا آپ کے مسلک سے تھوڑی دیر کے لئے صرف نظر کر لیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اپنے ایمان و اسلام کی سلامتی کا کوئی راستہ ہی نہیں ملتا۔ وہ کون سا ایسا شعبہ ہے جس پر آپکے اقوال کی پرچھائیاں نہیں پڑتیں۔ لیکن ہم بجائے اس کے کہ ان کے ان تبرکات کو جو اپنے بعد بطور امانت آپ نے چھوڑا اسے منظر عام پر لاتے اسکی یاد سے ہی غافل ہوتے جا رہے ہیں۔ میری اس تحریر کا مقصد یہ نہیں ہے۔

کہ میں آپ کو آپ کی بے حسی کی داد دوں نہیں بلکہ اس نیلگوں شامیانے کے اندر آپ کے جلتے ہوئے احساس کو پکڑنا مقصود ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مسلک و ملت کے لحاظ سے ہم سواد اعظم اہلسنت وجماعت کے افراد ہیں۔ جس کی حقانیت پر آفتاب نصف النہار کی طرح ہمیں یقین ہے لیکن اسکے باوجود بھی ملک میں لاکھوں کی تعداد میں بکھرے ہوئے اپنے معتقدات و نظریات کی سلامتی کا کوئی راستہ نہیں دیکھ رہے ہیں۔ آج اغیار بھی ہم پر طعنہ زن ہیں کہ جس احمد رضا کے شیدائی اپنے کو سگ بارگاہ رضوی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں ان کے مرکز کی بے رونقی پر شام غریباں کو بھی حسرت ہے۔ اور ہے بھی یہی جس محسن اعظم کے خوشہ چینوں میں شمار ہونا ہم باعث سعادت جانتے ہیں اس کی فراموشی کے لئے ہمارا ایک ایک عمل گواہ ہے۔

ہم کو کرنا کیا تھا

امام اہلسنت رضی اللہ عنہ کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے مسلکی اشاعت کے صرف دو طریقے رہ گئے تھے۔ ایک تو وعظ و تقریر کے ذریعے آپ کے فرامین کو عام کیا جاتا۔ دوسرے آپ کی تصنیفات جلد سے جلد منظر عام پر لانے کی کوشش کی جاتی مگر ان دونوں طریقۂ کار سے ہم گویا نابلد نظر آ رہے ہیں اور اس کے سب سے بڑے مجرم وہ حضرات کہلائیں گے جن کے پاس یا جنکے ذمہ آپ کی تصنیفات کے مسودے اور مبیضے تھے۔ رہ گیا تقریر کی بدولت تو آج کے مقررین حضرات کا جو انداز تخاطب ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہے۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

ہاں معدودے حضرات یقیناً اس دور میں اب بھی موجود ہیں جو اب بھی تقریر و تحریر میں اس رہبر کامل مجدد مائۂ حاضرہ کے جذبات کی توضیح فرماتے ہیں موجودہ حضرات سے بیشتر یگانہ عصر شیر بیشۂ اہلسنت رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی خاص کر قابل ذکر ہے۔ بہر حال اس وقت جو بھی تبلیغ کا ذریعہ ہمارے پاس ہے وہ لے دے کر تقریر ہے جس کے ذریعہ کچھ نہ کچھ خدمات ہو رہی ہیں۔ تحریری اشاعت کی جو کمی ہمارے پاس ہے اس کی کمی وقت کی ایک دردناک خلش ہے۔ ہماری انہیں کمزوریوں کو دیکھ کر باطل پھر خندہ زن ہیں کہ جنکی تعریف کے قلابے زمین سے آسمان تک لگائے جاتے ہیں ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ ابھی تازہ ترین خبر ہے کہ دیوبندی مسلک کے ایک نئے کھلاڑی عبد المالک کھوجیوری ہیں جو شہر بلیا میں اپنے کو بزعم خویش صدر مدرس ثابت کرتے ہیں انہوں نے ۱۹۷۰ء میں اجمیر معلیٰ کا ایک سفر کیا تھا موصوف فرماتے ہیں میرے سفر کا منشا صرف یہ تھا کہ ہند کے طول و عرض میں ان مزارات کی زیارت کروں جنکی جانب لوگ بہزار عقیدت و محبت جھکتے ہیں۔ سفر کے دوران انہوں نے بریلی شریف مجدد اعظم امام اہلسنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ قدس پر بھی حاضری دی۔ اس سفر اجمیر میں ان کی کیا غرض شامل تھی اس کو وہ خود ہی تحریر کرتے ہیں۔

آستانۂ بریلی

میری دیرینہ خواہش تھی کہ میں فاضل بریلوی احمد رضا خاں صاحب کے مزار کو بچشم خود دیکھتا جن کی عظمتیں ان کے معتقدین عرش معلیٰ سے بلند و بالا بتلاتے ہیں اور خطابات کو کچھ اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ امام الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی نعوذ باللہ ان کی عظمت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے حالانکہ ان کا مقام تصنیف و تالیف میں تقریر و تحریر میں خطابت و ولایت میں ہندستان کی ہر جماعت کی صاحب نظر پر واضح ہے۔ (مزاروں کی جھلکیاں ص۱۴)

- بہر حال میں دیرینہ خواہش کی تکمیل کیلئے احمد رضا کے مزار پر پہونچا جو محلہ سوداگران میں واقع ہے۔ راستے میں کچھ لوگوں کو طنز آمیز فقرہ استعمال کرتے ہوئے سنا۔ کہتے تھے یہ قبر پرست۔ بت پرست لوگ ہیں۔ قبر کی پرستش اور اعلیٰ حضرت کی حضوری میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ میری گردن شرم و ندامت میں جھک گئی۔ میں ورطۂ حیرت میں پڑ گیا سوچنے لگا یہ تو وہ مقام ہے جہاں سے چودہ صدی کا نیا مجدد دین مصطفوی سے علیحدہ ایک نیا دین لے کر اٹھا اور اور اس مقام کو مرکزی حیثیت دے کر اس دین کی اشاعت میں اپنے شب و روز صرف کرتا رہا آخر یہ کیا طرفہ تماشا ہے کہ یہاں کے باشندے اس دین کے پیغام سے متاثر نظر نہیں آتے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

- ایک غیر معروف شخص سے جو بریلی کا رہنے والا تھا وہ بھی ساتھ ہو گیا اور اس نے نہایت صفائی کے ساتھ بتلایا کہ یہاں کے باشندے نوے فیصد اس نئے دین اور مجدد سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اور ان کا پیغام خود بریلی میں صدا بصحرا ثابت ہوا۔
- جناب احمد رضا خاں صاحب کا مزار ان کے رہائشی مکان اور خانقاہ کے اندر ہے۔ یہ جگہ بہ نسبت دوسری درگاہوں کے بہت مختصر اور چھوٹی ہے دھندلی دھندلی روشنی پڑتی ہے۔ نہ مکمل روشنی ہے نہ تاریکی۔ مجھے انتہائی بیکسی اور ویرانگی کا احساس ہوا۔ دوسرے مزاروں پر ناجائز ہی سہی مگر رونق دیکھی۔ لوگوں کی گہما گہمی نظر آئی۔ مگر یہاں اس کے برعکس معاملہ نظر آیا۔ ممکن ہے کہ ایام عرس میں وہ صورت پیدا ہو جاتی ہو لیکن اس وقت تو وہ ایک بے بسی کا مزار ہی تھا۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ منظر ایک معمہ بن کر رہ گیا۔ آخر اتنی بے رونقی اور بے بسی کیوں ہے۔ اب غور کرتا ہوں تو مختلف

تخیلات پیدا ہوتے ہیں۔ (ص ۴۲)

آگے لکھتے ہیں۔

• ایک حصہ میں کتب خانہ رضویہ جلی حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔ اندر تین چار لکڑیوں کی الماریاں تھیں۔ وہ جگہ اتنی چھوٹی تھی کہ اسکے علاوہ اور زیادہ الماریاں رکھی نہیں جا سکتی تھیں۔ لیکن ان الماریوں میں بھی کتابیں نہیں تھیں۔ صرف ایک الماری میں کتابیں نظر آئیں اور دوسری تمام خالی پڑی تھیں۔

• مجھے تعجب ہوا کہ یہی وہی کتب خانہ ہے جس کی شہرت ہندستان بھر میں پھیلی ہوئی ہے۔

• میں نے تو خانصاحب کی چند مشہور کتابیں طلب کیں تو مجھے یہی جواب ملا کہ اس وقت زیر طبع ہیں۔ یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ جو کتابیں طلب کیں وہ سب کی سب زیر طبع تھیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے مجھ سے کوئی حیلہ نہیں کیا بلکہ ان کے پاس واقعی کتابیں نہیں تھیں۔

• اس سے متصل ایک چھوٹا سا کمرہ نظر آیا جس پر جلی حرفوں میں لکھا تھا دارالافتاء یہ وہ جگہ ہے جہاں سے ہندستان اور بیرون ہند میں فتوی جاری کئے جاتے ہیں۔ لیکن میں نے فتووں کیلئے جن چیزوں کی ضرورت محسوس کی نہیں دیکھی نہ میں نے کتابوں کا ذخیرہ ہی دیکھا جس پر افتاء کی بنیاد ہوتی ہے سوائے چند چھوٹی کتابوں کے۔ نہ اس میں کوئی موجود تھا۔ جس سے اس کی حقیقت دریافت کی جا سکے۔ اور نہ میں نے اس کی صورت حال دیکھکر اس کی اہمیت ہی محسوس کی کہ اس پر توجہ دوں۔

• گلی میں ایک کپڑے کا بورڈ لگا ہوا دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا " برقی لیتھو مشین"، خریدنے میں ہماری مدد فرمایئے ایسا محسوس ہوا کہ ابتک دین و سنیت کی اشاعت کیلئے اپنے وسائل مہیا نہ ہو سکے تھے جو منظر عام پر نظر آتا ہے وہ دوسروں کی رہین منت ہے۔ (ص ۴۵)

مذکورہ بالا اقتباسات میں بھوجپوری صاحب نے جس کذب و دروغ گوئی کا اظہار کیا ہے یہ انہیں کو زیبا ہے۔ ایک غیر مانوس چیز کو قوم کے سامنے پیش کرتے تو شاید لوگ مان بھی جاتے مگر جس نے بریلی کے کوچوں کو شب روز دیکھا ہو وہ کب کسی جنتری مار کے پھندے میں آسکتا ہے۔ کتابوں کے بارے میں جس حقیقت کا اظہار مصنف صاحب نے کیا ہے واقعی بظاہر ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے مگر اعلیٰ حضرت کی تصانیف کا متلاشی کرنا ہے تو آستانۂ مبارکہ کے اوپر اندر والی عمارت کا معائنہ کرے، نیز مرشد برحق حضرت مفتیٔ اعظم ہند کے دولت کدہ پر جائے اور اندر دیکھے کہ کیسے کیسے نادر و نایاب ذخیرے دیکھنے میں آتے ہیں واللہ العظیم۔ میری نگاہوں نے ایسی ایسی کتابوں کو دیکھا ہے کہ اگر وہ اشاعت پذیر ہو کر منظر عام پر آجائیں تو زمانہ آج بھی امام احمد رضا کو غزالیٔ دوراں اور جنید وقت کہنے پر مجبور ہوگا۔

بھوجپوری صاحب نے لکھا ہے کہ بریلی کی نوے فیصد آبادی اس نئے دین اور مجدد دونوں سے نفرت کرتے ہیں مگر عقل و ہوش کے دائرے میں جائزہ لیتے ہوئے اور آج بھی کسی کو تعصب کی عینک ہٹا کر دیکھنا ہو تو بریلی ہی نہیں اطراف و جوانب میں بھی اہلسنت و جماعت اور آپ کے مسلک و ملت کی دھوم مچتی ہے۔

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

بریلی شریف لاکھوں کی آبادی میں کوئی ایسا دن نہیں ہے جہاں پر صلوٰۃ و سلام کی صدائیں اور مسلک کی ترجمانی نہ ہوتی ہو۔

وہ کوئی اور ہوں گے سیر ساحل دیکھنے والے

ہاں اگر آپ کے نزدیک اسلام اسکو کہتے ہیں کہ جب تک اپنے عقیدے کی حجاب نہ پڑ جائے تب تک اپنے معتقدات کو چھپا کر نیاز و فاتحہ کرتے جاؤ جیسا کہ کانپور میں تھانوی صاحب نے کیا تھا۔

ہاں اگر آپ کے نزدیک اسلام و ایمان اسی کو کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ کی بجائے اشرف علی رسول اللہ کہا جائے۔ ہاں اگر آپ کے نزدیک اسلام و ایمان اس کا نام ہے کہ قوم کو دھوکہ دینے کیلئے نماز روزہ کی آڑ لے کر عقائد کفریہ کو ترجیح دی جائے تو اس قسم کی منافقت و منافرت سے بریلی شریف واقعی پاک و صاف ہے۔ اگر آپ کے نزدیک مزارات پر حاضری واقعی قبر پرستی و بت پرستی ہے تو فتویٰ لگایئے مولوی قاسم نانوتوی بانیٔ دارالعلوم دیوبند پر جو رڑکی (تحصیل سہارنپور) سے پیدل ننگے پاؤں حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر جاتے تھے۔

(سوانح قاسمی جلد دوم ص ۳۰ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی)

اگر مزارات کی حاضری ناجائز و ناروا ہے تو سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں مولوی قاسم ناظم جمعیۃ العلماء اور مولوی ابوالوفا شاہجہانپوری کو داد دیجئے جو ہر سال بہرائچ میں جاتے ہی نہیں تھے بلکہ چادر پوشی و دیگر رسومات کی ادائیگی بھی ان کے دست نازک سے ہوتی تھی۔

(تجلی دیوبند مئی سنہ ۶۱)

بہر حال! بات کہاں سے کہاں آگئی۔ میں کہہ رہا تھا کہ آج اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہمارا کیا عالم ہے؟

میں نے اپنے نظریات کو آپ کے سامنے رکھ دیا ہے کہ حقیقت میں اگرچہ ہم حق پہ ہیں مگر ظاہر آ بھی ہر قوم و جماعت کے کچھ اسلحے ہوتے ہیں جس کے ذریعہ وہ دشمنوں کی ہزارہا ہزار فوجوں کو چٹکیوں میں مسل سکتی ہے۔

مسلکی اعتبار سے یقیناً ہم راست پر ہیں لیکن عمارتی اور تنظیمی لحاظ سے کیا ہمارا یہی نصب العین ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب حوادثات زمانہ کی چنگاریاں اثر انداز ہوتی ہیں فوراً کانفرنسیں کر لیتے ہیں۔ زوردار نعروں کے ذریعہ ریزولیوشن پاس کرتے ہیں مگر عمل کیلئے اسی منزل ویران کی طرف دیکھتے ہیں جہاں سے یہ ہزار جوش و تمنا اٹھے تھے۔ آج احمد رضا مظلوم اس لئے مظلوم کہ اس نے اپنے زور قلم سے جن فتنوں کو مسمار کر دیا تھا آئے دن اس کی شرانگیزیاں پھر ابھر رہی ہیں تو کیا ہمارا جذبۂ ملی یہی ہے کہ ہم ساحل پر بیٹھ کر اپنے عظیم محسن کے ڈوبتے سفینے کو نذر بھنور کر دیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ ان کے منتشر پاروں کو یکجا کریں اور دنیا کے سامنے پھر اس کی صدائے غیبی کو اکبار پیش کر دیں۔ جس نے اس چودہویں صدی کے ہوش ربا دور میں اپنے عیش و آرام کو بھینٹ چڑھا کر امت کے لئے ایک مشعل راہ ایک شمع فروزاں، ایک شمع ہدایت روشن کر دیا تھا خدا ہمارے دلوں کو اس عظیم محسن کی بارگاہ سے وابستہ رکھے۔

؎ تیری بھیگی ہوئی پلکوں کے نثار
کیا مرا درد جگر یاد آیا۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دئے ہیں

شعر و ادب

(۱)
امام احمد رضا کی عربی شاعری
(۲)
امام احمد رضا کی اردو اور فارسی شاعری
(۳)
امام احمد رضا کی مذہبی شاعری میں صداقت کے عناصر
(۴)
امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری
(۵)
امام احمد رضا اور نعت رسول
(۶)
امام احمد رضا بحیثیت شاعر
(۷)
دیوان رضا عرفان و وجدان کا قاموس
(۸)
امام احمد رضا اور اصناف سخن
(۹)
امام احمد رضا واصف شاہ ہدی
(۱۰)
امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر ایک نظر
(۱۱)
امام احمد رضا کی شاعری تحقیق کے آئینے میں
(۱۲)
امام احمد رضا ایک مکمّل شاعر
(۱۳)
امام احمد رضا اور اردو ادب
(۱۴)
امام احمد رضا کی نعت گوئی
(۱۵)
امام احمد رضا امام شعر و سخن
(۱۶)
امام احمد رضا کا ذوق سخن

امام احمد رضا کی عربی شاعری

ڈاکٹر حامد علی خاں، لیکچرار شعبۂ عربی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی

محترم ڈاکٹر حامد علی خاں صاحب ایم اے پی ایچ ڈی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبۂ عربی کے لکچرر ہیں تحقیق وتلاش کیلئے آپ نے اپنے کو وقف کردیا ہے۔ امام احمد رضا نمبر کیلئے آپ نے جس انداز میں حوصلہ افزائی فرمائی اور خورد نوازی کا ثبوت دیا۔ ہم بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ تحقیقی مقالہ پیش خدمت ہے۔ (ایڈیٹر)

عباسی عہدِ خلافت کے مشہور و معروف شاعر ابو تمام نے خلیفہ معتصم باللہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا تھا۔

هُوَ الْبَحْرُ مِنْ أَيِّ النَّوَاحِي أَتَيْتَهُ
فَلُجَّتُهُ الْمَعْرُوفُ وَالْجُودُ سَاحِلُه

(اے مخاطب! ممدوح کے پاس جس جانب سے بھی تو پہنچے، اسے سمندر کی مانند پائے گا۔ کیوں کہ اس کی گہرائی احسان و بھلائی ہے اور بخشش اس کا ساحل ہے۔)

شاعر نے ممدوح کی صرف فیاضی کی تعریف کرتے ہوئے یہ شعر کہا ہے۔ اگر اس شعر میں یہ تصرف کر دیا جائے کہ "وَالْجُودُ سَاحِلُه" کی جگہ "وَالْعِلْمُ سَاحِلُه" (یعنی علم اسکا ساحل ہے) پڑھا جائے تو امام احمد رضا اس شعر کا صحیح مصداق قرار پائیں گے۔ آپ ہی جیسی ستودہ صفات سے متصف انسان کے لئے بجا طور پر شاعرِ مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھا جاسکتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ اپنی متنوع حیثیات میں منفرد تھے اور آپ کی شخصیت کو صفاتِ حسنہ کی جامع شخصیت کہا جاسکتا ہے لہٰذا آپ کے بارے میں خامہ فرسائی کرنے کا ارادہ کوئی معمولی کام نہیں۔ اگر آپ کے حالاتِ زندگی، مشاغلِ حیات اور علمی کارناموں وغیرہ پر کوئی اکیڈمی لگن کے ساتھ کام کرے تو تحقیق کا کچھ حق ادا ہو سکے۔ "مرکزی مجلس رضا، لاہور" سے توقع ہے کہ اس کے زیر اہتمام کام کا آغاز ہو چکا ہے اور خدا نے چاہا تو مستقبل میں منظم طریقے سے کام ہو جائے گا۔ آپ کے عقیدتمند، حلقۂ طریقت کے ارادتمند، آپ کے مسلک کے علمبردار، آپ کے متوسلین و خوشہ چین اور آپ سے وابستگان برابر لکھتے رہے ہیں اور یقین ہے کہ رہتی دنیا تک لکھتے رہیں گے اور لکھنے والوں کے لئے نئے نئے موضوعات پر مواد فراہم رہے گا۔ درحقیقت ممدوح بیک وقت بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔ آپ نے ایک طرف ظاہری علوم کی ترویج و اشاعت کرکے جہالت کو دور کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف شمعِ عرفان کو فروزاں کرکے مسندِ ارشاد کو زینت بخشی اور اندرونی ضلالت و کدورت کے زنگ کو زائل کرکے قلوب کو روحانیت کے نور سے منور کیا۔ آپ رشد و ہدایت میں بے مثال اور علم و فضل میں بے بدل تھے۔ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں کے انشا پرداز، خطیب، واعظ، حق گو، متکلم، مناظر، مفسر، محدث، فقیہ، مصنف اور مؤلف تھے۔ راقم کو اعتراف ہے کہ آپ جیسے محقق و مدقق کے کسی گوشۂ حیات کے بارے میں تکمیل کی حد تک لکھنا ممکن نہیں البتہ راقم نے "ہندوستان میں عربی شاعری" پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی ہے اور وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ عربی زبان میں علامہ کی شعر گوئی کے سلسلے میں ابھی تک کسی نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ اس مضمون کے عنوان سے ظاہر ہے کہ راقم اپنی بے بضاعتی و کم مایگی کے باوجود علامہ کی صرف اس ایک حیثیت کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرے گا اور معذرت کے ساتھ بطور تبرک علامہ کے سوانح حیات نہایت اختصار سے تحریر کرنے پر اکتفا کرے گا۔

امام احمد رضا بروز شنبہ بتاریخ ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ (مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء) بوقت ظہر بریلی میں متولد ہوئے۔ آپ نسلاً پٹھان، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کا نام "محمد" رکھا گیا۔ تاریخی نام "المختار" (۱۲۷۲ھ) ہے لیکن بلند پایہ عالم اور صاحبِ دل جدِ امجد مولانا رضا علی خاں متوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء نے "احمد رضا" تجویز کیا۔ خود آپ نے اپنے نام کے ساتھ "عبد المصطفیٰ" کا اضافہ فرمایا اور بعد میں "فاضل بریلوی" کے لقب سے شہرت پائی۔ آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کرکے مولانا مرزا غلام قادر علی بیگ سے عربی

کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں اپنے والدِ ماجد مولانا نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء سے معقولات و منقولات کی تعلیم پائی اور تیرہ سال دس ماہ پانچ دن کی عمر میں اکتسابِ علوم سے فراغت پاکر افتا کا اہم فریضہ کم سنی سے ہی انجام دینا شروع کیا۔ چند دن رامپور میں قیام کرکے مولانا عبد العلی خاں صاحب ریاضی داں سے "شرح چغمنی" کے متعدد سبق پڑھے۔ فطری ذہانت و ذکاوت کے تحت خود آپ کی طبع سلیم نے بعض علوم و فنون میں رہنمائی کی لیکن بعض غیر دینی اور ناپسندیدہ علوم مثلاً فلسفہ وغیرہ کو خود ترک کر دیا اور بعض علوم مثلاً ہیئت، ہندسہ، نجوم اور فنونِ ریاضی وغیرہ سے توجہ محض تفریحِ طبع کے لئے تھی، علاوہ ازیں ان سے وقت کی تعین و تعدیل میں مدد ملتی ہے اور صوم و صلوٰۃ، و وقت کی افادیت و اہمیت ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ آپ نے سنتِ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے ۱۲۹۱ھ میں شیخ فضل حسین صاحب کی دختر نیک اختر ارشاد بیگم سے احکامِ شریعت کے مطابق شادی کی۔ غلط رسوم و رواج سے یکسر اجتناب کرکے بطور نمونہ اہلِ اسلام کے لئے شادی کی سادہ تقریب کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی پانچ صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہوئے دونوں صاحبزادے مولوی حامد رضا خاں متوفی ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۲ء اور مولوی مصطفیٰ رضا خاں جلیل القدر عالم ہوئے۔ ۱۲۹۴ھ ماہ جمادی الاولیٰ میں مخدوم شاہ آلِ رسول مارہروی سے شرفِ بیعت حاصل کرکے تمام سلاسلِ تصوف کی خلافت و اجازت اور حدیث کی سند حاصل کی۔

آپ ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں پہلی بار والدین کی ہمراہی میں عازمِ حج ہوئے۔ حجازِ مقدس پہنچے تو شیخ الاسلام علامہ سید احمد زینی دحلان مفتی شوافع اور شیخ عبد الرحمان مفتیِ احناف مکہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ اور دیگر علوم کی سند حاصل کی۔ مسجدِ حرم کے امام حضرت حسین جمال اللیل شافعی آپ کی نورانی صورت دیکھ کر بیحد متاثر ہوئے اور اپنے لطف و کرم کا اظہار فرماکر آپ کو اپنے دولتکدے پر لے گئے۔ موصوف نے ضیافت کے پرخلوص فرائض ادا کرنے کے بعد صحاح ستہ" اور سلسلہ قادریہ کی اجازت و سند سے نوازا اور آپ کا نام "ضیاء الدین احمد" رکھا۔ آپ نے دوسری بار ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ اس وقت ملکِ عرب کے علما اور مشائخِ کبار عموماً اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے فضلا خصوصاً تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آئے۔ انہوں نے ظاہری علوم کے ساتھ روحانی فیض کا بھی استفادہ کیا۔ علامہ صالح کمال، شیخ الخطبا احمد ابو الخیر مکی، مفتی احناف مکہ علامہ عبد اللہ بن عباس بن صدیق اور محدثِ جلیل علامہ عبد الحق الہ آبادی مہاجر نے تبحرِ علمی کا اقرار کیا۔ آپ کے حسنِ انشا، طرزِ استدلال اور جامعیت کی بہت زیادہ تعریف و تحسین کی اور امام مجدد جیسے عظیم الشان القاب سے یاد کیا۔ سرعتِ تحریر، تصنیف و تالیف اور وسعتِ علمی کی بنا پر مکہ معظمہ کی مسجدِ حرام کے امام شیخ محمد صالح نے آپ کو "راس المؤلفین فی زمانہ" اور "امام المصنفین بحکم اقرانہ" (یعنی "اپنے دور کے مولفین کے سردار" اور "اپنے ہمعصر علما و فضلا کے فیصلے کے مطابق مصنفین کے امام") کے ٹائیٹل سے سرفراز فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے فاضلِ بریلوی پر انعامات کی بارش فرمائی اور بیشمار نعمتوں سے نوازا۔ خدا نے آپ کو قوی حافظہ اور ذہنِ رسا عطا فرمایا۔ نیز اپنے فضل و کرم سے اپنی عطا کردہ صلاحیتوں کو صحیح محل پر لگانے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اسے تائیدِ غیبی سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے فاضلِ اجل اور جملہ علوم و فنون میں ماہر و کامل ہوئے۔ مروجہ علوم میں سے ہر علم میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ پھر آپ نے درس و تدریس کی طرف توجہ کی تو تشنگانِ علم کا ایک وسیع حلقہ آپ سے برابر سیراب ہوتا رہا۔ آپ نے صرف اس پر ہی بس نہیں کیا بلکہ ملک میں دیگر عربی مدارس کے قیام کا کامیاب ارادہ فرمایا اور اپنے تربیت یافتہ تلامذہ سے کام لیا۔ آپ کے نامور اور ارشد تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ باری تعالیٰ نے ظاہر کے ساتھ آپ کے باطن کو بھی آراستہ فرمایا لہٰذا زہد و ورع، حزم و احتیاط اور اخلاص و تقویٰ سے مشرف فرمایا۔ آپ کے حلقہ بگوش نیاز مندوں کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہوئی۔ آپ کے خلفا بے شمار تھے اور نہ صرف ہند و پاک میں بلکہ حرمین شریفین تک میں پھیلے ہوئے تھے۔ آپ دوسری بار حج کو تشریف لے گئے تھے تو قیامِ حرمین کے دوران چند اکابر علما کو اسناد و اجازت عطا فرمائیں اور خاصی تعداد کو واپسی کے بعد اپنے وطنِ مالوف بریلی سے حسبِ وعدہ اسناد و اجازت ارسال فرمائیں۔ مزید براں خالقِ اکبر نے آپ کو دوسری صفاتِ حمیدہ سے مزین کیا۔ اس میں دو رائیں نہیں ہیں کہ آپ خوش خصال، خوش مزاج، ذکی و ذہین، خلیق و متین، سخی و کریم، صاحبِ فہم و ادراک، صاحبِ بصارت و بصیرت، صاحبِ کمالات، حاضر جواب، صائب الرائے اور اوصافِ رذیلہ سے متنفر تھے۔ آپ کی زندگی کے جس پہلو پر نظر ڈالی جائے، وہ قابلِ ستائش اور اپنی مثال آپ ہے۔ اس کا واحد سبب یہ ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست ؎ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ جل جلالہٗ کا آپ پر خاص انعام و اکرام تھا۔ اگر آپ کے دامن سے منسلک حضرات کے لئے بطور مثال امام شافعی کا شعر درج کر دیا جائے تو مناسب مقام ہوگا۔ امام شافعی نے یہ شعر امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کی مدح کرتے ہوئے لکھا تھا:

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانٍ لَنَا إِنَّ ذِكْرَهُ
هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

(امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کے ذکر کا اعادہ کرو۔ آپ کا ذکر تو بلاشبہ اصلی مشک ہے لہٰذا تو جسقدر زیادہ ذکر کرے گا، اسی قدر زیادہ مشک کی خوشبو پھیلے گی۔) گوناگوں فضائل میں انفرادیت ہی آپ کو "اعلیحضرت و امام" کے معزز لقب سے پکارے جانے کی ضامن بنی۔

امام احمد رضا میں امتِ مسلمہ کی اصلاح کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر اگیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۳۱۱ھ سے "ندوۃ العلما لکھنؤ" کے سرکردہ اور با اختیار اربابِ حل و عقد سے

اختلاف ہونے پر ڈٹ کر مقابلہ کیا، قادیانیت کے بڑھتے ہوئے ملحدانہ اثرات کو روکنے کی مؤثر تدابیر پر عمل پیرا ہوئے، فتنۂ تفضیلیت کے انسداد میں سعیِ بلیغ فرمائی تصوف کی غلط ترجمانی پر کاری ضرب لگائی، ترکِ تقلید کی عام وبا کا قلع قمع کیا، اختلافی مسائل میں دیوبندی علما کو ترکی بہ ترکی دندان شکن جوابات دئے اور تحریکِ خلافت کی غیر اسلامی روش پر بیباکی کے ساتھ بے لاگ تنقید کی۔ آپ مسلمانوں کے ہمدرد و غمگسار، مخلص و بہی خواہ اور مصلحِ امت تھے۔ اصلاحِ امت کا بلند نصب العین ہر وقت آپ کے پیشِ نظر رہا خواہ آپ سفر میں ہوں یا حضر میں۔ چنانچہ حرمین شریفین میں دوسری مرتبہ حاضری کا موقع ملا تو دیارِ عرب میں امکان بھر اصلاح کی آخری کوشش کی یہاں تک کہ بدعقیدگی کی شورش کو دفع کیا۔

امام احمد رضا نہایت بلند رتبہ صاحبِ قلم تھے اور بے شک و شبہ اپنے عہد کے لاثانی صاحبِ تصنیف و تالیف تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قوتِ حافظہ میں مسائل مستحضر تھے اور کسی موضوع پر مواد فراہم کرنے اور ترتیب دینے کی ضرورت درکار نہیں تھی۔ جس موضوع پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا، متعلقہ مباحث کو ذہن میں مرتب کیا اور سرعت سے اپنی فراست کو کام میں لاکر مستحضرہ و مرتّب کو تحریر کا جامہ پہنا دیا۔ آپ کی زود نویسی، برجستہ تحریر اور تصنیفی استعداد کی اعلیٰ صلاحیت یہ تھی کہ آپ نے برسوں کا کام دنوں میں اور مہینوں کا گھنٹوں میں بہ حسنِ اسلوب انجام دے کر فضلائے وقت کو انگشت بدنداں کر دیا۔ یہ آپ کا علمی و روحانی تفوق ہی تھا کہ گیارہ برس کی عمر سے تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا اور اپنی تمام مصروفیات اور معمولات کے ساتھ ساتھ پچاس سے زیادہ مختلف موضوعات پر عربی، فارسی اور اُردو میں اپنی ایک ہزار علمی یادگاروں کا عظیم الشان ذخیرہ چھوڑ کر ٹھیک نمازِ جمعہ کے وقت دو بج کر اڑتیس منٹ پر بتاریخ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ (مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) اپنی حیاتِ مستعار جان آفریں کے حوالے کی اور عالمِ فنا سے عالمِ بقا کو رحلت فرمائی۔

(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)

عربی زبان کی مثل ہے: "والفضل ما شَہِدَتْ بِہِ الأَعْدَاءُ" یعنی حقیقی فضیلت وہ ہے کہ جس کی دشمن گواہی دیں۔ مولانا سید عبدالحی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ہندوستانی علما کا تذکرہ لکھا تو اختلافِ مسلک کے باوجود علامہ کے سوانحِ حیات تحریر کرنے میں دیانتداری کے ساتھ حسبِ ذیل امور کو بھی بیان کیا:

"حجاز کے علماء سے فقہ اور علمِ کلام کے بعض مسائل میں آپ کا مذاکرہ ہوا اور آپ نے حرمین میں اقامت کے دوران چند رسائل لکھے۔ چند مسائل جو علمائے حرمین کو بغرضِ استفسار پیش کئے گئے تھے، آپ نے ان کے جوابات تحریر کئے اور عجلتِ تحریر، ذکاوت اور قوتِ استدلال پر وہاں کے بڑے بڑے علماء بالکل حیران رہ گئے۔

آپ متبحر عالم، کثیر المطالعہ اور وسیع معلومات و اطلاعات کے حامل تھے۔ آپ کا قلم رواں دواں تھا۔ آپ کی فکرِ رسا جزئیات کا احاطہ کرنے والی تھی۔ آپ کثیر التصانیف تھے۔ اور بعض سوانح نگاروں کی روایت کے مطابق تصانیف و رسائل کی تعداد پانچ سو

ہے۔ آپ کی سب سے زیادہ اہم اور عظیم الشان (بارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل) تصنیف "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ" ہے۔ آپ مباحثہ و مناظرہ میں بلند مرتبہ تھے۔ حنفی فقہ اور اس کی جزئیات کے علم میں اپنے عہد میں نادرِ روزگار اور اپنی نظیر آپ تھے۔ اس دعوے پر آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ اور "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" شاہد ہیں۔ موخر الذکر کتاب کو آپ نے مکہ مکرمہ کے دورانِ قیام ۱۳۲۴ھ میں تالیف کیا۔ آپ کو علومِ ریاضی، علمِ ہیئت، علمِ نجوم اور علمِ توقیت میں کامل دستگاہ اور مہارت تھی۔ علمِ رمل اور علمِ جفر میں بھی آپ کو کافی دسترس حاصل تھی اور زیادہ تر علوم و فنون میں آپ کو خاصا دخل تھا۔"[1]

امام احمد رضا نے نہ صرف عربی، فارسی اور اردو تین زبانوں میں شاعری کی بلکہ بعض نظمیں التزام کے ساتھ ہندی بھاشا کی آمیزش سے لکھیں۔ آپ کا تخلص رضا تھا۔ آپ کا نعتیہ دیوان "حدائقِ بخشش" کے نام سے تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اور تین چار اڈیشن نکل چکے ہیں۔ حصہ سوم کے فاضل مرتب نے صراحت کی ہے کہ آپ کا عربی دیوان گم ہو گیا۔[2] یہی وجہ ہے کہ آپ کے خلفِ رشید جناب مولانا مصطفٰے رضا صاحب سے مراسلت کرنے پر مجھے آپ کا عربی کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔ اور بعد ازاں بریلی جاکر شرفِ ملاقات حاصل کرنے پر بھی کلام نہ دیکھا جا سکا البتہ مولانا ظفر الدین احمد صاحب مرحوم نے اپنی تالیف "المجمل المعدد لتالیفات المجدد" (مطبع حنفیہ، پٹنہ ۱۳۲۷ھ) میں صراحت کی ہے کہ آپ کے دیوان میں پندرہ سولہ عربی و فارسی کے قصائد ہیں؛ یقین ہے کہ آپ کے وصال تک عربی و فارسی کلام کا معتد بہ اضافہ ہوا ہوگا کیونکہ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ علامہ رضا عشقِ رسول میں مستغرق و سرشار تھے لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ نے فخرِ موجودات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور خداوند عالم کی حمد و ثنا میں وارداتِ قلبی کو نظم کا جامہ نہ پہنایا ہو۔ اسی طرح خود اپنی زندگی اور مقربین و مخلصین کی زندگیوں کے اہم واقعات، حوادث اور تقاریب وغیرہ پر آپ نے ضرور اشعار کہے ہوں گے۔ مجھے اب تک اپنی تلاش میں مجموعی طور پر تین سو نوے عربی اشعار حسبِ ذیل کتب میں دستیاب ہو سکے ہیں۔

۱۔ "آمال الابرار و آلام الاشرار"[3] نامی ایک سو ستر اشعار کا دالیہ قصیدہ (مطبع حنفیہ عظیم آباد) اس قصیدے کے مقاصد دنیا کی مذمت، آخرت کی طرف رغبت، بدعتِ ندوہ کی قباحت، عظیم آباد میں منعقد ہونے والے جلسۂ اہلِ سنت کی تعریف اور واقعۂ فساد کا بیان ہیں۔

۲۔ حدائقِ بخشش حصہ سوم مرتبہ مولانا محمد محبوب علی خان قادری برکاتی رضوی

---

(۱) نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر (مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) ۸: ۳۸، ۴۲، ۴۱

(۲) حدائق بخشش ۳ : ۸ (۳) حاشیہ صفحہ آئندہ پر

مجددی (اسٹیم پریس، ریاست نابھ ۱۳۲۲ھ) کے مختلف صفحات میں سبحن السبوح، انوار ساطعہ، رحب الساحہ فی میاہ لایستوی وجہاہ وجوفہانی المساحہ، رسالہ النور والنورق لاسفار الماء المطلق" وغیرہ چند تصانیف سے مختلف موضوعات پر ستر عربی اشعار۔

۳۔ مواقع النجوم ومطالع اَہِلّۃ الاسرار والعلوم۔ شیخ محی الدین ابن العربی (مطبع گلزار حسینی، بمبئی): ۱۵۳۔۱۶۰ پر تیرہ اشعار کا قطعۂ تاریخ وفات اور چالیس اشعار کا مرثیہ بر وفات محمد اسماعیل قادری نقشبندی شاذلی۔

۴:۔ الاجازہ فی ذکر الجہر مع الجنازہ۔ مولانا محمد عمر الدین قادری ہزاروی (مطبع مجتبائی، بمبئی ۱۳۱۵ھ): ۳۵ و ۳۶ پر نو اور چوبیس اشعار کے دو مرثیے بر وفات مولانا عبید اللہ مدرس اعلیٰ جامع مسجد بمبئی۔

۵: العسل المصفیٰ فی عقائد ارباب سنۃ المصطفےٰ۔ سید شاہ ابو الحسن احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب قادری (مطبع جماعت تجارت متفقہ اسلامیہ، میرٹھ ۱۲۹۸ھ): ۲۱۔۲۴ پر تقریظ کے سولہ شعر۔

۶: سراج العوارف فی الوصایا والمعارف۔ میاں صاحب قادری (دکٹوریہ پریس بدایوں ۱۳۱۲ھ): ۱۲۳ و ۱۲۴ پر تقریظ کے گیارہ شعر۔

۷: تذکرہ علمائے اہلِ سنت۔ مولانا محمود احمد قادری (رزاقی پریس، کانپور ۱۳۹۱ھ) ۱۰۸ پر گیارہ اشعار بر وفات مولانا محمد عمر حیدر آبادی۔

۸: ماہنامہ "الرضا" دبابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ) ۲۷ پر دس اشعار بر وفات سید محمد عبد الغنی۔

۹: تذکرہ مشاہیر کاکوروی۔ مولانا حافظ محمد علی حیدر کاکوروی (مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۱۲۹۷ھ): ۱۲۳ و ۱۲۴ پر۔ چار اشعار کا قطعۂ تاریخ بر وفات مولانا حکیم محمد حبیب علی علوی کاکوروی۔

۱۰۔ اعلحضرت کی شاعری پر ایک نظر۔ سید نور محمد قادری (حبارت پرنٹرز، لاہور ۱۳۹۵ھ): ۴۶ پر تین شعر بر وفات حکیم محمود خاں دہلوی۔

۱۱۔ مشائخ بنارس۔ عبد السلام نعمانی (مطبع ندوۃ المعارف۔ بنارس) ۹۱ پر دو شعر۔

کاش امام احمد رضا کا تمام عربی کلام پیش نظر ہوتا مگر افسوس کہ محفوظ نہ رہا تاہم مذکورہ بالا تحریر کردہ تفصیل سے واضح ہے کہ دستیاب شدہ کلام اللہ تعالیٰ کی حمد، خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت، گمراہ فرقوں مثلاً وہابیہ، نیچریہ اور روافض وغیرہ کی مذمت، حق کی اشاعت، و اصل بحق ہونے والے علما کی حیثیت، ان کے سالہائے وفات، کتابوں کی تقریظوں اور اُن کے سنہ طباعت سے متعلق ہے۔ اسقدر کلام کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کی شعر گوئی کے بارے میں بڑی حد تک وثوق کے ساتھ رائے سپرد قلم کی جاسکتی ہے اور کلام کے مختلف ہونے درج کیے جا سکتے ہیں۔

علامہ رضا کی شاعری وہبی تھی۔ شاعری میں آپ کو کسی کا تلمذ نہیں تھا۔ خلاقِ عالم نے آپ کی طبیعت میں ایسی موزونیت و دیعت فرمائی تھی کہ آپ سخن فہمی،

(صفحۂ سابق کا حاشیہ) ــــ (۴) یہ طویل عربی قصیدہ قاضی عبد الوحید حنفی فردوسی متوفی ۱۳۲۶ھ کے نام سے شائع ہوا مگر یہ حسب ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

۱۔ میں نے ریسرچ کے دوران موصوف کے صاحبزادے قاضی عبد الودود صاحب سے مراسلت کی اور مزید عربی کلام وسوانح حیات کو طلب کیا۔ قاضی صاحب نے براہِ علم نوازی والدِ بزرگوار کے مختصر حالاتِ زندگی تحریر کرکے ارسال فرمائے اور عربی کلام کے دستیاب ہونے پر استعجاب پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی بجا طور پر لکھا کہ انہیں اپنے والد کے عربی گو شاعر ہونے کا علم نہیں تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اُن کے والد عربی زبان کے عالم نہیں تھے۔ عربی زبان کی بہت معمولی واقفیت تھی۔ اگر قاضی عبد الوحید صاحب کو عربی کا عالم مان لیا جائے تو بھی یہ بات خلافِ عقل اور بعید از قیاس ہے کہ ایسا قادر الکلام شخص جس کی مُہرِ سکوت ٹوٹے تو وہ اِسقدر طویل عربی قصیدہ لکھے اور اس کے بعد عربی زبان میں شعر گوئی سے توبہ کرلے۔ قصیدۂ ہٰذا لکھنے سے نہ پہلے کوئی شعر کہا اور نہ بعد میں یا کہا تو ایسا مخفی رکھا کہ کانوں کان پتا نہ چلا اور گھر والے بھی بے خبر رہے یا کہا مگر اِس مطبوعہ قصیدے کے علاوہ ضائع کر دیا معمولی سمجھ رکھنے والا بھی اِس طرح کے احتمالات کو قبول نہیں کر سکتا۔

۲۔ حدائقِ بخشش حصہ سوم ص ۸ پر صراحت ہے کہ مذکورہ بالا قصیدہ فاضل بریلوی کا تحریر کردہ قصیدہ ہے۔

۳:۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب صدر شعبۂ عربی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی نے بھی نشان دہی کی ہے کہ یہ قصیدہ اعلحضرت کا لکھا ہوا ہے۔ موصوف کی یہ صراحت شک وشبہ سے بالا تر ہے کیونکہ آپکے والدِ ماجد مولانا ظفر الدین احمد صاحب مرحوم اور فاضلِ بریلوی کے درمیان مخلصانہ وعقیدتمندانہ تعلقات تھے۔ باخبر حضرات سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ مولانا موصوف فاضلِ بریلوی کے اطاعت شعار تلمیذ رشید، قابلِ فخر عالم، وفادار نیازمند، سعادتمند مرید خلیفہ مجاز، پُرخلوص مدّاح، لائقِ اعتماد، پسندیدہ مقرب، اسرار رموز کے واقف کار، علمی کاموں میں ایک حد تک مشیر اور معین ومددگار، دستِ راست اور قوتِ بازو تھے لہٰذا پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی حیثیت اس سلسلے میں اِس مثل کے مطابق ہے "صاحب البیت أدری بمافیہ" یعنی گھر کا مالک گھر کے اندرونی حالات سے زیادہ باخبر ہوتا ہے (میں پروفیسر موصوف کی اس رہنمائی اور علمی تعاون و ہمدردی کا بہ صمیم قلب ممنون ہوں) ــ ۴۔ کلام کا انداز اور موضوع اِس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ فاضلِ بریلوی کا کلام ہے۔

سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے، اسی لئے آپ کے کلام میں آمد ہی آمد ہے اور آورد کا نام نہیں۔ رہی عربی زبان تو اہل زبان عرب فضلائے عربی تحریر میں حسنِ انشا کا اعتراف کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ شعر گوئی کی طرف آپ کی توجہ مبذول ہونے کی ضرورت تھی اور بس۔ آپ کے لئے عربی نثر و نظم دونوں کی یکساں حیثیت تھی مگر آپ نے مہتم بالشان کاموں کی انجام دہی کی وجہ سے شاعری کی طرف بہت کم التفات کیا اور شعر گوئی میں زیادہ وقت نہیں گذارا ورنہ آپ کے کلام کا مجموعہ نہایت عظیم ہوتا۔ ساتھ ہی یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ عالمِ دین کی حیثیت سے مشہور ہوئے، اس لئے آپ کی شاعرانہ تحقیقات کی طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ بہر کیف یہ مسلمہ امر ہے کہ آپ اردو زبان کے طبقۂ اوّل کے نعت گو شعرا میں تھے کیونکہ نعت گوئی کے لئے عشق و محبت شرطِ اوّل ہے اور آپ کے نعتیہ کلام کا مطالعہ کرنے سے یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی نعت گوئی آدابِ عشق و محبت کی آئینہ دار ہے۔ حضورِ انور نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی محبت نہ صرف ہر چیز سے بلند و برتر تھی بلکہ والہانہ عقیدت اور حقیقی جاں نثاری تھی۔ آپ نے جذبۂ حبِ رسول وراثت میں پایا تھا، پھر اپنے دل میں محبت و عقیدت کی باضابطہ پرورش کی تھی اور قلب و روح کو احترام و عقیدت کا خوگر بنا لیا تھا۔ عاشقانِ پاک طینت کی طرح آپ "شمعِ بزمِ ہدایت" کے پروانے تھے۔ آپ کا کلام عشق و مستی اور درد و سوز کی نعمت سے مالا مال ہے۔ آپ کے کلام میں عاشقانِ صادق کی طرح حسنِ بیان اور خلوص و عشق کا صحیح امتزاج ہے۔

علامہ رضاؔ نے مخصوص حالات و کیفیات سے متاثر ہو کر اپنے جذبات کی نظم میں ترجمانی کی البتہ جتنا بھی لکھا خوب لکھا اور اغیار تک سے دادِ تحسین پائی۔ جزالت و انسجام، سلاست و سادگی اور بے ساختگی و روانی آپ کے عربی کلام کی خصوصیات ہیں۔ عربی تراکیب کی بندش اور مناسب و برمحل الفاظ کے استعمال پر آپ کو مکمل قدرت حاصل تھی۔ تشبیہات و استعارات وغیرہ، لفظی و معنوی صنائع اور ضرب الامثال کا بے تکلف اور مناسب انداز میں استعمال ہے۔ آپ کا کلام تصنع اور شعری عیوب سے پاک ہے۔ آپ نظم میں مشکل پسندی کے قائل نہیں تھے اور زیادہ تر برجستہ ہی موزوں و مقفّی لکھتے۔ آپ پر عربیت کا غلبہ اسقدر زیادہ تھا کہ آپ کا اردو کلام نہ صرف ہزاروں عربی الفاظ و تراکیب پر حاوی ہے بلکہ اردو کلام کے ضمن میں عربی اشعار، مصرعوں اور جملوں کا بے ارادہ استعمال ہوا ہے جیسا کہ "حدائق بخشش" کے مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کی اردو شاعری اردوئے معلّی کا اعلیٰ شاہکار ہے، اسی لئے میں بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے اردو کلام سے بھی درحقیقت وہی صحیح معنیٰ میں لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ جیسے عربی و فارسی پر عبور ہو یا کم از کم اردو زبان کا اچھا فاضل و ادیب ہو۔ آپ کے عربی کلام کے مختلف نمونے ذیل میں درج ہیں اور ساتھ ہی اردو داں حضرات کے لطف اندوز اور مطالب سے باخبر ہونے کی خاطر عربی اشعار کا ترجمہ بڑی حد تک بامحاورہ اردو میں کیا گیا ہے۔ ترجمہ پڑھنے سے قارئین پر کم از کم یہ امر بھی عیاں ہو جائے گا کہ آپ نے عربی کلام میں درحقیقت کوزے میں دریا کو سمویا ہے۔

امام احمد رضا کے ایک خلیفۂ اجل مولانا شیخ ضیاء الدین مدنی نے مولانا حافظ احسان الحق صاحب (گوجرانوالہ) سے بیان فرمایا: ایک مرتبہ مصر کے فاضل ترین علمائے کرام کے اجتماع میں میں نے اعلیٰحضرت کا درجِ ذیل عربی قصیدہ پڑھا تو انہوں نے بیک زبان کہا کہ یہ قصیدہ کسی فصیح اللسان عربی النسل عالمِ دین کا لکھا ہوا ہے۔ میں نے بتایا کہ اس قصیدے کے لکھنے والے مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہیں جو عربی نہیں بلکہ عجمی ہیں۔ علمائے مصر حیرت کے سمندر میں ڈوب گئے کہ وہ عجمی ہو کر عربی میں اتنے ماہر ہیں۔ اس قصیدے کے ابتدائی اشعار یہ ہیں (۱)

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ   بِجَلَالِہِ الْمُتَفَرِّدِ

(خدائے یکتا کی حمد و ثنا ہے۔ وہ اپنے جلال میں یکّہ و یگانہ ہے)

وَصَلٰوتُہٗ دَوْمًا عَلٰی   خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدِ

(تمام مخلوق میں سب سے اعلیٰ انسان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی رحمت ہمیشہ نازل ہوتی رہے۔)

وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ ھُمْ   مَاْوَایَ عِنْدَ الشَّدَائِدِ

(اللہ کی رحمت آپ کی اولاد اور ساتھیوں پر برابر نازل ہوتی رہے۔ مصائب و تکالیف کے وقت آل و اصحاب میرے ملجا و ماویٰ ہیں۔)

فَاِلَی الْعَظِیْمِ تَوَسُّلِیْ   بِکِتَابِہٖ وَبِاَحْمَدَ

(اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی کتاب (قرآن مجید) اور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرا وسیلہ ہیں)

وَبِمَنْ اَتٰی بِکَلَامِہٖ   وَبِمَنْ ھَدٰی وَبِمَنْ ھُدِیْ

(بارگاہ الٰہی میں وہ میرا وسیلہ ہیں جو اللہ کے کلام کو لائے، جنہوں نے راہِ راست کی طرف رہنمائی کی اور جن کے ذریعے مخلوق کی ہدایت ہوئی یعنی شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم)

وَبِطَیْبَۃَ وَبِمَنْ حَوَتْ   وَبِمِنْبَرٍ وَّبِمَسْجِدِ

(میں مدینۂ طیبہ، مہاجرین و انصار، منبر سرکارِ ابد قرار اور مسجد نبوی کے وسیلے سے اللہ کے تقرب کا طالب ہوں)

وَبِکُلِّ مَنْ وَجَدَ الرِّضَا   مِنْ عِنْدِ رَبٍّ وَّاحِدِ

(رضاؔ ہر ایسے برگزیدہ انسان سے متوسل ہے جو اپنے پروردگار کی جانب سے خوشنودی پا چکا ہے)

---

(۱) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد (جیادت پرنٹرز لاہور ۱۳۹۴ھ) طبع دوم: ۹۵، ۹۶

حدائق بخشش حصہ سوم: ۱۲

اللہ تعالیٰ سے امداد کی درخواست کرتے اور پناہ چاہتے ہوئے لکھا (۱)

عَدَی الْعَادُوْنَ وَجَارُوْا وَرَجَوْتُ اللہِ مُجِیْرًا

(مخالفین نے ظلم و تشدّد سے کام لیا اور خوب جور و ستم کیا۔ میں نے اللہ سے تو لگا رکھی ہے کیونکہ وہ حقیقی پناہ دہندہ ہے)

وَکَفٰی بِاللہِ وَلِیًّا وَکَفٰی بِاللہِ نَصِیْرًا

(اللہ مالک و ولی ہونے کے لحاظ سے کافی ہے اور اللہ ہی معین و مددگار ہونے کی حیثیت سے کافی ہے)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ عاطفت میں پناہ پکڑتے ہوئے لکھا (۲)

رَسُوْلَ اللہِ اَنْتَ الْمُسْتَجَار فَلَا اَخْشَی الْاَعَادِیَ کَیْفَ جَارُوْا

(اے اللہ کے رسول! آپ پناہ گاہ ہیں لہذا میں دشمنوں سے ذرا بھی خائف نہیں کہ وہ کس طرح ظلم و ستم ڈھائیں؟)

بِفَضْلِکَ اَنْ نَجِیْ اٰنٌ عَنْ قَرِیْبٍ تُمَزِّقُ کَیْدَھُمْ وَالْقَوْمُ بَارُوْا

(مجھے آپ کے لطف و کرم سے توقع ہے کہ آپ جلد ہی دشمنوں کے مکر و فریب کے دام کو چاک فرمادیں گے اور دشمنوں کا گروہ ہلاک ہوجائے گا۔)

نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اعانت کی درخواست کرتے ہوئے رقمطراز ہیں (۳)

رَسُوْلَ اللہِ اَنْتَ بُعِثْتَ فِیْنَا بِکَرِیْمٍ رَحْمَۃً حِصْنًا حَصِیْنَا

(اے اللہ کے رسول! آپ ہم میں کریم و رحیم اور حصن حصین بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں)

تُخَوِّفُنِی الْعِدٰی کَیْدًا مَتِیْنًا اَجِرْنِیْ یَا اَمَانَ الْخَائِفِیْنَا

(اے خوفزدہ اشخاص کے مجسم امن و امان! دشمن اپنے زبردست مکر و فریب سے مجھے خائف بنا رہے ہیں، اسلئے آپ مجھے پناہ دیجئے اور میری حفاظت فرمائیے)

تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کرتے ہوئے لکھا (۴)

وَکُلُّ خَیْرٍ مِّنْ عَطَاءِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی عَلَیْہِ اللہُ مَعَ مَنْ یُّصْطَفٰی

(ہر قسم کی نعمت و بھلائی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دیگر منتخب اشخاص کے ساتھ رحمت نازل فرمائے)

اَللہُ یُعْطِیْ وَالْحَبِیْبُ الْقَاسِم صَلّٰی عَلَیْہِ الْقَادَۃُ الْاَکَارِمُ

(خدا عطا فرماتا ہے اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرمانے والے ہیں، اسی لئے قاسم کے لقب سے موسوم ہوئے۔ اکرام کے معزز و مکرم سردار آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں۔)

مَا نَالَ خَیْرًا مِّنْ سِوَاہُ نَائِلٌ کَلَّا! وَلَا یُرْجٰی بِغَیْرٍ نَائِلٌ

(کسی بھی پانے والے نے آپ کے علاوہ کسی سے بھی معمولی نعمت نہیں پائی۔ یہ امر بالکل یقینی ہے کہ سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی سے بھی بخشش کی توقع نہیں کی جاسکتی۔)

مِنْہُ الرَّجَاءُ مِنْہُ الْعَطَاءُ مِنْہُ الْمَدَدُ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاُخْرٰی لِلْاَبَدْ

(آپ ہی سے امید ہے، آپ کی طرف سے ہی جود و عطا ہے اور آپ کی ہی جانب سے دین و دنیا میں اور لا انتہا اُخروی زندگی میں مدد و اعانت ہے کیونکہ آپ زُبدۂ کائنات خیر البشر، افضل الرسل، ساقیِ کوثر اور شافعِ محشر ہیں۔)

قصیدہ "آمال الابرار و آلام الاشرار" کے چند ابتدائی اور آخری اشعار

ھِیَ الدُّنْیَا تُبِیْدُ وَلَا تُفِیْدُ فَاُفٍّ لِّمَنْ یُّرِیْدُ وَمَنْ یَّرُوْدُ (۵)

(یہ دنیا ہی ہے جو ہلاک کرتی ہے اور فائدہ نہیں پہنچاتی ہے لہذا اُس شخص پر افسوس ہے جو دنیا کا ارادہ کرے اور اس کو تلاش کرے۔)

نُفُوْسُ الْجَھْلِ تَائِقَۃٌ اِلَیْھَا فَمُلْتَمِسٌ وَاٰخَرُ مُسْتَزِیْدُ

(نادان لوگ دنیا کے شائق اور آرزومند ہوا کرتے ہیں تو ایک اسے ڈھونڈ رہا ہے اور دوسرا زیادتی کی فکر میں لگا ہوا ہے۔)

وَلَمْ اَرَ مِثْلَ طَالِبِھَا غَبِیًّا وَلَا کَبْشًا لِمَذْبَحِہٖ اَتُوْدُ

(میں نے طالبِ دنیا کی طرح کوئی بے وقوف نہیں دیکھا یہانتک کہ وہ بے عقل مینڈھا بھی نہیں کہ جسے میں مذبح کی طرف کھینچوں)

یُبَادِیْ جُھْدَہٗ وَاِنِ اسْتَطَاعَ تَفَلَّتَ وَھُوَ عَنْ کَلْئٍ شَرُوْدُ

(وہ بھی امکان بھر چلنے میں ضد کرے گا اور اسے موقع ملے تو ایک بھاگے کہ میں اسے گھاس دکھا رہا ہوں اور وہ پاس نہ آئے۔)

وَذَا الْمِسْکِیْنُ یَعْدُوْ نَحْوَ مَوْتِہٖ بِاَرْجُلِہٖ وَیَحْقِدُ مَنْ یَّحِیْدُ

(اور یہ بیچارہ بے وقوف خود اپنے پاؤں سے اپنی موت کی طرف دوڑ رہا ہے اور جو اسے خیر خواہی کرتے ہوئے روکے اُس کا دشمن ہوجاتا ہے۔)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ مُؤْتَفِکَاتِ قَوْمٍ ھَوَتْ لِیَھْوَیْ فَاَھْوَاھَا الثَّمُوْدُ (۶)

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ایک قوم (یعنی قوم لوط علیہ السلام) کی بستیاں الٹ دی گئیں کیونکہ قوم باطل خواہش کی طرف مائل ہوئی اور اُن کے لہو و لعب نے اُن کو تباہ کردیا۔)

---

(۱) حدائق بخشش حصہ سوم: ۹۰

(۲) ایضاً: ۹۳

(۳) ایضاً: ۹۳

(۴) ایضاً: ۹۳-۹۴

(۵) آمال الابرار و آلام الاشرار: ۲

(۶) ایضاً: ۲۱

اُمُسْلِمُ! عُذْ بِوَجْهِ اللّٰهِ مِنْهُمْ فَاِنَّ مَعَاذَہُ الرُّکْنُ الشَّدِیْدُ

(اے مسلم! شریروں کے شر سے اللہ عزّ وجلّ کی پناہ میں آ کیونکہ اسی کی پناہ نہایت مضبوط سہارا اور محکم ستون ہے۔)

وَلُذْ بِرَسُوْلِہٖ فَلِیَاذُہُ الْحَقُّ وَعَاھَدَہٗ مِنَ اللّٰہِ الْعُھُوْدُ (۱)

(اور اللہ کے رسول کی پناہ لے کیونکہ ان کی پناہ حق و درست ہے اور اُن کی پناہ سے اللہ کے وعدے مربوط اور وابستہ ہیں۔)

علی المولٰی مِنَ الْاَعْلٰی صَلٰوۃٌ تَفِیْضُ فَتَسْتَفِیْضُ بِھَا الْعَبِیْدُ

(ہمارے آقا سرورِ کون و مکان پر ربِّ اعلیٰ کی ایسی رحمت کا فیضان ہو کہ جس سے ہم سب اُن کے غلام فیضیاب ہوں۔)

عَلَی الْوَالِیْ مِنَ الْعَالِیْ سَلَامٌ یَجُوْدُ فَیَجْتَدِیْ مِنْہُ الْعُبُوْدُ

(ہمارے والی و حاکم پر اللہ تعالیٰ سلامتی کی بخشش فرمائے اور اُن کے سب غلام اُس بخشش سے مستفید ہوں۔)

صَلٰوۃٌ لَاتُحَدُّ وَلَاتُعَدُّ لَاتَفْنیٰ وَاِنْ فَنِیَتْ اَبُوْدُ

(آپ پر خدا کی ایسی رحمت نازل ہو جو بے حد و حساب ہو، جو احاطۂ عدد سے خارج ہو اور جو منقطع نہ ہو اگرچہ طویل زمانے فنا ہو جائیں۔

سَلَامٌ لَایُمَنُّ وَلَایُمَانٰی وَلَایَبْلٰی مَتٰی بَلِیَتْ عُھُوْدُ

(آپ پر ختم نہ ہونے والا اور مؤخر نہ ہونے والا اخلاص کا سلام ہو اور جب زمانے پرانے ہوں تو اُس میں کہنہ پن نہ پایا جائے۔)

رسولَ اللّٰہ! اَنْتَ لَنَا الرَّجَاءُ وَفَضْلُکَ وَاسِعٌ وَجَدَاکَ جُوْدُ

(اللہ کے رسول! آپ ہماری امیدوں کا مرکز ہیں۔ آپ کا فضل و کرم وسیع ہے اور آپ کی سخاوت حقیقی سخاوت ہے۔)

حَبِیْبُ اللّٰہِ مَنْ تَقْرُبْہُ حِفْظًا فَکُلُّ کَرِیْھَۃٍ عَنْہُ بَعِیْدُ

(جس شخص کی حفاظت کے لئے اللہ کے حبیب اس سے نزدیک ہوں تو اس سے ہر مصیبت دور ہے اور وہ عافیت میں ہے۔)

فرقۂ وہابیہ کی تردید کرتے ہوئے "انوارِ ساطعہ" پر بطور تقریظ یہ اشعار لکھے۔

وَلَا اَدْرِیْ وَسَوْفَ اَخَالُ اَدْرِیْ: اَقَوْمٌ اٰلُ نَجْدٍ اَمْ نِسَاءُ؟ (۲)

(سردست مجھے علم نہیں ہے، البتہ امید ہے کہ کچھ دیر بعد مجھے حقیقتِ حال معلوم ہو جائے گی کہ میرے مخالفین نجدیوں کی اولاد ہیں یا عورتیں۔)

فَمَنْ فِیْ کَفِّہٖ مِنْھُمْ خِضَابٌ کَمَنْ فِیْ کَفِّہٖ مِنْھُمْ لِوَاءُ

(لوگوں میں سے جس کے ہاتھ میں مہندی لگی ہو تو کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس کے ہاتھ میں جنگ کا جھنڈا بلند ہو۔)

فَمَا فِیْھِمْ رَشِیْدُ الصِّدْقِ اِلَّا وَاِنْ تُمْعِنْ فَرُشْدُھُمْ ھَبَاءُ

(میرے اعدا میں سے کوئی بھی حق و صداقت میں کامیاب نہیں ہوا بلکہ اگر تم غور سے دیکھو تو ان کی ہدایت اُس خس و خاشاک کی مانند ہے جس کے ذرّات صرف آفتاب کی کرنوں میں دکھائی دیتے ہیں)

فَمَا مُغْنٍیْ تُحَاوِرُھُمْ وَلٰکِنْ عَسَی الْحَنَّانُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ

(آپ نے راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں سے تمام مطالب پر گفتگو کر لی ہے لیکن ہدایت خدا کی مشیت میں ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے۔ اور اپنی عنایت سے جسے چاہتا ہے راہِ راست پر گامزن کر دیتا ہے۔)

ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب سے مجھے فاضل بریلوی کی ایک تصنیف دستیاب ہوئی۔ اس کا تاریخی نام "سُبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" ہے۔ اس سے ۱۳۰۷ھ کے اعداد نکلتے ہیں۔ میرے سامنے اس کا تیسرا اڈیشن ہے جو مطبع اہلسنت وجماعت بریلی سے چھپا ہے۔ اسے دیکھکر اندازہ ہوا کہ ممدوح کے بعض عربی اشعار اُن کی تصانیف میں بھی ملتے ہیں۔ اگر اُن کا استقصا کیا جائے تو خاصے شعر جمع ہو جائیں اِس تصنیف میں فرقۂ وہابیہ کا اپنے آپ کو 'موحّد' کہنے کا راز و منشا بتاتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں: معتزلہ نے تعدّدِ قدما سے بچنے کے لئے نفیِ صفات کی اور اپنا نام اصحاب التوحید رکھا۔ ٹھیک اِسی طرح طائفۂ جدیدہ نے اِشتراکِ لفظِ وجوب سے بھاگنے کے لئے نفیِ اقتضائے ذات کی اور اپنا نام 'موحّد' تراشا۔ اِس بارے میں میرا قول ہے:

خَسِرَ الَّذِیْنَ بِالْاِعْتِزَا لِ وَبِالتَّوَھُّبِ جَاؤُا (۳)

(جن لوگوں نے قدیم زمانے میں اعتزال کو اور کچھ عرصے سے وہابیت کو اختیار کیا، ناکام و نامراد ہوئے۔)

ذَا اَھْلُ تَوْحِیْدٍ وَذَا لَکَ مُوَحِّدٌ عُوَاءُ

(فرقۂ معتزلہ نے اپنے آپ کو اہلِ توحید، (اصحابِ توحید) کے نام سے مشہور کیا اور وہابیوں کی جماعت نے موحّد کے لقب سے اپنے آپ کو موسوم کیا۔ دونوں ہی گمراہ، حق سے محروم اور ہلاک ہونے والے ہیں۔)

نَعَمِ الْقُلُوْبُ تَشَابَھَتْ فَتَنَاسَبَ الْاَعْضَاءُ

(چونکہ دونوں جماعتوں کے قلوب یکساں ہیں، اسلئے ان کے اعضاءِ بدن میں بھی بہت زیادہ مناسبت ہے)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ معتزلہ نے اُس قدیم العدل پر تہمتِ ظلم رکھی اور وہابیوں نے اُس واجب الصدق پر افترائے کذب اٹھایا۔ میرا قول ہے:

ھُمْ اٰمَنُوْا ظُلْمًا بِظُلْمِ مَلِیْکِھِمْ ذَا قَائِلٌ کِذْبًا بِکِذْبِ اِلٰھِہٖ (۴)

---

(۱) آمال الابرار و آلام الاشرار: ۲۱، ۲۲۔

(۲) انوارِ ساطعہ بحوالہ حدائق بخشش حصہ سوم: ۹۰

(۳) سبحٰن السبوح: ۵۷ (۴) سبحٰن السبوح: ۶۹

(معتزلی لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہوئے اپنے حقیقی مالک کے ظالم ہونے پر ایمان لائے اسی طرح وہابیوں نے دروغ گوئی کرتے ہوئے اپنے معبود کے کاذب ہونے کا قول کیا)

لاغرو فیہ اذا القلوب تشابہت فالشبہ نزاع الی اشباہہ

(یہ بات کہ ایک جماعت نے ایک خلافِ عقل صفت اللہ کے لئے تسلیم کی اور دوسری جماعت نے باری تعالیٰ میں دوسرے نقص کا اذعان کیا تو اس میں نہ حیرت ہے اور نہ کوئی مضائقہ کیونکہ دونوں جماعتوں کے قلوب میں یکسانیت ہے اور یہ فطری قانون ہے کہ کوئی چیز اپنی ہی جیسی مشابہ چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے) اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ امام و مقتدی سب کے سب نہ ایک دو کفر بلکہ صدہا کفر اور سراپا کفر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ میں قائل ہوں:

تکفر فوق کفر فوق کفر کأن الکفر من کثر دوفس (1)

(کفر میں اضافہ در اضافہ اور زیادتی پر زیادتی ہے گویا کہ کفر اپنی کثرت کی انتہا پر پہنچ چکا ہے۔)

کما را من فتن دفر تتابع قطرہ من ثقب کفر

(جس طرح کہ بدبودار پانی بہت زیادہ گندی و بدبودار جگہ میں ہو اور پہاڑ کی گھاٹی کے سوراخ سے گندے قطرات کا برابر اضافہ ہو رہا ہو۔)

مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے والد ماجد حکیم محمود خاں صاحب دہلوی کی وفات حسرت آیات پر قدیمی تعلق کی وجہ سے حسب ذیل تین شعر کہے تھے جو اس وقت بھی اس پتھر پر کندہ ہیں جو حکیم صاحب کی قبر کے سرہانے لگا ہوا ہے:

بکت العیون أما ترید جمودا ابکت شریفا صادقا محمودا (2)

(آنکھوں نے آنسو بہائے، کیا آنکھوں نے اشک ریزی سے نہ ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ کیا آنکھیں شریف، صادق اور محمود پر گریاں ہیں؟ حکیم صاحب کے جد امجد اور والد بزرگوار کے اسما بالترتیب حکیم محمد شریف خاں اور حکیم صادق علی خاں تھے۔ تینوں کی رعایت کو ترتیب کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے۔)

أسفت لفقد الطب عفو قوامہ فاضت وہل باسا تحس فقیدا

(آنکھیں غمگین ہیں کیونکہ طب نے اپنے مایۂ صحت کا سہارا کھو دیا ہے۔ آنکھوں سے اشک رواں ہیں۔ کیا ہم سے رحلت اختیار کر کے مفقود ہو جانے والے پر آنکھوں کو کسی عذاب کے خطرے کا احساس ہے؟)

أملت علی متواہ یوم معادہ قبر الذی فی الطب مات حمیدا

(حکیم صاحب کی وفات کے وقت آنکھوں نے ان کے مرقد پر بزبانِ حال تحریر کرایا: یہ اس شخص کی قبر ہے جس نے فنِ طب میں نیک نامی کی زندگی گذاری اور انتقال کے بعد قابلِ ستائش قرار پایا۔)

شاہ سید آلِ رسول احمد مارہروی کی وفات پر کہے ہوئے اشعار میں سے دو شعر

ولی طاہر بر امام وصول طیب بدر امیر (3)

(شاہ صاحب اللہ کے دوست، معاصی کی گندگی سے پاک، نیک سیرت، مخلوق کے پیشوا، ملنسار، پاکیزہ، ماہِ کامل اور حاکم و امیر تھے۔)

وحید طائع بحر امان ودود طائب بدل اجیر

(موصوف اپنی حیثیات میں منفرد، خدا کے فرمانبردار، امن و امان کے بحرِ بیکراں، محب و عاشق، نیک دل و نیک صفات، سخی و صالح اور صدقہ و خیرات کرنے والے تھے)

آپ نے اپنے دوست محمد اسماعیل قادری نقشبندی شاذلی کی وفات پر مرثیہ لکھا تھا۔ مرثیہ ہٰذا کے چند اشعار ہیں۔

بلی لیل ذی ہم طویل وسیما ہموم علی اہل المآتم جلت (4)

(اگر میرے خیرخواہ رفیق کے انتقال کی وجہ سے مجھ پر غم کی رات طویل ہو گئی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیوں کہ شدید رنج و الم میں مبتلا شخص کی رات طویل ہی ہوا کرتی ہے اور خاص طور سے ویرانوں اور بیابانوں کے رہنے والوں کے مصائب عظیم تر ہوا کرتے ہیں۔)

الا کل رزء فی دنیاک منتہ وکل محاق مسفر عن اہلتہ

(اے ممدوح! آپ کی ذاتِ گرامی ایسی تھی کہ آپ سے نزدیک ہونے پر ہر تکلیف ختم ہو جاتی تھی۔ اللہ کا یہ مقررہ قانون ہے کہ مہینے کی آخری تین راتوں میں چاند دکھائی نہیں دیتا مگر وہ پہلی تاریخ کو ہلال بن کر جلوہ گر ہوتا ہے اور ماہِ تاباں بنتا ہے۔ اسی طرح آپ کے پاس کوئی مغموم پہنچا تو مسرور ہو کر واپس ہوتا تھا۔

شمال عبید اللہ جلت جلیلۃ وشملیل اسماعیل بالتلو ملت

(عبید اللہ کا بایاں ہاتھ نہایت عظیم الشان تھا۔ دائیں ہاتھ کی عظمت کا تو کوئی ٹھکانا نہیں یعنی خیر و صلاح، ہدایت و ارشاد اور علم و عمل میں بلند پایہ تھے۔ مرحوم اسماعیل کا بایاں ہاتھ عبید اللہ کے پیچھے دوسرے نمبر پر تھا یعنی اسماعیل اپنی عظمت در نعت عادات و خصائل اور اعمال وغیرہ میں عبید اللہ سے انتہائی قریب تھے۔)

قضی نحبہ قوم نحب ومنتظر نرجی ونخشی من شرور اظلت

(دنیا سے وہ قوم رختِ سفر باندھ چکی کہ جس سے ہمیں قلبی محبت تھی۔ راہ حق پر گامزن ہونے کی وجہ سے ہم مصلح جماعت کے منتظر رہتے، ان سے اپنی امیدیں وابستہ کرتے

---

(1) سجن السبوح: ۱۲۸

(2) اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر: ۴۶

(3) حدائق بخشش حصہ سوم: ۹۸

(4) مواقع النجوم: ۱۵۶ — ۱۶۰

اور سایہ فگن ہوجانے والے مصائب سے ہم خائف رہا کرتے۔)

وَذَاخَيْرُ مَا نَرْجُوْهُ اَنْ كَانَ وُدُّنَا لِخَالِصِ دِيْنِ اللهِ مِنْ دُوْنِ عِلَّـةٍ

(تمام متوقع امور میں سب سے بہتر یہی ہے کہ ہماری باہمی الفت ومودت اللہ جل جلالہ، کے خالص دین کے لئے ہو اور اس میں کسی بھی خرابی کا شائبہ نہ پایا جائے۔)

قَضَى اللهُ فِي جَنَّاتِهِ جَمْعَ شَمْلِنَا وَبَوَّاَنَا فِي رَوْضَةٍ مُخْضَئِلَّـةٍ

(خدائے برتر نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ ہم اہل حق کے گروہ کو اپنی جنتوں میں جمع کرے اور سرسبز باغات میں ہماری قیام گاہ بنائے۔)

حَبَا اللهُ اِسْمٰعِيْلَ فَضْلاً وَرَحْمَةً وَاَكْرَمَ مَثْوَاهُ بِمَنْزِلِ خُلَّـةٍ

(اللہ تعالیٰ اسماعیل کو فضل ورحمت سے، اور ان کی فرودگاہ کو دوستی کے اعلیٰ مرتبے سے نوازے یعنی جوار رحمت میں اپنے قرب سے نوازے۔)

فَلَمْ يَكُ فِيْمَا جَارَنَا يَغْتَدِي وَلَا يَرُوْحُ فِي خَلَّةٍ اَيِّ خَلَّـةٍ

(ہمارے پاس اسماعیل مرحوم کا صبح وشام آمد کسی معمولی سی بھی حاجت کے لئے نہیں تھی یعنی وہ مستغنی اور بے نیاز تھے اور خود وہ لوگوں کی ہر طرح حاجت روائی کرتے تھے۔)

صِيَانَةِ دِيْنٍ اَوْ اِهَانَةِ بِدْعَةٍ اِبَانَةِ حَقٍّ اَوْ اِعَانَةِ خَلَّـةٍ

(دین اسلام کی حفاظت یا کسی بھی بدعت کی اہانت، حق کا اظہار یا محتاجوں کی اعانت اسماعیل مرحوم کی خصوصیات تھیں۔)

نَوَالِ مُرِيْدٍ اَوْ نَكَالِ مَرِيْدَةٍ نَزَالِ مُزِيْلٍ اَوْ نِضَالِ مُضِلَّـةٍ

(اسماعیل مرحوم کی مزید خصوصیات ارادتمندوں کی فلاح وبہبود، شریروں کی سرکوبی راہ حق سے پھر جانے والوں کی اصلاح اور گم کردہ راہوں کی معرکہ آرائی میں سبقت وپیشقدمی ہیں۔)

يُحِبُّ تَصَانِيْفِي لِنُصْرَتِهَا الْهُدٰى يَرٰى مِنْ كَلَامِي جُمْلَةً بِمَجَلَّةٍ

(چونکہ میری تصانیف ہدایت کے لئے معین ومددگار ہیں، اسلئے اسماعیل مرحوم کو میری تصانیف بے حد محبوب تھیں اور میرے طویل کلام کے ایک ایک جملے کو ایک ایک رسالہ سمجھتے تھے)

مَضٰى وَهُوَ تَوَّاقٌ اِلَى الْاَمْنِ وَالْعُلٰى فَنَالَ الْعُلٰى وَالْاَمْنَ فِيْمَا مَحَلَّـةٍ

(اسماعیل مرحوم نے امن وبلندی کے اشتیاق میں عالم آخرت کا سفر اختیار کیا لہٰذا وہ اپنے اترنے کی جگہ پر بلندی وامن سے بہرہ ور ہوئے۔)

فَغَسَّلَهُ صَوْبُ الصَّوَابِ بِهَلَّةٍ وَكَفَّنَهُ ثَوْبُ الثَّوَابِ بِحُلَّـةٍ

(پھر اسماعیل مرحوم کو حق کی بارش نے بارش سے غسل دیا اور ثواب کے جامے نے بہترین لباس میں انہیں کفن پہنایا۔)

يُنَمِّقُ فِي تَارِيْخِ رِحْلَتِهِ الرِّضَا: سَحَائِبُ مُبِيْحِ السَّفْحِ مَثْوَاكَ بَلَّتِ

(اسماعیل مرحوم کی وفات پر رضا ایک حسین تاریخ وفات کہہ رہا ہے: دامن کوہ میں برسنے والے پانی سے لبریز بادل آپ کی قیام گاہ کو ترکریں یعنی آپ ہر قسم کی مسرت سے ہمکنار ہوں۔)

وَقَتْكَ مَرَاقِي اللُّطْفِ كُلَّ كَرِيْهَةٍ سَقَتْكَ سَوَاقِي الرَّافِ اَرْجَ طَلَّـةٍ

(اللہ عزّ اسمہٗ ۱۳۱۲ کے الطاف وعنایات اسماعیل مرحوم کو ہر اذیت سے محفوظ رکھیں اور اس کے کرم کا دریا الٰہی بارش سے ترکیے ہوئے معطر مرقد کو سیراب کرے یعنی فرحت وانبساط سے لطف اندوز ہوں۔)

اِلَيْكَ اِلٰهِي بِالْحَبِيْبِ تَوَسُّلِي بِهٖ فَاغْفِرِ اللّٰهُمَّ ذَنْبِي وَزَلَّتِي

(اے معبود برحق! آپ کی بارگاہ میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وسیلہ اور شفیع بناتے ہوئے استدعا ہے کہ میرے گناہوں اور لغزشوں کی مغفرت فرما دیجئے۔)

میاں صاحب کی تصنیف "سراج العوارف" پر تحریر کردہ تقریظ کے چند شعر

اَيَا سَيِّدِي يَا ابْنَ عِزٍّ غَطَارِفٍ وَيَا اَحْمَدَ النُّوْرِ نُوْرُ الْاَعَارِفِ (۱)

(اے میرے سردار، اے معزز سرداروں کے بیٹے اور اے احمد جو خود بھی نور ہے، اور مشہور ومعروف اکابر کا نور ہے یعنی نور کو وراثت میں بھی پایا ہے۔)

كَلَامُكَ نُوْرٌ بَهَارِ السَّلَاسِلِ وَشَهْدٌ مُصَفًّى عَنِ الزَّيْغِ صَارِفٌ

(آپ کا کلام کتاب کی سطروں کی آب وتاب کا نور ہے، خالص وصاف شہد ہے اور کج روی سے حق کی طرف پھیر دینے والا ہے۔)

وَتَحْقِيْقُ تَرْوِيْحِ كَشْفِ الْقُلُوْبِ دَلِيْلُ الْيَقِيْنِ سِرَاجُ الْعَوَارِفِ

(آپ کی تصنیف افسردہ قلوب کے رنج وغم کے سکون وآرام کا تحقیقی سرمایہ، یقین کی دلیل اور علوم کی مشعل راہ ہے۔)

وَلَاغَرْوَ اِنْ جَاءَ مِنْكَ سِرَاجٌ فَاِنَّكَ نُوْرِيٌّ نَادِي الْمَعَارِفِ

(اگر آپ نے "سراج العوارف" نامی کتاب تصنیف کرکے شمع روشن کردی ہے تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کیونکہ آپ علوم کی مجلس میں نور پھیلانے والے ہیں)

اَرَانَا سِرَاجُكَ بِاللَّيْلِ شَمْسًا وَشَمْسٌ بِلَيْلٍ عَجِيْبٌ وَطَارِفٌ

(آپ کی تصنیف "سراج العوارف" نے ہمیں رات میں آفتاب دکھایا اور رات میں آفتاب کا وجود عجیب وغریب امر ہے۔)

فَهَلْ مِثْلُهُ فِي تَلِيْدٍ وَطَارِفٍ وَاَيْنَ فَاَيْنَ تَرَاهُ الطَّوَارِفُ

(کیا قدیم اور جدید زمانے میں "سراج العوارف" جیسی کوئی تصنیف ہے؟ اور ایسی تصنیف کہاں ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ تو اس جیسی کتاب آنکھیں کہاں دیکھ سکتی ہیں؟)

---

(۱) سراج العوارف: ۱۲۳ و ۱۲۴

مولانا محمد عمر حیدرآبادی کے قطعۂ وفات کے سات شعر

اَلَاسَقَی اللّٰہُ قَبْرًا صَوْبَ غَادِیَۃٍ ؛ وَجَادَ بِالْجَوْدِ جُوْدًا وَھُوَ ھَمَّارٌ [1]

(اللہ عمّ نوالہٗ مرحوم کی قبر کو صبح کے ابر کی بارش سے سیراب فرمائے اور اپنے فیض کی تیز بارش سے خوب شاداب فرمائے کیونکہ مرحوم بھی بہت داد و دہش کرنے والے تھے۔)

قَبْرًا ثَوٰی بِثَوَابِ اللّٰہِ فِیْہِ عُمَرُ ؛ مَعْمُوْرٌ بِنُوْرِ الْھُدٰی لِلدِّیْنِ عَمَّارٌ

(وہ قبر جس میں اللہ کے عطا کردہ اجرِ عظیم کے ساتھ متوفی عمر مدفون ہیں، وہ ہدایت کے نور سے معمور و آباد ہے اور دین کے لئے صاحبِ وقار ہے۔)

عَبْدٌ بِغَوْثِ الْبَرَایَا سَیِّدٌ سَنَدٌ ؛ بِالْغَوْثِ مُغْتَرِفٌ بِالْغَیْبِ مِدْرَارٌ

(مخلوق کی اعانت کی وجہ سے مرحوم مخلوق کے سردار اور سہارا تھے۔ وہ پے در پے مدد کرنے والے اور اپنی روشن ضمیری کے باعث بکثرت غیب کی باتیں بتانے والے تھے)

بِالُّطْفِ مُعْتَصِمٌ بِالتَّرَافِ مُبْتَسِمٌ ؛ بِالْعُرْفِ مُبْتَسِمٌ بِالْعَرْفِ مِعْطَارٌ

(مرحوم لطف و کرم پر سختی سے عمل کرنے والے، خندہ پیشانی کے ساتھ عنایت سے پیش آنے والے، بھلائی کر کے شاداں و فرحاں ہونے والے اور خوشبو سے مہکنے والے یا صبر میں بلند مرتبہ تھے۔)

عِلْمٌ وَحِلْمٌ وَسِلْمٌ فِی تُقًی وَنُقًی ؛ سَیَادَۃٌ مُسْوَدَدٌ وَفَضْلٌ وَاِیْثَارٌ

(مرحوم علم، حلم، صلح، تقویٰ، خلوص، سیادت، بزرگی، فضل اور ایثار کی خوبیوں کے مالک تھے۔)

حَمَاہُ عَنْ کُلِّ ضَیْرٍ مَنْ یُقَالُ لَہٗ ؛ حَامِی الْحَقِیْقَۃِ نَفَّاعٌ وَضَرَّارٌ

(ہر ضرر سے مرحوم کو وہ ذات پناہ میں رکھے جس کا خاصہ قابلِ حفاظت اشیاء کی حفاظت ہے اور وہ نفع و ضرر کا حقیقی مالک ہے یعنی خداوند عالم۔)

قَالَ الرِّضَا اَسِفًا فِی عَامِ فُرْقَتِہٖ ؛ مُحَمَّدٌ عُمَرُ الْفَارُوْقُ نَشْطَارٌ

(مرحوم کے سال وفات پر رضا غم کے ساتھ گویا ہوا [۱۳۲۰ھ]: محمد عمر صحیح و غلط میں تمیز کرنے والے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے والے منصف تھے۔)

---

(۱) تذکرہ علمائے اہل سنت: ۱۸۷

کی اردو فارسی شاعری

ڈاکٹر وحید اشرف ۔ ایم اے پی ایچ ڈی، بڑودہ یونیورسٹی

دنیائے اسلام میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں جنہوں نے اپنے علم و عقل اور بصیرت سے ساری دنیا کو مستفیض اور متحیر کیا ہے ابن سینا، عمر خیام، امام رازی، امام غزالی، البیرونی، فارابی، ابن رشد وغیرہ وہ شخصیتیں ہیں جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائے گا۔ ان میں کوئی فلسفہ و حکمت کا امام ہے کوئی ریاضی و ہئیت کا، کوئی فلسفۂ اخلاق کا اور کوئی فلسفۂ یونان کا۔ لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت سرزمین ہندوستان میں پیدا ہوئی اور موجودہ صدی ہی میں اس نے اس دنیا کو الوداع کہا۔ مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت ایسی پہلودار اور جامع علوم ہے کہ آپ کے کسی ایک پہلو پر سیر حاصل بحث کیلئے اس فن کا ماہر ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے یہ بات نہایت افسوس ناک ہے کہ آپ کی زیادہ تر تصنیف اب تک زیور طباعت سے محروم ہے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ شخصیت کا پورا مطالعہ ممکن نہیں۔

مولانا کے علمی کمالات کا جائزہ لینا ہمارے موضوع علم اور دائرۂ فکر سے بھی باہر ہے یہ وہ سمندر ہے جس کی وسعت و گہرائی کو ناپنے کے ہم اہل نہیں۔ وہ تو صرف چند موجیں ہیں جو ہماری نظروں کے سامنے ہیں اور صرف یہی موجیں کسی بحر ذخار کا پتہ دیتی ہیں۔

مذکورہ بالا چند سطور صرف اس لئے لکھی گئی ہیں کہ اس پس منظر کے بغیر مولانا کی شخصیت کے کسی پہلو کا بھی مطالعہ اس شخصیت کے بارے میں قاری کے دل و دماغ میں صحیح احساس نہ پیدا کر سکے گا اگرچہ المیزان کے اس شمارے میں مولانا احمد رضا کی زندگی ہی کے بارے میں ساری بحثیں ہیں تاہم یہاں ہم چند اور باتوں کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے اس خیال سے کہ مبادا دوسروں نے انہیں نظر انداز کر دیا ہو۔

مولانا احمد رضا کی زندگی کے بارے میں جہاں تک مجھے علم ہے وہ "الفقر فخری" کے پیرو تھے۔ وہ جب تک زندہ رہے دنیا سے بالکل بے نیاز رہے توکل کار مزا اور اس کی شان ان کی زندگی سے نمایاں تھی۔ وہ بیعت بھی لیتے تھے اور فتوح بھی پاتے تھے۔ لیکن یہ فتوحات عرب و عجم کے بہت سے حاجتمندوں کی حاجت روائی کا ذریعہ تھیں معاش ہو یا نہ ہو فکر معاش سے وہ آزاد تھے مگر اس طرح نہیں کہ جیسے عمر خیام یا بوعلی سینا یا البیرونی وغیرہ ان کی آزادی ان کے ایمان کا نتیجہ تھی۔ اور ان لوگوں کی آزادی فکر بادشاہوں کی مرہون منت ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔ لیکن پچھلے دور میں علماء کی قدر دانی کے سبب فائدہ یہ ہوا کہ بادشاہوں کے کتبخانے ان کے لئے وقف ہو گئے چھاپہ خانہ نہ ہونے کے باوجود کسی کتاب کی نقل حاصل کرنا ان کے لئے دشوار نہ تھا۔ سائنسی تجربات و مشاہدات کے لئے ان کے لئے دارالتجربہ (laboratory) اور اس کے تمام اسباب چشم زدن میں فراہم ہو جاتے تھے اس کے برعکس مولانا احمد رضا کے پاس کوئی (laboratory) تجربہ گاہ نہ تھی۔ کتابوں کا حاصل کرنا اس قدر آسان نہ تھا۔ یہاں تک کہ جن حالات میں انہوں نے گرانمایہ علمی کارنامے انجام دیئے اور جو کتابیں لکھیں وہ سب آج تک نہ چھپ سکیں ان میں سے صرف کچھ کتابیں چھپ سکی ہیں۔ حالانکہ ساری کتابیں خود انہیں کے زمانے میں شائع ہو جانا چاہئے تھیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے پاس وہ ذرائع آمدنی نہ تھے جن سے یہ کام انجام پاتا۔ ان حالات میں بھی لکھنے کا حوصلہ نہایت درجہ قابل داد ہے۔

بات میں بات نکل آتی ہے جن علماء اور عقلا کا نام ہم نے اوپر لیا ہے ان میں سے اکثر کسی ایک فن کے امام تھے لیکن مولانا کا حال یہ ہے کہ جس فن کی طرف نظر کی وہ اس کے تارنگاہ کا اسیر ہو کر رہ گیا جس علم کی طرف توجہ کی اسے کمال تک پہنچا دیا۔ جس بحر میں غوطہ لگایا تو اس کی پوری گہرائی تک پہونچ کر گوہر ہائے گوناگوں کتاب کے صفحات پر بکھیر دیئے جس چمن کی سیر کی اس میں اپنی بصیرت کے پھول کھلا دیئے اور در اصل علم کا اصلی معیار تصانیف میں تحقیق و بصیرت اور وہ قیاسات عقلیہ ہیں جن سے معقولات پر صحیح حکم لگایا جا سکے۔ لیکن مولانا ان علمی حدود سے گذر کر عقل کی اس منزل پر بھی نظر آتے ہیں جہاں مختلف دنیاوی علوم میں بھی وہ ایجادات و اختراعات کے نمونے پیش کرتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ نہ ان کے پاس کوئی تجربہ گاہ تھی اور نہ اس فن میں ان کا کوئی استاد اور نہ ہی ان کا مقصد حیات بلکہ اسے انہوں نے صرف بازیچہ طفلاں ہی سمجھا کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کا اصل مقصد شریعت و طریقت ہی کو قرار دے رکھا تھا۔ ایسے شخص کو اپنے وقت کا امام کہنا اس دور میں اس لفظ کی آبرو کو قائم رکھنا ہے۔

ایک ایسا شخص جس نے معقولات و منقولات کی اکثر اصناف میں اپنی بلندی فکر، جودت ذہن اور ندرت و جدت کا ثبوت دیا ہو اور جس کی تصانیف سینکڑوں کی تعداد میں پہونچتی ہوں اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ شاعری کے نازک فن سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہے عجائبات میں سے ہے۔ ایسی صرف ایک شخصیت اور نظر آتی ہے جس نے علوم معقولات میں زندگی گذار نے

کے باوجود شاعری کا ایک باکمال نمونہ چھوڑا ہے اگرچہ ضخامت کے اعتبار سے بہت ہی کم ہے اور وہ ہے عمر خیام جس کی رباعیاں فن اور فکر کا مکمل نمونہ ہیں لیکن امام احمد رضا کیحالات اوران کے علمی کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو ان کے مقابل عمر خیام کو نہیں لایا جا سکتا اور اس اصول کے پیش نظر کہ کوئی بھی صاحب فکر و نظر محقق اپنے تمام علمی سرمائے اور ذہنی صلاحیتوں کو کتاب کی قید میں نہیں لا سکتا تو امام احمد رضا کی تصانیف کے پیش نظر ان کی شخصیت پر رائے دیتے وقت عقل حیرت زدہ ہو کر رہ جاتی ہے

امام احمد رضا کی اردو اور فارسی شاعری حمد، مناجات، نعت اور منقبت پر مشتمل ہے اس میں ہیئت کے اعتبار سے غزل اور رباعی شامل ہیں۔ ان اشعار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر صنف سخن پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ اور شاعرانہ ذوق اور فکر و فن سے پوری طرح بہرہ ور تھے لیکن انہوں نے اپنی اس صلاحیت کو صرف اپنے پسندیدہ موضوعات تک محدود رکھا۔ اس میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ یہ توشہ ان کے لئے زاد آخرت اور سرمایہ نجات بن جائے

راقم الحروف تک ایک روایت پہونچی ہے کہ کسی نے امام احمد رضا سے کہا کہ نواب نانپارہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ دیں۔ وہ شعر و ادب کے بہت قدردان ہیں اور آپ کی بڑی عزت افزائی کریں گے۔ اس پر آپ نے ایک حسین و جمیل نعت لکھی اس واقعہ کی طرف مقطع میں بڑے بلیغ انداز سے اشارہ کیا ہے۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

نانپارہ کے تعلق سے لفظ پارۂ ناں میں جو لطف بیان ہے وہ محتاج وضاحت نہیں۔

امام احمد رضا کا مندرجہ ذیل قطعہ ان کی طبیعت، مزاج اور مشاغل پر پوری طرح چسپاں ہوتا ہے

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمی
منم و کنج خمولی کہ نگنجد دروی
جز من و چند کتابی و دوات و قلمی

نعت گوئی میں انہوں نے اپنے اصول و نظریہ کو جگہ جگہ بیان کیا ہے ذیل میں ایسی دو رباعیاں نقل کی جاتی ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محفوظ
بے جا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

توشے میں غم و اشک کا ساماں بس ہے + افغان دل زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو + نقش قدم حضرت حساں بس ہے

مولانا کا بیشتر کلام نعتیہ اشعار ہی پر مشتمل ہے اور بجا طور پر انہیں اردو کے ایک مستقل نعت گو شاعر کی حیثیت حاصل ہے اس لئے ہمارا موضوع سخن بھی اصولی طور پران کی اردو نعت گوئی ہی پر مرکوز رہے گا۔

عام طور پر مسلم ہے کہ نعت کا فن بہت مشکل فن ہے اس کے کئی وجوہ ہیں۔ نعت کے مضامین قرآن سے ماخوذ ہوتے ہیں انہیں مضامین کو جدت اسلوب کے ساتھ ادا کرنا ہے اور طرز ادا میں بھی جو آزادی دوسرے معشوقان مجازی کے ساتھ ہوتی ہے یہاں نہیں برتی جا سکتی۔ یہاں جنبش زدن کے لئے بھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا ہے اور شاعر جب تک پوری طرح آزاد نہ ہو اپنے فن کے کمال کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

اس کے علاوہ محض وصف نگاری شاعری نہیں۔ کوئی بھی صنف شاعری ہو اگر وہ داخلیت سے خالی نظر آئے تو وہ محض تک بندی ہوگی یا دوسرے لفظوں میں اسے کلام منظوم کہہ لیجئے۔۔ خارجی اور داخلی شاعری کی تقسیم دراصل موضوع کے اعتبار سے ہے ورنہ درحقیقت شاعر کی داخلیت کا مظہر ہوتا ہے خارجی موضوعات کے تحت اشعار کا مطالعہ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس میں شاعر کا ذاتی تاثر کس حد تک اور کس صداقت کے ساتھ شامل ہے یہی شاعری کی جان ہے اور شعر کا حسن اور اس کی تاثیر اسی پر مبنی ہے۔

نبی اکرم کے ساتھ عشق و محبت کا جذبہ ہر ایک مومن کے لئے سرمایۂ حیات ہے لیکن ایک نعت گو شاعر اس جذبہ کا اظہار اس آزادی کے ساتھ نہیں کر سکتا جو دوسرے موضوعات کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ شاعری میں تصوف کا میدان بہت وسیع ہے اور اس میں شاعرانہ ندرت اور جوش و جذبہ کے اظہار کے لئے لامتناہی امکانات ہیں ایک صوفی خدا کے ساتھ عشق کا دعویٰ کرتا ہے اور جب وہ سراپا عشق بن جاتا ہے تو کبھی وہ سبحان ما اعظم شانی کہتا ہے کبھی انا الحق اور کبھی اس سے یہ آواز آتی ہے کہ انا اس کلھم عبد طلعبی۔ اس طرح کے اقوال جو شطحیات میں شامل ہیں اور جو عالم سکر میں صوفیہ سے ظاہر ہوتے ہیں وہ صرف عشق الٰہی میں جائز ہیں لیکن یہ جواز بطور فتویٰ نہیں ہے کیونکہ صوفیہ یہ کلمات اپنے ارادہ و اختیار سے نہیں کہتے اور جب ارادہ و اختیار کو کوئی دخل نہ ہو تو جواز و عدم جواز کا کوئی سوال نہیں رہ جاتا۔ لیکن یہ اقوال صوفیہ کی خواہ کسی کیفیت کا مظہر ہوں، نبی اکرم کے حضور کبھی جائز نہیں ہو سکتے یہی وجہ ہے کہ وہ بایزید جن سے سبحان ما اعظم شانی کا قول منسوب ہے نبی اکرم کے حضور ان کی یہ کیفیت ہے کہ

نفس گم گشتہ می آید جنید و بایزید اینجا

اس بیان سے اس قول کا بھی مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

ہشیاری کے ساتھ جذبۂ عشق کا اظہار شاعری میں ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا ہے اسی لئے اکثر نعت گو شعراء کلام میں عشق و محبت کی وہ تاثیر نہ پیدا کر سکے جو صوفیہ اپنی متصوفانہ شاعری میں کرتے ہیں۔ اردو اور فارسی نعتیہ شاعری میں علامہ اقبال بالکل منفرد اور مستثنیٰ مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ اسلامی فلسفۂ حیات کی ترجمانی کی ہے لیکن اس فلسفۂ حیات کی اساس عشق ہے۔ اور ان کا یہ عشق بھی جمال محمدی کا مرہون منت ہے اس لئے درحقیقت علامہ اقبال کا وہ جذبۂ عشق ہی ہے جس سے ان کے فکر کو جلا ملتی ہے اور

یعوان کی شاعری کی روح ہے۔ ذیل کے اشعار سے رسول اکرم کے ساتھ ان کے والہانہ عشق کا اندازہ ہوتا ہے۔

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است — ای خنک شہری کہ آنجا دلبر است
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست
ہر کہ عشق مصطفیٰ ساماں اوست — بحر و بر در گوشۂ داماں اوست

بس اتنی سی حقیقت ہے ہمارے دین و ایماں کی
کہ اس جانِ جہاں کا آدمی دیوانہ بن جائے
ترے ثناگو عروسِ رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روزِ محشر
کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھا دکھا کر

مذکورہ بالا اشعار میں اسلام کا فلسفۂ حیات مضمر ہے لیکن یہاں فلسفہ، فلسفہ نہیں رہ جاتا بلکہ عشقِ رسول کے جذبے میں ڈھل کر شعر کا پیکر اختیار کرتا ہے جس کے بغیر اقبال کی شاعری مجرّد فلسفہ ہو کر رہ جاتی ہے۔

ہم نے یہاں صرف اقبال کی مثال اس لئے دی ہے کہ وہ ایک مفکر شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ سراپا عاشقِ رسول بھی تھے اس لئے ان کے کلام سے ہمارے مذکورہ دعویٰ کی دلیل زیادہ واضح ہو سکتی ہے۔

نعت کے سلسلے میں بعض ناقدین نے مذکورہ بالا کلیہ سے ہٹ کر بعض دوسرے معیار مقرر کئے ہیں انہوں نے نعت کا معیار یہ مقرر کیا ہے کہ اس میں نبی اکرم کے صرف اخلاق کا ذکر ہو۔ اس سے بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اخلاق ہی کی خوبیاں دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اخلاق ہی سے شخصیت کی صحیح اور سچی تصویر نگاہوں کے سامنے ابھرتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کو ہم دنیا کی تمام قوموں کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان اچھے اوصاف کو ایک مسلمان شاعر اپنی عقیدت کے ساتھ پیش کر کے اس میں کسی حد تک تاثیر بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اور عقیدہ سے قطع نظر کوئی بھی حقیقت پسند شاعر ان اوصاف کو سچائی اور شاعرانہ حسن کے ساتھ بیان کر سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت کہ محاسن شعری اور تاثیر کے اعتبار سے یہ شاعری اس شاعری کی برابری نہیں کر سکتی جو ایک ایسے شاعر کے احساسات کا نتیجہ ہو جس کا دل عشق کی کیفیات سے آشنا ہو چکا ہو۔ نبی اکرم کے ساتھ عشق و محبت اور اس کے آداب خود قرآن سکھاتا ہے ان آداب کو اصول زندگی قرار دینے کے بعد قلب پر یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ الدین کلہ ادب۔ ان آداب کو اصول حیات قرار دینے کے بعد قلب کو عشق کی کیفیات کا تجربہ ہوتا ہے اسی لئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک مرشد کامل اپنے کسی شاگرد کو عشق مجازی کی تلقین کرتا ہے لیکن یہ صرف ایسے شخص کے لئے ہے جس کا دل درد کے لمس سے نا آشنا ہوتا ہے اور وہ اس درد کو بغیر ذاتی یا مادی تجربہ کے محسوس نہیں کر سکتا۔ جب اس کے دل کی سختی، نرمی سے بدل جاتی ہے اور وہ درد کی ٹیس اور اس کی کیفیت کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ تو اس کی یہ کیفیت تعلیمات کے ذریعہ عشق رسول اور عشق الٰہی کی طرف منتقل کی جاتی ہے لیکن یہ اصول عام نہیں ہے اور بغیر مرشد کامل کے خطرہ سے خالی نہیں۔ الغرض ایک عاشق شاعر کی عشقیہ شاعری محض وصف نگاری سے کہیں مشکل ہے بلکہ دونوں میں موازنہ کرنا ہی نادرست ہے اور جب کہ یہ معلوم ہے کہ نعت گوئی میں اس جذبۂ عشق کا اظہار تو نہایت نازک مقام اختیار کر لیتا ہے۔

دکنی زبان میں اردو شاعری کی ابتدا ہی سے نعت گو شعراء کی اچھی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ شمالی ہندوستان میں یوں تو سبھی شاعروں نے روایتی طور پر نعتیہ اشعار لکھے ہیں اور بعض شعراء نے خوب دادِ سخن دی ہے لیکن ایسے شعراء جنہوں نے صرف نعتیہ اشعار سے اپنے دیوان مرتب کئے ہوں دورِ متاخرین میں کم ہی نظر آتے ہیں البتہ جدید دور میں ان کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں جنہیں تفصیلی معلومات فراہم کرنا ہو وہ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی کتاب "اردو کی نعتیہ شاعری" ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بڑا اچھا ایک موضوع کا صرف آغاز ہے جس پر ابھی بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔

بعض ناقدین نے اردو نعت گوئی میں مولانا حالی کو سب پر فوقیت دی ہے لیکن اول تو مسدّس میں مولانا حالی کا موضوع نعت نہیں ہے بلکہ اس کے مسدّس کا موضوع قوم مسلم کا عروج و زوال ہے یہ قوم مسلم کا ایک مرثیہ ہے اور مولانا حالی نے موضوع کو جس طرح پھیلایا ہے اس کے لئے تسلسل بیان کو قائم رکھنے کے لئے کچھ نعتیہ اشعار بھی ضروری ہو گئے۔ موضوع کا تقاضا یہ تھا کہ یہاں رسول اکرم کے اخلاق اور آپ کے اخلاق کے تاریخی اثرات کا ذکر کیا جائے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ ایک خارجی شاعری ہے جس کو مولانا حالی کے جذبہ کی صداقت اور ان کے فن نے لازوال تاثیر بخش دی ہے مسدّس میں موضوع کے اعتبار سے مولانا حالی کی ایک بڑی مجبوری تھی اس لئے وہ رسول اکرم کے حضور اپنے جذبات کا پورا اظہار نہ کر سکے۔ انہیں تو اس وقت اپنی قوم اور دنیا کے سامنے آپ کے اخلاق اور کارناموں کا ذکر ہی مقصود تھا۔ وہ بھی اختصار کیساتھ کیونکہ مسدّس کے موضوع کا صرف یہ ایک جزو ہے۔ نعت میں مولانا حالی کے جذبہ کا اگر مشاہدہ کرنا ہو تو اس مناجات کو پڑھئے جس کا عنوان ہے "عرضِ حال بجناب سرورِ کائنات علیہا فضل الصلوات واکمل التحیات" اور جس کا مطلع ہے

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

اس میں بھی پہلے قوم مسلم کا مرثیہ ہے لیکن چند شعر میں حالی نے رسول اکرم کے متعلق اپنے قلبی احساسات کی ترجمانی کی ہے وہ یہ ہیں۔

ایماں جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے — وہ تیری محبت تری عترت کی ولا ہے
ہر چپقلش دہر مخالف میں ترا نام — ہتھیار جوانوں کا ہے پیروں کا عصا ہے
جو خاک ترے در پہ ہے جاروب سے اڑتی — وہ خاک ہمارے لئے داروئے شفا ہے
جو شہر ہوا تیری ولادت سے مشرّف — اب تک وہی قبلہ تری امت کا رہا ہے
جس ملک نے پائی تری ہجرت سے سعادت — کعبے سے کشش اسکی ہر اک دل میں سوا ہے

حیرت ہے کہ ناقدین نے حالی کے مندرجہ بالا اشعار کو کیوں نظرانداز کر رکھا حالانکہ انہیں اشعار سے رسول اکرم کے ساتھ حالی کی بے پناہ عقیدت ظاہر ہوتی ہے ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ حالی کے فکر و ضمیر اور قلب ذہن پہ عظمتِ رسول چھائی ہوئی ہے البتہ جس کے قلم سے ایسے اشعار نکلے ہوں اسی کے قلم سے یہ شعر زیب نہیں دیتا۔

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

نبی اور ایلچی ایک دوسرے کے مرادف نہیں اور یہاں نبی کو ایلچی کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی جب کہ یہاں قافیہ کی بھی تنگی نہ تھی اور یہاں مصرعہ میں بڑی آسانی سے بجائے ایلچی کے نبی کا لفظ لایا جا سکتا ہے۔

حالی نے نعت میں صرف چند اشعار لکھے ہیں اور اس کی بنا پر انہیں نعت گو شاعر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ شاید انہیں نعت گوئی کے لئے زیادہ فرصت بھی نہ تھی۔

اگر اردو شاعری میں تمام شعراء کی نعت گوئی کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو امام احمد رضا اس میدان میں بھی درجۂ امامت پر فائز نظر آئیں گے۔ امام احمد رضا اس میدان میں ہر جگہ سراپا عشق و نیاز نظر آتے ہیں۔ ان کی سرمستی میں بھی ہشیاری ہے۔ انہوں نے عشق رسول کے تمام آداب قرآن سے سیکھے ہیں جو کبھی جادۂ ادب سے انہیں سر مو منحرف نہیں ہونے دیتے۔ ان کا کلام عشق اور تاثیر میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔

گزشتہ سطور سے یہ بات واضح ہے کہ نعت میں تاثیر کیلئے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ شاعر کا قلب عشق رسول سے معمور ہو۔ عشق رسول ہی عشق الٰہی کا ذریعہ ہے عشق رسول کے بغیر طاعت و عبادت میں بھی حلاوت نہیں محسوس ہو سکتی۔ اس کے بغیر بندۂ عشق الٰہی سے بھی محروم رہتا ہے۔ بقول حسرت موہانی

کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت کے سوا
شغل بے کار ہیں سب ان کی محبت کے سوا

نعت گوئی میں معبود اور عبد کے فرق کا لحاظ رکھنا ضروری ہے رسول کی خواہ کتنی ہی تعریف و توصیف کی جائے لیکن اس کا مقام مقام عبدیت ہی ہے رسول اکرم کی عظمت کا راز یہ ہے کہ وہ عبدیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں اسی لئے آپ کو قرآن میں بھی عبدہٗ کے خطاب سے نوازا گیا ہے عبدیت کا یہ بلند ترین مقام آپ کو تمام مخلوقات میں افضل ترین اور بے مثل قرار دیتا ہے۔

تقدیر بیک ناقہ نشانید دو محمل
لیلای حدوث تو و عذرای قدم را (عرفی)

لیکن اس مقام عبدیت کے اظہار میں ایک عاشق کیلئے ضروری ہے کہ محبوب کی محبوبیت میں فرق نہ آنے پائے بندہ، بندہ ہی رہے اور دامن ادب بھی ہاتھ سے نہ چھوٹے ایک سچا عاشق رسول اس جادۂ ادب پر ہمیشہ قائم رہے گا اور جس سے یہ چھوٹا تو یہ نہ صرف اس کے لذت عشق بلکہ ایمان سے بھی محروم ہونے کی دلیل ہے۔ اس نکتہ کو خواجہ حافظ شیرازی نے کتنے لطیف اور شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

صبحدم مرغ سحر با گل نو خاستہ گفت   ناز کم کن کہ دریں باغ بسی چون تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نرنجیم ولی   ہیچ عاشق سخن سخت بمعشوق نگفت ؎

امام احمد رضا کا جذبہ عشق انہیں ادب کے اس اصول سے سر مو منحرف نہیں ہونے دیتا ذیل کے اشعار میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار   روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے
اے شوق دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں   اچھا وہ سجدہ کیجئے سر کو خبر نہ ہو
وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے   وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں
بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر   جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا   خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

اس طرح کے بہت سے اشعار ہیں جہاں ذرا سی لغزش یا فروگذاشت سے قلم رسول کے مقام عبدیت سے متجاوز ہو سکتا تھا۔ اس نازک مقام سے گذر جانا امام احمد رضا کے جذبۂ عشق کے ساتھ دینی ذوق و شعور کی دلیل ہے۔ عشق دل کی ایک کیفیت ہے اس کیفیت کو الفاظ کا ایسا جامہ پہنانا کہ اسے قاری یا سامع زیادہ سے زیادہ محسوس کر سکے نہایت مشکل کام ہے اس مشکل سے وہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو مہارت فن کے ساتھ ایک سچے عاشق کا دل رکھتا ہو۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ کسی معشوق مجازی کے عشق میں گرفتار ہو کر ایک سنگ دل بھی اس کے تئیں موم ہو جاتا ہے لیکن رسول اکرم کی محبت میں دل گداختہ ہو جانا ایک مرد مومن کی شان ہے عشق کی یہ کیفیت اور مرد مومن کی یہ شان مولانا احمد رضا کی نعتوں سے جس قدر آشکارا نظر آتی ہے اردو شاعری میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے امام احمد رضا کا یہی وہ کمال ہے۔ جس پر اردو نعتیہ شاعری کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ کلام میں اس کیفیت کو محسوس کرنا ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے جسے ہر وہ شخص جو اردو ادب کا ذوق رکھتا ہو یقیناً محسوس کرے گا اور وہ دل جو ذوق کے ساتھ ایمان کی حلاوت بھی رکھتا ہو امام احمد رضا کے اشعار پر لوٹ پوٹ ہو جائے گا۔ آپ کا سارا کلام اس رنگ میں ڈوبا ہوا ہے بطور نمونہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لیکے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لیکے چلے

ذرّے جھڑ کر تری پیزاروں کے
تاج سر بنتے ہیں سیاروں کے

؎ مفہوم یہ ہے کہ صبح کی چڑیا نے گل نورس سے کہا کہ ناز نہ کر تمہارے جیسے بہت سے پھول کھلے اور ختم ہو گئے۔ پھول نے کہا کہ سچی بات سے تو تکلیف نہیں ہوتی لیکن یہ عاشق کا شیوہ نہیں کہ معشوق سے سختی کے انداز میں بات کہے۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بیتابیوں کی
ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو

واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پانی
یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو

بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت
جوشِ رحمت پہ یہاں نازِ گنہ کا دیکھو

ملتزم سے تو گلے لگ کے نکالے ارماں
ادب و شوق کا یاں باہم الجھنا دیکھو

رقصِ بسمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں
دلِ خونابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

غور سے سن تو رضاؔ کعبے سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

یاد میں جس کی نہیں ہوشِ تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہرِ فروزاں ہم کو

کاش آویزۂ قندیلِ مدینہ ہو یہ دل
جس کی سوزش نے کیا رشکِ چراغاں ہم کو

خوف ہے سمع خراشیِ سگِ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالہ و افغاں ہم کو

شمعِ طیبہ سے میں پروانہ رہوں کب تک دور
ہاں جلا دے شررِ آتشِ پنہاں ہم کو

جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینے کی بہار
نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو

اے رضاؔ وصفِ رخِ پاک سنانے کیلئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغِ غزل خواں ہم کو

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

حرماں نصیب ہوں تجھے امید گہ کہوں
جانِ مراد و کانِ تمنّا کہوں تجھے

گلزارِ قدس کا گلِ رنگیں ادا کہوں
درمانِ دردِ بلبلِ شیدا کہوں تجھے

صبحِ وطن پہ شامِ غریباں کو دوں شرف
بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے

اللہ رے تیرے جسمِ منوّر کی تابشیں
اے جانِ جاں میں جانِ تجلّا کہوں تجھے

بے داغ لالہ یا قمرِ بے کلف کہوں
بے خار گلبنِ چمن آرا کہوں تجھے

مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیعِ روزِ جزا کا کہوں تجھے

اس مردہ دل کو مژدہ حیاتِ ابد کا دوں
تاب و توانِ جانِ مسیحا کہوں تجھے

تیرے تو وصف عیبِ تناہی[1] سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

امام احمد رضا کے نعتیہ کلام میں اچھی خاصی تعداد ایسے اشعار کی ہے جس میں رنگِ تغزل بھی اپنی کیفیت آفرینی کے ساتھ جلوہ دکھاتا ہے۔ اس تغزل میں بھی دامنِ ادب ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ امام احمد رضا کا دماغ اگر مدوبرِ وین سے خراجِ تحسین وصول کرتا ہے تو ان

---

[1] یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تمام مخلوقات کے حیطۂ ادراک سے باہر ہیں۔

کے قلب پر باغِ ارم کی بہاریں بھی نثار ہیں امام احمد رضا کی یہ نعتیں اپنی شگفتگی اور رعنائی میں اپنی آپ مثال ہیں اور خود کلام ہی "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کا مصداق ہے۔ مثلاً

سرتابقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

دنداں و لب و زلف و رخِ شہ کے فدائی
ہیں درِّ عدن لعلِ یمن مشکِ ختن پھول

بو ہو کے نہاں ہو گئے تابِ رخِ شہ میں
لو بن گئے ہیں اب تو حسینوں کے دہن پھول

ہوں بارِ گنہ سے نہ خجل دوشِ عزیزاں
للہ مری نعش کر اے جانِ چمن پھول

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول

کیا بات رضاؔ اس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن پھول

وہ کمال حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سروِ چماں نہیں

امام احمد رضا کا لکھا ہوا معراج نامہ زبان و بیان کے اعتبار سے اردو زبان میں آپ اپنی مثال ہے۔ اردو میں معراج نامہ لکھنے کا رواج شروع سے رہا ہے لیکن یہ معراج نامہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے منظر نگاری، تغزل، جذبہ کا بہاؤ، حسن کی بارشیں عشق کی وارفتگی زمین سے آسمان تک شادی کی ہلچل اور انوار کا تلاطم، تشبیہات اور استعارے کی کشش، عظمتِ رسول کا اظہار، لفظوں کا انتخاب، بامحاورہ زبان ہندی لفظوں کا برمحل استعمال، تراکیب کی شگفتگی اور پرشکوہ انداز کے بجائے سادہ اور شیریں زبان و بیان نے پوری نظم کو ایک حسین مرقع میں ڈھال دیا ہے۔

ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے اردو شعراء میں بعض اساتذہ کے کلام کا مطالعہ کیا تھا اور ان کے تتبع میں انہوں نے اشعار بھی لکھے ہیں۔ غالبؔ کی ایک زمین میں انہوں نے چند نعتیں لکھی ہیں ان نعتوں میں وہی مدھم سوز، ٹھہراؤ اور لہجہ میں تمانت ہے جس میں غالبؔ کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ امام احمد رضا کا کلام پڑھ کر یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے شاعری محض اس لئے نہیں کی تاکہ ان پر "نصفِ عالم" کا الزام نہ لگ سکے اور نہ محض مشقِ سخن یا تفننِ طبع کے طور پر انہوں نے اشعار لکھے ہیں بلکہ شاعری کا ملکہ ان کو قدرت نے پوری طرح ودیعت کیا تھا۔ اور وہ فنِ شاعری میں فکر و شعور

کی پختگی کے حامل تھے۔ یہی نہیں بلکہ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا انہوں نے ہر صنف سخن میں داد سخن دی ہے غالب کی زمین میں جو چند نعتیں انھوں نے لکھی ہیں اس سے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفٰے کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں
جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لا اسے پیش جلوۂ زمزمہ رضا کہ یوں

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں — دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں — سوتے ہیں ان کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں
یاد حضور کی قسم غفلت عیش ہے ستم — خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں
جان ہے عشق مصطفٰے روز فزوں کرے خدا — جسکو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

یا تو یونہی تڑپ کے جائیں یا وہی دام سے چھڑائیں
منت غیر کیوں اٹھائیں کوئی ترس جتائے کیوں

امام احمد رضا کی قادر الکلامی کا اندازہ وہاں ہوتا ہے جہاں انہوں نے سنگلاخ زمین کو موم اور سخت ردیف کو پانی کیا ہے ایسی ردیفوں سے نعتیہ کلام میں عہدہ برآ ہونا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً

رونق بزم جہاں ہیں عاشقانہ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ الخ

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں الخ

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ الخ

ایک نعت میں قافیہ کی دشواری کے باوجود لہجہ کی متانت اور مدھم سوز دل کی اضطراری کیفیت اور عشق کا والہانہ انداز اور منفرد اسلوب ملاحظہ کیجئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قافیہ خود بخود بندھا چلا آرہا ہے۔

نہ آسماں کو یوں سر کشیدہ ہونا تھا — حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا
اگر گلوں کو خزاں نا رسیدہ ہونا تھا — کنار خار مدینہ دمیدہ ہونا تھا
حضور ان کے خلاف ادب تھی بیتابی — مری امید تجھے آرمیدہ ہونا تھا
کنار خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں — دل حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا
ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو — سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا
ٹپکتا رنگ جنوں عشق شہ میں ہر گل سے — رگ بہار کو نشتر رسیدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز — کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا
گزرتے جان سے اک شور یا حبیب کیساتھ — فغاں کو نالۂ حلق بریدہ ہونا تھا

رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہ حبیب
تو پیارے قید خودی سے رہیدہ ہونا تھا

امام احمد رضا نے ایک نعت میں عجیب جدت طرازی کا مظاہرہ کیا ہے اس میں التزام یہ رکھا ہے کہ ہر مصرعے کے دو ٹکڑے ہوں اور ہر شعر کے چار ٹکڑے ہوں چاروں ٹکڑے چار زبانوں میں ہیں عربی، فارسی اردو اور ہندی۔ مختلف زبانوں کے باوجود بحر کی ترنم ریزی، قافیہ اور ردیف کی پرکشش جھنکار، ہندی زبان کی آمیزش سے مدھر اور میٹھا لب و لہجہ اور پوری نظم کا صوتی اور معنوی رنگ و آہنگ قابل دید و شنید ہے مختلف زبانوں پر قدرت رکھنے کے ساتھ لفظوں کا انتخاب اور پھر ان مختلف اجزاء کو ایک متناسب اور مترنم سانچے میں ڈھال دینا امام احمد رضا کی ذہنی جودت و جدت کا مظہر ہے۔ اس طرح کی مثال امیر خسرو کے یہاں ملتی ہے لیکن جو التزام امام احمد رضا کی نعت میں ملتا ہے وہ وہاں بھی نہیں ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نشد پیدا جانا — جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علا والموج طغیٰ من بیکس و طوفاں ہوش ربا — منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

یا شمس نظرت الیٰ لیلی چو بطیبہ رسی عرضی بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
انا فی عطش وسخاک اتم ای گیسوی پاک ای ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
یا قافلتی زیدی اجلک رحمی بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا
واہا لسویعات ذہبت آں عہد حضور بارگہت
جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینہ کا جانا
القلب شج والہم شجوں دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا
الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

امام احمد رضا کی اکثر نعتیں غزل کی ہیئت میں ہیں۔ مثنوی اور رباعیوں کی شکل میں بھی کچھ لکھا ہے رباعی ایک مشکل فن ہے آپ کی چند رباعیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اس صنف کی طرف بھی آپ توجہ دیتے تو اردو کے ممتاز رباعی گو شعرا میں آپ کا مقام ہوتا نمونے کے طور پر چند رباعیاں درج ذیل ہیں۔

کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں — شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو — ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے — افغان دل زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو — نقش قدم حضرت حساں بس ہے

ہے جلوہ گہ نور الٰہی وہ رو — قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو
آنکھیں یہ نہیں سبزۂ مژگاں کے قریب — چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین — اس نور کی جلوہ گہ تھی ذات حسین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے — آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا — غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا
جس سے تجھے نقصان نہیں کردے معاف — جس میں ترا کچھ خرچ نہیں دے مولا

نعت کے بعد آپ کے کلام میں منقبت پر اشعار ملتے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی مدح میں زیادہ اشعار ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں چند اشعار ملاحظہ فرمایئے جس میں جوش بیان نمایاں ہے۔

رشک قمر ہوں رنگ رخ آفتاب ہوں — ذرہ ترے جوائے شہِ گردوں جناب ہوں
دُرِ نجف ہوں گوہر پاک خوش آب ہوں — یعنی تراب رہگذر بو تراب ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشم پر آب ہوں — دل ہوں تو برق کا دلِ پر اضطراب ہوں
خونیں جگر ہوں طائر بے آشیاں شہا — رنگ پریدۂ رخ گل کا جواب ہوں
عبرت فزا ہے شرم گنہ سے مرا سکوت — گویا لب خموش لحد کا جواب ہوں
دل بستہ، بیقرار، جگر چاک، اشک بار — غنچہ ہوں، گل ہوں برق تپا ہوں سحاب ہوں
دعوی ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر — دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں
مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں — درد میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں
صدقے ہوں اس پہ نار سے دے گا جو مخلصی — بلبل نہیں کہ آتش گل پر کباب ہوں
میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا — پر لطف جب ہے کہدیں اگر وہ جناب ہوں

حسرت میں خاک بوسی طیبہ میں اے رضاؔ
ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

امام احمد رضاؔ کی اردو شاعری کے اس جائزے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ شاعری کا پورا ملکہ رکھتے تھے البتہ انھوں نے اپنی اس صلاحیت کو صرف نعت و حمد اور منقبت و مناجات تک محدود رکھا۔ انھوں نے اردو کی نعتیہ شاعری کو ایک مستقل فن بنادیا اور اس کو وہ دلنواز اور سدا بہار کیفیت عطا کی جو ہمیشہ تسخیر قلب کا کام کرتی رہے گی۔ انھوں نے اپنے قلم گوہر بار سے اردو شاعری کے دامن کو نیا جوہر عطا کیا۔ سادہ زبان، شگفتہ تراکیب، مترنم بحور اور رواں دواں نیز سخت و سنگلاخ زمین میں وہ لطیف جوہر اور شیرینی نکالے ہیں جس میں آب حیات کا مزہ ہے آج اردو کی نعتیہ شاعری ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور یہ شجر ثمر دار پھولتا پھلتا رہے گا لیکن امام احمد رضاؔ کی حیثیت ہمیشہ میر کارواں کی رہے گی کیونکہ درحقیقت وہ اس راہ کے رہبر ہیں۔ میرے پاس حدائق بخشش کا جو نسخہ ہے اس پر سن طباعت نہیں درج ہے اس میں جگہ جگہ مفید حواشی کی وجہ سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے لیکن کتاب، کتابت، طباعت کی غلطیوں سے خالی نہیں ہے ضرورت ہے کہ کامل صحت اور عمدہ طباعت کے ساتھ کتاب شائع کی جائے۔

ارادہ تھا کہ اس مضمون میں امام احمد رضا کے اشعار کی زبان و بیان کی خوبیوں کی وضاحت کی جائے اور اس کے محاسن زبان کا تجزیہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی ایک جامع انتخاب بھی پیش کیا جائے لیکن وقت کی کمی اور عدیم الفرصتی اس کام میں مانع ہے۔

یہ بھی خیال تھا کہ امام احمد رضاؔ کی فارسی شاعری پر بھی ناقدانہ بحث کی جائے لیکن ان کا فارسی کا کچھ زیادہ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ اردو شاعری پر بھی گزشتہ سطور میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ محض حدائق بخشش کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔ ان کے جن اور منظوم کلام کا ذکر ملتا ہے وہ ہمیں دستیاب نہ ہو سکے۔ حدائق بخشش ہی میں تھوڑا سا کلام فارسی زبان میں بھی شامل ہے۔ اگرچہ اس مختصر کلام سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آپ فارسی زبان میں بھی مشق سخن جاری رکھتے تو آپ فارسی شعرا کی صف میں بھی جگہ پاتے تاہم یہ مختصر سا کلام فارسی شاعری میں آپ کی شخصیت کو متعین کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ اس لئے اس پر تبصرہ کرنا کچھ زیادہ ضروری نہیں معلوم ہوتا البتہ یہاں بطور نمونہ بعض انتخاب پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے آپ کی فارسی شاعری کے رنگ کا اندازہ ہو سکتا ہے فارسی میں آپ نے ۱۶۱ اشعار کی ایک مثنوی لکھی ہے اس کے آخر میں کچھ اشعار مناجات پر ہیں یہ مناجات حضرت فریدالدین عطار کی اس مناجات کی یاد دلاتی ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے

بادشاہا جرم ما را در گذار — ما گنہگاریم و تو آمرزگار

اور روانی میں وہی کیفیت ہے جو مولانا روم کی مثنوی میں جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ امام احمد رضاؔ کی مناجات کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

ای خدا ای مہربان مولای من — ای انیس خلوت شبہای من
ای کریم و کارساز بی نیاز — دائم الاحسان شہ بندہ نواز
ای بیادت نالۂ مرغ سحر — ای کہ ذکرت مرہم زخم جگر
ای کہ نامت راحت جان و دلم — ای کہ فضلِ تو کفیل مشکلم
ہر دو عالم بندۂ اکرام تو — صد چو جانِ من فدای نام تو
ما خطا آریم و تو بخشش کنی — نوۂ انی غفور ے میزنی
اللہ اللہ زین طرف جرم و خطا — اللہ اللہ زان طرف رحم و عطا
زہر ما خواہم و تو شکر دہی — خیر را دانیم شر از گمرہی
تو فرستادی بما روشن کتاب — میکنی با ما با حکامت خطاب
از طفیل آن صراط مستقیم — قوتی اسلام مادہ ای کریم
ہر اسلامی ہزاران فتنہ ھا — یک مرو صد داغ! فریاد ای خدا
ای خدا بہر جناب مصطفےٰ — چار یار پاک و آلِ باصفا

بہر مردانِ رہت ای بی نیاز — مردمان در خواب ایشان در نماز
بہر آب گریۂ تر دامنان — بہر شورِ خندۂ طاعت کنان
بہر اشک گرم دوران از نگار — بہر آہ سرد مہجوران زیار
بہر جیب چاک عشق نامراد — بہر خون پاک مردان جہاد
پر کن از مقصد تہی دامان ما — از تو پذرفتن ز ما کردن دعا
ہیچ می آید ز دستِ عاجزان — جز دعای نیم شب ای مستعان
بلکہ کار تست اجابت ای صمد — وین دعا ہم محض توفیقت بود
ما کہ بودیم و دعای ما چہ بود — فضل تو دل داد ای ربّ ودود
ذرّہ ای بر روی خاک افتادہ بود — فضل تو دل داد ای ربّ ودود
تکیہ بر رب کرد عبد مستہان — اوست بس ما را ملاذ و مستعان
کیست مولائی بہ از ربّ جلیل — حسبنا اللّٰہ ربّنا نعم الوکیل

امام احمد رضا کی فارسی کی ایک نعت بھی ملاحظہ ہو۔ زبان کی سادگی و شگفتگی، بیان میں روانی و شیرنی سہل الادا الفاظ کا استعمال اور مشکل تراکیب سے اجتناب اور حسن و عشق کی جلوہ طرازی یہ تمام خوبیاں اس میں مجتمع نظر آتی ہیں۔

زعکست ماہ تابان آفریدند — زبوی تو گلستان آفریدند
نہ از بہر تو صرف ایما نیاند — کہ خود بہر تو ایمان آفریدند
صبا رامست از بویت بہر سو — جان افشان و خیزان آفریدند
برای جلوۂ یک گلبن ناز — ہزاران باغ و بستان آفریدند
زلعل نوشخندِ جانفزایت — زلال آب حیوان آفریدند
نہ عیر کبریا جان آفرینی — نہ خود مثل تو جانان آفریدند
پیٔ نظارۂ محبوب لاہوت — جبینت آئینہ سان آفریدند
بنا کردند تا قصر رسالت — ترا شمع شبستان آفریدند
زمہر و چرخ بہر خوان جودت — عجب قرص و نمکدان آفریدند

زحسنت تا بہار تازہ گل کرد
رضایت را غزلخوان آفریدند

آپ نے فارسی میں متعدد رباعیاں لکھی ہیں اور بیشتر حضرت عبدالقادر جیلانی کی مدح میں ہیں کچھ رباعیوں کا انتخاب بھی ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

در حشر گہ جناب عبدالقادر — چون نشر کنی کتاب عبدالقادر
از قادریان مجو جداگانہ حساب — مدّی شمر از حساب عبدالقادر

تمکین گلی از ریاض عبدالقادر — تلوین نمی از حیاض عبدالقادر
نورِ دل عارفان کہ شب صبح نماست — سطری بود از بیاض عبدالقادر

یارب بجمال نام عبدالقادر — یارب بنوال عام عبدالقادر
منگر بقصور و نقص ما قادریان — بنگر بجمال تام عبدالقادر

خور نور ستد از رہِ عبدالقادر — ہم اذن طلوع از شہِ عبدالقادر
ماہ است گدای درِ مہر و این جا — مہر است گدای مہ عبدالقادر

ای قادر وای خدای عبدالقادر — قدرت دہ دستہای عبدالقادر
بر عاجزیِ ما نظر رحمت کن — رحم ای قادر برای عبدالقادر

اپنی تمام خاکساری کے باوجود امام احمد رضا کو شاعری میں اپنے فن کی مہارت کا خود احساس تھا اور کوئی بھی ماہر فن اس احساس سے عاری نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں

ملک سخن کی شاہی تمکو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

اگرچہ اس طرح کے اقوال مذہب شاعری میں جائز ہیں لیکن امام احمد رضا کا قول محض روایتی نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔

امام احمد رضا کی مذہبی شاعری میں صداقت کے عناصر

از:۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی
شعبہ اردو، گورکھپور یونیورسٹی

محترم ڈاکٹر سلام سندیلوی اردو ادب کی قد آور شخصیت ہیں۔ اب تک تقریباً تیس کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ موصوف اردو، فارسی اور ہسٹری میں ایم اے، ایل ایل بی، پی، ایچ ڈی، ڈی لٹ اور ساہتیہ سدھاکر ہیں۔ گورکھپور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے لکچرر ہیں۔ مولانا محمد احمد مصباحی اور سالک گورکھپوری کی گذارش پر موصوف نے یہ مضمون ارسال فرمایا ہم شکریہ کے ساتھ شاملِ نمبر کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

جس طرح زندگی کے ہر شعبہ میں صداقت کی اہمیت ہے۔ اسی طرح شاعری میں بھی صداقت ضروری ہے۔ مگر شاعری میں صداقت کی وہ نوعیت نہیں ہوتی جو سائنس میں ہوتی ہے۔ دراصل سائنس میں سائنسی صداقت (SCIENTIFIC TRUTH) رونما ہوتی ہے مگر شاعری میں شاعرانہ صداقت (Poetical Truth) جلوہ دکھاتی ہے جب شاعری میں صداقت کے عناصر شامل ہوتے ہیں تو اس میں خلوص اور حقیقت کی گہرائی اور گیرائی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک امر غور طلب ہے، شاعری میں صداقت کس طرح پیدا کی جائے۔ یہ سوال بہت اہم ہے اور اسی پر صداقت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ واضح طور پر شاعری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خارجی شاعری اور دوسری داخلی شاعری۔ خارجی شاعری میں صداقت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب شاعر خارجی مناظر کا بیان اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر پیش کرتا ہے۔ اور داخلی شاعری میں صداقت اس وقت جلوہ گر ہوتی ہے جب شاعر داخلی جذبات کا اظہار اپنے ذاتی تجربہ کی روشنی میں کرتا ہے۔ اگر خارجی اور داخلی شاعری کا انحصار عینی مشاہدہ اور ذاتی تجربہ پر نہیں ہوتا ہے تو ایسی شاعری تاثر سے محروم ہوتی ہے۔ اور وہ قارئین کے دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے۔ شاعری میں خلوص اور صداقت کے مسئلہ پر سب سے پہلے افلاطون نے روشنی ڈالی ہے۔ اس کا قول ہے کہ سارے اعلیٰ اور دائمی ادب کی بنیاد خلوص (Sincerity) پر ہوتی ہے۔ کارلائل نے بھی خلوص کو ادب کی روح (Essence) پر قرار دیا ہے۔ رسکن کا قول ہے کہ ادب میں جدت کسی نئی بات سے نہیں پیدا ہوتی ہے بلکہ اصلیت (Genuineness) سے ظہور پذیر ہوتی ہے غرضیکہ ادب اور شاعری میں خلوص، اصلیت اور صداقت کی بڑی اہمیت ہے۔

جب ہم حضرت امام احمد رضا کی مذہبی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اس میں صداقت کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ آپ کے کلام میں صداقت کا انحصار مندرجہ ذیل باتوں پر ہے۔

۱۔ وراثت ۲۔ ماحول ۳۔ ذاتی مشاہدہ ۴۔ ذاتی تجربہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنیادی طور پر شاعری میں صداقت اور اصلیت مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر نمایاں دکھاتی ہے۔ مگر کسی نہ کسی حد تک یہ عناصر شاعری میں وراثت (Heredity) اور ماحول (Environment) کی بنا پر بھی ابھرتے ہیں۔ اس نکتے سے رابرٹ ووڈورتھ (Robert Woodworth) اور ڈونالڈ مارکوس (Donald Marquis) نے اپنی مشہور تصنیف میں مفصل طور پر بحث کی ہے۔

اگر ہم حضرت امام احمد رضا کی وراثت پر غور کریں اور ان کے خاندانی شجرہ کا مطالعہ کریں تو ہم کو ان کی شاعری میں صداقت کا سبب واضح طور پر نظر آئے گا۔ حضرت امام احمد رضا کا تعلق اعلیٰ نسب سے ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا سعید اللہ خاں کابل کے قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے جو عہد مغلیہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ کو مغلیہ حکومت نے جاگیر اور منصب سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد آپ کے بیٹے مولانا سعادت یار خاں کو روہیل کھنڈ کا گورنر بنایا گیا مگر عہدہ قبول کرنے سے قبل ہی آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے بیٹے محمد اعظم خاں نے بریلی میں قیام کیا آپ کے سپرد عہدۂ وزارت کیا گیا۔ آپ کچھ عرصہ تک اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے مگر بعد میں آپ تصوف کی طرف مائل ہو گئے۔ آپ کے بیٹے مولانا کاظم علی خاں

ہر بدایوں کے تحصیلدار تھے۔ اس کے باوجود آپ عبادت و ریاضت سے غافل نہیں رہے۔ تحصیلدار صاحب کے بیٹے مولانا شاہ رضا علی خاں اپنے وقت کے زبردست عالم اور پاک باطن صوفی تھے۔ شاہ رضا علی خاں کے بیٹے شاہ نقی علی خاں بھی ایک کامل درویش تھے۔ آپ ہی کے بیٹے حضرت امام احمد رضا صاحب ہیں جن کی ولادت بریلی میں ۱۴ جون ۱۸۵۶ء میں ہوئی۔ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب کا خاندانی شجرہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو عظمت، تقدس اور تصوف بطور وراثت ملا تھا۔ یہی عناصر آپ کی شاعری میں بھی منتقل ہوگئے ہیں۔

وراثت کے علاوہ حضرت امام احمد رضا پر آپ کے ماحول کا بھی اثر پڑا۔ آپ نے اپنے وقت کے بزرگان دین سے کسب علم کیا۔ چنانچہ آپ نے مرزا غلام قادر بیگ، مولانا سید آل رسول، مولانا سید ابوالحسین نوری مارہروی اور علامہ عبدالعلی وغیرہ سے علوم دینی و باطنی حاصل کئے۔ چونکہ آپ کو بچپن ہی میں اعلیٰ علمی اور ادبی ماحول مل گیا تھا۔ اس لئے اس ماحول نے آپ کے کردار کی تشکیل میں بہت مدد کی۔ آپ کے ماحول نے آپ کو ایک مذہبی انسان بنا دیا۔ آپ نماز پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ رسول اکرم اور صحابۂ کرام کی پیروی کی۔ آپ حج کی برکت سے بھی فیضیاب ہوئے۔ چنانچہ آپ پہلی بار ۱۸۷۸ء میں حج کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد ۱۹۰۵ء میں آپ نے حرمین شریفین کی زیارت کی۔ اس طرح آپ نے خود اپنی آنکھوں سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مناظر دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نعت میں ان شہروں کے مناظر کا جو ذکر ملتا ہے۔ وہ علمی ہے قیاسی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آپ اپنی نعت میں جس خلوص اور عقیدت کا اظہار کرتے ہیں یہ فرضی نہیں ہے بلکہ اصلی ہے کیونکہ زیارت حرمین نے آپ کے دل میں ولائے محمد کی چاندنی پھیلادی۔ انہیں اسباب کی بنا پر آپ کی شاعری میں صداقت پیدا ہوئی ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ بہار چمنستان عرب
پاک ہیں لوث خزاں سے گل وریحان عرب
جوشش ابر سے خون گل فردوس گرے
چھیڑ دے رگ کو اگر خار بیابان عرب
کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہر اک گوشۂ کنعان عرب

ان اشعار میں حضرت امام احمد رضا نے عرب کے چمنستان کی بہار، عرب کے گل وریحاں، عرب کے بیابان کے خار اور عرب کے کوچوں کا ذکر کیا ہے مگر یہ ذکر رسمی اور قیاسی نہیں ہے بلکہ اس ذکر میں صداقت کا اجالا موجود ہے کیونکہ حضرت امام احمد رضا صاحب نے عرب کے ان مناظر کا بذات خود مشاہدہ کیا ہے۔

حضرت امام احمد رضا کے مندرجہ ذیل اشعار بھی ملاحظہ فرمائیے۔

نظارہ خاک مدینہ کا اور تیری آنکھ
نہ اسقدر بھی قمر شوخ دیدہ ہونا تھا
کنار خاک مدینہ میں راحتیں ملتیں
دل حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا
پناہ دامن دشت حرم میں چین آتا
نہ صبر دل کو غزال رمیدہ ہونا تھا

ان اشعار میں خاک مدینہ اور دشت حرم کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ حضرت امام صاحب خاک مدینہ اور دشت حرم کا بذات خود نظارہ کر چکے ہیں اسلئے وہ ان کی عظمت اور لطافت سے واقف ہیں۔ اسی لئے وہ دل حزیں کو تلقین کرتے ہیں کہ اس کو خاک مدینہ میں اشک بن کر ٹپکنا تھا اور غزال رمیدہ کو ہدایت کرتے ہیں کہ اس کو دامن دشت حرم میں چوکڑیاں بھرنا تھا، ان اشعار میں حضرت امام احمد رضا صاحب کا مشاہدہ جلوہ گر ہے۔

حضرت امام احمد رضا نے اپنی نعت میں خلوص کی مہک بھر دی ہے یہ خلوص ان کے ذاتی تجربہ پر مبنی ہے۔ انہوں نے اپنے ہر نفس میں بوئے محمد کو محسوس کیا ہے اور اسی کی موجیں ہم کو ان کی شاعری میں رقصاں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

زہے عزت و اعتلائے محمد ۔:۔ کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد
مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا ۔:۔ ملک خادمان سرائے محمد
بسی عطر محبوبیٔ کبریا سے ۔:۔ عبائے محمد، قبائے محمد
دم نزع جاری ہو میری زباں پر ۔:۔ محمد محمد خدائے محمد

ان اشعار میں تصنع اور آورد نہیں ہے بلکہ یہ اشعار شاعر کے دل کی گہرائیوں سے ابھرے ہیں اور صفحہ قرطاس پر موتی کی لڑیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ ایک نعت کے چند اور اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

مصطفٰے جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
سرو ناز قدم مغز راز حکم
یکہ تاز فضیلت پہ لاکھوں سلام
صاحب رجعت شمس و شق القمر
نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام
فتح باب نبوت پہ لاکھوں درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

ان سارے اشعار میں خلوص و عقیدت کی مہک عود و عنبر کی خوشبو کی طرح موجود ہے جن سے ہماری روح وجد میں آجاتی ہے۔ یہ اشعار رسمی طور پر نہیں کہے

نئے ہیں بلکہ ان کی فضا میں اصلیت اور حقیقت کی بجلیاں کوندرہی ہیں ۔

جب حضرت امام احمد رضا نے ۱۲۹۵ء میں مدینہ منورہ کے سفر کی تیاری کی اس وقت آپ کا دل جوشِ عقیدت سے امنڈ آیا اور آپ نے مندرجہ ذیل اشعار نظم کئے ۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
رکنِ شامی سے مٹی وحشتِ شامِ غربت
اب مدینہ کو چلو صبحِ دل آرا دیکھو
دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بے تابوں کی
ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ
قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوا دیکھو
ایمنِ طور کا تھا رکنِ یمانی میں فروغ
شعلۂ طور یہاں انجمن آرا دیکھو

جب حضرت امام احمد رضا صاحب ۱۲۹۶ء میں حج کرنے کے بعد ہندوستان واپس آئے تو ارضِ مقدس کے فراق میں آپ کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ جس کا اظہار آپ نے ایک غزل کی صورت میں کیا ہے ۔

خراب حال کیا دل کو پُر ملال کیا
تمہارے کوچے سے رخصت نے کیا نہال کیا
نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا
نہ گھر کا رکھا نہ اس در کا ہائے ناکامی
ہماری بے بسی پر بھی نہ کچھ خیال کیا
مدینہ چھوڑ کے ویرانہ ہند کا چھایا
یہ کیسا ہائے حواسوں نے اختلال کیا

حضرت امام احمد رضا کو حضرت رسول اکرم کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بھی زبردست عقیدت تھی ۔ اس لئے آپ نے ان کی شان میں ایک منقبت لکھی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۔

السلام اے احمدت صہر و برادر آمدہ
حمزہ سردار شہیداں عمِ اکبر آمدہ
نرم نرم از بزم دامن چیدہ رفتہ باد شد
یا علی چوں بر زبان شمع مضطر آمدہ
من زحق می خواہم اے خورشید حق آں پرتو
کز صبا لش عالم ایماں منور آمدہ

حضرت امام احمد رضا نے سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بھی آنسو بہائے ہیں ۔ ان آنسوؤں میں خون کی سرخی ملاحظہ فرمایئے ۔

یا شہید کربلا یا دافعِ کرب و بلا
گل رخا شہزادہ گلگوں قبا امداد کن
اے حسین اے مصطفےٰ را راحتِ جاں نورِ عین
راحتِ جاں نورِ عینم وہ بیا امداد کن
اے تن تو گہ سوارِ شہسوارِ عرش تاز
گہ چناں پامال خیل اشقیا امداد کن

غرضیکہ حضرت امام احمد رضا صاحب کو رسول اکرم اور اہل بیت سے بیحد عقیدت تھی ۔ آپ کی عقیدت کی جھلک آپ کے اشعار میں موجود ہے آپ کا دل ایک آئینہ ہے جس میں ان بزرگانِ دین کا عکس موجود ہے ۔ اور وہی عکس صفحہ قرطاس پر رقصاں ہے ۔

حضرت غوث الاعظم محی الدین عبد القادر جیلانی ایک اعلیٰ پایہ کے ولی گذرے ہیں جن کے معتقدین کی تعداد اسلامی ممالک کے ہر گوشہ میں بے شمار ہے ۔ چنانچہ ہندوستان میں بھی آپ کے عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ ہے ۔ مارہرہ شریف کے سجادہ نشین سید شاہ آل رسول کا تعلق سلسلۂ قادریہ سے تھا اور حضرت امام احمد رضا کے والد صاحب حضرت مولانا نقی علی نے سید شاہ آل رسول کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس طرح حضرت امام احمد رضا کا تعلق بھی سلسلۂ قادریہ سے ہوگیا ۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت غوث الاعظم کی تعریف میں بھی کافی تعداد میں اشعار کہے ہیں ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے چشمہ تیرا
عرضِ احوال کی پیاسوں میں کہاں تاب مگر
آنکھیں اے ابرِ کرم تکتی ہیں رستا تیرا
بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

حضرت عبد القادر جیلانی کی شان میں چند مزید اشعار ملاحظہ فرمایئے

بندہ قادر کا بھی قادر بھی ہے عبد القادر
سرِ باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبد القادر
مفتیٔ شرع بھی ہے قاضی ملت بھی ہے ۔ علم اسرار سے ماہر بھی ہے عبد القادر

قطب و ابدال بھی ہے محور ارشاد بھی ہے
مرکز دائرہ سر بھی ہے عبد القادر

حضرت امام احمد رضا صاحب کو اپنے استاد مولانا سید ابوالحسین نوری مارہروی سے بھی عقیدت تھی جن سے آپ نے علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے تھے۔ جب مولانا نوری صاحب کی مسند نشینی کا موقع آیا، اس وقت آپ نے ان کی شان میں ایک منقبت کہی جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھ رفعت بام ابوالحسین

وارستہ پائے بستہ دام ابوالحسین
آزاد نار سے ہے غلام ابوالحسین

میلا نگہ ہے شان مسیحا کی دید ہے
مردے جلا رہا ہے خرام ابوالحسین

ذرہ کو مہر قطرہ کو دریا کرے ابھی
گر جوش زن ہو بخشش عام ابوالحسین

ان اشعار میں بھی خلوص کی گہرائیاں موجود ہیں۔ حضرت امام احمد رضا کی شاعری کے مطالعہ کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی شاعری تصنع اور آورد سے پاک ہے اور اس میں حقیقی جذبات جلوہ افگن ہیں۔ دراصل اردو شاعری کا بیشتر حصہ رسمی اور روایتی ہے۔ مثلاً بہت سے شعرا نے واقعی کسی محبوب سے عشق نہیں کیا ہے مگر وہ فراق یار میں گریہ وزاری کرتے ہیں۔ امیر مینائی جیسے مقدس شاعر رسمی عشق کا مظاہرہ کرتے ہیں اور داغ کی سطح پر آجاتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے اردو شعرا نے گلگلوں کو منہ سے نہیں لگایا ہے مگر انہوں نے کافی تعداد میں خمریہ اشعار کہے ہیں۔ چنانچہ ریاض خیرآبادی کی ساری شاعری قیاسی ہے، کیوں کہ انہوں نے کبھی شراب نہیں پی ہے لیکن مے نوشی پر سیکڑوں اشعار کہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے شعرا نے راہ تصوف کی ایک منزل بھی طے نہیں کی ہے مگر صوفیانہ اشعار کی تخلیق کی ہے۔ مثال کے لئے غالب ہی کو لے لیجئے غالب شراب بھی پیتے تھے، جوا بھی کھیلتے تھے۔ اور قمار بازی کی بنا پر جیل بھی جاتے تھے پھر بھی انہوں نے صوفیانہ اشعار کہے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ زیادہ تر اردو شعرا کی شخصیت اور شاعری میں تفاوت نظر آتا ہے مگر جہاں تک حضرت امام احمد رضا صاحب کی شاعری کا تعلق ہے وہ رسمی اور روایتی نہیں ہے آپ کو مذہب سے زبردست علاقہ تھا۔ آپ کو بزرگان دین سے عقیدت تھی، آپ حب رسول میں غرق تھے۔ اسلئے آپ کی مذہبی شاعری میں صداقت موجود ہے۔ آپ کی شخصیت اور شاعری میں فاصلہ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی شخصیت آپ کی شاعری ہے اور آپ کی شاعری آپ کی شخصیت ہے۔ شخصیت اور شاعری میں اس قدر گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعرا کے یہاں ملے گی۔ آپ کے کلام کے تین مجموعے "حدائق بخشش" کے نام شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعے واقعی بخشش کے باغات ہیں جن میں علم وادب، معرفت وحقیقت اور لطافت و نزاکت کے پھول کھلے ہوئے ہیں جو ہماری روح کو معطر کرتے ہیں۔

امام احمد رضا کی مذہبی شاعری

ڈاکٹر امانت ایم اے، پی ایچ ڈی
(صدر شعبہ اردو و فارسی واڈیا کالج پونہ)

یہ امر باعثِ حیرت وافسوس ہے کہ اردو ادب کی تاریخ کے مرتبین نے ان بزرگ شخصیتوں کو دیدہ ودانستہ نظر انداز کر دیا ہے جنھوں نے مذہبیات یا کسی اور علم وفن میں مہارت تامّہ حاصل کر کے شہرت دوام پائی۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ عمر خیّام صحیح معنوں میں ایک فلسفی اور ماہر ریاضی تھا لیکن اس کی صرف چند سو رباعیات نے اسے بحیثیت شاعر شہرتِ دوام بخشی اور اس کے فلسفہ وریاضی کی صلاحیت وکمال کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ ذاکر حسین، غلام السیدین، اوپندر ناتھ اشک اور ساغر نظامی جیسی ادبی شخصیتوں کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر اعجاز حسین کی مختصر تاریخ ادب ہی لیجئے جسمیں مذکورہ حضرات کے تذکرے شامل ہی نہیں کئے گئے۔ یہی سلوک کچھ مجدد اسلام حضرت امام احمد رضا کے ساتھ بھی روا رکھا گیا۔ آپ کی مذہبی خدمات کے پیشِ نظر آپ کی نعتیہ شاعری کو چنداں اہمیت نہیں دی گئی حالانکہ آپ کے نعتیہ کلام میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن کا لب ولہجہ متغزلانہ ہے اور جو بہترین فکر پارے کہلائے جاسکتے ہیں۔

عمر خیّام کی رباعیات کی طرح انیسؔ و دبیرؔ کی مرثیہ نگاری اپنا لوہا منوا کر رہی، ورنہ مذہبی شاعری خصوصاً نعت گوئی پر ایک مستقل صنفِ ادب کے اعتبار سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے تحقیقی مقالے "لکھنؤ کا دبستان شاعری" میں محسنؔ کاکوروی کو بحیثیتِ نعت گو روشناس کرایا ہے۔ موصوف نے ضمناً شمالی ہند کے چند نعت گو شعراء کا بھی سرسری طور پر ذکر کیا ہے اور ڈاکٹر سید رفیع الدین قادری نے نعت گوئی پر پی ایچ ڈی کا باقاعدہ تحقیقی مقالہ سپردِ قلم کیا ہے۔ اردو ادب میں امیر مینائی، محسنؔ کاکوروی اور مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ مشہور نعت گو ہیں۔ نعت گوئی ایک مشکل موضوع ہے جس سے عہدہ برآ ہونا آسان بات نہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث فرماتے ہیں: "نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔ پرواز سے پہلے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ فضا سازگار بھی ملے گی یا نہیں، اگر ہمت پرواز مشکل مقام پر پہنچا دے تو بھی اڑنے والے کا یہ کمال ہونا چاہیئے کہ وہ اور کامیابی کے ساتھ وہاں سے گزر جائے"[1]

اور سید رفیع الدین قادری صاحب رقمطراز ہیں کہ "موضوع کا احترام شاعر کو مجبور کرتا ہے کہ وہ نپے تلے الفاظ، حسن خطاب اور حسنِ بیان کے ساتھ عقیدے کی تفصیلات اور باریکیوں کو صحت کے ساتھ لیکر چلے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ کرے کہ تخیل کی پرواز کہیں ان مقامات تک نہ پہنچا دے جن سے صادق البیانی پر حرف آئے اور نتیجۃً نعت نعت نہ رہے"۔۔۔۔۔ فضائل نبوی کے بیان میں شاعر زمین سے پرواز کر کے افلاک کی سیر کرتا ہے۔ وہ ستاروں سے آگے گزر کر مقامِ مصطفائی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام افلاک اس کے تخیّل کی زد میں آجاتے ہیں اور اب وہ اپنے ممدوح کو عرش وکرسی پر جلوہ فرما پاتا ہے۔ اس لحاظ سے نعت گو شاعر کو طبع آزمائی کے لئے ایک وسیع میدان ہاتھ آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ نقاد کی دسترس سے بھی باہر رہتا ہے اور اپنے معتقدات کو سپر بناتے ہوئے ہر تنقید سے کامیاب گزر جاتا ہے"[2]

صفاتِ محمدی کو سمجھ کر رسولِ پاک کے مرتبے کے ذکر کے لئے علمیت وبصیرت کے علاوہ شاعرانہ صلاحیت بھی درکار ہوتی ہے۔ یہ ایسی صفات ہیں جو آسانی سے یکجا جمع نہیں ہوتیں۔

نعت رسول اسلامی شاعری کے مقدمات میں شامل ہے[3]۔ دربار رسول کے اولین نعت گو حضرتِ حسّان تھے۔ انھوں نے محض اپنے آقائے نامدار کی مدح نہیں کی بلکہ اپنی صداقت اور حقیقت شناس نظروں سے کام لیتے ہوئے رسول پاک کے مخالفین کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا۔ حضرت حسّان کا کلام خلقِ نبی کا آئینہ دار ہے انھوں نے دراصل تعلیمات نبوی کی صحیح ترجمانی کی ہے اور اس طرح آنحضرت سے اپنے

---

[1] لکھنؤ کا دبستان شاعری ص ۴۹۷

[2] نوائے ادب (سہ ماہی) بمبئی بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۵ء ص ۲۲-۲۱

[3] ایضاً ص ۲۳

خلوص وعقیدت کا ثبوت بہم پہنچا ہے۔ حضرت حسان کی زبان نے درحقیقت وہ کام کیا جو بڑے بڑے سحر البیان خطیبوں سے ممکن نہ تھا۔

عربی اور فارسی زبانوں کے شعری سرمائے میں نعت گوئی کا فقدان نہیں ہے غزل گو شعراء نے عموماً اپنے دیوان اور کلیات کا آغاز بالترتیب حمد، نعت اور منقبت سے کیا ہے مگر یہ تمام تر ایک رسمی چیز تھی۔ اس لئے کہ ہندوستان کے غیر مسلم شعراء کے کلام میں بھی حمد و نعت اور منقبت کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ دوسری قسم کے نعت گو وہ شعراء ہیں جنھیں زعم سخندانی نہ تھا بلکہ انھوں نے محض رسول کریم سے اپنی والہانہ محبت وعقیدت اور شیفتگی کی بناء پر نعت گوئی اختیار کی تھی۔ اردو ادب میں ایسے مسلم شعراء کی کافی تعداد موجود ہے۔ ان کی نعتیں رسمی اور اعتقادی نعت گوئی کی مثالیں ہیں۔

حضرت مجدد اسلام انہی شعراء کے حلقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

نہ مرا نوش ز تحسیں، نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمی
منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وی
جز من و چند کتابی و دوات و قلمی

(ترجمہ:۔ مجھے نہ تو تحسین و آفرین ہی بطور نوش گوارا ہے اور نہ طعن و طنز میرے حق میں نیش ہیں۔ میں نہ تو اپنی مدح کی پروا کرتا ہوں اور نہ اپنی برائی پر کان دھرتا ہوں میں ہوں اور میرا گوشۂ تنہائی جسمیں چند کتابوں، قلم دوات اور میری ذات کے سواء اور کوئی نہیں۔) عجز و خاکساری کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔؟

مذکورۂ بالا قطعہ بیساختہ حافظ شیرازی کے اُس مشہور شعر کی یاد دلاتا ہے جس میں حافظ نے اپنے پُر آشوب زمانے کی طرف لطیف اشارہ کرتے ہوئے اپنے مسلک رندانہ کا اظہار کیا ہے ؎

درین زمانہ رفیقی کہ خالی از خلل است
صراحیٔ مۓ ناب و سفینۂ غزل است

مجدد اسلام اپنے مسلک شاعرانہ کے متعلق فرماتے ہیں ؎

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو
ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کے خلاف
لوزینہ میں سیر نہ بھایا مجھ کو

صحیفۂ آسمانی آپ کو درس نعت گوئی دیتا ہے ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے للہ المنۃ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

نعت گو شعراء نے جس زندگی کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے اس کا نمونہ زندگی کے گوناگوں مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ علامہ اقبال کی مقصدی شاعری رفعت محمدی کی ترجمانی کر رہی ہے۔ اقبال کا مرد خودی، مرد کامل، مرد مومن، مرد قلندر عشق، عقل اور حکمت، سب کچھ اس ایک زندگی کی ترجمانی ہے۔ اقبال کی شاعری دراصل رسول کریم کے اسوۂ حسنہ کی آئینہ دار ہے جو منطقی، حکیمانہ، ادیبانہ اور شعری دلآویزیوں کے ساتھ نغمۂ حیات بن کر زندگی کا پیام پہنچا رہی ہے [1] یہ قول بڑی حد تک مجدد اسلام کی نعتیہ شاعری پر بھی صادق آتا ہے۔

آپ کا شمار ان بزرگ و برتر ہستیوں میں ہوتا ہے جن کے قلوب عشق الٰہی و محبت رسول سے لبریز و سرشار ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "بحمد اللہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کئے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر "لا الہ الا اللہ" اور دوسرے پر "محمد رسول اللہ" (جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہوگا۔" [2]

آپ کی حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ سرکار دو عالم کے عشق و محبت میں بسر ہوتا رہا۔ آپ شریعت کے امام و مجدد ہونے کے ساتھ ساتھ طریقت و معرفت کے بادشاہ بھی تھے۔

محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تین طریقوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ ایک تو براہ راست محبوب کی مدح سرائی، دوسرے محبوب کے محبوب کی تعریف و توصیف اور تیسرے محبوب کے بدخواہوں اور دشمنوں کی مذمت [3]۔ آپ نے اپنے عشق و محبت اور احترام و رضائے محبوب کی خاطر تینوں طریقے اختیار کئے۔ آپ کی تمنا آپ کے لبوں پر یوں دعا بنکر آتی ہے کہ "اے رب العزت! مجھے کم از کم اپنے محبوب کی مدح کرنے والوں کے دربار کا سگ ہی بنا دے۔ یہی میرے لئے بڑی دولت ہے۔

؎ کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگ حسان عرب

آپ رشک عنادل شاعر و فصیح بے مثال ہیں پھر بھی سراپا عجز و انکسار ہیں اور اپنی ہیچمدانی کا اعتراف کس حسن و خوبی کے ساتھ کرتے ہیں ؎

کس منھ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں
شاعر ہوں، فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو
ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

جدید اردو شاعری میں نعتیہ کلام کا جو انداز ہے وہ موجودہ زمانے کے مزاج اور تقاضے کا آئینہ دار ہے۔ مسلمانوں کی اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی زبوں حالی

---

[1] نوائے ادب (سہ ماہی) بمبئی بابت ماہ اکتوبر ۱۹۷۵ء ص ۲۸
[2،3] مجدد اسلام ص ۳۹-۳۸

اس کی محرک ثابت ہوئی۔ مولانا حالی اور شبلی کا دور اردو شاعری کا اصلاحی دور کہلاتا ہے۔ اس کے اثرات سے نعتیہ شاعری کیونکر محفوظ رہتی؟ ان دونوں حضرات نے نعتیہ شاعری کی مقصدی مگر مصنوعی و غیر حقیقی روش ترک کر کے جدّت طرازی سے کام لیا اور ایک ایسی راہ نکالی جس سے اصلاح قوم کا سامان فراہم ہوگیا۔ مجدد اسلام کی نعتیہ شاعری کے محرک بھی یہی اسباب تھے جنھیں آپ "ضعف اسلام" سے تعبیر کرتے ہیں۔ "مثنوی ردِّ امثالہ" میں فرماتے ہیں:-

گریہ کُن بلبلا! از رنج و غم
چاک کُن اے گل! گریباں از الم
سُنبلا! از سینہ برکش آہِ سرد
اے قمر! از فرطِ غم شو روئے زرد
ہاں صنوبر! برخیز و فریادی بکن
طوطیا! جُز نالہ ترکِ ہر سخن
چہرہ بر رُخ از اشکِ خونیں ہر گلیست
خون شوائے غنچہ! ارماں خندہ نیست
پارہ شو اے سینہ مہ ہمچو من
داغ شو اے لالۂ خونیں کفن!
خرمنِ عیشت بسوز اے برقِ تیز!
اے زمیں! بر فرقِ خود خاکی بریز
آفتابا! آتشِ غم برفروز
شب رسید اے شمعِ روشن! خوش بسوز
ہمچو ابر اے بحر! در گریہ بجوش
آسمانا! جامۂ ماتم بپوش
خشک شو اے قلزم! از فرطِ بکا
جوش زن اے چشمۂ چشمِ ذکا
کن ظہور اے مہدیِ عالی جناب!
بر زمیں آعیسیِ گردوں آفتاب
آہ آہ از ضعف اسلام، آہ آہ
آہ آہ از نفسِ خود کام آہ آہ
مردماں شہوت را دین ساختند
صد ہزاراں رخنہا انداختند[1]

اور اپنے "غزلخواں" ہونے کا جواز یوں پیش کرتے ہیں ؎

ز حُسنت تا بہارِ تازہ گل کرد
رضاؔ یت را غزلخواں آفریدند

(آپ کے حسن وجمال سے اس دنیا میں ایک بہارِ تازہ نمودار ہوئی اس لئے آپ کے رضاؔ کو غزلخواں بنا کر یہاں بھیجا گیا۔

عشقِ رسول میں رضاؔ اتنے مست و سرشار ہیں کہ آپ کی غزل بڑھ کر "قصیدۂ نُور" میں تبدیل ہو جاتی ہے ؎

اے رضاؔ! یہ احمدِ نوری کا فیضِ نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

رضاؔ اپنے سر پر غرور کو یوں نیچا دکھاتے ہیں ؎

رضاؔ کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے؟
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لیکے چلے

آپ کے نعتیہ کلام کا ایک ایک لفظ کیف و مستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ زبان نہایت صاف شستہ رواں اور سلیس ہے۔ قصیدۂ معراجیہ کی زبان تو کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر، یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے، اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے
نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے
خوشی کے بادل اُمنڈ کے آئے، دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے
دلہن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ، آنچلوں سے
غلافِ مشکیں جو اڑ رہا تھا، غزال نافے بسا رہے تھے
پہاڑیوں کا وہ حسن تزئیں، وہ اونچی چوٹی و ناز و تمکیں
صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چُنے ہوئے تھے
نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں، دھار لچکا، حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے
پُرانا، پُر داغ، ملگجا تھا، اٹھا دیا فرش چاندنی کا
ہجومِ تارِ نگہ سے کوسوں قدم قدم فرش بادلے تھے
تجلیِ حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے
براق کے نقشِ سم کے صدقے، وہ گل کھلائے کہ سارے رستے

---

[1] حدائقِ بخشش (حصہ دوم) صـ۷۶

مہکتے گلبن، مہکتے گلشن، ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

چلا وہ سروِ چماں خراماں نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کب کے سب این و آں سے گزر چکے تھے

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی، امید ٹوٹی، نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

خرد سے کہدو کہ سر جھکالے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے، کسے بتائے کدھر گئے تھے

ادھر سے پیہم تقاضے آنا، ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال و ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلیے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبولِ سرکار ہے تمنّا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، روی تھی کیا، کیسے قافیے تھے

قصیدۂ معراجیہ کل ۶۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ ہر شعر فصیح و بلیغ، مترنّم اور وجد آفریں ہے۔ جی چاہتا ہے کہ بس پڑھتے رہیں اور سر دھنتے رہیں۔

حضرت رضا نعت گوئی کے لئے حضرتِ حسان کی تقلید ہی کو اپنے لئے سرمایۂ صد افتخار سمجھتے ہیں ؎

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دلِ زار، حُدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حسان بس ہے

نادر تشبیہات و استعارات، سہل ممتنع، محاکات، دلکش منظر نگاری اور متغزّلانہ رنگ و اندازِ بیان دیکھنا ہو تو درجِ ذیل انتخابِ کلام پڑھئے اور دادِ سخن دیجئے۔

ہے جلوہ گرِ نورِ الٰہی وہ رُو
قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو
آنکھیں یہ نہیں سبزۂ مژگاں کے قریب
چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اُس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصّے کئے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
کیا بات رضا اُس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

نیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبحِ عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا
طائرِ سدرہ نشیں، مرغِ سلیمانِ عرب

دل بستہ، بیقرار، جگر چاک، اشکبار
غنچہ ہوں، گل ہوں، برقِ تپاں ہوں سحاب ہوں

نفس یہ کوئی چال ہے ظالم
جیسے خاصے بجار پھرتے ہیں

دلِ اعدا کو رضا تیز نمک کی دُھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

وہ سُوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
ہر چراغِ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں
ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں، چار پھرتے ہیں
کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

دل کو اُن سے خدا جُدا نہ کرے
بیکسی لوٹ لے، خدا نہ کرے

ہم خاک میں مِل چکے ہیں کب کے
نکلا نہ غبار تیرے جی سے

پر کٹے، تنگ قفس اور بلبل
نو گرفتار ہے کیا ہونا ہے
کام زنداں کے کئے اور ہمیں
شوقِ گلزار ہے کیا ہونا ہے
دُور جانا ہے، رہا دن تھوڑا

راہ دشوار ہے کیا ہونا ہے
جان ہلکان ہوئی جاتی ہے
بار سا بار ہے کیا ہونا ہے
روشنی کی ہیں عادت اور گھر
تیرہ و تار ہے کیا ہونا ہے

کس بلا کی مے سے ہیں سرشار ہم
دن ڈھلا ہوتے نہیں ہشیار ہم
دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم!
دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم
فصلِ گل، سبزہ، صبا، مستی، شباب
چھوڑیں کس دل سے درِ خمار ہم
میکدہ چھٹتا ہے للہ ساقیا
اب کی ساغر سے نہ ہوں ہشیار ہم

ہائے رے ذوقِ بیخودی، دل جو سنبھلنے سا لگا
چھک کے مہک میں پھول کی گرنے لگی صبا کہ یوں
جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے
لائے اسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
ہم تو ہیں آپ دلفگار، غم میں ہنسی ہے ناگوار
چھیڑ کے گل کو نو بہار خوں ہمیں رلائے کیوں
ہونہ ہو آج کچھ مرا ذکر حضور میں ہوا
ورنہ مری طرف خوشی دیکھ کے مسکرائے کیوں

دبدبۂ گل اور بھی کرتی ہے قیامت دل پہ
ہم صفیرو! ہمیں پھر سوئے قفس جانے دو

کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو

جب گرے، منہ سوئے میخانہ تھا
ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے
مے کہاں اور کہاں میں زاہد!
یوں بھی چہکتے ہیں، چہکنے والے

کیوں رضا آج گلی سونی ہے؟
اٹھ مرے دھوم مچانے والے

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھیں ملنا، جھنجھلا پڑنا، لاکھوں جمائی، انگڑائی
نام پر اٹھنے کے لڑتا ہے، اٹھنا بھی کچھ گالی ہے
وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

دشتِ حرم میں رہنے دے صیاد اگر تجھے
مٹی عزیز بلبلِ بے بال و پر کی ہے
لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے
آ کچھ سنا دے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق، طبع، لذتِ سوزِ جگر کی ہے

آنکھ محوِ جلوۂ دیدار، دل پرجوشِ وجد
لب پہ شکرِ بخششِ ساقی، پیالی ہاتھ میں
ہے انہیں کے دم قدم کی باغِ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب — نظارہ روئے جاناں کا بہانہ کر کے حیرت کا
یہاں چھڑکا نمکداں، مرہم کافور ہاتھ آیا — دلِ زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا
نہ رکھی گل کے جوشِ حسن نے گلشن میں جا باقی — چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

یارب ہرا بھرا رہے داغِ جگر کا باغ
ہر مہ مہِ بہار ہو، ہر سال سالِ گل
نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لا کے قفس میں شکستہ بال کیا

غم تو ان کو بھول کر لپٹا ہے یوں
جیسے اپنا کام ہو ہی جائے گا

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہِ حبیب
تو پیارے قیدِ خودی سے رہیدہ ہونا تھا

ہے بلبلِ رنگیں رضا یا طوطیِ نغمہ سرا
حق یہ کہ واصف ہے ترا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

امام احمد رضا اور نعتِ رسول

عظیم الحق جنیدی، ایم اے (علیگ) ریٹائرڈ پرنسپل سٹی ہائی اسکول
مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

محترم جنیدی صاحب بھراواں ضلع مرادآباد کے علمی و روحانی خاندان میں پیدا ہوئے۔ مکتب و مدرسہ کی تعلیم کے بعد کانپور اور علی گڈھ میں تعلیم حاصل کر کے محکمۂ تعلیمات اترپردیش سے ۲۳ سال منسلک رہے اس کے بعد علی گڈھ یونیورسٹی کے ہائی اسکولوں میں ۱۳ سال پرنسپل رہ کر ۱۹۷۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ اردو و انگریزی میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ ہم موصوف کا مختصر مگر گرانقدر مقالہ شکریہ کے ساتھ شاملِ امام احمد رضا نمبر کر رہے ہیں ——— اڈیٹر

اسلام معتقدات کے ایسے مجموعے کا نام نہیں جس پر یقین کر لینے کے بعد نجات کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اور نہ صرف یہ کافی ہے کہ ارکان اسلام پر دل سے یقین کرنے کے بعد ان کا زبان سے بھی اعلان کر دیا جائے۔ بلکہ حقیقت میں اسلام ایک ایسا مکمل نظام معاشرت ہے جو ابد تک جاری و ساری رہے گا۔ گویا صحیح مسلمان ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسانی زندگی اسلامی نظام معاشرت کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مسلمانوں کی دینی اور دنیوی زندگی کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں ہے اس کی دنیوی زندگی کو دینی زندگی سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیوی زندگی عملی پہلو ہے اس کی دینی زندگی کا۔

اس اساسی حقیقت کو واضح کرنے کے بعد ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ مسلمان ایک کامیاب زندگی کس طرح گزار سکتا ہے۔ خداوند عالم کا حکم ہے اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی۔ اللہ کے احکام کی صحیح معنوں میں پیروی اس وقت تک ممکن نہیں جبتک کہ رسول اسلام کی پیروی نہ کی جائے۔ اسی حقیقت کو اقبال نے شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

اب یہ حقیقت تو واضح ہو گئی کہ بغیر اتباع رسول اکرم کے انسانی زندگی درجۂ کمال حاصل نہیں کر سکتی اور صحیح اتباع اس ذات سے جس کی پیروی مقصود ہے نسبت پیدا کئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ نسبت اور اس نسبت کے سبب اتباع کا جذبۂ شدید صرف والہانہ عشق سے پیدا ہو سکتا ہے۔ حقیقی مسلمان وہی ہے جو رسول اکرم سے والہانہ عشق رکھتا ہو اور اس کے قلب کی ہر دھڑکن سے یا محمد کی صدا آتی ہو اور سنتِ رسول کی پیروی فطرت ثانیہ بن گئی ہو۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو انسانی زندگی کا ہر لمحہ یادِ رسول کیلئے وقف ہوتا ہے اور جب یہ جذبہ شدت اختیار کر لیتا ہے تو اس کی زبان سے سوائے محبوب کی یاد و نعت کے کچھ اور نہیں ادا ہوتا۔ بالکل یہی کیفیت امام احمد رضا صاحب کی تھی کہ وہ عشق رسول میں اپنی ہستی کو اس طرح گم کر چکے تھے کہ کوتاہ بینوں کو ایک عاشق صادق کے والہانہ عشق کا اظہار بھی اپنی کج فہمی سے حدود شرع سے متجاوز نظر آیا حالانکہ وہ یہ بھول گئے کہ مقام عشق پر فائز ہونے کے بعد غیر محبوب کا تصور ہی باقی نہیں رہتا

امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری میرے اس دعویٰ کی روشن اور واضح دلیل ہے فرماتے ہیں۔

ان کے نثار، کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیتے ہیں۔

عاشقانہ زندگی میں تین کیفیتیں گزرتی ہیں۔ ایک فراق اور اشتیاق وصل، دوسرے وصل اور تیسرے بقول حسرت موہانی کے، ان سے تو مل کر اور بھی بڑھ گئیں بے تابیاں۔

امام احمد رضا ایک عاشق صادق کی طرح ان تینوں مقامات سے گزرے ہیں اور ان مقامات کی جو کیفیات انھوں نے اپنے نعتیہ کلام میں بیان فرمائی ہیں۔ ان سے ان کے جذبۂ صادق اور عشق محکم کا پتہ چلتا ہے وہ عام اصطلاح کے مطابق شاعر نہیں۔ ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبول سرکار ہے تمنا۔ نہ شاعری کی ہوس نہ پروائے ردیف تھی۔ کیسے قافیے تھے۔ لیکن اس کے باوجود تمام شاعرانہ خوبیاں ان کے نعتیہ کلام میں پائی جاتی ہیں۔ بیان کی سلاست، جذبات کی شدت و صداقت، زبان کی شیرینی اور ان سب سے بالاتر حسن بیان، ان سب نے مل کر کلام کو کلام الملوک، ملوک الکلام بنا دیا ہے۔

اب ملاحظہ فرمائیں اقتباسات۔

۱۔ غم ہو گئے بے شمار آقا — بندہ ترے نثار آقا
بگڑا جاتا ہے کھیل میرا — آقا! آقا! سنوار آقا
مجھ سا کوئی غم زدہ نہ ہوگا — تم سا نہیں غم گسار آقا۔
گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی — ڈوبا، ڈوبا، اتار آقا،

۲۔ جان ہے عشق مصطفیٰ، روز افزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں،

کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو،
رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت
اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو
زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابر رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو،
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

اور پھر آستانہ محبوب دو عالم پر حاضر ہو کر کس جوش و خروش، عقیدت عجز و نیاز کے ساتھ سلام پیش کرتے ہیں۔

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہریار ارم تاجدار حرم
نوبہار شریعت پہ لاکھوں سلام
مہر چرخ نبوت پہ روشن درود
گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآں نے خاک گزر کی قسم
اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

ہم تو ہیں آپ دل فگار غم میں ہنسی ہے ناگوار،
چھیڑ کے گل کو نوبہار خون ہمیں رلائے کیوں
سنگ در حضور سے ہم کو خدا صبر نہ دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

یہ وہ واردات ہیں جو ایک عاشق، ہجراں نصیب، بے قرار وصل حبیب اور طالب دیدار محبوب ہی کی زبان سے ادا ہو سکتی ہیں۔ اب وہ وقت آتا ہے جب وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

اور یہ جذبہ صادق باب اجابت تک پہنچتا ہے اور اذن باریابی کا مژدہ لاتا ہے حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے جاتے ہیں۔ اور دیار حبیب کے قریب پہونچ کر شوق دیدار ضبط کی حدود سے گزر جاتا ہے اور وہاں بھی یہی دعا فرماتے ہیں۔

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا، تجھی پہ بھروسہ تجھی سے دعا
مجھے جلوہ پاک رسول دکھا تجھے اپنے ہی عزو علا کی قسم

اور جب اذن باریابی حاصل ہو جاتا ہے تو آپ کا جذب و کیف، اضطراب، اشتیاق دید اور جذبات کی سرشاری ملاحظہ ہو:

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

امام احمد رضا

بحیثیت شاعر

کالیداس گپتا رضا

تقریباً ربع صدی کے افریقہ کے قیام کے بعد مجھے ہندوستان پلٹے کوئی زیادہ دن نہیں ہوئے اس لئے جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے نام اور کام سے بھی میری واقفیت چندہی دنوں کی ہے تاہم جب میرے ایک دوست اور عزیز اشتیاق احمد خان اردوی نے مجھے مولانا کی دو چھوٹی چھوٹی کتابیں موسومہ حدائق بخشش (حصّہ اول وحصّہ دوم) برائے مطالعہ عنایت کیں تو معلوم ہوا کہ اسلامی دنیا میں ان کے مقام بلند سے قطع نظر ان کی شاعری بھی اس درجہ کی ہے کہ انھیں انیسویں صدی کے اساتذہ میں برابر کا مقام دیا جائے۔

مولانا موصوف کے سلام اور نعتیں کبھی کبھار سننے میں آجاتے ہیں مگر وہ صرف مذہبی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ باہری حلقوں میں ادبی لحاظ سے نہ ان کو پڑھا جاتا ہے نہ اُن سے کسی قسم کا ادبی اور شعری حظ اٹھایا جاتا ہے۔ میری شاعری کی عمر بھی ۳۵ سال سے کچھ زیادہ ہی ہوگئی ہے اور میرے ذاتی کتب خانے میں شعر و شاعری سے متعلق تاریخی ادبی، علمی کتابوں اور قدیم وجدید شعراء کے دیوانوں اور تذکروں کا قابل لحاظ اور نادر ذخیرہ موجود ہے جو تقریباً تمام وکمال میری نظر سے گزر چکا ہے مگر مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ حدائق بخشش کے ان دو نہایت معمولی لکھائی چھپائی والے مجموعوں کے علاوہ مولانا کے ہزارہا اشعار میں سے ایک حرف بھی میرے ہاں موجود نہیں ہے اور مذکورہ بالا دو مجموعوں کا حال یہ ہے کہ کتابت کی غلطیوں نے بہت سے اشعار کو بے معنی اور وزن سے ساقط کر کے رکھ دیا ہے۔

مولانا کو جان بحق تسلیم ہوئے ایک عرصہ ہو چکا ہے مگر کسی تذکرے میں انھیں شعراء کے زمرے میں شمار نہیں کیا گیا۔ صرف ایک جگہ ان کا ذرا سا تعارف نظر آیا وہ بھی براہ راست نہیں بلکہ اُن کے چھوٹے بھائی حسنؔ بریلوی مرحوم کے ذریعے سے۔
[دیکھئے "خمخانہ جاوید" (جلد دوم) از لالہ سری رام (صفحہ ۴۵۰) میں حسنؔ بریلوی کا حال]۔
چونکہ بھائی ہونے کے ناتے حسنؔ مرحوم اور مولانا کا حسب نسب ایک ہی ہے اس لئے یہاں اس ترجمے کا پہلا حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

"سخنور خوش بیان ناظم شیریں زبان مولانا حاجی محمد حسن رضا خاں صاحب حسنؔ بریلوی خلف مولانا مولوی نقی علی خان صاحب مرحوم وبرادر مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب عالم اہلسنت وشاگرد رشید حضرت نواب فصیح الملک بہادر داغؔ دہلوی۔ آپ کے صاحبزادے نے جو حالات ارسال کئے اُن کا خلاصہ یہ ہے۔

آپ ۴ ربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد دلی کے رہنے والے تھے آپ کے جد امجد سعادت علی خان صاحب کی وفات تک تو آپ کے خاندان کا مسکن اسی شہر میں رہا مگر اس کے بعد مستقل سکونت بریلی میں قرار پائی چنانچہ اب وہی وطن ہے۔ آپ کے بزرگوں میں حضرت محمد اعظم علی شاہ صاحب بہت بڑی دولت وثروت چھوڑ کر تارک الدنیا ہو گئے تھے اور صاحب کشف وکرامات گزرے ہیں۔ علم وفضل آپ کا خاندانی ہے۔ نعت گوئی میں اپنے برادر بزرگ مولوی احمد رضا خان سے مستفیض ہیں اور عاشقانہ رنگ میں بلبل ہندوستان داغؔ سے تلمذ تھا...."

بے شک حسنؔ بریلوی مرحوم نہایت اچھے شاعر تھے تاہم حیرت ہے کہ اس ضخیم تذکرے میں اُن کے بڑے بھائی "عالم اہل سنت" اور نعت گوئی میں اُن کے استاد جناب احمد رضا خان کے ترجمے نے جگہ نہ پائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خطا اس پاکیزہ مسلک کی بھی ہے جس کے زیر اثر مولانا نے اپنی شاعری کو قطعاً نعتوں اور سلاموں ہی تک محدود رکھا اور باقاعدہ شاعری سے احتراز کیا۔ اس طرح عوام نے انھیں ایک شاعر کی حیثیت سے جانا ہی نہیں۔ تاہم نعتیں اور سلام ہی سہی ذرا سے غور وفکر کے بعد ان کے اشعار ایک ایسے شاعر کا سکہ دل ودماغ پر مسلط کر دیتے ہیں جو محض ایک سخنور کی حیثیت سے بھی اگر میدان میں اترتا تو کسی استاد وقت سے پیچھے نہ رہتا۔

نہیں معلوم کہ انھوں نے کسی سے باقاعدہ اصلاح لی تھی کہ نہیں تاہم اُن کے کلام سے اُن کے کامل صاحب فن اور مسلّم الثبوت شاعر ہونے میں شبہ نہیں۔ اور ان کی نعتیہ غزلیں تو مجتہدانہ درجہ رکھتی ہیں۔ کہیں تشبیہ ہے کہیں خیال گوئی۔ عاشقانہ رنگ کا جو تغزل کی جان ہے یہ رتبہ ہے کہ اگر نعت کے مخصوص رنگ کے اشعار الگ کر دئے جائیں تو بقیہ اشعار ایک بہترین غزل کی شان کے حامل ہوں گے۔ ذیل میں چند

مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

غالب کی مشہور زمین "دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت ..." میں داغ کی بھی ایک غزل گلزار داغ میں ہے جو صحیح معنوں میں زبانِ داغ کا نمونہ ہے۔ اتفاق سے مولانا رضا صاحب کی بھی ایک نعت اسی زمین میں ہے۔ دونوں ہم عہد شاعروں کا بیک وقت لطف اٹھائیے۔ ایک اپنے عہد کا سب سے بڑا استاد غزل اور دوسرا بڑا نعت گو مگر بحیثیت شاعر گمنام۔ چند ہم قافیہ اشعار ہی پر اکتفا کی جاتی ہے ؎

داغ
جملہ رفیق و ہم طریق رہزنِ راہِ عشق ہیں
سایۂ خضر کیوں نہ ہو ساتھ ہمارے آئے کیوں

رضا
جانِ سفر نصیب کو کس نے کہا مزے سے سو
کھٹکا اگر سحر کا ہو شام سے موت آئے کیوں

داغ
عشق و جنوں سے مجھ کو لاگ ہوش و خرد سے اتفاق
پر یہ کہوں تو کیا کہوں میں نے ستم اٹھائے کیوں

رضا
جان ہے عشقِ مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

داغ
ہاں نہیں غیرت رقیب خیر میں بے حیا سہی
جو نہ دوبارہ آسکے بزم سے تیری جائے کیوں

رضا
دیکھ کے حضرتِ غنی پھیل پڑے فقیر بھی
چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر ہی آنہ جائے کیوں

داغ
لاگ ہو یا لگاؤ ہو کچھ بھی نہ ہو تو کچھ نہیں
بن کے فرشتہ آدمی بزمِ جہاں میں آئے کیوں

رضا
سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

غالب کا یہ شعر زبان زد عام ہے۔

ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو دین و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

معانی کے ساتھ طرز ادا کا بانکپن ایسا ہے کہ اس پہ سو غزلیں قربان۔ ردیف گویا اس سے بہتر چسپاں نہیں ہو سکتی۔ مولانا نے غالب کی غزل کے صدقے لفظ بس کو سر سے بدل کر نعت کہنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ نعت اور غزل کو یکجان کرنا اسی کو کہتے ہیں۔ مطلع دیکھئے ؎

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

داغ کے ہمعصر امیر مینائی کے جو علم وفن میں داغ سے بھی بڑھے ہوئے تھے مشہور مطلعوں میں ایک مطلع یہ ہے اور واقعی بہت خوب ہے۔

جب سے باندھا ہے تصور اُس رُخِ پر نور کا
سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغِ طور کا

لیکن مولانا نے تقریباً اسی زمین میں ایسا نعتیہ مطلع کہا ہے کہ مضمون آفرینی کی انتہا کردی ہے ؎

مَیل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کوراہی کُرتا نور کا

ایک اور ہم قافیہ شعر ؎

امیر
اے ضبط دیکھ عشق کی ان کو خبر نہ ہو
دل میں ہزار درد اٹھے آنکھ تر نہ ہو

رضا
کانٹا مرے جگر سے غمِ روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

امیر کے دیوان مراۃ الغیب کی ایک غزل کے چند ہم قافیہ اشعار ملاحظہ فرمائیے مگر یہ نہ بھولئے کہ امیر کے اشعار ان کی غزل سے لئے گئے ہیں اور مولانا کے اُن کی نعتوں سے ؎

امیر
یہ تر و تازہ چمن ہے کہ تمہارا عارض
یہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ تمہارے گیسو

رضا
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

امیر
بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا
تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو

رضا
شانہ ہے پنجۂ قدرت تیرے بالوں کے لئے
کیسے ہاتھوں نے شہا تیرے سنوارے گیسو

امیر
مچھلیاں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں
کھل گئے کس کے یہ دریا کے کنارے گیسو

رضا
تارِ شیرازۂ مجموعۂ کونین ہیں یہ
حال کھل جائے جو اکدم ہوں کنارے گیسو

امیر
دن کو رخسار دکھاتا ہے فروغِ خورشید
شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو

رضا تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبحِ عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

مندرجہ بالا زمین ردیف کی ثقالت کی وجہ سے ایسی بنجر ہے کہ اس میں رنگ برنگ کے پھول کھلانا ممکن نہیں۔ لہٰذا دونوں کے اشعار میں طراوت و خوش بیانی کا ایک حد تک فقدان ہے۔ لیکن اب ہم مولانا کے چند ایسے نعتیہ اشعار پیش کریں گے جو اساتذہ غزل کی شان کے ہیں۔ اُن میں چستی و بندش، زبان کی گھلاوٹ اور فصاحت و بلاغت کے وہ وہ نمونے ملیں گے کہ لمحہ بھر کے لئے بھولنا پڑے گا کہ یہ اشعار نعتوں کے ہیں۔

شمع یادِ رُخِ جانان نہ بجھے۔
خاک ہو جائیں بھڑکنے والے
کوئی ان تیز رووں سے کہہ دو
کس کے ہوکر رہیں تھکنے والے
دل سلگتا ہی بھلا ہے اے ضبط
بجھ بھی جاتے ہیں دہکنے والے
نخل سے چھٹ کے یہ کیا حال ہوا
آہ او پتّے کھڑکنے والے
جب گرے، منھ سوتے میخانہ تھا
ہوش میں ہیں یہ بہکنے والے

کام زنداں کے کئے اور ہمیں
شوقِ گلزار ہے کیا ہونا ہے
بیچ میں آگ کا دریا حائل
قصد اُس پار ہے کیا ہونا ہے
دل ہمیں تم سے لگانا ہی نہ تھا
اب سفر بار ہے کیا ہونا ہے
منھ دکھانے کا نہیں اور سحر
عام دربار ہے کیا ہونا ہے
چھپکے لوگوں نے کئے جس سے گناہ
وہ خبر دار ہے کیا ہونا ہے

اُن کے نقشِ پا پہ غیرت کیجئے
آنکھ سے چھپ کر زیارت کیجئے
اُن کے حسنِ با ملاحت پر نثار
شیرۂ جاں کی حلاوت کیجئے

ڈوب کر یادِ لبِ شاداب میں
آبِ کوثر کی سباحت کیجئے
سر سے گرتا ہے ابھی بارِ گناہ
خم ذرا فرقِ ارادت کیجئے

مولانا کسی صنفِ سخن میں بند نہیں انھوں نے جگہ جگہ صنعتوں کا استعمال بھی کیا ہے رباعی بھی نہایت پختہ کہتے ہیں۔ اس مختصر سے مقالے میں ان سب کی گنجائش نہیں صرف چند ہی رباعیاں پیش کی جاتی ہیں تاکہ کہے کا پاس رہے۔

محصورِ جہاں دانی و عالی میں ہے
کیا شبہ رضا کی بے مثالی میں ہے
ہر شخص کو اک وصف میں ہوتا ہے کمال
بندے کو کمال بے کمالی میں ہے

کس منھ سے کہوں رشکِ عنادل ہوں میں
شاعر ہوں فصیحِ بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھکو
ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

مولانا نے ائمہ اطہار کی شان میں بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ ایک رُباعی سُنئے۔

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین
اُس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنین
تمثیل نے اُس سایہ کے دو حصّے کئے
آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

بقیہ: اصنافِ سخن

بلکہ اس کے لئے احمد رضا خاں صاحب جیسے حکیم امت کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے جو قطرہ میں دریا کا جلوہ اس طرح دیکھ سکے کہ دونوں کی انفرادیت بھی برقرار رہے اور دونوں ایک دوسرے کا جزو لاینفک بھی معلوم ہوں۔

یہ میرے مجموعی تاثرات ہیں جنہیں وقت کی کمی کے باعث میں نے اجمالاً چند منٹ میں تحریر کردیا ہے۔ انشاء اللہ ان کی توضیح و تشریح "المیزان" کے کسی اگلے شمارہ میں پیش کرونگا۔

دیوان رضا

عرفان و وجدان کا قاموس

سید شمیم اشرف بی اے علیگ

شامہ از بوئے اُو رشکِ جناں
ہم معطر زد تبائے مہ وشاں

فاضل بریلوی کی شاعری کو احاطۂ تحریر میں لاتے وقت مجھے اپنی بے مائگی اور بے بضاعتی کا پورا احساس ہے، یہ مختصر مضمون اعترافِ شکست کے مترادف ہے، کیونکہ ایسی بزرگ ہستی پر خامہ آرائی کرتے وقت لاشعور کے پردے پر فاضل بریلوی کی جو تصویر ابھرتی ہے اُس کا تقدس دیوار بن کر حائل ہو جاتا ہے۔ اُن کی ہمہ گیر اور جامع شخصیت کا صرف ایک رخ پردۂ شہود پر آیا ہے۔ علوم ظاہری و باطنی کی دولت سے مالا مال ایک مجدد جس کی جامع اور تاریخ ساز شخصیت نے برصغیر ہند و پاک کے مذہبی اور روحانی نقشہ پر دور رس اثرات مرتب کئے ہیں۔ ورنہ وہ اپنی گدڑی میں ایسا لعل بے بہا بھی رکھتے تھے جس کی ضیا پاشیاں صرف محفل میلاد تک محدود رہیں۔ وقت آگیا ہے کہ کوہ بے ستون میں تیشۂ کوہکن کی ضربوں پر رقص کرنے والے اور قصرِ شیریں کے خوبصورت بام و در پہ اپنے قلم کا جادو چھڑکنے والے اپنے ادراک کو اُس لعل گراں مایہ کی ضو فشانیوں سے صیقل کر کے "حدائق بخشش" کی طرف متوجہ ہوں جو عرفان و وجدان کا ایک قاموس ہے۔

یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ فاضل بریلوی ایک متبحر عالم اور مجدد تھے شاعر نہیں تھے۔ اُن کے کلام میں وہ شیریں دیوانگی HARMONIOUS MADNESS نہیں ملتی جو شاعروں کی دستار مرصع میں طرۂ افتخار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُن کے کلام میں آتش سیال کی حرارت نہیں۔ وہ "شعلۂ رنگ حنا" کی جستجو میں تخیل کے وسیع صحراؤں کی خاک نہیں چھانتے۔ وہ تصور کا کاسۂ دریوزہ گری ہاتھ میں لئے الفاظ کے تیرہ و تار اور پُر پیچ راستوں سے گزر کر لیلائے مفہوم کے شہر نگاریں تک پہونچنے کی تگ و دو نہیں کرتے۔

اُن کی شاعری احکام شریعت کی حدود سے تجاوز نہیں کرتی۔ ان کی شاعری میں الہام کی حلاوت ہے۔ تفہیم و افہام کی تلخی نہیں۔ وہ شمع جمال مصطفوی پر پروانہ وار گرتے ہیں۔ اُن کا سینہ عشق رسول کا بحر ذخار ہے۔

کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل ٭ جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو

سر تا بہ قدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

حدائق بخشش، حدائق العطیات اور مدح رسول اُن کی شاعری کے مجموعے ہیں۔ موخر الذکر دو کتابیں نایاب ہیں۔ حدائق بخشش اُن کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ کلام کا بیشتر حصہ اردو میں ہے جو ایمان و آگہی کی چاشنی سے معمور ہے۔

مشہور جرمن فلسفی کانٹ KANT اپنی شہرۂ آفاق کتاب تنقید عقل محض THE CRITIQUE OF PURE REASON میں کہتا ہے "کوئی فن ریاضی کی طرح زرہ بکتر پہن کر نہیں نکلتا۔"

فن تخلیقی ذہن کا نوزائیدہ بچہ ہوتا ہے جو زماں و مکاں کے نازک رشتوں سے بندھا ہوا اپنا سفر ارتقا شروع کرتا ہے۔ بلوغت اور پختگی کی منزل پر پہونچ کر اُسکے بال و پر میں کونین کی وسعتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور پھر اُس پر فنی تعصب کا عمل جراحی شروع ہو جاتا ہے۔

شاعری کوئی منطقی شے نہیں ہے۔ جسے اثبات و عقل کا ڈرائی کلین کیا ہوا سوٹ پہنا کر صنعتی سمیت INDUSTRIAL TOXICOLOGY کے کسی بین الاقوامی سمپوزیم میں کھڑا کر دیا جائے۔ حسیات عامہ کا شعور رکھنے والا بھی شاعر ہو سکتا ہے۔ ہیرے کی ساخت میں کاربن کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ جو ایک پتھر کو کوہ نور بنا دیتا ہے۔ بڑے سے بڑا شاعر بقول شیلے "شاعری کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا"، کیونکہ ذہن کے بجھتے ہوئے کوئلہ کو زندہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک غیر مرئی طاقت اُسے ہوا دیتی ہے۔ تب اُس میں نغماتی انبساط کی چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں اور اس کا ملکوتی حسن پیدا ہوتا ہے۔

جوہری دور کا مسلمان مذہب سے بیزار نظر آتا ہے۔ وہ ارتقا کی چاند گاڑی میں بیٹھکر روحانیت کے تانے بانے توڑتا ہوا بیرونی خلا میں بے وزنی کی ہلکی کیفیت کا شکار ہے۔ وہ ٹھوس حقائق کا سامنا کرتا ہوا گھبراتا ہے۔ اُسے اپنے تجربات اور مفروضوں کے تعبیر کئے ہوئے خیالی اہرام پسند ہیں۔ صور اسرافیل اور صدائے ابو الہول میں بڑا تضاد

اور تفاوت ہے۔

فاضل بریلوی نے اِس تضاد کو دیدۂ باطن سے دیکھا۔ اور اس کی کسک محسوس کی۔ اُن کی شاعری اِسی کسک اور سوز و دروں کا نقش تمام ہے۔ جو طالبانِ حق کے لئے مشعلِ راہ اور شمع جمالِ مصطفوی کے پروانوں کے لئے نسخۂ کیمیا ہے۔

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

تابِ مرآتِ سحر گردِ بیابانِ عرب
غازۂ روئے قمر دُودِ چراغانِ عرب

ابتدائے آفرینش سے انسان دنیا کی بے ثباتی کو ایک حادثہ تصور کرکے قبول کر چکا ہے۔ فلاسفۂ قدیم و جدید اِس بات پر متفق ہیں کہ صرف تغیر و تبدل کو حیات و دوام حاصل ہے۔ اقدار بدلتی رہتی ہیں۔ ایک غلطاں و پیچاں معاشرے میں بدلتی ہوئی قدروں کے ملبہ تلے دبا ہوا انسان بوئے گل کے خنک آنچل کی ہوا سے اپنے زخموں کا علاج چاہتا ہے اور گرمیٔ حشر سے محفوظ رہنے کے لئے مرد شوں کی عطر بیز زلفوں کا سایہ تلاش کرتا ہے۔

ہم سیہ کاروں پر یارب تپشِ محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو

خالص، پاکیزہ اور بے لوث عشق تصوف کا سنگِ بنیاد ہے۔ اسی عشق اور شیوۂ تسلیم و رضا کی تکمیل کے لئے تاجدارِ کونین کے لئے غارِ حرا کو مکتبِ ایمان و آگہی بنایا گیا اور یہیں سے راہِ باطن ESATERIC METHOD اور تصوف MYSTICISM کے مقدس چشمے رواں دواں ہوئے۔ جن سے تا ابد شریعت طریقت اور حقیقت کے لالہ و گل بالیدگی حاصل کرتے رہیں گے۔ عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول کے بغیر منزلِ یقین کی لذتوں سے آشنا ہونا ناممکن ہے۔

جسکو قرصِ مہر سمجھا ہے جہاں اے منعمو!
اُنکے خوانِ جود سے ہے ایک نانِ سوختہ

شاعری کوئی منطقی شے نہیں ھے جسے اسباب و علل کا ڈرائی کلین کیا ھوا شوٹ پہنا کر صنعتی سمیت کے کسی بین الاقوامی سمپوزیم میں کھڑا کردیا جائے۔ حسیاتِ عامہ کا شعور رکھنے والا بھی شاعر ھو سکتا ھے ——— جرمن فلسفی کانٹ۔

شیلے اپنی مشہور نظم TO A SKYLARK میں کہتا ہے۔

فاضل بریلوی کی شاعری پر نصف صدی سے تجاھل و تغافل کی ٹھنڈی دھول جمی ھوئی ھے۔ خود ان کے مداحوں اور عقیدت مندوں کو طلسم سکوت توڑنے اور اپنے قلم کا جمود ختم کرنے کا خیال نہیں آیا ——— سید شمیم اشرف

OUR SWEETEST SONGS ARE THOSE THAT
TELL OF SADDEST THOUGHT

ہمارے شیریں ترین نغمات وہ ہیں جو ہمارے غمگین ترین خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ فاضل بریلوی کی شاعری پر نصف صدی سے تجاہل و تغافل کی ٹھنڈی دھول جمی ہوئی ہے خود اُن کے مداحوں اور عقیدتمندوں کو طلسم سکوت توڑنے اور اپنے قلم کا جمود ختم کرنے کا خیال نہیں آیا۔ ان کا نعتیہ کلام وہی سوزِ اندرون ہے جو "شیریں ترین نغمات" کا خالق ہے۔ جس کی شدت وحدت بادۂ عشقِ رسول کے کاسہ لیسوں کے لئے معراجِ یقین ہے۔

ٹپکتا رنگِ جنوں عشقِ شہ میں ہر گل سے :. رگِ بہار کو نشتر رسیدہ ہونا تھا
بجا تھا عرش پر خاکِ مزارِ پاک کو ناز :. کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

خونیں جگر ہوں طائرِ بے آشیاں شہا
رنگِ پریدۂ رخِ گل کا جواب ہوں

محسن کاکوروی کو آبِ تموج کے آئینے میں شہنازِ لالہ رخ کے پیکرِ رعنا کا عکس لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔

آئینہ آبِ تموج سے بہا جاتا ہے
کہیئے تصویر سے گرنا نہ کہیں دیکھ سنبھل

فاضل بریلوی کو جوئے رواں کے شیش محل میں جمالِ مصطفائی کی سحر تابی اور اس کی بوقلمونیت نظر آتی ہے۔ وہ اپنے مخصوص پوربی انداز میں فرماتے ہیں۔

بنا کے ہر دلہنے وہ چمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے
بچا جو تلووں کا اُن کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنہوں نے دولہا کی پائی اُترن وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

اُنکے نعتیہ کلام میں ایک سچے عاشقِ رسول کے دلِ خوں گشتہ کی لالہ کاری بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ جو دیدہ و دل کے منجمد پردوں پر ایک ملکوتی نور کا نقش ثبت کرتی ہے۔

یہ مختصر مضمون فاضل بریلوی کی شاعری پر حرفِ آخر نہیں ایک ترغیب اور دعوتِ فکر و نظر ہے۔ یہ ایک خوش آئند سفر کی تقریب اور ابتدا ہے ▲

امام احمد رضا اور اصنافِ سخن

(ایک جائزہ)

ڈاکٹر ملک زادہ منظور ایم اے پی ایچ ڈی (لکھنؤ یونیورسٹی)

میں اس سعادت کو اپنے لئے باعث خیر و برکت تصور کرتا ہوں کہ آپ نے مجھ سے یہ فرمائش کی کہ میں مجدّد اسلام اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نعتیہ کلام کے محاسن کی نشان دہی کروں اور اس ضمن میں میرے کیا تاثرات رہے ہیں قارئین کے سامنے پیش کروں۔ مولانا کے اکتسابات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی جاتی اور ان کی قدر و قیمت کا بھرپور تعین کیا جاتا۔ مگر برا ہو منصبی اور سماجی علائق کا کہ باوجود خواہش کے فرصت و فراغت کے وہ لمحات میسر نہ آسکے جن میں اپنے جذب و شوق کی محفل سجائی جا سکتی اور بقدر ظرف اس مضمون کو لکھنے کی گنجائش نکل پاتی، پھر بھی تعمیل حکم میں اپنے خیالات کو اجمالاً پیش کر رہا ہوں تاکہ میرا نام بھی ان کے مداحوں کی فہرست میں شامل ہو سکے۔

میرا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے کہ دیگر اصناف سخن کے مقابلے میں نعت گوئی مشکل ترین صنف سخن رہی ہے۔ ہماری عقیدت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ جب ہم ان کی مدح کریں تو اپنے جذبات کو مکمل طور پر آزاد چھوڑ دیں۔ مگر شریعت جذبات کی اس غیر ذمہ دارانہ اڑان کو پسند نہیں کرتی اور اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ ہر شے کو اس کی مناسب متعین شدہ حد میں رکھا جائے۔ جذبہ اور عقیدت کی رو میں بہ کر مقام نبوت کو الوہیت کی سرحدوں میں داخل کر دینا۔ یا شعری لوازمات کی تسکین کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال کر دینا جن سے شعر سوء ادب کا مرتکب ہو جائے، اچھی نعت کا ہر دور میں سخت ترین مرحلہ رہے ہیں اور اسی لئے مجموعی طور پر وہ نعتیں جو شعری اور شرعی دونوں تقاضوں کو پورا کر دیں ہمارے ادب میں نسبتاً کم پائی جاتی ہیں دراصل نعت محض رسول کریم کی شاعرانہ توصیف کا نام نہیں بلکہ بقول ایک تنقید نگار نبوت کے حقیقی کمالات کی ایسی تصویر کشی کا نام ہے جس سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہو سکے اور یہ تازگی اور بالیدگی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب مداح کا دل رسول کی محبت کے حقیقی جذبات سے پُر ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ مقام و مرتبے سے الگ ہٹ کر نعت گوئی کے راستے میں ایک اور بھی مرحلہ قرآن کے اس حکم کے بناء پر پیدا ہوتا ہے کہ "تم نبی کو اس طرح نہ پکارو جیسے تم میں سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں" نتیجہ میں وہ تشبیہات و استعارات جن میں پاکیزگی، تقدیس اور طہارت نہ ہو ہمارے لئے بیکار ہو جاتے ہیں اور اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ صرف تعظیمی ضمائر استعمال کئے جائیں اور یہ ضمائر انہیں لوگوں کے ہاتھ آتے ہیں جو جذبے اور وجدان کی آگ کے ساتھ ساتھ تضاد شعر و شریعت کو ہم آہنگ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں

مجدّد اسلام حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب اگر ایک طرف تبحر علمی، زہد و تقویٰ اور روحانی تصرفات کا معیاری نمونہ تھے تو دوسری طرف رسول اکرم سے ان کی بے پناہ محبت و عقیدت بھی مثالی تھی۔ انہوں نے اپنی علمی اور دینی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جو ذہنی انقلاب پیدا کیا، اس کی شہادت ہماری پوری صدی دے رہی ہے۔ تاریخ اسلام قرآنی رموز و نکات، حدیث اور علم الرجال پر ان کی جتنی گہری نگاہ تھی اس کے معترف و مداح ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کے علمائے کرام رہے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا جو ملکہ انہیں حاصل تھا اس کی غمازی "حدائق بخشش" میں شامل وہ نعتیں اور منقبتیں کرتی ہیں جو آج بھی گھر گھر میں پڑھی جاتی ہیں۔ ان نعتوں میں والہانہ ربودگی اور وفور جذبات کے ساتھ ساتھ ضبط و انقیاد کے وہ عناصر بھی پائے جاتے ہیں جو تزکیہ نفس اور تالیف قلب دونوں میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

حدائق بخشش کے دونوں حصے جنہیں مکتبۂ کلیمی اہلسنّت ناظر باغ کانپور نے شائع کیا ہے صرف مجدّد ملّت کے نعتیہ کلام کے مجموعے نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں نعت کے علاوہ منقبت اور قصاید بھی شامل ہیں۔ اور مختلف اصناف سخن میں خراج عقیدت پیش کی گئی ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ خارجی مناظر کے بجائے داخلی جذبات و احساسات کی ترجمانی کی جائے اور سیرت مقدسہ کے مختلف اور متنوع پہلوؤں کا احاطہ کرکے اسلامی تصورات عقاید اور تلمیحات کے سیاق و سباق میں چراغ مصطفوی کے نور کو اس طرح بکھیر جائے کہ "شرار بولہبی" سے ستیزہ کار ہو جائیں اور ایک ایسی فضا کی تعمیر و تشکیل کریں جن میں صحت مند عقاید پنپ سکیں اور فسق و فجور سے دلوں کے آئینے صاف ہو سکیں

یہ کام صرف مکتب کرامت اور جذبات کو اوزان و بحور کے سانچے میں ڈھالنے کا کام نہیں ہے کہ بلکہ اس کے لئے اس تبصان نظر کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جو امتوں کی تقدیریں بدل دیا کرتی ہے۔ گرد و غبار سے آئینوں کو صاف کرنا، اور پھر اسے ایسی مرکزی جگہ پر رکھ دینا کہ صورتیں حقیقی بھی ہوں اور خوبصورت بھی، یہ محض فنکار کے بس کی بات نہیں

(باقی صـ ۴۷۶ پر)

امام احمد رضا

واصفِ شاہِ ہُدیٰ

از: ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ داناپوری۔ ایم اے، پی ایچ ڈی
صدر شعبہ اردو و فارسی جین کالج آرہ، بہار۔

تہذیب و ثقافت فلسفۂ حیاتِ انسانی کے دو روشن ترین باب ہیں۔ ہر تہذیب ایک مذہب سے وابستہ ہے اور ثقافت اس کی اعلیٰ قدروں کی نمائندہ۔ ثقافت بنی نوع انسان بلکہ انسانیت کی ترقی کی آئینہ دار و ترجمان ہے۔ یہ دراصل عبارت ہے افرادِ قوم کی جمالیاتی حس بلکہ جمالیاتی شعور کی بیداری سے۔ مشہور فلسفی کانٹ نے جمالیاتی شعور کو حس اور عقل کا مقامِ اتصال کہا ہے۔ حسن وجمال کی اہمیت قرآن حکیم کی بے شمار آیاتِ کریمہ سے واضح ہے۔

ولکم فیھا جمالٌ حین تریحون وحین تسرحون ○
(سورۃ النحل آیت ۶)

خالدین فیھا حسنت مستقراً وّمقاما ط (الفرقان آیت ۷۶)
ربّنا اٰتنا فی الدنیا حسنةً وّ فی الاخرۃ حسنۃ ط (البقرہ، آیت ۲۰۱)

قرآن حکیم ایک مکمل نظامِ حیات اور ایک بے مثل دستور العمل ہے۔ انسان کی ظاہری و باطنی، انفرادی و اجتماعی زندگی کس طرح اعتدال و توازن، لذّت و سرور اور کیف و طمانیت سے ہمکنار رہے۔ وہ اپنے معبود کے حضور کس شانِ عبدیت کا اظہار کرے۔ آخرت کی اس کھیتی کو کس انداز سے شاداب و سرسبز رکھے کہ انجام کار "حُسن المآب"، کی منزل نصیب ہو؟ یہ سب کچھ ہمیں اسی ام الکتاب سے حاصل ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ کوئی شے ایسی نہیں جس کا ذکر اس میں موجود نہ ہو۔ تبیاناً لکلّ شیٍٔ ط ولا رطبٍ وّلا یابسٍ الاّ فی کتابٍ مبین ط

حسن وجمال دراصل نظر افروزی و سرور انگیزی کی منزّہ و مسوّر شئے ہے۔ منزلِ "حُسن مآب"، یعنی جنت الفردوس میں مومن کے لئے اس سے بڑھ کر مسرت افزا نعمت اور کیا ہوگی کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی کے دیدار سے مشرف ہو۔ وَاِنّا لہٗ عندنا وَحسن مآب ط (سورہ ص آیت ۲۵)۔ اس کے دیدار سے جس کی مثل کوئی شئے نہیں لیس کمثلہٖ شیٔ ط اور جو سراپا جمال ہے۔ اللہ جمیلٌ ویُحِبُّ الجمال۔ اسے حسن پسند ہے۔ وصوّرکم فاحسن صورکم (اور تمہاری صورتیں بنائیں تو کیا ہی حسین صورتیں بنائیں) التغابن ۳۔ حتّیٰ کہ الّذی احسن کلّ شیٍٔ خلقہٗ (اس نے جو چیز بھی بنائی حسین بنائی) سورۃ السجدہ آیت ۷۔ فطرتِ انسانی بھی ایک شے ہے۔ فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا ط اور ارشادِ باری ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (بلا شبہ ہم نے انسان کی فطرت کو بہت ہی حسین بنایا ہے) سورۃ التین۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین (سورۃ المومنون آیت ۱۴)۔ وہ تو حسنِ مطلق ہے، نور ہی نور اللہُ نور السمٰوٰتِ والارض (سورۃ النور آیت ۳۵)۔ کائنات حسین ہے اس کے مناظر حسین ہیں۔ یہ ساری خلقت جو ماسویٰ اللہ ہے اضافی حسن سے معمور ہے۔ حسن سرچشمۂ زندگی، مقصدِ حیات اور روحانی سرور و طمانیت قلبی کا منبع ہے۔ یہ حسن جب مجازی شکل اختیار کرلے تو وہ شکل جو یقینی کوئی شئے ہوگی حسین و خوبصورت کہلائے گی اور ہم اسے خلاقِ عالم کا تخلیق کہیں گے۔ تخلیقی فعلیت کا یہی ہنر فن ہے۔ خلّاقی روحِ الوہیت کی سب سے پہلی صفت ہے جو بالارادہ ظہور پذیر ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی روح جسدِ آدم میں ڈالدی اور فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا۔ اذ قال ربّک للملٰئکۃ انّی خالقٌ بشراً مّن طین ○ فاذا سوّیتہٗ ونفختُ فیہِ من رّوحی فقعوا لہٗ سٰجدین ○ (سورہ ص آیت ۷۱-۷۲)

(جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان پیدا کرنے والا ہوں جب اس میں تناسب و ہم آہنگی (تسویہ) پیدا کردوں اور اپنی روح اسمیں پھونک دوں تو اس کے سامنے سجدے میں گرجانا۔)

مختصر یہ کہ اشرف المخلوقات بنی نوع انسان ہے جو تسویہ و تعدیل کی داخلی و خارجی اوصاف کے ساتھ ساتھ علم و ادراک اور فکر و تخیل کی نعمتوں سے نوازا گیا۔ لہٰذا حسن کاری انسانی سرشت میں داخل ہوئی۔ روح جو من امرِ ربّی ہے، اپنی صفت خلاقی کا مظاہرہ ہر حال میں کرے گی اور انسان اپنے پیمانۂ احساس و عقل کے ساتھ حسن و فن سے ہمیشہ ہم آہنگ رہے گا۔ یہ اور بات کہ یہ رتبۂ بلند جس کو ملا مل گیا۔

شاعری بھی ایک فن ہے اور انتہائی لطیف فن۔ فن کا ایک اہم مقصد فکر انگیزی اور قوائے عقلیہ کو متحرک کر کے اس سے مفید تر کام لینا ہے۔ قرآن حکیم نے لعلّکم یتفکرون اور لعلکم تعقلون کہہ کر ہمیں اس طرف متوجہ کیا ہے۔ تاکہ تخیّل محض کی بے راہ روی کی تقلید میں شاعر یتبعھم الغاوٗن کا مصداق نہ بن جائے۔ شاعر حسنِ ازل کی سحر طرازیوں اور جلوہ باریوں کو اپنے فن کی گرفت میں لانا چاہتا ہے۔ ایک ایسا شاعر ایک ایسا فنکار جو سرتاسر اسلامی تہذیب و ثقافت کا نمائندۂ افضل ہو وہ کیوں نہ حسنِ مطلق یعنی نور السمٰوات والارض کی اس شاہکار تخلیق کو پیش نظر رکھے جس تخلیق اور خالق کل کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں یعنی اس حدیث شریف کے روسے "اوّل ما خلق اللہ نوری والخلق کلھم من نوری و انا من نور اللہ" خاتم النبین محبوب رب العلمین سبب تخلیق کائنات ہیں (لولاک لما خلقت الافلاک) آپ پرتو جمالِ الٰہی و مظہر ذاتِ کبریائی ہیں۔ اس شاہکار تخلیق پر خود خالق فریفتہ ہے اور ساری کائنات بالخصوص جن و انس کو اس محبوب پر اپنی اس فریفتگی کا شریک چاہتا ہے۔ جن و انس کی تخلیق کا سبب یہ بتایا کہ "ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون (اورنہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ الذاریات) اور روح عبادت عشق محمدی کو قرار دیا۔ عشق کا خاصہ ہے کہ وہ کیفیات و واردات الفت و محبّت کا اظہار کرے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے ملائکہ کے ساتھ حضور انور پر درود و سلامتی بھیجتا ہے اور جن و انس کو ایسا حکم دیتا ہے کہ وہ بھی ایسا کریں۔ اِن اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنو صلوٗ علیہ و سلموٗ تسلیما گویا رسول مقبول پر درود بھیجنا، ان کا ذکر کرنا، ان سے عشق و محبت کا اظہار کرنا خواہ وہ قولی ہو یا فعلی ایک طرح کی عبادت ہے۔ اس طرح مدح و توصیف رسول اور نعت نبی کا رشتہ عبادت الٰہی سے مل جاتا ہے۔

اس پیش گفتار سے میری مراد دراصل افضل الافاضل حضرت امام احمد رضا خاں صاحب رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری میں فکر و فن اور حسن و عشق کی تابکاریوں کا جائزہ لینا ہے۔ ان کی فنکارانہ کاوشوں، شاعرانہ صلاحیتوں اور والہانہ جذباتِ عشق رسول کی نیرنگیوں پر نظر ڈالنی ہے تاکہ شعر و سخن میں بھی ان کے صحیح مقام اور مرتبہ کا تعین کیا جا سکے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ تخلیقی فعلیت خاصّہ روحی ہے۔ لہٰذا فنکار کے لئے فن میں حقیقت کی ترجمانی لازمی و لابدی قرار پائی۔ ایسے اپنے فن کو بہر حال اقتدارِ حقیقی کا آئینہ دار بنانا ہوگا۔ تفنّن طبع اور ذہنی تفریح تخلیق فن کا مقصد کبھی نہیں۔ خالقِ کل فرماتا ہے وما خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما لعبین ۝ (اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ درمیان ان کے ہے کھیلتے ہوئے۔ سورۂ دخان آیت ۳۸)

عالم باعمل فاضل بریلوی حضرت احمد رضا خانصاحب اسلامی تاریخ کی ایک ایسی عبقری شخصیت اور فرد نابغہ کا نام ہے جس میں مجددیت کے سارے اوصاف مجتمع تھے۔ ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں (میرؔ)

علم و فضل کے میدان میں حضرت رضاؔ کی بسیار جہتی اہل نظر سے خراج عقیدت وصول کرتی رہے گی۔ اُن کی شاعری فنی نقطۂ نظر سے معیار و کمال کی حامل اور سرلبسر حمد و نعت و منقبت پر ہی مشتمل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نعت ایک مشکل مگر بہترین صنف سخن اور باعث خیر و ثواب ہے۔ زورِ قلم اور جولانیٔ طبع کے تحت اس فن میں قدم قدم پر خطرات کا سامنا ہے۔ وہ ذاتِ مقدس جس کی سرکار میں دانستہ و نادانستہ ذرا بھی سوئے ادب حبط اعمال کا سبب ہو اس کی مدح و نعت بڑے ہوش و حواس کا کام ہے۔ ؎ باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار، کی منزل ہمہ دم پیش نگاہ رہنی چاہیئے۔ "الملفوظ" میں حضرت فاضل بریلوی نے فن نعت گوئی کی طرف واضح اشارہ فرمایا ہے۔ اپنی نعت نویسی کے لئے قرآن و حدیث کو ہی شمع راہ بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نعتیہ کلام افراط و تفریط کے عیب اور تخیل کی بے راہ روی سے پاک ہے۔ نعت گوئی میں آپ حضرتِ حسان کی پیروی کافی سمجھتے ہیں جن کی نعتیں سنکر خود رسالت مآب محظوظ ہوتے اور دعائیں فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں ؎

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دلِ زار حدی خواں بس ہے
رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حساں بس ہے

احکام شریعت کی تبلیغ و نگرانی میں آپ بہت ہی سخت تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ہیں ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے للّٰہ المنّتہ محفوظ
قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحفوظ

"حدائق بخشش" ہر دو حصص حضرت رضاؔ کی نعتوں کا مجموعہ اور ایک ایسی متاعِ بے بہا ہے جس پر اردو کی نعتیہ شاعری ہمیشہ ناز کرے گی۔ حضرت رضاؔ کی نعتیں سادہ، سہل، عام فہم، سوز و گداز قلب اور عاشقانہ جذبات سے ملو ہیں۔ مخصوص فنّی نقطۂ نظر سے بھی مشکل اور سخت زمینوں میں آپ کی نعتیں بندش و تراکیب اور قدرت بیان کا سارا حسن رکھتی ہیں۔

اردو کی کلاسیکی شاعری کے وہ سارے اوصاف جن پر اہل زبان کو ناز ہے حضرت رضاؔ کے کلام میں بھرے پڑے ہیں۔ شوخیٔ طبع کے باوجود آپ نے بڑی احتیاط

سے عروسِ سخن کو ان تمام زیورات سے آراستہ کیا ہے جو نعت گوئی کے تقدس و احترام کے ساتھ اس کے حسن کو چار چاند لگاتے ہیں۔ شاعر کو اپنی لیاقتِ فن کا پورا احساس تھا ؎

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضاؔ کی قسم

وہ ایک وہبی شاعر تھے۔ فنکاری و حسن آفرینی کے لئے موزونیٔ طبع ازبس ضروری ہے۔ یہ محض فیضانِ الٰہی ہے اور کچھ نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے الشعراء تلامیذ الرحمٰن۔ کیونکہ ؎

طبعِ موزوں نہ کسبی و عملی است
از عطیاتِ فیضِ لم یزلی است

انھیں زبان و بیان پر ملکہ حاصل تھا۔ فارسی و عربی میں مہارت کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کا ستھرا شعور رکھتے تھے۔ ان کی اردو لکھنؤ کی بامحاورہ ٹکسالی زبان ہے کلام کی سنجیدگی، لب و لہجہ کی بلند آہنگی، طنطنہ اور زور اس میدان میں بے مثل استاد ہی کی دلیل ہے۔ ایک نعت شریف کے چند اشعار میرے اس دعوے کی تصدیق کریں گے۔ ملاحظہ ہوں ؎

رشکِ قمر ہوں رنگِ رخِ آفتاب ہوں
ذرّہ ترا جو اے شہِ گردوں جناب ہوں
درِ نجف ہوں گوہرِ پاکِ خوش آب ہوں
یعنی ترابِ رہگذرِ بوتراب ہوں
گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشمِ پر آب ہوں
دل ہوں تو برق کا دلِ پر اضطراب ہوں
خونیں جگر ہوں طائرِ بے آشیاں شہا
رنگِ پریدۂ رخِ گل کا جواب ہوں
بے اصل و بے ثبات ہوں بحرِ کرم مدد
پروردۂ کنارِ سراب و حباب ہوں
عبرت فزا ہے شرمِ گنہ سے مرا سکوت
گویا لبِ خموشِ لحد کا جواب ہوں
دل بستہ بیقرار جگر چاک اشکبار
غنچہ ہوں گل ہوں برقِ تپاں ہوں سحاب ہوں
مولیٰ دہائی نظروں سے گر کر جلا غلام
رشکِ مژہ رسیدۂ چشمِ کباب ہوں
مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں
دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں
شاہا بجھے سقر مرے اشکوں سے تا نہ میں
آبِ عبث چکیدۂ چشمِ کباب ہوں
حسرت میں خاکبوسیٔ طیبہ کی اے رضاؔ
ٹپکا جو چشمِ مہر سے وہ خونِ ناب ہوں

ناسخؔ ہوں کہ اسیرؔ، غالبؔ ہوں کہ مومنؔ، انھیں شہرت و مقبولیت جس برتے اور کمالِ فن پر حاصل ہوئی، کیا مندرجہ بالا کلام تھا کسی طرح بھی اس معیار کیف و کم سے کم ہے؟ اس ایک نعتیہ غزل میں شعر و سخن کے کتنے محاسن جمع ہیں۔ نادر استعارے تازہ کار تشبیہیں، صنعت لف و نشر، حسن تضاد، مراعاۃ النظیر، رعایت لفظی سادگی، صفائی، لب و لہجہ کا بانکپن، شوخیٔ طبع، مضمون آفرینی، پروازِ فکر اور کیا کچھ نہیں ہے؟ غالبؔ اردو کا مایہ ناز شاعر ہے۔ حضرت رضاؔ نے غالب کی جن زمینوں میں طبع آزمائی فرمائی ہے ان سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ نظرِ انصاف میں دونوں کے اشعار دیکھیے اور معیار و منہاج کے پیشِ نظر ان پر صاد لگائیے۔ غالبؔ کی مشہور غزل ہے ؎

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں
بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

حضرت رضاؔ فرماتے ہیں ؎

میں نے کہا کہ جلوۂ اصل میں کس طرح گمیں
صبح نے نورِ مہر میں مٹ کر دکھا دیا کہ یوں

غالبؔ کی ایک اور مقبول غزل ہے ؎

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگذر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

رضاؔ کی غزل کا اندازہ اس شعر سے لگایئے ؎

جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اٹھائے کیوں

حضور انور کے جسمِ منور کا سایہ نہ ہونے کی بہت ساری شاعرانہ توجیہیں بیان کی جاتی رہی ہیں۔ دیکھیے حضرت رضاؔ کس خوبصورتی سے کہتے ہیں ؎

راہِ نبی میں کیا کمی فرشِ بیاضِ دیدہ کی
چادرِ ظل ہے ملگجی زیرِ قدم بچھائے کیوں
ہے تو رضاؔ نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوزِ غم سازِ طرب بجائے کیوں

آپ نے جو زمانہ پایا وہ ہندوستان میں مسلمانوں کا زوال یافتہ عہد تھا۔ بادشاہت ختم ہو چکی تھی۔ انگریزوں کی غلامی کا دور تھا۔ مسلم معاشرہ، مسلم تہذیب اور اسلامی ثقافت کے عروج کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے، ہزار عیوب کے باوجود فنونِ لطیفہ کی دلکشی ابھی باقی تھی۔ شعر و سخن کا ہر طرف چرچا تھا، محفلیں گرم تھیں، زباندانی کے سکے بٹھلائے جاتے تھے۔ حضرت رضاؔ اپنی بے شمار صلاحیتوں کے ساتھ اگر صرف اس میدانِ زباندانی میں اپنا علم لہراتے تو کوئی مقابل نہ تھا مگر ان کی ساری توجہ حفاظتِ

دین متین اور شریعت محمدی کی پاسبانی پر رہی۔ اسلام کے بنیادی عقائد پر جو بالتحریک حملے ہو رہے تھے۔ فتنۂ نجدیہ نے جو طوفان برپا کر رکھا تھا اور جزیرۃ العرب کو ہلا تا ہوا یہ زلزلہ جس تیزی سے ہندوستان میں بڑھ چلا تھا اگر امام احمد رضا خاں اس کا توڑ نہ کرتے تو خدا معلوم کفریات وہابیہ کا سیلاب کتنوں کے سفینۂ ایمانی کو غرق کر دیتا حضرت فاضل بریلوی نے جس جانفشانی اور جگر کاری کے ساتھ ردِّ وہابیہ کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ وہ کچھ ان ہی کا حصّہ تھا ع

این کار از او آید و مرداں چنیں کنند

ان کی زندگی کا یہ مذہبی مشن ان کی شاعرانہ مقبولیت کی راہ میں حائل رہا اور وہ اکثر حلقوں میں موردِ طعن و ملامت رہے مگر یہ تو سنت روزِ ازل ہے کہ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی ستیزہ کار رہا ہے۔

اہل سنّت وجماعت کے امام عصر حاضر حق کے لئے کسی کو خاطر میں نہ لائے۔ انھیں اس کا احساس تھا، وہ لکھتے ہیں ؎

سنیت سے کھٹکے سب کی آنکھ میں

پھول بن کر ہو گئے کیا خار ہم

لیکن حوصلہ یہ تھا کہ

کلکِ رضا خنجر خونخوار برق بار

اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

رسول مقبول نے نجد سے متعلق جو پیشین گوئیاں فرمائی تھیں وہ سب کی سب اپنے وقت سے ظاہر ہوئیں۔ ابن عبدالوہاب نجدی نے جو کچھ کیا وہ کس سے پوشیدہ ہے۔ اس کے پیروؤں کے عقائد شیطانی لبس معاذ اللہ۔ حبّ رسول کی شدّت نے دشمنان رسول کے لئے کلکِ رضا کو واقعی خنجر خونخوار و برق بار بنا دیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

مومن وہ ہے جو ان کی عزّت پہ مرے دل سے

تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو

ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویا رہے

پھر کہے مردک کہ ہوں امّت رسول اللہ کی

کرے مصطفےٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں

کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

حضرت رضا کی شاعری میں ان کی مذہبیت نے یہ رخ ضرور پیدا کیا ہے جو سراسر حقائق پر مبنی ہے۔ اس کے باوجود اگر خالص فنی اقدار کا جائزہ لیا جائے تو رضا کی شاعری دلّی اور لکھنؤ کی معیاری شاعری کے نمونے پیش کرے گی۔

زبان کی صفائی، شستگی و برجستگی اور سہل ممتنع کی مثالیں دیکھنی ہوں تو ذیل کے اشعار موجود ہیں ؎

اے رضا سب چلے مدینے کو

میں نہ جاؤں ارے خدا نہ کرے

آنکھیں رو رو کے سوجانے والے

جانے والے نہیں آنے والے

ذبح ہوتے ہیں وطن سے بچھڑے

دیس کیوں گاتے ہیں گانے والے

کیوں رضا آج گلی سونی ہے

اُٹھ مرے دھوم مچانے والے

اللہ اللہ کے نبی سے

فریاد ہے نفس کی بدی سے

شب بھر سونے ہی سے غرض تھی

تاروں نے ہزار دانت پیسے

ان کے آگے دعویٔ ہستی رضا

کیا بکے جاتا ہے یہ ہر بار ہم

ان کا تبحر علمی ان کے بیشتر اشعار سے ظاہر ہے۔ عربی و فارسی پر کامل عبور نے اشعار میں عربی فقروں کا اتنا حسین اور برجستہ پیوند لگایا ہے جسکی مثال کم ملتی ہے ؎

بے ابر کرم کے مرے دھبّے

لاتغلسها البحار آقا

اتنی رحمت رضا پر کر لو

لایقربه البوار آقا

لاملئنّ جہنم تھا وعدۂ ازلی

نہ منکروں کو عبث بدعقیدہ ہونا تھا

لم یات نظیرک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تو ہے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

آپ کی مشہور نعت ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا

نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

مقطع کا حسن ملاحظہ ہو ؎

اے رضا چیست غم از جملہ جہاں دشمن تست

کردہ ام مامنِ خود قبلۂ حاجاتے را!

ایک دوسری نعت ہے ؎

پاٹ وہ کچھ، دھار یہ کچھ، زار ہم
یاالٰہی کیونکر اتریں پار ہم

مقطع میں فرماتے ہیں ؎

چشم پوشی وکرم شانِ شما
کارِ ما بیباکی واصرار ہم

میں عرض کرچکا ہوں کہ حضرت رضا کی زبان خالص ٹکسالی زبان ہے۔ ان کے یہاں کچھ ایسے الفاظ بھی بڑی عمدگی سے ادا ہوئے ہیں جو لکھنؤ کی خالص بیگماتی اردو کا جزو ہیں مثلاً منگتا، گنا، بھرن، خدائی خوار، گدگدی کرنا، سر پہ بلا اٹھانا، ہوا بتانا وغیرہ ؎

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرادے وہ دنیا کا تاج
جس کی خاطر مرگئے منعم رگڑ کر ایڑیاں

او شہد نمائے زہر درجام
گم جاؤں کدھر تری بدی سے

بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا
لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا

ہے کون کہ گریہ کرے یا فاتحہ کو آئے
بیکس کو اٹھائے تری رحمت کے بھرن پھول

اپنے کوچہ سے نکالا تو نہ دو
ہیں تو حد بھر کے خدائی خوار ہم

غفلتِ شیخ و شاب پر ہنستے ہیں طفلِ شیر خوار
کرنے کو گدگدی عبث آنے لگی بہار کیوں
یادِ وطن ستم کیا دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں
نام مدینہ لے لیا چلنے لگی نسیمِ خلد
سوزشِ غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں؟

روزمرہ، محاورہ اور لب ولہجہ کا یہ ستھراپن ان کے کلام کا خاص جوہر ہے اس کے باوصف سخت اور دشوار زمینوں میں حضرت رضا نے جو مضامین باندھے ہیں وہ ان کی قادرالکلامی پر دال ہیں۔ آپ کی طبیعت مشکل پسند تھی اور یہ مشکل بھی انہیں اتنی سہل تھی گویا کوئی تکلیف ہی نہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

کیا ٹھیک ہو رخِ نبوی پر مثالِ گل
پامال جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل
رنگِ مژہ سے کر کے خجل یادِ شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل

عارض شمس وقمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں
دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے، دس ہلال
ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر ایڑیاں
چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آگئی
کرچکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں

تشبیہات کی کچھ اور تازہ کاری دیکھئے ؎

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کہن پھول
دل کھول کے خوں رولے غمِ عارضِ شہ میں
نکلے تو کہیں حسرتِ خوں نابہ شدن پھول

وہ بہادر شاہ ظفر کی طرح لمبی لمبی ردیف میں بھی اشعار بڑی آسانی سے کہتے ہیں ؎

رخ دن ہے یا مہرِ سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
شب زلف یا مشکِ ختا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

نہ آسماں کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضورِ خاکِ مدینہ خمیدہ ہونا تھا
رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہِ حبیب
تو پیارے قیدِ خودی سے رہیدہ ہونا تھا

تلمیحات سے اشعار کا معنوی حسن سوا ہوتا ہے۔ حضرت رضا کے کلام میں تلمیحات کی کثرت ہے جو ان کی وسعتِ علمی اور ایجازِ سخن کی دلیل ہے۔ شاعر کو اس صنعت گری پر کمال حاصل ہے۔ ؎

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشانِ سوختہ

وہ رعایتِ لفظی سے بھی اپنے کلام میں بڑی دلکشی اور جاذبیت پیدا کرتے ہیں

؎ خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ
انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

(بقیہ صفحہ ۵۰۴ پر)

نعتیہ شاعری پر اک نظر

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
چکیا کالج۔ بارا چکیا۔ ایسٹ چمپارن۔ بہار

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

نعت گوئی ایک فن ہے اور مشکل فن ہے۔ یہ پل صراط طے کرنے سے بھی دشوار تر ہے۔ اور چاول پر قُل ھو اللہ کا نقش لکھنے کے مترادف ہے۔ اس فن کی نزاکتوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بڑے محتاط فکر و تخیل ہوشیاری اور ادب شناسی کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی خیال کو فنّی پیکر عطا کرنے سے پہلے اس کو سو بار احتیاط کی چھلنی میں چھان لینا پڑتا ہے۔ تب وہ کہیں جا کر معرضِ اظہار میں آتا ہے۔ علمائے نقد و نظر اور صاحبانِ علم و فن کا اتفاق ہے کہ نعت کی راہ شاعری کی سخت ترین راہوں میں سے ہے اور تمام اصنافِ سخن سے مشکل ہے۔ اگر حد سے تجاوز کرتا ہے تو الوہیت کی تجلی خاکستر کر دے گی۔ اور کمی کرتا ہے تو تنقیص شانِ رسالت کی تیز تلوار اُس کی گردن ناپ دے گی۔ اس لئے خوش نصیب ہیں وہ مداحین رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جنھوں نے کامیابی اور سرخروئی کے ساتھ اس وادیٔ پر خار کو طے کیا اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی عقیدت و محبت کا شعری گلدستہ پیش کیا۔

نعت گوئی اور نعت خوانی ایسا مقدس وظیفہ حیات ہے جس کی عظمت اور مقبولیت کی سند خود بارگاہ ممدوح، محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل چکی ہے حضرت حسّان بن ثابت حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے منبر پر کھڑے ہو کر نعت پاک پیش کیا کرتے اور سرکار دوجہاں ان کو "اللھم ایدہ بروح القدس" کا مژدۂ جانفزا سنا کر دارین کی سعادتوں سے نوازا کرتے۔ حضرت کعب بن زہیر جو حالت کفر میں اپنی شاعرانہ بے احتیاطیوں اور بے ادبیوں کے جرم میں واجب القتل قرار دے جا چکے تھے جب بارگاہ رحمت میں معذرت خواہ ہو کر حاضر ہوئے اور اپنا مشہور تاریخی قصیدہ "بانت سعاد" سنایا تو حضور نے خوش ہو کر اپنی ردائے مبارک اُن کو عطا کر دی۔ عہد ما بعد میں صاحب "قصیدہ بُردہ" حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے بعارضۂ فالج ایک نعتیہ قصیدہ تحریر فرمایا۔ تو خواب میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت پاک سے مشرف ہوئے۔ حضور نے اپنا دست کرم اُن کے اعضائے مفلوجہ پر پھیرا، وہ اسی وقت اچھے ہو گئے اور ایک چادر رحمت سے بھی نوازے گئے۔ الغرض اعلحضرت ہی کی زبان میں

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں آیا

فارسی نعت گویوں میں حضرت سعدیؔ، جامیؔ، خسروؔ، اور قدسیؔ (رحمھم اللہ) کی نورانی اور عرفانی نعتوں سے کون صاحب ذوق واقف نہیں۔ ان عاشقان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بلحاظ فکر کیا بلحاظ فن۔ نعتوں اور منقبتوں کا ایسا حسین گلشن سنوار دیا ہے جس کی بہاریں صبح قیامت تک بے خزاں رہیں گی۔

اُردو شاعری اپنے دامن میں مقدار و معیار ہر دو اعتبار سے نعتوں کا عظیم سرمایہ رکھتی ہے اور ابتدا ہی سے نعت گویوں کا سلسلۂ نجوم نظر آتا ہے۔ اردو کا کوئی ایسا معقول شاعر نہیں جس نے نعت سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کم از کم ایک دو شعر بھی نہیں کہا ہو۔ لیکن حقیقتاً جن خوش نصیب حضرات نے اسی صنف لطیف کو اپنے سینوں سے لگایا اور نجات آخروی کا ذریعہ سمجھا اُن میں اعلیحضرت مولٰینا الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی (نور اللہ مرقدہ) حضرت مولٰینا غلام شہید، حضرت مولٰینا حسن رضا خاں صاحب بریلوی، حضرت آسی غازیپوری، حضرت محسن کاکوروی اور امیر مینائی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مگر تمام نعت گویوں میں از متقدمین تا متاخرین حضور اعلحضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب کا مقام اور ان کا کلام کئی جہت سے سب سے ممتاز اور منفرد نظر آتا ہے۔ پہلی امتیازی خصوصیت تو یہ ہے کہ اردو کا کوئی بھی نعت گو آپ سے زیادہ وسیع المعلومات، اسرار شریعت کا راز داں، کتاب و سنت کے بحر ذخار کا سچا شناور اور صاحب فضل و کمال نہیں ہوا۔ دوسری امتیازی صفت یہ ہے کہ نعت گوئی میں آپ جس احتیاط و ادب شناسی کی منزل سے گزرے ہیں اس کا جواب نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ آپ نے قرآن سے نعت گوئی سیکھی اور حضرت حسان

جیسے آشنائے منزل کو خضر راہ بنایا۔ خود فرماتے ہیں ؎

قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

رہبر کی رہِ نعت میں اگر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

بہت کم شعرا ایسے ہوں گے جنھوں نے اپنی زبان وقلم کو صرف تذکرۂ پاک صاحبِ لولاک تک محدود رکھا ہو اور کبھی کسی اہل ثروت و منصب کی مداحی نہ کی ہو۔ یہ امتیاز خاص بھی صرف اعلحضرت کا ہے کہ انھوں نے کبھی کسی دنیاوی جاہ و حشمت والے کی طرف نگاہِ غلط انداز تک نہیں ڈالی۔ ایک بار شاعروں نے نانپارہ کے نواب کی شان میں مدحیہ قصائد کہے۔ آپ سے بھی فرمائش کی گئی۔ جواب میں آپ نے ایک نعت پاک کہی جس کا مطلع ہے ؎

وہ کمال حسنِ حضور ہے کہ گمان نقش جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور مقطع میں اپنا یہ مسلک شاعری بھی ظاہر کر دیا ؎

کروں مدح اہل دُول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

قدرت کلام کے آئینے میں دیکھئے تو یہاں بھی اعلحضرت اپنی انفرادی شان لئے ہوئے نظر آئیں گے۔ ایک بار آپ سے درخواست کی گئی کہ ایک ایسی نعت کہیں جس میں عربی فارسی، اردو، ہندی زبانوں کے الفاظ شامل ہوں۔ آپ نے فی البدیہہ دس اشعار پر مشتمل ایک نعت کہدی جس کا مطلع ہے ؎

لم یات نظیرک فی نظرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

اس ضمن میں ان کی ایک خالص اردو نعت کے یہ چند اشعار بھی دیکھئے جن میں الفاظ کی نشست و برخاست، خیالات کا اتار چڑھاؤ، لہجے کی گھلاوٹ، طرز ادا کی دلکشی، قوافی کی شگفتگی اور صوتی حسن سے رنگ و نور کا سامانِ صد ہزار لئے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ پڑھیئے اور کمال سخنوری کی داد دیجیئے ؎

زمین و زماں تمھارے لئے مکین و مکاں تمھارے لئے
چنین و چناں تمھارے لئے بنے دو جہاں تمھارے لئے

کلیم و نجی مسیح و صفی خلیل و رضی رسول و نبی
عتیق و وصی غنی و علی ثنا کی زباں تمھارے لئے

نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمھارے لئے

جناں میں چمن چمن میں سمن سمن میں پھبن پھبن میں دلہن
سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمھارے لئے

آپ نے اپنے عہد کے تمام مروجہ اصناف سخن میں طبع آزمائی فرمائی لیکن ہر جگہ اپنی انفرادیت کا نقش پائدار چھوڑا ہے۔ دوم درجے کی چیز کبھی نہیں کہی۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، مستزاد، قطعات، رباعیات اور سلام جس میدان کی طرف رخ کیا ہے اپنی شاعرانہ عظمتوں کا سکہ بٹھا دیا ہے یہ اعلحضرت کے لئے شایاں تھا اگر یہ ادعا فرماتے کہ ؎

دونوں عالم پہ ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

لیکن انھوں نے از راہِ انکسار صرف اتنے ہی پر بس کیا ؎

یہی کہتی ہے بلبلِ باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

اور خدا کی قسم اس میں کوئی شاعرانہ تعلّی یا جذبۂ احساس برتری نہیں۔ نعت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ نے جس عشق و وارفتگی اور جذب و سرمستی کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ دنیائے شعر وسخن میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کا نعتیہ دیوان جو "حدائق بخشش" کے دو حصوں میں ہر جگہ دستیاب ہے اس کا ایک ایک شعر اور شعر کا ہر ہر لفظ عشق رسول کی پاکیزہ شراب سے لبریز ہے۔ اور عقیدت و اخلاص کا آئینہ دار ہے اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کے اس بے پایاں عشق رسول اور فنافی الرسول ہونے کی شہادت دشمنوں نے بھی دی ہے۔ الحق ما شهدت به الاعداء۔ اور یہ قبولیت و لطف سخن اس لئے حاصل ہوا کہ آپ کا قال حال تھا اور حال قال تھا۔ آپ کا ظاہر باطن تھا اور باطن ظاہر تھا۔ از دل خیزد در دل ریزد کی کیفیت سے سارا کلام مملو نظر آتا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا بے مشکل ہے کہ کس شعر کو کس شعر پر ترجیح دی جائے۔ بقول نظیری ؎

ز فرق ما بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

"حدائق بخشش" پر از اول تا آخر تنقیدی نظر ڈال جائیے، دوست کی نظر سے نہیں دشمن کی نظر سے، جانبداری کی نظر سے نہیں غیر جانبدار کی نظر سے، دور بینی نہیں خورد بینی نظر سے کہیں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملے گا جو کتاب و سنت سے متصادم اور احکام شریعت سے مزاحم ہو۔ نہ کہیں افراط نہ تفریط۔ ایک خوشگوار اعتدال و توازن کی چاندنی ہر جگہ چھٹکی نظر آتی ہے۔ اور لاریب اتنی کامیابی اور خوش اسلوبی سے وہی عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو بارگاہ رسالت کا ادب شناس اور مؤید من اللہ ہو ——— ہر چند اعلحضرت نے شعر گوئی کو کبھی مقصود بالذات نہیں سمجھا۔ مقصد حیات مداحیٔ سرکار تھا۔ انھوں نے شاعری برائے شاعری نہیں کی ہے۔ بلکہ شاعری بطور عبادت کی ہے۔ انھوں نے کبھی کسی سے "ستائش کی تمنا" نہیں کی اور "صلہ کی پروا" کی ہے تو اسی دربار گوہر بار سے جس کی شان انھیں کی زبان

میں کہتے ہے

مانگیں گے مانگے جائیں گے منھ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

لب وا ہیں، آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیگ ترے پاک در کی ہے

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

مرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں۔ دُر بے بہا دیئے ہیں

اور واقعی اس شہنشاہ کونین کی بارگاہِ بیکس پناہ سے انھوں نے جو مانگا ملا جو تمنا کی پوری ہوئی۔ صرف دو واقعات کے ذکر پہ اکتفا کروں گا۔ ایک بار حضور اعلیٰ حضرت نے خواب دیکھا کہ اپنے مکان کے آگے شارع عام پر کھڑے ہیں اور ایک بلوری فانوس ہاتھ میں ہے۔ اُسے روشن کرنا چاہتے ہیں لیکن دو شخص جو دائیں بائیں کھڑے ہیں پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں۔ اتنے میں حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر وہ دونوں مخالف فوراً غائب ہو گئے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) اعلیٰحضرت کے پاس تشریف لائے اور اُن سے اتنے قریب ہو گئے کہ ایک بالشت سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا اور بہ کمال رافت و رحمت ارشاد فرمایا "پھونک مار اللہ روشن کر دے گا"۔ آپ (اعلیٰحضرت) نے پھونکا سارا فانوس روشن ہو گیا (تجلی الیقین صفحہ ۸۰)

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ دوسری بار جب سرکار اعلیٰحضرت زیارت محبوب کی غرض سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو شوقِ دیدار میں روضۂ انور کے مواجہہ میں درود دل کی ڈالیاں نچھاور کرتے رہے اس حُسن نیت اور یقین محکم کے ساتھ کہ حضور پر نور (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی زیارت سے مشرّف فرمائیں گے۔ لیکن پہلی شب میں ایسا نہیں ہوا۔ تو آپ نے بہ رنگ تغزل ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

اور اس کو نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مواجہہ اقدس میں عرض کیا۔ اور ادب کے ساتھ بیٹھ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں بابِ کرم وا ہوا اور آپ نے اپنے چشم سر سے بحالت بیداری تاجدار کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جمال جہاں آرا کی زیارت فرمائی (حیات اعلیحضرت بحوالہ سوانح اعلیحضرت ص۲۵۳)

حقیقت یہ ہے کہ جس کسی نے دل کی گہرائیوں سے محبوب کبریا کی مدح و منقبت فرمائی وہ کبھی محروم نہیں رہا۔ اعلیٰحضرت کو یہ سعادت عظمیٰ اس لئے حاصل ہوئی کہ آپ سرکار کی محبت میں خلوص مجسّم تھے۔ بظاہر آپ کا جسم ہند میں لیکن روح گنبد خضری کی ٹھنڈی چھاؤں میں چلتی پھرتی نظر آتی۔ آپ کے نالۂ نیم شبی میں جو سوز و گداز اور آہ صبحگاہی میں جو جوش اضطراب تھا وہ بالآخر رنگ لے ہی آیا۔ اور آپ کا یہ جذب و عشق صرف سرکار دو عالم کی ذات پاک ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ جلوہ گاہ محبوب مدینہ طیبہ کے ذرّہ ذرّہ اور چپہ چپہ سے آپ کو بے پایاں عشق رہا ہے۔ اُس دیارِ قدس کے پھول تو پھول کانٹوں کو بھی آپ نے سینے سے لگایا ہے۔ وہاں کے ہر در و دیوار، گنبد اور مینار، مرغزار و کہسار اور ریگزار و رہگزار کو آپ نے قریب سے دیکھا ہے۔ چشم و دل سے لگایا ہے اور پھر اُس کے حسین جلوؤں کو اپنے اشعار میں سمیٹ لیا ہے۔ اور ایسا کرنا بھی چاہیئے تھا۔ بقول شاعر ؎

ومِن مَذهبِي حُبُّ الدِّيَارِ لِأَهلِهَا
وللناسِ فيما يَعشَقونَ مَذاهِبُ

(میرے مذہب میں دیار سے محبت کرنا صاحبِ دیار کی وجہ سے ہے اور عشق میں لوگوں کے الگ الگ مذہب ہوا کرتے ہیں)

اور اب اُن کے دیوان سے چند متفرق اشعار میرے دعاوی کے ثبوت میں ملاحظہ ہوں ؎

اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا
کنارِ خارِ مدینہ دمیدہ ہونا تھا

اے خارِ طیبہ دیکھ کے دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں

کیا مدینے سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ واہ

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

اسطرف روضے کا نور اس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

چرچے ہوتے ہیں یہ کمھلائے ہوئے پھولوں میں
کیوں یہ دن دیکھتے، پاتے جو بیابان عرب

مدینے کے خطے خدا تجھکو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

اسطرح کے ان گنت اشعار اُن کے دیوان میں مہ و نجوم کی طرح جگمگاتے رہے ہیں۔ جب کبھی اعلیٰحضرت کے سامنے ذکر مدینہ آتا وہ فرط عقیدت و محبت سے سرشار ہو کر سارے زمانے سے بے نیاز ہو جاتے اور دنیا کی حسین

ترین چیزوں میں بھی انھیں کوئی لطف و دلکشی نہیں معلوم ہوتی۔ فرماتے ہیں ؎

حورِ جناں ستم کیا طیبہ نظر میں پھر گیا
چھیڑ کے پردۂ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

اور وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ عشق مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آتش فروزاں کی بدولت جو داغ جگر کا لہلہاتا ہوا باغ عطا ہوا ہے وہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے ؎

یارب ہرا بھرا رہے داغِ جگر کا باغ
ہر مہ مہ بہار ہو ہر سال سالِ گل

دیکھئے "ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات" کے "یکساں ہیں" ہر مہ مہ بہار ہو ہر سال سالِ گل" کا کتنا لطیف اور دل آویز مصرع ڈھلا ہے۔ پھر پہلے مصرع میں "داغِ جگر" کو "باغ" سے تشبیہ دینا ندرت خیال اور جدّت بیان کی کتنی پاکیزہ مثال ہے۔ دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔

دردوں میں صورتِ ہالہ محیطِ ماہ طیبہ ہیں
برستا امت عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے

علم ہیئت کی روشنی میں عوام الناس کا خیال ہے کہ جب ہالہ چاند کو اپنے حلقہ میں لے لیتا ہے تو یقیناً بارش کا نزول ہوتا ہے۔ اب اس نکتے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضور اعلیٰحضرت معنی آفرینی فرماتے ہیں کہ امت کی جانب سے درودوں کی پیہم ڈالیاں نچھاور کی جاتی ہیں وہ بھی "ماہ طیبہ" کے گرد بصورت ہالہ اپنا حلقہ بنا لیتی ہے۔ اس کے بعد ہر آن یہ آس لگی رہتی ہے کہ امت عاصی پہ رحمت و نور کی موسلا دھار بارش اب ہوئی تو اب ہوئی۔ اعلیٰحضرت کی یہ شاندار نکتہ آفرینی اہل نظر سے خصوصی داد و توجہ کی مستحق ہے۔

اردو کے ایک باکمال شاعر نے کہا تھا ؎

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

مجھے خبر نہیں کہ واقعی انھوں نے ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھا کہ نہیں لیکن ارباب فکر و نظر دیکھ لیں کہ واقعی ہمارے امام اہلسنّت حضور اعلیٰحضرت نے اک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھا ہے۔ حدائق بخشش حصہ اول میں اُن کی ایک نعت ہے جس کی ردیف ہی "پھول" ہے۔ یہ نعت سوا ۱۷ اشعار پر مشتمل ہے۔ اور ہر شعر میں "پھول" کو ایک نئے معنی اور نئے طرز و انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور شاعروں نے "پھول" کو جتنے معنوں میں استعمال کیا ہوگا وہ سب یکجا طور پر اس گلدستہ نعت میں مل جائیں گے۔ تمام اشعار کو نقل کرنا ممکن نہیں صرف چار اشعار بلا تبصرہ پیش خدمت ہیں ؎

سرتا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہِ محن پھول

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

(تیسرے شعر میں "پھول" بمعنی ہلکا اور چوتھے شعر میں "پھول" بمعنی گھمنڈ استعمال کیا گیا ہے)

مجھے یقین ہے کہ شعر و ادب کا ستھرا ذوق رکھنے والے حضرات اعلیٰحضرت کے شاعرانہ کمالات کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیں گے اگر وہ واقعی ایمان و دیانت کے ساتھ اُن کے دیوان کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر غالب کی فکر بلند اور علوئے حوصلہ نے سارے "دشت امکاں" کو "ایک نقش پا" قرار دیا تھا تو اُن سے کئی منزل آگے بڑھ کر ہمارے اعلیٰحضرت کی عروس فکر نے زلف محبوب (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوشبو و لطافت کے مقابلے میں بہشت خلد کی بہاروں کو ایک "چھوٹا سا عطر داں" قرار دیا ہے ؎

بزم ثنائے زلف میں میری عروس فکر کو
ساری بہار ہشت خلد چھوٹا سا عطر داں ہے

اندازہ لگائیے ایک طرف "دشت امکاں" ہے دوسری طرف "ہشت خلد" اور جب یہ طے ہے کہ موجودہ دشت امکاں سے ایک خلد کا طول و عرض کئی گنا زیادہ ہے تو "ہشت خلد" کا عالم کیا ہوگا۔ اور پھر اس کی بہاروں کا خلاصہ اور نچوڑ زلف سرکار کے نزدیک ایک چھوٹا سا عطر داں ہو۔ ایسی اچھوتی اور دل آویز بات شاید کسی مداح رسول نے کہی ہو۔ اور اب یہ شعر دیکھئے۔

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

شعرائے قدیم سے لے کر دور جدید تک کے دواوین کا بغور مطالعہ کر جایئے تلاش و تفحص کے بعد آپ ایک شعر بھی ایسا نہیں پیش کر سکیں گے جس میں اپنے ممدوح کی مدح و ثنا اتنے خوبصورت اور ایمان افروز انداز میں کی گئی ہو جتنے خوبصورت اور پاکیزہ انداز میں اعلیٰحضرت نے اپنے مرقومہ بالا شعر میں کی ہے۔ عام طور پر ممدوح حسین کو مطلق "پھول" اور "شمع" دونوں سے مخاطب کیا گیا ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت کا اپنا انداز ہی نرالا اور جُداگانہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ صرف ہمارے حضور پر نور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کمالِ حسن ہے کہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا وہم و گمان

بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ آپ عالم امکان کے لوث وعیوب سے بالکل پاک و منزہ حسن وجمال کے شاہکار نمونہ ہیں۔ پھول بھی خوبصورت ہوتا ہے مگر کانٹے کا وجود اس کے لئے عیب ہے۔ شمع میں بھی حسن ہے مگر وہ جلتی ہے تو دھواں نکلتا ہے یہ اس کے لئے نقص ہے۔ یہ صرف کمالِ حسن حضور ہے کہ آپ "پھول" ہیں تو کانٹے سے بے نیاز اور "شمع" ہیں تو ایسی کہ اس میں دھواں پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا یعنی ہمارا "پھول" باغ عالم میں بے نظیر اور ہماری "شمع" بزم امکاں میں بے مثال۔

اردو کے ایک استاد شاعر آتش لکھنوی نے فن شاعری کو مینا کاری اور مرصع سازی کا فن قرار دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں ؎

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

اور اب اعلیٰحضرت کے اس شعر کو دیکھئے ؎

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

اس شعر کے لفظی اور معنوی حسن کا تجزیہ کیجئے تو صناعی و فنکاری کی دنیا نظر آئے گی۔ اس شعر کا مفہوم محض اتنا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے غیر معمولی حسن سے مبہوت ہو کر عورتوں نے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ دوسری طرف سرکار کے صرف نام پر مردانِ عرب سر کٹانے اور جاں لٹانے کو تیار رہتے تھے۔

فنی اعتبار سے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ کا استعمال اس سلیقے اور ہنرمندی سے کیا گیا ہے کہ ان کے باہمی تقابل سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ تفضیل ثابت ہوتی ہے۔ پہلے مصرع میں "حسن" کا لفظ آیا ہے تو اس کے مقابلہ میں مصرع ثانی میں "نام" کا لفظ ہے۔ پہلے میں "کٹنا" کہا گیا ہے جس میں قصد وارادہ کو دخل نہیں ہوتا تو دوسرے میں "کٹانا" کہا گیا ہے جس میں قصد وارادہ کا شامل ہونا ناگزیر ہے پہلے میں "مصر" ہے تو دوسرے میں "عرب" اور ظاہر ہے کہ ایام جاہلیت میں موخر الذکر کی سرکشی اور خودسری مشہور تھی۔ پھر پہلے مصرع میں "انگشت" ہے تو دوسرے میں اس کے مقابلہ میں "سر"۔ پہلے میں "زناں" اس کے مقابلے میں دوسرے میں "مردان" پھر پہلے میں لفظ "کٹیں" سے مظہر ہے کہ ایک بار ایسا ہوا اور دوسرے میں "کٹاتے" سے ثابت ہے کہ استمرار و دوام کے طور پر ایسا ہوتا ہے۔ الغرض دونوں مصرعوں کا ایک ایک لفظ تفضیل سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا علمبردار ہے۔ اعلیٰحضرت کے کمال تخیل کی داد دیجئے کہ کس طرح ایک شعر میں اتنے محاسن لفظی و معنوی کا التزام کر دیا۔

اسی قبیل کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو ؎

کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستان ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب

اس شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر سے اپنی قمیص مبارک اپنے والد محترم کی ردِّ بصارت کے لئے کنعان روانہ کی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دور ہی سے اس کی خوشبو محسوس فرمالی اور جب اس قمیص مبارک کو اپنی آنکھوں سے لگایا تو ان کی کھوئی ہوئی روشنی لوٹ آئی۔ یہاں اعلیٰحضرت فرماتے ہیں کہ محبوب دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود پاک کی عطر بیزیوں سے عرب کا ہر ایک گوشہ کنعاں کی طرح یوسفستان نظر آتا ہے۔ اور پیرہن محبوب کی خوشبوؤں سے یہاں کا کوچہ کوچہ ہر راہ ہر راہگذر مشکبار وخوشبودار نظر آتی ہے۔ اس شعر میں "بوئے قمیص"، "یوسفستان" اور "گوشۂ کنعانِ عرب" کی ترکیب و ترتیب اعلیٰ فنکاری اور مینا کاری۔ خاص طور پر "یوسفستان" کی ترکیب اعلیٰحضرت سے پہلے شاید کسی اور نے استعمال کی ہو۔

گزشتہ سطور میں کہیں اشارہ کیا گیا ہے کہ اعلیٰحضرت نے اپنے فکر ونظر کی آبیاری کلام ربانی کے چشمۂ صافی سے کی ہے۔ اور حضرت حسان کی رہنمائی میں چمنستانِ نبوت کے خوشرنگ وخوشبودار پھولوں سے اپنے گلدستۂ نعت کی تزئین وآرائش کی ہے۔ آیئے ایک دو مثالوں سے اس کو واضح اور محکم کرتا چلوں۔ سب سے پہلے اعلیٰحضرت کا یہ شعر سنئے جو قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اور خاص وعام کی زبان پر جاری رہتا ہے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

یعنی دونوں عالم کے رہنے والے خدا کی خوشنودی کے جویاں اور خواہاں ہیں اور خود خدا وند قدوس اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کا طالب ہے۔ اعلیٰحضرت نے اپنے اس فکر کی اساس آیات قرآنی قد نریٰ تقلب وجہک .... ترضٰھا لیٹر رکھی ہے جس میں تحویل قبلہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ نے انھیں آیات مذکورہ کا صاف وبرملا ترجمہ اپنے شعر میں کیا ہے۔ یہ گویا سمندر کو کوزہ میں بھر دیا ہے اور اختصار میں جامعیت کی شان پیدا کر دی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ قم باذن اللہ کہکر آپ مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔ اور سید الانبیاء کی معجزانہ شان یہ ہے کہ آپ نے بے جان کنکریوں کو قوت گویائی بخش دی۔ مردے تو بہرحال کسی زمانے میں ذی روح تھے لیکن سنگریزے تو ہمیشہ جامد وغیر ذی روح رہے اس لئے "اعجاز عیسوی" سے "اعجاز مصطفوی" زیادہ انوکھی اور اچھوتی بات ہوئی۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں ؎

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

مصرع اول میں "لب عیسیٰ" اور دست مصطفیٰ کا تقابل بھی خوب ہے دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "لب عیسیٰ" سے بھی حضور ہی کے لبہائے مبارک مراد ہیں اور اعلیٰحضرت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضور کے دہان مبارک اور لبہائے مبارک

کا اعجاز مسلّم ہے ہی آپ کے دست مبارک میں بھی یہ اعجاز تھا کہ انگشت پاک سے اشارہ فرمادیا تو سنگریزے بولنے لگے۔ مصرع میں شانِ "شیریں مقالی" کا ٹکڑا بڑا جاندار اور بلاغت آفریں ہے کیونکہ سنگریزوں نے دستِ کافر میں کلمۂ اسلام پڑھ کر اپنا تعارف کرایا تھا اس سے بڑھ کر "شیریں مقالی" کیا ہوگی۔

اس نعت کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو ؎

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں

اس شعر میں آیت پاک محمد رسول اللہ والذین ..... بینهم (پ ۲۶) کی شاندار ترجمانی کی گئی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنوں کے لئے رؤف و رحیم ہیں اور کفر کی حلقوم پر شمشیر برہنہ کی مانند ہیں۔ اسطرح آپ کی ذات اقدس جمال و جلال دونوں کی مظہر ہے۔ اس کو استعارہ بدل کر یوں کہا گیا ہے کہ آپ کے دست کرم میں "دونوں" شانیں موجود ہیں۔ ایک پہلو جمالی ہے تو دوسرا جلالی ہے۔ پہلے مصرع میں "ابر نیساں" کی مناسبت سے دوسرے مصرع میں لفظ "جمالی" کا استعمال اور "تیغ عریاں" کی رعایت سے لفظ "جلالی" کا انتخاب کتنا موزوں، مناسب اور شاعرانہ طرز بیان ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور فداہ ابی و امی کل عرصات قیامت میں داور محشر کے سامنے گنہگاران امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اعلیٰحضرت کی روح پرور نکتہ آفرینی دیکھیے کہتے ہیں کہ آپ کی شفاعت فرمائی کا اندازا تنا والہانہ اور دل پذیر ہوگا کہ وہ قدسی نفس حضرات جن کے نامۂ اعمال میں سیأت کا شائبہ تک نہیں ہوگا وہ بھی یہ تمنا فرمائیں گے کہ کاش تھوڑا سا گنہ مل جاتا تا کہ ہم بھی سرکار کی روح افزا شفاعت سے لطف اندوز ہوتے۔ دیکھئے کتنے پیارے اور اچھوتے انداز میں کتنی پیاری بات کہی گئی ہے ؎

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ، پرہیز گاری واہ واہ

اس شعر میں "واہ واہ" کی ردیف نے صنعت تکرار کا لطف تو پیدا کیا ہی ہے لفظوں کے زیر و بم اور معنی کے کیف و کم نے بھی عروس سخن کے مکھڑے پر چار چاند لگا دیا ہے۔ قوافی کی شگفتگی، بحر کی روانی اور ترنم کی حلاوت اس پر مستزاد ہے۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر اصحاب کرام کے سامنے قلت آب کا مسئلہ درپیش آگیا آپ نے ایک پیالہ میں اپنا دست کرم ڈال دیا۔ پھر تو ان نورانی انگلیوں سے اس قدر متموج خیز دھارے پھوٹے کہ تمام لوگوں نے آسودہ ہو کر اپنی تشنگی رفع کر لی اور پھر پانی بچ بھی گیا۔ اس واقعہ کو مندرجہ بالا شعر میں اعلیٰحضرت نے کتنے دلکش اور دل نشیں انداز میں ادا فرمایا ہے۔ دست نبوت کی پانچ انگلیوں کو "پنجاب رحمت کی ندیاں" قرار دینا اور پھر اُن سے رحمت کا پانی بہانا یہ حضور اعلیٰحضرت ہی کے ذہن رسا کا کام تھا۔

حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور کے مزار پر انوار پر ستر ہزار فرشتے صبح سے شام تک اور ستر ہزار شام سے صبح تک لگاتا، درود و سلام کی ڈالیاں نچھاور کرتے رہتے ہیں۔ اس کو اعلیٰحضرت نے یوں ارشاد فرمایا ہے ؎

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام
یوں بندگیٔ زلف و رُخ آٹھوں پہر کی ہے

فنی لحاظ سے اس شعر میں صبح و شام کی مناسبت سے زلف و رخ کا لانا کتنا لطیف اور شاعرانہ پیرایۂ بیان ہے۔ اس طرح کی ہزاروں مثالیں حدائق بخشش میں موجود ہیں۔ اعلیٰحضرت نے جتنے محاسن ادبی و شعری اور صنائع و بدائع سے اپنے کلام کو مزین فرمایا ہے اگر ان کی کما حقہ توضیح و نشاندہی کی جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے مگر

ع فرصت کہاں کہ اس کی تمنا کرے کوئی

اس لئے بلا تبصرہ چند پسندیدہ اشعار اور سن لیجئے۔ عجب نہیں آپ کا ذوق بلند براہ راست دیوان اعلیٰحضرت کے مطالعہ پر مجبور کر دے ؎

جہاں کی خاک روبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز
کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں
ڈوبا ہے بدر گل سے شفق میں ہلال گل

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

ہلال کیسے نہ بنتا کہ بدر کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

وہ سرگرم شفاعت ہیں عرق افشاں ہے پیشانی
کرم کا عطر صندل کی زمیں رحمت کی گھانی ہے

صف ماتم اٹھے، خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں
گنہگارو چلو مولیٰ نے در کھولا ہے جنت کا

نکیرین کرتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پہ یہ عزت ملی ہے

(بقیہ صفحہ ۵۰۴ پر)

امام احمد رضا کی شاعری تحقیق کے آئینے میں

اشفاق احمد رضوی (بی، اے)

مجدد دین وملت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات مخزن برکات چودہویں صدی ہجری میں دنیا والوں کیلئے دینی، علمی روحانی لحاظ سے رب کرم کی اعلیٰ نعمت وسراپا رحمت تھی۔ آپ کی زندگی کے حالات عینی شاہدوں کے بیانات، علمائے عصر کی شہادتیں، مفتیان حل وحرم کے فتاوے، مشائخ عرب وعجم کے تحسینی ارشادات کی بناء پر یہ کہنا بالکل بجا اور بے غبار حقیقت ہے کہ مجدد مائتہ حاضرہ موید ملت طاہرہ "آیت من آیت اللہ" تھے۔ معجزۃ من معجزات سید المرسلین تھے (علی صاحبہا التحیہ والثنا) برہان اسلام، حجت دین، مسلک حق کیلئے آیت "بینات" تھے۔ یہ کلمات عقیدت ذرہ برابر بھی غلو ومبالغہ کے حامل نہیں ہیں۔ بلکہ اس دعوی پر اعلیٰ حضرت کے علمی، عملی کارنامے آپ کی تحقیقی تصنیفات، فتاوے رسائل و مسائل ایک مضبوط ومستحکم ثبوتی دستاویز ہیں۔

احوال واقعی

سطور بالا کے معروضات تخیلی پرواز نہیں ہیں بلکہ علمائے کرام کے ارشادات ہیں ورنہ اپنا حال تو یہ ہے کہ دینی علوم میں مہارت ورسوخ تو درکنار دینی علموں کے ابجد خوانوں کی صف نعال کے بھی لائق نہیں ہوں۔ پھر بھی ایسی باکمال شخصیت کے علم وفن پر جن کا سینہ وہبی علموں کا خزینہ، کسبی علم وفن کا گنجینہ ہے، اظہار رائے کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پھر بھی "دربار رضویت" کے اس ناچیز وابستہ دامن نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نعتیہ کلاموں کا بار بار مطالعہ کیا ہے جس کا تاریخی نام "حدائق بخشش" ہے۔ اس کے ساتھ اسکول وکالج کی زندگی میں اردو شعراء کے "دواوین" کے پڑھنے کا بھی موقع ملا ہے۔ اور اس پر نئے پرانے طرز کے نقادوں کی تنقیدیں بھی دیکھی ہیں۔ اثنائے مطالعہ میں صائب کا یہ مصرعہ بار بار دماغ میں چکر لگاتا رہا کہ "خس بود بالائے دریا زیر دریا گوہر است"۔ کتنے خس بالائے دریا ہیں ان کا حساب وکتاب کون پیش کرے اسی طرح یہ معلوم کتنے "زیر دریا گوہر" ہیں۔ انہیں زیر دریا گوہروں میں سر[illegible] سے اعلیٰ حضرت کے کمالات دُرِ بے بہا ہیں۔ اسی دُرِ یکتا کی شعری، ادبی جھلکیوں کو اپنی بساط بھر پیش کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔ مولیٰ تعالے اپنے حبیب پاک کے طفیل توفیق خیر سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

"معیار تنقید"

اردو شعراء کے کلام کو اس زمانہ میں جس معیار وکسوٹی سے پرکھا جا رہا ہے اور جس پیمانہ سے ناپا اور جس ترازو سے تولا جا رہا ہے اسی منوال ومیزان کی توقع ہم سے نہ رکھیں کیونکہ ہمارے نزدیک کسی کے کلام کی جانچ پرکھ اور اس کے کلامی وشعری معائب ومحاسن کی تعین وتشخیص، اس اہل کلام کے "دعاوی وخاص التزام کی روشنی میں کرنا چاہیئے۔ جس رعایت ولزوم کا اس نے اپنے آپ کو پابند کر لیا ہے۔ نگاہ تنقید اس نکتہ پر مرکوز رہے کہ آیا وہ اپنی متعین راہ پر قائم رہا یا ڈگمگا گیا۔ اس نے اپنی قائم کردہ روش نباہا یا نہیں۔ طریق ادا، اسلوب بیان ہو یا بلند خیالی۔ مضمون آفرینی ہو یا محاسن لفظی۔ صنائع وبدائع کی رعایت ہو یا ترکیب وبندش کی چستی۔ فصیحانہ بے ساختگی ہو یا بلیغانہ اقتضائے کلام۔ ان تمام شعبوں میں شاعر اپنے التزام وادعاء سے عہدہ برآ ہوا ہے یا نہیں۔ اسی معیار کی روشنی میں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ "کلام الامام امام الکلام ہے یا نہیں؟

نعت گوئی اور امام احمد رضا

یہ حقیقت بالکل بے حجاب وبے نقاب ہے بلکہ روشن تر از آفتاب ہے کہ اعلیٰ حضرت کا دل ودماغ، قلب وجگر، چشم وگوش، ظاہر وباطن قلب وقالب سر سے پا تک سارے اعضاء رگ وپے۔ فکر وخیال، دین وایمان سب میں محبت سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی تھی۔ بر آں حضور پرنور کی مدحت ورد زبان رہتی تھی۔ کوئی لمحہ ثنائے رسول سے خالی نہ رہتا تھا۔ قلم حق رقم کا کوئی نقش، اس کی کوئی تحریر ایسی نہیں جو محبت حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کے حیاض رحمت سے شرابور نہ ہو اور عظمت حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نوک قلم سے ٹپکتی نہ ہو۔ اس کے باوجود شعری پیکر میں

عروس فکر کو منصۂ شہود کی جلوہ گاہ بنانا ضمنی تھا۔ پیرایۂ شعر میں نعت گوئی آپ کا مقصودِ حیات نہ تھا۔ مقصدِ زندگی تو احیائے سنت، شریعت حقہ کی حفاظت، اہل حق کی حمایت، اہل باطل کا ابطال و ازہاق تھا جس پر بدو شعور سے آخری سانس تک قائم رہے۔ حمایت حق نے اسی جوش نے آپ کو ان جملہ علوم کے احیاء و تجدید کی طرف مائل کر دیا جو احقاق حق و ابطال باطل میں کسی طرح بھی ممد و معاون ہو سکتے تھے۔ اور حال یہ تھا کہ وہ علم یا تو مٹ چکے تھے یا مٹنے کے قریب تھے۔ آپ کا شعری ذوق بھی اسی جذبۂ حق گوئی کے تحت نمودار ہوا اور حمد و نعت و مناقب کے رنگ میں آپ کے شاعرانہ کمالات منصۂ شہود پر جلوہ ریز ہوئے۔

آج کی گفتگو اسی محور پر گردش کرتی نظر آئے گی۔ سطور زیریں کے مطالعہ سے قبل "چھان بین" کے متذکرہ بالا اصول و نقد و تبصرہ کی بنیاد و معیار کو اچھی طرح ذہن نشین فرمالیں۔

"نعت گوئی اور امام احمد رضا کا دعویٰ"

(۱) ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ ۔ بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

حدائق بخشش حصہ دوئم (رباعی ۲)

امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ :-

میں اپنے نعتیہ کلام سے نہایت ہی محظوظ و مسرور ہوں۔ کیونکہ میرا کلام بفضل الٰہی ہر بیجا و نازیبا الفاظ و معانی سے پاک ہے۔ مبرا ہے منزہ ہے میرے نعتیہ اشعار شریعت کے خلاف نہیں ہیں۔ اس میں ممنوعات و محذورات شرعی کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ خلاف شرع مضامین و الفاظ کیسے آسکتے تھے جبکہ میں نے قرآن عظیم سے نعت گوئی سیکھی ہے۔ اور قرآن حکیم کی نعت فرمائی و مدح نگاری کی شان ہی یہ ہے کہ احکام شریعت ملحوظ رہیں۔ اور ایک حرف بھی خلاف شرع آنے نہ پائے۔

اعلیٰ حضرت اپنی نعت گوئی کے محرکات کی نشان دہی خود ہی اسی حصۂ دیوان کی پہلی رباعی میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ :-

(۲) پیشہ میرا شاعری نہ دعویٰ مجکو ہاں شرع کا البتہ ہے جذبہ مجکو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کا خلاف لوزینہ میں سیر نہ بھایا مجکو

سطور بالا میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی شاعری ضمنیہ ہے۔ مقصودِ حیات و متاعِ زندگی نہیں ہے اس رباعی میں اسی صداقت کی صراحت ہے کہ شاعری میرا پیشہ نہیں۔ نہ مجھے شاعری کا دعویٰ ہے بلکہ یہ تو ع "جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے" کے شعلے ہیں جو بے اختیار کبھی کبھی بھڑک اٹھتے ہیں۔ یہ مشق سخن کے نمونے بھی نہیں ہیں بلکہ تپتے دل کی بھاپ ہے جو کبھی آنکھوں سے جلوہ فرما ہوتی ہے تو کبھی نوک قلم سے بسا طِ دین و ایمان پر گہر ریز ہو جاتی ہے۔ صرف "شرع" کی حمایت و پاسداری کا جذبہ محرک رہا ہے۔ جس کی وجہ سے سیف لسانی و تیغ کلکی سے بھی کام لینا پڑا ہے۔ جب میری نعت گوئی کا محرک شرع شریف ہے تو پھر شریعت کے خلاف جو تصورات ہیں وہ میرے نعتیہ کلام میں کیسے باریابی حاصل کر سکتے ہیں۔" یہ ممکن ہی نہیں کہ "مولیٰ" کی مدحت و ثنا میں مولیٰ ہی کے حکم کا خلاف ہو۔ کیونکہ ایسا کرنا مولیٰ کی ثنا و تعریف نہیں بلکہ اہانت ہے۔ ایسی صورت میں معاملہ ہی مقلوب و معکوس ہو جائے گا۔ ثواب و نجات کے بدلے عذاب و عقاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اسی حصۂ دیوان کی رباعی نمبر ۵ ملاحظہ فرمایئے :-

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغانِ دلِ زار حدیخواں بس ہے
رہبر کی راہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدم حضرت حساں بس ہے

اللہ اللہ جس امام مجدد وقت نے قرآن پاک سے نعت گوئی سیکھی۔ جن کی نعت گوئی و منقبت نگاری کا داعیہ "جذبۂ شرع" ہے جن کو اگر رہ نعت میں رہبر کی حاجت ہو تو "مداح الحبیب" نعت گو صحابی جلیل حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا نقش قدم رہبری کیلئے کافی ہو۔" ان کے کلام شرعی نقائص و اسلامی نقائص سے پاک نہ ہوں گے تو پھر کس کے کلام نمونۂ شریعت ہوں گے۔ ؟

تلاش کیجئے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام کے متعلق جن دعاوی کا برملا اظہار فرمایا ہے آپ کے سامنے ہے۔ مخالفین ہوں یا موافقین، مخلصین ہوں یا معاندین سب کو دعوت تنقید دیجئے کہ اے ناقدین زمانہ سر جوڑ کر بیٹھئے، تلاشئے۔ ڈھونڈھئے۔ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام میں نقائص شرعیہ، ممنوعات دینیہ، محذورات اسلامیہ کے ثبوت میں ایک شعر ہی لے آیئے۔ نہیں نہیں ایک مصرعہ ہی سہی۔ قرآن کریم ہر جگہ موجود ہے۔ حضرت حسان کے "نقش قدم" بشکل دیوان موجود ہیں — شریعت غرا مدون و منضبط صورت میں جلوہ فرما ہے۔ بتایئے نشاندہی کیجئے کہ فلاں شعر قرآن کے مزاج سے متصادم ہے۔ فلاں مصرعہ شریعت مطہرہ سے ٹکراتا ہے۔ فلاں مطلع اور حسن مطلع حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے نقوش عقیدت سے .... میل نہیں کھاتا ہے۔

بیجا نقادین

اعلیٰ حضرت کے حق گو اور بے باک ترجمان دین وعلمبردار شریعت ہونے کی وجہ سے ان کے بیجا وعنادی ناقدوں کا ایک جم غفیر سرزمین ہند میں پھیلا ہوا ہے جو عناد و غیظ و غضب کی آگ سے آتش زیر پا ہوکر نہ معلوم کتنے افترائی اعتراضات کئے ہیں اور کر رہے ہیں بے بنیاد بہتان اٹھائے ہیں اور اٹھاتے جا رہے ہیں۔ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کے صلہ میں اعلیٰ حضرت کے خلاف بالکل بے اصل و بے حقیقت ہر قسم کے اوچھے، گندے، مکروہ حربے استعمال کئے گئے ہیں اور اب تک کئے جا رہے ہیں۔ لیکن میرے علم کی حد تک کسی گروہ نے بھی آج تک "اعلیٰ حضرت" کی نعت گوئی میں شرعی عیوب نہیں نکال سکے ہیں۔ حالانکہ اغیار تو اغیار کچھ اپنے بھی رشک میں مبتلا تھے اور اب بھی ہیں۔ مگر اس باب میں مجھے کسی جانب کی نکتہ چینی کا علم نہیں ہے۔

غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے استمداد

متذکرہ بالا دونوں قسم کے ناقدوں کے سلسلے میں "سرکار بغداد" سے استعانت و استمداد فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :-

عدو، بد دین، مذہب والے حاسد   تو ہی تنہا کا رو زول ہے یا غوث

حسد سے ان کے سینے پاک کر دے   کہ بدتر دق سے بھی یہ سل ہے یا غوث

امام اہل سنت نے "بد دین" کو عدو فرمایا اور ہم مذہب حضرات کو حاسد ٹھہرایا اور سرکار غوثیت سے طالب امداد و اعانت ہوئے بھی تو کس چیز کے لئے۔ بس یہ کہ اے غوث پاک ان کے سینے حسد سے پاک کر دیئے جائیں۔ ان کی عداوتیں آپ کے ہوتے میرا کیا بگاڑیں گی۔ انہیں حاسدوں، معاندوں کا سراسر نقصان ہے کیونکہ ڈاہ و حسد کی آگ انسان کے دین و تدین کو اسی طرح خاکستر کر دیتی ہے جیسے ظاہری جسم کو "سل" کی بیماری کھا جاتی ہے۔ الغرض عظمت و توقیر رسالت کے پرچم بلند کرنے کی پاداش میں اہانت پسندوں نے وہ کون سی ایذائیں تھیں جو اس پیکر حق کو نہیں دی ہیں۔ مگر جب رسالت کے اس سرچشمہ نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوئے اپنے دشمنوں کو ان کی گالیوں کے بدلے دعائیں دی ہیں کہ ان کے سینے شرارتوں سے پاک کر دیئے جائیں۔ کیا یہ تاریخی حقیقت نہیں ہے کہ جن کے بارگاہ کے اعلیٰ حضرت غلام ہیں اور جن کے دربار کے ہمیشہ سائل رہے ہیں۔ اور یہ سائلانہ نعرہ لگاتے رہے ہے

" رضا یت سائل ہے میرتوئی سلطان لاتنہر

شہا بہر از یں خوانم اغثنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس اقلیم نبوت کے شہریار و کشور رسالت کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر ہونے والے جور و ستم کے جواب میں دعائیں نہیں دی ہیں ضرور ہیں۔ اسی خلق نبوی کا اتباع کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے دعا کی ہے کہ ان کینہ وروں کے دلوں کو پاک فرما دے۔

دوسرے شعر میں بشکل حیرت   اظہار حقیقت فرما رہے ہیں۔

سنیت سے کھٹکے سب کی آنکھ میں

پھول ہوکر ہو گئے کیسا خار ہم

اس المناک حادثہ کا تذکرہ "سخن گسترانہ" طور پر کیا گیا ہے ورنہ کہنا یہی ہے کہ اعلیٰ حضرت پر ہر طرح کے ناروا حملے کئے گئے۔ مگر نعت گوئی میں کوئی بھی شرعی معائب کا سراغ نہ پا سکے اور انشاء اللہ آئندہ بھی نہ پا سکیں گے۔

پاسِ شرع اور حسنِ شعر

اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات کو یہ بات دہراتے ہوئے سنا گیا ہے کہ شرعی قید و بند میں جکڑے ہوئے شعروں کی شعریت گھٹ جاتی ہے۔ دلکشی ہوا ہو جاتی ہے۔ واہ واہ کا سماں نہیں بندھتا۔ روکھا، پھیکا خشک محض ہوتا ہے۔ مگر جب شعر و سخن کذب و مبالغہ کی اس ٹکسال سے ڈھل کر برآمد ہوتا ہے (جس کو دروغ بے فروغ کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا) تو البتہ سامعین سر دھننے لگتے ہیں۔ واہ۔ واہ۔ داد تحسین و آفریں سے شور و غل سے زمین و آسمان گونجنے یا کانپنے لگتے ہیں۔ ایسے حضرات کے خیال میں حسن شعری و محاسن شرعی دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ دونوں میں ایسی بیر و ازلی دشمنی ہے۔"

اعلیٰ حضرت نے اس باطل نظریہ کار د اپنے اس شعر میں کس خوبی سے فرمایا ہے۔

ع جو کہے شعر و پاسِ شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے۔

لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

اعلیٰ حضرت جیسی باکمال اہل زہد صاحب اتقا شخصیت سے۔ ایک شعر و سخن ہی نہیں بلکہ جملہ شعبہ ہائے زندگی کے مسائل میں ایسی ہی دینی احتیاط و شرعی حسن کا یقین ہی رکھنا چاہیئے۔

کیونکہ

آپ کے پیش نظر سورۂ شعراء کی یہ آیت کریمہ بھی تھی جس کا ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور یہ ترجمہ بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ ہی کا ہے۔

" • اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور

بدلہ لیا ۔ بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے ۔"

مذکورہ بالا رضوی ترجمہ ہے ۔ اس ترجمہ پر جگہ جگہ "ف" کے نمبرات میں وہ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی "خزائن العرفان" کے وضاحتی و تفسیری نوٹ ہیں ۔ ان پر بھی غائرانہ نہ سہی طائرانہ ہی نگاہ ڈالیں تو بہتر ہوگا ۔

یہ حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان کے ترجمۂ قرآن کی وضاحت حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی دلنشیں انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ کی ہے ۔ سطور زیریں میں ترجمہ اور توضیحی عبارتوں کو ملا کر نقل کر رہا ہوں تاکہ سلاست و روانی کا لطف ہاتھ سے جانے نہ پائے ۔

اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں ۔ ان کے اشعار میں کہ ان کو پڑھتے ہیں ۔ رواج دیتے ہیں ۔ باوجودیکہ وہ اشعار کذب و باطل ہوتے ہیں ۔ "شان نزول" ۔ یہ آیت شعراء کفار کے حق میں نازل ہوئی جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتے تھے ۔ اور کہتے تھے کہ جیسا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے ہیں ایسا ہم بھی کہہ لیتے ہیں ۔ اور ان کی قوم کے گمراہ لوگ ان سے ان اشعار کو نقل کرتے تھے ۔ ان لوگوں کی آیت میں مذمت فرمائی گئی ۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر زمانے میں سرگرداں پھرتے ہیں اور ہر طرح کی جھوٹی باتیں بناتے ہیں ۔ اور ہر لغو و باطل میں سخن آرائی کرتے ہیں ۔ جھوٹی مدح کرتے ہیں ۔ جھوٹی ہجو کرتے ہیں ۔ اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے ۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اگر کسی کا جسم پیپ سے بھر جائے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے کہ شعر سے پر ہو مسلمان شعراء جو اس طریقہ سے اجتناب کرتے ہیں اس حکم سے مستثنیٰ کئے گئے ہیں ۔ مگر وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اس میں شعراء اسلام کا استثناء فرمایا گیا وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد لکھتے ہیں ۔ اسلام کی مدح لکھتے ہیں ۔ پند و نصائح لکھتے ہیں ۔ اس پر اجر و ثواب پاتے ہیں ۔ بخاری شریف میں ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت حسان کیلئے ممبر بچھایا جاتا تھا وہ اس پر کھڑے ہو کر رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مفاخر پڑھتے تھے ۔ اور کفار کی بدگوئیوں کا جواب دیتے تھے ۔ اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں دعا فرماتے تھے ۔ بخاری کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بعض شعر حکمت ہوتے ۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں اکثر شعر پڑھے جاتے تھے جیسا کہ ترمذی میں جابر بن سمرہ سے مروی ہے ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ شعر کلام ہے بعض اچھا ہوتا ہے ، بعض برا ۔ اچھے کو لو ۔ برے کو چھوڑ دو ۔ شعبی نے کہا حضرت ابوبکر صدیق شعر کہتے تھے ۔ حضرت علی ان سب سے زیادہ شعر فرمانے والے تھے "رضی اللہ تعالیٰ عنہم" اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور شعر ان کے لئے ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب نہ ہو سکا بلکہ ان لوگوں نے جب شعر کہا بھی تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کی توحید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور اصحاب کرام و صلحاء امت کی مدح اور حکمت و موعظت اور زہد و ادب میں ۔ اور بدلا لیا کفار سے ان کی ہجو کا ۔ بعد اسکے کہ ان پر ظلم ہوا کفار کی طرف سے کہ انہوں نے مسلمانوں اور ان کے پیشواؤں کی ہجو کی ۔ ان حضرات نے اس کو دفع کیا ۔ اور اس کے جواب دیئے ۔ یہ مذموم نہیں ہیں بلکہ مستحق اجر و ثواب ہیں ۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی ۔ یہ ان حضرات کا جہاد ہے ۔ اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم یعنی مشرکین جنہوں نے سید الطاہرین افضل الخلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کی کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے موت کے بعد ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا " پلٹا کھائیں گے " جہنم کی طرف اور وہ برا ہی ٹھکانہ ہے ۔"

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی شاعری انہیں مومنین کی سی شاعری ہے جس کا استثنا رب عظیم نے قرآن کریم میں فرمایا ہے ۔ مذموم و محمود ۔ ممنوع و ماذون شاعری کے مابین جو صفات و شرائط فارق ہیں اور شاعری کی ان دونوں صنفوں میں جو چیزیں مابہ الامتیاز ہیں اس کی روشنی میں پرکھئے اور جانچئے ۔ بلا شبہ اعلیٰ حضرت کا کلام قرآن پاک کے مذکورہ بالا معیار پر پورا پورا اترتا ہے ذرہ برابر کہیں بھی خلا نہیں ۔ جائے انگشت نمائی کہیں نظر نہیں آتی ۔ اب رہی وہ باتیں کیا اور کتنی ہیں ۔ جن سے جاہلی شاعری اور اسلامی شاعری میں زمین و آسمان کا فرق نمایاں ہو گیا ۔ اور جو سخن آرائی باعث عذاب تھی وہ اسلام کی بدولت اجر و ثواب کا سبب بن گئی ۔ اس کی تفصیل و تشریح ہم سے نہیں ۔ بلکہ مودودی صاحب کی "تفہیم القرآن" سے سنئے ۔

" رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں ۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں ۔ اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں ۔ بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے ۔ اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا ۔ اور جب ان پر ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا ص ۱۴۵ "

مودودی صاحب نے اپنی ترجمانی کے بعد ۱۴۵ نمبر دیکر جو اپنا تشریحی تفسیری نوٹ دیا ہے اسے بھی باصرہ نواز کیجئے ۔

" یہاں شعراء کی اس عام مذمت سے جو اوپر بیان ہوئی ان شعراء کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو چار خصوصیات کے حامل ہوں ۔ اول یہ کہ مومن ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتابوں کو سچے دل سے مانتے ہوں ۔

اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اپنی عملی زندگی میں صالح ہوں۔ بدکار اور فاسق و فاجر نہ ہوں۔ اخلاق کی بندشوں سے آزاد ہو کر جھک مارتے نہ پھریں۔"

تیسرے یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں۔ اپنے عام حالات و واقعات میں بھی اور اپنے کلام میں بھی یہ نہ ہو کہ شخصی زندگی تو زہد و تقویٰ سے آراستہ ہے مگر کلام سراسر رندی و ہوسناکی سے لبریز۔ اور یہ بھی نہ ہو کہ شعر میں تو بڑی حکمت و معرفت کی باتیں بگھاری جا رہی ہیں۔ مگر ذاتی زندگی کو دیکھئے تو یاد خدا کے سارے آثار سے خالی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں حالتیں یکساں مذموم ہیں۔ ایک پسندیدہ شاعر وہی ہے جس کی نجی زندگی بھی خدا کی یاد سے معمور ہو۔ اور شاعرانہ قابلیتیں بھی اسی راہ میں وقف رہیں۔ جو خدا سے غافل لوگوں کی نہیں بلکہ خداشناس خدادوست اور خداپرست لوگوں کی راہ ہے۔

چوتھی صفت ان مستثنیٰ قسم کے شاعروں کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ شخصی اغراض کے لئے تو کسی کی ہجو نہ کریں، نہ ذاتی یا نسلی یا قومی عصبیتوں کی خاطر انتقام کی آگ بھڑکائیں۔ مگر جب ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کیلئے ضرورت پیش آئے تو پھر زبان سے وہی کام لیں جو ایک مجاہد تیر و شمشیر سے لیتا ہے۔ ہر وقت گھگھیاتے ہی رہنا اور ظلم کے مقابلے میں نیاز مندانہ معروضات ہی پیش کرتے رہنا مومنوں کا شیوہ نہیں ہے۔ اسی کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ کفار و مشرکین کے شاعر، اسلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف الزامات کا جو طوفان اٹھاتے اور نفرت و عداوت کا جو زہر پھیلاتے تھے اس کا جواب دینے کیلئے حضور خود شعرائے اسلام کی ہمت افزائی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ کعب ابن مالک سے آپ نے فرمایا "اهجهم فوالذی نفسی بیدہٖ لهو اشد علیهم من النبل" ان کی ہجو کہو کیونکہ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تمہارا شعر ان کے حق میں تیر سے زیادہ تیز ہے۔" حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ سے فرمایا "اهجهم وجبریل معک۔ اور قل وروح القدس معک" ان کی خبر لو اور جبرئیل تمہارے ساتھ ہے۔" "کہو اور روح القدس تمہارے ساتھ ہے"۔ آپ کا ارشاد تھا کہ ان المومن یجاهد بسیفه و لسانه۔ مومن تلوار سے بھی لڑتا ہے اور زبان سے بھی۔"

قارئین کرام! آپ کی نگاہوں کے سامنے امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ترجمہ بھی ہے۔ پھر حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل قدس سرہ کی تفسیری تشریح بھی ہے۔ مزید برآں موجودہ دور کے امام المتجددین مودودی صاحب کی ترجمانی پھر ان کی تشریح بھی ہے اس مقام میں مسئلہ زیر بحث کے مفاہیم و مطالب کے اندر ہمارے اور مودودی صاحب کے درمیان رتی برابر بھی فرق نہیں ہے۔ مودودی صاحب نے مستثنیٰ قسم کے شاعروں کی جو چوتھی صفت بیان کی ہے اس کو سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ اعلیٰ حضرت کی ذات اور ان کے کلام میں یہ صفت کس زور شور، کروفر اور شان و شوکت سے پائی جا رہی ہے۔

کیا اعلیٰ حضرت کا شعر، کافروں، مرتدوں، بیدینوں کے حق میں تیر سے زیادہ تیز نہیں ہے۔ کیا اس امام اہلسنت نے جس نے فرمایا ہے کہ:-

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حسان بس ہے

حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے اس حدیث پر عمل فرمایا ہے یا نہیں۔ جس کا سرکاری فرمان حضرت حسان کو مل چکا تھا اهجهم وجبریل معک" قل و روح القدس معک۔ ضرور ضرور عمل کیا۔ گہری و نذر عزیمت و بے باک قلبی و اذعان کے ساتھ عمل کیا۔ اس کی شہادت اعلیٰ حضرت کا پورا نعتیہ دیوان بآواز بلند سارے عالم میں دے رہا ہے۔ اب اس اعلان و شہادت کو چند مثالوں میں ملاحظہ فرمائیں اور فرمان رسالت کی اس حقیقت کا کہ "مومن تلوار سے بھی لڑتا ہے اور زبان سے بھی۔ ان مثالوں میں مشاہدہ فرمائیں۔

مثال اول

دشمن احمد پہ شدت کیجئے — ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں — چھیڑنا شیطاں کا عادت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں — ذکر آیات ولادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل — یارسول اللہ کی کثرت کیجئے
کیجئے چرچا انہیں کا صبح و شام — جان کافر پر قیامت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب — اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے
ظالمو محبوب کا حق تھا یہی — عشق کے بدلے عداوت کیجئے
یارسول اللہ دہائی آپ کی — گوشمال اہل بدعت کیجئے

جس طرح حضرت کعب ابن مالک و حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سرکار طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ان کفار و مشرکین شعراء کی تنقیص و ہجو کرنے کیلئے مامور کئے گئے جنہوں نے اپنے شعروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تنقیص و ہجو کی ان شعرائے دربار رسالت نے اپنے فرائض متعلقہ کو انجام بھی دیا اور بطور انعام سرکار مدینہ کی دعائے مستجابہ سے نوازے بھی گئے۔

ٹھیک اسی طرح فرمانِ رسالت کی روشنی میں اور شعرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اتباع۔ و اسلاف کی راہ سلوک پر گامزن ہوتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے بھی اپنے شعری کلام میں اپنے زمانے کے بدعقیدہ فرقوں کی ہجو و تنقیص کی ہے اور ان کے کفری عقائد و گستاخانہ جسارتوں کا پردہ چاک فرمایا ہے۔ آپ کے منظوم کلام میں ان خارج از اسلام مرتدوں کا بھی رد ہے جو صرف فقہی بنیاد ہی پر نہیں بلکہ کلامی اصول کے اعتبار سے بھی اپنے صریح اقوال کفریہ کی بنا پر جو ان کی کتابوں میں عرب و عجم کے مفتیان کرام کے فتاویٰ کی رو سے مرتد قرار دیئے گئے ہیں۔ اور ان گمراہوں کا بھی رد ہے جو فقہی تکفیر کی زد میں آتے ہیں۔ اور ان بے دینوں کا بھی رد فرمایا جنکی بداعتقادیاں درجہ کفر تک نہیں پہونچی ہیں بلکہ گمراہی و بے دینی کی حد میں داخل ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے مذکورہ بالا فرقوں کے رد میں جہاں چھوٹے بڑے صدہا رسائل تحریر فرمائے ہیں جو عالمانہ و محققانہ علمی نشورات کے بہترین نمونے ہیں بلکہ شاہکار ہیں۔ اسی طرح اپنے منظومات کلام میں بھی ہر ہر بدعقیدوں کا رد فرمایا ہے۔ امام اہل سنت کا ایک منظوم رسالہ بھی ہے جس میں جملہ فرقہ باطلہ کا رد ہے جو بالکل ہی چھوٹی بحر میں ہے جس کا نام نامی "الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد" ہے۔

تقریباً ڈھائی تین سو اشعار ہیں اس میں اغیار دین کا بھی تذکرہ ہے اور احباب و خلفاء کیلئے دعائیں بھی ہیں۔ اگر کوئی مختوم ازلی اسی ستونہ روشی کو شریعت کے خلاف سمجھتا ہے اور حضرت رضا نہ زبان درازی سے پیش آتا ہے تو اس کی یہ روش خود اس کی دینی بے علمی، شریعت ناشناسی، اسلام دشمنی کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

"دو حدیثوں کا ترجمہ"

مسطورہ بالا موقف کی مزید وضاحت و توثیق کیلئے "مشکوٰۃ شریف کے" "باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی دو حدیثوں کا ترجمہ پیش کررہا ہوں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نفس، اپنی ذات کیلئے کسی چیز میں کبھی کسی سے بدلہ و انتقام نہیں لیا۔ مگر اس وقت انتقام و بدلہ ضرور لیا گیا جب کسی نے اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی حرمتوں کی بے عزتی و بے قدری کی ہے۔ اور حضور کا یہ انتقام لینا محض رضائے خداوندی کی خاطر تھا۔

اسی حدیث سے متصل ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے ارشاد فرمایا کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور نفس کی خاطر کبھی کسی چیز کو اپنے مقدس ہاتھ سے مارا پیٹا نہیں۔ نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے وقت کسی قیمت پر کسی کو بخشا بھی نہیں۔ اگر کسی نے آپ کی ذات کریم کو چاہے جتنی بھی تکلیف و ایذا کیوں نہ پہنچائی ہو مگر اس سے کبھی اس کی ایذا رسانی کا بدلہ نہیں لیا مگر اس کرم نمائی و رحمت مآبی کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ جب دینی انسان رب تعالیٰ کے حدود و حرمات کی پردہ دری و بے دقری کرتا تو ضرور اس سے اللہ تعالیٰ کے لئے بدلہ لیتے اور اس کے ساتھ کسی طرح کی رورعایت نہ فرماتے

سراپا حب رسول و پیکر عشق

اعلیٰ حضرت کے عاشق رسول کریم ہونے میں علمائے حق و مشائخ کرام دو رائے نہیں رکھتے ہیں۔ جن دو حدیثوں کا مطلب خیز ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس کی روشنی میں اعلیٰ حضرت جیسے فنافی الرسول انسان سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ آپ کسی موقع پر بھی عمداً خلاف سنت کوئی کام کرتے یا سنت پر گامزن نہ ہوتے۔ اس کا ثبوت ان کی پوری زندگی ہے اور خاص کر زیر نظر نعتیہ دیوان ہے۔ تعظیم حبیب کبریا کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے اس کے لئے آپ نے دن رات جو کوشش فرمائی اس کے صلے میں دشمنان دین نے سب و شتم کی غلاظتوں کے انبار لگادیئے مگر آپ نے کبھی ان کا جواب نہیں دیا۔ کبھی انتقام و بدلہ کی خلش نے دل میں راہ نہیں پائی۔ مگر جہاں کسی نے سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص کی اور رب تعالیٰ اور اس کی حرمتوں کی بے حرمتی کی اسکی فوراً نثراً و نظماً خبر لی یہ آپ کی اعلیٰ ترین عبادت بھی تھی اور ریاضت سلوک بھی۔ آپ جس عہد میں تھے اس کے لحاظ سے جہاد بالسیف کا موقع کہاں۔ البتہ جہاد بالقلم و باللسان کا زمانہ تھا۔ انہیں ذریعوں سے جہاد کرتے رہے۔ اس لئے یہ آپ کا جہادی کارنامہ بھی ہے۔ اور اتباع سنت حبیب بھی۔

آپ نے مودودی صاحب کا بیان مطالعہ فرمایا ہوگا اس کے خاص ضروری دو جملے ذہن نشینی کیلئے نقل کررہا ہوں۔ لکھتے ہیں۔

"مگر جب ظالموں کے مقابلے میں حق کی حمایت کیلئے ضرورت پیش آئے تو پھر زبان سے وہی کام لیں جو ایک مجاہد تیر و شمشیر سے لیتا ہے۔"

"ہر وقت گھگھیاتے ہی رہنا اور ظلم کے مقابلے میں نیاز مندانہ معروضات ہی پیش کرتے رہنا مومنوں کا شیوہ نہیں ہے۔"

مودودی صاحب کے مندرجہ بالا جملوں کو بار بار پڑھیں اور اسکی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی شعری و نثری تصانیف کا مطالعہ کریں کہیں بھی "گھگھیاتے" اور نیازمندانہ معروضات ہی نہ پائیں گے بلکہ ہر جگہ ظالم کے مقابلے میں حق کی حمایت فرماتے ہوئے مجاہدانہ انداز مومنانہ شیوہ

شیرانہ گھن گرج پائیں گے۔ اس حقیقت کو کلام اعلیٰ حضرت کی دوسری مثال میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری مثال

"تحدیث نعمت" کے طور پر فرماتے ہیں۔

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار — اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدو کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ وار وار سے پار ہے

اور تم پہ میرے آقا کی عنایت نہ سہی — نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف
کافر ادھر کی ہے نہ اُدھر کی اَدھر کی ہے

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ تھا وعدہ ازلی
نہ منکروں کا عبث بدعقیدہ ہونا تھا۔

کرے مصطفےٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

کافروں پر تیغ والا سے گری برق غضب — ابر آسا چھا گئی ہیبت رسول اللہ کی
صلی اللہ علیہ وسلم

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے صورت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر روکے فضل کاٹے عیب کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

نجدی اس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے
کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو — واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے۔

نہ معلوم کتنے اشعار کتنی بحروں میں گستاخان ناموس رسالت کے رد میں بلاخوف لومۃ لائم ارشاد فرمائے ہیں۔ طالب تحقیق "حدائق بخشش" کا مطالعہ فرمائیں۔ چند بحروں سے کچھ ہی اشعار نقل کرنے پر اقتباس کچھ طویل سا ہو گیا ہے۔ اسکے بعد تیسری مثال کا مطالعہ کریں۔

تیسری مثال

حامد خدا محمود رب اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو اعلیٰ حضرت نے شعروں میں جس خوبی سے ادا فرمایا ہے اس کی مثال علماء کے طبقہ میں ملنا دشوار ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نعتیہ دیوان سے ایسے اشعار کا التقاط و انتخاب کیا جائے جو سیرت کے مضامین پر مشتمل ہیں تو سیرت پاک کا ایک اچھا خاصا منظوم مجموعہ تیار ہو جائے گا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ کے کمال سیرت و جمال صورت کی تجلیاں ضیاء ریز محسوس ہوں گی۔

آپ حضرات نے حضرت صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد گذشتہ اوراق میں مطالعہ فرما لیا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے کبھی اپنی ذات کریم کیلئے انتقام نہیں لیا مگر جب (حدود شریعت و معالم دین) کا انتہاک و بے حرمتی کسی نے کی تو پھر حضور چہرۂ انور سے الٰہیانہ جلال کی بجلیاں کوندنے لگتیں۔ قلب و قالب روح و جسم میں غیرت ربانیہ کا ارتعاش رواں دواں ہو جاتا۔ آپ حضرات نے قرآن حکیم میں اس آیۂ مبارکہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی تلاوت ضرور فرمائی ہوگی۔ حضور کی سیرت میں اس تصویر کی دلکشی و دلپذیری ملاحظہ فرمایئے سیرت پاک کے اس انداز کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس شعر میں کھلی آنکھوں دیکھئے۔ ؎

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں

ایک دست کرم ہے مگر دو متضاد کام ہیں۔ شان جمالی سے مومن نوازے جا رہے ہیں۔ اور کافر شان جلالی سے ہل رہے ہیں۔ پھر اس شعر میں لف و نشر مرتب کا حسن الگ ہے۔ (ابر نیساں) پہلے ہے اور اس کی مطابقت سے شان جمالی کا ٹکڑا بھی پہلے آیا ہے۔ تیغ عریاں پیچھے ہے اور اس کی مناسبت سے (شان جلالی) بھی پیچھے ہے۔ اور اس ترتیب و بیان ہی کو فن میں لف و نشر مرتب کہتے ہیں۔ (ابر نیساں) کی تقدیم (تیغ عریاں) کی تاخیر اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرما رہے کہ حضور پرنور کی ذات سراپا جود و کرم کی اصل سرشت رحمت ہی رحمت ہے لیکن عبدیت و ماموریت خداوند کریم کا تقاضا ہے کہ حکم ربانی کی سرتابی نہ ہو۔ اس لئے مالک جسم و جاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت و فطرت کے برعکس دشمن خدا کے ساتھ جلال و غضب کا برتاؤ فرماتے ہیں۔ ؎

کافروں پر تیغ والا سے گری برق غضب
ابر آسا چھا گیا ہیبت رسول اللہ کی صلی اللہ علیہ وسلم

اس شعر میں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقدس سیرت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ آپ سراپا رحم و کرم ہوتے ہوئے بھی (حدود

شریعت) کی بے حرمتی کرنے والوں پر ایسے غضب وجلال کا مظاہرہ فرماتے کہ (اعوذ من غضب اللہ وغضب رسولہ) کا نعرہ ہر طرف بلند ہوجاتا ۔ تیغ وبرق کا ایک ساتھ تذکرہ لفظی محاسن ومناسبت کی رعایت کا بہترین شاہکار ہے ۔ تیغ کی آبداری برق کی درخشندگی کی مناسبت کا لطف اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صیانت زبان وحلاوت لسان کا کیا کہنا ۔ آپ کی خوش کلامی اور نرم گفتاری محتاج بیان نہیں ۔ گویا زبان اطہر سے پھول جھڑتے تھے ۔ سامعین کلام نبوت کی خوشبو سے معطر و پر مسرت بن جاتے تھے اس حقیقت کو اعلیٰ حضرت نے اس طرح ادا فرمایا ہے ۔

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے
ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل — یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے

حضور کے لب ہائے نازک کو نزاکت کی وجہ سے پھول قرار دے کر ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور کے یہ لب ہائے مبارک ایسے پھول ہیں کہ جن سے ہزاروں پھول جھڑتے ہیں ۔ یعنی اس سے مراد خوش گوئی اور خوش کلامی ہے ۔ پھر براہ تعجب فرماتے ہیں ۔ اے بلبل ! یعنی اے عاشقان رسول ! تم نے گلشن میں بارہا گلاب دیکھا ہوگا ۔ مگر یہ تو طرفہ تماشا ہے کہ گلاب میں گلشن نظر آرہا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ حضور کے ایک گلاب دہن سے خوش بیانی وشیریں کلامی کے گلشن لہک رہے ہیں ۔ اس مقام پر اس طرز ادا اور اس تمثیلی ندرت کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے ۔ بلکہ دکھانا یہ ہے کہ حضور کے فطری طرز سخن کے خلاف کبھی کبھی آپ کے اسلوب بیان میں تیزی وتندی حرارت وتلخی بھی پیدا ہوجاتی تھی ۔ جس کا بیان زیر تبصرہ شعر میں آرہا ہے ۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ناموس دین سے کھیلنے والوں پر بحکم خدا سخت سے سخت تر تھے ۔

چنانچہ بنام اسلام کچھ نام نہاد مصلح ومبلغ کے بارے میں حضور نے پیشن گوئی فرمائی ہے جو روح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روپوشی کے بعد وقتاً فوقتاً تاقیامت رونما ہوتے رہیں گے ۔ (ذیابٌ فی ثیاب) یعنی بھیڑیے انسانی لباس میں ہوں گے ۔ اس حدیث پاک کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے شعری لباس میں یوں پیش کیا ہے ۔

ذیابٌ فی ثیابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیم زبانی ہے

دل میں گستاخی کا بھرا ہونا یہی بھیڑیا پن ہے ۔ لب پہ کلمہ یہ ظاہری انسانی واسلامی لباس ہے ۔ جس میں اپنی ذیابی شان کو چھپانا مقصود ہے اسلام ملحد کو سلام کرنا یہ سلام متارکت ہے ۔ اور اس کو یہ پیام متارکت اس کی تسلیم زبانی کی وجہ سے ہے ۔ کیونکہ وہی اسلام لائق تسلیم ہے جو تسلیم جنانی وتصدیق قلبی سے ہو ۔ اور یہاں تسلیم قلبی مفقود ہے ۔ فرمایئے اس بیان میں اعلیٰ حضرت کی کیا خطا ہے ۔ یہ تو فرمان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمہ ہے ۔

تیری جلو میں ہے ماہ طیبہ ہلال ہر مرگ وزندگی کا
حیات جاں کا رکاب میں ہے ممات اعدا کا ڈاب میں ہے

اس شعر میں ماہ طیبہ کے ذکر کے بعد ہلال کا ذکر کرنا پھر رکاب وڈاب کا تذکرہ جس کا ہلال کے ہم شکل ہونا ظاہر ہے ۔ پھر مرگ وزندگی میں تقابل ضدین بھی ہے ۔ ان سب محاسن کی وجہ سے شعر نے شعریت کا اعلیٰ مقام حاصل کرلیا ہے حضور وجہ تخلیق عالم ہیں ۔ اس لئے مرگ وزندگی کے مرکز بھی ہیں ۔ پھر کمال یہ ہے کہ ادائے مطلب میں بارگاہ رسالت کے ادب کی شان بھی بہت واضح ہے کہ عاشقان رسول کی زندگی کا ہلال مرکب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب میں ہے ۔ اور اعدائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ہلال سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈاب یعنی خنجر کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اس شعر کی لطافت کو بیان کرنے سے قلم قاصر ہے ۔ روح کلام یہ ہے کہ اس شعر میں بھی اسی جلالی وجمالی سیرت کا بیان ہے جس کے حضور جامع ہیں ۔ اس عنوان کی وضاحت کے لئے چند نمونے پیش کئے گئے ہیں ۔ اب تھوڑی توجہ دوسری سمت مبذول فرمایئے ۔ وہ سمت دیگر فنی اعتبار سے کچھ منتخب اشعار پیش کرنے کی ہے ۔ شعر وسخن کی جان علم بدیع وعلم بیان ہے ۔ شاعر کے کلام کی لفظی ومعنوی محاسن ونقائص کی جانچ وپرکھ انہیں اسکے اصول وقواعد سے کی جاتی ہے ۔ اس فن کے اعتبار سے بالاستیعاب تفصیلی گفتگو کرنا مجھ جیسے بے بہرہ علم فن کی بساط سے باہر ہے ۔ ایں وآں کے کلام پر گفتگو نہیں ہے ۔ بلکہ یہ کلام الامام ہے ۔ اسی لئے امام الکلام بھی ہے ۔

"حسن تعلیل"

کسی امر کی وہ ظاہری اور پسندیدہ علت بیان کرنا جو حقیقی علت نہ ہو اس کو حسن تعلیل کہتے ہیں ۔

اس معیار پر اعلیٰ حضرت کے نعتیہ دیوان کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو — سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

یہ ظاہر ہے کہ ہلال کی خمیدگی حقیقتاً سلام ابروئے شہ کیلئے نہیں ہے ۔ لیکن ایک ایسی وجہ لطیف بیان کی گئی ہے جس سے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کی دنیا عالم وجد میں آجاتی ہے ۔ اس شعر میں دقت آفرینی بھی ہے ۔

اور بلندیٔ خیال بھی۔ ہلال ابرو کا ذکر کیر سلام کیلئے جھکنا مجالس شرفاء کے یہ ظاہری آداب بھی ہیں۔ گرچہ سلام کے وقت مکلفین کیلئے جھکنا ممنوع ہے۔ مگر ہلال مکلف نہیں۔ اس لئے سلام کی خاطر اس کا جھکنا شرعی محذورات میں داخل نہیں۔ جیسے بارگاہ رسالت میں جانوروں، درختوں کا سجدہ ریز ہونا احادیث میں مروی ہے۔ حسن تعلیل کی دوسری مثال یہ شعر بھی ہے۔ ؎

سبزۂ گردوں جھکا تھا بہر پا بوس براق
پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑا نور کا

ہر دیکھنے والے کو آسمان گنبد نما معلوم ہوتا ہے۔ آپ اکناف عالم کی سیر کر جائیں۔ مگر ہر جگہ آسمان اسی حال میں نظر آئیگا۔ اعلیٰ حضرت حسن تعلیل کے طور پر اس خمیدگی کی علت یہ بیان فرماتے ہیں کہ معراج میں جب سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار سبزہ گردوں سے گزرے تو سبزۂ گردوں نہایت ہی ادب سے براق برق رفتار کی قدمبوسی کے لئے جھکا اس روز سے آج تک جھکا ہی ہوا ہے۔ اور قیامت تک جھکا رہے گا۔ اس اسپ فلک نے ایسا نورانی کوڑا کھایا کہ پھر سیدھا نہ ہو سکا۔ اللہ اللہ کیا شان ادب ہے اور کیسی شان تعظیم و تبجیل ہے کہ سبزۂ گردوں نے اپنے آپ کو سرکار فلک وقار کے پائے ناز کی قدمبوسی کے لائق نہ سمجھا بلکہ براق کے سُم کو ہی بوسہ دیدینا اپنے لئے بڑے افتخار کی بات سمجھی۔ آسمان کی محسوسی شکل کے لئے حقیقتاً یہ علت نہیں ہے بلکہ حسن تعلیل کے طور پر یہ ایک نادر تخیل ہے۔ بلند خیالی۔ بلند پروازی۔ معنی آفرینی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

حسن طلب

دل پسند طریقہ سے کسی چیز کو کسی سے طلب کرنا فن میں اسکو حسن طلب کہتے ہیں۔ زیر تبصرہ دیوان کے کچھ اشعار اس عنوان پر بھی ملاحظہ کیجیے۔

؎ میرے کریم گنہ زہر ہے مگر آخر
کوئی تو شہد شفاعت چشیدہ ہونا تھا

شفاعت کی طلب اس انداز میں کہ میں مانتا ہوں گناہ سراسر زہر ہی ہے لیکن اگر یہ زہر نہ ہوتا تو کوئی کس طرح شہد شفاعت سے اپنے کام ودہن کو لذت آشنا کرتا۔ لطف تو یہ ہے کہ اس شعر میں صنعت تضاد بھی ہے۔ زہر، شہد دونوں متضاد صفت کے حامل ہیں۔ اسی کے ہم معنی یہ شعر بھی ہے۔ اس میں حسن طلب کا نرالا انداز ہے۔ خوبی بالائے خوبی یہ بھی ہے کہ اسی شعر میں دعویٰ دلیل کے ساتھ ہے۔

؎ دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر — دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چونکہ میں گنہگاروں میں سب سے بڑا گنہگار ہوں اور شفاعت گنہگاروں کیلئے ہی ہے اس لئے اس کا سب سے زیادہ مستحق میں ہوں۔ اس شعر میں حسن طلب کے ساتھ دعویٰ مع الدلیل بھی ہے۔

لف ونشر مرتب

چند چیزوں کو پہلے فقروں میں بیان کرنا پھر ان چیزوں کے مناسبات کو دوسرے فقروں میں ترتیب وار لانا، اسی کو اصطلاح میں لف ونشر کہتے ہیں۔ اس عنوان پر بھی شعر ملاحظہ فرمائیں۔

؎ دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار
غنچہ ہوں، گل ہوں، برق تپاں ہوں سحاب ہوں

دل بستہ کی مناسبت سے غنچہ، بیقرار کی مناسبت سے گل، جگر کی مناسبت سے برق تپاں، اشکبار کی مناسبت سے سحاب استعمال کیا گیا ہے۔ یہ مناسبات لف ونشر مرتب کی بے نظیر نظیر ہیں۔

اسی کے ذیل میں یہ شعر بھی ملاحظہ فرمایئے۔

؎ دندان ولب وزلف ورخ شہ کے فدائی
ہیں درعدن، لعل یمن، مشک ختن پھول

دندان کے مناسب درعدن اور لب کے مناسب لعل یمن اور زلف کے مناسب مشک ختن اور رخ کے مناسب پھول۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں شرعی احتیاط و پاکیزگی کو برقرار رکھتے ہوئے اس شان کی نعت گوئی صرف انہیں کا حصہ تھا۔

"صنعت تضاد"

اعلیٰ حضرت کے کلام میں صنعت تضاد بکثرت ہے۔ کوئی ایسی بحر اور زمین نہیں جس میں یہ صنعت نہ ہو ایک زمین کے مقطع کا یہ شعر ملاحظہ فرمایئے۔

؎ رضاؔ یہ نعت نبی نے بلندیاں بخشیں
لقب زمین فلک کا ہوا سمائے فلک

زمین سماء کی ضد ہے اور حسن کلام تو یہ ہے کہ فلک کیلئے زمین ثابت فرمایا۔ گرچہ زمین یہاں موضوع لہ معنی میں مستعمل نہیں ہے۔ اسی طرح ایک مقطع کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو۔

؎ اے رضاؔ مضمون سوز دل کی رفعت نے کیا
اس زمین سوختہ کو آسمان سوختہ

اس میں بھی زمین وآسمان کا مقابلہ ہے۔ گرچہ اس شعر میں بھی زمین وآسمان موضوع لہ معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

آتش تردامنی نے دل کئے کیا کیا کباب

خضر کی جاں ہو جلا دو ماہیان سوختہ

تردامنی اور آتش بالکل متضاد ہیں۔ پھر آتش کی مناسبت سے دل کا کباب ہونا۔ حضرت خضر اور ماہیان سوختہ کی تلمیح پھر سرکار طیبہ کی ذات کریم کو جان خضر قرار دینا یعنی بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذنبیل سے دریا میں چلا جانا اسی طرح عصیاں شعاروں کا گناہ کی آگ سے جل کر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کی چھینٹوں سے زندہ ہونا عجیب و غریب ایمانی نشاط کا سرمایہ بہم کرتا ہے۔ ان سب لفظی و معنوی محاسن نے اس شعر کو نقطۂ عروج پر پہونچا دیا ہے۔ جن حضرات کو شعر و سخن کا ذوق ہوگا۔ وہ اس شعر کی لطافت شعری سے ضرور فیضیاب ہوں گے۔

تنسیق الصفات

کسی شخص کا تذکرہ بہت سی صفتوں کے ساتھ کرنا خواہ وہ صفات مدح ہوں یا ذم اس کو اصطلاح میں تنسیق الصفات کہتے ہیں۔ اس صنعت کی مثالیں بھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ کلام میں بکثرت ہیں۔ زیر نظر اشعار سے لطف اٹھایئے۔

اصالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل

حکومت کل، ولایت کل خدا کے یہاں تمہارے لئے

فرشتے خدم رسول حشم تمام امم غلام کرم

وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے

اس زمین کے تمام اشعار میں (تنسیق الصفات) کی صنعت رواں دواں ہے۔ اور الفاظ کی شان و شوکت، کروفر اور زور کلام و بیان کا گویا یہ ایک نادر گلدستہ ہے۔ اور اس میں قادر الکلامی کی شان آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

مشترک المعنیٰ الفاظ کا استعمال

اعلیٰ حضرت کے کلام میں ایک ہی زبان کے مشترک المعنیٰ لفظ کا اپنے کل معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہ استعمال ایک ہی مصرع میں موجود ہے۔ جیسے "سونا" یہ اردو زبان میں چند معنی رکھتا ہے۔ ایک سونا جو دھات اور خلقی ثمن ہے۔ ایک کسی کا سو جانا۔ اس لفظ کو بس کے اشباع کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنی سناٹا ہوتا ہے۔ اس لفظ کو ان تینوں معنی میں ایک ہی مصرع کے اندر اعلیٰ حضرت نے جمع فرما دیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے۔ تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

اسی طرح ایک دوسرے شعر میں دو معنی والے لفظ کو استعمال فرمایا گیا ہے لطف یہ کہ وہ لفظ عربی کا بھی ہے اور اردو کا بھی۔ صرف خطی تجنیس ہے۔ وہ لفظ "والی" ہے۔ یہ عربی میں مالک اور بادشاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے والیٔ سلطنت بولتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت رب تعالیٰ جل جلالہ کے اسمائے حسنیٰ میں بھی داخل ہے۔ اور اردو میں اظہار نسبت و فاعلیت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ مذکر میں والا اور مونث میں والی۔ جیسے کام کرنے والا۔ کام کرنے والی۔ یہ فاعلیت کی مثال ہے۔ مال و دولت والا۔ حسن و جمال والی۔ یہ نسبت کی مثال ہے۔ اس ذو معنین اور ذو لسانین لفظ کو اس زبان کے اپنے اپنے معنی میں اعلیحضرت نے یکجا فرمایا ہے۔ اب حسن شعری کا نظارہ فرمایئے۔

تقاضا حق ہے مگر اس شوق کا اللہ والی ہے

جو ان کی راہ میں جائے وہ جان اللہ والی ہے

پہلے مصرع میں اللہ والی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے۔ دوسرے مصرع وہ جان اللہ والی ہے یہ اظہار نسبت کیلئے ہے۔ اس استعمال نے حسن شعر کو دوبالا کر دیا ہے۔ اسی طرح اسی انداز کے ایک اور شعر کو ملاحظہ فرمایئے۔

ترا قد مبارک گلبن رحمت کی ڈالی ہے

اسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے

پہلے مصرع میں ڈالی اسم ہے شاخ کے معنی میں ہے۔ دوسرے مصرع میں ڈالی ہے اردو کا فعل ماضی قریب ہے۔ یہ لفظ بھی اردو ہی کا ہے۔ اس دو معنی کے علاوہ اس کے اور بھی معنی ہیں۔ جیسے کسی کو ڈالی پیش کرنا۔ لطف یہ ہے کہ دونوں مصرعوں میں رحمت کی ڈالی ہے۔ مگر معنی کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسم و فعل میں جو معنوی فرق ہے وہی امتیاز معنوی یہاں بھی ہے۔ اگر تتبع اور تلاش جاری رہے تو بہت سے اشعار اسی منوال و نہج کے اور بھی دستیاب ہوں گے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی قادر الکلامی کی شان یہ ہے کہ ایک زبان کے ایک لفظ کو اس زبان میں وہ لفظ جتنے معنوں میں مستعمل ہوا ہے اس کو ایک بحر کے شعروں میں جمع کر دیا ہے۔ اس کی مثال پھول والی زمین میں بہت ہے۔ اردو زبان میں پھول جتنے معنوں میں استعمال ہوتا ہے وہ سب معنی اس نعت شریف میں موجود ہیں۔ پھول اپنے حقیقی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اس کے علاوہ ہلکا ہونا، غرور کرنا۔ لطیف و نازک ہونا۔ ان تمام معنوں میں لفظ پھول مستعمل ہوا ہے۔ تمام شعروں کو نقل کرنا اطالت کا باعث

ہوگا۔ اس لئے شعروں کو چھوڑتا ہوں۔ صرف ارباب ذوق سے گذارش ہے کہ اس کا مطالعہ فرمائیں۔ اور اعتراف حقیقت فرماتے ہوئے دادِ سخن دیں۔ اگر فن کے لحاظ سے مجاز مرسل۔ استعارہ، کنایہ کی مثالیں بھی صراحت کے ساتھ تحریر کی جائیں تو "انجام بہ اطالت رسید" کا معاملہ پیش آجائے گا۔ سردست چند مصروفیات کی بنا پر اس کی انجام دہی سے قاصر ہوں۔ زندگی نے وفا کی تو پھر دیکھا جائیگا۔ اس وقت صرف استعارہ تصریحیہ کی مثال پیش کر رہا ہوں۔

استعارۂ تصریحیہ

اگر صرف مستعار منہ کا ذکر ہو اور مستعار لہ محذوف تو اسکو استعارۂ بالتصریح کہتے ہیں۔ مثلاً یہ مصرع ؎

اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

اس مصرع میں۔ اس مصرع میں دوسرا گل مستعار منہ ہے مستعار لہ کا ذکر محذوف ہے۔ یہاں مستعار لہ مالک فرش و عرش صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے یہ استعارۂ تصریحیہ ہوا۔ پورا شعر ملاحظہ فرمایئے۔

؎ جنت ہے ان کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

خلاصہ یہ کہ پہلا گل حقیقی معنی میں ہے۔ دوسرے گل سے سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ تیسرے گل سے مراد جنت ہے۔ چوتھا گل حقیقی معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے خاکدانِ گیتی کے گل۔ ہمارے گل۔ سید کل۔ امام الرسل۔ ہادی السبل صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت بھی گل کا سوال کر رہی ہے تو اوروں کا قاسم کنز نعمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی کا سوالی ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

تبصرہ کے اختتام پر صنعت لفظی کی ایک قسم "ردالعجز علی الصدر" کی بھی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ عجز۔ آخر۔ صدر۔ شروع کو کہتے ہیں۔ یعنی جو لفظ شروع فقرہ میں ہو وہی آخری فقرہ میں بھی آتے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جن و بشر سلام کو حاضر ہیں السلام — یہ بارگاہ مالک جن و بشر کی ہے
شمس و قمر سلام کو حاضر ہیں السلام — خوبی انہیں کی جوت سے شمس و قمر کی ہے
سب بحر و بر سلام کو حاضر ہیں السلام — تملیک انہیں کے نام تو ہر بحر و بر کی ہے
عرض و اثر سلام کو حاضر ہیں السلام — ملجا یہ بارگاہ دعا و اثر کی ہے
سب کر و فر سلام کو حاضر ہیں السلام — ٹوپی یہیں تو خاک پہ ہر کرّ و فر کی ہے

دنیائے شاعری کی پسندیدہ شے

ادباء شعراء نثر ہو یا نظم ہر ایک میں استعمال محاورات کو بڑی وقیع نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسکو موازنہ میں سنگ ترجیح وجہ فوقیت۔ سبب برتری سمجھتے ہیں۔ اس پسند خاطر شے کی روشنی میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا کلام فائق الکلام' ارجح الاشعار ہے۔ بعض بعض شعر کے دونوں مصرعوں میں "محاورات" زیب کلام' زینت سخن ہیں۔ شاید ہی کچھ اشعار ایسے ہوں جو "محاورے" روح اشعار نہ ہوں۔ محاورات کی اتنی بہتات و کثرت ہے کہ اس لحاظ سے اشعار کا انتخاب بہت ہی مشکل کام بن جاتا ہے۔ ذوق انتخاب حیران ہو جاتا ہے کہ کس شعر کو لیا جائے۔ اور کس کو چھوڑ دیا جائے۔ مختصر تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے اشعار ایک پر ایک ہیں۔ نگاہ انتخاب حیرت کا شکار ہو کر مخمصہ میں پڑ جاتی ہے۔ نمونے کے چند اشعار زیب قرطاس ہیں۔

بندھ گئی تیری ہوا' ساوہ میں خاک اڑنے لگی
بڑھ چلی تیری ضیا آتش پہ پانی پھر گیا ہے۔

پہلے مصرے میں بھی دو محاورے ہیں۔ ہوا بندھنا' خاک اڑنا۔ دوسرے مصرے میں بھی ضیا کا بڑھنا۔ آتش پہ پانی پھرنا' دو محاورے ہیں۔ بلکہ یہ صرف محاورے ہی نہیں ہیں بلکہ کس خوبی سے اربعہ عناصر کا ذکر ہوا؛ خاک' آگ' پانی۔ ایک شعر میں جلوہ ریز ہے۔ تیز ہوا چلتی ہے تو دریا۔ تالاب خشک ہو جاتے ہیں۔ آمد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسرت میں اتنی وجد آفریں ہوا چلی کہ نہر ساوہ خشک ہو گئی۔ اور اس میں خاک اڑنے لگی۔ اور حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی میں اتنی ضیا ریز ہوئی کہ فارس کا آتشکدہ جو ہزار سال سے دہکتا ہوا رہا تھا۔ یک بیک بجھ گیا۔ اور اس کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی پھر گیا۔ اور اس کی ہزار سالہ زندگی فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ اللہ اللہ اس کی خوبی بیان سے باہر ہے۔ ؎

تیری رحمت سے صفی اللہ کا بیڑا پار تھا
تیرے صدقے سے نجی اللہ کا بجرا تر گیا

بیڑا پار ہونا۔ بجرا تر جانا۔ خطرہ و مشکل سے نکل جانا' یہ محاورے تلمیحی بھی ہیں سیدنا حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ عفو' غفور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل و صدقہ میں مولیٰ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی بھی تلاطم و تموج خیز طوفان کی موجوں و لہروں سے نجات یاب ہوئی ؎

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

مجرے کو جھکنا۔ جھک کر سلام کرنا۔ بت کا ہیبت سے تھرتھرا کر گر جانا۔ یہ دو محاورے اس شعر میں یہ محاورے "ولادت مقدس" کے وقت "بیت اللہ" شریف کی مسرت و شادمانی کے عکاس ہیں۔ کسی مکرم اور معزز

مہمان کے تشریف لاتے وقت میزباں خندہ پیشانی خمیدہ سری سے استقبال کرتا ہے۔ اسی طرح معزز مہمان ہی نہیں بلکہ شہنشاہ گیتی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم میمنت لزوم کی ساعت میں "بیت اللہ شریف" سلام کے لئے جھک گیا۔ اور ظہور قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں جھوم اٹھا۔ اسی تشریف آوری کا دوسرا رخ یہ ہے کہ "خانۂ کعبہ" میں جو بت تھے شاہ ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف وہیبت سے سرنگوں ہو گئے۔ واقعہ کے مطابق کتنا سچا مضمون فرمایا گیا ہے۔ اس کے باوجود شعر ادبی وشعری حسن کے نقطۂ عروج پر ہے۔ کہاں ہیں وہ حضرات جو یہ فرماتے ہیں کہ شعروں کا لطف جھوٹے مبالغوں میں ہے۔ آئیں اور "الصدق ینجی" کی شان ملاحظہ فرمائیں۔

؎ تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم
تیرے بے دام کی بندی ہیں ہزاران عرب

بے دام کا بندہ ہونا۔ مخلص، بے غرض، جاں نثار وغلام ہونا۔ بے دام کی بندی ہونا۔ جال وپھندا کے بغیر برضا ورغبت قیدی ہونا۔ "ہزاران عرب" عاشقان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ فارسی زبان میں دام کے دو معنی ہوتے ہیں۔ قیمت۔ جال۔ دام پہلے مصرعے میں قیمت کے معنی میں ہے اور دوسرے میں "جال" کے معنی میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضور جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ومطہرہ سیرت وحسن خلق کی کشش ایسی تھی کہ خلایق بلا غرض وبلا طمع آپ کے جاں نثار سچے غلام ہو گئے اور آپ کی عقیدت ومحبت کے رشتہ کے قیدی بن گئے۔ اسی زمین کا مقطع ملاحظہ فرمائیں۔

؎ ہشت خلد آئیں وہاں کسب لطافت کو رضا
چار دن برسے جہاں ابر نیسان عرب

شعر میں "ہشت خلد اور چار دن" کے لانے سے "سیاق الاعداد" کی صنعت پیدا ہو گئی ہے جس سے شعر میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ کسب لطافت کیلئے ہشت خلد کا وہاں آنا جہاں چار دن "بہار عرب" کا ابر برس جائے تو اس مبارک خطۂ زمیں کے بارے میں آپ حضرات کا دینی فیصلہ کیا ہوگا جہاں ہر آن وہر لمحہ "بہار عرب" یعنی سرکار عرش وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارش رحمت ہوتی رہتی ہے۔ یقینی ایمان بول اٹھے گا کہ "شہر طیبہ" "باغ جناں" کا جنت الماوی ہے۔

؎ مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

دونوں مصرعے میں "مرے دل سے" ہے۔ پہلے میں "مرے دل سے" مراد یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو حضور کی عزت وحرمت پر جان ودل سے نثار وقربان ہے گویا کہ یہ مومن کی شرعی تعریف ہے۔ رہ گئے نجدی تو وہ "ہارے دل" "مرے قلب سے" بظاہر کبھی کبھی تعظیم رسول کر لیتے ہیں۔ گویا نجدی کی مذہبی تعریف یہی ہے کہ وہ "مرے دل سے" دکھانے کیلئے تعظیم کر لیتا ہے۔ اس لئے اس کی تعظیم بربنائے ایمان نہیں بلکہ بربنائے ریاو تقیہ ہے۔ پہلے مصرعے میں "مرے" فعل مضارع ہے۔ دوسرے میں "مرے" دل کی صفت ہے۔ لہٰذا معناً دونوں میں وہی فرق ہے جو زمین وآسمان، نور وظلمت، بہار وخزاں۔ خار وگل کے معنوں میں ہے۔ یہ ہے انتہائی علم وفن کا کمال یہ ہے ایمانی محبت کے سوز وگداز، خلوص ومحبت کا نقطۂ عروج، اسی زمین کا ایک اور شعر آپ حضرات کی ضیافت طبع کیلئے حاضر خدمت ہے۔

؎ دریا چڑھا ہے تیرا، کتنی ہی اڑائیں خاک
اتریں گے کہاں مجرم، اے عفو ترے دل سے

دریا کا چڑھا ہونا، خاک اڑانا۔ دل سے اترنا۔ تین تین محاورے مربوط انداز میں ایک شعر کے اندر لانا یہ اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ ہے۔ پھر لطف بالائے لطف تو یہ انداز بیان ہے کہ "اے عفو، مجرم کبھی تیرے دل سے نہیں اتریں گے۔ کیونکہ آپ کے جود وکرم کا دریا اتنا چڑھا ہوا ہے کہ بلا طلب "آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا" جہاں بخشش وکرم کا یہ عالم ہو اس ذات بابرکات کے "عفو پسند دل سے مجرم کبھی نہیں اتر سکتے۔ ہم بارگاہ ایزدی کے ناترس لاکھ سیہ کاری ومعصیت کی خاک اڑاتے رہیں۔ گناہوں کی کیچڑ میں سنے ہوئے ہوں۔ لیکن کسی طرح آپ کے دردِ دل سے محروم نہیں لوٹیں گے۔ اس ادائے مطلب نے شعر کو شاہکار بنا دیا ہے۔

؎ صدقے ہونے کو چلے آتے ہیں لاکھوں گلزار
کچھ عجب رنگ سے پھولا ہے گلستان عرب

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے عرب کو یہ شرف ومجد فخر ومباہات حاصل ہے کہ لاکھوں گلزار ہر طرف سے اس پر نثار ہونے کے لئے بے تاب کھنچے چلے آ رہے ہیں۔ کیا موسم حج میں کعبہ وعرفات، مزدلفہ ومنیٰ کی مرکزیت گنبد خضرا کے گرد ہجوم خلائق اس صداقت پر مہر تصدیق ثبت نہیں فرماتے۔ گلستان عرب کا پھولا ہونا اور اس پر لاکھوں گلزار کا صدقہ ہونا ایسی بندش ہے جس نے شعر کو عجب مقام سے ہمکنار کر دیا ہے۔ اس عنوان کو اب اس شعر پر ختم کر رہا ہوں۔

؎ اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

آگ بجھانا بھی محاورہ ہے اور آگ لگانا بھی۔ لیکن آگ آگ کو بجھائے عجیب معنی آفرینی ہے۔ دونوں آگ حقیقی معنی میں نہیں ہے۔ ایک عشق سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ ہے دوسری جہنم کی آگ ہے جس خوش نصیب نے عشق سرکار طیبہ کی آگ اپنے دل میں لگالی ہے تو یہ آگ نار جہنم کو ضرور بجھادے گی۔

یہ انداز بیان کس قدر اچھوتا اور ندرت آمیز ہے اس کا فیصلہ آپ کے ادبی و شرعی ذوق کے سپرد کررہا ہوں۔

"غلو"

اصطلاح میں کسی بات کے بیان کرنے میں حد سے بہت زیادہ بڑھ جانے کو مبالغہ کہتے ہیں۔ مبالغہ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) تبلیغ (۲) اغراق (۳) غلو۔

شرعی نعت گوئی میں مبالغہ متصور ہی نہیں۔ کیونکہ حضور بے مثل و بے مثال صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف بشری طاقت سے باہر ہے۔ ع لا یمکن الثناء کما کان حقہ ،، زبان زد ہی ہے۔ اس کے ماسوا اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں۔

شعر
اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح رسول
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

جن و بشر، حور و ملک سے جس وجود ذی جود کی تعریف ہی ممکن نہیں اس کی مداحی میں حد سے بڑھ جانے کی صورت ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا نعتیہ بیان میں مبالغہ اپنی جملہ صنفوں کے ساتھ معدوم و مفقود ہے۔ جہاں مقسم ہی کا پتہ نہیں وہاں کا اقسام کا وجود کہاں سے آجائیگا۔ اس مسلمہ حقیقت کے ہوتے ہوئے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک میں غلو،، کے کیڑے نکالنا انہیں غالیوں کا غلو ہے جن کو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت و کسرشان میں توحید کے مہر درخشاں نظر آتے ہیں۔

انبیاء کرام کی تعریف و توصیف میں غلو کے پائے جانے کی صرف تین صورتیں ہیں۔ (۱) رسالت کی الوہیت کا عقیدہ۔ (۲) نبوت کی ابنیت کا عقیدہ۔ (۳) رسول و انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام کو ثالث ثلاثہ یعنی تثلیث کا مصداق ماننا۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پرستار عیسائیوں کے مذکورہ بالا غالیانہ اعتقاد کا رد بلیغ شدید انداز میں موجود ہے۔ سورہ مائدہ شریف میں ہے۔ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ هو المسیح ابن مریم۔ بیشک وہ کافر ہوگیا جس نے کہا اللہ تو مسیح ابن مریم ہی ہے۔ اسی سورہ میں ہے لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثة۔ بیشک وہ کافر ہوگیا جس نے کہا اللہ تو تین کا تیسرا ہے۔ اسی سورۂ مقدسہ میں ہے

قالت الیهود والنصاری نحن ابناء اللہ۔ یہود و نصاری نے کہا ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے و چہیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) ان عقیدوں کے بیان کے بعد اسی سورہ میں ارشاد ربانی ہے یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق۔ یعنی اے اہل حق دین خدا میں ناحق غلو نہ کرو معلوم ہوا کہ کسی مخلوق کے بارے میں غلو کے وہی تین امور ہیں جس مدح و ثنا میں یہ باتیں نہ ہوں وہ غلو سے پاک وصاف ہے۔

قرآن حکیم نے اسی سورہ مائدہ شریف میں رد غلو کے ساتھ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کے فضائل عظیمہ مناقب جلیلہ کو مشرح بیان فرمایا ہے تاکہ کوئی کور مغز۔ بد باطن بیان فضائل و ذکر معجزات کو غلو نہ سمجھ بیٹھے حضرت روح اللہ علیہ السلام کے خداداد تصرفات و معجزات کو قرآن پاک نے اس طرح پیش فرمایا ہے۔

ابراء اکمہ و ابرص۔ ہیئت طیور کی تخلیق پھر اس میں نفخ روح احیائے موتی۔ اخبار غیب۔ وجاہت وغیرہ اس قرآنی ارشاد سے یہ حقیقت۔ ماہ نیم ماہ۔ مہر نیم روز کی طرح ثابت و محقق ہوگئی کہ انبیاء کرام کے فضائل و معجزات لاکھ محیر العقول ہوں مگر بیان کرنا ہرگز غلو نہیں بلکہ قرآنی سنت ہے۔ ہاں غلو جب ہی ہوگا جب کسی رسول و نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اللہ۔ یا اللہ تعالیٰ کا بیٹا یا تین میں کا تیسرا نثر میں یا نظم و شعر میں کہا جائے اس کے سوا لاکھ تعریف لاکھ قسم سے کی جائے ہرگز غلو نہیں۔

بحمدہ تعالیٰ آج تک کسی سنی مسلمان یا مطلق مسلمان نے کسی نبی کسی ولی کی شان میں مذکورہ بالا مشرکانہ عقیدوں کا اظہار نہیں کیا۔ خاص کر ماحی شرک و کفر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت و نعت میں ان عقیدوں کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ حضرت بوصیری قدس سرہٗ نے قصیدہ بردہ شریف میں کیا ہی آب زر سے لکھنے کے قابل زریں نصیحت فرمائی ہے۔ سنیئے اور نصیحت پر عمل فرمایئے

شعر
دع ما ادعته النصاری فی نبیهم
واحکم بما شئت مدحا فیه واحتکم

یعنی نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جن کفری عقیدوں کا دعویٰ کیا ہے اے مسلمان اپنے رسول پاک کے حق میں ان کفری و شرکی دعووں کو قطعاً ترک کردے۔ اس کے سوا حضور کی شان کریم میں جو بھی فضل و کمال جو بھی علمی و عملی وسعتیں و بلندیاں ذہن و تصور میں آسکیں ثابت کرو۔ نظماً و نثراً بیان کرو۔ اس اثبات و بیان میں تم حق بجانب ہوگے۔

اس تفصیلات شرعیہ کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کے کلام میں غلو کی تلاش یا اس کا انتساب ایک حقیقت عدمیہ کی تلاش و جستجو کے سوا کچھ نہیں، ایک بے سود کاوش و لاحاصل کاہش ضرور ہوگی۔ اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ

غلو کا سد باب کس زور و شور سے فرما رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

؎ لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

؎ ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیرت نے جھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد اللہ اور عالم امکان کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

الغرض اعلیٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا کلام مالا کلام ہے۔ شریعت و قرآن پاک کی روشنی میں ہر شرعی نقائص و ہر طرح کے عیب غلو سے پاک و صاف ہے۔ سر دست اعلیٰحضرت کے نعتیہ کلام دیوان کے متعلق انہیں کا یہ مصرعہ لکھ کر خاموش ہوا چاہتا ہوں۔

؎ وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیان ہے جس کا بیان نہیں۔

واصف شاہ ہدیٰ کا بقیہ

حسن تکرار موسیقیت کی جان ہے۔ حضرت رضاؔ ان رموز فنی سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ترنم، نغمگی اور موسیقیت بحروں کے انتخاب پر بھی موقوف ہے۔ ذیل کے اشعار شاعر کے بالیدہ شعور کی غمازی کرتے ہیں ؎

کرنا تو ہے یاد ان کی، غفلت کو ذرا روکے
للہ رضاؔ دل سے ہاں دل سے ارے دل سے

کرے مصطفےٰ کی اہانتیں، کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرت کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

اس سے انکار ممکن نہیں کہ اگر فاضل بریلوی صرف شاعری پر ہی اکتفا کرتے تو آج اردو دنیا میں ان کا مقام میر و غالب ہی کی طرح محفوظ سمجھا جاتا اور شہرت ان کے قدموں سے لگی رہتی لیکن اس عاشق رسول نے شعر گوئی و سخن طرازی کو اپنے جذبۂ عشق رسول کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اظہار و ابلاغ کا یہ وسیلہ چونکہ اپنی نوعیت میں فن تھا لہٰذا انھوں نے اس کے آداب و احترام کو کما حقہ ملحوظ رکھتے ہوئے فنی تقاضوں کو بہ تمام و کمال پورا کیا۔ وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

نعتیہ شاعری پر ایک نظر کا بقیہ

لطف اُن کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا
سائلو دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا

تیرِ حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ ملے سایۂ داماں ہم کو

اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور
جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

مختصر یہ کہ اعلیٰحضرت کا نعتیہ کلام فکر بلند اور فن لطیف کا شاہکار نمونہ ہے۔ ساتھ ہی میں اپنے قلم کی بے مائگی اور عجز بیان کا اعتراف کرتا ہوں کہ "کلام الامام امام الکلام" جس دروں بینی اور ژرف نگاہی کا مستحق تھا وہ مجھ سے نہیں ادا ہو سکا اور ان چند صفحات میں یہ ممکن بھی نہیں تھا۔

امام احمد رضا

ایک مکمّل شاعر

از: طارق سعید بی اے
شیعہ ڈگری کالج لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

اعلیحضرت کا یہ مقطع شاعرانہ تعلی نہیں بلکہ حقیقت واقعہ کا عکاس ہے۔ کیوں کہ آپ نے ہزلیات اور لغویات سے بہت دور رہکر فن سخن کے تمام اصناف میں طبع آزمائی فرمائی ہے۔ غزل، مثنوی مستزاد، قطعات، رباعیات، وغیرہ جس میدان کی طرف آگئے ہیں سکّے بٹھا دئے ہیں۔ فصاحت و بلاغت، حلاوت، وملاحت، لطافت و تخیل جدت تمثیل، صنعت تلمیح و ترصیع، صنعت تجنیس و تسجیع، قوافی کا زور تسلسل بیان تنوع مضامین، انتہائی جوش وجذبہ، والہانہ عقیدت، واردات وغیرہ سب چیزیں آپ کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ (از: سوانح اعلیحضرت)

امر واقعہ ہے اور تاریخ ادب وسخن شاہد ہے کہ امام احمد رضا ایک مکمل شاعر تھے۔ میری ایک عادت کہئے یا حقیقت پسندی کہ اس وقت تک کسی کو ادب وسخن کا دلدادہ تسلیم نہیں کرتا جب تک کہ پروفیسر آل احمد سرور کی کسوٹی پر ناپ جوکھ نہیں لیتا۔ "تنقید کیا ہے"۔ میں سرور صاحب فرماتے ہیں۔ "تنقید کا کام فیصلہ کرنا ہے۔ تنقید دودھ کا دودھ، پانی کا پانی الگ کر دیتی ہے۔ تنقید وضاحت ہے۔ تجزیہ ہے۔ تنقید قدریں متعین کرتی ہے۔ ادب وزندگی کو ایک پیمانہ دیتی ہے۔" آگے فرماتے ہیں۔ "تنقید کے بغیر ادب ایک ایسا جنگل ہے جس میں پیداوار کی کثرت ہے۔ موزونیت اور قرینے کا پتہ نہیں ہے"۔ یعنی کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ادب وسخن اور شعر وشاعری کی پرکھ صرف تنقید کی ہی کسوٹی پر ہو سکتی ہے۔ اور آج ہم نے بھی طے کیا ہے کہ امام رضا کی شاعری پر بے لاگ تبصرہ کریں گے۔ شعر کی جانچ دو طرح سے ہو سکتی ہے۔ ایک اس کی معنوی خوبی کے نظریہ سے دوسری اس کی لفظی خوبی کے نظریہ سے۔

کلام رضا میں معنوی اوصاف

(۱) اصلیت: رضا کی شاعری کا ہر شعر اصلیت وواقعیت کی بنیاد پر ہے بلکہ ہر شعر سابق صدر شعبہ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی جناب سید مسعود حسن رضوی ادیب کی تعریف پر بالکل کھرا اترتا ہے۔ ادیب صاحب فرماتے ہیں "شعر میں خیال کی اصلیت سے یہ مراد ہے کہ جس چیز سے وہ خیال متعلق ہے اس کا وجود حقیقت میں ہو، یا عقل یا اعتقاد کی رو سے ممکن ہو، یا مان لیا گیا ہو۔" امام رضا کے کلام میں یہ ایک اہم خوبی ہے کہ مقتضائے حال کے مناسب ہوتا ہے۔ ان کے بیان میں حقیقت پسندی ہر جگہ نمایاں ہے مثلاً ایک ہندی کلام کو قلم بند کرتے وقت اپنی حقیقت پسندی اور سچائی کی وجہ سے واضح طور پر فرماتے ہیں کہ یہ نہ تو میری طرز ہے نہ میرا رنگ۔ فرماتے ہیں ؎

بس خامہ خام نوائے رضا نہ یہ طرز میری نہ یہ رنگ میرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

(ب) سادگی خیال:۔ خیال کی سادگی سے یہ مراد ہے کہ شاعر نے اپنے کلام میں کسی مقام پر الجھاؤ اور پیچیدگی سے کام نہ لیا ہو۔ امام رضا کی یہ خوبی ہے کہ عظیم سے عظیم خیال کو اس سادگی سے ادا کیا ہے کہ پڑھنے والا پوری طریقہ سے سمجھ بھی لیتا ہے اور پورا لطف بھی اٹھاتا ہے مثلاً سرور کے جلوہ انور کی تصویر کشی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں ؎

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول بدن پھول

کس صفت تکرار کے ساتھ سادگی خیال کا اہتمام کیا گیا ہے کہ شعر کا حسن بھی باقی ہے اور سلاست ہی سلاست۔

(س) بلندی وباریکی:۔ خیال کی بلندی اور باریکی سے یہ مراد ہے کہ بیان نرالا ہو، انوکھا ہو اور سطحی نہ ہو اور کہیں بھی مبالغے سے کام نہ لیا گیا ہو۔" یہ امر واقعہ ہے کہ جہاں امام رضا کے کلام میں اصلیت وسادگی پائی جاتی ہے وہیں بلندی اور باریکی بھی نظر آتی ہے نہایت باریک اور بلند خیال کو رضا نے اتنی آسانی سے ادا کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مشکل بات ہی نہ تھی۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں ؎

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں ! وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

آپ خود ہی دیکھ رہے ہیں کہ کتنا بلند اور باریک خیال ہے اور کتنا واضح بیان۔ شاید ہی کوئی قلم بند کرسکے۔

(د) **تڑپ**: اس سے یہ مراد ہے کہ خیال کے ساتھ جذبات بھی شامل ہوں۔ اگر کلام میں تڑپ یعنی جذبات کی آمیزش نہیں تو وہ شاعرانہ خیال نہ ہوگا، حکیمانہ یا واعظانہ خیال ہوگا، علامہ اقبال نے خوب کہا ہے ؎

حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر می گردد چو سوز از دل گرفت

مثال کے طور پر ایک ہندی کلام کو ہی لے لیجئے۔ امام رضا فرماتے ہیں ؎

منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا، موری نیّا پار لگا جانا
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں، مرا کون ہے تیرے سوا جانا

کیسی مجبوری، کتنا درد کا احساس اور کتنا سوز اور کیسی تمنّا۔ امر واقعہ ہے کہ امام رضا کے کلام کو پڑھنے کے بعد یہ تڑپ بڑھ جاتی ہے کہ ؎

آ کچھ سنادے عشق کے بولوں میں اے رضا
مشتاق طبع لذّت سوز جگر کی ہے

مندرجہ بالا بحث امام رضا کے کلام کی معنوی خوبی کی بنیاد پر تھی۔ اور اب تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ امام رضا کی شاعری میں لفظی کیا خوبیاں ہیں۔

احمد رضا کے کلام و بیان میں ہر مقام پر سلیس، فصیح و بلیغ اور رواں لفظوں کا اصول قواعد و اختصار کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ غیر مانوس اور لفظوں میں تنافر پیدا کرنے والے تمام غیر ضروری چیزوں سے بچا گیا ہے۔ امام رضا دیگر شعراء کی طرح مایوسانہ الفاظ کا استعمال نہیں کرتے، وہ ناکامی کا رونا نہیں روتے، وہ کہیں اپنا ہوش و حواس گم نہیں کرتے۔ مثلاً میر تقی میر فرماتے ہیں۔ ؎

عشق گیا، سو دین گیا، ایمان گیا، اسلام گیا
دل نے کچھ ایسا کام کیا جس سے میں ناکام گیا

یہ عشقِ میر عشق الٰہی سے تعبیر کیا جا سکتا تھا مگر میر صاحب نے یہ کہکر اس کی گنجائش بھی نہ چھوڑی۔ فرماتے ہیں ؎

کس کس اپنی کل کو روے، ہجراں میں بیکل اس کا
خواب گئی ہے تاب گئی ہے، چین گیا، آرام گیا

میر صاحب عشق بتاں سے اتنے زیادہ خوف زدہ ہیں کہ فرماتے ہیں ؎

جی ڈہا جائے ہے سحر سے آہ
رات گزرے گی کس خرابی سے

احمد رضا بدحواس اور بے خودی کا کہیں ثبوت نہیں دیتے۔ ان میں سنجیدگی و متانت ہے۔ ان میں تہذیب اور شگفتگی ہے۔ وہ ہمیشہ شستہ اور شفاف الفاظ کا ہی استعمال کرتے ہیں۔ وہ ناسخ نہیں کہ اتنا بے خود ہو جائیں کہ "یاد آیا مجھ کو مجنوں آپ مجنوں ہو گیا"

یا ناسخ کی طرح یوں کہیں کہ ؎

مجھ کو اب ساقی گلفام سے کچھ کام نہیں
مے سے کچھ کام نہیں جام سے کچھ کام نہیں
ہے فراق بت خود کام میں ناسخ کا کلام
ہوں میں ناکام مجھے کام سے کچھ کام نہیں

مگر امام رضا کا اسلام و ایمان اتنا آسان نہیں جتنا میر، ناسخ وغیرہ کا ہے۔ رضا یقین کی منزل وہ دنیا کو ایک امتحان گاہ سمجھتے ہیں۔ وہ کام کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ ان کی تمنا و حسرت ہے کہ وہ جب دنیا سے جاویں تو ساتھ خیریت و ساتھ ایمان جاویں، بامراد جاویں، ناکامی اور مایوسی ان کے یہاں کوئی مقام نہیں رکھتی۔ وہ فانی نہیں ہیں کہ کہیں ؎

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں وہ سو وہ بھی کیا معلوم

مگر امام رضا اپنے محبوب کو یوں مانتے ہیں ؎

انھیں جانا انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

امام رضا بھی آہیں بھرنا جانتے ہیں مگر ان کی آواز سوز دوسروں سے مختلف ہے۔ ان میں بھی "ہائے" "ہائے" کی صدائیں ملے گی مگر غالب کی ہائے ہائے کی طرح نہیں۔ غالب فرماتے ہیں ؎

زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوائے زندگی
یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے

مگر امام رضا کی آہ اس طرح ہے، ملاحظہ فرمایئے ؎

آہ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در کے پر ارمان گیا

پر ارمان جانے والا دل امام رضا کا ہی دل ہے۔ غالب و ناسخ تو اپنے محبوب کے در سے ناامید و مایوس لوٹتے ہیں۔

مندرجہ بالا حقیقتوں کے علاوہ جو چیز امام رضا کو دوسرے شعراء کے مقابلہ میں سربلند اور اونچا کرتی ہے وہ ہے ؎ ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ردی تھی کیا کیسے قافیے تھے

یہی مقصد زندگی ان تمام بغیر مقصد سخن گوؤں سے ان کو سربلند کرتی ہیں جو ناکام، بے مراد اور ہائے ہائے کرتے دنیائے فانی سے اٹھ جاتے ہیں ؎

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی ؛ کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

مگر امام رضا نہ تو غم سے مرتے ہیں اور نہ انھیں اپنی تعزیت کی فکر ہے کیوں کہ انکا شمار ولیوں اور بزرگوں میں ہونیوالا تھا جن کو نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلا کی پروا۔ امام احمد رضا کی شاعری کو پروفیسر آل احمد سرور کی کسوٹی پر رکھکر اگر علمائے زبان و ادب پرکھیں تو بھی کو یہ کہنا پڑیگا کہ امام رضا، ایک مکمل شاعر تھے۔

امام احمد رضا اور اردو ادب

مولانا شاہد رضا اشرفی ایم اے

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی علمی شخصیت کا مخصوص دائرہ کار مذہبی تبلیغ و اسلامی حقائق کی حقیقی تشریح و تفسیر ہے۔ ان کی زبردست علمی صلاحیتوں کا میدان عمل بنیادی طور پر وہی ہے جو آپ کے پہلے کے صوفیائے کرام اور مجددین ملت کا رہا ہے۔ میرے اس مضمون کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں ان کی شخصیت کے بین الاقوامی تاثر میں کوئی تبدیلی چاہتا ہوں۔ آج بھی دنیا کے گوشہ گوشہ میں مسلمانوں کا صالح اور راست طبقہ انھیں "امام اہلسنت" کے نام سے یاد کرتا ہے اور یہ ایک صحیح اور سائنٹفک تاثر ہے۔

لیکن صوفیا اور علماء اپنے نظریات و عقائد کی تبلیغ کے لئے جب اظہار مدعا کا کوئی پیرایہ متعین کرتے ہیں تو خود بخود کسی نہ کسی زبان و ادب کی خدمت اور توسیع و ترقی کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب "اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام" میں لکھا ہے۔

"یہ بزرگ اس زبان کے بڑے ادیب اور شاعر نہ تھے۔ یا کم سے کم ان کا مقصد اس زبان کی ترقی نہ تھی۔ نہ اس کا انھیں کچھ خیال تھا۔ ان کی غایت ہدایت تھی لیکن اس ضمن میں خود بخود اس زبان کو فروغ ہوتا گیا۔ اور عہد بہ عہد نئے نئے اضافے اور اصلاحیں ہوتی گئیں۔ اور ان کی مثال نے دوسروں کی ہمت بڑھائی جس سے اس کے ادب میں نئی شان پیدا ہو گئی"۔

اس کتاب میں "بابائے اردو" نے صوفیائے کرام کو اردو کا محسن بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اردو زبان کا مورخ ان کے احسان کو نہیں بھول سکتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تا دم تحریر مورخین اردو ادب نے اس احسان کو کہاں تک یاد رکھا ہے۔ لیکن کم سے کم مجھے تو یہ احسان صرف یاد ہی نہیں بلکہ میرے احساس و فکر کی دنیا میں ایک زندہ حقیقت بنکر آج مجھے پابندِ لوح و قلم بھی کر رہا ہے۔

امام احمد رضا کی پر وقار شخصیت سے اردو ادب کے رشتہ پر میری چھان بین کوئی اتفاقی امر نہیں ہے بلکہ میں ارادی طور پر اس عنوان پر کچھ لکھنے کے لئے بیتاب ہوں۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ کرۂ ارض کے تمام خطے ہمہ وقت تابناک نہیں رہتے بلکہ اگر زمین کا نصف حصہ تاریکی کی آغوش میں رہتا ہے تو نصف حصہ اجالوں میں پلتا ہے۔ شاید نظام قدرت کا یہ قانون نکرانی کو بھی راس آیا ہے ورنہ اردو کے عظیم مورخین کی یہ روش میرے نزدیک حیرت انگیز ہے کہ وہ ایک ہی دور میں داغ و امیر۔ حالی و شبلی، اکبر و سر سید کی خدمات پر تو اپنے آفتاب تحقیق کی کرنیں بکھیرتے ہیں لیکن امام احمد رضا کی شاعری۔ نثر نگاری اور ان کے علمی جاہ و جلال کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ادب میں تعصب کی عینک سے مطالعہ میرے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور میں اپنی ناپسندیدگی کو دوسروں کی پسند گمان کرنے والوں میں بھی نہیں ہوں لیکن اردو ادب کا طالب علم جب ۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب کے بعد ادب کی روشنی میں اپنا ذہنی سفر شروع کرتا ہے تو یہ حیرت اُسے ضرور ہوتی ہے اگر نہیں ہوتی تو ہونی چاہیئے۔ اور اگر اس "چاہیئے" کا بھی انکار ہے تو حقیقتیں ہر دور میں اتنی با اختیار ضرور ہوتی ہیں اور رہیں گی جب حقائق کی انمٹ طاقتوں نے محض تخیلاتی نظریات کے پہاڑوں کو چکنا چور کر دیا ہے۔ ایٹم (ATOM) کی سہ رکنی حقیقت نے نیوٹن کا بھرم اگر توڑا ہے۔ صورت و معنی کی کشمکش میں اگر معنی کو غلبہ حاصل ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ فاضل بریلوی کی ادبی و لسانی خدمات کا اعتراف نہ کیا جائے گا۔

ذہنی و علمی دنیا کی شاید یہ وہی مایوس منزل ہے جہاں اپنوں سے شکوہ و شکایت کو "شدید اپنائیت" کی خوبصورت تاویل کا لبادہ پہنا دیا جاتا ہے۔ میں بھی اپنے کرب و کسک کی اسی مایوس منزل پر ہوں جہاں مجھے اپنوں سے شکوہ ہے۔ لیکن سوچتا ہوں کہ اپنا کون ہے اس لئے یہ کہہ دینا ہی عافیت بخش ہے کہ مجھے سب سے شکوہ ہے۔ کاش! ہماری جماعت کے لوگ فاضل بریلوی کے اس رُخ پر کچھ لکھتے تو آج حامد حسین قادری، رام بابو سکسینہ، نسیم قریشی، عبدالسلام ندوی کی تاریخ ادب کی کتابیں "ذکر رضا" سے نا آشنا نہ ہوتیں۔ وہ "شہنشاہ اقلیم سخن" جس نے شائع شدہ تحقیق کی روشنی میں ۱۳ مختلف فنون کی ۵۷ کتابوں کا تحفہ اردو زبان کو دیا وہ "امام الکلام" جس کی

نعتیہ شاعری آج بھی اردو ادب میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے شعراء اردو کے تذکروں میں گمنام نہ ہوتا۔

میں جو کچھ قلم بند کر رہا ہوں اپنی بے بضاعتی کے بھرپور احساس کے ساتھ قلم بند کر رہا ہوں۔ ایک متنوع شخصیت کی رنگا رنگی میں کسی ایک مخصوص رنگ کو منفرد انداز سے پیش کرنا وقت اور غائر مطالعہ چاہتا ہے۔ اور اس قسم کے مطالعے بھی ان گنت رُخ رکھتے ہیں۔ اس لئے موضوع میں مکمل گفتگو کا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ ہی ایسا کوئی اِدّعا میرا مقصد ہے۔ بلکہ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ادب کی ایک بھولی ہوئی اہم ترین ضرورت کا "احساس جاں" "احساس جہاں" ہو جائے اور میری تنہائی انجمن بن جائے۔

ازل سے ایک جہانِ سکوت لایا ہوں
شریکِ شرح نواہائے راز کرنے کو

"ادب تنقید حیات ہے" میتھو آرنلڈ کا یہ وہ مقولہ ہے جو آج بھی اصناف ادب کے ضمن میں شاعری کی بھی حقیقی تعبیر سمجھا جاتا ہے۔ آیئے ہم بھی اس تعبیر کو اپنے خواب کا آئینہ سمجھ کر آگے بڑھیں میرے موضوع کا شدید تقاضا ہے کہ پہلے ہم یہ سمجھیں کہ شاعری کس حیات کی تنقید ہے میرے نزدیک حیات کے دو رخ تو مسلّم ہیں۔ حیات فانی اور حیات باقی۔ اسے آپ دنیوی اور اخروی حیات بھی کہہ سکتے ہیں اگر شاعری کو صرف دنیاوی حیات (مادی حیات) کی تنقید سمجھا جائے تو پھر شاعری کا وہ دعویٰ مجروح ہوتا ہے جس کی روشنی میں اسے انسانی رہنمائی کا افتخار حاصل ہے۔ اسی لئے بعض نقادوں نے آرنلڈ کے اس جملے میں حیات کے ساتھ اپنی جانب سے کوئی قید نہ لگا کر اسے شاعر کے شعور سے وابستہ کر دیا ہے۔ جعفر علی خاں آثر اپنے مضمون "پروپیگنڈہ اور شاعری" میں رقم طراز ہیں۔

"ادب تنقید حیات ہے مگر عام حیات کی نہیں بلکہ اُس حیات کی
جس کی تشکیل شاعر یا ترجمان نے کی ہے"۔

اور جب حیات کی ادبی جہت فنکار کے شعور سے وابستہ ہے تو ایک ایسا فنکار جو شعوری طور پر نہ صرف حیات اخروی پر ایمان رکھتا ہے بلکہ وہ اُسے ساری دنیائے انسانیت کے لئے باعث نجات بھی جانتا ہے۔ جب حیات کی تنقید کرے گا تو اس کے فن میں ایسے عقائد و جذبات کا اظہار ناگزیر ہو جاتا ہے جو اس کی نظر میں باعث نجات و عافیت ہو۔ یہی وہ تنقید حیات ہے جسے ہم نعتیہ شاعری۔ مذہبی شاعری یا اعتقادی شاعری میں پوری طرح محسوس کر سکتے ہیں۔ اور یہی وہ نقطۂ نظر ہے جس کی بنیاد پر ادب کا ہر شہ پارہ تنقید حیات کے دائرے میں آجاتا ہے۔ خواہ وہ مذہبی شخص ہو یا لامذہبی اور غیر شخصی۔

فاضل بریلوی کی پوری اردو شاعری نعت و منقبت پر مشتمل ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں مسلک اور عقیدہ کا اظہار بھی شدت کے ساتھ موجود ہے۔ یہ ان کے بُعدِ دانشور کی بات ہے کہ انھوں نے حقیقی حیات کی تنقید کو اپنا موضوع سخن بنایا جنت و دوزخ، قبر و قیامت، قضا و قدر، عذاب و ثواب، بخشش و تعزیر اور اسی قبیل کے موضوعات اخروی ان کی شاعری کا اصل موضوع ہیں۔ جس کا تعلق حیات بعد الممات سے ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا
رو رو کے مصطفےٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضا
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامان عالی ہاتھ میں

یاالٰہی گرمی محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامن محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

کھڑے ہیں منکر نکیر سر پہ نہ کوئی حامی نہ کوئی یاور
بتا دو آکر میرے پیمبر کہ سخت مشکل جواب میں ہے

بارگاہ رسالت میں جذبات و کیفیات کا منظوم نذرانہ بھی نجات اخروی اور حیات ابدی کے حصول کا ایک پاکیزہ وسیلہ ہے۔ امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری بھی رضائے رسول اور حب نبوی کے اکتساب کا ایک مقدس انداز ہے اور یہی رضا و محبت اسلام میں تکمیل ایمان کا وہ معیار ہے جہاں انسان حیات کی اس منزل پر ہوتا ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے حیات کے مرکز سے دور رہتا ہے

اور یہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ فاضل بریلوی کے فن میں اسی حیات کی تنقید کے جلوؤں کا ہجوم ہے۔ دراصل اسلامیات پر ان کا مطالعہ عقلی و وجدانی دونوں اعتبار سے کامل تھا۔ اسلامی معقولیت نے انھیں علم و فضل میں یگانۂ روزگار بنایا اور ہوش و بصیرت سے معمور ان کی اسلامی وجدانیت نے اردو نعت کو شاعرانہ حسن آفرینی کے ساتھ ساتھ شان برگزیدگی عطا کی۔ اردو نعت گو شعراء کی ہندوستانی روایت میں فاضل بریلوی کا یہ امتیاز ہے کہ ان کے کلام میں "عقلِ مومن" اور "وجدان" کا حسین اعتدال و امتزاج موجود ہے افتخار اعظمی نے "ارمغان حرم" کے مقدمہ میں فاضل بریلوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ اسی لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انھیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جانی چاہیئے۔ انھیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ انکے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے چونکہ رسول پاک سے انھیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدت احساس کیساتھ ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے"

حقیقت بھی یہی ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری تخلیقی صلاحیت اور جدت طرازی سے آراستہ ہے۔ ان کی اس نعت کا چرچا آج بھی ہر سمت ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھکو شہ دوسرا جانا

اس نعت میں عربی، فارسی اور ہندی کی اردو کے ساتھ آمیزش تو نعتیہ شاعری میں نادر الوجود نہیں کہی جاسکتی۔ لیکن ہاں! اس کی "لسانیاتی تثلیث" میں جو امتزاج و آہنگ ہے جو روانی اور سلاست ہے اس کی لطافت اور دلنشینی کی بازگشت سے آج بھی اردو کی نعتیہ شاعری محروم ہے۔

شاعری واردات قلب کے آراستہ اظہار سے عبارت ہے۔ امام احمد رضا کے ایمانی واردات جگر کو ملاحظہ فرمایئے۔

آنکھ وہ آنکھ کہ ناکام تمنا ہی رہی
ہائے وہ دل جو ترے در سے پُر ارمان گیا

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہونچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

کاش میرے جگر کا غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

لے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

اور نعتیہ مضامین میں شان تجمل کے پہلو بہ پہلو خلوص و فا کی رعنائیاں تو جیسے چھلکی پڑتی ہیں۔ وفور شوق کے جلو میں بارگاہ مصطفےٰ کے حضور سرمایۂ عقیدت کی یہ دلنواز پیش کش اردو شاعری میں کہیں کہیں ہی دکھائی دیتی ہے۔

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اس شعر میں "پنجاب رحمت" کی ترکیب اردو زبان کو فاضل بریلوی نے ہی دی ہے اور اسی نعت کا دوسرا شعر تو پرواز فکر اور رفعت تخیل کی آخری حدوں تک پہونچ گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گرد سواری واہ واہ

اس شعر کے خصوص میں میں نے دعویٰ کیا ہے کہ تخیل کی آخری حد شاعر کے ذہن میں آبسی ہے۔ اس ادعا کی تائید میں اقبال سہیل کو سنیئے۔

چلے ہیں فاروق اس ادا سے فضائیں گونجی ہیں مرحبا سے
جو ذرے اڑتے ہیں گرد پا سے نجوم پر مسکرا رہے ہیں

شعر کا مضمون نہایت واضح ہے شاعر فاروق اعظم کا پائے ناز چومنے والے ذروں کو نجوم پر فوقیت دے رہا ہے۔ لیکن میرے مقصد کو سمجھنے کے لئے ان دونوں شعروں میں تقابل سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ تخیل اور ہے مصداق تخیل اور۔ یہاں مصداق تخیل سے بے نیاز ہو کر صرف شاعر کی ذہنی پرواز کا تجزیہ مقصود ہے۔

اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے اس سرمدی شعور پہ ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے جو علوئے فکر اور فنی احساسات کی لطافت سے جگمگا رہا ہے۔ انھوں نے سواری رسول کے قدموں سے اٹھنے والی دھول کو مہر و ماہ کے لئے "مخزن اکتساب نور" بنا دیا ہے۔ ذروں اور ستاروں کا جو رشتہ انھوں نے اجاگر کیا ہے وہ کتنا لطیف اور بلند ہے۔ اسے فن شناس نگاہیں خوب جانتی ہیں۔ اقبال سہیل نے تو الفاظ کی شان و شوکت اور ترکیب کی سج دھج سے تخیل کو جلا بخشی ہے۔ لیکن فاضل بریلوی کے یہاں پرواز فکر کی جاذبیت سے الفاظ کی رگوں میں زندگی کا تازہ لہو گردش کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ایک شاعر کی نگاہ صاحب تعریف کے قدموں پر ٹھہر گئی ہے لیکن دوسری جگہ شاعر کی نگاہیں نسبت کے اعزاز تک جا پہونچی ہیں۔

تقابل کی بات ذہن میں آتے ہی دفعتاً فاضل بریلوی کا وہ شعر بھی یاد آگیا جو زبان زد خاص و عام ہے۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

فن اور زبان پر زبردست عبور کی ہی بات ہے کہ اس شعر میں ہر لفظ تقابل کی علامت بنکر شاعرانہ احساسات کے سانچے میں ڈھل گیا ہے۔ زنان مصر اور مردان عرب یا انگشت اور سر کا باہمی تقابل تو بالکل ظاہر ہے لیکن حسن یوسف پر انگلیوں کا کٹ جانا اور اسم مصطفےٰ پر سر کٹا دینا اپنی جگہ پہ زبردست معنویت رکھتا ہے۔ کٹنا غیر ارادی اور اضطراری فعل ہے۔ لیکن کٹانا ارادہ اور مرضی کے بغیر ممکن نہیں۔ گویا مجبوری اور مختاری کا آمنا سامنا ہو رہا ہے۔ اسی طرح یوسف اور اسم سرور کائنات بھی شاعر کے فکر میں روبرو ہیں حضرت یوسف کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بے اختیاری میں انگلیاں کٹی ہیں۔ لیکن جمال مصطفےٰ کو دیکھ کر نہیں بلکہ صرف سن کر سر کٹانے کی تمنا جواں ہو گئی ہے جس بارگاہ وفا میں نام کی یہ تاثیر ہو وہاں جلوۂ ذات کی تجلیات کا کیا عالم ہوگا؟ یہ فاضل بریلوی کی وہ ایمائیت ہے جہاں ٹھہر کر آپ جس قدر غور کریں گے عشق مصطفےٰ کی چاشنی دو آتشہ ہوتی ہوئی محسوس ہوگی

ع جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

بڑی سچی اور منطقی بات ہے لیکن یہ شاعر کا قادرالکلامی ہے کہ اس نے بہت کچھ کہہ کر بھی تذکرہ "حسن یار" کو محدود نہیں ہونے دیا ہے۔

محمد علی جوہر کا ایک نعتیہ شعر سنیئے۔ جسے ان کے ایمانی احساسات کا نچوڑ

سمجھنا چاہیئے۔

شمعِ ایماں کو خدا روشن رکھے

قبر میں جو ہر کی پہلی رات ہے

اس شعر میں ایک عجیب کیفیت ہے اس کو بار بار پڑھئے تو دل میں یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ کاش شاعر کی یہ "پہلی رات" سب کو نصیب ہو لیکن "وہ شمعِ ایماں" جسے روشن رکھنے کی التجا بارگاہ رب العالمین میں پیش کی جا رہی ہے۔ کیا ہے؟ یہ فنکار کے دل میں پوشیدہ ہے۔ جذبات کے رخ پر پڑے ہوئے اس حجاب کو اٹھنے کے لئے عشق رسول کی جو سرمستی چاہیئے وہ جوہر کے یہاں مفقود ہے لیکن "امام الکلام" کی یہ وارفتگی دیکھئے جس کے بل بوتے پر وہ بے حجابانہ پکار اٹھے۔

لحد میں عشقِ رُخِ شہ کا داغ لیکے چلے

اندھیری رات سُنی تھی چراغ لیکے چلے

فاضل بریلوی کی یہ وہ خصوصیت ہے جو انھیں نعت رسول کی نغمگی کا مکمل حق ادا کرتی ہے۔ ورنہ اس انجمن ناز میں سر کو لیکر جانا سب کے بس کی بات نہیں۔ ایمان و عشق کی شان ہی یہ ہے کہ پھانسی کے تختہ پر بھی اُسے تاریخ کی نگاہوں نے زندہ اور بے باک دیکھا ہے۔ ماحول کی شدید مخالفت کی چھاؤں میں بھی اُس کے ماتھے پر شکست کی کوئی لکیر تلاش نہیں کی جا سکی ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی یہی وہ حق گوئی اور بے باکی ہے جسے کچھ لوگوں نے "آئین جواں مرداں" نہ سمجھ کر "افراط و تفریط" اور "بے راہ روی" کا نام دیا ہے۔ مجھے اس کا اعتراف ہے ان کے کلام میں شدت بھی ہے اور عقائد کا بے لاگ اظہار بھی۔ لیکن یہ شدت تو فن کی ایک خصوصیت ہے ذکر خامی حقیقی شاعر کے یہاں احساس و جذبہ کی شدت ایک فطری اور لازمی شے ہے۔ جہاں تک عقیدہ اور مسلک کے اظہار کی بات ہے اُس سے کسی کا اختلاف ممکن ہے لیکن خالص ادبی بنیاد پر کوئی عیب نہیں بلکہ فن کا حسن ترکیبی ہے۔ ایسے خیالات کی بنیاد کو شاعرانہ محاسن کی کسوٹی بنانا میرے نزدیک ہرگز درست نہیں۔ سلامت اللہ خاں اپنے مضمون "ادب اور عقیدہ" میں لکھتے ہیں۔

"ادب عقیدہ کے بغیر بھی وجود میں آسکتا ہے یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنا یہ کہنا کہ ادب الفاظ کے بغیر بھی تخلیق کیا جا سکتا ہے۔"

(علیگڑھ میگزین نظریاتی ادب نمبر ۱۹۵۸ء)

اور اگر ادبی تخلیقات میں مخصوص عقائد کے بیان و اظہار کو غیر پسندیدہ قرار دیدیا جائے تو پھر دانتے اور ملٹن کی شاعری اقبال و ٹیگور کے پیغام کے بارے میں بھی مسلمہ ادبی فیصلوں پر نظر ثانی کی ضرورت سے انکار کی گنجائش باقی نہ رہ سکے گی۔ PARADISE LOST یا "مسجد قرطبہ" کی ادبی حیثیت کو برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

کسی شاعر یا ادیب سے عقائد کو قبول کر لینا نقاد یا قاری کے لئے ضروری نہیں لیکن فنکار کا فن اگر اس کے انفرادی نظریات و خیالات پر مشتمل نہ ہو تو اس میں اعلیٰ ادب کی نمایاں خصوصیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ ادیب کا انفرادی نظریہ ہی درحقیقت فن کا محرک ہوتا ہے اور ادیب میں فیصِ تخلیق کو روشن کرتا ہے۔

اقبال کی فلسفیت اور بین الاقوامیت بھی ان کے انفرادی نظریات و عقائد کی راہ میں حائل نظر نہیں آتی۔ وہ برملا کہتے ہیں۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ور نہ

ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است (ارمغان حجاز)

شبلی کی جدیدیت اور ذہنی آزادی نے بھی اُن کا یہ انفرادی انداز نہیں چھینا

آستانوں کی زیارت کے لئے شد رحال
اسمیں کیا شانِ پرستاری اصنام نہیں

"اسلام کے تنزل کا اصلی سبب" کلیات شبلی اردو

پھر فاضل بریلوی کے افکار و عقائد کا اظہار ادب کے ظرف میں کیوں "افراط و تفریط" کا زہر گھولنے لگتا ہے اسے سمجھنے سے اب تک میں قاصر رہا ہوں۔

بتوں نے لوٹ لی ساری خدائی

خدا کے پاس اب رکھا ہی کیا ہے۔

ایک مادہ پرست ادیب کا شعر جب ادب کے شیش محل میں کوئی زلزلہ پیدا نہیں کر سکا تو پھر فاضل بریلوی کے مذکورہ ذیل اشعار سے ادب کی دھرتی کیوں کانپتی ہے۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروّت کیجئے

کیجئے چرچا انھیں کا صبح و شام
جان کافر پہ قیامت کیجئے

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے

یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

شاعری کی صالح و پاکیزہ ذہنی آزادی کا تنقید کے نام پر استحصال ادب کی وقعت کو کم کرتا ہے۔ اقبال نے کہا ہے۔

جو بات حق ہو وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی

خدا نے مجھ کو دیا ہے دل خبیر و بصیر

فاضل بریلوی پر ادبی مضامین "افراط و تفریط" کا الزام لگانے والوں سے اس لئے میری اپیل ہے کہ وہ "ادب اور عقیدہ" کے اٹوٹ رشتہ اور اس کی اہمیت پر اچھی طرح غور کریں جہاں تک اختلاف مسلک کی بات ہے اُس کا تعلق "دینیات و مذہبیات" سے ہے۔ ادب میں دوسرے موضوعات کے اصولوں کو عیب و ہنر کی تشخیص کی بنیاد سمجھنا بے اصولی ہے۔ جس سے احتراز کرنا ادب اور ادیب دونوں کی آبرو کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

امام احمد رضا کی

نعت گوئی

سید شمیم گوہر ایڈیٹر نمائندہ الہ آباد

دنیا کا کوئی بھی انسان ہو جس مذہب سے بھی تعلق رکھتا ہو وہ کسی منزل پر اپنے آپ کو غیر مذہبی نہیں تصور کرتا. خواہ اس کے ذاتی اعمال و کردار کتنے ہی لامذہبیت کا کیوں نہ ارتکاب کرتے رہتے ہوں. ہر کیفیت میں وہ خود کو مذہبی ہی گمان کرنے کی کوشش کرتا ہے. مگر ہندوستان کی ادبی دنیا کا عجیب عالم ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ادیب و شاعر کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ اپنے اپنے تخیلات کے خود ہی پروردگار ہوتے ہیں۔ ایسی غیر فطری نظریاتی لغزش یا ایسا بے بنیاد انکشاف کس کھوکھلے پن کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کا خاطر خواہ جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا کیوں کہ اثباتی طور پر نہ ہمیں آج تک کوئی مسلم ادیب و شاعر مندر میں شنکھ بجاتا ہوا نظر آیا اور نہ ہی کسی ہندو قلم کار کو مسجد میں قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہی دیکھا گیا۔ بات کچھ بھی نہیں یہ بے محض وقتی یا لمحاتی آوارہ طبعی کا بے بنیاد سا مظاہرہ ہے ورنہ دنیا کا کوئی انسان غیر مذہبی ہو ہی نہیں سکتا. ہم نے ایسی تمہید کی ضرورت صرف اس لئے محسوس کی کہ اصناف سخن کے سلسلے میں ادب و مذہب کے گہرے رشتے کو نمایاں طور پر پیش کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ یہ واضح کر سکیں کہ ایسی بھرپور مذہبی حقیقت کی روشنی میں اردو کے مسلم شعرائے متقدمین نے جہاں ہر صنفِ سخن کے ساتھ یکساں رویہ رکھنے کی کوشش کی ہے وہاں نعت گوئی کے سلسلے میں ان کا غیر تکمیلی پہلو کیوں سمجھ میں آتا ہے. تواریخ سخن کا مطالعہ کرنے والے ضرور جانتے ہوں گے کہ عربی و فارسی اور سنسکرت کے بیشتر شعرائے متقدین کا شعری خزانہ جس قدر حمد و ثنا اور اوصاف و کرامات کی شعری بندش پر مبنی ہے کسی دیگر رجحان کے تہائی حصہ کا بھی پتہ نہیں چلتا پاکیزہ روی کا یہ حال تھا کہ راہ شاعری پر گامزن رہتے ہوئے انھیں اپنی اظہار ادبیت کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہوتی تھی بلکہ اپنے ذہنی خاصے کو اظہار مذہبیت ہی پر زیادہ تر محمول کیا کرتے تھے ان کے نزدیک دراصل اظہار ادبیت وہی چیز ہوتی تھی جو جز و مذہب کا پتہ دے سکتی رہی ہو مگر افسوس کہ ہند و پاک کے اردو شعراء کے نزدیک ادبیت کے مفہوم نے کچھ اس طرح پلٹا کھایا کہ سارے مذہب تما ادبی تقاضے چلتی پھرتی ادبیت کا پازیب بن کر رہ گئے۔

ہندوستان کے اردو ذخیرۂ نعت کا تاریخی اور بھرپور محاسبہ کرنے اور اس کی مختلف نعتیہ فضاؤں کا تجزیہ کرنے کے بعد اس نتیجہ کا تعین کرنا کوئی مشکل کام نہیں کہ اردو شعراء کی نعت گوئی کے مقابلے میں ممالک اسلامیہ کی تاریخ نعت اتنی زیادہ معروج و سر بلند اور مکمل نظر آتی ہے کہ اس کا تہائی حصّہ بھی اردو شعراء کے نصیب میں نہ آسکا۔ کسی قدر حیرت کی بات ہے جب کہ دیگر اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کرنے والے ایک سے ایک شاعر قادر الکلام تسلیم کئے گئے. یہ مسلکم از کم ہمارے لئے تو بے حد اہمیت رکھتا ہے کہ آخر ہندوستانی ادب کدے میں اردو کے انھیں مسلم شاعروں کے شعری سرمائے کو کیوں مسلّم و مستحکم باور کیا جاتا رہا ہے. جو نعت جیسے عظیم و بلیغ اور منفرد فن کی طرف اپنی تھوڑی توجہ بھی مبذول کرنے کی ہمت نہ کر سکے. کیا اصناف سخن میں نعت گوئی کا ایسا کوئی بھی مقام متعین نہیں کیا جا سکتا تھا جس کی روشنی میں کسی نعت گو کو باکمال شاعر تصور کیا جا سکتا. شاعری کے جمیع شعبوں کے پیش نظر یہ قاعدۂ کلیہ ادب کی کسی بھی کتاب میں موجود نہیں ہے کہ شاعری کرنے والوں کے لئے یہی ضروری سمجھا جاتا ہو کہ وہ جمالیاتی یا تجرباتی غزل و نظم ہی کے میدان تک محدود رہے اور دیگر اصناف سخن کو ٹھوکر پہ لے لے. غیر مسلم شعری رجحان سے ہمیں کوئی غرض نہیں مگر مسلم شاعری کی شعریت پہ یہ الزام عائد کرنا قطعی درست ہوگا کہ ان کے اصناف سخن کا بیشتر انتخاب بے بنیاد و بے مقصد رہا. ہم کہتے ہیں ہندوستان میں ولی دکنی سے لیکر آج تک کی مسلم شعری فضا نعت گوئی ہی کے انتخاب کی بنیاد پر جوہر شاعری دکھانے کی کوشش کرتی رہتی تو کیا شاعری کی دنیا ادھوری رہ جاتی. عربی میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت ابوطالب کعب بن زبیر، بوصیری، اور شوقی. فارسی میں جامی، قدسی، عرفی، نظیری، ظہوری، سعدی اور حافظ شیرازی وغیرہ جیسے شہرۂ آفاق شعرائے کرام کے شعری خزانے کا محاسبہ کرنے کے بعد جس عظیم الشان روحانی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کیا کوئی شخص اس سے انکار کرنے کی جسارت کر سکتا ہے. ان کا بیشتر اور اکثر شعری سرمایہ نعت یا نعت نما غزل ہی پر منحصر رہا ہے. اور اسی صنف نے انھیں آفاقی حیثیت کا علمبردار بھی بنا کر دکھایا. کیا ہندوستان کا کوئی ادبی شاعر مذکورہ شاعروں کا مقابلہ کر سکتا ہے. حالی اور اقبال کی شاعری کئی نظریاتی ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے جسے مسلم معاشرہ کی اصلاح اور فلسفۂ حیات کے سلسلے میں افادہ بخش تو ضرور سمجھا جا سکتا ہے مگر ان کی ایسی مختلف نظم گوئی

کی بنیاد پر انھیں مکمل ایک نعت گو یا نعت نما غزل گو شاید کسی زاویئے سے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ عربی و فارسی شعرا کے نعتیہ کارنامے ثبوت کے لئے بہت کافی ہیں اسی طرح انیس و دبیر بھی حالاتِ کربلا، رنج و اندوہ اور منظر نگاری کی منزل تک محدود رہے نعت گوئی کا ذاتی تقاضا ان کے ہاں بھی محفوظ نہیں باقی اور جتنے شاعر گزرے ہیں انھیں بھی اپنے رنگ تغزل، مثنوی نوازی اور سکہ باز قصیدے ہی سے فرصت نہیں ملی تو فن نعت کے لئے کیا رجحان سلامت رکھ سکتے۔

یہاں پر ہم اسلامی نہیں بلکہ ادبی نقطۂ نظر سے یہ عقدہ کشائی کرنا چاہتے ہیں کہ ولی دکنی سے لیکر آج تک کے مسلم شاعروں نے جو جو بھی شاعرانہ فضا بنائی ہے اور جن جن رجحانات کا مصرف لیا گیا ہے اس کا بیشتر حصہ یا تو ناانصافی کے محور پر گردش کرتا رہا ہے یا پھر فن نعت کے حقیقی رنگ و روغن ہی کو پرکھنے سے عاجز رہے اس قسم کا فیصلہ دونوں نظریات کے لئے قائم کیا جا سکتا ہے مسلم شعراء کو یہ خاص طور سے خیال رکھنا چاہیئے تھا کہ اصناف سخن میں سے فن نعت کا ایک ایسا نازک ترین مسئلہ ہے جس کا حل سوائے مسلمانوں کے اور کسی کے پاس نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ اس فن کا صحیح محافظ مسلم شعرا کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا مگر کس قدر حیرت و استعجاب کی منزل ہے کہ ایسے نازک ترین پہلو کے ہوتے ہوئے بھی شعرائے متقدین نے کوئی لحاظ نہیں رکھا اور صرف زیادہ تر اپنی غزل گوئی، مرثیہ گوئی، قصیدہ گوئی اور مثنوی گوئی کی ذہنیت پر ریاض کرنے پر آمادہ رہے۔ اگر اس موقع پر کچھ اشخاص کے قول کے مطابق یہ تصور قائم کر لیا جائے کہ نعت گوئی کے فن کو اس لئے خاطر میں نہیں لایا گیا کہ یہ ایک مشکل ترین فن ہے۔ سب کے مان کی نہیں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کیا میر و آتش اور غالب و مومن کے نزدیک بھی یہ فن دقت طلب اور دشوار کن ہو سکتا تھا اگر مانا اس احتراز کے پس پشت کچھ ایسی ہی حقیقت جلوہ افروز تھی تو پھر ہم میر و غالب کو کس اعتبار سے مسلم الثبوت شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ ایسے بیشتر قادر الکلام شاعر اپنی تفریح طبع یا ارتقائے رنگ تغزل کے طور پر تو ساری عمر شاعری سے شغل کرتے رہے مگر نعت شریف جیسے پاکیزہ اور صاف ستھرے فن کو ہاتھ تک نہ لگایا جب کہ یہ مسئلہ روز روشن کی طرح درپیش تھا کہ نعت گوئی کا صحیح تقاضہ صرف مسلمان ہی شعرا پر عائد ہوتا ہے۔ کیا میر و غالب اور آتش وغیرہ نے اگر نعت گوئی ہی کے لئے زور قلم صرف کیا ہوتا تو کیا انھیں مسلم الثبوت شاعر تسلیم کرنے کے لئے ادبی دنیا کے پاس کوئی چارہ نہ ہوتا۔ کیا اردو زبان و ادب کو نکھارنے کے لئے نعت گوئی کے سہارے کو کافی نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہم تمام شاعر و ناقد سے طلب کرتے ہیں۔

ہندوستان کی اردو دنیا بھی عجیب چوں چوں کا مربّہ ثابت ہوتی رہی عربی و فارسی کے اکثر شعرائے متقدین کی ذہنی روش پر غور کیجئے تو پتہ یہی چلے گا کہ ان کے زیادہ تر شعری رویے ہمیشہ مذہبیت اور صالح نتائج سے قریب ہونے پر فخر محسوس کرتے تھے اور اسی رویہ کی بنیاد پر وہ اپنی حقیقی ادبیت کا اظہار بھی کیا کرتے تھے۔ مگر ہندوستان کی اردو شعریت نے کچھ ایسے ایسے انقلابات کو جنم دینا شروع کیا کہ بالآخر اس صنف کا شمار دائرہ عیب میں ہوتا چلا گیا۔ ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے والا جو صحیح معنی میں اپنے مذہب ہی سے دلچسپی نہیں رکھ پا تا وہ دنیا میں ادب نواز کس طرح تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ ادب کا رشتہ مذہب سے بالکل اسی طرح ہے جس طرح مذہب کا تعلق ادب سے ہے۔ "الحیاء من شعبۃ الایمان" حیا و شرم ایمان کے شعبہ میں سے ہے۔ اسی حیا و شرم کا دوسرا نام ادب ہے۔ یہ نظریہ تو کبھی قابل قبول ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک طرف دعویٰ ادب بھی جتایا جائے اور دوسری جانب مذہبی رجحان سے احتراز کرنے کا مظاہرہ بھی کیا جائے۔ نتیجہ سوائے اس کے اور کیا اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ایسی جھوٹی اور کھوکھلی ادبیت، فریب و مکاری اور حیلہ تراشی کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ باطنی و ظاہری طور سے مذہبی بننے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر ہر آدمی صرف اپنے باطن ہی پر اکتفا کرتے ہوئے مذہبی بنا رہنا چاہے تو یہ اتنا بہتر نہیں جتنا کہ باطن کی بنیاد پر ظاہری اعمال و کردار کا وجود ضروری ہے۔ "ہمارا مذہب بہت اچھا ہے مگر اس کا ثبوت" حقیقتاً اسی کو تبلیغ کہتے ہیں جو ہزاروں مذاہب کے درمیان اپنی اپنی مذہبی حقیقت کو واضح طور سے نمایاں کر سکے۔ دوسروں کے دلوں کو مسخر کرنے کے لئے مذہبی اعمال و حقائق کے ظاہری رنگ و روغن کے اثبات کو اسی لئے ضروری سمجھا جاتا ہے مگر ہم ادب نوازوں کی خاموش (مدہوش) مذہبیت کے بارے میں کیا عرض کریں آپ ہی فیصلہ کیجئے مگر ہاں اتنا ضرور ہے کہ نعت گوئی کی بغاوت میں یہی سب آوارہ رجحانات ہیں جنھوں نے صرف اپنے حق میں جگہ بناتے ہوئے فن نعت کے لئے تھوڑے بھی انصاف سے کام نہیں لیا ورنہ کیا ادب نوازی کے صحیح مفہوم و روح کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہوئے حمد و نعت اور منقبت وغیرہ جیسے عظیم اصناف کو آسمان تک نہیں پہنچایا جا سکتا تھا مگر افسوس کہ ولی سے لیکر تاہنوز ادب کے صفحات پر کسی بھی ایسے نعت گو کا تذکرہ موجود نہیں ہے جس پر ادبی دنیا کا اتفاق ناز کرتا ہو اس زمرے میں خواہ آتش و ناسخ آتے ہوں یا میر و غالب، انیس و دبیر آتے ہوں یا اقبال و حالی۔ مذہبی نقطۂ نظر سے اپنی اپنی ادب بازی کے چکر میں سبھی مار کھاتے رہے۔ شانِ رسالتِ رسول اور حالاتِ حبیب کردگار کے سلسلے میں طویل شعری سلسلہ کسی کے یہاں نہیں ملتا۔ یہی سبب ہے آج کہنا پڑتا ہے کہ شعرائے متقدین نے اپنے اپنے اعتبار سے ایک سے ایک جوہر شاعری دکھائے مگر خاص طور سے فن نعت سے متعلق کون سا ارتقائی پہلو اجاگر کیا گیا کوئی جواب نہیں۔ اقبال اور حالی کی اسلام پرستی اور عشق رسول میں کوئی شبہ نہیں۔ ان کی بہت ساری نظمیں جہاں خالص ہندوستانیت اور گنگا و جمنا وغیرہ کی عظمت بیان کرنے میں نہیں چوکی وہاں خاص طور سے اسلامی رنگ و آہنگ سے بھی کام لیا گیا ہے۔ مگر خصوصاً نعت گوئی کا حقیقی پہلو دونوں کے ہاں خبط ہے چند نعتیہ کلام کی روشنی میں کسی کو عہد ساز نعت گو کبھی باور نہیں کیا جا سکتا۔

ہندوستانی اردو ادب کی تاریخی عمر ابھی پھر بھی کافی مختصر ہے اور جتنی مختصر ہے اتنی ہی بے رحم بھی۔ دنیائے سخن نے آج انھیں شعر نوازوں کو یاد رکھا جو اپنی تشہیر و تبلیغ کا خود آپ ذریعہ بنے رہے مگر جنھوں نے "ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحرا" کا حق ادا کرتے ہوئے عشق رسول کے سمندر بہا دیئے۔ دنیا نے انھیں اس طرح فراموش کر کے رکھ دیا جیسے علوم پر خطا و نسیان کا سارا خزانہ اسی قبیل والوں کے حصہ میں آگیا ہے۔ ہم اپنی اوپر کی تحریر میں یہی الزام عائد کرتے آئے تھے کہ اردو کی شعری تاریخ نعت گویوں سے بالکل خالی ہے ایسا کوئی بھی سخن نواز نہیں جسے ادبی دنیا متفق ہو کر نعت گوئی کا قادر الکلام استاد تسلیم کر سکتی اور یہ صحیح بھی ہے مگر ہمارا یہ نظریہ صرف اسی طبقہ سے متعلق ہے جہاں کے ادب نوازوں کو ادب کی ٹھیکیداری لینے میں تو بڑا مزہ آتا ہے مگر فن نعت کو گلے لگانے میں کوئی بھی لطف نہیں حاصل کر پاتے ورنہ ان کی دنیا سے الگ چند ایسے مایۂ ناز نعت گو شاعر ضرور نظر آئیں گے جنھیں نہ کبھی اپنی ادب نوازی پر ناز رہا اور نہ جنھیں ادبی دنیا اپنے صفحات پر محفوظ ہی کر سکی ستم بالائے ستم اسی کو کہتے ہیں۔ ہند و پاک اور عرب و عجم کی فضاؤں پر چھا جانے والے عظیم روحانی پیشوا حدیث و فقہ مسائل و فتاویٰ اور تراجم و تفاسیر کی روحوں میں حقیقت شناسی کے آفتاب روشن کر دینے والے باکمال مجاہد حضور امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ جن کے علم و فضل کے ستارے آج ساری دنیا میں چمک رہے ہیں۔ فن نعت کے میدان میں بھی وہ مقام پیدا کر دکھایا کہ اگر ادب کے کشکول میں ایک بھی دانۂ انصاف ہوتا تو ایسے عہد ساز نعت گو کے تذکرے سے ان کی کتابیں محروم نہ رہنے پائیں۔ مگر چونکہ تنگ نظری اور بے اتفاقی نے اپنا ہی قد اونچا رکھنا مناسب سمجھا اس بنا پر تاریخ کے ایک حقیقی گوشے پر ادبی دنیا کا اتفاق نہ ہو سکا ورنہ اس سلسلے میں تھوڑی بھی فراخدلی عہد ساز شاعر باور کر لینے کے لئے بہت کافی ہوتی۔ ویسے اس قسم کا زبردست دھوکہ کھانے کا فیشن ادب نوازوں میں تو پایا جا سکتا ہے مگر انصاف پسند دنیا کے حصہ میں بھی جو ہر فریب آجائے یہ بہت مشکل ہے۔ فاضل بریلوی کی عظیم روحانی شاعری کو دنیائے شعر و ادب تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن حق پسند اور شعر شناس دنیا کے افراد ان کی شاعرانہ عظمت اور نعتیہ صداقت پر بہر حال اتفاق کرتے رہیں گے اور یہ اس لئے نہیں کہ فاضل بریلوی کے احترام و مسلک کی بنیاد پر اس اتفاق کو نذر کیا جا رہا ہے بلکہ ہم ادب کے صالح اذہان کو دعوت دیتے ہیں کہ فاضل بریلوی کے نعتیہ خزانوں کا مطالعہ فرمائیں اور پھر یہ فیصلہ کریں کہ اتفاق رکھنے والوں کی صداقت پسندی کہاں تک ہمارے ذہنوں کا سارا رس نچوڑ لینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

آج کا زمانہ تجدد پسندی کا زمانہ ہے جدت نوازی کے اثرات سارے اصناف سخن پر چھائے جا رہے ہیں آج جس شاعر کے یہاں جلوۂ تجدید نمائی نہیں وہ راندۂ بارگاہ سمجھا جاتا ہے فاضل بریلوی کے جمیع شعری محاسن کا سلسلہ کہاں تک پھیلا ہوا ہے چند صفحات کی قید میں اس کا بھرپور محاسبہ کرنا ممکن نہیں اس لئے ہم یہاں پر خصوصیت کے ساتھ اس پہلو کو زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے جس کی روشنی میں صاف طور سے یہ بھی واضح ہو سکے کہ فاضل بریلوی کی تقریباً ستر اسّی سال پرانی نعتیہ شاعری کن ٹھوس اثرات کے ساتھ جدت طرازی کی نشاندہی کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ اطلاع عام طور سے مہیا ہوتی رہتی ہے کہ حمد و نعت کے سلسلے میں جدید شاعروں کے لئے ایسی کوئی اچھوتی راہ نہیں نکل پاتی ہے جس طرح کہ عام طور سے غزل و نظم کے لئے نئے نئے راستے بنتے جاتے ہیں گویا فن نعت کو محدود دائرہ فکر سے تعبیر کرتے ہوئے انکشاف یہ کرنا مقصود رہتا ہے کہ غزل کی بنسبت نعت گوئی کی راہ سازی کے لئے بہت کم امکانات کا پتہ چلتا ہے حالانکہ یہ سب کم ظرفی کی علامتیں ہیں اور وسیع النظری سے محروم سعدی، حافظ، جامی، عرفی اور قدسی وغیرہ نے وسعت نعت کے سلسلے میں نہ جانے کیسے کیسے عظیم اشاراتی عمل کا مشاہدہ کر کے دوسرے اصناف سخن پر پانی پھیر کر رکھ دیا مگر اردو کے جدید شاعر ہیں کہ انھیں نعت گوئی کے لئے کوئی نیا راستہ ہی نہیں مل پاتا۔ ہم اپنے دعویٰ میں اسی لئے تقویت محسوس کرتے جا رہے ہیں کہ فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری میں قدامت و تجدد کا جو تہہ دار اور معنی خیز امتزاج ملتا ہے کیا وہ کسی بھاری بھر کم جدید شاعر کی رہنمائی کرنے کے لئے کافی نہیں۔ نعتیہ شاعری کے موضوعات و بیانات اور تقدسات و تصورات چونکہ غزلیہ شاعری کے رنگ و آہنگ سے کافی مختلف ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ذاتی مفاہیم و مطالب سے مقابلہ کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا البتہ جہاں تک نئے نئے ردالف و قوافی تمثیلات و استعارات اور اشارے و کنائے کا مسئلہ ہے۔ فاضل بریلوی کی شاعری ان سب کیفیات کی روشنی میں آسمان کو چھوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ایسے قیمتی تاثرات کے بعد مان لینا پڑتا ہے کہ سرپرستانِ ادب موصوف علیہ الرحمۃ کی شاعری کو خواہ قدامت پسندی کے ترازو پر رکھ کر تولیں یا تجدد نوازی کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھیں دونوں میدان کی یکساں شہسوار نظر آئے گی۔ اور یہ دعویٰ بھی کرتی ہوئی نظر آئے گی کہ دائرۂ ذہنی تغزل کو تو محدود تصور کیا جاتا ہے مگر وسعت نعت کے متعلق ایسا سوچا تک نہیں جا سکتا۔ اتنی طویل تمہید کے بعد اب انتہا پرست جدیدیئے فاضل بریلوی کے کچھ اشعار نمونتاً ملاحظہ فرمائیں اور اپنی بدچلن نظموں اور یتیم غزلوں جن کی بنیاد پر عہد سازی کی سند ملی ہے سامنے رکھ کر موازنہ کریں کہ حقیقت کی روح کس کے شعروں میں حلول کرتی ہوئی نظر آرہی ہے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحیٰ تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے
پلہ ہلکا سہی بھاری ہے سہارا تیرا

ہے خاک سے تعمیر مزار شہ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

گزرے جان سے اک شور یا حبیب کے ساتھ
فغاں کو نالۂ حلق بریدہ ہونا تھا

رے کریم گنہ زہر ہے مگر آخر........
کوئی تو شہد شفاعت چشیدہ ہونا تھا

جلتی تھی زمیں کیسی، تھی دھوپ کڑی کیسی
لو وہ قد بے سایہ اب سایہ کناں آیا

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

آل احمد خذ بیدی یا سید حمزہ کن مددی
وقت خزانِ عمر رضا ہو برگِ ہدیٰ سے عاری شاخ

مجرم کو بارگاہ عدالت میں لائے ہیں
تکتا ہے بیکسی میں تری راہ لے خبر

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

دشمنوں کی آنکھ میں بھی پھول تم
دوستوں کی بھی نظر میں خار ہم

ایک ٹھوکر میں اُحد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

پھرکے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کے کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

ہم بھی چلتے ہیں ذرا قافلے والے ٹھہرو
گٹھریاں توشۂ امید کی کس جانے دو

اے رضا آہ کہ یوں سہل کٹیں جرم کے سال
دو گھڑی کی بھی عبادت تو برس جانے دو

جن کے تلؤں کا دھوون ہے آبِ حیات
ہے وہ جان مسیحا ہمارا نبی

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے
آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

عرض کردں حضور سے دل کی تو میرے خیر ہے
پیٹتی سر کو آرزو دشتِ حرم سے آئی کیوں

تو ہے خورشید رسالت پیارے چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیا اور ہیں سب مہ پارے تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

ان چند اشعار کی وسعت نظری اور حیرت انگیز فکری محاسبے کو ملاحظہ فرمائیے اور اندازہ لگائیے کہ تجدیدی نقطۂ نظر سے حمد و نعت اور منقبت وغیرہ پر طبع آزمائی کرتے ہوئے کیسے کیسے حکیمانہ اور منفرد گوشوں کو تلاش کرنے کی جد و جہد کی گئی ہے ان مذکورہ اشعار کے بعض مفاہیم و معانی کی تہہ داری تک آج کا کون شاعر ہے جو اترنے کی جسارت کر سکتا ہے۔ ایک پہلو سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان شعروں کی کوئی بھی ردیف ایسی نہیں ہے جو شاعری کے دونوں رجحانات کا پتہ نہ دے رہی ہو۔ یہ بات ہم نے اس لئے بھی کہ تجدد پسندوں کو اپنے اپنے نئے ردیف و قافیہ پر خصوصیت کے ساتھ بڑا ناز رہتا ہے اسی بنیاد پر ان کی جدید شاعری رقص بھی کرتی رہتی ہے مگر فاضل بریلوی اس قسم کی جدت کا اظہار نہ جانے کتنے عرصہ پہلے ہی کر چکے تھے جب کہ اس نئی پیداوار کا وجود تک نہیں تھا (سوائے غالب کے) مگر حیرت کا مقام ہے کہ صرف جدید اختراعی نظموں کے پیش نظر جس کا شمار بھی اصناف سخن میں نہیں ہوتا اس پر زور قلم ضائع کرنے والے ناقدین وقت کے نزدیک عہد ساز شاعر باور کر لئے گئے مگر امام احمد رضا فاضل بریلوی رضا بریلوی کی اتنی عظیم، بلیغ اور پُر جلال شاعری جو ارد و نعتیہ شاعری پر احسان کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ناقدین ادب نے فراموش کر کے رکھ دیا۔

قاتل تو کوئی اتنا معصوم نہیں ہوتا
کیا آپ ہی قاتل ہیں معلوم نہیں ہوتا

امام احمد رضا

امام شعر وسخن

مولانا وارث جمال صاحب بستوی

مولانا وارث جمال بستوی میرٹھ اور براؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مبارکپور پہونچے اور وہیں سے فراغت حاصل کی۔ فی الحال بمبئی میں بزنس کر رہے ہیں، پھر بھی دینی امور کی انجام دہی کے جذبات سے مغلوب رہتے ہیں، اب تک آپ کی متعدد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ انداز تحریر صاف ستھرا، تحقیقی و معلومات ہے جس کی دلیل زیر نظر مقالہ ہے۔

(اسیڈ میٹ)

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

نعت گوئی کی تاریخ بہت پرانی ہے اس کا تعلق براہ راست عہد ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے ہے درباری شعراء کی حیثیت سے حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر نمایاں طور پر شہرت کے بلند ترین مقام پر نظر آتے ہیں۔ احادیث و سیر کی کتابوں میں جن کا تذکرہ شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے۔

یہ مسلم حقیقت ہے کہ شاعری کے جملہ اصناف میں نعت گوئی بہت ہی مشکل فن ہے اس کے لئے جذبۂ اخلاص و محبت اور گہری عقیدت کے ساتھ ساتھ اعتدال و توازن اور حدود شناسی کی بھی شدید ضرورت ہے اسی لئے عرفی شیرازی فرماتے ہیں۔

عرفی مشتاب این رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

نعت رسول کی پہلی شرط قلب کا عشق رسول سے معمور رہنا ہے۔ رہ گئی فصاحت و بلاغت حلاوت وملاحت، لطافت و نزاکت اور شاعری کے جملہ اصول کی بالکلیہ رعایت تو یہ بعد کی چیز ہے۔ حالانکہ شاعر کو جب تک محبوب کائنات حضور خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گہرا شغف اور والہانہ شیفتگی نہ ہوگی بات نہ بنے گی۔

اس نظریے سے امام احمد رضا کا دیوان حدائق بخشش پڑھتے جایئے سطر سطر سے عشق و عقیدت کا پھوٹتا ہوا آبشار نظر آئے گا۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ ناز دوا اٹھائے کیوں

اَلرُّوحُ فِدَاكَ فَزِدْ حُرَقًا اک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

دل میں جو چوٹ تھی دبی ہائے غضب ابھر گئی
پوچھو تو آہ سرد سے ٹھنڈی ہوا چلائی کیوں

تونے تو کر دیا طبیب آتش سینہ کا علاج
آج کے دود آہ میں بوئے کباب آئی کیوں

حسرت میں خاک بوسئ طیبہ کی اے رضا
ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

امام احمد رضا نے ہزلیات ولغویات نیز ذوق سخن سازی اور مشق خیال آرائی سے بہت دور ہٹ کر فن سخن کے تقریباً جملہ اصناف پہ طبع آزمائی فرمائی ہے اور حق یہ ہے کہ ہر صنف میں شعر گوئی کا حق ادا کر دیا ہے آپ کا ایک مشہور مقطع ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

یہ کوئی تعلی نہیں بلکہ حقیقت اور تحدیث نعمت ہے۔ غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ مستزاد، قطعات، رباعیات، استعارات، تشبیہات، اقتباسات، حسن تعلیل، ندرت تخئیل۔ جدت تمثیل، صنعت تلمیع، صنعت تلمیح، صنعت طباق و تضاد، صنعت اتصال تربیعی، صنعت تجنیس، تجنیس تام، تجنیس مستوفی، تجاہل عارفانہ، مراعات النظیر۔ وغیرہ وغیرہ کا وہ کون سا قابل ذکر میدان ہے جسمیں شعر و ادب کے امام نے

اپنی طبع رواں کا جوہر نہیں دکھایا؟ رہ گئی فصاحت بلاغت حلاوت وملاحت لطافت ونزاکت تو یہ بقول عابد نظامی پاکستانی ان کے ہاں کی لونڈیاں ہیں (۱)

یہ ادعائے محض نہیں بلکہ اس کے شواہد و نظائر ہیں جو گزرے گئے آرہے ہیں، اور کہیں کہیں تو جلووں کے خمار کے مدہوش کن عالم میں جہاں پہونچکر شعور کو بھی نیند آجاتی ہے، وہاں پر امام احمد رضا کے پاس شرع احتیاط فی الدین اور شریعت مطہرہ کی حرمتوں کا احترام دیکھ کر اغیار و مخالفین اور عشق رسالت میں غلو کا الزام دینے والوں تک کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

حب رسول کے بادۂ پرکیف میں سرشار رہنے والا عاشق گنبد خضرا کی ٹھنڈی چھاؤں میں پہونچکر جذبات کی تلاطم اور اس کی حشر آفرینیوں کے باوجود شریعت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ گنبد خضرا پر نظر پڑی دل کی چوٹ ابھر آئی۔ آنکھوں نے گوہر آبدار برسایا اور جذبات کی حشر خیزی نے شعر کا لباس پہن لیا ؎

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

اے شوق دل یہ سجدہ گر ان کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجے کہ سر کو خبر نہ ہو

عشاق روضہ سجدے میں سوئے حرم جھکے
اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے

حضرت حسان جس کوچہ خیال سے سرفراز تھے اس کی طلب تو ہر عاشق صادق کے لئے سرمایہ حیات اور حاصل زندگی ہے کیوں کہ اس کے بغیر عاشقان جاں سوختہ کی بحر حیات سے سرور کی وہ موج نہیں اٹھ سکے گی جو ماضی حال اور مستقبل کی سرحدوں کو مٹاتی ہوئی ابدیت کی ان گہرائیوں سے جا ملتی ہے جہاں سے ستاروں کو روشنی۔ دریاؤں کو روانی، پھولوں کو مہک اور آبشاروں کو ترنم عطا ہوتا ہے ؎

رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ ؛؛ کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ
مہر عالمتاب جھکتا ہے پئے تسلیم روز ؛؛ پیش ذرات مزار بے دلان سوختہ
کوچہ گیسوئے جاناں سے چلے ٹھنڈی نسیم ؛؛ بال و پر افشاں ہوں یارب بلبلان سوختہ
اے رضا مضمون سوز دل کی رفعت نے کیا ؛؛ اس زمین سوختہ کو آسمان سوختہ

شریعت کے حدود میں رہ کر شعر کہہ لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس فن میں امام احمد رضا اپنے عہد کے میر کارواں ہیں، غیر منقسم ہندوستان میں فن نعت گوئی کی امامت کا زریں تاج آپ ہی کے سر زیبا پہ رکھا گیا۔ اظہار نعت کے طور پر خود ہی ارشاد فرماتے ہیں ؎

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کی رضا کی طرح کوئی سحر بیاں...
نہیں ہند میں واصف اے شاہ ہدی مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

نعتیہ شاعری کا یہ کمال اگر شاعر کے فن سے زیادہ اس کے کمال عشق کا سکہ دلوں پر بیٹھ جائے۔ فن شاعری میں امام احمد رضا کسی کے شاگرد نہیں تھے بلکہ عاشق صادق تھے فیضان عشق رسالت نے انہیں وہ سب کچھ دے دیا کہ بس سوچا کیجئے ؎

راہ نبی میں کیا کمی فرش بیاض دیدہ کی
چادر ظل ہے ملگجی زیر قدم بچھائے کیوں

★

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کمخواب بصارت کا

★

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے
آنکھوں میں آئیں، سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

★

اب ہم ذیل میں شعر و سخن کے چند مشہور اصناف اور ان کے تحت امام احمد رضا کا کلام پیش کرتے ہیں۔

غزل(۲)

اس نظم کو کہتے ہیں جس میں حسن و عشق اخلاق و تصوف وغیرہ مختلف مضامین ہوں اور ہر شعر الگ مضمون کا ہو۔ جیسے امام احمد رضا کا نعتیہ غزل ؎

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو
جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
تنگ آئے ہیں دو عالم تیری بے تابی سے
چین لینے دے تپ سینہ سوزاں ہم کو
نیر حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ ملے سایہ داماں ہم کو
چاک داماں میں نہ تھک جائیو اے وحشت دل
پرزے کرنا ہے ابھی جیب و گریباں ہم کو
پردہ اس چہرۂ انور سے اٹھا کر اک بار
اپنا آئینہ بنا اے مہ تاباں ہم کو
اے رضا وصف رخ پاک سنانے کے لئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو

(حدائق بخشش حصہ اول ص۵۶)

۱۔ مقالات یوم رضا ص۱۱۳
۲۔ تاریخ و تنقید ص۱۰۱ حامد حسن قادری

قصیدہ:[1] اس نظم کو کہتے ہیں جو کسی کی تعریف و تحسین میں لکھی گئی ہو اور اس کی شکل غزل سے ملتی جلتی ہو اور ہر شعر مطلع سے ہم قافیہ ہو۔[1]

مثلاً ۶۷ اشعار پر مشتمل قصیدہ کے یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑہ نور کا .:. صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا .:. مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرہ نور کا .:. تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا
میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا .:. نور دن دونا تیرا دے ڈال صدقہ نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا .:. سایہ کا سایہ نہ ہوتا اور نہ سایہ نور کا
بھیک لے سرکار سے لا جلد کاسہ نور کا .:. ماہ نو طیبہ میں بٹتا ہے مہینہ نور کا
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا .:. تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا
سرمگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال .:. ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا
چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں .:. کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا
ایک سینہ سے مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک .:. حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا
صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں .:. خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا
کٓ گیسو ہٰ دہن یٰ ابرو آنکھیں ع ص .:. کٓھٰیٰعٓصٓ ان کا ہے چہرہ نور کا

اے رضاؔ یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہو گئی منزل غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

مثنوی:[2] وہ نظم ہے جسمیں ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ آئے اور ہر شعر کا قافیہ پہلے شعر کے علاوہ کوئی اور ہو۔

اپنے وقت کے مولانا روم امام احمد رضا بارگاہ صمدیت میں عرض کناں ہیں ؎

(۱۹۳ اشعار میں سے صرف چند)

اے خدا اے مہرباں مولائے من .:. اے انیس خلوت شبہائے من
اے کریم کارساز بے نیاز .:. دائم الاحساں شہ بندہ نواز
اے بیادت نالۂ مرغ سحر .:. اے کہ ذکرت مرہم زخم جگر
ما خطا آریم و تو بخشش کنی .:. نعرہ انی غفورٌ می زنی...

اے خدا ہر جناب مصطفےٰ .:. چار یار پاک و آل با صفا
ہر جیب چاک عشق نامراد .:. ہر خون پاک مردان جہاد
پر کن از مقصد تہی داماں ما .:. از تو پذرفتن زما کردن دعا[3]

ترجمہ:- اے میرے خدا تو میرا مہربان، والی ہے۔ میری راتوں کی تنہائی کا مونس ہے شان بے نیازی کے باوجود تو وہ کارساز کریم ہے جو ہمیشہ احسان فرماتا ہے اور تو وہ شہنشاہ ہے جو اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔

مرغ سحر کی آہیں تیری یاد میں ہیں اور تیرا ذکر زخمی دل کے لئے مرہم ہے ہم غلطیاں کرتے تو بخشش فرماتا ہے۔ تیرا ارشاد ہے کہ میں بخشنے والا (مہربان) ہوں۔

اے رب کریم مصطفےٰ پیارے کے لئے، ان کے پاک صحابہ کے لئے، آل با صفا کے لئے صدقہ اس پاک دامن کا جو عشق نامراد سے تار تار ہوا اور اس مقدس خون کا واسطہ جو مردوں نے میدان جہاد میں بہایا۔ ہماری خالی جھولیاں مقصد سے بھر دے، میرا کام دعا کرنا ہے۔ تیرا کام قبول فرمانا۔

رباعی اس نظم کو کہتے ہیں جسمیں صرف چار مصرعے ہوں۔ پہلا۔ دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہو دوسرا شعر خصوصاً چوتھا مصرعہ نہایت بلند و عجیب ہو تاکہ سننے والا متحیر ہو جائے۔

(تاریخ و تنقید حامد حسن قادری ص ۱۱۵)

حضرت محسن کاکوروی کی ایک نعتیہ رباعی ملاحظہ فرمائیں ؎

دنیا میں اور رسول لاکھ سہی .:. ہے خاتمہ حسن عناصر ان پر
زیبا ہے مگر حضور کو تاج شہی .:. ہیں مصرعہ آخر اس رباعی کے وہی

ساتھ ہی امام احمد رضا کی بھی دو رباعیاں درج ذیل ہیں، دونوں کو سامنے رکھ کر تعریف کے خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں ؎

اللہ کی سر تا بہ قدم شان ہیں یہ .:. ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں .:. ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

ہے جلوہ گہہ نور الٰہی وہ رو .:. قوسین کے مانند ہیں دونوں ابرو
آنکھیں نہیں یہ سبزۂ مژگاں کے قریب .:. چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

مستزاد:[4] غزل، رباعی یا اور کسی نظم کے ساتھ ایک ایک موزوں فقرہ ملحق کر دیں تو اسے مستزاد کہتے ہیں۔[5]

امام احمد رضا خاتم النبیین کے حضور مدح سرا ہیں ؎

وہی رب ہے جس نے تجھکو ہمہ تن کرم بنایا .:. ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بنایا
.... تجھے حمد ہے خدایا
وہ کنواری پاک مریم وہ نفخت فیہ کا دم .:. ہے عجب نشان اعظم مگر آمنہ کا جایا
.... وہی سب سے افضل آیا
ارے اے خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈو .:. میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا
.... نہ کوئی گیا نہ آیا
ہمیں اے رضاؔ تیرے دل کا پتہ چلا بمشکل .:. در روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا
.... یہ نہ پوچھو کیسا پایا؟

۱۔ تاریخ ادب اردو ص ۴۳
۲۔ نسیم البلاغت ص ۱۱۲ جلال الدین جعفری
۳۔ حدائق بخشش حصہ دوم ص ۲۱۳-۲۱۴ (۴) نسیم البلاغت ص ۱۱۲

کبھی خندہ زیرلب ہے کبھی گریہ ساری شب ہے :. کبھی غم کبھی طرب ہے نہ سبب سمجھ میں آیا..

... نہ اسی نے کچھ بتایا

کبھی خاک پر پڑا ہے سر چرخ زیر پا ہے :. کبھی پیش در کھڑا ہے سر بندگی جھکایا

... تو قدم میں عرش پایا

کبھی وہ تپک کہ آتش کبھی وہ ٹپک کی بارش :. کبھی وہ ہجوم نالش کوئی جانے ابر چھایا

.... بڑی جوشش سے آیا

کبھی وہ چہک کہ بلبل کبھی وہ مہک کہ خود گل :. کبھی زیرلب فغاں ہی کبھی چپ کہ دم نہ تھایا

... رخ کام جاں دکھایا

یہ تصورات باطل تیرے آگے کیا ہے مشکل

تیری قدرتیں ہے کامل انہیں راست کر خدایا

..... میں انہیں شفیع لایا م۱

صنعت اتصال تربیعی

ایسے چار مصرعوں کا مجموعہ جس کے آخر میں وہی کلمہ رکھا جائے جو مصرعہ کا ابتدائی کلمہ ہے جیسا کہ اعلحضرت امام احمد رضا کے یہ اشعار جو سید ناغوث الاعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالی عنہ کی مدح میں فرمایا "صنعت اتصال تربیعی" کا نمونہ ہیں .

جات بالاتر زوہم جا لہا :. جا لہا خود ہست بہر پا لہا

پا لہا چہ بود کہ سرہا زیر پات :. پات ہم کے چوں فرد آئی زجات

بہت سے قابل ذکر شعراء کے دواوین نظروں سے گذرے مگر اس عجیب ترین صنعت سے ان کے دیوان خالی ہی ملے .

عظمت خداداد کو عقیدتوں کا خراج پیش کیجئے کہ ایسی ایسی مشکل ترین صنعت پر رہوار قلم کو ذرا بھی جھجھک نہیں ، سمند تخیل ثریا کو شرما رہا ہے اہلسنت کے عظیم ترامام . چودھویں صدی کے مجدد اعظم نے طبع رواں کیسے کیسے جوہر دکھائے ہیں عقل حیران ہے کہ کتنے علوم وفنون کی امامت کا زریں تاج ان کے سر پر رکھا گیا تھا بالکل بجا فرمایا ہے آپ نے کہ ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

مگر اپنے تذکروں اور تاریخوں میں ٹھیکیداران ادب کا تذکرہ رضا سے یہ اغماض بے اعتنائی اور تغافل ، قصداً ، ایک بڑے المیے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اجارہ داران ادب کے کاروبارانہ . منافقانہ ، مصلحت کوشانہ اور غیر مورخانہ ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے انہوں نے ادب برائے ادب کو ادب برائے تجارت کی شکل دیکر ایسے علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے جو ناقابل معافی اور شعروادب کے روشن اور تابناک پیشانی پر ایک بدنما داغ ہے .

انہیں چاہئے تو یہ تھا کہ نعت گو شعراء کے ایسے جلیل القدر امام کے تذکرے کو امتیازی حیثیت دیتے مگر یاللعجب ! امتیازی حیثیت تو الگ رہی ۔ یہاں تو سرے سے کوئی حیثیت ہی دینے کے لئے تیار نہیں . غالباً اس مذموم جذبے کا محرک کوئی ذاتی مصلحت ہے یا پھر تاریخ ادب اردو سے عدم واقفیت ! بر تقدیر اول اسے اردو تاریخ کی تذکرہ نگاری کے بجائے ادب کی بردہ فروشی کہنا زیادہ مناسب ہوگا . ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وقت کے ایک عظیم ترین نعت گو شاعر کے ذکر سے ادب کے سارے تذکرے یکسر خالی ہوں . حالانکہ شعروادب کے اس رجل عظیم کو اپنی شاعری کا کوئی پندار ہی نہیں اور نہ ہی نام ونمود کی کوئی خواہش ! ؎

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا

نہ شاعری کی ہوس نہ پروا . ردی تھی کیا کیسے قافیے تھے

تاجران ادب نے ادبی خدمات کی آڑ میں شعروادب کی حرمتوں کا جو خون کیا ہے اس کے لئے انہیں وقت کے متدین اور منصف مزاج مورخ کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا ؎

قریب ہے یار و روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

اب بھی وقت ہے دعویداران ادب کے لئے کہ وہ اپنے اس جرم کا کفارہ ادا کرلیں ورنہ مستقبل قریب کا منصف مزاج مورخ انہیں معاف نہیں کریگا ؎

تم اپنے تغافل کا گلہ کیوں نہیں کرتے

کیوں دیتے ہو الزام میکر دیدہ نم کو

صنعت طباق وتضاد :-

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جن کے معنی ایک دوسرے کے ضد ہوں . خواہ وہ دونوں اسم ہوں ، یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف م۲

جیسا کہ امام احمد رضا کے درج ذیل اشعار میں صنعت طباق وتضاد ہے ؎

(۱) دل عبث خوف سے پتا سا اڑا جاتا ہے

پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں .

پہلے شعر میں ہلکا اور بھاری اور دوسرے شعر میں کمال و نقص ایک دوسرے کے ضد ہیں ؎

نامہ سے رضاؔ کے اب مٹ جاؤ برے کامو

دیکھو میرے پلہ پہ وہ اچھے میاں آیا

م۱ حدائق بخشش حصہ دوم ص۱۷۸ مکتبہ بریلی شریف

م۲ مختصر المعانی ص۴۴۲

اس شعر میں برے اور اچھے ایک دوسرے کے ضد ہیں ۔

بڑھ چلی تیری ضیا اندھیر عالم سے گھٹا : کھل گیا گیسو تیرا رحمت کا بادل گھر گیا

اس شعر میں بڑھ چلی اور گھٹا یہ دونوں شعر ایک دوسرے کے ضد ہیں نیز ضیا اور اندھیر ایک دوسرے کے ضد ہیں۔

صنعت تجنیس

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو بولنے یا لکھنے میں مشابہ ہوں اور معنی میں مخالف اس کی کئی صورتیں ہیں ۔

تجنیس مماثل

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں مشابہ ہوں مگر معنی میں مختلف لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ دونوں اسم ہوں یا دونوں فعل ہوں یا دونوں حرف ۔ مثلاً امام احمد رضا فرماتے ہیں ۔

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

اس شعر میں تجنیس مماثل ہے پہلا توڑا ٹکڑا کے معنی میں ہے اور دوسرا توڑا کمی کے معنی میں اور یہ دونوں لفظ اسم ہیں ۔

وصل دلک پہ درود ہو کوئی جانے ان کے شمار کو
مگر ایک ایسا دکھا تو دو جو شفیع روز شمار ہے

اس شعر میں تجنیس مماثل ہے پہلا شمار گنتی کے معنی میں ہے اور دوسرے شمار سے قیامت کا دن مراد ہے ۔

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی :. چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

اس شعر میں بھی تجنیس مماثل ہے ۔ پہلا لفظ بدلی (ایک دوسرے کے بعد آنا) کے معنی میں ہے اور دوسرا بدلی ابر یعنی بادل کے معنی میں آیا ہے ۔

آئی بدعت چھائی ظلمت رنگ بدلا :. مہر سنت ماہ طلعت لے لے بدلہ نور کا

یہاں بھی تجنیس مماثل پایا جاتا ہے۔ پہلا بدلا تغیر و تبدل کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور دوسرے بدلے سے مراد انتقام ہے

تجنیس مستوفی

کلام میں ایسے دو لفظ لانا جو تلفظ میں یکساں اور معنی میں مختلف ہوں مگر یہ ضروری ہے کہ ان میں ایک لفظ اگر اسم ہے تو دوسرا فعل یا حرف ہو اور اگر فعل ہے تو دوسرا اسم یا حرف ہو اور اگر حرف ہے تو دوسرا اسم یا فعل ہو۔

جیسے امام احمد رضا کا یہ شعر ۔

صدقے میں تیرے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچہ دل کو بھی تو ایما ہو کہ بن پھول

اس شعر میں تجنیس مستوفی ہے پہلا بن جنگل کے معنی میں ہے اور دوسرا بن ہو جانے کے معنی میں ہے جس کا مصدر آتا ہے بننا پہلا لفظ 'بن' اسم ہے اور دوسرا فعل ہے ۔

مومن ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

اس شعر میں بھی تجنیس مستوفی ہے پہلے شعر میں مرے فعل ہے اور دوسرے شعر میں مرے اسم ہے جو دل کی صفت ہے یعنی منکرین عظمت رسالت اگر بالفرض چند در چند مادی مصالح کی بنا پر آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم بھی کریں گے تو بالکل مردہ دل سے ۔ یَفْعَلُوْنَ رِیَاءَ النَّاس ۔

صنعت تلمیع

ایسی نظم لکھنا جس کے ہر شعر کا ایک حصہ ایک زبان میں ہو اور بعض حصہ دوسری زبان میں ہو۔

جیسے امام احمد رضا کے یہ نعتیہ اشعار جو بارگاہ رسالت میں پیش کئے ہیں ۔

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

یا شمس نَظَرْتِ اِلٰی لَیْلِیْ چو بطیبہ رسی عرض بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

لَکَ بَدْرٌ فِی الْوَجْہِ الْاَجْمَلْ خط ہالہ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

اَلْقَلْبُ شَجٍ وَالْهَمُّ شُجُوْں دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا

بس خامہ خام نوائے رضا نہ یہ طرز میری نہ یہ رنگ میرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

قصیدہ مرصعہ

وہ قصیدہ ہے جو مطلع یا حسن مطلع کے بعد کم از کم اٹھائیس ۲۸ اشعار پر اس طرح مشتمل ہو کہ ہر پہلے مصرعے کے آخر میں حروف تہجی کا بالترتیب ایک حرف آتا جائے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ اس زمین پر بھی کسی شاعر نے طبع آزمائی کی مگر بحمدہ تعالیٰ اقلیم سخن کے تاجدار سیدنا مولانا امام احمد رضا نے شعر و نغمہ کی اس زمین پر بھی طبع آزمائی فرمائی ہے ۔ جس کا روشن ثبوت قصیدہ درود شریف ہے ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے ذیل میں یہ قصیدہ اختصار کے ساتھ پیش کر رہے ہیں ۔

مطلع :. کعبہ کے بدر الدجیٰ تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

حسن مطلع :. شافع روز جزا تم پہ کروروں درود :. دافع جملہ بلا تم پہ کروروں درود

(الف) اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا :. جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

(ب) ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب :. نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروروں درود

(ت) تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات :. اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروروں درود

نسیم البلاغت صـ ۹۱ جلال الدین جعفری

(ت) تم ہو حفیظ و مغیث کیا ہے وہ دشمن خبیث : تم ہو تو پھر خوف کیا تم پہ کروڑوں درود

(ج) وہ شب معراج راج وہ صف محشر کا تاج : کوئی بھی ایسا ہوا تم پہ کروڑوں درود

(ح) جان جہان مسیح داد کہ دل ہے جریح : نبضیں چھٹیں دم چلا تم پہ کروڑوں درود

(خ) اف یہ رہ سنگلاخ آہ یہ پا شاخ شاخ : اے مرے مشکل کشا تم پہ کروڑوں درود

(د) تم سے کھلا باب جود تم سے ہے سب کا وجود : تم سے ہے سب کی بقا تم پہ کروڑوں درود

(ذ) خستہ ہوں اور تم معاذ بستہ ہوں اور تم ملاذ : آگے جو شہ کی رضا تم پہ کروڑوں درود

(ر) گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفو غفور : بخش دو جرم و خطا تم پہ کروڑوں درود

(ز) بے ہنر و بے تمیز کس کو ہوئے ہیں عزیز : ایک تمہارے سوا تم پہ کروڑوں درود

(س) آس ہے کوئی نہ پاس ایک تمہاری ہے آس : بس ہے یہی آسرا تم پہ کروڑوں درود

(ش) طارم اعلیٰ کا عرش جس کف پا کا ہے فرش : آنکھوں پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

(ص) کہنے کو ہیں عام و خاص ایک تمہیں ہو خلاص : بند سے کر دو رہا تم پہ کروڑوں درود

(ض) تم ہو شفائے مرض خلق خدا خود غرض : خلق کی حاجت بھی کیا تم پہ کروڑوں درود

(ط) آہ وہ راہ صراط بندوں کی کتنی بساط : المدد اے رہنما تم پہ کروڑوں درود

(ظ) بے ادب و بد لحاظ کر نہ سکا کچھ حفاظ : عفو پہ بھولا رہا تم پہ کروڑوں درود

(ع) لو تہ دامن کی شمع جھونکوں میں ہے روز جمع : آندھیوں سے حشر اٹھا تم پہ کروڑوں درود

(غ) سینہ ہے کر داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ : طیبہ سے آکر صبا تم پہ کروڑوں درود

(ف) گیسو و قد لام الف کر دو بلا منصرف : لا کے تہ تیغ لا تم پہ کروڑوں درود

(ق) تم نے برنگ فلق جیب جہاں کر کے شق : نور کا تڑکا کیا تم پہ کروڑوں درود

(ک) نوبت در ہیں فلک خادم در ہیں ملک : تم ہو جہاں بادشا تم پہ کروڑوں درود

(ل) خلق تمہاری جمیل خلق تمہارا جلیل : خلق تمہاری گدا تم پہ کروڑوں درود

(م) طیبہ کے ماہ تمام جملہ رسل کے امام : نوشہ ملک خدا تم پہ کروڑوں درود

(ن) بر سے کرم کی بھرن پھولیں نعم کے چمن : ایسی چلادو ہوا تم پہ کروڑوں درود

(و) اپنے خطا واروں کو اپنے ہی دامن میں لو : کون کرے یہ عطا تم پہ کروڑوں درود

(ہ) کر کے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ : تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

(ی) ہم نے خطا میں نہ کی تم نے عطا میں نہ کی : کوئی کمی سرورا تم پہ کروڑوں درود

(ے) کام غضب کے کئے اس پہ ہے سرکار سے : بندوں کو چشم رضا تم پہ کروڑوں درود

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

(حدائق بخشش صد ۳۲۔ ۱۳۱۔ ۳۰۔ ۱۲۹)

تلمیح[1]

متکلم کا اپنے کلام میں کسی آیت یا حدیث یا کسی مشہور شعر، کہاوت یا کسی مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرنا۔

رجعت شمس اور معجزہ شق القمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

شب ہجرت میں پیش آنے والے غار ثور کے اس مشہور واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہیں ؎

صدیق بلکہ غار میں جان اس کو دے چکے
اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے

جنگ بدر میں کفار و مشرکین پر ایک مشت خاک اٹھا کر پھینک دیا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتًہ منہ پھر گیا

بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں ؎

ان پر کتاب اتری بَیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ تفصیل جس میں ما عبر و ما غبر کی ہے

پہلے مصرعہ میں اشارہ ہے آیۃ کریمہ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کی طرف اور دوسرے مصرعہ میں مَا عَبَرَ وَ مَا غَبَرَ (جو کچھ گذر گیا اور جو کچھ باقی رہا) سے مراد یہ حدیث فِیْہِ نَبَأُ مَنْ قَبْلَکُمْ وَ خَبَرُ مَنْ بَعْدِکُمْ ہے یعنی قرآن شریف میں تم سے اگلوں اور پچھلوں سب کے احوال کی خبر ہے ؎

لَیْلَۃُ الْقَدْرِ میں مَطْلَعِ الْفَجْرِ حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

حسن تعلیل

کسی وصف کے لئے ایسی علت کا دعویٰ کرنا جو حقیقی نہ ہو لیکن اس میں کوئی ندرت و عمدگی ضرور ہو۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں ؎

(۱) خم ہو گئی پشت فلک اس طعن زمیں سے : سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

(۲) اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں : مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

مفہوم کی جستجو کیجئے، معنی آفرینی سے کام لیجئے؛ تخئیل کی ندرت پہ عش عش کیجئے اور سب سے اہم بات یہ کہ کسی گدائے عشق کی نگاہ سے محبوب کی رہگذر کے ان ذرات کو آنکھوں میں بسا لیجئے جن سے کہکشاں کا جمال شرمندہ پھر جاکے کہیں محبوب دو عالم کی حقیقی عظمتوں کی ایک ہلکی سی جھلک ملے گی ؎

حسرت میں خاک بوسی طیبہ کی اے رضا
ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

اقتباس[2]

کلام میں قرآن یا حدیث کا کوئی ایسا ٹکڑا لایا جائے جس کو بعینہ قرآن کی آیت یا حدیث نہ کہا جائے۔

امام احمد رضا بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں ؎

---

[1] دروس البلاغت مع بدور الفصاحت صد ۲۱۲

[2] مختصر المعانی صد ۴۷۶

مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ

پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

قرآن عظیم میں ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (الآیۃ) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول اس کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ کرنے والا مہربان پائیں (ترجمہ رضویہ)۔

نہ عرش ایمن اِنّی ذَاهِبٌ میں میہمانی ہے

نہ لطف اُدْنُ یَا اَحْمَدُ نصیب لَنْ تَرَانِی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنّی ذَاهِبٌ سَيَهْدِيْنِ میں اپنے رب کے پاس جاؤں گا وہ مجھے راہ دکھائے گا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ شب معراج اللہ رب العزت نے محبوب سے ارشاد فرمایا:

اُدْنُ یَا اَحْمَدُ اُدْنُ یَا مُحَمَّدُ اُدْنُ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ پاس آ۔ اے احمد۔ پاس آ۔ اے محمد۔ پاس آ اے سارے جہاں سے بہتر۔

کھلے کیا راز محبوب و محب مستان غفلت پر

شراب قَدْ رَاَ الْحَقَّ زیب جام مَنْ رَاٰنِی ہے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَاَ الْحَقَّ یعنی جس نے مجھے دیکھا اسے دیدار الٰہی نصیب ہوا۔

مراعات النظیر

چند چیزوں کا ذکر کرنا جن کا آپس میں مناسبت ہو تضاد نہ ہو۔

امام احمد رضا کے یہ اشعار مراعات النظیر کے نمونہ ہیں۔

واللہ جو مل جائے میرے گل کا پسینہ

مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

عطر۔ دولہن پھول۔ گل ان کا آپس میں مناسبت ہے تضاد نہیں۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں

یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

پھول۔ خار۔ شمع دھواں ان کا آپس میں مناسبت ہے۔

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا

گرہ میں کلیوں کے باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے

مصرعہ اولیٰ میں باغ غنچہ، گل کا آپس میں مناسبت ہے اور مصرعہ ثانی میں کلیوں باغ پھولے اور گلوں کا آپس میں مناسبت ہے کوئی تضاد نہیں۔

لف و نشر مرتب

یہ ہے کہ پہلے متعدد اشیاء کا ذکر تفصیلا یا اجمالا کیا جائے پھر ان میں ہر ہر شئی کے لئے ایک مناسب بات بغیر تعیین[2] کے لائی جائے۔

جیسا کہ امام احمد رضا کے درج ذیل اشعار میں لف و نشر مرتب پایا جاتا ہے۔

(۱) خوار و بیمار و خطا وار و گنہ گار ہوں میں

رافع و نافع و شافع لقب آقا تیرا

(۲) وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کی سب سے قریب ہیں

کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

یعنی حضور سید الانبیاء نے بزرگی کے مرتبے کو زینت بخشی ہے جہاں وہم گمان کے پر جلتے ہیں خود فرماتے ہیں یَا اَبَا بَکْرٍ لَمْ یَعْرِفْنِیْ حَقِیْقَۃً غَیْرُ رَبِّیْ اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے جانا نہیں۔ اور کرم یہ کہ ہم عاصیوں شعاروں میں تشریف لائے ایک پیکر نور کا آخر ہم خاکزادوں سے نسبت ہی کیا مگر یہ ان کا کرم ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ط

دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی

ہیں در عدن، لعل یمن مشک ختن پھول

یعنی عدن کا موتی دندان مبارک کا شیدا ہے اور یمن کا لعل لب اعجاز نبوت پر نچھاور! اور ملک ختن کا مشک زلف عنبریں کا فدائی اور پھول رخ زیبا پر قربان! حضور آفتاب رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و زیبائی اور جمال و رعنائی کے ایسے پیکر مجسم تھے جو اپنی مثال آپ تھے۔

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا!

کہو اس کو گل کہے کیا بنے کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں

کسی شخص کے قد و قامت کی تعریف زیادہ سے زیادہ ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ وہ سرو قد اور شمشاد قامت ہے مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قد زیبا کو یہ استعارے چھو نہیں سکتے۔

تیرا قد تو نادر دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے

نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

لالہ و گل یاسمین نسترن سنبل و نرگس، آفتاب و ماہتاب لعل یمن، در عدن، مشک ختن، عنبر سارا دلنواز تبسم شگفتہ غنچہ، اور نجم السحر انسانی حسن و جمال اور اس کی خوبی و رعنائی کے یہ تمام استعارے ہیں مگر محبوب کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال کے شرح و بیان کے لئے یہ سب استعارے ناقص، ادھورے ناتمام اور

۱؎ مختصر المعانی ص ۴۴۹

۲؎ یعنی خود متکلم اپنی طرف سے متعین نہ کرے کہ فلاں معنی فلاں شئی کے لئے مناسب ہے کیونکہ اگر متکلم کی طرف سے تعیین ہوگی تو پھر اس صنعت کو لف و نشر مرتب کے بجائے صنعت تقسیم سے موسوم کریں گے۔

تشبیہ وممائلت کی سطح سے بہت فروتر ہیں ؎

رخ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دوکان آئینہ ساز میں

امام احمد رضانے اس حقیقت صادقہ کو اچھی طرح سے سمجھ لیا تھا، اسی لئے اس میدان میں آپ کا کوئی حریف نہیں حتیٰ کہ لسان العرب حضرت امام بوصیری صاحب قیصدہ بردہ شریف بھی سبقت نہ لے جاسکے امام بوصیری نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا ہے ؎

كَالزَّهْرِ فِي تَرَفٍ وَالْبَدْرِ فِي شَرَفٍ
وَالْبَحْرِ فِي كَرَمٍ وَالدَّهْرِ فِي هِمَمٍ

یارسول اللہ تازگی میں حضور شگفتہ غنچہ ہیں اور شرف وبزرگی میں چودھویں کی چاند جو دوعطا میں دریا اور ہمت عالی میں دہر (یعنی زمانہ کی طرح وسیع ہیں) ؎

كَأَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُونُ فِي صَدَفٍ
مِنْ مَعْدَنَيْ مَنْطِقٍ مِنْهُ وَمُبْتَسَمِ

آپ کے دندان مبارک گویا موتی ہیں جو ایسے صدف میں پوشیدہ ہیں جس کا ایک معدن نطق اور دوسرا تبسم ہے، مگر جمال مصطفےٰ کے شرح وبیان کے لئے امام احمد رضانے بھی استعارے استعمال کئے۔ تشبیہ کی یہ ندرت اللہ اکبر! جس کا جواب نہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

دندان ولب وزلف ورخ شہ کے فدائی
ہیں دُرِ عدن لعل یمن مشک ختن پھول

تشبیہ[1]

ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ کسی صفت میں شریک قرار دینا حرف کے ذریعے کسی غرض سے مدح حبیب میں امام احمد رضا کے یہ اشعار بطور نمونہ پیش ہیں ؎

دل کرو ٹھنڈا میرا وہ کف پا چاند سا
سینے پہ رکھدو ذرا تم پہ کروروں درود

کف پا مشبہ چاند مشبہ بہ، سا، حرف تشبیہ وجہ شبہ چمک دمک ؎

عرش سا فرش زمیں ہے فرش پا عرش بریں
کیا نرالی طرز کی نام خدا رفتار ہے

عرش مشبہ فرش زمین مشبہ بہ سا حرف تشبیہ وجہ شبہ سج دھج

تجاہل عارفانہ[1]

کسی نکتہ کے سبب کی بات سے جان بوجھ کر انجان بننا۔
(نسیم البلاغت صد ۲۰)

جیسے امام احمد رضا کا یہ نعتیہ شعر ؎

ارے او خدا کے بندو کوئی میرے دل کو ڈھونڈھو
میرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا ۔ نہ کوئی گیا نہ آیا

استعارہ

کسی لفظ کے حقیقی معنی کو ترک کرکے اسے مجازی معنی میں استعمال کرنا جبکہ دونوں میں معنی تشبیہ کا تعلق ہو۔
(دروس البلاغت مع بدور الفصاحت ۱۵۱)

؎ آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا

مصرعہ ثانیہ میں سورج سے مراد ذات رسالت ہے کیونکہ آسمان والا سورج دلوں کو نہیں چمکاتا اور دونوں معانی کے درمیان شبہ تنویر ہے امام احمد رضانے سورج کے ساتھ سچے کی صفت لگا کر مستعار لہ کی ذات کو مستعار منہ کی ذات سے افضل ہونا واضح کیا۔

مقابلہ

ذکر کرنا چند معانی کا جو آپس میں موافق ہوں پھر ہر معنی کے مقابلے میں اس کے اضداد کا ذکر کرنا۔ جیسے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ہ

امام احمد رضا فرماتے ہیں ؎

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں؛ سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں ایک ایک لفظ ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسا ہے جہاں فن اپنے پورے کمال کے ساتھ جلوہ افروز ہے نیز محبت اپنے تمام توانائیوں کے ساتھ سرچشمہ حیات لئے زمین کی وسعتوں سے لیکر آسمان کی بلندیوں تک محبوب کے نت نئے بکھرے ہوئے جلوؤں میں نہائی ہوئی نظر آتی ہے مگر ان کا ادراک ایک گدائے عشق کا شعور ہی کرسکتا ہے جو کس قدر بیدار ہے ملاحظہ ہو ؎

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں؛ سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

(۱) وہاں حسن یہاں نام (۲) وہاں کٹنا جو عدم قصد پر دلالت کرتا ہے اور یہاں کٹانا کہ قصد وارادہ بتاتا ہے۔ (۳) وہاں مصر کہ اس کی تمدن معاشرت علم، تہذیب شائستگی، شرافت، متانت کا غلغلہ اور یہاں عرب کہ زمانہ جاہلیت میں اس کی جہالت وسرکشی، خباثت وکجروی تمرد وخودسری کا شہرہ۔ (۴) وہاں انگلی یہاں سر (۵) وہاں سبک خرام نازک اندام صبح بہار کی طرح نکھری ہوئیں تروتازہ حسینائیں اور یہاں جنگجو قبائل کے مردان شیر افگن کہاں زنان مصر اور کہاں مردان عرب! (۶) وہاں انگلیاں کٹیں جو ایک بار وقوع پزیر ہونا بتاتا ہے اور یہاں کٹاتے ہیں جو استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اور جدت تخیل کی یہ نظیر شعرا کے دواوین جس کی مثال سے خالی ہیں۔ سیدنا حسن مجتبیٰ وحسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان عرض کرتے ہیں۔

ایک سینہ سے مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک
حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

[1] دروس البلاغت مع البدور الفصاحت صد ۱۲۹

صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں

خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

خط توام

ایسا خط کہ جس کے ذریعے اہم اور نازک ترین راز پہونچایا جائے اور یہ طریقہ زیادہ تر اعلیٰ خاندان کی وہ ذی حیثیت عورتیں اختیار کرتیں جو اپنے سے فروتر مرد کے دام عشق میں گرفتار ہوتیں اگر محبوب کو کوئی اطلاع دینا مقصود ہوتا تو کسی محرم راز ٹرینڈ TRAND کر کے اس کے ذریعے وہ خط پہونچاتیں۔

خط لکھنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا پہلے ایک کاغذ کے دو حصے کئے جاتے اور جملے کا حرف ایک حصے پر اور دوسرا حرف دوسرے حصے پہ لکھا جاتا اس طرح پورا خط لکھا جاتا پہلے ایک ہی حصے کو تنہا بھیجا جاتا۔ جب وہ منزل پر پہونچ جاتا تب دوسرا ارسال کیا جاتا جب خط کے دونوں حصے محبوب تک پہونچ جاتے تو وہ ان دونوں کو سامنے رکھ جوڑتا پھر آسانی کے ساتھ پورا خط مکمل ہو جاتا پھر وہ اسی طریقے پر جواب بھی دیتا۔ جب تک دونوں صفحے اکھٹے آمنے سامنے نہ ہوں گے مقصد حاصل نہ ہوگا۔

خط توام کے اس مفہوم کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آئیے امام احمد رضا کے اس شعر پر غور کریں خط توام کا مطلب نمایاں طور پر واضح ہو جائے گا حضرت سرکار حسن مجتبیٰ اپنے نانا حضور سے سینہ تک مشابہ تھے اور امام عرش مقام شہید کربلا گلگوں قبا آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے سے قدم ناز تک ہم شبیہ حضور رحمت اللعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اگر جسمانی سراپا دیکھنا ہو تو اِمَامَیْنِ الکَرِیْمَیْنِ المَظْلُوْمَیْن حضرت امام حسن و سیدنا حسین کو ایک جگہ دیکھ لو! شکل پاک رسالت اپنے پورے وجود کے ساتھ واضح طور پر نمایاں نظر آئے گی ؎

ایک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک

حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

صاف شکل پاک ہے دونوں کے ملنے سے عیاں

خط توام میں لکھا ہے یہ دو ورقہ نور کا

مرکز ہجوم آرزو!

زندگی کا یہ کارروان تمناؤں کے ہجوم میں آگے بڑھتا ہے ہر شام ولولۂ شوق میں گذارتا ہے اور ہر آنے والی صبح نت نئے خواہشات کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ سوچ۔ آرزو اور خواہش پر کوئی پابندی نہیں اور نہ ہی ان کی کوئی قیمت! اسی لئے آج بھی خیالی فرما رواؤں کی کوئی کمی نہیں، تمناؤں کے ناپیداکنار وسعتوں کے گرد آج تک کوئی حصار نہیں قائم کیا جا سکا۔ آرزوں کی بارات میں تمناؤں کی آرتی چڑھتی اترتی رہتی ہے۔ امنگوں کی ریت پر سیکڑوں خوابوں کے شیش محل بنتے اجڑتے رہتے ہیں۔ آئے دن سپنوں کی شہزادی کے لئے جانے کتنے قیس و فرہاد خیالی صحرہ نوردی اور کوہ کنی میں مصروف عمل ہیں آرزوں کی جنت کو مجبور یہ دلنواز کے نام الاٹمنٹ ALATAMENTA کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں اور خوابوں کے تاج محل کے ساتھ آج بھی لاکھوں شاہجہاں کی دھڑکنیں والبتہ ہیں۔

مگر انہیں لاکھوں انسانی زندگیوں کے درمیان تنہا، منفرد، بے مثل اور عام سطح سے بالاتر ایک ایسی ذات بھی گذری ہے جس کی تمنا ہی نرالی ہے۔ آرزوں کی بارات اس نے بھی سجائی ہے۔ امنگوں کے ہجوم میں رات گذار کر تمناؤں کے ساتھ سویرا بھی کیا ہے ارمانوں نے اس کے یہاں بھی انگڑائیاں لی ہیں! مگر اس کی تمنا تو دیکھئے عجیب ترین آرزو! بھیگی ہوئی پلکوں کی چلمن سے جھلکنے والی بے تابی شوق کا انداز لگانے کے لئے تیار ہو جائیے تشریح آرزو کی یہ سعی تام! ؎

بے بسی ہو جو مجھے نامۂ اعمال کے وقت ۔!۔ دوستو کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے

کاش فریاد میری سن کے یہ فرمائیں حضور ۔!۔ ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے غوغہ کیا ہے

کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے ۔!۔ کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے

کس سے کہتا ہے کہ للہ میری لیجے خبر ۔!۔ کیوں ہے بے تاب یہ بے چینی کا رونا کیا ہے

یوں ملائک کریں معروض کہ اک مجرم ہے ۔!۔ اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رسل ۔!۔ بندہ بے کس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے

اب کوئی دم میں گرفتار بلا ہوتا ہوں ۔!۔ آپ آجائیں تو کیا خوف ہے کھٹکا کیا ہے

سن کے یہ عرض میری بحر کرم جوش میں آئے ۔!۔ یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے

کس کو تم مورد آفات کیا چاہتے ہو ۔!۔ ہم بھی تو دیکھیں ذرا آکے تماشا کیا ہے

ان کی آواز پر کراہٹوں میں بے ساختہ شور ۔!۔ اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے

لو وہ آیا میرا حامی میرا غمخوار امم ۔!۔ آگئی جاں تن بے جاں میں یہ آنا کیا ہے

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپا لیں سرور ۔!۔ اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے

بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا ۔!۔ کیا لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے

چھوڑ کر مجھکو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم ۔!۔ حکم والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ واہ ۔!۔ چشم بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے

صدقہ اس رحم کے اس سایہ دامن پہ نثار ۔!۔ اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے

اے رضا جان عنادل تیرے نغموں پہ نثار

بلبل باغ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے

(حدائق بخشش حصہ اول ص ۷۶۔۷۷)

جذبۂ شوق کا اظہار وہ بھی اشعار کے قالب میں اللہ اکبر! نعتیہ شاعری کا یہ کمال! کہ شاعر کے فن سے زیادہ اس کے کمال عشق کا سکہ دلوں پر بیٹھ جائے۔

آپ کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" صرف نعتوں کا ایک دلکش مجموعہ ہی نہیں بلکہ خدا و رسول کی عظمت و محبت سے خالی اذہان و قلوب کے لئے ایک کیمیائے سعادت ہے ایسے نازک ترین دور میں جبکہ سڑے گلے بدبو دار بندے اپنے گنہ گار وجود کو کاشانۂ

رسالت کے ہم پلہ سمجھنے لگے اور ہمسری کے زعم باطل میں عصمت انبیا سے کھیلنے لگے اور نجاست کے اس غلیظ ترین ڈھیر پر اپنے حواریوں کے ساتھ مسند آرائی کر کے اپنے زبان و قلم سے عشق کی سلامتی کا تار و پود بکھیرنے لگے تو ایسے وقت میں "نغمات رضا" دیوانوں کے قلوب میں آندھیوں کی زد پر عشق و عقیدت کا ایک چراغ جلایا ؎

گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

اور مسلمانوں کے قلوب و اذہان کو دربار رسالت کی طرف پھیر کر یہ بتا دیا کہ ؎

مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

پس رحمت و نور کی موسلا دھار بارش ہو اے امام اہلسنت تیری مرقد انور پر! تمہارے عشق کے فیضان نے ہم گنہگاروں کو عظمت رسول کا احترام بخشا۔ تیری زندگی کا ہر ورق ایک آئینہ محبت ہے جمیں آفتاب نیم روز کی بات تو الگ رہی رات کو بھی جلوؤں کا سویرا نظر آتا ہے۔

ویسے وہ بدنصیب قطعی قابل اعتنا نہیں کہ جنکے قلوب عشق رسالت کے نعمت کبریٰ سے محروم کر دیئے گئے ہیں وہ جلوۂ محبوب کے اس آئینہ جمال و کمال کو توڑ بھی دیں تو کوئی تعجب نہیں کہ پہلو میں محبت آشنا دل نہیں مگر ان درد مندان دل اور دار فتگان آرزو سے شوق سے پوچھئے جو خاک طیبہ کو صرف اس جذبۂ محبت میں اپنی آنکھوں سے لگا لیتے ہیں کہ شاید پائے حبیب سے مس ہو گئی ہے۔

امام احمد رضا کا

ذوقِ سخن

مولانا بدر القادری صاحب مصباحی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

مولانا بدر القادری مصباحی گھوسی ضلع اعظم گڑھ کے متوطن ۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے فاضل ہیں ۔ اہلسنت وجماعت کے ابھرتے ہوئے قلمکاروں میں آپ کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے ۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کا آرگن ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور آپ ہی کی زیر ادارت میں شائع ہو رہا ہے ——— (ایڈیٹر)

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ ایک جامع الصفات شخصیت کا نام ہے ۔ تاہم اگر کوئی کہے کہ اُردو ادب و انشاء کی حیثیت سے آپ نے کچھ نہیں کیا تو اس حد تک تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے صرف ادب برائے ادب کچھ بھی نہ کیا ، مگر جہاں تک ادب نوازی کا سوال ہے آپ کے فتاوے کم وبیش لاکھ صفحات پر مشتمل ہیں جن میں عربی اور فارسی سے کہیں زیادہ اُردو ادب وانشاء کے نادر نمونے موجود ہیں ۔ آپ کے قصائد کے مجموعے حدائق بخشش کی دو جلدیں ہیں جن میں صنائع وبدائع کی خوبیاں اپنے عروج پہ ہیں مگر نثر ونظم ہر ایک کا مطالعہ ذہن پر یہ اثر مرتب کرتا ہے کہ آپ کی تمام تر قلمکاری عشق وفرمان محمدی کے نشہ میں شرابور ہے ۔ اس سے جدا ہو کر آپ نے کبھی کچھ نہ لکھا ۔ مندرجہ ذیل مضمون میں ہم صرف چند ایسے اقتباسات درج کریں گے جن سے امام احمد رضا قدس سرہ کی شعری دلچسپی اور محل وقوع کے اعتبار سے اشعار کے استعمال میں مہارت کا اندازہ ہوگا ۔ بات ظاہر ہے کہ فتوی اور فقہ وتفسیر نیز دیگر علوم کا اپنا الگ اسلوب بیان ہے جس میں اشعار کے استعمال کا تُک ہی نہیں ۔ لامحالہ جہاں معاملات سے کچھ سابقہ پڑا ہے امام کے قلم کی یہ صفت ظاہر ہوئی ہے اس مضمون کی ترتیب کیلئے ہمیں آپ کی دس کتابوں سے مدد ملی ۔ اور غائر نظر سے مطالعہ کے بعد ادب شناسوں کو کہنا لازم ہو جاتا ہے کہ ، ؎ ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

"زندۂ جاوید" انوار البشارۃ اِحج وزیارت کے موضوع پر آپ کا نہایت جامع رسالہ ہے ۔ ضروری مسائل اور مقامات زیارت وغیرہ پہ مشتمل ہے ۔ انہیں جبل احد کا ذکر ہے ۔ جو قتیلانِ محبت کی آرامگاہ ہے ۔ یہیں غزوۂ محبت برپا ہوا اور ستّر صحابۂ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا اور وہی لوگ آیتہ مبارکہ وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ یُرْزَقُوْنَ (آل عمران) جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوئے انھیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی طرف سے روزی دیئے جاتے ہیں ۔" کے اولین مصداق ہیں ۔ ان شہیدان محبت کے ذکر جمیل میں مندرجہ ذیل اشعار ثبت فرمائے ۔

زندۂ جاوید ہیں سوز محبت کے قتیل
یہ شرر ٹھنڈے نہیں ہوتے ہیں بجھ جانے کے بعد
رتبہ شہید عشق کا گر جان جائیے
قربان ہونے والوں پہ قربان جائیے
فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جو جینا ہے تو مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ

(انوار البشارۃ ص ۱۳۷)

"قرار ایں جا" آداب زیارت کے نصیحتوں کے باب میں ۳۹ ویں نمبر پر مزارات بقیع وقبا وغیرہ کا ذکر فرمایا ۔ جسکے اخیر میں ایک ایسا جاندار مصرع تحریر کیا جو آپ کے ذوق شعری کے ساتھ ساتھ عقیدت مندانہ گرویدگی کی نشانی ہے ۔ لکھتے ہیں ۔" بقیع واحد کی زیارت سنت ہے مسجد قبا کی دو رکعت کی سنت کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے اور چاہو تو یہیں حاضر رہو سیدی ابن الحمیرہ قدس سرہٗ جب حاضر حضور ہوتے آٹھوں پہر برابر حضور میں کھڑے رہتے ایک دن بقیع وغیرہ زیارات کا خیال آیا پھر فرمایا یہ ہے اللہ کا دروازہ بھیک مانگنے والوں کے لئے کھلا ہوا اسے چھوڑ کر کہاں جائیں ۔

ع سر ایں جا سجدہ ایں جا بندگی ایں جا قرار ایں جا

(انوار البشارۃ ص ۱۰۲)

"سجدہ گاہ اھل نظر" مسجد الرایہ جسے ذباب بھی کہتے ہیں مدینہ طیبہ سے شام کو جانے والے راستہ میں پہاڑ کی بلندی پہ ہے سرکار جب غزوۂ تبوک کیلئے تشریف لے جا رہے تھے تو اس مقام پہ خیمہ نصب ہوا تھا ۔ اور حضور نے اسی جگہ نماز ادا فرمائی تھی ۔ اس کے ذکر جمیل پہ بہت ہی مناسب شعر نصب فرماتے ہیں ؎

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

(یعنی جس زمین پہ آپ کے قدم ناز کا نشان پڑ جائے وہاں اہل بصیرت کا سالہا سال سجدہ ہوگا۔ (انوارہ البشارۃ ص ۱۲۶)

"تو تنہا داری"

الاستیعاب لعبد البر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم عالم شیر خوارگی میں حلیمہ سعدیہ کی گود میں تھے قبیلۂ بنی سلیم کی تین کنواری لڑکیوں نے بھولا بھالا نورانی پیکر دیکھا تو منہ میں پانی بھر آیا لپک کر گود میں اٹھالیا۔ اور اپنے پستان دہن اقدس میں رکھدیئے تینوں کے دودھ اتر آیا۔ ان تینوں کا نام عاتکہ تھا۔ آگے خود انکی تحریر ملاحظہ کریں۔ "یہ اس مرتبہ کی تکمیل تھی کہ مسیح کلمۃ اللہ (صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا فرمایا۔ حبیب اشرف بریۃ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تین عفیفہ لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرمایا۔ ؎ آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

(جتنی خوبیاں تمام انبیاء علیہم السلام رکھتے ہیں یارسول اللہ تنہا آپ میں سب موجود ہیں۔

(شمول الاسلام ص ۲۸)

"دعوتِ فکر"

کذب باری کو ممکن جاننے والوں کے رد میں ایک سو بائیس دلیلیں پیش کیں پھر بھی خاتمۂ کتاب میں فرماتے ہیں" ہزار ہزار بار حاشا للہ میں ہرگز انکی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن وجلی نہ ہوجائے اور حکم اسلام کیلئے کوئی ضعیف سا بھی محل نہ رہے۔

فَاِنَّ الاِسْلَامَ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی (سبحان السبوح ص ۱)

ذکر دلائل کے بعد غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ کاش کوئی ایک دلیل بھی انھیں عقیدہ باطل سے لوٹا دیتی تو میری محنت بر آتی اسی مفہوم کو بسیط عبارت میں پرونے کے بعد یہ شعر نصب فرماتے ہیں ؎

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول

اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را

کیا تم میرے آنسوؤں کو قبول کرسکتے ہو، اگر ایسا ہوگیا تو میں سمجھوں گا کہ بارش کے قطرے کو تم نے موتی بنادیا (سبحٰن السبوح ص ۱۱۵)

"امید کرم"

امام احمد رضا کی تحریروں میں اسلام دشمن عناصر کیلئے تلخی محض ان کے تصلب فی الدین اور الحبّ للّٰہ والبغض للّٰہ" کی وجہ سے ہے ایسا نہیں کہ کسی دباؤ یا دنیاوی لالچ نے انھیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ بلکہ امام کا جذبہ حب رسول تو اس منزل پہ تھا کہ کسی دنیادار کی فلاح وستائش بھی وبال تصور فرماتے تھے جیسا کہ خود کہا۔ کروں مدح اہل دُول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

حضور ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین صاحب ایمان تھے اسکے ثبوت میں دلائل پیش فرمانے کے بعد خود ہی اسکی علت بیان فرماتے ہیں کہ" اس مسئلہ کو ضبط تحریر میں لانے کا مقصود؟ شاید مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ تمام جہان سے اکرم وارحم ابر وادفی ہیں۔ محض اپنے کرم سے نظر قبول فرمائیں ورنہ کسی صلے میں بلکہ اپنے خاص فضل کے صدقے میں اس عاجز بیچارہ بیکس بے یار کا ایمان حفظ فرماکر دارین میں عقاب وعذاب سے بچائیں ؎

بر کریماں کارہا دشوار نیست (شمول الاسلام ص ۳۲)

"فطرت روباہی"

چند متعصب مزاجوں نے دلائل الخیرات جیسی مقبول دعا ودرود کی کتاب کو شرک وبدعت کا مجموعہ کہہ دیا۔ اس پر دیندارانہ برہمی فرماتے ہیں

" دلائل الخیرات شریف کو تالیف ہوئے پونے پانچ سو برس گزرے جب سے یہ کتاب مستطاب شرقاً غرباً عرباً عجماً تمام جہان کے علماء واولیاء وصلحاء میں حرز جان وظیفۂ دین وایمان ہورہی ہے۔ یہ حسن قبول خدا ورسول زید وعمر کے مٹائے نہیں مٹ سکتا ؎

ہمہ شیران جہاں بستہ این سلسلہ اند

روبہ از حیلہ چساں بگسلد این سلسلہ را

(دنیا کے تمام شیر اس سلسلہ سے وابستہ ہیں لومڑی مکر سے اسے کہاں توڑ سکتی ہے)

ہاں اب نئے زمانے فتنے کے گھرانے ہیں وہ گمراہ بھی پیدا ہوئے ہیں جو عیاذاً باللہ دلائل الخیرات کو معدن شرک وبدعت کہتے ہیں۔ مگر ان کے بکنے سے امت مرحومہ کا اتفاق واطباق نہیں ٹوٹ سکتا ؎ مہ نشاند نور وسگ عوعو کند

ہر کسے بر خلقت خود می تند

(چاند روشنی لٹاتا ہے اور کتا بھونکتا رہتا ہے۔ ہر شئے اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتی ہے۔ (شفاء الوالہ ص ۱۷)

"روح"

روح اور عرفان نفس کے سلسلہ میں ایک شعر کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" روح عالم امر سے ایک چیز ہے عقل کا حصہ اسی قدر ہے۔ آگے اسکی ماہیئت اکابر اہل باطن جانتے ہیں۔ سبحان اللہ آدمی خود اسی روح کا نام ہے۔ اور یہ اپنے ہی نفس کے جاننے میں اس قدر ناکام ہے ؎

تنت زندہ بجان جان نہانی

تو از جاں زندہ وجاں را ندانی

(کشف حقائق ص ۷)

"دیار حبیب کی عظمت"

حج وزیارت کے مسائل بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا جب اس مقام پہ پہونچتے ہیں کہ ایک دیوانۂ رسول دیار حبیب میں قدم رکھ رہا ہے۔ منی وعرفات کے مراحل سے گزر کر جلوہ زار حبیب میں پہونچ رہا ہے۔ اور سرکار مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی منزل آتی ہے ایسا لگتا ہے کہ مسائل بیان کرتے ہوئے بھی ایک مفتی اور فقیہانہ اسلوب تحریر کو ترک کرکے محض ایک دیوانۂ رسول کے انداز میں رقم طراز ہیں۔

"راستے بھر درود شریف میں ڈوب جاؤ۔ جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ ہیکہ پیادہ پا ہو۔ سر جھکائے آنکھیں نیچے کئے۔ جب قبۂ انور پہ نگاہ پڑے درود و سلام کی کثرت کرو۔ جب شہر اقدس تک پہونچو جلال و جمال محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے تصور میں غرق ہو جاؤ۔ ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ

جائے سر است ایں کہ تو پا می نہی — پائے نہ بینی کہ کجا می نہی
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا — ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

(انوار البشارہ ص ۹۲)

"تاویل بارد" امکان کذب باری تعالیٰ اور علم غیب مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علمائے دیوبند کی ہفوات کے جواب کی جانب جب علماء اہل سنت نے توجہ کی تو انھوں نے اپنے اقوال ہی سے انکار و گریز اور تحریروں کی بعید از قیاس تاویلیں شروع کر دیں۔ امام احمد رضا اس موقع پر ان عبارتوں کا مع حوالہ جات جائزہ لیتے ہوئے نہایت برمحل فرماتے ہیں۔

ع "نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا"

(وہ راز بھلا کہاں چھپ سکتا ہے جس نے کئی مجلسیں آراستہ کر دیں۔)

(الاستمداد ص ۱۷۵)

"تاسف" ڈپٹی کلکٹر مولوی امداد علی بہادر کو بعض علماء سوء نے ایسا بہکایا کہ امام اہلسنت اور علماء اسلام سے گفت و شنید تک بند کرا دی کہ مبادا ہماری ہانڈی ٹھنڈی ہو جائے۔ کلکٹر صاحب کو مخاطب بنا کر کتنا برمحل شعر ارقام فرماتے ہیں۔

" صبر اس پر اس ہماری حسرت دیدار کا
بند جس نے کر دیا روزن تری دیوار کا

(سیف المصطفی علے ادیان الافتراء ص ۱۸)

"بریں علم و دانش" فتاوی رشیدیہ کے ایک بے سروپا فتوے پر مصرعے کے ذریعہ کتنا جامع تبصرہ فرماتے ہیں۔ جو اپنے اندر طنز کی تلخی کیساتھ ساتھ بھرپور معنویت لئے ہوئے ہے۔ من و عن ملاحظہ کریں۔

سوال۔ نصرانی یا ہندو وغیرہ مسجد بنا دے تو اس میں نماز کا حکم کیا ہے؟ ثواب ہوگا یا نہیں؟

الجواب۔ جس کافر کے نزدیک مسجد بنانا عمدہ عبادت کا کام ہے اس کے مسجد بنانے کو حکم مسجد کا ہوگا۔

ع تو مجتہد اے فارغ از عقل و دیں (الاستمداد ص ۱۸۸)

"سر خفی" علوم ظاہر کے علاوہ آپ علوم باطن کے بھی امام تھے عرفان و حقیقت کے مئے پوشیدہ و بادہ کش تھے شرعی استفتاء کا آپ کے پاس تانتا بندھا ہی رہتا تھا۔ بعض اہل دل عالم اسرار کے روحانی و عرفانی سوالات بھی پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سر خفی و روح و قلب کے رموز پر رقم طراز ہیں۔" اور سر خفی و روح و قلب لطائف حضرات نقشبندیہ (قدست اسرارہم) جن میں تجلیات حق کے رنگا رنگ ذوق کا ادراک کارعیاں ہے۔ نہ کار بیان

ع "ذوق ایں مئے نشناسی بخدا تا نہ چشی"

(واللہ اس شراب کا لطف اس ذوق تک نہیں پا سکتے جب تک چکھا نہ ہو۔)

(کشف حقائق ص ۷)

"دیار قنوج" مولوی بشیر الدین قنوجی جو علماء دیوبند کے نہایت چابکدست ہمنوا تھے۔ علماء اسلام کی عبارتوں میں کتر بیونت اور حذف و اضافہ اور چابکدستی کے ذریعہ اپنے آقایان نعمت کے عقیدہ و نظریہ سے عطر کشید کرتے تھے۔ امام احمد رضا کا خیال ہیکہ طائفہ علماء دیوبند اس نئے قنوجی عطر کو پا کر بیحد مسرور ہوا۔ مگر افسوس! اسکی کوششوں سے تیار شدہ امام کے الفاظ میں پہلی شیشی (کتاب تفہیم المسائل) اور دوسری شیشی (غایۃ الکلام میلاد شریف کے عدم جواز میں) بھی عقائد میں رخنہ انداز نہ ہو سکی۔ اور ان حضرات کے عقائد فاسدہ کی بابت ان کی فحش قلم کاری نے اہل ایمان کے مزاج کو جس قدر مکدر کیا تھا قنوجی صاحب کی یہ شیشیاں اپنے حسن کلام کی خوشبو کے لحاظ سے کچھ مفید نہ ہو سکیں۔ امام تحریر فرماتے ہیں۔

"طائفہ بھر کا مشورہ ٹھہرا کہ اب انھیں کی عرق ریزی سے کچھ عطر بیزی کی امید ہے مگر لن یصلح العطار ما افسد الدھر (جس نے زمانے کی فضا مکدر کر دی اسکی درستگی عطار کا کام نہیں۔ قنوجی صاحب نے وہ گندی روش اختیار کی جس کی برکت سے مذہب کے علاقہ بھر میں سچ کا پھول مارا گیا جہاں دیکھو تحریف و تصرف کا امو اکھلا ع

اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

(سیف المصطفی ص ۲۳)

"چھیڑ چھاڑ" امام احمد رضا کی تحریروں کا تنقیدی جائزہ لینے سے قبل نہایت لطیف انداز میں اجازت طلب کرتے ہیں۔

"سرکار نازک مزاجی سے اجازت ملے تو بطرق نمونہ اس خردار سے چند مشت پیش کمرے ؎

کون کہتا ہے گلہ تم سے مکر جانے کا
چھیڑ کر لطف اٹھا لیتے ہیں جھنجلانے کا

(سیف المصطفی ص ۲۳)

"خون دیانت" قنوجی صاحب نے مذکورہ کتابوں میں در مختار سراجیہ و دکھانا مطالبۃ المؤمنین وغیرہ کتب کی عبارتوں میں قطع و برید کا جو فنکارانہ انداز استعمال کیا ہے اس پر امام انکی دیانت کا ماتم کرتے ہیں ؎

جعل مزا جھوٹ غذا ہو گیا
ہائے دیانت تجھے کیا ہو گیا

(سیف المصطفی ص ۲۹)

"عنقاء" قنوجی صاحب نے بعض عبارتیں تو ایسی لکھ ماری ہیں۔ جن کیلئے کسی کتاب کا نہیں بلکہ انکے اختراعی ذہن کے صفحات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ امام اس پہ ایک تشریحی شعر ثبت فرماتے ہیں ؎

نہ ملے قرض میں بھی ان کا پتہ لاکھ برس
ناز پروردۂ عنقا ہیں حوالے تیرے

(سیف المصطفیٰ ص ۳)

"شوخی چشم" غایت الکلام میں قنوجی صاحب کتاب شرح معینہ اور عباد اللہ المخلصین سے عدم جواز استمداد کیلئے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اسی کتاب میں توسل کے دلائل پیش کئے گئے ہیں مگر آنجناب اپنے مقصد کی عبارتیں کتر کر لمبی چوڑی تمہید و تبصرہ کیساتھ کتاب میں نقل کرتے ہیں (جس کا مکمل جائزہ امام کی اسی محولہ کتاب کے حاشیہ پہ مولانا سلطان احمد خاں قادری نے لیا ہے) امام ان کی شوخ چشمی کی داد اس انداز میں دیتے ہیں" ایسا سچا سچا دعوی آپ کی تو کیا تعریف کروں میں تو ان آنکھوں کا قائل ہوں کہ ایسے ادعا کرتے وقت جن کے تیور تک نہیں بدلتے ؎

شوخی و فتنہ تو ہر وقت ہے ان آنکھوں میں
کیوں حیا؟ تم کو بھی ہے حکم کبھی آنے کا

(سیف المصطفیٰ ص ۴)

"تجاہل عارفانہ" نادانستہ طور پر غلطی کرنے والے اس شخص کے احسان مند ہوتے ہیں جو اسے غلطی سے مطلع کر دے۔ مگر اس شخص کا کیا علاج جو دیدہ و دانستہ شریعت و دیانت کے خلاف کمربستہ ہو۔ اسی مفہوم کو بیان کرنے کے بعد عربی کا یہ شعر تحریر کرتے ہیں۔

فان کنت لاتدری فتلک مصیبۃ
وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

بے علمی ایک مصیبت ضرور ہے مگر دیدہ و دانستہ لاعلم بننا تو بہت بڑی مصیبت ہے۔ (سبحان السبوح ص ۹۳)

"کور چشمی" زاغ معروفہ کو حلال فرمانے والے اور ان کے ہم جماعت دیگر علماء کی رہبری اور قیادت کا تذکرہ فرماتے ہوئے کیا ہی مناسب شعر تحریر کیا ہے

إذا كان الغرابُ دليلَ قومٍ
سَيَهدِيهم طريقَ الهالِكينا

(اگر کوا کسی قوم کا رہنما ہو تو وہ قوم جلد ہلاکت کے گھاٹ اترے گی۔

(سبحان السبوح ص ۹۹)

"احوال دل" مسائل مختلف فیہا میں دلائل قاہرہ سے مزین کتابیں پیش کرنے کے باوجود ضد اور ہٹ دھرمی نے آپ کی آواز حق کو ہمیشہ ناقابل اعتنا سمجھا۔ بارہا نہایت نرمی سے اس حق گریزی کا احساس دلاتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

کہنے کو اُن سے کہتا ہوں احوال دل مگر
ڈر ہے کہ ناز حسن پہ شکوہ گراں نہ ہو

(سبحان السبوح ص ۳۷)

حزم و احتیاط حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین صاحب ایمان ہیں۔ بیشمار دلائل و براہین سے ثابت کرنے کے بعد منکرین کو تنبیہہ کے طور پر نہایت برمحل مصرع تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"طبرانی میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو۔ یعنی حضور تو زندہ ابدی ہیں۔ ہمارے تمام افعال و اقوال پر مطلع ہیں۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ عاقل کو چاہئے کہ اس جگہ سخت احتیاط سے کام لے ع ہشدار کہ رہ بردم تیغ است قدم را

(شمول الاسلام ص ۲۲)

"مرضی الٰہی" انسانوں میں عقل و شعور مال و دولت وغیرہ کے لحاظ سے تفاوت اور فرق ہوتا ہے۔ اسکی نہایت عمدہ مثال سے تفہیم فرماتے ہیں۔

"یفعل اللہ مایشاء" اللہ جو چاہے کرتا ہے اسکی شان ہے" ان اللہ یحکم مایرید" اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے اسکی شان ہے، لا یُسئل عما یفعل وھم یسئلون" وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور سب سے سوال ہوگا۔ زید نے روپئے کی ہزار اینٹیں خریدیں۔ پانچ سو مسجد میں لگائیں۔ پانچ سو پاخانہ کی زمین اور قدمچوں میں صرف کیا۔ اس سے کوئی الجھ سکتا ہے کہ ایک ہاتھ سے بنائی ہوئی ایک مٹی سے بنی ہوئی ایک اوین میں پکی ہوئی ایک روپئے کی مول لی ہوئی ہزار اینٹیں تھیں۔ ان پانچ سو میں کیا خوبی تھی کہ مسجد میں صرف کیں اور ان میں کیا عیب تھا کہ جائے نجاست میں رکھیں اگر کوئی احمق اس سے پوچھے بھی تو وہ یہی کہے گا کہ مری ملک تھی۔ میں نے جو چاہا کیا۔ جب مجازی جھوٹی ملک کا یہ حال ہے تو حقیقی سچی ملک کا کیا پوچھنا۔ ہمارا اور ہماری جان و مال اور تمام جہان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا سچا مالک ہے۔ اس کے کام اس کے احکام میں کسی کو مجال دم زدن کیا معنی؟ کیا کوئی اس کا ہمسر یا اس پر افسر ہے؟ جو اس سے کیوں اور کیا کہے۔ وہ مالک علی الاطلاق ہے بے اشتراک ہے جو چاہا کیا۔ اور جو چاہے گا کرے گا۔ ذلیل فقیر بے حیثیت اگر بادشاہ جبار سے الجھے تو اسی کا سر کھجایا ہے شامت نے گھیرا ہے اس سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ۔ او بدعقل بے ادب اپنی حد پر رہ جب یقیناً معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمیع کمال و صفات میں یکتا و کامل ہے۔ تو تجھے اس کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال؟

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش
نظام مملکت خویش خسرواں دانند

(التحبیر بباب التدبیر ص ۲۴)

"نظریۂ توکل کی غلط توجیہہ" نظریۂ توکل کی ایک مکروہ توجیہہ یہ ہے کہ آدمی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے کسی گوشہ میں بیٹھ جائے

اور تقدیر الٰہی کے تحت روزی کا انتظار کرنے لگے۔ امام اس انداز توکل کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ملائکہ کا بے آب و غذا زندگی گزارنا کسے نہیں معلوم مگر یہ انسان میں خرق عادت ہے جس پر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا جہل و حماقت یہاں تک کہ اگر تقدیر پر بھروسے کا جھوٹا نام دے کر خورد و نوش کا عہد کرے اور بھوک پیاس سے مرجائے تو بیشک حرام موت مرے۔ اور اللہ تعالیٰ کا گنہگار ٹھہرے مرگ بھی تو تقدیر سے ہے پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا" ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔

گرچہ مردن مقدر ست ولے — تو مرو در دہان اژدھا

(اگرچہ موت تقدیر ہی سے آتی ہے مگر جان بوجھ کر اژدہے کے منہ میں نہ چلے جاؤ

(التجبیر بباب التدبیر ص۳)

"حقیقی توکل"

توکل کی صحیح رخ سے توضیح کرتے ہوئے قلم بند فرمایا

" تلاش حلال و فکر معاش و تعاطی اسباب ہرگز منافی توکل نہیں بلکہ عین مرضی الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر اور بھروسہ تقدیر پر رکھے اسی لئے جب ایک صحابی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی" اپنی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ رکھوں یا اسے باندھوں اور خدا پر توکل کروں۔ ارشاد فرمایا۔ قیّد و توکل باندھ اور خدا پر تکیہ رکھ

ع برتوکل زانوئے اشتر ببند (

(التجبیر بباب التدبیر ص۹)

"اظہار افسوس"

ادلّہ واھبہ ص۱۲۴ کی ایک عبارت پر جس کا مفہوم یہ ہیکہ اگر خدائے تعالیٰ کیلئے بیوی بچے ہونا عقلاً محال ہوتا تو نصاریٰ اتنے عقل مند اور ایسے صانع ہیں۔ وہ اُسے کیوں مانتے۔ امام احمد رضا ان گندم نما جو فروش دینداروں کی عقل پہ اظہار افسوس فرماتے ہیں اور یہ شعر لکھتے ہیں ؎

چشم با زو گوش بازو این ذکا
خیرہ ام در چشم بندی خدا

آنکھ کان صحیح سلامت ہوتے ہوئے عقل ایسی خدائے تعالیٰ کی اس حکمت چشم بندی پہ میں حیران ہوں۔ (پیکان جانگداز ص۱۵۷)

"خون ناحق"

علماء سوء کی تردید فرماتے ہوئے ان کے آزار قلم کی زبوں کاریوں کا ذکر کیا جس نے لاتعداد سچے مسلمانوں کو خارج از اسلام قرار دے دیا۔ جس کے دست برد سے صحابہ کرام تابعین علماء و صلحاء حتیٰ کہ مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا عبد العزیز محدث دہلوی تک محفوظ نہ رہ سکے۔ پھر یہ خود اس سے بچ کر کہاں جاتے۔ انھیں خود انکی شامت اعمال نے درگذر نہ کیا امام تحریر فرماتے ہیں۔

" کے کرد کہ نیافت ـــــ کمال تدین قداں

؎ دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را — چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند (سبحان السبوح صفحہ۱۰۵)

"بے حیا باش"

ذات باری تعالیٰ کیلئے معائب کا امکان رکھنے والوں اور مراتب انبیاء علیہم السلام میں چنیں و چناں کرنے والوں کو مبداء دین و شرع پہ کلوخ زنی کے باوجود دعویٰ ایمانداری ہے۔ ان کے عقائد فاسدہ کی واضح تردید فرماتے ہوئے سبحان السبوح ص۱۶۱ پہ بے حیا باش ہرچہ خواہی کن پہ نہایت ستھری اور مبنی بر حقیقت تضمین کرتے ہیں۔

تیر بر جاہ انبیاء انداز — طعن در حضرت الٰہی کن
بے ادبی و ہرچہ دانی گوئے — بے حیا باش ہرچہ خواہی کن (سبحان السبوح ص۱۶۱)

"شوخیٔ رفتار"

ائمہ مجتہدین اور فقہائے قدیم کی جسکے نزدیک کوئی وقعت نہ ہو اسے آپ کیا کہیں گے؟ انھیں حضرات میں کہ ایک شوخ چشم مجتہد العصر ہیں۔ امام احمد رضا نے ان کے اکیس اجتہادات پر گرفت فرمائی ہے۔ جس میں انھوں نے بزعم خویش مسائل مختلف فیہا پہ بڑے نپے تلے تیر مار رہے ہیں۔ مگر محولہ کتابوں سے اپنے مقصد کی عبارتیں اخذ کرنا اور عقائد حقہ کی تائید کے باب در باب نظر انداز کر دینا جو کہ ان حضرات کا جماعتی وطیرہ ہے۔ بڑی شدت سے عامل ہیں۔ امام فرماتے ہیں۔

العظمۃ للہ دربارۂ قیام ان کے ایک لفظ محتمل پر جس کے معنی علامہ حلبی نے واضح کر دیئے اتنا اچھلنا اور اسی مجلس اقدس کے باب میں انھوں نے دفتر کے دفتر لکھے اور کسی زور و شور محققانہ سے اس کے عمدہ مستحبات اور اجلۂ مستحسنات سے ہونے پر عرش تحقیق ثابت کر دیا وہاں یوں دبے پاؤں نیچی نظریں بدن چرائے نکل بھاگے جانے ہم نے دیکھا ہی نہیں ـــــ اللہ رے تغافل

فتنہ آنکھیں ہیں غضب شوخ ہے چلنا تیرا
کر گیا کام یہ بچ بچ کے نکلنا تیرا

(سیف المصطفیٰ ص۴۶)

"جدید فقہ"

ایک صاحب کو اردو فقہیات میں کچھ شُدبُد ہو گئی۔ انگریزوں کی شہ پہ اجتہاد کا شوق چرایا آپ نے اُلّو کا گوشت حلال کر دیا۔ پھوپھی اور بھتیجی کو حرمت کی فہرست سے نکال کر حلت کے دائرے میں لا بٹھایا اس پر دنیا دار لوگ چاہے ؎ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ بنے رہتے۔ مگر وقت کے امام کو کہاں تاب؟ ایسی خبر لی کہ ہوش ٹھکانے لگ گئے۔ ایک شعر خاص انھیں کے لئے موزوں فرمایا۔

؎ کہاں کا اسلام کیسی ملت مجوسیت کو نہال کیجئے
مزے سے الّو کا گوشت کھا کر پھوپھی بھتیجی حلال کیجئے (سیف المصطفیٰ صفحہ۵۶)

"ہٹ دھرمی"

سابق والی محمد آباد نے بھی کچھ اسی قسم کی گل افشانی کی جس پر امام احمد رضا نے مواخذہ کیا تحریر کا آخری پیراگراف ملاحظہ کریں

" ص۴۲ پر صاحب درمختار کو ان لوگوں میں داخل فرمایا جو صلواۃ الرغائب اور نماز نصف شعبان کو بدعت منکرہ کہتے ہیں۔ یہاں بھی درمختار دیکھنے کا تصدیعہ نہیں دیتے مگر جناب ڈپٹی المجسٹریٹ بہادر کے رسالہ امداد المسلمین پر ذرا نگاہ روبرو ہو جائے کہ

ص۱۲ پر فرماتے ہیں" بعض فقہاء جیسے صاحب درمختار وغیرہ نے حدیث پر اعتماد کر کے جواز لکھ دیا ہے۔ الغرض۔

رحم آتا ہے حیا مجھ کو تری غربت پر
خوب شوخی نے لٹائی ہے کمائی تیری

(سیف المصطفیٰ ص۸۱)

"بوکھلاہٹ" علم و استدلال کے میدان میں علمائے دیوبند نے امام احمد رضا کی تصنیفات کے جواب لکھے۔ مگر بوکھلاہٹ میں اپنی پچھلی تحریروں کی خود ہی تردید کر گئے۔ چنانچہ تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم کو ایک ساتھ رکھئے تو ان میں بے شمار مسائل ایک دوسرے سے متصادم ہیں۔ انھیں بوالعجبیوں کا ذکر تھا جس پر امام نے یہ شعر ثبت فرمایا۔

گہ بت شکنی گاہ بمسجد زنی آتش
از مذہب تو گبر و مسلماں گلہ دارند

"زند روبہ لنگ لاف شکار" میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام تعظیمی کا ثبوت دیتے ہوئے سینکڑوں دلائل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"اب منصف انصاف کرے علماء مکہ و مدینہ و جدہ و حدیدہ و روم و شام و مصر و دمیاط و یمن و زبید و بصرہ و حضر موت، و حلب و حبش و بربر و زنج و بمرع و کردو داغستان و اندلس و ہند کا اتفاق ارباب عقول کو قابل قبول نہ ہوگا ــــ؟ تعصب نہ کریں تو ہم ایک تدبیر بتائیں ذرا اپنے دل کو خیالات این و آں سے رہائی دیجئے۔ اور آنکھیں بند کر کے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجئے۔ کہ گویا یہ سینکڑوں اکابر ایک وقت میں سب کے سب زندہ موجود ہیں۔ اور اپنے مراتب عالیہ کیساتھ ایک مکان عالیشان میں جمع ہوئے ہیں۔ اور ان کے سامنے مسئلہ قیام پیش ہوا ہے۔ اور ان سب نے یک زبان ہو کر بآواز بلند فرمایا ہے کہ بیشک مستحب ہے۔ وہ کون ہے جو اسے منع کرتا ہے؟ ذرا ہمارے سامنے آئے۔ اس وقت انکی شوکت و جبروت خیال کیجئے۔ اور مشتے چند مانعین ہندوستان میں ایک ایک کا منہ چراغ لیکر دیکھئے ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جا کر ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے۔ اور یوں تو ــــــــ

چوں شیراں بر فتند از مرغزار
زند روبہ لنگ لاف شکار

(اقامۃ القیامۃ ص۲۱-۲۲)

آؤ چلیں سلطان الہند کے دربار میں

اجمیر مقدس ایشیا کی وہ واحد زیارت گاہ ہے جہاں لاکھوں کی تعداد میں عقیدتمند جمع ہوتے ہیں اور گوہر مراد حاصل کرتے ہیں فیوض و برکات کی ایک پُر جوش نہر جاری رہتی ہے ہر شخص اپنی بساط بھر لیکر ہی واپس ہوتا ہے

خواجہ نگری جانے سے پہلے لوگ کسی ایسے رہبر اور گائڈ کی تلاش میں رہتے ہیں جو معمولات عرس خواجہ سے اچھی طرح بہرہ مند کرا سکے بیت النور اجمیر میں ایک خاندان ایسا بھی ہے جس کے توسل سے حاضری کی سعادت حاصل کرنے کی گزارش خاندانِ اشرفیہ کے اکابرین نے کی۔ اور خود صاحبِ سجادہ سرکار کلاں آستانہ اشرفیہ دامت فیوضہم نے اپنے پرسنل لیٹر ہیڈ پر ان الفاظ میں ہدایت فرمائی ہے

منجانب اکابرین خاندان اشرفیہ

اعزاز رشد سید محمد ہادی صاحب سلمہ کے والد ماجد مولانا سید محمد غلام علی معینی علیہ الرحمہ کے تعلقات جو ہمارے آباء و اجداد وغیرہ سے تھے وہ تو تحریر سے ظاہر ہے ہمیشہ اعلیحضرت سیدی وجدی علیہ الرحمہ کا قیام انھیں کے مکان پر ہوتا رہا اور وابستگانِ سلسلہ اشرفیہ کے قیام و زیارت کی خدمات انجام دیتے رہے آج بھی بالائے جھالرہ بیت النور ہی میں قیام رہتا ہے لہٰذا تمام سلسلہ اشرفیہ کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اجمیر شریف پہونچ کر سید محمد ہادی صاحب و سید محمد مہدی صاحب سلمہا یہ دونوں بھائی ہیں۔ انھیں کے ذریعہ سے آستانہ کی حاضری کی سعادت حاصل کریں دستخط

سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین کچھوچھہ شریف فیض آباد دستخط سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ دستخط سید محمد مظفر حسین کچھوچھہ شریف دستخط سید محمد مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھہ شریف فیض آباد دستخط سید اظہار اشرف کچھوچھہ شریف

امام احمد رضا

وہ مینارۂ نور ہیں

جن سے آنے والی نسلیں

ہم سے زیادہ نور حاصل کریں گی

شاہ محمد الحاج محمد یوسف

چیئرمین : بمبئی سٹی ویورس کوآپریٹیو سوسائٹی

صدر : مہاراشٹر پاورلوم ویورس ایسوسی ایشن صدر : آل انڈیا مومن کانفرنس مہاراشٹر اسٹیٹ

نائب صدر : پروگریسیو پاورلوم ویورس سوسائٹی بمبئی سکریٹری : آل انڈیا پاورلوم ویورس فیڈریشن

اللہ رکھا بلڈنگ ہنس روڈ، بمبئی ۴۰۰۰۱۱

فون نمبر : ۳۹۴۱۳۸

اے بہار گلستانِ شرع متیں ایک آنور ہی مداح تیرا نہیں

ہیں کھڑے دور تک ہدیۂ دل لئے کارواں کارواں قافلے قافلے

تأثرات

(اپنے اور پرائے)

امام احمد رضا قبلۂ اھل دل[1]

امام احمد رضا عالم با عمل[2]

امام احمد رضا ایک فاضل اہل حدیث کی نظر میں[3]

امام احمد رضا اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں[4]

امام احمد رضا

قبلہ اہلِ دل

ڈاکٹر نسیم قریشی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

مدیر مکرم ـــــ سلام نیاز ـــــ یہ حقیر و بے مایہ تحریر محض نذرِ عقیدت ہے ـ کاش میں سیر حاصل مضمون لکھ سکتا، تحریر اگر شائع بھی نہ ہو تو مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ مجھے تو نذر عقیدت پیش کرنا تھی، سکون دل میسر آگیا ـــــــــــــــــــ نیاز کیش: نسیم

ایک تاثر، حسین و خوش گوار تاثر، دلنواز، روح پرور جو ایک نقش تابندہ بن کر ذہن کے پردوں پر مرتسم ہوگیا ہے ـ بزم سیرت پاک تھی، فضائل و شمائل ختمی مآب کی جلوہ سامانیاں چشم تصور کے سامنے حیات انسانی کا وہ گوشۂ جمیل ضو فشاں ہو رہا تھا جس نے رہتی دنیا تک کے لئے نورانی فکر اور پاکیزہ عمل کی ایک شاہراہ بنا دی ہے۔ انسانیت کے فروغِ کمال اور صلاح و فلاحِ دارین کی راہ ـــ ہادی برحق، مقتدائے انسانیت، شفیع محشر کا ذکرِ پاک۔ روحانی سرخوشی کی ایک جوئے حیات افزا تھی کہ پڑی بہہ رہی تھی۔ اسی عالم کیف و مستی میں، عرض نیاز، سرشاری و سپردگی، الفت و عقیدت کا ایک ترانۂ شوق تھا کہ بلند ہوا ـ

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

طبیعت بے اختیار وجد کر اٹھی۔ ذہن کے دریچے بہار ابد کی جاں فزا ہواؤں کے لئے کھل گئے۔ وجود کا ذرہ ذرہ سحاب سرمدی کی سرشاریوں میں ڈوب گیا۔ کیا نغمہ، کیا نظم، کیا والہانہ سلام، لفظ و بیان کے پیچ و خم ہیں کہ نیاز مندی کی تہ در تہ کیفیتوں میں ہُمک اٹھے ہیں۔ حسن معنی ہے کہ حسن عقیدت میں سمو کر زمزمۂ داؤدی کے پیکر میں ڈھل گیا ہے۔ سرورِ کائنات کے حضور شرفِ باریابی حاصل ہے۔ لوائے شوق نغمۂ والہانہ بن گئی ہے، ذوق فدائیت شباب پر ہے۔ شیفتگی و نیاز کیشی، ہمہ آواز، ہمہ سرورِ مستانہ، ہم ارتعاشِ قلب مضطر ہوگئی ہیں۔ روحانی سرمستی کے عالم میں حضرت رضا خلد آشیانی کی زبان حقیقت ترجمان سے جو حرف نکلا ہے، باغ کامرانی کا سدا بہار پھول بن گیا ہے۔

نعت گوئی ادبیات انسانی کا ایک بے انتہا بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ نازک خیال شاعروں اور چابکدست ماہرین فن نے سرمایہ عقیدت کو وہ آب و رنگ دیا ہے۔ یہ اپنا انداز چمن طرازی فکر و بیان کی ہے کہ طبیعت جھوم جھوم اٹھتی ہے۔ کتنی عظیم سعادت آئی ہے، حضرت رضا کے حصہ میں کہ وہ مقبولین بارگاہ الٰہی اور نظر کردگان رسالت پناہی کے اس محبوب زمرہ میں ایک مقام خاص رکھتے ہیں۔ ایسا بلند مقام کہ انہیں حسان الہند کے مبارک لقب سے یاد کئے بغیر ان کے بے پناہ جذبۂ عشق رسول، ان کی وجد آفریں، ,, نعت گوئی کے ساتھ انصاف ہو ہی نہیں سکتا۔ محمدی لوائے عظمت ابد کی چوٹیوں پر سرمدی شان سے لہرا رہا ہے اور اس کے مقدس سائے میں حضرت رضا بریلوی جاوداں کامرانیوں سے سرفراز و شاد کام ہو رہے ہیں۔

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے۔

امام احمد رضا

عالم باعمل

(خطیب اہلبیت مولانا سیّد عبّاس رضوی بمبئی)

تقریباً ڈیڑھ سو یا پھر دو سو سال کا زمانہ کہیئے، تاریخ اسلام میں عجیب اہمیت رکھتا ہے اس لیے کہ اہل بیت اطہار یوں تو ہر دور میں مظلوم رہے ہیں لیکن اس ڈیڑھ دو سو سال کے عرصہ میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم کانہ کو خود مسلمانوں کے پڑھے لکھے گروپ سے ایسا سیاہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا جس سے بچنا، نپٹنا، سرخرو ہو کر شعلوں سے نکل آنا، دشمن کو چاروں خانے چت کرنا معمولی دل گردے والے کا کام نہ تھا۔

سنہ ۱۸۵۰ء سے سنہ ۱۹۱۵ء تک کا وہ خطرناک دور تھا جب ندوۃ العلماء کا سرد فلسفہ اور دارالعلوم دیوبند کی مسموم فضا نے ہر خشک و تر کو ایسا بدترین موقعہ فراہم کر دیا تھا کہ خود انگریزی حکومت نے ہندوستان میں بھلے، خاصے چنگے خاموش طبع پنجابی نوجوان کو پیغمبری کا دعویدار بنا دیا۔ کرشن، گوتم، رام اور عیسٰی بنا دیا ظلی نبوت کی بیجان روح پھونکدی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب دیوبند سے تعزیہ داری، مرثیہ خوانی، مجلس شہادت، تقسیم شربت و فاتحہ و درود کے لیئے کیسے کیسے تاید ادفتاوے صادر ہوئے۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فقہی مسائل میں مے وانگبیں کی لاگ کو پسند فرمایا گیا۔ اور پنجابی نبوت کے دعویٰ پر بڑے بڑے دو زانو ہو کر منزلیں طے کرنے لگے۔ اسی زمانہ میں تو سر ظفر اللہ خاں صاحب کی والدۂ محترمہ بغیر شوہر کی اجازت طلب کئے لاہور سے قادیان آکر بیعت سے مشرف ہوئیں۔ منکر ختم نبوت کی گستاخیاں حد سے تجاوز کرنے لگیں۔ قرآن حکیم کی عجیب عجیب مضحکہ خیز تفسیریں و تاویلیں کیجانے لگیں۔ اسلام میں صوفی ازم کو زک پہنچانے کی آڑ میں دراصل خود شجرِ اسلام پر کلہاڑی چلائی جا رہی تھی۔ اور یہ وہی شجرِ اسلام تھا جس کو خشک ہونے سے بچانے کے لئے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے نے اپنے خون سے اس کی آبیاری کر کے اسے شاداب زندگی بخشی۔

تاریخ کا مطالعہ اگر بغور کیا جائے تو بہت جلد واضح ہو جاتا ہے کہ دراصل ایک فرد کی ذات کو نیچا دکھانے کے لیے کیسے کیسے ذلیل حربے استعمال کیئے گئے ...نکہ خطرہ دشمنانِ دینِ مبین کو وحدانیت کے تصوّر سے نہ تھا، ہمہ اوست سے جنگ نہ تھی سجدۂ تعظیمی سے بیر نہ تھا بلکہ اِن سب کی روحِ اعظم حُبِّ اہلبیت سے کد تھا ایسے کڑے وقت میں بریلی کے متموّل تعلیم یافتہ بزرگ خاندان سے احمد رضا خانصاحب قبلہ کی ذاتِ گرامی نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ زبردست جہادِ اولیٰ کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے تن تنہا اتنے عظیم طوفان کا مقابلہ کیا۔ اقبال جیسے مفکر سے لوہا منوایا۔ غیروں سے تائید کرائی۔ اکابرین علمائے مکّہ معظّمہ و مدینہ منورہ سے مہر تصدیق ثبت کرائی، مرثیہ خوانی، مجلس، تبرّک درود فاتحہ کی اہمیت کو عملی طور پر اُجاگر کر کے زمانہ کو شعبدہ بازی کی بھول بھلیوں سے نکال کر اپنے عاشقِ رسولِ اکرم اور محبّعِ اہل بیت ہونے کا عظیم ثبوت دیا

مولانا احمد رضا خاں صاحب قبلہ نے ناموس عترت اور تحفظِ ذکرِ اطہار کے لئے وہ عظیم کام کیا جو کسی شیعہ مجتہد سے بھی ممکن نہ تھا۔ ہندوستان میں آج جو مجالس محرم قایم ہیں اُسکے وجود کی بقا کے سلسلہ میں مولانا احمد رضا کی بے لوث خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت کا کلام پڑھیے تو پتا چلتا ہے کہ اُنہیں پنجتن پاک سے کس قدر عشق تھا ائمۂ اہلبیت سے کتنا لگاؤ تھا۔ اُن کا کلام عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور ہمارے لئے ایک سبق ہے۔

کیوں نہ مبارک ہو وہ ذاتِ گرامی جسکا نام حمدیت کے ایقان سے لبریز ہو کر احمد سے شروع ہوا اور عرفانِ رضائے حق شیوۂ کردار کا حُسنِ اختتام ہو۔ واللہ کچھ نہ بھی سہی پھر بھی ہمیں تو اس نام نامی سے صرف اس لیئے عقیدت ہے کہ اُسنے اپنے نام کی پھر پور لاج رکھی اور اپنے کام کو اپنے نام سے ہمیشہ وابستہ رکھا گویا اُن کا کام اُنکے نام کا رہین منت ٹھیرا۔ کسی بھی مدرسۂ فکر و خیال کے علماء ہوں مولانا احمد رضا خانصاحب کا نام سُنکر گردن نہ سہی دل ضرور خم کر دیتے ہیں اور یہ ایک ادنیٰ اعجاز ہے محبتِ اہلبیت ہونے کا۔ سچ تو یہ ہے کہ مولانا احمد رضا جیسے مُحبِّ اہلبیت بزرگ صدیوں کے الٹ پھیر میں بھی پیدا نہیں ہوتے۔ قدرت انکو ایک خاص مقصد سے پیدا کرتی ہے۔ اور یہ خود دینِ فطرت کی خدمت کیلئے وجود میں آتے ہیں۔ المیزان مولانا احمد رضا نمبر نکال کر ایک بڑی خدمت انجام دے رہا ہے۔ مجھے عدیم الفرصتی کی بنا پر وقت نہ مل سکا جو کچھ محسوسات ہے وہ یونہی چلتے چلتے سفر پر جانے سے قبل پیش کر دیئے ہیں۔ خُدا اس نمبر کو کامیاب فرمائے۔

امام احمد رضا

ایک فاضل اہلحدیث کی نظر میں

از: ڈاکٹر پروفیسر محی الدین الوائی جامعہ ازہر مصر

ڈاکٹر محی الدین الوائی ازہر یونیورسٹی میں تقریباً بیس سال سے دینی اور علمی خدمات میں مصروف ھیں الوائی صاحب کی شخصیت علماء ازہر اور ہندوستانی علماء میں تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ پروفیسر موصوف بیک وقت اردو، ہندی، ملیالم، عربی اور انگریزی جیسی زبانوں پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ حسن ادا اور شوکت الفاظ کی خوبیاں ان کی زبان میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ موصوف مسلکاً اہل حدیث ہیں لیکن ان کی وسیع القلبی اور وسعت نظری کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اہل حدیث ہونے کے باوجود امام احمد رضا کی تبحر علمی کا برملا اظہار کیا۔ ڈاکٹر الوائی کا یہ عربی مقالہ قاہرہ سے شائع ہونے والے مشہور جریدہ صوت الشرق ص ۱۶ - ۱۷ شمارہ فروری ۱۹۷۰ء میں اشاعت پذیر ہوچکا ہے۔ قارئین المیزان کے سامنے مکرمی محب الحق اعظمی بی۔یو۔ایم۔ایس طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے تفصیلی اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

کاش اکابرین دیوبند بھی وسعت نظر اور روشن خیالی میں پروفیسر محی الدین الوائی کے شانہ بشانہ چلتے اور تعصب اور تنگ نظری سے ہٹ کر امام احمد رضا کی انقلاب آفریں ذات کا مطالعہ کرتے تو انھیں پتہ چلتا کہ فاضل بریلوی نے برصغیر ہندوپاک کے لئے علوم و فنون کے کس قدر خزانے چھوڑ کر آنکھیں بند کی ہیں۔

(ایڈیٹر)

شخصیات اِسلامیة مِنَ الهِند

مولانا احمد رضا ـــــ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

یعد مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمة الله علیه من طلیعة علماء الهند المسلمین الذین ساهموا مساهمة فعالة فی خدمة العلم والدین واللغة العربیة فی انحاء مثبتة القارة الهندیه، وله صفحات مجیدة فی تاریخ نشر العلوم العربیة واسلامیة فی ربوعها وقد وضع مولفات عدیدة فی التفسیر والحدیث والفقه وعلم الکلام والتصوف، وغیرها من العلوم الاسلامیة، کما

جن علمائے ہند نے مروجہ علوم عربیہ و دینیہ کی خدمات میں اعلیٰ قسم کا حصہ لیا ہے ان میں مولانا احمد رضا خانصاحب کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ علوم عربیہ اسلامیہ کو آراستہ کرنے میں آپ کا بہترین ریکارڈ ہے۔ آپ نے جس طرح علم فقہ، تفسیر، حدیث و کلام، تصوف وغیرہ علوم فروعات میں تصنیفات فرمائی ہیں اسی طرح آپ کی بہت سی تصانیف ادب مثلاً صرف بلاغت، شعر وانشاء میں بھی ہیں۔ نیز علوم عقلیہ۔ مثلاً منطق

ان له مولفات فی فروع الادب من صرف وبلاغة وشعر
وانشاء وقد صنف ایضا فی العلوم العقلیة
کالمنطق وعلم الهیئة والحساب والحکمة الطبیعة
وغیرها:

ولد احمد رضا خان فی العاشر من شوال سنة ۱۲۷۲ھ
الموافق ع الیونیة سنة ۱۸۵۶ء وقد سمی (محمد) عقب
ولادته ثم اشتهر بلقب (اعلیٰ حضرت شاہ
احمد رضا خان) وکانت عائلته قد انحدرت من
بلدة (قندهار) بافغانستان الی الهند فی عهد
المغول فیها، وکان والده عالماً جلیلاً ذا ورع وتقی۔

ویقال ان مولانا احمد رضا خان قد حفظ القرآن
الکریم کله فی مدة شهر واحد، ونبغ فی مبادیء
العلوم الاسلامیة والعربیة والتاریخ والحساب
وغیرها تحت اشراف والده قبل ان یتجاوز
سن الرابعة عشرة وکان من اساتذته المشهورین۔

۱۔ مولانا عبد العلی رامپوری
۲۔ والشیخ ابوالحسین نوری مارهروی
۳۔ والسید مرزا غلام قادر بك رحمة الله علیهما

میلة الی التصوف

وقد بدت فی سلوك احمد رضا منذ الصغر آثار
الزاهد فی متعه الحیاة الدنیویة والتمسك بالاخلاق
الفاضلة والتواضع والحلم فی معاملاته مع الناس،
وفی عام ع ۱۱۲۹ صبح مریداً عاملاً علی ید الصوفی الکبیر
قطب الزمان سید شاه نوری رحمة الله علیه وقد
تجلت مظاهر الورع والتقی والتصوف الخالص فی
نشاط العلمی حتی ذاع صیته فی ارجاء الهند ویداء
طلاب النور والعرفان یفدون الیه من شتی البقاع

سفرة الی الحرمین

وقام الشیخ احمد رضا بحجة الی بیت الله الحرام
وزیارة الروضة النبویة مرتین وقد اتاحت له
هاتان الرحلتان الفرصة للقیام بزیارة المراکز العلمیة

ہیئت، حساب، فلسفہ وغیرہ علوم پر بھی آپ نے قلم
اٹھایا ہے۔

پیدائش

احمد رضا خاں ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء
کو ہوئی۔ آپ کا نام ولادت کے بعد محمد رکھا گیا پھر آپ اعلیٰ حضرت شاہ
احمد رضا کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کے اسلاف افغانستان کے مشہور شہر قندھار سے
دور مغلیہ میں ہندوستان آئے تھے۔ آپ کے والد عالم
جلیل اور صاحب زہد وتقویٰ تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے صرف
ایک ماہ کی قلیل مدت میں پورا قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔
آپ چودہ سال کی عمر میں بنیادی علوم اسلامیہ، عربیہ، تاریخ
حساب وغیرہ اپنے والد سے حاصل کئے۔ آپ کے مشہور اساتذہ
میں یہ ہیں۔

۱۔ مولانا عبد العلی رامپوری
۲۔ شیخ ابوالحسین نوری مارہروی
۳۔ سید مرزا غلام قادر بیگ صاحب رحمۃ اللہ علیہما ہیں

تصوف کیجانب رجحان

احمد رضا بچپن ہی سے دنیاوی آرائشوں کی طرف ملتفت نہ تھے
لوگوں سے معاملات میں حلم تواضع بلند اخلاقی کے ساتھ پیش
آتے تھے۔ ۱۲۹۴ھ میں آپ قطب زماں حضرت مولانا سید شاہ
آل رسول رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔

آپ کی علمی سرگرمیوں میں تصوف، اتقاء پرہیزگاری کے
بہترین نمونے ہیں۔ جس کی بنا پر آپ بہت جلد سارے ہندوستان
میں مشہور ہوگئے اور آپ کے پاس نور ومعرفت کے پروانے
ہر طرف سے آنے لگے۔

سفر حرمین

شیخ احمد رضا ... دو مرتبہ حج بیت اللہ وزیارت روضہ نبوی
کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنے دونوں سفروں میں عرب
کے اسلامی وعلمی مرکزوں کو بھی دیکھا اور وہاں کے علماء سے ملاقات

فی بعض البلدان العربیة والاسلامیة، والاتصال
بعلمائها والتشاور معهم فی شؤن الدین والعلم. واثناء
زیارته للبلاد العربیة، نال اجازة اجازة لروایة الاحادیث
النبویة من بعض مشاهیر علماء الحدیث فی الحجاز من
اسانیدهم، کما اجازهو بنفسه لبعض هولاء العلماء
حق روایة الحدیث من اسانیده الخاصة۔

نبوغة فی الریاضیات

وجدیر بالذکر ان مولانا احمد رضا خان قد
امتاز عن کثیر من اقرانه ومعاصریه العلماء
فی الجمع بین العلوم النظریه والعلمیه ومما
یدل علی مهارته فی الریاضیات والحساب والجبر
وغیرها۔ ان العالم الریاضی الشهیر الدکتور
ضیاء الدین وکیل جامعة علیگرة الاسبق
وامثاله کانوا یذهبون الیه لحل بعض المشکلات
العویصة فی المسائل الحسابیه والهندسیه
ویحکی الدکتور ضیاء الدین انه قد واجه فی
احدی تجاربه الحسابیه مشکلة عویصة
فقرر ان یسافر الی جرمنی لیناقش هذه
المسالة مع احد اساتذته المعروفین هناك
وأثناء سفره الی مینا بومبائی قابل الدکتور
ضیاء الدین فی القطار ومولانا احمد رضا خان
بالمصارفة وما کان یعرف عنه حینذاك الاانه
عالم دینی متین وصوفی جلیل فتحرك الیه
الدکتور ضیاء الدین عن وجهة رحلته وغرضة
منها فطلب منه مولانا احمد رضا ان یشرح
المشکلة فاذهو لیحلها بکل سهولة ووضوح
فاعجب به الدکتور ضیاء الدین ومنذ ذلك
الحین اصبح من المشرددین الیه کلما صادفته
مشکلة من مشکلات العلوم النظریة او العلمیة

کی۔ علوم اور معاملات دینیہ میں مشورے بھی کئے، حجاز کے مشہور
علماء حدیث کی مخصوص اسانید سے حدیث روایت کرنے کی
اجازتیں بھی حاصل کیں۔ اور خود بھی اپنی مخصوص اسناد سے وہاں کے
علماء کو حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔

علم ریاضی اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین

مولانا محمد حسین صاحب میرٹھی بانی طلسمی پریس بیان کرتے ہیں کہ مسلم
یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر سر محمد ضیاء الدین صاحب
مرحوم جنھوں نے ہندوستان کے علاوہ یورپ کے ممالک میں تعلیم
پائی تھی اور علم ریاضی میں کمال حاصل تھا۔ ہندوستان میں کافی شہرت
رکھتے تھے۔ اتفاق سے ان کو ریاضی کے کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا۔ ہرچند
کوشش کی مگر مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ کیونکہ صاحب حیثیت اور علم کے شائق
تھے اس لئے قصد کیا کہ اس کو جرمنی جاکر حل کرائیں۔ حسن اتفاق انھوں نے
استاذ العلماء سید شاہ سلیمان اشرف صاحب بہاری پروفیسر شعبۂ
دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اس کا تذکرہ کیا۔ مولانا نے مشورہ دیا کہ
آپ بریلی جاکر اعلیٰحضرت امام احمد رضا سے دریافت کیجئے انشاء اللہ وہ
ضرور حل فرما دیں گے۔ سر ضیاء الدین صاحب نے کہا کہ مولانا یہ آپ
کیا فرما رہے ہیں کہاں کہاں تعلیم پاکر میں آیا ہوں اور حل نہ کر سکا اور آپ
ان صاحب کا نام لے رہے ہیں جنھوں نے غیر ممالک تو کیا اپنے شہر کے
کالج میں بھی تعلیم حاصل نہ کی بھلا وہ کیا حل کر سکتے ہیں۔ دو چار روز کے بعد
مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے ان کو پریشان دیکھ کر دوبارہ
یہی مشورہ دیا لیکن وائس چانسلر صاحب نے کہا کہ وہ کیا حل کر سکتے
ہیں۔ اور یورپ جانے کی تیاری شروع کر دی۔ مولانا موصوف نے جب
تیسری بار بریلی جانے کو فرمایا تو وہ غصہ بھرے لہجے میں بولے کہ مولانا عقل
بھی کوئی چیز ہے آپ مجھے کیسی رائے دے رہے ہیں اس پر مولانا نے فرمایا
کہ۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے اتنے بڑے سفر کے لئے، بریلی جانا تو کوئی
چیز نہیں ہے علی گڑھ سے سیدھی گاڑی جاتی ہے چند گھنٹے کا سفر ہے
آپ وہاں ہو تو آئیں ۔۔۔ پھر تو ان کی سمجھ میں بات آگئی چنانچہ حضرت
مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کو لے کر مارہرہ شریف پہونچے اور وہاں
سے اعلیٰحضرت کے پیرزادہ والا درجت جناب سید مہدی حسن میاں صاحب
سجادہ نشین کو لے کر بریلی شریف اعلیٰحضرت کے دولت کدے پر پہونچے

اور اندر اطلاع بھیجی۔ ان دنوں اعلحضرت کی طبیعت ناساز تھی۔ اس لئے سید مھدی حسن صاحب نے کہلا بھیجا کہ میں آپ کو دیکھنے کو آیا ہوں فوراً پردہ کرادیا گیا۔ اور یہ تینوں حضرات اعلحضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اعلحضرت نے حضرت سید مھدی حسن میاں کی تعظیم و توقیر شایان شان فرمائی اور مولانا سید سلیمان اشرف صاحب کے بھی بوجہ سیادت تعظیم کی اور جناب وائس چانسلر سر ضیاء الدین صاحب سے بھی مزاج پرسی فرمائی اور ان کی غرض دریافت کی تو ڈاکٹر نے بتایا کہ میں ریاضی کا ایک مسئلہ حل کرنے آیا ہوں۔ اعلحضرت نے فرمایا۔ پوچھئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ ایسی بات نہیں ہے جسے میں اتنی جلدی عرض کردوں۔ اعلحضرت نے فرمایا کہ آخر کچھ تو فرمایئے۔ غرض ڈاکٹر نے سوال پیش کر دیا۔ اعلحضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ اسکا جواب یہ ہے۔ یہ سن کران کو حیرت ہوگئی اور گویا آنکھ سے پردہ اٹھ گیا اور بے اختیار بول اٹھے کہ میں ۔۔۔ سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی چیز ہے آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میں تو اس مسئلے کے حل کے لئے جرمنی جارہا تھا۔ لیکن ہمارے پروفیسر جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری رہبری فرمائی۔ مجھے جواب سن کر تو ایسا معلوم ہورہا ہے کہ جناب اس مسئلے کو کتاب میں دیکھ رہے تھے سنتے ہی فی البدیہ تشفی بخش نہایت اطمینان کا جواب مرحمت فرمادیا پھر ڈاکٹر صاحب بہت شاداں و فرحاں علی گڑھ واپس تشریف لے آئے۔

شاعری و علوم

پرانا مشہور مقولہ ہے کہ شخص واحد میں دو چیزیں تحقیقات علیہ نازک خیالی نہیں پائی جاتی۔ لیکن مولانا احمد رضا کی ذات گرامی اس تقلیدی نظریہ کے عکس پر بہترین دلیل ہے آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے جس پر آپ کے دیوان "حدائق بخشش" "حدائق العطیات و مدح رسول" بہترین شاہد ہیں۔ اس کے علاوہ فلسفہ علم فلکیات، ریاضی اور دین وادب میں آپ ہندوستان میں صف اول کے ممتاز علماء اور شعراء میں تھے۔

تصنیفات

آپ کی تصنیفات مطبوعہ وقلمی عربی، فارسی اردو زبانوں میں ایک ہزار سے زائد ہیں جن میں سے ہم چند کا تذکرہ کرتے ہیں۔

العالم الشاعر

قديما قيل ان التحقيق العلمى الاصيل والخيال الذهنى الخصيب لا يجتمعان فى شخص واحد، ولكن مولانا احمد رضا كان قد برهن على عكس هذه النظرية التقليدية، فكان شاعراذ خيال خصيب وتشهد له بذلك دواونيه الشعريه باللغات الفارسية والاردوية والعربية وديوانه المعروف باسم "حدائق بخشش" "حدائق العطيات" "ومدح الرسول" مشهور فى اوساط شعر الهند بجانب مؤلفاته القيمة فى علوم الفلسفه والفلك والرياضة والدين والادب۔

مؤلفاته

ويبلغ مجموع مؤلفاته، مابين مخطوط ومطبوع حوالى الف كتاب فى مختلف اللغات، ونشيرهنا الى بعض مؤلفاته العربية

١- الزلال الانقى عن بحر سفينة التقى فى علم التفسير
٢- حاشية تفسير البيضاوى
٣- حاشية تفسير خازن
٤ حاشية الدر المنثور
٥- حاشية معالم التنزيل
٦- مدارج طبقات الحديث
٧- حاشية البخارى
٨- حاشية مسلم
٩- حاشية الترمذى
١٠- الروض البهيج فى آداب التخريج

وله مؤلفات فى خمسين فنا من الفنون العديدة ومن اغرب هذه الفنون التى الف فيها مولانا احمد رضا علم الزيجات وعلم الجبر والمقابلة وعلم طبقات الارض، وقد جمعت الفتاوىٰ الشرعية التى اصدرها مولانا احمد رضا فى شتى المسائل الفقهية، فبلغت احد عشر مجلداً وتعرف باسم (الفتاوىٰ الرضوية) ويقا لان معهدان علميان تخليد الزكرىٰ هٰذا العالم الجليل۔

احدهما "الجامعة الرضوية" بمدينة (بريلى) والاخر "المدرسة الامجدية" بمدينة، كراتشى ويعتبر كل منهما مركز اشعاع للعلوم العربية واسلامية۔

وفاتهٗ

توفى مولانا شاه احمد رضا خان رحمة الله عليه فى سنة ١٣٤٠ھ بعد حيات حافلة من انشاة العلمى والفكرى، وبعد ان لتوك ذخائر قيمة من نتاج لتجاربه العلمية والادبيه للاجيال القادمة ومازال ضريحة بمدينة (بريلى) الولاية الشمالية فى الهند مزار الم يديه ومحبيه۔

١- الزلال الانقیٰ عن بحر سفینۃ التقیٰ فی علم التفسیر
٢- حاشیہ تفسیر بیضاوی
٣- حاشیہ تفسیر خازن
٤- حاشیہ درالمنثور
٥- حاشیہ معالم التنزیل
٦- مدارج طبقات الحدیث
٧- حاشیہ بخاری
٨- حاشیہ مسلم
٩- حاشیہ ترمذی
١٠- الروضتہ البہیج فی آداب التخریج"

مولانا احمد رضا کی تصنیفات تقریباً پچاس فنون میں ہیں جن فنون پر آپ نے تصنیفات کی ہیں ان میں سب سے زیادہ نادر علم زیجات (وہ جدول جن سے ستاروں کی رفتار پہچانی جاتی ہے) وجبر ومقابلہ وعلم طبقات الارض ہے۔ مولانا احمد رضا نے اپنی زندگی میں جن فتاوی شرعیہ کو صادر فرمایا۔ انھیں کتابی شکل میں جمع کر لیا گیا ہے۔ تقریباً ١٢ جلدوں پر مشتمل ہے جس کا نام فتاویٰ رضویہ ہے۔ حضرت مولانا کی یادگار میں ٢ علمی مرکزی ادارے قائم کر دیئے گئے ہیں۔

١- جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف،
٢- دارالعلوم امجدیہ کراچی، جس میں سے ہر ایک علوم عربیہ اسلامیہ کی شعاعوں کا مرکز ہے۔

وفات

مولانا احمد رضا خاں آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تصنیفات کے قیمتی ذخائر وعلمی وفکری سرگرمیوں سے بھرے خزانے چھوڑ کر سنہ ١٣٤٠ھ میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرمایا۔ آپکا مزار بریلی میں مریدین ومحبین کے لئے ہمیشہ زیارت گاہ رہے گا۔

(بشکریہ صوت الشرق قاہرہ)

امام احمد رضا

اپنوں اور بیگانوں کی نظر میں

ڈاکٹر محمد اسد اکھیڑوی، پیلی بھیتی (علیگ)

جناب ڈاکٹر محمد اسد صاحب اکھیڑوی ضلع پیلی بھیت کے متوطن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طبیہ کالج سے ڈاکٹری پاس کیا اور اب ٹریننگ پریڈ میں ہیں۔ مصروفیت کے باوجود آپنے نہ صرف یہ کہ مضمون لکھا بلکہ مضمون کی فراہمی میں بے پناہ تعاون فرمایا۔ (ایڈیٹر)

اعلیٰ حضرت مولانا مولوی الحاج حافظ الحاج احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ کے نام نامی اسم گرامی سے کون واقف نہیں ہے آپ کے علم و فضل کے کمالات کی بلندیوں کا اعتراف دنیائے اسلام کے مشاہیر کر چکے ہیں۔ آپ کا قلم ایک طرف عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی وجہ سے نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نغمہ طراز ہے تو دوسری طرف ان اعتقادی گوشوں کی اصلاح کیلئے نشتر ہے جہاں ذرہ بھر نظریاتی خرابی دیکھتے ہیں ان دونوں مقامات سے گزر کر اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فقہی اور علمی میدان میں علمائے عرب و عجم سے اپنے کمالات کا لوہا منوایا ہے۔

مشاہیر ملت (اپنوں اور بیگانوں) کی اعلیٰ حضرت کے متعلق آراء پیش کی جاتی ہیں۔ جن آراء سے فاضل بریلوی کی مذہبی ملی اور سیاسی خدمات کا اظہار ہوتا ہے

- تیرہویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی جو ختم صدی سے پہلے علم و فضل کا آفتاب فضل و کمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب و عجم پر چھا گئی اور چودہویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلام میں اسکو حق و صداقت کا مینارۂ نور سمجھا جانے لگا بہری طرح سے سارے حل و حرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اس فضل و کمال کی گہرائی اور اس علم راسخ کے کوہ بلند کو آج تک کوئی نہ پا سکا۔ [1] (فخر خانوادہ اشرفیہ جناب حضرت محدث اعظم ہند علیہ الرحمتہ۔)

---

[1] مجدد اسلام مطبوعہ نوری بکڈپو ہمایوں باغ کانپور ص ۱۴۴ و ۱۴۵۔

امام احمد رضا، سید الفقہا حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد کی نظر میں

سیدی و مولائی اعلیٰ حضرت مولانا مفتی الشاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ العزیز اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین اور شیخ طریقت تھے۔ اگرچہ وہ جملہ علوم معقول و منقول میں امامت کے درجہ پر فائز تھے مگر فقہ ان کا خاص موضوع تھا۔ اور اس فن میں سندو پاک میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں اور خاص بات یہ ہے کہ عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکا قیمتی اور قابل قدر سرمایہ تھا اللہ تعالیٰ نے نو پیدا شدہ مذاہب و فرق کے استیصال اور تردید اور مذہب اہل سنت و جماعت کی تائید کیلئے اعلیحضرت کو منتخب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت نے اس شان کے ساتھ اسی خدمت کو سرانجام دیا کہ آج سندو پاک میں مذہب اہلسنت اپنی اصلی حالت میں جو نظر آرہا ہے محض ان کے تجدیدی کارناموں کا ثمرہ ہے۔ [1]

[1] مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ دائرۃ المصنفین لاہور ص ۵۷۔

امام احمد رضا سید مغفور القادری کی نظر میں

اعلیٰ حضرت کا علمی مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے تقریباً پچاس علوم و فنون میں ان کی سیکڑوں کتابیں موجود ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ہر موضوع پر ان کی کتابیں متن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ ایک تاریخی نا قابل فراموش و معانی فرد گزاشت ہوگی۔ اگر ہندستان کے اتنے بڑے عالم مفکر مصنف نعت گو اور سیاسی مدبر انسان کی زندگی کو صرف فکر و نظر کے اختلافات کی وجہ سے گمنامی کے گوشہ میں پھینک دیا جائے۔ [2]

[2] مقالات یوم رضا حصہ دوم دائرۃ المصنفین لاہور۔ ص ۶۳

امام احمد رضا عبدالستار خاں نیازی صاحب مدظلہ العالی جنرل سکریٹری جمعیۃ العلماء پاکستان کی نظر میں

حتیٰ کہ اعلیٰ حضرت سے شدید اختلافات رکھنے والے حضرات کو آپ کے علم و فضل غیرت ایمانی اور سیاسی تدبر کا اقرار کرنا پڑا ہے اور یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ قرآن و حدیث، تفسیر فقہ علم کلام تصوف اور سیاسیات ملکی میں فضل و کمال اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت ایک نہایت ہی بالغ نظر، متوازن الفکر و معتدل المزاج مفکر اسلام تھے جنہوں نے علم و کمالات نبوت کو توحید ربانی کا عکس قرار دیا۔ علم غیب پر ایسے محتاط انداز میں لب کشائی کی کہ مخالفین ایک دفعہ تو دم بخود رہ گئے اور خود ساختہ الزامات کی بیہودگی اور نامعقولیت ان کے سامنے الم نشرح ہو گئی۔ ۱

عبدالستار خاں نیازی مدظلہ العالی
جنرل سکریٹری جمعیۃ علمائے پاکستان

امام احمد رضا ملک شیر محمد خاں اعوان صاحب آف کالاباغ کی نظر میں

احمد رضا خاں کسی فرد واحد کا نام نہیں، تقدیس رسالت کی تحریک کا نام تھا۔ عامۃ المسلمین کے زندہ ضمیر کا نام تھا۔ عشق مصطفیٰ میں ڈوب کر دھڑکنے والے پاکباز با برکت اور پرسوز دل کا نام تھا۔ اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی احمد رضا خاں کا نام زندہ رہے گا۔ اس نام کو خدائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البسط چھاتی پر ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا ہے۔ اور اب حادثات حیات کا بیدار جھونکا اور زمانے کی کوئی سنگ دل ٹھوکر اسے مٹا نہیں سکتی۔

اعلیٰ حضرت کے مخالفین ان کے اپنے دور میں بے شمار تھے اور آج بھی لاتعداد ہیں مگر کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ نہ وہ اس وقت اس کا کچھ بگاڑ سکتے تھے اور نہ آج اس کے منور نام کی درخشندگی کم کر سکتے ہیں وہ جب رسالت کا قاسم تھا اس نے تقدیس رسالت کا درس دیا محبوب اقدس و اعظم کی شان محبوبیت سمجھائی۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا اور ہر موضوع پر داد تحقیق دی لیکن اگر وہ اتنی پرعظمت کتابیں نہ بھی لکھتے تب بھی صرف ان کا نعتیہ کلام ان کا نام زندہ رکھنے کیلئے کافی تھا۔ ۲

ملک شیر محمد خاں اعوان صاحب آف کالا باغ

امام احمد رضا مفتی اعجاز ولی صاحب رضوی علیہ الرحمۃ کی نظر میں

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری قدس سرہٗ میرے نزدیک اس صدی کے فقیہہ اعظم تھے۔ آپ متداول علوم عربیہ اور بیہ میں ماہر کامل فنون عقلیہ و نقلیہ میں ایجاد و اجتہاد پر فائز تھے۔ ۳

مفتی اعجاز ولی صاحب رضوی علیہ الرحمۃ

امام احمد رضا۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر میں

میرے دل میں احمد رضا کیلئے بیحد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔ ۴

اشرف علی تھانوی

امام احمد رضا صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کی نظر میں

علم فقہ میں جو تبحر و کمال حضرت ممدوح کو حاصل تھا اس کو عرب و عجم مشارق و مغارب کے علماء نے گردنیں جھکا کر تسلیم کر لیا۔ تفصیل تو ان کے فتوی دیکھنے پر موقوف ہے مگر اجمال کے ساتھ دو لفظوں میں یوں سمجھئے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم اسلام کے حوادث و قائع استفتا ر

---

۱ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں۔ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص ۲۵۹ - ۲۶۰۔
۲ محاسن کنزالایمان مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص ۲۵ - ۲۶
۳ مقالات یوم رضا حصہ اول۔ مطبوعہ دائرۃ المصنفین لاہور۔ ص ۵۳
۴ اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام۔ مطبوعہ لاہور۔

کیلئے رجوع کئے جاتے تھے۔ ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا وہی تمام بدمذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا۔ اہل باطل کی تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا۔ اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ [1]

امام احمد رضا سید انور علی صاحب ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی دنیائے اسلام کے زبردست عالم اور شیخ طریقت تھے۔ امام اہلسنت کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ اور اس مقام کے وہ صحیح طور پر مستحق ہیں۔ عالم اسلام میں آپ کے متبعین اور معتقدین لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کی شخصیت کے متعلق شبہات پیدا کرنے کیلئے آپ کے مخالفین نے جو الزامات عائد کئے تھے غالباً علوم اسلامیہ میں آپ کے تبحر علمی اور مذہب اسلام میں نومولود فرقہ وہابیہ کے متبعین کے افکار و خیالات کی نشاندہی میں آپ کی استدلالی قوت کی وجہ سے جو دن بدن آپ کی عزت و شہرت میں اضافہ ہو رہا تھا اس سے مخالفین جل رہے تھے۔ [3]

(سید انور علی صاحب ایم اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان)

امام احمد رضا پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کی نظر میں

فاضل بریلوی متبحر عالم اور بلند پایہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخن فہمی و سخن سنجی اور سخن گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ نے نعت گوئی کو مسلک شعری کے طور پر اپنایا۔ اور اس میدان میں خوب داد سخن دی۔ آپ کی نعتیں جذبات قلبیہ کا بے سروپا اظہار نہیں بلکہ آداب عشق و محبت کی آئینہ دار ہیں۔ اس حیثیت سے اردو ادب میں آپ نعت گو شعراء کے سرتاج ہیں۔ [4]

(پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مجددی)

غلام رسول گوہر صاحب مدیر ماہنامہ انوار الصوفیہ کی نظر میں

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و عملی اور نظری و فکری فضیلت و برتری کا سورج نہ صرف ہند و پاک کو اپنی نورانی شعاعوں سے روشن کر رہا ہے بلکہ ان شعلوں نے اہل عرب اہل حجاز کو علمی اور نظری و فکری لحاظ سے مستفید کیا ہے۔ وہاں کے اکابر و فضلاء نے آپ کی تصنیفات و تالیفات اور آپ کی تحقیقات اور تدقیقات سے متاثر ہو کر آپ کی مدح نہایت پاکیزہ الفاظ میں کی ہے۔ مثلاً شیخ اسماعیل علیہ الرحمۃ (حافظ کتب الحرام مکہ معظمہ) نے آپ کے حق میں لکھا ہے۔

”میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بیشک حق و صحیح ہے۔ [5]

غلام رسول گوہر صاحب مدیر ماہنامہ انوار الصوفیہ
(ضلع لاہور)

امام احمد رضا علامہ اقبال کی نظر میں

ہندوستان کے دور آخر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتویٰ ان کی ذہانت فطانت جودت طبع کمال فقاہت علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں۔ انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ گویا اپنے دور کے امام ابو حنیفہ تھے۔ [2]

(ڈاکٹر علامہ محمد اقبال صاحب مرحوم)

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد پنجم مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۴۔ [2] فتویٰ رضویہ جلد پنجم مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳ [3] فاضل بریلوی علماء کے حجاز کی نظر میں مطبوعہ لاہور ص ۲۳۹ [4] فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور ص ۸۵-۸۶ [5] ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور ضلع لاہور شمارہ دسمبر ۱۹۷۳ء ص ۳۲

امام احمد رضا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے۔ اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ؎۱

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب

امام احمد رضا جسٹس شمیم حسین قادری کی نظر میں

فاضل بریلوی عاشق رسول تھے اور یہی عشق رسول کا مسلک عام کرنے کی ضرورت ہے کہ سرور کائنات کی محبت نہ صرف اس دنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے بلکہ اگلی دنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔ قوم پر جب کبھی سیاسی اور تہذیبی مشکل کا وقت آیا تو علمائے کرام ہی آگے بڑھے اور انہوں نے قوم کیلئے قربانیاں دیں۔ ؎۲

(جسٹس شمیم حسین قادری ہائی کورٹ مغربی پاکستان)

امام احمد رضا، پیر محمد کرم شاہ ازہری ایم اے مدیر ضیائے حرم لاہور کی نظر میں

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ کی زندگی کے یہ چند سال جن کا گوشہ گوشہ علم و عمل کے نور سے منور ہے جن کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یاد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہے جو پند و موعظت اور ذکر و ارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے۔ جو پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو شرمسار کر تا گیا اور جو سمٹا تو عشق مصطفےٰ بن کر رہ گیا۔ یہی آپ کا ایمان تھا کہ جب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جان و ایمان اور روح دین ہے اس کے پرچار میں آپ نے اپنی ساری عمر صرف کردی۔ اس کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابلیتیں وقف کر دیں ؎۳

پیر محمد کرم شاہ ازہری ایم اے (ازہر) مدیر ضیائے حرم لاہور۔

امام احمد رضا علامہ علاء الدین صدیقی چیرمین آف اسلامی مشاورتی کونسل کی نظر میں

جس طرح ادیان عالم میں دین اسلام اسی طرح اسلام کے جملہ فرقوں میں اہلسنت کو خاص حیثیت حاصل ہے آپ نے مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا جب دین کی قدروں کو گرایا جا رہا تھا اس وقت مولانا الشاہ احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ آگے بڑھے اور انہوں نے دین کی قدروں کو ان کے صحیح مقام پر ثبات بخشا۔ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ امام اہلسنت تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو فاضل بریلوی کی زندگی کو مشعل راہ بنانا چاہیے۔ ؎۴

(علامہ علاء الدین صدیقی صاحب چیرمین آف اسلامی مشاورتی کونسل)

امام احمد رضا، ڈاکٹر عبد الوحید صاحب بی اے (آنرز) پی ایچ ڈی (لندن) کی نظر میں

احمد رضا خاں بریلوی مدرسہ کے بانی ۱۸۵۶ء/۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے محمد احمد رضا خاں نے علوم دینی و دنیوی کی تکمیل گھر پر اپنے والد مولوی

؎۱ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۴۰

؎۲ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۱۸

؎۳ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۳۲

؎۴ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۱۷

محمد نقی علی خاں سے کی۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے گئے درس و تدریس کے علاوہ مختلف علوم و فنون پر کئی کتابیں اور رسائل تصنیف و تالیف کئے جن میں بارہ جلد و فتویٰ رضویہ کا مجموعہ ہے۔ قرآن مجید کا ترجمہ بھی کیا، علوم ریاضی اور جفر میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بہت سی نعتیں اور سلام لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو وفات پائی مسلمانوں کا بریلوی فرقہ ان ہی کے نام سے موسوم ہے۔ ۱

ڈاکٹر عبد الوحید صاحب بی اے آنرز پی ایچ ڈی۔ (لندن)

مولانا ماہر القادری صاحب مدیر ماہنامہ فاران کراچی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے یہاں تک تک کہ ریاضی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ دینی علم و فضل کے ساتھ ساتھ شیوہ بیان شاعر بھی تھے۔ اور ان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔

مولانا احمد رضا کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع ہے

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں۔

جہاں استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔ ۲

(مولانا ماہر القادری صاحب ماہنامہ فاران کراچی)

امام احمد رضا، افتخار اعظمی صاحب کی نظر میں

احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذہین متبحر عالم تھے۔ وہ عالم دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے اس لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انہیں طبقہ اولیٰ کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جانی چاہئے۔ انہیں فن اور زبان میں پوری قدرت حاصل ہے۔ ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے۔ چونکہ رسول پاک سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدت احساس کے ساتھ ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار ہے۔ ۳

امام احمد رضا
ملک غلام علی نائب مودودی صاحب کی نظر میں

حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاوے کے مطالعے کے بعد اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے ۴

(ملک غلام علی نائب مودودی صاحب)

امام احمد رضا معین الدین ندوی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم اس دور کے صاحب علم و نظر علماء مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی مولانا نے جس دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جواب تحریر فرمائے ہیں اس سے ان کی جامعیت علمی بصیرت قرآنی استحضار ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے عالمانہ محققانہ فتاوے مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔ ۵

(معین الدین ندوی)

۱۔ اردو انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ فیروز سنز لمیٹیڈ لاہور ص ۸۶
۲۔ ماہنامہ فاران کراچی ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۴۴-۴۵
۳۔ ہفت روزہ شہاب لاہور ۲۰ نومبر ۱۹۶۲ء
۴۔ ارمغان حرم مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۴
۵۔ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ ستمبر ۱۹۴۹ء۔

امام احمد رضا

پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کراچی کی نظر میں

علامہ فاضل مولانا احمد رضا خاں بریلوی چودھویں صدی عیسوی کے نامور عالم اور مصنف تھے۔ ان کی تمام تر زندگی تصنیف و تالیف اور علوم اسلامیہ کی خدمت میں گذاری اور انہوں نے اپنے پیچھے تصانیف کا ایک گرانقدر ذخیرہ چھوڑا ہے جس کا بیشتر حصہ علم کلام عقائد اور فقہ پر مبنی ہے اگرچہ فاضل بریلوی تمام علوم متداولہ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے۔ مگر فقہ میں ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ ان کی فقہی جامعیت کا اندازہ ان کے فتویٰ سے ہوتا ہے۔

فاضل بریلوی نے حنفیت کی بڑے زور و شور سے تبلیغ و اشاعت کی اور اس میں ان کو اس قدر شہرت ہوئی کہ وہ ایک مکتبۂ فکر کے بانی قرار پائے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاضل بریلوی خاتم الحکماء مولانا فضل حق خیر آبادی اور مولانا فضل رسول بدایونی کے سلسلے کی آخری کڑی تھے۔ ؎۱

پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب کراچی

امام احمد رضا، مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب کی نظر میں

حضرت مولانا احمد رضا خاں مرحوم اس عہد کے چوٹی کے عالم تھے جزئیات فقہیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ قاموس الکتب اردو جو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم کی نگرانی میں مرتب کی ہے اس میں مولانا کی کتب کا ذکر کیا اور اس پر نوٹ بھی لکھے۔ ترجمہ کلام مجید اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ کا مطالعہ کرچکا ہوں۔ مولانا کا نعتیہ کلام پر اثر ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر سراج الحق P.H.D. تو مولانا کے کلام کے گرویدہ ہیں۔ اور مولانا کو عاشق رسول سے خطاب کرتے ہیں۔ مولانا کی دینی معلومات پر گہری نظر تھی۔ ؎۲

(مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب)

امام احمد رضا رئیس امروہوی کی نظر میں

مولانا الشاہ احمد رضا کی وسیع تصانیف کا مطالعہ تو میں نہیں کر سکا البتہ کچھ چیزیں ضرور دیکھی ہیں۔ میرا خیال شاہ صاحب اور دوسرے نقطہ ہائے نظر کے علماء کے متعلق یہ ہے کہ ہمیں چاہیے کسی بزرگ کی کچھ باتوں سے اختلاف بھی ہو جب بھی علم اور تاریخ میں ان کا جو حصہ شامل ہے اسے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا نیز تعمیری نقطۂ نظر میں اسکو سمجھتا ہوں کہ ہم مختلف مدارس فکر کی شخصیتوں کو اپنے خاندان ملت کے سرکار مان کر ان کی اچھی باتوں سے استفادہ حاصل کریں اور اگر کچھ باتیں ہمارے معیاروں پہ پوری نہ اتریں تو ان کو اچھالنے اور ان کو ذریعہ نفرت و نزاع بنانے کے بجائے ان سے صرف نظر کریں۔ یہ نقطۂ نظر ایسے عناصر کے متعلق نہیں جو توحید یا منصب رسالت یا ختم نبوت یا کسی اور بنیادی عقیدے کو مجروح کر کے جداگانہ راستہ نکالنے والے ہوں ؎۳

(رئیس امروہوی صاحب)

امام احمد رضا عبدالحئی صاحب کی نظر میں

فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر عبور حاصل کرنے میں اپنے زمانہ میں نامور روزگار تھے جس پر ان کے فتویٰ کا مجموعہ شاہد ہے نیز ان کی کتاب کفل الفقیہ .... جسے انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں قیام مکہ (معظمہ) کے دوران تحریر کیا شاہد ہے۔ ؎۴

(عبدالحئی صاحب لکھنوی)

امام احمد رضا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی نظر میں

وہ جید عالم متبحر حکیم عبقری فقیہہ صاحب نظر مفسر قرآن عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے لیکن ان تمام درجات رفیع سے بھی بلند ان کا درجہ ہے اور وہ ہے عاشق رسول کا ؎۵

(ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب)

؎۱ مقالات رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۷۲

؎۲ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۷۰

؎۳ مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور ص ۷۶-۷۷۔

؎۴ نزہتہ الخواطر جلد ۸ مطبوعہ حیدرآباد ص ۳۹

؎۵ پیغامات یوم رضا مطبوعہ لاہور۔ ص ۳۵

امام احمد رضا، پروفیسر سلیم چشتی کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے سرکار ابد قرار زبدہ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جو سلام منظوم پیش کیا ہے اسے یقیناً شرف قبولیت حاصل ہو گیا۔ کیونکہ ہند و پاک میں شاید ہی کوئی عاشق رسول ایسا ہوگا جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لئے ہوں۔ [1]

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب)

امام احمد رضا، ڈاکٹر نسیم قریشی صاحب۔ ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں مرحوم و مغفور علوم و فنون کے جامع تھے اور نعت گوئی میں کوئی ان کا ثانی نہیں ہے اور وہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ [2]

(ڈاکٹر نسیم قریشی صاحب ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

امام احمد رضا، ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی صدر شعبۂ اردو کی نظر میں

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے واقفیت بچپن ہی سے ہے۔ آپ کے علم و فضل تقویٰ و تقدیس حمیت دینی و حرارت ایمانی کا ذکر اکثر اپنے بزرگوں سے سنا۔ فقیہ اسلام اور مترجم قرآن شریف کی حیثیت سے حضرت کو جو مقام و مرتبہ حاصل ہے اس کا اعتراف تمام اہل نظر نے کیا ہے۔ حضرت مولانا کے شاعرانہ کمالات سے کچھ حال ہی میں شناسائی ہوئی بالخصوص نعتیہ کلام نے خاص طور پر متاثر کیا۔ آپ کے کلام میں جو والہانہ سرشاری سپردگی اور سوز و گداز کی کیفیت ملتی ہے وہ اردو کے نعت گو شعرا میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی نظموں اور غزلوں کا ایک ایک حرف عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے لیکن ہر جگہ حدود شرعی کا لحاظ رکھا گیا ہے نعتیہ شاعری بڑی نزاکت اور ذمہ داری کا کام ہے اکثر شعراء اس راہ میں لغزش ہو جاتی ہے۔ حضرت کے کلام کے متعلق بلا خوف و تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ ہر ایک اعتبار سے ایک بلند مرتبہ شاعر ہیں اردو کی نعتیہ شاعری کا کوئی جائزہ حضرت کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا [3]

(ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

امام احمد رضا

محمد عبد الحکیم شرف قادری بریلوی کی نظر میں

اعلیٰ حضرت کے والد ماجد امام المتکلمین فخر المحققین مولانا نقی علی خانصاحب اور جد امجد بحر العلوم والفنون و رئیس المدققین یگانۂ روزگار ہستیاں تھیں۔ اور فضل و کمال میں بے مثال ان حضرات کی تربیت میں آپ نے صرف ۱۳ سال دس ماہ کی عمر میں تمام مروجہ علوم و فنون کی تکمیل کر لی اور ایک وہ وقت آیا جبکہ اہل علم نے آپ کو بالاتفاق مجدد عصر تسلیم کر لیا۔

آپ نے کم و بیش چھوٹی بڑی ایک ہزار کتابیں لکھیں لیکن جنہیں علماء و فضلاء کے طبقے میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور اپنی افادیت کے پیش نظر بیحد مقبول ہیں۔ اگر مخالفین بھی ٹھنڈے دل سے مطالعہ کریں تو انہیں مصنف کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے [4]

(محمد عبد الحکیم شرف قادری بریلوی ہری پور ہزارہ)

امام احمد رضا

سید عابد علی صاحب عابد بریلوی کی نظر میں

سیدنا امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ عظیم البرکت امام اہلسنت مجدد دین و ملت فاضل اجل عالم بے بدل شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات ستودہ صفات، ہندستان پاکستان اور عرب و عجم میں محتاج تعارف نہیں۔ ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ فقہ و حدیث فلسفہ و منطق ادب و تاریخ تفسیر و کلام بیان و بدیع حملہ فنون ریاضیہ فن شعر و عروض غرضیکہ کون سا علم ہے جس میں آپ کو مہارت تامہ حاصل نہیں۔ زبردست خطیب و مقرر صاحب کثیر التصانیف مصنف بلند پایہ محقق عربی و فارسی زبان و ادب کے زبردست اسکالر اردو کے بہت بڑے

---

[1] ندائے حق جونپور ستمبر ۱۹۶۰ء ص ۱۳۰ بحوالہ اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر مطبوعہ لاہور ص ۸

[2] اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر۔ طبع ثانی اندرونی ٹائیٹل صفحہ

[3] ڈاکٹر صاحب کا مکتوب گرامی بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب مدظلہ العالی روح رواں مرکزی مجلس رضا لاہور۔

[4] ایدان الاجر ۳

محسن غرضیکہ ہندستان میں ایسی باکمال ہستیاں بہت کم ہوئی ہوں گی۔ ہندی مسلمان اس مایہ ناز ہستی پر جتنا بھی فخر کریں درست ہے۔ کمالات ظاہری کو دیکھ کر جید علماء کی آنکھیں خیرہ اور حسن باطنی کو دیکھ کر اہل بصیرت حیران علم و ہدایت کا سرچشمہ جس سے ہزاروں علمائے دین و شریعت فیضیاب اور لاکھوں تشنہ کامان معرفت سیراب زندگی کا ایک ایک لمحہ وقف رضائے مولا چلنے پھرتے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے سونے جاگنے غرضیکہ تمام جزئیات حیات میں پیروی سنت کا التزام بات چیت میں تحریر و تقریر میں نثر و نظم میں خیال و تصور غرض ہر امر میں شریعت مطہرہ کا احترام یہ ہیں وہ اوصاف جنہیں ہر دیکھنے والی آنکھ اس مقدس ذات میں دیکھتی رہی۔ [1]

(سید عابد علی صاحب عابد بریلوی)

امام احمد رضا ڈاکٹر حامد علی خانصاحب کی نظر میں

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی عابد و زاہد خوش خصال مزاجی، حاضر جواب ذکی و ذہین صاحب الرائے خطیب و مناظر اور جملہ علوم و فنون میں ماہر تھے۔ عربی و فارسی اور اردو میں ۳۵۰ علمی یادگاریں چھوڑ کر ۱۳۴۰ھ میں انتقال کیا۔ رضا صاحب تینوں مذکورہ زبانوں میں شاعری بھی کرتے تھے۔ اور ایک غیر مطبوعہ دیوان بھی ہے۔ [2]

ڈاکٹر حامد علی خانصاحب لکچرار شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

امام احمد رضا، حافظ بشیر احمد غازی آبادی کی نظر میں

ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ حضرت فاضل بریلوی نے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شریعت کی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا یہ سراسر غلط فہمی ہے جس کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہم اس غلط فہمی کی صحت کے لئے آپ کی ایک نعت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کی کیسی فصیح و بلیغ تائید ہے۔ جتنی بار پڑھئے کہ "خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے" دل ایمانی کیفیت سے سرشار ہوتا چلا جائے گا۔ بیشک جس کے لئے زمین و آسمان پیدا کئے گئے وہ خدا کا محبوب ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے معراج کی عظمت سے نوازا جو شافع محشر ہے۔ وہ یتیم عبداللہ آمنہ کا لال وہ ساقی کوثر وہ خاتم الانبیا اور خیر البشر وہ شہنشاہ کونین وہ سرور کون و مکاں وہ تاجدار دو عالم جس کا سایہ نہ تھا اس کا ثانی ہو ہی نہیں سکتا۔ بیشک وہ خالق کا بندہ ہے اور خلق کا آقا ہے۔ [4]

(حافظ بشیر احمد غازی آبادی)

امام احمد رضا
ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر مہر و ماہ لاہور کی نظر میں

اعلیٰ حضرت ایک فاضل مفسر عظیم محدث اور بلند پایہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فطری و ذہنی شاعر بھی تھے۔ انہیں جملہ مشہور اصناف سخن مثلاً رباعی نعت اور قصیدہ وغیرہ پر کامل دسترس اور مہارت تامہ حاصل تھی۔ [3]

(ابوالطاہر فدا حسین صاحب فدا مدیر مہر و ماہ لاہور)

امام احمد رضا
مداح رحمۃ اللعالمین حافظ مظہر الدین صاحب کی نظر میں

اعلیٰ حضرت کے نغموں سے عشق و مستی کا جہاں آباد ہے دلوں کو نئی زندگی مل رہی ہے۔ عشق کو فروغ نصیب ہو رہا ہے۔ اور محبت زمزمہ خواں بنکر روحوں کو سوز آشنا بنا رہی ہے۔ [5]

(مداح رحمۃ اللعالمین حافظ مظہر الدین صاحب راولپنڈی)

[1] پاسبان کا امام احمد رضا نمبر ۱۹۶۲ء ص ۳۶ [2] ہندوستان کے ۶ بی گو شعرا غیر مطبوعہ ص ۲۳۶ [3] اعلیحضرت کی شاعری پر ایک نظر ص ۵ [4] ایضاً ص ۲۷ [5] پیغامات یوم رضا ص ۴۴

سپہر علم و ادب آفتاب فضل و ہنر
امیر قافلۂ فن امام نقد و نظر

ارشادات

(نظم و نثر)

۱

امام احمد رضا مکتوبات کے آئینے میں

۲

امام احمد رضا سے ایک یادگار انٹرویو

۳

کلام الامام امام الکلام

امام احمد رضا

مکتوبات کے آئینے میں

مولانا مصطفےٰ علیخاں مہتاب افتخاری سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ

کسی بھی شخصیت کے اصلی خد و خال پڑھنے کے لئے اُس کے خطوط و مکتوبات کا مطالعہ سب سے بہترین مواد فراہم کرتا ہے۔ نجی مکتوبات میں تصنع اور بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ ہر لفظ بے لاگ اور ہر جملہ برجستہ ہوتا ہے۔ مکتوبات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اشخاص کی زندگی کا صحیح آئینہ دار ہوتے ہیں۔ مکتوبات میں مکتوب نویس کی زندگی آداب و القاب کے بوجھ تلے دب کر نہیں رہ جاتی ہے بلکہ ایک صاف شفاف تالاب میں کنول کے پھول کی طرح اُبھر کر وہ جلوہ طرازیاں کرتی ہے کہ دیکھنے والے عش عش کرنے لگتے ہیں۔

دنیا کے ادب میں مکتوبات نے بھی ایک ادبی حیثیت حاصل کر لی ہے اور شخصیتوں کی زندگی کے ہر گوشے کو نمایاں کرنے کا بہترین ذریعہ سمجھا جا رہا ہے۔

ہم انھیں نظریات کی روشنی میں امام احمد رضا کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

مناظرہ

آپ نے اپنے ایک خط مرقومہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ بنام مولوی ظفرالدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"کلکتہ میں دیابنہ کا جلسہ تھا وہاں بھی جاکر مناظرہ کا غل کیا پندرہ پندرہ ہزار روپئے جمع کر دینے ٹھہرے۔ تاروں اور خطوں پر ۱۲ دن مکالمہ رہا مگر نہ تھانوی نے اقرار مناظرہ کیا نہ دیابنہ جم سکے ــــ اسی طرح ماہ صفر میں رہتک ضلع پنجاب سے تھانوی صاحب نے پہلے ہی خط پر فرار کیا"

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مناظرے سے فرار دیوبندیوں اور وہابیوں کی عادت ثانیہ ہے۔ مناظرے سے پہلے تار اور خطوط کے ذریعہ اُلجھانے کی ہمیشہ کوشش نامسعودان کا وطیرہ ہے۔ بھیمڑی کے مناظرے میں بھی یہی سب کچھ ہوا تھا۔ جس کی طرف امام احمد رضا نے اشارہ فرمایا ہے۔

شاگردوں سے محبت

آپ اپنے شاگردوں سے بڑی محبت فرمایا کرتے تھے۔ اور ان کی علمی قابلیت کو سراہتے تھے چنانچہ خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کو لکھتے ہیں۔

" مکرمی مولانا مولوی محمد ظفرالدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیل علوم کی۔ اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرس اور اس کے علاوہ کار افتا میں میرے معین ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا (۱) سنی خالص مخلص نہایت صحیح العقیدہ ہادی مہدی ہیں (۲) عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں (۳) مفتی ہیں (۴) مصنف ہیں (۵) واعظ ہیں (۶) مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ (۷) علماء زمانہ میں "علم توقیت" سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامہ مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیق قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بن پائے جس میں بعض نے انتقال کیا۔ اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھے۔ انھوں نے بقدر کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے اوقات طلوع و غروب و نصف النہار ہر روز و تاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہِ مبارک رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔

یہ خط ۵ شعبان المکرم ۱۳۲۸ھ کو لکھا گیا تھا۔

اس خط کا مطالعہ بتاتا ہے کہ" امام احمد رضا علم توقیت" سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے جبھی تو اپنے ایک شاگرد کے" علم توقیت" پر عبور کو کس درجہ اعتماد کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور یہ اظہار بھی مترشح ہے کہ آپ اپنے زمانے میں علم توقیت سے لوگوں کی عدم توجہی پر ماتم کناں ہیں اور اس علم کی اہمیت پر زور دینے کے لئے فرماتے ہیں کہ" امام ابن حجر مکی نے زواجر میں اس علم کو فرض کفایہ لکھا ہے۔

" آج کی ہماری علمی درسگاہیں جنھیں ہم دار العلوم کہتے ہیں اس علم سے کسی قدر بے خبر ہیں

علم توقیت وہ علم ہے جس کے ذریعہ اوقاتِ طلوع و غروب و نصف النہار برائے زمانہ مستقبل آج بنایا جاسکے اس کے لئے علم ہیئت و ریاضی اور طول البلد و عرض البلد کا جاننا بھی ضروری ہے۔

وہابیہ کی فطرت

ایک خط میں جو مولوی ظفر الدین صاحب کے نام ہے لکھتے ہیں۔

"ہٰذا یہ پلندہ بیرنگ مرسل ہے۔ وہابیہ نے اس مسئلہ کو طول دیا ہے مدت سے ان کی تمنا تھی کہ اصول دین چھوڑ کر کسی فرعی مسئلہ میں بحث آپڑے۔"

نوٹ کیجئے وہابیوں کی فطرت کا کتنا اچھا تجزیہ کیا ہے وہ ہمیشہ سنیوں کو الجھانے کے لئے "اصول دین" سے ہٹ کر کسی "فرعی مسئلہ" کو چھیڑ دیتے ہیں۔ یہ سُنیوں کے لئے انتباہ ہے۔

سفید داغ کا مجرب نسخہ

امام احمد رضا جنھیں طب میں بھی شغف تھا۔ مرض سفید داغ کے لئے ایک مجرب نسخہ تحریر فرماتے ہیں

"صندل سفید ۱۰ ماشہ۔ سم الفار سنکھیا ۱ ماشہ ہر دو را خوب سحق کردہ قدرے بر داغ سفید خوب بمالند تا آنکہ آب از آں داغ برآمد۔ ہر دو وقت بمالند جوش خواہد کرد روغن بر آتش داشتہ ٹکیہ برگ نیم درآں اندازہ وقتیکہ سوختہ شود بردارد روغن صاف کردہ بر جراحت رسانده خواہد شد و بدن برنگ اصلی می رسد۔"

ترجمہ:۔ صندل سفید ۱۰ ماشہ۔ سم الفار سنکھیا ۱ ماشہ دونوں کو خوب سحق کرکے کچھ سفید داغ پر خوب ملئے یہاں تک کہ اس میں سے پانی نکلنے لگے۔ دو وقت ملئے۔ تیل کو آگ پر خوب جوش دے کر اس میں نیم کی پتیوں کو ٹکیہ بنا کر تیل میں اتنا پکائیے کہ وہ جل جائیں۔ بعد ازاں تیل کو صاف کرکے مالش سے پیدا ہونے والے زخموں پر لگائیے جسم کا رنگ اپنی اصلی حالت پر آجائے گا۔

شب برات کی فضیلت

ایک خط میں شب برات کی فضیلت تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمان سچے دل سے ایک دوسرے سے محبت کریں۔ آپس میں نفاق نہ رکھیں کہ نفاق مولا تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ سچے دل سے صلح و معافی ہونی چاہیئے۔ مصالحت اخوان اور معافی حقوق یہ مسلمانوں کا شیوہ ہے۔ اس لئے اس کی اجراء میں کوشش ہونی چاہیئے۔ یہ سنت حسنہ ہے۔ اسی لئے امام احمد رضا جو مُردہ سنتوں کو زندہ کرتے تھے اپنے منصبِ مجددیت کے فرائض کی انجام دہی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ خط کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شب برات قریب ہے اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں مولیٰ عزوجل بطفیل حضور پُرنور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے مگر چند ان میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں فرماتا ہے ان کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کریں۔ لہٰذا اہلسنت کو چاہیئے کہ حتی الوسع قبل غروب آفتاب ۱۴ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کریں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں یا معاف کرائیں کہ باذنہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہو کر بارگاہ عزت میں پیش ہوں حقوق مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبہ صادقہ کافی ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ ایسی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ ضرور اس شب میں امید مغفرت تامّہ ہے بشرط صحت عقیدہ وھو الغفور الرحیم۔ یہ سب مصالحت اخوان و معافی حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجرا کرکے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہٗ اجرہٗ واجر من عمل بھا الی یوم القیٰمۃ لاینقص من اجورھم شیئًا کے مصداق ہوں۔

یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ اُن کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو و عافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے۔ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔

علم کی پیاس

ایک خط میں اپنی طویل علالت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"۲۲ ذیقعدہ سے آج ۲۲ ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اُٹھائی۔ مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا۔ جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے۔ اس بیماری میں المنک سنہ ۱۹۱۸ء منگانی یاد نہ رہی"

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا کو بیماری کے عالم میں بھی علم سے جو شغف تھا وہ بدرجۂ اتم تھا۔ مطالعہ جاری رہتا تھا۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ مطالعہ سے خالی نہیں تھا۔

دوسرے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مطالعہ کے معاملے میں اعلیٰ حضرت متعصب نہیں تھے بلکہ کتاب خواہ انگریز کی لکھی ہو یا کسی بیدین کی، ضرور مطالعہ فرماتے تھے۔ اور اس سے فیض اٹھاتے تھے۔

المنک اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ستاروں کی چال، اوقات طلوع و غروب وغیرہ ہوتے ہیں جس کو ہندی میں پنچانگ کہتے ہیں۔ یہ اسپینی عربی لفظ المناخ

سے مشتق ہے کچھ علمائے لسانیات کا کہنا ہے کہ یہ مصری لفظ "المنیجیا" سے مشتق ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم کے معاملے میں انسان کو وسیع النظر ہونا چاہئے۔

فتاویٰ نویسی ایک خط میں امام احمد رضا نے اپنی دینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے پہلا فتویٰ ۱۳ سال کی عمر میں لکھا تھا۔ اور ۱۳۳۶ھ تک ان کے فتاویٰ نویسی کی عمر ۵۰ سال ہوئی تھی۔

" فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر ، دن اور زندگی بالخیر ہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہ تعالےٰ پورے پچاس سال ہونگے۔"

تنگ نظری کا بے بنیاد الزام دشمنانِ امام احمد رضا نے یہ بے پر کی بات اڑا رکھی ہے کہ اعلیٰ حضرت کسی غیر سنی کی مجلس میں بیٹھنے سے تعصب کی حد تک پرہیز کیا کرتے تھے۔ غیر سنیوں سے کسی قسم کی ہم مجلسی اور گفت و شنید کو برا سمجھتے تھے ـــــ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

" ۱۳ تا ۱۵ رجب مطابق ۲۴ تا ۲۷ مارچ سے گاندھویوں (گاندھی وادیوں) کا بھاری جلسہ بریلی میں ہونے کو ہے احباب کی رائے ہے کہ اپنے علماء بھی ایام ندوہ کی طرح جمع ہوں۔ اگر یہ قرار پایا تو آپ کو آنا ضرور ہوگا۔ تیار رہئے اگر میں ۱۱ یا ۱۲ رجب کو تار دوں تو باذنہ تعالیٰ فوراً تشریف لائیے۔"

اس خط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا ایسے جلسوں میں شریک ہونے کو مفید سمجھتے تھے جو مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے منعقد ہوتے تھے چنانچہ امام موصوف اپنے نقطۂ نظر اور سنی موقف کی وضاحت کے لئے اشد ضروری خیال فرماتے تھے کہ شرکت کی جائے۔

امام موصوف کی اس "نباضیٔ وقت" اور "مدبرانہ روش" کو مجروح کرنے کے لئے ہمارے بعض علماء بھی غیر شعوری طور پر اسیرانِ توہب کے پروپیگنڈہ کے شکار ہوگئے اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ہماری سمجھ میں صرف یہ آتا ہے کہ چونکہ ان علماء کا مبلغ علم سطحی ہوتا ہے۔ اس لئے ان میں احساس کمتری کے ساتھ جارحانہ علیحدگی پسندی بھی پیدا ہوگئی۔ صرف درسی کتب کا مطالعہ کافی نہیں ہے جیسا کہ امام احمد رضا نے اپنے ایک خط مرقومہ ۱۵ ذی الحجہ یوم الاحد ۱۳۳۶ھ میں تحریر فرمایا ہے۔

" درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے سوائے طاقت لسانی کوئی لیاقت جناں درکار نہیں۔"

اس لئے ہم علیحدگی پسندی کے رجحانات کو ترک کریں اور غیر سنیوں کو بائیکاٹ کرنے کے بجائے انھیں اپنے موقف سے آگاہ کریں۔ ہماری پالیسی میں بڑی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ وہابیت اور دیوبندیت کو اپنی عدم موجودگی سے قیادت کے اعادہ کا موقع ہرگز نہیں دینا چاہئے۔

بیمہ یا انشورنس بیمہ یا انشورنس سے متعلق عام مسلمان غلط فہمی کا شکار ہیں۔ امام احمد رضا نے اپنے ایک خط کے ذریعہ اس گتھی کو بھی سلجھا دیا ہے اور انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

" جبکہ بیمہ صرف گورنمنٹ کرتی ہے اور اس میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اسکے سبب اس کے ذمے کسی خلافِ شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یا حج کی ممانعت"

ظاہر ہے کہ ہر وہ فعل جو خلاف شرع احتیاط کا پابند بناتا ہو مسلمان کے لئے کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔ اور بیمہ ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا ہے۔

عشقِ رسول امام احمد رضا کو جو بے پناہ عشق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اس کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اسی والہانہ عشق کا تذکرہ اپنے ایک خط بنام مولوی عرفان علی اس طرح کرتے ہیں کہ ہند تو ہند ہے مکہ میں مرنے کے لئے بھی راضی نہیں ہیں بلکہ ان کی دلی تمنا ہے کہ مدینہ میں اپنی جان دیں۔ کیا محبت ہے کیا جذبہ ہے۔

" وقتِ مرگ قریب ہے اور میرا دل ہند تو ہند مکہ معظمہ میں بھی مرنے کو نہیں چاہتا ہے۔ اپنی خواہش یہی ہے کہ مدینہ طیبہ ایمان کے ساتھ موت اور بقیع مبارک میں خیر کے ساتھ دفن نصیب ہو اور وہ قادر ہے۔

مشورۂ احباب امام احمد رضا احباب کے مشورے کو نہایت اہم تصور فرماتے تھے چنانچہ ایک خط میں مولانا ظفر الدین کو لکھتے ہیں۔

" آپ کا رسالہ موذن الاوقات آیا۔ نام بھی نہایت مناسب و موزوں پایا۔ اس کے مقصد اول و خاتمہ کو ضرور دکھا لینا چاہیے اور تذھیب کا حرف بہ حرف قبل طبع دکھا لینا فرض اہم ہے۔ مولانا کسی وقت اپنے آپ کو مشورۂ احباب سے مستغنی نہ کرنا بہت مفید فی الدین ہے۔"

اردوئے معلیٰ اب آخر میں ہم امام احمد رضا کے خط کا ایک اقتباس پیش کریں گے جس کو پڑھ کر ناظرین کو مرزا غالب کے مکتوبات پڑھنے کا لطف آئے گا اور ایسا معلوم ہوگا کہ امام نے اردوئے معلیٰ تحریر فرمایا ہے۔

" کاغذ کے نمونے آ گئے واقعی بہت گراں ہیں۔ حاجی عیسیٰ گئے

مولوی امجد علی صاحب کے آنے پر رائے معلوم ہو گی۔ کلکتہ میں بھی ایک عالم سنی کی بہت ضرورت ہے۔ حاجی صاحب کو اللہ تعالیٰ برکات دے۔ تنہا اپنی ذات سے وہ کیا کیا کریں سنیوں کی عام حالت یہی ہو رہی ہے کہ جن کے پاس مال ہے انھیں دین کا کم خیال ہے اور جنھیں دین ہے بد سے غرض ہے افلاس کا مرض ہے۔ ورنہ کلکتہ میں حمایت دین کے لئے دو ہزار روپے ماہوار بھی کوئی چیز تھے۔ ادھر یہ مدرسہ شمس الہدیٰ جس کی نسبت میں نے سنا کہ سولہ ہزار روپے سالانہ کی جائداد اس کے لئے وقف ہے۔ اس کا بھی ہاتھ میں رکھنا ضرور ہے مبادا کہ کوئی دیوبندی قابض ہو جائے۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔ افسوس کہ ادھر نہ مدرس نہ واعظ نہ ہمت والے مالدار، ایک ظفر الدین کدھر کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حاجی صاحب نے چٹائیوں کی نسبت پھر کچھ نہ لکھا اگر یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے بطور خود یہ کام بہ نیت لوجہ اللہ کیا اس کے اس کا معاوضہ نہیں تو بیشک نہیں۔ وجزاہ اللہ تعالیٰ خیرا اور اگر میرے لکھنے کی بنا پر میری وجہ سے ہے تو حاشا نہ یہ میرا مقصود تھا نہ اب منظور۔ لہٰذا بات صاف ہونا ضرور۔

(ماخوذ از حیات اعلیٰ حضرت مؤلفہ ملک العلماء حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ)

امام احمد رضا سے

ایک یادگار انٹرویو

از:۔ حضرت ملا فاتح۔ بمبئی

المیزان کے قارئین کو یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ مابدولت یعنی ملا فاتح المیزان کا قدیم کالم نگار ہے، اور "آنکھیں میری باقی اُن کا" کے عنوان سے المیزان کے صفحات میں آ رہا ہوں۔ سب سے پہلے اگست ۱۹۷۶ء کے شمارے میں میری شرکت "دیوبند سے دیوبند تک" کے عنوان سے ہوئی۔ اس شمارہ میں آپ کے ملاّ نے اپنا تعارف یوں پیش کیا تھا۔

محترم قارئین! ملا فاتح ایک معروف ترین بین الاقوامی شہر بمبئی میں رہتا ہے، بمبئی کی مخصوص بولی بولنے کا عادی ہو گیا ہے۔ جہاں اکثر یہ بولا جاتا ہے کہ "میں بولوں گا تو بولو گے کر بولتا ہے"۔ لہٰذا میرے الفاظ میں، انداز بیان میں مہاراشٹر کی بولی کی شیرینی و تلخی بھی شامل رہے گی۔۔۔

ستمبر ۱۹۷۶ء کے شمارہ سے ملاّ نے عنوان کو بدل کر "آنکھیں میری باقی ان کا" رکھا۔ اس عنوان میں شیخ الاسلام حضرت مدنی میاں کی رائے شامل تھی، اس کا تفصیلی تذکرہ ستمبر ۱۹۷۶ء کے المیزان میں ہے۔ اور پھر اس کے بعد ملاّ چل پڑا۔ خوب چلا، ایک مضمون پر انعام بھی رکھا اور انعام تقسیم بھی کیا۔ الغرض ملا فاتح المیزان کی دنیا میں بھی ایک اہم مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مذہبی پلیٹ فارم پر آنے کے بعد میری معلومات میں کافی سے زیادہ اضافہ ہوا۔ اب تک تو میں "صحافی محض" تھا۔ المیزان کی وابستگی نے مجھے دین و دھرم سے کما حقہ واقف کرایا۔ مذہب کے نام پر تقسیم ہونے والی ٹولیوں سے بھی کما حقہ آگہی ہوئی۔

بات ہے یہ فروری ۱۹۷۸ء کی۔ جبکہ بمبئی کی گلی گلی میں محرم الحرام کی مجلسوں کی دھوم مچی تھی۔ ملا فاتح کا یہ تو ماحول رہا نہیں کہ مولوی حضرات کے جلسوں میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا، مگر میں المیزان کے راہی صاحب کا مشکور ہوں۔ جنہوں نے میرے اندر چھپے ہوئے اُس "سنی" کو جگانے میں بڑی مدد کی۔ جو باپ دادا سے وراثتہً سینے میں محفوظ تھا۔

نیاز، فاتحہ، عرس و چہلم، صندل و چادر بمبئی کی دھرتی پر اس کا مظاہرہ مسلسل دیکھنے میں آ رہا ہے اور اب راہی صاحب کی بدولت علماء کرام کے وعظوں کا بھی نظارہ مل رہا ہے، اور پھر اسی طرح ۹ مارچ ۱۹۷۸ء کو مجدد اعظم کانفرنس، میں بھی شرکت ہوئی، آل انڈیا سنی لیگ کی کمان میں بولنے والوں کے مطابق پہلی بار یہ کانفرنس کی گئی جس کی صدارت نوجوان مولانا جناب عبید اللہ خاں اعظمی کر رہے تھے، اور خصوصی مقرر کی حیثیت سے مولانا ہاشمی میاں نے تقریر کی۔ فاضل بریلوی حضرت علامہ احمد رضا خاں کے بارے میں ملا فاتح کو پہلی بار اس قدر تفصیلات معلوم ہوئیں۔ بس پھر کیا تھا؟ دلچسپی میں اضافہ ہوا، حضرت فاضل بریلوی کو پڑھنے اور سمجھنے کو جی چاہنے لگا، خوشی یہ ہوئی کہ آل انڈیا سنی لیگ نے فاضل بریلوی پر کام کرنے کا اعلان کیا۔ اور مرکزی مجلس رضا کے قیام کا ریزولیشن پاس کیا۔ قوم کی خوش بختی کہ سنی لیگ نے ریزولیشن پاس ہی نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کرنے کے لئے "المیزان" کو منتخب کیا اور "امام احمد رضا نمبر" کی تیاریوں کی جانب چل پڑی۔ ایک دن ایڈیٹر المیزان نے طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ملاّ فاتح! تم بھی امام احمد رضا پر کچھ لکھو۔ کتابوں کی ضرورت ہو تو آفس سے لیجاؤ اور جم کر مضمون لکھو آفس المیزان میں آ کر دیکھنا کہ ایک سے ایک علمی اور ادبی شخصیتوں کے قلمی شاہکار آ رہے ہیں۔ اور پھر اپنے کو دیکھنا، اپنی علمی کمزوریوں و کوتاہی کو دیکھنا، وقت کا مجدد، علم کا ہمالہ، فضل کا سمندر ایک طرف، دوسری طرف ایک کم علم، نافہم اور فکر و شعور کا بھکاری ملاّ فاتح، لیکن المیزان کے امام احمد رضا نمبر" میں شرکت کا سعید موقع آواز دے رہا تھا کہ ملاّ ایسا وقت بار بار نہیں آتا۔ اٹھو اور امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں جو کچھ بھی ہو سکے خراج عقیدت پیش کر کے احسانمندوں کے گروہ میں شامل ہو جاؤ۔ بہت سوچا، سمجھا، فکر کیا کہ المیزان کے تحقیقی اور تاریخی امام احمد رضا نمبر میں کس انداز سے شرکت کی جائے، آخر کار فکر کو سہارا ملا شعور کو راہ ملی اور نکل پڑا،

بارگاہ امام احمد رضا میں وہ امام جو چودھویں صدی کا مجدد، ہزار کتابوں کا مصنف، پچاس علوم و فنون کا واقف کار، علماء حرمین کی آنکھوں کا تارا ــــ ملت اسلامیہ کی کشتی کا کھیون ہار، خاندان برکاتیہ کا روحانی فرزند، ملک و قوم کا عظیم راہنما، ایسے قائد کی بارگاہ میں ملا فاتح کی حاضری، تاسیئے نا! کیا یہ ملاّ کی فیروز بختی نہ تھی، بہرحال ایک طرف امام احمد رضا جیسی بھاری بھرکم ذات، دوسری جانب سیکڑوں کی تعداد میں چھوڑے ہوئے علمی شہ پارے اور پھر انہیں کے درمیان آپ کا ملاّ، پھر کیا تھا۔

انٹرویو کی تیاری شروع کردی، سوچا کہ امام احمد رضا سے انٹرویو لے لوں۔ وہ نہیں ہیں ان کی روحانیت تو ہے، ان کا فکری اثاثہ اور علمی سرمایہ تو ہے۔ امام احمد رضا کو انہیں سے ہی ہم جان سکتے ہیں، سمجھ سکتے ہیں۔ اور انہیں سرمایۂ علم و فن سے ان کی تحریک ان کا مشن، ان کے تجدیدی کارنامے اور ان کی خدمات سے ہم آگاہ ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا آج اس عظیم نمبر میں ملا فاتح کی شرکت "امام احمد رضا سے ایک یادگار انٹرویو" کے چونکا دینے والے عنوان سے ہو رہی ہے۔ انٹرویو لینے کی شکل یہ ہے کہ میری نگاہوں میں امام احمد رضا کا سراپا ہے، ان کی بے شمار کتابیں ہیں۔ اور ایک گوشے میں باادب ملا فاتح ہے۔ جو امام احمد رضا سے سوال کر رہا ہے۔

قوم کی خوش بختی کہ سنی لیگ نے رین ولیشن پاس ہی نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کرنے کیلئے "المیزان" کو منتخب کیا اور "امام احمد رضا نمبر" کی تیاریوں کی جانب چل پڑی۔ — مُلّا فاتح

ملا فاتح! سرکار امام احمد رضا! آپ سے میں کچھ زیادہ واقف نہ تھا، آپ کے بارے میں مجھ تک جو اطلاعات ملی تھیں وہ اس قدر کہ آپ نے چند ہندوستانی مولویوں کی بے ہودہ عبارتوں پر گرفت کی، اس پر شرعی فتویٰ دیا اور اس کی تصدیق علماء حرمین سے کی، اور بس باقی آپ کی دوسری عظیم خدمات سے آج تک اہل علم فن کما حقہ واقف نہیں ہو سکے ہیں۔

امام احمد رضا:- میں آبا و اجداد سے علوم دینی کا خادم ہوں، چوہتر سال سے میرے یہاں سے فتویٰ جاری ہے تمام ہندوستان اور کشمیر اور برما سے سوال آئے ہیں، ابھی چین سے چودہ مسئلے دریافت کئے ہیں درس نظامی کی تمام کتب اور پچاس سے زائد کتب میرے درس و تدریس و مطالعہ میں رہیں۔

مُلّا فاتح: حضور! آپ کے علم و فضل اور دینی خدمات کا اعتراف اپنے تو اپنے غیر بھی کرتے ہیں۔ آپ نے فقہ حنفی کی زبردست خدمت کی اور اسے روز روشن کی طرح واضح کیا۔ علم و فن کے اتنے اعلیٰ مراتب پر پہنچ کے باوجود آپ تقلید کیوں کرتے ہیں، کس مجبوری سے آپ کو تقلید کرنی پڑی۔

امام احمد رضا! جس مجبوری سے ایک لاکھ سے زائد صحابی مقلد ہوئے اور اس زمانہ میں عام مسلمان مقلد ہوئے یعنی منصب اجتہاد حاصل نہ کیا۔

ملا فاتح! ہم لوگ سنی مسلمان ہیں، اور اپنے کو اہلسنت و جماعت سے جانتے ہیں۔ لیکن سرکار! یہ نہیں معلوم کہ اہلسنت کی تعریف کیا ہے۔

امام احمد رضا! اہلسنت و جماعت جو سواد اعظم مسلمین کے پیرو ہیں جس کے اتباع کا متواتر حدیثوں میں حکم ہے اور حدیث نے مذہب حق کی عام فہم بیان فرمائی ہے اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار مسلمانوں کے بڑے گروہ کی پیروی کرو جو اس سے جدا ہوا وہ جہنم میں جدا ہوا۔ شرح عقائد نسفی میں ہے کہ اہلسنت و جماعت کا نام اس وجہ سے اہل سنت و جماعت ہوا کہ انہوں نے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جماعت صحابہ کی پیروی کی، آج اہل سنت ان چار مذاہب حنفی، شافعی مالکی حنبلی میں مجتمع ہیں۔

ملا فاتح! آپ نے رسول اللہ کی بارگاہ کے گستاخوں کے چہروں سے سیاہ نقاب اٹھانے کا جو زبردست کارنامہ انجام دیا۔ اور عرب و عجم کے اکابرین اسلام نے آپ کے شرعی موقف کی جو زبردست تائید کی، اس سے دریدہ دہنوں کی ٹولیوں کو جو دھچکا پہنچا۔ اس سے بلبلا اٹھے اور سبھی ملکر آپ کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگ گئے۔ اور آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اور آپ کو گالیوں و فحش باتوں سے یاد کرنے لگے، ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کا ارشاد گرامی کیا ہے۔

امام احمد رضا! بر ملا فحش گالیاں دیتے ہیں بعض چھپا تو مغلظات سے بھرے بیرنگ خطوط بھیجتے ہیں پھر ایک نہیں اللہ اعلم کتنے آتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ اس سے زیادہ میری ذات پر حملے کریں میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے گالیاں دیتے برا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں۔ ادھر سے کبھی اس کے جواب کا دم بھی نہیں ہوتا اور نہ کچھ برا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت ان کی عزت پر نثار ہی ہونے کے لئے ہے بلکہ ان پر نثار ہو نا ہی عزت ہے۔

میں تو شکر کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے مجھے دین حق کی سپر بنایا کہ جتنی دیر وہ مجھے کوستے گالیاں دیتے بُرا بھلا کہتے ہیں اتنی دیر اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص سے باز رہتے ہیں ——— مجدد اسلام

ملا فاتح! سرکار فاضل بریلوی! ایک بات کھل کر پوچھنا چاہتا ہوں، میں نے سنا ہے کہ سنی مولوی حضرات علم غیب کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے علم غیب سے ملاتے ہیں اور دونوں کو غیب داں جانتے ہیں بلکہ اس علم میں دونوں برابر ہیں۔ ایسا کہتے ہیں آپ لوگ! مجھ سے کئی غیر سنی مولویوں نے کہا کہ بریلی کے مولانا احمد رضا صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

بارے میں علم ذاتی مانتے ہیں، اور اس پر اصرار بھی کرتے ہیں، اور اس پر شدت کیساتھ قائم ہیں، اور اپنے اس عقیدے کو انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا بھی ہے۔ لہذا سرکار عالی اس موضوع پر بھی کچھ اظہار خیال فرمائیں۔

[امام احمد] رضا! مسئلہ علم غیب میں اختراع پھانٹنے شروع کئے، کبھی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ کا علم ذاتی بے عطائے الٰہی مانتا ہے، کبھی علم الٰہی سے مساوی مانتا ہے، صرف قدم و حدوث کا فرق کرتا ہے وغیرہ وغیرہ ———
حالانکہ اللہ واحد قہار دیکھ رہا ہے کہ یہ سب اُن اشقیاء کا اختراع ہے سچے ہیں تو بتائیں کہ ان میں سے کون جملہ فقیر کے کس رسالے کس فتوے، کس تحریر میں ہے ——— علم ذاتی اللہ عز وجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لئے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے ———
——— .... اگر تمام اہل عالم اگلے پچھلوں سب کے جملہ علوم جمع کئے جائیں تو ان کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندروں سے ———
——— ہماری تقریر سے روشن و تاباں ہوگیا کہ تمام مخلوق کے جملہ علوم ملکر بھی علوم الٰہی سے مساوی ہونے کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ گذرے۔
——— ہم قاہر دلیلیں قائم کرچکے کہ علوم مخلوق کا جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہونا عقل و شرح دونوں کی رو سے یقیناً محال ہے ———
اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ، تمام انبیاء، تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے، اللہ عز وجل کی عطا سے، حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ ہی جانتا ہے ——— مخالفین کو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کریمہ کی دشمنی نے اندھا بہرا کردیا۔ انہیں حق نہیں سوجھتا مگر تھوڑی سی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں کچھ بھی دشواری نہیں۔ علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ غیر خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے ——— ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لئے علم بالذات جانیں۔ اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع ——— میرا مختصر فتویٰ انبا المصطفیٰ بمبئی و مراد آباد میں تین بار ۱۳۱۸ھ سے ہزاروں کی تعداد میں

> علم ذاتی اللہ عز وجل سے خاص ہے اس کے غیر کیلئے محال ہے جو اسمیں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لئے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے ——— امام احمد رضا

طبع ہوکر شائع ہوا۔ اس سے بڑھکر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے مفتری کذاب ہے۔ اور اللہ کے یہاں اس کا حساب ———

(خالص الاعتقاد)

مُلّا فاتح! ایک اہم سوال کی جسارت کر رہا ہوں۔ آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ مخالفین پر شدت کرتے ہیں، کوئی بھی آئے اگر آپ کے عقیدے کا نہیں ہے تو آپ اسے ذلیل کرتے ہیں، بھگا دیتے ہیں، اس سے بات نہیں کرتے، اس کی بات کا جواب نہیں دیتے۔ بلکہ اُسے سختی کے ساتھ نکال باہر کرتے ہیں۔ مُلّا کو تو یقین نہیں آرہا ہے کہ حضور والا اسقدر سختی برتتے ہوں گے پھر بھی احباب کے دل سے غلط فہمی دور کرنے کے لئے سوال کی ہمت کر رہا ہوں۔

امام احمد رضا! دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز نہیں حاصل ہوسکتے۔ اگر اس شخص (ایک دہلی فاضل بریلوی کی بارگاہ میں حاضر ہوکر بے پناہ متاثر ہوا اور آپ کے اخلاقی و علمی طاقت کا گن گانے لگا) سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہو جائیں۔

(الملفوظ)

مُلّا فاتح! حضور! آجکل ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا لوگوں کی عادت سی بن گئی ہے، اعلیٰ حسب نسب والے بھی چند ایسے ملیں گے جو دوسرے کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، دوسرے کو انتہائی ترش روئی سے دیکھتے ہیں۔ ہمارے کچھ ایسے بھی لوگ ہیں حضرت کہ اپنے برابر کسی کو سمجھتے بھی نہیں ہر شخص کو کمتر اور ذلیل جانتے ہیں۔ مسلمانوں کو ذلیل و رسوا سمجھتے ہیں اور اس میں مگن و مست رہتے ہیں اور اسی کو دین و دھرم کی خدمت سمجھتے ہیں، اس سلسلے میں آپ کا موقف کیا ہے؟

امام احمد رضا! کسی مسلمان بلکہ کافر ذمی کو بلا حاجت شرعیہ ایسے لفظ سے پکارنا یا تعبیر کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو اسے ایذا پہنچے شرعاً ناجائز و حرام ہے اگرچہ بات فی نفسہ سچی ہو۔ (ارارۃ الادب لفاضل النسب)

مُلّا فاتح! اعلحضرت! آپ کے تعلق سے اس بات کا زبردست شہرہ ہے کہ آپ کافر بنانے میں جواب نہیں رکھتے، کچھ لوگ مکفر المسلمین کہتے ہیں، کچھ آپ کو کفر ساز مشین کہتے ہیں، کچھ کافر گر کہتے ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ آپ ساری دنیا کے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ آپ اکابرین اسلام

کو بھی کافر کہتے ہیں۔ غرضکہ آپ مسلمانوں کو کافر کہنے اور لکھنے میں بے باک ہیں۔ حالانکہ مُلّانے آپ کی تصنیفات پڑھی ہیں، آپ نے کسی بھی مسلمان کو آج تک کافر نہیں کہا ہے، آپ نے صرف کافر ہی کو کافر کہا ہے مگر پھر بھی آپ کی زبان اقدس سے بھی کچھ سننا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے خلاف جو بین الاقوامی سطح پر جھوٹا پروپگنڈہ کیا جارہا ہے اس کی قلعی کھل جائے، امید ہے کہ حضرت والا اس پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

امام احمد رضا! عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دھاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علماء اہلسنت کے فتویٰ تکفیر کا کیا اعتبار یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کافر کہدیتے ہیں۔ ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کو کافر کہدیا۔ مولوی اسحاق صاحب کو کافر کہدیا۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب کو کافر کہدیا پھر جن کی حیا بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہدیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب کو کہدیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو مولانا شاہ فضل الرحمٰن (گنج مرادآبادی) کو کہدیا۔ یا پھر جو پورے ہی حدّ حیا سے اوپر گذر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں، عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہدیا غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہدیا۔ یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا شاہ محمد حسین صاحب الہ آبادی مرحوم مغفور سے جاکر جڑ دی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہدیا۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے انہوں نے آیۃ کریمہ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا پر عمل فرمایا خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ انجاء البری عن وسواس المفتری لکھ ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا غرض ہمیشہ ایسے ہی افتراء اٹھایا کرتے ہیں ـــــ مرتا کیا نہ کرتا اب خدا و رسول کو گالیاں دینے والوں کے کفر پر پردہ ڈالنے کا حیلہ یہی رہ گیا ہے کہ کسطرح عوام بھائیوں کے ذہن میں جم جائے کہ علماء اہلسنت یونہی بلاوجہ لوگوں کو کافر کہدیا کرتے ہیں۔

مُلّا فاتح! سرکار نے میری بڑی حوصلہ افزائی فرمائی، اس ناکارہ کو حضور والا نے جو عزت بخشی کہہ نہیں سکتا۔ حضرت والا شاعری میں بھی جواب نہیں رکھتے۔ صنف نعت میں آپ نے جو نیا رخ دیا ہے، اس کی مثال

> جن لوگوں کے عقائد مذبذب ہوں
> ان سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک
> ہوجائیں ـــــــــــــ فاضل بریلوی

نہیں ملتی، لیکن حیف صد حیف آپ پر جسطرح یہ زیادتی ہوئی کہ من گھڑت اور بے بنیاد الزامات لگائے جاتے رہے ہیں، اسی طرح آپ کو بحیثیت شاعر قبول کرنے سے اردو ادب کے ٹھیکیداروں نے نظر انداز کیا۔ شعر و ادب کے میدان میں آپ کی خدمات، آپ کے کارہائے نمایاں سے سبھی واقف ہیں مگر پھر بھی آپ کی شان میں چند تعریفی کلمات نکالنے میں بھی ان لوگوں کا کلیجہ پھٹنے لگتا، گلا رندھ جاتا ہے، حلق خشک ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں کچھ ارشاد فرمایئے۔

امام احمد رضا!
نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن
نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولے کہ نہ گنجد در وے
جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

(مجھے نہ تو لوگوں کی تعریف سے لطف آتا ہے، اور نہ ہی ان کے طعن و تشنیع سے جلن ہوتی ہے۔ نہ ہی میرے کان تعریف مدحت کا انتظار کرتے ہیں اور نہ ہی مجھے کسی کی مذمت سننے کا ہوش ہے بس میری دنیا تو میرا وہ گوشۂ تنہائی ہے جسمیں میرے علاوہ اور میری کتاب و میرے قلم کے علاوہ کسی دوسری چیز کی گنجائش ہی نہیں)

مُلّا فاتح! مدینہ طیبہ کی عظمت و حرمت پر کچھ ارشاد فرمایئے۔

امام احمد رضا!
حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
زینت کعبہ میں تھا لاکھ عروسوں کا بناؤ
جلوہ فرما یہاں کونین کا دولہا دیکھو
غور سے سن تو رضاؔ کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے
طیبہ میں مرکے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے

شان جمال طیبہ جاناں ہے نفع محض
وسعت جلال مکہ میں سود و ضرر کی ہے
کعبہ ہے بیشک انجمن آرا دُلہن مگر
ساری بہار دلہنوں میں دولہا کے گھر کی ہے

مُلّا فاتح! سرکار ذرا اہلبیت اطہار کے تعلق سے بھی کچھ ارشاد فرمایئے۔

امام احمد رضا!
کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہرہ ہے کلی جسمیں حسین اور حسن پھول

مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے
کربلائیں رد شہید کربلا کے واسطے

سید سجاد کے صدقے میں ساجد رکھ مجھے
علم حق دے باقر علم ہدیٰ کے واسطے

اہلسنت کا ہے بیڑا پار اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

ملا فاتح! کچھ لفڑے باز قسم کے لوگ آپ کے بارے میں یہ بھی بولتے ہیں کہ آپ خدا کے برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے ہیں، اور آپ ان کو انسان نہیں سمجھتے، اس پر بھی کچھ ارشاد فرمائیے۔

امام احمد رضا! اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جاں ہیں یہ (حدائق بخشش)

ملا فاتح! میں چاہتا ہوں کہ کچھ سماجی اور معاشرتی باتیں بھی پوچھ لوں، ہمارے معاشرے میں آجکل اگر کوئی کسی پر احسان کرتا ہے تو احسان سے زیادہ اس کی اشاعت چاہتا ہے، کسی کی مدد کی، یا کچھ دیدیا یا غریبوں و مسکینوں کی اعانت کی تو پھر کل ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ جس سے خوشی کے بجائے دل دکھتا ہے۔ سماج کے ایسے افراد کے لئے بھی کچھ ارشاد فرمائیے۔

امام احمد رضا! فقراء آئیں ان کی مدارات وخاطر داری میں سعی جمیل کریں۔ اپنا احسان ان پر نہ رکھیں بلکہ آنے میں ان کا احسان اپنے اوپر جانیں کہ وہ اپنا رزق کھاتے اور تمہارے گناہ مٹاتے ہیں، اٹھانے بٹھانے بلانے کھلانے کسی بات میں برتاؤ ایسا نہ کریں جس سے ان کا دل دکھے کہ احسان رکھنے ایذا دینے سے صدقہ بالکل اکارت جاتا ہے، اس عمل کو ایک ہی بار نہ کریں بار بار بجا لائیں کہ جتنی ہوگی اتنی اپنے لئے کثرت ہوگی اتنی ہی فقراء وغرباء کی منفعت ہوگی اور اپنے لئے برکت ونعمت وسعادت دینی ودنیوی وجسمی وجانی رحمت ہوگی۔

ملا فاتح! اب جب ہمارے سماج اور گھریلو معاملات کی بات چل پڑی ہے تو ایک اور سوال کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، آج کل اگر کوئی ایصال ثواب یا صدقہ وخیرات کے لئے دعوت دیتا ہے تو غریبوں کی تعداد کم ہوتی ہے امیر لوگ اور کھاتے پیتے لوگ زیادہ نظر آتے ہیں۔ اور لوگ بھی جم کر کھاتے ہیں۔ غریب ومفلس کا حق بھی مار جاتے ہیں، ایسے عناصر کے بارے میں سرکار! آپ ضرور کچھ ارشاد فرمائیں۔

امام احمد رضا! زنہار زنہار ایسا نہ کریں کہ کھاتے پیتوں کو بلائیں محتاجوں کو چھوڑ دیں کہ زیادہ مستحق وہی ہیں اور انہیں اس کی حاجت ہے تو ان کا چھوڑنا انہیں ایذا دینا اور دل دکھانا ہے۔ مسلمان کی دل شکنی معاذ اللہ وہ بلائے عظیم ہے کہ سارے عمل کو خاک کر دے گی ایسے کھانے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بدتر کھانا فرمایا کہ پیٹ بھرے بلائیں۔ جنہیں پرواہ نہیں اور بھوکے چھوڑ دیئے جائیں جو آنا چاہتے ہیں۔

(رد القحط والوباء)

ملا فاتح! حضور والا نے مجھ پر کرم فرمایا کہ اور میرے سوالات کے جوابات مرحمت فرمایا، اب میں رخصت کی اجازت چاہتا ہوں، میں نے بریلی شریف آکر آپ کی بارگاہ میں حاضری دیکر بہت کچھ پایا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے آپ کا جاہ وجلال دیکھا، فضل وجمال دیکھا، میں نے آپ کے بارے میں جو کچھ سنا یا مجھے جو کچھ سنایا گیا اور عمر کے اپنے اس حصے میں میں نے جو کچھ پڑھا تھا، ناقص تھا، آپ کے بارے میں میرے ذہن میں جو تصویر تھی وہ دھندلی تھی، تصویر کا صرف ایک رخ تھا، حالانکہ آپ نے نہ جانے کتنی دینی وعلمی خدمات انجام دی ہیں۔ علم وفن کے دریا بہائے ہیں۔ ملت اسلامیہ کو رسول دشمنوں کی گھناؤنی سازش سے محفوظ کیا ہے، افراد اسلام کو عشق رسول کا ڈھنگ بتایا ہے۔ غرضکہ آپ نے وہ سب کچھ دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بولی کے مطابق ہر صدی کا "ایک مجدد" دیتا ہے، لہذا اب آخر میں ایک گذارش کر رہا ہوں یقین ہے کہ سرکار عالی گذارش کو قبولیت کا درجہ دیں گے، عرض یہ ہے کہ امت مسلمہ کے لئے کچھ ایمان افروز نصیحت فرما دیں۔ تاکہ ہم سب کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

امام احمد رضا! اے لوگو! تم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو اور بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکائیں۔ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں۔ تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ ان سے بچو اور دور بھاگو، ان کے حملوں سے ایمان کو بچاؤ ______ جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو ______ میں پونے

> فقراء آئیں تو ان کی مدارات وخاطر داری میں سعی جمیل کریں۔ اپنا احسان ان پر نہ رکھیں بلکہ آنے میں ان کا احسان اپنے اوپر جانیں۔
> مسلمان کی دل شکنی معاذ اللہ! وہ بلائے عظیم ہے کہ سارے عمل کو خاک کر دے گی ___ امام احمد رضا

چودہ برس کی عمر سے یہی بتاتا رہا اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں ــ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے دین کی حمایت کے لئے کسی بندے کو کھڑا کر دے گا مگر نہیں معلوم میرے بعد جو آئے کیسا ہو اور تمہیں کیا بتائے اسلئے ان باتوں کو خوب سن لو حجۃ اللہ قائم ہو چکی ہے۔

مُلّا کا یادگار انٹرویو ختم ہوا۔ امام احمد رضا کو دیکھکر ان کے اخلاق و اخلاص ان کی علمی رعب اور ان کی روحانی عظمتوں کو دیکھکر میں کسقدر متاثر ہوا۔ کما حقہ بیان کرنے سے قاصر ہوں، امام احمد رضا کا سراپا آج بھی آنکھوں میں گردش کر رہا ہے۔ کشادہ پیشانی بلند اقبالی کی نشانی، افغانی آنکھیں دشمنوں کو تانکیں دوستوں کو تلاشیں، آنکھوں کے ابرو خاندانی آبرو، سینہ کشادہ اس میں جو دل وہ بھی کشادہ اہل محبت کے لئے ہر وقت کھلا رہتا۔ صراحی دار گردن ملت کی قیادت کی علامت، رنگ پختہ، پختگی ذہن و فکر کی نشانی چلیں تو چال ڈھال میں وقار بولیں تو بول چال میں وقار ایسی ذات پر تحقیقات کے لئے آل انڈیا سنی لیگ کی مرکزی مجلس رضا نے المیزان بمبئی کے ذریعہ جو قدم اٹھایا ہے، مُلّا فاتح کی آنکھوں میں تشکر کی بوندیں چھلک رہی ہیں۔

کشادہ پیشانی بلند اقبالی کی نشانی۔ افغانی آنکھیں۔ دشمنوں کو تانکیں دوستوں کو تلاشیں ــ صراحی دار گردن ملت کی قیادت کی علامت، رنگ پختہ پختگی ذہن و فکر کی نشانی ـــــــ
امام احمد رضا! دعا کیجئے کہ آل انڈیا سنی لیگ کا ھل الوجودوں کا مرکب بنکر نہ رہ جائے۔ ملا فاتح

امام احمد رضا! دعا کیجئے کہ آل انڈیا سنی لیگ کاہل الوجودوں کا مرکب بنکر نہ رہ جائے، مگر سرکار! سنی لیگ آپکے وقار کو اپنوں اور غیروں کے ذہن و فکر پر بحال کرنے کا ذریعہ بن جائے آپکی جملہ خدمت کی جانکاری ملت اسلامیہ کی نئی پود کو کرائے اور اسطرح آپ ہی کی جلائی ہوئی مشعل کی روشنی میں قوم و ملک کی رہنمائی، سنی لیگ کرنا چاہتی ہے، دعا فرمایئے کہ سنی لیگ کے موجودہ سربراہ حرکت و عمل کے مجسمہ بنے رہیں۔ قارئین المیزان کو عرض ہے کہ میں نے امام احمد رضا سے جو انٹرویو لیا ہے وہ پسند آیا یا نہیں، اسکی اطلاع مجھے ضرور کریں۔ اتنے تاریخی و تحقیقی نمبر میں ملا فاتح کی شرکت ملا کی زندگی کا انتہائی قیمتی سرمایہ ہے، میری یہ شرکت آپ کو کیسی لگی مجھے ضرور خبر کریں میرا پتہ وہی جو المیزان کا ہے۔ اچھا خدا حافظ آپکا اپنا! مُلّا فاتح

ماخوذات! اظہار حق الجلی، خالص الاعتقاد، الملفوظ، ارارۃ الادب لفاضل النسب۔ حسام الحرمین، حدائق بخشش، رد القحط و الوبار، وصایا شریف۔

امام احمد رضا

کلام الامام امام الکلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فیض ہے یا شہ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اسکے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

آنکھیں ٹھنڈی ہوں جگر تازے ہوں جانیں سیراب
سچے سورج وہ دل آرا ہے اجالا تیرا

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

دور کیا جانیے بدکار پہ کیسی گزرے
تیرے ہی در پہ مرے بیکس و تنہا تیرا

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجیے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اسکو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

(۲)

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماوا ہے ہمارا
خاکی تو وہ آدم جد اعلیٰ ہے ہمارا

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم
اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا

خم ہو گئی پشت فلک اس طعن زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

اس نے لقب خاک شہنشاہ سے پایا
جو حیدر کرار کہ مولیٰ ہے ہمارا

اے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھے
اس خاک میں مدفون شہ بطحا ہے ہمارا

ہے خاک سے تعمیر مزار شہ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی
آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

(۳)

غم ہو گئے بے شمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا

ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ
بھاری ہے ترا وقار آقا

مجبور ہیں ہم تو فکر کیا ہے
تم کو تو ہے اختیار آقا

تخمیس — مفکر ملت سید حسن مثنیٰ انور ایم اے علیگ

میں دور ہوں تم تو ہو مرے پاس
سن لو میری پکار آقا
مجھ سا کوئی غمزدہ نہ ہوگا
تم سا نہیں غمگسار آقا
گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی
ڈوبا ڈوبا اتار آقا
کیا بھول ہے انکے ہوتے کہلائیں
دنیا کے یہ تاجدار آقا
ان کے ادنیٰ گدا پہ مٹ جائیں
ایسے ایسے ہزار آقا

(۴)

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا
بڑھا یہ سلسلہ رحمت کا دور زلف والا میں
تسلسل کالے کوسوں رہ گیا عصیاں کی ظلمت کا
صف ماتم اٹھے خالی ہو زنداں ٹوٹیں زنجیریں
گنہگارو چلو مولا نے در کھولا ہے جنت کا
سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب
نظارہ روئے جاناں کا بہانہ کر کے حیرت کا
خم زلف نبی ساجد ہے محراب دو ابرو میں
کہ یارب تو ہی والی ہے سیہ کاران امت کا
مدد اے جوشش گریہ بہا دے کوہ اور صحرا
نظر آجائے جلوہ بے حجاب اس پاک تربت کا
یہاں چھڑکا نمک واں مرہم کافور ہاتھ آیا
دل زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا
الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں
بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خواب بصارت کا
زبان خار کس کس درد سے ان کو سناتی ہے
تڑپنا دشت طیبہ میں جگر افگار فرقت کا
رضائے خستہ جوش بحر عصیاں سے نہ گھبرانا
کبھی تو ہاتھ آجائیگا دامن ان کی رحمت کا

(۵)

لطف ان کا عام ہو ہی جائیگا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائیگا
جان دیدو وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام ہو ہی جائیگا
سائلو دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائیگا
یاد ابرو کر کے تڑپو بلبلو
ٹکڑے ٹکڑے دام ہو ہی جائیگا
مفلسو ان کی گلی میں جا پڑو
باغ خلد اکرام ہو ہی جائیگا
بادہ خواری کا سماں بندھنے تو دو
شیخ درد آشام ہو ہی جائیگا
اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائیگا

(۶)

لمیات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
البحر علا والموج طغیٰ من بےکس و طوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا
یا شمس نظرت الیٰ لیلی چو بہ طیبہ رسی عرضی بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا
لک بدر فی الوجہ الاجمل خط ہالہ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا
انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا
یا قافلتی زیدی اجلک رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا
واھا لسویعات ذہبت آں عہد حضور بارگہت
جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینہ کا جانا
القلب شج والھم شجوں دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں میرا کون ہے تیرے سوا جانا
الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
مورا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا
بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ میرا
ارشاد احبا ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

(۷)

نہ آسمان کو یوں سرکشیدہ ہونا تھا
حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا

اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا
کنار خار مدینہ دمیدہ ہونا تھا

نظارہ خاک مدینہ کا اور تیری آنکھ
نہ اس قدر بھی قمر شوخ دیدہ ہونا تھا

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

بجا تھا عرش پہ خاک مزار پاک کو ناز
کہ تجھ سا عرش نشیں آفریدہ ہونا تھا

مرے کریم گنہ زہر ہے مگر آخر
کوئی تو شہد شفاعت چشیدہ ہونا تھا

رضا جو دل کو بنانا تھا جلوہ گاہ حبیب
تو پیارے قید خودی سے رہیدہ ہونا تھا

(۸)

شور مہ سنکر تجھ تک میں دواں آیا
ساقی میں ترے صدقے مے دے رمضاں آیا

جب بام تجلی پر وہ نیر جاں آیا
سر تھا جو گرا جھک کر دل تھا جو تپاں آیا

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل چکر میں گماں آیا

طیبہ سے ہم آتے ہیں کہئے تو جناں والو
کیا دیکھ کے جیتا ہے جو واں سے یہاں آیا

لے طوق الم سے اب آزاد ہو اے قمری
چھٹی لئے بخشش کی وہ سرو رواں آیا

(۹)

خراب حال کیا دل کو پر ملال کیا
تمہارے کوچہ سے رخصت نے کیا نہال کیا

نہ روئے گل ابھی دیکھا نہ بوئے گل سونگھی
قضا نے لاکے قفس میں شکستہ بال کیا

وہ دل کے خوں شدہ ارماں تھے جس میں مل ڈالا
فغاں کہ گور شہیداں کو پائمال کیا

چمن سے پھینک دیا آشیانۂ بلبل
اجاڑا خانۂ بےکس بڑا کمال کیا

الہی سن لے رضا جیتے جی کہ مولیٰ نے
سگان کوچہ میں چہرا مرا بحال کیا

(۱۰)

بندہ ملنے کو قریب حضرت قادر گیا
لمعہ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھر تھرا کر گر گیا

وہ کہ اس در کا ہوا خلق خدا اس کی ہوئی
وہ کہ اس در سے پھرا اللہ اس سے پھر گیا

ٹھوکریں کھاتے پھروگے انکے در پہ پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

(۱۱)

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیٔ رحمت کا قلمدان گیا

لے خبر جلد کہ غیروں کی طرف دھیان گیا
میرے مولا مرے آقا ترے قربان گیا

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

انھیں جانا انھیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینہ پہونچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

(۱۲)

تاب مرأت سحر گرد بیابان عرب
غازۂ روئے قمر دود چراغان عرب

اللہ اللہ بہار چمنستان عرب
پاک ہیں لوث خزاں سے گل و ریحان عرب

جوشش ابر سے خون گل فردوس گرے
اگر آزاد کرے سیر و خرامان عرب

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

بزم قدسی میں ہے یاد لب جاں بخش حضور
عالم نور میں ہے چشمۂ حیوان عرب

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں
کہ رضائے عجمی ہو سگ حسان عرب

(۱۳)

پھر اٹھا ولولۂ یاد مغیلان عرب
پھر کھنچا دامن دل سوئے بیابان عرب

اب تو ہے گریۂ خوں گوہر دامان عرب
جس میں دو لعل تھے زہرا کے وہ تھی کان عرب

دل وہی دل ہے جو آنکھوں سے ہو حیران عرب
آنکھیں وہ آنکھیں ہیں جو دل سے ہوں قربان عرب

فصل گل لاکھ نہ ہو وصل کی رکھ آس ہزار
پھولتے پھلتے ہیں بے فصل گلستان عرب

شادیٔ حشر ہے صدقے میں چھٹیں گے قیدی
عرش پہ دھوم سے ہے دعوت مہمان عرب

چرچے ہوتے ہیں یہ کھلائے ہوئے پھولوں میں
کیوں یہ دن دیکھتے پاتے جو بیابان عرب

ہشت خلد آئیں وہاں کسب لطافت کو رضا
چار دن برسے جہاں ابر بہاران عرب

(۱۴)

جو بنوں پر ہے بہار چمن آرائی دوست
خلد کا نام نہ لے بلبل شیدائی دوست

تھک کے بیٹھے تو در دل پہ تمنائی دوست
کون سے گھر کا اجالا نہیں زیبائی دوست

مہر کس منہ سے جلو داری جاناں کرتا
سایہ کے نام سے بیزار ہے یکتائی دوست

مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عمر جاوید
زندہ چھوڑے گی کسی کو نہ مسیحائی دوست

ان کو یکتا کیا اور خلق بنائی یعنی
انجمن کر کے تماشا کریں تنہائی دوست

شرم سے جھکتی ہے محراب کہ ساجد ہیں حضور
سجدہ کرواتی ہے کعبہ سے جبیں سائی دوست

رنج اعدا کا رضا چارہ ہی کیا ہو جب انھیں
آپ گستاخ رکھے حلم و شکیبائی دوست

(۱۵)

طوبیٰ میں جو سب سے اونچی نازک سیدھی نکلی شاخ
مانگوں نعت نبی لکھنے کو روح قدس سے ایسی شاخ

مولیٰ گلبن رحمت زہرا سبطین اس کی کلیاں پھول
صدیق و فاروق و عثمان حیدر ہر اک اس کی شاخ

شاخ قامت شہ میں زلف و چشم و رخسار و لب ہیں
سنبل نرگس گل پنکھڑیاں قدرت کی کیا پھولی شاخ

اپنے ان باغوں کا صدقہ وہ رحمت کا پانی دے
جس سے نخل دل میں ہو پیدا پیارے تیری ولا کی شاخ

ظاہر و باطن اول و آخر زیب فروع و زین اصول
باغ رسالت میں ہے تو ہی گل غنچہ جڑ پتی شاخ

(۱۶)

زہے عزت و اعتلائے محمد
کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد

مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا
ملک خادمان سرائے محمد

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

بسی عطر محبوبی کبریا سے
عبائے محمد قبائے محمد

دم نزع جاری ہو میری زباں پر
محمد محمد خدائے محمد

میں قربان کیا پیاری پیاری ہے نسبت
یہ آن خدا وہ خدائے محمد

خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے
جو آنکھیں ہیں محو لقائے محمد

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
بڑھی ناز سے جب دعائے محمد

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے رب سلم صدائے محمد

(۱۷)

اے شافع امم شہ ذی جاہ لے خبر
للہ لے خبر مری للہ لے خبر

منزل کڑی ہے رات اندھیری میں نابلد
اے خضر لے خبر مری اے ماہ لے خبر

جنگل درندوں کا ہے میں بے یار شب قریب
گھیرے ہیں چار سمت سے بدخواہ لے خبر

وہ سختیاں سوال کی وہ صورتیں مہیب
اے غمزدوں کے حال سے آگاہ لے خبر

مجرم کو بارگاہ عدالت میں لائے ہیں
تکتا ہے بے کسی میں تری راہ لے خبر

اہل عمل کو ان کے عمل کام آئیں گے
میرا ہے کون تیرے سوا آہ لے خبر

مانا کہ سخت مجرم و ناکارہ ہے رضا
تیرا ہی تو ہے بندۂ درگاہ لے خبر

(۱۸)

گزرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبر سارا ہو کر

رخ انور کی تجلی جو قمر نے دیکھی
رہ گیا بوسہ دہ نقش کف پا ہو کر

وائے محرومی قسمت کہ میں پھر اب کی برس
رہ گیا ہمرہ زوار مدینہ ہو کر

چمن طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغ سدرہ
برسوں چہکے ہیں جہاں بلبل شیدا ہو کر

ہے یہ امید رضا کو تری رحمت سے شہا
نہ ہو زندانی دوزخ ترا بندہ ہو کر

(۱۹)

نار دوزخ کو چمن کر دے بہار عارض
ظلمت حشر کو دن کر دے نہار عارض

میں تو کیا چیز ہوں خود صاحب قرآں کو شہا
لاکھ مصحف سے پسند آئی بہار عارض

جیسے قرآن ہے ورد اس گل محبوبی کا
یوہیں قرآں کا وظیفہ ہے بہار عارض

طور کیا عرش جلے دیکھ کے وہ جلوۂ گرم
آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض

طرفہ عالم ہے وہ قرآن ادھر دیکھیں ادھر
مصحف پاک ہو حیراں بہار عارض

ترجمہ ہے یہ صفت کا وہ خود آئینہ ذات
کیوں نہ مصحف سے زیادہ ہو وقار عارض

آہ بے مائگی دل کہ رضائے محتاج
لے کر اک جان چلا بہر نثار عارض

(۲۰)

کیا ٹھیک ہو رخ نبوی پر مثال گل
پامال جلوۂ کف پا ہے جمال گل

جنت ہے ان کے جلوہ سے جو پائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوال گل

رنگ مژہ سے کر کے خجل یاد شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطر جمال گل

میں یاد شہ میں روؤں عنادل کریں ہجوم
ہر اشک لالہ فام پہ ہو احتمال گل

ہیں عکس چہرہ سے لب گلگوں میں سرخیاں
ڈوبا ہے بدر گل سے شفق میں ہلال گل

کر اس کی یاد جس سے ملے چین عندلیب
دیکھا نہیں کہ خار الم ہے خیال گل

ان دو کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں
کیجے رضا کو حشر میں خنداں مثال گل

(۲۱)

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول
لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

دل بستہ و خوں گشتہ نہ خوشبو نہ لطافت
کیوں غنچہ کہوں ہے مرے آقا کا دہن پھول

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا — اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

کیا بات رضا اس چمنستان کرم کی — زہرہ ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

(۲۲)

ہے کلام الٰہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم
ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم
ترا مسند ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم
یہی عرض ہے خالق ارض و سما وہ رسول ہیں تیرے میں بندہ ترا
مجھے ان کی جوار میں دے وہ جگہ کہ ہے خلد کو جس کی صفا کی قسم
تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا ہے تجھی پہ بھروسہ تجھی سے دعا
مجھے جلوۂ پاک رسول دکھا تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم
یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

(۲۳)

رشک قمر ہوں رنگ رخ آفتاب ہوں — ذرہ ترا جو اے شہ گردوں جناب ہوں

در نجف ہوں گوہر پاک خوشاب ہوں — یعنی تراب رہ گذر بوتراب ہوں

دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار — غنچہ ہوں گل ہوں برق تپاں ہوں سحاب ہوں

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا — پر لطف جب ہے کہدیں وہ اگر جناب ہوں

حسرت میں خاک بوسیٔ طیبہ میں اے رضا — ٹپکا جو چشم مہر سے وہ خون ناب ہوں

(۲۴)

پوچھتے کیا ہو عرش پہ یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں — کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

دل کو ہے فکر کس طرح مردے جلاتے ہیں حضور — اے میں فدا لگا کے اک ٹھوکر اسے بتا کہ یوں

باغ میں شکر وصل تھا ہجر میں ہائے ہائے گل — کام ہے ان کے ذکر سے خیر وہ یوں ہوا کہ یوں

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے — لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

(۲۵)

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تری گلی سے جائے کیوں
رخصت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں
سوتے ہیں ان کے سائے میں کوئی ہمیں جگائے کیوں
یاد حضور کی قسم غفلت عیش ہے ستم
خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں
جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں
ہم تو ہیں آپ دل فگار غم میں ہنسی ہے ناگوار
چھیڑ کے گل کو نوبہار خون ہمیں رلائے کیوں
خوش رہے گل سے عندلیب خار حرم مجھے نصیب
میری بلا بھی ذکر پہ پھول کے خار کھائے کیوں
ہے تو رضا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوز غم ساز طرب بجائے کیوں

(۲۶)

یاد وطن ستم کیا دشت حرم سے لائی کیوں — بیٹھے بٹھائے بدنصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں

دل میں تو چوٹ تھی دبی ہائے غضب ابھر گئی — پوچھو تو آہ سرد سے ٹھنڈی ہوا چلائی کیوں

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد — سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں

کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں — نرگس مست ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں

حسرت نو کا سانحہ سنتے ہی دل بگڑ گیا — ایسے مریض کو رضا مرگ جواں سنائی کیوں

(۲۷)

اھل صراط روح امیں کو خبر کریں — جاتی ہے امت نبوی فرش پر کریں

ان فتنہ ہائے حشر سے کہدو حذر کریں — نازوں کے پالے آتے ہیں رہ سے گزر کریں

بد ہیں تو آپ کے ہیں بھلے ہیں تو آپ کے — ٹکڑوں سے تو یہاں کے پلے رخ کدھر کریں

ان کی حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے — آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں گھر کریں

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار — اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

(۲۸)

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں — تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں — دربدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

ہر چراغ مزار پر قدسی — کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں — مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا — تجھ سے شیدا ہزار پھرتے ہیں

(۲۹)

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دئے ہیں — جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دئے ہیں

اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنے — تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دئے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو — جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دئے ہیں

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہونگے — اب تو غنی کے در پر بستر جما دئے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں در بے بہا دیے ہیں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

(۳۰)

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

جود شاہ کوثر اپنے پیاسوں کا جویا ہے آپ
کیا عجب اڑ کر جو آپ آئے پیالی ہاتھ میں

ابر نیساں مومنوں کو تیغ عریاں کفر پر
جمع ہیں شان جمالی و جلالی ہاتھ میں

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

سایہ افگن سر پہ ہو پرچم الٰہی جھوم کر
جب لواء الحمد لے امت کا والی ہاتھ میں

آہ وہ عالم کہ آنکھیں بند اور لب پر درود
وقف سنگ در جبیں روضہ کی جالی ہاتھ میں

حشر میں کیا کیا مزے وارفتگی کے لوں رضاؔ
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامان عالی ہاتھ میں

(۳۱)

راہ عرفاں سے جو ہم نادیدہ رو محرم نہیں
مصطفیٰ ہے مسند ارشاد پر کچھ غم نہیں

بستۂ مہر عرب ہے جس سے دریا بہ گئے
چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں

اوس مہر حشر پر پڑ جائے پیاسو تو سہی
اس گل خنداں کا رونا گریۂ شبنم نہیں

ہے انھیں کے دم قدم کی باغ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

سایۂ دیوار و خاک در ہو یا رب اور رضاؔ
خواہش دیہیم قیصر شوق تخت جم نہیں

(۳۲)

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیاں ہے جس کا بیاں نہیں

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

وہی نور حق وہی ظل رب ہے انھیں سے سب ہے انھیں کا سب
نہیں انکی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کبھی نہ کوئی ہوا
کہو اس کو گل کہے کیا بنے کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

(۳۳)

زائرو پاس ادب رکھو ہوس جانے دو
آنکھیں اندھی ہوئی ہیں انکو ترس جانے دو

سوکھی جاتی ہے امید غربا کی کھیتی
بوندیاں لکۂ رحمت کی برس جانے دو

پلٹی آتی ہے ابھی وجد میں جان شیریں
نغمۂ قم کا ذرا کانوں میں رس جانے دو

ہم بھی چلتے ہیں ذرا قافلے والو ٹھہرو
گٹھریاں توشۂ امید کی کس جانے دو

دید گل اور بھی ڈھاتی ہے قیامت دل پر
ہمصفیرو ہمیں پھر سوئے قفس جانے دو

(۳۴)

چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو
حور بڑھ کر شکن ناز پہ وارے گیسو

ہم سیہ کاروں پہ یا رب تپش محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو

آخر حج غم امت میں پریشاں ہو کر
تیرہ بختوں کی شفاعت کو سدھارے گیسو

سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے
چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو

کعبۂ جاں کو پنھایا ہے غلاف مشکیں
اڑ کے آئے ہیں جو ابرو پہ تمہارے گیسو

سلسلہ پا کے شفاعت کا جھکے پڑتے ہیں
سجدۂ شکر کے کرتے ہیں اشارے گیسو

دیکھ قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو

تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضاؔ
صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

(۳۵)

یاد میں جسکی نہیں ہوش تن و جاں ہم کو
پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فروزاں ہم کو

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

کاش آویزۂ قندیل مدینہ ہو وہ دل
جسکو سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو

عرش جس خوبئ رفتار کا پامال ہوا
دو قدم چل کے دکھا سرو خراماں ہم کو

مرے ہر زخم جگر سے یہ نکلتی ہے صدا
اے ملیح عربی کر دے نمکداں ہم کو

جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار
نظر آتی ہے خزاں دیدہ گلستاں ہم کو

نیر حشر نے اک آگ لگا رکھی ہے
تیز ہے دھوپ ملے سایۂ داماں ہم کو

چاک داماں میں نہ تھک جائیو اے دست جنوں
پرزے کرنا ہے ابھی جیب و گریباں ہم کو

اے رضا وصف رخ پاک سنانے کیلئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو

(۳۶)

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت
اب مدینہ کو چلو صبح دل آرا دیکھو

آب زمزم تو پیا خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جود شہ کوثر کا بھی دریا دیکھو

زیر میزاب ملے خوب کرم کے چھینٹے
ابر رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو

دھوم دیکھی ہے در کعبہ پہ بے تابوں کی
ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو

خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلاف کعبہ
قصر محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو

ایمن طور کا تھا رکن یمانی میں فروغ
شعلہ طور یہاں انجمن آرا دیکھو

رقص بسمل کی بہاریں تو منی میں دیکھیں
دل خوں نابہ فشاں کا بھی تڑپنا دیکھو

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو

(۳۷)

پل سے اتار دو راہ گذر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

کانٹا مرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

فریاد امتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

کہتی تھی یہ براق سے اسکی سبک روی
یوں جائیے کہ گرد سفر کو خبر نہ ہو

ان کے سوا رضا کوئی حامی نہیں جہاں
گزرا کرے پسر پہ پدر کو خبر نہ ہو

(۳۸)

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیٔ دیدار حسن مصطفیٰ کا ساتھ ہو

یا الٰہی سر دھری پر ہو جب خورشید حشر
سید بے سایہ کے ظل لوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی گرمی محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامن محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الٰہی نامہ اعمال جب کھلنے لگیں
عیب پوش خلق ستار خطا کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب سر شمشیر پر چلنا پڑے
رب سلم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

یا الٰہی جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

(۳۹)

کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ
قرض لیتی ہے گنہ پرہیزگاری واہ واہ

خامۂ قدرت کا حسن دست کاری واہ واہ
کیا ہی تصویر اپنے پیارے کی سنواری واہ واہ

اشک شب بھر انتظار عفو امت میں بہیں
میں فدا چاند اور یوں اختر شماری واہ واہ

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گرد سواری واہ واہ

مجرموں کو ڈھونڈھتی پھرتی ہے رحمت کی نگاہ
طالع برگشتہ تیری سازگاری واہ واہ

کیا مدینہ سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ واہ

اس طرف روضہ کا نور اس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفہ میں رضا
ان سگان کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

(۴۰)

رونق بزم جہاں ہیں عاشقان سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبان سوختہ

جس کو قرص مہر سمجھا ہے جہاں اے منعمو
ان کے خوان جود سے ہے ایک نان سوختہ

برق انگشت نبی چمکی تھی اس پر ایکبار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشان سوختہ

مہر عالمتاب جھکتا ہے پئے تسلیم روز
پیش ذرات مزار بے دلان سوختہ

آتش گلہائے طیبہ پر جلانے کے لئے
جان کے طالب ہیں پیارے بلبلان سوختہ

اے رضا مضمون سوز دل کی رفعت نے کیا
اس زمین سوختہ کو آسمان سوختہ

(۴۱)

سب سے اولی و اعلی ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی

اپنے مولی کا پیارا ہمارا نبی
دونوں عالم کا دولھا ہمارا نبی

بزم آخر کا شمع فروزاں ہوا
نور اول کا جلوا ہمارا نبی

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لیکر آیا ہمارا نبی

خلق سے اولیاء اولیاء سے رسل
اور رسولوں سے اعلی ہمارا نبی

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دل آرا ہمارا نبی

جیسے سب کا خدا ایک ہے ویسے ہی
ان کا ان کا تمہارا ہمارا نبی

قرنوں بدلی رسولوں کی ہوتی رہی
چاند بدلی کا نکلا ہمارا نبی

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

لامکاں تک اجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اجالا ہمارا نبی

غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی

(۴۲)

کس کے جلوہ کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے
ہر طرف دیدۂ حیرت زدہ تکتا کیا ہے

ہم ہیں ان کے وہ ہیں تیرے تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے

ان کی امت میں بنایا انھیں رحمت بھیجا
یوں نہ فرما کہ ترا رحم میں دعوی کیا ہے

زاہد ان کا میں گنہ گار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

بے بسی ہو جو مجھے پرسش اعمال کے وقت
دوستو کیا کہوں اس وقت تمنا کیا ہے

کاش فریاد میری سن کے یہ فرمائیں حضور
ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے غوغا کیا ہے

کون آفت زدہ ہے کس پہ بلا ٹوٹی ہے
کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے

یوں ملائک کریں معروض کہ کب مجرم ہے
اس سے پرسش ہے بتا تو نے کیا کیا کیا ہے

سامنا قہر کا ہے دفتر اعمال ہے پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے

آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یا شاہ رسل
بندہ بیکس ہے شہا رحم میں وقفہ کیا ہے

سن کے یہ عرض مری بحر کرم جوش میں آئے
یوں ملائک کو ہو ارشاد ٹھہرنا کیا ہے

کس کو تم مورد آفات کیا چاہتے ہو
ہم بھی تو آکے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے

ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور
اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پروا کیا ہے

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپالیں سرور
اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے

چھوڑ کر مجھ کو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم
حکم والا کی نہ تعمیل ہو زہرہ کیا ہے

یہ سماں دیکھ کر محشر میں اٹھے شور کہ واہ
چشم بد دور ہو کیا شان ہے رتبہ کیا ہے

اے رضا جان عنادل ترے نغموں پہ نثار
بلبل باغ مدینہ تیرا کہنا کیا ہے

(۴۳)

سرور کہوں کہ مالک و مولی کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

حرماں نصیب ہوں تجھے امیدگہ کہوں
جان مراد کان تمنا کہوں تجھے

گلزار قدس کا گل رنگیں ادا کہوں
درمان درد بلبل شیدا کہوں تجھے

صبح وطن پہ شام غریباں کو دوں شرف
بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے

اللہ رے تیرے جسم منور کی تابشیں
اے جان جاں میں جان تجلا کہوں تجھے

مجرم ہوں اپنے عفو کا ساماں کروں شہا
یعنی شفیع روز جزا کا کہوں تجھے

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

(۴۴)

اٹھا دو پردہ دکھا دو جلوہ کہ نور باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

کھڑے ہیں منکر نکیر سر پر نہ کوئی حامی نہ کوئی یاور
بتا دو آکر مرے پیمبر کہ سخت مشکل جواب میں ہے

خدائے قہار ہے غضب پر کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچالو آکر شفیع محشر تمہارا بندہ عذاب میں ہے

کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے
بتاؤ اے مفلسو کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے

کریم اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما
تو اور رضا سے حساب لینا رضا بھی کوئی حساب میں ہے

(۴۵)

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

بادل گرجے بجلی چمکے دھک سے کلیجہ ہو جائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کے سر دے پٹکوں چل رے مولی والی ہے

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

تم تو چاند عرب کے ہو پیارے تم تو عجم کے سورج ہو
دیکھو مجھ بیکس پہ شب نے کیسی آفت ڈالی ہے

مولی تیرے عفو و کرم ہوں میرے گواہ صفائی کے
ورنہ رضا سے چور پہ تیری ڈگری تو اقبالی ہے

(۴۶)

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پہ جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

بہار ہے شادیاں مبارک چمن کو آبادیاں مبارک
ملک فلک اپنی اپنی لے میں یہ گھر عنادل کا بولتے تھے

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

یہ جھوما میزابِ زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

تجلیٔ حق کا سہرا سر پر صلاۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

براق کے نقشِ سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہوں معنی اول و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

بڑھا یہ لہرا کے بحرِ وحدت کہ دھل گیا نام ریگ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت یہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

روش کی گرمی کو جس نے سوچا دماغ سے اک بھبھوکا پھوٹا
خرد کے جنگل میں پھول چمکا دہر دہر پیڑ جل رہے تھے

جلو میں جو مرغِ عقل اڑے تھے عجب برے حالوں گرتے پڑتے
وہ سدرہ ہی پر رہے تھے تھک کر چڑھا تھا دم تیور آگئے تھے

قوی تھے مرغانِ وہم کے پر اڑے تو اڑنے کو اور دم بھر
اٹھائی سینے کی ایسی ٹھوکر کہ خونِ اندیشہ تھوکتے تھے

سنا یہ اتنے میں عرشِ حق نے کہ لے مبارک ہوں تاج والے
وہی قدم خیر سے پھر آئے جو پہلے تاجِ شرف ترے تھے

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

خرد سے کہدو کہ سر جھکالے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو تم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

ادھر سے تھیں نذرِ شہ نمازیں ادھر سے انعامِ خسروی میں
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پرنور میں پڑے تھے

زبان کو انتظارِ گفتن تو گوش کو حسرتِ شنیدن
یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا جو بات سننی تھی سن چلے تھے

خدا کی قدرت کے چاند حق کے کروروں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلئے تھے

نبیٔ رحمت شفیعِ امت رضاؔ پہ للہ ہو عنایت
اسے بھی ان خلعتوں سے حصہ جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا ردی تھی کیا کیسے قافئے تھے

(۴۷)

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
انسا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

(۴۸)

کعبہ سے اگر تربتِ شہ فاضل ہے
کیوں بائیں طرف اس کیلئے منزل ہے
اس فکر میں جو دل کی طرف دھیان گیا
سمجھا کہ وہ جسم ہے یہ مرقد دل ہے

(۴۹)

تم چاہو تو قسمت کی مصیبت ٹل جائے
کیونکر کہوں ساعت سے قیامت ٹل جائے
للہ اٹھاؤ رخِ روشن سے نقاب
مولیٰ مری آئی ہوئی شامت ٹل جائے

(۵۰)

یاں شبہ شبیہہ کا گزرنا کیسا ہے
بے مثل کی تمثال سنورنا کیسا ہے
ان کا متعلق ہے ترقی پہ مدام
تصویر کا پھر کہئے اترنا کیسا ہے

(۵۱)

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام
شہر یارِ ارم تاجدارِ حرم
نوبہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
نقطۂ سرِ وحدت پہ یکتا درود
مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام
صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگیں
اوسکی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

فتح باب نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

وصف جس کا ہے آئینہ حق نما
اوس خدا ساز طلعت پہ لاکھوں سلام

جس کے آگے سر سروراں خم رہیں
اوس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام

جسکے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اوس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہر بات وحیٔ خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

وہ زباں جسکو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

اس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود
اسکے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

وہ دعا جس کا جوبن بہار قبول
اس نسیم اجابت پہ لاکھوں سلام

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

اللہ اللہ وہ بچپنے کی پھبن
اس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام

جسکے گھیرے میں ہیں انبیاء و ملک
اس جہانگیر بعثت پہ لاکھوں سلام

جسکے آگے کھچی گردنیں جھک گئیں
اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

(۵۲)

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے

چنیں و چناں تمہارے لئے بنے دوجہاں تمہارے لئے

دہن میں زباں تمہارے لئے بدن میں ہے جاں تمہارے لئے

ہم آئے یہاں تمہارے لئے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

فرشتے خدم رسول حشم تمام امم غلام کرم

وجود و عدم حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لئے

اصالت کل امامت کل سیادت کل امارت کل

حکومت کل ولایت کل خدا کے یہاں تمہارے لئے

نہ روح امیں نہ عرش بریں نہ لوح مبیں کوئی بھی کہیں

خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے

جناں میں چمن چمن میں سمن سمن میں پھبن پھبن میں دولہن

سزائے محن پہ ایسے منن یہ امن و اماں تمہارے لئے

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا

گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے

لوا کے تلے ثنا میں کھلے رضاؔ کی زباں تمہارے لئے

(۵۳)

لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لیکے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لیکے چلے

ترے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے

مدینہ جان جناں و جہاں ہے وہ سن لیں
جنھیں جنون جناں سوئے زاغ لے کے چلے

مگر خدا یہ جو دھبہ دروغ کا تھوپا
یہ کس لعین کی غلامی کا داغ لے کے چلے

رضاؔ کسی سگ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ کہ اتنا دماغ لے کے چلے

(۵۴)

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے

پھر اسی آن کے بعد انکی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے

روح تو سب کی ہے زندہ ان کا
جسم پرنور بھی روحانی ہے

اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف
ان کے اجسام کی کب ثانی ہے

یہ ہیں حی ابدی ان کو رضاؔ
صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

(۵۵)

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا ہے المنۃ للہ محفوظ

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

(۵۶)

توشہ میں غم و اشک کا ساماں بس ہے
افغان دل زار حدی خواں بس ہے

رہبر کی رہ نعت میں گر حاجت ہو
نقش قدم حضرت حساں بس ہے

(۵۷)

کس درجہ ہے روشن تن محبوب الہ
جامہ سے عیاں رنگ بدن ہے واللہ

کپڑے یہ نہیں میلے ہیں اس گل کے رضا
فریاد کو آئی ہے سیاہیٔ گناہ

(۵۸)

ہے جلوہ گہہ نور الٰہی وہ رو
قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو

آنکھیں یہ نہیں سبزۂ مژگاں کے قریب
چرتے ہیں فضائے لامکاں میں آہو

(۵۹)

معدوم نہ تھا سایۂ شاہ ثقلین
وہ سایہ تھا جلوہ گہہ ذات حسنین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے
آدھے سے حسن بنائے آدھے سے حسین

(۶۰)

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ
عقبیٰ یہ نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ

بیٹھوں جو در پاک پیمبر کے حضور
ایمان پر اس وقت اٹھانا مولیٰ

(۶۱)

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا
غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا

جس سے تجھے نقصان نہیں کر دے معاف
جس میں ترا کچھ خرچ نہیں دے مولیٰ

اے امام ہدیٰ وارث انبیاء عارف کبریا عاشق مصطفیٰ
تجھ کو کہتی ہے دنیا امام رضا تجھ سے اسلامیوں کے مقدر کھلے

۱
الامام احمد رضا اور مفتی المکۃ السید احمد زینی دحلان

۲
امام احمد رضا اور مفتی مکہ سید احمد زینی دحلان

۳
امام احمد رضا علمائے عرب و عجم کی نظر میں

الامام احمد رضا اور مفتی مکۃ السید احمد زینی دحلان

رئیس القلم السید عبد الکریم السید علی الہاشمی ایم اے
کاروای بمبائی ۔

An Arabic article on a hidden aspect of the life of Imam Ahmed Reza Khan connected with his visit to Medina for Ziarat in 1869 when he met along with Mufti Mecca Syed Zaini Dahlan the Ottoman Caliph Sultan Abdul Aziz and also the next would be Caliph Sultan Abdul Hameed Khan the last Caliph of Islam.

On this occasion Imam Ahmed Reza khan officially confirmed as a Mufti from India, the old Sunni Dogma of

وجوب سلام بقیام علی النبی علیہ السلام

By

Syed Abdul Karim Hashimi,
M.A.

بسم الله الرحمن الرحيم و هو حسبی و نعم الوکیل ۔ الحمد لله الذی منّ علینا برسوله و هدانا الی سواءِ سبیله و امرنا بتعظیم و تکریمه و تبجیله و فرض علینا (ای کل مومن و مسلم) ان یکون احب الیه من نفسه و ابویه و خلیله و جعل اِتباعه سبب لمحبة الله و تفضیله (و ایضا الانقیاد له و الاِستسلام و التقلیس و التسلیم لذاته و صفاته و رفعته و عظمته بعد عظمة الله جل جلاله سببا لتعظیم الله) و نصب طاعته عاصمة من کید الشیطان و تضلیله و یغنی عن جملة القول و تفصیله رفع ذکره و اثنی علیه فی محکم الکتاب و تنزیله صلی الله علیه و سلم صلوٰة دائمة بدوام طلوع النجم و اُفوله و بدوام قربه من ربه و قرب ربه منه و بما بینه و بین ربه (من الاسرار "لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی" و "ما نفدت کلمات الله" و "لی مع الله وقت" و "کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین" و "انك فی اعیننا" فلله العزة جمیعا و العزة لله و رسوله") و بدوام ملك الله رب العالمین الذی خلقه من جلاله و زینه بجماله و توجه بکماله و اهله لرویة ذاته و جعله محلا لاسمائه و صفاته و بدوام ظهور ما یظهر من تحرُّف اسمائه و شموس افلاك صفاته و جوامع کماله بجلاله و جماله فی غیب حضرة ذاته ۔ اما بعد ۔ الحمد لله علی رحمته بواسطة ما اشرت الیه بقوله "ان رحمة الله قریب من المحسنین" و بقوله "صدقت یا آدم اِنه لاحب الخلق الیّ اذ سالتنی بحقه قد غفرت لك و لولا محمد ما خلقتك و هو آخر الانبیاء من ذریتك ....."

الیوم عدد الناس فی الارض یکون اربعة الف ملیون و منهم ۷۵۰ ملیون یدینون بدین الاسلام و ادیان اخر من الملل و اهواء النحل و الباقون لا دین لهم و لا مذهب و لا ملة و هم الملاحدة و الدهریة و لا ادریة ای الناس بعدم الاعتقاد بالله تعالی الذی نزل الکتاب علی قلب محمد و هم الکومیونسٹس یعنی شیوعی اشتراکی متطرف و هم مشرکون کما قال الله تعالی "و ما یومن اکثرهم بالله اِلا و هم مشرکون"

نحن بنی آدم محصورین الیوم بین قوتان عظیمتان متعارضان متناقضان و مخالفتان احدهم السلطات لاصحاب الادیان السماویة و مذاهب الارضیة و هم الراسمالیون یسمی کابیتلستس و الثانی سلطات الاصحاب الاشتراکیة و هم کومیونسٹس الراسمالیون (الحق و لا واحد منهم غیر راس المال) لان الدول الارباح المال و التمویل و التجنیب تملك اکثر الذهب (ما فوق من عشرین الف طن) و الفضة و الجواهرات (من کنوز الملوك الفراعنة و الیونان و الروم و الهند و غیرهم) و القصور و العقار و الاراضی الزراعة و فبارك و البنیوك و الشرکات المعادن و البواخر و سکك الحدید و الطیارات و غیرهم و کل ثروة البلاد براً و بحراً فی ید الحکومة و الامراء و التجار و یبقی الرعیة فقیرة (مثل ذلك الیوم فی المسلمین مملکة السعودیة العربیة و بحرین و کویت و امارات المتحدة العربیة و فی غیر مسلمین ولایات المتحدة الامیرکة) کذلك الحال فی بلدان الکومیونستس ۔ هناك ایضا کل شی یبقی بید الحکومة فقط و الرعیة مالها ای ملك و هم مبسوطین و مطمئنین باحوالهم لان الحکومة لا دینیة یزین لهم حیاتهم الدنیویة و لیس لدیهم ای مشروع للعقبیٰ لانهم لا یعتقدون بالاخرة و یظنون ان امل العقبیٰ خدع عظیم و الرعیة فی بلدان کابیتلستس ایضا یعیش مطمئنة لان لهم حریة الدین باهل العیشة الراضیة فی العقبی فقط و فی بلدان کمیونستس العمل بالدین ممنوع لانهم یعتقدون ان ادیان السماویة و السفلیة غیر عقلی و باطل بکونهم سخیف و غیر معقول و ان الراسمالیون یلعبون بهم و برقة الاحساس العواطف الدینیة و لهذا الزعمائهم یسئلون ما نا بالدین لما یکفی لنا فقط مبدأ تعلیمی و قانون من عقائد کارل مارکس الفیلسوف المانی عن المساوات الانسانی و الاخوة و الاتحاد و الحریة بان حیاتنا هی حیاة الدنیا فقط و لا البعث بعده

نسمع ان الی عام ۱۹۱۰ میلادی العدد المسلمین فی بلدان کمیونستس کانت یفوق ۶۰ ملیون سنی حنفی و الیوم هم اقل من ۱۰ ملیون و هم ما یعرفون الصلاة و الحج و فی بلدان کابیتلستس هناك ۱۰۰۰ ملیون مسلم و فیهم السنیون یزیدون سبعین فی المأة و منهم الحنفیون یزیدون سبعین فی المأة و الوهابیون اقل من عشرین فی المأة ۔ و هم یظنون ان اهل السنة قد ارتدّوا عن اسلامهم

وصاروا من اهل الشرک والزیغ واهل البدعة (رأیت کتاب الدولة المکیة بالمادة الغیبیة مصنف امام اهلسنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قادری رحمة الله علیه ـ قد اعتنی بطبعة جدیدة بالأوفست حسین حلمی بن سعید استانبولی سنہ ۱۹۷۵ء ـ ووجدت فیها هذا ..."ولاشک ان فرقة الوهابیة اشقی الناس یحسدهم لرسول الله ....) بناء علی ما قال مولانا احمد رضا خان لاشک ان فرقة الوهابیة فی الهند (ای دیوبندیة ندویة اصلاحیة ولبّة من مدرسة باقیات الصالحات وغیرهم) نحن نقول ان اشقی الناس یحسدهم لاهل السنة (الذین هم اسعد الناس بحبهم برسول الله) ـ لانهم یعتقدون ان السنیون مشرکون ـ

اول من حکم علی اهل السنة انهم مشرکون هو امام (اعظم الائمة للوهابیة) عز الدین ابن عبد السلام قاضی القضاة دمشق هو الذی بدأ مذهب الوهابیة باسم طریقة الاصلاح فی الدین واحیاء السنة فاصلح وابطل بدعا کثیرة منها صلاة الرغائب وصلاة نصف شعبان لان (کما قال القاضی) ما یفعله الناس (ای اهل السنة ـ منهم بالاخص الاتراک الاحناف) من احیاء نصف شعبان والدعاء فیها بهذا الدعاء المعروف لا اصل له فی الدین وایضا قال ان العلماء متفقون علی انه من المحدثات ای البدعة او خلاف السنة ـ کان القاضی مع النصاری فی حروب الصلیبیة وخلاف الاحناف الاتراک وکان موجودا بالدمشق لما سیدنا سلطان رکن الدین بیبرس انهزم جنود الصلیبیین والتتر فی معرکة عین جالوت وهی نصرة عظیمة للاسلام ـ فلما وقع الخلاف بین القاضی وبین ملک صالح اسماعیل اعلن اسقاطه من الحکم فی الخطبة والملک حاضر فی المسجد فالملک قبض علیه وحبسه فضج الناس وتکلم العلماء فجاؤا عند الملک وفود من الافرنج یطلبون اطلاق القاضی من السجن وقالوا ایضا "والله لو کان هذا القاضی قسیسنا لغسلنا رجلیه وشربنا ماءهما".... هذا عقیدة الوهابیة وهم یقولون ان مذهبهم السنة النبویة وطریقتهم الطریقة المحمدیة وان هم اخذوا الطریقة المحمدیة من امامهم الاخیر محمد بن عبد الوهاب النجدی وهو اخذه من شیخه الشیخ محمد حیات سندهی (نزیل مدینة) وهو اخذه من ۲۷ مشائخه (کلهم نزیل مدینه) وهم علماء الحدیث فی المدینة (هؤلاء ۲۷ کانوا محدثین الکبار ومدرسین فی مدرسة الحدیث ـ اسست بواسطة الکتاب تقویة الایمان وامامنا احمد رضا خان کان محارب کحرکة صوریة مع تلک المذاهب فی الهند) وهم ای ۲۷ محدثین العظام اخذوه من امام ابن کثیر المتوفی سنہ ۷۷۲ھ وهو اخذه من جده امام مجد الدین ابن تیمیة وهو اخذه من شیخه عز الدین ابن عبد السلام المتوفی سنہ ۶۶۰ھ ـ لما حرق المسجد النبوی فی سنہ ۶۵۴ھ (یوم الجمعة اول رمضان ـ هذا هو المسجد بناها مهدی بن منصور خلیفة عباسی ـ احرقت کل شیء فی المسجد سوی الصندوق المصاحف القران وجذع الحنانة وهدمت قبر النبی وایضا قبور الضجیعین) قام السلطان رکن الدین بیبرس بتعمیر الجدید وعمرانه وقام القاضی عز الدین علیه واعلن ان السلطان فاسق ومشرک یعبد قبر النبی واعلن اسقاطه من الحکم ـ کان السلطان یخاف من القاضی ـ لما توفی القاضی بمصر وخرجت الجنازة تحت القلعة وشاهد الملک کثرة الخلق الذین معها من المسلمین والنصاری قال لبعض اخوانه الیوم استقر امری فی الملک لان هذا الشیخ لو کان یقول للناس اخرجوا علیه لانتزع الملک منی ـ وبناء علی ذلک بدأ الحرب بین الوهابیة (ای جماعة القاضی عز الدین) والاحناف من سنہ ۶۶۰ لما کانت المسجد النبوی یمتلی بالزائرین خصوصا الاحناف الروم الاتراک الذین کانوا یعتقدون ان التوسل والاستغاثة والتشفع بالنبی علیه الصلوٰة والسلام واقع فی کل زمان ومکان وحال قبل خلقه وفی مدة حیاته (طوله ....۵ ملیون عام لما قال الله تعالیٰ کنت کنزا رحمة مخفیة فاحببت ان اظهر نفسی) فی الدنیا وبعد موته فی مدة البرزخ وبعد البعث فی عرصات القیامة ـ ولازال هذا الحرب جاری الی الیوم وبناء علی هذا حارب امامنا احمد رضا خان مع الوهابیة فی الهند الی اربعین عام بعد رجوعه من الحج الاول فی سنہ ۱۸۷۰م وبعد التقائه مع شیخه مفتی مکة السید احمد زینی دحلان المکی الذی هو کان اشد الاعداء الوهابیون الاصلیون ای اهل النجد ـ الوهابیون فی الهند کانوا مثل بناسپتی الی سنہ ۱۳۲۰ھ ولاکن الیوم هم اشد من النجدیین فی الارتودکسی ای استقامة الرای والنجدیون صاروا الیوم بناسپتی وهابی ـ لهذا هنا سوالان عن الوهابیون عموما (الارتودکس ای ۲۴ قیراط و ۱۴ قیراط و ۴ قیراط) هل هم فرقة من ۷۲ فرق الاسلام؟ بالطبع الاجابة تاتی بالایجاب علی هذا السوال ـ هل هم مع اهل السنة واهل السنة بنفسهم؟ بالطبع

الاجابة تاتی بالنفی لان هناك توحید بین الوهابیة والبریطانیة تحت شعار واحد واهداف واحدة۔ بناء علی ذلك نقول ان المذاهب وهابیه او وهابی إذم اسلامیة لیست دین مستقل بل هو فرقة من اهواء النحل من ۷۲ فرق المومنین کما اخبر النبی ان ستفرق امتی فی ۷۲ فرقة وهم شیعة اخرجت من سلال اهل السنة والجماعة من منذ سنة ۱۱۵۰ وهم الذین وضعوا هذه المذهب فی شکله الحدیث

ایضا یمدحون الوهابیة ویقولون ان الاحناف فی ترکستان الروسی ایضا کانوا یعبدون القبور۔ انا ما ادری ماهو السر ان الاسمایلیون وایضا الکومونسٹی والوهابیون کلهم یکرهون القبور۔ البته کان امامنا احمد رضا خان یعرف السر ولاجل ذلك هو قام ضد الوهابیون الذین ~~یکرھون~~ قبور الانبیاء والاولیاء وفی الجواب فی رد قولهم ان عوس القبور شرك قال قال الله تعالیٰ یا ایها الذین اٰمنوا لا تتولوا قوما غضب الله علیهم قد یئسوا من الاٰخرة کما یئس الکفار من اصحاب القبور فی رد الوهابیة قالوا ان النبی قال: اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبور انبیائهم مساجد۔ ولهذا قالوا اشتد غضب الله علی الاحناف الاتراك بانهم اتخذوا قبر النبی مسجد وایضا قالوا ان الخلفاء العثمانیون قد جعلوا مسجد النبوی کهیکل دانیال وکنسیة بوربونة

بدأ مذهب الوهابیة فی قناع التنکر والخدیعة الدینیة السیاسیة الدسیسیة فی سنة ۱۷۲۵ م من نجد والی سنة ۱۸۵۰ م تقدم بسرعة الی القوة الهائلة حتی تغلب علی اهل السنة فی العالم وفی نفس العصر المحدثات الامور صار لظهور الوهابیون (ای جماعة دینیة وسیاسة المخلوطة) فی نجد وهم اسسوا الجمعیة الاخوان باسم التوحید الخالص توحید العربی لاحیاء الدین وتنقیة وتطهیر الحرمین الشریفین من دنس الشرك ونجاسة الاشراك ای (کما یقولون علماء الشریعة والحدیث) اتخاذ غیر الله تعالیٰ الها او عبادة غیر الله تعالیٰ وهدم خلافة العثمانیة التی کانت عندهم خلافة المشرکین ای خلافة الاحناف من العجم الذین یعبدون مع الله الها اٰخر ای محمد رسول الله جل جلاله وعم نواله ویشرکون بعبادة وبهما احدا ای رسوله۔ هذا هو سفسطة الوهابیة لانهم یعلمون ان الله لا یصلی علی غیر الله قط وحتی الها اٰخر واحدا هو الشیطان الرجیم فقط۔ وفی نفس العصر طلع شمس الالحاد الکومینزم من المغرب بکر امة کارل مارکس الیهودی الالمانی الذی نشر بروتوکول الاشتراکی الشیوعی فی سنه ۱۸۴۰م۔ اخبرنی استاذی شیخ الاسلام حنفی الشیخ امین سوید دمشقی المتوفی سنة ۱۹۲۵ ان الوهابیون (من نجد وهند) قد فاقوا فی الحیلة والخدعة والمکر والدهاء وسیفر المشهود (LUCI PHER) باسم عود کبریت ونجمة المساء ای مساء الدنیا وصبح الاٰخرة وبعد ذلك صار مستحیل لاهل السنة ان یبطلوا سحرهم ومسندهم وغلبتهم وسلطتهم السیاسة والدسیسة باسم الدین واحیاء السنة النبویه والتوحید الخالص ضد سنة الصحابة وتوحید المسلمین۔ وبعد ذلك صار الهزیمة لاهل السنة وما کان لهم ای قوة لدفع السلطة الوهابیة علی بیت الله المقدس ومسجد النبوی الشریف ولو انهم عرفوا بالجد (حسب تعلیم السید احمد دحلان واحمد رضا خان۔ کلاهما کانا عشاق النبی وحب النبی اکبر وثیقة اعتماد عند الله) ان الوهابیون قد قاموا لهدم قوة الاحناف الاتراك عثمانیون وهدم خلافة الاسلامیة الترکیة التی اسست فی سنة ۷۲۶ ه وهدمت فی سنة ۱۹۲۴ بعد ثورة العرب والحرب المسلمین والنصاریٰ والیهود۔ کلهم ساميٌ ای بنی سام ابن نوح علیه السلام) وثورات النصاریٰ فی بلقان بسبب التوحید النجد والبریطانیة وتوحید العرب مع الحلفاء الغرب ضد الاتراك الذین کانوا رب البیت ورب العائلة لاحناف العالم

الحرب الاول بین الوهابیون والسنیون ابتدأت فی سنة ۱۲۱۱ ه فی مکة المکرمة فی ایام الحج وهذا الحرب کانت بالکلام ای باللسان فقط ای المباحثة والمجادلة یسمی مناظرة۔ الوهابیة غلبوا فی هذا وصار الفتح لاهل السنة ولعد ذلك هجموا الوهابیة بالسیوف والبنادق والمدافع وقتلوا مأة الف مسلمین من سنة ۱۲۱۸ ه الی سنة ۱۲۱۹ ه و اخیرا صار النجاح للوهابیون وانهزموا اهل السنة هزیمة شنیعة۔

لما طبع خانبها د نواب بهوفال صدیق حسن (وکیل بریطانیة العظمیٰ فی الهند) ثلاثة تفاسیر القراٰن وفی هذا التفاسیر

تقريبا عشر المحتويات محرفة - عندى شهادة ان صديق حسن قد حرف تفسير ابن كثير وتفسير قاضى شوكانى وتفسير شهاب الدين الوسى المسمىٰ روح المعانى - هذه التفاسير المطبوعة جدا غير ومختلف عن المخطوطات الاصلية الكائنة فى دار الكتب القديمة -

ان الذين جاهدوا وحاربوا بالقلم وبالسيف فى الحجاز ضد الوهابية هم اهل السنة وعلمائهم الكبار ورئيسهم فى طليعة الاخير (مالنا اى طليعة اليوم) كان مولانا سيد احمد زينى دحلان المكى (وهو معروف عند الوهابية باللقب السيد الفساق والفجار الطغام وامام ضلالتهم ويدعتهم احمد زينى دحلان) والذى جاهد فى الهند اشد الجهاد قبل سنة ۱۸۸٦ هو شيخ الاسلام حنفى مولانا احمد رضا خان بريلوى المولود فى سنة ۱۸۵٦م وهو كان فقيه وشارع الكبير ومفتى وايضا صوفى وهو اخذ الطريقة الصوفيه من مشائخ طريقة القادرية واخذ درس السياسة المدينية من علماء الحرمين الشريفين وكان شيخه الكبير والمرشد الشيخ الاوحد مفتى مكة (فى عهد خليفة سلطان عبد الحميد خان) السيد احمد زينى دحلان المتوفى سنة ۱۸۸٦م - كما كان يقولون الوهابية فى العرب ان السيد احمد زينى دحلان كان مشركا الوهابيون فى الهند يقولون ان احمد رضا خان ايضا كان مشركا و"بدعتى" بانه كان ضد الوهابية (فى العرب والهند) وكان مع الاتراك ضد الافرنج كما كان زينى دحلان ضد الافرنج ومع الاتراك - ولولا هو تابع لسيد المكى ما كان له ممكن ان يسير فى طريقه ويثبت امام هجوم الوهابية (من مدارس دهلى بهوفال ديوبند ولكهنو اى الندوة ومدرسة باقيات الصالحات وغيرهم) ويصير امام السنة وناصر الامام الاعظم ابو حنيفة فى الهند - ولو ان قد اجتهدوا السيد احمد زينى دحلان واحمد رضا خان والوف من علماء اهل السنة تحت قيادتهما بهدم مذهب الوهابية ما كان لهم حظ النجاح المقصود بسبب انه كانت الامبراطورية البريطانية العظمىٰ مع الوهابية فى العالم بسبب التوحيد (اى الاتحاد والاتفاق) بينهم والميثاق تحت مشروع سياسى واحد واهداف واحدة ضد الخلافة العثمانية الحنفية من سنة ۱۴۵۲م حينما فتح السلطان محمد الثانى الفاتح عاصمة الامبراطورية البيزنطينية المسيحية اى القسطنطنية وسماه آستانه العالية واسلام بول واستنبول الذى فيه قصر توپ كابى وفيه آثار المقدسة لذكرى النبى - لما صار الآستانة عاصمة الخلافة عطلت التجارة بين الشرق والغرب من طريقتان مشهورتان لتجارة الحرير والطيب والبخور وبسبب ذلك اضطروا الاوروبائيون ان يفتش طريق البحر الى الشرق فوصل فاسكودى جاما البرتغالى الى كوشين فى مالابار فى سنة ۱۴۹۸م والى سنة ۱٦۰۰م كانوا العرب فى سواحل الخليج الفارس (اليوم خليج العربى) مع الاوروبائيون وضد العثمانيون الاتراك الاحناف -

كان الامير عبد العزيز بن محمد السعود المتوفى سنة ۱۸۰۲ (هو الذى هجم على المكة فى ۱۸۰۱ه بعد مناظرة سنة ۱۲۱۲ وقتل سنيون كانهم الكفار والمشركون) مع البريطانية العظمىٰ ضد الاتراك وكذالك كان السلطان عبد العزيز بن سعود المتوفى سنة ۱۹۵۲م تحت حماية الافرنج من منذ سنة ۱۹۰۰ وبسبب ذلك لما هو فتح مملكة الحجاز وانهزم وطرد وكيل الخلافة العثمانية الشريف المكة السيد حسين الهاشمى اول من تعهد رسميا مع الوهابيون القابضون على الحرمين الشريفين فى سنة ۱۹۲۴م هى حكومة بريطانية واول ما فعلوا الوهابيون لهدم كل شى من دستور اهل السنة (خصوصا للتابعين السيد احمد زينى دحلان واحمد رضا خان) هو منع جلوس المحمل الشريف لكسوة الشريفة للكعبة المشرفة وهذا هى اول هزيمة المهينة لاهل السنة وبعد ذالك منعوا الوهابيون دستور التشفع والتوسل والاستغاثة والاستعانة بالنبى عند قبره المقدس وايضا دستور وجوب السلام بالقيام على النبى عليه السلام تشريفا وتعظيما وتسليما اى بالتقليس والانقياد وانحناء الراس والقلب والروح لديه وايضا منعوا اللمس والتقبيل الشباكة المباركة فى درابزان الشريف

حول حجرۃ الشریفۃ فی مسجد النبوی الشریف۔ وایضا قطعوا کل حلقۃ الیار ای شکل الھلال فی "یا رسول اللہ" مکتوبۃ (منقوشۃ) فی محاریب الروضۃ المقدسۃ۔ وکان ھذا القانون الحدیث الشرعی لمنع الاشراک والبدعۃ بالجبیر والاکراہ علی اھل السنۃ من محدثات الامور۔ کان ھذا من اعظم مأساۃ الفاجعۃ الکارثۃ لاھل السنۃ خصوصا علی البریلویہ الملقبین برضاخانیۃ۔ کما ھم یلقبون الوھابیۃ فی الھند اسماعیلیہ رشیدیۃ قاسمیۃ امبیتھویۃ وغیرہ۔ ھناک فرق بین بین الوھابیون العرب والھنود۔

کان السلطان جلالۃ الملک المعظم عبد العزیز ابن سعود وھابی شدید واورتو دوکس قاس وصعب التصدیق ومتوقد الذھن الی ۱۹۴۲ء (وھو کان سلطان التاسع عشر من سلالۃ آل سعود وھذا عدد داروغات جھنم) ولکن لما کان عمرہ ۶۸ ای بخمسۃ سنین قبل موتہ لین اللہ قلبہ وھو صار مثل اھل السنۃ ومن بعدہ صار جلالۃ الملک المعظم المحبوب السعودی فیصل ایضا یمیل ازید من ابیھم الی اھل السنۃ واراد ان ینقل جمیع المآثر المقدسۃ لذکری النبی من قصر توپ کاپی فی استنبول الی مکۃ لاجل الحجاج الکرام ان یزوروا نھم وھذا اعظم دلیل ان الملک فیصل المحبوب ترک تذکار الجمیل والمجید ھو انقاذ وحصول جامع القرطبۃ فی الاسبانیہ الاندلس القدیم للمسلمین۔ ھو اشتری المسجد بستۃ مأۃ ملیون ریال وعمرھا عمران جدید وکذالک ھو کان حریص علی انقاذ المسجد الصخرا المبارک ومسجد الاقصی المقدس ومسجد سیدنا عمر فی بیت المقدس۔ فلما نشر ھذا الخبر فی الجرائد ان ملک فیصل صار یعظم شعائر النبی ای الآثار المقدسۃ فی آستنبول ویرید یحولھم الی المکۃ قاموا علماء الوھابیون علیہ وبعضھم فی الھند کتبوا فی الجرائد ان الملک لم یکن صافی النیۃ بل یرید یاخذ المآثر ویفنیھم۔ ھذا دلیل واضح ان کل من ھو وھابی لیس بامین لسیدہ وکلھم منافقین الظانین بالفیصل ظن السوء کما ھم الظانین بالنبی ظن السوء ولولاھم منافقین ما کتبوا فی الجرائد ما کتبوہ۔ ھذا دلیل واضح ایضا ان الملوک الوھابیۃ قد ترکوا مذھب ۲۷ محدثین الکبار فی المدینۃ الذین کانوا فی اوائل القرن الثانی عشرۃ الظانین بالنبی ظن السوء ولاکن الوھابیۃ فی الھند لازال یتبعون تلک الشیاطین الانس۔ فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون الذین ھم یراؤن وما یصلون علی النبی کما امر اللہ تعالی عزوجل صلوا علیہ وسلموا تسلیما ای صلوا علی النبی وقوموا للتعظیم لما یقوموا المسلمین عند ذکرہ الخاصۃ۔

لما جاء الخبرات الملک الفیصل قد عشق علی آثار النبی فی TOPKAPI (وکدر الوھابیون) کان ضروری علی اھل السنۃ ان یقولوا مرحبا بک یا فیصل عافاک اللہ للہ درک حبذا حبذا استمر بعون اللہ تعالی ونحن معک لاننا نرید نزور آثار النبی فی الحرمین الشریفین۔ انا متاسف جدا ان اھل السنۃ فی العالم ما درسوا وما عرفوا نیۃ ملک فیصل وفقدوا الفرصۃ الجلیلۃ (اجلال ذکری النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولو انھم یقومون بالجد دائما فی جلوس مولد النبی نبی کادا من تھیں جمہوریتیں گے ای ما نترک وزرۃ النبی یخرج من ایدینا تابعا لا مر اللہ تعالی واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ومعنی جمیعاً نحن اھل السنۃ والحنفاء بکوننا الاکثریۃ السواد الاعظم۔ ھذا ھو الحقیقۃ ما سوف علیہ انا قد فقدنا الفرصۃ ولاکن ساعۃ ما فات الا من بناء علی ھذہ التغیر فی التعصب القدیم الوھابیۃ علی طول زمان ۵۰ سنۃ اقول بالتاکید ان الیوم قد حصل السنیون الفرصۃ الجمیلۃ لترک جبانتھم (علی طول زمان ۵۰ سنۃ) لتجدید جمیع رسوم مسالک اھل السنۃ فی حرم الشریف النبوی مثل تقبیل الشبیکۃ المبارکۃ کما کان یجری ھناک من ۱۶۰ھ لما جاء الخلیفۃ العباسی المھدی بن المنصور (ابو ھارون الرشید) لزیادۃ مسجد النبوی الشریف الجدید التی ھو بناھا (حسب الوصیۃ امامنا الاعظم ابو حنیفہ) وعمرھا ذی شان العالیۃ لعبادۃ اللہ تعالی عزوجل ولتعظیم رسولہ محمد الملقب رحمۃ اللہ ورحمۃ للعالمین کما قال اللہ تعالی ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین وھذا اکبر دلیل ان محمد یکون للمسلمین اقرب من ارواحھم واشباحھم مع اللہ تعالی بذاتہ وصفاتہ ووقایتہ وعنایتہ ورعایتہ کما قال اللہ تعالی نحن اقرب من حبل الورید

للمسلمين فقط وهو ليس بقريب من المنافقين والمنافقات والمشركين والمشركات الظانين بالله ظن السوء يعني ايضا الظانين بالنبي ظن السوء انه قد مات (وقد صار كالمعدوم وغير موجود) هناك دليل آخر لظن السوء الوهابية، انهم يقولون ما نعرف لماذا يصيحون المجانين "شئ لله يا سيد المرسلين شئ لله يا حبيب رب العالمين" "اغثني يا رسول الله" "سيدي يا رسول الله" و "يا رسول الله انت لها"

ان الفرق بين الوهابي والسني كما فسره امام احمد رضا خان هو هذا ان السني يحب النبي حب المجنون والوهابي ما يحبه كما هو اهله لان العلماء الوهابيون يخافون ان حب النبي الى حد التعظيم وراء حد التعظيم يماثل الحب لغير الله تعالى والاتكال عليه (في جلب المنفعة ودفع المضرة) ومنافي لامر الله تعالى" قل اغير الله اتخذ وليا "الحق كلام احمد رضا الحق وكلام رشيد رضا (رئيس الوهابيون) باطل - هذا رشيد رضا لبناني ثم مصري كان ناصر الوهابيون في الهند مثل رشيد احمد گنگوهي - هو الذي كان رئيس المجلس في حفلة مدرسة ندوة في ١٩١٢ء لتم تسعة سنين قبل وفات احمد رضا - هذا ضروري لنا ان نعرف ما قال احمد رضا عن رشيد رضا ومن اتى به الى الهند - قال احمد رضا ان علماء الوهابيون يقولون ان النبي غير موجود بيننا اليوم والسنيون يعتقدون ان معنى نحن اقرب اي ان الله قريب منا في المجاز فقط وفي الحقيقة الذي قريب منا في المجاز والحقيقة هو رسول الله ولذلك الله محمد اقرب منا ولاكن مع ذلك ليس لنا ممكن ان نعرف معنى وجود اقرب حتى نتصل بمحمد اول لاتصال مع الله بعد ذلك لا ممكن لاحد ان يتصل مع الله قبل وصاله بمحمد والوهابيون ينكرون هذا ويقولون ما لنا بمحمد وهو غير الله نحن نريد ان نتصل مع الله وحده فقط

انا اعرف ان السنيون لازال ضد الوهابيون وعلمائهم الاولون من ستة ماة عام ولاكن ليس لديهم اي استطاعة ان يبينوا ويثبتوا ان رسول الله ليس بغير الله - وانا اظن ان اغلب علماء اهل السنة ايضا يصدقون ان النبي غير الله (لان غير الله) وما سوى الله كلمتان مترادفتان

اليوم عندنا الفرصة الوحيدة لابطال مذهب الوهابية لان افل شمس امبراطورية البريطانية العظمى اليوم لاخليل لهم ولا ناصر كما كانوا في قرون الماضية والحق ان اليوم ما بقى اي شئ من سلطة البريطانية العظمى وسلطة المستعمرين في اوروبا وليس لهم اي وقار في اي مملكة من ممالك الاسلامية - واينما تولوا تجدوا فيها الحمد لله وماشاء الله سبعين في الماة من اهل السنة والجماعة ونحن قادرون ان نطفى نار الوهابيين المنافقين الظانين برسول الله ظن السوء بانه معدوم ومفقود وغير موجود وليس له اليوم اي قوة لانقاذ المسلمين من ورطات التعنت وان معنى "عزيز عليه ما عنتم" يكون شئ الذي مضى وما بقى منه شئ - نرى اليوم استيقاظ ونهضة جديدة وجميلة وجليلة في المسلمين وهم يريدون حل جميع مسائل الدينيه والسياسة بنفسهم وينجوا انفسهم من المشكلات المحدثات الامور المكونة بفتنة الوهابيون مع فتن الاوروبائيون كما اشار اليهم النبي بقوله عليكم بمحدثات الامور فكل محدث ضلالة وكل ضلالة بدعة وكل بدعة في النار - اليوم بعد الايقاظ بين المسلمين قد عرفوا التجار الراسمالية والاشتراكية ايضا ان اليوم سوقهم في الخطر لان الاسلام يرفع راسه ويظهر على رؤس قوتهم وسوقهم لابطال سطوتهم في العالم الذي كان تحت اقتدارهم الى اربع ماة عام ولهذا نرى اليوم شدة پروپگنڈا اي نشر الدعاية ضد الاسلام وضد المسلمين ومذاهبهم وتهذيبهم وتمدنهم وطريقتهم ومعيشتهم وشريعتهم وقوانينهم ثقافتهم وسياستهم ويقولون ان قوانين الاسلام غير لائق للاستعمال ولازم تترك بدل قوانين الجديدة والحديثة ولهذا نرى اليوم ان اكثر المتعلمين العصريين يكرهون الاميين من المسلمين ويقولون انهم جهال واهل البدعة والزيغ والشرك - هذا العصريون المجددون يحبون التجديد مثل المحدثون والمجددون الذين يريد التجديد اي التبديل والتغير في فقه الامام ابوحنيفة باسم احياء السنة النبوية وسنة السلف الصالحين كأن الامام ابوحنيفة ما كان يفهم السنة

السنبویة وسنن الصحابة العظام من المهاجرین والانصار بناء علی هذا العصریون یحببون الراسمالیون والاشتراکیون والمجددون والمحدثون انهم اصحاب العقل والحکمة وان الاحناف من الضالین من بدء الامر الی منتهاہ۔ الوهابیون والعصریون متفقون ان ابوحنیفة وکل من تبعه اهل الزیغ والبدعة۔ بناء علی هذا المجددون العصریون یعتقدون ان السید زینی دحلان واحمد رضا خان کانوا من علماء السوء لانهم کانوا ائمة اهل السنة یعنی اخس المسلمین المنبوذین وضحکة علی الاسلام۔ العصریون والمجددون والمحدثون والمجتهدون ومعهم الاوروباییون کلهم کانوا حریصون علی التدمیر والتخریب تبعیدًا للناس مذهب الحنفیة الصمدیة فی الهند ولولا احمد رضا خان البتهان صمد له وقاوم قیام الافغانیة الخیل الحنفیة ما کان لنا ممکن الیوم ان نفتخر انا الحنفیون ای التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناهون عن المنکر والحافظون لحدود الله واهل الجماعة" والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه"

ولوان مذهب الحنفیة حق وهو مذهب اهل السنة (ای السنة النبویه والسنة اصحاب النبی وآله) ومذهب الجماعة (ای جماعة رسول الله) مالدینا الیوم الاقلیل من الرجال الذین یعلمون ویعتقدون ان الیوم لیس هناک ای دین الا دین الاسلام (کما قال الله تعالیٰ ان الدین عند الله الاسلام) الدین الوحید والفرید السماوی الذی فیه النظام الصحیح لنجاة الدنیا من التهلکة من قارعات القنابل الذریة مسمی ایتم بمب۔ الاسلام هو الدین الاوحد لتامین حیاة بنی آدم والضمانة والکفالة بسلامة دنیاهم وعقباهم۔ الراسمالیون والاشتراکیون من غیر مسلمین یضمن فقط فی دنیانا ولم یستطیع یضمن شی فی عقبانا لیس لدیهم ای مشروع بضمانة حیات الابدی بعد الموت۔ نحن السنیون عائشون فی الدنیا علی امل العقبی ولذالک نعبد الله وحده ونعظم رسوله ونحترم اولیاء الله ولاکن الوهابیون (ای اعداء سید احمد زینی دحلان واحمد رضا خان) یمنعونا من ذالک ویقولون ان هذا شرک مثل الشرک الکفار الذین کانوا فی عهد النبی وهم حصب جهنم وکذالک السنیون حصب جهنم۔ ولوان الوهابیة (ای الدیوبندیه والندویه وحلفائهم) یقدمون دلائل قویة فی تائید عقائدهم خلاف عقائدنا مالنا قلب ان نترک سبیل آبائنا السنیون السابقون (الوهابیون یقولون ان آبائنا وآبائهم ای السنیون السابقون فی الهند کانوا اهل الشرک والبدعة (ونحن نقول ان آبائنا وآبائکم کانوا الحمد لله المسلمین المحسنین المتقین الناجین) ولهذا الوهابیة یضربونا ویضربونا ضربا شدیدا من کل جهات الستة۔ الفرق الکبیر بین عقائد السنیون والوهابیون هو هذا الوهابیون یظنون ان تسعین فی المائة من اهل السنة والجماعة قد ارتدوا من دین الاسلام وصاروا اهل الشرک والبدعة بعد اتباع احمد رضا خان ومالهم ای استحقاق لحیات الجنة مثل عدم استحقاق للکفار والمشرکین والملحدین والسنیون یعتقدون ان الوهابیون قد کفروا بعد ایمانهم واسلامهم بالنبی لانهم یومنون بالله فقط ومایسلمون انفسهم تسلیما لرسول الله لهذا هم اصحاب جهنم مثل المشرکین (قال الامام ابوحنیفة ان ومن کفر بمحمد فهو مشرک ولهذا الوهابیون یظنون انه غلطان لان عندهم من یکفر بالله لیس بمشرک بل ومن یومن بالله ورسوله فهو مشرک۔ الوهابیون یعتقدون ان الاشتراکیون وایضا مثلهم الاشتراکیون لم یکونون من المشرکین لانهم کفار فقط وهو محال لای کافر ان یکون مشرکا کما هو محال للخنثیٰ ان یزنی ویقال زانی والدلیل لذالک هذا ان المشرک لازم یکون بالتحقیق المومن بالله اولاً ومع ذالک یعبد الاها آخرا ای غیر الله المفسرون یقولون ان المعنی الاها آخر الشیطان ولاکن الوهابیون یقولون ان کل غیر الله الها آخر حتی النبی هو الها آخر لان السنیون یعبدونه یبلاونها را مع الله تعالیٰ وبناء علی هذا یظنون السنیون مشرکون لانهم یعتقدون ان الله تعالی ورسوله متفقین ومتحدین من الازل وبینهم توحید ای الاتحاد والاتفاق مثل کولابوریشن ای الاشتراک العمل علی مقصد واحد وتحت اهداف واحدة کما قال رسول الله فی حدیث قدسی انی سفیر معتمد مفوض ومختار لله تعالیٰ وان الله تعالیٰ قال لی یا ایها النبی انی شرفتک وفضلتک علی جمیع خلقی واشرکتک فی امری۔

ای جعلتک بحیث تذکرمعی وامرت بطاعتک مع طاعتی فی نحو اطیعوا الله واطیعوا الرسول . . . وایضا جاء فی الحدیث الدعا من النبی انہ قال ادعوالله کذا "اللھم اشرکنا فی دعاء الصالحین . . " بناءً علی ھذا کان الامام احمد رضا خان احد من عاشر ورافق وصاحب مع الصالحین ونادی یارفیق یاشفیق ولاجل ذالک ھوکان یرافق مع الصوفیین من طریقۃ وسلسلۃ السادات مادھرہ الشریف القادریۃ جمیع اولیاء الله من اھل الطریقۃ من القادریہ والرفاعیہ والشاذلیہ والچشتیہ وسھروردیہ والنقشبندیہ وغیرھم یعتقدون الحدیث فوقانی صحیح جدا ان الله تعالی قال لنبیہ "انی اشرکتک فی امری" ولاکن الوھابیون یقولون ان ھذا الحدیث وماشاکلہ موضوعۃ وقط لم یصح منہ شی عند اھل الروایۃ ای الحفاظ الحدیث والمحدثین الکبار مثل ابن حجر العسقلانی والسنیون یقولون ان الامام المحدث احمد قسطلانی قال ھذا حدیث صحیح وبناء علی ذلک کتب ان ھناک التوحید ای UNITY بین الله تعالی عزوجل والاحد والصمد وبین نبیہ ورسولہ محمد الاوحد بکونہ المظھر الاعلی لذاۃ الله جل جلالہ وعم نوالہ۔ کان الله تعالی الاحد لما کان ای شیٔ موجود من مخلوقاتہ واول ماخلق الله ھو نور محمد الذی ھو باعث الخلق و لذالک قال الله تعالی لابونا آدم علیہ السلام "ولولا محمد ماخلقتک" وقال فی القرآن "کتب الله علی نفسہ الرحمۃ" ولولا محمد ما کان الله کتب علی نفسہ الرحمۃ بان الاحد بکونہ فی وحدۃ الوجود لذاتہ وبذاتہ لایتصل باحد حتی یظھر نفسہ ان ھو الله الصمد ای ھو الذی یسد حوائج مخلوقاتہ۔ ھذا ھو معنی الله الصمد ان الله الصمد یسد جمیع حوائج الخلق ولیس لہ بنفسہ ولنفسہ ای حاجۃ الاحاجۃ الرحمۃ علی مخلوقاتہ بواسطۃ و بحرمۃ وبحق رسولہ الکریم روف رحیم ولاجل ھذا جعل الله رسولہ وکیلہ ونائب لذاتہ المقدس وعلی ھذہ القیاس عرفوا العارفون ان رسول الله الاوحد ھو وحید وفرید . کما قدر الله وذلک تقدیر العزیز العلیم.

وبناء علی ھذا نحن السنیون یعتقدون کما کان یعتقد امامنا احمد رضا خان الحنفی (وکل حنفی صمد ای مایرفع الیدین ای یخضع امام احد الذی ما یتبع امامنا الاعظم اباحنیفہ النعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ مولی تیم الله وھو من رسط حمزۃ الزیات۔ کان تیم الله بن ثعلبۃ من اھل کابل ای بتھان۔ وایضا کان احمد رضا خان بتھان والبتھان مایسوی ھیندزب) ان کان رسول الله من الازل وسیکون الی الابد سیدنا وملاذنا ومولانا وملجانا وماوانا "ومالہ لغیر مولاہ عوزولہ العالمون فی اعواز" وھو مفوض معتمد ومختار لنا من عند الله وھو وکیلہ وحبیبہ ووزیرہ یرجی منہ حوائجنا وھو مغیثنا ومجیبنا ومعاذنا فی البلاء والرخاء ولذالک لما نسمع الاذان الصلاۃ نحن ندعوا الله تعالی "وابعثہ لنا مقاما محمودا" ولاکن الاعداء احمد رضا خان ینکرون کل ذالک ویقولون انہ کان بشر مثلنا وبعد وفاتہ لایستطیع ان یسمع مناجاتنا ویساعدنا فی کربنا ولالہ ای حق ولالہ ای قدرۃ الروحیہ لانہ روحہ مقیدۃ فی البرزخ ولیس لہ ای التصرف فی تقادیر الله والذی یعتقد انہ رقیب علینا ای احمد رضا خان فھو مشرک۔ ھذا ھو صحیح ان احمد رضا خان یعتقد ان النبی حاضر وناظر وھو رقیب علینا الیوم فی کل وقت وحین۔ وایضا کان احمد رضا خان یقول ان قول الوھابیۃ زخرف القول والزور ولاننا نعتقد ما کتب امامنا الامام الاعظم ابوحنیفہ ان "مایضر مع الایمان شیٔ" والحق اننا آمنا بالله ورسولہ وما آمنا بالله فقط۔ فکیف نفرق بین الله ورسولہ فی محبتنا وطاعاتنا وعباوتنا لاننا قد اسلمنا مع محمد لله رب العالمین وھذا ھو موضوع جدالنا مع الوھابیۃ

اول من خاصم مع الوھابیون فی الحجاز وطبعا فی العالم الاسلام ھو مفتی مکۃ المکرمۃ السید احمد زینی دحلان واول من خاصم مع خوان الوھابیون فی الھند (ای الوھابیون الذین کانوا یتبعون الشیخ محمد ابن عبدالوھاب بواسطۃ تلمیذ تلمیذہ مولوی محمد اسماعیل الدھلوی الذی قتلوہ البتھان لانہ حارب معھم علی مسئلۃ الرفع الیدین فی الصلوۃ) ھو تلمیذ و مرید للسید احمد زینی ای مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ ھو صار الی الحج مرتین اولا لما کان عمرہ خمسۃ عشر سنۃ لما کان المفتی السید احمد حی وبعد وفاتہ فی سنۃ ۱۹۰۱م۔ ولھذا اقول ان السید احمد زینی دحلان المکی کان استاد

الکبیر والمرشد الکبیر لاحمد رضا خان ولولا، ما کان ممکن لاحمد رضا ان یخاصم ویجادل مع الوهابیون فی الهند لان الهنود ما کانوا یعرفون وما کانوا یفهمون معنی اللفظ الوهابیة وما کانوا یعلمون الوهابیون منهم وما دینهم وما مقصدهم وما اهدافهم۔ البته ماخاصم احمد رضا خان مع الوهابیة مثل شیخه فی المکة ومشائخه الاخر فی الحجاز لان الوهابیون الهندیون کانوا احناف ومن سلالة احناف وبکونهم اهل التقیة ما کان سهل علی امامنا ان یفرق بین الحنفی اصلی وحنفی منافق ای الوهابی الوهابیون فی الهند من سنة ۱۸۲۶م الی سنة ۱۹۲۶م ما اظهروا ما کان مخفی فی قلوبهم کما هم اظهروا وقاموا بالمطارق وبالمرافش والمخل بایدهم ان یهدموا ویدمروا مرقد النبی وقبة الخضراء علیه۔ لوکان احمد رضا خان یعرف هذه السرفی حیاته کان یقوم علیهم للجهاد۔ الوهابیون کانوا یخفون هذا المشروع فی ظلام قلوبهما الی سنة ۱۹۲۵م وقبل انشاء هذه السر ما کان ممکن لائمة الاحناف ان یفسروا المقصد الاصلی فی قعر قلوب الوهابیون الذین کانوا یقولون لیلا ونهارا "ان النبی محمد غیر الله" وما عنده علم الغیب" و"ان التوسل بالذوات لم یشرع وکذالک طلب الشفاعة من النبی فی الدنیا والاستغاثة بغیر الله تعالیٰ محرمة فی کل دین بالنصوص وهذا المقام لایسع التحقیق..." واقوال الاخر مثل هذا ان النبی بکونه میت ما یستحق ای تعظیم لذاته بل لسنته فقط وبناءً علی هذا کل وهابی کان یرید ان یهدم کل شی باقی مثل الآثار لذکری رسول الله وهم کانوا یسبون مولانا السلطان الشرف قائتبای الذی بنیٰ القبة الخضرا ویسمونهٗ الصنم الاکبر" مثل الصنم الثور الذی یعبدونه عبدة العجل۔ ولوان احمد رضا خان ما کان یعرف ان الوهابیون یریدون ان یهدموا قبر النبی والقبة الخضرا هو کان یفهم ماهو فتنة رسالة التوحید لابن عبد الوهاب وتقویت الایمان لاسماعیل دهلوی ان سیاتی قوم مثل الصلیبیون والتتر لهجوم علی الحرمین الشریفین والهجوم یکون مثل هجوم علی بیت المقدس فی حرب الصلیبی فی سنة ۵۰۵ھ۔ انا اظن ان فی سنة ۱۲۴۲ھ الوهابیون والاتحادیون کانوا یریدون ان یهدموا قبة الخضراء مثل الزمرد اولا بعد حرب العالمی الاول (ای حرب الصلیبی الآخر) وبعد ذالکٗ یهدموا قبة الصفرا مثل الذهب ای قبة المسجد الصخرای المبارکٗ ومسجد الاقصیٰ ومسجد سید ناعمر وبعد ذالکٗ القبب الذهب فی الکاظمین والمشهد الشریف لسیدنا علی رضا وبعد ذالکٗ جمیع مشاهد اولیاء الله فی العالم حتیٰ مزار الچشتی فی اجمیر الشریف لان السنیون یعبدون القبور واعظمهم وقبر النبی صلی الله علیه وسلم۔ انا ما اعرف ان امام احمد رضا خان یعرف هذه الاسرار لانه ما کان شدید علی الوهابیة فی الهند کما کان السید احمد زینی دحلان بالمرة شدید علی الوهابیه فی بلاد العرب۔ البتة هذا هو التحقیق ان احمد رضا خان قد قراء جمیع الکتب العربیه ضد الوهابیة وبناء علی ذالکٗ خاصم مع الوهابیون فی الهند ای القاسمین والاحمدیین ای تابعین رشید احمد گنگوهی وغلام احمد قادیانی

السید احمد زینی دحلان کتب ان الوهابیة ومن تبعهم کانوا الکفار الذین قد کفروا بعد ایمانهم واسلامهم لله ورسوله ولیقوا المومنین بالله فقط وغیر المسلّمین لرسول الله تعالیٰ جل جلاله وعم نواله قال السید ان الوهابیة یومنون بکلمة التوحید لا اله الا الله محمد رسول الله وهذا لکلمة مکتوب علی لوائهم وفوقه المصحف القرآن وتحته السیف ولاکن هم یظنون ان رسول الله ایضا غیر الله۔ بناءً علی هذا کتب السید احمد زینی دحلان ان البانی للفرقة الوهابیة النجدیة والهندیة وسائر بلاد ان الاسلامیة باسم التوحید الخالص هو الخبیث الوحید واول امام بدعاتهم وآخر امام ضلالتهم هو ابن عبد الوهاب المتوفی سنة ۱۲۰۶ھ (الموافق سنة ۱۷۸۷م) هو الذی غرس شجرة ملعونة فی القرآن والحدیث والتاریخ الاسلامی باسم التوحید الخالص وکانت توحیده وقبائلها البدو والوحشی مع اعداء الاسلام ای الاتحاد بروتستانتی (بالنسبة الی المذهب الانجیلی واصحاب بروتستو المحتج ومقیم الحجة ضد الاحناف المسلمین المسلمین لله ورسوله) وطلعت قرن الشیطان ای زمان الابلیس وعهد الشیطان، من هذا الحرث التوحید الجدید التوحید النجدی البریطانی بعد ما فتح نابولیون بونا بارت المصر والفلسطین والشام ومن هذه القرن ای بوق الشیطان خرج الصوت

الصور الابليس اللعين الذی ابیٰ ان یسجد لآدم لانه رای فیه نور من نور محمد وهو مظهر رحمة الله وهو الوحید الاوحد والفرید ان یکون مهبط الرحمات من الله رب العالمین للعالمین۔ ولعد ابن عبد الوهاب اخذ البوق تلمیذه قاضی محمد بن علی بن محمد بن عبد الله الشوکانی الیمن حلیف بریطانی۔ بناء علی هذه القول السید احمد زینی دحلان نستطیع نقول ان اول من اتیٰ بهذه البوق الشیطانی فی الهند هو احمد شاه ولی الله الدهلوی واول من نفخه فی الهند دنسف ودك اهل السنة هو ملا محمد اسماعیل دهلوی المشهور بالشهید الذی مات مقتولا فی سنة ۱۸۲۱ء م فی غزواته ضد طائفة سکه وطائفة الاحناف الافغان المسمی بتهان۔ واسفا علی العرب الذین رفعوا ایادیهم امام فقه بروتستانتی الاوروبائی فی طول الزمان من قرن الثانی عشر میلادی وایضا فی قرن الثانی عشر الهجریة وقاموا ایضا ضد الاحناف الاتراك وسبوا هم انهم مشرکین ومبتدعین ای مخالفین السنة النبویة بانهم ما یرفعون ایادیهم فی الصلوة ویرفعون ارواحهم فی الصلاة علی النبی۔ هی هی یا وهابیون اعلموا کیف نرفع ایادینا امام وبنکم الباطل حینما تقولون ان فی قول الله تعالیٰ عز وجل "صلوا علیه وسلموا تسلیما" التاویل التسلیم لیست التسلیم ای تقلیس وانقیاد وقیام بالانحناء الراس تعظیما لرسول الله رب العالمین ولا بمعنی الاستسلام الخضوع العبودیة بل اذعان لاوامره فقط حینما انتم ترفعون اصواتکم فوق صوت النبی وعلی النبی ایضا وایضا ترفعون رؤسکم علی راس النبی ولا ترفعون ایادیکم وقلوبکم عند ذکری النبی مالنا ان نرفع ایادینا امامکم فی الصلاة۔ قد قال امامنا احمد رضا خان فی اشعاره فی المدح النبی ان عندنا الصلاة هو نماز وایضا درود و بدون هذه الصلاة ای درود لا صلوة لنا ای لا نماز لنا مثل ما قال الامام الشافعی ان من لم یصلی علی النبی لا صلاة له۔ نحن ما نرفع ایادینا مثلکم فی النماز بل نرفع اجسادنا وارواحنا وقلوبنا فی الدرود۔ قولوا انتم ترفعون ایادیکم فی الصلاة ای النماز لمن؟ وان تقولوا لله رب العالمین فقط نسئلکم هل تذکرون ان النبی کان یرفع ایادیه الله رب العالمین ام لا واذا قلتم نعم هذه السنة النبویة کیف تقولون ان ذکری النبی فی الصلاة یبطل الصلاة۔ الیس هذا هو قول الخبیث النجدی ابن عبد الوهاب (وقول ملا اسماعیل الذی ینقل هز ماسترس واتی) ان رعایة النبی فی الصلاة یبطل الصلاة ای المفسد النماز۔ مانی غلطان ان اعتقد ان الامام احمد رضا خان الذی رجع من الحج فی سنة ۱۸۷۰ء م (لعد لقائه مع السید احمد زینی دحلان وکثیر من علماء اهل السنة فی مکه ومدینة) کان متیقن ان مولانا احمد شاه ولی الله محدث دهلوی کان من اولیاء الله لما هو قال ان معنیٰ اللهم صل علی محمد یکون بارخدایا تعظیم کن محمد را در دنیا وآخرت (ای اللهم عظم شان محمد فی الدنیا والآخرة) ولاکن کان حفیده ملا محمد اسماعیل اول من رفع صوت صفیر الشیطان ای بوق الشیطان النجدی فی الهند حین کتب کتابه تقویة الایمان وکتب فیه ان کل سنی الذی یقرا "شیئ لله یا سید المرسلین" اویا شیخ عبد القادر جیلانی شیأ لله فهو مشرك لان الشرك فی العبادة والشرك فی الطاعة والشرک فی التعظیم والرجا رد هذ الشرك وذاك الشرك ظلم عظیم۔ لهذا قال الشیخ احمد رضا خان ان ملا محمد اسماعیل کان احد علماء السوء فی الهند الذی ارتد وصار من اهل الحدیث وغیر مذهبه الحنفیه و غش کثیر من علماء الاحناف الذین کانوا یحبون ویعظمون جده مولانا شاه احمد ولی الله۔ کل حنفی الذی امن بتقویة الایمان صار مخالف لعقائد حجة الاسلام امام محمد بن محمد بن محمد الغزالی وامام فخر الدین الرازی وامامنا فی التفسیر والتصوف الشیخ الاکبر محی الدین ابن العربی اندلسی ومولانا السید شریف جرجانی وامام سعد الدین تفتازانی ومولانا حافظ الدین نسفی سندهی ومولانا الشیخ ملاجیون لکهنوی وغیرهم من الوف کبار علماء اهل السنة الجماعة فی عالم اسلامی من اندلوسیا الیٰ اندونیشیا۔

الوهابیون فی الهند یعتقدون ان التقویة الایمان یکون اجل واعظم من جمیع التفاسیر حتی تفسیر رازی تفسیر بیضاوی تفسیر ابن العربی تفسیر نسفی وتفسیر شیخ جیون۔

ان الذین یرفعون شان ملا محمد اسماعیل انه مجتهد الاعظم بکونه حفید محدث الاعظم

ولی الله یظنون ان السید احمد زینی دحلان کان احد الشیاطین من علماء السوء (هم یظنون ان الامام الاعظم ابوحنیفة کان من اهل البدعة وایضا خلفائه مثل الامام محمد بن الحسن شیبانی صاحب الجامع الصغیر فی الفروع وابویوسف الانصاری وملا نور الدین علی القاری وصدر الشریعة برهان الدین محمود وصدر الشریعة عبید الله بن مسعود وصدر الشریعة احمد بن جمال الدین عبید الله المحبوبی البخاری الحنفی وغیرهم) ولهذا تلمیذه ومریده احمد رضا خان ایضا کان من اهل الشرک والبدعة لانه کان یعبد النبی وینادیه یا مولای ویا مالک ۔ هم الذین یقولون ان امامنا امام الاعظم ابوحنیفة ایضا کان امام اهل الزیغ لانه منع رفع الیدین فی الصلاة وخالف السنة النبویه ۔ بناء علی هذا جمیع الوهابیون فی الهند یظنون ان ابا الحنیفة قد صار حصب لجهنم لانه ترک السنة النبویه واتخذ البدعة ۔ والهذا الاصحاب الحدیث یقولون بالصراحة ان کل من تبعه (ای ابوحنیفه) من الاموات والاحیاء (وهم الیوم ۷۰۰ ملیون نفر) قد ترک السنة النبویه وضل ضلالا بعیدا ۔ واول من قال هذا فی الهند هو احمد شاه ولی الله فی کتابه جلاء العینین فی رفع الیدین وبعده ملا محمد اسماعیل بن عبد الغنی فی کتابه تنویر العینین فی اثبات رفع یدین ۔ فلما رد الامام احمد رضا خان علی هذه التنقید من الدهلیون وعلی انفهم استمر فی تقلید الامام الاعظم ابوحنیفه وتبع مسالک الامام تقی الدین احمد ابن السبکی وامام احمد ابن حجر المکی وامام جلال الدین سیوطی والسید احمد زینی دحلان وغیرهم قاموا جمیع الوهابیة بانواعهم المختلفة فی الهند وسموه مشرک وامام اهل البدعة والزیغ فی الهند ۔ لیس فیه عجب لانهم بسوا الامام الاعظم ایضا کذلک وکل ملا ومولوی الوهابی فی الهند ۔ ینفخ فی نفس البوق نفیر لوم وزم علی اهل السنة بلهجة واحد واسلوب واحد ولحن واحد ۔ هؤلاء المومنین الموحدین بزعمهما ای الوهابیون ایضا یظنون ان النبی محمد کان بالتحقیق بشر مثلهم وهم کذلک بشر مثله وان النبی کان مذنب مثلهم وهم ایضا مذنبین مثل النبی والدلیل عندهم لتحقیق هذه العقیدة الفاسدة تاویل الآیة فی سورة الفتح " لیغفر لک الله ما تقدم من ذنبک وما تاخر" وهذا الهدیم عند المفسرین القدیم ۔ هم یعتقدون ان معنی ذنبک الذنب الامة لان النبی مسئول عنه ولاجل ذلک قال النبی لوبه "رب هب لی امتی مع ثوابه وذنوبه لانی مسئول علی ذلک کله ۔

طبعا کان لاحمد رضا خان الحق ان یهجم علی الوهابیة مثل هجوم السید احمد زینی دحلان الذی هجم علیهم مثل هجوم الملائکة فی معرکته البدر علی الکفار والمشرکین لنصرا لمصطفیٰ هادی البشر ۔ لان الوهابیون شاعوا کتاب تقویة الایمان فی الهند کله من سنه ۱۲۵۰ھ الی سنه ۱۲۰۰ھ دعشرة فی المأة من ۱۰۰ ملیون من الاحناف ارتدوا وغیروا مذهبهم الحنفیة الی مذهب الوهابیة ای مذهب السب واهانة وشتم علی النبی انه لیس المسیح والمخلص لامته بل المرسال ومبلغ فقط ۔ الیوم ایضا اکثر الاحناف یظنون ان الرسول کان فقط المرسال والیوم لا ارسالة له ای ماشئ الیوم ای مکالمة بینه وبین الله وسلسلة المراسلات بینهم القدیمة من الازل قد قطعت من سنه ۶۲۳م ورب العرش ما یتکلم مع التراب فی الارض تحت القبة الخضراء ۔ لما عرفوا الوهابیون ان الکتاب تقویة الایمان صارت مشهور ومالوف لدی الجمهور الاحناف عرفوا ان الی السنة سنه ۱۳۵۰ھ کل حنفی یصیر وهابی مثلهم ولا یبقی ای عزة لابوحنیفة بحیثیة الامام والسنیون یترکون کثرة الصلاة والسلام علی النبی علیه السلام وایضا یترکون انعقاد مجلس مولد النبی کالعادة السابقة کانها بدعة وسبب لجهنم وایضا یترکون السلام بالقیام علی النبی علیه السلام کانه شرک لان التعظیم بغیر الله تعالیٰ ظلم عظیم ۔ ولاکن الحمد لله وماشاء الله مولانا احمد رضا خان دمرهم تدمیرا واعلی ما قال الله تعالیٰ کلما اوقدوا نار الحرب اطفاها الله ورد الذین کفروا بغیضهم لم ینالوا خیرا وکفی الله المومنین القتال ولاکن غیر الاحوال فی جزیرة العرب من بعد سنه ۱۹۰۸م (لما غزل الخلیفة عبد الحمید خان القادری والشاذلی) وما کان هنالک ای حول ولا قوة عند اهل السنة لمقاومة ضد الشیاطین ای النجدیین ۔ لما راح احمد رضا خان لحج الثانی فی سنه ۱۹۰۱م وقام فی المدینة شهر کامل شاف ان السنیون لا سلاح لهم وهم فی کارثة

عظیمة لهذا هو خاصم مع بعض العلماء اهل السنة علی برودتهم علی مر الزمان۔ والی ۱۹۲۶ سنة انهزموا اهل السنة الهزیمة الشنیعة والوهابیون منعوا قراءة دلائل الخیرات وبندوا دستورا لمولد النبی تماما وایضا منعوا الحجاج ان یقوموا عند قبر النبی للصلاة والسلام علی النبی علیه السلام۔

بدات حرکة الوهابیة فی سنه ۱۶۰ ھ من مدینة بید علامة الوذئیب واخروا کبر ظهورها کانت ایضا من مدینة من سنه ۱۱۰۰ الی سنه ۱۱۵۰ ھ واول من درس هذه الحرکة والمذهب هو السید احمد زینی دحلان المولود فی سنه ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۶م بیئة ستة عشرة سنة بعد هجوم الاول من الوهابیة علی مکة المکرمة۔ وهو رای بعینه فی شبابه الحروب الشدیدة بین جنود الوهابیة وجنود محمد علی باشا الخدیو۔ وکتب ام کتب واکثرهم ضد الوهابیة واشهرهم الکتاب الدرر السنیة فی رد الوهابیة۔ وبعد السید زینی کتب مولانا الشیخ داؤد بن سلیمان بغدادی نقشبندی کتب اربعة کتب ضد الوهابیة: ۱۔ اشد الاجتهاد فی ابطال دعوی الاجتهاد ۲۔ رسالة فی الرد علی محمود الوسی۔ ۲ صلح الاخوان من اهل الایمان وبیان الدین القیم فی تبرئة ابن تیمیه وابن تیم۔ ۴۔ المنحة الوهبیة فی رد الوهابیة ولبعد ذلک کتب مفتی بغداد مولانا جمیل افندی صدقی زهاوی الکتاب اسمه "الفجر الصادق فی الرد علی منکری التوسل والکرامات والخوارق ایضا علی النفس الموضوع "وهابی ازم" کتب مولانا رومی بک خالدی قدسی الکتاب اسمه" اسباب انقلاب عثمانی۔ مولانا رومی بک کان ماهر فی لغة الفرانساویة وبکونه موظف کبیر فی باریس عند الحکومة هو کان یصوف سیاسیات جمیع حکومات فی اوروبا۔ لهذا هو درس السیاسة واکتشف ان مذهب الوهابیه قد یکون نصف دینی ونصف سیاسی وایضا اکتشف ان البریطانیة العظمیٰ والالمانیة والفرانسا کانوا یساعدون الوهابیة ضد الاتراک۔ لما قرأت مقالات مولانا رومی بک عرفت ما عرفوا السید احمد زینی دحلان و احمد رضا خان ان الخلافة العثمانیة ای خلافة الاحناف کانت ناصر اهل السنة والجماعة من سنه ۷۲۶ ھ وکانت بریطانیة ناصر الوهابیون ضد اهل السنه والخلافة بنی عثمان.... ما اظن ان ای واحد سوی احمد رضا خان من علماء اهل السنة فی الهند کانوا یعرفون اسماء هذه الکتب فی رد الوهابیة۔ العلماء الکبار من اهل السنة فی الهند لا یعلمون بالتحقیق ان احمد رضا خان کان من معتقدین السید احمد زینی دحلان وانه تلمیذه ومریده وانه قد حصل الکتب المذکورة اعلیٰ من مشائخ حرمین الشریفین وبعد ذالک قام ضد الوهابیة فی الهند ای جماعة ملا محمد اسماعیل وان لولا هذه العلاقة بینه وبین السید احمد زینی دحلان ما کان ممکن لاحمد رضا خان ان یتحرک ای ثورة ضد الوهابیة الاسماعیلیة فی الهند ویخاصم علی تلامیذ والمریدین وخلفاء مولانا حاجی امداد اللہ مهاجر مکی (ایضا صاحب السید احمد زینی دحلان ومن احد کبار ائمة اهل السنة فی الهند) مثل علامة رشید احمد گنگوهی وعلامة قاسم نانوتوی وعلامة شیخ الهند محمود الحسن وعلامة حسین احمد مدنی وعلامة خلیل احمد امبیٹهوی وعلامه اشرف علی تهانوی وغیرهم۔ العلماء اهل السنة یظنون ان احمد رضا خان ما کان تابع لاحمد زینی بل کان مستقلا منه وغیر مرتبط ویشتغل نفسه علحدة من علماء الحرمین الشریفین۔ والوهابیة فی الهند یظنون انه ما کان یعرف حقیقتهم الاصلی انهم کانوا مع الوهابیة فی نجد الی مائة عام ولذالک خطای فی ارسال استفتاء مزوره الی مفتی مکة وحصل الفتویٰ علیهم بالکذب وکان الفتوی طبعا کاذبة انهم کفر والعد ایمانهم واسلامهم۔ انا اعرف بالتحقیق ان احمد رضا خان کان بالمرة مطلع علی احوال والاسرار الوهابیة فی النجد والهند وکان یعرف توحیدهم فی العقائد والمقاصد والاهداف فی تشهیرا انذاز نضیحة ووشایة تعظیم رسول اللہ لانهم یعتقدون ان التوسل والتشفع والاستغاثة والاستعانة بالنبی شرک عظیم بکونه غیر اللہ والاستغاثة بغیر اللہ تعالی محرمة بالنصوص القران والحدیث۔ لاکن بالاسف هو ما عرف فتنة نواب بهوفال صدیق حسن خان بهادر

استاد اوف انڈیا و ذوج کر اون اوف انڈیا ای سیدہ شاہ جہاں بیگم ملکۃ بوفال

کل واحد من علماء اهل السنة والوهابية فى الهند اما ساذج ای عدیم المعرفة او منکر فی رفض الاعتراف ای تجاهل عارفانة ان النواب بهوپال خانبهادر صدیق حسن کان مواطی کبیر (ای شریک فی الذنب) لعالم الکبیر الوهابی محمود شکری آلوسی بغدادی فی اشاعته کتابه المسمیٰ غایة الامانی فی رد علی النبهانی وانه کتب هذا الکتاب فی رد کتاب شواهد الحق فی الاستغاثة بسید الخلق وهذا کتاب مؤلف من سفرین کبیرین رد فیهما ماجاء به النبهانی فی کتابه من الجهالات والنقول الکاذبة والآراء السخیفة والدلائل المقلوبة فی جواز الاستغاثة بغیر الله تعالیٰ مطکر دستان العلمیة ۱۳۲۷ھ (طبعت هذا الکتاب بعد اربعة عام لما رجع احمد رضا خان من الحج والزیارة) وهم مایعلمون ان هذا هو الآلوسی جمال الدین ابو المعالی محمود شکری المتوفی ۱۳۴۲ھ هو الذی قد انتدب الی المؤتمر الشرقی المنعقد فی استوکهام (سویدن) فی عام ۱۸۸۹ء فاستحق تالیفه التقریظ کما استحق المؤلف الثناء وفازدون سواه بالجائزة والوسام الذهبی۔ وهذا الآلوسی جمال الدین کان من اصحاب نواب بهوپال (کلاهما کانا مثل مواطی اوولی من الذل لبریطانیه) الذی کان اکبر رئیس الوهابیة فی الهند وامام اعظم اهل الحدیث الملقب بامیر المؤمنین ووالاجاه حضرت محدث الاعظم۔ کان الوسی هذا ابن الاخ خیر الدین نعمان الوسی المتوفی ۱۲۱۷ھ مصنف کتاب جلاء العینین فی محاکمة الاحمدین وهو رد علیٰ مولانا شهاب الدین احمد ابن حجر الهیتمی المکی المتوفی ۹۷۴ھ فی انتقاده الامام احمد ابن تیمیه طبع بامر نواب صدیق حسن فی ۱۲۹۲ھ وهذا نعمان الوسی کان من اولاد مولانا ابو الثناء شهاب الدین محمود الوسی بغدادی الحسنی الحسینی متوفی ۱۲۷۰ھ وهو صاحب تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی الذی طبعه نواب صدیق حسن فی ۱۳۰۱ھ فی تسعة اجزاء لاکن بالاسف هذه التفسیر المطبوع محرف جدا ولیس موافق لمخطوطه الاصلی الذی موجود الیوم فی استنبول (وفی استنبول ایضا کان امام احمد رضا خان بالمرة معروف ومحبوب وکان له مقام اعلیٰ فی دار الخلافة) بناء علی هذا ومن اخبار الصحیح عن فتن الوهابیة وفتن نواب صدیق حسن انا استطیع اقول ان هذا خان بهادر نشر مذهب الوهابیة فی الهند باسم تقویة تقویٰ الایمان بعد تحریف فی الطباعة ثلاثة تفاسیر القرآن ای تفسیر ابن کثیر تفسیر قاضی شوکانی وتفسیر وتفسیر روح المعانی) لاجل تشهیر انذار وفضیحة تعظیم رسول الله تعالیٰ ولهذا ضروری الیوم لذکری امامنا احمد رضا خان ناصر اهل السنة ان علماء اهل السنة یحققوا عن هذه الفتن الکبیر المسمیٰ وهابیة۔ الحق ان امامنا احمد رضا خان وقف حیاته علی درس هذه الفتن ورد عقائد الفاسدة والخبیثة ضد مذهب الحنفیة المقدسة۔

خرج هذا العقیدة الکاذبة ان النبی غیر الله اولا من دمشق من کتب شیخ الاسلام حنبلی (ومواطی النصاری) تقی الدین ابن تیمیة المشهور بابن الزفیل وبعد ذالک علیٰ نفس العقیدة نشر مذهب الوهابیة من مدینة منورة بواسطة ۲۷ محدثین الکبار بین ۱۰۹۰ھ و ۱۱۵۰ھ، ومشهورین منهم شیخ نور الدین محمد عبد الهادی سندهی وشیخ ابراهیم کردی وشیخ ابو طاهر محمد ابراهیم الکرانی وشیخ ابن علی عجمی وشیخ تاج الدین وشیخ محمد حیات سندهی (وکلهم مهاجرین من اوطانهم ونزیل مدینة ربما علی حساب بریطانیه او شیاطین الانس اخرای عباد الهاآخر) وکان شیخ محمد ابن عبد الوهاب تلمیذ لمحمد حیات سندهی (ولاجل ذالک انا اقول هو سانجو بانز السبعة وعشرین دون کیخوطات وکلهم سانجو بانزلدون کیخوطات الدمشق ورئیسهم ابن الزفیل۔ امامنا شیخ الاسلام تقی الدین ابن السبکی قاضی القضاة سمی ابن تیمیة ابن زفیل) وایضا مولانا احمد شاه ولی الله اخذ درس الحدیث الی ثلاثة عام وبسبب ذالک ارتد من مذهب الحنفی الی الوهابیة ولما رجع بعد الحج کتب تفسیر القرآن بلغة الفارسیة فی سنه وکتب فیه ان رسول الله ایضا غیر الله بالتحقیق وهذا قوله موجود فی تفسیر وما اهل به لغیر الله ای بتان وشیاطین نیز پیغمبران ای ملعنی غیر الله الاصنام والطواغیت وایضا الانبیاء والمرسلین۔ هذا هی التاریخ بالاختصار عن نشر مذهب الوهابیة فی الهند واول من ادرک وعرف اسرار هذه الفتنة هو احمد رضا خان المشهور عند الوهابیة بلقب امام اهل الشرک والبدعة لانه رد علی قول الوهابیین ان من قال "شیئ لله یا رسول الله" فهو مشرک۔ ومن

قال" اغثنی یارسول الله" و" ایدنی یارسول الله" و"یارسول الله انت لها" فهو ایضا مشرک وطبعا کل سنی مشرک لانه یعتقد ان النبی مختار ومالک له کما کان یعتقد امامنا احمد رضا خان ان منه ای النبی نحصل جلب المنفعة ودفع المضرة۔ کان احمد رضا خان سید الطائفة لاهل السنة فی الهند کما کان رشید احمد غنغوهی سید الطائفة للوهابیون فی الهند وهو کان تابع لابن زقیل ای احمد ابن تیمیة وکان احمد رضا خان من تباع سید احمد زینی دحلان و طبعا تابع الامام احمد ابن حجر المکی وکلاهما کانا اشد الاعداء لاحمد ابن تیمیة ولهذا اقول ان من تبع احمد ابن تیمیة هو وهابی ومن تبع تقی الدین ابن السبکی واحمد ابن حجر هیتمی المکی وسید احمد زینی دحلان المکی واحمد رضا خان هو سنی وکذالک اقول من تبع الحافظ والمحدث الاعظم امام ابن حجر العسقلانی هو وهابی ومن تبع حافظ والمحدث الاعظم امام احمد القسطلانی الحنفی هو سنی۔

کتبت هذه المقالة قصدا ان انصح السنیون ان یفهموا اسرار الوهابیة ویصفحوا وسامحوا ذنب الوهابیون دائما الی الابد علی شرط واحد ان لازم علی الوهابیون ان یترکوا عقیدتهم الباطلة ان النبی هو غیر الله ویرجعوا الی عقیدتنا ان النبی رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ والله لایصلی قط علی ای غیر الله۔

هذا هو الحقیقه ان هناک تاریخ قدیم علی مخاصمة بین الوهابیون والسنیون۔ واصل المخاصمة بدات علی تاویلات غیر الله وعلی مسئلة ابقار قبر النبی داخل المسجد النبوی۔ الوهابیون کانوا یقولون ان وجود قبر النبی فی مسجد النبوی یکون منافی لاحکام الله ورسوله ای خلاف الشریعة وبالمرة ضد امر النبی بنفسه لانه اکد علی سریر موته ان اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبور انبیائهم مساجد۔ والسنیون کانوا یقولون لاباس فیه ان وجود قبر النبی فی حرم الشریف النبوی داخل المسجد النبوی المقدس ضروری جدا لاجل الزیارة المبارکة بعد الحج ولاجل ارتفاع شان النبی وشان الاسلام والمسلمین ولهذا واجب علینا ان نزور المدینة المنورة ونشد الرحال الیه بعد اداء او قبل اداء فریضة الحج المبارک۔ سمعت فی سنة ۱۹۳۹م من استاذی مفتی اعظم فلسطین السید امین الحسنی المتوفی سنه ۱۹۷۵م ان النبی بکونه نبی الله (هو کان نبی الله من قبل ولادته فی الدنیا ومن بدء الازل) زار قبور اجداده الانبیاء علیهم السلام ابراهیم خلیل الله واسحاق ویعقوب فی بلدة خلیل الله المسمی هبرون (فی جنوب بیت المقدس وقریب منه) فی مسجد المسمی خلیل الله وعظمهم تعظیما۔ و بناء علی ذالک اعتقد ان لتعظیم النبی وخاصتا لهذه المقصد الاسنی وهدف الاعلیٰ وبرضوان الله تعالیٰ عزوجل الخلفاء الراشدون الاربعة وکبار الصحابة الکرام من المهاجرین والانصار رضوان الله تعالیٰ عزوجل

جل جلاله علیهم ومن والاهم دفنوا النبی داخل المسجد النبوی لکی یزوروه المسلمین فی العالم ای القبر المقدس الی یوم القیامة النبی بنی المسجد النبوی الشریف بایدیه المبارک کما بنوا اجداده ابراهیم واسماعیل الکعبة الشریف بایادیهم المبارکة

کانت مسجد النبوی الاول ۲۴۷۵ میترمربع فزادیها عمر ابن الخطاب ۱۱۰۰ میترمربع ودخل القبر الشریف داخل الحجرة الشریفة داخل المسجد الشریف وداخل جدران المسجد لاجل یبقی القبر المقدس فی المسجد وفی وسط صفوف المصلین الی یوم القیامة کان عمر عارف بعلم الغیب ان سیاتی قوم بعد کم عام ویقول هذا هو هذه القبر کی لا یصیر المسجد معبد للمشرکین المسلمین مثل مشرکین الیهود والنصاریٰ الذین اتخذوا قبور انبیائهم مساجد لان مسجد خلیل الله فی هبرون یحتوی علی قبور ابراهیم واسحاق ولیعقوب والیهود والنصاریٰ یعبدونهم مع الله ولاجل منع الشرک مثل هذا نبه النبی عند وفاته ان اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبور انبیائهم مساجد۔ کان یعرف عمر ان اصحاب الحدیث یقول مثل هذا القول لاحیاء السنة النبویه لعدم درس عمیق فی الحدیث کما نریٰ الیوم ان المحدثون یجتهدون لاحیاء السنة والغاء دستور امام الاعظم۔ رایت ان بعض علماء اهل السنة الیضاح یصرون علی احیاء السنة خلاف دستور الاحناف۔ الدستور الرسمی لخطبة الجمعة یکون ان المؤذن یؤذن امام المنبر ولاکن بعض العلماء یقولون هذا بدعة والسنة لازم الاذان یکون من باب المسجد۔ کان عمر یخاف من الاختلاف مثل

هذا على البقاء قبر النبي بين صفوف المصلين۔

نحن اهل السنة جدا مشكورين لسيدنا عمر لانه ابقى قبر النبي وقبر سيدنا ابابكر۔ داخل المسجد وبعد ذالك دفن عمر ايضا في نفس الحجرة الشريفة وبعد ذالك زاد فيها عثمان ۴۹۶م ميترمربع وبعد ذالك زاد فيها خليفة وليد بن عبد الملك الاموی ۲۳۶۹ ميترمربع وبعد ذالك زاد فيها مهدی بن منصور العباسی ۲۴۵۰م ميترمربع وبعد ذلك حرق المسجد كله يوم الجمعة اول رمضان ۶۵۴ سنه ومابقى فيها جزء من الخشب سوى الصندوق المصاحف وجذع الحنانة واول من بنى مسجد النبوی الجديد هومولانا سلطان ركن الدين بندقداری صالحی بيبرس التركی الحنفی۔ هوايضا زين المسجد وزين المزار الشريف من قناديل د بخوردان وقوارير العطر والجواهرات والكسوة من حرير ومخمل وديباج وامر المسلمين ان يزوروه ويعظموه۔ هذا هو بيبرس الذی جعل فی الكعبة اربعة مصلی الحنفی المالكی الشافعی والحنبلی وبعد ذلك زاد فيها مولانا سلطان اشرف قائتبای ۱۲۰ ميترمربع وبنى على القبور القبة اول مرة (ماكان هناك اى قبة قبل ذلك) وهو موجود الآن وهذا هو قبة الخضراء وبعد ذلك زاد فيها سلطان عبد المجيد خان عثمانی ۱۲۹۲ ميترمربع في ۱۸۶۰ سنة (بعد ولادة احمد رضا خان باربعة عام) هذه المسجد التی بناها خليفة عثمانی كانت ذی شان عظيم وكانت وسعتها ۱۰۲۱۲ ميترمربع۔ فكانت هذه المسجد القبلة الثانی بعد حرم شريف الكعبة وكانت محل اعظم اجتماع لجماعة المصلين اى اهل ملة نماز واهل ملة درود ولاكن الاولون اى اهل ملة نماز ماكانوا يزورون الروضة وماكانوا يقومون عنده لاجل الصلاة اى درود والسلام الوهابيون كانوا يدخلون المسجد فی اوقات الصلوة اى نماز فقط واصحاب الصلاة اى درود كانوا يجتمعون فی المسجد طول النهار والليل كان هناك اجتماع كبير من الناس ايضا۔ وفی ۱۲۹۴ سنه هـ / ۱۸۷۶م صار سلطان عبد الحميد خان عثمانی خليفة المسلمين وهو آخر من خلفاء الاسلام وهو عزل فی ۱۹۰۹ سنه م وتوفی فی ۱۹۱۸ سنه م لما اتى الخليفة لزيارة القبر النبي شاف ان الوهابيون لايزورون القبر ولايصلون على النبي فامر ان الزيارة واجب وايضا السلام بالقيام عند القبر المبارك واجب على المسلمين والمسلمات۔ كان هذا بلاغ من الخليفة بشكل الاعلان الدينی واذاعة الرسمی المذهبی فی ۱۲۸۶ سنه هـ / ۱۸۶۹م۔ وكان هذه البلاغ بامر الخليفة عثمانی عبد العزيز وكان سمو الامير عبد الحميد معه وفی هذه السنة (۱۲۸۸هـ) جاء واكثير من علماء الكبار الاحناف من الروم وماتمن علماء الاحناف من جميع العالم الاسلامی وكان امامنا احمد رضا خان ايضا حاضر هناك لاجل الزيارة۔ لما امر الخليفة عبد العزيز وسمو الامير ولی العهد عبد الحميد ان الزيارة واجب اتفقوا جميع العلماء بهذا وايضا امام احمد رضا خان اعلن ان الزيارة واجب وايضا السلام بالقيام عند قبر النبي واجب على كل مسلم ومسلمة۔ وقال السيد احمد زينی دحلان هذا هو الحق نحن العرب عارفين بهذا ان السلام بالقيام فرض تحت امر الله "صلوا عليه وسلموا تسليما"، وعلماء الهند ايضا متفقون بهذا وانا اقول لهذا شاب الهندی احمد رضا خان عافاك الله لله درك شاباش عليك انت مفتی حنفی هندی۔ والله انت الحق وهذا هو الحق ان النبي له الحق ان يقوم الناس لتعظيمه تشريفا وتسليما وهذا قول الله تعالیٰ عزوجل الذی انزل القران وقال وبالحق انزلناه وبالحق نزل۔ لما رجع الخليفة وامير عبد الحميد علماء الروم وعلماء العالم قاموا الوهابيون وضجوا ان الزيارة قبر النبي حرام كما قال امامنا ابن تيميه انه حرام۔ فاجاب لهم السيد احمد زينی دحلان ان ابن تيمية كان غلطان وبناء على ذلك قال السبكی ان ابن تيميه هو ابن الزفيل۔ وبعد ذلك ابتداء الحرب الوهابية بالشدة ضد الخليفة عبد الحميد وخلافة العثمانية۔ قرأت فی جريدة "العربی" من الكويت مقالة طويلة ضد الخليفة عبد الحميد وفيه كان مكتوب ان عبد الحميد كان الداهية اى سافل ونمد لئيم وعديم الشرف۔ هذا هو الصحيح ان العرب كانوا يكرهون الخليفة عبد الحميد لانه كان يتبع طريقة الصوفيه وكان مويد لاحد مشيخ الصوفية الشاذلية۔ وبالنتيجة ثورات العرب والثورات فی بلقان والهجوم من اوروبا فی حرب العالمی الاول هدمت الخلافة العثمانی الحنفی فی ۱۹۲۲ سنة وهجم سلطان عبد العزيز على الحجاز وقبضه وفی ۱۳۴۴ سنه هـ / ۱۹۲۶م اراد الملك عبد العزيز ال فيصل آل سعود ان يخرب القبور الثلاثة ويهدم القبة الخضرا عليهم لان المحدثين الكبار وعلماء حنابلة كلهم وبعض الشوافع والوهابيون فی العالم (ومنهم علامة ثناء الله امرتسری وجماعة

من جماعۃ اہل الکلام آزاد وبعضھم من دیوبند وبھوپال و مدراس) کانوا یصرون علیہ (علی الملک عبد العزیز) فی تخریب القبور وافنائہم
من داخل المسجد النبوی لان بقاء ھذہ القبور لاجل الزیارۃ فتنۃ کبیرۃ وسببا للشرک العظیم۔

بناء علی ھذہ الضجات والصرخات والصیاح وھتاف عدائی ضد اہل السنۃ وخصوصا ضد الاحناف کان
مؤکد فی تلک العام (ای ۱۲۴۲ سنہ ھ) ان قد خرب ودمر القبۃ الخضراء والقبور المقدسۃ والمبارکۃ۔ ماکان امامنا احمد رضا
خان حی فی تلک السنۃ لانہ توفی فی ۱۲۴۰ سنۃ لاکن کانوا ھنالک فی بدلہ فی الھند ملائین من اتباعہ من اہل السنۃ۔
فقاموا اہل السنۃ حسب تعلیماتہ ومسالکہ وقوموا قیامۃ عظیمۃ ضد الوھابیہ (النجدیۃ والھندیۃ) ومنعوا السلطان
عبد العزیز وعلمائہ من اجراء مشروعھم الخبیثۃ وھو مشروع الشیطان الرجیم اکبر عدو للنبی (کما قال الشاعر ھندی
الکبیر مولانا علامۃ محمد اقبال: ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی   ای
ان الشیطان یرید یطفی نور اللہ ای نور محمد ای سراجا منیرا الذی ذیتہ من نور اللہ تعالی عزوجل)

کان السلطان عبد العزیز وھابی شدید الی آخرہ ۱۹۴۷ سنۃم ای الی آخر بقاء امبراطوریۃ البریطانیۃ الحمد للہ
ھدمت الامبراطوریۃ فی ۱۹۴۸ سنۃم لما خرج الھند من قبضۃ البریطانیۃ وبقی عبد العزیز یتیم۔ وبعد ذلک الحمد للہ
لین اللہ قلب الملک عبد العزیز وھو ترک دین الوھابیۃ وراء ظھرہ ودخل فی ملۃ اہل السنۃ (ومن تلک السنۃ الوھابیون
فی الھند ای دھلویون بھوپالیون دیوبندیون ندویون ای اسماعیلیون خانبھادریون غنغوھیون ای قاسمیون نانوتویون
ولبائیون وغیرھم یقولون انھم ایضا من اہل السنۃ لانھم متمسکین بالسنۃ النبویہ) وبعد ذلک اراد الملک
للمملکۃ السعودیۃ العربیۃ (لا مملکۃ الوھابیۃ ولو ان فی ۱۹۲۶ سنۃ کانوا الوھابیون فی الھند یفتخرون ان سلطنتھم بالتحقیق
وھابیۃ) ان یوسع مسجد النبوی فی طرز حدیث ولاجل ھذا ھو شاور وقبل ای احد مع سیدی و مولائی الحاج شیخ محمد علی زینل
علی رضا وبعد ذلک مع کثیر من کبار اہل السنۃ فی العالم وما اخذ ای عالم وھابی فی مشاورتہ۔ فی ۱۹۴۸ سنۃم اتی رسالۃ
وبرقیۃ من جلالۃ الملک المعظم المحبوب عبد العزیز لمحمد علی بن زینل ان یحضر سریعا فی ریاض عاصمۃ المملکۃ۔ لما سافر علی رضا
بالطیارۃ اخذ معہ لھدیۃ لجلالۃ الملک خاتم فص الماس کبیر الذی ھو اشتراہ بمأۃ وخمسین الف روبیۃ (الیوم
یساوی خمسۃ لک دولارات) ولما رجع بعد زیارۃ القبر النبی اتی بالبشارۃ الکبیرۃ ان الملک یرید یوسع المسجد النبوی مع
توسیع فی الکعبۃ ای حرم الشریف ویعظم شان قبۃ الخضراء المبارک۔ انی رأیت عند سیدی محمد علی ورقۃ مھمۃ ونقلت ھذہ
العبارۃ: بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وبعد فان التفکیر فی مشروع توسعۃ
المسجد النبوی الشریف لم یکن طارئا لدی جلالۃ الملک المعظم المحبوب مولانا عبد العزیز بن عبد الرحمن آل فیصل آل سعود بل انہ کان
یجول فی نفسہ امد لیس بالقصیر حتی اذن اللہ سبحانہ وتعالی لہ بالبروز فخرج الی عالم الوجود ففی عام ۱۲۶۸ سنۃ تفضل جلالتہ
فاصدر کتابا مفتوحا الی جریدۃ المدینۃ برقم ۲۷-۳م-۳-۱۲۷۸ وتاریخ ۱۲-۸-۱۲۶۸ یبشر فیہ العالم الاسلامی بعزمہ
علی توسعۃ المسجد النبوی الشریف وقد نشر ھذا الکتاب فی الجریدۃ المذکورۃ فی عددھا الصادر بتاریخ ۵ رمضان عدد ۲۰۱
۱۲۶۸ سنۃ ..."..." وفی الیوم الخامس من شھر شوال سنۃ ۱۲۷۰ سنۃ (الموافق سنۃ ۱۹۵۰ م) بدئ فی تنفیذ مشروع عمارۃ الحرم النبوی
الشریف وکان اول ما بدی بہ ھو ھدم الدور المحیطۃ بالمسجد.... وفی شھر ربیع الاول عام ۱۲۷۲ سنۃ زار المدینۃ المنورۃ
جلالۃ الملک المعظم المحبوب سعود بن عبد العزیز وفی حفل کبیر وضع جلالتہ الحجر الاساسی للمسجد النبوی الشریف المقدس
المبارک وفی ۱۴ شعبان سنۃ ۱۲۷۲ سنۃ بدئ فی ھذہ الاساسات فی المسجد الشریف بالجناح الغربی بالمنطقۃ التی تلی باب الرحمۃ وفی یوم
الرابع والعشرین من شھر رمضان المبارک ۱۲۷۲ سنۃ بدئ فی بناء العمارۃ الشریفۃ المبارکۃ المقدسۃ وفی شھر ربیع الاول
عام ۱۲۷۲ سنۃ زار جلالۃ الملک سعود المدینۃ وبنی بیدہ فی عمارۃ المسجد ووضع اربعۃ احجار فی احدی زوایا الجدار الغربی
بالمسجد الشریف تأسیسا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم .... اخیرا نری الیوم ان الزیادۃ التی بداھا جلالۃ الملک عبد العزیز

رحمہ الله واتمها جلالة الملک سعود ۶۰۲۴ میترمربع۔ الیوم مساحة الکلیة للمسجد بعد التوسعة السعودیة ۱۶۳۲۷ میترمربع فیها ۷۰۶ عمود هربع القدیمة المحیطة بالجدار والاعمدة المستدیرة الجدیدة ۲۲۳: وهکذا تحققت المعجزة الالهیة وتمت هذه العمارة علی الوجه الاکمل وکل هذا تنذکار اجلیلا للنبی محمد صلی الله علیه وسلم"

لو ماکان فی عالم الاسلامی سبعین فی المائة من المسلمین من اهل السنة الاحناف ولو ماکان احمد رضا خاں امام اهل السنة فی الهند ماکنا نری الیوم القبة الخضراء وسبب بذالک الصوت الاکبر التی رُفعت من الهند

(قال رسول الله ان یاتی الیه ریح الریحان من الهند) لحفظ قبة الخضراء وهی صوت السنیون وهم تابعین احمد رضا خاں

الیوم ضروری علی جمیع ادارة الدینیة سنیة حنفیة ان یحصلوا درایة خدمات السید احمد زینی دحلان وتلمیذه ومریده احمد رضا خاں فی مقاومتهم ضد الوهابیة الهندیة والباکستانیه لان بدون ذالک العلم هو مستحیل لاهل السنة فی الهند ان یهزموا جنود مابقی من جنود الوهابیة المتفرقة والمزقه شتیٰ بعد کثرهم فی عام ۱۹۲٦ء حین حفظ الله تعالیٰ قبة الخضراء المبارک علی قبلتنا الثانی المقدس والمشرف والمبارک ای حرم النبی الشریف الذی فی شانه قال امامنا مولانا نور الدین الجامی "وان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعی" وهذه الدرایة والتحقیق بالمرة ضروری لاننا قد نفقدنا وقطعنا الامل من نجاة وانقاذ قبلتنا الاول ای مسجد الصخرة المبارکة (التی علیه القبة الصفراء الذهبی) و مسجد الاقصی المبارک ومسجد سیدنا عمر الفاروق فی بیت المقدس۔ وهذا هو العمر الذی نادیٰ فی غزوة الاحد حین صاحوا الکفاران "مات محمد"... "هذا رسول الله حیٌ سلیم" وما توفیقی الا بالله ورسوله صلی الله علیه وسلم۔

آل انڈیا سنّی لیگ کی مرکزی مجلس رضا اور ادارۂ المیزان کی تاریخی پیشکش

امام احمد رضا نمبر

پر مبارکبادیاں

خانوادۂ اشرفیہ، برکاتیہ اور رضویہ کو خراج عقیدت

کیوں رضا کڑھتے ہو ہنستے اٹھو
جب وہ غفار ہے کیا ہونا ہے

ایک نیاز مند

امام احمد رضا اور
مُفتی مکہ سیّد احمد زینی دحلان

رئیس القلم سید عبدالکریم سید علی ہاشمی ایم اے
کاروباری ۔ بمبئی ۔

محققِ دوراں سید عبدالکریم ہاشمی کا محققانہ عربی مقالہ جسے انہوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ "امام احمد رضا نمبر" کیلئے قلم بند فرمایا تھا' ذیل میں اس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے تاکہ امام احمد رضا پر انوکھی اور ستھری تحقیق کے اس شاہ کار سے ہمارے عام قارئین بھی مستفید ہوسکیں ۔ (ایڈیٹر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم :

شروع کرتا ہوں میں اللہ' رحمن' رحیم کے نام سے' وہی میرے لئے کافی ہے اور وہی سب سے اچھا وکیل ہے ۔ سب تعریف اور شکرانہ ادا کرنے کی مدح وثنا اللہ ہی کیلئے خاص ہے جس نے ہم پر اپنے رسول کی طرف سے احسان کیا ہے جس کے ہم ممنون ہیں اور اس نے ہمیں ہدایت کی ہے اپنے راستہ پر اور دوسرے راستوں سے ہٹایا ہے اور اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کے رسول یعنی سفیر مفوض معتمد اور مختار یعنی امباسیڈر پلینی پوٹنشیری کی تعظیم وتکریم اور بڑی عزت کریں ۔ اور اس نے ہم پر فرض کیا ہے (ہر مومن ومسلم پر) کہ آنحضرت ہمارے لئے ہماری جان' والدین وغیرہ سے زیادہ پیارے ہوں ۔ اور اس نے آپکی پیروی کو بحیثیت اللہ اپنی محبت اور فضیلت کا سبب بنایا ہے ۔ (اور ساتھ ہی ساتھ بحیثیت اللہ اپنی تعظیم کے لئے حضور کے سامنے خود سپردی کے ساتھ جھکنا اور آپ کی ذات صفات رفعت وعظمت کو اپنی عظمت کے بعد ادباً واحتراماً کھڑے ہوکر سلام کرنا اپنی تعظیم کے مظاہر کا سبب بنایا ہے) اور یہ مقرر کیا ہے کہ آپ کی اطاعت' شیطان کی مکاری اور گمراہی سے بچنے کے لئے ایک جائے امن وامان اور پناہ ہے ۔ آپ کی مدح وثنا جملہ بیانوں اور تفصیلوں سے بالاتر ہے کیوں کہ خود اللہ ہی نے آپکے ذکر کو بلند کیا ہے ۔ اور قرآن میں آپ کی مدح وثنا رکھا ہے ۔ اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ پر درود پڑھیں اور دعا کریں کہ یا اللہ محمد پر دنیا اور آخرت میں رحمت خاصہ بھیجتے رہنا ۔ اور یہ صلاۃ یعنی درود ہمیشہ ہمیشہ آتا رہے ۔ جب تک کہ ستارے طلوع اور غروب ہوتے ہیں اور اسی طرح سے ہمیشہ ہمیشہ وہ درود جاری رہیں جیسے آپ ہمیشہ ہمیشہ اپنے رب سے قریب ہیں اور آپ کا رب ہمیشہ ہمیشہ سے آپ کے قریب ہے اور یہ درود اس لئے جاری رہے کہ اللہ اور محمد کے مابین کوئی راز ہے ۔

(یہ راز مندرجہ آیات اور احادیث سے ظاہر ہے ۔ محمد کی مدح وثنا کے بیان کو تحریر میں لانے کیلئے ایک سمندر بھر سیاہی ختم ہوجائے گی مگر کلمات ربی پورے نہ ہوں گے ۔ یعنی بقول نبی میرے رب کی مدح وثنا کی باتیں پوری نہ ہوں گی اور اللہ کی حمد وثنا کی باتیں جو خود اللہ ہی بیان کر سکتا ہے تحریر میں لانے کیلئے سات سمندروں کی سیاہی کافی نہیں ہے ۔ اور میرے لئے اللہ کے ساتھ تنہا رہنے کا ایک وقت مقرر ہے اور میں اس وقت اللہ کا نبی تھا ۔ یعنی اللہ سے بات چیت کرتا تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے اور یہ کہ اللہ نے مجھ سے کہا ہے کہ اے محمد' تو میری آنکھوں میں ہے اور ساری عزت اللہ کی ہے اور ساری عزت اللہ اور اس کے رسول کی ہے ۔) یہ درود کے تحفے اللہ رب العالمین کے راج تک جاری رہیں ۔ جس نے محمد کو اپنے جلال سے پیدا کیا ہے اور آپکو اپنے جمال سے سنوارا ہے اور آپکو اپنے کمال کا تاج پہنایا ہے اور آپکو اس قابل بنایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخفی ذات کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور اس اللہ نے آپ کی ذات کو اپنے ناموں اور اپنی صفتوں کا مقام ظہور بنایا ہے' یہ درود اس وقت تک جاری رہیں جب تک اللہ اور محمد کے ناموں میں تعرّف یعنی مماثلت اور یگانگت یعنی آئیڈنٹٹی ہے اور اس تعرّف کی وجہ سے بہت کچھ ظہور میں آچکا ہے اور بہت کچھ ظہور میں آنے والا بھی ہے ۔ یہ درود اس وقت تک جاری وساری رہیں جب تک آپ کی صفات اور آپ کے کمالات کے جوامع کہ آسمانوں میں بہت سے سورج چمکتے رہے ہیں اور آپ اپنے جلال وجمال کے ساتھ اس عالمِ غیب میں موجود رہتے ہیں جہاں حضرت ذات باری تعالیٰ غیب میں موجود ہے ۔ پس ہم اللہ کا شکرانہ ادا کرتے ہیں کہ اس نے محمد کے واسطے سے ہم پر رحمت بھیجا ہے ۔ اس کی طرف قرآن میں یوں اشارہ کیا ہے کہ " تحقیق اللہ کی رحمت یعنی محمد محسنین یعنی سنیوں سے قریب ہے ۔ ہم اللہ کے اس قول کے بھی ممنون ومشکور ہیں کہ اس نے ہمارے جد امجد آدم سے یہ کہا ہے کہ " اے آدم' تو نے سچ کہا ہے' بے شک محمد مجھے جمیع مخلوقات سے زیادہ پیارا ہے اور چوں کہ تو نے اس کے حق سے معافی مانگا ہے' میں نے تجھے معاف کر دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو اے آدم میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا اور وہ تیری اولاد میں ہونیوالے پیغمبروں میں آخری نبی ہے ۔

آج روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی تعداد ۴ ہزار ملیون ہے اور ان میں سے ۲۲۲۵ ملیون دیندار ہیں یعنی دین اسلام اور دوسرے ادیان و مذاہب اور قوموں اور دھرموں پر چلتے ہیں۔ اور باقی لادین ہیں ان کا کوئی دین و مذہب نہیں ہے اور ان کی کوئی ملت نہیں ہے وہ ملحد دھریئے اور لاادریہ ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالٰی پر ایمان نہیں رکھتے جس نے محمد پر قرآن نازل کیا ہے ان بے دین لوگوں میں شیوعی اور اشتراکی بہت ہیں۔ اور وہی اصلی مشرک ہیں جیسا کہ اللہ نے کہا ہے " اور اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ کچھ نہیں ہیں مگر مشرکوں میں سے ہیں" سورہ یوسف آیت نمبر ۱۰۶۔ یعنی حقیقی مشرک وہی لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں (وہابیوں نے اسی آیت کا غلط ترجمہ کیا ہے کہ " اور اکثر لوگ ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شرک بھی کرتے ہیں"۔ یہ محرف ترجمہ صرف سنیوں کو اور مولانا احمد رضا خاں کے تابع حنفیوں کو مشرک ثابت کرنے کیلئے ہے۔ اگر وہابی لوگ قرآن کے ترجمہ میں سفسطہ آفریں مغالطہ سازی سے کام نہ لیتے تو ان کے لئے محال تھا کہ وہ ہم سنیوں کو ذرا بھی مشرک بول سکیں۔ وہابیوں کے نزدیک آج کل کے سترکروڑ حنفی تحقیق مشرک ہیں انہوں نے اس آیت کے حرف " ما " کو بگاڑ کر معکوس کر دیا ہے۔)

ہم بنی آدم آج دو بڑی بھاری طاقتوں کے دباؤ میں گھرے ہوئے ہیں، یہ دو طاقتیں آپس میں سخت مخالف ہیں۔ ایک طاقت آسمانی اور عقلی ادیان و مذاہب کو ماننے والی حکومتوں کی ہے، وہ کیپٹیلسٹ ہیں، دوسری اشتراکی حکومتوں کی طاقت ہے وہ بھی راسمالی ہیں، یہ ساری حکومتیں زر پرست ہیں۔ دنیا بھر کے خزانے (جن میں بیس ہزار ٹن سے زیادہ سونا ہے۔) ہیرے جواہرات، معدنیات، کارخانے، پروپرٹی، بنک ریلوے ہوائی اور بحری جہاز وغیرہ سب ان کے قبضہ میں ہے اور رعایا کو فقیر رکھا گیا ہے۔ بہرحال دونوں طرح کی حکومتوں میں رعایا اپنے اپنے حال میں خوش ہے، کیمونسٹ ملکوں میں عقبیٰ کی کسی کو فکر نہیں ہے، کھانا کپڑا اور مکان ملجاتے تو وہ مطمئن ہیں۔ دیندار حکومتوں میں فقیر رعایا اس لئے مطمئن ہے کہ انھیں دنیا دین پالنے کی چھوٹ ہے اسلئے وہ عقبیٰ کی امید میں خوش ہیں۔

ہم نے سنا ہے کہ سنہ۱۹۱۰ء تک کیمونسٹ ممالک میں چار سو ملیون حنفی تھے آج وہاں دس ملیون بھی ایسے نہیں ہیں جو نماز پڑھتے ہوں گر وہ مشرک نہیں ہیں کیوں کہ وہاں درگاہوں کو بھی بند کر دیا گیا ہے۔ اشتراکی لوگ وہابیوں کی طرح قبر پرستی کے سخت مخالف ہیں۔ دیندار حکومتوں میں (مسلم اور غیر مسلم) مسلمانوں کی آبادی ایک ہزار ملیون سے کم نہیں ہے ان میں سے ستر فیصدی سنی ہیں جن میں ستر فیصد حنفی ہیں۔ وہابیوں کی تعداد بیس فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ ان وہابیوں کو یقین ہو گیا ہے کہ سنی لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور بدعتی اور مشرک بھی۔ (میں نے امام اہل سنت مجدد ملت اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قادری کی لکھی ہوئی عربی کتاب "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ کتاب استنبول میں کئی بار چھپی ہے۔ ابھی ۱۹۷۵ء میں حسین حلمی بن سعید استنبولی نے اسے آفسیٹ سے چھاپا ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت کا فیصلہ ۔۔ وہ ہے کہ سنی لوگ وہابیوں کو کیا سمجھیں۔ آپنے لکھا ہے کہ: بیشک وہابی فرقہ سب سے بڑے شقی لوگوں کا ہے جسے رسول اللہ سے بڑا بھاری حسد ہے اور وہ حضور سے نہ صرف بدگمان ہیں بلکہ خفا بھی ہیں کہ اللہ نے آپ کی اتنی بڑی تعظیم کیوں کی ہے...)

اس پر سے مجھے یقین ہوا ہے کہ مولانا احمد رضا خان نے جو فتویٰ جاری کیا تھا کہ برٹش انڈیا کے وہابی شقی ہیں۔ برحق ہے کیوں کہ انھوں نے ناحق یہ عقیدہ باندھ رکھا ہے کہ سبھی سنی مشرک ہیں سنیوں کو کس طرح سے ناحق مشرک ثابت کیا گیا ہے اور وہ بھی قرآن شریف کی تفسیر تاویل اور تعبیر میں تحریف کر کے اس کا ثبوت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر میں سورہ یوسف کی آیت نمبر ۱۰۶ کی تعلیق کے ۱۵۰ الفاظ کے بیان میں موجود ہے کہ کسی کا نام غلام رسول اور غلام نبی رکھنا بھی شرک ہے۔ اس عقیدے پر اعتماد رکھنے والے وہابی اکثر دیوبندی ندوی اصلاحی اور دیلور کے مدرسہ باقیات الصالحات کے جیسے بھی ہیں اور وہ سب کے سب سنیوں پر اس لئے جلتے ہیں کہ انھیں رسول اللہ سے بڑی محبت ہے۔ اور وہ آپ کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تعظیم کا حق صرف اللہ تعالٰی کا ہے اور کسی غیر اللہ کو ذرا بھی حق نہیں ہے۔ چنانچہ غیر اللہ کی تعظیم کرنا شرک ہے۔ ایک سنی مسلم اور وہابی مومن میں تمیز کرنے کی صرف ایک ہی کسوٹی ہے۔ جسے رسول اللہ سے بڑی محبت ہے وہ اسعد الناس ہے اور جسے نبی سے حسد جلن بغض اور کدورت ہے، وہ بڑا شقی ہے۔ جب نبی ہی دین اسلام کا معیار ہے۔

سب سے پہلے جس شخص نے اہل سنت پر تہمت لگائی ہے کہ وہ مشرک ہیں وہ (وہابیوں کے امام اعظم) عزالدین ابن عبدالسلام قاضی القضاۃ دمشق ہیں، آپنے اصلاح دین اور احیائے سنت کے نام سے وہابی مذہب ایجاد کیا اور فاتحہ خوانی کی محفل کے علاوہ مسجد میں نماز کے بعد فاتحہ پڑھنا بھی بدعت قرار دیا۔ آپ نے سنیوں کی اور خاص طور پر ترکی حنفیوں کی بہت سی رسموں کو بدعت بول کر بند کر دیا۔ ان میں سے ایک صلاۃ رغائب اور نصف شعبان کی نماز ہے۔ اس روز مغرب سے لیکر رات بھر مخصوص دعائیں پڑھی جاتی تھیں۔ قاضی صاحب نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ نصف شعبان کی عید منانا بدعت ہے اور ایسے بدعتی تحقیق جہنمی ہیں۔ آپنے لکھا ہے کہ دین اور شریعت میں ایسی نماز اور ایسی دعاؤں کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور ان بدعتوں کے موجد حنفی ہیں جنھوں نے سنت نبویہ کے خلاف دین میں نئے نئے رواج داخل کر دیئے ہیں۔ قاضی صاحب کی احیائے سنت یعنی صرف نبی کی سنت کو زندہ کرنے کی تحریک کی ایک تازہ ترین مثال آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ اور اس کے موجد خود سنی ہیں، یہ موڈرن سنی کہتے ہیں کہ شریعت کی بہار اس میں ہے کہ ہم حنفی عالموں کے دستور سے ان باتوں کو ترک کر دیں جو نبی کی سیرت میں موجود نہیں ہیں۔

ایسی ہی احیائے سنت کی ایک زبردست تحریک قاضی عزالدین نے دمشق سے جاری کی تھی۔ جو وہابی ازم کا سب سے پہلا اور بڑا مرکز تھا۔ یہ قاضی ابن عبدالسلام اپنے زمانے کی صلیبی جنگوں کی شدت میں ترکی حنفی مجاہدین اسلام

کے خلاف اور عیسائیوں کے ساتھ تھے۔ آپ سلطان رکن الدین صالحی بندقداری بیبرس کے بڑے دشمن تھے جس نے عین جالوت کی سب سے بڑی جنگ میں صلیبیوں اور منغول تاتاریوں کی متحدہ فوجوں کو پہلی بار سب سے بھاری شکست دی ہے اور ان کے سیلاب کو توڑ دیا ہے۔ جب قاضی صاحب اور سلطان دمشق میں جھڑپ ہوگئی اور جمعہ کے خطبہ میں قاضی صاحب نے اسے فاسق اور فاجر کہا تو سلطان نے آپکو قید کیا۔ اس لئے بھی علماؤں نے شور مچایا اور وہابیوں نے احتجاج کے جلوس نکالے اور ساتھ ہی ساتھ عیسائی زعمار کا ایک وفد سلطان کے پاس آیا۔ اور قاضی صاحب کو رہا کر دینے کی درخواست کی، اس وفد نے یہ بھی کہا کہ "قاضی صاحب اتنے بڑے عالم ہیں کہ اگر آپ ہمارے پادری ہوتے تو ہم ان کے قدم دھوکر پانی پیتے۔" اس قاضی صاحب کے مسلک کا نام وہابی ازم ہے اس مذہب کا آخری امام ابن عبدالوہاب ہے۔ جس نے یہ طریقہ اپنے شیخ طریقت شیخ محمد حیات سندھی سے لیا ہے اور اس نے مدینے کے ۲۷ استادوں سے لیا ہے (شیخ احمد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی ان ہی محدثین میں سے پانچ اصحاب حدیث سے حدیث کی سند حاصل کی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے آپنے مدینہ سے وہابی مذہب ہندستان میں لے آئے) ان ۲۷ محدثین کبار نے یہ طریقہ اپنے امام احمد ابن تیمیہ سے لیا ہے اس نے اپنے دادا تقی الدین تیمیہ سے اور اس نے اپنے شیخ قاضی عزالدین متوفی ۶۶۰ھ سے لیا ہے ــــ

جب ۶۵۴ھ میں عباسی خلیفہ مہدی بن منصور کی بنائی ہوئی مسجد نبوی پوری جل کر خاک ہوگئی۔ تو سلطان رکن الدین نے نئی مسجد تعمیر کی اور نبی ابوبکر اور عمر کی ٹوٹی ہوئی قبروں کو بنایا اور مزاروں کے حجرہ شریف کو سنوارا۔ اس پر سے قاضی عزالدین نے فتویٰ کیا کہ سلطان بیبرس قبر پرست اور مشرک ہے، چنانچہ سلطان اس قاضی سے بہت ڈرتا تھا۔ حالاں کہ صلیبی اور تاتاری فوجوں کے بڑے بڑے کمانڈر سلطان کے نام سے ڈرتے تھے۔ کیوں کہ آپ ہی معرکۂ عین جالوت کے ہیرو ہیں۔ جب مصر میں قاضی صاحب وفات پائے اور آپ کا جنازہ سلطان کے قلعہ کے پاس سے گذرا جس میں مسلمانوں کے علاوہ، عیسائیوں کا بھی ہجوم تھا، تو سلطان نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ آج مجھے اطمینان ہوا ورنہ اگر یہ قاضی مسلمانوں کو حکم دیتے کہ بغاوت کرو تو میری حکومت کا خاتمہ ہوتا۔

اسی زمانہ سے مسجد نبوی کی زیارت گاہ ہونے کی حیثیت کے مسئلہ پر سے وہابیوں نے قاضی عزالدین کی جماعت نے حنفیوں سے بحث وجدل کا سلسلہ جاری کر دیا۔ کیونکہ وہابیوں نے دیکھا کہ سلطان بیبرس کی نئی مسجد نبوی میں ترکی حنفی زائرین مرد اور عورتوں کے بڑے بڑے ہجوم آتے ہیں۔ اور مزار مقدس کے پاس کھڑے ہوکر نبی سے توسل تشفع اور استغاثہ کرتے ہیں۔ اور مناجاتیں بھی کرتے ہیں۔ جو بقول ان کے مسجد نبوی ہی کے اندر واقع ہونیوالے شرک کے کام تھے، حالانکہ مسجد صرف صلاۃ یعنی پنجوقتہ نماز کے لئے ہے۔ اور دن رات کی صلاۃ یعنی درود پڑھتے رہنے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ حنفی لوگ دھوم دھام سے کرتے رہتے تھے۔ حنفی علمائے عظام کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی سے توسل تشفع اور استغاثہ کرنا ہر حال ہر زمان اور ہر مکان میں برحق ہے۔ یعنی آپ کی ولادت سے پہلے اور آپ کی حیات کے ہر دور میں (آپ کی حیات کا دور بقول ان علمائے عظام کے ازل سے ہے۔ جو کم از کم پچاس ہزار کروڑ سال کی مدت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ میں رحمت کا مخفی خزانہ تھا اور اب مجھے پسند آیا ہے کہ میں اپنے آپکو ظاہر کردوں۔)

اس زمانے سے آج تک ان ہی مسائل پر وہابیوں اور سنیوں کے مابین، عقائدی جنگ جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احمد رضا خان نے ۱۸۷۰ء میں حج سے واپس آنے کے بعد سے وہابیوں سے بڑی بھاری لڑائی کی مگر ۱۸۸۶ء کے بعد سے وہابیوں سے برسر پیکار رہنے کے بدلے حنفی مذہب کی حفاظت میں مصروف ہوگئے مگر آپ کے تابعین کی ایک جماعت نے صرف وہابیوں سے لڑتے رہنا اپنا شعار بنا لیا اور حنفی مذہب کے وقار اور اقتدار کے کاموں کو بڑھانے کے کاموں سے غافل رہی۔

البتہ ۱۳۰۰ھ تک نجدی وہابیوں کے مقابلہ میں ہندی وہابی محض نا سپتی وہابی تھے۔ مگر آج عرب کے وہابی نا سپتی ہوگئے ہیں، اور ہندی وہابی ۱۲۱۸ھ کے وہابیوں کیطرح نہایت ہی متعصب ہوگئے ہیں۔ اس لئے ہمارے سامنے دو سوال آتے ہیں۔

۱- عام ۲۴ کیرٹ ۱۴ کیرٹ اور ۴ کیرٹ وہابیوں کے متعلق یہ سوال آتا ہے کہ کیا مسلمانوں کے ۷۲ فرقوں میں شمار ہیں۔ اس کا جواب "ہاں" ہے۔

۲- کیا وہابی لوگ اہل سنت کے ساتھ ہیں؟ اس کا جواب "نفی" میں ہے کیوں کہ تاریخ شاہد ہے کہ وہابیوں اور انگریزوں میں ایک ہی شعار اور ایک ہی مقصد، ہدف یعنی توحید یعنی اتفاق اور اتحاد قائم تھا، غالباً یہ توحید ۱۸۲۰ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس لئے ہم بول سکتے ہیں کہ وہابی ازم کوئی مستقل دین نہیں ہے بلکہ ایک فرقہ ہے جو سنیوں کے دشمنوں سے ملا ہوا ہے

۔ جو سنیوں کی قبر پرستی کی مذمت میں بہت کچھ بولتے ہیں احمد رضا کو اس ملی بھگت کا علم تھا، اس لئے آپنے وہابیوں کی قبر پرستی کی مذمت کی رد میں کہ ولیوں کی قبروں کا عرس کرنا شرک ہے، سورہ الممتحنہ کی آخری آیت کی تفسیر پیش کردی کہ اصحاب قبور سے مایوس ہونیوالے کافر ہیں، خصوصاً وہ لوگ جنھیں حضور کے مزار مبارک سے کوئی بھی فیض کی آس نہیں ہے۔ احمد رضا خان کی قرآن کی اس آیت کی دلیل کی رد میں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ حضور کے مزار مبارک سے ہر طرح کی امیدیں وابستہ رکھیں، وہابیوں نے نبی کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ آپنے اپنے بستر مرگ پر یہ کہا ہے کہ اللہ کا غضب بڑا شدید ہے اس قوم پر جو اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد یعنی عبادت گاہ بنالیں۔ اس حدیث کے پیش نظر وہابیوں کے علمائے کبار نے لکھا ہے کہ سلطان بیبرس سلان قلاؤن سلطان اشرف قائتبائی سلطان محمد الفاتح اور سب سے آخر میں سلطان عبدالمجید خان نے مسجد نبوی کو ہیکل دانیال اور جنوبی فرانس کے شہر لوربونہ کے کنسیا کی طرح بنالیا ہے جہاں تین قبروں کے پاس رات دن قندیلیں اور بڑے بڑے بخوردان جلائے جاتے ہیں۔

یہ وہابی مذہب خفیہ طور پر دین اور سیاست کے سنگم کی مکاریوں سے ۱۷۲۵ء میں نجد سے ظاہر ہوا۔ اور ۱۸۵۰ء تک بڑی تیزی سے ہر طرف پھیلا اور اس قدر طاقتور ہوگیا کہ وہ پوری دنیا کے سنیوں پر غالب آیا۔ اور محدثات الامور کے

اسی دور میں نجدیوں نے (افرنج سے توحید قائم کرکے) خالص توحید عربی اتحاد اور حرمین شریفین کو شرک کی نجاستوں کو پاک کرنے کے بہانے سے (بقول ان کے اس شرک کرنے والے حنفی مشرکوں کی سرپرستی عثمانی خلافت کررہی تھی۔) جمعیۃ اخوان بنالی اور لفظ شرک کی ایک محرف تعریف شائع کردی کہ غیر اللہ تعالیٰ کو معبود اور دستگیر بنانا اور غیر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا شرک ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ترکی حنفی خلافت کو منہدم کرنے کا پلان مکمل کرلیا۔ اور رسول اللہ کو بھی غیر اللہ اور سنیوں کا "الٰہا" آخر قرار دیا یعنی ان کے شرکاؤں میں سے سب سے بڑا شریک یعنی خدائے تعالیٰ کے بعد خدائے ثانی۔

وہابیوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حنفیوں نے اللہ کے فرمان "ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا" کی مخالفت میں نبی کو اپنا معبود ثانی بنالیا ہے ... جس زمانہ میں وہابی مذہب کو بڑی ترقی نصیب ہوتی اسی زمانہ میں مغرب سے الحاد کا سورج طلوع ہوا۔ اور یہ کارل مارکس کی جادوگری سے ہوا ہے جو ایک جرمنی یہودی داھیہ ہے جس نے ۱۸۴۸ء میں (یعنی تقویت الایمان کی اشاعت کے زمانہ میں) کومیونسٹ پروٹوکال لندن سے شائع کیا۔ میرے استاد شیخ الاسلام شیخ امین سوید دمشقی متوفی ۱۹۳۵ء نے مجھے بتایا ہے کہ وہابی (نجدی ،ہندی) مکر و فریب لوسیفر سے بھی بڑے ہیں جو عود کبریت اور مغرب کے ستارے کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی وہ ستارہ دنیا کی شام اور آخرت کی صبح کو طلوع ہوا ہے اس زمانے سے سنیوں کی ہزیمت کا دور شروع ہوا۔ چنانچہ آج کل کے سنی ایک دفاعی جنگ لڑرہے ہیں سنیوں کی اس پسپائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ افرنج اور نجدی توحید سے بیک وقت نجد اور بلقان سے ترکوں کے خلاف بغاوت شروع ہوئی اور ۱۳۲۶ھ میں قائم ہونیوالی ترکی حنفی خلافت ۱۹۲۲ء میں ٹوٹ گئی۔ اور وہابی لوگ ۱۹۲۶ء میں مسجد نبوی کے اندر کی تینوں قبروں اور ان کے اوپر کے گنبد خضرا کو توڑنے کے لئے تیشہ بدست کھڑے ہوگئے۔ اس کام کے لئے ہندی وہابیوں نے بھی آستینیں چڑھالی تھیں اور پائچے بھی ابھار لئے تھے۔ وہابیوں اور سنیوں کی پہلی جنگ مناظرہ کی صورت میں حج کے ایام میں مکہ مکرمہ میں ۱۲۱۲ھ میں ہوئی۔ اس میں سنیوں کی جیت ہوئی۔ مگر ۱۲۱۸ھ میں وہابیوں نے حجاز پر تلواروں بندوقوں اور توپوں سے حملہ کردیا۔ اور اس میں سنیوں کو شکست ہوئی۔ بعد میں حجاز مصر و روم کے سنیوں نے بھی تلوار اٹھائی۔ اور ستر سال تک گھمسان کی لڑائیاں ہوئیں۔ ان ہی لڑائیوں کے درمیانی دور میں احمد رضا خان پیدا ہوئے"

جبکہ نواب بھوپال خان بہادر صدیق حسن خان نے (جو ہندستان میں بریطانیہ کے وکیل تھے) قرآن کی تین عربی تفسیروں میں دس فیصد آیتوں کی تاویل میں تحریف پیدا کرکے وہابی مذہب کو ہر طرف سے کامیاب بنادیا۔ خان صاحب نے جن تفسیروں کو بگاڑ کر اپنی طرف سے لاکھوں روپئے صرف کرکے چھاپا ہے وہ تفسیر ابن کثیر تفسیر شوکانی اور تفسیر روح المعانی ہیں۔ اشرف علی تھانوی نے ان ہی محرف تفسیروں پر سے اپنی تفسیر میں وہابی ازم کی تائید کی ہے۔

جن لوگوں نے حجاز میں قلم اور تلوار سے وہابیوں سے سو سال تک جنگ کی ہے۔ وہ وہاں کے سنی ہیں۔ اور ان کے علماء کبار کے طلیعہ کے سردار مولانا سید احمد زینی دحلان ہیں (وہابی عالموں نے آپکو فاسق فاجر اور امام زیغ و بدعات کا خطاب دیا ہے) اور جس نے ہندستان میں ہندی وہابیوں سے ۱۸۶۶ء سے قبل سخت لڑائی کی ہے۔ وہ شیخ الھند مولانا احمد رضا خان بریلوی ہیں۔

آپ ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ آپ بڑے فقیہ حنفی شارع مفتی اور صوفی تھے۔ آپ نے مارہرہ شریف کے سادات مشائخ سے قادریہ طریقہ حاصل کیا اور دینی ریاست کا درس حرمین شریفین کے علماء کبار سے حاصل کیا۔ آپ کے خاص الخاص مرشد مفتی مکہ سید احمد زینی دحلان متوفی ۱۸۸۶ء ہیں۔ جو خلیفہ عبدالحمید کے شیخ الاسلام تھے۔ جس طرح سے وہابیوں نے سید احمد زینی دحلان کو مشرک کہا ہے، اسی طرح ہندی وہابیوں نے احمد رضا خان کو مشرک کہا ہے، اگر احمد رضا، سید احمد مکی کے تابع نہ ہوتے تو آپ کیلئے ممکن ہی نہ تھا کہ آپ وہابیوں کے ہجوم کا مقابلہ کرسکیں۔ یہ ہجوم مدراس، دہلی، بھوپال، دیوبند، ندوہ وغیرہ کے خود کو خالص موحد سمجھنے والے حنفی نما وہابیوں اور وہابی نما حنفیوں کی طرف سے ہوا تھا۔ اگرچہ سید احمد زینی اور احمد رضا نے وہابی مذہب کو دبانے کے لئے جان توڑ کوششیں کی ہیں۔ انھیں اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی کیوں کہ برٹش امپایر وہابیوں کے ساتھ تھا۔ افرنج اور وہابی میلی بھگت ان کے ۱۴۵۳ء کے بعد کی دوستی اور عثمانی خلافت کی دشمنی پر مبنی تھی، جب سلطان محمد ثانی نے بزنطینی امپائر کا پایۂ تخت قسطنطنیہ فتح کرلیا اور اس کا نام آستانہ اسلام بول اور استنبول رکھا۔ اور وہاں قصر توپ کاپی میں نبی کے مقدس آثار جمع کرلیا جس سے وہابیوں کو بہت ہی بڑا دکھ ہوا۔ جب آستانہ دارالخلافت ہوا تو یورپ اور ہند و چین کی تجارت بند ہوگئی۔ جو سلک روڈ اور لوبان روڈ کے کاروانوں سے ہوتی تھی۔ ان راستوں کے بند ہوجانے سے یورپ والوں نے مشرق بعید کیلئے سمندری راستہ تلاش کرلیا۔ اور پرتگیز ناخدا واسکوڈی گاما نے اپنے جہاز سے ۱۴۹۸ء میں کوچین پہنچے، پھر ۱۶۰۰ء تک خلیج فارس (حالیہ عربین گلف) کے سواحل کے عربوں نے ترکی حنفی عثمانی خلافت کے خلاف یورپ والوں سے معاہدے کرلئے۔

جس طرح نجد کے امیر عبدالعزیز بن سعود متوفی ۱۸۰۳ء نے (آپ ہی نے ۱۲۱۸ء میں ۱۲۱۲ء کے مناظرے کے بعد مکہ مکرمہ پر حملہ کرکے ہزاروں سنیوں کو مشرک بول کر کاٹا ہے۔) ترکوں کے خلاف بریطانیہ سے دوستی کرلی تھی۔ اسی طرح سلطان عبدالعزیز بن سعود متوفی ۱۹۵۳ء نے بھی ۱۹۱۰ء سے ترکوں کی دشمنی سے (جو ان کی نظر میں مشرک تھے۔) بریطانیہ سے دوستی کرلی تھی۔ اس لئے جب حنفیوں کی خلافت ٹوٹ گئی ابن سعود نے خلافت کے وکیل شریف مکہ سید حسین ہاشمی کو مار بھگایا۔ اور پورے حجاز پر قبضہ کرلیا۔ اور فوراً حرمین شریفین سے بقول ان کے تمام مشرکانہ کاموں اور بدعات کو بند کردیا۔ جن کی فہرست قاضی عزالدین نے اس زمانہ میں تیار کرلی تھی جب سلطان بیبرس نے نئی مسجد بنوائی تھی۔ ان مشرکانہ کاموں اور بدعات کی دوسری فہرست وہابیوں کے اور ایک ممتاز محدث قاضی عزالدین ابن جماعۃ الکنانی نے ۷۰۵ھ میں تیار کرلی تھی۔ جبکہ

آپ نے مسجد نبوی کے اندر سے جذع حنانہ کو اکھاڑ کر برباد کر دیا۔ جن مسالک کو سلطان ابن سعود نے بدعات بول کر بند کر دیا ہے ان میں چند یہ ہیں۔

کعبہ شریف کے غلاف شریف کے محمل شریف کا جلوس، نبی کی قبر شریف کے پاس توسل تشفع استغاثہ اور مناجات کا دستور اور دلائل الخیرات کا پڑھنا۔

سنیوں کیلئے یہ سب سے بڑی شکست تھی۔ علاوہ ازیں مزار مقدس کے دربار کی جالی مبارک کا چھونا اور چومنا بھی بند کر دیا گیا۔ پھر حجرہ شریف کی سبھی محرابوں میں بڑے بڑے منقش اور سنہری حرفوں میں ڈھلے ہوئے "یارسول اللہ" کے حرف یا کے نیچے کا ہلالی حلقہ کاٹ دیا گیا۔ اور اب صرف ا رسول اللہ باقی ہے۔ اور اگر الف کے نیچے کے دونوں بڑے نقطے کاٹ دیتے جائیں تو ارسول اللہ ہے۔ اس کام سے ہر قسم کے وہابی بہت خوش ہوتے۔ مثلاً اسماعیلیہ رشیدیہ قاسمیہ انبیٹھویہ اور دکن کے لبّا اور ٹونڈے وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے کرشمے بھی بڑے عجیب و غریب ہوتے ہیں۔

جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز بن سعود ۱۹۳۰ء تک نہایت ہی کٹر شدید اور ارتھوڈوکس اور قاسی وہابی تھے۔ آپ آل سعود کی نسل کے انیسویں سلطان ہیں، یہ ۱۹ کا عدد جہنم کے داروغاؤں کا ہے، مگر جب آپ کی عمر ۸۰ سال کی ہوئی تو آپ وفات سے پانچ سال قبل بفضل باری تعالیٰ اہل سنت اور خاص کر حنفیوں کی طرف مائل ہوتے۔ پھر آپ کے بعد سلطان ابن سعود اور بھی زیادہ اہل سنت کی طرف مائل ہوئے اور پھر آپ کے بعد سلطان فیصل اور بھی زیادہ مائل ہوتے اور جلالۃ الملک المعظم المحبوب ہوئے۔ شاہ فیصل نے ارادہ کیا کہ قصر توپ کاپی سے نبی کی یادگار کے سبھی آثار مقدسہ کو منتقل کر کے مکہ مکرمہ لایا جائے تاکہ حجاج کرام ان کی زیارت کریں۔ مگر دنیا بھر کے وہابیوں نے اس پر شروع کی سخت مخالفت کی۔ بمبئی کے اخبار میں اس پلان پر ایک طنز آمیز حملہ بھی ہوا کہ شاید فیصل ان آثار کو حاصل کرنے کے بعد ایسا برباد کرنا چاہتے ہیں جیسا قاضی عزالدین نے جذع حنانہ کو برباد کیا ہے۔ شاہ فیصل کا ایک کارنامہ یادگار رہے گا کہ آثار مقدسہ کی تعظیم کیلئے آپ نے اندلس کی جامع قرطبہ کو (جو ۱۴۹۲ء سے بند تھی اور اس سال سے کسی ایک مسلمان نے بھی اس میں نماز پڑھی نہیں تھی۔) ۹۰۰ ملین ریال میں خرید کر از سر نو اس کی عمارت قائم کر دی اور آج وہاں نماز کی جماعت ہوتی ہے۔ اسی طرح آپکو یہ بھی حرص تھی کہ آپ اپنی زندگی میں بیت المقدس کی مسجد صخرہ مبارک، مسجد اقصیٰ مبارک اور سیدنا عمر کی مسجد مبارک بھی آزاد کرالیں۔

جب شاہ فیصل توپ کاپی کے نبی کریم کے آثار مقدسہ پر عاشق ہو گئے تو "رسول کا دامن نہ چھوڑیں گے" کا نعرہ لگانے والوں پر لازم تھا کہ وہ شاہ فیصل کا ساتھ دیتے یا کم از کم آپ کو ہدایت کرتے کہ مسجد نبوی میں ہمارے ان مسالک کو زندہ کر دیا جائے جو وہاں ۲۵ھ سے جاری تھے اور وہ ۱۳۴۲ھ سے بند کر دیئے گئے ہیں۔۔۔۔

آج ساری دنیا میں دینی اور مذہبی عقائد کے متعلق ایسی بیداری ہو رہی ہے کہ اگر احمد رضا خان کے تابع سیاسی بیداری سے کام لیں تو وہابیت کا خاتمہ ہو سکتا ہے آج کل کی عالم اسلامی کی بیداری کو دیکھ کر راسمالی اور اشتراکی تاجر بھی گھبرا گئے ہیں کہ ان کا وہ مارکیٹ ٹوٹ رہا ہے جو قاضی عزالدین۔ ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر اور ۲۷ محدثین کی وہابیت کی مدد سے قائم تھا۔ آج دنیا کی سب سے بڑی دو مخالف طاقتوں کی چار سو سال کی مونوپلی ختم ہو رہی ہے اس لئے وہ اسلام کے خلاف نئے ڈھنگ سے پروپاگنڈہ کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کا مذہب دقیانوسی ہے اور ان کی تہذیب سیاست تمدن اور ثقافت اور شریعت کے قوانین دستور اور رسم و رواج عصر جدید کیلئے بیکار ہیں آج کل کے ماڈرن تعلیم یافتہ نیم سنی نیم وہابی (اور پرانے حنفیوں اور شافعیوں کی اولاد ہونے سے نیم حنفی نیم شافعی) مگر مخلص اور اسلام کی خدمت کرنے کا شوق رکھنے والے حضرات بھی غیر شعوری طور پر شریعت کے مروجہ قوانین میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کی موڈرن وہابیت ہے کیوں کہ قاضی عزالدین کے زمانے کے وہابیوں نے بھی شرک شکنی بدعت شکنی اصلاح اور تجدید اور اجتہاد کے ناموں سے ایسی ہی تحریک اٹھائی تھی، یہ موڈرن تحریک بھی حنفی مذہب کو توڑنے کیلئے اٹھائی گئی ہے۔

ایسی سبھی تحریکیں جو احیائے دین احیائے شریعت احیائے سنت کے نام سے اٹھائی گئی ہیں ان کا اصلی مقصد حنفی مذہب کو توڑنا ہے کیوں کہ عالم اسلام میں حنفیوں کی اکثریت ہے حنفیوں کے دشمن عام مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم اور آپ کے صحابہ کرام کے مذہب کا نام حنفی نہ تھا۔ اور یہ کہ ابو حنیفہ کو صحیح اور حقیقی سنت نبویہ کی معرفت نہیں تھی بلکہ آپ نے محض قیاس آرائی سے فقہ اور شریعت کی تدوین کی ہے۔ ایسے ہی خیال والوں نے (جن میں مجدد مجتہد اور محدث بہت ہیں۔) سید زینی دحلان اور احمد رضا خان کو علمائے سوء میں شمار کر دیا ہے اور سنی مسلمانوں کو قبوری سمجھ کر یہ اعلان بھی کیا ہے کہ وہ اسلام کیلئے ایک مذاق بنے ہوتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ دو سو سال سے عصریوں، مجتہدوں اور مجدّدیوں اور محدثوں نے اور ان کے ساتھ یورپ والوں نے بھی حنفی مذہب کے ہیرے جیسے تبلور کو توڑنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ دنیا کے سامنے رفع یدین یعنی ہینڈز اپ کرنے پر مجبور کر دیتے جائیں۔ شاہ ولی اللہ اور مولوی محمد اسماعیل کے رفع یدین کے اثبات اور تلقین اور تبلیغ کے بعد ہی ہندی مسلمانوں پر انگریزوں کے سامنے ہینڈز اپ کرنے کا دور آیا ہے۔ اگر حنفی مذہب ھمدم نہ ہوتا اور ۱۷۷۰ء کے بعد سے احمد رضا خان بھی پٹھانوں کی طرح ھمدم نہ ہوتے اور وہابیوں کا حنفی خیل افغانوں کی طرح ڈٹ کر کھڑے نہ ہوتے تو آج ہندی سنیوں کیلئے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ فخراً یہ بول سکیں۔ کہ ہم سنی توبہ کرنیوالے حمد کرنیوالے روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے، سجدہ کرنیوالے نیک کاموں کا امر کرنے والے اور بری باتوں سے منع کرنیوالے خدا کی حدوں کے حفاظت کرنیوالے ہیں۔ (وہ جو وہابی ہیں وہ فاتحہ میلاد شریف اور سلام بقیام جیسے نیک کاموں کو بری باتیں بولکر منع کرتے ہیں۔) اور ہم اہل سنت ہیں اور اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں جن کے متعلق سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۱۰ میں اشارہ ہے

کہ "جن لوگوں نے سبقت دی یعنی سب سے آگے نکلے مہاجرین اور انصار میں سے اور جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔" اگر ہم حنفی نہ ہوتے اور اہل سنت (یعنی نبی اور آپ کے صحابہ اور آل کی سنت کو ماننے والے) اور والجماعت (یعنی رسول اللہ کی جماعت کے مذہب پر ہم چلنے والے) نہ ہوتے تو زمانے کے محدثات الامور کے زیر اثر ہم پہلی صدی ہجری کے آخر تک مٹ ہی جاتے۔ اگر کسی نے اس کو بچالیا ہے تو وہ حنفی مذہب ہے۔ جو دین اسلام کا سب سے پہلا مذہب ہے۔ ہم سنی لوگ دنیا میں عقبیٰ کی امید پر جیتے ہیں اور اس لئے ہم اللہ کی عبادت کے ساتھ ہی ساتھ رسول اللہ کی بھی تعظیم کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں بھی ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی بھی عزت کرتے ہیں حالاں کہ وہابی لوگ (زینی دحلان اور رضا خان کے دشمن ہیں) ہمیں ایسا کرنے سے روکتے ہیں کہ یہ سب کچھ شرک ہے۔ کیوں کہ غیر اللہ کی تعظیم اور عزت اور پرستش کرنا شرک ہے۔ محمد کی تعظیم کرنا شرک قرار دینے والے ذرا یہ بھی تو غور کرلیں کہ خود اللہ تعالیٰ اسی غیر اللہ تعالیٰ پر درود اور سلام کیوں بھیجتا ہے اور آپ ہی کی تعظیم کیوں کرتا ہے اور ہمیں یہ ہدایت کیوں کیلہے۔ کہ ہم اذان سنتے ہی یہ دعا پڑھیں۔ "وابعثہ لنا مقاما محمودا"۔ یعنی، یارب قیامت میں محمد کو ہماری مغفرت کیلئے مقام محمود پر فائز کرنا۔ ہماری یہ دعا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم ایمان باللہ اور ایمان بالرسول میں فرق نہیں کرتے۔ کیوں کہ ابو حنیفہ نے لکھا ہے کہ جو شخص محمد سے کفر کرے وہ مشرک ہے۔ وہابی کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ کے اس قول میں شرک ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو اللہ سے کفر کرے وہ مشرک نہیں ہے، بلکہ مشرک وہی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور ساتھ ہی ساتھ رسول پر ایسا ایمان رکھے کہ اللہ کی طرح آپ بھی ہمارے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب احمد رضا نے محمد کو اپنا مالک بول کر پکارا تو وہابیوں نے آپکو مشرک کہا۔ غالباً اشرف علی تھانوی نے یہ کہا ہے کہ احمد رضا حب رسول میں اندھے ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپنے حنفی سنیوں کو مشرک ثابت کرنے کے لئے اپنی تفسیر میں عجیب و غریب بیانات بھر دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ صرف مومن مشرک ہوتا ہے اور کافر کیلئے مشرک ہونا قطعی محال ہے جیسے ایک خنثی کیلئے محال ہے کہ وہ زانی بنے۔ اشرف علی نے سیکڑوں آیتوں کی تاویل میں اسبات پر زور دیا ہے کہ حضور کی روحانی طاقت سے مدد کے طالب ہونا شرک ہے۔ اس شرک کو ثابت کرنے کیلئے ابن کثیر کے زمانے سے لے کر آج تک کے وہابیوں نے غیر اللہ کی نہایت ہی محرف تحریف سے کام لیا ہے کہ اللہ کے سوا ساری خلق غیر اللہ ہے، حالاں کہ غیر اللہ صرف شیطان کا لقب ہے۔ ہمارے جلیل القدر مفسرین نے لکھا ہے کہ ولایشرک بعبادۃ ربہ احدا کا احدا یعنی وہ فلاں ایک اور الہاً آخر اور غیر اللہ اور من دون اللہ سب شیطان کے القاب ہیں۔ اور محمد کو اللہ کا عزیز شریک یقین کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ کیوں کہ خود نبی نے فرمایا ہے کہ اللہ نے مجھ سے کہا ہے کہ "اے محمد! میں نے تجھے میرے جمیع معاملات میں اپنا شریک بنالیا ہے اور تجھے میری جمیع خلق کے اوپر شرافت اور فضیلت بخشی ہے، تاکہ جہاں میرا ذکر ہو اس کے ساتھ ہی ساتھ تیرا بھی ذکر ہو، اور میں نے میری اطاعت کے ساتھ ہی ساتھ تیری بھی اطاعت فرض کر دی ہے ..."

یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم اس سے یہ دعا کریں کہ "یارب تو ہمیں صالحین کی دعا میں شریک کرلے"۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ شاہ ولی اللہ اسی فرمان کے مطابق مدینے جانے سے پہلے قادریہ چشتیہ نقشبندیہ اور مجددیہ طریقوں کے مشائخ سے بیعت رکھتے تھے مدینہ میں آپکو خبر ملی تھی کہ عالم اسلام میں صوفیوں کے ۶۶ طریقے ہیں جن میں سے حجاز میں شاذلیہ سلسلے کے مشائخ کثرت سے تھے مگر آپ پر ۲۷ محدثین عظام کا غلبہ ہو گیا ... وہابی کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث (جہاں اللہ نے محمد کو اپنا شریک کہا ہے۔) اور ایسی دوسری سبھی حدیثیں غلط ہیں۔ کیوں کہ ان کے سب سے بڑے محدث حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی شرح صحیح بخاری فتح الباری میں ان حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں کیوں کہ ہمارے محدث اعظم حافظ احمد قسطلانی نے اپنی شرح صحیح بخاری ارشاد الساری میں ان حدیثوں کو صحیح ثابت کیا ہے۔ قسطلانی نے لکھا ہے کہ محمد باعث کائنات ہیں اور آپکو پیدا کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے رحمت کرنا اپنے اوپر واجب کرلیا ہے۔ اگر وہ سب سے پہلے محمد ہی کو پیدا نہ کرتا تو اپنے اوپر رحمت کرنے کا کام واجب نہ کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ محمد کے مابین سو فیصد توحید یعنی یونیٹی ہے کیوں کہ اللہ احد اور صمد ہے اور محمد اوحد ہیں کیوں کہ آپ اللہ کی ذات کے مظہر ہیں۔ جب اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو وجود میں نہیں لایا تھا اس وقت وہ اللہ احد تھا اور جب سب سے پہلے اس نے نور محمدی کو پیدا کیا تو محمد ہی باعث خلق و کائنات ہوئے۔ اس حقیقت کے پیش نظر حافظ احمد قسطلانی نے لکھا ہے کہ اگر محمد نہ ہوتے تو اللہ اپنے اوپر یہ واجب نہ کرلیتا کہ وہ رحمت کرے کیوں کہ جو اللہ ہے وہ اپنے وحدۃ الوجود میں سب سے دور اور علیحدہ رہتا ہے اور کسی سے اتصال نہیں کرلیتا کہ وہ اس پر رحمت کرے، جب تک وہ اپنے آپکو ظہور میں نہ لائے۔ اس لئے اللہ مخفی میں احد ہے اور ظاہر میں صمد ہے۔ یعنی اپنی مخلوقات کی حاجتوں کا حاجت روا ہوا۔ صمد کے یہی معنی ہیں کہ اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے مگر ساری کائنات اس کی محتاج ہے۔ اسے خود اپنے لئے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ رحمت کرے۔ چناں چہ وہ بحیثیت احد اپنی مخلوقات کے سامنے آنا پسند نہیں کرتا تھا اور بحیثیت صمد اس نے نبی کے واسطے سب پر احسان کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے قرآن کی آخری وحی میں اس نے محمد کو روف رحیم بولکر پکارا ہے اور اس کا نام ہے ماظہر من تعرف اسمائہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے محمد کو اپنا رسول وکیل نائب قائم مقام اور اپنی ذات مقدس کا شاہد بنایا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر اہل معرفت نے آپکو احمد و فرید و وحید اور اللہ ہی کی طرف سے مقرر کیا ہوا بنایا ہے، اور یہ ہے تقدیر العزیز العلیم۔ اس حقیقت پر ہمارے سامنے احمد رضا خان نے اپنی ساری تعلیمات کا جوہر رکھا ہے اور وہی جوہر ابو حنیفہ نے بھی نکالا تھا۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ہمارے لئے ازل سے ابد تک ملجا و ماوا ہیں اور آپ سے بھیک مانگنا اپنے مولیٰ تعالیٰ کے غیر سے بھیک مانگنا نہیں ہے۔ ہم کسی بھی حال میں امام اعظم کے اس عقیدے کو

ڈھیلا نہ ہونے دیں گے۔ کیوں کہ یہی حنفیت کے تاج کا سب سے بڑا خوبصورت گوہر ہے۔ عرب ابن الوقت۔

ہو سکتا ہے مگر عجمی سنی اور حنفی ہو نہیں سکتے۔ ان کی مدح میں سورہ محمد کی آخری آیت گواہ ہے۔ (مولانا محمود الحسن کی تفسیر میں اس حقیقت کی وضاحت دیکھی جاتی) یوں بھی امام ابو حنیفہ پٹھان تھے یعنی اصلاً خان تھے اور اسی قوم سے تھے جس قوم سے احمد رضا خان بھی ہیں اور خان کسی کے سامنے نہیں دبتا۔ عام ہندی حنفیوں کو ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ ابو حنیفہ بھی خان ہیں۔ آپ کا پورا نام یہ ہے' ابا حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ مولیٰ تیم اللہ۔ یہ رہبط حمزہ زیات سے ہیں۔ تیم اللہ ابن ثعلبہ کابلی تھے۔

اگرچہ کہ احمد رضا خاں سید احمد زینی دحلان کے شاگرد اور مرید تھے۔ آپ نے ہندی وہابیوں کی سرکوبی کیلئے اسی شدت سے کام نہیں لیا جو علمائے حرمین کا طریقہ تھا کیوں کہ وہ لوگ وہابیوں کو غیر سمجھتے تھے اور احمد رضا یہاں کے وہابیوں کو غیر نہیں سمجھتے تھے بلکہ سنیوں کی اولاد سمجھتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ وعظ و پند سے وہ سدھر جائیں گے مگر ان کا بدلنا اس لئے محال تھا کہ وہ لوگ اپنے راز چھپائے ہوئے تھے جو ۱۹۲۴ء تک چھپا ہی رہا اور اعلیٰ حضرت کی وفات کے بعد وہ راز فاش ہوا۔ اگر احمد رضا خان کو معلوم ہوتا کہ وہابیت کا اصلی راز گنبد خضریٰ کو صنم الاکبر بول کر توڑنا ہے تو آپ ۱۷۷۰ء سے وہابی ازم کو منہدم کرنے ڈینامیٹ ایجاد کر لیتے۔ البتہ آپ سنتے تھے کہ وہابی علماء کبار رات دن یہ الاپتے ہیں کہ نبی کو علم غیب نہیں ہے، کیوں کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضور کو اس راز کا علم نہیں ہے کہ وہابی لوگ آپ کے روضہ کو توڑنا چاہتے ہیں۔ یہ کہنا کہ نبی کو علم غیب نہیں ہے سنیوں پر ایک طنز تھا۔ کہ تم خود کو عاشق نبی جتے ہو مگر وہ تمہیں وہ راز بھی نہیں بتا سکتے جو ہمارے دلوں میں ۱۱۰۰ھ سے چھپا ہوا ہے۔ بہرحال یہ راز ۱۳۴۲ھ میں فاش ہوا اور پھر سنی وہابی جھگڑے تیز ہو گئے۔ البتہ اعلیٰ حضرت کو ابن عبدالوہاب کے رسالہ التوحید اور مولوی اسماعیل کی تقویت الایمان سے اتنا تو معلوم ہو گیا تھا کہ کوئی بڑا فتنہ اٹھنے والا ہے۔ آپ کو یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ خود مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا ہونیوالے ہیں۔ جو مسجد صخرہ مبارک کے سنہری گنبد' مسجد نبوی کے سبز گنبد اور کاظمین اور مشہد کے سونے کے گنبدوں اور پھر روئے زمین کے ولیوں کی درگاہوں کو توڑنے کیلئے کھڑے ہو جائیں گے تاکہ قبر پرستی بند ہو جائے جس کیلئے عالم اسلام کی سب سے بڑی زیارت گاہ کو بند کرنا ضروری تھا اور اس غرض سے مجددین مجتہدین اور محدثین نے وہابی منشور یعنی قبر شکنی کا پروٹوکال شائع کیا ہے۔ چونکہ اعلیٰ حضرت اور آپ کے ممتاز ترین تابعین کو اس منشور کے اسرار کا علم نہ تھا۔ اور یہ بھی علم نہ تھا کہ ابن عبدالوہاب نے ایک ایسا خبیث درخت لگایا ہے جسے قرآن میں " شجرۃ ملعونۃ فی القرآن " سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس خبیث محدث نے خالص توحید کے نام سے قرآن حدیث اور تاریخ کی باتوں میں جھگڑا پیدا کیا۔ وہابیوں کی توحید قرآن حدیث اور کلمہ توحید کی توحید نہیں ہے بلکہ وحشی بدو عرب قبائل اور دشمنان اسلام پروٹسٹنٹس عیسائی شاطر مقبازیا سی لیڈروں کی توحید

یعنی یونیٹی ہے۔ اس میلی بھگت سے (جسے ہم قضا و قدر کا کرشمہ بول سکتے ہیں۔) قرن الشیطان طلوع ہوا۔ جسے ہم قران الشیاطین بھی بول سکتے ہیں

برطانی نجدی اتحاد و اتفاق کی کھیتی سے اس وقت قرن الشیطان نکلا۔ جبکہ نیپولین بوناپارٹ نے مصر فلسطین اور شام فتح کر لیا اور اسی قرن یعنی شیطان کے ناقوس سے ابلیس لعین کے اس صور کی آواز نکلی جس کی بنا پر اس نے آدم کو سجدہ کرنے کے انکار کا اعلان کیا تھا۔ کیوں کہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ آدم میں نور محمدی کو رکھا گیا ہے جو اللہ کی رحمت کا مظہر ہے اور وہی مہبط الرحمات بھی ہے جس پر ساری کائنات کی رحمتوں کی بارش ہوگی۔ ابن عبدالوہاب کے بعد قاضی شوکانی یمنی نے اس ناقوس کو پھونکا کہ اللہ اور محمد کے مابین کوئی توحید نہیں ہے کیوں کہ محمد غیر اللہ ہیں۔ یہ شوکانی بھی برطانیہ کا حلیف تھا۔ (اس کا ثبوت نواب بھوپال صدیق حسن کی انگریزی کتاب بنام " وہابی ازم کے معنی" سے ملتا ہے۔) سید احمد زینی دحلان کے انکشافات پر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان میں جس محدث اعظم نے اس ناقوس کو اپنے ہم درس اور ہمنوا اور ہم صحبت ابن عبدالوہاب کے پاس سے لایا ہے وہ احمد شاہ ولی اللہ ہے۔ اور یہاں جس شخص نے سب سے پہلے اسے پھونکا وہ مولوی محمد اسماعیل ہے (اذان اعلان کرتی ہے کہ اللہ محمد میں توحید ہے، وہابی ناقوس اعلان کرتا ہے کہ نہیں ہے۔) یہی وجہ ہے کہ آپ نے لکھ دیا ہے کہ نماز میں محمد کا نام یاد آئے تو نماز باطل ہوتی ہے حالانکہ رفع یدین کے وقت وہ یاد کرتے ہیں کہ یہی وہ محمد کی سنت ہے جسے ابو حنیفہ نے چھوڑ دیا ہے' جب احمد رضا ۱۸۷۰ء میں حج کر کے واپس آئے اسوقت آپکو یقین تھا کہ ولی اللہ' اولیاء اللہ میں سے ہیں کیوں کہ آپ کی حدیث کی سند ان سے ملتی ہے اور آپ نے ان کی تفسیر میں پڑھا ہے کہ آپ نے اللھم صل علیٰ محمد کا ترجمہ بارخدایا تعظیم کن محمد را در دنیا و آخرت لکھا ہے مگر آپکو یہ یقین بھی ہو گیا کہ تقویت الایمان میں شیطان کے ناقوس کی آواز ہے۔ کیوں کہ آپنے لکھا ہے کہ شیئاً للہ یا سید المرسلین بولنا شرک ہے۔

اعلیٰ حضرت نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ جن حنفی علمائے کبار پر تقویۃ الایمان کا غلبہ ہو گیا ہے وہ سنیوں کے بزرگ ترین علمائے کبار و عظام کو بھی ملا محمد اسماعیل کے سامنے ہیچ سمجھتے ہیں۔ یہ بات معارف کے ایک مضمون سے بھی ثابت ہے کہ ان علمائے حنفیہ کی نگاہ میں امام غزالی فخر الدین رازی مفسر قران محی الدین ابن العربی سید شریف جرجانی سعد الدین تفتازانی حافظ الدین نسفی اور شیخ ملاجیون وغیرہ وغیرہ۔ کوئی بھی وقعت نہیں رکھتے تھے، اتنا ہی نہیں بلکہ ان نیم حنفی نیم وہابی عالموں نے امام ابو حنیفہ اور آپکے خلیفاؤں کو بھی ہیچ سمجھا ہے' مثلاً امام محمد شیبانی امام ابو یوسف انصاری ملا نور الدین علی قاری صدر الشریعت۔ برہان الدین' صدر الشریعت مجید اللہ اور صدر الشریعت احمد بن جمال اللہ محبوبی حنفی بخاری۔

یہی وجہ ہے کہ ان وہابیوں نے ۱۰۰۰ھ سے ہے کہ آج تک کے مرحوم حنفیوں کو (۱ جو کئی انچ ہوں گے)

اور آج کل کے ستر کروڑ زندہ سنیوں کو بدعتی اور مشرک اور تحقیقی جہنمی قرار دیا ہے اور صرف اپنے ہی لئے جنت کو ریزرو کر لیا ہے۔ ان کے نزدیک امام تقی الدین احمد سبکی امام ابن حجر ہیتمی مکی امام جلال الدین سیوطی امام سید احمد زینی دحلان اور امام احمد رضا خاں کے سبھی تابعین جہنمی ہیں۔ یہ ان حنفی وہابیوں کا قول ہے جنھوں نے شاہ ولی اللہ کی کتاب جلال العینین فی رفع یدین اور مولوی اسماعیل کی کتاب تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین پر اعتبار کر لیا ہے۔ انھیں لوگوں نے ایسے محرف ایمان کی تقویت کے لئے سورہ الفتح کی ابتدائی آیتوں پر سے نبی کو بھی اپنے جیسے گنہگار ثابت کیا ہے حالانکہ یغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر سے مراد امت محمدیہ کی گناہیں ہیں کیونکہ نبی نے اپنے آپ کو ان کے لئے مسئول بنالیا ہے اور اس نیت سے اللہ سے دعا کی ہے کہ یارب مجھے میری امت ان کے ثواب اور گناہوں کے ساتھ بخش دے کیونکہ میں ان کا جواب دار ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے ثناء اللہ امرتسری نے اس آیت کی تفسیر میں نبی کو گنہگار ثابت کرتے ہوئے غیر شعوری طور پر اپنی دلیل کی رد میں ان حدیثوں میں سے ایک حدیث پیش کی ہے جو یا رسول اللہ انت لہا سے تعلق رکھتی ہے کہ مشرک کورٹ میں اللہ تعالیٰ قاضی القضاۃ کی حیثیت سے اپنی مخلوقات کے سامنے آنا پسند نہیں کرتا بلکہ وہ شاہنشاہ بن کر بیٹھے گا اور اپنے تخت محمود پر محمد کو اپنا چیف جسٹس بنا کر بٹھائے گا۔ اعلیٰحضرت کے اس عقیدے کی تردید میں وہابیوں نے تقویت الایمان کی باتوں کو ایسی پرزور تحریک سے شائع کیا کہ ۱۲۵۰ھ سے ۱۳۰۰ھ تک دس فیصد حنفی وہابی ہو گئے اور عام مسلمانوں میں تبلیغ ہونے لگی کہ محمد اپنی امت کو نجات دلانے سے معذور ہیں کیونکہ آپ سچ مچ مخلص اور مسیح نہیں ہیں بلکہ مسیحا کوئی اور ہے۔ محمد تو صرف پیغام بر تھے اور آج بالذات زندہ نبی نہیں ہیں۔ آج اللہ اور محمد کے مابین مراسلات اور آپس کی بات چیت کا سلسلہ ٹوٹ چکا ہے اور عرش اور فرش کے درمیان محمد کے دفتر میں کوئی ہوٹ لائن نہیں ہے اور کوئی ٹیلیکس اور کوئی ٹیلیویژن بھی نہیں ہے جیسا کہ ۶۳۲ء تک تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ رب العرش العظیم گنبد خضرا کے نیچے زمین میں پڑی ہوئی مٹی سے کوئی کلام نہیں کرتا۔ ایسی تبلیغ سے تقویۃ الایمان والوں کو یقین ہو گیا تھا کہ ۱۳۵۰ھ تک سبھی حنفی وہابی ہو جائیں گے اور امام ابو حنیفہ کی کوئی عزت باقی نہ رہے گی اور سنی لوگ میلاد شریف اور کثرت سے درود پڑھنا چھوڑ کر صرف نماز کے اندر کے درود پر اکتفا کریں گے اور کھڑے ہو کر نبی پر سلام پڑھنا شرک یقین کریں گے مگر وہابیوں کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا کیونکہ اعلیٰحضرت نے ۱۸۷۰ء سے کر ۱۹۲۰ء تک پورے پچاس سال کی مدت میں وہابیوں کے عقائد کو لات مار کر پھینک دیا۔ البتہ آپ ان کا دل پھرا نہ سکے۔ بہر حال سنیوں میں میلاد شریف کا دستور قائم ہی رہا اگرچہ کہ اس میں بہت کمی واقع ہو گئی ہے مگر سرزمین عرب پر حالات اس قدر بگڑ گئے اور وہابیوں کو اتنی بڑی کامیابی ہوئی کہ ۱۹۰۹ء میں خلیفہ عبدالحمید تخت خلافت پر سے اُتار دیئے گئے اور اسی سال سے سنیوں کی طاقت بھی ٹوٹنے لگی اور جب اعلیٰحضرت دوبارہ ۱۹۲۱ء میں حج کو گئے تو آپ کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ علمائے حرمین بھی خلافت کے ٹوٹنے سے یتیم اور ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے جب مدینہ میں پورے ایک ماہ تک قیام کیا (جس میں ربیع الاول کا بیشتر حصہ تھا) آپ روزانہ زیارت کرتے تھے اور یہ دیکھ کر روتے تھے کہ اب زائرین کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے چنانچہ آپ نے وہاں کے بعض سنی علمائے کبار کو غصہ بھی کیا کہ تم اسقدر ڈھیلے کیوں ہو گئے ہو۔ ایسی کمزوری اور ادبار کے بعد ۱۹۲۶ء تک آخر اہل سنت کو پوری پوری شکست ہو گئی اور وہابیوں نے زیارت کا نام لینا بھی بند کر دیا۔ اگر اس زمانے میں اعلیٰحضرت زندہ رہتے تو آپ حکم نکالتے کہ وہ زبردستی سے سعودی سپاہیوں کو مار کر جالی مبارک کے بوسے لیں اور وہابی عالموں سے مناظرہ کریں اور انھیں ایسی شکست دیں جیسی ۱۲۱۲ھ میں سنی علمائے کبار نے ان کے علمائے کو شکست دی تھی اور زیارت کے دستور کو اس زمانے میں بھی جاری رکھا تھا جبکہ ۱۸۲۲ء سے لیکر ۱۸۲۸ء تک حرمین شریفین پر وہابیوں کا پہلی بار پورا پورا قبضہ ہو ہی گیا تھا۔

وہابی تحریک حدیثوں پر سے دراصل ۱۱۶۰ھ سے نکلی۔ اس کے محرک ابو ذئیب ہیں۔ اس تحریک کا آخری پُر زور ظہور مدینہ ہی میں ۱۸۱۱ء سے لیکر ۱۸۱۵ء تک ہوا۔ سب سے پہلے جس بزرگ نے اس تحریک کی پوری پوری رشدی کی ہے وہ مفتی مکہ سید احمد زینی دحلان ہیں (ت ۱۲۳۲ھ (۱۸۱۷) میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ یعنی مکہ پر وہابیوں کے پہلے حملے کے ۱۷ سال بعد۔ سید صاحب نے وہابی لڑائیوں کے جو واقعات دیکھے ہیں وہ اعلیٰحضرت نے نہیں دیکھے۔ چنانچہ سید صاحب نے سنیوں کی تقویت اور وہابیوں کی رد میں ۱۱ کتابیں لکھی ہیں ان میں سب سے مشہور الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ ہے۔ سید صاحب کے بعد مولانا شیخ داؤد بن سلیمان بغدادی نقشبندی نے وہابی ازم کے خلاف ۴ کتابیں لکھی ہیں۔ ۱۔ رشہ الجہاد فی ابطال دعوی الاجتہاد ۲۔ رسالۃ فی الرد علی محمود آلوسی ۳۔ صلح الاخوان من اہل الایمان و بیان الدین القیم فی تبرئۃ ابن تیمیہ و ابن قیم ۴۔ المنحۃ الوھبیہ فی رد الوھابیہ۔ اس کے بعد مفتی بغداد مولانا جمیل آفندی صدقی زہاوی نے الفجر الصادق فی الرد علی منکری التوسل والکرامات والخوارق لکھی پھر مولانا روحی بک خالدی قدسی نے اسباب انقلاب عثمانی لکھی۔ آپ فرانسیسی زبان کے ماہر اور پیرس میں حکومت کے بڑے عہدے پر مقرر تھے۔ پس آپ کو یورپ والوں کی سیاسی چالوں کی پوری پوری خبر تھی کہ وہابی تحریک کا اصلی مقصد عثمانی خلافت کو منہدم کرنا ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ اعلیٰحضرت کے علاوہ ہندوستان میں کسی سنی عالم کو ان کتابوں کے

نام معلوم ہوں۔ اگر اعلیٰ حضرت کو ان کتابوں کا علم نہ ہوتا تو آپ کے لئے مشکل تھا کہ آپ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے نام نہاد خلیفاؤں سے مخاصمت کرتے مثلاً رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی وغیرہ۔ ان کے تابعین کہتے ہیں کہ احمد رضا نے محض بدگمانی پر سے وہابیوں کے خلاف حرمین کے فتوے حاصل کرلئے ہیں۔ اور آپ کا استفتاء غلط ہے.... اگرچہ کہ اعلیٰ حضرت نے وہابیوں کی رد میں بہت کچھ لکھا ہے مگر مجھے اس بات کا ثبوت ملا نہیں ہے کہ آپ نے ہندوستان کے سب سے بڑے وہابی اور اُن کے رئیس اعظم کی فتنہ بازیوں کے متعلق بھی کچھ لکھا ہے اور وہ مفتن خان بہادر صدیق حسن ہے۔ آپ برطانیہ کے مواطی تھے اور دوسرے عرب مواطیوں سے ملے ہوئے تھے۔ آپ ہی نے ایک بڑے وہابی عالم محمود شکری الوسی کی غایۃ الامانی فی الرد علی النبہانی کی اشاعت میں بڑی مدد کی ہے۔ نبہانی نے شواہد الحق فی الاستغاثہ بسید الحق لکھی تھی۔ الوسی نے لکھا ہے کہ نبہانی نے نبی سے استغاثہ کرنے کے جواز میں جہالات آرائے سخیفہ اور دلائل مقولہ سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب اعلیٰ حضرت کے پہلے حج کی واپسی کے چار سال بعد چھپی ہے۔ یہ وہی الوسی ہے جسے یورپ والوں نے ۱۸۸۹ء میں نوبل پرائز اور سونے کا تمغہ دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد کو غیر اللہ ثابت کرنے والا یورپ کا گولڈ میڈلسٹ ہے۔ اس طرح خان بہادر نے خیر الدین نعمان الوسی کو بڑی رشوت دے کر امام ابن حجر ہیتمی مکی کی رد میں بلاد العینین فی محاکمۃ الاحمدین لکھنے لگائی۔ اور اسی نعمان آلوسی کو ورغلا کر ان کے والد شہاب الدین الوسی حسنی حسینی کی تفسیر روح المعانی کو بھی محرف کر کے چھاپا ہے چنانچہ صدیق حسن خان بہادر نواب بھوپال نے تین تفسیروں کو محرف کر کے نبی کی تعظیم کرنا شرک ثابت کیا ہے۔

چونکہ اعلیٰ حضرت کو ان تفسیروں کی تحریف کا علم نہ تھا کیونکہ یہ تحریف سید زینی دحلان کی وفات کے بعد عرب پریس سے ہوئی ہے۔ آپ کے تابعین یعنی بریلوی سنیوں کو یہ راز معلوم نہیں ہے کہ خان بہادر نے وہابی ازم کی تقویت کے لئے کیسی کیسی مکاریوں اور فریب کاریوں سے کام لیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کی یادگار کے سلسلے میں سنی عالموں کو چاہئیے کہ وہ اعلیحضرت کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے ان تفسیروں میں سے ان محرف تاویلات کو معلوم کریں اور سنیوں کے ہاتھ میں وہابیوں کو دفع کرنے کے ہتھیار دیدیں کیونکہ آج کل کے سنی عالم جس طریقے سے وہابیوں کا مقابلہ کر رہے ہے وہ ایسا ہے کہ قیامت تک ان کی ہر میچ ڈرا ہی میں جائے گی اور کبھی بھی پوری جیت نہ ہوگی۔

یہ کہ نبی سے جلب منفعت اور دفع مضرت کی امید رکھنا اور ہر طرح کی کامیابی کے لئے درود و سلام کی کثرت سے کام لینا اور نبی کو اپنا دست گیر سمجھنا شرک ہے سب سے پہلے علمائے دمشق نے بطور فتویٰ اعلان کیا۔ یہ عقیدہ سب سے پہلے تقی الدین ابن تیمیہ کو ابن زفیل کا خطاب دیا۔ پھر ۱۱۰۰ء تک ابن زفیل کی جماعت نے اس تائید میں سیکڑوں کتابیں لکھیں اور نہایت ہی پُر فریب مغالطات سے طالب مدد ہونا سی دلفریب دلیلیں نکال لیں کہ محمد غیر اللہ ہیں اور غیر اللہ کی روحانی طاقت سے طالب مدد ہونا شرک ہے۔ رفتہ رفتہ سنیوں کے بہت سے علمائے کبار نے بھی تسلیم کر لیا کہ رسول اللہ غیر اللہ ہیں اور آپ کو اللہ کی ذات اور صفات میں ملانا اور آپ کی ہستی کو اللہ کی عین ہستی کے برابر یا مثل سمجھنا شرک ہے پھر اس پلید عقیدے ہی سے اور بھی پُر فتن عقائد نکلے۔ پھر مدینے کے ۲۷ محدثین نے ایسی حدیثوں کو زندہ کر دیا اور ایسے ایسے میڈان لندن میڈن پیرس اور میڈان برلن عقائد نکلے کہ شاہ صاحب محدث دہلوی بھی ان کے دام فریب میں گرفتار ہو گئے۔ ان ۲۷ محدثین سے ۳ کا مذہب مخفی ہے اور صرف ۲۴ کا مذہب ظاہر ہے۔ اس لئے ان کے تابعین کو ۲۴ نمبر کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ۶ حنبلی ۱۵ شافعی اور ۳ حنفی تھے۔ ان میں سے شاہ صاحب کے استادوں کے نام یہ ہیں:۔ شیخ نور الدین محمد عبد الہادی سندھی۔ شیخ ابراہیم کردی۔ شیخ ابو طاہر محمد ابراہیم کرانی۔ شیخ ابن علی عجمی شیخ تاج الدین اور شیخ محمد حیات سندھی۔ یہ سب کے سب مہاجر تھے اور اپنے اپنے وطن سے ہجرت کر کے انگریزوں کے حساب پر مدینے میں حدیث کا مدرسہ چلاتے تھے اسی مدرسے کی شاخ شاہ صاحب کا دہلی کا مدرسۂ حدیث تھا جس میں آپ نے ۱۵ سال تک درسِ حدیث دیا ہے۔ اس درسِ حدیث کا اصلی مقصد یہ تھا کہ حنفی مذہب منسوخ کر دیا جائے اور اس کے بدلے صحیح سنن نبویہ کو زندہ کر دیا جائے۔ اسی اصول کے تحت جب شاہ صاحب تین سال تک عربستان میں رہ کر آئے آپ نے ۱۱۵۰ھ میں فارسی تفسیر لکھی اور اس میں لکھ دیا کہ رسول اللہ واقعی غیر اللہ ہیں۔ یہ بات یہ بات کسی بھی قدیم جلیل القدر تفسیر میں نہیں تھی۔ سب سے پہلے یہ اجتہاد وہابیوں کی تفسیروں میں ہوا ہے۔ شاہ صاحب نے وما اھل بہ لغیر اللہ کا ایسا ترجمہ کیا ہے کہ نبی اور کسی ولی کے نام کا ذبیحہ بھی حرام قرار دیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے معنی بتان شیاطین نیز پیغمبران ہے۔ یہ نیز پیغمبران کی عبارت زبردستی سے نکالی گئی ہے اور اللہ کی مراد میں نہیں ہے کہ اصنام طواغیت اور انبیاء و مرسلین میں کوئی تعرف ہے۔ یہ ہے مختصر تاریخ نجدی وہابی ازم کی جس کے اسرار سے اگر کوئی سب سے پہلے مطلع ہوا ہے تو وہ اعلیحضرت ہیں۔ چنانچہ جب آپ نے نجد سے آئی ہوئی اور ہندوستان میں پلی ہوئی وہابیت پر حملہ کر دیا اور اغثنی یا رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو جمیع وہابیوں نے آپ کو مشرک قرار دیا۔ نجدی وہابیوں نے اس طرح سید احمد زینی دحلان کو مشرک کہا ہے۔ قارئین کرام نوٹ فرمائیں کہ احمد رضا خاں سید احمد زینی دحلان کے تابع تھے اور سید صاحب احمد ابن حجر ہیتمی مکی کے تابع تھے اور یہ تینوں بزرگ احمد ابن تیمیہ کے دشمن تھے۔

میں نے یہ مقالہ قصداً اس غرض سے لکھا ہے کہ سنیوں سے التجا کروں کہ وہ ایک فرار ہونے والے سانپ کے نشان پر ڈنڈے مارنا چھوڑ دیں اور وہابی ازم کے اصلی اسرار کو

سمجھ لیں اور آج کل کے نام نہاد وہابیوں کو معاف کر دیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ رسول اللہ کو غیر اللہ کہنا چھوڑ دیں (سب سے پہلے ہم سنیوں پر واجب آتا ہے کہ سب سے پہلے ہم حضور کو غیر اللہ سمجھنا چھوڑ دیں)، کیونکہ ہر مسلمان کو یہ بولنے کا حق ہے کہ تحقیق میں اللہ کی قسم کھا کر بولتا ہوں کہ محمد حبیب اللہ ہیں اور اللہ کبھی غیر اللہ پر درود نہیں بھیجتا۔ سب سے پہلے ابن تیمیہ اور ابن قیم کے شاگرد ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں رسول اللہ کو غیر اللہ ثابت کر کے شرک کی تعریف میں تحریف پیدا کر دی اور اسی محرف تعریف کو مدینے کے ۲۴ محدثین کبار نے پورے عالم اسلام میں شائع کر دیا اور شاہ احمد ولی اللہ محدث دہلوی نے ان ہی سے غلط تعلیم حاصل کر کے اسی محرف تعریف میں تحریف پیدا کر دی اور اسی محرف تعریف کو مدینے کے ۲۴ محدثین کبار نے پورے عالم اسلام میں شائع کر دیا اور شاہ احمد ولی اللہ محدث دہلوی نے انہی سے غلط تعلیم حاصل کر کے اسی محرف تعریف شرک کو ابن کثیر کی عبارت میں تھوڑی سی تبدیلی کر کے ہندی مذاق کے موافق اسے پورے ہند میں شائع کر دیا اور شاہ احمد ولی اللہ محدث دہلوی کی یہ غلط تعریف شرک آپ کی مشہور کتاب شفاء الاسقام شفاء العلیل میں ہے جو قول الجلیل فی سواء السبیل کا ترجمہ ہے۔ اس میں جن بیماریوں کا علاج ہے ان میں سے سب سے بڑی بیماری شرک ہے۔ شاہ صاحب مدینے سے واپس آنے کے بعد ہندی سنیوں کی شرک کی بیماریوں کو دفع کرنے کے لئے حکیم امت بن گئے ہیں۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ فمنہا الاشراک باللہ تعالی عبادۃ واستعانۃ فی الرزق والشفاء وغیرھما والی التوبۃ منہا الاشارۃ فی قولہ تعالے ایاک نعبد وایاک نستعین۔ یہاں شاہ صاحب نے اللہ کے سوا کسی بھی ماسوی اللہ سے استعانت طلب کرنا شرک قرار دیا ہے اور یہی عقیدہ غیر اللہ کے منحرف ترجمے سے نکالا گیا ہے۔ اگر وہابی لوگ غیر اللہ کی مروجہ تاویل کو ترک کر دیں تو ہم ان کے ہر قصور کو معاف کر دیں گے۔ مجھے ایسی معافی کی ایک دلیل میرے آقا مرحوم الحاج شیخ محمد علی زینل علی رضا سے ملی ہے۔ آپ سنہ ۱۹۰۱ء سے نجدی وہابیوں کے کٹر دشمن تھے کیونکہ آپ بھی احمد رضا خاں کی طرح سید احمد زینی دحلان کے تابعین میں سے تھے اور سنہ ۱۹۲۷ء تک شاہ عبد العزیز ابن مسعود کے بڑے دشمن تھے مگر آپ نے انھیں سنہ ۱۹۲۸ء میں معاف کر دیا اور انھیں جلالۃ الملک المعظم المحبوب کا خطاب دیا۔... یہ ایک حقیقت ہے کہ وہابی سنی مخاصمت کی جڑ غیر اللہ کی تاویل ہی پر مبنی ہے اور اسی مسئلہ پر سے مسجد نبوی میں نبی کی قبر کو باقی رکھنے اور توڑنے کی بحث نکلی تھی۔ جو لوگ حجرہ شریف کی تینوں قبروں کو توڑنا چاہتے تھے وہ وہابی ہیں۔ سنی کہتے تھے ان کو باقی رکھنا نبی کی تعظیم اور اسلام کی عظمت اور شان وشوکت کے لئے ضروری ہے کیونکہ فریضۂ حج کے بعد نبی کی قبر کی زیارت کرنا فرائض اور اہم ترین واجبات میں سے ہے۔ میں نے سنہ ۱۹۲۹ء میں میرے استاد شیخ الاسلام حنفی شیخ امین سوید دمشقی متوفی سنہ ۱۹۳۵ء اور میرے مرشد مفتی اعظم فلسطینی سید امین حسینی متوفی سنہ ۱۹۷۵ء سے سنا ہے کہ نبی کریم بحیثیت نبی (آپ تو ازل سے نبی ہیں)، اپنے اجداد انبیاء علیہم السلام ابراہیم اسحاق اور یعقوب کے مزار پر (یہ تینوں قریب خلیل اللہ یعنی حبرون کی مسجد میں ہیں) زیارت کے لئے گئے تھے اسی قبر پر سے خلفائے راشدین مہاجرین اور انصار نے حضور کو بھی مسجد نبوی میں دفن کرنا پسند کیا تاکہ وہ قیامت تک عالم اسلام کی سب سے بڑی زیارت گاہ رہے۔ جن لوگوں نے مسجد نبوی کو زیارت گاہ بھی ہونے کی حیثیت سے ہیکل دانیال سمجھا ہے وہی اصلی وہابی ہیں اور انھوں نے زیارت کو بند کرنے کے لئے وہابی مذہب ایجاد کیا ہے۔

نبی کریم علیہ السلام نے خود اپنے مقدس اور مبارک ہاتھوں سے ہجرت کے دوسرے سال مسجد نبوی تعمیر کی جس طرح آپ کے اجداد ابراہیم اور اسماعیل نے خود اپنے ہاتھوں سے (وہ بھی مقدس اور مبارک ہاتھ ہیں) کعبہ شریف بنایا ہے۔ نبی کی بنائی ہوئی کھجور کے تنوں کے ستون اور کھجور کی دیواروں اور چھت کی سادہ مسجد ۳۴۷۵ مربع میٹر تھی۔ حضرت عمر نے اس میں ۱۱۰۰ م م کا اضافہ کر کے حجرۂ مبارک کو حرم شریف میں ملا لیا تاکہ قبر شریف مسجد کے اندر نمازیوں کی صفوں کے درمیان رہے۔ حضرت عمر کو علم غیب تھا اور آپ کو علم ہو گیا تھا کہ آئندہ ایسے لوگ آئیں گے جو اس قبر کو مسجد کے اندر سے نکالنے کی کوشش کریں گے چنانچہ انھیں ناکام کرنے کے لئے آپ نے پہلے ہی سے زیارت کا اہتمام اور انتظام کر دیا کہ سورہ الماعون میں جن مصلین کا ذکر ہے وہ صلوٰۃ یعنی نماز کے ساتھ صلوۃ یعنی درود وسلام پڑھنے کے لئے یعنی برحق مصلین بن جانے کے لئے مسجد نبوی کی نماز کے بعد مسجد نبوی ہی میں درود وسلام پڑھیں اور بہانہ بناکر بھاگ نہ جائیں۔ پھر حضرت عثمان نے حجرہ شریف ہی کی جانب ۴۹۶ م م کا اضافہ کیا۔ اور تینوں مزاروں کو ہمیشہ کے لئے مسجد نبوی میں داخل کر دیا۔ پھر اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے اس میں ۲۳۶۹ م م کا اضافہ کیا اور آپ کے گورنر حضرت عمر ابن عبد العزیز نے خود اپنے ہاتھوں سے اسے بزنطینی طرز تعمیر سے عظیم الشان بنادیا۔ حضرت عمر نے حجرہ شریف کے پاس بڑی بڑی قندیلیں اور بڑے بڑے بخوردان بھی رکھے تاکہ مزار کے پاس رات دن روشنی اور عطر وعود کی خوشبو رہے۔ اس کے بعد عباسی خلیفہ مہدی بن منصور نے اس میں ۲۴۵۰ م م کا اضافہ کر کے اسے اور بھی شاندار بنادیا۔ یہی مسجد بروز جمعہ یکم رمضان ۶۵۴ھ کو پوری جل کر خاک کا ڈھیر بن گئی اس میں سوائے مصاحف قرآن کے اور جذع حنانہ کے لکڑی کا ایک پرزہ بھی نہ بچا۔ یہ آگ ایسی تھی کہ ستونوں کے اندر کا سیسہ بھی پگھل کر بہہ گیا۔ اب ایک سال کے بعد مملوک سلطان رکن الدین بیبرس نے نئی مسجد نبوی تعمیر کی اور اور حجرہ شریف کی زیارت خاص کا اہتمام بھی کیا۔ پھر سلطان اشرف قائتبائی نے مزار کے اوپر گنبد خضرا بنایا۔ اس سے قبل وہاں کوئی گنبد نہیں تھا۔ سلطان بیبرس کی نئی مسجد اور قائتبائی کے نئے گنبد سے اس زمانے کے سبھی وہابی بہت خفا ہو گئے اور ان حنفی سلاطین کو مشرک قرار دیا۔ وہابیوں کا شور وغل تو جاری ہی رہا کہ گنبد خضرا توڑ

دیا جائے مگر عثمانی خلیفہ عبد المجید نے مسجد نبوی میں ۱۲۹۲ م م کا اضافہ کر کے اور بھی عظیم الشان مسجد بنائی اب یہ مسجد ۱۰۳۱۳ م م ہو ئی۔ یہ ۱۸۶۰ء میں پوری ہوئی جبکہ احمد رضا خاں کی عمر ۴ سال کی تھی۔ اس زمانے میں عربستان میں وہابیوں کی اکثریت ہو گئی تھی۔ وہ لوگ مسجد میں صرف نماز پڑھتے تھے اور زیارت نہیں کرتے تھے مگر اکثر ترکی احناف کے ہجوم زیارت کو آتے تھے اور ان کے ساتھ خود خلیفہ بھی آتے تھے۔

۱۸۷۶ء میں سلطان عبد الحمید خاں خلیفہ ہوئے (آپ ہی آخری خلیفہ ہیں) ۱۸۶۹ء میں شہزادہ عبد الحمید خلیفہ عبد العزیز کے ساتھ زیارت کے لئے آئے تھے اور اپنے ساتھ بہت سے علمائے کبار کو بھی لائے تھے اس سال احمد رضا خاں بھی زیارت کے لئے مدینہ میں موجود تھے۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اکثر لوگ صرف نماز کے لئے مسجد میں آتے تھے اور زیارت کرنے والے کو مشرک بولتے تھے۔ اس لئے خلیفہ نے فرمان جاری کیا کہ دور سے آنے والوں پر زیارت کرنا واجب ہے۔ اس فرمان کے لئے خلیفہ نے جن علمائے کرام سے مشورہ کیا ہے ان میں احمد رضا بھی ہیں۔ آپ نے فیصلہ کیا تھا کہ قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا واجب ہے چنانچہ آپ کے مرشد سید احمد زینی نے خلیفہ اور ترکستان کے علمائے کبار کے سامنے آپ کی بڑی مدح و ثنا کی تھی اور آپ کو مفتی حنفی ہندی کا خطاب دیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ ہندی علماء بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما کے لفظ تسلیما سے مراد نبی کی تعظیم ادبا کھڑے ہونا ہے چنانچہ کھڑے ہو کر بھی نبی پر سلام پڑھنا فرض ہے۔ جب خلیفہ چلے گئے تو وہابیوں نے بہت شور و غل مچایا اور اپنی تحریک کو اور بھی تیز کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہند میں بھی رشید احمد گنگوہی وغیرہ احمد رضا خاں اور آپ کی جماعت کے خلاف ہو گئے اور بھی بریلوی سنیوں کو سو فیصد مشرک اور بدعتی قرار دیا۔ عرب کے وہابی تو سلطان عبد الحمید کے سخت دشمن ہو گئے کیونکہ آپ نے مدینہ منورہ کو شرک کا گڑھ بنا دیا ہے اس کا ثبوت کویت کے ماہنامہ العربی کے ایک مضمون میں موجود ہے جہاں آپ کو شرک نواز مشرک اور دبیہ کہا گیا ہے اور آپ پر بہت بڑے الزام لگائے گئے ہیں کہ ترکی خلیفاؤں میں آپ سے زیادہ پلید اور خبیث دوسرا کوئی ہوا نہیں ہے البتہ اس العربی میں ایک افغانی نے تردیدی مضمون میں شائع کیا ہے۔ ترکوں کے خلاف نجدیوں کی بغاوت پرانی تھی مگر ۱۸۶۰ء کے بعد سے وہ اور بھی تیز ہو گئی کیونکہ اسی سال سے وہابیوں پر بھی زیارت کرنا لازمی قرار کر دیا گیا۔ جب ۱۹۲۲ء میں خلافت ٹوٹ گئی سلطان عبد العزیز نے حجاز پر حملہ کر دیا اور اسے فتح کر لیا۔ اور ۱۹۲۶ء میں گنبدِ خضرا کو توڑنے کا اعلان کر دیا اور زیارت کا نام لینا جرم قرار دیا۔ اس زمانے میں دنیا بھر کے حنبلی اکثر شافعی اور حنفی بھی اہل حدیث کے ہمنوا بن گئے اور گنبد خضرا کو توڑنے کے شروع کی تائید کی مثلاً ہندوستان میں علامہ ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ مولانا ابو الکلام آزاد اور بعض دیوبندی بھی شریک تھے۔

اسی شور و غل اور زبر دست غوغا کے زمانے میں، وہابی سنی عداوتوں کا پورا پورا ظہور ہوا اور ان کی آپس کی عداوت اپنے نصف النہار پر پہنچ گئی اور یقین تھا کہ ۱۳۴۳ء کے آخر تک گنبدِ خضرا توڑ ہی دیا جاتا۔ اس وقت اعلیٰ حضرت زندہ نہیں تھے مگر آپ کی جماعت موجود تھی۔ اس جماعت نے سب سے زیادہ سلطان عبد العزیز کے پلان کو فیل کرا دیا۔ اور وہ مقصد پورا ہوا جس کے لئے اعلیٰ حضرت نے رسالت پرستوں کی جماعت تیار کی تھی۔ آج اس جماعت کے سامنے اتنا بڑا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے۔ گنبدِ خضرا کو منہدم کرنے کے شیطانی پلان کی طرف سے علامہ اقبال نے یوں اشارہ کیا ہے کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

آج یہ شیطانی پلان ٹوٹ چکا ہے اور ابھی اس گنبدِ خضرا کو توڑنا ہے جو سنیوں کے ذہن میں موجود ہے۔

سلطان عبد العزیز ۱۹۴۸ء تک نہایت ہی شدید وہابی تھے مگر برٹش امپائر کے اختتام کے ساتھ ان کی وہابیت بھی ختم ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ برٹش امپائر ۱۹۴۸ء میں منہدم ہو گیا اور ہندوستان بھی اسی سال آزاد ہوا۔ اس کے بعد الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے عبد العزیز کے دل کو نرم کر دیا اور آپ نے وہابی ازم ترک کر دیا اور اہل سنت کی طرف مائل ہو گئے (اسی زمانے میں ہندی وہابی یعنی دہلوی بھوپالی دیوبندی ندوی اسماعیلی خان بہادری گنگوہی قاسمی نانوتوی اور بہائی وغیرہ بھی اپنے آپ کو سنی بولنے لگ گئے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہی سنت نبویہ کا صحیح اور بہترین تمسک کرتے ہیں اور نام نہاد سنیوں نے سنت نبویہ کو ترک کر دیا ہے اور زیادہ تر بدعات ہی کا تمسک کیا ہے) اس غیر متوقع اور وہابیوں کی دل شکن تبدیلی کے بعد شاہ عبد العزیز نے ارادہ کر لیا کہ مسجد نبوی میں توسیع کی جائے اور موڈرن اور قدیم عربی اور بیز نطینی فن تعمیر کا ایک شاندار شاہکار بنایا جائے جس کے لئے آپ نے تیل کی بے شمار دولت خرچ کرنا چاہا جو کہ قومی ملکیت تو نہ تھی بلکہ صرف سعودی خاندان کی تھی۔ اس مقصد سے سب سے پہلے سلطان نے اپنے سب سے بڑے اور قدیم مخالف محمد علی علی رضا ہی سے خاص طور پر مشورہ کیا اور اس مشاورت میں کسی بڑے سے بڑے وہابی عالم کو بھی شریک نہ کیا۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء کے وسط میں سلطان نے علی رضا کو خط لکھا اور تار بھی بھیجا کہ آپ فوراً ریاض آجائیں۔ جب علی رضا ہوائی جہاز سے گئے تو آپ نے اپنے ساتھ بطور تحفہ ایک خوبصورت ہیرے کی انگوٹھی بھی لے گئے جو آپ نے ڈیڑھ لاکھ روپیوں میں خریدی تھی (آج اُس کی قیمت پچاس لاکھ سے کم نہیں ہے) سلطان سے ملاقات اور مشورہ کرنے کے بعد آپ زیارت کو گئے اور واپس آکر ہمیں بڑی بشارت دی کہ سلطان حرم شریف کعبہ اور حرم شریف نبوی میں توسیع اور زیب و زینت کرنا چاہتے ہیں اور خاص طور پر گنبدِ خضرا کی شان کو بڑھانا چاہتے ہیں جسے چند سال پہلے آپ منہدم کرنے کے لئے ابن زفیل کا بمب لے کر کھڑے ہوئے تھے۔

چونکہ میں علی رضا کا پرائیویٹ سکریٹری تھا آپ نے مجھے اپنے نوٹس نقل کرنیکی اجازت

دی تھی اور تاکید بھی کی تھی کہ مسجد نبوی کی اس توسیع کا اصلی راز آپ کی وفات سے پہلے عام نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اس زمانے میں مندرجہ ذیل جملے نقل کر لئے تھے کہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد مسجد نبوی کی توسیع کا ارادہ ایک عرصے سے جلالۃ الملک المعظم المحبوب مولانا سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل فیصل آلِ سعود کے دل میں جھوم رہا تھا آخر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو اجازت دی کہ وہ اپنی نیت پوری کر دیں۔ پس آپ کا ارادہ ۱۳۶۸ھ میں (ابن تیمیہ کی وفات کے ۶۴۰ سال بعد) عالم وجود میں آیا اور سلطان نے اپنا شاہی فرمان ایک کھلے خط سے مدینے کے اخبار کو بھیجا جس کا نمبر ۲۴۲-۲-۱۳۷۸ ہے اور مورخہ ۱۲-۸-۱۳۶۸ ہے۔ اس میں عالم اسلام کو سلطان کے عزم کی خوشخبری دی گئی کہ آپ مسجد نبوی میں توسیع کرنا چاہتے ہیں (اس سے مولانا شیخ احمد رضا خاں مفتی اعظم ہندی حنفی کی روح کو بڑی خوشی ہے کیونکہ یہ وہی سلطان ہے جس نے قسم کھا کر عالم اسلام کو دھمکی دی تھی کہ از روئے شریعت گنبد خضرا اور اس کے نیچے کی تینوں قبروں کو توڑنا واجب ہے اور جو مشرک مقابلے پر آئے گا اس کی گردن کاٹ دی جائے گی) یہ خط مذکورہ اخبار میں اس کے شمارہ نمبر ۳۰۱ ۱۳۶۹ھ میں ۵ رمضان کو شائع ہوا . . .

۵ شوال ۱۳۷۰ھ کو (الموافق ۱۹۵۰ء) یہ مبارک کام شروع ہوا جس کے لئے سب سے پہلے وہ دیوار توڑی گئی جو مسجد کے اطراف تھی ... اور ربیع الاول ۱۳۷۲ھ کو جلالۃ الملک المعظم المحبوب سعود بن عبدالعزیز مدینہ تشریف لائے اور ایک بڑی محفل میں مسجد نبوی شریف کا سنگ بنیاد رکھا اور ۱۴ شعبان ۱۳۷۲ھ کو مسجد شریف کے مغربی کونے میں ستونوں کے لئے کھدائی کا کام شروع ہوا جو باب رحمت کے پاس ہے اور ۲۴ رمضان ۱۳۷۳ھ کو عمارت شریف کا کام جاری ہوا اور ربیع الاول ۱۳۷۳ھ کو سلطان سعود پھر سے مدینے کی زیارت کو آئے اور اپنے ہاتھوں سے مسجد کی تعمیر کا کام شروع کیا اور مغربی دیوار کے ایک کونے میں چار پتھر رکھے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی اساس ہے آخر میں ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ (۱۳۷۴ھ) کہ جس توسیع کا کام سلطان عبدالعزیز نے شروع کیا تھا اسے سلطان سعود نے پورا کیا اور ۶۰۲۴ مربع میٹر کا اضافہ کر کے ۱۶۳۲۷ مربع میٹر کی وسیع مسجد بنا دی۔ اس میں ۴۷۴ قدیم ستون ہیں جو پہلے ہی سے تھے جو دیوار کے اطراف تھے اور اب ۲۳۲ نئے ستون نصب کئے گئے ہیں۔ پس اللہ کا معجزہ اس طرح سے پورا ہوا اور یہ عمارت بہت ہی شاندار ہے اور یہ سب کچھ محمد کی عظمت کی یادگار ہے . . .“

اگر عالم اسلام میں ستر فیصد سنی نہ ہوتے اور ان میں احناف کی اکثریت نہ ہوتی اور احمد رضا خاں ہندی حنفیوں کے امام نہ ہوتے تو ہم آج گنبد خضرا کو سلامت نہ دیکھتے اس کی حفاظت کے لئے سب سے بڑی آواز صرف ہندوستان ہی سے اٹھی ہے (حضور کہا کرتے تھے کہ مجھے ہند سے ریحان کی خوشبو آتی ہے) آج ضروری ہے کہ حنفی سنیوں کے دینی ادارے سید احمد زین دحلان اور امام احمد رضا خاں کی توحید اور ان کی خدمات کی تاریخ حاصل کر لیں اور غور کریں کہ انھوں نے ہندوستانی اور پاکستانی وہابیوں سے کیسی ٹکر لی ہے۔ ۱۹۲۶ء میں وہابیوں کی فوج ایک بڑی جرار فوج تھی آج وہ تتر بتر ہو گئی ہے۔ آج سنیوں کے لئے بہت ہی آسان ہے کہ ان کی ٹولیوں کو شکست دیں عرصہ ہوا ہم نے اپنا قبلہ اول کھو دیا ہے اور آج اس کی رہائی کی کوئی امید نہیں ہے اور یہ امید بھی نہیں ہے کہ موڈرن عرب مسجد صخرہ مبارک مسجد اقصیٰ اور مسجد عمر کو آزاد کر سکیں۔ یہ اسی عمر کی مسجد ہے جس نے غزوۂ احد میں جب کافروں نے شور مچایا کہ محمد مر گئے تو آپ نے ڈھونڈھ کر نبی کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر لائے اور اعلان کیا کہ لوگو دیکھو یہ ہیں محمد اور محمد زندہ و سلامت ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ

علماء عرب و عجم کی نظر میں

محمد یٰسین اختر الندوی
جنرل سکریٹری، امام احمد رضا اکیڈمی، مبارک پور۔ اعظم گڑھ

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

موجودہ صدی کے مجدد اعظم حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے علم و فضل، دیانت و تقوی، حق و صداقت، عدالت و انصاف اور حق گوئی و بیباکی کے ذریعہ دنیائے اسلام پر جو عظیم احسانات کئے ہیں وہ مذہبی و ملی اور علمی و تحقیقی تاریخ میں تا قیام قیامت روشن و تابناک ابواب رہیں گے جس سے اہل اسلام ہمیشہ متمتع و فیضیاب ہوتے رہیں گے۔ رہروانِ جادۂ حق کو روشنی اور گمرہوں کو ہدایت و رہنمائی کا درس ملتا رہے گا اور جن کے ہاتھوں سیراب شدہ پودے ہمیشہ برگ و بار لاتے رہیں گے۔

"امام احمد رضا" کسی ایک ذات اور شخصیت کا نام نہیں بلکہ اس دور آخر میں عظمت حق، شوکت اسلام، ناموسِ عشق مصطفےٰ اور حق و صداقت کی ایک روشن و تابناک قندیل اور ایک ہمہ گیر تحریک کا نام "امام احمد رضا" ہے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔

ثبوت و تحقیق کے لئے حق پسندی کے تمام تقاضوں کے ساتھ آنے والے صفحات کا مطالعہ کرکے اپنی آنکھیں ٹھنڈی اور اپنا دل روشن کیجئے۔

پہلا سفر حج

امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے والد ماجد مولانا علی نقی علیہ الرحمہ کے ساتھ ۲۳ سال کی عمر میں ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء حج و زیارت حرمین شریف سے مشرف ہوئے۔

اپنے خداداد علم و فضل۔ ذکاوت و ذہانت اور ایمانی روح و حرارت کی وجہ سے بہت جلد علماء حجاز میں متعارف اور مقبول و محبوب بن گئے جس کا واضح ثبوت اس وقت کے فاضل اجل امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح (۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء) کے ساتھ پیش آنے والے ایمان افروز واقعہ سے ملتا ہے۔ جن کا اس سے پہلے کسی طرح کا کوئی تعارف و تعلق نہ تھا حرم شریف میں نماز مغرب سے فارغ ہونے کے بعد ایک روز شیخ حسین بن صالح نے اس عارف باللہ کا ہاتھ پکڑا اور انھیں اپنے ساتھ لیکر دولت کدہ پر تشریف لے گئے آپ کی دمکتی ہوئی پیشانی پر نظریں گاڑ دیا۔ اور دیر تک عشق و مستی کے عالم میں جبینِ سعادت وارجمندی کی درخشاں اور واضح لکیروں کا بغور مطالعہ کرتے رہے پھر جوشِ عقیدت میں پکار اٹھے انی لاجد نور اللہ فی ھذا الجبین (ص ۹۹ تذکرہ علمائے ہند از مولوی رحمان علی) میں اس پیشانی میں خدا کا نور پا رہا ہوں۔ اور پھر اپنے فیضان کرم سے نوازتے ہوئے صحاح ستہ کی سند اور اپنے سلسلہ کی اجازت عطا فرمائی اور شفقت و محبت سے آپ کا نام "ضیاء الدین احمد" رکھا۔

شیخ موصوف کے علاوہ مفتی شافعیہ سید احمد دحلان (م ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱ء) و مفتی حنفیہ شیخ عبد الرحمان سراج (م ۱۳۰۱ھ / ۱۳۸۳ھ) و دیگر بہت سے اکابر و اعاظم علماء نے حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کی سندوں سے آپ کو نوازا۔

فاضل بریلوی نے شیخ جلیل کے ایماء پر فقہ شافعی میں مناسک حج سے متعلق شیخ حسین بن صالح کے ایک وقیع رسالہ کی نہایت جامع و مانع شرح صرف دو دن کی مختصر مدت میں کی اور اس کا نام النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ رکھا۔ اس شرح کو علماء حجاز نے بڑی مقبولیت کی نظر سے رکھا۔ اور آپ کو تحسین و آفریں سے نوازا۔ اس شرح میں پہلے مطلب پھر اختلافِ مذاہب حنفیہ و شافعیہ اور مذہب حنفی میں اختیارِ راجح و ترک مرجوح کو مدلل و مبرہن کیا۔

پھر بعد میں اسی رسالہ میں فوائد لطیفہ و توضیح مسائل و تخریج احادیث وغیرہ کے ساتھ تعلیقات و حواشی لکھا جو ایک مستقل رسالہ ہوکر "الطرۃ الوضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ" کے نام سے موسوم ہوا۔

اسی سفر میں علمائے ندوہ کے خلاف مشاہیر علمائے ملت اسلامیہ ہند کے حاصل شدہ فتاویٰ کا مجموعہ "الجام السنۃ لاھل الفتنۃ" کے ساتھ اٹھائیس پیدا ہونے والے سوالات اور ان پر اپنی جانب سے مدلل جوابات پر مشتمل ایک فتویٰ جب حجاج کرام کے ذریعہ شیخ سید اسمٰعیل مکی بن شیخ سید خلیل محافظ کتب خانہ حرم شریف و تلمیذ رشید شیخ الدلائل حضرت شیخ عبد الحق مہاجر مکی صاحب "الاکلیل علی مدارک التنزیل" و دیگر علمائے مکہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو تمام علمائے نے اپنی تصدیقات و تقریظات سے اس فتویٰ کا خیر مقدم کیا۔ اور ان حاصل شدہ توثیقات کا مجموعہ بنام فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا جس نے ایک بہت بڑے فتنہ کی بیخ کنی میں نمایاں اور اہم رول

ادا کیا۔ اور بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے سدِ سکندری بن کر حائل ہوگیا۔

دوسرا سفرِ حج

یہ سفر اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا۔ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں حج کے لئے اپنے برادرِ خورد مولانا محمد رضا اور بڑے شہزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا کو جب بریلی سے لکھنؤ تک پہونچا کر گھر واپس ہوتے تو ایک عجیب اضطراب و بے چینی کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اور زیارت حرمین طیبین کا شوق مچلنے لگا۔ چونکہ اس بار خداوند قدوس آپ سے اہم خدمتیں لینا چاہتا تھا اس لئے اس نے آپ کے دل کو ہر چہار جانب سے موڑ کر اسی سال سفرِ حج کرنے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے رختِ سفر باندھا اور فوراً روانہ ہوئے حسن اتفاق سے بمبئی ہی میں مولانا محمد رضا اور حجۃ الاسلام سے ملاقات ہوگئی۔ وہاں سے حجاز مقدس پہونچے اور فریضۂ حج ادا کیا۔

حسام الحرمین (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) الدولۃ المکیہ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء) کفل الفقیہ الفاھم (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) وغیرہ اسی سفر کی شاہکار تصانیف ہیں۔

اس سفر میں آپ کی جو پذیرائی ہوئی وہ خدا کا ایک خاص انعام تھا۔ مشاہیر علماء اسلام آپ سے اجازت طلبی کے مشتاق نظر آتے تھے۔ شیخ سید عبد الحیٔ مکی (م ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء) اور شیخ حسین جمال بن عبد الرحیم کو سب سے پہلے اجازت مرحمت ہوئی۔ ان دونوں حضرات کے بعد شیخ صالح کمال (م ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) سید اسمٰعیل خلیل (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) سید مصطفیٰ خلیل (م ۱۳۳۹ھ) شیخ احمد خضراوی شیخ عبد القادر کردی (م ۱۳۴۶ھ) شیخ فرید (م ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء) سید محمد عمر وغیرہم کو اجازت سے مشرف فرمایا اور جو لوگ مدت قیام حرمین طیبین میں اجازت نہ حاصل کر سکے۔ انھیں گھر آنے کے بعد اجازت ارسال کی گئی (قیام مکہ ہی کے دوران شیخ سید اسمٰعیل سے رشتۂ عقیدت و محبت اتنا استوار ہوا کہ وہ ۱۳۲۶ھ میں صرف اعلحضرت سے ملاقات کے لئے بریلی تشریف لائے) پھر مدینہ طیبہ جب تشریف لے گئے تو وہاں بھی علماء کی ایک کثیر تعداد نے اجازت حاصل کی۔ کچھ لوگوں کو زبانی اجازت دی اور کچھ لوگوں سے وطن عزیز واپسی کے بعد ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا۔ مثلاً شیخ عمر بن حمدان المحرسی، سید مامون البری، شیخ الدلائل شیخ محمد سعید وغیرہم۔

مدینہ طیبہ میں آپ کی جو تعظیم و تکریم ہوئی اور دیارِ حبیب میں جس اعزاز و اکرام سے آپ کو نوازا گیا۔ اس کا آنکھوں دیکھا حال اس خط میں پڑھئے جو شیخ الدلائل شیخ محمد عبد الحق مہاجر مکی (م ۱۳۳۳ھ) اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

انی مقیم بالمدینۃ الامینۃ منذ سنین ویاتیھا من الھند الوف من العالمین، فیھم علماء وصلحاء واتقیاء راتیھم یدورون فی سکک البلد۔ لا یلتفت الیھم من اھلہ احد وادی العلماء الکبار الخطاء الیک مھرعین۔ وباجلا لک مسرعین ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

مدینہ طیبہ کئی سال سے میرا قیام ہے۔ ہندوستان سے ہزاروں اصحاب علم آتے ہیں ان میں علماء، صلحاء، اتقیاء سبھی ہوتے ہیں۔ وہ شہر کے گلی کوچوں میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ مگر ان کی جانب کوئی التفات نہیں کرتا۔ لیکن بڑے بڑے علماء آپ (فاضل بریلوی) کے پاس جوق در جوق آتے اور تعظیم و تکریم میں لگے رہتے ہیں۔ یہ خدا کا فضل خاص ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے (الاجازت المتینہ ص ۷ از حامد رضا خان)

وطن عزیز واپسی کے بعد ارسالِ اجازت میں کچھ تاخیر ہوئی تو یاد دہانی کے خطوط آنے لگے جن میں ان کے بے پناہ اشتیاق کی جھلک پائی جاتی ہے۔

سید اسمعیل خلیل (م ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) یاد دہانی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "وعدتم الحقیر واخاہ بارسال الاجازۃ بعد وبالتکم فلم تات فکان اقرب الناس الیکم ابعدھم او کنا نسیاً منسیاً۔ (محررہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) (الاجازات المتینہ ص ۱۰۹ از حامد رضا خاں)

آپ نے حقیر اور اس کے بھائی سے اپنی مرویات کے ساتھ اجازت بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا لیکن ابھی تک اجازت نہ مل سکی جو آپ سے بہت قریب تھا وہ سب دور ہوگیا۔ یا ہمیں بھلا ہی دیا گیا۔

حرمین شریفین میں فاضل بریلوی کی یہ مقبولیت صرف اسلام و ایمان پر کامل یقین اور عشق رسالت کا کرشمہ ہے۔ ورنہ وہ پاک سرزمین جہاں اقصائے عالم کے فضلاء و علماء کا ہر سال جم غفیر اکٹھا ہوتا ہے جہاں مشرق سے مغرب تک کا دل و دماغ اور عارفین و اولیاء کاملین کے کارواں پہونچتے ہوں وہاں ایک غیر معروف ہندی شخص کو کون پوچھتا اور لوگوں کی نگاہیں کیوں اٹھتیں۔

قیام حجاز کے دوران آپ کی کئی ایک بے مثال و شاہکار تصنیفات منظر عام پر آئیں اور ایک عالم ان کا گرویدہ ہوگیا۔ چند کتابوں پر علماء کرام کی جو وقیع تقریظات ہیں ان کے ساتھ تفصیلی ذکر آئندہ صفحات میں پڑھئے۔

الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں علم غیب کا اثبات اور منکرین کے اعتراضات والزامات کی تردید فرماتے ہوئے نہایت فاضلانہ اور محققانہ بحث فرمائی گئی ہے۔ دوسرا حصہ چار سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے مولانا سلامت اللہ رام پوری کی کتاب "اعلام الاذکیاء" کے آخر میں ایک عبارت سے متعلق تین سوالات اور ایک سوال خطبہ مدارج النبوۃ للشیخ عبد الحق محدث دہلوی سے متعلق ہے۔

کتاب کی وجہ تالیف ص ۲۷۸ الدولۃ المکیہ (مطبوعہ استنبول۔ ترکی) میں مذکور ہے مگر اس کے بجائے آپ حضرت شیخ اسمعیل بن خلیل (مدینہ طیبہ) کی زبانی سنیے۔ وہ فرماتے ہیں (ترجمہ)

شیخ العلامہ المجدد، شیخ الاساتذہ علی الاطلاق المولوی الشیخ احمد رضا خاں جب ۱۳۲۳ھ میں حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لائے تو بعض ناسقوں کی مدد سے چند بدنصیبوں نے اس وقت کے شریف مکہ کے یہاں ضرر پہنچانے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ مکر کرنا چاہا۔ چنانچہ علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے پاس سوال بھیجا اور گمان کیا

کہ وہ جواب نہ دے سکیں گے کہ سفر کی تیاری میں ہیں اور یہاں ان کے پاس کوئی کتاب بھی نہیں۔ مولانا نے (اللہ ان کی تائید کرے) اس سوال کا وہ جواب دیا جس نے ہر مسلمان کی آنکھ ٹھنڈی کر دی اور ہر کافر و فاسق و گمراہ بے نور کو ذلیل و خوار کیا۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

ہمارے شیخ مذکور حضرت احمد رضا خاں جب تحریر جواب سے فارغ ہوئے تو شریف مکہ نے شیخ صالح کمال (سابق مفتی مکہ) کو حکم دیا کہ رسالہ ان کے دربار میں برملا پڑھا جائے۔ چنانچہ رسالہ پڑھا گیا۔ سرکش گروہ کے افراد وہاں موجود تھے، سن سن کر حیرت زدہ رہ گئے اور ذلیل و خوار ہوئے۔ اس وقت شریف مکہ پر ظاہر ہو گیا کہ مولانا احمد رضا خاں حق پر ہیں اور مخالفین گمراہ ہیں۔ یہاں تک کہ بعض ثقہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ شریف مکہ کے ایک ملازم نے درخواست کی کہ حق شیخ (فاضل بریلوی) میں اہانت کی اجازت دی جائے۔ تو شریف مکہ نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

كيف يكون إجراءُ مثل هذا الامر والعلماء كلهم قاطبة قائمون وقائلون بقوله. وانا كلنا مرجعنا اليهم والاستفادة منهم.

ایسے امر کا اجراء کیوں کر ہو سکتا ہے۔ جب تمام علماء بھی وہی بات کہہ رہے ہیں جو وہ کہتے ہیں۔ ہمارے مرجع و مآب علماء ہی ہیں اور ہمیں انھیں سے استفادہ کرنا ہے۔

آپ کی مقبولیت کا نقشہ کھینچے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فاعزالله مولينا الشيخ احمد المذكور على رغم انوفهم۔ واكتنفته العلماء والطلبة۔ فمن سائلٍ مستفيد ومن مقدمٍ سوالا للاستفسار على القول السديد ومن طالب اجازة ومن منتظرٍ اشارة۔ هذا حاله وهو بمكة (الاجازات المتينه ص۱۲ از حامد رضا)

مکہ مکرمہ میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر چہار جانب سے علماء و طالبین نے آپ کو گھیر لیا۔ کوئی سوال پیش کر کے استفادہ کرتا۔ کوئی صحیح و رائج مسئلہ پوچھتا جس میں اسے شک ہوتا۔ کوئی صرف اشارہ کا منتظر ہوتا۔

انھیں جیالس علم و فضل اور حرمین شریفین میں فاضل بریلوی کی بے پناہ مقبولیت اور آپ کے سیال قلم کا ذکر کرتے ہوئے حکیم عبد الحئی رائے بریلوی لکھتے ہیں۔

وسافر الى الحرمين الشريفين عدة مرات وذاكر علماء الحجاز في بعض مسائل الفقهية والكلامية والّف بعض الرسائل اثناء اقامته بالحرمين واجاب عن بعض المسائل التى عرضت على علماء الحرمين۔ واعجبوا بغزارة علمه وسعته اطلاعه على المتون الفقهية والمسائل الخلافية وسرعة تحريره وذكاء، (ص۳۹ آٹھویں جلد نزهة الخواطر از حکیم عبد الحئی)

کئی بار حرمین شریفین کا سفر کیا۔ اور علماء حجاز سے بعض مسائل فقہیہ و کلامیہ میں مذاکرہ بھی کیا۔ چند رسالے بھی لکھے اور علماء حرمین کے سوالات کے جوابات بھی دیئے۔ متون فقہیہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت تحریر اور ذکاوت و ذہانت کو دیکھ کر سب لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔

اس دور میں اور آج بھی کچھ لوگ یہ الزام لگاتے پھرتے ہیں کہ معاذ اللہ ان لوگوں نے خدا کا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ایک کر دیا۔ اور یہ رسول کے لئے علم کلی مانتے ہیں۔ اس کی تردید کرتے ہوئے الدولۃ المکیہ کی تقریظ میں شیخ سید اسمٰعیل بن خلیل مکی لکھتے ہیں (ترجمہ)

بلکہ ایک اور نے اپنی تحریر میں یہ جھوٹ باندھا اور بہتان لگایا کہ حضرت احمد رضا نے اپنے رسالہ میں جو اس سوال کے جواب میں لکھا یہ حکم لگایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مثل علم الٰہی کے ہے۔ اور رسول کریم کا علم غیر متناہی بالفعل سے متعلق ہے۔ حاشا و کلا ہمارے شیخ مذکور نے ان میں سے کوئی بات نہیں کہی۔ اور کیسے یقین کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ ہمارے ہاتھ میں وہ پورا رسالہ ہی موجود ہے۔

علماء حجاز کی ایک کثیر تعداد نے الدولۃ المکیہ کو اپنی تصدیقات و تقریظات سے نوازا ہے۔ آپ یہ سنکر حیران رہ جائیں گے کہ اتنی معرکۃ الآراء کتاب جو ان کے تبحر و وسعت پر شاہد عدل ہے اس کی تالیف صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں ہوئی۔ اور صرف دو نشستوں میں ۲۶، ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو اختتام پذیر ہو گئی۔ آپ کے اعزاز و اکرام اور علمائے حجاز و بلاد اسلامیہ کی نظر میں آپ کی جلالت شان اور علمی رعب و دبدبہ کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ عرب و عجم کے جلیل القدر علماء نے الدولۃ المکیہ پر مبسوط و مفصل تصدیقات و تقریظات لکھی ہیں۔

جن میں سے چیدہ چیدہ چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے جنھیں تحقیق کی ضرورت ہو وہ الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیہ (تالیف ۱۹۰۵ء) مطبوعہ کراچی کا مطالعہ کریں (التقاریظ واسماء رجالها مقتبسة من - فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں۔ از ڈاکٹر مسعود احمد پی ایچ ڈی)

(۱) رئيس الخطباء والائمة والمدرس بالمسجد الحرام الشيخ احمد ابوالخير بن عبد الله مرداد مكة المكرمة۔

میں نے دقت نظر اور نہایت غور و خوض سے اس رسالہ کا مطالعہ کیا اس کے مباحث و دلائل نہایت مستحکم اور محقق و مدلل ہیں۔ اس کے بیان سے دل میں وسعت و کشادگی پیدا ہوئی اس کی یقینی دلیلیں آسمانی بلندی کو چھو رہی ہیں اور کیوں نہ ہو کہ یہ اس کی تصنیف ہے جو علامہ عقیل۔ ذکی۔ بلند ہمت۔ اپنے زمانہ کے تمام مؤلفوں کا سردار ہے۔ میدان تصنیف میں جس کی امامت کی شہادت خود بڑے بڑے معاصرین کر رہے ہیں جو اس رسالہ کو غور و فکر سے مطالعہ کرے گا وہ کہنے والے کی اس بات کو جھوٹا جانے گا کہ شیخ نے اپنے رسالہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب بالذات اور خالق زمین و آسمان کے علم کے برابر مانا ہے (الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ ص۲۵)

(۲) مفتی حنفیہ شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سراج۔ مکہ مکرمہ

میں نے اسمیں اپنی نظر دوڑایا تو دیکھا کہ اسمیں اسرار معانی جھلک رہے ہیں جبکہ اس

کا مصنف کھری بات لایا۔ اور اس نے رشد و ہدایت کا راستہ واضح کر دیا۔ ہر جمع کرنے والا مولف نہیں ہوتا۔ اور اِدھر اُدھر سے بہت سی نقلیں لانے والا مصنف نہیں ہوتا۔ یہ تو عطائیں ہیں کہ مولائے کریم جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور اسے اولی بنا دیتا ہے (الفیوضات الملکیہ ص ۲۰)

(۳) شیخ یوسف بن اسمعیل نبہانی (بیروت)

(صاحب جواہر البحار، شواہد الحق، حجۃ اللہ علی العلمین، سعادۃ الدارین)

میں نے اس کا شروع سے آخر تک مطالعہ کیا اور نہایت مفید و نفع بخش پایا۔ اس کی دلیلیں بڑی قوی ہیں جو ایک علامہ کبیر اور امام اکبر کی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہیں۔ اللہ اس مصنف کے رسالے سے راضی رہے اور اسے اپنی عنایتوں سے راضی کرے اور ان کی تمام نیک و پاکیزہ امیدوں کو بر لائے (آمین) (الفیوضات ص ۴۷،۴۲)

(۴) مفتی حنابلہ شیخ عبداللہ بن حمید، مکہ مکرمہ۔

میں نے یہ رسالہ دیکھا جسے ہر سردار نے قبول کیا۔ اس کے دلائل یقینیہ کے آفتابوں نے ہر تاریکی دور کر دی اور اس کی ہدایت کے نور اس امت پر چمکے تو اس رسالہ پر یہ قول صادق آیا۔

ولا عیب فیہم غیر ان سیوفہم
بہن فلول من قراع الکتائب

تو اس کے دندانِ تبسم ریز کا بوسہ لیتے ہوئے میں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بے شمار حمد کی۔ اگر اس وقت میرا وضو ہوتا تو میں سجدۂ شکر میں گر پڑتا کہ اس نے ہمارے اندر ایسا عالم محقق و مدقق بھیجکر احسان فرمایا۔ زمانے کی بقا تک اس کے علم کا درخت بڑھتا رہے (الفیوضات ص ۲۷،۲۹)

(۵) شیخ العلماء، مفتی شافعیہ محمد سعید بن محمد بابصیل مکہ مکرمہ۔

فاضل کامل سیدی احمد رضا خان کے رسالہ مسمّٰی بہ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ کا مطالعہ کیا میرے نزدیک اس رسالہ کی تین وجوہ سے بڑی حیثیت ہے۔

اول یہ کہ اس کے اصول و فروع نہایت محقق و مدقق ہیں دوم یہ تصنیف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ تعظیم و آداب میں بے مثال ہے سوم یہ کہ اسے زمانہ حج میں نہایت قلیل مدت میں لکھا گیا ہے اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

یہ رسالہ علماء حرمین کے نزدیک بہت مقبول ہوا اور تمام علماء نے اس پر تقریظیں لکھیں۔ آپ کی خوب تائید و تحسین کی۔ پھر بھی یہ مصنف کی قدر و منزلت سے کم ہے (الفیوضات ص ۱۶،۱۸)

(۶) مفتی مالکیہ شیخ احمد الجزائری بن سید احمد المدنی۔ مدینہ منورہ۔

علامۂ زماں، یکتائے روزگار، سرچشمۂ معرفت، سید عدنان کی نظروں کے مرکز، حضرت مولانا شیخ احمد رضا۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے۔

ہر صاحب توفیق سمجھدار ان سے نفع اندوز اور ہر گنہگار و بدکار اور مفتری لرزہ بر اندام ہوگا۔ (الفیوضات ص ۳۱)

(۷) سید حسین بن علامہ سید عبدالقادر طرابلسی، مدرس مسجد نبوی۔ مدینہ طیبہ۔

بعد حمد و نعت! جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حقیر بندے پر یہ احسان فرمایا کہ میں ان کے آستانہ سے شرف یاب ہوا جو علامۂ کامل اور فہامۂ شہیر حامی ملت محمدیہ طاہرہ۔ مجدد مائۃ حاضرہ سیدی و استاذی حضرت مولانا احمد رضا خاں ہیں (الفیوضات ص ۸۲)

(۸) مفتی مالکیہ شیخ سید احمد علوی بن سید احمد بافقیہ حسینی علوی مدینہ منورہ۔

تمام فاضلوں سے افضل۔ عاقلوں سے زیادہ دانشمند۔ فخر السلف۔ قدوۃ الخلف حضرت احمد رضا خاں بریلوی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پوشیدہ لطف و مہربانی سے ان کے ساتھ معاملہ کرے۔ الدولۃ المکیہ کی تعریف میں رقم طراز ہیں۔

اور یہ کتاب بیشک اس لائق ہے کہ سیاہی کے بجائے سونے سے لکھی جائے (ص ۹۲)

(۹) شیخ عبدالرحمٰن حنفی مدرس جامعہ ازہر قاہرہ۔ مصر۔

مجھے اپنی عمر کی قسم مؤلف نے رسالہ میں کافی دلائل ذکر فرما دیا ہے اور حاسد کے لئے تو طویل عبارتیں بھی ناکافی ہوتی ہیں۔ (الفیوضات ص ۵۲،۱)

(۱۰) شیخ عبدالرحمٰن نابلسی مسجد نبوی۔ مدینہ طیبہ

وہ نادرِ روزگار۔ اس وقت اور زمانے کا نور۔ عالم باعمل۔ بلند ہمت فاضل۔ مسائل اور مشکل احکام کی تنقیح کرنے والا اور دلائل و براہین سے ان کو مستحکم تر کرنے والا۔ معزز مشائخ اور فضلاء کا سردار بلا تامل وہ زمانے کا گوہر یکتا قاضی القضاۃ شیخ احمد رضا خان، خدا ان کی زندگی سے ہم کو متمتع فرمائے اور ہم پر اور سارے مسلمانوں پر ان کا فیض جاری و ساری رکھے۔ آمین (الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ مطبوعہ کراچی ص ۹۵-۹۶)

یہ چند تقریظات آپ کے سامنے بطور نمونہ پیش کر دی گئیں اور ان میں بھی چیدہ چیدہ اقتباسات ہیں۔ بہت سے دوسرے علماء عرب و عجم نے بھی تقریظات و تصدیقات سے نوازا ہے جنھیں ابھی بہت سی غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ ان تمام کو لکھنا تطویل کا باعث ہے۔ ذیل میں عالم اسلام کی چند مقتدر ہستیوں کے اسماء لکھے جاتے ہیں جن میں سے کچھ کا اوپر ذکر بھی ہو چکا ہے۔ اس وقت کے تمام علماء نے بیک زبان آپ کو اپنے وقت کا امام و مقتدا۔ علوم و فنون کا جامع فیض و برکات کا سرچشمہ۔ اسلام کا داعی و مبلغ اور موجودہ صدی کا مجدد برحق تسلیم کیا ہے جس کے بعد پھر آپ کے علم و فضل آپ کے دینی و ملی کارنامے اور آپ کی عظیم شخصیت کا انکار چڑھتے سورج کے وجود سے انکار کے مترادف ہوگا۔

اسماء گرامی علماء حجاز و بلاد اسلامیہ

علماء مکہ مکرمہ

۱۔ شیخ محمد صالح بن شیخ صدیق کمال — مفتی حنفیہ
۲۔ شیخ محمد سعید بن محمد بابصیل — مفتی شافعیہ
۳۔ شیخ عبداللہ بن حمید — مفتی حنابلہ
۴۔ شیخ محمد عابد — مفتی مالکیہ

۵۔ شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سراج — مفتی حنفیہ
۶۔ شیخ احمد ابوالخیر عبداللہ مراد — رئیس الخطباء والائمہ بالمسجد الحرام
۷۔ سید اسمٰعیل بن خلیل
۸۔ شیخ محمد جمال بن محمد امیر بن حسین — مفتی مالکیہ
۹۔ شیخ محمد صالح بن محمد بافضل امام شافعیہ مسجد حرام
۱۰۔ شیخ عبدالرحمٰن بن احمد دہان
۱۱۔ شیخ محمد علی بن شیخ صدیق کمال حنفی — مدرس مسجد حرام
۱۲۔ شیخ علیب محمود — مدرس حرم شریف
۱۳۔ شیخ محمد بن واضح حسنی ادریسی — مدرس حرم شریف
۱۴۔ شیخ عبداللہ بن محمد صدقہ — مدرس مسجد حرام
۱۵۔ شیخ عمر بن ابی بکر باجنید — مدرس مسجد حرام
۱۶۔ شیخ ابوحسین محمد مرزوق — مدرس مسجد حرام
۱۷۔ شیخ محمد علی بن حسین امام مالکیہ — مدرس مسجد حرام
۱۸۔ شیخ اسعد بن احمد دہان — مدرس مسجد حرام
۱۹۔ شیخ محمد مختار بن عطار دالجادی — مدرس مسجد حرام
۲۰۔ شیخ محمد یوسف خیاط وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین

علماء مدینہ طیبہ

۲۱۔ شیخ عثمان بن عبدالسلام داغستانی — مفتی مدینہ منورہ
۲۲۔ شیخ احمد الجزائری بن سید احمد مدنی — مفتی مالکیہ مدینہ طیبہ
۲۳۔ شیخ محمد تاج الدین بن محمد مصطفی الیاس حنفی — مفتی مدینہ منورہ
۲۴۔ شیخ عبداللہ نابلسی حنبلی — مسجد نبوی
۲۵۔ شیخ محمد عبدالباری بن سید محمد امین رضوان — مسجد نبوی
۲۶۔ شیخ محمد سعید بن محمد الحسنی الادریسی القادری — مسجد نبوی
۲۷۔ شیخ احمد اسعد الکیلانی حسنی وحسینی — حماہ شریف
۲۸۔ شیخ عبدالقادر بن سودۃ القرشی — مسجد نبوی
۲۹۔ شیخ مصطفیٰ بن نارزی بن نمروز مالکی — مسجد نبوی
۳۰۔ شیخ عبدالرحمٰن ودیدار المصری — مدرس مسجد نبوی
۳۱۔ شیخ حسین بن عبدالقادر طرابلسی — مدرس مسجد نبوی
۳۲۔ سید احمد علوی بن سید احمد بانقیہ حسین علوی — مفتی شافعیہ
۳۳۔ شیخ عباس بن رضوان — مسجد نبوی
۳۴۔ شیخ احمد بن سید احمد حسینی شیخ مالکیہ — مسجد نبوی
۳۵۔ سید احمد علی الہندی رامپوری — مہاجر مدنی
۳۶۔ شیخ علی بن احمد — مسجد نبوی
۳۷۔ شیخ غلام محمد برہان الدین بن شیخ نور الحسن
۳۸۔ شیخ محمد عبدالوہاب بن محمد یوسف — مسجد نبوی
۳۹۔ شیخ احمد بن محمد السفاری العباسی
۴۰۔ شیخ موسیٰ علی شامی ازہری مدنی
۴۱۔ شیخ یٰسین الخیاری — مسجد نبوی
۴۲۔ شیخ عبدالرحمٰن ودیدار المصری — مدرس مسجد نبوی
۴۳۔ شیخ محمد توفیق الایوبی الانصاری — مدینہ طیبہ
۴۴۔ شیخ عبدالوہاب — مدینہ طیبہ
۴۵۔ شیخ محمد کریم اللہ — مہاجر مدنی
۴۶۔ شیخ محمد یعقوب بن شیخ محمد رجب — مدرس مسجد نبوی
۴۷۔ شیخ محمد یسین بن سعید — مسجد نبوی
۴۸۔ شیخ حسین بن محمد
۴۹۔ شیخ محمد سعید بن محمد الحسنی الحسینی الادریسی القادری
۵۰۔ شیخ علی الرحمانی — مدینہ طیبہ وغیرہم رضوان اللہ اجمعین

دیگر بلاد اسلامیہ

۵۱۔ شیخ عبدالرحمٰن احمد حنفی — مدرس جامعہ ازہر
۵۲۔ شیخ ابراہیم عبدالمعطی السقا — مدرس جامعہ ازہر
۵۳۔ شیخ الجامع الازہری الدمشقی القسطنطینی
۵۴۔ شیخ محمد یوسف بن اسمٰعیل نبہانی بیروت
۵۵۔ شیخ محمد امین — دمشقی
۵۶۔ شیخ محمد سعید بن عبدالقادر — بغدادی
۵۷۔ شیخ محمد یحییٰ المکتبی الحسینی — دمشقی
۵۸۔ شیخ حمدان ولیلسی — قسطنطینی الجزائری
۵۹ شیخ یوسف عطا مدرس درگاہ قادریہ بغداد شریف وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین

مولانا عبداللہ بن صدیق مفتی حنفیہ

فاضل بریلوی کی قیام گاہ ۲۳ر صفر ۱۳۲۴ھ تک مرجع عوام و خواص بنی رہی۔ صبح سے بارہ بجے شب تک علمی مذاکرے ہوتے سندوں اور اجازتوں کے حصول کا سلسلہ جاری رہتا۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت سنکر تمام علماء خود ہی فرودگاہ رضویہ پر تشریف لاتے۔ اور اکتساب فیض کرتے۔ شیخ الدلائل حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ

قیام مکہ مکرمہ کی چالیس سال کی مدت میں کبھی شریف مکہ کے یہاں تشریف نہ لے گئے لیکن آں جلالت علمی و کبر سنی فاضل بریلوی کی قیام گاہ پر دوبار تشریف لائے۔ صرف ایک شخصیت ایسی تھی جو فاضل بریلوی کی ملاقات کے لئے ان کے قیام گاہ پر نہ آسکی۔ مکہ مکرمہ میں مفتی حنفیہ کا درجہ شاہ حجاز کے بعد سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت اس منصب عظیم پر حضرت شیخ عبد اللہ بن صدیق فائز تھے۔ فاضل بریلوی کے علمی کمالات کی شہرت نے بالآخر انھیں بھی ملاقات و زیارت کا مشتاق بنا دیا۔ اپنے ایک مخصوص شاگرد کو بھیجا کہ ملاقات کا کوئی پر سکون وقت متعین ہو جائے۔ اس نے بارگاہ رضویہ میں حاضری دی اور یہ گزارش کیا "حضرت مولانا عبد اللہ بن صدیق مفتی حنفیہ نے بعد سلام فرمایا ہے کہ میں آپ کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں"۔ آپ ملاقات کا کوئی وقت متعین کرنا ہی چاہتے تھے کہ حضرت مولانا سید محمد اسمعیل جو بغل میں بیٹھے ہوئے تھے وہ بول اٹھے قسم بخدا یہ نہیں ہو سکتا کہ تمام علمائے کرام تو خود تشریف لائیں اور آپ ان کے پاس حاضر ہوں۔ اس جلیل القدر عالم کی اس بات نے آپ کو پس و پیش میں ڈال دیا۔ لیکن تقدیر الہٰی میں ایک نئی شان سے ملاقات ہونا مقدر تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ اسی دوران شیخ مولانا عبد اللہ مرداد امام حرم شریف اور مولانا حامد محمد احمد جدادی نے بسلسلۂ نوٹ بارہ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء فاضل بریلوی کے پاس بھیجا۔ آپ نے ایک مبسوط کتاب بنام "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" کی شکل میں جواب دیا۔ ۲۳ محرم ۱۳۲۴ء کو اس کی تکمیل ہوئی۔ محافظ کتب خانہ حرم شریف شیخ سید مصطفےٰ چونکہ نہایت خوشخط عالم تھے اس لئے ان کو یہ کتاب تبییض کے لئے دیدی گئی مبیضہ کی تصحیح کے لئے ۲۴ محرم ۱۳۲۴ھ کو ایک بار آپ کتب خانہ پہونچے تو دیکھا کہ ایک عظیم المرتبت عالم "کفل الفقیہ الفاھم" کے مطالعہ میں مشغول ہیں۔ اور جب وہ اس مقام پر پہونچے جہاں فاضل بریلوی نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل کی تھی "لو باع کاغذۃً بالف یجوز ولا یکرہ" یعنی اگر کوئی شخص اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بھی بیچے تو بلا کراہت جائز ہے تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر فرط مسرت سے ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔

این جمال بن عبد اللہ من ھذا النص الصریح۔ حضرت جمال بن عبد اللہ (جو سابق مفتی حنفیہ تھے اور ان سے بھی نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا کوئی تشفی بخش جواب چونکہ اس وقت ان کو مستحضر نہ تھا۔ اس لئے بات اپنی جگہ جوں کی توں ہی پڑی رہ گئی) اس نص صریح سے کہاں غافل رہ گئے۔

فاضل بریلوی اپنے مبیضہ کی تصحیح میں بدستور مصروف رہے۔ ان دونوں حضرات میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے ابھی تک متعارف نہ تھا۔ کوئی مسئلہ الجھا ہوا تھا جسے دیکھنے کے لئے شیخ مولانا عبد اللہ بن صدیق نے کچھ کتابیں نکلوائیں تاکہ ان میں سے عبارتیں نقل کریں۔ اتفاقاً انھوں نے ایک دوات ایسی کتاب پر رکھ دی جس کا نہ وہ مطالعہ کر رہے تھے اور نہ ہی اس سے کچھ نقل کر رہے تھے۔ فاضل بریلوی نے بغیر اعتراض فرمائے کتاب سے دوات اتار کر دوسری جگہ رکھ دیا۔ مفتی حنفیہ بول اٹھے۔ کیوں جناب "بحر الرائق" کتاب الکراہیت میں تو یہ تصریح ہے کہ دوات کتاب پر رکھی جائز ہے۔ آپ نے مختصراً جواب دیا مگر بضرورت

جائز ہے جیسے ہوا کی وجہ سے کتاب کے اوراق اڑتے ہوں۔ انھوں نے ارشاد فرمایا۔ میں لکھنا ہی تو چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ مگر ابھی لکھ تو نہیں رہے تھے .... اس کے بعد حضرت مفتی حنفیہ خاموش ہو گئے اور سید اسمعیل محافظ کتب خانہ حرم سے دریافت فرمایا کہ یہ کون عالم ہیں۔ مولانا اسمعیل نے کہا یہی مولانا احمد رضا خاں ہیں جن کی کتاب "کفل الفقیہ الفاھم" کا آپ ابھی ابھی مطالعہ فرما رہے تھے مفتی حنفیہ فوراً فاضل بریلوی سے گرمجوشی کے ساتھ ملے مگر چہرے پر کچھ خجالت محسوس ہو رہی تھی .... پھر اس کے بعد دونوں حضرات کتب خانہ سے تشریف لے گئے (ص ۲۴۳ تا ۲۴۶ سوانح اعلیٰحضرت از مولانا بدر الدین رضوی)

شاہ حجاز کا دربار اور الدولۃ المکیہ

علمائے کرام کے درمیان فاضل بریلوی اور ان کی کتاب الدولۃ المکیہ کی مقبولیت کا حال آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے۔ اب شاہ حجاز کے دربار کا بھی تھوڑا سا حال پڑھ لیجے۔ شاہ حجاز نے تو گویا کتاب کی افادیت و مقبولیت پر سرکاری مہر لگا دی اور مخالفین کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں اپنی موت آپ مر گئیں اور وہ اپنے مقصد میں خائب و خاسر رہے۔

شاہ حجاز کا دربار نماز عشاء کے بعد سے بارہ بجے شب تک لگا رہتا تھا اور عوام و خواص اپنی اپنی عرضداشتیں پیش کرتے۔ رئیس العلماء مولانا صالح کمال ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو دربار شاہی میں پہونچے اور دربار میں کتاب پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ امام احمد رضا نے وہ علم ظاہر کیا جس کے انوار چمک اٹھے اور جو ہمارے خواب میں بھی نہ تھا۔ شریف علی پاشا نے کتاب پڑھنے کا حکم دیا۔ مولانا صالح کمال نے پڑھنا شروع کیا۔ مخالفین درمیان میں بار بار اعتراضات کرتے کہ کہیں یہ کتاب ہماری موت کا سامان نہ بن جائے اور ہمیں کوئی پوچھنے والا بھی نہ رہ جائے۔ معترضین میں "احمد نگیہ" اور "عبد الرحمٰن اسکوبی" پیش پیش تھے۔ مولانا صالح کمال نے دو ایک اعتراضات کے دنداں شکن جواب دیئے مگر جب ان کی نیت سمجھ گئے تو شریف علی پاشا کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا "آپ کا کیا حکم ہے میں کتاب پڑھوں یا ان کے اعتراضات کے جوابات دوں" شریف نے کہا "اقرأ" "آپ کتاب پڑھ کر سنائیے۔ فرمان شاہی کے بعد مخالفین کی زبان بند ہو گئی اور کتاب پڑھ کر سنائی جانے لگی۔ الدولۃ المکیہ کے دلائل و براہین جو کتاب و سنت کی روشنی میں نہایت ٹھوس اور مستحکم تھے انھیں سنکر شریف علی پاشا نے بآواز بلند کہا۔ "اللہ یعطی وھؤلاء یمنعون" خدا تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرماتا ہے اور یہ اسے روکتے ہیں۔ بارہ بجے تک اس کتاب کا نصف حصہ ختم ہوا۔ اب دربار برخاست ہونے کا وقت آگیا اس لئے شریف نے مولانا صالح کمال سے کہا کہ آپ یہاں نشانی رکھ دیجئے آپ نے وہیں رکھ دیا اور وہ کتاب پھر انھیں کے پاس رہ گئی۔ اور اصل کتاب سے دیگر علمائے کرام نے نقلیں حاصل کیں۔

علمائے کرام اور شاہ حجاز کے دربار میں جب مخالفین کو ناکامی ہوئی تو انھوں نے تیسرے دربار کا رخ کیا۔ اس وقت کے گورنر مدینہ راتب پاشا ایک جاہل مگر دیندار شخص تھے۔ وہ روزانہ عصر بعد طواف خانۂ کعبہ کیا کرتے تھے۔ احمد نگیہ اور عبد الرحمٰن اسکوبی نے سوچا کہ شریف

پاشا ایک عقلمند اور تعلیم یافتہ شخص تھا اس لئے اس کے سامنے ہمارا کوئی بس نہ چل سکا۔ یہ جاہل و ناخواندہ ہے۔ اس کو ہم کسی طرح اپنے دام فریب میں پھنسا لیں۔ یہ سوچ کر انھوں نے شیخ عبدالقادر شیبی جو اس وقت نائب الحرم کہے جاتے تھے ان کو بھی اپنا ہمنوا بنا کر راتب پاشا کے پاس پہونچے اور طواف کے بعد عرض کیا کہ ایک ہندی عالم آیا ہے اور وہ عربوں کے عقائد بگاڑنے کی کوشش کر رہا ہے اس کے بعد اس نے سوچا کہ آخر یہ گورنر یہ سوچ سکتا ہے کہ علماء حرمین کی موجودگی میں ایک ہندی عالم کیوں کر عربوں کے عقائد خراب کر سکتا ہے۔ اس لئے اس نے مجبوراً چند مقتدر ہستیوں کے نام بھی گنائے کہ یہ لوگ بھی اس کے ہمنوا ہو گئے ہیں مثلاً کبیر العلماء شیخ ابوالخیر مرداد۔ رئیس العلماء شیخ صالح کمال۔ شیخ العلماء سید محمد سعید بابصیل وغیرہم۔

اس کے بعد راتب نے عبدالقادر کو ایک زوردار طمانچہ رسید کیا اور کہا کہ یا خبیث بن الخبیث یا کلب ابن الکلب اذا کان ھؤلاء معہ فہو ۔ ام یصلح اے خبیث جب یہ عظیم القدر ہستیاں بھی اس کے ساتھ ہیں تو وہ فساد برپا کرے گا یا اصلاح کرے گا۔

جس مرد مجاہد کو غیبی تائید اور حق کی نصرت و حمایت حاصل تھی اسے یہ چند فتنہ پرور عناصر کس طرح زیر کر سکتے تھے۔ حق ہمیشہ سربلند رہتا ہے اور اس کے سامنے بالآخر تمام طاغوتی طاقتیں سپر ڈالنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین

المعتقد المنتقد (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)

حضرت علامہ فضل رسول بدایونی کی ایک جلیل القدر تصنیف ہے جس پر علامہ فضل حق خیرآبادی (مجاہد جنگ آزادی) مفتی محمد صدرالدین آزردہ دہلوی، حضرت مولانا احمد سعید رام پوری و علامہ حیدر علی کی تقریظات ہیں۔ اس پر فاضل بریلوی نے تعلیقات وحواشی کا اضافہ فرماکر "المعتمد المستند" (۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء) نام رکھا۔ اور ان تعلیقات کا خلاصہ کرکے علماء عرب کے سامنے پیش کیا۔ الدولۃ المکیہ ہی کی طرح اس پر بھی علماء نے دل کھول تقریظیں لکھیں۔ جنھیں بعد میں مرتب کرکے "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کیا گیا۔ المعتمد المستند کے بنیادی مباحث یہ تھے۔ جن کی تردید کی گئی تھی۔

(۱)۔ تکذیب انبیاء و رسل و انکار ختم نبوت۔

(۲)۔ نص قطعی سے انکار وسعت علم نبوی و اثباتِ علم شیطان۔

(۳)۔ امکانِ وقوع کذب باری تعالیٰ۔

(۴) نبی کریم صلی اللہ کے بعد بعثت انبیاء مستبعد نہیں۔

(۵) علم غیب رسول علیہ السلام کو بچوں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ۔

المعتمد المستند کے خلاصہ میں فاضل بریلوی نے ان عقائد و نظریات کا باطل ہونا اور ان کے ماننے والوں کا کافر ہونا قرآن واحادیث کے ناقابل تردید دلائل وشواہد کی روشنی میں ثابت کیا اور اسے (۲۱ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ) کو علماء عرب کے سامنے پیش کیا۔ جس نے ہر ایک نے اتفاق کیا۔ اور اپنی تصدیقات وتوثیقات سے "حسام الحرمین" کو نوازا۔

تقریظات علماء کرام

(۱) شیخ سید اسمٰعیل بن خلیل محافظ کتب خانہ حرم مکہ مکرمہ

واحمد اللہ تعالیٰ علیٰ ان تیض ھذا العالم العامل والفاضل الکامل صاحب المناقب والمفاخر۔ مظہر کم ترك الاول للآخر فرید العصر وحید الدھر مولانا الشیخ احمد رضا خاں سلمہ اللہ الرب المنان۔ لابطال حججھم الداحضۃ بالآیات والاحادیث القاطعۃ۔ کیف لا وقد شہد لہ عالمو مکۃ بذالك ولو لم یکن بالمحل الارفع لما وقع منھم ذلك بل اقول لو قیل فی حقہ انہ مجدد ھذا القرن لکان حقا وصدقا۔

اور میں خدا کی حمد بجا لاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر فرمایا جو فاضل کامل ہے۔ مناقب ومفاخر والا۔ اس مثل کا مظہر کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے یکتائے زمانہ اپنے وقت کا یگانہ مولانا شیخ احمد رضا خاں پروردگار عالم انھیں سلامت رکھے تاکہ وہ (مخالفین کی) بے ثبات حجتوں کا آیات قرآنیہ اور احادیث قطعیہ سے رد فرماتے رہیں اور وہ ایسا کیوں نہ ہو کہ علماء مکہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں۔ اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علماء مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو بیشک حق اور صحیح ہے۔

(حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (مرتبہ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء ص ۱۴۰-۱۴۲ مطبوعہ لاہور)

(۲) علامہ شیخ صالح کمال مفتی حنفیہ مکہ مکرمہ

لاسیما العالم العلامۃ بحر الفضائل وقرۃ عیون العلماء الاماثل مولانا الشیخ المحقق برکۃ الزمان احمد رضا خان البریلوی حفظ اللہ والبقاہ

بالخصوص اس عالم دین پر (رحمتیں نازل فرما) کہ جو فضائل کا دریا ہے اور ان علماء عمائد کی آنکھوں کی ٹھنڈک۔ زمانے کی برکت مولانا الشیخ المحقق احمد رضا خاں بریلوی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے اور سلامت رکھے (آمین) (حوالہ مذکورہ ص ۱۳۰)

(۳) شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ مرداد۔ خطیب مسجد الحرام مکہ مکرمہ۔

فھو کنز الدقائق۔ المنتخب من خزائن الذخیرۃ وشمس المعارف المشرقۃ فی الظہیرۃ کشاف مشکلات العلوم فی الباطن والظاھر یحق لکل من وقف علیٰ فضلہ ان یقول کم ترك الاول الآخر

وانی وان کنت الاخیر زمانہ ۔۔۔ لآت بمالم تستطعہ الاوائل

ولیس علی اللہ بمستنکر ۔۔۔ ان یجمع العالم فی واحد

تو وہ باریکیوں کا خزانہ محفوظ گنجینوں سے چنا ہوا۔ اور معرفت کا آفتاب نصف النہار ہے۔ علوم کی مشکلات ظاہر و باطن کا گرہ کشا جو اس فضل پر آگاہ ہے اس کے لئے سزاوار ہے

کہ کہے کہ اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ میں اگرچہ اخیر زمانے میں آیا ہوں مگر وہ چیز لایا ہوں جو اگلے نہ لاسکے۔ خداوند تعالیٰ کے لئے یہ بات غیر ممکن نہیں کہ وہ ایک شخص میں ایک جہان سمودے (ص ۱۲۷ - ۱۲۸)

(۴) شیخ عابد حسین مفتی مالکیہ مکہ مکرمہ

علماء مشاہیر کا سہ دار معزز فاضلوں کا سرمایۂ افتخار، سعادت دین وملت، محمود سیرت، ہر کام میں پسندیدہ، صاحب عدل، عالم باعمل صاحب احسان حضرت مولانا احمد رضا خاں تو اس نے اس بات میں (یعنی گستاخان رسول علیہ التحیۃ والثناء کو کافر گردانا) فرض کفایہ ادا کر دیا۔ (ص ۱۵۴)

(۵) سید احمد بن سید اسمٰعیل الحسینی البرزنجی۔ مفتی شافعیہ مدینہ طیبہ

اے علامہ کامل شہیر و مشہور صاحب تحقیق و تنقیح۔ صاحب تدقیق و تزئین عالم اہلسنت والجماعت شیخ احمد رضا خاں بریلوی (اللہ اس کی تمناؤں کو پوری فرمائے اور اس کی بلندیوں کو باقی و دائم رکھے) میں نے آپ کی کتاب "المعتمد المستند" کے خلاصہ کا مطالعہ کیا تو میں نے اس کو قوت و نقد کی انتہائی بلندیوں پر پایا (ص ۲۳)

(۶) شیخ اسعد بن احمد دہان مدرس حرم شریف مکہ مکرمہ۔

یہ عظمت والا رسالہ میرے علم میں آیا جس کا مصنف نادر روزگار اور خلاصہ لیل و نہار ہے۔ وہ علامہ جس کی وجہ سے پچھلے اگلوں پر فخر کرتے ہیں۔ عالم زمانہ جس نے اپنے روشن بیان سے سحبان فصیح البیان کو بے زبان کر دیا سیدی و سندی شیخ احمد رضا خاں بریلوی (ص ۱۰)

(۷) شیخ محمد یوسف علیہ الرحمہ مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

یہ رسالہ میرے علم میں آیا جسے علامہ فاضل اور دریائے علم و دانش نے تصنیف فرمایا ہے جو اللہ کی مضبوط رسی تھامے ہوئے ہے۔ دین و شریعت کے منارۂ نور کا محافظ، وہ کہ زبان بلاغت جس کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے اس کے حقوق و احسانات کی خدمت سے عاجز ہے وہ کہ جس کے وجود پر زمانے کو ناز ہے۔ مولانا شیخ احمد رضا خاں وہ ہمیشہ اس ہدایت پر گامزن رہے۔ اور بندوں کے سروں پر فضل و احسان کے پرچم بلند کرتا رہے (ص ۱۷۰)

(۸) شیخ حامد احمد محمد جداوی مکہ معظمہ

میں نے یہ مختصر رسالہ مطالعہ کیا۔ رسالہ کیا ہے یہ تو خالص سونے کی ڈلی ہے۔ یا یا قوت و زبرجد اور موتیوں کی لڑیوں کا دانہ ہے جسے بیشوائے معتمد عالم باعمل فاضل متبحر، دریائے بیکراں، محیط کامل، محبوب و مقبول و مرغوب، ستودہ اقوال و افعال، مولانا شیخ احمد رضا خاں کے قابل قدر، ہاتھوں نے صراط مستقیم کی لڑی میں پرو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور جملہ مسلمانان عالم کو ان کی زندگی سے نفع عطا فرمائے (ص ۱۹۶)

(۹) شیخ سعید بن سید محمد المغربی شیخ الدلائل مدینہ طیبہ

جب شک و شبہ کی اندھیری رات چھا جاتی ہے تو وہ اپنے آسمان علم سے چودھویں کا چاند چمکاتا ہے۔ اسطرح نسلاً بعد نسلٍ علماء کاملین و ناقدین کے ہاتھوں شریعت مطہرہ تغیر و تبدل سے محفوظ رہی اور ان جلیل القدر علمائے میں سے کثیر الفہم عظیم العلم حضرت مولانا احمد رضا خاں ہیں۔ (ص ۲۱۳، ۲۱۵)

(۱۰) شیخ عمر بن حمدان المحرسی مالکی الاشعری مدینہ طیبہ

جناب شیخ احمد رضا نے اپنے خلاصہ میں جو تحریر فرمایا ہے۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا یہ خلاصہ ان کی کتاب موسوم بالمعتمد المستند سے ماخوذ ہے۔ لہٰذا مطالعہ میں نے محسوس کیا کہ مصنف نے تحقیق کا حق ادا کر دیا مصنف کی تعریف و توصیف اللہ کے لئے ہے۔ وہ مصنف جو خوب جاننے والا، خوب سمجھنے والا اور سوچنے والا ہے اور ایسی روشن تحقیق کرنے والا ہے جس سے تمام پہلو روشن و منور ہو جاتے ہیں (ص ۲۲)

یہ اور اسطرح کی دوسری بہت سی تقریظات و تصدیقات ہیں جن کے ایک ایک حرف عقیدت و احترام اور اعتراف علم وفضل کے جذبات سے لبریز نظر آتے ہیں

خلاصۃ المعتمد المستند پر تقریظات لکھنے والے علماء کرام کے اسماء گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اسماء گرامی علماء حرمین طیبین

علماء مکہ مکرمہ

	نام	منصب
۱۔	شیخ صالح کمال	مفتی حنفیہ
۲۔	شیخ محمد سعید بابصیل	مفتی شافعیہ
۳۔	شیخ عابد بن حسین	مفتی مالکیہ
۴۔	شیخ علی بن صدیق کمال	سابق مفتی حنفیہ
۵۔	شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد	خطیب مسجد حرام
۶۔	شیخ اسمٰعیل بن خلیل	محافظ کتب حرام
۷۔	شیخ علی بن حسین مالکی	مدرس مسجد حرام
۸۔	شیخ عبدالحق مہاجر مدنی	
۹۔	شیخ عمر بن ابی بکر جنید	
۱۰۔	شیخ سید مرزوقی ابوحسین	
۱۱۔	شیخ محمد علی بن حسین مکی	
۱۲۔	شیخ اسعد بن دہان	مدرس حرم شریف
۱۳۔	مولانا محمد یوسف افغانی مہاجر مکی	مدرس مدرسہ صولتیہ حرم شریف
۱۴۔	شیخ محمد یوسف خیاط	
۱۵۔	شیخ محمد عبدالکریم ناجی داغستانی	
۱۶۔	شیخ احمد محمد جداوی	
۱۷۔	شیخ جمال بن محمد بن حسین	
۱۸۔	شیخ عبدالرحمان دہان	

فقیہ ہے۔ اسی وقت سے میں ان کے فتاویٰ کی تلاش میں ہوں مگر ابھی تک دستیاب نہ ہو سکے مجھے
اس وقت اپنی جماعت کے اشاعتی میدان کی تہی دامنی سے بے پناہ اذیت کا احساس ہوا اور
روحانی قلق پہونچا کہ ہماری بے اعتنائی وکاہلی کتنے جویائے حق اور تشنہ کاموں کے اضطراب
وبے چینی کا باعث ہے۔ بہر حال میں نے اسی وقت الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا عربی میں
تعارفی کتابچہ۔ المعتقد المنتقد (مطبوعہ استنبول۔ ترکی) اور الدولۃ المکیہ کے ایک
ایک نسخے کسی طرح تلاش کر کے حوالہ کر دیا (ان کتابوں کا انتظام معلوم ہونے کے بعد ہی کر لیا تھا)
اور اطمینان دلایا کہ بہت جلد میں فتاویٰ رضویہ آپ کے نام ارسال کر دوں گا۔ اس کے بعد انھوں
نے عربی رسائل وپمفلٹ "رسالۃ المسترشدین للحارث المحاسبی صفحات
من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل" وغیرہ بطور ہدیہ عنایت فرمایا جن پر اپنے ہاتھ
سے یہ بھی لکھا۔ ھدیۃ الی الاخ المحب الحبیب فی اللہ تعالیٰ الشیخ محمد مبین
اختر الاعظمی نفع اللہ بدینہ وعلمہ واکرمہ تنبو قبیقہ ...... من اخیہ عبد الفتاح
ابی غدہ ۲۸ر ۱۰ر ۱۳۹۵ھ فی لکھنؤ۔ اس کے بعد پھر ہم لوگ واپس چلے آئے۔

امام احمد رضا کی زندگی سے لیکر آج تک تسلسل وتواتر کے ساتھ علماء اسلام کا یہ اعتراف
علم وفضل اور بے پناہ جذبۂ عقیدت واحترام ہمیں اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ فاضل بریلوی
ایک غیر معمولی اور اپنے وقت کی بے مثال شخصیت کا نام ہے۔

الصوارم الہندیہ

علماء حرمین طیبین اور وہاں پر موجود عالم اسلام کے دوسرے فضلاء واکابر کی تصدیقات
وتوثیقات کے بعد جب حسام الحرمین ہندوستان آئی تو وہاں پر خلاصہ المعتمد المستند
کے باقیماندہ نقول کی وجہ سے تقریظات کی آمد کا سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ یہاں بھی
مشاہیر علماء اسلام کی تصدیقات کے حصول کا سلسلہ چلایا گیا تاکہ فاضل بریلوی کے
فتاویٰ اور ان کے علم وفضل ان کی حق پرستی ودین پروری پر جملہ علماء عالم کی مہر تصدیق ثبت
ہو جائے۔

چنانچہ مارہرہ مطہرہ، اجمیر شریف، جبل پور، کچھوچھہ مقدسہ، دربار علی پور سیدان
(پنجاب) منظر اسلام بریلی، دار الافتاء مراد آباد، انجمن حزب الاحناف لاہور، آرہ،
بانکی پور پٹنہ، سیتاپور، ریاست جلال آباد، ضلع فیروز پور پنجاب، مظفر پور، بھاولپور
پنجاب، سیالکوٹ، راجپوتانہ لودھیانہ، دہلی منٹر نگ لاہور، ایٹہ، مدراس، ضلع جہلم
سنبھل، داودن علی گڑھ، شاہجہاں پور، بنگلور، امروہہ، جالندھر، ہوشیار پور، وزیر
آباد، رام پور، کانپور، آنولہ، ہلدوانی نینی تال، مان بھوم، حیدرآباد دکن، سورت،
بھڑوچ گجرات، بدایوں، بھیرٹی، پشاور، فرنگی محل لکھنؤ، سراج گنج بنگال، بلیا، نیچ پور سوہ،
کاٹھیاوار، جونا گڑھ، بڑودہ، سلطان کوٹ سندھ، بکھر سندھ، ڈیرہ غازی خاں پنجاب
وغیرہ وغیر منقسم ہندوستان کے دو سو اٹھتر ۲۷۸ علماء ومشائخ وجلیل القدر مفتیوں نے اپنے اپنے
فتاویٰ میں حسام الحرمین کی تصدیق کی (الصوارم الہندیہ مطبوعہ برقی پریس مراد آباد)

ان تمام تصدیقات وتقریظات اور حرمین طیبین میں مشاہیر علماء اسلام کی طرف سے
فاضل بریلوی کی تحسین وآفریں۔ اعزاز واکرام۔ اعتراف علم وفضل مجددیت پر اتفاق اور خلاصۂ
لیل ونہار قرار دینے کے بعد یہ بات خود بخود ذہن ودماغ اور قلب کی گہرائیوں میں اتر جاتی
ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے زمانہ کے تمام علماء پر فائق علمائے عرب وعجم میں معظم
ومحترم اور ان کی بزم کے صدر نشین علم وفضل کے بحر زخار موجودہ صدی کے مجدد۔ آیۃ من
آیات اللہ۔ اور پروردگار عالم کی نعمتوں میں سے ایک عظیم ترین نعمت تھے۔

آپ نے گزشتہ صفحات میں اپنے ماتھے کی آنکھوں سے پڑھ لیا کہ مکہ مکرمہ۔ مدینہ طیبہ۔ یمن۔
شام۔ عراق۔ لبنان۔ مصر۔ الجزائر۔ اندلس۔ طرابلس۔ افغانستان۔ داغستان۔ ترکستان
اور غیر منقسم ہندوستان وغیرہ کے سیکڑوں مفسرین۔ محدثین۔ فقہاء۔ مشائخ اور مفتیان کرام
نے بریلوی کو مجدد دین وملت۔ محی السنۃ۔ امام الائمۃ قاضی القضاۃ۔ عاشق رسول۔ آفتاب
معرفت اصولی زماں متکلم دوراں۔ علامہ اجل۔ نادر دہر یکتائے روزگار۔ خلاصۂ لیل ونہار۔
صاحب مناقب ومفاخر شہنشاہ محققین ومصنفین علم وفضل کا وارث وامین، عقدہ کشائے
مشکلات ومغلقات، فاضل متبحر اور حقائق ومعارف کا بحر بیکراں (وغیرہ) کے معزز خطابات
سے نواز کر اپنی عقیدت واحترام کا وافر ثبوت فراہم کر دیا۔ اور زمانہ پر یہ روشن ہو گیا کہ اس
آخری دور میں آپ کی وہ عظیم شخصیت ہے جس کی جلالت علمی اور خدمات دینی کے سامنے علماء
عرب وعجم اپنا سر خم کئے ہوئے ہیں اور آپ ہی کی وہ منفرد شخصیت ہے جس نے عہد اخیر میں اپنی
خداداد صلاحیتوں سے کفر وطغیان اور تمرد وعصیان کی بلند وبالا عماراتوں کو خس وخاشاک
کی طرح بہا کر سلیم الفطرت انسانوں کی آبادیوں میں عظمت حق اور شوکت اسلام کا پرچم لہرا دیا۔

قابلِ توجّہ باتیں

(۱) انتخاب ترتیب و تدوین اور تصحیح کا کام انتہائی اہم ہوتا ہے۔ اسی احساس کے ساتھ یہ امور انجام دئے گئے ہیں پھر بھی بنحوائے الانسان مرکب من الخطاء والنسیان امام احمد رضا نمبر میں کوئی خامی نظر آئے تو مطلع فرمائیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر لی جائے

(۲) خیال تھا کہ امام احمد رضا نمبر کے قلم کاروں کا مختصر تعارف بھی شامل کیا جائے مگر کچھ تو قلت صفحات اور کچھ میٹر کی فراہمی میں تاخیر کے باعث اس کام کو دوسرے ایڈیشن کے لئے اُٹھا رکھا گیا۔

(۳) بہت سے مضامین، پیغامات بارگاہ امام احمد رضا میں منظوم نذر عقیدت اور مدارس اسلامیہ کے تعارف و تصاویر وغیرہ بھی قلت صفحات کی وجہ سے شامل نمبر نہ ہو سکے

(۴) انشاء اللہ تعالی المیزان امام احمد رضا نمبر کا ضمیمہ بھی شائع کریگا جسمیں بچے ہوئے مضامین مدارس کے فوٹو، امام احمد رضا کانفرنس کی رپورٹیں، امام احمد رضا نمبر پر تاثرات، تنقیدات اور تبصرے شامل کئے جائیں گے۔

(۵)

المیزان کی آئندہ پیشکش علامہ فضل حق نمبر ہوگی۔ مضمون نگار حضرات سے گذارش ہیکہ جنگ آزادی کے مجاہد اعظم پر مضامین ارسال فرمائیں۔

آپ کا
محمد احمد مصباحی

۱۹۔ شیخ مولانا احمد مکی (خلیفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی۔
مدرس مدرسہ صولتیہ حرم شریف

۲۰۔ شیخ محمد صالح بن محمد بافضل

۲۱۔ شیخ محمد سعید بن محمد یمانی مدرس مسجد حرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

علماء مدینہ طیبہ

۲۲۔ شیخ تاج الدین الیاس بن مصطفیٰ الیاس مفتی مدینہ

۲۳۔ شیخ سید شریف احمد برزنجی مفتی شافعیہ

۲۴۔ سید احمد الجزائری شیخ المالکیہ

۲۵۔ محمد سعید بن محمد المغربی شیخ الدلائل

۲۶۔ شیخ عمر بن حمدان محرسی مالکی اشعری

۲۷۔ سید محمد بن محمد حبیب مدنی دیداری

۲۸۔ عبدالقادر توفیق شلبی طرابلسی حنفی

۲۹۔ عثمان بن عبدالسلام داغستانی سابق مفتی مدینہ

۳۰۔ سید عباس بن جلیل محمد رضوان شیخ الدلائل

۳۱۔ محمد بن موسیٰ خیاری مدرس حرم شریف

۳۲۔ محمد بن وزیر مالکی مغربی اندلسی رضوان اللہ علیہم اجمعین

مشاہیر خلفاء

فاضل بریلوی اگر ایک طرف علم و فضل کے تاجدار اور میدان تحقیق و تدقیق کے شہسوار تھے تو دوسری طرف طریقت و تصوف کے رمز شناس اور امیر کشور ولایت بھی تھے اگر ایک طرف ان کا ذہن رسا بحر فلسفہ و حکمت کی غواصی کرکے آبدار موتیاں نکالتا تھا تو دوسری طرف ان کے سیال زبان و قلم سے معرفت کے چشمے بھی ابلتے تھے اور ان کی مجلسوں میں تصوف و اذکار کے بے شمار رموز و اسرار وا شگاف ہوتے تھے (جنھیں الملفوظ کی صورت میں چار جلدوں میں شائع بھی کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی کئی ایک کتابیں اس فن میں ہیں) جنھیں پڑھ کر بے شمار الجھی ہوئی گرہیں خود بخود کھل جاتی ہیں۔ اور ایک ایک بات دل کی گہرائیوں میں اتر کر اپنی جگہ بنالی چلی جاتی ہے۔ ان حقائق و معارف کی چوٹ براہ راست قلب و ضمیر پر پڑتی ہے اور پڑھنے والے کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل روشن ہو جاتا ہے۔

ابتدار مضمون ہی میں آپ شیخ حسین بن صالح کا وہ واقعہ پڑھ چکے ہیں جس میں انھوں نے آپ کو دیر تک بنظر غائر دیکھنے کے بعد فرمایا۔ انی لاجد نور اللّٰہ فی ھذا الجبین۔ یعنی میں اس پیشانی میں خدا کا نور پا رہا ہوں۔ ایک دوسرا واقعہ بھی پڑھتے چلیے۔ مشہور ہندوستانی عارف باللہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ۱۳۱۹ھ میں شیخ المحدثین حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمہ کی معیت میں الغرض ملاقات گنج مرادآباد تشریف لے گئے۔ حضرت گنج مرادآبادی کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو قصبہ سے باہر نکل آئے آپ کا استقبال کیا اور اپنا مخصوص مہمان بنایا۔ عصر کی بعد کا صحبت میں حاضرین کو مخاطب فرماتے ہوئے کہا مجھے آپ (فاضل بریلوی) میں نور ہی نور نظر آتا ہے۔ اور اپنی ٹوپی انھیں اڑھا دی اور ان کی ٹوپی خود اوڑھ لی۔

سفر حج کے موقع پر بے شمار علماء و مشائخ آپ کے سلسلے میں منسلک ہوئے اور آپ کی شانِ ولایت کے بجان و دل معترف ہوئے۔ غیر منقسم ہندوستان میں آپ کے خلفاء کی ایک کثیر تعداد پائی جاتی تھی۔ ذیل میں ہم غیر ہندی خلفاء میں سے چند ممتاز مشائخ و خلفاء کے اسمار گرامی درج کر رہے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ آپ کے فیوض و برکات کا سمندر عرب و عجم دونوں کو پوری طرح محیط ہے۔ اور ایک عالم نے آپ کے چشمہ فیض سے اپنی روحانی تشنگی بجھائی ہے۔

شیخ سید محمد اسمٰعیل مکی محافظ کتب خانہ حرم شریف۔ شیخ ابوالحسین محمد مرزوقی امین الفتوی مکی۔ شیخ صالح کمالی سابق مفتی حنفیہ۔ شیخ سید خلیل مکی۔ شیخ اسعد دھان مکی۔ شیخ عبدالحی بن سید عبدالکبیر کتانی حسنی ادریسی۔ خاصی محدث بلاد مغرب (افریقہ) شیخ علی بن حسن مکی۔ شیخ عبداللہ بن شیخ احمد ابوالخیر مرداد مکی۔ شیخ محمد عابد بن حسین مکی مفتی مالکیہ شیخ جمال بن محمد امیر مکی۔ شیخ بکر رفیع مکی۔ شیخ عبداللہ دحلان مکی۔ شیخ حسن عجیمی۔ شیخ سالم بن عیدروس حضرمی۔ شیخ سید علوی بن حسن الکاف الحضرمی۔ شیخ ابوبکر بن سالم حضرمی۔ شیخ سید محمد بن عثمان دحلان مکی۔ شیخ محمد یوسف مدرس مدرسہ رحمت اللہ مہاجر مکی شیخ ضیاء الدین مہاجر مدنی۔ شیخ الدلائل سید محمد سعید مدنی۔ شیخ عمر بن حمدان محرسی مدنی شیخ محمد مامون بری مدنی۔ شیخ احمد خضراوی مکی۔ شیخ عبداللہ فرید بن شیخ عبدالقادر کردی مکی وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

دورِ حاضر کے علماء عرب کی نظر میں

ایسا نہیں کہ فاضل بریلوی جب تک بقید حیات تھے اسی وقت تک علماء اسلام نے ان کی قدر و منزلت کی اور بعد میں انھیں بھلا بیٹھے.... بلکہ دور حاضر میں بھی ان کی اور ان کا اعزاز و اکرام اسی طرح برقرار ہے جیسا ان کے زمانہ میں تھا۔ اور ان کے علم و فضل کا اعتراف آج علمی و مذہبی حلقوں میں برملا کیا جاتا ہے اور عقیدت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء میں مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مدرس مدرسہ عربیہ اشرف العلوم گھوڑا مارا۔ راجشاہی (موجودہ بنگلہ دیش) حج و زیارت سے فارغ ہونے کے بعد جب اپنے وطن واپس آئے تو احباب کے اصرار پر انھوں نے سفر مبارک کے حالات و واقعات پر مشتمل ایک سفرنامہ بنام "سفرنامہ حرمین طیبین" ۱۹۶۰ء شائع فرمایا جس میں انھوں نے چند ایسے واقعات بھی تحریر فرمائے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آج بھی فاضل بریلوی سے علماء عرب پہلے ہی کی طرح متعارف ہیں۔ اور عرب معاصرین نے اپنی آنے والی نسلوں کے سینوں

میں آپ کی عقیدت و محبت کا بیج بو دیا ہے۔

حضرت شیخ مفتی سعد اللہ مکی سے مولانا غلام مصطفیٰ صاحب اور ان کے چند رفقاء بصورت وفد ملے تو انھوں نے فرمایا کہ بلاد عرب میں مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا ڈنکا بج رہا ہے اور علماء حرمین طیبین اعلیٰحضرت سے جس قدر واقف ہیں ہندوستان کے لوگ بھی اس قدر واقف نہیں۔ مفتی سعد اللہ مکی نے بطور آزمائش اس وفد کو شیخ سید محمد علوی مالکی قاضی القضاۃ مکہ مکرمہ کے پاس بھیجا جن کے والد ماجد فاضل بریلوی کے ہمعصر اور دوست تھے مفتی سعد اللہ نے یہ بھی سکھا دیا کہ آپ ان کے پاس جب پہونچیں تو صرف اتنا کہہ دیں کہ نحن تلاميذ تلاميذ اعلى الحضرة المولانا احمد رضا البريلوى رحمۃ اللہ علیہ پھر آپ دیکھئے گا کہ وہ کتنے احترام سے پیش آتے ہیں۔ جب یہ وفد ان کے دولت کدہ پر پہونچا تو تھوڑی دیر کے بعد ایک بزرگ تشریف لائے سلام و مصافحہ کے بعد مولانا غلام مصطفیٰ صاحب نے اپنا اور اپنے رفقاء کا تعارف کروایا اور وہی جملہ دہرایا کہ۔ نحن تلاميذ تلاميذ اعلى الحضرة المولانا احمد رضا خان البريلوى رحمۃ اللہ علیہ۔ یعنی ہم لوگ اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ قاضی القضاۃ سرو قد کھڑے ہو گئے۔ ایک ایک سے معانقہ کیا اور غایت درجہ شفقت و محبت سے پیش آئے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا نحن نعرفه بتصنيفاته وتاليفاته حبه علامة السنة وبغضه علامة البدعة یعنی ہم لوگ فاضل بریلوی کو ان کی تصنیفات سے جانتے ہیں۔ ان کی محبت سنت کی علامت ہے اور بغض بدعتی کی پہچان ہے۔ حاضرین اس شفقت و التفات سے دم بخود رہ گئے اور حیرت سے ہم لوگوں کا منہ دیکھتے رہے۔ قاضی القضاۃ بڑی دیر تک بار بار اعلیٰحضرت کے ذکر اور ان کی تعریف سے حاضرین کو محظوظ کرتے رہے۔

پھر دوسرے دن شیخ محمد مغربی الجزائری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نہایت شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کے عالم تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ سلسلۂ اعلیٰحضرت سے منسلک ہیں تو کھڑے ہو کر فرداً فرداً ہر ایک سے مصافحہ و معانقہ کیا اور عزت فرمائی اور فرمایا کہ فاضل بریلوی میرے ہمعصر اور دوست تھے۔ ہم آج بھی ان کے علم و فضل کے مداح ہیں۔ اور ہمیشہ انھیں دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ ایک روز حرم شریف میں بعد نماز مغرب ان کی نگاہ ان لوگوں پر پڑی تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے اٹھتے ہی مصر، یمن، ترکی وغیرہ کے بڑے بڑے علماء جو اس وقت وہاں موجود تھے وہ بھی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد شیخ نے ان لوگوں سے ان کا تعارف کرایا اور فاضل بریلوی کے حالات اور ان کے علم و فضل کا ذکر کیا۔

اسی طرح ایک اور عالم شیخ عبد الرحمان سے ملاقات کی جن کی عمر تقریباً اسّی سال کی تھی مگر جوانوں سے بھی زیادہ چست نظر آتے تھے۔ ان کا مکان حرم شریف سے متصل ہی تھا۔ ان کے پاس فاضل بریلوی کے عطا کردہ بہت سے تبرکات بھی تھے۔ انھوں نے بتایا کہ علماء حرمین شریفین جب فاضل بریلوی سے ملتے تو دست بوسی کرتے اور اتنا احترام کرتے کہ اتنا احترام میں نے کسی ہندی عالم کا نہیں دیکھا۔

ابھی چند ماہ پیشتر راقم سطور ایک کانفرنس (منعقدہ ۲۵ تا ۲۸ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۳۱ اکتوبر تا ۳ نومبر ۱۹۷۵ء) میں شرکت کے لئے لکھنؤ گیا تھا جس میں کثیر تعداد میں عرب علماء و شیوخ تھے۔ اس کانفرنس کی ایک امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ جملہ علوم نقلیہ و عقلیہ میں نادر روزگار ہندی علماء و حکماء کا ایک اجمالی نقشہ طغروں کی شکل میں پیش کیا گیا تھا۔ بے مثال شخصیتوں اور ان کے دینی و علمی کارناموں کی فہرست میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا بھی نام تھا اور ان کے نام کے سامنے ان کی دو کتابیں مندرج تھیں۔ عقائد و کلام کے نقشے میں "خالص الاعتقاد" اور فقہ میں "النیرۃ الوضیۃ"۔

امام احمد رضا کا نام پڑھ کر کئی علماء چونک اٹھے جیسے کوئی چیز اچانک انھیں یاد آ گئی ہو چند حضرات نے "این مجموعة فتاواه" یعنی فتاوی رضویہ کی بھی مانگ کی، لیکن انھیں یہ کہہ کر ٹرخا دیا گیا کہ یہاں موجود نہیں۔ ایک شامی عالم شیخ عبد الفتاح ابوغدہ استاذ کلیۃ الشریعۃ (محمد بن سعود یونیورسٹی) ریاض سعودی عرب نے جب ان چارٹوں کے مطالعہ کے بعد "این مجموعة فتاوى الشيخ الامام احمد رضا" کہا تو ایک مولوی صاحب نے انھیں گول مول جواب دینا چاہا۔ مگر حسن اتفاق سے ایک "صاحب" اور بھی ساتھ ہی میں تھے انھوں نے موقع غنیمت سمجھ کر درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ انما توجد فى هذه البلاد شیخ! فتاویٰ رضویہ یہاں موجود ہے۔ مولوی صاحب نے انھیں وہ ڈانٹ پلائی کہ بیچارہ نے وہاں سے کھسکنے ہی میں عافیت سمجھی...... خیر.... شدہ شدہ یہ خبر مجھ تک بھی پہونچی۔ میں نے کسی مناسب وقت میں تفصیلی ملاقات کی کوشش شروع کر دی (عام لوگوں کو ان کی قیام گاہ پر جانا ممنوع تھا۔ خاص خاص آدمی یا ڈیلیگیٹ ہی جا سکتے تھے) تقریب کے ایک پروگرام کے بعد میں نے ان سے دو منٹ گفتگو کی جس کے بعد انھوں نے روم نمبر ۱۴ کلارک اودھ ہوٹل لکھنؤ میں ڈھائی بجے ملاقات کا وقت دیا۔ کانفرنس کا آخری دن تھا۔ تین بجے انھیں دلی جانا تھا میں ڈھائی بجے ان کے روم میں پہونچ گیا۔ ساتھ میں ایک اور صاحب تھے جنھوں نے اس کام میں بڑی محنت و لگن کا ثبوت دیا۔ شیخ جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے سلام و مصافحہ کے بعد بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ خیریت پوچھی۔ اور ماحضر ناشتہ سے بھی ضیافت کی گفتگو میں بڑی شیرینی و حلاوت تھی۔ چہرہ بھی نورانی تھا۔ خیریت کے بعد میں نے پوچھا۔ سمعت انك تشتاق الى مجموعة فتاوى الشيخ الامام احمد رضا۔ نام سنتے ہی چہرہ دمک اٹھا اور فوراً بول اٹھے۔ ہاں! کیا آپ کے پاس ہے۔ میں نے کہا اس وقت تو نہ مل سکے گی مگر ان شاء اللہ بہت جلد آپ کے نام بذریعۂ ڈاک ارسال کر دوں گا۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کیف عرفت علمه وفضله۔ آپ امام احمد رضا کے علم و فضل سے کیسے متعارف ہوئے۔ اس سوال سے ان کے چہرے پر بشاشت اور لبوں پر تبسم کی لہر دوڑ گئی.... فرمایا۔ عطر بہرحال عطر ہی ہے۔ اسے کتنا بھی بند شیشی اور بند کمرے میں رکھا جائے مگر اس کی خوشبو اہل ذوق تک پہونچ ہی جاتی ہے۔ پھر کہا میرے ایک دوست کے پاس مجموعۂ فتاوی رضویہ تھا۔ وہ کہیں سفر پر جا رہے تھے۔ میری نظر اچانک اس کتاب پر پڑ گئی میں نے اٹھا کر مطالعہ کرنا شروع کیا۔ ایک عربی فتویٰ کا میں نے بغور مطالعہ کیا..... بس اسی ایک فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی بڑا متبحر عالم اور اپنے وقت کا زبردست

نرالے شاہ

ھوالاشرف

خلیفۂ مجاز حضرت شمس العارفین سید شاہ طفیل احمد اشرفی الجیلانی قدس سرہ (رہبر طریقت) پیر نرالے شاہ اشرفی

مستان تالاب، ناگپاڑہ، بمبئی ۴۰۰۰۰۸

کی جانب سے

امام احمد رضا کانفرنس منعقد کرنے پر آل انڈیا سُنّی لیگ کو

اور

امام احمد رضا نمبر پیش کرنے پر ادارۂ ماہنامہ المیزان بمبئی کو

ھدیۂ تبریک پیش ہے

گر قبول افتد زہے عز و شرف

آل انڈیا سُنّی لیگ

دنیا کی ہر تحریک خواہ وہ کسی نوعیت کی ہو کسی نہ کسی بے چینی کا واضح اظہار ہوتی ہے۔ مورخ و مصلح کا کمال یہ ہے کہ وہ کرب و اضطراب اور بے چینی کے ان گوشوں کو تلاش کرے جن سے تحریک کا جنم ہوتا ہے۔ کرب و اضطراب کا یہ اظہار جب تک نرم اور سبک رو ہوتا ہے ناقابل تذکرہ ہی رہتا ہے لیکن دور بین نگاہیں اس میں چھپی ہوئی اس شدت اور حدت کو بھانپ لیتی ہیں جو مستقبل قریب میں لاوا بن کر اُبلنے والا ہوتا ہے جس کو سیاسی زبان میں "انقلاب" کہتے ہیں۔

ملک کی آزادی کے ۲۵ سال بعد بھی ملّت اسلامیہ ہند طوائف الملوکی کا شکار اور ملک میں پیدا ہونے والے مسلم مسائل کے حل میں پے در پے ناکامیوں کا واحد سبب مسلمان کہلانے والے تمام فرقوں کے درمیان منافرت اور مسلم عوام میں غالب اکثریت رکھنے والے سنّی مسلمانوں کی غیر منظم زندگی ہے جس کو ملک کے قانون داں دانشور، مفکرین، سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں کے قائدین، علماء و مشائخین نے پوری شدت کے ساتھ محسوس کیا اور انھوں نے غور و فکر کے بعد ۲۱ نومبر ۱۹۷۳ء کو ایک سنّی عوامی تنظیم آل انڈیا سنّی لیگ کی بنیاد رکھی۔

آل انڈیا سنی لیگ، سنی مسلمانوں کی فعالیت کے ساتھ ہمہ گیر مسائل میں ملک گیر اساس اور صحت مند بنیادوں پر رہنمائی کے لئے عالم وجود میں آئی جو راسخ العقیدہ سنّی مسلمانوں کے مذہبی، تبلیغی، معاشرتی، معاشی، اقتصادی، تعلیمی، لسانی، تہذیبی، ثقافتی، اذعانی اور دستوری حقوق کے حصول و تحفظ و برقراری کی جدوجہد کرے گی اور عمومی مسلم مسائل کے حل کے سلسلے میں مسلمان کہلانے والے تمام فرقوں سے حسب ضرورت تعاون و اشتراک کیا جاسکے گا اور ملکی معاملات میں ابنائے وطن کے دوش بدوش رہے گی۔ آل انڈیا سنی لیگ غیر سیاسی تنظیم ہے۔ غیر سیاسی سے مراد یہ ہے کہ آل انڈیا سنی لیگ اپنے جماعتی ٹکٹ پر ملک کے کسی بھی قانون ساز ادارے کے لئے انتخابات میں امیدوار نامزد نہیں کرے گی لیکن سنّی مسلمانوں کی فلاح و بہبود و ترقی کے لئے سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں سے مشاورت، تعاون و اشتراک کیا جاسکے گا۔

آل انڈیا سنی لیگ تمام تحریکات سے الگ خدمت دین و ملت کے جدید ترین تصورات کو اپنے آغوش میں سموئے ہوئے ایک زندہ اور پائندہ تحریک ہے۔ آل انڈیا سنی لیگ کا یہ ایقان ہے کہ ملک کے سنی مسلمانوں کا اتحاد ہی ملک میں پیدا ہونے والے تمام مسلم مسائل کا حل ثابت ہوگا۔

میں اس بات پر کامل یقین رکھتا ہوں کہ صحیح العقیدہ سنی مسلمانان ہند ملک کے گوشہ گوشہ میں آل انڈیا سنی لیگ کے سبز و سرخ ہلالی پرچم کو لہرا کر اپنے اٹوٹ اتحاد کے ذریعہ ناقابل تسخیر قوم بن کر اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کو تابناک مستقبل عطا کریں گے۔

خادم سنّیت

محمد یسین انصاری

جنرل سکریٹری آل انڈیا سنی لیگ
57/E سانکلی اسٹریٹ جونی مسجد کمپاؤنڈ
بمبئی ۴۰۰۰۰۸
(مہاراشٹر)

فون: ۳۷۹۶۴۱
۳۷۲۲۶۶

جنگ آزادی کے مجاہد اعظم علامہ فضل حق خیرآبادی کی بارگاہ میں نذرِ عقیدت

المیزان

کا

آئندہ نمبر

علامہ فضل حق نمبر

ہوگا

مضمون نگار حضرات اپنے رشحات قلم ارسال فرمائیں
اپنے مفید آراء سے ہمیں ضرور آگاہ فرمائیں۔

رابطہ قائم کیجیے

ایڈیٹر سے
دارالعلوم دیوان شاہ
اشرف نگر، درگا روڈ بھیونڈی، تھانہ

منیجر سے
المیزان E/57 سانکلی اسٹریٹ
جونی مسجد کمپاؤنڈ، بمبئی نمبر ۸